کتاب [illegible]

عبدالرحمٰن الجوزی

ترجمہ [illegible]

علما اکیڈمی

Marfat.com

کِتَابُ الفقہ

علی المذاہب الاربعہ

DATA ENTERED

جزء چہارم

شخصی قوانین

تالیف: عبدالرحمٰن الجزیری

ترجمہ: منور احسن عباسی

علماء اکیڈمی

شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب

۲۰۱۳ء

Marfat.com

297.3
ج 3، ک ت
14547
جلد دوم

جملہ حقوق محفوظ

ISBN NO. 978-969-28-0299-4

ناشر : محمد حسن رضوی

ڈائریکٹر جنرل مذہبی امور و اوقاف، پنجاب، لاہور

نگرانِ طباعت : عبدالحمید چودھری

ڈپٹی ڈائریکٹر۔ علماء اکیڈمی اوقاف پنجاب، لاہور

اشاعت ہشتم : دسمبر 2012ء (طباعت جدید)

تعداد : ایک ہزار

طابع : آغا امیر حسین

کلاسیک۔ 42 شاہراہ قائداعظم، لاہور

ملنے کا پتہ : (i) شعبہ مطبوعات علماء اکیڈمی اوقاف، بادشاہی مسجد لاہور

فون: 042-37657115

(ii) سیل پوائنٹ۔ مطبوعات اوقاف دربار حضرت داتا گنج بخشؒ، لاہور

فون: 042-37113464

Marfat.com

مقدمہ طبع جدید ہشتم

محمد حسن رضوی

ڈائریکٹر جنرل مذہبی امور

واوقاف پنجاب

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیّد الانبیاء

والمرسلین وعلی الہ واصحابہ اجمعین.

دین اسلام کے احکام کو سمجھنے کے لیے قرآن وسنت کے بعد فقہ کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ فقہ دراصل ان مضبوط دلائل کا نام ہے جن کی روشنی میں قرآن وسنت کے مطابق انسانی زندگی میں درپیش مسائل کے حل اور احکام دین کو سمجھنے کا کام کیا جاتا ہے اور ان انسانی زندگی کے مسائل کا حل فقہ کے دلائل کے ذریعے قرآن وسنت کی روشنی میں اخذ کیا جاسکتا ہے۔ فقہ ایک ایسا علم ہے جس کے تحت انسانی زندگی کے شعبہ ہائے جات میں روزمرہ پیش آمدہ مسائل واعمال بیان کئے جاتے ہیں ۔ ارکان اسلام نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور مسلمانوں کے دیگر روزمرہ کے معاملات جیسا کہ نکاح وطلاق، خرید وفروخت، حلال وحرام، مزارعت ومساقات اور مضاربت، کرایہ داری وعاریت، ہدیہ ومیراث، شرکت و بٹائی، چوری وڈکیتی، شراب خوری وحرام کاری، حدود وتعزیرات وغیرہ تمام عبادات وانسانی معاملات کی شرعی تفصیلات اس علم کے تحت آتی ہیں۔ اسلام ایک مکمل دستور حیات اور جامع نظام حیات ہے اس لئے اس کے زیر اثر فقہ کے علم کو بھی نہایت وسعت وعظمت حاصل ہے اور انسانی زندگی کا کوئی بھی عملی پہلو اس علم کے احاطے سے باہر نہیں رہ سکتا۔

Marfat.com

بلاشبہ شعبہ ہائے زندگی میں اختلاف انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ اس لئے ان فقہی مسائل کے بارے میں حضور ﷺ کے بعد بعض علمی اختلافات سامنے آئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علمی اختلافات کے بعض اسباب جو کہ دور تک اثر انداز ہوئے ان کا ذکر زندگی گزارنے کے لیے اس دور میں اشد ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ کے فرمانِ ذی شان کا ہر صحابی کے علم میں نہ ہونا۔ مختلف اوقات میں حضور ﷺ کے اقوال واعمال کا مختلف ہونا، حضور ﷺ کے فرمان، اقوال واعمال کی پیروی سنت ہے یا واجب یا کیا ہے؟، اس میں اختلاف، حضور ﷺ کے قول وفعل کو پورے طریقے سے نہ سمجھ سکنا، تحصیل علم کی صلاحیت کا مختلف ہونا، پھر مسائل کے اخذ کرنے کے طریق کار کا مختلف ہونا، کسی نے صرف نقل کو ضروری سمجھا اور کسی نے عقل کی رو سے مسئلہ کے حل کو جائز مانا، کسی حکم کی علت کو سمجھنے میں اختلاف، سہو ونسیان اور حفظ ویادداشت کا اختلاف۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد اس قسم کے اسباب کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے ایسے اسباب رونما ہوئے جن کی بناء پر فقہی مسائل میں علمی اختلاف بڑھتا گیا جن میں ہر قول کسی نہ کسی دلیل پر مبنی ہے اور شرعی اصول وحدود کے مطابق ہے، اسی لئے اس اختلاف کو کبھی بھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا بلکہ بنظر تحسین دیکھا گیا کہ بسا اوقات اسی علمی اختلاف اقوال کی بدولت انسان کسی بڑی مشکل اور الجھن سے نجات پالیتا ہے۔

فقہی مسائل میں امت مسلمہ کے درمیان اختلاف کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ امت میں فقہی مذاہب بھی کثیر مقدار میں پیدا ہوگئے، اگرچہ تمام کے تمام زیادہ مدت باقی نہ رہ سکے۔ البتہ ایسے مذاہب جو باقی رہے، خوب پھلے پھولے اور پھیلے، وہ پورے طور پر جمع بھی گئے گئے اور مشہور بھی ہوئے، حسب ذیل ہیں: حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی، ظاہری، اثنا عشری۔ ظاہریہ مذہب کے علاوہ اہل السنۃ والجماعۃ کے باقی چاروں مذہب حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی قرآن وحدیث واجماع کے ساتھ ساتھ قیاس سے بھی استدلال پر متفق ہیں اگرچہ بے شمار مسائل کے حق میں طریق استدلال اور نتائج میں اختلاف رکھتے ہیں۔ اس لیے امت کا بڑا حصہ ہر عہد میں انہیں چاروں مذاہب کا پابند رہا ہے۔

Marfat.com

پیش نظر ''کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه'' مصر کے مشہور جلیل القدر عالم وفقیہ شیخ عبدالرحمٰن الجزیری کی مایہ ناز تصنیف ہے۔ جسے ممالک اسلامیہ کے علمی وفقہی حلقوں میں بے حد پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ مصنف موصوف نے اپنی اِس ضخیم کتاب میں جملہ مسائل فقہ ازقسم عبادات، معاملات، شخصی قوانین اور حدود وتعزیرات مذکورہ مذاہب اربعہ کی روشنی میں بڑی شرح وبسط سے بیان کیے ہیں۔ علامہ موصوف نے اس کتاب کی ترتیب میں جس نہج کو اختیار کیا ہے اس کی اہم نکات درج ذیل ہیں:

1۔ ہر مسئلہ کو ایک خاص عنوان کے تحت درج کیا ہے تا کہ قاری مطلوبہ مسئلہ کو فہرست مضامین کی مدد سے باآسانی معلوم کر لے۔

2۔ متن میں وہ مسائل دیئے گئے ہیں جن پر حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے یا پھر کم ازکم دو مذاہب کا اتفاق ہے۔ بقیہ مذاہب کی تفصیل حاشیہ میں دے دی گئی ہے۔

3۔ جن مسائل میں حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ کا مسلک الگ الگ ہے۔ ان کا ذکر حاشیہ میں کر دیا گیا ہے۔

4۔ ہر مسئلہ میں آئمہ اربعہ کے دلائل کو قرآن وسنت کی رو سے اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا نقطۂ نظر واضح ہو جائے۔

5۔ جملہ مسائل کی وضاحت اور صراحت میں بھر پور کوشش کی گئی ہے، تا کہ جو شخص اس کتاب کا مطالعہ کرے وہ باآسانی اپنی مطلوبہ معلومات حاصل کر سکے۔

6۔ جن مسائل کے متعلق کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی نص نہیں بلکہ ان کے متعلق تمام مسالک کی بنیاد اجتہاد پر ہے ان کا ذکر بھی حاشیہ میں کر دیا گیا ہے۔ الا یہ کہ ایسے مسائل جن میں آئمہ اربعہ کا اجماع، یا کم ازکم دو آئمہ کا اتفاق ہو تو ان کا ذکر متن ہی میں کیا گیا ہے۔

7۔ پوری کتاب میں ممکن حد تک احکام شریعہ کی حکمت ومصلحت کو بیان کیا گیا ہے۔

8۔ اس پوری کتاب میں جہاں تک ہوسکا ہر جگہ احکام شریعہ کی حکمت کو بیان کر دیا گیا ہے۔

الغرض اس کتاب ... [illegible]

Marfat.com

دوسرے مسالک اور اُن کے مآخذ و دلائل کا بھی علم ہوگا۔

اس کتاب کا اُردو ترجمہ مولانا منظور احسن عباسی نے پوری دیانت، محنت اور مہارت سے کیا ہے اور پوری کوشش کی ہے کہ عبارت عام فہم ہو۔ جہاں کہیں اصل متن میں اس قدر ایجاز تھا کہ اُس کا محض ترجمہ کردینے سے زیر بحث مسئلہ کی وضاحت نہ ہوسکی وہاں توضیح مقصد کی خاطر بعض عبارات کا اضافہ خطوط وحدانی کردیا گیا ہے۔

کتاب الفقہ علی مذاهب الاربعہ: اپنی پانچوں جلدوں کے ساتھ اسلامی احکام و مسائل کی ایسی جامع اور مستند کتاب ہے جس کا ہر گھر، دفتر، لائبریری اور علماء، فقہا، مفتیان، قانون کے طلباء اور وکلاء کے پاس ہونا انتہائی ضروری ہے تاکہ روزمرہ پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنے میں اس فقہی انسائیکلوپیڈیا سے رجوع کیا جاسکے۔ علمی، دینی اور قانونی حلقوں میں یہ عظیم کام بے حد پذیرائی حاصل کرچکا ہے۔

اہل علم اور دانش اور دینی و تدریسی حلقوں کے مسلسل تقاضوں کی بناء پر اس کتاب کے کئی ایڈیشن طبع کئے جاچکے ہیں۔ زیر نظر کتاب 1999 میں کمپیوٹر کمپوزنگ کی شکل میں عوام الناس کے سامنے آئی جس کا سراہا جانا ایک فطری امر تھا۔ سال 2006ء میں نئے ایڈیشن کی طباعت کے مرحلے پر پروف ریڈنگ اور رموز و اوقاف کی درستگی کو یقینی بنایا گیا۔

زیر نظر آٹھویں ایڈیشن کی اشاعت پر ہم، طارق محمود پاشا، سیکرٹری / چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف و مذہبی امور پنجاب کے تہہ دل سے ممنون اور شکرگزار ہیں جن کی بدولت ہم اس ضخیم اور عظیم کتاب کی پانچ جلدوں کو شائع کرکے قارئین کرام کی ضرورت کو پورا کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔

زیر نظر ایڈیشن کمپیوٹرائزڈ کمپوزنگ سے مزین کتابت، اعلیٰ طباعت، خوبصورت سرورق، عمدہ کاغذ اور بہترین جلد بندی کے ساتھ پیش خدمت ہے جو یقیناً قارئین و محققین اور ریسرچ سکالرز کے لئے انتہائی مفید ہوگا۔

اللہ تعالیٰ قارئین کرام کو اس سے بھرپور استفادہ کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے! آمین۔

ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق جنوری 2013ء

Marfat.com

مقدمہ از مترجم

بحمداللہ، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ تالیف انیق علامہ عبدالرحمٰن الجزیری المتوفی ۱۳۶۰ھ۔۱۹۴۱ء کے چوتھے جز کا ترجمہ بھی اس عاجز کے ناتواں ہاتھوں سے انجام پایا۔ اس ترجمہ کا آغاز ایسے حالات میں ہوا جب کہ میری بیماری اور ناتوانی کا یہ عالم تھا کہ میں تیسری جلد کے ترجمہ کا مقدمہ تحریر کرنے سے معذور رہا لیکن اللہ کی توفیق شامل حال رہی اور چوتھی جلد کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ میری صحت بھی بحال ہوتی گئی۔ اس وقت میری عمر قمری تقویم کے لحاظ سے ۸۰ سال ہے جیسا کہ میرے نام ''منظور احسن'' سے، جو مادہ سال ولادت پر مبنی ہے، عیاں ہے۔

کتاب مذکور کا یہ حصہ احوال شخصیہ یعنی شخصی قوانین (Personal Laws) پر مشتمل ہے جس میں مسائل متعلقہ نکاح وطلاق کی تفصیل ہے۔ اس کا آغاز لفظ ''نکاح'' کی تشریح سے ہوتا ہے۔ فصل آخر حق حضانت (یعنی تربیت و پرورش اولاد) کے مسائل پر محتوی ہے۔

ترجمہ کے وقت کتاب الفقہ جزو چہارم کی پانچویں اشاعت کا متن پیش نظر تھا ظاہر ہے کہ جو کتاب چار بار پہلے چھپ چکی ہے اس کا پانچواں ایڈیشن صحت کے اعتبار سے نہایت قابل اعتبار ہونا چاہیے لیکن اس میں بھی طباعت کی غلطیوں کے علاوہ عبارت میں بھی کچھ غلطیاں مشاہدہ میں آئی ہیں۔ اگرچہ ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے اور ضخیم المتن کتابوں میں فروگزاشتوں کا پایا جانا خارج از امکان بھی نہیں ہے تاہم نیاز مند مترجم کے لیے نفس ترجمہ کی دشواریوں کے علاوہ یہ حسن ظن بھی موجب تعجب رہا کہ اس نسخہ میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

میں نے اپنی دانست میں تابحد امکان، صحت ترجمہ کی کوشش کی ہے۔ جہاں تک ترجمہ کا تعلق ہے ملک کے اہل علم وفضل نے اس ترجمہ پر نہ صرف یہ کہ اطمینان کا اظہار فرمایا ہے بلکہ تحسین بھی کی ہے۔

Marfat.com

بعض اصحاب علم جنہوں نے سابقہ شائع شدہ تین حصوں کے تراجم کو بہ امعان نظر مطالعہ کیا ہے کہیں کہیں فروگزاشت کی نشاندہی فرمائی ہے۔ تاہم انہوں نے بھی ترجمہ کی حیثیت سے اسے پسند فرمایا ہے۔ اور بغرض اصلاح جو رائے ظاہر کی ہے وہ بہر حال میرے اور ادارۂ مطبوعات محکمہ اوقاف کے لیے موجب تشکر و امتنان ہے۔

اس کتاب کا موضوع چونکہ نکاح و طلاق کے مسائل سے متعلق ہے، اس لیے ناگزیر تھا کہ اس میں ایسے افعال و اعمال کا ذکر بھی آجائے جن کا تعلق جنس سے ہے۔ میں نے اس ترجمہ میں یہ کوشش کی ہے کہ جنسی مسائل کی تفصیل میں پاس حیا مجروح نہ ہوتا کہ ہر طبقہ کے مرد و زن اور خرد و بزرگ اس کو پڑھنے یا سنانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں۔

بالآخر اللہ کی جناب میں دعا ہے کہ وہ میری اس ناچیز خدمت کو ہر عام و خاص کے لیے مفید اور میرے لیے وسیلہ نجات بنائے اور قارئین کرام سے التجا ہے کہ وہ میرے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں۔

والسلام و باللہ التوفیق۔

نیاز مند مترجم

منظور احسن عباسی

۱۱۲۔ ڈی ماڈل ٹاؤن، لاہور

۲۷ فروری ۱۹۷۵ء

Marfat.com

انتساب منجانب مؤلف

میں اپنی اس کتاب کو دین کے عظیم الشان مصلح، جنہیں دینی افکار کو فروغ دینے میں پوری مہارت اور دسترس حاصل ہے یعنی امام، استاد معظم، شیخ محمد مصطفیٰ المراغی، شیخ جامعہ ازہر کے نام سے معنون کرتا ہوں۔

ضروری توضیح

اس کتاب میں بالعموم ایسے مسائل کو بیان کیا گیا ہے جنہیں ائمہ (فقہا) کے نزدیک ترجیح حاصل ہے۔ وہ مسائل جن کو ترجیح حاصل نہیں ہے۔ اکثر حالات میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا تاہم جو مسائل مفید سمجھے گئے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

Marfat.com

مقدمہ کتاب از مؤلف

الحمد اللّٰہ تعالیٰ حمداً کثیراً واصلی واسلم علی نبیه محمد خاتم الانبیاء والمرسلین و علی آله واصحبه اجمعین.

مقام شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، حصہ چہارم کے تالیف کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ حصہ احوال شخصیہ (یعنی شخصی قوانین فقہی) کے متعلق ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ حتی المقدور اس کی عبارت آسان اور ترتیب بہتر ہو۔ میرے مدنظر فقہ اسلامی کے سابقہ حصوں کی طرح ایک ایسی کتاب کا پیش کرنا ہے جس سے انسان کو معاشرتی حقوق و واجبات کے مالہ وماعلیہ سے نہ صرف واقفیت حاصل ہو بلکہ ان کو مزید واضح اور آسان کر دیا جائے تاکہ ملت اسلامیہ ان کو سمجھ کر بالکل مرضی حق تعالیٰ کے مطابق ادا کرے اور خاندانی تنازعات جو باہمی افتراق کے موجب اور صلہ رحمی کے منافی ہیں اور جن کے باعث زوجین اور قرابت داروں میں مہر و محبت کی بجائے بغض وعداوت جڑ پکڑتی ہے وہ ختم ہو جائیں۔ علاوہ اس کے ان حقوق کی مراعات انسان کو مضرت رساں خواہشات نفسانی کی گمراہیوں سے بچاتی اور اللہ کے ان مقرر کردہ حدود کی نشاندہی کرتی ہے جن کی پابندی کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے "ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه" (یعنی جس نے اللہ کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز کیا اس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا)۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خاندانی اصلاح ہی دراصل اجتماعی اصلاح کی بنیاد ہے جس پر خوش بختیٔ ملت کا قصر قائم اور ملت کا عمرانی ستون برپا ہے۔ اب اگر مجھے اس مقصد کو جو اس کتاب کی تالیف سے میرے پیش نظر ہے حاصل کرنے کی توفیق ہو تو یہ اسی خدائے واحد کا فضل ہے جس کی بدولت جملہ کائنات کا وجود، اس کی بقا اور حرکت وسکون قائم ہے۔ بصورت دیگر مجھ ناتوان بندہ کی کیا بساط ہے؟ مجھ میں نہ تو برائیوں سے بچنے کا یارا ہے اور نہ نیکیوں کی قوت ہے تا آنکہ خدائے قادر کی مدد شامل حال نہ ہو۔

میرا خیال تھا کہ فقہی مسائل کے جملہ ابواب کو صرف چار اجزائے کتاب میں پایۂ تکمیل کو پہنچا دینا ممکن ہوگا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اس کے لیے دو باتیں ضروری ہوں گی۔ بیشتر مقامات پر اختصار سے کام

Marfat.com

لینا اور بعض فقہی مسائل کو حذف کر دینا۔ یہ امور ایک تو اس مقصد توضیح وتشریح کے منافی تھے جو میرے پیش نظر تھا دوسرے یہ کہ بحیثیت مجموعی یہ کتاب ناقص رہ جاتی لہٰذا یہ ناگزیر ہوا کہ مسائل کو جوں کا توں رہنے دوں۔ ایسی صورت میں اس کتاب کا پانچواں حصہ مرتب کرنا پڑا جو فقہ کے باقی ماندہ مسائل پر مشتمل ہو۔ اس میں اہم مسائل حدود (اسلامی تعزیرات) مسائل وقف، قضا (شرع کے قانونی فیصلے) اور جہاد وغیرہ ہیں جو اس میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس چوتھے حصے کی طباعت مکمل ہونے کے بعد، انشاء اللہ تعالیٰ اس کی طباعت شروع ہو جائے گی۔

(مؤلف)

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	نکاح کا بیان	
۱۔	نکاح کی تعریف	۱
۲۔	نکاح کی شرعی حیثیت کا بیان	۶
۳۔	نکاح کے ارکان کا بیان	۱۵
۴۔	نکاح کی شرطوں کا بیان	۱۷
۵۔	اہم مسائل متذکرہ سابقہ کا خلاصہ، مسائل متفق علیہ ومختلف فیہ کا بیان	۳۱
۶۔	صیغہ (الفاظ کا نکاح)	۳۱
۷۔	گواہ اور زوجین	۳۳
۸۔	ولی کی تعریف	۳۴
۹۔	ولی کی قسموں کا بیان	۳۷
۱۰۔	ولی مجبر اور ولی غیر مجبر کے دائرہ اختیار کا بیان	۳۹
۱۱۔	قریبی رشتہ دار کے ہوتے ہوئے دور کے رشتہ دار کا بحیثیت ولی شادی کر دینے کا بیان	۴۹
۱۲۔	ولی کا کسی اور کو وکیل نکاح بنانے کا بیان	۵۴
۱۳۔	ولی (نکاح) بنانے کا ثبوت از روئے قرآن وحدیث	۶۰
۱۴۔	مسائل متعلقہ ولی کا خلاصہ	۶۷
۱۵۔	شادی میں کفو کا لحاظ رکھنے کا بیان	۷۱
۱۶۔	محرمات کا بیان جن کے ساتھ عقد نہیں ہو سکتا	۸۰
۱۷۔	مصاہرہ (یعنی از دواجی رشتہ) سے حرام ہونے والی عورتوں کا بیان	۸۲
۱۸۔	ان عورتوں کا بیان جن کا زوجیت میں جمع کرنا حرام ہے	۸۹
۱۹۔	مختلف مذہب کی عورتوں سے نکاح کا بیان	۹۸
۲۰۔	تین طلاق والی عورت کے حرام ہو جانے کا بیان، حلالہ کرنے والے کے متعلقہ مسائل	۱۰۱
۲۱۔	مشروط نکاح اور وقتی نکاح کا بیان	۱۱۰
۲۲۔	وقتی نکاح یا متعہ کا بیان	۱۱۶
۲۳۔	صداق یا مہر کا بیان	۱۲۲
۲۴۔	مہر کی شرطوں کا بیان	۱۲۳
۲۵۔	مہر کی قسموں کا بیان۔خلوت (مباشرت) اور نکاح فاسد	۱۳۶
۲۶۔	شبہ میں (غیر عورت کے ساتھ) مباشرت کرنے کا بیان	۱۵۲
۲۷۔	نکاح شغار، یا دو عورتوں کو ایک دوسرے کا مہر قرار دیکر نکاح کرنے کا بیان	۱۵۸
۲۸۔	ان صورتوں کا بیان جن میں مہر مثل عائد ہوتا ہے	۱۶۱
۲۹۔	نکاح تفویض (جس میں مہر کا فیصلہ دوسرے پر چھوڑ دیا جائے) اور اس میں جو مہر یا بیوی کا جوڑا واجب ہوتا ہے اس کا بیان	۱۶۳
۳۰۔	مہر کے مال میں میاں بیوی کے تصرف ہبہ وفروخت وغیرہ کا بیان	۱۷۱
۳۱۔	مہر کے تلف ہو جانے اور اس کی ذمہ داری کا بیان	۱۷۸
۳۲۔	اصل شی مہر میں بڑھوتری یا کمی ہو جانے کا بیان	۱۸۲
۳۳۔	مہر موجل اور مہر معجل کا بیان	۱۹۰
۳۴۔	بیوی کا وصولی مہر سے پہلے مباشرت وغیرہ سے انکار کرنے کا بیان	۱۹۴
۳۵۔	خاوند کے ادائے مہر سے عاجز رہنے کا بیان	۲۰۲
۳۶۔	بیوی کو سفر میں ساتھ لے جانے کے حق کا بیان	۲۰۴
۳۷۔	زوجین کے درمیان مہر کے بارے میں اختلاف کا بیان	۲۰۶
۳۸۔	اصلی مہر کو چھپانے اور غیر اصلی مہر کا اعلان کرنے اور خاوند کے تحفہ اور عورت کے جہیز کا بیان	۲۱۵
۳۹۔	ان عیوب کا بیان جو فسخ نکاح کا موجب ہیں، اس میں عنن (نامرد)، مجبوب (زنخہ)، خصی (مقطوع الخصیہ) شامل ہیں	۲۲۲
۴۰۔	غیر مسلم کے ساتھ نکاح کا بیان	۲۴۵
۴۱۔	مرتد (دین سے پھر جانے والے) کے نکاح کا بیان	۲۷۶
۴۲۔	قسم بین الزوجات یعنی بیویوں کے درمیان شب گزاری اور نفقہ وغیرہ کی تقسیم کا بیان۔اس کی تعریف	۲۹۲
۴۳۔	قسم (تقسیم اوقات یا باری مقرر کرنے) کا حکم، اس کا ثبوت اور اس کی شرطیں	۲۹۴

Marfat.com

۴۴۔ ایسے امور کا بیان جن میں بیویوں کے درمیان یکساں سلوک واجب نہیں مثلاً قلبی محبت اور خواہش نفسانی ۲۹۶

۴۵۔ قسم (باری مقرر کرنے) کی صورت اور اس کے متعلقہ امور کا بیان ۲۹۹

۴۶۔ باری مقرر کرنے میں نئی بیوی کا حق اور کسی عورت کا اپنے حق سے دستبردار ہونے کا بیان ۳۰۱

۴۷۔ آیا خاوند کو اختیار ہے کہ اپنی بیویوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جائے؟ ۳۰۵

۴۸۔ آیا خاوند اپنی بیویوں کو ایک گھر میں یا ایک بچھونے پر رکھ سکتا ہے؟ ۳۰۸

۴۹۔ رضاعت (دودھ پلانے) کا بیان۔ رضاعت کی تعریف ۳۰۹

۵۰۔ دودھ کے رشتے قائم ہونے کی شرطیں ۳۱۲

۵۱۔ دودھ سے جو رشتے حرام ہو جاتے ہیں اور جو حرام نہیں ہوتے ان کا بیان ۳۲۳

۵۲۔ دودھ کا رشتہ ثابت ہونے کا بیان ۳۳۶

طلاق کا بیان

۵۳۔ طلاق کی تعریف ۳۴۵

۵۴۔ طلاق کے ارکان (اجزائے لازمی) کا بیان ۳۴۷

۵۵۔ طلاق کی شرطوں کا بیان، جبری طلاق، مذاق میں طلاق غلطی کی طلاق اور غصہ کی طلاق ۳۴۹

۵۶۔ طلاق کی قسموں کا بیان ۳۶۷

۵۷۔ طلاق واجب اور طلاق حرام وغیرہ کی تقسیم ۳۶۷

۵۸۔ طلاق سنی و طلاق بدعی کا بیان، ہر ایک کی تعریف ۳۶۹

۵۹۔ طلاق بدعی کے متعلقہ احکام کا بیان ۳۸۰

۶۰۔ طلاق بدعی کے حرام ہونے کا بیان، کتاب وسنت سے اس کی دلیل ۳۸۳

۶۱۔ طلاق صریح کا بیان ۳۹۲

۶۲۔ طلاق کنایہ (غیر واضح طلاق) کا بیان ۳۹۸

۶۳۔ طلاق کنایہ کی قسموں کا بیان ۳۹۹

۶۴۔ لفظ طلاق کو عورت یا اس کے کسی جزو بدن کی طرف منسوب کرنے کا بیان ۴۱۲

۶۵۔ بیوی کو اس طرح کہنے کا بیان کہ تو حرام یا محرمہ ہے یا مجھ پر حرام ہے۔ ۴۱۷

۶۶۔ تعداد طلاق کا بیان ۴۲۱

۶۷۔ طلاق کو کسی وقت یا جگہ کی طرف منسوب کرنے کا بیان ۴۳۸

۶۸۔ لفظ طلاق یا اسی جیسے کسی لفظ کے ساتھ کوئی صفت لانے کا بیان ۴۴۸

۶۹۔ بیوی کو یا کسی اور کو طلاق کے لیے نائب بنانے کا بیان ۴۵۴

۷۰۔ خلع کا بیان، خلع کی تعریف ۴۷۵

۷۱۔ خلع کے جائز یا ممنوع ہونے کا بیان اور اس کے دلائل ۴۸۳

۷۲۔ خلع کے ارکان (اجزائے لازمی) اور اس کی شرطیں ۴۹۰

۷۳۔ ادائے معاملہ کے ذمہ دار شخص اور خاوند سے متعلقہ شرائط، صغرسن، بے عقل اور مریض عورت کے خلع کرنے کا ذکر ۴۹۰

۷۴۔ شرائط متعلقہ معاوضہ خلع کا بیان، معاوضہ بشکل نفقہ و پرورش اولاد و بشکل مال وغیرہ ۵۰۰

۷۵۔ صیغہ خلع (الفاظ خلع) کی شرائط کا بیان ۵۱۳

۷۶۔ خلع طلاق بائن ہے فسخ عقد نہیں ہے، فسخ اور طلاق میں فرق کا بیان ۵۲۲

۷۷۔ رجعت (رجوع کرنے) کا بیان رجعت کی تعریف ۵۲۵

۷۸۔ رجعت (رجوع کرنیکا) ثبوت ۵۳۰

۷۹۔ رجعت کے ارکان اور شرائط کا بیان ۵۳۱

۸۰۔ مدت عدت کے بارے میں زوجین کے اختلاف اور متعلقہ امور کا بیان ۵۴۶

۸۱۔ خاتمہ ان دو مسئلوں کے بیان میں ۵۶۷

۸۲۔ ایلاء کا بیان۔ ایلاء کی تعریف ۵۷۱

۸۳۔ ایلاء کے ارکان (اجزائے لازمی) اور اس کی شرطوں کا بیان ۵۷۹

۸۴۔ احکام متعلقہ ایلاء کا بیان، اس کا ثبوت ۵۸۴

۸۵۔ ظہار کا بیان، ظہار کی تعریف، اس کے متعلقہ احکام اور اس کی تعریف ۶۰۳

۸۶۔ ظہار کے ارکان اور اس کی شرائط کا بیان ۶۱۲

۸۷۔ کفارۂ ظہار کے واجب ہونے کا بیان اور اس کا وقت ۶۲۱

۸۸۔ کفارۂ ظہار ادا کرنے کے طریقوں کا بیان ۶۲۶

Marfat.com

۸۹۔ عدت کا بیان اور اس کی تعریف ۶۳۱
۹۰۔ عدت کی صورتوں اور ان کی اقسام کا بیان ۶۳۹
۹۱۔ وضع حمل سے عدت پوری ہونے کا بیان۔ عدت کی شرطیں، کم عمر حاملہ بیوی کی عدت، شبہ میں مباشرت سے حاملہ ہو جانے والی عورت کی عدت، نکاح فاسد سے حاملہ ہونے والی کی عدت، زنا سے حاملہ ہونے والی کی عدت، دو عدتوں کے جمع ہو جانے کی صورتیں، حمل کی زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم مدت ۶۴۰
۹۲۔ عدت حمل کا ثبوت اور اس کے شرعی حکم ہونے کی حکمت ۶۵۲
۹۳۔ وفات یافتہ خاوند کی بیوی کی عدت کا بیان درآنحالیکہ وہ حاملہ نہ ہو ۶۵۷
۹۴۔ طلاق یافتہ بیوی کی عدت کا بیان جسے ایام آتے ہیں۔ حیض کا مفہوم اور اس کی شرطیں ۶۶۶
۹۵۔ طلاق یافتہ آئسہ عورت (یعنی محروم الحیض) کی عدت کا بیان اور اس کا ثبوت ۶۷۶
۹۶۔ نفقہ کا بیان۔ نفقہ کی تعریف، اس کی حیثیت، اس کا موجب، اس کے حقدار اور اس کا ثبوت ۶۸۱
۹۷۔ بیوی کے نان نفقہ اور اس کے متعلقہ مسائل کا بیان ۶۸۲
۹۸۔ نفقہ زوجیت کی اقسام کا بیان ۶۸۲
۹۹۔ مقدار نفقہ کے تعین کا بیان (آیا اس میں زوجین میں سے کسی ایک کی یا دونوں کی حیثیت ملحوظ رکھی جائے؟) ۶۹۲
۱۰۰۔ جنس نفقہ کا بیان (نفقہ میں اناج یا لباس دیا جائے یا اس کی قیمت؟) ۶۹۳
۱۰۱۔ وجوب نفقہ کی شرطوں کا بیان ۶۹۴
۱۰۲۔ نفقہ عائد ہونے کا بیان ۷۰۲
۱۰۳۔ نفقہ کو ساقط کرنے والی باتوں کا بیان ۷۰۳
۱۰۴۔ دورانِ عدت نفقہ کا بیان ۷۰۶
۱۰۵۔ خاوند کی غیر موجودگی میں اس پر نفقہ عائد ہونے اور نفقہ کا ضامن ہونے کا بیان ۷۰۹
۱۰۶۔ ادائے نفقہ سے خاوند کے عاجز ہونے کا بیان ۷۱۴
۱۰۷۔ اولاد کے نفقہ کا بیان ۷۱۹
۱۰۸۔ باپ دادا اور قرابت داروں کے نفقہ کا بیان ۷۲۳
۱۰۹۔ حضانت (بچے کی پرورش) کا بیان، حضانت کی تعریف، حضانت کا حقدار ۷۲۹
۱۱۰۔ پرورش کنندہ کے لیے شرطیں ۷۳۳
۱۱۱۔ حضانت (پرورش اولاد) کی میعاد مدت کا بیان ۷۳۵
۱۱۲۔ زیر پرورش بچے کے ساتھ سفر کرنے کا بیان ۷۳۷
۱۱۳۔ حضانت (پرورش اولاد) کی اجرت کا بیان ۷۴۰

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وھو حسبنا و نعم الوکیل

نکاح کا بیان

نکاح کی تعریف

(لفظ) نکاح کے تین معنے ہیں۔ اول معنی لغوی (لغت کی رو سے اس کے معنے) وطی (یعنی مباشرت یا جماع) اور باہم ملنے کے ہیں۔ چنانچہ درخت کی شاخیں جب ایک دوسرے سے مل جائیں اور وہ باہم پیوست ہو جائیں تو کہا جاتا ہے تنا کعت الاشجار (یعنی درختوں کا ہجوم ہو گیا یا درخت گڈمڈ ہو گئے) اور اس کا اطلاق بطور مجاز (مرسل) کے عقد نکاح پر ہوتا ہے کیونکہ یہ سبب (ذریعہ) ہے مباشرت کا۔

دوسرے معنے اصولی ہیں جسے معنی شرعی کہتے ہیں اس بارے میں علماء کے تین مختلف اقوال ہیں۔ ایک تو یہ کہ نکاح کے معنی بالکل لغوی معنی کی طرح مباشرت کے اور مجازی معنے عقد (نکاح) کے ہیں۔ یہ لفظ جب قرآن یا حدیث میں آئے اور (کسی اور معنے کا) قرینہ نہ ہو تو اس کے معنے وطی کے ہوتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تنکحوا مانکح آباء کم من النساء الا ماقد سلف (یعنی جن عورتوں کے ساتھ تمہارے باپ مباشرت کر چکے ہوں ان سے تم مباشرت نہ کرو۔ پہلے جو ہوتا رہا وہ تو ہو چکا)۔ اس آیت میں نکاح کے معنی وطی کے ہیں کیونکہ محض عقد ایسی چیز نہیں جس کی ممانعت کی جاتی۔ محض عقد ایسی قابل شرم بات نہیں ہے کہ اس سے محبت اور احترام کا رابطہ منقطع ہو جائے۔ حنفیہ کی یہی رائے ہے۔ تاہم وہ کہتے ہیں کہ ارشاد باری حتی تنکح زوجاً غیرہ (یعنی مطلقہ مغلظہ جب تک کسی اور سے نکاح نہ کر لے سابقہ خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی) میں نکاح کے معنی عقد کے ہیں مباشرت کے نہیں ہیں۔ اس لئے اس آیت میں عورت کا (لفظ تنکح کا) مسندالیہ (یا فاعل) واقع ہونا (اس معنے کے لئے) ایک قرینہ ہے کیونکہ مباشرت ایسا فعل ہے جو مرد کا ہے عورت کا نہیں ہے (لہٰذا اس فعل کا فاعل عورت نہیں ہو سکتی) لیکن (اس معنے کی رو سے تو) آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ کسی سے محض عقد کر لینا حلالہ (خاوندِ اول پر حلال ہونے) کے لئے کافی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ حدیث میں بصراحت یہ آیا ہے کہ حلالہ کے لئے (خاوندِ ثانی کے

Marfat.com

ساتھ) مباشرت کا ہونا ضروری ہے لہٰذا یہ مفہوم معتبر نہیں ہے۔اس کی کھلی دلیل حدیث ''عسیلۃ'' سے ہوتی ہے (یعنی وہ حدیث جس میں لفظ ''عسیلہ'' آیا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس مطلقہ عورت سے جس نے کسی اور کے ساتھ نکاح کر رکھا تھا لیکن چاہتی تھی کہ پھر اپنے سابقہ خاوند کے پاس چلی جائے) فرمایا تھا ''حتی تذوقی عسیلته'' (یعنی ایسا نہیں ہوسکتا) جب تک کہ تو اسے آزما نہ چکی ہو۔ (یعنی مباشرت کے بعد دوسرا خاوند طلاق دے دے تب ہی تو پہلے خاوند سے عقد کرسکتی ہے)

دوسرا قول یہ ہے کہ معنی لغوی سابقہ کے برعکس نکاح کے حقیقی معنے عقد کے ہیں اور مجاز معنے وطی کے ہیں۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں یہ لفظ زیادہ تر عقد ہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد حتی تنکح زوجاً غیرہ میں بھی اس لفظ کے یہی معنی ہیں۔شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک بھی یہی قول قابلِ ترجیح ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ لفظ نکاح عقد اور وطی دونوں معنوں میں مشترک ہے۔دراصل اقوال ثلاثہ میں سے یہی قول سب سے زیادہ قوی ہے۔کیونکہ احکام شرعیہ میں یہ لفظ کبھی تو عقد کے معنے میں آیا ہے اور کبھی وطی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔بغیر اس کے کہ اس کے معنی اول کا ترک کرنا ملحوظ ہو۔اس سے ثابت ہوا کہ یہ لفظ دونوں معنوں میں حقیقی ہے۔

(اس لفظ) نکاح کے تیسرے معنی ''فقہی'' ہیں جس کی تعبیر فقہاء نے مختلف عبارتوں میں کی ہے لیکن سب کا مفہوم ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ عقد نکاح شارع نے اس لئے رکھا ہے کہ اس سے خاوند خود اپنی بیوی کے تمام جسم سے محظوظ ہوسکے چنانچہ نکاح کے بعد خاوند اس انتفاع کا مالک ہوجاتا ہے اور یہ حق صرف اسی کے لئے مخصوص ہوتا ہے لیکن اس سے حصول منفعت کا مالک نہیں ہوتا۔انتفاع کا مالک ہونے اور منفعت کا مالک ہونے میں فرق یہ ہے کہ منفعت کا مالک ہونا یہ ہے کہ اسے اپنی بیوی کے جسم سے ہر طرح کا نفع حاصل کرنے کا اختیار حاصل ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے۔چنانچہ اگر احیاناً کوئی شخص غیر کی عورت کے ساتھ غلطی سے یہ سمجھ کر کہ یہ میری بیوی ہے مباشرت کرلے تو اس پر مہر مثل ادا کرنا لازم ہوگا اور اس مہر کی مالک وہ عورت ہوگی اس کا خاوند نہ ہوگا۔اگر مرد عورت (کے وجود) سے حاصل شدہ نفع کا مالک ہوتا تو یہ مال مہر خاوند کو ملتا کیونکہ نفع اس عورت کے جسم سے حاصل ہوا ہے۔

یہاں تک جو کچھ بیان ہوا تمام اہل مسالک اس سے متفق ہیں۔گو نکاح کی تعریف بیان کرنے میں ان کی عبارتیں مختلف ہیں۔اس کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

ا۔حنفیہ میں سے بعض اصحاب نے نکاح کی یہ تعریف کی ہے کہ نکاح (منجملہ معاملات کے) ایک معاملہ ہے جو

Marfat.com

اس ارادہ سے کیا جائے کہ ایک شخص ملکِ متعہ کا مالک ہو جائے اور لک متعہ کے معنے یہ ہیں کہ ایک خاص شخص (بلاشرکت غیرے) ایک عورت کے تمام جسم سے بشمول عضوِ مخصوص حظ اندوز ہونے کا مالک ہو۔ لیکن ایسا مالک ہونے سے مراد حقیقی معنی میں مالک ہونا نہیں ہے۔

بعض اصحاب نکاح کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ ایک شخص کو کسی ذات (ہستی) سے حق استمتاع کا مالک بنا دیتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے خاص شخص کو صرف عضوِ مخصوص سے متمتع ہونے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ لیکن بعض اصحاب کہتے ہیں کہ نکاح نہ صرف جزو مخصوص بلکہ تمام اجزائے بدن سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے ہوتا ہے بایں طور کہ اس سے صرف خاوند کو متمتع ہونے کا حق ہے کسی اور شخص کو نہیں ہے۔ ان تمام عبارتوں کا مفہوم ایک ہے چنانچہ جس نے یہ کہا کہ نکاح (کر لینے) سے مرد اس کی ذات کا مالک ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ قدرتی طور پر وہ اس کا حقیقی مالک بن جاتا ہے کیونکہ آزاد (خاتون) کا کوئی مالک نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ صرف وہی شخص اس سے محض متمتع ہونے کا حق رکھتا ہے۔ بعض لوگوں کی تعریف میں قصداً (یا ارادۃً) کا لفظ جو آیا ہے اس سے وہ صورت (معاملہ) نکل گئی جس میں یہ حق ضمناً حاصل ہوتا ہے (یعنی خاص اس حق کے لئے معاملہ نہیں کیا جاتا) مثلاً کسی شخص نے ایک لونڈی خریدی تو اس خریدنے سے ضمناً اس کے ساتھ مباشرت بھی حلال ہو جاتی ہے۔ حالانکہ وہ عقد (خریداری ہوتا ہے) عقد نکاح نہیں ہوتا، جیسا کہ ظاہر ہے۔

شافعیہ میں سے بعض اصحاب نے نکاح کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ ایک معاملہ ہے جس میں نکاح یا تزویج یا اس کے ہم معنے لفظ استعمال کیا جاتا ہے تاکہ اس سے مباشرت کی ملکیت (یا اس کا اختیار) حاصل ہو اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص لذت معلومہ سے تمتع کا مالک ہو جائے۔ اس لحاظ سے یہ عقد (نکاح) ایک عقد تملیک (مالک بنانے والا معاملہ) ہے۔ جیسا کہ اوپر متن میں بتایا گیا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ نکاح (کا مفہوم) مشتمل ہے وطی (مباشرت) کے مباح ہو جانے پر ایسی صورت میں یہ ایک عقد اباحت (یعنی مباح یا جائز کر دینے والا معاملہ) ہے، عقد تملیک (مالک بنانے والا معاملہ) نہیں ہے۔ ان (دونوں معنوں میں) اختلاف کا فرق اس صورت میں ظاہر ہوگا جب ایک شخص قسم کھائے کہ میں کسی شے کا مالک نہ ہوں گا اور (اس قسم میں خاص قسم کی ملکیت کی) کوئی نیت نہیں ہے تو بیوی کا محض مالک (یا مختار) ہونے سے اس قول کے مطابق اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کہ عقد نکاح میں تملیک نہیں ہوتی۔ لیکن دوسرے قول کے مطابق (جس میں نکاح کو تملیک سے تعبیر کیا گیا ہے) قسم ٹوٹ جائے گی اور (بہر حال) قابل ترجیح یہی قول ہے کہ نکاح عقد اباحت ہے (عقد تملیک نہیں ہے)

مالکیہ نکاح کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ "نکاح محض جنسی لذت (یا عورت سے مباشرت) کے لئے ایک معاملہ ہے۔ جو حصولِ لذت سے پہلے گواہوں کی موجودگی میں کیا جاتا ہے اور اس کام کی قیمت واجب الادا نہیں ہوتی اور اس معاملہ کا کرنے والا یہ نہ سمجھتا ہو کہ بقول مشہور کتاب اللہ میں اسے حرام بتایا گیا ہے، یا بقول غیر مشہور اس کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نکاح عبارت ہے مجرّد (محض) متعۃ التلذّذ (یعنی حظِ نفس کا فائدہ اٹھانے کے لئے معاملہ کرنے) سے۔

Marfat.com

تعریف میں جو لفظ عقد (معاملہ) آیا ہے اس میں ہر قسم کے معاملات شامل ہیں۔

لفظ متسعة التـلـذّذ (حظ نفس کا فائدہ) کی قید سے حظ نفس کے علاوہ دوسرے اغراض مثلاً خرید وفروخت کے معاملات خارج ہو گئے۔

لفظ تلذّ ذ (لذت اندوزی) کی قید سے باطنی تمتع مثلاً کسی رتبہ یا عہدہ کا معاملہ خارج ہو گیا۔

مجرّ د (صرف یا محض) کی قید نے حصول تلذّ ذ کی غرض سے کسی لونڈی کے خریدنے کا معاملہ خارج کر دیا کیونکہ لونڈی کی خریداری کا جو معاملہ کیا جاتا ہے اس میں محض لذت مباشرت کا فائدہ پیش نظر نہیں ہوتا بلکہ اصل مقصد لونڈی کی خریداری سے اس کا مالک بننا ہوتا ہے اور حصول لذت ایک ضمنی شے ہے۔ لہٰذا وہ معاملہ خرید ہے عقدِ نکاح نہیں ہے۔

اور عورت سے تمتع (یا جنسی لذت) کے الفاظ سے کھانے پینے کی لذت کا فائدہ اٹھانے کے لئے معاملہ کرنا خارج ہو گیا۔ اور یہ کہا گیا کہ اس کی قیمت واجب الادا نہ ہو اس سے لونڈی کے حلال ہونے کے لئے معاملہ کرنا جو گواہ کے روبرو ہو خارج ہو جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی لونڈی سے متمتع ہونے کا مالک ہو تو اسے نہ تو عقد نکاح کہا جائے گا اور نہ عقد اجارہ (یعنی کرایہ پر لینے کا معاملہ) ہاں اگر یہ معاملہ کیا جائے تو لونڈی کی قیمت واجب ہو گی لیکن عقدِ نکاح کرنے سے اس امر کی قیمت واجب نہیں ہوتی جس کے لئے معاملہ کیا گیا۔

یہ قید کہ اس معاملہ (نکاح) کا کرنے والا یہ نہ سمجھتا ہو کہ جس امر کا معاملہ کر رہا ہے وہ قرآن کی رو سے یا اجماع کی رو سے حرام ہے' اگر ایسا معاملہ کیا جو از روئے قرآن حرام ہے تو وہ عقد باطل ہو گا اور اسے سرے سے نکاح تسلیم نہ کیا جائے گا۔ اگر وہ معاملہ از روئے اجماع حرام ہے تو اسے نکاح فاسد کہیں گے۔ قول مشہور اس باب میں یہی ہے اور غیر مشہور قول یہ ہے کہ اسے مطلقاً نکاح ہی نہ مانا جائے گا۔ خواہ اس کی حرمت قرآن سے ثابت ہو یا اجماع سے۔

تعریف میں قول غیر مشہور کے مطابق اجماع سے حرمت ثابت ہونے کا جو ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قید سے وہ عقد خارج ہو جائے گا جس کی بابت عقد کرنے والا جانتا ہو کہ از روئے اجماع وہ حرام ہے۔ ایسی صورت سے اسے نکاح نہیں کہا جائے گا۔ لیکن یہ قول مشہور کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ ایسا نکاح بقول مشہور نکاح فاسد ہے۔

اور اس قید سے کہ معاملہ (نکاح) حصول حظ سے پہلے گواہوں کی موجودگی میں وہ عورت نکل گئی جبکہ کوئی شخص ایک عورت سے تخلیہ کرے درآنحالیکہ اس بات کا معاہدہ شہادت کی موجودگی میں نہ ہوا ہو ایسے عقد کو عقد نکاح نہیں کہا جاتا۔ لیکن اس پر یہ اعتراض بلا گواہ عقد کی صورت میں اگر کوئی شخص عورت سے تخلیہ کرتا ہے تو وہ عقد طلاق سے فسخ ہو جاتا ہے اور طلاق کا ہونا نکاح ثابت ہونے کی شاخ ہے (تو کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ وہ عقدِ نکاح نہیں ہے) اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اسے فسخ معاملہ اس بنا پر قرار دیا جائے گا کہ دونوں نے عقد کا اقرار کیا اور اس پر عقد کا شبہ ہونے کا باعث ان پر حد (زنا) عائد نہ ہو گی اور مالکیہ نے بیان اجارہ کے آغاز میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ عقدِ نکاح بیوی کے عضو مخصوص اور تمام بدن سے انتفاع کا مالک ہونے کے لئے ہوتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نکاح منفعت ''استمتاع'' کے لئے ایک معاملہ ہے جس میں انکاح یا تزویج (یعنی نکاح میں لانا بیوی بنانا) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور استمتاع سے مراد ان کی دوسرے فقہا کی طرف ''انتفاع'' ہے۔ (یعنی اس سے مراد ان کی' خود مستفید ہونا ہے' نفع کمانا نہیں) چنانچہ اگر شبہ کی بنا پر یا جبراً کسی عورت کے ساتھ مباشرت کر لی جائے تو وہ

Marfat.com

واضح ہو کہ جملہ مسالک کی رُو سے یہ بات مانی ہوئی ہے کہ (۱) جس امر پر معاہدہ ہوا ہے وہ عورت سے منقطع ہونا ہے۔ مرد سے منقطع ہونے پر معاملہ نہیں ہوا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ لیکن احکامات متعلقہ نکاح کی تفصیل سے یہ معلوم ہوگا کہ اگر بیوی سے علیحدہ رہنا اس کے لئے نقصان دہ' بداخلاقی کا موجب اور عصمت کے منافی ہو تو ایسا کرنا حرام ہے۔ نیز مرد کے لئے یہ بھی حرام ہے کہ کسی اور عورت کو اپنی ذات سے بہرہ یاب کرے۔ اسی لئے اصول مذہب کی رو سے صرف اسی عورت پر اکتفا کرنے کا حکم ہے جو اس کے لئے حلال ہے۔ اسی طرح عورت کو بھی اپنے خاوند پر اکتفا کرنے کا حکم ہے اور مرد کو یہ تاکید ہے کہ بیوی کو حتی المقدور پاکباز رکھنے کی کوشش کرے ادھر عورت کو تاکید ہے کہ مرد کی جنسی خواہش پوری کرنے کے بارے میں اس کے حکم کی اطاعت کرے۔ ہاں اگر کوئی حقیقی عذر (یا مجبوری) ہو تو اور بات ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ عقد نکاح میں استمتاع کی جو خصوصیت ہے اور جسے حلال کیا گیا ہے وہی شرعی اور صحیح عقد ہے۔ یعنی وہ عقد جس میں ان شرطوں کی تکمیل کی گئی ہو کہ عقد ایسی عورت کے لئے کیا جائے جس (کے بیوی بنانے) میں کوئی امر مانع نہ ہو لہٰذا مرد کے لئے یا مخنث کے لئے جس کی جنس کا تعین نہ ہو سکے یا بت پرست (مشرکہ) عورت

مہر مثل کی حقدار ہو جاتی ہے اور اس مال مہر کی وہی مالک ہوتی ہے اس کا خاوند مالک نہیں ہوتا' درآنحالیکہ شادی شدہ ہو۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے فلها بما استحق من فرجها (یعنی اس عورت کو اپنی شرمگاہ کا معاوضہ لینے کا حق ہے یعنی اس بے حرمتی کا معاوضہ جو اس شخص کی اس حرکت سے ہوئی)

ا۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں ترجیح اس امر کو ہے کہ معاملہ (نکاح) عورت کے لئے یعنی اس کے اندام نہانی سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ معاملہ دونوں زوج (یعنی میاں بیوی) کے بارے میں (طرفین سے) ہوتا ہے۔ پہلے قول کے مطابق عورت (بیوی) مرد سے مقاربت کا مطالبہ نہیں کرسکتی کیونکہ یہ حق مرد کا ہے۔ تاہم مرد کیلئے بہتر یہی ہے کہ عورت کو محفوظ اور پاکباز رکھے۔ دوسرے قول کے مطابق عورت کو حق پہنچتا ہے کہ وہ مرد سے مقاربت کا مطالبہ کرے جس طرح کہ مرد کو عورت سے مطالبہ کا حق ہے۔ کیونکہ معاملہ دونوں (طرفین) کی بہرہ اندوزی کا ہے۔ ایک طرف مرد کا عورت سے بہرہ اندوز ہونا اور دوسری طرف عورت کا مرد سے بہرہ اندوز ہونا۔ گو اس خیال کو ترجیح حاصل نہ ہو لیکن یہ ایک اچھی بات ہے۔ کیونکہ بعض اوقات مرد عورت سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ اس سے عورت کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے۔ لہٰذا مرد پر واجب ہے کہ اسے پاکباز بنا کر رکھے اور یا پھر دستور کے مطابق اس کو علیحدہ کر دے (طلاق دے دے)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ (عورت سے) تمتع کا حق مرد کو ہے۔ عورت کو نہیں ہے یعنی مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عورت سے استمتاع کے لئے جبر (اصرار) کرے بخلاف عورت کے کہ وہ اسے ایک بار کے سوا مجبور نہیں کرسکتی۔ تاہم دینی نقطہ نظر سے مرد پر واجب ہے کہ وہ عورت کا تحفظ کرے اور اسے پاکباز رکھے تاکہ اخلاقی برائی پیدا نہ ہو۔

Marfat.com

کے لئے نسل، دودھ (رضاعت) یا شادی کے رشتہ سے حرام ہو عقد کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح اس سے عقد کرنا جو نوع انسان سے نہیں ہے مثلاً دریائی انسان (یا جل پری)، کیونکہ وہ بھی جانوروں کی مانند ہے۔

عقد نکاح میں شرعی طور پر ایجاب وقبول ضروری ہے اور یہ کہ عقد گواہوں کی موجودگی میں ہو اور یہ گواہی عقد کے وقت ہونی چاہئے۔ بعض مسالک کی رُو سے مقاربت سے پہلے (کسی وقت بھی) ہو سکتی ہے۔ لیکن عقد مدنیہ (یا سول میرج) یا مقررہ عرصہ کے لئے اجارہ (کرایہ داری) کے طور پر عقد کرنا یا اسی طرح کا (خلاف شرع) عقد کرنا یہ سب زنا (بدکاری) اور (جرم) قابلِ سزا ہے۔

نکاح کی شرعی حیثیت کا بیان

واضح ہو کہ نکاح پر پانچوں قسم کے احکام شرعیہ عائد ہوتے ہیں یعنی نکاح واجب، حرام، مکروہ، سنت ومستحب یا مباح ہو سکتا ہے۔ اور ایسی صورتیں جن میں نکاح واجب ہوتا ہے ازروئے مسالکِ مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (1)

نکاح کا فرض ہونا

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص پر شادی کرنا فرض ہے جو نکاح کرنے کا خواہشمند ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ اگر اس نے شادی نہ کی تو گناہ میں ملوث ہو جائے گا اور روزہ وغیرہ رکھ کر اپنے نفس کو (گناہ سے) باز رکھنے کی ہمت نہیں پاتا اور نہ اتنی مقدرت ہے کہ کوئی لونڈی خرید کر آزاد عورت کے ساتھ شادی کرنے سے بے نیاز ہو جائے تو اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ شادی کر لے اگرچہ حلال روزی کمانے سے عاجز ہو۔ لیکن اس صورت میں شادی کرنے کی تین شرطیں ہیں:

ایک تو یہ کہ اسے اپنی ذات سے ڈر ہو کہ مبادا بدکاری میں مبتلا ہو جائے۔

دوسرے یہ کہ گناہ سے بچنے کے لئے روزہ نہ رکھ سکتا ہو یا روزہ رکھ تو سکتا ہو لیکن محض روزہ کو (گناہ سے بچنے کے لئے) کافی نہ جانتا ہو۔

تیسرے یہ کہ کوئی لونڈی بھی نہ خرید سکتا ہو جو اسے شادی سے بے نیاز کر دے۔

اب اگر شادی کرنے کی قدرت ہو یا روزہ رکھنے کی ہمت ہو جو اسے نفس کے ہیجان سے روک سکے اور یا کوئی لونڈی کر سکتا ہو تو ان تین باتوں میں سے جونسی بات چاہے اختیار کرے۔ لیکن شادی کرنا سب سے بہتر بات ہے۔ بعض اصحاب نے ایک شرط یہ بھی لگائی ہے کہ وہ رزق حلال حاصل کر سکتا ہو۔ یعنی اگر کسی کو گناہ میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہے اور روزہ بھی نہیں رکھ سکتا اور نہ کوئی لونڈی لے سکتا ہے تو شادی کرنا اس کے لئے فرض نہیں ہے جب تک کہ حلال روزی کمانے کا وسیلہ اس کے پاس نہ ہو کیونکہ اگر اسے گناہ میں پڑ جانے کا ڈر ہے تو (ان حالات میں) اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات سے لڑے اور شادی نہ کرے تاکہ اسے چوری چکاری کر کے اپنی بیوی کا خرچ پورا نہ کرنا پڑے کیونکہ ایک حرام سے بچنے کے لئے دوسرے امر حرام کا ارتکاب جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی ایسی ہی مجبوری ہو جو انسان کے بس میں

Marfat.com

نہیں ہے تو انسان اپنی ضرورت کو اس طرح پورا کر سکتا ہے جیسے ایک مجبور شخص کے لئے ناگزیر حالات میں موت سے بچنے کے لئے مردار کھانا مباح ہو جاتا ہے اس کے علاوہ اور کسی صورت میں بھی انسان کے لئے جائز نہیں ہے کہ ایک حرام سے بچنے کے لئے دوسرے فعل کا مرتکب ہو بلکہ واجب یہی ہے کہ جہاں تک انسان کے بس اور اختیار میں ہو اپنے نفس کے خلاف جنگ کرے اور فعلِ حرام سے باز رکھے۔ مردوں کے حق میں یہی اچھا ہے رہا عورت کا معاملہ تو اس پر فرض ہے کہ شادی کرلے (خاص کر) ایسی حالت میں کہ وہ اپنا گزارہ خود کرنے سے عاجز ہو اور بدکرداروں کی حرص کا نشانہ بننے کا ڈر ہو اور اس کا پردہ اور تحفظ شادی کر لینے ہی پر موقوف ہو۔

نکاح کا حرام ہونا

ایسے شخص کے لئے شادی کرنا حرام ہے جسے گناہ میں پڑ جانے کا ڈر تو نہ ہو لیکن رزق حلال کے ساتھ بیوی کا خرچ نہ چلا سکتا ہو یا اس سے مقاربت کے لائق نہ ہو۔ اگر عورت کو اس کی اس معذوری کا علم ہو جائے اور اس پر بھی وہ راضی رہے تو جائز ہوگا۔ اسی طرح اگر اسے یہ معلوم ہو کہ وہ خرچ کے مہیا کرنے سے عاجز ہے اور اسی حال میں رہنے پر راضی ہو تو جائز ہے لیکن شرط یہی ہے کہ نیک راہ پر چلے اگر بیوی کو معلوم ہو کہ خاوند کی روزی حرام کی ہے تو اس پر راضی رہنا جائز نہیں ہے۔

نکاح مستحب اس صورت میں ہے جبکہ ایک شخص کو شادی کی خواہش تو نہ ہو لیکن اولاد کی تمنا ہو۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ شرائط خاوندی پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہو مثلاً حلال روزی کمانا اور مباشرت پر قادر ہونا بصورت دیگر شادی کرنا حرام ہے جیسا کہ بتایا گیا۔

نکاح کا مستحب ہونا

اس صورت میں شادی مکروہ ہے جبکہ اسے شادی کار ثواب کی انجام دہی سے باز رکھے۔ تاہم اگر کوئی شخص نکاح کا خواہشمند تو ہو لیکن یہ اندیشہ نہ ہو کہ (شادی نہ کرنے کی صورت میں) گناہ میں ملوث ہو جائے گا تو شادی کر لینا مستحب ہے بشرطیکہ اس کا بوجھ برداشت کرنے کے قابل ہو۔ خواہ اولاد کی خواہش ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ شادی کار ثواب سے مانع ہو یا نہ ہو۔ اس بارے میں عورت کا وہی حکم ہے جو مرد کا ہے کہ اگر وہ نکاح کی خواہشمند تو نہ ہو لیکن اولاد کی آرزومند ہو تو اسے نکاح کر لینا مستحب ہے۔ بشرطیکہ فرائض زوجیت ادا کرنے کے قابل ہو اور شادی اسے کار ثواب کی انجام دہی سے مانع نہ ہو۔ بصورت دیگر وہ نکاح حرام یا مکروہ ہوگا۔ تاہم اگر وہ نکاح کی خواہش مند ہو لیکن ایسی نہیں کہ (شادی نہ ہونے کی صورت میں) برائی میں پڑ جانے کا ڈر ہے اور وہ اپنا خرچ خود اٹھانے کے قابل ہو اور شادی کے بغیر اپنی حفاظت خود کر سکتی ہے تو اسے نکاح کرنا امر مستحب ہے۔ خواہ اولاد کی آرزو ہو یا نہ ہو اور شادی اس کے کار خیر میں مانع ہو یا نہ ہو۔ اگر کسی عورت کو اپنے نفس سے اندیشہ (گناہ) ہے اور خود اپنی روزی کمانے پر بھی قادر نہیں ہے اور اس کا پردہ نکاح کر لینے پر موقوف ہے تو اس پر نکاح واجب ہے جیسا کہ بتایا گیا۔

نکاح کا مکروہ ہونا

ایسے شخص کے لئے شادی کرنا مکروہ ہے جو نکاح کا خواہشمند نہیں ہے اور اسے ڈر ہے کہ وہ شادی کے بعض مطالبات پورے نہ کر سکے گا اور شادی اسے کار ثواب کی انجام دہی سے مانع ہوگی۔ اس میں خواہ مرد ہو یا عورت اور اولاد کی

Marfat.com

آرزو ہو یا نہ ہو (بہر حال شادی مکروہ ہے)

نکاح کا مباح ہونا

اس شخص کے لئے شادی مباح ہے جو شادی کی خواہش رکھتا ہو گو اولاد کی آرزو نہ ہو۔ نیز شادی کرنے کا مقدور رکھتا ہو اور شادی اس کے کار ثواب میں مخل نہ ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ چار حالتوں میں شادی فرض ہو جاتی ہے ایک تو یہ کہ اسے یقین ہو کہ اگر شادی نہ کی تو گناہ میں ملوث ہو جائے گا۔ زنا کا محض اندیشہ شادی کو فرض قرار نہیں دیتا جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اس میں اتنے روزے رکھنے کی قوت نہ ہو جو اسے گناہ سے باز رکھے۔ اگر روزہ رکھ کر (نفس کشی کر سکتا ہے کہ) گناہ سے بچا رہے تو اسے اختیار ہے کہ خواہ روزے رکھ کر گناہ سے بچے یا شادی کر لے۔ ان حالات میں اس پر شادی فرض نہ ہوئی۔ تیسرے یہ کہ وہ کوئی لونڈی نہ خرید سکتا ہو جو اسے شادی سے بے نیاز کر دے۔ اگر ایسا کر سکتا ہے تو اسے اختیار ہے (کہ لونڈی رکھے یا شادی کر لے)۔ چوتھے یہ کہ اسے مہر کی ادائیگی اور رزق حلال حاصل کرنے کی قدرت ہو جس میں کسی کا استحصال نہ کرنا پڑے۔ اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو اس پر شادی فرض نہیں ہے کیونکہ ایک امر حرام کو دوسرے امر حرام سے روکا نہیں جا سکتا۔ حرام کی کمائی میں دوسروں پر ظلم ہوتا ہے۔ مثلاً دھوکہ، چوری، مکاری یا ناجائز طور پر استحصال کرنا ایسے جرائم ہیں جو گوارہ نہیں کئے جا سکتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر ایک شخص حلال روزی سے عاجز ہے تو شادی نہ کرے اور اسے روا ہے کہ گناہ کر لے۔ ہرگز نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں تو انسان پر لازم ہے کہ اپنے نفس اور خواہش نفسانی کے ساتھ جنگ کرے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے بری طرح نفس کی سرزنش کرے اور ایسی شادی سے بچے جس کی وجہ سے اسے لوگوں کا استحصال اور ان پر ظلم کرنا پڑے۔ **ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحاً حتی یغنیھم اللہ من فضلہ** (سورۃ النور، آیت: ۳۳) (جو لوگ نکاح نہ کر سکیں ان کو چاہئے کہ خود کو گناہوں سے بچائے رکھیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں غنی کر دے)۔

واضح ہو کہ اگر کسی کے لئے یہ ممکن ہو کہ مہر (نکاح) اور رزق حلال کمانے کے لئے قرض لے سکے تو اس پر شادی فرض ہو جائے گی تاکہ حتی المقدور گناہ سے بچ جائے۔ اس صورت میں نکاح فرض تو نہیں لیکن واجب ہوتا ہے جبکہ ایک شخص کو نکاح کی خواہش ہو اور اتنی شدید ہو کہ (بغیر نکاح کئے) گناہ میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہو تو اس پر نکاح واجب ہوتا ہے جو ان شرائط پر موقوف ہو گا جو نکاح کے فرض ہونے کی صورت میں بتائی گئیں۔ اس سلسلہ میں چوتھی شرط جو بتائی جاتی ہے وہ خرچ وغیرہ کی قدرت رکھنا ہے۔

نکاح اس صورت میں سنت موکدہ ہو جاتا ہے جبکہ کوئی شخص نکاح کی خواہش رکھتا ہو لیکن یہ خواہش معتدل ہو۔ یعنی ایسی شدید نہ ہو کہ (نکاح نہ ہونے کی صورت میں) گناہ کے مرتکب ہونے کا یقین ہو بلکہ اس کا اندیشہ نہ ہو۔ ایسی حالت میں اگر شادی نہ کی جائے تو گناہ ہو گا لیکن ترک واجب سے کم۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ سنت موکدہ اور واجب ایک ہی معنے رکھتے ہیں ان میں صرف لفظ کا فرق ہے بدیں معنے دونوں حالتوں میں نکاح واجب یا سنت موکدہ ہو گا یعنی خواہ اتنی شدید خواہش ہو کہ (بصورت نکاح نہ کرنے کے) گناہ کا ڈر ہو یا یہ خواہش معتدل ہو (جس میں یہ اندیشہ نہیں ہوتا) تاہم اس کے لئے بہر حال یہ شرط ہے کہ حلال مال سے گھر چلانے، رقم مہر ادا کرنے اور مباشرت (فریضۂ خاوندی) کے بجا لانے

Marfat.com

کی قدرت رکھتا ہو۔ اگر ان میں سے کوئی شرط پوری کرنے سے عاجز ہو تو نکاح نہ واجب ہو گا نہ سنت۔

اگر نکاح اس نیت سے کیا جائے کہ اپنے اور اپنی بیوی کے نفس کو گناہ سے بچائے تو یہ کار ثواب ہو گا۔ اگر یہ نیت نہ ہو تو ثواب نہ ہو گا کیونکہ ثواب کا انحصار نیت پر ہے۔

نکاح کرنا اس صورت میں حرام ہو گا جبکہ ایک شخص کو یقین ہو کہ (نکاح کے بعد) لوگوں پر جبر و ظلم کر کے حرام کی کمائی کرنا ہو گی۔ کیونکہ نکاح تو نفس کو برائی سے بچانے اور ثواب کے لئے ہے۔ اگر اس کا نتیجہ لوگوں پر ظلم کرنا اور حرام روزی کمانے کے گناہ پر مجبور ہونا ہو تو اس خرابی کے باعث پیشِ نظر مصلحت جاتی رہے گی۔ نکاح کرنا اس صورت میں مکروہ تحریمی ہو گا جب کہ جبر و ستم کی روزی کمانے کا اندیشہ تو ہو لیکن یقینی امر نہ ہو اور اس صورت میں نکاح مباح ہو گا جبکہ نکاح کی خواہش تو ہو لیکن گناہ کا اندیشہ یا یقین نہ ہو اور صرف جنسی تقاضے کو پورا کرنے کے لئے شادی کرے۔ اگر نفس کو گناہ سے بچانے یا حصول اولاد کی نیت سے شادی کی تو ایسی شادی سنت ہے۔ غرض نکاح کا سنت یا مباح ہونا نیت کے ہونے یا نہ ہونے پر منحصر ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نکاح بنیادی طور پر ایک امر مباح ہے۔ لہٰذا روا ہے کہ ایک شخص جنسی تسکین اور مباشرت کے ارادہ سے نکاح کرے۔ اگر نکاح کا مقصد گناہ سے بچنا یا اولاد کا ہونا ہو یہ امر مستحب ہو گا اور اس صورت میں واجب ہو جائے گا جبکہ امر حرام سے بچنے کے لئے کیا جائے مثلاً ایک عورت کسی بدکار شخص سے اپنی عزت کے بارے میں ڈرتی ہو کہ بغیر شادی کئے وہ اس کو شرارت سے باز نہیں رکھ سکتی تو ایسی صورت میں اس پر واجب ہو گا وہ کسی سے نکاح کر لے۔

اس صورت میں (عورت کے لئے) نکاح کرنا مکروہ ہے جب کہ اسے اندیشہ ہو کہ وہ حقوق زوجیت بجا نہ لا سکے گی۔ جیسے کوئی ایسی عورت، جسے نکاح سے رغبت نہ ہو۔ نہ وہ خاوند کی محتاج ہو اور نہ بدکاروں سے کوئی خوف ہو تو اسے نکاح کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح وہ شخص جسے نکاح سے کوئی دلچسپی نہ ہو اور مہر کی رقم یا نان نفقہ کے مہیا کرنے کی قدرت نہ ہو اسے شادی کرنا مکروہ ہے۔

اگر ایک شخص نکاح کا بوجھ برداشت کر سکتا ہے لیکن اسے کوئی ایسی بیماری ہے جو عورت سے مقاربت میں مانع ہے اور وہ شخص عبادت گزار بھی ہے تو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ شادی نہ کرے تاکہ یہ شادی اس کی عبادت میں جو اس کا معمول ہے خلل انداز نہ ہو۔ اگر عبادت گزار نہیں ہے تو اس کے لئے شادی کر لینا بہتر ہے کہ مبادا کسی نہ کسی وقت اس کی نفسانی خواہش اسے گناہ کی طرف مائل کر دے۔ اگر نکاح کی خواہش ہو اور اس کا بار اٹھا سکتا ہے تو شادی کرنا مستحب ہے۔

واضح ہو کہ اس صورت میں شادی کی نسبت مرد کی طرف ایسی ہے جیسے معاملات میں 'قبول' کی ہے۔ لہٰذا یہ نکاح اس کے لئے امر مستحب ہے یا واجب کی مانند ہے اور عورت کی جانب سے ایسے نکاح کی نسبت بطور ایجاب کے ہو گی کیونکہ یہ نکاح اس کی طرف سے بہ واسطہ ولی ہو گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نکاح اس پر فرض ہے جو اس امر سے ڈرتا ہو کہ شادی نہ کی تو گناہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ خواہ یہ محض ایک گمان ہو۔ اس بارے میں مرد اور عورت کی یکساں حیثیت ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ شادی کا بار اٹھانے کا مقدور رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر اسے یہ مقدور ہے کہ اپنے نفس کو گناہ سے بچانے کے لئے شادی کر سکے تو اس پر لازم ہے کہ وہ شادی کر لے اور ایسے حلال وسائل رزق اختیار کرے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کی مدد اس کے شامل حال ہو۔

Marfat.com

نکاح کے بارے میں کچھ اور امور مستحب ہیں جو مسالک مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

دارالحرب میں نکاح کرنا حرام ہے بجز اس صورت کے جبکہ کوئی خاص مجبوری لاحق ہو جائے۔ اگر وہ دشمن کی قید میں ہو تو اسے کسی حال میں شادی کرنا مباح نہیں ہے۔

نکاح اس کے لئے سنت ہے جسے نکاح سے رغبت تو ہو لیکن ایسی شدید نہیں کہ (بغیر نکاح کئے) گناہ میں پڑ جانے کا ڈر ہو۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔ ایسی حالت میں نکاح کرنا نفلی نمازوں سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ اپنے نفس اور اپنی بیوی کے نفس کو قابو میں رکھتا ہے اور حصول اولاد کا ذریعہ ہے جس سے امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ نکاح تعمیر معاشرہ کا ایک حصہ ہے۔

نکاح اس شخص کے لئے مباح ہے جسے نکاح کی خواہش نہ ہو جیسے عمر رسیدہ شخص اور یا نامرد۔ بشرطیکہ یہ نکاح بیوی کے لئے نقصان دہ اور اس کے اخلاق پر برا اثر ڈالنے والا نہ ہو۔ اگر ایسی باتوں کے پیش آنے کا اندیشہ ہو تو ایسے لوگوں کے لئے ان حالات میں شادی کرنا حرام ہے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عقد نکاح کا اعلان (یا تشہیر) مستحب ہے۔ جن کے لئے ڈھول یا نقارہ بجا کر یا جھنڈا بلند کر کے زیادہ روشنی وغیرہ ایسے امور سے کام لیا جا سکتا ہے جس سے عقد نکاح کا اعلان ہو جائے۔ اس طرح یہ بھی مستحب ہے کہ عقد ہونے سے پہلے کوئی شخص خطبہ پڑھے۔ اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ خطبہ مخصوص الفاظ میں ہو۔ لیکن ایسا خطبہ جو روایات میں آیا ہے وہ سب سے بہتر ہے۔ منجملہ ان کے وہ خطبہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور وہ یہ ہے۔

"الحمد لله نحمده و نستعين به و نستغفره و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له و من يضلل فلا هادى له و اشهد ان لا اله الا الله واحدة لا شريك له و اشهد ان محمداً عبده و رسوله يا ايها الناس اتقو ربكم الذى خلقكم من نفس وحده. و خلق منها زوجها و بث منهما رجالاً كثيراً و نساء و اتقوا الله الذى تساء لون به و الارحام ان الله كان عليكم رقيبا. يا ايها الذين آمنوا اتقو الله حق تقاته ولا تموتن الا و انتم مسلمون. يا ايها الذين امنو اتقوا الله و قولوا قولا سديدا يصلح كم اعمالكم و يغفرلكم ذنوبكم و من يطع الله و رسوله فقد فاز فوزاً عظيما.☆

☆ ترجمہ۔ سب تعریفیں اللہ کو سزاوار ہیں بس ہم اسکی حمد کرتے ہیں اور اسی سے مدد کے طالب اور بخشش کے طلبگار ہیں اور اپنے نفس کی برائیوں اور بد اعمالیوں سے اسکی پناہ مانگتے ہیں (کیونکہ) جسے وہ راہ راست پر ڈال دے اسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے گمراہ کر دے اس کی ہدایت کرنے والا کوئی نہیں۔ میں اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے لوگوں اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اس سے بہت سے مرد اور عورتیں (جہان میں) پھیلا دیں۔ تم اس اللہ (کی نافرمانی) سے ڈرو جسے تم اپنا حاجت روا جانتے ہو اور قرابت داروں (کے ساتھ بدسلوکی) سے ڈرو اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ تم سب کا نگران حال ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں صرف اسلام پر ہی موت آئے۔ اور اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور ٹھیک بات کیا کرو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کام بنا دے اور تمہارے گناہ معاف کر دے اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ بڑی کامیابی سے دوچار ہوا۔

Marfat.com

اور مستحب یہ ہے کہ نکاح جمعہ کے روز ہو۔ اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ عورت بذات خود نکاح میں شریک نہ ہو بلکہ اس کا کوئی ولی ہو جو عاقل' نیکو کار اور اس کا قریبی رشتہ دار ہو۔ گواہوں کا بھی نیکو کار ہونا امر مستحب ہے۔ اور مہر (سردست) موجود نہ ہو تو نکاح سے باز نہ رہنا چاہئے۔ بلکہ مستحب ہے کہ اسے فرض کر لے کیونکہ جو شخص پاکباز رہنے کے ارادہ سے نکاح کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

یہ بھی امر مستحب ہے کہ عقد سے پہلے اپنی بیوی کو دیکھ لے بشرطیکہ وہ یہ جانتا ہو کہ اس کے ساتھ شادی کو پسند کیا جائے گا اگر یہ معلوم ہو کہ اس کو رد کر دیا جائے گا تو اس عورت کو دیکھنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے ساتھ منگنی ہوئی ہے اس کو دیکھنا عقد ازدواج کی جانب صحیح اقدام ہے جس سے دونوں طرف سے خواہشمندی کا ثبوت اور جانبین سے ایک دوسرے کے حق میں رضا مندی کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر پیش نظر محض عورت کے نظارہ کا شوق ہو اور حقیقت میں شادی کے لئے کوئی صحیح اقدام نہ ہو تو دیکھنا حرام ہے۔

یہ بھی مستحب ہے کہ عورت عمر میں مرد سے کم ہو تا کہ جلد ہی عمر رسیدہ ہو کر اولاد پیدا کرنے سے نہ رہ جائے حالانکہ شادی سے حقیقی مقصد یہی ہے کہ اس کی نسل بڑھے تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تعداد میں زیادہ ہو اور اسے (عددی) برتری حاصل ہو۔

یہ بھی مستحب ہے کہ بیوی خاوند کی بہ نسبت رتبہ' عزت' خاندانی فوقیت اور مال میں کم ہو کیونکہ مرد عورت کا نگران حال اور محافظ ہوتا ہے اگر رتبہ میں اونچی اور مال میں اس سے بڑھ کر ہوئی تو شوہر کے آگے نہیں جھکے گی اور وہ اس کی حفاظت نہ کر سکے گا اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "من تزوج امرأة لعزتها لم يزد الله الا ذلاً ومن تزوجها لمالها لم يزده الا فقراً ومن تزوج لحسبها لم يزده الله الا دنائةً ومن تزوج امرأةً لم يرد بها الا ان يغض بصره ويحصن فرجه اويصل رحمه بارک الله له فيها وبارک لها فيه" (یعنی جو شخص کسی عورت سے اس کی عزت کے پیش نظر شادی کرتا ہے اللہ سے اسے ذلت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور جو شخص عورت کے مال کی خاطر شادی کرتا ہے تو فقیری (محتاجی) کے سوا کچھ نہیں ملتا اور جو شخص اس کے عالی خاندان کو دیکھ کر شادی کرتا ہے تو وہ اور بھی زیادہ حقیر ہو جاتا ہے اور جو شخص صرف اس ارادہ سے شادی کرتا ہے کہ غیر عورت پر نظر نہ ڈالے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور باہم حسن سلوک ہو تو اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنی برکت سے نوازتا ہے)۔

یہ بھی مستحب ہے کہ بیوی حسن خلق' ادب اور پرہیز گاری میں اس سے بہتر ہو اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ وہ کنواری ہو۔

خاوند کے لئے مستحب ہے کہ ایسی عورت کا انتخاب کرے جس کے مہر اور نان نفقہ کی ادائیگی بسہولت ممکن ہو۔ اور اس کے لئے ناموزوں نہ ہو۔ مثلاً بہت لمبی تڑنگی بدشکل اور یا بہت ٹھگنی اور پستہ قد اور بدمزاج عورت سے شادی نہ کرے اور ایسی عورت سے بھی نہ کرے جس کی اولاد پہلے خاوند سے ہو۔ عمر رسیدہ عورت سے بھی شادی نہ کرے۔ اور اگر آزاد عورت سے شادی کر سکتا ہو تو لونڈی سے نہ کرے۔

شادی کے مستحبات میں یہ بھی ہے کہ نہ اپنی نوعمر لڑکی کی شادی عمر رسیدہ بڑے آدمی سے کرے اور نہ بدشکل آدمی سے کرے' بلکہ لازم ہے کہ ہم رتبہ شخص سے شادی کرے اور اگر کوئی برابر کی حیثیت والا (ہم کفو) رشتہ کی درخواست کرے تو

Marfat.com

اسے رد نہ کرے۔

یہ امر بھی مستحبات میں سے ہے کہ عورت ایسے شخص کو شادی کے لئے پسند کرے جو دین پر قائم ہو' لہٰذا کسی فاسق (بے دین) سے شادی نہ کرے اور سہولت پسند' خوش اخلاق اور فیاض طبع شخص کا انتخاب کرے اور ایسے مفلوک الحال سے نہ کرے جو اس کا خرچ نہ چلا سکے اور نہ ایسا مالدار اور بخیل یا (حریص) ہو کہ فاقہ اور مصیبت میں مبتلا ہونا پڑا۔

اور رسم زفاف کوئی امر مکروہ نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ عورتیں اکٹھی ہو کر خاوند کو اس کی بیوی کے پاس لے کر جاتی ہیں اور اسے ''زفتہ العروس'' (دلہن کے پاس خاوند کو لانا) کہتے ہیں جیسا کہ ہمارے زمانے میں دستور ہے۔ اور یہ بات مانی ہوئی ہے کہ شادی میں دف بجانا اور ایسا گانا جس میں کوئی آداب کے منافی نہ ہو بلا کراہت جائز ہے بشرطیکہ ان تمام امور میں کوئی خراب (کا عنصر) شامل نہ ہو' مثلاً غیر عورتوں کا بناؤ سنگھار کر کے شادیوں میں آنا اور مردوں' حاضرین اور دولہا کے سامنے بے پردہ ہونا اگر اس طرح کی قباحتیں موجود ہوں تو پھر حرام ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نکاح میں چند امور مستحب ہیں ان کے منجملہ یہ کہ کنواری عورت سے شادی کرے ہاں اگر بیوہ عورت ہی سے شادی نہایت ضروری ہو تو خیر۔ مخطوبہ عورت (جس سے منگنی ہوگئی ہو) اس کا چہرہ اور ہاتھ دیکھنا مستحب ہے تا کہ مرد کو معلوم ہو جائے کہ ہونے والی بیوی کا جمال اس کی پسند کے موافق ہے یا نہیں؟

واضح ہو کہ عورت کا چہرہ اور اس کے دونوں ہاتھ اوپر تلے دونوں طرف سے دیکھنا مستحب ہے۔ لیکن اس کی چند شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ دیکھنے سے غرض لذت نفس نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر وہ عورت ذی شعور ہے تو یہ یقین ہو کہ وہ اسے خاوند بنانے پر راضی ہے اگر وہ عورت خود شعور نہیں رکھتی تو اس کے ولی کا راضی ہونا یقینی ہو۔ اگر رضامندی یقینی طور پر نہ معلوم ہو تو اس عورت کو دیکھنا حرام ہے درآنحالیکہ اس کو دیکھنے سے کوئی خرابی ناروا پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ اگر اس سے کوئی خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ نہ بھی ہو تب بھی دیکھنا مکروہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر لذت نفس کے بغیر نظر ڈالی جائے اور اس سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو تو اس کے مکروہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ اجنبی عورت کو محض دیکھنا درآنحالیکہ اس سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو اور نہ لذت نفس مقصود ہو تو جائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ وہ عورت اس شخص کو اپنا خاوند بنانے پر راضی ہوگی اس کو دیکھنے میں لذت نفس کا گمان ہوتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں آخر دیکھنے کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے پس اس گمان کی بنا پر عورت کا دیکھنا مکروہ ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس عورت کو اس بات کا علم ہو۔ لہٰذا اگر اسے یہ بات معلوم نہیں ہے تو اسے دیکھنا حلال نہیں ہے۔

منجملہ مستحبات عقد کے خطبہ ہے۔ اس سے مراد ایسا کلام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے رسولؐ پر درود و سلام اور قرآن کی کوئی آیت شامل ہو۔ یہ خطاب چار آدمیوں کی جانب سے مستحب ہے اول خاوند یا اس کے وکیل کی جانب سے خاوند کی درخواست پر ہو۔ پس خاوند یا اس کے وکیل کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ کہے: ''الحمد لله و الصلوٰة والسلام علی رسول الله. یا ایها الذین آمنو اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا و انتم مسلمون و اتقو الله الذی تساء لون به و الارحام ان الله کان علیکم رقیبا. اتقو الله و قولوا قولا سدیداً اما بعد فانی او فان موکلی فلاناً رغب فیکم و یرید الانضمام الیکم و الدخول فی زمرتکم و فرض لکم من

Marfat.com

الصداق كذا فزوجوه ۔(یعنی بعد حمد وصلوٰۃ وآیات سابقہ یوں کہے کہ میں یا میرا موکل فلان (دولہا) تمہاری جانب راغب ہے اور تمہارے ساتھ وابستگی اور تمہارے زمرہ میں شامل ہونا چاہتا ہے اور شادی کے لئے اس قدر مہر مقرر کرتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ شادی کردو)۔

دوسرا شخص (خطاب کرنے والا) بیوی کی طرف سے مقرر کردہ ولی یا اس کا وکیل ہوگا اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ خاوند کے جواب میں خطاب کرے اور اللہ کی حمد اور رسول پر درود وسلام وغیرہ کے بعد کہے کہ "اما بعد فقد اجبناه لذالک او یعتذرله (یعنی بعد حمد وصلوٰۃ کہے کہ ہم اس کو قبول کرتے ہیں) یا پھر اس کے لئے تیاری کا اظہار کرے۔

تیسرا خطاب کرنے والا عورت کا ولی یا اس کا وکیل عقد ہے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ کہے "الحمد الله و الصلوٰة والسلام علی رسول الله اما بعد فقد زوجتک بنتی فلانته اور موکلتی بکذا" (یعنی حمد وصلوٰۃ کے بعد کہے کہ میں اپنی بیٹی یا اپنی موکلہ فلاں کا عقد اتنے عوض مہر میں تمہارے ساتھ کرتا ہوں)

چوتھا خطاب کنندہ خاوند (خود) یا اس کا وکیل ہے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ کہے "الحمد لله و الصلوٰة و السلام علی رسول الله. اما بعد فقد قبلت زواجها لنفسی اولموکلی بالصداق المذکور یعنی حمد و صلوٰۃ کے بعد کہے کہ میں نے اپنے لئے (جب کہ خاوند خود کہے) یا اپنے موکل کے لئے (جب کہ وکیل کہے) فلاں کی زوجیت کو مہر مذکور کے عوض قبول کیا۔

اس ایجاب وقبول کے درمیان میں اگر ان خطابات کا فاصلہ ہو جائے تو اس سے کوئی حرج نہیں ہے لیکن مستحب یہ ہے یہ خطابات مختصر ہوں جیسا کہ مذکورہ مثالوں سے واضح ہے۔

شادی کا اعلان (یا تشہیر) بھی امر مستحب ہے اس کے لئے پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ کھانا کھلایا جائے یا دف بجایا جائے۔

نیز مستحب ہے کہ عقد کے وقت یا رخصتی کے وقت دولہا دولہن کو مبارکباد دی جائے اور ان کے حق میں دعا کی جائے مثلاً یوں کہا جائے "بارک الله لکل منکما فی صاحبه و جعل منکما الذریة الصالحة و جمع بینکما فی خیر و سعة رزق" وغیرہ (یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری جوڑی مبارک کرے نیک اولاد عطا فرمائے اور کشادئ رزق حاصل ہو)

حنابلہ کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ شادی کے لئے نیک عورت کا انتخاب کیا جائے جو دیندار ہو کہ اپنی آبرو کی حفاظت کرے اور یہ کہ وہ کنواری ہو اور اولاد پیدا کرنے والی ہو۔ اور مستحب یہ ہے کہ عقد جمعہ کو شام کے وقت ہو اور عقد سے پہلے وہ خطبہ سنت ہے جو ابن مسعودؓ سے مروی ہے وہ یہ ہے: "ان الحمد لله نحمده و نستعینه و نستغفره و نتوب الیه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و سیئات اعمالنا من یهد الله فلا مضل له و من یضلل فلا هادی له و اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً عبده و رسوله (ترجمہ پہلے لکھا جاچکا ہے) اور سنت یہ ہے کہ ان الفاظ میں خاوند اور بیوی کو مبارکباد دی جائے بارک الله لکما و علیکما و جمع بینکما فی خیر و عافیة (یعنی اللہ تم دونوں کو مبارک کرے اور تم پر برکت نازل فرمائے اور دونوں خیر وعافیت سے رہو) اور زفاف (پہلی رات) کے بعد یہ کہنا مستحب ہے: اللهم انی اسئلک خیرها و خیر ما جبلتها علیه و اعوذبک من شرها و شرما جبلتها علیه (یعنی بارالٰہا میں اپنی اور اس بیوی کی ذاتی اور فطری خوبیوں کی التجا تجھ سے کرتا ہوں اور اس کی ذاتی

Marfat.com

اور فطری برائیوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں)۔

مخطوبہ منگیتر عورت کے چہرے اس کی گردن اور ہاتھ کا دیکھنا مباح ہے درآنحالیکہ گمانِ غالب یہ ہو کہ وہ شخص اس عورت کو پسند ہے اور درخواست شادی کو رد نہ کرے گی اور چاہئے کہ وہ دونوں علیحدگی میں نہ ہوں۔ اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ اس عورت سے یا اس کے ولی سے دیکھنے کی اجازت حاصل کی جائے بلکہ یہ ہوسکتا ہے وہ شخص عورت کو اس کی بے خبری میں دیکھ لے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک سے زیادہ مرتبہ اسے دیکھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اذا خطب احدکم امراۃ فقدر ان یری منہا بعض ما یدعوہ الی نکاحہا فلیفعل'' (احمد و ابوداؤد) یعنی جب کسی عورت سے منگنی ہو جائے اور وہ مرد عورت کو کسی قدر دیکھ سکتا ہو کہ اسے نکاح کی رغبت ہو تو وہ ایسا کرسکتا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ صرف اس کے چہرے اور ہاتھوں کو دونوں طرف سے دیکھ لے ان دونوں اعضا کے سوا دیکھنا جائز نہیں ہے خواہ وہ خواہش نفس کے ساتھ اور مشتاقانہ نگاہ سے دیکھے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اس کو ملنے کا شوق پیدا ہوگا اور دیکھنے کا یہی مقصد ہوتا ہے لیکن عورت کے لئے سنت یہ ہے کہ مرد کے وجود کو ماسوا پردہ کی جگہ کے جو کچھ دیکھ سکتی ہے دیکھ لے کیونکہ جس طرح عورت کے لئے مرد کی پسند کا خیال کیا جاتا ہے اسی طرح مرد کے لئے عورت کی پسند بھی ہوتی ہے۔ اگر مرد کے لئے عورت کو دیکھنا بہ آسانی ممکن نہ ہو یا ایسا مطالبہ کرنے میں حجاب آتا ہو تو چاہئے کہ کسی کو دلہن کے گھر بھیجا جائے تاکہ وہ اسے اچھی طرح دیکھ بھال کر اس کی خوبیاں بیان کردے۔ کیونکہ شادی کی غرض یہ ہے کہ باہم دائمی محبت رہے لہٰذا (اس کے لئے) ہر ایسا اقدام جس سے یہ مقصد حاصل ہو شرعاً پسندیدہ امر ہے۔ اس میں بنیادی چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے جو آپ نے مغیرہ بن شعبہ کو جنہوں نے کسی عورت سے منگنی کی تھی فرمایا: ''انظر الیہا فانہ احری ان یدم بینکما الودۃ والالفۃ (بروایت ترمذی) یعنی تم اس کو دیکھ لو کیونکہ اس سے تم دونوں کے درمیان محبت والفت سے لطف اندوز ہونے کی توقع سب سے زیادہ ہے)۔ اس حدیث میں لفظ ''یؤدم'' کے معنے یہ ہیں کہ تمہاری زندگی ایسی ہی خوشگوار ہوگی جس طرح سالن سے کھانا لذیذ ہو جاتا ہے (حاکم نے اس حدیث کو 'حسن' اور 'صحیح' بتایا ہے) یہ بھی سنت ہے کہ کنواری عورت سے رشتہ کرے۔ ہاں اگر ایسی ہی مجبوری پیش آئے جو بیوہ عورت سے شادی کی متقاضی ہو مثلاً کسی کے بچے ہوں جن کی دیکھ بھال کے لئے ایسی عورت مطلوب ہو جو (بچوں کی) پرورش بخوبی کرسکے' یا مرد بڑی عمر کا ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ اگر کسی کنواری سے شادی کی تو وہ اس سے برگشتہ رہے گی اور دونوں میں پائیدار الفت نہیں ہوسکے گی۔

یہ بھی سنت ہے کہ عورت دیندار دیکھے جسے حقوق زوجیت کی بجا آوری پر آمادہ رکھ سکے۔ دیندار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیک نفس ہو۔ یہ بھی سنت ہے کہ عورت صاحب جمال ہو کہ اس سے دل کو نفرت نہ ہو۔ ایسی صورت میں بھی دونوں کے درمیان الفت قائم نہیں رہ سکتی۔ اس بارے میں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ مرد میں اتنا مقدور ہو کہ عورت کو خراب ہونے سے محفوظ رکھ سکے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص مثلاً اتنا مقدور نہیں رکھتا کہ اس کے بناؤ سنگھار پر خرچ کرسکے تو شادی نہ کرے۔ ایسی صورت ہوئی تو عورت بھونڈا پن اختیار کرلے گی اور اپنا جمال اس کے سامنے ظاہر کرنے کی کوشش کرے گی جسے اس کی جانب رجحان ہوگا۔ بعض اصحاب کا بیان یہ ہے کہ حسن و جمال میں مسابقت امر مکروہ ہے کہ مبادا عورت اپنے

Marfat.com

نکاح کے ارکان کا بیان

نکاح کے دو رکن (اجزائے لازمی) ہیں [1] اور وہ دونوں ایسے رکن ہیں کہ ان کے بغیر نکاح کی

حسن کی بابت غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے پھر وہ اپنے جمال کو چھپا کر نہ رکھ سکے گی۔

یہ بھی سنت ہے کہ بیوی اولاد پیدا کرنے والی ہو کیونکہ بانجھ عورت معاشرہ کے ان فرائض کو نہیں ادا کر سکتی جن کا تعلق انسانی نسل کی ترقی سے ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے بیوی اچھے خاندان کی ہو نیک لوگوں اور باعمل علماء کے نسب سے ہو کیونکہ ماں باپ کی تربیت کا اولاد پر اثر ہوتا ہے۔ اگر اس کی اصل وہاں کی ہے۔ جہاں نیک لوگ ہوتے ہیں تو اولاد نیک ہوگی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے 'ایاکم و خضراء الدمن المزاۃ السحنا فی منبت السوء (یعنی کوڑی پر اگنے والی سبزی اور برے خاندان کی حسین عورت سے بچو)۔

یہ بھی سنت ہے کہ (نکاح میں) دو خطبے ہوں۔ ایک تو منگنی کرنے کے وقت اور دوسرا عقد سے پہلے اور سنت یہ ہے کہ ولی (نکاح اجابت کے لئے خطاب کرے۔ خطبہ سے مراد وہ کلام ہے جس کا آغاز حمد سے اور خاتمہ دعا اور نصیحت پر ہو مثلاً جس طرح روایت میں آیا ہے وہ کہے کہ ''ان الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور انفسنا و سيئات اعمالنا من يهدالله فلا مضل له و من يضلل فلا هادى له و اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک لهٗ و اشهد ان محمداً عبده و رسوله صلى الله عليه وسلم و على آله و اصحابه يا ايها الذين امنوا اتقوالله حق تقاته ولا تموتن الا و انتم مسلمون. يا ايها الذين آمنو اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة اِلٰى قوله رقيبا) اور پہلے خطبہ کے وقت یوں کہے جئتكم خاطباً كريمتكم او فتاتكم'' (یعنی میں آپ لوگوں کے پاس آپ کی نیک بخت یا خوش اطوار (جوان) لڑکی کے رشتے کی درخواست لے کر آیا ہوں)

خطبہ کی سنت ولی یا خود خاوند یا کسی اجنبی شخص کے پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے گی۔

خطبوں کی تعداد تین ہے دو خاوند کی طرف سے یا اس کے مقرر کردہ نائب کی طرف سے۔ اور وہ یہ ہے کہ حمد وصلوٰۃ کے بعد کہا جائے کہ است بمرغب عنک او قبلنا صهراً' (یعنی ہمیں آپ سے انکار نہیں ہے اور بطور داماد کے ہم آپ کو قبول کرتے ہیں) وغیرہ۔ بعض اصحاب نے اس میں ایک اور یعنی چوتھے خطبے کا اضافہ کیا ہے جو ایجاب وقبول کے درمیان ہوگا اور وہ خاوند یا اس کے نائب کی جانب سے ہوگا کہ جب ولی کہے کہ زوجتک (یعنی میں نے تمہارے نکاح میں دیا) تو سنت یہ ہے کہ خاوند حمد وثناء کے بعد کہے ''على بركة الله و رجاء معونته (و نحو ذالک) قبلت '' (یعنی اللہ کی برکت اور اس کی اعانت کا امیدوار ہوتے ہوئے۔ وغیرہ۔ میں نے قبول کیا) بعض اصحاب کا خیال ہے کہ اس (چوتھے خطبہ) میں کراہت ہے کیونکہ ایجاب وقبول کے درمیان اگر زیادہ فاصلہ ہو جائے تو عقد فاسد ہو جاتا ہے لہٰذا احتیاطاً اسے ترک کر دیا جائے۔

۱۔ مالکیہ ارکان نکاح کی تعداد پانچ قرار دیتے ہیں۔ ایک تو عورت کا ولی بشرائط آئندہ ان کے نزدیک ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ دوسرے مہر کہ اس کا تعین ضروری ہے اگرچہ عقد کے وقت اس کا ذکر شرط (ضروری نہیں) ہے۔

Marfat.com

تکمیل نہیں ہوسکتی۔ ان میں سے ایک تو ایجاب ہے یعنی وہ الفاظ جو ولی یا ولی کے قائم مقام کی طرف سے کہے جائیں۔ دوسرے قبول یعنی وہ الفاظ جو خاوند یا اس کے قائم مقام کی طرف سے کہے جائیں۔ غرض عقد نکاح سے مراد ایجاب وقبول یا (قبول وقرار) ہے اب رہا یہ کہ آیا (عقد نکاح کا) یہی شرعی مفہوم مراد ہے یا ان معنوں کے علاوہ کچھ مزید مفہوم بھی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ایک مزید امر بھی ہے جو ان کے علاوہ ہے اور وہ ایجاب وقبول کا باہم مربوط ہوتا ہے۔ پس عقد شرعی میں تین چیزیں ہوتی ہیں ان میں سے دو حسی ہیں یعنی ایجاب قبول اور تیسری چیز معنوی (یا غیر حسی) ہے یعنی ایجاب کا ربط قبول کے ساتھ۔ پس ان ہی تین امور سے معقود علیہ (جس کے لئے معاملہ عقد ہوا ہے) کی ملکیت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ ملکیت یا تو ان اشیاء کی ملکیت کی طرف ہے جیسا کہ خرید وفروخت میں ہوتا ہے یا منفعت کی ملکیت ہے جیسا کہ نکاح میں ہوتا ہے۔ اسی کو عقد کہتے ہیں ان کے علاوہ اور دوسرے امور جن پر شرعاً صحت (معاملہ) کا انحصار ہے وہ امور عقد کی ماہیت سے باہر ہیں اور وہ امور شرائط ہیں اس کے ارکان (اجزائے لازمی) نہیں ہیں۔

تیسرے خاوند اور چوتھے بیوی۔ جبکہ نکاح کے لئے کوئی شرعی ممانعت نہ ہو۔ مثلاً حالتِ احرام میں نہ ہوں یا بیوی عدت میں نہ ہو۔ پانچویں صیغہ (الفاظ ایجاب وقبول)۔

مالکیہ کے نزدیک رکن سے مراد وہ امر ہے جس کے بغیر (عقد کی) شرعی حقیقت متحقق نہ ہو مثلاً فریقین عقد (یعنی زوجین) کے بغیر عقد نہیں ہوسکتا۔ فریقین سے مراد وہ شخص اور ولی (زن) ہیں اور معقود علیہ (یعنی جس کے لئے معاملۂ عقد کیا جاتا ہے) وہ بیوی اور مہر ہیں۔ اگر مہر کا ذکر (عقد کے وقت) نہ بھی کیا جائے تو نکاح میں حرج نہ ہوگا۔ کیونکہ مہر کی موجودگی ناگزیر ہے۔ (یعنی ذکر نہ ہو تب بھی اس کی موجودگی تسلیم شدہ ہے) اور صیغۂ نکاح یعنی وہ الفاظ جن (کے کہنے) سے شرعاً عقد ہو جاتا ہے یہاں وہ اعتراض رفع ہو جاتا ہے جو کہا جاتا ہے کہ فریقین (میاں بیوی) دو (خارجی) وجود ہیں اور عقد ایک معنوی شے ہے۔ لہٰذا یہ دونوں عقد کے ارکان نہیں ہو سکتے اور یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا کہ مہر نہ عقد کے لئے شرط ہے نہ اس کا رکن (یعنی جز ولازم) کیونکہ عقد اس کے بغیر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صیغہ (الفاظ عقد) اور ولی کا ہونا دونوں امور شرط ہیں رکن نہیں ہیں کیونکہ نکاح کی ماہیت سے باہر ہیں۔ یہ سب اعتراض اس صورت میں ہو سکتے ہیں جبکہ عقد کی ماہیت سے اُس کا حقیقی لغوی مفہوم مراد ہو جس کے لئے یہ لفظ وضع کیا گیا ہے کیونکہ اس صورت میں (لفظ عقد) صرف ایجاب وقبول اور ان کے باہمی ارتباط کے لئے خاص ہوگا۔ لیکن اگر رکن سے مراد وہ امر ہے جس کے بغیر (عقد کی) شرعی حقیقت متصور نہیں ہو سکتی خواہ وہ امر اُس کی ماہیت میں داخل ہو یا نہ ہو تو کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نکاح کے پانچ رکن ہیں: خاوند' بیوی' ولی' دو گواہ اور صیغہ (الفاظ نکاح یا ایجاب وقبول) ائمہ شافعیہ نے دونوں گواہوں کو شرائط میں شمار کیا ہے۔ انہیں رکن قرار نہیں دیا اور اس کا سبب یہ بتایا ہے کہ یہ عقد کی ماہیت سے خارج ہیں (یعنی عقد کا جز نہیں ہیں) جیسا کہ ظاہر ہے۔ لیکن ان کے علاوہ خاوند اور بیوی بھی ان ہی کی مانند ہیں جیسا کہ

Marfat.com

نکاح کی شرطوں کا بیان

نکاح کی چند شرائط ہیں جن کو بعض مسالک میں ارکان شمار کیا گیا ہے اور دوسری چیزوں کو شرائط میں رکھا گیا ہے، لیکن بعض دوسرے مسالک نے اس خیال کو معتبر قرار نہیں دیا جیسا کہ اس کی تفصیل سے عیاں ہے جواز روئے مسالک مختلفہ کی گئی ہے۔ [1]

تفصیل بالا سے ظاہر ہے۔

دونوں گواہوں کو ایک رکن اور میاں بیوی کو دو رکن قرار دینے کا موجب یہ ہے کہ گواہوں کے لئے یکساں شرائط ہیں لیکن خاوند اور بیوی کی شرائط مختلف ہیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نکاح کی چند شرائط ہیں۔ ان شرائط میں سے بعض کا تعلق صیغہ (الفاظ نکاح) سے بعض کا عاقدین (یعنی فریقین عقد) اور بعض کا تعلق گواہی سے ہے۔

صیغہ کہتے ہیں ایجاب وقبول تو اس کی چند شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ اس کے لئے مخصوص الفاظ ادا کئے جائیں۔۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ الفاظ جس سے عقد نکاح ہوتا ہے یا تو صریح ہوں گے یا کنایہ (یعنی غیر صریح) صریح الفاظ تزویج یا نکاح ہیں (یعنی زوجیت میں دینا یا نکاح کرنا)۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ الفاظ نکاح مصدر تزویج یا نکاح سے مشتق (بنے ہوئے) ہوں مثلاً زوّجتُ یا تزوّجتُ (یعنی زوجیت میں دیا یا زوجیت میں لیا) یا مثلاً یوں (کہنا کہ) زوّجینی نفسک (یعنی تم اپنے تئیں میری زوجیت میں دے دو) اس پر وہ کہے زوّجت یا قبلت یا سمعاً وطاعۃً (یعنی) میں نے زوجیت میں دیا۔ یا قبول کر لیا۔ یا سنا اور تسلیم کیا)۔

عقد نکاح صیغہ مضارع کے استعمال سے بھی ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ غرض وعدہ لینا نہ ہو پس اگر کسی نے کہا کہ آپ اپنی بیٹی کو میری زوجیت میں دے دیں اور (مخاطب نے) جواب میں کہا کہ میں نے زوجیت میں دے دیا تو نکاح درست ہو گیا۔ لیکن اس طرح کہنے کا مقصد وعدہ لینا تھا تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔ اور اگر کسی نے (عورت سے) بصیغہ مضارع کہا کہ میں تم سے شادی کرتا ہوں اور اُس نے (جواباً) کہا کہ تم نے کر لی تو بلا کلام درست ہے کیونکہ اس میں اس شخص نے وعدہ کا مطالبہ نہیں ہے۔ اور اس طرح کہنے میں کہ ''میری شادی کر دیجئے'' اختلاف ہے کہ آیا یہ (الفاظ) شادی کے لئے وکیل بنانا ہے یعنی میں آپ کو وکیل بناتا ہوں کہ آپ اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کر دیجئے یا یہ ایجاب (درخواست) ہے کہ وہ کہے کہ میں نے تمہارے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔ اس بارے میں قابل ترجیح بات یہ ہے کہ اسے ضمناً وکیل بنانا تصور کیا جائے' کیونکہ فعل امر استعمال کرنے کی غرض شادی کی درخواست ہے جس میں ضمناً توکیل (وکیل بنانا) ہو جاتا ہے اور جب ضمناً توکیل ہو اور صراحۃً نہ ہو تو وکیل بنانے کا مسئلہ اس پر عائد نہ ہوگا یعنی اُسی جگہ (معاملہ توکیل) طے ہونا شرطیں نہیں ہے یعنی اگر کسی شخص کو آج (ضمنی) وکیل بنایا اور اس توکیل کو (وکیل نے) کچھ دنوں بعد قبول کیا تو درست ہے بخلاف عقد نکاح کے' کہ اس میں قبولیت کے لئے یہ شرط ہے کہ جس جگہ ایجاب (درخواست عقد) ہو اُس جگہ قبولیت بھی ہو جانی چاہئے جیسا کہ آئندہ بتایا جائے گا۔ غرض لفظ زوجنی (یعنی میرے ساتھ شادی کر دیجئے) کے دو پہلو ہیں ایک پہلو

Marfat.com

نکاح کی درخواست کا ہے۔ اگر یہ مقصد ہو تو اس میں نکاح کی شرائط کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ دوسرا پہلو توکیل ہے اور یہ توکیل ضمنی ہے لہٰذا اس میں وکیل بنانے کی شرائط کا لحاظ ضروری نہیں ہے اور یہ بھی شرط نہیں ہے کہ اس کے لئے صریح الفاظ استعمال کئے جائیں جن کا مطلب دونوں میاں بیوی اور گواہ سمجھتے ہوں اس میں صرف یہ جاننا شرط ہے کہ ان الفاظ سے نکاح ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی عجمی (غیر عربی) عورت یہ کہے کہ زوجتک نفسی (یعنی میں نے خود کو آپ کی زوجیت میں دے دیا) اور اتنا جانتی ہے کہ ان الفاظ کا مطلب خاوند کے ساتھ وابستگی (یا بیوی بننا) ہے لیکن (عربی الفاظ) زوجتک نفسی کے معنے نہیں جانتی تب بھی نکاح ہو جائے گا۔ اس بارے میں خاوند اور گواہ کی مثال بھی اس بیوی کی مانند ہے۔ لیکن معاملہ بیع اس کے خلاف کیونکہ اس میں بیع درست نہ ہوگی جب تک کہ فریقین اس لفظ کے معنے نہ جانتے ہوں۔ صرف یہ جاننا کہ ان الفاظ سے معاملہ بیع منعقد ہو جاتا ہے کافی نہیں ہے۔ البتہ خلع کے معاملہ (یعنی زوجیت سے علیحدگی اختیار کرنے) میں اگر بیوی (خاوند سے) یہ کہے کہ "خالعني علی مھری و نفقي (یعنی اپنا ادا کردہ مہر اور نفقہ واپس لے کر مجھے زوجیت سے علیحدہ کر دو) اور وہ ان الفاظ کے معنے نہیں جانتی تو اس کا یہ کہنا صحیح مانا جائے گا اور (یہ مطالبہ خاوند تسلیم کر لے تو) طلاق ہو جائے گی لیکن اس کا مہر اور نفقہ ساقط نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ "کنایہ" (یا غیر صریح الفاظ) کے استعمال سے نکاح منعقد نہیں ہوتا تا آنکہ ان الفاظ سے نکاح کا ارادہ نہ ہو اور اس ارادہ کا قرینہ بھی موجود ہو۔ اور گواہ اس کا مقصد سمجھتے ہوں۔ یا اگر قرینہ نہ ہو اور اعلان نکاح ہو جائے جس سے لوگ آگاہ ہو جائیں (تب بھی نکاح ہو جائے گا)۔

کنایہ کے ایسے الفاظ کی جن سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے چار قسمیں ہیں:

اول وہ الفاظ ہیں جن کے استعمال سے نکاح منعقد ہونے میں حنفیہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ وہ الفاظ ہبہ۔ صدقہ۔ تملیک یا جعل ہیں (یعنی عطا کرنا۔ خیرات کرنا۔ مالک بنانا یا دے دینا) لہٰذا اگر عورت کہے کہ میں اپنا نفس تمہیں ہبہ کرتی ہوں اور اس سے مراد اس کی زوجیت میں دینا ہو اور خاوند کہے کہ میں نے قبول کیا تو نکاح ہو گیا۔ اس طرح اگر یہ کہا کہ میں اپنے آپ کو تم پر صدقہ کرتی ہوں۔ یا اپنی جان صدقہ کر دی یا اپنے نفس کا مالک تمہیں بنا دیا یا کسی نے کہا کہ میں نے اپنی بیٹی ایک سو (مہر) میں تمہیں دے دی۔ ان تمام الفاظ سے (بشرط نیت عقد) نکاح ہو جائے گا۔

دوسری قسم الفاظ کنایہ کی وہ ہے جن کے استعمال سے نکاح کے منعقد ہونے میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ اس سے بھی نکاح ہو جاتا ہے اور وہ الفاظ بیع وشراء (یعنی خرید وفروخت) چنانچہ اگر کسی عورت نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کو تمہارے ہاتھ اتنے میں فروخت کیا اور نیت نکاح کی تھی اور خاوند نے اسے قبول کر لیا تو نکاح درست ہو گیا اسی طرح اگر کہا کہ میں نے بیس بوری گندم کے عوض جو ایک ماہ کے بعد لوں گی خود کو آپ کے حوالہ کر دیا اور نیت نکاح کی تھی تو صحیح ہے اور اگر کسی نے کہا کہ میں اس ایک ہزار کی رقم کے عوض جو آپ کی مرے ذمہ ہے اپنی بیٹی کے لئے آپ سے معاملہ چکا لیا اور مراد اس سے (رقم واجب الادا کے مہر پر) نکاح کرنا ہو اور خاوند نے کہا کہ میں نے قبول کر لیا تو نکاح ہو جائے گا۔ غرض لفظ خرید وفروخت۔ سلم۔ صلح اور قرض سے بقول صحیح نکاح ہو جاتا ہے۔

تیسری قسم ایسے الفاظ کنائی کی ہے جس میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ان الفاظ سے عقد نہیں ہوتا۔ یہ الفاظ

Marfat.com

اجارہ (کرایہ) اور وصیت ہیں کہ اگر کسی عورت نے کہا میں اپنی جان آپ کو کرایہ پر دیتی ہوں یا کسی شخص نے یہ کہا کہ میں اپنے مرنے کے بعد اپنی بیٹی کے لئے آپ کے حق وصیت کرتا ہوں یا یوں کہا کہ میں اپنی بیٹی کے لئے فلاں شخص کے حق میں وصیت کرتا ہوں اور اپنی موت کے بعد کے الفاظ نہیں کہے لیکن اس شخص نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ اگر یہ کہا کہ موت کے بعد میں قبول کرتا ہوں تو بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا۔ اگر کہا کہ میں اپنی بیٹی کے نکاح کے لئے ایک ہزار کے عوض تمہارے حق اسی وقت یا فی الحال یا فوری طور پر وصیت کرتا ہوں تو درست ہے اور مخاطب نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو یہ نکاح درست ہو گیا کیونکہ الفاظ عقد کے لئے یہ شرط ہے کہ اسی وقت مالک بنا دیا جائے اور خالی وصیت کرنے یا موت کے بعد کی قید کے ساتھ وصیت کرنے سے بعد میں تملیک کا مفہوم نکلتا ہے (لہٰذا نکاح نہیں ہوتا)۔

چوتھی قسم کے الفاظ کنایہ وہ ہیں جن سے نکاح منعقد نہ ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ یہ الفاظ وہ ہیں جو مباح۔ حلال۔ عاریت۔ رہن۔ استفادہ۔ اقالہ (تنسیخ معاملہ بیع) یا خلع کا مفہوم رکھتے ہیں چنانچہ اگر کسی عورت نے کہا کہ میں اپنا نفس تمہارے لئے (مباح یا) حلال کر دیا یا عاریۃً دے دیا یا متمتع ہونے کی اجازت دے دی۔ یا کسی شخص نے کہا کہ میری بیٹی کے عوض فلاں مال کی تنسیخ بیع (یا تصفیہ معاملہ) کر لو اور ان الفاظ سے مراد (اس کام کے عوض جس کو اقالہ کہتے ہیں) بیٹی کا نکاح کر دینا ہے تو درست نہ ہوگا۔

(تبادلۂ الفاظ سے) انعقاد نکاح کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ ایجاب وقبول ایک ہی نشست میں (یا اسی جگہ) ہو۔ اگر عورت کہے کہ میں نے اپنا نفس تمہاری زوجیت میں دے دیا یا کسی شخص نے کہا کہ میں نے اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دے دی اور مخاطب قبول کرنے سے پہلے وہاں سے جانے کا تہیہ کرنے لگا اور بعد میں کہا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح نہ ہوگا۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جبکہ فریقین میں سے ایک شخص موجود نہ ہو اور عورت دو گواہوں کے سامنے کہے کہ میں نے اپنا عقد فلاں سے کیا اور وہ شخص وہاں موجود نہیں ہے لیکن جب اسے اس کا علم ہوا تو دو گواہوں کے سامنے اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح نہ ہوگا۔ کیونکہ عقد نکاح کے لئے شرط یہ ہے کہ ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہوں۔ یہ صورت حال اس کے خلاف ہے کہ کسی نے اپنا فرستادہ ایک عورت کے پاس بھیجا اور اس نے جا کر کہاں کہ فلاں شخص نے میری معرفت تم سے یہ درخواست کی ہے کہ تم اپنی شادی اس شخص سے کر لو اور عورت نے کہا کہ میں قبول کرتی ہوں تو یہ نکاح ہو جائے گا کیونکہ ایجاب وقبول ایک ہی جگہ پر ہو گیا اگرچہ خاوند وہاں موجود نہ تھا۔ لیکن اگر اس عورت نے اس پیغام لانے والے کے کہنے پر ہی اسی وقت قبول نہیں کیا بلکہ اسی شخص نے کسی دوسری جگہ پھر اس پیغام کو دہرایا اور اب کی بار اس نے قبول کر لیا تو عقد نہ ہوگا کیونکہ جہاں تک اس کی پیغام رسانی کا تعلق تھا وہ پہلی بار کہنے سے ختم ہو گیا (دوسری بار کا کہنا اس کا پیغام نہیں ہے) اسی طرح اگر کسی شخص نے ایک عورت کے پاس تحریر بھیجی جس میں اس سے عقد کی درخواست تھی اور وہ خود اس شہر میں موجود نہ تھا لیکن گواہوں کی موجودگی میں اس عورت نے اس شخص کی تحریر کو پڑھا اور کہا کہ میں نے اپنے نفس کو اس کی زوجیت میں دیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہوا۔ یعنی وہ تحریر وہاں پر خاوند کی طرف سے بطور ایجاب (یا درخواست) کے ہے اور عورت کا یہ کہنا کہ میں نے زوجیت قبول کر لی اس کی قبولیت ہے۔ یہاں تک کہ اگر عورت نے وہیں پر پڑھنے کے بعد قبول نہ کیا بلکہ بعد میں کسی اور جگہ (گواہوں کی موجودگی میں)

Marfat.com

اسے پڑھا اور وہیں قبول کر لیا تب بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔ کیونکہ جب بھی وہ تحریر پڑھی گئی خاوند کی طرف سے ایجاب متصور ہو گی۔ ہاں اگر کسی عورت نے گواہوں کے سامنے یہ تو کہا کہ میں فلاں شخص کی زوجیت قبول کرتی ہوں لیکن تحریر کے اس کے سامنے نہیں پڑھی تو نکاح نہ ہو گا۔ کیونکہ صحتِ نکاح کے لئے گواہوں کا اس تحریر کو سننا شرط ہے۔

اگر نکاح کی درخواست کرنے والا موجود ہے اور اس کے لئے مجلسِ عقد نکاح میں آنا ممکن ہے تو بذریعہ تحریر نکاح درست نہ ہو گا۔

ایجاب وقبول کے ایک ہی مجلس میں لازم ہونے سے یہ بھی نکلتا ہے کہ اگر مرد اور عورت جانور پر سوار ہیں اور سوار ہونے کی حالت میں عقد کریں درآنحالیکہ جانور چل رہا ہے۔ یا یہ کہ دونوں چل رہے ہیں اور چلتے ہوئے عقد نکاح کریں تو یہ نکاح درست نہ ہو گا کیونکہ دونوں کو ایک جگہ قرار نہیں ہے (کیونکہ ایک ہی مجلس میں ایجاب وقبول نہ ہوا) ہاں اگر دونوں کشتی پر سوار ہیں اور کشتی کی روانی کی حالت میں نکاح کریں تو درست ہو گا کیونکہ اس صورت میں کشتی کو ایک مکان تصور کر لیا جائے گا۔

اب رہا یہ کہ آیا ہوائی جہاز یا موٹر وغیرہ کو کشتی کی مانند تصور کیا جائے یا سواری کے جانور کی طرح؟ حنفیہ کے نزدیک یہ جانور کی مانند ہے اور ان پر عقد نکاح درست نہیں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ایجاب وقبول کا معاً ہونا شرط نہیں ہے۔ چنانچہ اگر عورت نے کہا کہ میں آپ سے نکاح کرتی ہوں اور عقد سے غیر متعلق باتیں کیں اور پھر خاوند نے کہا کہ میں قبول کرتی ہوں تو درست ہے اور نکاح کے لئے الفاظ کا تبادلہ ضروری ہے۔ اشیاء کے تبادلہ سے نکاح نہیں ہوتا مثلاً کسی عورت نے کہا کہ میں آپ سے ایک ہزار مہر پر نکاح کرتی ہوں اور اس نے ایک ہزار تو دے دیئے لیکن یہ نہیں کہا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح نہ ہو گا۔ اسی طرح بطور مختار نکاح کا اقرار (یا اعتراف) کرنے سے نکاح نہیں ہوتا کیونکہ اقرار تو ایک امر واقعی کے اظہار (یا اعتراف) کو کہتے ہیں اور عقد کے باہمی تصدیقی ثبوت کے یہ معنی ہیں کہ عقد پہلے ہو چکا ہے اور اب حاکم اس کے ثابت ہونے کا فیصلہ دے رہا ہے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ اس اقررا (یا اعتراف) کرنے پر عقد نکاح پہلی بار منعقد ہوا کیونکہ یہ جھوٹ (خلاف واقعہ) ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ ایجاب وقبول مختلف نہ ہوں چنانچہ اگر ایک شخص نے مثلاً کسی سے کہا کہ میں اپنی بیٹی کا عقد تمہارے ساتھ ایک ہزار مہر پر کرتا ہوں اور اس نے کہا کہ نکاح تو مجھے قبول ہے لیکن (اتنا) مہر قبول نہیں ہے تو یہ نکاح منعقد نہ ہو گا۔ ہاں اگر نکاح قبول کیا اور مہر کے بارے میں کچھ نہ کہا کہ میں ایک ہزار مہر پر تم سے شادی کر رہی ہوں اور اس نے کہا کہ میں نے دو ہزار مہر قبول کر لئے تو نکاح درست ہو گا گو یہاں بھی ایجاب قبول میں اختلاف ہے۔ کیونکہ عورت کا ارادہ مہر کی زیادتی کی صورت میں پورا ہوتا ہے۔ لیکن خاوند پر یہ مزید مہر واجب الادا نہ ہو گا تا آنکہ اس نے اس مجلس میں یہ مہر قبول نہ کیا ہو۔ اگر مرد نے عورت سے کہا کہ ایک ہزار مہر پر تم میرے ساتھ نکاح کر لو اور عورت نے کہا بلکہ پانچ سو ہی (قبول کرتی ہوں) تو نکاح درست ہو جائے گا' کیونکہ یہ تو مطالبہ سے سبکدوش کرنا اور مطالبہ کا کسی کے ذمہ سے ساقط کرنا ہے۔ بخلاف اس کے اگر مہر زیادہ کا مطالبہ کیا جائے تو اس صورت میں خاوند کا قبول کرنا لازمی ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ الفاظ نکاح فریقین عقد سُن سکیں اور ضروری ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے الفاظ کو سُن لے۔ یہ سننا یا تو حقیقی معنوں میں ہوں کہ دونوں موجود ہوں یا حکمی طور پر جیسے غیر موجود شخص کی تحریر ہو کہ اس کا پڑھنا

Marfat.com

یہاں پر خطاب کرنے کی بجائے ہے۔

الفاظ نکاح کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ لغت کے اعتبار سے صحیح ہوں بلکہ (اس بارے میں) تحقیق یہ ہے کہ الفاظ کی شکل بدلی ہوئی ہو تب بھی نکاح درست ہے پس اگر کوئی عورت یا اس کا وکیل عام لوگوں میں سے ہو جو ٹھیک طور پر زوجت (یعنی میں نے زوجیت میں دیا) کو صحیح طور پر نہ ادا کر سکے اور عورت کہے کہ زَوَّزْتُک بنفسی (اپنے نفس کے ساتھ تمہاری شادی کر دی) یا کوئی شخص کہے کہ زَوَّزْتُکَ بِبنتی (میں نے اپنی بیٹی کے ساتھ تمہاری شادی کر دی)۔ اس قسم کے غلط جملوں کے استعمال سے بھی عقد ہو جاتا ہے۔ نکاح کی طرح طلاق بھی غلط الفاظ استعمال کرنے سے ہو جاتی ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ الفاظ نکاح میں وقت متعین نہ کیا گیا ہو۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے (ایک عورت سے) کہا کہ تم میرے ساتھ ایک مہینے کے لئے اتنے مہر پر شادی کر لو اور وہ کہے کہ میں نے زوجیت میں جانا قبول کر لیا تو یہ عقد باطل ہوگا۔ اس قسم کے (وقتی) نکاح کو متعہ کہتے ہیں اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

وہ شرائط جن کا تعلق فریقین نکاح یعنی خاوند اور بیوی سے ہے ان میں ایک شرط 'عقل' ہے۔ یہ شرط نکاح کے منعقد ہونے کی ہے لہٰذا کوئی مجنون شخص یا بچہ جس میں مطلق عقل نہ ہو عقد کرے تو وہ عقد نہ ہوگا۔

ایک شرط بالغ اور آزاد ہونا ہے۔ یہ دونوں شرطیں عقد کے نافذ ہونے کی ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی ذی عقل لڑکا یا غلام عقد کرے تو ان کا کیا ہوا عقد تو ہو جائے گا لیکن یہ نکاح (لڑکے کے) ولی یا (غلام کے) آقا کے اجازت کے بغیر نافذ نہ ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ منکوحہ وہ ہو جس کے ساتھ نکاح ہو سکے لہٰذا کسی مرد کے ساتھ یا خنثیٰ مشکل (یعنی ایسا مخنث جس کی جنس کا تعین دشوار ہو) کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا اور نہ اس عورت سے ہو سکتا ہے جو عدت میں ہو یا کسی کی بیوی ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ زوجین (میاں بیوی) معلوم شخصیتیں ہوں۔ لہٰذا اگر کسی نے یہ کہا کہ میں اپنی بیٹی کا عقد نکاح کرتا ہوں اور اس کی دو بیٹیاں ہیں تو یہ نکاح درست نہ ہوگا سوا اس صورت کے کہ ان میں سے ایک بیٹی شادی شدہ ہو تو یہ شادی اس کی متصور ہوگی جو بے خاوند کی ہے۔

اگر کسی کی بیٹی کا نام بچپن میں کچھ رہا ہو لیکن بڑی ہو کر اس کا نام کچھ اور ہو گیا تو عقد کے وقت اس کے مشہور نام کا ذکر کیا جائے' فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کے دونوں نام بتائے جائیں تا کہ ابہام نہ رہے۔ اگر کسی کی ایک بیٹی ہے جس کا نام فاطمہ ہے اور اس کا نام (بوقت عقد) عائشہ لیا گیا تو نکاح درست نہ ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ نکاح کی نسبت عورت کی طرف یا ایسے جزء کی طرف کی جائے جس کا مفہوم اس کا کل وجود ہوتا ہے مثلاً راس (سر) یا رقبہ (گردن) کہ اس سے پورا وجود مراد ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر یوں کہا کہ آپ اپنی بیٹی کے ہاتھ یا پاؤں کے ساتھ میری شادی کر دیں تو بقول صحیح اس سے نکاح نہ ہوگا۔

وہ شرائط جن کا تعلق شہادت سے ہے ان میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ شہادت کا ہونا بذات خود عقد نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط ہے جو ضروری ہے۔ نکاح کے گواہوں کی کم سے کم تعداد دو ہے' لہٰذا ایک شخص کی گواہی سے نکاح درست نہ ہوگا۔ ان دونوں (گواہوں) کا مرد ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے عقد درست ہو جائے گا۔ لیکن دو عورتوں کی گواہی سے نکاح درست نہ ہوگا۔ ان کے ساتھ کسی مرد کی گواہی ضروری ہے۔ گواہوں کے لئے

Marfat.com

یہ پابندی نہیں ہے کہ وہ حالت احرام میں نہ ہوں بلکہ احرام حج کی حالت میں بھی گواہی درست ہے۔

گواہوں کے لئے پانچ شرطیں ہیں: عاقل ہونا۔ بالغ ہونا۔ آزاد ہونا۔ اسی بنا پر اگر کسی دیوانے یا بچے یا غلام کی موجودگی میں عقد ہو تو وہ درست نہ ہوگا۔ چوتھی شرط مسلمان ہونا ہے لہٰذا مسلمان کا نکاح ذمیوں کی گواہی سے منعقد نہ ہوگا۔ بجز اس صورت کے جبکہ عورت ذمیہ ہو اور مرد مسلمان ہو ایسی صورت میں دو ذمیوں کی گواہی سے عقد نکاح ہو جائے گا خواہ وہ دونوں اس عورت کے ہم مذہب ہوں یا مختلف مذاہب کے۔

اگر نکاح کے دونوں فریق مسلمان نہ ہوں تو ان کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ ان کے نکاح کے دونوں گواہ مسلمان ہیں۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ دونوں میاں بیوی ہم مذہب ہوں یا مختلف مذہب رکھتے ہوں۔ نابینا اشخاص یا تہمت یا زنا کے جرم میں سزا یافتہ اشخاص کی شہادت سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ اگر چہ انہوں نے توبہ نہ کی ہو۔ یا بدکار ہوں۔ اسی طرح بیٹے کی شہادت سے بھی عقد ہو جاتا ہے اگر چہ نکاح کے علاوہ اس کی گواہی باپ یا ماں کے حق میں تسلیم نہیں کی جاتی۔ پس ایک عورت کا عقد اس کے اپنے دو بیٹوں کی گواہی سے خواہ وہ حقیقی ہوں یا سوتیلے ہو جاتا ہے (شہادت عقد کے باب میں) باپ کا بھی یہی حکم ہے غرض نکاح (کی گواہی) کے لئے اصول اور فروع (یعنی اوپر اور نیچے دونوں طرف کے رشتہ داروں) کی گواہی درست ہے۔ ان لوگوں کی شہادت سے نکاح تو منعقد ہو جاتا ہے لیکن اگر (نکاح ہی سے) انکار کیا جائے تو ان کی گواہی سے عقد ثابت نہ ہوگا۔ پس ان کی گواہی دینی لحاظ سے بیوی کے حلال ہونے کے لئے تو کار آمد ہے فصلِ مقدمات کے لئے کار آمد نہیں ہے۔

نکاح کی دو حالتیں ہیں ایک تو منعقد ہونے کی حالت' اس کے لئے اندھے' فاسق اور بیٹے یا باپ کی شہادت درست ہے لیکن دوسری حالت انکار نکاح کی صورت میں اس کو ثابت کرنے کی ہے کہ ان کی گواہی درست نہیں ہے بلکہ نکاح کو ثابت کرنے کے لئے بھی اسی طرح کے گواہوں کی شرط ہے جیسے دوسرے معاملات کے لئے۔ اسی بنا پر اگر ایک شخص نے کسی کو وکیل بنایا کہ وہ اس کی نابالغ بیٹی کی شادی کر دے اور اس نے دو عورتوں اور باپ (موکل) کی موجودگی میں کر دیا۔ درآنحالیکہ لڑکی وہاں موجود تھی تو درست ہے کیونکہ اس عورت کو بذات خود نکاح کر لینے والی سمجھا جائے گا اور اس کے باپ کو دوسرے شخص کی موجودگی میں ایک اور گواہ تصور کر لیا جائے گا۔ بایں طور کہ گویا اس عورت نے اپنے باپ کو اپنی شادی کے لئے کہا (یعنی وکیل بنایا) اور قاعدہ یہ کہ جب کہنے والا (موکل) مجلس میں موجود ہو تو وکیل کی عبارت (یعنی اس کا بیان) اس موکل کی طرف منتقل ہو جائے گا پس گویا وہ بیان اس کا اپنا ہے اور عورت خود اپنا نکاح کرنے والی ہوگی۔ لہٰذا اسے گواہ قرار دینا ممکن نہیں ہے کیونکہ ایک شخص اپنے حق میں شہادت نہیں دے سکتا۔ لیکن اگر وہ لڑکی نابالغ ہے اور اس کے باپ نے ایک شخص کی موجودگی میں اس کا نکاح کر دیا تو یہ درست نہ ہوگا' کیونکہ اس صورت میں خود نکاح کر لینے کا حق نابالغ لڑکی کی جانب منتقل نہ ہوگا کیونکہ وہ نابالغ ہے۔ اسی طرح اگر ایک بالغ عورت نے ایک اجنبی شخص کو وکیل بنایا اور اس شخص نے ایک اور شخص کی موجودگی میں اس کا نکاح کر دیا درآنحالیکہ وہ عورت عقد سے انکار کی صورت میں عقد کے ثبوت کی گواہ بھی بن سکتی ہے لیکن اسے چاہئے کہ (بوقت شہادت) نکاح کا ذکر نہ کرے کیونکہ اس نے خود اپنا نکاح کیا تھا اور یہ درست نہیں ہے کہ کوئی شخص خود اپنے حق میں گواہی دے اسے صرف یہ کہنا چاہئے کہ وہ فلاں کی منکوحہ یا اس کی زوجیت میں

1054LL

Marfat.com

ہے۔(یعنی یہ نہیں کہہ سکتی کہ میں خود اپنے نکاح کی گواہی دیتی ہوں)۔

شہادت سے تعلق رکھنے والی شرائط میں سے پانچویں شرط یہ ہے کہ گواہ زوجین کی بات سن لیں۔ لہٰذا اگر موجود الوقت اشخاص سو رہے ہوں جنہوں نے فریقین عقد کی بات نہیں سنی تو ان کی گواہی درست نہیں ہے۔ لیکن صحت عقد کے لئے وکیل بنانے کی گواہی شرط نہیں ہے۔ چنانچہ اگر عورت نے اپنے باپ کو اپنی شادی کا وکیل بنایا اور اس وقت دو گواہ موجود نہ ہوں تو یہ توکیل درست ہے۔ لیکن اگر وہ عورت اس بات سے انکار کرے کہ اس نے اپنے باپ کو وکیل بنایا تھا تو اس کے لئے کوئی گواہی نہیں پیش کی جاسکتی۔ لہٰذا وکیل بنانے کا گواہ بنانے سے یہ فائدہ ضرور ہے کہ اگر اس سے انکار کیا جائے تو اس کا ثبوت پیش کیا جاسکے۔ وکیل بنانے کے ثبوت میں جو گواہ پیش ہو اس کے لئے شرط یہ ہے کہ گواہ اس عورت کو پہچانتا ہو اور اس کی بات سنی ہو پس اگر دونوں گواہوں نے اسے دیکھا اور اس کی بات سنی ہو اور اس گھر میں وہ اکیلی ہو تو ان دونوں کے لئے جائز ہے کہ اگر عورت وکیل بنانے سے انکاری ہو تو اس کے ثبوت میں وہ گواہی دیں۔ اگر وہ عورت وہاں موجود نہ ہو اور گواہوں نے اس کی آواز نہیں سنی۔ لیکن وکیل نے اس عورت کا عقد کر دیا اور گواہ اس عورت کو جانتے ہوں تو (بوقت عقد) صرف اس عورت کا نام لینا کافی ہے۔ بشرطیکہ گواہوں کو علم ہو کہ وکیل کی مراد وہی عورت ہے (جسے گواہ جانتے ہیں)۔ اگر گواہ اس عورت کو نہ جانتے ہوں تو ضروری ہے کہ اس کا نام اور اس کے باپ دادا کا نام لیا جائے اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس طرح کی گواہی موجود ہو تو عقد ہو جاتا ہے لیکن اگر وکیل نکاح کے وکیل بنائے جانے سے انکار کیا جائے تو اس کے ثبوت کے لئے ایسے شخص کی گواہی سودمند نہ ہوگی۔ لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ وکیل بنائے جانے کے دو گواہ ایسے ہوں جو منکوحہ کو جانتے ہوں اور انہوں نے خود سنا ہو کہ اس نے (فلاں شخص کو) اپنا وکیل (عقد) مقرر کیا ہے۔

گونگے کی موجودگی میں اور ایسے ہکلے کی موجودگی میں جو بول نہ سکتا ہو' سنتا اور سمجھتا ہو (کہ یہ نکاح ہے) عقد منعقد ہو جاتا ہے۔ گواہوں کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ نکاح کے مخصوص الفاظ کے معنے جانتے ہوں لیکن یہ شرط ضروری ہے کہ وہ اتنا جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ چنانچہ اگر کسی عربی نے عجمیوں کی موجودگی میں نکاح کیا تو نکاح درست ہوگا جبکہ یہ (عجمی اشخاص) اتنا جانتے ہوں کہ یہ الفاظ ایجاب وقبول کے ہیں جن سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے' ان کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ اور مخمور اشخاص کی (بطور گواہ) موجودگی میں بھی نکاح ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ جانتے ہوں کہ ان الفاظ کے ادا کرنے سے نکاح ہوتا ہے اگرچہ نشہ کی حالت دور ہونے کے بعد انہیں یہ علم نہ رہے (کہ نکاح ہو گیا ہے)۔

اگر ایک شخص نے کچھ لوگوں کو کسی کے پاس بھیجا کہ وہ اس کی بیٹی کا خواستگار ہے اور اس لڑکی کے باپ نے کہہ دیا کہ میں نے اپنی بیٹی کا بیاہ اس کے ساتھ کر دیا پھر ان لوگوں میں سے کسی نے یہ کہا کہ میں نے اس لڑکی کی شادی اس شخص کے ساتھ قبول کر لی تو بقول صحیح نکاح منعقد ہو جائے گا۔

نکاح کے اندر خاوند اور بیوی کے اختیار کی شرط نہیں ہے۔ اگر خاوند یا بیوی کا نکاح جبراً کیا جائے تب بھی نکاح ہو جائے گا اور طلاق دینا اور آزاد کرنا بھی نکاح کی مانند ہے کہ (خرید و فروخت کی اشیاء کی طرح) اس میں اختیار اور پسند کو دخل نہیں ہے اور ان تینوں امور یعنی نکاح' طلاق اور آزاد کرنے کے لئے یہ شرط (ضروری) نہیں ہے کہ یہ کام سنجیدگی سے کیا

Marfat.com

جائے۔ بلکہ اس میں سے کوئی بات اگر مذاق کے طور پر بھی کی جائے تو وہ منعقد (لاگو) ہو جاتی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نکاح کی شرطوں میں سے بعض کا تعلق صیغہ (الفاظ ایجاب وقبول) سے ہے، بعض کا تعلق "ولی" سے، بعض کا زوجین سے اور بعض کا گواہی سے ہے۔

صیغہ (یا الفاظ نکاح) کے صحیح ہونے کی تیرہ شرطیں ہیں جس کی تفصیل میں نے احکام بیع کے سلسلے میں بیان کر دی ہے۔ منجملہ ان شرائط کی عدم تعلیق ہے (یعنی ایجاب وقبول کا غیر مشروط ہونا) مثلاً ایک شخص کسی سے کہے کہ میں اپنی بیٹی کا بیاہ تم سے کرتا ہوں بشرطیکہ تم مجھے فلاں مکان دے دو۔ یا یہ کہا کہ بشرطیکہ میں تم کو بطور ایک خاوند کے پسند کر لوں۔ تو یہ نکاح درست نہ ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ نکاح موقت نہ ہو مثلاً ایک شخص عورت سے کہے کہ تم ایک ماہ کے لئے مجھ سے نکاح کر لو اس کو نکاح متعہ (یعنی وقت مقررہ کے لئے نکاح کرنا) کہتے ہیں۔ صحیحین (صحیح بخاری ومسلم) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ممانعت آئی ہے۔ ان کے علاوہ وہ شرائط ہیں جن کا ذکر معاملۂ بیع میں کیا گیا ہے ان میں یہ اضافہ کر لیا جائے کہ صیغہ (یعنی نکاح کے الفاظ) ایسے لفظ کا ہو جو تزویج یا انکاح سے مشتق ہو مثلاً یہ کہنا کہ زوجتک ابنتی یا انکحتک موکلتی (یعنی باپ کہے میں نے اپنی بیٹی تمہاری زوجیت میں دی یا وکیل کہے اپنی موکلہ کا نکاح تم سے کر دیا) اگر کہا ازوجک ابنتی (بصیغہ مضارع) یا انکحک ایاھا (یعنی اپنی بیٹی تمہاری زوجیت میں دوں گا یا اس کا نکاح تمہارے ساتھ کروں گا) تو یہ درست نہ ہوگا کیونکہ اس سے وعدہ کا احتمال ظاہر ہوتا ہے لیکن اگر کہا کہ ازوجک ابنتی الآن یا انی مزوجک ابنتی (یعنی میں اپنی بیٹی کا نکاح تم سے ابھی کئے دیتا ہوں) یا تمہارے ساتھ اس کا نکاح کرنے والا ہوں اور اس میں ابھی کا لفظ نہیں کہا تو نکاح درست ہوگا۔ کیونکہ اسم فاعل درحقیقت حال کے لئے استعمال ہوتا ہے اس میں وعدہ (کے مفہوم) کا احتمال نہیں ہے اور (ایجاب وقبول میں) غلط لفظ استعمال کرنے سے بھی بقول معتمد نکاح ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی نے زوجتک کی بجائے جوزتک موکلتی کہا (تو نکاح درست ہے) یہاں تک کہ یہ اس کی زبان نہ ہو تب بھی۔ اسی طرح (عربی کی بجائے) غیر ملکی زبان کے الفاظ استعمال کرنے سے بھی نکاح ہو جاتا ہے اگرچہ زوجین عربی زبان جانتے ہوں بشرطیکہ وہ ان الفاظ (غیر ملکی) کا مطلب سمجھتے ہوں۔ پس اگر کسی عورت نے فرانسیسی یا انگریزی زبان میں یہ کہہ کر خطاب کیا کہ میں اپنا نفس تمہاری زوجیت میں دیتی ہوں اور مخاطب نے قبول کر لیا تو نکاح درست ہو جائے گا۔

اگر یوں کہا کہ آپ اپنی بیٹی کو میری زوجیت میں دے دیں اور باپ نے کہا کہ میں نے تمہاری زوجیت میں دے دی تو نکاح صحیح ہوگا اسی طرح اگر ولی نے کہا کہ تم میری بیٹی سے شادی کر لو اور اس نے کہا کہ میں نے کر لی تو درست ہے۔ نکاح ان صریح الفاظ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس طرح کہنے سے نکاح نہ ہوگا کہ میں نے اپنی بیٹی تم پر حلال کر دی یا تمہارے ہاتھ فروخت کر دی یا اس کا مالک تمہیں بنا دیا یا تمہیں ہبہ کر دیا وغیرہ یا اسی قسم کے اور الفاظ جن سے حنفیہ کے نزدیک نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

غرض شافعیہ کے نزدیک ضروری ہے کہ (عقد نکاح کے لئے) مصدر انکاح یا تزویج سے مشتق الفاظ استعمال کئے جائیں۔ شافعیہ کا کہنا ہے کہ حسب ذیل حدیث میں جو "کلمۃ اللہ" کا لفظ آیا ہے اس سے یہی مراد ہے: واستحللتم

Marfat.com

فروجهن بکلمة الله (یعنی تم نے عورتوں کے عضو مخصوص کو کلمۃ اللہ کہہ کر حلال کرلیا) اور قرآن میں لفظ کلمۃ اللہ جو آیا ہے اس سے مراد نکاح اور تزویج (یعنی نکاح کرنا اور زوجیت میں دینا) ہے' کوئی اور مطلب نہیں ہے۔ اور ان پر دوسرے الفاظ کا قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کنایہ کے الفاظ استعمال کرنے سے نکاح نہیں ہوتا کیونکہ اس میں نکاح کی نیت ضروری ہے اور گواہوں کی موجودگی نکاح کا ایک رکن ہے اور گواہوں کو نیت کا علم ہونا ضروری ہے۔ لیکن نیت کا جاننا ممکن نہیں۔

قبولیت نکاح کے لئے ضروری ہے کہ خاوند کہے کہ میں نے اس کو اپنی زوجیت میں قبول کیا یا اس کے ساتھ نکاح پر راضی ہوں' یا میں نے یہ نکاح قبول کیا یا اس نکاح کو مان لیا۔ اگر صرف یہ کہا کہ میں نے قبول کیا اور کچھ نہ کہا تو نکاح درست نہ ہوگا اور اگر قبول کے الفاظ ایجاب سے پہلے ادا کئے جائیں تب بھی نکاح درست ہے۔

قبولیت نکاح کی متعلقہ شرطوں میں یہ امور ہیں:

ایک یہ کہ قبول کرنے والا مختار ہو' مجبور نہ ہو۔ جبری قبولیت درست نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ وہ شخص مرد ہو۔ عورت یا مخنث کا قبول کرنا درست نہیں کیونکہ وہ ولی نہیں بن سکتا۔

تیسرے یہ کہ وہ شخص محرم ہو (جس کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا) غیر محرم کا قبول کرنا درست نہیں ہے۔

چوتھے یہ کہ وہ شخص بالغ ہو۔ بچہ قبول کرے تو درست نہیں ہے کیونکہ وہ ولی نہیں بن سکتا۔

پانچویں یہ کہ وہ شخص عاقل ہو۔ جنون زدہ شخص کا قبول کرنا درست نہیں ہے کیونکہ وہ ولی نہیں بن سکتا۔

چھٹے یہ کہ وہ عادل (قابل اعتبار) ہو۔ بدنام آدمی قبول کرے تو درست نہ ہوگا کیونکہ وہ ولی نہیں بن سکتا۔

ساتویں یہ کہ وہ شخص بے عقلی کے باعث مجور (نااہل معاملہ) نہ قرار دیا گیا ہو۔

آٹھویں یہ کہ وہ شخص مختل النظر نہ ہو (جو صحیح طور سے نہیں دیکھ سکتا) نویں یہ کہ وہ شخص مخالف مذہب نہ رکھتا ہو کیونکہ وہ فریقین میں سے کسی کا ولی نہیں بن سکتا۔

دسویں یہ کہ وہ شخص غلام نہ ہو کیوں کہ غلام ولی نہیں بن سکتا۔

خاوند میں بھی حسب ذیل شرطیں لازم ہیں: مثلاً

یہ کہ وہ غیر محرم ہو (جس کے ساتھ نکاح حرام نہیں ہے) لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ عقد کرنے والا عورت کا بھائی' بیٹا' ماموں وغیرہ محارم میں سے ہو (یعنی جس سے نکاح حرام ہے) خواہ وہ محرم خون کے رشتے سے ہو یا شادی کے رشتے سے یا دودھ کے رشتے سے۔

یہ کہ وہ مختار ہو جبراً نکاح درست نہ ہوگا۔

یہ کہ وہ ایک متعین شخصیت ہو۔ غیر متعین شخص کا نکاح درست نہیں ہے یہ کہ وہ شخص جانتا ہو کہ اس عورت سے نکاح حلال ہے۔ لہٰذا یہ درست نہ ہوگا کہ یہ امر جاننے سے پہلے نکاح کرلے۔

بیوی کی متعلقہ شرطیں حسب ذیل ہیں: یعنی

یہ کہ وہ محرمہ نہ ہو (جس سے اس شخص کا نکاح حرام ہو)۔

Marfat.com

یہ کہ وہ متعین ہستی ہو۔

یہ کہ کوئی امر مانع عقد نہ ہو مثلاً اس عورت کا محرمہ ہونا یا دو عورتوں میں سے ایک کا نکاح بلا تعین ہونا۔ یا اس کا شادی شدہ ہونا۔ یا عدت میں ہونا۔

نکاح کے گواہوں کی متعلقہ شرائط وہی ہیں جو دوسرے امور کے گواہوں کے لئے ہیں لہٰذا دونوں گواہوں کا غلام ہونا، عورت ہونا، بدنام ہونا، بہرا ہونا، اندھا ہونا اور ایسا مخنث ہونا کہ ان کا مرد ہونا واضح نہ ہو عقد نکاح کے لئے درست نہیں ہے۔ اور ایسا شخص بھی (عقد کا) گواہ نہیں بن سکتا جو مسلمہ طور پر ولی ہو۔ چنانچہ اگر کسی عورت کا صرف باپ یا بھائی ولی ہے اور اس نے کسی کو عقد نکاح کے لئے وکیل بنایا اور نکاح کے وقت وہ خود بھی موجود رہا تو اسے نکاح کا گواہ بننا درست نہیں ہے اسی طرح خاوند اور اس کے وکیل کا معاملہ ہے کہ وکیل کی موجودگی میں خاوند عقد کا گواہ نہیں بن سکتا۔ (کیوں کہ موکل کی موجودگی میں وکیل کے فرائض موکل کی طرف عائد ہو جاتے ہیں۔ پس اگر خاوند موجود ہے تو گویا اس نے اپنا نکاح خود کیا وکیل نے نہیں کیا۔ لہٰذا وہ خود اپنے نکاح کا گواہ نہیں بن سکتا)۔

اور ولی کے ساتھ گواہ کی موجودگی لازم ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جو ابن حبان سے مروی ہے کہ لانكاح الا بولي و شاهدي عدل و ما كان من نكاح علي غير ذالک فهو باطل (یعنی جب تک ولی اور دو معتبر گواہ موجود نہ ہوں نکاح نہیں ہو سکتا۔ ان کے بغیر جو نکاح ہو وہ باطل ہے)۔ ہاں زوجین کے دو حقیقی بیٹوں یا دونوں میں سے کسی کے دو بیٹوں کی موجودگی میں نکاح ہو تو وہ منعقد ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کی شہادت سے نکاح ثابت نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔ دشمن کا معاملہ بھی (گواہ عقد بننے کے بارے میں) بیٹے کی طرح ہے وہ عقد نکاح کے وقت گواہ تو بن سکتا ہے لیکن اگر نکاح سے انکار ہو جائے تو دشمن کی گواہی سے وہ نکاح ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ دشمن کی گواہی معتبر نہیں ہے۔

ایسے شخص کی گواہی سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے جس کا عدل (معتبر) ہونا معلوم نہ ہو یعنی ظاہر حال سے لوگ واقف ہوں گو باطن سے آگاہ نہ ہوں۔ اگر گواہ کا قطعی طور پر عادل (یا معتبر) ہونا ضروری قرار دیا جائے تو ایسے اشخاص کا دستیاب ہونا دشوار ہو جائے گا۔

احتیاطاً اس امر کا گواہ بنا لینا سنت ہے کہ نکاح عورت کی رضا مندی سے ہوا ہے جبراً نہیں کیا گیا تاکہ وہ انکار نہ کر سکے (اور احتیاطاً اس لئے کہا کہ عورت کی رضا مندی عین نکاح نہیں ہے جس کے لئے گواہ کا ہونا جزو لازم قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کی رضا مندی نکاح کی ایک شرط ہے لہٰذا اس کی رضا مندی کے لئے گواہ بنا لینا سنت ہے اور اس کی رضا مندی ولی کے بتانے سے بغیر گواہ کے بھی ہو جاتی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نکاح کی چار شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ زوجین متعین ہوں (یعنی خاص اور معلوم شخصیتیں) مثلاً یوں کہا جائے کہ میں اپنی فلاں بیٹی کا نکاح تمہارے ساتھ کر رہا ہوں۔ اگر کسی کی دو بیٹیاں ہیں اور وہ کہے کہ میں اپنی بیٹی کا نکاح تمہارے ساتھ کر رہا ہوں اور یہ تعین نہیں کہ کونسی بیٹی کا تو یہ عقد درست نہ ہوگا۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ (لڑکے والا) کہے کہ میں نے فلاں عورت سے اپنے بیٹے کی شادی قبول کی درآنحالیکہ ایک بیٹے کے علاوہ اور بھی اس کا بیٹا ہو ایسی صورت میں یہ کہنا لازم ہے

Marfat.com

کہ میں نے اپنے فلاں بیٹے کے لئے قبول کیا۔ غرض (عقد نکاح میں) ضروری ہے کہ خاوند اور بیوی کے نام اور ان کی ایسی خصوصیات جن میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو بیان کر دی جائیں مثلاً (لڑکی والا) یوں کہے کہ میری بیٹی جس کا نام کبریٰ' صغریٰ' بیضاء یا حمراء ہے اور لڑکے والا یوں کہے کہ میرا بڑا بیٹا یا چھوٹا۔

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ نکاح کے الفاظ میں انکاح یا تزویج کے الفاظ ضروری ہیں لیکن قبولیت کے لئے صرف یہ کہنا کہ میں نے قبول کیا یا راضی ہوں' کافی ہے یہ شرط نہیں ہے کہ اس کے ساتھ یہ بھی کہا جائے کہ میں نے فلاں عورت کے ساتھ نکاح یا بیاہ قبول کیا اور ایجاب سے پہلے ہی قبول کر لینا درست نہیں ہے۔ لیکن قبولیت فوراً (بلا تاخیر) ہونا شرط ہے۔ پس اگر ایجاب کے بعد قبول کرنے میں اتنی تاخیر کر دی کہ دونوں جدا ہو گئے یا ایسے کاموں میں مصروف ہو گئے جن سے عام طور پر منقطع ہو جانا سمجھا جاتا ہے تو نکاح درست نہ ہوگا۔

انعقاد نکاح کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ عربی زبان ہی کے الفاظ استعمال کئے جائیں بلکہ جو شخص عربی (کے الفاظ) نہیں بول سکتا اس کا عقد عربی کے علاوہ اور زبان میں بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ تحریری طور پر الفاظ تزویج وانکاح کے ذریعہ ایجاب وقبول کا مفہوم ادا کر دیا جائے۔

اشارہ سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی گونگا ہو تو اس کے اشارے سے بھی نکاح درست ہے بشرطیکہ وہ اشارہ سے سمجھا سکتا ہو۔

دوسری شرط اختیار اور رضا مندی کا ہونا ہے' لہٰذا جبراً کسی کا نکاح کیا جائے تو وہ منعقد نہ ہوگا درآنحالیکہ وہ شخص عاقل اور بالغ ہو۔ اگر چہ غلام ہو کیونکہ اس کے آقا کو طلاق دینے کا حق ہے اسے نکاح پر مجبور کرنے کے کچھ معنے ہی نہیں۔ لیکن اگر لڑکا یا لڑکی عاقل و بالغ نہ ہوں تو باپ (نکاح پر) مجبور کر سکتا ہے اسی طرح باپ کا مقرر کردہ وصی یا حاکم بھی نکاح پر مجبور کر سکتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ غیر مکلف (جس پر احکام شرعیہ لاگو نہیں ہوتے) کی شادی کر دے خواہ وہ راضی ہو۔ کیونکہ غیر مکلف کی رضا مندی معتبر نہیں ہے۔

باپ کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی کنواری لڑکی کا عقد جبراً کر دے خواہ وہ بالغ ہو جیسا کہ ولی کے بیان میں بتایا جائے گا۔

تیسری شرط ولی کا ہونا ہے ولی ہونے کی بھی چند شرائط ہیں: مثلاً مرد ہونا' کیونکہ عورت ولی نہیں بن سکتی۔ عاقل ہونا' کیونکہ جو شخص بے عقل ہو وہ خود اپنی ذات کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا اسے دوسرے کی دیکھ بھال درست نہیں ہے۔ ہاں بے ہوش ہونا ولی بننے کے لئے مانع نہیں ہے۔ ولی کا بالغ ہونا شرط ہے۔ بچہ (نابالغ) کا ولی بننا درست نہیں ہے کیونکہ وہ دوسروں کے معاملات کو سلجھانے سے قاصر ہوتا ہے۔

ایک شرط (ولی بننے کی) آزاد ہونا ہے۔ لہٰذا غلام ولی نہیں بن سکتا کیونکہ وہ خود اپنے نفس کا ولی (نمائندہ) نہیں ہے وہ دوسرے کی کیا نمائندگی کر سکے گا۔

ایک شرط مذہب کا یکساں ہونا ہے۔ لہٰذا مسلمان کا ولی کافر نہیں ہو سکتا اور نہ مجوسی (آتش پرست) نصرانی کا ولی بن سکتا ہے۔ البتہ بادشاہ ولی بن سکتا ہے قطع نظر اس کے کہ اس کا مذہب کیا ہے؟

Marfat.com

ایک شرط ولی بننے کے لئے رشید ہونا ہے۔ یعنی وہ شخص جو اس بات سے واقف ہو کہ شرافت نسب اور نکاح کے فوائد کیا ہیں؟

نکاح کی شرائط میں چوتھی شرط گواہ کی موجودگی ہے لہٰذا جب تک دو مرد عاقل و بالغ و عادل (قابل اعتبار) موجود نہ ہوں عقد نکاح درست نہیں ہے۔ ان گواہوں کا بہ ظاہر معتبر ہونا کافی ہے۔ خواہ دونوں گواہ غلام ہوں۔ لیکن یہ شرط ہے کہ دونوں کلام کر سکتے ہوں' مسلمان ہوں اور سن سکتے ہوں لہٰذا بہرے اور کافر کا گواہ بننا درست نہیں ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ دونوں گواہ میاں یا بیوی کی اصل یا فرع میں سے نہ ہوں (یعنی باپ دادا یا بیٹا پوتا وغیرہ) نہ ہوں لہٰذا زوجین میں سے کسی کے باپ یا اولاد کا گواہ بننا درست نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی شہادت تسلیم نہیں کی جاتی نیز نابینا اشخاص اور عداوت رکھنے والے گواہ نہیں بن سکتے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ دونوں کے ساتھ شادی میں کوئی امر شرعی مانع نہ ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ متذکرہ سابقہ ارکان نکاح متذکرہ سابقہ ہر رکن کی شرائط ہیں:

صیغہ (یا الفاظ نکاح) کے بارے میں جو شرائط ہیں: ایک شرط یہ ہے کہ نکاح کے لئے اس کے مقررہ الفاظ استعمال کئے جائیں۔ مثلاً 'ولی' یوں کہے کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا یا اس کی شادی کر دی یا کوئی شخص کہے کہ آپ فلاں کا نکاح میرے ساتھ کر دیجئے۔ اور جب ولی یا خاوند انکاح یا تزویج (یعنی نکاح کرنے یا زوجیت میں دینے) کے الفاظ ادا کرے تو مخاطب کا کسی بھی ایسے لفظ سے قبول کرنا کافی ہے جس کا مفہوم بیاہ کو تسلیم کرنا ہو مثلاً یہ کہنا کہ میں نے قبول کیا یا میں راضی ہوں یا میں نے مان لیا یا یہ کہ بات طے ہو گئی یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں نے فلاں کے ساتھ نکاح یا بیاہ کرنا قبول کیا' جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں عقد نکاح میں اگر 'زوج' کا لفظ استعمال نہ کیا یا کوئی ولی نہ ہوا تو بقول معتمد نکاح منعقد نہ ہوگا۔ لیکن (زوج کی بجائے) اگر ہبہ کا لفظ استعمال کیا جائے تو نکاح ہو جائے گا بشرطیکہ اس کے ساتھ مہر کا ذکر کر دیا جائے بایں طور کہ ولی کہے کہ میں نے اپنی بیٹی کو اس قدر مہر کے عوض تمہیں ہبہ کر دیا یا خاوند کہے کہ آپ اپنی بیٹی اس قدر مہر میں مجھے دے دیجئے۔ ان کے علاوہ اور الفاظ جن کے مفہوم میں تملیک (مالک بنانا) ہے مثلاً یوں کہنا کہ میں نے فروخت کیا۔ صدقہ کیا۔ بخش دیا۔ عطا کر دیا یا مالک بنا دیا یا حلال کر دیا۔ ساتھ ہی مہر کا بھی ذکر کیا یعنی یوں کہا کہ میں نے اتنے مہر میں اپنی بیٹی کو تمہارے ہاتھ فروخت کر دیا تو اس میں اختلاف رائے ہے اور قابل ترجیح قول یہ ہے کہ ان الفاظ سے بالاتفاق نکاح نہ ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ الفاظ عقد میں یہ شرط ہے کہ انکاح یا تزویج کے الفاظ استعمال کئے جائیں اگر ہبہ کا لفظ کہا تو مہر کا بھی ذکر کیا جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ الفاظ (ایجاب و قبول) کے ادا کرنے میں جلدی سے کام لیا جائے۔ نکاح کے درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ الفاظ ایجاب و قبول کے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ نہ ہو کہ جو معاملہ عقد کو نظر انداز کر دینے کا تقاضا معلوم ہو۔ لہٰذا جب ولی کہے کہ میں نے فلاں لڑکی کو تمہارے نکاح میں دیا تو مخاطب فوراً کہے کہ میں نے یہ رشتہ قبول کیا۔ اگر دونوں (الفاظ کی ادائیگی میں) تھوڑا سا وقفہ ہو جائے تو مضائقہ نہیں مثلاً کوئی مختصر سی تقریر وغیرہ ہو جائے۔ اس حکم سے نکاح کی

Marfat.com

وصیت مستثنٰی ہے کہ اس میں فاصلہ ہو تو اسے نظر انداز کیا جائے گا مثلاً اگر یوں کہا کہ اپنے مرنے کے بعد میں نے اپنی بیٹی کا نکاح فلاں شخص سے کر دیا تو اس شخص کا یہ کہنا درست ہے کہ اس کے لئے یہ واجب نہیں کہ موصٰی لہ (جس کے حق میں یہ وصیت کی گئی ہے) وہ فوراً یہ کہہ کر کہ میں نے قبول کیا' الفاظ قبول ادا کرے۔ بلکہ اگر خاوند نے وصیت کنندہ کی موت کے بعد قبول کیا تو بقول معتمد درست ہے خواہ یہ قبولیت اس کی وفات کے معاً بعد ہو یا بہت عرصہ کے بعد ہو۔ لیکن اس نکاحِ وصیت کے درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ یہ وصیت مرض موت میں کی گئی' خواہ اس مرض سے موت کا اندیشہ رہا ہو یا نہ رہا ہو اور خواہ وہ بیماری لمبی رہی ہو یا مختصر۔ اسی طرح یہ کہنا بھی ہے کہ اگر فلاں شخص راضی ہو تو میں نے اپنی اس بیٹی کی شادی اس سے کر دی۔ اب اگر وہ راضی ہوا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ شخص وہاں پر موجود ہو بلکہ اگر اس بات کا علم ہونے کے بہت عرصہ بعد اس نے اپنی رضا کا اظہار کیا تب بھی درست ہے۔ غرض یہ ہے کہ تعجیل اسی صورت میں شرط ہے جبکہ فریقینِ عقد مجلسِ نکاح میں موجود ہوں۔ ایسی حالت میں اگر ایجاب وقبول کے درمیان تاخیر ہوئی تو اسے نظر انداز نہ کیا جائے گا۔ ہاں معمولی سی تاخیر ہو تو مضائقہ نہیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ مالکیہ کے نزدیک نکاح کی وصیت اور شرط رضا مندی لگانے سے بھی نکاح ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک نہیں ہوتا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ الفاظ نکاح میں ایک مقررہ وقت تک کے لئے نہ کہا گیا ہو مثلاً کوئی شخص عقدِ نکاح کے ولی سے کہے کہ آپ فلاں عورت سے ایک ماہ کے لئے میرا نکاح کر دیجئے۔ یا یوں کہے کہ میں نے اتنے ماہ کے لئے ان کے ساتھ نکاح قبول کیا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ نکاح میں خیار (یعنی پسندیدگی کی شرط) یا کوئی ایسی شرط نہ ہو جو عقد کے منافی ہو۔ اس کی تفصیل شرائطِ نکاح میں ملاحظہ ہو۔

ولی بننے کے لئے آٹھ شرطیں ہیں: مرد ہونا۔ آزاد ہونا۔ عاقل ہونا۔ بالغ ہونا۔ حالت احرام میں نہ ہونا۔ اور کافر نہ ہونا یہ شرط اس صورت میں ہے جبکہ وہ کسی مسلمان عورت کا ولی ہو۔ کافر اگر کافر کا ولی ہو تو درست ہے۔ اور بے عقلی کے ساتھ احمق (بے وقوف بھی نہ ہونا) اگر کوئی احمق تو ہے لیکن عقل اور سمجھ رکھتا ہے تو اس کی ناسمجھی اسے ولی بننے سے محروم نہ کرے گی۔ یعنی اسے شادی پر مجبور کرنے کا حق ہو گا۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ وہ شخص فاسق (بدکار) نہ ہو۔

شرائط مہر میں یہ ہے کہ مہر ایسی شے کا ہو جس کا وہ شخص شرعاً مالک ہو سکتا ہو لہٰذا اگر مہر شراب' سود یا مردار کا بندھا ہو یا ایسی شے ہو جس کی خرید و فروخت ممنوع ہو جیسے کتا یا قربانی کا گوشت تو عقد صحیح نہ ہو گا اگر ایسی اشیاء کا مہر ہوا تو عقد نکاح فاسد ہو گا اور تخلیہ سے پہلے اس کا فسخ کیا جانا واجب ہے۔ اگر عورت سے تخلیہ ہوا تو عقد ہو جائے گا اور مہر مثل لازم ہو گا' جیسا کہ مہر کے بیان میں بتایا جائے گا۔

اب رہی شہادت' سو یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ یہ (نکاح کے لئے) امر ناگزیر ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ گواہ عقد کے وقت موجود ہوں۔ ان کا موجود ہونا صرف امر مستحب ہے۔ پس اگر ولی نکاح نے کسی سے کہا کہ میں نے فلاں عورت کا نکاح تمہارے ساتھ کیا اور مخاطب نے کہا کہ میں نے قبول کر لیا تو نکاح ہو جائے گا اگرچہ دونوں گواہوں میں سے

Marfat.com

کوئی موجود نہ ہو۔لیکن عورت سے تخلیہ کے لئے دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔اگر گواہوں کی گواہی کے بغیر ہی خاوند نے عورت سے تخلیہ کیا تو وہ نکاح ایک طلاق (بائن) کی طرح فسخ ہو جائے گا۔کیونکہ عقد صحیح کا فسخ طلاق بائن ہوتا ہے۔یہ حکم اس لئے ہے کہ اگر (عقد نکاح یا تخلیہ) کا مطلقاً کوئی بھی گواہ نہ ہو تو اس سے فاسقوں کے لئے گناہ کا دروازہ کھل جائے گا کیونکہ اس حالت میں جب کبھی کوئی شخص کسی بے خاوند عورت کے ساتھ تخلیہ میں پکڑا جائے تو وہ آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ میں نے اس سے عقد کر لیا ہے۔اور ضروری ہے کہ دو گواہ ولی کے علاوہ ہوں۔یعنی ولی کی موجودگی (بلا گواہ کے) نکاح کو فسخ ہونے سے نہیں روک سکتی۔

اگر ولی نے گواہوں کے بغیر عقد نکاح کر دیا اور پھر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اس کے بعد ولی کا دو شخصوں سے ملنا ہوا اور ان سے اس ولی نے کہا کہ میں تم دونوں کو اس امر کا گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فلاں شخص کی شادی فلاں عورت سے کر دی ہے اسی طرح خاوند بھی ان اشخاص کے علاوہ دو شخصوں سے ملا اور ان سے اس نے کہا کہ میں تم دونوں کو اس امر کا گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فلاں عورت سے شادی کر لی ہے تو یہ نکاح درست ہو جائے گا۔اور اس طرح کی شہادت کو 'شہادت ابداد' یعنی متفرق گواہوں کی شہادت کہتے ہیں۔اور یہ گواہی نکاح کرنے اور آزاد کرنے کے لئے کافی ہے۔اس طرح خاوند کے دو گواہ اور ولی کے دو گواہ ہو جائیں گے۔اس میں چاہئے کہ ولی کے دونوں گواہ' خاوند کے دونوں گواہوں کے علاوہ ہوں۔اگر ایک کے گواہ وہی ہیں جو دوسرے کے گواہ ہیں تو اسے شہادت ابداد یا متفرق گواہی نہیں کہیں گے لیکن عقد کے لئے یہ شہادت کافی ہے کیونکہ اس کے لئے چار گواہوں کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے عورت سے تخلیہ کیا جس کے (جواز) کے لئے دو گواہ نہ تھے اور اس شخص نے مباشرت کا اعتراف کیا یا ایسی شہادت یا ثبوت مہیا ہو جائے کہ اس نے مباشرت کی ہے تو ان دونوں کو سزائے زنا کے مستوجب قرار دیا جائے گا۔تا آنکہ اس عورت کے پاس بحیثیت ایک بیوی کے جانے کی تشہیر نہ کی جائے۔خواہ دعوت ولیمہ کے ذریعہ یا دف وغیرہ بجا کر یا روشنی کر کے جو بالعموم بیویوں کے پاس جانے کے لئے دستور ہے۔یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ تخلیہ یا عقد نکاح کا صرف ایک ہی گواہ ہو۔

واضح ہو کہ اگر عقد نکاح کیلئے قابل اعتبار گواہوں کی شہادت ممکن ہو تو ان کے علاوہ دوسروں کو گواہ نہ بنانا چاہئے۔اگر ایسے گواہ دستیاب نہ ہوں تو پھر ایسے اشخاص کی گواہی درست ہے جن کا حال معلوم ہو بشرطیکہ وہ جھوٹے مشہور نہ ہوں۔ایسی صورت میں بہتر یہ ہو گا کہ گواہوں کی تعداد زیادہ ہو۔

زوجین کے باب میں یہ بھی شرط ہے کہ ان کا نکاح کرنا ممنوع نہ ہو مثلاً حالت احرام میں ہونا کہ اس حال میں عقد نکاح درست نہیں ہے۔اسی طرح عورت کا کسی اور کی زوجیت میں ہونا یا عدت میں ہونا یا نسب' دودھ یا شادی کے رشتہ سے زوجین کا باہم محرم ہونا (کہ ان کی باہمی شادی ممنوع ہے)۔

Marfat.com

اہم مسائل متذکرہ سابقہ کا خلاصہ

مسائل متفق علیہ ومختلف فیہ کا بیان

(صیغہ الفاظ نکاح)

(۱) تین امام اس پر متفق ہیں کہ ایسے الفاظ میں جو تملیک (یعنی مالک بنا دینے کے مفہوم) پر مشتمل ہوں عقد نکاح درست نہیں ہے مثلاً خرید وفروخت' صدقہ یا تخصیص یا ملکیت میں دے دینا مثلاً یوں کہنا کہ میں نے اپنی بیٹی کو اتنے مہر کے عوض تمہیں صدقہ کر دیا۔ یا تمہارے لئے خاص کر دیا۔ یا تمہیں اس کا مالک بنا دیا۔ اسی طرح مصالحت یا قرض کے تصفیہ پر نکاح کرنا درست نہیں مثلاً یوں کہنا کہ میں تمہارے اس ہزار کے عوض جو میرے ذمہ ہیں اپنی بیٹی کا عقد تم سے کرتا ہوں۔ امام ابوحنیفہ نے اُس سے اختلاف کیا ہے ملاحظہ ہو صیغہ (یعنی الفاظ ایجاب وقبول) کا بیان۔

شافعیہ اور حنابلہ اس پر متفق ہیں کہ جب تک عقد میں وہ الفاظ نہ استعمال ہوں جو مصدر انکاح یا تزویج سے مشتق ہیں نکاح درست نہیں ہے۔ لہٰذا لفظ ہبہ کے استعمال سے یا اُن الفاظ سے جو دوسرے معاملات میں استعمال کئے جاتے ہیں نکاح درست نہیں ہے۔ مالکیہ کو اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لفظ ہبہ سے نکاح ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ مہر کا ذکر بھی کر دیا جائے۔ مثلاً ''ولی'' کہے کہ میں اپنی بیٹی کو اتنے مہر کے عوض تمہیں ہبہ کرتا ہوں یا خاوند کہے کہ آپ اپنی بیٹی اتنے 'مہر' کے عوض مجھے ہبہ کر دیجئے۔

(۲) تمام ائمہ اس امر پر متفق ہیں کہ مذاق کے طور پر بھی نکاح کیا جائے تو منعقد ہو جاتا ہے چنانچہ اگر ایک شخص کسی سے کہے کہ میں نے اپنی بیٹی کا عقد تمہارے ساتھ کیا اور مخاطب کہے کہ میں نے قبول کر لیا تو نکاح ہو جائے گا اگرچہ دونوں نے یہ بات مذاق کے طور پر کہی۔ طلاق پڑ جانے اور آزاد ہو جانے کے بارے میں بھی یہی حکم ہے (کہ ہنسی میں طلاق دے دی جائے یا غلام کو آزاد کیا جائے تو بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا)۔

تین اماموں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ جبراً نکاح کیا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کو مجبور کیا جائے اور اس طرح دباؤ ڈالا جائے جیسے شرعاً جبر کہتے ہیں کہ وہ کہے کہ میں فلاں عورت کا نکاح اپنے ساتھ قبول کرتا ہوں تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔ حنفیہ اس کے خلاف ہیں ان کا کہنا کہ اس طرح جبراً نکاح قبول کروا لینے سے بھی عقد ہو جاتا ہے۔ تاہم حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر بیوی نے کسی کو اپنے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور

Marfat.com

کیا ہو تو اسے تخلیہ سے پہلے مہر کے مطالبہ کا حق نہیں ہے اور مباشرت ہو جانے بعد وہ مہر مثل کی حقدار ہو گی۔
جبراً کسی کا نکاح اس طرح کر دینا اس جبریہ نکاح سے مختلف ہے جو ولی نے کیا ہو۔ اس بارے میں ائمہ ثلاثہ کے مسالک کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

(۳) تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ نکاح (یعنی عقد) کا ایک ہی مجلس میں ہونا ضروری ہے۔
چنانچہ اگر ولی نے کہا کہ میں نے اپنی بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ کر دی اور خاوند قبل اس کے کہ یہ کہتا کہ میں نے قبول کیا وہاں سے اٹھ کر چلا گیا اور بعد میں دوسری نشست میں یا دوسری جگہ پر جا کر کہا کہ میں نے ''قبول کیا'' تو نکاح درست نہ ہو گا۔

عقد کی کارروائی میں جلدی کرنا یعنی الفاظ ایجاب کے معا بعد بغیر کسی توقف کے الفاظ قبول ادا کئے جانے کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ حنابلہ اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں تعجیل شرط نہیں ہے بشرطیکہ مجلس نکاح عام دستور کے مطابق قائم ہو۔ لیکن اگر لوگ ایسے کاموں میں لگ جائیں جو مجلس نکاح کے ختم ہو جانے پر عام طور سے کئے جاتے ہیں (اور تب الفاظ قبول ادا کئے جائیں) تو نکاح درست نہ ہو گا۔
شافعیہ اور مالکیہ نے نکاح کی کارروائی میں تعجیل کرنا (صحت نکاح کے لئے) شرط قرار دیا ہے البتہ ایجاب و قبول کے درمیان مختصر سا وقفہ جسے مفہوم تعجیل کے خلاف نہیں سمجھا جاتا نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

(۴) تین اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر ایجاب سے پہلے ہی قبول ہو جائے تو درست ہے مثلاً خاوند (عورت کے) ولی سے کہے کہ میں آپ کی بیٹی کے ساتھ اتنے مہر پر عقد ازدواج قبول کرتا ہوں اور ولی کہے کہ میں نے اس کی شادی تمہارے ساتھ کر دی تو نکاح صحیح ہو جائے گا، اسی طرح اگر کسی نے عورت کے ولی (سرپرست) سے کہا کہ آپ اپنی بیٹی کا عقد نکاح میرے ساتھ کر دیجئے اور وہ کہے کہ میں نے کر دیا۔ اس کے بعد پھر خاوند نے یہ نہیں کہا کہ میں نے قبول کیا تو درست ہے' کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ آپ میرے ساتھ شادی کر دیجئے کا مطلب یہ ہے کہ میں اس رشتہ کو قبول کرتا ہوں۔ لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ زوجین میں سے جو بھی (بات چیت میں) پہل کرے اس کی بات کو ایجاب کہا جائے گا۔ خواہ خاوند کی طرف سے ہو یا بیوی کی طرف سے۔ لیکن حنابلہ نے تینوں سے اس بارے میں اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ پہلے ولی کا یا اس کا جو نمائندہ ہو اس کا یہ کہنا ضروری ہے کہ میں نے فلاں عورت کو تمہاری زوجیت میں دیا یا تم سے نکاح کر دیا اور تب خاوند یا اس کا نمائندہ کہے کہ میں نے قبول کیا یا راضی ہوں۔ لہٰذا ان کے نزدیک اگر قبولیت' ایجاب سے مقدم ہو تو نکاح درست نہ ہو گا۔

Marfat.com

(۵) تین امام اس پر متفق ہیں کہ الفاظ قبول کے لئے صرف یہ کہنا کافی ہے کہ میں نے قبول کیا یا راضی ہوں۔ اب اگر کسی کی خود اپنی شادی ہے تو وہ کہے گا کہ میں نے اپنے نفس کے لئے (قبول کیا) اور اگر وکیل اپنے موکل کا نمائندہ ہے تو وہ کہے گا کہ میں نے اپنے موکل کے لئے (قبول کیا) اور اگر باپ ہے تو بیٹے کے لئے کہے گا۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ الفاظ قبولیت میں تزویج یا نکاح کی صراحت ضروری ہے۔ یہاں تک کہ اگر نیت (نکاح کی) ہو تب بھی محض قبولیت کا لفظ ان کے نزدیک کافی نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ میں نے اس (عورت) کی زوجیت یا اس کے ساتھ نکاح قبول کیا۔

(۶) تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ نکاح کے ساتھ وقت کی قید ہو وہ نکاح باطل ہے۔ بس اگر کسی نے ولی نکاح سے کہا کہ آپ اپنی بیٹی کا نکاح دو ہفتہ یا ایک ماہ کے لئے اس قدر مہر پر میرے ساتھ کر دیجئے اور اس نے اس پر نکاح کر دیا تو وہ نکاح باطل ہے۔ لیکن اگر اس نکاح کے بعد عورت سے تخلیہ ہو گیا تو حد شرعی (سزائے شرعی) واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں عقد کا شبہ ہے۔

گواہ اور زوجین

(۷) تین امام اس امر پر متفق ہیں کہ عقد کے گواہوں کا ہونا ضروری ہے اگر ایجاب وقبول کے وقت گواہ موجود نہ ہوئے تو نکاح باطل ہوگا۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ گواہوں کا عقد کے وقت موجود ہونا لازم نہیں ہے البتہ خلوت کے لئے گواہوں کا ہونا لازم ہے۔ تاہم عقد کے وقت ان کا ہونا مستحب ہے۔

(۸) شافعیہ اور حنابلہ اس امر پر متفق ہیں کہ دونوں گواہ قابل اعتبار ہوں اور بادی النظر میں ان کا معتبر ہونا کافی ہے پس اگر زوجین کے نزدیک دونوں گواہ بظاہر معتبر مشہور ہیں تو نکاح کے وقت ان کا گواہ بننا درست ہے۔ زوجین کو ان کی حقیقت حال کی تفتیش کرنے کی زحمت نہ دی جائے گی۔ کیونکہ یہ کام بہت دشوار ہے اور اس میں حرج ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر معتبر گواہ دستیاب ہوں تو انہیں چھوڑ کر دوسروں کو گواہ نہ بنایا جائے۔ لیکن اگر ایسے گواہ دستیاب نہ ہوں تو ایسے شخص کی شہادت درست ہوگی جس کا حال معلوم نہیں بشرطیکہ وہ جھوٹا مشہور نہ ہو۔

تین امام اس امر پر متفق ہیں کہ دونوں گواہوں کا مرد ہونا شرط ہے لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ عقد نکاح

Marfat.com

کے صحیح ہونے کے لئے گواہوں کا عادل (قابل اعتبار) ہونا شرط نہیں ہے۔ لیکن اگر نکاح ہونے سے انکار کیا جا رہا ہو تو اس کے ثبوت کے لئے معتبر گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ نیز مرد ہونا بھی ان کے نزدیک شرط نہیں ہے۔ ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں تو نکاح درست ہے۔ البتہ محض دو عورتوں کا ہونا درست نہیں ہے۔ ان کے ساتھ کسی مرد کا گواہ بننا لازمی ہے۔

(۹) تین امام اس امر پر متفق ہیں کہ جس شخص نے حج کا احرام باندھ رکھا ہے اس کا عقد نکاح کرنا درست نہیں ہے۔ لیکن حنفیہ اس کے خلاف ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حالت احرام میں عقد درست ہے۔ احرام کی حالت میں نہ ہونا شرط نکاح نہیں ہے۔

ولی کی تعریف

نکاح کا ولی وہ ہے جس کی موجودگی پر نکاح کے صحیح ہونے کا انحصار ہو۔ اس کے بغیر نکاح درست نہیں ہے۔ ولی یا تو باپ ہو سکتا ہے یا باپ کا وصی (نمائندہ) اور عصبی قرابت دار [۱] اور آزاد کرنے والا۔ بادشاہ اور مالک۔ [۲]

---

(۱) حنفیہ کہتے ہیں کہ ولی بننے کے لئے قرابت (خونی رشتہ) کا ہونا شرط نہیں ہے ہاں اس کو مقدم رکھا جائے گا اگر ایسا شخص نہ ہو تو ولی بننے کی صلاحیت قرابت داروں کو منتقل ہو جائے گی۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

(۲) مالکیہ نے اس میں ولی بالکفایہ کا اضافہ کیا ہے یعنی وہ شخص جس نے کسی لڑکی کی پرورش کی ہو جس کا باپ وفات پا گیا اور خاوند (یا کنبہ والا) نہیں ہے اور ایک خاص عرصہ تک اس کی تربیت کی ذمہ داری اس شخص نے سنبھالی ہو تو اسے حق ہے کہ وہ اس کے عقد نکاح میں اس کا ولی بنے۔ لیکن اس کے ولی بننے کی دو شرطیں ہیں: ایک تو یہ ہے کہ وہ لڑکی اتنے عرصہ تک اس کے پاس رہی ہو کہ اُسے قدرتی طور پر اُس کے ساتھ ہمدردی اور شفقت ہو گئی ہو اور وہ اس طرح اس کے ساتھ مل جل گئی ہو جس طرح باپ سے اولاد خلط ملط ہو جاتی ہے۔ بقول صحیح دونوں کے باہم ساتھ رہنے کی کوئی خاص مدت متعین نہیں کی جا سکتی کہ مثلاً چار سال یا دس سال اُس شخص کے پاس رہی ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عورت دنیہ (کم حیثیت کی ہو) شریفہ (یعنی اونچے طبقہ کی) نہ ہو۔ یہاں پر شریفہ سے مراد صاحب جمال و صاحب مال ہونا ہے۔ شریفہ وہ ہے جس میں یہ دونوں باتیں ہوں یا دونوں میں سے کوئی ایک بات ہو۔ اگر وہ صرف مالدار ہے یا صاحب جمال ہے تو اُس کا وہ شخص (کفیل) ولی نہیں بن سکتا بلکہ اس کا ولی حاکم ہوگا۔ بعض لوگوں نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ جو شخص کفیل رہا ہے وہ بہر حال ولی بن سکتا ہے خواہ وہ عورت (یا لڑکی) شریفہ ہو یا دنیہ ہو۔ ان دونوں اقوال میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے پر ترجیح حاصل ہے۔ (یعنی دونوں ہی خیال درست ہو سکتے ہیں)۔ رہا یہ سوال کہ اگر کوئی عورت کفیل رہی ہو تو آیا وہ اُس کی ولی، بن سکتی ہے؟ سچ تو یہی ہے کہ نہیں بن سکتی کیونکہ کوئی عورت ولی نہیں ہوتی۔ تاہم کہا جاتا ہے کہ اسے ولی بننے کا حق ہے

Marfat.com

ولی بننے کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے اس کی ترتیب بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہے۔(۱)

لیکن وہ (بطور وکیل کے) اس لڑکی (زیر کفالت) کا عقد نہیں کر سکتی اس کے لئے ایک مرد کو وکیل بنانا ہوگا جو اُس کے عقد نکاح کی انجام دہی کرے۔

مالکیہ نے بھی ولی بننے کے حقداروں میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ولایت عامہ کی حیثیت سے بھی ایک شخص ولی بن سکتا ہے۔ ولایت عامہ یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کو ولی بننے کا حق حاصل ہے ان میں سے کوئی شخص بطور قرض کفایہ کے ولی بن جائے۔ چنانچہ اگر ایک عورت نے مسلمانوں میں سے کسی ایک فرد کو اپنے عقد ازدواج کے لئے وکیل بنایا اور اُس شخص نے یہ کام انجام دیا تو درست ہے' درآنحالیکہ اُس عورت کا باپ نہ ہو اور نہ اس بارے میں باپ نے کوئی وصیت کی ہو۔ لیکن اس کے لئے یہ شرط ہے کہ عورت معمولی حیثیت کی ہو اونچی حیثیت والی نہ ہو۔ اور مالکیہ سے جو یہ منقول ہے کہ معمولی حیثیت کی عورت کا عقد نکاح درست ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ اُس کا ولی ہو اس کا مطلب بھی یہی ہے۔ مالکیہ کی غرض یہاں پر ولیِ خاص سے ہے۔ رہا ولیِ عمومی کی حیثیت سے کسی نہ کسی شخص کا ولی بننا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ اگر اُس عورت نے خود (بغیر ولی کے) اپنا نکاح کر لیا تو یہ درست نہ ہوگا۔ یہ امر بعض شارحینِ حدیث سے مخفی رہا اس لئے انہوں نے مالکیہ کے مسالک کی وضاحت نہیں کی۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عقد نکاح میں ولی بننے کا حق حسب ذیل ترتیب سے ہوگا:

عصبت (وابستگی یا رشتہ داری) حسب سے ہوتی ہے یا نسب سے۔ مثلاً مُعتِق (لونڈی یا غلام کو آزاد کرنے والا) کہ وہ بہ سبب آزاد کرنے کے عصبہ (قرابت دار) متصور ہوگا۔ پس اگر ایک شخص نے لونڈی کو آزاد کیا تو اُسے حق ہے کہ وہ اور اُس کے اقرباء اُس عورت کے ولی بنیں۔ خواہ (کوئی) مرد ہو یا عورت ہو۔ اور نسبی قرابت داری کو سببی قرابت داری پر مقدم رکھا جائے گا۔ اس کے بعد رشتہ داروں کا حق ہے۔ اُس کے بعد بادشاہ اور پھر قاضی ولی ہوگا بشرطیکہ اُس کے ولی بننے کا حق صراحتہً متعین کر دیا گیا ہو اور رشتہ داروں کی ترتیب اس طرح ہوگی: عورت کا بیٹا اگر ہو خواہ وہ ناجائز اولاد ہو اس کے بعد پوتا اور اُس کی اولاد در اولاد۔ اس کے بعد باپ پھر باپ کا باپ یعنی دادا خواہ اونچے درجہ پر چلا جائے (یعنی پڑدادا سگڑ دادا وغیرہ)۔ پھر حقیقی بھائی پھر باپ شریک بھائی پھر حقیقی بھتیجا۔ پھر باپ شریک بھائی کا بیٹا پوتا وغیرہ۔ اس کے بعد حقیقی چچا پھر باپ کا پدری بھائی (یعنی باپ شریک چچا) پھر حقیقی چچا کا بیٹا پھر باپ شریک چچا کا بیٹا پوتا وغیرہ خواہ نیچے درجہ میں ہو پھر باپ کا باپ شریک چچا پھر اسی ترتیب سے ان کے بیٹے پھر دادا کا حقیقی چچا دادا کا باپ شریک چچا پھر اسی ترتیب سے ان کے بیٹے پھر دُور کے رشتہ کا چچازاد بھائی اور یہ عورت کا سب سے زیادہ دُور کا رشتہ دار ہوگا۔

ان میں سے ہر ایک کو (جو ولی بنے) حق ہے کہ لڑکی کو شادی کر لینے پر مجبور کریں اور نابالغ (کا ولی) ہونے کی صورت میں لڑکے کو بھی مجبور کر سکتے ہیں لیکن (لڑکے کے) بالغ ہو جانے کے بعد انہیں ولی بننے کا حق نہیں ہے۔ لیکن جنون زدہ مرد یا عورت کا ولی بن سکتا ہے۔

اگر قریبی قرابت داروں میں سے کوئی موجود نہ ہو تو رشتہ داروں میں سے جو بھی وارث ہو سکتا ہے وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مرد یا عورت کے عقد ازدواج کا ولی بن سکتا ہے۔ امام محمد کو اس سے اختلاف ہے اور (اس صورت میں) امام

Marfat.com

ابوحنیفہ کے نزدیک قریب ترین رشتہ دار ماں ہے پھر بیٹی پھر پوتی پھر نواسی پھر نواسی کی بیٹی اس کے بعد حقیقی بہن پھر باپ شریک بہن پھر ماموں اور پھر خالہ پھر ان کی اولاد پھر بہنوں کی اولاد ان کے بعد پھپھیاں پھر ماموں پھر خالائیں پھر چچا کی بیٹیاں پھر پھوپھیوں کی بیٹیاں۔ نانا بہن سے مقدم ہے۔ اس کے بعد غلاموں کو آزاد کرنے والا پھر بادشاہ پھر قاضی یا قاضی کا گماشتہ (ملخصاً از فتاویٰ ہندیہ) اور حجر (یعنی نااہلیت معاملہ) کے بیان میں سابقاً یہ بتایا جاچکا ہے کہ مال (یا مالی معاملات) کے ولی اور عقد نکاح کے ولی میں باہم کیا فرق ہے ملاحظہ ہو کتاب الفقہ جلد دوم

مالکیہ کہتے ہیں کہ عقد نکاح میں ولی بننے کا حق حسب ذیل ترتیب سے ہوگا:

ولی مجبر (وہ ولی جسے جبراً نکاح کر دینے کا اختیار ہے) یعنی باپ اور یا اس کا مقرر کردہ ولی اور مالک (غلام کا آقا)۔ ولی مجبر کے بعد سب سے مقدم بیٹا ہے خواہ وہ ناجائز اولاد ہو بایں طور کہ اس کی ماں نے پہلے کسی سے باقاعدہ نکاح کیا ہو لیکن یہ لڑکا اس کی ناجائز اولاد ہو۔ ایسی صورت میں اس لڑکے کو (عقد نکاح میں) اس عورت کا ولی بننے کا حق سب پر مقدم ہے لیکن اگر اس شخص کے ساتھ شادی سے پہلے ہی ناجائز تعلقات قائم کئے اور حاملہ ہوگئی تو اس صورت میں اس عورت کے باپ کا حق ولی بننے میں بیٹے پر مقدم ہوگا اور باپ ولی مجبر (جبراً شادی کر دینے کا حق رکھنے والا) قرار پائے گا۔ کیوں کہ ولی مجبر باکرہ عورت اور غیر باکرہ بالڑنا کا نکاح جبراً کر دینے کا حق رکھتا ہے۔ جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائے گا۔ جنون زدہ عورت کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ اس کا باپ ولی مجبر ہوتا ہے۔

باپ کا مقرر کردہ وصی (حق ولایت میں) باپ کی مانند ہے۔ بیٹے کے بعد پوتا مقدم ہے۔ اس کے بعد باپ غیر مجبر (یعنی جسے جبراً نکاح کر دینے کا حق نہ ہو) بشرطیکہ وہ باپ جس سے وہ نکاح صحیح کے بعد پیدا ہوئی ہو۔ اگر وہ ناجائز باپ ہو تو اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نہ اس کو ولی بنایا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد بقول صحیح حقیقی بھائی (کا حق ہے) پھر باپ شریک بھائی کا۔ کہا جاتا ہے کہ حقیقی بھائی اور باپ شریک بھائی دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔ اس کے بعد حقیقی بھتیجا پھر باپ شریک بھائی کا لڑکا۔ پھر بقول مشہور باپ کی طرف سے دادا پھر حقیقی چچا پھر چچازاد بھائی۔ پھر بھائی کی طرف سے چچا پھر اس کا بیٹا پھر پڑدادا پھر باپ کا چچا۔ اس کے بعد ولی بننے کا حق اس کو منتقل ہو جائے گا۔ جو عورت کا کفیل (پرورش کنندہ) ہو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اور بالآخر ولی بننے کا حق حاکم کو منتقل ہو جائے گا۔ بشرطیکہ ولایت عقد کے لئے کوئی مالی فیس مقرر نہ ہو ایسا ہوا تو وہ ولی نہ ہوگا اور حاکم اس عورت کی شادی اس کی رضامندی اور اجازت سے کرے گا بشرطیکہ اس کی دانست میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس کی شادی میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ اور یہ کہ اس کا کوئی ولی نہیں ہے یا ہے مگر شادی سے مانع ہے۔ یا ایک عرصے سے غائب ہے۔ پھر اگر وہ عورت رشیدہ (سمجھدار) ہے تو اس کا خاوند کو پسند کر لینا کافی ہے۔ اگر وہ سمجھدار نہیں ہے تو ضروری ہے کہ اس امر کی تحقیق کر لی جائے کہ خاوند (جس کے ساتھ نکاح ہونا ہے) دیندار ہونے، آزاد ہونے اور عیب دار نہ ہونے میں اور دوسری خوبیوں میں بیوی کا ہم پلہ ہے اور ادائیگی مہر میں پورا اترتا ہے۔ یہ شرط اس لئے ہے کہ سمجھدار عورت کو تو حق ہے کہ اگر خاوند ان امور مذکورہ میں سے کسی میں پورا نہ ہو تو اس کو نظر انداز کر دے لہٰذا اس کے خاوندی پر اس کی رضامندی سے عقد درست ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ کسی اور کو ان باتوں کے نظر انداز کرنے کا حق نہیں ہے۔

Marfat.com

ولی کی قسموں کا بیان

ولی کی دو قسمیں ہیں: ولی مجبر جسے یہ حق ہے کہ اپنے زیر ولایت اشخاص میں کسی کا بھی عقد نکاح اس کی رضا اور اجازت کے بغیر کر دے۔ دوسرا ولی غیر مجبر (۱) جسے یہ حق نہیں ہے لیکن اس کا ہونا لازمی ہے۔ البتہ وہ اپنے زیر ولایت اشخاص سے کسی کی شادی اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر نہیں کر سکتا۔ ولی

اگر کوئی حاکم نہ ہو یا خراب حاکم ہو تو ولی بننے کا حق عام مسلمانوں کو منتقل ہو جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ حق ولایتِ نکاح اس ترتیب سے ہوگا:

باپ۔ دادا۔ پڑدادا۔ اگر دو دادا ہوں تو قریب ترین کا حق ہے۔ پھر حقیقی بھائی۔ پھر باپ شریک بھائی۔ پھر حقیقی بھتیجا۔ پھر باپ شریک بھائی کا لڑکا۔ پھر حقیقی چچا۔ پھر باپ شریک چچا۔ پھر حقیقی چچا کا بیٹا۔ پھر باپ شریک چچا کا بیٹا۔ چچا کے لفظ میں عورت کا چچا اور اس کے باپ دادا کا چچا شامل ہیں اس کے بعد ولی بننے کا حق آزاد کرنے والے کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ بشرطیکہ آزاد کرنے والا مرد ہو پھر آزاد کرنے والے کے قرابت دار اگر ہوں اور بالآخر جب کہ کوئی ہم نسب یا قرابت دار ولی نہ ہو تو پھر حاکم اس عورت کی شادی کرے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ حق ولایت کی ترتیب اس طرح پر ہے:

باپ' اور باپ وفات پا جائے تو اس کا مقرر کردہ وصی اس کے بعد ضرورت پڑے تو حاکم۔ یہ ولی مجبر ہیں (یعنی ایسے ولی ہیں جن کو یہ اختیار ہے کہ لڑکی یا لڑکے کی اجازت کے بغیر شادی کر دیں)۔ جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔ اس کے بعد ولی بننے کا حق قریب ترین رشتہ دار کی طرف منتقل ہو جائے گا اس کے بعد دوسرا قریب ترین رشتہ دار جس طرح کہ وراثت میں ہوتا ہے۔

ولی بننے کا سب سے زیادہ حقدار باپ ہے پھر اوپر کا دادا پڑدادا وغیرہ پھر بیٹا پھر پوتا نچلے درجہ میں پڑپوتا وغیرہ۔ اگر یہ سب موجود ہوں تو ان میں قریب ترین رشتہ دار مقدم ہے۔ پھر بیٹے کے بعد حقیقی بھائی پھر باپ شریک بھائی۔ پھر حقیقی بھتیجا پھر باپ شریک بھائی کا لڑکا پھر بھائی اور باپ کی اولاد خواہ نچلے درجہ میں ہوں۔ پھر حقیقی چچا پھر باپ شریک چچا پھر حقیقی چچا کا بیٹا پھر باپ شریک چچا کا بیٹا خواہ نچلے درجہ میں ہو پھر دادا کے چچا پھر ان کی اولاد پھر پڑدادا کے چچا پھر ان کی اولاد۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلے گا۔ اور قریب ترین اولاد، دور کی اولاد پر مقدم ہوگی۔ لہٰذا باپ شریک بھائی اور اس کی اولاد چچا پر مقدم ہے اور باپ شریک بھائی بھتیجے سے مقدم ہے کیونکہ وہ رشتہ میں زیادہ قریب ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ اس کے بعد ولی بننے کا حق اسے ہے جس نے اس لڑکی کو آزاد کیا ہو۔ پھر اس کا قریب ترین رشتہ دار پھر اس کے بعد کا قریب ترین رشتہ دار۔ پھر حاکم اعلیٰ یا اس کا نائب اگر ایسا کرنا مشکل ہو تو عورت کو چاہئے کہ ایک قابل اعتبار آدمی کو اپنا وکیل بنا لے جو اس کے عقد کا وکیل بنے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ولی ہمیشہ مجبر ہوتا ہے (یعنی اسے بلا حصول اجازت نکاح کر دینے کا حق ہوتا ہے) کیونکہ ولی بننے کے معنے ہی یہ ہیں کہ وہ دوسرے پر اپنی مرضی ٹھونس سکے خواہ وہ راضی ہو یا نہ ہو۔ پس حنفیہ کے نزدیک ولی جس پر عقد نکاح موقوف ہوتا ہے وہ مجبر ہوتا ہے۔ چنانچہ کم عمر لڑکے یا لڑکی یا جنون زدہ مرد یا عورت کی شادی کے لئے ولی مجبر

Marfat.com

مجبر اور ولی غیر مجبر (یعنی وہ ولی جو جبر نکاح کر سکتا ہے اور جو نہیں کر سکتا) کی تعریف مسالک مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہے۔ (۱)

مخصوص ہے جو انہیں شادی پر مجبور کر سکتا ہے۔ تفصیل اس کے بعد ہی آ رہی ہے۔

(۱) شافعیہ کہتے ہیں کہ ولی مجبر باپ دادا پڑدادا وغیرہ ہیں نیز آقا (غلام یا لونڈی کا مالک بھی ولی مجبر ہے)۔ اور ولی غیر مجبر میں وہ باپ، دادا اور قریب ترین رشتہ دار ہیں جن کا سابقہ بالترتیب ذکر ہوا۔ یہ بتایا گیا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک بیٹا ولی نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ولی مجبر صرف باپ ہے دادا نہیں ہے۔ اس کی وفات کے بعد وہ شخص ولی مُجبر ہے جسے باپ نے وصی (اپنا نمائندہ) بنایا ہو بشرطیکہ اس نے یہ کہا ہو کہ تم میرے بعد میری بیٹیوں کے عقد نکاح کے ولی ہو یا یہ کہا ہو کہ اپنی بیٹی کے نکاح کا میں تم کو وصی بناتا ہوں۔ یا یوں کہا ہو کہ میں تم کو وصی بناتا ہوں کہ میری بیٹی کا عقد جس کے ساتھ مناسب سمجھ کر دینا یا یہ کہا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ فلاں شخص کے ساتھ اس کی شادی کر دینا۔ ان حالات میں اس ولی کو باپ کی طرح اپنی مرضی سے (جبراً) شادی کر دینے کا حق ہے۔ لیکن ہر صورت میں اسے یہ حق نہ ہوگا اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا عقد مہر مثل پر (جو بالعموم اس جیسی لڑکیوں کا ہوتا ہے) کرے اور ایسے شخص کے ساتھ نکاح ہو جو بدکردار نہ ہو یا پھر اس شخص کے ساتھ شادی کرے جس کی خاص طور پر اس کے باپ نے تعین کر دی ہو۔

اگر باپ نے صرف یہ کہا کہ تم میری بیٹی یا بیٹیوں کے لئے وصی ہو اور شادی کا ذکر نہیں کیا تو اس صورت میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس طرح کہنے سے وہ ولی مجبر نہیں ہوتا (یعنی بغیر مرضی کے شادی نہیں کر سکتا)۔ اگر صرف یہ کہا کہ تم میرے وصی ہو اور بیٹی کا ذکر نہیں کیا یا یہ کہا کہ تم میرے مالی امور اور میرے ترکہ کے معاملۂ بیع میں میرے وصی ہو تو وہ شخص بالاتفاق ولی مُجبر نہیں ہوگا۔

تیسرا ولی مجبر (جسے بلا اجازت شادی کا حق ہے) مالک (غلام یا لونڈی کا آقا) ہے کہ اسے جبراً اپنی لونڈی کا بیاہ کسی کے ساتھ کر دینے کا حق ہے۔ اس کی تفصیل اس کتاب کے علاوہ دوسری کتابوں میں بتائی گئی ہے۔ غرض مُجبر ان تین اقسام مذکورہ میں منحصر ہے۔

اس بارے میں وہ کنواری لڑکی اس کنواری لڑکی سے مستثنیٰ ہے جسے اس کے باپ یا باپ کے وصی نے رشیدہ (سمجھ بوجھ والی) بنا دیا ہو۔ رشیدہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ باپ نے اس پر واضح کر دیا ہو کہ اب وہ رشیدہ (سمجھدار خود مختار) ہے۔ مثلاً اس سے کہہ دیا ہو کہ میں نے تمہیں خود مختار بنا دیا اور اب تمہاری دستگیری سے دست بردار ہوتا ہوں۔ یا اب سے نااہلیت معاملہ کی جو پابندی تھی وہ میں نے ہٹالی۔ اس صورت میں اس لڑکی کی حیثیت ایک شادی شدہ عورت کی سی ہو جائے گی۔ اور اس کی شادی اس کی رضامندی کے بغیر نہیں کر سکے گا۔ اور کسی لڑکی کی بایں معنیٰ رشیدہ بنانا (باپ یا باپ کے وصی کے) اقرار سے یا پھر شہادت سے ثابت ہو سکتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ولی مجبر صرف باپ ہے دادا اپنی مرضی سے (پوتی کی) شادی نہیں کر سکتا جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں کہ دوسرا ولی مجبر (جسے بلا اجازت شادی کر دینے کا حق ہے) وہ وصی ہے جو باپ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ خواہ باپ نے اس

Marfat.com

ولی مجبر اور ولی غیر مجبر کے دائرہ اختیار کا بیان

نابالغ لڑکی یا لڑکے کا (جبراً) عقد نکاح کر دینے کے لئے صرف ولی مجبر ہی خاص ہے[1] نیز مرد یا عورت اگر پاگل ہیں تو ان کا نکاح بھی (ان کی رضا کے بغیر) کر سکتا ہے اور اگر بڑی لڑکی عاقل و بالغ ہو اور کنواری ہو یا کنواری مان لی گئی ہو تو ولی مجبر ہی کو خاص طور پر یہ حق ہے کہ چند شرائط کے ساتھ اس کی رضا مندی کے بغیر اس کی شادی کر دے۔ اور عاقل و بالغ پوری عورت کا نکاح کر دینا خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ اس کی رضامندی اور اجازت سے خاص ولی غیر مجبر کا کام ہے۔ کنواری لڑکی کی اجازت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی رضا مندی کا اظہار صریحاً کرے۔ پس اگر وہ خاموش رہے اور کوئی علامت انکار کرنے کی اس سے ظاہر نہ ہو تو اسے اجازت تصور کیا جائے گا۔ لیکن بیوہ عورت کا لفظوں میں صراحت کے ساتھ اجازت دینا ضروری ہے۔ اگر ولی نے تفصیل مذکورہ کے بغیر عقد نکاح انجام دیا تو درست نہ ہوگا اور یہ بھی درست نہیں ہے کہ جس عورت کا نکاح ہے اس کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر عقد نکاح کر دیا جائے۔ ان تمام امور کے متعلق مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[2]

کے لئے خاوند تجویز کر دیا ہو یا نہ کیا ہو۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ تیسرا ولی مجبر حاکم ہے۔ درآنحالیکہ باپ یا اس کا مقرر کردہ وصی موجود نہ ہو اور فی الواقع شادی کر دینے کی کوئی مسلمہ ضرورت پیش آ جائے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ہر ولی مجبر ہے (یعنی رضا مندی کے بغیر) شادی کر سکتا ہے جیسا کہ سابقاً بتایا گیا لیکن کم عمر (نابالغ) لڑکے یا لڑکی کے سوا یا پاگل مرد یا عورت کے سوا خواہ وہ بالغ ہوں (ان معنوں میں) ولی بننے کا حق نہیں ہے۔ لیکن اگر کبھی باپ یا دادا ولی ہو جسے نابالغ بچوں اور پاگل بالغوں پر حق ولایت حاصل ہے۔ تو مسلک حنفیہ کی رو سے اسے ولی بننے کا حق اسی صورت میں ہوگا جبکہ اس عورت کا کوئی بیٹا نہ ہو۔ بصورت دیگر اس کا بیٹا ولی بنے گا باپ ولی نہ ہوگا۔ باپ کے علاوہ اور اشخاص اسی ترتیب کے مطابق ولی ہو سکتے ہیں جس کی تفصیل پہلے بتائی گئی۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ باپ دادا اور ان کی عدم موجودگی میں دوسرے کسی ولی ہی کو خصوصیت کے ساتھ یہ حق ہے کہ وہ کم عمر یا (نابالغ) لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کر دے اگرچہ وہ راضی نہ ہوں۔ اس میں لڑکی کنواری (یا باکرہ) ہو یا بیوہ۔ اگر یہ شادی باپ یا دادا نے کی ہے تو بالغ ہونے کے بعد اسے (فسخ عقد کا) اختیار نہ ہوگا۔ بشرطیکہ یہ دو باتیں ہوں ایک تو یہ کہ وہ باپ' عقد سے پہلے ہی اپنے اختیار کا غلط استعمال کرنے کے لئے بدنام نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ نشہ میں نہ ہو۔ اور یہ الزام اس پر اس حالت میں عائد ہوگا جبکہ اس نے اس لڑکی کی شادی مہر مثل کے (واجبی مہر طے کئے) بغیر' یا کسی بُرے آدمی سے' یا گھٹیا خاندان میں کی ہو۔ اگر باپ عقد سے پہلے غلط کاری میں بدنام نہ ہو۔ لیکن لڑکی کا عقد اس نے بُرے آدمی یا غیر کفو (گھٹیا خاندان والے) سے کر دیا تو وہ نکاح درست قرار دیا جائے گا اور لڑکی کو بالغ ہونے پر فسخ نکاح کا

Marfat.com

اختیار ہوگا' لیکن اگر اس کے بعد اس نے دوسری لڑکی کا نکاح بھی اسی طرح کیا تو اس نکاح کو صحیح نہ مانا جائے گا اور بالغ ہونے پر لڑکی کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا کیونکہ پہلی شادی سے یہ معلوم ہوگیا کہ وہ اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنے کا عادی ہے۔لیکن اگر ایسے بدنام شخص نے یہ شادی کفو میں اور مہرِ مثل کے عوض کی ہے تو وہ نکاح درست مان لیا جائے گا اور لڑکی کو فسخ کا اختیار نہ ہوگا۔اسی طرح اس صورت میں بھی اختیارِ فسخ نہ رہے گا۔جبکہ اس نے نشہ کی حالت میں لیکن اسی طریقہ سے یہ کیا ہو۔اگر باپ یا دادا کے سوا کسی اور نے غیر کفو میں اور مہرِ مثل کے بغیر نکاح کر دیا تو یہ نکاح سرے سے درست نہ ہوگا۔ہاں اگر کفو میں اور مہرِ مثل کے ساتھ نکاح ہوا ہے تو نکاح درست ہے تاہم فریقین نکاح کو بالغ ہونے کے بعد فسخ نکاح کا حق ہوگا۔پس جونہی کہ نابالغ لڑکی ''ایام'' سے دوچار ہو تو فوراً گواہ بنالے کہ اس نے اس نکاح کو توڑ دیا ہے اور اپنے اختیارِ فسخ سے کام لیا ہے اس کے بعد قاضی (حاکم شرع) اُن دونوں میں علیحدگی کرادے گا۔یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جبکہ خاوند بالغ ہو۔اگر خاوند بھی نابالغ ہے تو قاضی ان دونوں کی علیحدگی اس لڑکے کے باپ یا باپ کے نمائندہ کی موجودگی میں کرائے گا۔اگر باپ موجود نہ ہو اور نہ اس کا کوئی نمائندہ حاضر ہو تو قاضی اپنی طرف سے ایک وصی (نمائندہ) نابالغ لڑکے کے مقدمہ کی پیروی کے لئے کھڑا کرے گا۔اور قاضی اس سے مطالبہ کرے گا کہ تم اس امر کے ثبوت میں گواہ پیش کرو کہ وہ لڑکی بالغ ہونے کے بعد اس نکاح پر راضی رہی یا علیحدگی کے دعوے میں تاخیر کی جس کی بناء پر تفریق کا دعویٰ باطل کیا جائے۔ اگر ایسی شہادت مہیا نہ ہو تو فریق مخالف اس لڑکی کو قسم کے لئے کہے گا۔اگر وہ قسم کھالے تو ان میں تفریق کرادی جائے گی اور حاکم ولی کے پہنچنے کا انتظار نہ کرے گا۔اگر کوئی منکوحہ لڑکی بالغ ہو جائے اور اُسے اپنے نکاح کا علم ہی نہ ہو اور جب اسے بالغ ہوئے ایک عرصہ گزر جائے تب معلوم ہو تو اس کا علم ہوتے ہی اسے حقِ فسخ حاصل ہوگا اور مذکورہ کارروائی کے بعد ان میں تفریق کرادی جائے گی۔اگر عقدِ نکاح فسخ ہونے سے پہلے لڑکا یا لڑکی وفات پا جائے تو دونوں ایک دوسرے کے ورثہ کے حقدار ہوں گے اور خاوند پر پورا مہر واجب الادا ہوگا۔اگر علیحدگی بیوی کے مطالبہ پر ہوئی تو فسخِ عقد سے حق طلاق کی تعداد میں کمی نہ ہوگی یعنی اگر فسخ کے بعد پھر آپس میں نکاح ہو جائے تو خاوند کو تین طلاقوں کا حق ہوگا۔(جس طرح پہلی بار شادی کرنے سے ہوتا ہے)۔اگر تنسیخِ نکاح بیوی کے مطالبہ پر ہوئی ہے (اور پھر نکاح ہوا) تو خاوند صرف ایک طلاق کا مالک ہوگا (یعنی ایک ہی طلاق بائن متصور ہوگی)۔

نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کے ان مسائل میں دیوانہ مرد اور دیوانہ لڑکی' خواہ بالغ ہو' شامل ہیں۔پس اگر کسی پاگل عورت کی شادی اس کے بیٹے نے بطور ولی کے کردی اور بعد میں اس کا پاگل پن دُور ہوگیا تو اب اس عورت کو فسخِ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔درآنحالیکہ اس کا ولی اختیار کے غلط استعمال کے لئے بدنام نہ ہو جیسا کہ اُوپر بتایا گیا لیکن اگر پاگل عورت کا نکاح اس کے بیٹے کی عدم موجودگی میں کسی اور نے یا اس کے باپ نے کیا تو جنون سے افاقہ ہوتے ہی اسے فسخ عقد کا اختیار ہے۔

اگر کسی عورت کا جنون ہمہ وقتی نہیں ہے تو ولی کو اُس کی اجازت کے بغیر اُس کی شادی کردینے کا اختیار نہیں ہے۔ اگر اس کا جنون دورہ کی شکل میں ہوتا ہو تو ولی کو چاہئے کہ افاقہ کا انتظار کرے اور تب اُس سے نکاح کی اجازت حاصل کرلے یہی حکم دیوانہ مرد یا ہوش باختہ عورت اور مرد کا بھی ہے۔

Marfat.com

نابالغ لڑکی کے لئے اختیار فسخ کی شرط یہ ہے کہ وہ کنواری ہو اور بالغ ہوتے ہی اپنے اختیار کو کام میں لائے جیسا کہ ذکر ہوا۔ پس اگر مثلاً اس نے 'ایام ماہواری' کی علامت دیکھی اور خاموش رہی (یعنی نکاح فسخ نہیں کیا) تو اب اختیار فسخ جاتا رہا۔ اسے چاہئے تھا کہ فوراً کہتی کہ میں اپنے اختیار کو کام میں لاتی ہوں اور اپنے نکاح کو توڑتی ہوں' اس طرح کہنے سے اُس کے حق تنسیخ (کے استعمال میں) تاخیر نہ ہونے کے سبب اختیار زائل نہ ہوگا اسی طرح اگر اس لڑکی کو اپنی شادی کا علم ہی نہیں تھا اور اب اسے معلوم ہوا تو اسے لازم ہے کہ (معلوم ہوتے ہی) فوراً کہے کہ میں تو اس نکاح پر راضی نہیں ہوں یا میں نے نکاح فسخ کر دیا (تو نکاح فسخ ہو جائے گا)، ہاں اگر (فوراً کہنے میں) کوئی مجبوری پیش آ گئی مثلاً چھینک آ جائے یا کھانسی آنے لگے اور اس کے بعد ہی وہ کہہ دے تو (فسخِ نکاح) درست ہوگا۔ اگر بالغ ہونے اور اختیار کو کام میں لانے کے درمیان فاصلہ ہوا کہ اپنے خاوند سے کچھ دریافت کرنے لگی یا مہر کی بابت پوچھا یا جن گواہوں کو اسے اپنے تنسیخ نکاح کے اختیار کے بارے میں گواہی کے لئے کہنا ہے' انہیں سلام کیا (تو اسے بھی تاخیر تصور کیا جائے گا) کہا جاتا ہے کہ ایسی صورت میں اس کا اختیار فسخ جاتا رہے گا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اختیار زائل نہ ہوگا۔ اہل تحقیق کی رائے یہ ہے کہ اس سے اختیار زائل نہ ہوگا خاص کر گواہوں کے ساتھ صاحب سلامت سے۔ کیونکہ بات چیت کرنے (یعنی گواہی کے لئے کہنے) سے پہلے سلام تو ہوتا ہی ہے۔

اگر نابالغ لڑکی باکرہ نہ رہے بلکہ شوہر دیدہ ہو جائے بایں طور کہ اس کا خاوند بالغ ہونے سے پہلے اس سے تخلیہ کر لے یا عقد سے پہلے ہی وہ باکرہ نہ رہی ہو تو اس کا اختیار خاموش رہنے سے زائل نہ ہوگا۔ جب تک کہ اسے ایک عرصہ نہ گزر جائے کیونکہ اسے اپنے اختیار کو کام میں لانے کا حق تمام عمر ہے۔ یہ حق صرف اس صورت میں زائل ہوگا جبکہ صراحت کے ساتھ وہ کہے کہ وہ اس (نکاح) پر راضی ہے یا خاوند کو اپنے پاس آنے کا موقع دے یا اس کے ساتھ بوس و کنار کر لے۔ اگر عورت یہ کہے کہ خاوند جبراً اس پر قابو پا گیا تو اس کی بات مانی جائے گی۔ کیونکہ اس کا تسلیم کرنا ہی زیادہ قرین قیاس ہے۔

نابالغ لڑکے کا معاملہ بھی (اس بارے میں) شوہر دیدہ لڑکی کی مانند ہے کہ اس کی شادی باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور شخص نے غیر کفو کی عورت سے کر دی مثلاً بھائی نے اپنے (نابالغ) بھائی کی شادی گھٹیا خاندان کی لڑکی سے کر دی تو اسے اختیار ہے کہ صغیرہ ثیب (شوہر دیدہ نابالغ لڑکی) کی طرح بالغ ہونے پر نکاح فسخ کر دے۔ اس سے واضح ہے کہ مردوں کی طرف اگرچہ کفو کا لحاظ نہیں کیا جاتا لیکن اگر نابالغ لڑکا ہے تو اس کی شادی کے لئے کفو کا لحاظ کرنا چاہئے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اگر کوئی نابالغ لڑکی بہت رات گئے اپنے بالغ ہونے کی علامات محسوس کرے کہ اس وقت (اعلان تنسیخ نکاح کے لئے) گواہوں کا دستیاب ہونا ممکن نہ ہو تو اسے چاہئے کہ (اگر اپنا نکاح برقرار رکھنا نہیں چاہتی تو) اس وقت اپنے اختیار کو کام میں لاتے ہوئے نکاح فسخ کر دے اور صبح ہوتے ہی اس کا اعلان کر دے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ یہ بتائے اس نے رات کو علامتِ بلوغ کو محسوس کیا بلکہ وہ لوگوں سے صرف یہ کہے کہ آپ گواہ رہیں کہ میں اب بالغ ہو گئی ہوں اور بالغ ہوتے ہی میں نے عقد نکاح فسخ کر دیا۔ اسے یہ نہیں کہنا چاہئے کہ میں نے رات کو اپنا بالغ ہونا محسوس کیا تھا۔ اگر اس طرح کہے گی تو فسخِ نکاح کا اختیار جاتا رہے گا۔ ظاہر ہے یہ صورت حال ناگزیر تھی۔

واضح ہو کہ اس شخص کے سوا جسے باپ نے وصی بنایا ہو اور کسی کو نابالغ لڑکے یا لڑکی کی شادی کر دینے کا حق نہیں

Marfat.com

ہے۔خواہ نکاح کے لئے وصی کو کہا ہو یا نہ کہا ہو۔

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اگر کوئی ولی خاندان کا آدمی یا رشتہ داروں میں سے نہ ہو تو پھر اس کا ولی بادشاہ ہوگا یا قاضی (حاکم شرع) جسے بادشاہ نے نابالغ لڑکی کا عقد نکاح کرنے کی اجازت دی ہو۔اگر اس لڑکی نے اپنی شادی کسی نہ کسی صورت سے خود کر لی ہو تو عقد ہو جائے گا لیکن اس کا لاگو ہونا قاضی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عقد ہی نہ ہوگا بلکہ وہ عقد اس کے بالغ ہونے کے بعد اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

بالغ عورت خواہ کنواری ہو یا بیوہ کسی شخص کو اس پر جبر کرنے کا حق نہیں ہے اور اس کا نکاح ولی کے ہونے پر منحصر نہ ہوگا۔ بلکہ اسے حق ہے کہ وہ اپنی شادی جس سے بھی چاہے خود کر لے بشرطیکہ کفو (برادری) میں ہو۔بصورت دیگر قریب ترین رشتہ دار کو اس نکاح کے فسخ کرا دینے کا حق ہے۔اگر شادی کا ولی ہو تو اس کے لئے سنت یہ ہے کہ لڑکی سے اجازت لے کر شادی کرے اور اس سے کہہ دے کہ فلاں شخص تم سے شادی کرنا چاہتا ہے وغیرہ۔اگر اجازت حاصل کئے بغیر شادی کر دی تو یہ امر سنت کے خلاف ہوگا لیکن عقد صحیح ہوگا اور لڑکی کی رضا پر موقوف ہوگا۔

کنواری لڑکی کیلئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ صریح الفاظ میں قبول کرے بلکہ یہ کافی ہے کہ اس کے طرز عمل سے رضا مندی کا اظہار ہوتا ہو۔مثلاً وہ (طلب اجازت پر) خاموش رہے یا مسکرا دے یا ہنس دے لیکن ہنسی حقارت یا ناپسندیدگی کی نہ ہو یا رو دے لیکن رونا (ناراضگی کا نہ ہو) خوشی کا ہو۔اگر اس کی بات سے ناپسندیدگی کا اظہار ہو مثلاً وہ اپنا منہ پیٹ لے یا ایسی ہی کوئی اور حرکت کرے تو اس کو رضا مندی تصور نہیں کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ اگر کسی کی شادی اس کے ولی یا وکیل یا گماشتے نے کر دی یا ولی ہی نے کی پھر ولی کے گماشتے نے یا کسی اجنبی مگر معتبر شخص نے اس کی اطلاع اس عورت کو دی اور اس نے بطریق بالا اپنی رضا مندی کا اظہار بطریق بالا کیا تو اس کو عورت کی طرف سے عقد کی اجازت قرار دیا جائے گا۔لیکن اگر ولی کے علاوہ کسی اور شخص نے اس کی رضا مندی اور اجازت کے بغیر اس کا عقد کر دیا، جس کو عقد فضول یعنی (نکاح غیر معتبر) کہا جاتا ہے اور اس کی اطلاع بصورت مذکورہ اس کو دی گئی تو ایسی حالت میں اس کا خاموش رہنا اظہار اجازت کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ وہ عورت صراحۃً اپنی رضا کا اظہار کرے لفظوں میں یا عمل سے۔عمل سے اظہار رضا کی یہ صورت ہے کہ وہ مہر کا مطالبہ کرے یا مبارکباد کو خاموش رہ کر، یا اس کا جواب دے کر قبول کرے یا خاوند کو تخلیہ یا مباشرت کا موقع دے وغیرہ۔ولی کے علاوہ کوئی اور شخص کنواری لڑکی کا عقدِ نکاح کرے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے بیوہ عورت کا عقد ولی یا کسی اور نے کیا ہو۔اس میں ضروری ہے کہ وہ عورت صراحت کے ساتھ زبان سے قبول کرے۔یا ایسا طرز عمل ہو جو صراحۃً کہنے کے برابر ہے۔

باکرہ (یا کنواری) اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ قطعاً مباشرت نہ ہوئی ہو۔ایسی عورت کو حقیقی معنوں میں باکرہ کہا جاتا ہے اور اگر کسی کی بکارت اوپر سے کودنے یا زیادہ مقدار میں ادرار سے یا چوٹ لگنے سے یا زیادہ عمر گزرنے سے بغیر مباشرت وخلوت کے زائل ہو جائے تو اسے بھی حقیقۃً باکرہ قرار دیا جائے گا۔اسی طرح اس عورت کو بھی باکرہ تصور کیا جائے گا جس کا باقاعدہ عقد ہوا یا نکاح ناقص ہوا لیکن خلوت اور مباشرت سے پہلے ہی طلاق ہوگئی یا خاوند فوت ہو گیا یا نامردی یا بزدلی کے باعث قاضی نے دونوں میں تفریق کرا دی تب بھی وہ درحقیقت باکرہ ہے۔لیکن اگر کسی کی بکارت

Marfat.com

بدفعلی سے زائل ہوئی ہو تو اسے بھی باکرہ ہی مان لیا جائے گا کیونکہ وہ باکرہ عورت کے حکم میں ہوگی (یعنی اس پر باکرہ عورت کے احکام جاری ہوں گے) اگرچہ اس کی بکارت زائل ہو چکی ہے لیکن یہ اسی صورت میں ہے جبکہ اس نے بدفعلی کا ارتکاب نہ کیا ہو اور اسے حد (بدفعلی کی شرعی سزا) نہ دی گئی ہو۔ بصورت دیگر وہ ثیب (شوہر دیدہ یا بیوہ) قرار پائے گی۔

غرض ثیب (غیر باکرہ، یا بیوہ) وہ عورت ہے جس کے ساتھ باقاعدہ نکاح ہو کر یا نکاح فاسد کے بعد یا شبہ میں مباشرت ہو چکی ہو یا اسے جرم زنا کی حد لگ چکی ہو خواہ اس نے ایک ہی بار ارتکاب کیا ہو یا ایک سے زیادہ دفعہ مرتکب گناہ ہو چکی ہو اگرچہ اس کی سزا نہ ملی ہو تب بھی وہ ثیب (یا غیر باکرہ) قرار پائے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ صرف ولی مجبر ہی کو خصوصیت کے ساتھ یہ حق ہے کہ نابالغ بچی یا مستقل جنون والی عورت کا خواہ وہ بالغ ہو یا نہ ہو مجبور کر کے نکاح کر دے لیکن اگر مجنونہ عورت شوہر دیدہ ہے، اور اس کا پاگل پن مستقل نہیں ہے، کبھی افاقہ ہو جاتا ہے، کبھی دورہ پڑ جاتا ہے تو ایسی عورت کی شادی صرف اس وقت کی جائے جبکہ اسے جنون سے افاقہ ہو اور اس سے اجازت لے لی جائے۔

ولی کو عاقل بالغ اور باکرہ (کنواری) لڑکی کا عقد نکاح بھی اس کی مرضی حاصل کئے بغیر کر دینے کا حق ہے۔

باکرہ (یا کنواری) وہ ہے جس کا کنوارہ پنا عقد صحیح یا عقد ناقص کے بعد لذت انگیز مباشرت سے زائل ہو گیا ہو۔ اگر اس کی بکارت (کنوارہ پنا) ایک بار یا بار بار برا کام کرنے سے جاتی رہے یا کسی اور سبب سے مثلاً بڑی عمر ہو جائے یا دھکا وغیرہ لگنے سے جاتی رہے تو وہ باکرہ (کنواری) ہی مانی جائے گی اور ولی کو حق ہے کہ اسے شادی پر مجبور کرے۔ اس حکم سے ایسی باکرہ عورت مستثنیٰ ہے جسے اس کے باپ یا باپ کے وصی نے زنِ رشید (خود مختار) بنا دیا ہو بایں طور کہ اسے جتا دیا ہو کہ اب سے وہ خود مختار ہے اور اس پر سے 'حجر' (نااہل معاملہ ہونے) کی پابندی ہٹالی گئی ہے۔ اور اسے اس کا ولی کہہ دے کہ میں نے تم کو خود مختار بنا دیا اور میں تمہاری ذمہ داری سے دست کش ہوں اور تم پر سے نااہلیت معاملہ کی پابندی ہٹالی ہے وغیرہ۔ اس کا ثبوت خود باپ کے بیان سے یا شہادت سے ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد اس لڑکی کی حیثیت ایک ثیب (یا شوہر دیدہ عورت) کی مانند ہوگی۔ جس کی بکارت نکاح سے بصورت مذکورہ زائل ہو چکی ہو۔ ان دونوں قسم کی عورتوں کی شادی ان کی اجازت و رضامندی کے بغیر درست نہیں ہے۔

باپ یا اس کے قائم مقام (نمائندہ) کو حق ہے کہ وہ بالغ لڑکی کا نکاح کر دے خواہ وہ لڑکی کنواری ہو یا نہ ہو۔ اگر نابالغ لڑکی بالغ ہونے سے پہلے ہی بیوہ ہو جائے یعنی اس کا باقاعدہ نکاح ہو کر طلاق ہو جائے اور بالغ ہونے سے پہلے پھر اس کی شادی کی جائے تو ولی (کنواری لڑکی ہی کی طرح) اسے مجبور کر کے کسی سے شادی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ بیوگی کی حالت ہی میں اس کے پاس بالغ ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ ولی کو اسے مجبور کرنے کا حق ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نہیں ہے۔

اسی طرح ولی کو حق ہے کہ وہ پاگل عورت کو بھی شادی پر مجبور کرے درآنحالیکہ اسے جنون سے افاقہ نہ ہوتا ہو۔ نیز کنواری عاقل و بالغ عورت کو بھی وہ شادی پر مجبور کر سکتا ہے اور جس سے چاہے اس کی شادی کر دے خواہ کفو (ہم پلہ لوگوں میں) یا غیر کفو میں۔ مہر مثل پر ہو یا نہ ہو۔ البتہ خصی شدہ یا نامرد، ہجڑے یا کوڑھی، مریل یا غلام سے نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس کے لئے اس کو مجبور کر سکتا ہے۔ اگر اس طرح شادی کر بھی دی تو اس عورت کو شادی کے فسخ کر دینے کا اختیار ہے۔

Marfat.com

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ عقد نکاح کے وصی کو اگرچہ مجبور کر کے شادی کر دینے کا اختیار ہے لیکن اس کے ساتھ یہ شرط لگائی جائے گی کہ وہ فاسق (بدکار آدمی) کے ساتھ اس کی شادی نہیں کرے گا اور نہ مہر مثل سے کم مہر ہوگا۔ جبر کا حق رکھنے والے باپ یا باپ کے وصی کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی اولاد نرینہ کو جو مستقل جنون کی مریض ہو جبراً شادی کر دے جب کہ اس کے بدچلنی میں پڑ جانے یا سخت نقصان یا ہلاکت کا ڈر ہو اور شادی ہی اس کے تحفظ کا واحد ذریعہ ہو۔ اگر ایسے شخص کا باپ یا باپ کا وصی کوئی نہ ہو اور وہ بالغ ہونے سے پہلے جنون میں مبتلا ہو جائے تو حاکم اس کی شادی کر دے گا۔

اسی طرح چھوٹی عمر کے لڑکوں کا ولی یہ حق رکھتا ہے کہ کسی مصلحت کی بنا پر اسے شادی پر مجبور کرے۔ مثلاً کسی شریف خاندان کی یا مالدار لڑکی سے یا چچازاد بہن سے شادی کرنا ضروری ہو۔

اب رہا یہ کہ آیا ولی کو یہ حق ہے کہ بے عقل (یا احمق) شخص کو شادی پر مجبور کرے یا نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ اندیشہ ہے کہ وہ لڑکا برائی میں پڑ جائے گا تو اسے قطعی طور پر جبراً شادی کرنے کا اختیار ہے تاہم اگر اس میں خرابی کا اندیشہ نہ ہو تو اس کی شادی کرنا بالکل درست نہیں ہے۔ ہاں اگر اس سے کوئی خرابی نہ پیدا ہو اور اس کے برائی میں پڑ جانے کا اندیشہ بھی نہ ہو تو اس صورت میں اختلاف ہے اور قوی تر بات یہی ہے کہ ولی کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ شادی پر مجبور کرے۔ ان صورتوں میں اگر لڑکے کے پاس مہر نہ ہو تو باپ اس کا بندوبست کرے گا اور اگر باپ وفات پا جائے تو اس کے ترکہ سے وصول کیا جائے گا۔ اگر اس کے پاس ہو تو اس سے وصول کیا جائے گا۔ اس بارے میں وصی اور حاکم باپ کی مانند ہیں۔

ولی غیر مجبر کو (جسے شادی پر مجبور کرنے کا حق نہیں ہے) بقول مشہور کسی حالت میں بھی (نابالغ لڑکوں کے) شادی کر دینے کا حق نہیں۔ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ نکاح مطلقاً فسخ کر دیا جائے گا اگرچہ اس نے تخلیہ کر لیا ہو اور شادی کو عرصہ گزر گیا ہو۔ تاہم یہ کہا جاتا ہے کہ اگر شادی ہوئے عرصہ ہوا اور تخلیہ ہو چکا ہے تو نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ ولی غیر مجبر ہی کو اپنی زیر ولایت لڑکیوں کی شادی ان کی اجازت اور رضامندی سے کرنے کا حق ہے درآنحالیکہ وہ بالغ اور عاقل ہوں اور اسے یہ حق بالکل نہیں ہے کہ نابالغ لڑکی اور یا جو نابالغ لڑکی کے حکم میں ہو اس کی شادی کرے۔ کیونکہ ان لڑکیوں کی اجازت اور رضامندی کے بغیر وہ شادی نہیں کر سکتا اور نابالغ لڑکی کی اجازت مانی نہیں جاتی لہٰذا اس کی شادی اس وقت تک نہیں کی جا سکتی جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔ تاہم فقہاء نے اس حکم سے ایسی نابالغ یتیم لڑکیوں کو مستثنیٰ رکھا ہے جن کے مال و جان کے ضرر کا اندیشہ ہے۔ (یعنی ایسے یتیم لڑکیوں کا عقد نکاح کر دیا جائے گا) درآنحالیکہ وہ اتنی عمر کو پہنچ جائیں کہ ان کے نکاح کی رغبت کی جا سکے (یا پسندیدہ خیال کیا جائے) بعض اصحاب نے اس عمر کا اندازہ دس سال لگایا ہے لیکن اس باب میں قابل ترجیح قول یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی مدت (عمر) مقرر نہیں ہے بلکہ دارومدار خرابی پیدا ہونے کے اندیشے پر ہے یعنی ایسی صورت حال پیش آ جائے تو اس کا ولی اسے نکاح کرنے پر مجبور کرے گا خواہ وہ راضی ہو یا نہ ہو تاہم ولی پر واجب ہے کہ عقد نکاح انجام دینے سے پہلے اس بارے میں قاضی سے مشورہ کر لے اگر مشورہ نہیں لیا اور نکاح کر دیا تو تخلیہ ہونے سے پہلے اس نکاح کو فسخ کر دیا جائے۔ لیکن تخلیہ ہو جائے تو اب نکاح درست مانا جائے گا۔ اگرچہ نکاح کو عرصہ نہ گزرا ہو۔ اگر ولی غیر مجبر نے خرابی کا کوئی اندیشہ نہ ہوتے ہوئے بھی نکاح کر دیا اور اس کے ساتھ تخلیہ ہو گیا اور لمبے عرصہ یعنی تین سال تک اس کا خاوند اس کے پاس رہا تو وہ نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اس مدت سے

Marfat.com

پہلے پہلے اس عقد کو فسخ کیا جا سکتا ہے۔

ولی کو حق ہے کہ بالغ، عاقل لڑکی کی شادی اس کی اجازت اور رضا مندی سے کر دے۔ خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ ہو جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اگر وہ لڑکی کنواری ہے تو (طلب اجازت پر) اس کے خاموش رہنے کو رضا مندی پر محمول کیا جائے گا۔ مستحب یہ ہے کہ ولی اس سے کہہ دے کہ تمہاری خاموشی سے یہ سمجھا جائے گا کہ تم اس خاوند اور مہر پر راضی ہو۔ اگر وہ انکار کرے یا منع کر دے تو ولی کو اس کی شادی کر دینے کا حق نہ رہے گا۔ ہاں اگر وہ ہنس دے یا رو دے تو یہ رضا مندی کی علامت ہے۔ بجز اس صورت کے جب کہ کوئی قرینہ ایسا موجود ہو جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس کے رونے کا سبب بیزاری ہے۔ ثیب (بیوہ یا شوہر دیدہ عورت) اپنا ارادہ الفاظ سے ظاہر کرے اور صراحۃً اقرار کرے کہ وہ راضی ہے اور ولی کو اجازت دیتی ہے کہ اپنے کہنے کے مطابق اس کا عقد کر دے۔ یہی حکم اس باکرہ عورت کا ہے جس کے باپ یا باپ کے وصی نے اسے اپنے فعل کا مختار بنا دیا ہو۔ اسے بھی صراحۃً الفاظ قبولیت کا ادا کرنا ضروری ہے۔ ایسی کنواری لڑکی جس کا باپ اس کی شادی سے مانع ہوا اور اس نے اپنے عقد کے لئے معاملہ حاکم کے سامنے پیش کر دیا تو اس صورت میں اس عورت کو واضح الفاظ میں اپنا ارادہ بیان کر دینا چاہئے۔ اگر حاکم نے اس کے باپ کو حکم دیا کہ وہ اس کی شادی کر دے اور باپ نے اس کی شادی کی تو اس میں اسے حصول اجازت کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ وہ اسے مجبور کرنے کا حق رکھتا ہے اور اس حال میں اس کا حق زائل نہیں ہوا۔

اسی طرح اس صورت میں، جبکہ کسی عورت کے ولی غیر مجبر نے (جسے مجبور کرنے کا حق نہیں ہے) اس کی شادی مال تجارت کے مہر پر کر دی اور وہ عورت ایسی برادری سے تعلق رکھتی ہے جو ان (جیسے تجارت پیشہ) لوگوں سے شادی نہیں کرتی تو ضروری ہے کہ مہر کے بارے میں وضاحت کے ساتھ اس عورت کی رضا مندی حاصل کی جائے۔ خواہ تمام مہر مال تجارت کی شکل میں ہو یا مہر کا کچھ حصہ مال۔ تجارت کی صورت میں ہو۔ خاوند کے بارے میں عورت کا خاموش رہنا اظہار رضا مندی کے لئے کافی ہے۔

اسی طرح اگر ایک عورت کی شادی کسی عیب دار شخص سے کی جس میں اسے فسخ عقد کا اختیار ہوتا ہے تو اس میں ضروری ہوگا کہ عورت لفظوں میں اپنی رضا مندی کا اظہار کرے خواہ یہ شادی ولی مجبر (جبر کا اختیار رکھنے والے ولی) نے کی ہو۔

اسی طرح ایک پاکیزہ عورت کی شادی اگر ولی غیر مجبر نے (جسے مجبور کرنے کا حق نہیں ہے) کر دی اور اسے اس کا علم ہوا اور وہ اس پر راضی ہے تو اسے اپنی رضا مندی کا اظہار لفظوں میں کرنا ضروری ہے۔ اس نکاح کو نکاح فضول (یعنی بے قاعدہ نکاح) کہتے ہیں۔ اس کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ وہ نکاح اس شہر میں ہو جہاں بیوی رہتی ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ نکاح ہونے کے فوراً بعد یا تھوڑے عرصہ کے بعد عورت کو اس کی خبر ہوئی اور اس نے ہچکچاہٹ کے بغیر رضا مندی ظاہر کر دی ہو تھوڑے عرصہ کا مطلب اکثر اصحاب نے تین دن بتایا ہے۔ پس اگر اسے تین دن کے بعد اطلاع ہوئی یا بروقت اطلاع ہوئی لیکن اس نے اپنی رضا مندی کا اظہار نہیں کیا یہاں تک کہ تین دن گزر گئے تو یہ نکاح درست نہ ہوگا۔

Marfat.com

تیسری شرط یہ ہے کہ ولی نے عقدِ نکاح کی انجام دہی کے وقت یہ نہ بتایا ہو کہ اس عورت نے اجازت نہیں دی۔ اگر یہ بات اس نے کھول کر بیان کر دی تھی تو وہ عقد بالاتفاق فسخ کر دیا جائے گا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ عورت نے نکاح کی خبر پاتے ہی اسے ردّ نہ کر دیا ہو اگر اس وقت ہی اس نے رد کر دیا ہو اور بعد میں اجازت دی ہو تو نکاح درست نہ ہو گا۔

اگر ولیٔ مجبر یا کوئی اور ولی اس کفو میں جہاں وہ عورت راضی ہے' شادی کرنے سے مانع ہو تو اس ولی کی بجائے دُور کے کسی اور رشتہ دار کو ولی نہ بنایا جائے گا۔ بلکہ عورت کو یہ حق ہو گا کہ وہ اپنا معاملہ حاکم کے پیش کرے تا کہ حاکم اس کے ولی سے دریافت کرے کہ وہ عقد نکاح سے کیوں مانع ہے؟ اگر اس نے کوئی معقول سبب بیان کیا تو حاکم اس عورت کو پھر اسی شخص (ولی) کے سپرد کر دے گا۔ اور اسے اس کی شادی کر دینے کا حکم دے گا۔ اگر حاکم کے اس حکم کے بعد بھی (وہ ولی) شادی سے مانع ہو۔ عورت کسی کفو میں جانا چاہتی ہو اور ولی کسی اور کفو میں دینا چاہتا ہو تو اسی کفو کو متعین کر دیا جائے گا جہاں عورت پسند کرتی ہے۔

ولیٔ مُجبر کو (جسے نکاح کے بارے میں جبر کا اختیار ہے) عاضل (یعنی مانعِ عقد) اس صورت میں سمجھا جائے گا جبکہ اس نے پہلے کفو کو رد کیا ہو' خواہ یہ اس نے اپنی بیوہ لڑکی یا کنواری مرشدہ (اختیار یافتہ) لڑکی کے بارے میں کیا ہو یا ولی' باپ کے علاوہ کوئی اور شخص ہو جس نے کسی بھی لڑکی کے بارے میں ایسا کیا ہو۔ لیکن ولی مُجبر خواہ باپ ہو یا اس کا وصی اسے ''عاضل'' (مانعِ عقد) تصور نہ کیا جائے گا اگرچہ اس نے کئی بار کفو کے رشتہ کو رد کر دیا ہو۔ اسے مانع عقد صرف اسی صورت میں تسلیم کیا جائے گا جبکہ یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے دانستہ شادی میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے ایسا کیا ہے کیونکہ رشتہ مانگنے والوں کو محض انکار کر دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ عقد میں رکاوٹ ڈالنا چاہتا ہے بلکہ رشتہ سے انکار کسی مصلحت کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے جسے ولی جانتا ہے اور وہ اپنی بیٹی کا سب سے زیادہ خیر خواہ ہوتا ہے۔ اگر اس سے فی الواقع نقصان پہنچانا مقصود ہو خواہ ایک بار بھی ایسا کرے تو حاکم اسے حکم دے گا کہ وہ اس لڑکی کی شادی کر دے اگر ولی اس پر عمل نہ کرے تو حاکم خود شادی کر دے گا۔

شافیہ کہتے ہیں کہ ولی مُجبر ہی کو یہ حق مخصوص ہے کہ نابالغ لڑکی اور جنون زدہ بالغ یا نابالغ لڑکی اور باکرہ بالغ وعاقل لڑکی کی شادی اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر کر دے۔ اس کے لئے سات شرطیں ہیں۔

ایک شرط یہ ہے کہ ولی اور اس عورت میں کھلم کھلا عداوت نہ ہو۔ اگر ظاہر دشمنی نہ ہو تو اس کا یہ حق زائل نہ ہو گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس عورت اور خاوند کے درمیان کھلی عداوت محلّہ والوں کو معلوم ہو یا در پردہ پرانی عداوت جو ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے نہ ہو' اگر ایسے شخص سے شادی کر دی جو اس عورت کو ناپسند کرتا ہو یا اس کا بدخواہ ہو تو عقد نکاح درست نہ ہو گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ خاوند کفو (یا برادری میں سے) ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ خاوند ذی حیثیت ہو کہ مہر ادا کر سکے۔

یہ چاروں شرطیں عقد نکاح کے صحیح ہونے کے لئے لازمی ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی شرط پوری نہ ہوئی تو عقد نکاح

Marfat.com

باطل ہوگا۔ درآنحالیکہ بیوی نے اجازت نہ دی ہو اور راضی نہ ہو۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ شادی مہر مثل کے عوض کی جائے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ مہر (کا تعین) شہر کی رائج الوقت نقدی میں ہو۔

ساتویں یہ کہ مہر فوری واجب الادا ہو (یعنی مہر معجّل ہو)۔

یہ تینوں شرائط ہوں تب ہی ولی کے لئے عقد کی انجام دہی جائز ہوگی۔ یہ شرائط پوری نہ ہوں تو عقد نکاح کا انجام دینا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ اگر ولی نے ایسا کیا تو عقد ہو جائے گا لیکن وہ گنہگار ہوگا۔ البتہ مہر معجّل اور رائج الوقت نقدی کی شرائط اس حال میں ہیں جبکہ اہل شہر میں مہر مؤجل کا رواج نہ ہو یعنی پیشگی مہر ادا نہ کیا جاتا ہو اور بالعموم رائج الوقت نقدی کے علاوہ اور کوئی چیز مثلاً مال تجارت وغیرہ کا مہر بندھتا ہو۔ اگر ایسا ہی عام رواج ہو تو یہ جائز ہے۔ یہ تمام شرطیں پوری ہوتی ہوں تو باپ یا دادا نابالغ باکرہ لڑکی کی شادی جبراً کر دینے کا اختیار رکھتا ہے خواہ اس کی عمر چھوٹی ہو یا بڑی ہو۔ ذی عقل ہو یا پاگل ہو۔ لیکن اگر وہ لڑکی بالغ ہے تو اس کی خوشی خاطر کے لئے اس سے اجازت عقد لینا سنت ہے۔ خواہ وہ نشہ کی حالت میں ہو کیونکہ نشہ کی حالت اس کو تکلیف (احکام شرعیہ کی ذمہ داری) سے بے نیاز نہیں کر دیتی۔ یہ امور ولی مُجبر (جسے عقد کے لئے مجبور کرنے کا اختیار ہے) کے لئے مخصوص ہیں۔ ولی غیر مُجبر میں (جسے یہ اختیار نہیں ہے) باپ یا دادا کے علاوہ تمام رشتہ دار اور بادشاہ داخل ہیں جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔

ولی غیر مُجبر کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی زیر ولایت لڑکی کو اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر شادی کر دے۔ اگر وہ لڑکی بالغ مگر کنواری ہے تو طلبِ اجازت پر اس کا خاموش رہنا اس کی اجازت متصور ہوگا تا آنکہ ایسا کوئی قرینہ موجود نہ ہو جس سے اس کی نارضامندی کا اظہار ہوتا ہو مثلاً چیخ پڑنا' یا اپنا منہ پیٹ لینا وغیرہ۔

واضح ہو کہ مہر اگر مہر مثل سے کم ہو یا شہر میں رائج الوقت نقدی کے علاوہ کسی اور شے کا مہر باندھا جائے تو اس صورت میں عورت کی رضامندی صراحت کے ساتھ ضروری ہے۔ یہی قول راجح ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر ولی غیر مُجبر ہو (جو جبراً شادی نہیں کر سکتا) تو باکرہ لڑکی کا خاموش رہنا (اظہار رضامندی کے لئے) کافی نہ ہوگا۔ بلکہ اسے اپنی رضامندی کا اظہار صراحۃً کرنا ہوگا کہ وہ اس خاوند اور اس مہر پر راضی ہے اور ثیب (زن شوہر دیدہ) کے لئے تو بہرحال کھلے لفظوں میں اظہار رضامندی ضروری ہے۔ خواہ اس کی شادی کرنے والا باپ ہو جسے مجبور کرنے کا اختیار ہے یا کوئی اور ہو (جسے یہ اختیار نہیں ہے) اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ثیب (یا غیر باکرہ) وہ عورت ہے جس کی بکارت (کنوارپنے کی حالت) حلال مباشرت یا حرام کاری سے زائل ہوگئی ہو۔ یا بندر کے ساتھ مباشرت سے زائل ہوئی ہو۔ لیکن اگر اس کی بکارت کسی اور وجہ سے زائل ہوئی' مثلاً کسی مرض سے یا چوٹ لگنے سے تو وہ باکرہ ہی قرار پائے گی۔ اسی طرح وہ عورت بھی (باکرہ ہے) جس کی بکارت مباشرت غیر فطری کے باعث زائل ہوئی ہو۔ یہ مسائل عاقل و بالغ عورت کے متعلق ہیں۔

نابالغ عاقل لڑکی کا نکاح باپ یا دادا کے سوا کوئی اور شخص کرے تو کسی حال میں درست نہ ہوگا۔ کیونکہ ایسی لڑکی کی شادی اس کی اجازت اور رضامندی پر موقوف ہے اور نابالغ کی اجازت پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اس کی شادی بالغ

Marfat.com

ہونے سے پہلے (کوئی اور شخص) نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر نابالغ لڑکی یتیم ہو اور اس کا باپ نہ ہو یا وہ جنون زدہ ہو تو اس کے مالی معاملات کا وکیل کسی اور شخص کو بنا دیا جائے گا لیکن اس کے عقدِ نکاح کا حق حاکم کو ہے۔ جس کے لئے دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ لڑکی بالغ ہو جائے کیونکہ بالغ ہونے سے پہلے شادی ضروری نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد خرچ برچ اور دوسری خدمت کی محتاج ہو کہ بغیر شادی کئے اس کی ضروریات پوری نہ ہو سکیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ولی مُجبر ہی اس امر کے لئے مخصوص ہے کہ وہ غیر مکلف چھوٹی لڑکی کا (جس پر احکام شرعیہ عائد نہیں ہوتے) عقدِ نکاح کرے۔ خواہ وہ باکرہ ہو یا غیر باکرہ ہو۔ یہ نو سال سے کم عمر کی لڑکی ہوتی ہے۔ لیکن جو لڑکی نو سال کی ہو جائے اور ثیب (یعنی غیر باکرہ) ہو تو اسے شادی کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اب اس کی اجازت قابل اعتبار ہے۔ لہٰذا اس کی اجازت لازمی ہے۔ اور بالغ' عاقل اور کنواری لڑکی کو شادی پر مجبور کرنے کا حق صرف ولی ہی کو ہے خواہ وہ لڑکی ذی عقل ہو یا جنون زدہ ہو۔ باپ کو یہ حق ہے کہ اس کی شادی اس کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر جس کے ساتھ چاہے کر دے۔ لیکن اگر وہ خاوند عیب دار ہے تو عورت کو عقدِ نکاح کے فسخ کر دینے کا اختیار ہے مثلاً وہ مرد زنخا ہو یا نامرد ہو کہ مباشرت نہ کر سکے یا یہ کہ وہ لنجا ہو وغیرہ اس کی تفصیل عیب کے بیان میں آئے گی۔

ثیب (یعنی غیر باکرہ) وہ ہے جس کے ساتھ باقاعدہ مباشرت کرنے سے اس کی بکارت زائل ہو گئی ہو۔ خواہ وہ مباشرت عقدِ صحیح یا عقدِ فاسد کے بعد ہوئی ہو یا زنا سے ہوئی ہو۔ لیکن اگر لڑکی کی بکارت کسی اور وجہ سے زائل ہوئی ہو مثلاً پیچھے کی راہ سے (یعنی غیر فطری) مباشرت کے باعث یا کسی مرض کے باعث یا بڑی عمر ہو جانے کے باعث وغیرہ تو اسے باکرہ ہی قرار دیا جائے گا۔

باکرہ عورت کے راضی ہونے کی علامت (طلب اجازت کے وقت) اس کا خاموش رہنا ہے جس سے اس کی رضا مندی پائی جاتی ہے۔ لیکن ثیب (غیر باکرہ یا بیوہ) کی رضا اس کے منہ سے کہے بغیر نہ مانی جائے گی۔ سنت یہ ہے کہ ولئ مُجبر (جسے رضا مندی حاصل کئے بغیر شادی کر دینے کا حق ہے) ایسی عورت سے اجازت لے کر شادی کرے جس کی اجازت معتبر ہو مثلاً عاقل و بالغ کنواری عورت یا لڑکی جو نو سال کی ہو گئی ہو اور وہ شخص جو ولی غیر مُجبر ہو (یعنی جو رضا مندی کے بغیر شادی کرنے کا حق نہ رکھتا ہو) اسے یہ اختیار نہیں ہے کہ کسی عورت کی شادی اس کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر کر دے درآنحالیکہ وہ بڑی اور ذی عقل ہو یا چھوٹی ہو لیکن نو سال کی ہو گئی ہو لیکن اگر لڑکی چھوٹی نو سال سے کم کی ہے یا دائمی جنون میں مبتلا عورت ہے تو ولی غیر مُجبر کو ان کی شادی کر دینے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی شادی موقوف ہے ان کی اجازت دینے پر اور ان کی اجازت مانی نہیں جاتی۔ تاہم حنابلہ کہتے ہیں کہ حاکم کی حیثیت ولی مُجبر (جسے اختیار جبر ہے) کی سی ہے لہٰذا اسے حق ہے کہ اگر شادی ضروری ہو جائے تو ایسی لڑکیوں کی شادی کر دے۔

ولی غیر مجبر (جسے اختیار جبر نہیں ہے) کو لازم ہے کہ طلب اجازت کے وقت خاوند کا نام بتا کر متعین کرے اور اس کے نام' لقب' عہدہ اور خاندان کی تفصیل سے آگاہ کر دے تا کہ اس عورت کو اپنے ذاتی معاملہ سے پوری واقفیت ہو جائے۔ اگر اس کا ذکر مبہم طور پر کیا تو عقد درست نہ ہوگا۔ یہاں مہر کا ذکر شرط نہیں ہے۔

Marfat.com

قریبی رشتہ دار کے ہوتے ہوئے دور کے رشتہ دار کا بحیثیت ولی شادی کر دینے کا بیان

عقد نکاح کی انجام دہی کے لئے ولی بننے کا حق اسی ترتیب سے ہوگا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ چنانچہ اگر حقداروں کے ہوتے ہوئے دور کے رشتہ دار نے جسے ولی بننے کا حق نہیں پہنچتا شادی کر دی تو وہ شادی درست نہ ہوگی۔ (۱)

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر قریبی رشتہ والا اور دُور کا رشتہ والا، دونوں طرح کے حق دار ولی موجود ہوں اور دُور کا رشتہ دار قریب تر رشتہ دار کی موجودگی میں نکاح کر دے تو عقد ہو جائے گا۔ مثلاً (لڑکی کے) بھائی اور چچا دونوں موجود ہیں اور چچا نے (جو بھائی کی بہ نسبت دور کا رشتہ دار ہے) اس کا نکاح کر دیا تو یہ عقد صحیح ہے۔ اسی طرح اگر باپ بھی ہے اور بیٹا بھی اور باپ نے عقد کر دیا تو درست ہے۔ لیکن یہ صرف ولی غیر مجبر کی صورت میں ہے (یعنی وہ ولی جسے نکاح کے لئے جبر کا اختیار نہیں ہے) لیکن اگر ولی مجبر (جو جبراً نکاح کرنے کا حق رکھتا ہے) موجود ہے تو اس کی بجائے کسی اور شخص کا (بحیثیت ولی) نکاح کر دینا صحیح نہیں ہے خواہ وہ ولی مجبر اس لڑکی کا باپ ہو یا باپ کا وصی ہو یا (اگر وہ لڑکی لونڈی ہے تو) اس کا مالک ہو۔ اس حکم سے صرف ایک صورت مستثنیٰ ہے کہ اس ولی مجبر کا باپ یا بیٹا یا بھائی یا دادا ہو اور اس ولی کے تمام مُعاملات کی دیکھ بھال ان سب کے یا ان میں سے کسی ایک کے سپرد ہو اور اس سپردگی کی شہادت موجود ہو جس میں گواہ نے یہ شہادت دی ہو کہ اس ولی نے ان میں سے کسی کو یہ کہا ہے کہ میں اپنے تمام معاملات تمہارے سپرد کرتا ہوں اور ہر معاملہ میں تمہیں اپنا قائم مقام بناتا ہوں۔ اور اس طرح اس ولی نے اپنے تمام امور جسے بھی سپرد کئے ہیں اسے ان حالات میں جائز ہوگا کہ اس ولی مجبر (جو بیٹی کا مختار کل ہے) کی بیٹی کا عقد اجازت حاصل کئے بغیر کر دے۔ تاہم یہ عقد اس امر پر موقوف رہے گا کہ ولی کو جب اس کی اطلاع ملے تو وہ اس کی اجازت دے دے بشرطیکہ اس اجازت اور عقد کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ ہو۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شرط ضروری نہیں ہے اگر ولی مُجبر (یعنی ولی مختار جبر) نے اپنے معاملات کسی اجنبی کے سپرد کر دیئے اور اس گماشتہ نے اس کی بیٹی کی شادی اجازت حاصل کئے بغیر کر دی تو وہ درست نہ ہوگی اور عقد فسخ کیا جائے گا۔ خواہ ولی نے اجازت حاصل کئے بغیر کر دی تو وہ درست نہ ہوگی اور عقد فسخ کیا جائے گا۔ خواہ ولی نے اجازت دے دی ہو۔ اسی طرح اس حال میں بھی درست یہی ہے جب کہ اس نے (اپنے جملہ معاملات) مذکورہ رشتہ داروں کے سپردگی کر دیا ہو لیکن سپردگی کا (کوئی گواہ نہ ہو بلکہ) اس کا علم صرف اس کے کہنے سے ہو تو اس بارے میں اس کے کہنے کا کچھ اعتبار نہیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ سپردگی کی گواہی موجود ہو۔ اگر یوں کہا تھا کہ میں اپنے مالی معاملات تمہارے سپرد کرتا ہوں تو جس کے سپرد کیا اسے یہ حق نہیں ہے کہ بلا اجازت حاصل کئے اس کی بیٹی کی شادی کر دے۔ اب رہا یہ کہ آیا سپردگی کے بعد بھی (عقد نکاح کیلئے) ولی کی اجازت ضروری ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یوں کہا تھا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی کا معاملہ تمہارے سپرد کرتا ہوں تب تو بالاتفاق عقد نکاح اجازت پر موقوف نہ ہوگا لیکن اگر شادی یا عقد کا ذکر نہیں کیا تو اس

Marfat.com

میں دو رائیں ہیں لیکن قابل اعتماد بات یہی ہے کہ عقد اجازت پر موقوف ہوگا۔

یہ مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ ایک ولی غیر مجبر (یعنی غیر مختار ولی) ولی مجبر (یعنی ولی مختار) کی بیٹی کا عقد نکاح اس سے اجازت لیئے بغیر کر دے۔ اگر ولی مختار وہاں موجود ہی نہ ہو بلکہ کہیں دور دراز مقام پر ہو اور اس کی لڑکی کو خرچ برچ سے محرومی یا ایسے شخص کے موجود نہ ہونے کے باعث جو اس کی حفاظت کر سکے مشکل کا سامنا ہو تو حاکم کو حق ہے کہ اس کی شادی کر دے۔ یہ عقد فسخ نہ ہو سکے گا۔ اگر اس کا ولی کسی قریب مقام پر ہو اور اس کی ناموجودگی کے باعث کسی ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو حاکم یا کسی اور شخص کو یہ حق نہ ہوگا کہ اس کی شادی کر دے۔ اگر شادی کی تو وہ عقد نکاح درست نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر ولی اجازت دے دے یا اولاد پیدا ہو جائے۔

اور دُور مقام یہ ہے کہ دونوں مقامات کے درمیان چار ماہ کی مسافت ہو۔ مثلاً یہ کہ وہ عورت مدینہ منورہ میں ہو اور اس کا ولی قیروان (تیونس) میں ہو۔ بعض اصحاب نے اس کی مقدار تین ماہ کی مسافت بتائی جیسے مصر اور قیروان کا فاصلہ۔

یہ اندازہ ان مشکلات سفر کے پیش نظر لگایا گیا ہے جو گزشتہ زمانہ میں ہوا کرتی تھیں لیکن اب تو یہ عرصہ اس وقت سے لگایا جائے گا جبکہ حاکم اس کے ولی کو لکھ کر بھیجے کے اس لڑکی کی شادی کے لئے کسی کو وکیل مقرر کرے یا اگر ولی کی غیر موجودگی کے باعث کوئی خرابی ہوتی ہو تو اس کی شادی کر دے یا پھر اس کے آنے کا انتظار کرے۔

اگر ولی یا اس کا وصی لاپتہ ہو تو اس کی ولایت کا حق حاکم کو منتقل ہو جائے گا۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ وہ بہت دور مقام پر ہوں۔ اگر (لڑکی کا) ولی مجبر (یعنی ولی مختار) قید میں ہو یا اسے دورہ کی صورت میں جنون لاحق ہوتا ہو تو اس کی بیٹی کی شادی ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اگر اس کی دیوانگی دائمی ہے تو ولی بننے کا حق دُور کے رشتہ دار کو منتقل ہو جائے گا۔

یاد رہے کہ فاسق (بدکردار) آدمی کا حقِ ولایت ساقط نہیں ہوتا تاہم زیادہ کامل بات یہی ہے کہ اگر دو مستحق ولی ایک ہی رتبہ کے ہوں تو جو بدکردار نہیں ہے اسے ولی بنایا جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ غیر مجبر (یا غیر مختار) ولی بننے کے حقداروں میں کسی ترتیب کا ملحوظ رکھنا شرط نہیں ہے بلکہ یہ امر مستحب ہے۔ لیکن ولی مجبر (یعنی ولی مختار) کے بارے میں اس ترتیب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ جو بتائی گئی۔

یہاں پر یہ کہا جاتا ہے کہ غیر مجبر (غیر مختار) ولیوں کے درمیان جبکہ ترتیب کا لحاظ رکھنا شرط (ضروری) نہیں ہے۔ اور مالکیہ تمام مسلمانوں کو حق ولایت دینے کے قائل ہیں جیسا کہ بتایا گیا تو ہر ایک مسلمان عقد نکاح کا ولی ہے اور اس بنا پر ہر عورت کے لئے یہ صحیح ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے کسی کو بھی اپنے نکاح کا ولی بنا کر اپنی شادی کر لے اگرچہ اس کا خاص ولی غیر مجبر (یا ولی غیر مختار) مع بھائی اور چچا وغیرہ کے موجود ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عاقل بالغ عورت ایسا کر سکتی ہے بشرطیکہ وہ مال دار یا صاحب جمال یا عالی خاندان نہ ہو اور اسے ادنیٰ طبقہ کی عورت کہا جائے۔ ایسا عقد غیر مجبر (یعنی غیر مختار) ولی کی موجودگی میں لاگو ہو جاتا ہے خواہ اس کے ساتھ (ہنوز) تخلیہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ لیکن اگر وہ عورت مالدار، حسین وجمیل اور خاندانی ہے اور اس طرح اس کا عقد ہو جائے تو وہ عقد تخلیہ سے پہلے پہلے منسوخ کر دیا جائے گا اور تخلیہ کے بعد بھی اگر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تو عقد فسخ کیا جا سکتا ہے۔ زیادہ عرصہ کی مقدار تین سال یا دو حمل کی ولادت تک ہے۔ (اس

Marfat.com

ولی اقرب کی عدم موجودگی یا اس کے 'عضل' یعنی شادی میں روڑے اٹکانے کی صورت میں اس کے ولی بننے کا حق اس کے بعد کے رشتہ داریا کسی اور کو منتقل ہو جائے گا۔ مختلف مسالک کی رو سے یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ (۱)

دوران) اگر ولی نے اجازت دے دی تو عقد صحیح ہو جائے گا۔ زیادہ قرین قیاس یہی قول ہے اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ وہ عقد درست نہ ہوگا۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ ولی بننے کے حقداروں میں جو ترتیب رکھی گئی ہے وہ شرط لازمی ہے۔ اور ولی اقرب کا حق' بجز حسب ذیل صورت کے دور کے رشتہ دار کو منتقل نہیں کیا جا سکتا۔

ایک یہ کہ ولی اقرب جسے شادی کرنے کا حق پہنچتا ہے کم عمر ہو۔ اگر وہ بالغ ہو جائے اور اس کے بعد کوئی جرم گناہ اس سے سرزد نہ ہوا ہو تو وہ لڑکی کے ولی بننے کا حقدار ہوگا اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اس کا عاقل اور عادل (قابل اعتبار) ہونا بھی ثابت ہوتا ہم وہ شہادت نہیں دے سکتا تا آنکہ بالغ ہونے کے ایک سال بعد تک اس کا عادل (قابل اعتبار) ہونا اور کسی گناہ کا مرتکب نہ ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ غرض شہادت دینے اور ولی بننے میں فرق ہے کیونکہ شہادت میں عدالت (یعنی معتبر ہونا) ضروری ہے بخلاف ولی بننے کے کہ اس میں صرف یہ کافی ہے کہ وہ شخص فاسق نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ ولی اقرب پاگل ہو خواہ اس کا جنون دورہ کی شکل میں ہو۔ دُور کا رشتہ دار ولی اس لڑکی کی شادی اس حال میں کر سکتا ہے جب کہ ولی اقرب پر جنون طاری ہو۔ افاقہ کی حالت میں نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر افاقہ کی مدت بہت تھوڑی ہو مثلاً سال بھر میں ایک دن کے لئے افاقہ ہو جاتا ہو تو بالاتفاق اس وقت کا انتظار کرنا چاہئے جبکہ اسے افاقہ ہوتا ہے۔

ایک اور امر یہ ہے کہ ولی فاسق (بدکردار) ہو۔ اگر وہ توبہ کر لے تو اس کا حق ولایت فوراً اسے واپس مل جائے گا اور اتنا عرصہ انتظار نہ کیا جائے گا کہ اس کا عادل (قابل اعتبار) ہونا ثابت ہو جائے کیونکہ ولی کے لئے صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ فاسق نہ ہو' عادل ہونا نہیں دیکھا جاتا۔ بخلاف شہادت کے کہ اس میں عادل ہونا شرط ہے لہٰذا اس کا گواہی دینا درست نہ ہوگا تا آنکہ توبہ کرنے کے بعد ایک سال کی مدت گزر جائے جس میں اس کی عدالت (یا قابل اعتبار ہونا) پایہ ثبوت کو پہنچ جائے۔

ایک امر (قابل لحاظ) یہ ہے کہ وہ شخص مجور علیہ (یعنی نااہلِ معاملہ) قرار نہ دیا گیا ہو۔ اگر بدکرداری کی وجہ سے اسے نااہل معاملہ قرار دیا گیا ہو تو فاسق ہونے کی وجہ سے ولی بننے کے حق سے محروم ہو جائے گا۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اگر حماقت یا فضول خرچی کے باعث اسے نااہلِ معاملہ قرار دیا گیا ہو تو ایسی صورت میں بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ اسے عقد نکاح کا ولی بننے کا حق نہیں ہے کیونکہ جب ایک شخص اپنے ذاتی معاملات سدھارنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو دوسرے کے معاملات سدھارنے کی صلاحیت بھی اس میں نہ ہوگی۔ بعض اصحاب کی رائے ہے کہ احمق ہونا اس کے عقدِ نکاح کا ولی ہونے سے مانع نہیں ہے۔ بعض اصحاب شافعیہ نے اس خیال کو ترجیح دی ہے اور بعض نے اسے ضعیف بتایا ہے۔ لیکن جو

Marfat.com

لوگ ترجیح دیتے ہیں وہ اس بارے میں دوسرے مسلکوں سے متفق ہیں۔ اگر کوئی شخص افلاس کے باعث مجور علیہ (نااہلِ معاملہ) قرار دیا گیا ہو تو یہ امر اس کے ولی بننے کے حق سے مانع نہیں ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ افلاس کا ہونا ولی بننے کیلئے کوئی عیب نہیں ہے۔

ایک اور امر یہ ہے کہ (زیرِ ولایت شخص کے) معاملات کی دیکھ بھال میں کسی نہ کسی وجہ سے خلل واقع ہوتا ہو مثلاً ولی کے کسی دائمی مرض میں مبتلا ہونا جس کے باعث وہ دوسروں کے حالات کی جستجو اور ان کی الٹی سیدھی باتوں سے آگاہ نہ ہو سکتا ہو۔

اسی میں ایک اور امر یہ ہے کہ ولی کا مذہب اس عورت کے مذہب سے مختلف ہو یعنی کافر شخص مسلمان عورت کا ولی نہیں بن سکتا اور نہ مسلمان کافر عورت کا ولی بن سکتا ہے۔ البتہ کافر شخص کافر کا ولی بن سکتا ہے بشرطیکہ اسے اپنے دین کے خلاف کسی امر کا مرتکب نہ ہونا پڑے۔ اگر دونوں کافروں کے دین میں اختلاف ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لہٰذا یہودی اور عیسائی ایک دوسرے کے ولی بن سکتے ہیں۔

یہ وہ اُمور ہیں جن کے باعث ولی اقرب کا حقِ ولایت جو اسے عقدِ نکاح کا اختیار دیتا ہے ولی ابعد (دُور کے رشتہ دار) کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

واضح ہو کہ نابینا ہونے کی وجہ سے یہ حق دوسرے کو منتقل نہیں ہوتا' کیونکہ نابینا کے لئے یہ ممکن ہے کہ دوسروں سے سن کر وہ لوگوں کے حالات جان سکے اور خاندان کی چھان بین کرے۔ اسی طرح بے ہوشی سے بھی یہ حق منتقل نہیں ہوتا کیونکہ جسے بے ہوشی لاحق ہو وہ اس سے نجات پانے کا انتظار کر سکتا ہے۔ نیز حج کے لئے احرام باندھنے سے بھی یہ حق قریبی رشتہ دار کو منتقل نہیں ہوتا۔

حسب ذیل صورتوں میں عقدِ نکاح کی انجام دہی کا حقِ ولایتِ عامہ سے منتقل ہو کر بادشاہ کو مل جاتا ہے:

ایک صورت یہ ہے کہ ولی حج کے احرام باندھ لے تو عقد نکاح کی انجام دہی اس کے لئے ممکن نہ ہو گی اور ولی کا حق بادشاہ کو منتقل ہو جائے گا اور بعد کے رشتہ دار کو بحیثیتِ ولی شادی کرنے کا حق نہ ہو گا۔ اگر احرام باندھنے والا اپنی طرف سے عقد نکاح کے لئے کسی کو وکیل بنا دے کہ وہ عقد نکاح بطور ولی کر دے تو اس وکیل کا عقد نکاح کا کام انجام دینا صحیح نہیں ہے۔ درآنحالیکہ اس کا مؤکل حالت احرام میں ہے۔ کیونکہ وکیل مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے اگر وکیل نے کارِ عقد انجام دیا تو گویا مؤکل ہی نے وہ کام انجام دیا (جو درست نہیں ہے) ہاں مؤکل جب حلال ہو جائے (یعنی احرام سے فارغ ہو جائے) تو اب اس کا وکیل عقد نکاح کا کام (اس کی طرف سے) انجام دے سکتا ہے۔ کیونکہ احرام باندھ لینے سے وکیل منصب وکالت سے معزول نہیں ہو جاتا۔

ایک صورت یہ ہے کہ ولیٔ اقرب اتنی مسافت پر چلا جائے جس میں قصر واجب ہوتا ہے اور اپنی طرف سے کسی کو وکیل نہیں بنایا کہ اس کی غیر موجودگی میں عقد نکاح کر دے۔ ورنہ اس کا وکیل اس عقد نکاح کو انجام دیتا۔ پس جب کہ حاکم نے لڑکی کی شادی کر دی اس کے بعد وہ ولی آ گیا اور اس نے کہا کہ میں عقد کے وقت شہر کے قریب ہی تھا تو یہ عقد درست نہ ہو گا۔ لیکن اگر اس نے آ کر یہ کہا کہ میں نے تو اس کا عقد حاکم کے کرنے سے پہلے ہی کر دیا تھا تو حاکم کا کیا ہوا عقد ہی لاگو

Marfat.com

ہوگا۔ بشرطیکہ ولی کے قول کا کوئی گواہ نہ ہو۔

ایک صورت یہ ہے کہ ولی، عورت کے نکاح میں خارج ہو عورت چاہتی ہو کہ اس کا عقد کفو (برادری) میں کر دیا جائے خواہ مہر مثل پر نہ ہو اور ولی مانع ہو تو اس عورت کو حق ہے کہ وہ حاکم کے پاس استغاثہ کرے تو حاکم' ولی کے نائب کی حیثیت سے اس کا عقد نکاح کر دے گا کیونکہ ولی کا حقِ ولایت دو ایک بار شادی میں مزاحمت کرنے سے زائل نہیں ہوتا۔ لہٰذا حاکم اس ولی کا نائب ہوگا۔ اگر ولی نے تین بار یا زیادہ دفعہ شادی میں روڑا اٹکایا تو گنہگار ہوگا۔ کیونکہ اس نے امر ممنوع کا ارتکاب کیا اس کا حقِ ولایت جاتا رہے گا اور بعد کے رشتہ دار کو منتقل ہو جائے گا۔

ایک صورت یہ ہے کہ ولی قید میں ہو جس کی وجہ سے وہ عقدِ نکاح انجام نہیں دے سکتا تو ایسی صورت میں بادشاہ عقد نکاح کرے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مستحق ولیوں کے درمیان ترتیب کا لحاظ ضروری ہے' تاہم اگر قریب ترین رشتہ دار کے ہوتے ہوئے دُور کے رشتہ دار نے شادی کر دی تو عقد ہو جائے گا لیکن ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر اس نے اجازت دے دی تو وہ عقد لاگو ہوگا ورنہ نہ ہوگا' اور ولی اقرب کا یہ حق باقی رہے گا۔ یہاں تک کہ اگر کنواری اور عاقل و بالغ لڑکی اپنی شادی کفو سے باہر کر لے تو ولی اگر اس کی اجازت دے دے تو وہ عقد لاگو ہوگا اور اگر اسے اعتراض ہوا تو عقد فسخ ہو جائے گا۔

جن حالات میں حقِ ولایت ولی اقرب سے منتقل ہو جائے گا وہ حسب ذیل ہیں:

ایک حالت یہ ہے کہ ولی اقرب اتنی دور کسی مقام پر ہو کہ اگر اس کے آنے یا اس کی رائے حاصل کرنے کا انتظار کیا جائے تو کفو (یا برادری) کا وہ رشتہ جو ایک نابالغ لڑکی کے لئے ڈالا گیا تھا ٹوٹ جائے۔ ایسی حالت میں ضروری نہیں ہے کہ فاصلہ کا اندازہ مسافتِ قصر سے لگایا جائے بلکہ اس شخص کو ولی بننے کا جو حق تھا وہ (کسی اور کو) منتقل ہو جائے گا۔ اور بعد میں اسے اعتراض کا حق نہ رہے گا اور جو عقد کیا گیا وہ لاگو رہے گا۔

اگر (ایک لڑکی کا) باپ موجود نہیں لیکن دادا اور چاچا موجود ہیں تو اس کی ولایت دادا کو منتقل ہوگی چچا کو نہ ہوگی۔ اگر ولی اقرب اپنی لڑکی کی شادی وہیں پر کر دے جہاں وہ چلا گیا ہے تو یہ عقد بقول راجح درست نہ ہوگا کیونکہ (غائب ہو جانے کے بعد) اس کا حقِ ولایت ختم ہو جاتا ہے۔ پس اگر ولی کسی دُور مقام پر چلا جائے جہاں سے اس کی رائے (اجازت) کا دریافت کرنا یا اس کا طلب کرنا' تاریخ عقد سے پہلے دشوار ہو تو اسے وہیں پر اپنی (زیرِ ولایت) لڑکی کا عقد کر دینا درست نہیں ہے بشرطیکہ اس کے بعد کا رشتہ دار لڑکی کے پاس بحیثیتِ ولی موجود ہو ایسی صورت میں جب کہ اس عورت کا رشتہ دار موجود ہے ولی بننے کا حق بادشاہ کو منتقل نہ ہوگا۔

ایک حالت (وجہِ انتقال ولایت) یہ ہے کہ ولی اقرب لڑکی کی شادی کفو (ہم رتبہ خاندان) میں نہ ہونے دیتا ہو۔ پس اگر باپ اپنی قابلِ شادی لڑکی کو ہم رتبہ لڑکے کے ساتھ مہر مثل کے عوض شادی کرنے سے مانع ہو تو اسے عاضل (یعنی روڑا اٹکانے والا) کہا جائے گا اور اس کا حقِ ولایت بعد کے قریب تر رشتہ دار کو منتقل ہو جائے گا مثلاً دادا اگر موجود ہے تو اسے ورنہ حقیقی بھائی وغیرہ کو ولی بنا دیا جائے گا۔

Marfat.com

ولی کا کسی اور کو وکیل نکاح بنانے کا بیان

ہر شخص جسے کسی امر میں تصرف کا حق ہے اسے اختیار ہے کہ کسی اور کو اس کام کے لئے وکیل بنا دے۔ بشرطیکہ وہ اس کا نمائندہ بننے کے قابل ہو' جیسا کہ اس کتاب کے تیسرے حصے میں مفصل بیان کیا گیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ کسی کا عقد نکاح کرنا ایسے امور میں سے ہے جن کی انجام دہی کے لئے نائب (یا وکیل) مقرر کیا جا سکتا ہے۔ پس ہر وہ شخص جو عقد نکاح کا ولی ہو کسی اور کو اپنا وکیل بنا سکتا ہے۔ اس کے مسائل بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

ایک حالت یہ ہے کہ ولی ان شرائط میں کوئی شرط پوری نہ کرتا ہو۔ مثلاً آزاد ہونا۔ مکلف ہونا اور مسلمان ہونا جب کہ لڑکی مسلمان ہو اور یہ کہ باپ یا دادا (یعنی ولی اقرب) کی بابت یہ مشہور نہ ہو کہ وہ اپنے اختیار کا ناجائز استعمال کرتے ہیں۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط ولی پوری نہ کرتا ہو تو اس کا حقِ ولایت اس کے بعد کے قریب ترین رشتہ دار کو منتقل ہو جائے گا جس کی ترتیب پہلے بتائی گئی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ حقدار ولیوں کے درمیان جو فرق مراتب رکھا گیا ہے اس کا لحاظ ناگزیر ہے۔ لیکن ولی بننے کا حق حسب ذیل صورتوں میں ساقط ہو جاتا ہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ ولی اس شخص سے عقد کرنے میں روڑے اٹکائے جس کے ساتھ مہر کی مقدار مناسب پر لڑکی شادی کرنا چاہتی ہے۔ درآنحالیکہ لڑکی نو سال یا اس سے زیادہ کی ہو چکی ہو۔ اگر اس سے کم عمر کی ہے تو (ولی کا انکار) روڑا اٹکانا متصور نہ ہوگا (اس کو عضل کہتے ہیں) اور عضل (روڑا اٹکانے) کی صورت میں اس شخص کا حقِ ولایت حاکم کو منتقل ہو جائے گا اور اس کو حق ہوگا کہ جہاں پر شادی کرنے سے ولی مانع تھا اس لڑکی کا عقد وہاں پر کر دے۔ خواہ وہ ولی مُجبر (ولی مختار) ہو یا غیر مُجبر (جسے عقد پر مجبور کرنے کا اختیار نہ ہو)۔

ایک صورت یہ ہے کہ وہ ولی قصر کی مسافت سے زیادہ دور یا نامعلوم مقام پر چلا گیا ہو۔ یا یہ علم نہ ہو کہ وہ کہیں قریب جگہ پر ہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ ولی اُن لوگوں میں نہ ہو جو ولی بننے کے اہل ہیں مثلاً وہ نابالغ' کافر یا غلام ہو۔ پس اگر ولیٔ اقرب لاپتہ ہو یا ان شرائط کو پورا نہ کرتا ہو تو اس کا حقِ ولایت دوسرے قریب ترین شخص کو منتقل ہو جائے گا۔ اگر ولیٔ اقرب موجود ہے جس میں تمام شرطیں پائی جاتی ہیں اور ولیٔ ابعد شادی کر دے یا ولیٔ اقرب معذور نہ ہو اور حاکم شادی کر دے تو عقد درست نہ ہوگا۔ اگر ولیٔ اقرب کو یہ علم ہی نہ ہو کہ وہ عصبی رشتہ دار یا ولی بننے کا حقدار ہے یا عقد کے بعد وہ ولی بننے کا اہل ہوا تو اس حالت میں اس کے موجود ہوتے ہوئے بھی عقد ہو جائے گا۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عورت خواہ کنواری ہو یا شوہر دیدہ ہو اسے حق ہے کہ کسی شخص کو اپنا عقد نکاح سرانجام دینے کے لئے اپنا وکیل بنائے اسی طرح بالغ اور سمجھدار مرد بھی کسی کو اپنا وکیلِ شادی بنا سکتا ہے۔ اب وکیل کو چاہئے کہ وہ اپنے

Marfat.com

مؤکل یا مؤکلہ کے عقد نکاح کو اسی کی طرف منسوب کرے بایں طور کہ وکیل کہے کہ میں نے اپنی مؤکلہ فلاں عورت کی شادی کی اور (خاوند کا) وکیل کہے کہ میں نے اپنے مؤکل کے حق میں قبول کیا۔ اگر اس نے کہا کہ میں نے اسے قبول کیا تو یہ عقد اس وکیل کے ساتھ ہو جائے گا۔ مؤکل کے ساتھ نہ ہو گا۔

وکیل کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ تصرّف کی اہلیت رکھتا ہو۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت لہٰذا ناسمجھ بچے کا وکیل بننا درست نہیں ہے اور نہ ایسے دیوانے کا جسے (کسی وقت بھی جنون سے) افاقہ نہ ہوتا ہو۔ جیسا کہ تیسری جلد میں وکالت کے بیان میں ذکر کیا گیا۔

عاقل بالغ عورت کو حق ہے کہ وہ اپنا عقد ازدواج خود کر لے خواہ وہ بیوہ ہو یا کنواری' یعنی اس کا عقد ولی یا وکیل کی موجودگی پر موقوف نہیں ہے اور وہ بچہ جس میں سمجھ بوجھ ہو یہ حق رکھتا ہے کہ اگر شادی میں مصلحت دیکھتا ہو تو وہ عورت کی شادی کر دے اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ بتقاضائے مصلحت اس کام کے لئے کسی کو اپنا وکیل بنا دے۔ رہی وہ صورت جس میں ولی کا واسطہ ناگزیر ہے وہ ایسے صغیر سن بچے کا معاملہ ہے جس میں شعور نہیں ہے یا ایسا شخص جو دائمی مرضِ جنون میں مبتلا ہو خواہ بچہ ہو یا بڑا جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ ولی یا اس کا وکیل یا گماشتہ جب باکرہ عورت سے اجازت (نکاح) طلب کرے اور وہ عورت خاموش رہے یا ہنس دے' تو اس کی خاموشی کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ اس شخص کو شادی کے لئے اپنا وکیل تسلیم کرتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر بعد میں وہ یہ کہے کہ میں راضی نہیں ہوں' لیکن وکیل نے اس کی مرضی جاننے سے پہلے شادی کر دی ہے تو یہ شادی درست ہو گی کیونکہ اس کو جب تک سبکدوشی کا علم نہ ہو وہ سبکدوش نہیں ہوتا۔

اگر کسی عورت کے دو ولی ہیں اور دونوں نے اجازت طلب کی اور وہ عورت خاموش رہی (جس کے معنی یہ ہیں کہ دونوں کو اس نے اجازت دی) لہٰذا دونوں نے دو مردوں سے اس کی شادی کر دی تو ان دونوں میں سے جس کا عقد پہلے ہوا وہ درست مانا جائے گا۔ لیکن اگر دونوں ولیوں نے ایک ساتھ ہی شادی کر دی ہے اور دونوں کو ایک ساتھ ہی اس نے اجازت دی تو دونوں عقد باطل ہوں گے۔ اگر ان میں سے ایک کو اس عورت نے جائز قرار دے دیا تو جس کے حق میں اجازت دی ہے وہ عقد درست ہو گا۔ اگر کسی عورت کی شادی ایک فضولی، (غیر متعلق شخص) نے اس عورت کی اجازت اور علم کے بغیر کر دی' خواہ وہ اس کا قریبی رشتہ دار ہو یا دُور کا' اور وہ عورت عاقل بالغ ہے اور اس نکاح کی اجازت اس نے دے دی تو نکاح درست ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے کسی مرد کی شادی اس کی اجازت کے بغیر کر دی اور اس مرد نے اسے جائز رکھا تو وہ عقد صحیح ہو گا درآنحالیکہ وہ عقد تمام شرعی شرطوں کو پورا کرتا ہو۔ اگر ہنوز اجازت نہ ہوئی تھی کہ اس مرد فضولی (بے تعلق شخص) کی وفات ہو گئی اور اس کی وفات کے بعد اس عورت یا اس مرد نے اجازت دی تب بھی عقد صحیح ہو گا۔ بخلاف معاملہ بیع کے کہ اگر ایک شخص نے مثلاً کسی کا اونٹ مالک کی اجازت کے بغیر فروخت کر دیا تو یہ صرف اس صورت میں (بعد حصولِ اجازت) درست ہو گا جبکہ وہ شخص (بیچنے والا) اور اونٹ اور خریدار زندہ ہوں۔ اگر (اونٹ وغیرہ نہ ہو بلکہ) مالِ تجارت ہو تو (منظوری کے وقت تک) اس مال کا باقی رہنا شرط ہے۔ غرض فضولی (بے تعلق شخص) کا کیا ہوا معاملہ بیع لاگو نہیں ہوتا جب تک کہ وہ شخص معہ ان اشیاء کے باقی نہ رہے لیکن نکاح میں فریقین میں سے کسی کا زندہ رہنا

Marfat.com

(صحت عقد کے لئے) کافی ہے۔

یاد رہے کہ وکیل کے اس بیان دینے سے کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے اپنی فلاں مؤکلہ کی شادی اس شخص سے کردی تھی عقد نکاح لاگو نہ ہوگا۔ درآنحالیکہ وہ عورت اس وکیل کی وکالت تسلیم کرنے سے انکاری ہو۔ یہ نکاح اس وقت تک صحیح نہ مانا جائے گا جب تک کہ گواہ قاضی (حاکم شرع) کے سامنے گواہی نہ دیں۔ اسی طرح صغیر سن لڑکے اور صغیر سن لڑکی کے اقرار سے بھی نکاح کا ہونا تسلیم نہ کیا جائے گا۔ سوا اس کے کہ قاضی اس صغیر سن کی طرف سے کوئی دعویدار کھڑا کرے جو انکار کرے اور یا گواہ نکاح کے گواہ پیش کرے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ولی کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی طرف سے اپنے ہی جیسا وکیل کسی کو بنا دے جس میں شرائط مذکورہ سابقہ پائی جاتی ہوں مثلاً مرد ہونا' لہٰذا کسی عورت کو وکیل بنانا درست نہیں ہے۔ اور بالغ ہونا' لہٰذا نابالغ کو وکیل بنانا صحیح نہیں ہے اور آزاد ہونا' لہٰذا غلام وکیل نہیں بن سکتا اور مسلمان ہونا' لہٰذا مسلمان عورت کے نکاح کا وکیل کافر کو نہیں بنایا جا سکتا۔ ہاں کافر مرد کافرہ عورت کا وکیل ہو سکتا ہے۔ اگر مسلمان کسی کافرہ سے عقد کرے تو اس سے کنارہ کشی کی جائے گی۔ اس میں ایک شرط یہ ہے کہ وکیل حالت احرام میں نہ ہو۔ لہٰذا کوئی شخص احرام حج کی حالت میں کسی کا وکیل نہیں بن سکتا۔ لیکن مرد (خاوند) کے لئے ان سب کو وکیل بنانا درست ہے بجز احرام والے اور مدہوش انسان کے۔ لہٰذا غلام' عورت' کافر یا نابالغ اس مرد کی طرف سے بطور وکیل کے عقد کو قبول کر سکتا ہے۔

اگر ایک عورت نے اپنے ولی غیر مُجبر کو (جسے اختیار جبر نہیں ہے) کہا کہ میں آپ کو وکیل بناتی ہوں کہ آپ جس سے بھی چاہیں میری شادی کر دیں تو اس ولی پر واجب ہوگا کہ جس شخص کو وہ اس عورت کے ساتھ شادی کے لئے پسند کرے عقد سے پہلے اس کی تعین کر کے عورت کو بتا دے۔ اگر اس شخص کا تعین کر کے عورت کو نہ بتایا گیا تو اس عورت کو حق ہوگا کہ وہ اس عقد کو بحال رکھے یا رد کر دے خواہ عقد کے بعد جلدی ہی اسے اس کی اطلاع ہوئی ہو یا عرصہ کے بعد ہوئی ہو۔ لیکن اگر کسی مرد نے ایک شخص کو اپنی شادی کے لئے وکیل بنایا اور جس عورت کے ساتھ شادی کرنی چاہتا ہے اس کی تعین نہیں کی اور اس کے وکیل نے کسی عورت سے شادی کر دی تو وہ عقد لاگو ہو جائے گا بشرطیکہ وہ عورت اس جیسے شخص کے لائق ہو۔

اگر عورت شادی سے انکار کرے اور خاوند دعویٰ کرے تو وکیل کا اقرار اس بارے میں بغیر حلف کے درست مانا جائے گا۔ لیکن اگر خاوند کا دعویٰ نہ ہو تو وکیل کے اقرار سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اور وہ عورت جس کے ساتھ چاہے شادی کر لے۔ اگر ایسی عورت نے جو مجبور نہیں ہے دو شخصوں کو اپنے عقد کے لئے ولی بنایا اور دونوں نے یکے بعد دیگرے اس کی شادی مختلف اشخاص کے ساتھ کر دی اور یہ علم ہے کہ پہلے کس کے ساتھ ہوئی' اور دوسری کس کے ساتھ۔ تو یہ عقد نکاح اس کے حق میں صحیح مانا جائے گا جس کے ساتھ پہلے ہوئی۔ لیکن اس کی تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ دوسرے نکاح والا خاوند اس سے لذت اندوز نہ ہوا ہو یعنی ایسی حرکات نہ کی ہوں جو مباشرت سے پہلے ہوتی ہیں۔ مثلاً پیار کرنا' گلے لگانا' ران سے ران دبانا وغیرہ جو یہ دوسرا نکاح لاگو ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اسے اس کا علم نہ ہو کہ اس کا نکاح ایک اور شخص کے ساتھ پہلے ہو چکا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ پہلے عقد والا اس سے پیشتر لذت اندوز ہوا ہو تو بے فائدہ ہوگا۔ اگر دوسرے عقد والا مطلق

Marfat.com

لذت اندوز نہیں ہوا یا پہلے کی لذت اندوزی کے بعد ہوا تو دوسرا نکاح قوی تر قول کے مطابق فسخ ہو جائے گا۔ جس طرح ایک طلاق (بائن) سے ہوتا ہے' کیونکہ یہ ایک ایسا نکاح ہے جس (کے صحیح یا غلط ہونے) میں اختلاف ہے۔ لہٰذا اگر دوسرے نکاح والے نے یہ جانتے ہوئے بھی اس سے مباشرت کی تو وہ فعل مستلزم حد نہ ہوگا۔ اور اب وہ عورت پہلے نکاح والے کے پاس عدت گزارنے کے بعد جا سکے گی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ نکاح طلاق بائن عائد ہوئے بغیر فسخ ہو جائے گا اور وہ عورت استبراء کے بعد (یعنی اتنا عرصہ انتظار کرنے کے بعد کہ اس کا حمل نہ ہونا ثابت ہو جائے) پہلے نکاح والے کے پاس جا سکے گی۔

یہ دو شرطیں ہوئیں تیسری شرط یہ ہے کہ وہ عورت پہلے نکاح والے کی عدت میں نہ ہو۔ (اس کی صورت یہ ہے کہ) اگر دو مردوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے عقد ہوا اور جس سے پہلے ہوا تھا وہ مر گیا تو یہ عورت اس کی عدت گزارے گی اور اس کی میراث کی حق دار ہوگی۔ لیکن اگر یہ دونوں عقد ایک ہی وقت میں انجام پائے تو دونوں ہی عقد طلاق عائد کئے بغیر ہی فسخ ہو جائیں گے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ولی کو حق ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا دے خواہ وہ ولی مُجبر (یعنی جبر کا مختار) ہو یا غیر مجبر (یعنی جبر کا مختار نہ) ہو۔ ولی مُجبر اپنی بجائے کسی دوسرے شخص کو اپنی زیرِ ولایت لڑکی کی شادی کے لئے اس لڑکی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر وکیل بنا سکتا ہے خواہ وکیل بنانے کے وقت (مجوزہ) خاوند کی تعین کرے یا نہ کرے اگرچہ ان ولیوں اور بیویوں کی اغراض خاوندوں کے انتخاب میں مختلف ہوں کیونکہ ولی کی شفقت اس کی متقاضی ہے لیکن وہ ایسے شخص کے سوا جس کی بصیرت یا (صحیح النظری) پر اسے اطمینان ہو کسی اور کو اپنی بجائے وکیل نہ بنائے۔ ان حالات میں وکیل پر بھی یہ لازم آتا ہے کہ وہ اس لڑکی کی شادی کفو (برابر والوں) میں اور مہرِ مثل پر کرے۔ اگر اس نے غیر کفو میں یا مہرِ مثل کا خیال کئے بغیر شادی کر دی تو عقد صحیح نہ ہوگا۔ اگر اس نے کفو میں شادی کی' درآنحالیکہ اس سے بہتر رشتہ کفو میں موجود تھا تو وکیل کو ایسا کرنا صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اصل ولی مجبر (مختار جبر) ایسا کرے تو درست ہے۔ کیونکہ اس کی نگاہ انتخاب اور اس کی شفقت پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ رہا ولی غیر مُجبر جسے اختیار جبر نہیں ہے' اسے بھی یہ حق ہے کہ وہ اپنے سوا کسی کو اپنی زیرِ ولایت لڑکی کی شادی کے لئے وکیل بنا دے اگرچہ لڑکی نے اسے وکیل بنانے کی اجازت نہ دی ہو اور اس ولی نے وکیل بنانے کے وقت خاوند کا تعین نہ کیا ہو لیکن اس کے لئے چند شرطیں ہیں۔

ایک شرط یہ ہے کہ اس عورت نے ولی کو اپنی شادی کی اجازت پہلے دے دی ہو اور اس نے وکیل بعد میں بنایا ہو۔ یہ شرط اس لئے ہے کہ ولی کا کیا ہوا عقد نکاح اس شرط پر صحیح ہوگا کہ عورت نے نکاح کرنے کی اجازت دی ہو چونکہ بغیر حصولِ اجازت اسے خود نکاح کر دینے کا حق نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اس کے لئے کسی کو وکیل نہیں بنا سکتا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس عورت نے کسی اور کو وکیلِ نکاح بنانے سے منع نہ کیا ہو اگر وہ مانع تھی تو ولی کسی دوسرے کو اپنی بجائے وکیل نہیں بنا سکتا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اگر عورت نے کسی خاص شخص کے ساتھ شادی کی تخصیص کر دی ہو مثلاً یہ کہا ہو کہ میں اس امر پر راضی ہوں کہ آپ میری شادی فلاں شخص سے کر دیں۔ ایسی صورت میں واجب ہوگا کہ ولی اپنا وکیل بنانے کے وقت

Marfat.com

اس شخص کا تعین کر دے جس کے ساتھ شادی ہوگی۔

واضح ہو کہ ولی کا وکیل عقدِ نکاح کے وقت خاوند سے کہے گا کہ میں نے فلاں عورت جو فلاں کی بیٹی ہے اس کی شادی تمہارے ساتھ کر دی اور وہ کہے گا کہ میں نے قبول کیا اور اگر عقد میں دوسری جانب خاوند کا وکیل ہو تو عورت کا ولی اس وکیل سے یوں کہے گا کہ میں نے اپنی فلاں بیٹی کی شادی کی تو خاوند کا وکیل کہے گا کہ میں نے اس کا عقد فلاں کے ساتھ قبول کیا اگر ''فلاں کے ساتھ'' کا لفظ نہ کہا تو نکاح درست نہ ہوگا خواہ اس کی نیت یہی رہی ہو' کیونکہ گواہوں کو نیت کا علم نہیں ہو سکتا۔ اور وکیل پر لازم ہے کہ وکیل اپنے وکیل ہونے کی صراحت کر دے درآنحالیکہ خاوند اور گواہوں کو اس کا علم نہ ہو۔

واضح ہو کہ وکیل بننے کی شرطیں وہی ہیں جن کا ذکر وکالت کے بیان میں کیا گیا ہے اس کے لئے اس کتاب کی جلد سوم کا مطالعہ کیجئے۔ ان شرائط میں مثلاً یہ ہے کہ وہ نابالغ نہ ہو اور مدہوش' دیوانہ اور نشہ کا عادی نہ ہو وغیرہ۔

اگر دو ولیوں نے جنہیں ولی بنایا گیا ہے عورت سے اجازت پانے کے بعد اس کی شادی دو آدمیوں سے کر دی اور دونوں رشتے کفو میں ہوئے اب اگر یہ معلوم ہو کہ ان دونوں میں سے پہلے کس کا نکاح ہوا تو وہ نکاح اس کے ساتھ مانا جائے گا۔ اگرچہ دوسرے نکاح والے کے ساتھ عورت کا تخلیہ ہو جائے۔ لیکن اگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ دونوں میں سے کس کا عقد پہلے ہوا۔ تو کہا جاتا ہے کہ وہ شادی معلق رہے گی اور دونوں میں کسی کے لئے بھی وہ عورت اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان میں سے کوئی طلاق نہ دے دے اور اس کی عدت نہ گزر جائے۔ (اس بارے میں) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ صورت حال ضرورت (کے زمرہ میں) ہے لہٰذا حاکم اس کا فیصلہ کرے گا اور (موجودہ صورت حال کی) خرابی کے پیش نظر دونوں عقدوں کو فسخ کر دے گا۔ لیکن اگر یہ صورت ہو کہ ایک نکاح کفو میں ہوا اور دوسرا غیر کفو میں تو کفو والا نکاح برقرار رکھا جائے گا۔ بشرطیکہ بیوی اور دونوں ولیوں نے عورت اور ولی کی مرضی سے کفو (کے خیال) کو نظر انداز کر دیا ہو۔ اگر کفو کا سوال نظر انداز کر دیا گیا ہو تو پھر مسئلہ کی وہی پہلی صورت ہو جائے گی۔ اگر ان دونوں میں سے ایک نے اجازت لے کر عقد کیا ہو اور دوسرے نے بدونِ اجازت کر دیا ہو تو اس کا کیا ہوا عقد صحیح مانا جائے گا جس نے اجازت لے کر عقد کیا۔ اگرچہ بے اجازت والے نے اس سے پہلے عقد کر دیا ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ولیٔ مُجبر (مختار جبر) ہو یا ولی غیر مجبر (غیر مختار جبر) اسے حق ہے کہ وہ اپنی زیر ولایت لڑکی سے پوچھے بغیر کسی اور کو اس کا نکاح کرنے کے لئے اپنا وکیل بنا دے۔ اس صورت میں ولی کے وکیل کو وہ تمام اختیارات حاصل ہو جائیں گے جو ولی کو ہیں مثلاً شادی کے لئے مجبور کرنا وغیرہ سوا اس کے کہ عورت باپ یا اس کے ولی کے اعتبار سے غیر مُجبرہ ہو بایں طور کہ وہ شوہر دیدہ اور بالغ یا نو سال کی ہو چکی ہو اور یا باپ اس کے وصی اور حاکم کے علاوہ بھی سب کے لئے غیر مُجبرہ ہو بایں طور کہ وہ غیر باکرہ ہو یا باکرہ اور بالغ ہو تو ایسی صورت میں ولی کے وکیل کو یہ حق نہ ہوگا کہ اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر شادی کر دے۔ جیسا کہ خود ولی کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اُس کی شادی کر دے۔ اگر عورت نے اپنے ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر شادی کر دے۔ جیسا کہ خود ولی کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی شادی کر دے۔ اگر عورت نے اپنے ولی کو اجازت دی کہ وہ اپنی طرف سے کسی کو اس کا وکیل بنا دے یا اس نے خود ولی کو اجازت دی کہ اس کا عقد نکاح کر دے اور ولی نے اس کے لئے کسی کو اپنا وکیل بنا دیا تب بھی

Marfat.com

وکیل کے لئے درست نہیں ہے کہ اس کی شادی کردے بغیر اس کے کہ اس سے پوچھے اور اجازت لے اور وہ راضی ہو اور وکیل کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ولی کا وکیل اس عورت سے اجازت حاصل کرے جب کہ اسے وکیل بنا دیا گیا ہو وکیل بننے سے پہلے اجازت لینا صحیح نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ وکیل بننے کی وہی شرطیں ہیں جو ولی بننے کی ہیں۔ مثلاً مرد ہونا اور بالغ ہونا وغیرہ وہ شرائط جو پہلے بتائی گئیں۔ کیونکہ ولی کا وکیل بننا ولی بننا ہے۔ لہٰذا جس میں ولی بننے کی صلاحیت نہ ہو اسے (ولی کا وکیل بن کر) ولی کا کام انجام دینا درست نہیں۔ لیکن قبولیت کے لئے فاسق شخص (بدکردار انسان) کو وکیل بنایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا خاوند کے لئے روا ہے کہ وہ اپنی طرف سے قبولیت نکاح کے لیے کسی فاسق کو وکیل بنا دے۔ اس کی طرف سے (وہ فاسق) قبولیتِ نکاح کرے تو درست ہوگا۔ اسی طرح ایک عیسائی کو بھی قبولیتِ نکاح کے لئے وکیل بنایا جاسکتا ہے۔ درآنحالیکہ نکاح کتابیہ سے ہو۔ مسلمہ سے نکاح کی صورت نہیں بنایا جاسکتا۔

ولی کو اختیار ہے کہ وہ کسی کو غیر مشروط طور پر اپنا وکیل بنا لے۔ مثلاً وہ وکیل سے کہے کہ آپ اس لڑکی کو جس کے ساتھ جی چاہے بیاہ دیں اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس کے ساتھ کوئی پابندی لگا دے۔ مثلاً یوں کہے کہ اس کی شادی فلاں شخص کے ساتھ کردیں۔ غیر مشروط وکیل ہونے کی صورت میں وکیل پر واجب ہوگا کہ اس کی شادی کفو میں کرے۔ اسے یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس لڑکی کی شادی اپنے ساتھ کرلے۔ اگر (کسی خاص شخص کے ساتھ عقد کی) قید لگائی گئی ہے تو اس کے ساتھ شادی ہوسکے گی جس کی تعین کی گئی ہے۔

اب اگر وکیل خود خاوند کے وکیل کے ساتھ عقد ازدواج میں شریک ہے تو ولی کو یوں کہنا واجب ہوگا کہ ''میں نے فلاں شخص کے ساتھ فلاں عورت کی شادی کی'' یا فلاں عورت کی شادی فلاں مرد کے ساتھ کی۔ اس میں دونوں کا نام لینا چاہئے اور (خاوند کا) وکیل کہے گا کہ میں نے اپنے فلاں مؤکل کے لئے قبول کیا۔ یا یوں کہے کہ میں یہ نکاح فلاں کے حق میں قبول کرتا ہوں۔ اگر یہ نہ کہا کہ ''فلاں کے حق میں'' لیکن اس سے پہلے اس کا ذکر ہو چکا ہو تو بقولِ صحیح اس کو کافی سمجھ کر صحیح مانا جائے گا۔

اسی طرح اگر ولی کے وکیل اور خاوند کے وکیل نے عقد نکاح کی انجام دہی کی تو لازم ہے کہ یوں کہا جائے کہ میں نے فلاں شخص کی شادی فلاں کے ساتھ کردی اور دونوں کا نام لیا جائے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

Marfat.com

ولی (نکاح) بنانے کا ثبوت

ازروئے قرآن وحدیث

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ شافعیہ اور مالکیہ اس پر متفق ہیں کہ ولی کا ہونا رکن نکاح ہے اس کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا اور حنابلہ اور حنفیہ اسے شرط قرار دیتے ہیں (رکن نہیں کہتے)۔ انہوں نے صرف ایجاب و قبول کو رکن قرار دیا ہے تاہم حنفیہ کہتے ہیں کہ چھوٹی عمر کے لڑکے یا لڑکی اور جنون زدہ مرد اور عورت کے لئے خواہ بڑی عمر کے ہوں ولی کا ہونا شرط (لازم) ہے لیکن عاقل و بالغ لڑکی کے عقد کے لئے خواہ وہ شوہر دیدہ ہو یا کنواری ہو ولی نکاح کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ عورت کو حق ہے کہ وہ جس کے ساتھ چاہے اپنا عقد نکاح کرسکتی ہے بشرطیکہ وہ اس کے کفو کا ہو۔ ایسا نہ ہو تو ولی مداخلت کر کے فسخ نکاح کرسکتا ہے۔

لوگ اس کا ثبوت حدیثوں اور قرآن کی آیتوں سے دیتے ہیں۔ اس بارے میں ایک وہ حدیث ہے جسے زہری نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''ایما امرأة نکحت بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل'' (یعنی تم میں سے جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ نکاح باطل ہے)۔ ابن ماجہ کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''لا تزوج المرأةَ المرأةَ ولا تزوج المرأةُ نفسَها'' (یعنی عورت نہ دوسری عورت کا نکاح کرے، اور نہ خود اپنا نکاح کرے)۔ یہ دو حدیثیں ان دلائل کے مقابلہ میں جنہیں جمہور، ولی کے لازم ہونے کی بابت پیش کرتے ہیں سب سے زیادہ قوی ہیں یعنی یہ کہ عورت کا نکاح بغیر ولی کے نہیں ہوسکتا۔ لیکن حنفیہ پہلی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت پر اعتراضات ہیں کیونکہ زہری سے خود جب اس بابت سوال کیا گیا تو انہوں نے اس سے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ لیکن اس کا جواب بھی یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث کے راوی سلیمان بن موسیٰ قابل وثوق ہیں تو زہری کے نہ جاننے سے کوئی حرج نہیں ہوتا۔ لیکن اس خیال کی کمزوری ظاہر ہے کیونکہ جہاں سے یہ بات نکلی یعنی جس نے اسے روایت کیا ہے اگر وہ خود ہی اس سے لاعلمی کا اظہار کرتا اور روایت سے انکار کرتا ہے تو اس سے وہ بات یقیناً کمزور پڑ جائے گی۔ مزید برآں حنفیہ کہتے ہیں کہ تمام ایسی حدیثیں جن سے بظاہر عقد نکاح کے لئے ولی کی شرط پائی جاتی ہے وہ سب صغیر سن لڑکیوں کے لئے خاص ہیں جنہیں تصرف کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس کی تائید دین کے عام قاعدہ سے ہوتی ہے۔ نکاح بھی خرید و فروخت کی

Marfat.com

طرح کا ایک معاملہ ہے اور یہ معلوم ہے کہ عورت اگر رشیدہ (یعنی سُو جھ بُو جھ والی) ہے تو وہ اپنے معاملات خرید وفروخت میں بالکل آزاد ہے۔ اس پر اپنے عقد نکاح کے بارے میں جو آزادی کا متقاضی ہے اور جس کے ساتھ (زندگی کے) اہم امور وابستہ ہیں کس طرح پابندی لگائی جاسکتی ہے؟ لہٰذا واجب ہے کہ عقد نکاح کو عقد بیع پر قیاس کیا جائے اور اگر اس قیاس کے خلاف کوئی روایت آئی ہو تو اس کو (خاص صورتوں کے لئے) مخصوص کرنا واجب ہے۔ یہ ایک بنیادی قاعدہ ہے۔ پس حضور کا یہ ارشاد کہ ''کوئی عورت کسی عورت کی شادی نہیں کرسکتی'' کا مطلب یہ ہے کہ بڑی عورت صغیر سن لڑکی کی شادی (بطور ولی کے) نہیں کرسکتی درآنحالیکہ ایسا قریبی رشتہ دار موجود ہو جو اس عورت پر فوقیت رکھتا ہو اور یہ جو ارشاد ہوا کہ ''عورت خود اپنا نکاح نہ کرے'' اس کے معنی بھی یہ ہیں کہ کوئی نابالغ عورت بغیر ولی کے اپنا نکاح خود نہ کرے پس یہاں مراد مرأۃ (عورت) سے صغیر سن مونث ہے۔ اگر چہ عورت کا لفظ عام ہے' چھوٹی عمر کی ہو یا بڑی عمر کی لیکن یہاں پر صغیر سن کے لئے مخصوص ہے کیونکہ پوری عمر والی عورت کے بارے میں تو سب کو معلوم ہے کہ اسے تمام معاملات مثلاً بیع میں تصرف کا حق ہے۔ پس عقد نکاح کو بھی بیع پر قیاس کیا جائے گا اور اصول کے مطابق ایسا کرنا جائز ہے۔ لیکن جمہور نکاح اور بیع میں فرق کے قائل ہیں۔ کیونکہ عورت کو مردوں سے ملنے جلنے پر کوئی پابندی عائد نہیں ہے۔ لہٰذا بہت ممکن ہے کہ غیر کفو کا آدمی اسے فریب دے اور وہ (اس کے دھوکے میں آکر) ایسے شخص سے شادی کرلے جس سے وہ کسی اور قبیلہ میں چلی جائے اور اس طرح کی خرابی پیدا ہو کہ اس کی دنیوی خوش بختی پر وبال آجائے۔ لہٰذا عقد نکاح کے بارے میں اس پر پابندی عائد کرنا درست ہے۔ دُوسرے معاملات میں درست نہیں ہے۔ کیونکہ مثلاً خرید وفروخت کا معاملہ ہے جس میں ایسی کوئی خرابی جو بیان کی جاتی ہے نہیں پیدا ہوسکتی۔ احناف نے اس بات کا جواب دو طرح سے دیا ہے۔

پہلا جواب یہ ہے کہ عقد نکاح میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ شادی کفو میں ہونی چاہئے جیسا کہ آگے بتایا جارہا ہے لہٰذا اگر کوئی عورت کفو سے باہر شادی کرلیتی ہے تو اس کے ولیوں کو حق ہے کہ اس شادی پر اعتراض کریں اور اس کو برقرار نہ رہنے دیں اور فسخ کردیں۔ ایسی صورت میں انہیں اس رشتہ سے ایسا نقصان جو نہ ہونا چاہئے نہ پہنچ سکے گا بلکہ معاملہ کی ڈور انکے ہاتھوں میں رہے گی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ عورت عقلمند اور معاملہ فہم ہے اور اس پر کوئی پابندی نہیں ہے لہٰذا اسے حق ہے کہ وہ اپنے معاملات خرید وفروخت کو بلا روک ٹوک کے انجام دے اگر یہ کہا

Marfat.com

جائے کہ اسے ہم مرتبہ خاوند کے انتخاب میں دھوکا دیا جا سکتا ہے تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسے کسی اہم مال کے سودے میں غیر کفو میں شادی سے زیادہ دھوکہ دیا جا سکتا ہے جس میں بہت نقصان ہو کیونکہ اگر وہ شادی غیر کفو کی نکلے تو قاضی دونوں میں علیحدگی کرادے اور بات ختم ہو جائے گی لیکن اگر اس نے کوئی گرانقدر شے فروخت کی اور اس میں اسے بہت بڑا نقصان دیا گیا اور وہ مال کسی مفلس کے ہاتھ پڑ کر تلف ہو گیا (یعنی اب واپس بھی نہیں آ سکتا) تو یہ مال اس کے ہاتھ سے جاتا رہا اور اس بیع سے جو نقصان ہوا اس کی تلافی ممکن نہ ہو گی لہٰذا حنفیہ نے معاملہ بیع پر قیاس کرتے ہوئے احادیث کے مفہوم کو جو چھوٹی لڑکی کے لئے مخصوص کیا ہے وہ صحیح ہے لہٰذا اس پر اعتراض وارد نہیں ہوتا جو عام طور پر کیا جاتا ہے۔

قرآن حکیم سے ولی نکاح کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے "فلا تعضلو هن ان ینکحن ازواجهن اذا تراضوا بینهم بالمعروف" (یعنی تم عورتوں کو اس امر سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے جوڑوں کے ساتھ باہمی رضامندی سے دستور کے مطابق نکاح کر لیں) اس آیت سے اس طرح استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عورتوں کے ولیوں سے خطاب فرماتا ہے اور انہیں اس امر سے کہ وہ حسب پسند خاوندوں سے اپنا نکاح کر لیں منع کرتا ہے اگر ولیوں کو یہ اختیار نہ ہوتا کہ وہ انہیں نکاح کرنے سے منع کر سکیں تو اس طرح خطاب نہ فرماتا۔ کیونکہ اس صورت میں عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے یہ فرماتا کہ اگر تمہیں شادی سے منع کیا جائے تو تم خود اپنی شادی کر لو۔

امام شافی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ (نکاح کے لئے) ولی کے لازم ہونے کا سب سے زیادہ صریح ثبوت ہے۔ لیکن حنفیہ نے اس کا جواب دو طرح سے دیا ہے' ایک تو یہ کہ وہ اس سے انکار کرتے ہیں کہ اس آیت میں ولیوں کو خطاب ہے' بلکہ احتمال یہ ہے کہ ان خاوندوں کو خطاب ہے جو اپنی بیویوں کو طلاق دے چکے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ خطاب تمام مسلمانوں کو ہو۔

پہلا احتمال ظاہر ہے کیونکہ آیت کریمہ کے الفاظ سے یہی مفہوم نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے ارشاد فرمایا ہے جو اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں کہ جب تم نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی تو اب ان پر ظلم کرنے کے ذریعے استعمال نہ کرو کہ تمہارے بعد کسی اور سے نکاح نہ کر سکیں۔ بایں طور کہ انہیں یا ان کے لوگوں کو جو ان (مطلقہ عورتوں) سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تم اپنی طاقت' عہدہ' اختیار اور اثر کے بل بوتے پر دھمکی دو یا پھر اس عورت کی برائیاں اچھالو اور خوبیوں پر پردہ ڈالو جس کے باعث رشتہ مانگنے والے اس سے متنفر ہو جائیں یا اس کے علاوہ کسی اور طریقہ سے ان (عورتوں) پر یا ان کے خواستگاروں پر دباؤ ڈالو۔ مثلاً

Marfat.com

یوں کہ اگر ان عورتوں کا کوئی حق تم پر ہے تو اس سے انکار کر دو وغیرہ۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ اے مسلمانو! اگر تمہاری عورتوں کو طلاق ہو جائے اور وہ بے شوہر کے ہو جائیں اور ان کی عدت گزر جائے تو یہ ٹھیک بات نہیں ہے کہ تم ان کی شادی کی راہ میں روڑے اٹکاؤ اور انہیں شادی نہ کرنے دو۔ خواہ یہ رکاوٹ کسی قریبی رشتہ دار کی طرف سے ہو یا کسی عہدہ دار یا با اثر شخص کی جانب سے۔ پس اے مسلمانو! تم پر یہ فرض کفایہ عائد ہوتا ہے کہ تم لوگوں کو اس سے منع کرو اور جو ایسا کرے اسے روکو اور باز رکھو ورنہ تم بھی ان لوگوں کے ساتھ گناہ میں شریک ہو جاؤ گے کیونکہ عورتوں کو نکاح سے روکنا منع ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور امر ممنوع سے روکنا مسلمانوں پر فرض ہے اور ایسی صورتِ حال کا دور کرنا ہر شخص کے لئے جس سے بن پڑے ضروری ہے خواہ اختیار کو کام میں لا کر یا کسی اور طرح سے۔

اس میں جو مذکور ہوا اور اس روایت میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ جس کو بخاری نے روایت کیا ہے کہ یہ آیت معقل بن یسار کے بارے میں ہے جنہوں نے اپنی بہن کا نکاح کسی شخص سے کر دیا تھا اور اس کے خاوند نے طلاق دے دی اور اس نے دوبارہ رجوع کرنا چاہا تو اس کو دوبارہ خاوند کے پاس جانے سے منع کیا۔ حالانکہ وہ خود بھی یہی چاہتی تھیں۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو معقل نے اپنی بہن کا عقد دوبارہ اسی سے کر دیا۔ ہر چند کہ اس امر میں احتمال ہے کہ معقل کے واقعہ کو اس آیت کے نزول کے ساتھ تعلق ہو لیکن آیت بذات خود عام مفہوم رکھتی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ (خاص واقعہ کے لئے عام حکم کی) ایسی ہی نظیر وہ تفسیر ہے جو مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی کی ہے "یا ایھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا" سورۃ الحجرات (یعنی اے مسلمانو! جب کوئی گنہگار آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو) اس کی بابت امام فخر الدین رازی شافعی نے فرمایا کہ اس آیت میں عام حکم ہے لیکن اس کو ولید کے مشہور واقعہ سے نسبت ہے۔ قطع نظر اس کے اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ آیت خاص طور پر معقل کی بہن سے تعلق رکھتی ہے تاہم اس میں ہر اس شخص کو خطاب ہے جو عورتوں کو نکاح سے منع کرے۔ خواہ وہ اس عورت کا ولی ہو یا کوئی اور۔ لہٰذا یہ آیت ولی کے لئے مخصوص نہ ہوئی اور اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت معقل اور دوسرے اشخاص خاص کر عورت کے رشتہ داروں کے لئے ہے، لیکن آیت میں کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ ان لوگوں کو اس عورت پر حق ولایت حاصل ہے۔ بلکہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص بھی عورتوں کو نکاح سے باز رکھتا ہے وہ گنہگار ہے۔ اسے ایسا کرنے کا حق نہیں ہے اور یہ لازم نہیں ہے کہ ممانعت کا یہ حق ولی ہونے کی بنا پر ہو بلکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے

Marfat.com

کہ یہ ممانعت اس بنا پر ہے کہ عورتیں بے بس ہیں اور اپنا حق استعمال نہیں کر سکتیں کیونکہ عورت فطری طور پر اپنے کفیل یا قریبی رشتہ داروں، باپ بھائی پر بھروسا کرتی ہے بایں طور کہ وہ اپنی مرضی کو ان کی مرضی میں فنا کر دی ہے۔ اونچے درجہ کی بے بس عورت پر خاص کر اس بارے میں شرم غالب رہتی ہے اور وہ اپنے کفیلوں اور رشتہ داروں پر اپنا کوئی حق نہیں سمجھتی جس کے باعث وہ اپنا حق استعمال کرنے سے معذور ہوتی ہے اور بادل نخواستہ ان کے حق میں اپنے حق سے دست بردار ہو جاتی ہے۔ پس اس آیت شریفہ کا یہ منشاء ہے کہ مردوں کو چاہئے کہ ان کی کمزوری سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں اور انہیں اپنے اس قدرتی حق سے محروم نہ رکھیں کہ وہ اپنے کفو میں جہاں چاہیں اپنی شادی کر لیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اس بارے میں آزاد ہے کہ وہ اپنے کفو میں جہاں جی چاہے شادی کر لے کیونکہ اسے شادی کرنے سے باز رکھنے کی جو ممانعت آئی ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے اس اختیار کے استعمال کرنے میں آزاد ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **لا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن** اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ عورت کا عقد کر لینا درست ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے **ان ينكحن** فرمایا ہے یعنی **يتزوجهن بعبارتهن** (یعنی وہ اپنے لئے خاوندوں سے اپنی عبارت میں یا اپنے الفاظ نکاح میں عقد کر لیں) اگر اس بارے میں عورتوں کی عبادت سودمند نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا **فلا تعضلوهن ان تنكحوهن ازواجهن** (یعنی اس امر سے انہیں منع نہ کرو کہ تم ان کے نئے خاوندوں سے ان کی شادی کر دو)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر یہ خطاب خاص اقرباء کے لئے ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اے رشتہ دارو! عورتوں کی کفالت کا حق اور ان کی کمزوری کو آلہ کار بنا کر انہیں اپنے کفو میں خاوند کے انتخاب اور اپنی شادی کر لینے کے فطری حق سے محروم نہ کرو کہ ان پر اپنا حکم چلا کر ان کو اپنا حق استعمال کرنے سے باز رکھو۔ اس آیت میں کوئی ایسی بات نہیں جو اس امر کی دلیل ہو کہ اس بارے میں اقرباء کو خطاب ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان ہی کو اس بارے میں حق پہنچتا ہے (کہ شادی سے روک دیں) عورتوں کو حق نہیں ہے (کہ خود شادی کر لیں)۔

کہا جاتا ہے کہ اگر خاوند کے انتخاب اور عقد نکاح کا عورت کو حق ہے تو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے یوں کیوں نہ فرمایا کہ تم خود اپنی شادی کر لو اور اپنا حق استعمال کرو۔ پس چونکہ ارشاد **فلا تعضلوهن** میں اقرباء کو خطاب ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان ہی کو اس بارے میں حق پہنچتا ہے (کہ شادی سے روک دیں) عورتوں کو حق نہیں ہے (کہ خود شادی کر لیں)۔

Marfat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح ولیوں کو خطاب کرنے میں ایک اہم نکتہ اور وہ اس امر کی اہمیت کو پیش نظر رکھتا ہے کہ ان عورتوں اور ان کے کفیل متعلقین کے درمیان جو رابطہ ہے اس کا احترام ملحوظ رہے۔ پس اگر کوئی عورت اپنے باپ بھائی وغیرہ کی پاسداری اور احترام کی خاطر اس ڈر سے کہ مبادا قرابت داری میں کوئی ناخوشگواری پیش آئے' اپنے حق کو نظر انداز کر دے تو اسے اللہ تعالیٰ نے بھی ایک اچھی بات قرار دیا ہے۔ ایسی حالت میں یہ مناسب نہ ہوتا کہ عورتوں کو یوں کہا جاتا کہ تم اپنا حق استعمال کرو اپنے ولیوں کی اطاعت سے باہر ہو جاؤ کہ باہمی رابطہ یگانگت ٹوٹ جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ بلاغت کا کمال اور بیان کی خوبی اسی میں تھی کہ ولیوں کو خطاب کر کے کہا جاتا کہ اس حالت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ اور عورتوں کے حقوق سلب کرنے کی کوشش نہ کرو۔ ان دونوں طرح سے خطاب کرنے کی غایت اور نتیجہ ایک ہی ہے اور دونوں توجیہات کا مقصد یہ ہے کہ عورت کو اس جگہ شادی کرنے سے منع نہ کیا جائے جہاں وہ چاہتی ہو' بشرطیکہ وہ اچھے کفو میں ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں خیالات کو مختلف زمان و مکان میں (انسان کی) اجتماعی زندگی سے ایک گہرا تعلق ہے۔ چنانچہ جو اصحاب عقد ازدواج کے بارے میں عورت (کے اختیار) پر پابندی عائد کرنا چاہتے ہیں وہ یہ دیکھتے ہیں کہ جب بھی ان کی اصلاح کے بارے میں غور کیا جائے گا تو یہ صاف نظر آئے گا کہ ان میں ایک فطری کمزوری ہے۔ اور وہ ان کا مردوں کے سامنے عاجز ہونا اور ان سے متاثر ہونا ہے۔ عورت (ان کے سامنے) اپنی عظمت' شان اور فضیلت کو بھول جاتی ہے اور ایسے کے پیچھے لگ جاتی ہے جو اس کی جوتی کے تسمے کے برابر بھی نہیں ہوتا۔ بعض اوقات اس کی نرم مزاجی اسے اپنے ہی ملازم بلکہ اس سے بھی کم درجہ کے شخص کی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس کا نقصان صرف عورت ہی کو نہیں پہنچتا بلکہ پورے خاندان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ کیونکہ اہل خاندان ایک اجنبی عنصر کو جو حسب و نسب میں ان کے برابر نہیں ہوتا' اپنے زمرہ میں شامل کرنا باعث عار سمجھتے ہیں۔ اور بسا اوقات اس کے نتائج نہایت افسوسناک ہوتے ہیں لہٰذا واجب ہو جاتا ہے کہ شادی کے بارے میں عورت کے اختیار کا معاملہ ایسے ولیوں کے سپرد کر دیا جائے جو ایسا طرز عمل اختیار کرنے کے قابل ہوں جس میں اس عورت کا بھی بھلا ہو اور خاندان کا بھی اور وہ عورت خراب ہونے سے بچ جائے اور اس کا احترام باقی رہے۔ باوجود اس کے بعض حالات میں عورت کی رضامندی کا حاصل کرنا' قبل اس کے کہ اس کا ولی شادی کا عزم کرے ضروری ہوگا۔ اس کے علاوہ کبھی یہ صورت حال ایک معمولی سی مہربانی کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے

Marfat.com

جس کا اثر مختلف ذریعوں سے ایک عورت پر پڑنا ممکن ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں بدبختی اور تباہی اس کے حصہ میں آتی اور خاندان برباد ہو جاتا ہے اور اس کی عظمت زائل ہو جاتی ہے۔

حنفیہ جو عاقل بالغ عورت پر پابندی عائد کرنے کے حق میں نہیں ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ (احکام) دین اسلام کے قاعدوں کی بنیاد دو امور کو متقاضی ہے۔

اول یہ کہ ہر ذی عقل معاملہ فہم شخص کو خواہ مرد ہو یا عورت اپنے معاملات کی انجام دہی میں آزاد تسلیم کیا جائے۔

دوم یہ کہ ان امور کی انجام دہی میں جن خرابیوں کے پیش آنے کا امکان ہو اسے دور کیا جائے۔ انسان کی اجتماعی زندگی کے لئے ان دونوں امور کو ملحوظ رکھنا لازمی اور ناگزیر ہے۔ پس رشیدہ (معاملہ فہم) عورت پر اس کی شادی کے بارے میں پابندی عائد کرنا اسلام کے عام قاعدے کے منافی ہے۔ اگرچہ اس کی شادی کے معاملہ کو ولی کی رضامندی کا پابند کر دیا جائے تو یہ پابندی بلاسبب ہو گی خاص کر ایسی صورت میں جبکہ باکرہ عورت سمجھدار ہو اور اس سے مطلقاً رائے نہ لی جائے اور اس کی شادی کر دی جائے۔ یہ امر کسی معاملہ میں بھی اصول دین کے مطابق نہیں ہے بالخصوص اس حالت میں جب کہ اس کا ولی باپ یا اس کے حقیقی بھائی کے سوا کوئی اور شخص ہو جسے اس عورت سے نہ قرابت ہو اور نہ قربت حاصل ہو تو یہ ولایت نقصان دہ ہو گی اور وہ شخص اس عورت کے خلاف عمل کرے گا اور اس کی راہ میں حائل ہو کر کفو کے اندر موزوں رشتہ ملنے سے اسے محروم کر دے گا۔ ادھر ایک عورت کے لئے یہ آسان نہیں ہے کہ حاکم کے پاس استغاثہ کرے اور اس شخص پر عضل (شادی میں رکاوٹ ڈالنے) کا الزام ثابت کر سکے۔ بلکہ بسا اوقات منگنی کے توڑے جانے اور حاکم سے شکایت کرنے سے خاندانی عداوت تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور اس سے جو تباہی ہوتی ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے اور ایسے حالات اس کثرت سے وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ اسلامی شریعت جو اپنی خوبی اور جزورسی کے باعث مشہور ہے اسے نظر انداز نہیں کر سکتی اس لئے واجب ہے کہ ایک عورت کی شادی کے معاملہ کو اسی کی ذات کے ساتھ وابستہ رکھا جائے بشرطیکہ وہ اس پر دانشمندوں کی طرح عمل پیرا ہو اور برے راستے پر پڑ کر غیر کفو کے قبضہ میں نہ چلی جائے اگر ایسا کیا تو وہ پابندی لگائے جانے کے لائق ہو گی اور اس کے ولی کو اس شادی پر اعتراض کرنے اور اسے فسخ کر دینے کا حق ہو گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ عورت کو حق ہے کہ وہ عقد نکاح کی انجام دہی کے لئے جسے چاہے اپنا وکیل بنا دے پس اگر اس کا باپ، بھائی یا ایسا ہی کوئی قریبی رشتہ دار ہے جو اس کے لئے زحمت اٹھائے اور اسے راحت پہنچانے میں کوشاں ہو اور اس کی خوش

Marfat.com

بختی کا خواہشمند ہو تو عورت کے لئے مناسب اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ وہ اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دے اور اسے اختیار دے دے کہ وہ جس طرح پسند کرے اس کی شادی کا معاملہ انجام دے۔ وہ ولی کی مرضی سے باہر نہ جائے اور ایسی بات پر مجبور نہ کرے۔ جس سے کوئی فائدہ اسے نہ پہنچے بلکہ اس ولی کی مہربانی سے محرومی کے باعث خود اس کے لئے نقصان دہ ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی میں دونوں طرح کے خیالات کا پیش آنا' ناگزیر ہے اور (احکام) شریعت اسلامیہ کے سمجھنے اور حالات کے ساتھ باہمی مطابقت کے لئے ائمہ فقہاء رضوان اللہ علیھم کے نقطہ ہائے نظر کا یہ اختلاف اس امر کی دلیل ہے کہ فی الواقع شریعت اسلامیہ کی ایک ابدی حیثیت ہے جو ہر ظرف و حال کے لئے موزوں ہے اور اس کی حدود میں نہ کسی فرد یا جماعت پر زیادتی ہوتی ہے اور نہ کسی کو اذیت پہنچتی ہے لہٰذا اگر ان دونوں خیالات میں سے کسی پر عمل کی صورت میں کسی وقت یا کسی عہد میں بھی کوئی دشواری کسی کو پیش آئے تو دوسرے خیال کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ پس دونوں ہی راہیں پسندیدہ اور اس پر عمل کرنا بہتر اور عقلمندی ہے اور اللہ ہی ہے جو صراط مستقیم کی رہنمائی فرماتا ہے۔ واضح ہو کہ دلائل شرعیہ کے تحقیقی مباحث کا یہ ایک نمونہ ہے۔ انشاء اللہ مسائل عمومی کی تحقیق میں اسی نہج کی پیروی کی جائے گی۔ اگر تمام مسائل میں یہی طریقہ جاری رکھا جائے تو گفتگو بہت طویل ہو جائے گی اور جیسا کہ ظاہر ہے اصل مقصد سے ہٹ جانا پڑے گا۔

مسائل متعلقہ ولی کا خلاصہ

(1) مالکیہ' شافعیہ اور حنابلہ اس بات پر متفق ہیں کہ عقد نکاح میں ولی کا ہونا ضروری ہے لہٰذا ہر وہ نکاح جو ولی یا اس کے قائم مقام کے بغیر ہو وہ باطل ہے۔ پس کسی عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی حال میں بھی خود اپنا عقد نکاح کر لے خواہ وہ پوری عمر کی ہو یا صغیر سن ہو۔ ذی عقل ہو یا جنون زدہ ہو۔ البتہ شوہر دیدہ (غیر باکرہ) ہے تو اس کی شادی اس کی رضامندی اور اجازت کے بغیر کے مناسب نہیں ہے۔

حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ ولی کا ہونا صغیر سن لڑکی یا دیوانی بالغ عورت کے لئے ضروری ہے۔ لیکن بالغ عاقل عورت خواہ باکرہ ہو یا شوہر دیدہ (غیر باکرہ) اسے حق ہے کہ وہ جس سے چاہے خود اپنا نکاح کر لے اب اگر اس نے کفو میں شادی کی ہے تو خیر۔ ورنہ اس کے ولی کو اعتراض کرنے اور نکاح فسخ کرنے کا حق ہے۔

Marfat.com

(2) جو اصحاب (نکاح کے لئے) ولی کا ہونا ضروری کہتے ہیں انہوں نے ولی کی دو قسمیں بتائی ہیں: ولی مجبر (وہ ولی جو جبراً شادی کرسکتا ہے) اور ولی غیر مجبر (جسے یہ اختیار نہیں ہے) اب شافعہ اور حنابلہ تو اس پر متفق ہیں کہ ولی مجبر' باپ اور دادا ہوسکتا ہے۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے' وہ کہتے ہیں کہ ولیٔ مجبر صرف باپ ہے۔ پھر مالکیہ اور حنابلہ اس بارے میں متفق ہیں کہ باپ نکاح کے لئے جس کو اپنا وصی (یا نمائندہ) بنادے وہ بھی باپ کی طرح ولیٔ مجبر ہوتا ہے' بخلاف شافعیہ کے ان کے ہاں باپ کے وصی کا ذکر نہیں ہے۔ حنابلہ نے یہ اور اضافہ کیا ہے کہ بوقت ضرورت حاکم بھی ولیٔ مجبر ہوسکتا ہے۔

(3) جو اصحاب اس بات کے قائل ہیں کہ ولی عقد نکاح پر مجبور ہوسکتا ہے وہ سب اس امر پر متفق ہیں کہ صاحب اختیار ولی باکرہ بالغ عورت کی شادی اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر جبراً کرسکتا ہے لیکن ان شرائط کے بارے میں باہم اختلاف ہے جن کے تحت مجبور لڑکی کو اس کی اجازت کے بغیر شادی کرنا صحیح ہے۔ یہ شرائط سابقاً بتائی جاچکی ہے۔

(4) ان اصحاب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شوہر دیدہ عورت پر جس کی بکارت نکاح کی وجہ سے زائل ہوچکی ہو جبر نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم اس کے عقد نکاح کردینے کا حق ولی کو ہے اگر وہ ولی کے بغیر شادی کرلے تو وہ باطل ہوگی۔ پس غیر باکرہ اور ولی دونوں شادی کی انجام دہی میں شامل ہوں گے۔ عورت کو یہ حق ہوگا کہ وہ صریح الفاظ میں شادی پر رضامندی کا اظہار کرے اور ولی کو یہ حق ہے کہ وہ اس کی شادی کا کام انجام دے۔ یہ احکام اس صورت میں ہیں جبکہ وہ عورت بڑی اور بالغہ ہو لیکن اگر وہ غیر باکرہ لیکن صغیر سن ہے تو وہ بالغ باکرہ عورت کے زمرہ میں شامل متصور ہوگی اور ولی مجبر (یا ولی مختار) بالغ ہونے سے پہلے اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اس کی شادی کرسکتا ہے۔ حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے' وہ کہتے ہیں کہ صرف اس ''غیر باکرہ'' صغیر سن لڑکی کی شادی جبراً کی جاسکتی ہے جو نو سال سے کم کی ہو اگر نو سال کی ہو جائے تو اسے پوری عورت شمار کیا جائے گا اور جبراً اس کی شادی نہیں کی جاسکتی۔

(5) مالکیہ' شافعیہ اور حنابلہ اس امر پر متفق ہیں کہ اگرچہ عقد کی انجام دہی ولی ''غیر مجبر'' (غیر مختار ولی) پر انحصار رکھتی ہے' لیکن اسے یہ حق نہیں ہے کہ اپنی زیر ولایت لڑکی کی شادی اس کی اجازت اور صریح رضامندی کے بغیر کردے درآنحالیکہ وہ بالغ اور فی الوقت غیر باکرہ ہو یا غیر باکرہ کے ضمن میں ہو۔ یہ حکم پوری عورت کے بارے میں ہے۔ صغیر سن کے بارے میں سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر وہ نو سال سے کم کی ہو تو ولی غیر مجبر (غیر مختار) کے لئے کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے کہ اس کی شادی کرے۔ اس کے بعد

Marfat.com

مزید اختلاف یہ ہے کہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر وہ لڑکی دس سال کی ہو جائے اور شادی نہ ہونے میں خرابی کا اندیشہ ہو تو ولی کو اختیار ہے کہ اس کی اجازت سے اس کی شادی کر دے۔ اب آیا اس کی رضامندی صریح الفاظ میں ضروری ہے یا خاموشی کافی ہے؟ اس بارے میں دو راہیں ہیں اور دونوں میں قابل ترجیح دوسری رائے ہے (یعنی خاموشی کو رضامندی تسلیم کیا جائے گا) تاہم ولی پر واجب ہے کہ وہ اس بارے میں قاضی (حاکم شرع) سے مشورہ کر لے۔

بعض اصحاب نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اگر خرابی کا اندیشہ ہو تو (شادی کر دینے کے لئے) یہ شرط نہ ہوگی کہ وہ دس سال کی ہو جائے بلکہ اس کی شادی جبراً کر دی جائے گی خواہ وہ راضی نہ ہو جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ باپ یا دادا کے سوا کسی بھی ولی کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ چھوٹی عمر کی لڑکی کی، جو بلوغ کو نہیں پہنچی شادی کر دے۔ اگر باپ یا دادا نہ ہوں اور لڑکی کو چھوٹی عمر میں چھوڑ جائیں، تو کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص اس کی شادی کرے، خواہ لڑکی غیر باکرہ ہو یا باکرہ، بشرطیکہ وہ ذی عقل ہو کیونکہ ولی غیر مجبر (غیر مختار ولی) صغیر سن لڑکی کی شادی اس کی اجازت ہی سے کر سکتا ہے، اور صغیر سن کو اجازت کا اختیار نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ جنون زدہ ہے تو اس صورت میں حاکم کو اختیار ہے کہ اگر وہ بالغ ہو جائے اور شادی ضروری ہو تو اس کی شادی کر دے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ لڑکی اگر نو سال کی ہو جائے تو اسے بڑی اور ذی عقل شمار کیا جائے گا اور ولی غیر مُجبر (غیر مختار ولی) کو حق ہے کہ وہ اس کی اجازت اور رضامندی سے اس کی شادی کر دے اگر نو سال سے کم ہو اور شادی ضروری ہو جائے تو حاکم کو اس کی شادی کر دینے کا حق ہے۔

(6) شافعیہ اور حنابلہ اس پر متفق ہیں کہ غیر مجبر اولیاء میں (یعنی جن کو جبراً شادی کا اختیار نہیں ہے) سب سے زیادہ حقدار باپ اس کے بعد دادا ہے۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ ولی بننے کا سب سے زیادہ حقدار بیٹا ہے خواہ وہ ناجائز اولاد ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی عورت کی شادی باقاعدہ ہوگئی اور پھر وہ بیوہ ہوگئی بعد میں ناجائز طور پر اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس بیٹے کو بھی ولی بننے کا حق اس لڑکی کے باپ اور دادا سے زیادہ ہے۔ لیکن اگر باقاعدہ شادی سے پہلے کوئی ناجائز اولاد ہو تو اس لڑکے کو اس عورت کے باپ پر فوقیت حاصل نہ ہوگی کیونکہ شافعیہ کے نزدیک زنا سے عورت کا کنوارپنا ضائع نہیں ہوتا لہٰذا (وہ باکرہ ہی تصور کی جائے گی اور) باپ اس کا ولی مُجبر (مختار جبر) ہوگا۔ ہاں ولی غیر مجبر (ولی غ

Marfat.com

مختار) کے باب میں کلام ہے۔اس بارے میں حنفیہ شافعہ سے متفق ہیں کہ نکاح کے لئے بیٹا' باپ سے زیادہ ولی بننے کا حقدار ہے۔شافعیہ اور حنابلہ کو اختلاف ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ولی بننے کا سب سے زیادہ حق دار باپ ہے پھر دادا لیکن حنابلہ کہتے ہیں کہ بیٹا ولی بننے کے لئے دادا سے زیادہ قرینِ حق ہے اور شافعیہ کہتے ہیں کہ بیٹا اپنی ماں کے نکاح میں مطلقاً ولی نہیں بن سکتا۔

(7) شافعیہ' حنابلہ اور حنفیہ اس امر میں متفق ہیں کہ ولی قریب کی موجودگی میں جو تمام شرائط پوری کرتا ہو دور کے رشتہ دار ولی یا حاکم کا عقد کر دینا صحیح نہیں ہے۔مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے۔وہ کہتے ہیں کہ حقدار ولیوں کے درمیان درجہ کا ملحوظ رکھنا مستحب ہے واجب نہیں ہے۔پس اگر کسی عورت کا باپ بھی ہے اور بیٹا بھی اور باپ اس کا عقد کر دے تو وہ عقد درست ہوگا اگرچہ حق ولایت کے اعتبار سے اس کا درجہ بیٹے کے بعد ہے۔اسی طرح اگر اس کا حقیقی بھائی اور غیر حقیقی (سوتیلا بھائی) ہے اور سگے بھائی کی موجودگی میں سوتیلے بھائی نے شادی کر دی تو عقد صحیح ہوگا۔اگر عورت اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کے ولی ہونے پر راضی نہ ہو اور حاکم اس کی شادی کر دے تو درست ہے' کیونکہ حاکم کا شمار بھی ولیوں میں ہے۔اگر عورت نے ولایت عمومی کے پیش نظر (کہ ہر مسلمان کو ولی بننے کا حق ہے) اصلی ولی کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کو (عقد نکاح کا) اپنا ولی بنا تو ایسا کرنا درست ہوگا بشرطیکہ وہ عورت ادنیٰ طبقہ کی ہو ورنہ درست نہ ہوگا۔یہ مسائل غیر مجبر کے متعلق ہیں باقی ولی مجبر کے بارے میں ان اصحاب کے نزدیک ولی کا ہونا ضروری ہے۔

(8) شافعیہ' مالکیہ اور حنابلہ اس امر پر متفق ہیں کہ نکاح کا ولی بننے کے لئے مرد ہونا ضروری ہے۔عورت کا ولی بننا کسی حال میں صحیح نہیں ہے۔حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ عورت صغیر سن لڑکی اور لڑکے اور بالغ دیوانی عورت کی بحالت جنون ولی ہو سکتی ہے۔درآں حال کہ کوئی مرد نہ ہو۔مالکیہ کہتے ہیں کہ کسی عورت کو ولیہ اسی حالت میں کہا جا سکتا ہے جبکہ (ولی بننے کے لئے) وصیت کی گئی ہو یا وہ عورت اس عورت کی مالکہ ہو جس کی شادی مقصود ہے اور یا اس کی آزاد کرنے والی ہو۔یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ کفالت کرنے والی عورت بھی (زیر کفالت عورت کی) ولیہ بن سکتی ہے لیکن (بطور ولی) کے اس کا عقد نہیں کر سکتی۔اسے چاہئے کہ وہ اپنی طرف سے کسی مرد کو نکاح کا وکیل بنا دے۔

(9) اس پر (تین ائمہ کا) اتفاق ہے کہ فاسق شخص کا وکیل نکاح بننا ممنوع ہے فاسق شخص کے فرائض وکالت بہر حال کسی اور شخص کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ وکیل بننا جس کے لئے منع ہے یہ وہ شخص ہے جو اپنے اختیار کے ناجائز استعمال کرنے میں بدنام ہوا اگر

Marfat.com

وہ دھوکے سے غیر کفو میں شادی کردے تو ایسی صورت میں صغیر سن لڑکی کو حق ہوگا کہ بڑی ہونے پر اس نکاح کو رد کردے' خواہ یہ شادی اس کے باپ ہی نے کی ہو۔ لیکن اگر ولی بُرا آدمی ہو مگر اپنے اختیار کو صحیح طور سے استعمال کرتا ہو اور کسی عورت کی شادی دھوکے فریب کے بغیر مہر مثل پر کردے تو وہ شادی صحیح مانی جائے گی بشرطیکہ اس کا ولی باپ یا دادا رہا ہو ایسی صورت میں عورت کو نکاح کے فسخ کرنے کا حق نہ ہوگا' جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

(10) اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ولیٔ نکاح بننے کے لئے عدالت (قابل اعتبار ہونا) شرط نہیں ہے۔ حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے' وہ کہتے ہیں کہ بادشاہ اور آقا (لونڈی یا غلام کے مالک) کے سوا ہر ولی کے لئے بادی النظر میں قابل اعتبار ہونا شرط ہے۔

(11) اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ ولی کو حق ہے کہ وہ عقد ازدواج کے لئے کسی کو بھی اپنا قائم مقام (نمائندہ) بنادے۔

شادی میں کفو کا لحاظ رکھنے کا بیان

کفو کے بارے میں چند امور قابل ذکر ہیں: اول اس کی تعریف دوسرے یہ کہ آیا عقد نکاح کی صحت کے لئے کفو کی شرط ہے یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ آیا اس کا لحاظ صرف خاوند کے بارے میں ضروری ہے کہ اگر عورت ادنیٰ حیثیت کی ہو اور مرد اس سے شادی کرلے تو صحیح ہوگی یا دونوں کے کفو کا لحاظ رکھا جائے گا۔ چوتھے یہ کہ کفو کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق کس کو ہے؟ ان تمام امور کے بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ [۱]

۱۔ (تعریفِ کفو) کے بارے میں حنفیہ کہتے ہیں کہ ''کفو'' یہ ہے کہ چند خاص امور میں مرد عورت کا ہم پلّہ ہو۔ ان امور کی تعداد چھ ہے: خاندان' اسلام' پیشہ' حریت' دین اور مال۔

نسب کے لحاظ سے ادنیٰ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مرد' عورت کے خاندان اور قبیلہ کا نہ ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دو قسم کے اشخاص ہیں: اہل عجم اور اہلِ عرب۔ پھر عربی بھی دو طرح کے ہیں قریشی اور غیر قریشی۔ اگر مرد قریشی اور عورت بھی قریشیہ ہے تو نسب کے اعتبار سے دونوں ٹھیک ہیں اگرچہ ان کے قبیلے مختلف ہوں مثلاً عورت ہاشمیہ ہو اور مرد نوفلی (یعنی بنی نوفل میں سے) ہو۔ اگر عربیہ عورت قریش کی نسل سے نہ ہو تو تمام عرب اس کا کفو ہے خواہ کسی قبیلے کا کوئی شخص ہو مثلاً ''باہلی'' ہو (جو سار بانوں یا گلہ بانوں کا قبیلہ ہے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ عجمی (غیر عربی) شخص کسی حال میں قریشیہ یا عربیہ عورت کا کفو نہیں ہوسکتا اور وہ عربی جو قریش سے نہ ہو وہ کسی حالت میں قریشیہ یا عربیہ عورت کا کفو نہیں ہوسکتا اور اہل عرب کے درمیان (کفو کے بارے میں) دین کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا' چنانچہ ایسی عورت جس کے باپ دادا مسلمان ہوں اس کا کفو وہ شخص ہے جس کا صرف باپ مسلمان ہو اور ایک عجمی عالم عربی جاہل کا 'کفو' ہے۔ لیکن عجمی باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں

Marfat.com

البتہ اسلام اور آزاد ہونے میں باہم فرق ہوگا۔ پس وہ شخص جس کا باپ کافر ہو اور وہ خود مسلمان ہو ایسی عورت کا کفو (یعنی ہمسر یا ہم پلہ) نہیں ہے جو خود بھی مسلمان ہو اور اس کے ماں باپ بھی۔ اور آزاد شدہ غلام ایسی عورت کا کفو نہیں ہے جو آزاد ہے اگر چہ اس کا باپ آزاد شدہ غلام ہو۔ کیونکہ اس عورت کا درجہ اس مرد سے اونچا ہے۔ اگر کسی عورت کے باپ اور دادا آزاد ہوں اور مرد کا صرف باپ آزاد ہے دادا نہیں تو یہ مرد اس عورت کا کفو نہیں ہے۔ اسی طرح اگر دونوں (مرد اور عورت) مسلمان ہیں لیکن مرد کا دادا مسلمان نہیں ہے تو وہ مرد اس عورت کا کفو نہیں ہے۔ اگر کسی عورت کے آباء واجداد میں بہت سے لوگ مسلمان ہوں یا آزاد ہوں اور مرد کے صرف باپ دادا مسلمان ہوں تو وہ شخص اس عورت کا کفو ہوگا کیونکہ نسب کی تکمیل باپ دادا سے ہو جاتی ہے نسب' اسلام اور حریت میں کفو کا مطلب یہی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تمام قریشی باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ مرد مسلمان ہو اور اس کا باپ مسلمان نہ ہو اور عورت خود بھی اور اس کا باپ بھی مسلمان ہوں۔ اسی طرح غلام اور آزاد ہونے میں بھی قطع نظر کیا جائے گا کیونکہ پیشتر عرب غلام نہیں بنائے گئے۔ لیکن اہلِ عجم کے خاندانوں میں اسلام اور آزادی کا لحاظ رکھا جائے گا۔ اس میں میاں بیوی اور باپ دادا کو دیکھا جائے گا لہٰذا جو شخص خود مسلمان ہو اور اس کا باپ مسلمان نہ ہو وہ اس عورت کا کفو نہیں جس کا باپ بھی مسلمان ہو۔ اسی طرح جو مرد خود آزاد ہو لیکن اس کا باپ آزاد نہ ہو ایسی آزاد عورت کا کفو نہیں ہو سکتا جس کا باپ آزاد ہو۔ اور اس امر میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ جو عجمی عالم محتاج ہو وہ عربی جاہل مالدار کا کفو (ہمسر) ہے نیز علوی خاندان کی شریف عورت کا بھی کفو ہے کیونکہ علم کا شرف خاندانی نسب اور دولتمندی سے بڑھ کر ہے۔ اور محقق ابن الہمام اور صاحب النہر وغیرہ نے اس قول کی تائید کی ہے اور یہی قول بہتر ہے۔

پیشے میں کفو (ہمسری) کا مطلب یہ ہے کہ رواج اور عرف عام کے لحاظ سے خاوند والوں کا پیشہ بیوی والوں کے پیشے کا ہم پلہ سمجھا جاتا ہو پس اگر درزی کے پیشہ کو لوگ جامہ بانی کے پیشے سے معزز سمجھتے ہوں تو جولاہا درزی کی بیٹی کا کفو نہ ہوگا اسی طرح اس کی برعکس صورت میں۔ غرض کفو کا دارومدار لوگوں کے معزز سمجھنے پر ہے۔

اب رہا مال میں 'کفو' کا ہونا سو اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ دونوں کا یکساں مالدار ہونا شرط ہے اور بعض اصحاب کہتے ہیں کہ کفو یا (ہمسری کے لئے) یہ کافی ہے کہ مرد اتنا مہر وغیرہ ادا کرنے پر قادر ہو جو عام دستور کے مطابق واجب الادا ہوتا ہے۔ یہ لازم نہیں ہے کہ جو کچھ سردست ادا کرنا ہے اور جو بعد میں دینا ہے وہ سب ادا کرنے پر مرد قادر ہو اور یہ کہ اگر وہ پیشہ ور نہیں ہے تو اس کے پاس مہینہ بھر کا خرچ موجود ہو اگر اتنا نہ ہو لیکن وہ ہر روز اس قدر کما سکتا ہے جو روزانہ خرچ کے لئے کافی ہو تو اس مرد کو مال کے اعتبار سے عورت کا کفو مانا جائے گا۔ یہ دوسرا خیال زیادہ قوی اور صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن یہاں پر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ حنفیہ عقد نکاح میں عورت کے لئے ولی کا ہونا شرط قرار نہیں دیتے وہ اس بھروسے میں ہیں کہ اگر عورت نے ایسے شخص کا انتخاب کیا جو اس کا ہمسر نہیں ہے تو ولی کو حق ہے کہ ان میں علیحدگی کرا دے۔ اب اگر طے ہو گیا اور ایسے شخص سے نکاح ہو گیا جس کے پاس مہر اور مہینے بھر کے خرچ کے سوا کچھ نہیں ہے جو ایک خوشحال عورت کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا تو ایسی صورت میں مال کے لحاظ سے کفو (ہمسری) کے کچھ معنے نہ ہوئے۔ لہٰذا ایسی حالت میں قاضی (حاکم شرع) کو چاہئے کہ دینی مصلحتوں کے پیش نظر سنجیدگی سے اس پر غور کرنے اور ایسا

Marfat.com

فیصلہ کرے کہ فساد دور ہو جائے اور اس میں مضائقہ نہیں کہ اس صورت میں جہاں تک مصلحت کے مطابق گنجائش ہو پہلی رائے پر عمل کیا جائے (یعنی کفو کے لئے مال میں ہمسری دیکھی جائے) کیونکہ فی زمانہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کفو (یا ہمسری) کا انحصار صرف مال پر ہوتا ہے چنانچہ وہی شخص شادی کی استطاعت رکھتا ہے جو عورت اور اس کے خاندان کی شان برقرار رکھے اور فارغ البالی اور فیاضی سے عورت کو ان باتوں سے باز رکھے جو اس کی شان کی شایان نہ ہو (اس بارے میں استاد مرعی حنبلی رحمتہ اللہ علیہ کی یہ رباعی بہت خوب ہے۔

قالوا: الکفاعة ستةٌ فاجبتهم
قد کان ھذا فی زمان المبھم
امّا بنو ھذا الزمان فانّھم
لایعرفون سوی بسار الدرھم

یعنی

لحاظ کفو چھ باتوں میں اگلے لوگ کرتے تھے
یہ ذکر اس وقت ہے جبکہ ہم تھے بھولے بھالے سے
مگر اس وقت ابنائے زمانہ ایسے دانا ہیں
کہ اب کوئی نہیں کچھ دیکھتا جز مال و دولت کے

غرض اس پہلی بات کو اگرچہ درست خیال نہیں کیا جاتا لیکن اس زمانہ میں اس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

دینی امور میں کفر کا اعتبار عجم و عرب سب کرتے ہیں' چنانچہ اگر برا آدمی ہو تو وہ نیک عورت اور نیک شخص کی بیٹی کا کفو نہیں ہے۔ اگر عورت نیک ہے اور اس کا باپ برا ادمی ہے اور اس عورت نے بھی اپنی شادی کسی برے آدمی سے کر لی ہے تو نکاح درست ہوگا اور باپ کو اس پر اعتراض کا حق نہ ہوگا کیونکہ وہ خود بھی ایسا ہی برا ہے۔ اسی طرح اگر عورت خود بری ہے اور اس باپ نیک ہے اور اس نے اپنی شادی کسی برے آدمی سے کر لی تو یہ نکاح درست ہوگا۔ اس صورت میں بھی باپ کو اعتراض کا حق نہیں ہے کیونکہ بیٹی کی وجہ سے جو شرم اسے آئے گی وہ اس شرم سے زیادہ ہے جو داماد کی وجہ سے اٹھائے گا۔

اگر صغیر سن لڑکی نے کسی شخص کو نیک آدمی خیال کر کے اس سے شادی کر لی بعد میں پتہ چلا کہ وہ فاسق (برا آدمی) ہے اور اس لڑکی کا باپ نیک آدمی ہے تو اس کو حق ہے کہ بالغ ہونے پر اس عقد کو توڑ دے۔ فاسق سے مراد وہ شخص ہے جو علانیہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہو مثلاً بر سر راہ نشہ کا استعمال کرے یا بازاری عورتوں کے کوٹھوں یا بدمعاشی کے اڈوں اور قمار خانوں میں علانیہ جائے یا اپنی بداعمالیوں کا ذکر کرتا پھرے۔ ان ہی میں وہ لونڈے لپاٹے شامل ہیں جو نماز نہیں پڑھتے اور برملا کہتے ہیں کہ ہم نہ نماز پڑھیں نہ روزہ رکھیں۔ ایسے اشخاص نیک لڑکیوں اور نیک مردوں کی بیٹیوں کے کفو نہیں ہیں اگر ان میں سے کوئی شادی کر لے تو عورت کے ولی کو اختیار ہے کہ اس پر اعتراض کر کے عقد کو فسخ کر دے۔

مہر مثل سے کم پر شادی کی صورت میں ولی کو اعتراض ہے۔ تاہم عقد اس سے کم مہر پر بھی بالاتفاق درست ہو جاتا ہے لیکن قاضی (حاکم شرع) حکم دے گا کہ یا تو مہر مثل پورا ادا کیا جائے یا پھر عقد کو فسخ کر دے گا۔

Marfat.com

دوسری بات (یعنی کیا کفو کا ہونا لازمی امر ہے؟) کا جواب یہ ہے کہ کفو عقد کے لاگو ہونے اور ولی پر لازم التسلیم ہونے کی شرط ہے لہٰذا اگر ایک عورت نے اپنی شادی ایسے شخص سے کر لی جو مذکورہ چھ باتوں میں سے کسی میں عورت سے کمتر درجہ پر ہے تو اس عورت کے ولی کو حق ہے کہ اس عقد پر اعتراض کرے۔ وہ عقد لاگو نہ ہوگا جب تک کہ ولی راضی نہ ہو یا پھر قاضی اس عقد کو فسخ کر دے گا۔

تیسری بات ☆ (یعنی کفو کے بارے میں کسی کو حق مداخلت ہے؟) کا جواب یہ ہے کہ امور مذکورہ میں کفو کا فیصلہ کرنا ولی کا کام ہے' بشرطیکہ وہ عصبی (پدری) رشتہ دار ہو' گو ورثہ میں اس کا حق نہ ہو۔ مثلاً چچا زاد بھائی جس سے اس کی شادی حلال ہے۔ مادری رشتہ کے ولی اور ماں اور قاضی کو کفو کے بارے میں فیصلہ کا حق نہیں ہے۔

واضح ہو کہ اگر (عقد کے بعد) ولی نے کوئی اعتراض نہیں کیا' یہاں تک کہ وہ عورت صاحب اولاد ہو گئی تو اب اسے کفو کے معاملہ میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ لیکن اگر ولی کو شادی کا علم ہی نہیں ہوا یہاں تک کہ اس کے بچہ پیدا ہو گیا، تب بھی غالب خیال یہی ہے کہ اس کا حق مداخلت جاتا رہا کیونکہ بچہ کے پیدا ہونے کے بعد دونوں میں جو رابطہ ہو جاتا ہے وہ دوسری باتوں کا لحاظ ختم کر دیتا ہے۔ نیز اولاد کو جو شرف (اولاد ہونے کا) حاصل ہو چکا ہے اب یہ مناسب نہیں کہ باپ کی کوتاہی کو اس کے سر تھوپ دیا جائے۔ قاعدہ اس امر کا متقاضی ہے کہ اولاد کا لحاظ کیا جائے کہ مبادا وہ ضائع ہو جائے۔

اگر ولی کے اعتراض کرنے پر حاکم نے شادی کو فسخ کر دیا اور عورت نے پھر وہی حرکت کی اور دوسری بار غیر کفو سے شادی کر لی تو ولی کو پھر مداخلت کا اور قاضی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔ اسی طرح اگر ولی نے کسی عورت کی شادی اُس سے اجازت لے کر غیر کفو میں کر دی۔ اور اس کے خاوند نے طلاق دے دی اور اس عورت نے اسی سے دوبارہ شادی کر لی تو ولی کو مداخلت کا حق ہوگا۔ پہلی بار کی شادی پر اس کی رضامندی دوسری بار کی شادی پر راضی ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اگر کسی عورت کے غیر کفو خاوند نے جس پر ولی پہلی بار راضی تھا طلاق رجعی دے دی (یعنی ایسی طلاق جس سے رجوع کیا جا سکتا ہے) اور عدت کے اندر رجوع کر لیا تو ولی کو اعتراض کا حق نہ ہوگا۔ کیونکہ کوئی نیا عقد نہیں کیا گیا۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ "کفو" کا ہونا عقد کے صحیح ہونے کی شرط ہے اگر کسی عورت نے غیر کفو میں شادی کی درآنحالیکہ اس کا ولی شروع سے اس پر راضی نہ تھا تو یہ عقد سرے سے باطل متصور ہوگا۔ لیکن اگر ولی عقد سے پہلے راضی ہو گیا تھا اور بعد میں اعتراض کیا تو اس (اعتراض) کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس قول پر فتویٰ ہے اور یہی قرین احتیاط ہے۔ پہلی صورت میں اگر قاضی کے حکم سے علیحدگی نہیں ہونے پائی تھی کہ دونوں میں سے کسی ایک کی وفات ہو گئی تو دوسرا وارث ہوگا کیونکہ اس عقد کو جب تک کہ قاضی (حاکم شرح) اس کے خلاف فیصلہ نہ کرے اس عقد کو صحیح مانا جائے گا۔ اور قاضی کا فیصلہ فسخ نکاح ہے طلاق نہیں ہے۔ لہٰذا اگر تخلیہ سے پہلے (بحکم قاضی) علیحدگی ہو گئی تو وہ عورت مہر کی مستحق نہ ہوگی اگر تخلیہ کے بعد علیحدگی کرائی گئی تو جتنا مہر بندھا تھا۔ تھا وہ واجب الادا ہوگا۔ مہر مثل کی حقدار نہ ہوگی۔ اسی طرح خلوت صحیحہ ہونے کے بعد (تفریق ہوئی) تو جس قدر مہر بندھا تھا اسی قدر واجب الادا ہوگا وہ عورت مہر مثل کی حقدار نہ ہوگی لیکن اسے عدت گزارنا ضروری ہے اور ایام عدت کے نفقہ کی مستحق ہوگی اور عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ خاوند کو

☆۔ واضح ہو کہ یہاں پر مولف کو تسامح ہوا ہے۔ یہ تیسری بات نہیں بلکہ ترتیب لمتن میں چوتھی اور آخری بات ہے۔

Marfat.com

اپنے پاس آنے دے یا نہ آنے دے لیکن اس بارے میں فتویٰ یہ ہے کہ (ایسی حالت میں) مرد اس کے پاس جائے تو اس پر گناہ عائد نہ ہوگا لیکن عورت کے لئے حرام ہے کہ اسے پاس آنے کا موقع دے کیونکہ وہ عقد باطل ہے اور لاگو نہیں ہے۔

علی ہذا القیاس اگر تین طلاق والی عورت کسی غیر کفو سے ولی کی رضا مندی کے بغیر شادی کر لے اور پھر وہ شخص اسے طلاق دے دے تو پہلا خاوند اس پر حلال نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ عقد باطل ہوگا گویا ہوا ہی نہیں۔ لیکن اگر اس عورت کا کوئی ولی نہ ہو یا ہو اور وہ اس عقد پر پہلے ہی سے راضی ہو تو دوسرے غیر کفو خاوند سے طلاق حاصل کرنے کے بعد پہلا خاوند بالاتفاق حلال ہوگا۔ اگر ایک عورت کے کئی ولی مساوی درجہ کے ہوں اور ان میں سے کوئی ایک کسی سے نکاح کی اجازت دے دے تو نکاح درست ہو جائے گا اور دوسرے ولیوں کو اعتراض کا حق نہ رہے گا۔ اگر کسی ولی نے اجازت نہیں دی تو صرف قریب ترین ولی کو (اعتراض کا) حق ہوگا دوسروں کو نہ ہوگا۔ اگر عورت کا عصبی (پدری) رشتہ کا ولی نہ ہو تو عقد درست مانا جائے گا اور بہر حال لاگو ہوگا۔

اب یہ سوال ہے کہ آیا ایسی صورت میں یہ ضروری ہے کہ ولی اپنی رضا مندی کا اظہار لفظوں میں کرے یا اس کا خاموش رہنا رضا مندی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہونے یا حمل ظاہر ہو جانے سے پہلے خاموش رہنا اس کی رضا مندی متصور نہ ہوگا جیسا کہ بتایا گیا کہ جب تک صراحۃً رضا مندی کا اظہار نہ کرے اس کا حق اعتراض باقی رہے گا۔ اور (اظہار رضا مندی کے لئے) ضروری ہے کہ ولی خاوند کو جانتا ہو اگر نا معلوم خاوند کے حق میں اپنی رضا مندی کا اظہار کیا تو یہ رضا مندی درست متصور نہ ہوگی۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اپنا حق اعتراض ساقط کر دے بایں طور کہ اس عورت سے کہہ دے کہ وہ جو کچھ بھی تم کرو میں اس سے راضی ہوں یا یہ کہے کہ جس سے جی چاہے تم اپنی شادی کر لو میں راضی ہوں یا تم جو چاہتی ہو کرو۔ یا اس طرح کے اور الفاظ۔

واضح ہو کہ ان تمام مسائل کا تعلق کفو کی مذکورہ بالا اقسام سے ہے۔ لیکن وہ عیوب جن سے عقد فسخ ہو جاتا ہے مثلاً جذام یا دیوانگی یا کوڑھ یا گندہ دہنی وغیرہ جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ ان کے متعلق صرف عورت کو اعتراض کا حق ہے اور وہی علیحدگی یا فسخ عقد کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ ولی کو حق نہیں ہے۔

یہ سوال کہ کفو میں عقل کو بھی دیکھا جاتا ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں کہ متقدمین فقہاء سے اس بارے میں کوئی صراحت منقول نہیں ہے۔ البتہ متاخرین کی اس بارے میں مختلف رائیں ہیں اور صحیح رائے یہی ہے کہ دیوانہ شخص ذی عقل عورت کا کفو نہیں ہے۔ اور ولی کو ایسے عقد پر اعتراض کرنے اور عقد فسخ کرنے کا حق ہے کیوں کہ پاگل پن ایسی شے ہے جس سے وہ شر و فساد پیدا ہو سکتا ہے جو کسی اور عیب سے نہیں ہوتا۔ لوگ پاگل کے ساتھ رشتہ کرنے میں ایک فقیر کے ساتھ رشتہ کرنے سے زیادہ عار محسوس کرتے ہیں۔ رہا بدشکل ہونا سو یہ عیب نہیں ہے چنانچہ اگر عورت خوبصورت ہو اور خاوند بدشکل ہو تو اس بنا پر اس عورت کو یا اس کے ولی کو فسخ عقد کے مطالبے کا حق نہیں ہے۔

اب رہی اخیر کی بات ☆ واضح ہو کہ یہ تیسری بات ہے اخیر کی۔ یعنی چوتھی بات نہیں ہے۔ مؤلفؒ سے اس میں

☆ واضح ہو کہ یہ تیسری بات ہے اخیر کی یعنی چوتھی بات نہیں ہے۔ مؤلفؒ سے اس میں تسامح ہوا ہے۔

Marfat.com

تسامح ہوا ہے۔ (یعنی کفو کا لحاظ صرف مرد کے لئے ہوگا یا دونوں کے لئے) اس کا جواب یہ ہے کہ کفو کا لحاظ صرف مرد کے لئے ہوگا عورت کے لئے نہیں کیونکہ مرد جس عورت سے بھی چاہے شادی کر لے خواہ کوئی لونڈی ہو یا اس کی خادمہ (یا نوکرانی) ہو کیونکہ لوگ کسی لونڈی یا ادنیٰ حیثیت کی عورت کو بیوی بنا لینے میں کوئی عار نہیں سمجھتے اور یہ دستور ہر جگہ اور ہر عہد میں جاری رہا۔ البتہ کم عمر لڑکے کے بارے میں عورت کا کفو ہونا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ اگر کسی کم عمر لڑکے کی شادی اس کے باپ نے ایک ادنیٰ درجہ کی لڑکی سے کر دی تو اس لڑکے کو بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کے فسخ کر دینے کا حق ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نکاح میں کفو یہ ہے کہ دو باتوں میں دونوں (میاں بیوی) ایک جیسے ہوں۔ ایک بات تو یہ ہے کہ مرد مسلمان ہو اور بدکار نہ ہو' دوسرے یہ کہ مرد میں کوئی عیب نہ ہو جس سے عورت کو فسخِ عقد کا اختیار ہوتا ہے جیسے کوڑھ یا پاگل پن یا جذام۔ دوسری صورت میں حقِ فسخ صرف عورت کو ہے' ولی کو نہیں ہے۔

ان اصحاب کے نزدیک مال' حریت' نسب اور پیشہ میں کفو کا لحاظ نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر کسی ادنیٰ درجہ کے شخص مثلاً مسلمان نے (غالباً اس سے مراد جھاڑ پونچھ کرنے والا ہے) کسی شریف خاندان کی لڑکی سے یا کسی خرکار یا جاروب کش نے کسی شریف یا ذی مرتبہ عورت سے شادی کر لی تو صحیح ہے۔ اور اس بارے میں کہ آیا کوئی غلام' آزاد عورت کا کفو ہو سکتا ہے؟ دو اقوال ہیں اور دونوں ہی قول قابل ترجیح ہیں۔ بعض اصحاب نے اس کی یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اگر سیاہ فام (حبشی) نہ ہو تو وہ کفو ہو سکتا ہے۔ سیاہ فام شخص نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ لوگ اس سے عار محسوس کرتے ہیں۔

یتیم لڑکی جس کی شادی ولی غیر مُجبر (یعنی ولی غیر مختار جبر) شرائط سابقہ کے ساتھ کرے تاکہ کوئی خرابی نہ پیدا ہو تو اس میں یہ شرط بھی ملحوظ ہو کہ اس کی شادی کفو میں ہو۔ اگر اس کی شادی کسی بدقماش یعنی زانی شرابی وغیرہ سے کی گئی تو وہ درست نہ ہوگی اور نہ ایسے شخص سے درست ہوگی جس میں کوئی گھناؤنا عیب ہو۔ بلکہ ضروری ہے کہ وہ شخص اوصاف کاملہ میں اس یتیم عورت کے برابر ہو اور مہرِ مثل باندھا گیا ہو۔ اگر کفو اور شرائط سابقہ کا لحاظ رکھے بغیر اس کی شادی کر دی گئی تو وہ عقد فسخ کیا جائے گا بشرطیکہ خاوند نے اس سے تخلیہ نہ کیا ہو یا تخلیہ ہوا ہو لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا ہو۔ اگر تخلیہ ہوا اور اس پر تین سال کی مدت گزر گئی اور دو بچے مختلف حملوں سے ایک حمل سے نہیں ہو چکے ہیں تو اب وہ نکاح فسخ نہیں ہو سکتا۔ یہ مسئلہ یوں ہی مشہور ہے۔ تاہم کہا جاتا ہے کہ بہرحال یہ نکاح فسخ کیا جائے گا۔

یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ حاکم ایک ناسمجھ لڑکی کی شادی کرے جس کا ولی موجود نہیں ہے' تو چاہئے کہ پہلے اس امر کی تحقیق کرلے کہ خاوند دینداری' آزادی اور مہرِ مثل میں اس لڑکی کا کفو (ہم پلہ) ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ لیکن جو عورت معاملہ فہم ہے وہ اپنے ذاتی معاملات کی خود مالک ہے حاکم ایسی عورت کی شادی امور کی تحقیق کے بغیر ہی کر سکتا ہے کیونکہ اس معاملہ میں عورت کو حق ہے کہ اگر عورت اس خاوند پر راضی ہو تو ان امور کو نظر انداز کر دے۔ مزید برآں مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر حاکم نے ناسمجھ لڑکی کی شادی بلا تحقیق امور بالا کر دی' تب بھی نکاح درست مانا جائے گا تاوقتیکہ کسی اور وجہ سے باطل نہ ہو۔

Marfat.com

اِن امور کے باوجود ولی اور بیوی کو حق ہے کہ دینداری اور مال میں کفو کا لحاظ نظرانداز کر دیں اور ایک بدقماش آدمی سے شادی ہو جائے بشرطیکہ عورت کو اس سے کوئی اندیشہ نہ ہو۔ اگر اس کی طرف سے اطمینان نہ ہو تو حاکم اس نکاح کو اس عورت کے تحفظ کے پیش نظر رد کر دے گا اگرچہ عورت راضی ہو۔ اگر ولی نے ایک لڑکی کی شادی غیر کفو کے ساتھ کر دی اور اس شخص نے طلاق دے دی اور دوبارہ رجوع کرنا چاہا اور عورت اس پر راضی ہے تو اب دوسری بار ولی کو مداخلت کا حق نہیں ہے۔

اگر کوئی باپ اپنی مالدار بیٹی کی شادی اپنے خستہ حال بھتیجے سے کرنا چاہے تو آیا اس لڑکی کی ماں اس پر اعتراض کر سکتی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے قواعدِ مسلک کا منشاء یہ ہے کہ ماں کو اعتراض کا حق نہیں ہے سوا اس صورت کے جب کہ اِس میں ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ کفو ایسی چیز ہے کہ اس کا لحاظ نہ رکھنے میں عار محسوس کیا جاتا ہے۔ اِس کا قاعدہ یہ ہے کہ خاوند اعلیٰ یا ادنیٰ ہونے میں عورت کے ہم پلہ ہو اور ایسے عیب سے خالی ہو جو نکاح کے منافی ہیں اور دونوں کے مساوی ہونے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ دونوں میں سے ہر ایک کو دُوسرے کا کفو قرار دیا جائے۔ کیونکہ اگر وہ دونوں کوڑھی یا جذامی ہیں تو ان میں سے ہر ایک کو تنسیخ نکاح کا حق ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ یکساں عیب دار ہونے کے باعث دونوں برابر کے ہیں کیونکہ انسان دوسروں کی جس بات کو برا سمجھتا ہے وہی بات اپنی ذات میں ہو تو برا نہیں سمجھتا۔

کفو کا لحاظ چار امور یعنی خاندان، دینداری، آزادی اور پیشے میں کیا جاتا ہے۔ نسب کے اعتبار سے انسان کی دو قسمیں ہیں۔ عربی اور غیر عربی (یعنی عجمی) پھر عربی کی دو قسمیں ہیں قریشی اور غیر قریشی۔ قریشی تو آپس میں ایک دُوسرے کے کفو (ہم پلہ) ہیں لیکن اگر وہ ہاشم اور عبداللطیف کی نسل سے ہوں تو ان کے علاوہ دوسرے قریشی ان کے کفو نہیں ہیں۔ (قریش کے علاوہ) باقی عرب کے لوگ قریش کے کفو نہیں ہیں لیکن وہ سب ایک دُوسرے کے کفو ہیں۔ اور اہل عجم اہل عرب کے کفو نہیں ہیں اگرچہ ان کی ماں عرب کی ہو۔ پھر یہ ہے کہ اگر عورت شریف النسب ہے تو واجب ہے کہ اس کا خاوند بھی اسی طرح شریف النسب ہو۔

نسب کا اعتبار باپ کے لحاظ سے ہوتا ہے ماؤں کے لحاظ سے نہیں ہوتا۔ سوائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹیوں کے کہ وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں شمار ہوتی ہیں اور بہ اعتبار نسب، عرب وعجم میں وہی سب سے اونچی ہیں۔

جس طرح اہل عرب میں باہم فرق کیا جاتا ہے اِسی طرح اہل عجم میں بھی اہل فارس اہل نبط (ایک عجمی قوم جو عراق وعرب وعراق عجم کے درمیان آباد ہوئی) سے افضل ہیں اور بنی اسرائیل قبطیوں سے (جو مصر میں آباد نصرانیوں کی جماعت ہے) افضل ہیں۔ پس اگر عورت اونچے نسب کی ہے تو لازم ہے مرد بھی اونچے درجہ کی شخصیت سے نسبت رکھتا ہو۔ غرض یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اہل عجم میں اِس قسم کے فرق کا کوئی لحاظ نہیں ہے۔

دینداری کے بارے میں بھی مرد کو پاک بازی اور ایمانی قوت میں عورت کے ہم پلہ ہونا چاہئے پس اگر مرد بدکار زانی ہے تو وہ پاکدامن عورت کا کفو نہیں ہے۔ اگرچہ وہ صدق دل سے توبہ کر لے۔ کیونکہ بدکاری سے توبہ کر کے بھی اسے بدنامی کی عار سے نجات نہ ہوگی۔ اگر زنا کے علاوہ اور گناہوں مثلاً شراب نوشی اور دھوکا بازی میں مبتلا ہو اور اس سے توبہ کر لے تو کہا جاتا ہے کہ ایسا شخص مضبوط اخلاق کی عورت کا کفو ہو سکتا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ کفو نہ ہوگا۔ بعض اصحاب نے

Marfat.com

یہی فتویٰ دیا ہے۔

اگر عورت بھی مرد کی طرح بدکار ہو تو وہ مرد اس کا کفو ہے۔ اسی طرح بدکار عورت بدکار مرد کی کفو ہے۔ اگر مرد عورت سے زیادہ گنہگار ہو یا مختلف قسم کے گناہوں میں مبتلا ہو تو وہ اس عورت کا کفو نہیں ہے۔

اگر کوئی مرد بیوقوفی کے باعث نااہل معاملہ قرار دیا گیا ہو تو وہ معاملہ فہم عورت کا کفو ہے۔

دین کے بارے میں کفو کا فیصلہ باپ کے مذہب پر ہوگا۔ پس اگر کسی عورت کا باپ مسلمان ہو تو وہ مرد جس کا باپ مسلمان نہیں ہے اس کا کفو نہیں ہوسکتا اور وہ شخص جس کے باپ دادا مسلمان ہوں وہ اس عورت کا کفو نہیں ہوسکتا جس کی تین پشت مسلمان ہو۔ اس حکم سے صحابی مستثنیٰ ہیں لہٰذا ایک صحابی تابعیہ عورت کا کفو ہے اگرچہ اس عورت کے باپ دادا (دونوں یعنی صحابی سے زیادہ) مسلمان ہیں؟ کیونکہ حدیث میں یہ صراحت آئی ہے کہ صحابہ تمام مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں۔

آزاد ہونے کے بارے میں یہ ہے کہ جس شخص میں غلامی کا شائبہ ہے وہ ایسی عورت کا کفو نہیں ہے جو شائبہ غلامی سے بری ہے۔ اس بارے میں پدری سلسلہ کا لحاظ ہوگا مادری سلسلہ کا نہیں۔ پس جو مرد لونڈی کی اولاد ہو وہ عربیہ عورت کی بیٹی کا کفو نہیں ہے۔

پیشے کے بارے میں یہ ہے کہ عام طور پر جنہیں گھٹیا پیشہ والا خیال کیا جاتا ہے جیسے جاروب کش، حجام (پچھنے لگانے والا) یا شب رو (چور) یا غسال جسے بلان (یعنی حمامی) کہتے ہیں وہ شریف پیشہ والی لڑکی جیسے درزی یا درزی کی بیٹی یا بجلی کے کاریگر یا ایسے ہی کسی باعزت صنعتکار کی بیٹی کا کفو نہیں ہے اور پیشہ ور مرد تاجر کی بیٹی کا کفو نہیں ہے اور سوداگر کا لڑکا عام نظریہ کے مطابق عالم یا قاضی کی بیٹی کا کفو نہیں ہوسکتا۔

کفو کے بارے میں مال کا لحاظ نہیں کیا جاتا چنانچہ اگر محتاج مرد مالدار عورت سے شادی کرے تو وہ کفو متصور ہوگا اور (کفو کے موازنے میں) ان خصائل میں سے ایک کو دوسرے کے مقابل نہیں رکھا جائے گا مثلاً ایک عورت آزاد لیکن بُری خصلت کی ہے اور مرد غلام لیکن نیکو خصائل ہے تو یہ درست نہ ہوگا کہ غلامی کو بُرائی کے مقابلہ میں رکھ کر دونوں کو نظرانداز کردیا جائے۔ اسی طرح اگر کوئی عربیہ عورت بُری ہو اور مرد عجمی نیک ہو تو اس کے عجمی ہونے کو عورت کی بدی کے مقابلہ میں نہیں رکھا جائے گا وغیرہ۔

صحت نکاح کے لئے کفو کا ہونا ان صورتوں میں شرط ہے جہاں (عورت کی) رضامندی حاصل نہیں کی جاتی۔

(کفو کے بارے میں) عورت اور ولی دونوں کو حق اعتراض ہے پس اگر عورت اور ولی دونوں ایسے خاوند سے شادی پر راضی نہ ہوں جو شرائط سابقہ پر پورا نہ اُترتا ہو تو وہ عقد صحیح نہ ہوگا! در یہ بات پہلے بتائی گئی ہے کہ کفو کا ہونا اس عقد کے صحیح ہونے کی شرط ہے جو ولی مجبر (مختار جبر) نے کیا ہو۔ پس اگر باپ اپنی بیٹی کا عقد جبراً (بلا اجازت کرے تو ضروری ہے کہ کفو ہو اگر عورت راضی ہو تو عقد صحیح ہوگا اور اس کا حق تنسیخ جاتا رہے گا۔ اور غیر کفو کے (شادی پر) رضامندی کا اظہار کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ اگر عورت غیر باکرہ ہے تو وہ زبان سے اظہار رضامندی کرے۔ اگر عورت باکرہ ہو تو کہا جاتا ہے کہ اظہار رضامندی کے لئے اس کا خاموش رہنا کافی ہے خواہ اس کی شادی کا ولی مجبر (مختار جبر) ہو یا نہ ہو۔ اگر نکاح کا ولی غیر مجبر ہو تو عورت کا خاموش رہنا اظہار رضامندی کے لئے کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ رضامندی کا اظہار

Marfat.com

لفظوں میں اور صراحۃً ہو۔ اور اگر عورت باکرہ ہو تو کہا جاتا ہے کہ رضامندی کے لئے اس کی خاموشی مطلقاً کافی ہے خواہ اس کی شادی ولی مجبر نے کی ہو یا اس نے نہ کی ہو۔ اور کہا جاتا ہے کہ اگر ولی غیر مجبر نے اس کی شادی کی ہے تو (اظہار رضا کے لئے خاموشی) کافی نہیں ہے۔ بلکہ ضروری ہوگا کہ وہ زبان سے کہے اور صراحۃً رضامندی کا اظہار کرے۔

جاننا چاہئے کہ حق تنسیخ عورت کو اور اس کے ولیٔ اقرب کو ہے۔ دُور کے رشتہ دار کو نہیں ہے۔ مندرجہ سابقہ تمام صورتوں میں (ولی اور عورت) دونوں کے حقوق تنسیخ مشترک ہیں سوا اس صورت کے جب کہ مرد میں زنخہ پن یا نامردی (کا عیب) ہو اِس عیب کی صورت میں صرف عورت کو حقِ (تنسیخ) ہے چنانچہ اگر وہ عورت کسی زنخے یا نامرد سے شادی پر راضی ہو اور ولی راضی نہ ہو تو عقد صحیح ہوگا اور ولی کی رضامندی کو اس میں دخل نہیں ہے۔ کیوں کہ ایسی صورت میں یہ حق عورت کے لئے مخصوص ہے ولی کو حق نہیں ہے۔ پھر اگر کوئی عورت کسی کے ساتھ شادی پر اس خیال سے راضی ہو جائے کہ وہ اُس کا کفو ہے پھر معلوم ہوا کہ وہ غلام ہے اور وہ آزاد ہے۔ یا اُس مرد میں کوئی عیب ہے تو ایسی صورت میں اسے اپنے اختیار کو کام میں لانے کا حق ہے اور ولی کو اعتراض کا حق ہے اور اُس کا شریک عقد ہونا (اس کے اختیار میں) خلل انداز نہ ہوگا۔ ہاں اگر دونوں کو اس عیب کا علم ہو اور ان کی رضامندی سے شادی ہوئی تو اب ان کا کچھ اختیار نہ ہوگا۔

کفو کا خیال بیوی کے لئے ہوتا ہے ورنہ خاوند تو لونڈی اور اپنی خادمہ سے بھی عقد کر سکتا ہے کیونکہ لوگ اِس میں عار محسوس نہیں کرتے کہ اپنے سے گھٹیا عورت کو اپنی بیوی بنالیں۔

اگر باپ اپنے کم عمر لڑکے کی شادی غیر کفو کی لڑکی سے کر دے تو درست ہے لیکن اس لڑکے کو بالغ ہونے کے بعد فسخ عقد کا اختیار ہوگا۔ تاہم یہ درست نہیں ہے کہ باپ اپنے (کم عمر) لڑکے کی شادی لونڈی یا بوڑھی بدشکل یا اندھی عورت سے کر دے اگرچہ یہ عیب نہیں ہے تاہم نکاح فسخ ہو جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ 'کفو' پانچ باتوں میں یکساں ہونے کو کہتے ہیں: ایک دینداری لہٰذا فاجر فاسق آدمی نیک صالحہ اور پاک دامن عورت کا کفو نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی گواہی اور اس کا بیان ناقابلِ تسلیم ہے اور یہ (عیب) اس کی انسانیت میں نقص ہے۔ دُوسرے پیشہ ہے کہ ادنیٰ درجہ کا پیشہ کرنے والا شریف پیشہ والوں کی بیٹی کا کفو نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حجام یا جاروب کش سوداگر اور بزاز یعنی کپڑے کی تجارت کرنے والے کا کفو نہیں ہے۔ تیسرے مالی اعتبار سے فارغ البال ہونا تاکہ مہر کی ادائیگی اور بیوی کے نان نفقہ کو پُورا کر سکے۔ لہٰذا خستہ حال شخص خوش حال لڑکی کا کفو نہیں ہے۔ نیز اِس کا وثوق ہونا چاہئے کہ مبادا اُس عورت کی حالت جیسی کہ اپنے باپ کے گھر میں تھی اس سے ابتر ہو جائے۔ چوتھے آزاد ہونا کہ غلام اور بے بس شخص آزاد عورت کا کفو نہیں ہو سکتا۔ پانچویں نسب ہے کہ عجمی شخص یعنی جو عربی نہ ہو وہ عربیہ عورت کا کفو نہیں ہے پس اگر ولی نے غیر کفو کے آدمی کے ساتھ عورت کی رضامندی کے بغیر شادی کر دی تو یہ گناہ ہے اور ولی گنہگار ہوگا۔

Marfat.com

محرمات کا بیان جن کے ساتھ عقد نہیں ہو سکتا

یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ نکاح کی متفق شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس عورت سے نکاح مطلوب ہے وہ عقد میں آنے کی صلاحیت رکھتی ہو جو عورتیں عقد کی صلاحیت رکھتی ہیں ان کے ساتھ عقد کرنا جن وجوہ کی بنا پر حرام ہو جاتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں:

ایک تو وہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر عورت ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔

دوسری وہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر عورت عارضی طور پر حرام ہوتی جب حرام ہونے کی وجہ دور ہو جائے تو پھر حلال ہو جاتی ہے۔

وہ وجوہ جن کی بنا پر کسی عورت کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتا ہے تین ہیں: نسب۔ شادی یا دودھ۔

نسب کی بنا پر تین قسم کی عورتیں دائمی طور پر حرام ہو جاتی ہیں۔ پہلی قسم میں اوپر اور نیچے (یعنی شاخ اور جڑ) کی نسبی عورتیں داخل ہیں۔ جڑ میں ماں جس کے پیٹ سے وہ پیدا ہوا اور وہ جو کسی جہت سے اس کی جدہ ہو خواہ باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے (یعنی دادی ہو یا نانی) اور اس سے اوپر اور شاخ میں اس کی بیٹیاں، نواسیاں اور پوتیاں اور اس سے نیچے (یہ سب محرمات ابدیہ میں ہیں)۔

دوسری قسم ماں باپ کی شاخیں ہیں ان میں بہنیں ہیں خواہ کسی جہت سے ہوں حرام ہیں یعنی خواہ حقیقی بہن ہو یا باپ شریک یا ماں شریک ہو اسی طرح بہنوں کی بیٹیاں (یعنی بھانجیاں) اور ان کے بیٹوں یعنی بھانجوں کی بیٹیاں اور بھائی کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں اور بھتیجوں کی بیٹیاں اور ان سے نیچے کی اولاد۔

تیسری قسم دادا اور نانا کی شاخیں یعنی پھپھیاں اور خالائیں خواہ وہ حقیقی ہوں یا سوتیلی۔

نسبی محرمات کی گنتی یہیں تک ہے۔ لہٰذا پھپھی اور خالاؤں کی بیٹیاں حرام نہیں ہیں اور نہ چچا یا ماموں کی بیٹیاں اور دادی نانی کی شاخ میں بجز اس کے جو نسب میں پہلے درجہ پر ہے اور کوئی حرام نہیں ہے۔

شادی کے رشتہ سے بھی تین قسم کی عورتیں حرام ہیں۔

پہلی قسم اس عورت کی تبلیغ جس سے تخلیہ ہو چکا ہو۔ لہذا بیوی کی بیٹی سے جو اس کی ربیبہ (یا سوتیلی بیٹی) سے شادی حرام ہے خواہ اس لڑکی کی کفالت نے کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں جو "فی حجورکم" آیا ہے (یعنی وہ لڑکی جو خانہ پروردہ ہو) اس سے اس کی کیفیت کا بیان کرنا

Marfat.com

مقصود ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ بھی تمہاری بیٹی کی مانند ہے جسے تم نے اپنے حجرہ (گھر) میں پالا ہے۔

اسی طرح ربیبہ کی بیٹی (سوتیلی نواسی) اور اس بیٹی کی بیٹی سے بھی نیچے سے نیچے درجہ تک شادی حرام ہے لیکن اگر اس کی ماں سے صرف نکاح ہوا ہے اور تخلیہ نہیں ہوا تو وہ لڑکی حرام نہیں ہے۔

دوسری قسم بیٹی کی جڑ ہے لہٰذا نکاح کے ہوتے ہی بیوی کی ماں (ساس) اور اس کی نانی (یعنی ننیا ساس) اور دادی (یعنی ددیا ساس) حرام ہو جاتی ہیں اگرچہ اس سے تخلیہ نہ ہوا ہو۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ بیٹی سے نکاح ہو تو اس کی ماں حرام اور ماں سے تخلیہ ہو تب بیٹی حرام۔ غالباً اس میں حکمت یہ ہے کہ بچپن کی حالت اور اوائل عمری میں لڑکی کا تعلق مرد کے ساتھ گہرا ہوتا ہے اور لڑکیاں مرد کے معاملہ میں بڑی غیرت مند ہوتی ہیں اس لئے چاہئے کہ اس کے ساتھ عقد کر کے اس کی ماں سے تمام امیدیں منقطع کر لے تا کہ کسی قسم کا کینہ یا بغض ان کی محبت کے رشتہ کو نہ توڑے۔ بخلاف ماں کے کہ اس کے لئے آسان ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی خاطر جس سے اسے سخت محبت ہے ایسے شخص کو نظر انداز کر دے جو اس کا شریک حال نہیں ہے اور اس طرح اس کا بیٹی کے ساتھ جو علاقہ الفت ہے وہ نہیں ٹوٹتا۔

تیسری قسم میں وہ عورتیں ہیں جن سے باپ نے مباشرت کی ہو۔

اب رہا دودھ کا رشتہ۔ اس رشتہ سے وہ تمام عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسب سے حرام ہوتی ہیں۔ اس حکم سے بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں جن کی تفصیل ان کے بیان میں آ رہی ہے۔

یہ وہ صورتیں ہیں جو ہمیشہ کے لئے عورت کو حرام کر دینے کا موجب ہیں لیکن وہ وجوہ جن سے عارضی طور پر حرام ہوتی ہے وہ چند امور ہیں۔

ایک امر رشتہ دار سے شادی ہے۔ چنانچہ یہ جائز نہیں ہے کہ دو بہنوں کو عقد ازدواج میں لائے یا ماں بیٹی یا اسی طرح کی اور دو عورتوں سے شادی کرے۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

دوسرے 'ملکیت' (یعنی مالک ہونا) لہٰذا عورت کے حلال نہیں ہے کہ اپنے غلام سے شادی کرے اور نہ مرد کو حق ہے کہ وہ اپنی لونڈی سے شادی کرے جب تک کہ اسے آزاد نہ کر دے۔

تیسرے 'شرک' یعنی کسی مسلمان کو مشرکہ عورت سے جو کسی آسمانی دین کی پیرو نہ ہو شادی کرنا حلال نہیں ہے۔

چوتھے تین طلاق (طلاق مغلظہ) جس سے وہ حرام ہو جاتی ہے تا آنکہ وہ کسی دوسرے سے شادی نہ کر لے (اور وہ شخص طلاق نہ دے دے یا وفات نہ پا جائے)۔

Marfat.com

پانچویں کسی کے ساتھ وابستہ ہونا خواہ نکاح کے باعث وابستگی ہو یا عدت کے باعث۔ پس اگر حرام ہونے کی یہ وجوہ دور ہو جائیں تو وہ عورتیں پھر حلال ہو جائیں گی۔ اور ان وجوہ (مانعِ حلتِ نکاح) میں چار بیویوں کا موجود ہونا یا چوتھی کا عدت میں ہونا ہے' کہ پانچویں سے شادی حلال نہیں ہے۔

مُصاہرہ (یعنی ازدواجی رشتہ) سے حرام ہونے والی عورتوں کا بیان

مُصاہرہ (یعنی ازدواجی رشتہ) بھی نسبی رشتہ داری کی مانند ایک کیفیت کا نام ہے جس کا ظہور چار صورتوں میں ہوتا ہے: ایک بیٹے کی بیوی جس کا رشتہ بیٹی کے مشابہ ہوتا ہے۔ دوسرے بیوی کی بیٹی وہ بھی رشتہ میں بیٹی کے برابر ہے تیسرے باپ کی بیوی جو ماں کی مانند ہے۔ چوتھے بیوی کی ماں کہ وہ بھی ماں جیسی ہے۔

اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بیٹے کی بیوی (بہو) اور باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) اور بیوی کی ماں (ساس) عقدِ صحیح کے بعد محرمات میں ہو جاتی ہیں (یعنی جن سے شادی حرام ہے)۔ چنانچہ اگر باپ کسی عورت سے شادی کر لے تو وہ عورت اس کے بیٹے' پوتے' پڑپوتے وغیرہ پر حرام ہو جاتی ہے اگرچہ اس عورت کے ساتھ باپ کا تخلیہ نہ ہوا۔ اگر بیٹا کسی عورت سے شادی کر لے تو وہ عورت کے ساتھ باپ کا تخلیہ نہ ہوا ہو۔ اگر بیٹا کسی عورت سے شادی کر لے تو وہ عورت (بہو) باپ' دادا' پڑدادا وغیرہ پر حرام ہو جاتی ہے اگرچہ اس کے ساتھ تخلیہ نہ ہوا ہو لیکن باپ کی بیوی کی بیٹی' جو باپ سے نہ ہو وہ بیٹے پر حرام نہیں ہوتی اور ماں کے خاوند کی بیٹی اور خاوند کی ماں بیٹے پر حرام نہیں نیز باپ کی بیوی کی ماں (یعنی سوتیلی نانی) اور بیٹے کی بیوی کی ماں یعنی بیٹے کی ساس اور ربیب بیٹے (گیلڑ) کی بیوی (مطلقہ) حرام نہ ہوگی پس اگر کسی شخص نے ایک عورت سے شادی کی جس کا کوئی بیٹا دوسرے خاوند سے ہو اور اس بیٹے نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہو تو وہ (مطلقہ) عورت اس لڑکے کی ماں کے خاوند (یعنی سوتیلے باپ) کے لئے حلال ہے۔

اگر ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کر لیا تو اس عورت کی ماں اور نانی اور اس سے اونچے درجہ کی (یعنی پڑنانی وغیرہ) حرام ہو جائے گی خواہ اس عورت سے تخلیہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ لیکن اس عورت کی بیٹی حرام نہ ہوگی تا آنکہ اس عورت سے تخلیہ نہ ہوا ہو جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

غرض و مصاہرہ (رشتہ ازدواج) سے بعض عورتوں کا حرام ہو جانا ثابت ہے بشرطیکہ باقاعدہ نکاح ہوا ہو۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔ لیکن عقد فاسد یا شبہ میں غیر عورتوں سے صحبت کرنے یا زنا سے جو عورتیں

Marfat.com

حرام ہوتی ہیں ان کے بارے میں اختلاف مسالک ہے۔[1]

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عقد فاسد سے حرمت مصاہرہ (یعنی وہ حرمت جو ازدواجی تعلق سے ہوتی ہے وہ) عائد نہیں ہوتی' چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے عقد فاسد (یعنی ناقص نکاح) کر لیا تو اس عورت کی ماں اس شخص پر حرام نہ ہوگی۔ جن امور سے حرمت مصاہر عائد ہوتی ہے وہ چار ہیں۔

اول یہ کہ نکاح صحیح (قاعدے کے مطابق) ہوا ہو۔ دوسرے یہ کہ مباشرت ہوئی ہو خواہ باقاعدہ نکاح کے بعد یا عقد فاسد کے بعد یا زنا کے طور پر۔ تیسرے لمس (یعنی خواہش نفسانی کے ساتھ عورت کو ہاتھ لگانا)۔ چوتھے جنسی اعضاء پر نظر جمانا۔ مباشرت کے قابل تسلیم ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں: ایک یہ کہ زندہ کے ساتھ ہوئی ہو اگر یہ حرکت مردہ کے ساتھ ہوئی تو اس کی بیٹی حرام نہ ہوگی۔ دوسرے یہ کہ وہ عورت ایسی ہو جس پر جنسی خواہش کی تحریک ہوتی ہو اور یہ وہ ہے کہ جس کی عمر نو سال یا اس سے زیادہ ہو چنانچہ اگر (بالفرض) چھوٹی عمر کی کسی لڑکی سے شادی کی اور اس سے مباشرت کر لی پھر اسے طلاق دی اور عدت گزرنے کے بعد کسی اور سے اس کی شادی ہوئی اس سے لڑکی پیدا ہوئی تو اس لڑکی سے اس کا پہلا خاوند شادی کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس لڑکی کی ماں سے اس شخص نے اس کی صغرسنی میں شادی کی تھی۔ اس طرح اگر چھوٹی عمر کی لڑکی سے زنا کیا ہے تو بدرجہ اولیٰ (اس سے جو لڑکی کسی سے شادی کے بعد پیدا ہوگی) اس پر حرام نہ ہوگی۔ پھر یہ ہے کہ مرد کی مباشرت کی وجہ سے اس عورت کی لڑکی کا حرام ہونا اس امر پر موقوف ہوگا کہ وہ مباشرت جنسی ہیجان کے ساتھ کی گئی ہو۔ پس اگر کسی خالی از شہوت (نابالغ) لڑکے نے اپنے باپ کی بیوی سے مباشرت کی تو وہ عورت اس کے باپ پر حرام نہ ہوگی (کیونکہ یہ مباشرت جنسی ہیجان کے ساتھ نہیں ہے)۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مباشرت اندام نہانی سے ہو مقعد سے نہیں اگر مباشرت غیر فطری تھی تو اس عورت کی رشتہ دار اصولی یا فروعی (یعنی ماں نانی اور بیٹی نواسی وغیرہ) حرام نہ ہوں گی اور اگر ایک شخص نے کسی مرد کے ساتھ لواطت (حرکت غیر فطری) کی تو اس مرد کی بیٹی بدرجہ اولیٰ حرام نہ ہوگی۔

یہاں پر یہ امر اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ حنفیہ تو (شہوت کے ساتھ) دیکھنے اور ہاتھ لگانے پر بھی حرمتِ مصاہرہ عائد کرتے ہیں لیکن اس صورت میں نہیں کرتے حالانکہ عورت کے ساتھ لواطت کرنے میں ہاتھ لگانے اور دیکھنے سے زیادہ حظِ نفس ہے۔ کیونکہ حنفیہ کہتے ہیں کہ ہاتھ لگانے اور دیکھنے کی وجہ سے جو حرمت مصاہرہ عائد کی جاتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ یہ امور اصل مباشرت کے محرک (یا پیش خیمہ) ہیں جس سے حُرمت عائد ہوتی ہے چنانچہ اگر یہ علم ہو کہ ان خوش فعلیوں سے وہاں تک نوبت نہ پہنچے گی تو ان سے حرمت عائد نہ ہوگی یہی وجہ ہے کہ چھونے اور دیکھنے سے حرمت مصاہرہ عائد ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ انزال نہ ہوا ہو کیونکہ اگر اس سے انزال ہو جائے تو اس مباشرت کی نوبت ہی نہ آئے گی جس حرمت عائد ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ جس مباشرت سے حرمت عائد ہوتی ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جائز (حلال) مُباشرت ہو بلکہ حیض و نفاس کی حالت میں یا حالت احرام حج میں یا روزہ کی حالت وغیرہ میں بھی مباشرت کرنے سے حرمت مصاہرہ عائد ہو جاتی ہے (یعنی وہی حرمت جو باقاعدہ ازدواج کے بعد مباشرت سے ہوتی ہے)۔

مس کرنے (یعنی ہاتھ لگانے سے) جو حرمت مصاہرہ حاصل ہوتی ہے اس کے لئے چند باتیں شرط ہیں۔ ایک

Marfat.com

شرط یہ ہے کہ دونوں جسموں کے درمیان کوئی شے حائل نہ ہو یا ہو تو کوئی باریک سی شے حائل ہو جو بدن کی گرمی محسوس کرنے سے مانع نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ لٹکے ہوئے یا کھلے ہوئے بالوں کا مس کے ساتھ لگے ہوئے بالوں کو مس کرنے سے بقول راجح حرمت عائد ہو جائے گی۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مس کرنا شہوت کے ساتھ ہو اور شہوت سے مس کرنے کی تعریف یہ ہے کہ اس کے دل میں دھڑکن پیدا ہو اور لذت محسوس کرے اور عمر رسیدہ بوڑھے آدمی کی شہوت کی تعریف بھی وہی ہے جو عورت کی بتائی گئی۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ اگر عورت یہ کہے کہ اس نے مس کرنے میں لذت محسوس کی تو مرد بگمان غالب اس کی بات کو سچ مان سکے اور (حرمتِ مصاہرہ عائد ہونے کے لئے یہ شرط ہے) کہ ایک شخص کے باپ اور بیٹے کا گمان غالب یہ ہو کہ اس شخص کا یہ کہنا سچ ہے کہ اس نے فی الواقع عورت کو ہاتھ لگانے میں لذت محسوس کی۔ اگر باپ یا بیٹا ایسا نہ سمجھتے ہوں تو حرمت مصاہرہ عائد نہ ہوگی۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ مس کے وقت (یعنی مس کی وجہ سے) لذت محسوس ہوئی ہو اگر مس کے بعد لذت محسوس ہوئی تو حرمت مصاہرہ عائد نہ ہوگی۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ مس کے ساتھ انزال نہ ہو گیا ہو (ایسا ہوا تو حرمت عائد نہ ہوگی) جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ جسے مس کیا وہ نو سال سے کم ہو۔ اگر چہ مس کرنے والے نے شہوت محسوس کی ہو۔ اگر لڑکی صغیر سن ہے یا بڑی ہے لیکن مس کرنے والے میں بلوغ کے آثار نہ ہوں تب بھی حرمت عائد نہ ہوگی۔

دیکھنے سے حرمت مصاہرہ عائد ہونے کی بھی چند شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ خاص حلقہ اندام نہانی پر نظر ڈالی ہو۔ لیکن یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ عورت ایڑ لگا کر نہ بیٹھی ہو۔ اگر وہ کھڑی ہے ایڑ لگائے بغیر بیٹھی ہے تو اسے دیکھا نہیں جا سکتا۔ اور عورت کے دیکھنے کی شرط یہ ہے کہ وہ خاص عضو مخصوص کو دیکھے۔ مرد یا عورت کے باقی حصہ بدن پر نظر ڈالنے سے حرمت مصاہرہ عائد نہیں ہوتی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ دیکھنے کے وقت شہوت کا ہیجان ہو جیسا کہ لمس کے بارے میں بتایا گیا اور اس ہیجان کی تعریف بھی بقول راجح وہی ہے جو لمس کے بارے میں بتائی گئی ہے تیسری شرط یہ ہے کہ عین شرم گاہ دیکھے اس کا عکس شیشہ یا پانی وغیرہ میں نظر آئے تو حرمت مصاہرہ عائد ہوگی۔ اسی طرح اس صورت میں بھی عائد نہ ہوگی جب کہ پانی (ندی وغیرہ) کے کنارے سے اس کا عکس دیکھے۔ لیکن اگر عورت شفاف پانی کے اندر ہو اور پانی کے اندر سے اس کے اندام کو دیکھا تو حرمت عائد ہو جائے گی کیونکہ یہ عین اس کا دیکھنا ہے عکس کا دیکھنا نہیں ہے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ دیکھنے کے ساتھ شہوت ہو۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ انزال نہ ہوا ہو جیسا کہ لمس کے بارے میں بتایا گیا۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ جس کو دیکھا ہے وہ چھوٹی عمر کی نہ ہو یا مردہ نہ ہو کہ اس سے شہوت کو انگیخت نہ ہوتی ہو اور یا دیکھنے والے میں بلوغ کے آثار نہ پیدا ہوئے ہوں۔ اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لمس کرنا یا نظر ڈالنا قصداً ہو یا بھولے سے یا مجبوری سے۔ بہر صورت حرمت مصاہرہ عائد ہو جائے گی۔

زنا کی تعریف یہ ہے کہ ایک مکلف شخص (جس پر احکامات مذہبی عائد ہوتے ہیں) شہوت انگیز عورت کے اندام نہانی سے خواہش نفسانی کے ساتھ مباشرت کرے۔ درآنحالیکہ وہ شخص اس عورت کا مالک (یا خاوند) نہ ہو اور وہ مباشرت شُبہ میں نہ کی گئی ہو (کہ وہ اُس کی بیوی ہے)۔ ایسی حرکت کے ارتکاب سے خون اور دودھ کے رشتہ داروں پر حرمت مصاہرہ عائد ہو جائے گی۔ پس اگر ایک شخص کسی عورت کے ساتھ مرتکب ہوا ہو تو وہ عورت اُس شخص کی جڑ اور شاخ یعنی باپ دادا اور بیٹے پوتے وغیرہ پر حرام ہوگی اور اس گناہ میں ملوث ہونے والے پر اُس عورت کی جڑ اور شاخ حرام ہو جائے

Marfat.com

گی یعنی اب وہ اُس کی بیٹی کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا خواہ وہ اس شخص کے نطفہ سے ہو یا کسی اور شخص کے نطفہ سے اس طرح اُس کی بیٹی کی بیٹی وغیرہ بھی نہیں کر سکتا۔ اس طرح اُس شخص پر اُس عورت کی ماں اور دادی نانی وغیرہ سے نکاح حرام ہے۔ ہاں اس کی بہن سے شادی کر سکتا ہے اور اس کی بہن کی جڑ اور شاخ سے بھی نیز اُس شخص کی جڑ اور شاخ والے اس عورت کی جڑ اور شاخ سے شادی کر سکتے ہیں لہٰذا اس شخص (ملوث) کا بیٹا اس عورت کی بیٹی سے شادی کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ بیٹی باپ کے ناجائز تعلق کا نتیجہ نہ ہو اور نہ وہ لڑکی باپ کی اُس ناجائز اولاد کی دودھ شریک بہن ہو۔ پس اگر ایک شخص نے کسی عورت سے ناجائز تعلق قائم کیا اور وہ حاملہ ہوگئی اور اس سے بچہ پیدا ہوا اور پھر اس نے اپنے اس دودھ سے کسی لڑکی کی پرورش کی تو اس شخص کی شادی اس لڑکی سے بھی حلال نہیں ہے کیونکہ (بیٹی کے ساتھ) دودھ میں شریک ہونے کے اعتبار سے وہ بھی بیٹی ہوگئی۔ اسی طرح وہ لڑکی اس شخص کی جڑ (یعنی باپ دادا وغیرہ) اور شاخ (یعنی بیٹے پوتے) پر حلال نہیں اور وہ اس بیٹی کی مانند ہے جو ناجائز تعلق سے پیدا ہوئی کہ وہ اس پر اور اس کی جڑ اور شاخ پر حرام ہے۔ کیونکہ وہ اس کی بیٹی اور اس کا جزو بدن ہے۔ خواہ وہ اس کے نطفہ سے پیدا ہوئی یا اس نے وہ دودھ پیا جو اس کی بیٹی نے پیا۔ لیکن وہ لڑکی اس شخص کے چچا اور ماموں پر حرام نہ ہوگی کیوں کہ وہ اس کا جزو بدن نہیں ہے اور نہ اس کا نسب اس شخص (مرتکب زنا) کے ساتھ ثابت ہوا کہ چچا اور ماموں پر حرام ہوتی۔

بیانِ بالا سے واضح ہے کہ جس عورت کے ساتھ محض تخلیہ سے اس کی بیٹی حرام ہو جاتی ہے۔ اس (حُرمت) کے لئے مجامعت شرط نہیں ہے بلکہ شرائط سابقہ کے ساتھ شہوت سے ہاتھ لگانا اور نظر کرنا (حرمتِ مصاہرہ کے لئے) کافی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جن صورتوں میں حرمت مصاہرہ عائد ہونے کے لئے مجامعت کی شرط ہے ان میں عقد فاسد (کے بعد مجامعت) سے بھی حرمت مصاہرہ عائد ہو جاتی ہے مثلاً ایک شخص پر کسی عورت کی بیٹی اُسی صورت میں حرام ہوتی ہے جب کہ اُس شخص نے اس عورت سے مجامعت کی ہو۔ پس اگر اس عورت سے عقد فاسد کیا اور اُس عقد فاسد کی بنا پر اس کے ساتھ مباشرت کی تو اس عورت کی بیٹی اس شخص پر حرام ہوگی۔ لیکن محض عقدِ نکاح کی وجہ سے جو حرمتِ مصاہرہ عائد ہوتی ہے اس کے لئے یہ شرط ہے کہ عقد صحیح ہوا ہو چنانچہ کسی لڑکی کے ساتھ محض عقد ہو جانے سے اس لڑکی کی ماں اس پر حرام ہو جائے بشرطیکہ عقد صحیح ہوا ہو۔ اگر اس لڑکی سے عقدِ فاسد ہوا ہے اور اس کے ساتھ تخلیہ نہیں ہوا تو اس کی ماں حرام نہ ہوگی ہاں اگر عقد فاسد کے بعد بھی اس سے مباشرت کی تو اُس کی ماں اس مباشرت کی وجہ سے خواہ جماع کے طور پر ہوا ہو یا لواطت کے طور پر حرام ہو جائے گی۔ یہی صورت باپ کی بیوی کی ہے کہ وہ محض عقد سے حرام ہو جاتی ہے بشرطیکہ عقد صحیح ہوا ہو۔ لیکن اگر عقد فاسد ہوا (تو محض عقد فاسد سے) حرام نہ ہوگی ہاں اگر اُس سے تخلیہ ہوا اور یا مباشرت کی تو اس کی لڑکی حرام ہو جائے گی۔ یہی حال بیٹے کی بیوی کا ہے کہ بیٹے کے ساتھ عقد ہوتے ہی وہ باپ پر حرام ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے یہی شرط ہے کہ وہ عقد صحیح ہوا ہو جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حرمت مصاہرہ دو باتوں سے عائد ہوتی ہے یا تو عقد صحیح (باقاعدہ) نکاح ہوا ہو یا مجامعت ہوئی ہو خواہ عقد صحیح کے بعد ہو یا عقد فاسد کے بعد یا شبہ میں یا بصورت لواطت ہوئی ہو۔ اور (یا ایک مرد کے) حلال مادۂ تولید کو اندر داخل کر لینا بھی مباشرت ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی باقاعدہ نکاحی بیوی سے صحبت کی اور

Marfat.com

مادہ تولید اندر خارج کیا پھر وہ حلال مادہ جو زنا سے خارج نہیں ہوا اگر بالفرض بذریعہ تحق (مباشرت باجنس) دوسری عورت (کے رحم) میں داخل کر دیا اور وہ (دوسری عورت) اس سے حاملہ ہو گئی تو اس سے پیدا ہونے والا اس شخص کی اولاد متصور ہوگا۔ اگر یہ لڑکی اس پر حرام ہو جائے گی کیونکہ اس کو بھی دخول (یا مجامعت) ہی مانا جائے گا۔ لیکن زنا کرنے سے حرمت مصاہرہ کسی حال میں واجب نہیں ہوتا کیوں کہ (مصاہرت یا ازدواجی رشتہ) ایک نعمت ہے۔ ایک فعل حرام سے اُس کا زائل کر دینا درست نہیں ہے۔ اور جب کہ زنا سے حرمت مصاہرہ عائد نہیں ہوتی تو ہاتھ لگانے یا دیکھنے سے بہرحال حرمت عائد نہ ہوگی۔

(غیر عورت کے ساتھ) شُبہ میں صحبت کر لینے کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی عورت کو اپنی بیوی خیال کر کے اس سے صحبت کر لے حالانکہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ اس شُبہ کو شُبہ 'فاعل' کہتے ہیں اور یہ فعل جو اُس سے سرزد ہوا اُس کو نہ حلال کہا جا سکتا ہے نہ حرام لیکن شُبہ کی صحبت سے بھی نسب ثابت ہو جاتا ہے اور عدت لازم ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ ایک شخص کا اپنی بیٹی سے جو اُس کے اپنے نطفہ سے بطریق زنا پیدا ہوئی ہو شادی کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا اور وہ حاملہ ہو گئی اور اس سے لڑکی پیدا ہوئی جو اس کا خون ہے تو لڑکی اس شخص پر حرام نہ ہوگی کیونکہ زنا کے مادۂ تولید سے حرمت عائد نہیں ہوتی۔ اور جس طرح کی وہ لڑکی اُس شخص پر حلال ہے اسی طرح اُس کی جڑ اور شاخ پر بھی حلال ہے لیکن اس کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے بخلاف زانیہ عورت کے کہ وہ اپنے اُس بیٹے پر اُسی طرح حرام ہے جس طرح اور مائیں حرام ہیں کیونکہ اُس (فعل حرام سے پیدا ہونے والے) لڑکے کے ساتھ نسبت ثابت ہو جاتا ہے اور دونوں ایک دُوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ حرمت مصاہرہ عقد فاسد سے عائد ہو جاتی ہے۔ عقد فاسد کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جس کے فاسد ہونے پر (سب مسالک کا) اجماع ہے اور دوسرے وہ کہ اور مسلکوں میں اُس پر اجماع نہ ہو اِس سے حرمت آگے نہیں بڑھتی جب تک کہ مجامعت ولوازمات مجامعت کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی عدت والی عورت سے نکاح کیا جائے درآنحالیکہ اُسے علم نہ ہو کہ یہ عدت میں ہے یا دودھ شریک بہن سے لاعلمی میں نکاح ہو جائے ان صورتوں میں بالاتفاق نکاح فاسد ہوگا لیکن اس کے مرتکب کو حد (شرعی سزائے زنا) نہیں لگائی جا سکتی کیونکہ یہ فعل شبہ میں سرزد ہوا اور اس عقد سے حرمت مصاہرہ بھی عائد نہیں ہوتی جب تک کہ صحبت یا لوازماتِ صحبت کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ اور وہ عقد نکاح جس کے فاسد ہونے پر اجماع نہیں ہے بایں طور کہ بعض علماء گو وہ مسلکِ مالکیہ کے علاوہ کسی اور مسلک کے ہوں اس کی مثال حالت احرام میں نکاح کرنے والے کی سی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہے اور مالکیہ کے نزدیک فاسد ہے۔ اسی طرح عورت کا اپنا نکاح خود بغیر وساطت ولی کے کر لینا وغیرہ۔ (اختلافی) عقد فاسد سے حرمت مصاہرہ عقد صحیح کی طرح لاگو ہو جاتی ہے۔

نکاح فاسد میں وہ نکاح بھی ہے جس کا نفاذ کسی اور شخص کی اجازت پر موقوف رکھا جائے۔ لہٰذا اگر ایک شخص نے اپنے عاقل و بالغ بیٹے کی شادی اس کی عدم موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر کر دی تو یہ دوسری قسم کا عقد فاسد متصور ہوگا (یعنی جس کے فاسد ہونے پر اجماع نہیں ہے) لہٰذا اس عقد سے بھی وہی حرمت مصاہرہ عائد ہوگی جو عقد صحیح سے ہوتی

Marfat.com

ہے۔اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ یہ نکاح بالغ لڑکے کا ہو بلکہ یہ حرمت اُس صورت میں بھی عائد ہو جائے گی جبکہ چھوٹی لڑکی کا نکاح صغیر سن لڑکے سے کیا جائے۔

رہا 'زنا' سو اس کے بارے میں قول معتبر یہ ہے کہ اس سے حرمت آگے نہیں بڑھتی' لہٰذا اگر ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا تو اس شخص کو اس کی جڑ اور شاخ سے شادی کرنا جائز ہے اور اُس کے باپ اور بیٹے کو بھی اُس سے عقد جائز ہے اور زانی پر نیز اس کی جڑ اور شاخ پر اس بیٹی کے حرام ہونے کے بارے میں اختلاف ہے جو زنا سے پیدا ہوئی اور قابل اعتماد قول یہ ہے کہ وہ حرام ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا اور اس سے وہ حاملہ ہو گئی اور اُس سے لڑکی پیدا ہوئی تو یہ لڑکی اس پر اس کی جڑ (باپ دادا وغیرہ) اور شاخ (بیٹا پوتا وغیرہ) پر حرام ہے اور اگر اُس عورت نے کسی لڑکی کو وہی دودھ پلایا تو وہ لڑکی بھی حرام ہو گی کیونکہ یہ دودھ اسی فعل حرام سے پیدا ہوا ہے۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ زنا کی اولاد حرام نہیں ہوتی جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں کیونکہ اُس کو بیٹی تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے اور نہ اُس شخص کو اس لڑکی کے ساتھ تخلیہ میں رہنا جائز ہے اور نہ وہ (بطور باپ کے) اُسے نکاح کرنے پر مجبور کرنے کا حق رکھتا ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔ ایسی صورت میں کسی طرح اُسے بیٹی قرار دیا جا سکتا ہے جس سے نکاح حرام ہو اور کس طرح اُس کی ماں کا دودھ حرام ہو سکتا ہے؟ یہ بات معقول تو معلوم ہوتی ہے لیکن اس کو معتبر نہیں مانا گیا اور ولد الزنا (زنا سے پیدا ہونے والا لڑکا) بنت الزنا کی مانند ہے کہ اگر زنا سے کوئی لڑکا پیدا ہو تو اس پر باپ کی جڑ اور شاخ حرام ہیں اور بھائی کے زنا سے پیدا ہونے والی اس کے بھائی پر حرام ہے۔

اگر کسی شخص نے حاملہ عورت سے زنا کیا تو کہا جاتا ہے کہ اس سے حرمت مصاہرہ عائد نہیں ہوتی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حرمت عائد ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس شخص نے عورت کو اپنا مادہ تولید دیا ہے لیکن مشہور یہی ہے کہ حرام نہیں ہوتی۔

واضح ہو کہ (کسی عورت کی حرام ہونے کے لئے) یہ شرط نہیں ہے کہ اُس عورت کے ساتھ صحبت ہوئی ہو بلکہ اس سے لذت اندوز ہونا (حرمت کے لئے) کافی ہے' اگرچہ یہ اس کی موت کے بعد ہو۔ اور لذت اندوزی وہ ہے جو اندام نہانی پر نظر ڈالنے سے ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کا ارادہ نہ رہا ہو۔ لیکن اگر لذت کا ارادہ ہو لیکن فی الواقع ایسی کوئی حرکت نہ ہوئی تو اسے لذت اندوزی نہیں کہا جائے گا۔ پس اگر ایک شخص نے کسی عورت سے عقد کیا خواہ عقد فاسد ہی ہو اور اس طرح اس نے نفسانی لذت حاصل کی تو اس عورت کی بیٹی اور نواسی کنواسی وغیرہ اس پر حرام ہو جائیں گی۔ اسی طرح اُس عورت کی جڑ یعنی اس کی ماں' نانی' دادی وغیرہ بھی حرام ہوں گی۔ عورت کے چہرے اور ہاتھوں پر نظر ڈالنے سے حرمت مصاہرہ عائد نہیں ہوتی لیکن چہرہ' ہاتھ یا منہ کو چومنے یا شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے سے حرمت عائد ہو جائے گی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عقد فاسد سے حرمت مصاہرہ عائد ہو جاتی ہے۔ حنابلہ کے نزدیک عقد فاسد سے وہ تمام امور عائد ہو جاتے ہیں جو نکاح سے ہوتے ہیں بجز ان امور کے یعنی عورت کا حلال ہونا' رشتہ کا استوار ہونا' وراثت کا نافذ ہونا اور تخلیہ سے پہلے علیحدگی کی صورت میں نصف مہر کا واجب ہونا۔ چنانچہ نکاح فاسد سے عقد میں آنے والی عورت کے ساتھ صحبت حلال نہیں ہوتی اور نہ اس نکاح سے حلالہ ہوتا ہے (یعنی اگر عورت مطلقہ مغلظہ) ہے تو عقد فاسد کے بعد طلاق پانے پر پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوتی) اور نہ اُس عقد کو احصان (یا استواری) حاصل ہوتی ہے۔ یعنی اس عقد سے اُس مرد

Marfat.com

کو نہ خاوند قرار دیا جاتا ہے اور نہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں' اور اگر عقد فاسد کرنے والا صحبت کرنے یا ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دے تو عورت نصف مہر کی حقدار نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اور امور مثلاً حرمت مصاہرہ وغیرہ عائد ہو جائیں گے اس مسلک کا غالب خیال یہی ہے۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس سے حرکت مصاہرہ عائد نہیں ہوتی۔

وہ عورتیں جو عقد سے خواہ وہ عقد صحیح ہو یا عقد فاسد حرام ہوتی ہیں وہ یہ ہیں: باپ دادا وغیرہ کی بیویاں اور بیٹے پوتے پڑپوتے وغیرہ کی بیویاں اور بیوی کی ماں خواہ اوپر کے درجہ میں ہو اور خواہ خون کے رشتہ کی ہو یا دودھ کے رشتہ کی جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

ان کے علاوہ اور مباشرت جس سے حرمت مصاہرہ عائد ہوتی ہے۔ اس میں شرط یہ ہے کہ وہ مباشرت عورت کی خاص اندام نہانی سے ہو۔ زنخے کی شرمگاہ یا غیر اصلی اندام نہانی۔ جبکہ کسی عورت کے دو اندام ہوں۔ میں وطی سے حرمت مصاہرہ عائد نہیں ہوتی اور لواطت (عملِ غیر فطری) سے خواہ وہ کسی عورت سے ہو مرد سے یا لونڈی سے اس کے بعد بدفعلی کرنے والے فاعل اور مفعول میں سے ہر ایک کی ماں اور بیٹی دوسرے کے لئے حلال نہیں ہیں۔ اس فعل سے حرمت مصاہرہ اسی طرح عائد ہوتی ہے جیسے عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے۔ ان میں کوئی فرق نہیں ہے اس کی صراحت آئی ہے لیکن شرح المقنع میں بتایا گیا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ لواطت سے حرمت مصاہرہ عائد نہیں ہوتی کیونکہ آیت تحریم میں (یعنی جس میں حرام ہونے والی عورتوں کا ذکر ہے) لڑکی کا ذکر ہے لڑکے کا نہیں' لہٰذا اس میں لواطت کرانے اور کرنے والے کی ماں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی عمومیت میں آ جاتی ہے کہ احل لکم ماوراء ذالکم (یعنی ان کے علاوہ سب عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں)۔ اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ یہ فعل کرنے والا دس سال کا ہو اور یہ کہ اُس کے عضو مخصوص کا اگلا حصہ اصلی شرمگاہ یا دُبر (مقعد) میں داخل ہو جائے اور جس کے ساتھ مباشرت کی جائے وہ نو سال کی ہو۔ اگر اس سے کم عمر ہو تو اس سے مصاہرہ عائد نہ ہوگی' اسی طرح اس صورت میں بھی جبکہ بالغ مرد نو سال سے کم عمر کی لڑکی کی شرمگاہ میں دخول کرے اور ایک شرط یہ ہے کہ دونوں زندہ ہوں ان میں سے اگر مُردہ حالت میں کسی سے یہ حرکت سرزد ہو تو اُس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ حلال وطی سے حرمت مصاہرہ ثابت ہو جاتی ہے اور (بیوی کے) شبہ میں صحبت کرنے یا زنا سے بھی بموجب مسلک صحیح حرمت مصاہرہ عائد ہوتی ہے۔ پس اگر ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس عورت کی ماں اور اس کی بیٹی اس شخص پر اور وہ عورت اس کے باپ اور بیٹے پر حرام ہو جائے گی۔ اسی طرح اُس صورت میں بھی جبکہ اس شبہ میں کسی عورت سے وطی کر لی کہ وہ اُس کی بیوی ہے لیکن پتہ چلا کہ وہ کوئی اور عورت ہے ایسی صورت میں وہ عورت جس کے ساتھ شُبہ میں صحبت کی گئی اُس شخص کی جڑ اور شاخ پر حرام ہوگی اسی طرح اُس عورت کی شاخ بھی اُس پر حرام ہو جائے گی۔

کسی لڑکی پر حرمت مصاہرہ عائد ہونے کے لئے اُس کی ماں کے ساتھ مباشرت کا ہونا شرط ہے لہٰذا وہ لڑکی کو بیوی کے ساتھ آئی ہو محض عقد سے خواہ وہ عقد صحیح ہو یا فاسد حرام نہ ہوگی اور نہ محض خلوت سے اور نہ اندام نہانی کے علاوہ کسی اور

Marfat.com

ان عورتوں کا بیان جن کا زوجیت میں جمع کرنا حرام ہے

ایسی دو عورتوں کا زوجیت میں جمع کرنا حرام ہے کہ ان دونوں میں سے اگر ایک کو مرد تصور کر لیا جائے تو ان دونوں کا آپس میں نکاح حرام ہو۔ لہٰذا دو بہنوں کا ایک شخص کی زوجیت میں جمع ہونا حرام ہے۔[۱] کیونکہ اگر ان میں سے ایک کو مرد تصور کر لیا جائے (تو وہ دونوں بھائی بہن ہو جائیں گے)

طرح سے لذت اندوز ہونے سے حرام ہوگی اور نہ شہوت آمیز نظر ڈالنے نہ ہاتھ لگانے نہ بوسہ لینے اور نہ مقدمات جماع (خوش فعلیوں) سے بلکہ صرف صحبت کرنے سے حرمت عائد ہوگی اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ بقول صحیح صحبت کرنے ہی سے حرمت عائد ہوگی۔ خواہ وہ شبہ میں کی گئی ہو یا باقاعدہ نکاح صحیح کے بعد یا عقد فاسد کے بعد یا بدکاری کے طور پر۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دو بہنوں کو یا ایسی دو عورتوں کو جن کا زوجیت میں جمع کرنا حرام ہے عقد ازدواج میں لایا تو اس کی دو صورتیں ہوں گی یا تو ان دونوں کے ساتھ مختلف اوقات میں دو عقد کئے یا ایک ہی وقت میں دونوں کے ساتھ اکٹھا عقد ہوا۔ اگر ایک ہی عقد میں دونوں کو جمع کیا تو اُن کے درمیان علیحدگی کرا دی جائے گی۔ اگر تخلیہ سے پہلے دونوں کی علیحدگی کرا دی گئی تو کسی کے ذمہ کچھ عائد نہ ہوگا۔ اگر تخلیہ ہو گیا اور دونوں میں سے ہر ایک کے لئے مہر مقرر کیا گیا تھا اور مہر کی مقدار مہر مثل سے کم تھی تو وہ اُس کی حقدار ہوگی۔ غرض مباشرت کے بعد مہر مثل اور مہر طے شدہ جو کم ہوگا وہ مہر واجب الادا ہوگا یعنی اگر بندھا ہوا مہر، مہر مثل سے کم ہے تو وہی لے گی اور اگر مہر مثل سے زیادہ مہر بندھا تھا تو مہر مثل لے گی۔ لیکن اگر دونوں عقد مختلف اوقات میں (آگے پیچھے) ہوئے ہیں تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ آیا عقد کرنے والے کو پہلے عقد کا علم تھا یا نہیں؟ اگر اس کو علم تھا تو پہلا نکاح صحیح ہوگا اور دوسرا نکاح باطل ہوگا۔ اور دوسری سے علیحدگی فرض ہوگی اگر اُس شخص نے ایسا نہ کیا اور قاضی (حاکم شرع) کو اس کی خبر ہوئی تو اُس پر واجب ہوگا کہ اُن کے درمیان تفریق کرا دے۔ اگر مباشرت نہیں ہوئی تھی کہ یہ تفریق کر دی گئی تو کوئی مطالبہ عائد نہ ہوگا اور اس عقد کا کوئی نتیجہ نہ ہوگا لیکن اگر تخلیہ و مباشرت کے بعد تفریق ہوئی تو مہر مثل اور مہر مقررہ میں سے جس کی مقدار کم ہو وہ واجب الادا ہوگا جیسا کہ پہلے بتایا گیا اور اس عورت پر عدت لازم ہوگی اور (اولاد ہوگی تو) نسب قائم ہو جائے گا اور اس صورت میں کہ دوسری عورت سے مباشرت ہو گئی ہے اس شخص پر واجب ہوگا کہ پہلی کے ساتھ جس سے عقد صحیح قرار پایا ہے مباشرت نہ کرے۔ وہ عورت اُس پر حرام رہے گی جب تک کہ تفریق کے بعد اس کی بہن کی عدت نہ گزر جائے۔ لیکن اگر دوسری سے مباشرت نہ ہوئی ہو تو اُس عورت سے جس کے ساتھ عقد صحیح قرار پا چکا ہے مباشرت روا ہے۔ کیونکہ محض عقد فاسد سے جب تک کہ مباشرت نہ ہو کوئی حکم عائد نہیں ہوتا۔

اگر اس شخص کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس کی ایک شادی پہلے ہو چکی ہے۔ بلکہ وہ بھول گیا اور یہ نہ بتا سکا کہ اس پر فرض ہے کہ دونوں بیویوں سے علیحدگی اختیار کرے۔ اگر اُس نے ایسا نہ کیا اور قاضی کو اُس کا علم ہوا تو اس پر لازم ہوگا کہ خاوند کو اس بارے میں بیان دینے کا حکم دے۔ اگر وہ بیان نہ دے تو حاکم دونوں کے درمیان علیحدگی کرا دے اور قاضی کا تفریق

Marfat.com

جن کا باہم نکاح ناجائز ہے۔ اسی طرح ایک لڑکی اور اس کی پھپھی یا خالہ کو (زوجیت میں) جمع کرنا جائز نہیں ہے کہ اگر ان میں ایک کو مرد تصور کر لیا جائے تو دوسری کے ساتھ اس کا نکاح حلال نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر پھپھی کو مرد تصور کر لیا جائے تو وہ چچا ہوگا اور چچا کیلئے اس کی بھتیجی حلال نہیں ہے اس طرح خالہ کو اگر مرد تصور کر لیا جائے تو وہ ماموں ہوگا جس کا عقد بھانجی کے ساتھ جائز نہیں ہے اور اگر بہن کی بیٹی کو مرد تصور کر لیا جائے تو اس کی بھانجی اس کی خالہ ہو جائے گی وہ علی ہذا القیاس۔ (اس قاعدہ کے پیش نظر) ایک عورت اور اس کے خاوند کی لڑکی (سوتیلی بیٹی) کو جمع کیا جا سکتا ہے چنانچہ اگر کسی شخص کی بیوی ہے اور اس

کرانا طلاق متصور ہوگا جس کے بعد خاوند جو تین طلاقوں کا مالک تھا اب اس کی تعداد ایک کم ہو جائے گی (یعنی اب صرف دو طلاقوں کا مالک رہے گا) پھر اگر وہ ارادہ کرے کہ ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ شادی کرے تو وہ اُس سے شادی کر سکتا ہے بشرطیکہ پہلے مباشرت نہ کی ہو۔ اگر مباشرت ہو چکی ہے تو عدت کے دن پورے کرنے سے پہلے شادی کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور اگر اُن دونوں میں سے کسی ایک کی عدت پوری ہو جائے اور دوسری کی پوری نہ ہو تو اُس عورت کے ساتھ نکاح درست ہوگا جس کی عدت ختم نہ ہوئی ہو۔ کیونکہ اگر عدت گزارنے سے پہلے شادی کی تو یہ دو بہنوں کو اکٹھا زوجیت میں رکھنا ہوگا کیونکہ ایک بہن سے عقد کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ طلاقن بہن کی عدت کے دن پورے ہو جائیں۔

ایسی صورت میں جب کہ دو نکاح ہوئے ہوں اور یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کس سے ہوا لہٰذا اُن میں علیحدگی کرادی گئی خواہ مباشرت ہونے کے بعد یا اس سے پہلے دونوں حالتوں میں یہ دیکھنا ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک کا مہر مقرر کیا گیا تھا یا نہیں؟ اگر یہ علیحدگی مباشرت سے پہلے ہوئی تو دونوں کا اُن کا آدھا آدھا مہر دیا جائے گا۔ لیکن اس کی دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ دونوں کا مہر یکساں ہو۔ اگر مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا تو دونوں کسی مہر کی حقدار نہیں ہیں ہاں 'متعہ' (طلاق کا جوڑا) کی حقدار ہیں۔ متعہ کی تفصیل مہر کے بیان میں آگے آئے گی۔ اگر ان دونوں کے مہر کی مقدار مختلف (کم وبیش) ہے تو دونوں کو مہر مقرر کردہ کا ایک چوتھائی ملے گا لیکن اگر مباشرت ہو چکی ہے تو اُن دونوں کا مہر اُتنا ہی واجب ہوگا جو قرار پایا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ دونوں مہر کی مستحق کیسے ہو سکتی ہیں جب کہ اس مسئلہ میں ایک کا نکاح صحیح اور ایک نکاح فاسد ہونے میں کوئی شک نہیں۔ گو یہ معلوم نہیں ہے کہ ان دونوں میں سے کس کا عقد صحیح ہے؟ اور یہ بھی معلوم ہے کہ اگر عقد صحیح ہو تو عورت پورے طے شدہ مہر کی مستحق ہوتی ہے یا اگر مہر طے نہیں ہوا تو مہر مثل کی مستحق ہوتی ہے اور عقد فاسد ہو تو ''عقر'' لازم ہوتا ہے اور 'عقر' اُس مہر کو کہتے ہیں جو شبہ میں نکاح کرنے سے عائد ہوتا ہے۔ یعنی 'عقر' سے مراد وہ رقم ہے جو نکاح فاسد کے بعد اس شبہ میں کہ نکاح صحیح ہو گیا ہے مباشرت کرنے سے عائد ہوتی ہے اور عقر کی مقدار مہر مقررہ اور مہر مثل میں سے جس کی مقدار کم ہو وہ ہوتی ہے۔ یعنی وہ عورت دونوں قسم کے مہر کی مقداروں میں سے قلیل تر مقدار کی حقدار ہوتی ہے۔ پس اگر مقرر شدہ مہر کی مقدار مہر مثل سے کم ہے تو مقرر شدہ مہر اور اگر مہر مثل مقرر شدہ مہر سے کم ہے تو مہر مثل کی حقدار ہوگی۔ ایسی صورت میں ان دونوں میں سے جس کا عقد صحیح قرار پایا ہے اس کو عقد صحیح کا مہر اور دوسری کو عقد فاسد کا مہر کس طرح مل سکتا ہے درآنحالیکہ یہ معلوم نہیں ہے کہ دونوں میں سے کس کا عقد صحیح ہے ایسی حالت میں دونوں کا فیصلہ کس طرح کیا جائے؟

Marfat.com

شخص کی ایک لڑکی بھی ہے جو اس بیوی کے بطن سے نہیں ہے پھر اس شخص نے اس عورت کو طلاق دے دی یا وہ شخص وفات پا گیا تو اب یہ درست ہوگا کہ کوئی اور شخص اس مطلعہ عورت کو اور طلاق دینے والے کی بیٹی کو اپنی زوجیت میں لے آئے۔ کیونکہ اگر اس عورت کو مرد تصور کر لیا جائے تو وہ لڑکی اس شخص کے حق میں اجنبی ہوگی اور ان کی باہم شادی ہو سکے گی۔ اسی طرح کی یہ صورت ہے کہ اس بیٹی کو جو کسی اور کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے لڑکا تصور کر لیا جائے۔ (تو وہ بھی اجنبی ہی ہوگا)۔ اور خاوند کی (سوتیلی) ماں کا بھی وہی حکم ہے جو خاوند کی بیٹی کا بتایا گیا کہ ایک شخص کسی کے خاوند کی (سوتیلی) ماں اور اس خاوند کی مطلقہ یا بیوہ بیوی کو زوجیت میں رکھ سکتا ہے کیونکہ اس شخص کی وفات یا موت کے بعد وہ آپس میں ایک دوسرے سے اجنبی ہوتے ہیں۔

اس کا معقول طریقہ یہ ہے کہ مہر کی جو رقم یقینی طور پر واجب ہو اس کو (متعین کر کے) دونوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر دونوں کے مہر سو سو اشرفی مقرر ہوئے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا مہر مثل بھی اسی طرح سو اشرفی ہے تو سو اشرفی جو مقرر شدہ مہر ہے اور سو جو مہر مثل ہوتا ہے دونوں کو ملا کر ان دونوں میں تقسیم کر دیا جائے اس طرح دونوں کو ایک ایک سو اشرفی ملے گی۔ اگر ہر ایک کا مہر سو اشرفی مقرر ہوا لیکن مہر مثل ان میں سے ایک کا اسی اشرفی اور دوسری کا ستر اشرفی ہے تو مقررہ مہر جو ایک عورت کا سو اشرفی ہے اور دونوں کے مہر مثل میں سے جو کم ہے یعنی ستر اشرفی ان دونوں کا مجموعہ ایک سو ستر اشرفی ہوا اس رقم کے دونوں میں نصفا نصف تقسیم کر دیا جائے۔ اگر ایک کا مہر سو اشرفی اور دوسری کا اسی اشرفی مقرر ہوا اور دونوں کا مہر مثل یکساں مثلاً ستر اشرفی ہے تو دونوں کے قرار یافتہ مہروں میں جس کی مقدار کم ہے یعنی اسی اشرفی اور مہر مثل جو دونوں کا یکساں ہے یعنی ستر اشرفی۔ ان دونوں کو لیں (تو کل مجموعہ ایک سو پچاس اشرفی) اور دونوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے اگر دونوں میں سے ایک کا مہر نوے اشرفی اور دوسری کا ستر اشرفی مقرر رہا ہے اور مہر مثل بھی دونوں کا مختلف ہے مثلاً ایک کا مہر مثل نوے اور دوسری کا ساٹھ اشرفی ہے تو ان دونوں میں جس کی مقدار کم ہے یعنی ستر (نوے کے مقابلہ میں کم ہے) اور مہر مثل جس کا کم ہے یعنی ساٹھ دونوں کو ملا کر (جو ایک سو تیس اشرفی ہوتا ہے) دونوں عورتوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ اگر دونوں میں سے ہر ایک کا مہر دوسری کے برابر مقرر رہا ہے اور ان کا مہر مثل بھی یکساں ہے تو اس صورت میں دونوں کو مقررہ مہر ملنا واجب ہے۔ اگر مقررہ مہر یکساں نہ ہو اور مہر مثل دونوں کے یکساں ہوں تو دونوں میں سے ہر ایک کو مقرر شدہ مہر اور مہر مثل میں سے جو کم ہے وہ دیا جائے گا یعنی نکاح فاسد سے جو حق ہوتا ہے اس کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ عقد صحیح قرار دیئے جانے کے لئے ان میں سے کسی کے لئے وجہ ترجیح نہیں ہے۔ ظاہر ہے پہلا طریق تقسیم زیادہ قرین انصاف ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسی دو عورتوں کو جنہیں ایک ساتھ زوجیت میں رکھنا حلال نہیں ہے یکے بعد دیگر

Marfat.com

اپنے عقد ازدواج میں لائے لیکن ہنوز اس سے مباشرت نہیں کی اور دوسری عورت نے اس شخص کے اس بیان کی تائید کی کہ اس کے ساتھ پہلی عورت سے شادی کے بعد نکاح کیا' تو یہ دوسرا عقد بغیر کسی طلاق کے فسخ ہو جائے گا اور وہ عورت مہر کی حقدار نہ ہوگی۔ لیکن اگر اس عورت نے مرد کے اس دعوے کی تائید نہیں کی کہ وہ دوسری ہے بلکہ اس نے کہا کہ ''مجھے معلوم نہیں'' یا یہ کہا کہ پہلے اس سے شادی ہوئی لیکن اس کی شہادت پیش نہیں کر سکی تو یہ عقد فسخ ہو جائے گا اور وہ شخص ایک طلاق کے حق سے محروم ہو جائے گا اور عورت کو کسی مہر کا حق نہ ہوگا بشرطیکہ وہ شخص قسم کھالے کہ دوسرا نکاح اس کے ساتھ ہوا تھا اگر وہ قسم سے انکار کرے تو انکار کے ساتھ ہی تو اس عورت کا نصف مہر اس کے ذمہ ثابت ہو جائے گا' بشرطیکہ عورت نے کہا ہو کہ مجھے معلوم نہیں ہے لیکن اگر عورت کا دعویٰ یہ ہے کہ پہلے اس سے نکاح ہوا تو کسی مہر کی مستحق نہ ہوگی بجز اس صورت کے جب کہ وہ حلف اٹھائے کہ پہلے منکوحہ وہی ہے۔ اگر حلف سے انکار کرے تو کسی مہر کی کبھی مستحق نہ ہوگی۔ ہاں اگر اس سے مباشرت ہو چکی ہے تو عقد طلاق سے فسخ ہو جائے گا۔ اگر اس شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ پہلا نکاح اس کے ساتھ تھا تو وہ نکاح تجدید کے بغیر باقی رہے گا۔

اگر ایسی دو عورتوں کے ساتھ جنہیں جمع کرنا حلال نہیں ہے مثلاً دو بہنیں یا پھوپھی بھتیجی ہیں ایک ہی عقد کے ساتھ نکاح کیا تو وہ نکاح بغیر طلاق کے ہمیشہ کے لئے فسخ ہو جائے گا کیونکہ اس کے فاسد ہونے پر اجماع ہے اور اگر وہ دونوں ماں بیٹی ہیں تو وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیں گی۔ اگر ماں بیٹی دونوں ایک شخص کی زوجیت میں آئیں اور دونوں سے تخلیہ بھی ہو گیا تو اب وہ دونوں اس شخص پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیں گی اور ان میں سے کوئی اور کبھی حلال نہ ہوگی۔ اور ان دونوں کے مہر اس شخص کو ادا کرنا واجب ہوگا اور وفات کے بعد کسی کو ورثہ کا حق نہ ہوگا کیونکہ اس عقد کے فاسد ہونے پر سب کا اجماع ہے اور یہ احکام اسی صورت میں لاگو ہوں گے جب کہ ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ پہلے نکاح ہوا اور پھر اس شخص کی وفات ہو گئی تو ان دونوں میں سے کوئی بھی ورثہ کی حقدار نہ ہوگی اور بغیر طلاق دیئے وہ نکاح فسخ ہو جائے گا دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں عورتیں ایک ہی عقد نکاح سے زوجیت میں آئی ہوں اور ان میں سے کسی کے ساتھ تخلیہ نہ ہوا ہو تو ایسی صورت میں دونوں کے نکاح فسخ ہو جائیں گے لیکن اس شخص کو حق ہوگا کہ بعد میں ان دونوں میں سے جس کے ساتھ چاہے از سر نو عقد کر لے اور ماں دوبارہ عقد کے بعد اسے حلال ہو جائے گی۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ کسی عورت کی بیٹی حرام نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی ماں کے ساتھ مباشرت نہ ہوئی ہو۔ یعنی محض عقد صحیح سے بھی حرام نہ ہوگی۔ عقد فاسد سے تو بدرجہ اولیٰ حرام نہ ہوگی اور اگر دونوں کو یکے بعد دیگرے دو عقدوں سے زوجیت میں لایا اور تخلیہ کسی سے بھی نہیں ہوا تو جس سے پہلے عقد ہوا وہ درست رہے گا اور دوسرا عقد فسخ ہو جائے گا۔ خواہ ماں سے پہلے نکاح ہوا ہو یا بیٹی سے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ لیکن دوسرا نکاح ماں کے ساتھ تھا تو (بیٹی سے نکاح صحیح قرار پانے کے بعد) ماں ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی کیونکہ بیٹی سے نکاح ہوتے ہی اس کی ماں حرام ہو جاتی ہے۔ اگر دوسرا نکاح بیٹی سے ہوا ہے تو لازم ہے کہ اگر اس کی ماں کے ساتھ تخلیہ نہیں ہوا تو اسے طلاق دے دے اور اس کی بیٹی سے شادی کر لے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں کے ساتھ ایک ہی عقد میں نکاح ہوا اور ان میں سے کسی کے ساتھ تخلیہ بھی ہو گیا تو

Marfat.com

دونوں کا نکاح فسخ ہو جائے گا اور جس کے ساتھ تخلیہ نہیں ہوا وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی خواہ وہ بیٹی ہو یا ماں ہو اور جس کے ساتھ تخلیہ ہو کا ہے اس کے ساتھ ایام عدت گزرنے کے بعد عقد جدید کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے۔

اگر دونوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے نکاح ہوا اور جس سے پہلے نکاح ہوا وہ بیٹی تھی اور اس کے ساتھ تخلیہ ہوا تو وہ عقد صحیح ہو جائے گا اور وہ عقد شرعی صحیح کے ساتھ اس کی بیوی ہو جائے گی اور اس کی ماں ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جائے گی۔ اگر پہلے ماں کے ساتھ نکاح ہوا اور اس کے ساتھ تخلیہ ہوا لیکن بیٹی سے نہیں ہوا تو وہ نکاح بھی درست ہوگا اور بقول مشہور یہی نکاح برقرار رہے گا اور ماں سے تخلیہ کے بعد اس کی بیٹی ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جائے گی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ دونوں ہی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیں گی کیونکہ اگر بیٹی سے عقد ہو جائے گو وہ عقد فاسد ہو تو اس کی ماں حرام ہو جاتی ہے۔

اگر اس سے تخلیہ ہوا جس کے ساتھ بعد میں نکاح ہوا اور وہ بیٹی ہے۔ تو ان دونوں میں علیحدگی کرا دی جائے گی اور وہ مہر کی مستحق ہوگی پھر عدت گزارنے کے بعد وہ شخص اس کے ساتھ شادی کر سکے گا اور اس کی ماں ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جائے گی اور اگر وہ عورت جس کے ساتھ بعد میں نکاح ہوا اور تخلیہ بھی ہو گیا تو اس کی بیٹی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔ ماں تو یوں حرام ہوگی کہ اس کی بیٹی کے ساتھ عقد صحیح ہوا کہ پہلا نکاح اسی سے تھا لہٰذا ماں حرام ہو گئی اور بیٹی اس لئے حرام ہوئی کہ جس ماں کے ساتھ تخلیہ ہو جائے اس کی بیٹی حرام ہو جاتی ہے گو وہ تخلیہ عقد فاسد کے نتیجہ میں ہوا ہو اور اس عورت کو وراثت میں کوئی حق نہیں ہوتا۔

اگر دونوں کے ساتھ عقد نکاح یکے بعد دیگرے ہوا اور ان میں سے کسی کے ساتھ تخلیہ نہیں ہوا اور نکاح کرنے والا وفات پا گیا۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ دونوں میں سے پہلے کس کے ساتھ عقد ہوا تو وہ دونوں آدھے مہر کی حقدار ہوں گی۔ خواہ دونوں کے مہر کی مقدار یکساں ہو یا کم وبیش ہو اور دونوں میراث کی حق دار ہوں گی۔ کیونکہ وارث ہونے کا سبب موجود ہے۔ یعنی یہ معلوم ہے کہ دونوں میں سے ایک کا عقد صحیح ہے گو یہ نہیں معلوم کہ فی الواقع کون میراث کی حقدار ہے۔ اور مہر اس کو آدھا ملے گا باوجود اس کے کہ موت کے بعد مہر مکمل واجب الادا ہوتا ہے کیونکہ دونوں میں سے ایک کا عقد تو لا کلام فاسد ہے اس کا حق کچھ بھی نہیں ہے اور دونوں میں سے ایک کا عقد صحیح ہے۔ جس میں کوئی کلام نہیں' وہ پورے مہر کی مستحق ہے۔ البتہ یہ نہیں معلوم کہ دونوں میں سے کس کا نکاح درست ہے اور کس کا فاسد ہے لہٰذا وہ دونوں صرف ایک مہر کی مستحق ہیں جسے دونوں میں تقسیم کر دیا جائے گا کیونکہ وارث دنوں میں سے ہر ایک کو کہہ سکتا ہے کہ دوسرا نکاح تمہارے ساتھ ہوا تھا لہٰذا وہ فاسد ہے اور تم مہر کی حقدار نہیں ہو۔

ایک لحاظ سے یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص یکے بعد دیگر پانچ عورتوں سے نکاح کرے یا ایک ہی عقد میں چار عورتوں سے نکاح کرے اور پانچویں کے ساتھ علیحدہ نکاح کرے اور پھر اس کی وفات ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ نکاح میں پانچویں یا آخری کون سی ہے؟ جس کا نکاح فاسد ہوا ایسی صورت میں بیوی کے حصہ وراثت کو جو اولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھائی اور اولاد کی موجودگی میں آٹھواں حصہ ہوتا ہے پانچ حصے کر کے ہر ایک کو پانچواں حصہ دیا جائے گا۔ اگر

Marfat.com

پانچوں بیویوں سے تخلیہ ہوا تو ان میں سے صرف ایک کا پورا مہر ہوگا اگر چار عورتوں سے تخلیہ ہوا تو وہ سب مہر کی حقدار ہیں اور جس کے ساتھ تخلیہ نہیں ہوا وہ آدھا مہر لے گی۔ کیونکہ اس کا دعویٰ یہ ہوگا کہ وہ پانچویں نہیں ہے اور وارث اس کی تکذیب کرے گا' لہٰذا اس کا مہر اس عورت اور اس وارث کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر تین عورتوں سے تخلیہ ہوا تو ہر ایک کو اس کا مہر ملے گا باقی دو عورتوں کو ڈیڑھ مہر ملے گا۔ کیوں کہ وارث ان دونوں کا عقد صحیح ہونے کے بارے میں نزاع کرے گا لہٰذا مطالبہ میں وہ بھی شریک ہو جائے گا۔ لہٰذا ایک عورت کا نصف مہر وہ لے لے گا جس کی بابت احتمال یہ ہے کہ وہ پانچویں منکوحہ ہے اس طرح ایک پورا اور ایک نصف مہر رہ جائے گا جو ان دونوں میں تقسیم ہوگا اور ہر ایک کو تین چوتھائی ملے گا۔ اگر صرف دو عورتوں سے تخلیہ ہوا تو باقی تین میں سے دو کا' پورا مہر اور ایک کا نصف مہر ملے گا کیونکہ ان تینوں میں سے دو تو قطعی طور پر پورے مہر کی مستحق ہیں کہ وہ چار بیویوں کی تعداد مکمل کرتی ہیں رہی تیسری سو اس کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ وہ پانچویں ہے اور وارث اس سے نزاع کرے گا اور کہے گا کہ تو پانچویں ہے لہٰذا کسی مہر کی حق دار نہیں اس طرح وارث بھی مطالبہ میں حصہ دار ہو جائے گا۔ اب باقی ماندہ پورے دو مہر اور ایک نصف مہر کو ان تینوں میں سے ہر ایک کو اس کے مہر کا تین چوتھائی اور ایک چوتھائی کا تیسرا حصہ ملے گا۔ اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک کو اس کے مہر کے پانچ چھٹے حصے ملے گے۔ (یعنی) اگر صرف ایک عورت سے تخلیہ ہوا تو باقی چار عورتوں میں پورے تین مہر اور ایک نصف مہر کو تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں بھی وارث ایک عورت کے مہر میں نصف کا شریک ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے دو ایسی عورتوں سے نکاح کیا جن کو ایک شخص کی زوجیت میں جمع کرنا حلال نہیں ہے مثلاً دو بہنیں ہیں یا ماں بیٹی ہے تو یہ نکاح یا تو ایک ہی عقد سے بیک وقت ہوا ہوگا اور یا آگے پیچھے ہوئے۔ کیونکہ دونوں میں سے کسی کو بھی اولیت حاصل نہیں ہے۔ اگر تنسیخ نکاح تخلیہ سے پہلے ہوا تو ان عورتوں کو مہر وغیرہ کسی چیز کا حق نہیں ہے۔ لیکن اگر تخلیہ کے بعد تنسیخ عقد ہوا تو اس کے لئے وہی احکام ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔

اگر وہ دونوں بہنیں ہیں اور ان سے خلوت ہوئی تو دونوں اس شخص پر حرام ہیں کیونکہ ایسی مباشرت جو نکاح فاسد کی بنا پر کی جائے اس سے حرمت عائد ہو جاتی ہے۔ اگر ماں بیٹی کو نکاح میں جمع کیا اور ماں کے ساتھ تخلیہ کیا ہوا تو بیٹی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی کیونکہ ماں کے ساتھ تخلیہ ہوتے ہی اس کی بیٹیاں حرام ہو جاتی ہیں اگرچہ عقد فاسد ہوا لیکن اگر ماں سے تخلیہ نہیں ہوا تو بیٹی حرام نہ ہوگی اور اگر بیٹی کے ساتھ تخلیہ ہوا خواہ نکاح فاسد کی بنا پر ہوا اس کی ماں حرام ہو جائے گی لیکن محض عقد فاسد سے (جب تک تخلیہ نہ ہو) ماں حرام نہ ہوگی بہر حال اگر تخلیہ ہوا گو نکاح فاسد کی بنا پر ہوا تو اس کے ساتھ ہی مہر مثل واجب ہو جائے گا۔ محض عقد فاسد ہونے سے (بغیر تخلیہ کے) مہر واجب نہیں ہوتا کیونکہ محض عقد فاسد سے کوئی حرمت عائد نہیں ہوتی اور متعدد بار تخلیہ کرنے سے متعدد مہر واجب نہیں ہوتے درآنحالیکہ وہ تخلیے (مباشرتیں) ایک ہی شبہ کی بنا پر ہوں چنانچہ اگر بیٹی یا ماں کے ساتھ عقد فاسد کی بنا پر (یعنی اسے عقد صحیح سمجھ کر) متعدد بار مباشرت ہوئی تو مہر ایک ہی واجب ہوگا لیکن اگر مختلف شبہوں کی بنا پر مباشرت کی' مثلاً نکاح فاسد تھا (اور تخلیہ کر لیا) لیکن ان میں علیحدگی کرا دی گئی تھی پھر ان میں

Marfat.com

سے کسی کو اس نے سوتا ہوا دیکھ کر تصور کیا کہ وہ اس کی بیوی ہے اور اس کے ساتھ مباشرت کی تو اب ایک اور مہر دینا پڑے گا کیونکہ یہ مباشرت ایک دوسرے شبہ کی بنا پر تھی۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ دُوسرے شُبہ کو "شُبہ فاعل" کہتے ہیں اور پہلا شبہ جو نکاح فاسد (کو صحیح سمجھنے) سے ہوا تھا اسے شُبہ طریق کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ شبہ کی ایک تیسری قسم بھی ہے جسے شُبہ محل (یعنی مشارکت کا شُبہ) کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ باپ اس شبے میں کہ بیٹے کی مملوکہ شے اس کی مملوکہ ہے بیٹے کی لونڈی سے مباشرت کرے۔ اس کا نام "شبہ حل محل" ہے (یعنی اس شبہ میں کہ وہ اس کی ملکیت میں بھی شریک ہے)۔

واضح ہو کہ وہ مباشرت جو شبہ کی بنا پر نہ ہو اس سے مہر واجب نہیں ہوتا مثلاً کسی شخص کو عورت سے مباشرت پر مجبور کیا جائے یا کسی عورت کو سویا پا کر اُس سے ناجائز حرکت کا مرتکب ہوا شبہ میں نہیں (بلکہ دیدہ و دانستہ) تو یہ زنا ہے اور اس سے مہر واجب نہیں ہوتا اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ شُبہ میں مباشرت سے (پیدا ہونے والی اولاد سے) نسب ثابت ہو جاتا ہے اور ورثہ کا حق بھی ہو جاتا ہے اور عدت بھی لازم ہو جاتی ہے۔ شُبہ کا مفصل بیان اپنی جگہ پر آگے آ رہا ہے۔

مندرجہ بالا مسائل کا تعلق اس حالت سے ہے جب کہ ایسی دو عورتوں کو ایک ہی عقد کے ذریعے زوجیت میں لیا (جن کا جمع کرنا حرام ہے) اگر دونوں سے یکے بعد دیگرے عقد کیا اور یہ معلوم ہے کہ پہلے کس سے عقد ہوا اور اس میں بھول نہیں ہوئی تو دوسرا عقد باطل ہوگا اور جس سے پہلے عقد ہوا وہ برقرار رہے گا۔ پس اگر بیٹی سے پہلے عقد ہوا پھر اس کی ماں سے ہوا تو پہلا عقد صحیح اور دوسرا باطل ہوگا اور اگر تخلیہ نہیں ہوا تو اس عقد کا (جو ماں سے ہوا) کوئی اثر نہ ہوگا۔ لیکن اگر ماں سے مباشرت ہوئی تو اس کی بیٹی ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جائے گی۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ مباشرت سے گو وہ عقد فاسد کی بنا پر ہو بیٹی حرام ہو جاتی ہے۔ اگر پہلا نکاح ماں سے ہوا اور اس سے مباشرت نہیں ہوئی تو بیٹی حرام نہ ہوگی۔ بصورت دیگر بیٹی حرام ہو جائے گی۔

اگر یقینی طور پر یہ یاد نہ رہا کہ پہلے کس کے ساتھ عقد ہؤا تو توقف واجب ہے اور کسی کے ساتھ مباشرت حلال نہیں ہے تا آنکہ صورت حال واضح نہ ہو جائے اسی طرح یہ بھی حلال نہیں ہے کہ کوئی شخص ان میں سے کسی کے ساتھ، قبل اس کے ان دونوں کو ایک ساتھ طلاق نہ ہو جائے یا وہ شخص وفات نہ پا جائے' شادی کرلے۔ یہ حکم اس حال میں ہے جبکہ یہ جاننے کی امید ہو کہ پہلے کس کے ساتھ نکاح ہوا تھا' لیکن اگر اس کا پتہ چلنے کی امید نہ ہو تو ان دونوں عورتوں کو چاہئے کہ وہ یہ معاملہ حاکم کے سامنے پیش کریں اور وہ نکاح فسخ کرادے تاکہ کوئی خرابی نہ ہو۔ یہ مسئلہ بھی ایسا ہی ہے جیسے دو ولیوں نے ایک عورت کی شادی دو مردوں سے کردی اور یہ علم نہ ہو سکا کہ پہلے کس کے ساتھ ہوئی۔ یہ مسئلہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ ایسی ہی صورت یہ ہے کہ یہ علم نہیں ہوا کہ دونوں میں سے پہلا نکاح کس کے ساتھ ہوا۔ یا یہ صورت ہو کہ دونوں نکاح ایک ہی وقت میں ہوئے۔ ان حالات میں دونوں کے عقد باطل متصور ہوں گے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دو ایسی عورتوں کو ایک ساتھ عقد ازدواج میں لایا جن کا جمع کرنا حلال نہیں ہے مثلاً

Marfat.com

دونوں بہنیں ہیں تو یہ عقد باطل ہوگا اور اس شخص پر لازم ہے کہ طلاق دے کر اس سے علیحدگی اختیار کر لے اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم اس عقد کی تنسیخ کر دے گا۔ اگر یہ تنسیخ مباشرت اور خلوت صحیحہ سے پہلے ہو تو ان میں سے کسی کو نہ مہر کا حق ہوگا اور نہ متعہ (طلاق کے جوڑے) کا' خواہ وہ شخص وفات پا جائے کیوں کہ یہ عقد فاسد ہے اس کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے لیکن مباشرت اور خلوت کے بعد دونوں کے مہر مثل کی اس قدر ادائیگی لازم ہوگی جتنی متفق علیہ باطل نکاح کی صورت میں ہوتی ہے۔ مثلاً دو بہنوں کو عقد از دواج میں لانا یا پانچویں بیوی سے عقد کرنا یا عدت والی عورت سے نکاح کرنا۔ یہ تمام صورتیں بالاتفاق باطل ہیں۔ لیکن اگر مباشرت کر لی جائے تو مہر واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ حدیث میں آیا ہے۔ ''ولها الذی اعطاها بما اصاب منها' '(یعنی ایسی عورت سے جو استفادہ اُس شخص نے کیا اس کے عوض میں جو کچھ اُسے دیا گیا وہ اس کا حق ہے) یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ (حلال کے) شبہ میں (ناجائز) خلوت کی جائے یا عورت کے ساتھ جبراً مباشرت کی جائے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ''فلها بما استحل من فرجها' '(یعنی مباشرت کا معاوضہ اس عورت کا حق ہے)

اگر وہ شخص ان دو عورتوں کو یکے بعد دیگرے دو عقدوں سے اپنی زوجیت میں لایا لیکن یہ معلوم نہیں کہ دونوں میں سے پہلے کس کے ساتھ عقد ہوا تو اس صورت میں اس شخص پر واجب ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ طلاق دے دے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو حاکم ان میں تفریق کرا دے گا اور اس حالت میں ان میں سے ایک کا مہر نصف ہوگا۔ کیونکہ ان دونوں میں سے صرف ایک کا عقد لازمی طور پر صحیح ہے۔ اب اگر مباشرت سے پہلے دونوں کو طلاق ہوگئی تو وہ نصف مہر کی مستحق ہوگی۔ لیکن چونکہ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کس کا عقد صحیح ہوا لہٰذا اس کی تعین نہیں ہو سکی۔ پس ان دونوں میں قرعہ ڈالا جائے گا جس کے نام قرعہ نکلے وہ نصف مہر کی حقدار ہوگی۔ لیکن اگر ان دونوں سے مباشرت ہو چکی ہے تو ان دونوں کو مہر مثل ملے گا جیسا کہ بتایا جا چکا ہے اگر ایک کے ساتھ مباشرت ہوئی ہے اور دوسری کے ساتھ نہیں ہوئی تو جس کے ساتھ ہوئی ہے وہ پورے مہر کی مستحق ہے۔ دوسری عورت کی حیثیت معلوم نہیں ہے تو ان دونوں کی کیفیت متعین کرنے کے لئے قرعہ ڈالا جائے اگر قرعہ اس کے حق میں نکلے جس کے ساتھ مباشرت نہیں ہوئی تو وہ بھی نصف مہر کی حقدار ہوگی اور دوسری عورت مباشرت ہو جانے کی بنا پر اپنا پورا مہر لے گی۔

اگر ان دونوں کا عقد آگے پیچھے ہوا اور یہ معلوم ہے کہ کس کا عقد پہلے ہوا تو اس کا عقد صحیح اور دوسری کا عقد باطل ہوگا اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ عقد فاسد سے حرمت مصاہرہ عائد ہو جاتی ہے۔ پس اگر کسی نے بیٹی اور ماں دونوں سے ایک ہی وقت میں عقد کیا تو ماں ہمیشہ کے لئے اس شخص پر حرام ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر اس عقد فاسد کے بعد ماں سے مباشرت ہوئی تو مباشرت کے ساتھ ہی اس کی بیٹی ہمیشہ کے لئے اس شخص پر حرام ہو جائے گی۔

Marfat.com

(قاعدہ مذکورہ کے بموجب) ان دو عورتوں کو زوجیت میں جمع کرنا جائز نہیں ہے جو آپس میں ایک دوسرے کی پھوپھی ہوں یا خالائیں ہوں، پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ دو شخصوں نے ایک دوسرے کی ماں سے شادی کر لی اور ہر ایک کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو دونوں کی بیٹیاں آپس میں ایک دوسرے کی پھوپھی ہوئیں چنانچہ ایک شخص زید نے عمرو کی ماں سے شادی کی اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تو لڑکی عمرو کی ماں شریک بہن ہوئی اور دوسرے شخص عمرو نے زید کی ماں سے شادی کی اور اس سے لڑکی پیدا ہوئی تو یہ لڑکی زید کی ماں شریک بہن ہوئی اور دونوں کی بیٹیاں باہم ایک دوسرے کے باپ کی (ماں شریک) بہنیں ہوئیں لہٰذا ایک دوسرے کی پھپھیاں بن گئیں لیکن ان دونوں کا ایک شخص کی زوجیت میں جمع ہونا حلال نہیں ہے۔

دوسری صورت (یعنی دو لڑکیوں کا ایک دوسری کی خالہ ہونا) یہ ہے کہ دو شخص باہم ایک دوسرے کی بیٹی سے شادی کر لیں مثلاً زید نے عمرو کی بیٹی زینب سے شادی کی اور اس سے بندہ پیدا ہوئی تو عمرو بندہ کا ماں کی طرف سے جد (نانا) ہوا۔ اور عمرو نے زید کی بیٹی فاطمہ سے شادی کی اور اس سے فریدہ پیدا ہوئی جو بندہ کی خالہ ہے کیونکہ یہ اس کی ماں زینب بنت عمر کی بہن ہے۔ ادھر بندہ فریدہ کی خالی ہوئی کیونکہ یہ اس کی ماں فاطمہ بنت زید کی بہن ہے۔

اسی طرح پھپھی اور خالہ کو جمع کرنا بھی حرام ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی عورت سے شادی کرے اور اس شخص کا بیٹا اس عورت کی ماں سے شادی کرے اور دونوں سے لڑکیاں پیدا ہوں تو بیٹے کی بیٹی باپ کی بیٹی کی خالہ ہوئی جو اس کی ماں کی بہن ہے اور باپ کی بیٹی بیٹے کی بیٹی کی پھپھی ہوگی جو اس کے باپ کی بہن ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "لا تنکح المراة علی عمتها و لا عمة علی بنت اخیها. لا الکبریٰ علی الصغریٰ ولا الصغریٰ علی الکبریٰ" بروایت ابوداؤد۔ (یعنی کوئی عورت اپنی پھپھی پر شادی نہ کرے اور نہ کوئی پھپھی اپنے بھائی کی بیٹی (بھتیجی) پر کرے یعنی نہ بڑے رشتہ والی چھوٹے رشتہ والی پر اور نہ چھوٹے رشتہ والی بڑے رشتہ والی پر شادی کرے) ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور صحیح بتایا ہے۔

پس اگر ایسی دو عورتوں کو جمع کیا جن کو زوجیت میں جمع کرنا حلال نہیں ہے تو بموجب تفصیل مسالک مختلفہ وہ عقد فسخ کر دیا جائے گا۔

واضح ہو کہ نسب کے رشتہ سے جو شادی حرام ہے وہی دودھ کے رشتہ سے بھی حرام ہے۔ اس میں چند امور مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر رضاع (دودھ پلانے) میں بیان آئے گا۔

Marfat.com

مختلف مذہب کی عورتوں سے نکاح کرنے کا بیان

مسلمانوں سے اختلاف عقائد کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی قسم میں وہ لوگ جو نہ کسی آسمانی کتاب کے ماننے والے ہیں اور نہ کتاب جیسی کسی شے کے قائل ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اوثان (بتوں) کی بندگی کرتے ہیں۔ بتوں سے مراد لکڑی' پتھر' چاندی یا جواہر سے بنائی ہوئی مورتیاں ہیں اور 'اصنام' کہتے ہیں ان تصویروں کو جن میں حجم نہیں ہوتا جیسے کسی کاغذ وغیرہ پر بنی ہوئی تصویریں۔ کہتے ہیں کہ صنم اور وثن (تصویر اور مورت) میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ الفاظ ماسوائے ذات باری ان معبودوں کے لئے بولے جاتے ہیں جنہیں لوگ پوجتے ہیں۔ یہ لوگ مختلف تصویروں اور مورتیوں کو اپنے معبودوں کی علامت کے طور پر رکھتے ہیں۔ اس میں سورج' چاند' ستارے اور ان کی تصویریں جن کی وہ قدر کرتے ہیں داخل ہیں اور ان ہی میں وہ مرتد بھی ہیں جو دین اسلامی کے مسلمہ عقائد سے انکار کرتے ہیں جیسے رافضی ہیں کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے وحی کے پہنچانے میں غلطی کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی پہنچائی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو وحی پہنچانے کا حکم دیا تھا۔ یا ان کا اعتقاد ہے کہ علی معبود ہیں نیز وہ قرآن حکیم کی بعض آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور حضرت عائشہؓ پر تہمت لگاتے ہیں۔

اوثان پرستوں میں 'صابیٔ' ہیں جو ستاروں کی پرستش کرتے ہیں اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے نکاح حلال ہے ان کا خیال ہے کہ صابیٔ صاحب کتاب ہیں جس پر وہ ایمان لاتے ہیں۔

دوسری قسم میں وہ ہیں جو کتاب جیسی شے کے قائل ہیں یہ لوگ مجوسی ہیں جو آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ کتاب جیسی شے سے مراد یہ ہے کہ ان کے نبی زرتشت پر ایک کتاب نازل ہوئی' اس میں انہوں نے ردوبدل کر دیا اور اپنے نبیوں کو قتل کر دیا' اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب ان سے اٹھالی۔

ان سب سے باتفاق ائمہ اربعہ نکاح حلال نہیں ہے۔ داؤد کو اس سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ ان سے نکاح حلال ہے۔ کیونکہ کتاب جیسی شے کے قائل ہے۔

تیسری قسم میں وہ لوگ ہیں جو مانی ہوئی آسمانی کتاب پر ایمان لائے جیسے یہودی جو توریت پر ایمان لائے اور نصرانی جو توریت اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں انکے ساتھ رشتہ ازدواج درست ہے۔ یعنی مسلمان کے لئے حلال ہے کہ وہ کتابیہ (یعنی یہودی یا نصرانی عورت) کے ساتھ نکاح کرلے۔ لیکن مسلمان

Marfat.com

عورت کے لئے کتابی (یعنی یہودی یا نصرانی مرد) سے نکاح حلال نہیں ہے۔اسی طرح اور کسی دوسرے مذہب والے سے نکاح درست نہیں ہے۔اسی طرح اور کسی دوسرے مذہب والے سے نکاح درست نہیں ہے۔غرض مسلمان عورت کا نکاح صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ خاوند مسلمان ہو۔اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے''ولا تنکحو المشرکات حتی یومن ''(یعنی مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں) اور مردوں سے خطاب فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرمایا ہے۔ولا تنکحو المشرکین حتی یومنوا (یعنی مشرک مردوں سے (عورتوں کا) نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں) ان دونوں آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ مرد کا نکاح مشرکہ سے کسی طرح حلال ہے اور نہ مسلمان عورت کا نکاح مشرک سے کسی طرح حلال ہے۔سوا اس کے کہ وہ ایمان لائیں اور مسلمانوں میں داخل ہو جائیں۔

ان میں سے کتابیہ عورت کے لئے یہ خصوصیت ہے کہ وہ مسلمان مرد سے شادی کر سکتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے''والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ''(یعنی ان میں سے نیک عورتیں جنہیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی تم پر حلال ہیں' اس آیت سے بصراحت کتابیہ کے ساتھ نکاح کا حلال ہونا ثابت ہے اگرچہ وہ کہتی ہے کہ مسیح معبود ہے یا تین معبودوں میں سے ایک معبود ہے اور یہ علانیہ شرک ہے تاہم اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نکاح کی اجازت دی ہے کیونکہ ان کا مذہب آسمانی ہے اور کتاب پر ایمان لائے ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ آیا ان سے نکاح مطلق حلال ہے یا کراہت کے ساتھ؟ اس بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کتابیہ کے ساتھ نکاح اس صورت میں حرام ہے جب کہ وہ دارالحرب (غیر اسلامی ملک) میں ہو اور اسلامی احکام کو تسلیم نہ کرتی ہو ایسا کرنے سے فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا کیونکہ وہ اپنے خاوند کو خلاف اسلام طور طریقوں کی پابندی پر مجبور کرے گی اور اپنی اولاد کو اس کے دین سے پھیر کر دوسرے دین کی پیروی کی رغبت دلائے گی اور اپنے نام ونمود کے لئے اسے ایسے کاموں پر اکسائے گی جس سے اس کا وقار خاک میں مل جائے۔اس کے علاوہ اور بھی مفاسد ہیں پس نکاح اگرچہ درست ہے لیکن مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں لیکن اگر وہ عورت ذمی (اسلامی سلطنت کی غیر مسلم رعایا) ہو اور اسے اسلامی قوانین کا پابند کرنا ممکن ہو تب بھی اس کے ساتھ نکاح مکروہ تنزیہی ہے۔ مالکیہ کی اس بارے میں دو رائیں ہیں ایک رائے یہ ہے' کہ کتابیہ کے ساتھ شادی کرنا (یوں تو) مطلق فعل مکروہ

Marfat.com

ہے خواہ وہ ذمی ہو یا حربی ہو۔ لیکن دار الحرب کے اندر ایسا کرنے میں بہت زیادہ کراہت ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ ظاہر آیت کے پیش نظر اس میں مطلق کراہت نہیں ہے کیونکہ آیت غیر مشروط طور پر اسے مباح قرار دیتی ہے اور دار الاسلام میں اس کی کراہیت کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ کتابیہ کے نزدیک شراب پینا' سور کھانا اور گرجا میں جانا حرام نہیں ہے درآنحالیکہ یہ کام اس کے خاوند کے کرنے کے نہیں ہیں۔ وہ تو اپنی اولاد کو یہی کچھ کھلائے پلائے گی اور اسی حالت میں وہ طریق اسلام کے خلاف پروان چڑھیں گے اور دار الاسلام میں یہ کراہت (برائی) اور بھی زیادہ ہوگی جیسا کہ حنفیہ کا مسلک بتایا گیا ہے۔

اس پر کہا گیا ہے کہ یہ ممنوعات حرام ہیں اور مالکیہ کا مسلک ان وسائل کے سد باب پر مبنی ہے۔ پس اگر کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنے سے یہ خرابیاں پیدا ہوں یا ان کا اندیشہ ہو تو نکاح حرام ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات اس صورت میں کہی جا سکتی ہے جب کہ کوئی نص (شرعی صراحت) موجود نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتابیہ کے ساتھ نکاح حلال کیا ہے تو یقیناً اس کی اجازت دینے میں کوئی حکمت ہے بسا اوقات اہل کتاب کا داماد بننے میں دین کی بہتری ہوتی ہے اور اس کی توقیر بڑھتی ہے اور بعض مشکلات دور ہو جاتی ہیں اور کینہ وحسد نہیں رہتا۔ مزید براں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان اہل کتاب سے دین اور عقیدہ میں اختلاف رکھنے کے باوجود رواداری ہوتا ہے کہ کتابیہ عورت کو اپنے پاس رکھتا اور اسے اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دیتا ہے۔ اس کے دل میں ان مخالفین اسلام کی طرف سے نہ عداوت ہے اور نہ باطن میں ان سے کینہ رکھتا ہے اور مسلمان عورت کے لئے کسی کتابی سے شادی کرنا روا نہیں ہے کیونکہ عورت کی خصلت کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ بیشتر حالات میں یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ خاوند کو کسی بات سے باز رکھ سکے۔ وہ اپنے دین کو بدل لینے کے بارے میں کمزور واقع ہوئی ہے۔ اور اولاد بہر حال اپنے باپ کی روش پر چلتی ہیں اور عورت انہیں اس سے باز نہیں رکھ سکتی۔ اسلام باہمی روابط پیدا کرنے میں بڑی فیاضی سے کام لیتا ہے تاہم وہ کسی مسلمان کے دین سے پھر جانے کا روادار نہیں ہے اور نہ یہ پسند کرے گا کہ اس کی اولاد میں غیر مسلم ہوں اسلام میں (جہاں کتابیہ سے) نکاح جائز قرار دیا گیا ہے وہاں اس امر سے بھی منع کیا گیا ہے کہ اس کو اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا جائے لیکن دوسرے مذہبوں میں ایسا کوئی تحفظ نہیں ہے۔ چونکہ بیشتر حالات میں مرد قوی ہوتا ہے اس کی ذمہ داری کا معاملہ اس کی اور اس کی اولاد کی قوت ارادی پر منحصر ہوتا ہے جو کمزور عورت اور اہل کتاب خاوند کے درمیان دخل انداز ہوتا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ دار الاسلام میں کتابیہ کے ساتھ شادی کرنا مکروہ ہے اور دار الحرب میں سخت مکروہ ہے جیسا کہ بعض مالکیہ کی رائے ہے۔ لیکن یہ کراہت اس صورت میں ہوگی جب کہ یہ چند امور پائے جائیں:

ایک یہ کہ اس کتابیہ کے مسلمان ہو جانے کی توقع نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ایسی مسلمان عورت موجود ہو جو اس کے لائق ہو تیسرے یہ کہ اسے اندیشہ ہو کہ اگر اس کتابیہ سے شادی نہ کی گئی تو گناہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ پس اگر یہ امید ہو کہ وہ مسلمان ہو جائے گی تو اس کے ساتھ شادی کر لینا سنت ہے اگر کوئی مسلمان عورت ایسی نہ ہو جو اس کے لائق ہو تب بھی ایسی کتابیہ کے ساتھ نکاح سنت ہے جو اس کے لائق ہو اور جس کے ساتھ وہ ہنسی خوشی اور وابستگی سے زندگی بسر کر سکے۔ اگر یہ

Marfat.com

کتابیہ سے نکاح کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ اس کے ماں باپ اہل کتاب ہوں (۱) بلکہ باپ یا ماں اگر بت پرست ہیں لیکن وہ کتابیہ ہے تب بھی شادی درست ہے۔

تین طلاق والی عورت کے حرام ہوجانے کا بیان

حلالہ کرنے والے کے متعلقہ مسائل

اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق دے دی تو اب وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ کسی اور کے ساتھ شادی نہ کرے۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ دوسرا خاوند اس کے ساتھ ہمیشہ رہنے کی نیت کرے بلکہ وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہوجائے گی جب کہ دوسرے خاوند نے اس کے ساتھ اس ارادے سے مباشرت کی کہ اسے پہلے خاوند کے لئے حلال کردے۔ (۲) ایسے شخص کو "محلل" کہتے ہیں۔ (اس شخص کی مباشرت اور طلاق کے بعد) وہ عورت پہلے خاوند کیلئے ان شرائط کے تحت حلال ہو جائے گی جن کی تفصیل مختلف مسالک میں کی گئی ہے۔ (۳)

صورت ہو کہ اس کتابیہ سے شادی نہ کرنے کی صورت میں گناہ میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ ہے تو اس سے بچنے کے لئے شادی کرنا سنت ہے۔

امور بالا سے واضح ہے کہ اس مسئلہ کا دارومدار بہتری اور خرابی پر ہے۔ اگر شادی میں بہتری ہو تو یہ امر پسندیدہ ہے اور اگر خرابی ہے تو یہ امر مکروہ ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ کتابیہ عورت سے شادی کرنا بغیر کسی کراہت کے حلال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عام ہے "والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب من قبل (یعنی جو لوگ کتب سابقہ پر ایمان لائے ہیں ان کی محصنات سے شادی روا ہے)۔ یہاں پر محصنات سے مراد آزاد عورتیں ہیں۔

۱۔ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ کتابیہ کے ساتھ نکاح حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کے ماں باپ بھی اہل کتاب ہوں چنانچہ اگر اس کا باپ بقول معتمد شافعیہ اہل کتاب اور ماں بت پرست ہے تو نکاح حلال نہیں ہے یہاں تک کہ اگر وہ بالغ ہوجائے اور اپنے باپ کا مذہب اختیار کر کے کتابیہ ہوجائے تب بھی حلال نہیں ہے۔

۲۔ مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر حلالہ کی نیت سے نکاح کیا گیا تو وہ عورت پہلے خاوند کے لئے مطلقاً حلال نہ ہوگی اور یہ دوسرا نکاح باطل ہوگا۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر اس عورت نے دوسرے خاوند کے ساتھ اس غرض سے نکاح کیا کہ پہلے خاوند کو وہ حلال ہوجائے تو ایسا کرنا بشرائط ذیل صحیح ہوگا:

پہلی شرط یہ ہے کہ دوسرے خاوند نے اس کے ساتھ عقد صحیح کیا ہو۔ اگر شرائط مذکورہ سابقہ پوری نہ ہونے کے باعث عقد فاسد ہو تو یہ نکاح صحیح نہ ہوگا اسی طرح اگر وہ نکاح کسی اور شخص کی اجازت پر موقوف ہو تب بھی نکاح نہ ہوگا۔ مثلاً

Marfat.com

کسی مملوک غلام نے ایسی (مطلقہ) عورت سے نکاح کیا اور اپنے آقا سے اجازت لئے بغیر اس کے ساتھ مباشرت کی تو وہ عورت (پہلے خاوند کو) حلال نہ ہوگی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ دوسرے خاوند نے اس کے ساتھ خلوت اور مباشرت کی ہو محض عقد کرنے سے بغیر مباشرت کے بالاتفاق حلالہ نہ ہوگا حضرت سعید بن مسیبؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ محض عقد سے بھی حلالہ ہو جائے گا لیکن اس قبول پر کسی امام نے مطلق عمل نہیں کیا اور جس نے اس قول پر فتویٰ دیا اس پر اللہ اور فرشتوں کی لعنت ہے اور اگر قاضی (حاکم شرع) نے اس کے مطابق فیصلہ کیا تو وہ فیصلہ لاگو نہ ہوگا۔ دوسرے خاوند کے لئے (حلالہ کے معاملہ میں) یہ بھی شرط نہیں ہے کہ وہ عاقل ہو بلکہ اگر وہ پاگل ہے اور اس نے مباشرت کر لی تو حلالہ ہو جائے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ نیند کی حالت میں مباشرت کی جسے کچھ خبر نہ تھی یا کسی حواس باختہ نے کی یا عورت نیند میں ہو یا ہوش میں نہ ہو۔ لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے' بعض اصحاب نے ان صورتوں میں یہ شرط لگا دی ہے کہ طرفین لذت محسوس کریں۔ جیسا کہ بظاہر حدیث کا مفہوم ہے۔ پس بے ہوش انسان اور نیند کی حالت میں بغیر احساس لذت کے مباشرت ہو تو حلالہ نہ ہوگا بخلاف پاگل کے جس کے لذت اندوز ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے لیکن جو شخص یہ کہتا ہے کہ (حلالہ کے لئے) عضو مخصوص کا محض دخول کافی ہے وہ اس طرح سے حلالہ ہو جانے کا مطلقاً قائل ہے۔ لیکن حدیث پر عمل کے پیش نظر خیال غالب یہی ہے کہ پہلی بات کو ملحوظ رکھا جائے (یعنی لذت کا احساس) ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ محض ایلاج (دخول عضو مخصوص) ہی کو لذت گمان کر لیا جائے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ شخص بالغ ہو بلکہ حلالہ کا مقصد حاصل ہونے کے لئے قریب البلوغ ہونا کافی ہے بشرطیکہ اس کے عضو مخصوص میں انتشار ہوتا ہو اور عورت کی جانب سے اس کا میلان ہو۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ دوسرا خاوند مسلمان ہو جب کہ کسی مسلمان نے ذمیہ کو طلاق دی ہو اور کوئی ذمی ہی حلالہ کرے چنانچہ اگر ایک مسلمان نے کسی ذمیہ سے شادی کی اور اسے تین طلاق دے دی اور پھر کسی ذمی نے اس کے ساتھ عقد کیا اور طلاق دے دی تو پہلے خاوند کے لئے وہ حلال ہو جائے گی۔

حلالہ کی مباشرت میں یہ بھی شرط ہے کہ کوئی شے لپیٹ کر مباشرت نہ ہو جو درمیان میں حائل ہو پس اگر کوئی دھجی وغیرہ لپیٹ کر مباشرت کی تو حلالہ صحیح نہ ہوگا سوا اس کے کہ وہ بہت باریک ہو جو جسم کی حرارت محسوس کرنے سے مانع نہ ہو جیسے وہ تھیلیاں ہوتی ہیں جنہیں 'کبودہ' کہتے ہیں اس سے حلالہ ہو جائے گا۔

تیسری شرط بقول معتمد یہ ہے کہ یہ مباشرت غسل واجب کرنے والی ہو۔ یعنی عضو مخصوص کا سرا اندر داخل ہو جائے۔ اس کے لئے انزال شرط نہیں اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ دوسرے خاوند کا قریب البلوغ ہونا حلالہ کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح یہ بھی شرط نہیں ہے کہ وہ مباشرت جائز ہو۔ بلکہ حالت حیض و نفاس اور حالت احرام میں بھی مباشرت کرنے سے حلالہ ہو جائے گا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ دوسرے خاوند کی عدت گزر جائے۔ عدت گزرنے سے پہلے وہ عورت سابقہ خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ دوسرا خاوند سابقہ خاوند کی عدت گزرنے سے پہلے عقد کرے۔ کیوں کہ پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ حلالہ کے لئے شرط یہ ہے کہ عقد صحیح ہوا ہو۔ اگر یہ عقد عدت کے دوران ہوا تو وہ صحیح نہ ہوگا۔

Marfat.com

پانچویں شرط یہ ہے کہ مباشرت صحیح طریقہ سے ہوئی ہو۔ اگر ایسی چھوٹی لڑکی ہو جس سے مباشرت نہیں کی جا سکتی تو حلالہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح 'مفضاۃ' کے ساتھ مباشرت سے حلالہ نہ ہوگا 'مفضاۃ' ایسی عورت کو کہتے ہیں جس کا آگا پیچھا ایک ہو گیا ہو۔ ایسی (مطلقہ) عورت پہلے خاوند پر جب تک کہ اسے دوسرے خاوند سے حمل نہ ہو جائے حلال نہ ہوگی کیونکہ اس کا یقین (بلا حمل کے) نہیں ہو سکتا کہ فی الواقع اندام نہانی میں مباشرت کی گئی ہے۔ یہی صورت ایک مجبوب (مقطوع الذکر) مرد سے نکاح کی ہے کہ وہ عورت پہلے خاوند پر حلال نہ ہوگی جب تک کہ اس مجبوب سے حاملہ نہ ہو جائے اور اس سے حاملہ ہونا 'سحق' کی صورت میں ہو سکتا ہے بایں طور کہ وہ شخص اپنے کٹے ہوئے عضو مخصوص کو اندام نہانی پر رکھے جیسا کہ مباشرت ہم جنسی کی مرتکب عورتیں کرتی ہیں اور اس حرکت سے انزال ہو جائے اور وہ عورت اس سے حاملہ ہو جائے تو اب وہ عورت (طلاق پانے کے بعد) پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی اور خصی مرد (مقطوع الخصیتین) نے عضو مخصوص اندام نہانی میں داخل کیا تو حلالہ ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی عمر رسیدہ بوڑھے سے جس میں کسی قدر انتشار (حرکت عضو مخصوص) کی کیفیت ہو تو وہ حلالہ کے لئے کافی ہے لیکن اگر اس کا عضو مخصوص ایک دھجی کی مانند ہے جس میں قطعاً استادگی نہیں ہوتی اور ہاتھ سے کام لئے بغیر دخول نہیں ہو سکے تو ایسے شخص کی بابت بھی کہا جاتا ہے کہ حلالہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا انحصار حشفہ (سر ذکر) کے اندر جانے پر ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سے حلالہ نہ ہوگا لیکن اس بارے میں زیادہ قوی خیال یہ ہے کہ اس طرح کے ادخال سے اگر وہ شخص اور وہ عورت لذت اندوز ہوں تو حلالہ ہو جائے گا۔ جیسا کہ اس حدیث کا ظاہری مفہوم ہے حتىٰ تذوقي عسيلته و يذوق عسيلتك (یعنی ایسی مباشرت ہو کہ عورت مرد سے اور مرد عورت سے لطف اندوز ہوئے ہوں تب ہی) حلالہ ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو تو حلالہ نہ ہوگا۔

اب معلوم ہونا چاہئے کہ آیا ایک شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کی مطلقہ عورت سے شادی کر لے اور اس ارادے کے ساتھ اس سے مباشرت کرے کہ طلاق دینے والے سابقہ خاوند کے لئے اسے حلال کر دے یا جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز بلکہ ثواب ہے لیکن اس کے لیے چند شرائط ہیں: ایک شرط یہ ہے کہ اس سے سابقہ میاں بیوی کے درمیان مصالحت اصل مقصود ہو محض نفسانی خواہش کا پورا کرنا پیش نظر نہ ہو۔ اگر صرف خواہش نفسانی کا پورا کرنا مدنظر ہو تو یہ عمل مکروہ ہے۔ لیکن (اس کے بعد) وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس نے اپنے تئیں اسی کام میں نہ لگا رکھا ہو کہ لوگوں کو یہ معلوم اور سب میں مشہور ہو کہ فلاں شخص (مطلقہ عورت کے لئے) حلالہ کا کام کرتا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس فعل کے لئے اس نے کوئی اجرت مقرر نہ کر لی ہو اگر اس نے ایسا کیا تو یہ فعل حرام ہوگا اور وہ شخص اس حدیث کے مصداق ہوگا لعن الله المحلل و المحلل له (یعنی جو شخص حلالہ کرنے کا کام کرے اور جس کے لئے کیا جائے دونوں پر اللہ کی لعنت ہے) پس اگر اس کام کے لئے اجرت کی شرط لگائی تو گنہگار اور عام لعنت کا سزاوار ہوگا۔ اور گنہگار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل جانور کے گبھن کرانے کی اجرت کی مانند ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص کے پاس گدھا یا کوئی نر جانور ہے اور کوئی شخص اس سے خواہش ظاہر کرے کہ وہ اس کی گدھی یا کسی اور مادہ جانور کو گبھن کرائے تو اس کے لئے اس پر اجرت کا مطالبہ حرام ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی عورت سے مباشرت کے لئے اجرت لے تو وہ اس

Marfat.com

گدھے کی مانند ہے جس کا مالک جفتی کے معاوضہ میں اجرت طلب کرے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ شادی کے وقت حلالہ کی شرط نہ رکھی گئی ہو یعنی وہ یوں کہے کہ میں تیرے ساتھ اس لئے شادی کرتا ہوں کہ تیرا حلالہ ہو جائے اگر یہ کہا تو یہ شرط باطل ہوگی اور بقول معتمد عقد صحیح ہوگا اور اگر مباشرت ہوگئی تو وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی لیکن کراہت تحریمی کے ساتھ۔ ظاہر ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ عمل حدیث کے ظاہر مفہوم کے خلاف ہے کیونکہ محلل (حلالہ کا کام کرنے والے) پر لعنت آئی ہے اور (لعنتی) محلل وہ ہے جس پر اسی طرح کا عقد چسپاں ہوتا ہو کہ وہ نکاح حلالہ کی شرط پر کرے۔ یہ معلوم ہے کہ حنفیہ نے اس شخص کو بھی جو حلالہ کی شرط سے نکاح کرے ایسا ہی قرار دیا ہے جیسے کوئی شخص اس کام کے لئے اجرت کا مطالبہ کرے ان دونوں صورتوں پر حدیث کے اطلاق سے کوئی امر مانع نہیں ہے۔ پس اگر کوئی شخص حلالہ کے لئے اجرت کی شرط رکھتا ہے تو وہ بھی ایسا ہی ہے جیسے دوسرا عقد کرنے والا یہ بتا دے کہ وہ حلالہ کے ارادے سے یہ عقد کر رہا ہے۔ دونوں ہی باتوں سے (یعنی اجرت مقصود ہو یا حلالہ) اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس کام کے پیش نظر مقصد گھٹیا اور انسانیت سے بعید ہے۔ لہٰذا ایسا شخص ملعونوں میں شامل کئے جانے کا سزاوار ہے۔

بعض اصحاب نے امام ابوحنیفہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نکاح کے لئے حلالہ کی شرط لگانا صحیح ہے اور اس پر عمل کرنا لازم ہے یہاں تک کہ اگر وہ شخص (جو حلالہ کے ارادہ سے نکاح کرے اور) طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی اسے (طلاق کے لئے) مجبور کر سکتا ہے لیکن حنفیہ میں سے جو اہل تحقیق ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ کمزور بات ہے اس پر اعتماد کرنا چاہئے۔ کیونکہ مذہب کے بنیادی اصول اس کے منافی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ فاسد شرطیں عائد کرنے سے نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط (جو مفسد نکاح ہے) باطل ہو جاتی ہے اور عقد صحیح رہتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حلالہ کی شرط عقد کے مقتضیات میں سے نہیں۔ لہٰذا وہ شرط باطل ہو جائے گی اور عقد درست رہے گا۔ یہی اس مسلک کی قابل اعتماد بات ہے۔ اگر عقد ایک مقررہ وقت کے لئے کیا جائے تو اس شرط سے عقد باطل ہو جائے گا جیسا کہ وقتی نکاح کے بیان میں بتایا جائے گا۔

اگر عورت کو اس امر کا اندیشہ ہے کہ وہ شخص نکاح کے بعد اسے طلاق نہ دے گا تو عورت کے لئے ممکن ہے کہ وہ اس شخص سے یہ کہے کہ میں تمہاری زوجیت اس شرط پر قبول کرتی ہوں کہ مجھے خود اپنے تئیں طلاق دینے کا اختیار ہوگا اور وہ شخص کہے کہ مجھے یہ شرط قبول ہے تو اس صورت میں وہ عقد صحیح ہوگا اور اس عورت کو حق ہوگا کہ جس وقت بھی چاہے خود کو طلاق دے کر اس سے علیحدہ ہو جائے۔ لیکن یہ اس صورت میں صحیح ہے جب کہ عورت یہ شرط لگائے اگر مرد یہ کہے کہ میں تم سے اس شرط پر شادی کرتا ہوں کہ طلاق کا معاملہ تمہارے اپنے اختیار میں ہوگا تو نکاح درست ہوگا یہ شرط فضول ہوگی (اس کا کچھ اثر نہ ہوگا)۔

(اس باب میں) خلاصہ یہ ہے کہ اگر حلالہ ان برائیوں سے پاک ہو اور نکاح کا مقصد صرف یہ ہو کہ اس شخص اور اس کی مطلقہ بیوی میں صلح ہو جائے تو یہ نکاح جائز ہے اور ایسا کرنے والے کو میاں بیوی کے درمیان صلح کرانے کا ثواب ہوگا۔ لیکن اگر مذکورہ اغراض میں سے کوئی غرض پیش نظر ہو تو یہ نکاح مکروہ تحریمی (حرام) ہوگا اور اس میں تمام شریک ہونے والے گنہگار ہوں گے خواہ دوسرا خاوند ہو یا طلاق دینے والا (پہلا خاوند) یا مطلقہ عورت۔ لیکن عقد بہرحال صحیح ہوگا بشرطیکہ دوسری تمام شرائط پوری ہوتی ہوں اور مباشرت کے بعد حسب تشریح بالا وہ عورت سابقہ خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔

Marfat.com

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کی تین طلاق یافتہ عورت کے ساتھ حلالہ کی نیت سے شادی کی تو یہ عقد فاسد ہوگا اور مباشرت سے برقرار نہ رہے گا۔ بلکہ پہلے ہی یا بعد میں دونوں کے درمیان علیحدگی کرادی جائے گی۔ لیکن اگر نکاح میں حلالہ کی شرط تھی تو یہ نکاح بغیر طلاق کے فسخ ہوجائے گا کیونکہ یہ سرے سے عقد ہی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر چہ حلالہ کی شرط نہ رکھی ہو لیکن عقد کے بعد اس کو مان لیا ہو تو اب وہ عقد طلاق سے فسخ ہوجائے گا اور اگر عقد کرنے سے پہلے حلالہ کی شرط کا اقرار کیا تھا اور بعد میں عقد کیا تو وہ عقد بھی بغیر طلاق کے اسی طرح فسخ ہوجائے گا جس طرح عقد میں یہ شرط رکھنے سے فسخ ہوجاتا ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ علیحدگی دونوں میں مطلقاً طلاق بائنہ (نکاح توڑنے والی طلاق) کے ساتھ ہوگی اگر اس نکاح سے طلاق دینے والے (سابقہ خاوند) یا طلاق پانے والی (مطلقہ) کی نیت یہ رہی ہو کہ دوسرے شخص سے محض حلالہ کی غرض سے شادی کی گئی ہے تو ان کی اس نیت سے کچھ فائدہ نہیں ہے یہ لغو ہے کیونکہ طلاق کا اختیار دوسرے خاوند کو حاصل ہے اگر اس نے حلالہ کی نیت سے نکاح کیا ہے تو اس نے نکاح کے بنیادی مقصد کو نظر انداز کردیا ہے اور وہ (مقصد) یہ ہے کہ شادی دائمی طور پر مل جل کر رہنے کے لئے ہوتی ہے۔ پس اگر کسی نے حلالہ کی نیت سے شادی کی اور اس عورت کے ساتھ خلوت بھی ہوگئی تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی تاہم دوسرے خاوند پر جس نے اس کے ساتھ خلوت کرلی ہے مقررہ مہر کی ادائیگی ''بالاتفاق'' لازمی ہے لیکن اگر نکاح میں حلالہ کی شرط تھی اور خلوت ہوگئی ہے تو مہر کی ادائیگی ''بقول صحیح'' لازم ہوگی۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ یہ نیت ہو کہ اگر وہ عورت پسند آگئی تو عقد برقرار رکھے گا ورنہ اسے حلالہ کے طور پر شادی کرے گا (اور طلاق دیدے گا) تو (اس نیت کے ساتھ) یہ نکاح بھی پہلی صورت کے نکاح کی طرح فاسد ہوگا اور اگر مباشرت بھی ہوگئی ہے تب بھی طلاق دینے والے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی۔ غرض طلاق مغلظہ پانے والے عورت طلاق دینے والے خاوند پر حلال نہیں ہوسکتی بجز اس صورت کے کہ وہ ایسے شخص سے نکاح کرے جس نے حلالہ کی نیت سے نکاح نہ کیا ہو۔ اس کے لئے بھی چند شرائط ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ دوسرا خاوند بالغ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس نے اندام نہانی میں حشفہ (سر ذکر) یا اگر حشفہ نہیں ہے تو بقدر حشفہ داخل کیا ہو۔ اس کے بغیر وہ عورت سابقہ خاوند پر حلال نہیں ہوسکتی۔ بیوی کے ساتھ حرکت غیر فطری کے ارتکاب سے حلالہ کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ اس کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اس کے عضو مخصوص میں انتشار (استادگی) ہو خواہ مباشرت سے پہلے یا اس کے دوران۔ چنانچہ اگر انتشار کے بغیر دخول کیا اور دخول کے بعد انتشار ہوا (حلالہ کے مقصد کے لئے) صحیح ہے۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ انتشار پورے طور پر ہو۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ دخول اندرونی حصہ میں ہو بیرونی حصہ میں دخول (حلالہ کے مقصد کے لئے) کافی نہیں ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ مباشرت کے وقت دبیز دھجی عضو مخصوص پر نہ ہو۔ باریک دھجی ہو جو جسمانی حرارت کے احساس سے مانع نہ ہو تو اس بارے میں اختلاف ہے لیکن خیال غالب یہی ہے کہ (حلالہ کے لئے) وہ بھی مباشرت ہے۔ باریکی دھجی کی مثال ایک باریک تھیلی کی سی ہے جو ہمارے زمانہ میں مانع حمل کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ اور اسے 'کبوڈ' کہتے ہیں چنانچہ اگر اس کو مباشرت میں استعمال کیا تو حلالہ ہو جائے گا۔ انزال ہونا شرط نہیں ہے اور حنفیہ کی کتابوں میں یہ جو مذکور ہے کہ مالکیہ اس میں انزال کا ہونا شرط قرار دیتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔ اگر خصی شخص جس کے صرف خصیے کٹے ہوئے ہوں اور باقی حصہ مقطوع نہ ہو دخول کرے تب بھی حلالہ ہو

Marfat.com

جائے گا بشرطیکہ وہ عورت بحالت مباشرت اس سے آگاہ ہو کیونکہ اگر وہ اس سے آگاہ تھی اور نکاح پر راضی ہوئی تو نکاح ہو گیا۔ اگر اسے معلوم نہ تھا تو یہ عقد اس عیب کی بنا پر قابل فسخ ہوگا اور اس سے حلالہ نہ ہو سکے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ دوسرا خاوند مسلمان ہو پس اگر کسی مسلمان نے اپنی کتابیہ بیوی کو تین طلاق دے دی اور پھر کسی کتابی نے اس سے نکاح کیا اور اسے چھوڑ دیا تو وہ عورت اپنے سابقہ مسلمان خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ اس مباشرت میں کوئی امر شرعی مانع نہ ہو مثلاً یہ کہ عورت حیض یا نفاس کی حالت میں ہو۔ اگر چہ یہ کیفیت ختم ہوگئی ہو لیکن غسل نہ کیا ہو۔ یا ان میں سے ایک یا دونوں روزے سے ہوں یا احرام حج کی حالت میں ہوں۔ اگر ان حالات میں مباشرت کی گئی تو اس سے حلالہ نہ ہوگا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ہو جاتا ہے لیکن نفلی روزہ یا قضائے فرض کا روزہ یا غیر متعین منت کا روزہ ہو اور مباشرت کی جائے تو اس سے بالاتفاق حلالہ ہو جائے گا۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو مباشرت سے انکار نہ ہو اگر خاوند یا عورت مباشرت سے انکار کریں تو حلالہ نہ ہوگا۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ عورت اتنی صغیر سن نہ ہو کہ مباشرت کی متحمل نہ ہو سکے۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ عورت کو مباشرت کا علم ہو اور اس کا شعور رکھتی ہو۔ لہٰذا اگر وہ خواب میں ہو یا ہوش میں نہ ہو یا دیوانی ہو کہ اس کا شعور نہ رکھتی ہو تو اس مباشرت سے حلالہ نہ ہوگا لیکن مرد کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ اسے مباشرت کا شعور ہو۔ مباشرت حلالہ کے لئے یہ شرط نہیں رکھی گئی لہٰذا اگر نیند کی حالت یا بے خبری میں مباشرت کی یا حالت جنون میں کی تو حلالہ ہو جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کی مطلقہ ثلاثہ سے اس مقصد کیلئے مباشرت کی کہ وہ عورت اپنے سابقہ خاوند پر حلال ہو جائے تو یہ ان شرطوں کے ساتھ درست ہے:

پہلی شرط یہ ہے کہ یہ دوسرا عقد صحیح ہو اگر یہ عقد فاسد ہوا یا اس عورت کے ساتھ کسی شبہ میں مباشرت کی یا زنا کیا تو اس سے حلالہ نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فلا تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ" (یعنی مطلقہ عورت اب اس خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اس شخص کے علاوہ کسی اور سے نکاح نہ کر لے) یہاں پر نکاح سے مراد قطعی طور پر نکاح صحیح ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ نکاح کے وقت الفاظ میں یہ شرط نہ لگائی گئی ہو نکاح کرنے والا اس شرط پر نکاح کر رہا ہے کہ اس عورت کے ساتھ مباشرت کر کے اسے اپنے طلاق دینے والے (سابقہ خاوند) کے لئے جائز کر دے گا یا وہ شخص یوں کہے کہ (نکاح کے بعد) جب میں مباشرت کر لوں تو اس عورت کو طلاق ہو جائے گی یا وہ بائنہ ہو جائے گی (یعنی اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا) تو یہ عقد باطل ہے اور مباشرت کے باعث وہ پہلے خاوند پر حلال نہ ہوگی کیونکہ یہ عقد فاسد ہے (اور مباشرت کے بعد وہ پہلے خاوند پر حلال نہ ہوگی کیونکہ یہ عقد فاسد ہے (اور عقد فاسد سے حلالہ نہیں ہوتا) لیکن اگر ایسی شرط کے بغیر نکاح کیا اور دل میں یہ نیت تھی کہ (مباشرت کے بعد) اسے طلاق دیدے گا تا کہ وہ اپنے خاوند کے پاس جا سکے تو

Marfat.com

یہ فعل مکروہ ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ دوسرا خاوند ایسا شخص ہو جس کے ساتھ مباشرت میں نفسانی لذت متوقع ہو بایں طور کہ اس شخص کو شہوت ہوتی ہو گو بالغ نہ ہوا ہو غرض یہ شرط نہیں ہے کہ وہ بالغ ہو اور نہ یہ شرط ہے کہ انزال ہو۔ اسی طرح یہ بھی شرط نہیں ہے کہ وہ عاقل ہو پس اگر عقد صحیح کے ساتھ جنون زدہ نے مباشرت کر لی تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔ اور اگر وہ عورت ذمیہ (غیر مسلم رعایا) ہو تو (حلالہ کے لئے) دوسرے خاوند کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے چنانچہ اگر ایک مسلمان نے اپنی ذمیہ بیوی کو طلاق دیدی اور کسی ذمی نے اس کے ساتھ شادی کر لی اور مباشرت کے بعد اسے چھوڑ دیا تو وہ پہلے (مسلمان) خاوند پر حلال ہو جائے گی۔ نیز یہ بھی شرط نہیں ہے کہ دوسرا خاوند آزاد ہو بلکہ اگر کسی غلام نے اپنے آقا کی اجازت سے مطلقہ عورت سے شادی کی تو صحیح ہے اور یہ شرط بھی نہیں ہے کہ اس کی بیوی ایسی نہ ہو جو وطی کی متحمل نہ ہو سکے۔ چنانچہ اگر وہ صغیر سن ہے کہ اس جیسی کے ساتھ مباشرت نہیں کی جاتی اس کے ساتھ عقد صحیح کے بعد اگر بقدر ادخال حشفہ مباشرت کی تو حلالہ ہو سکے گا بخلاف صغیر سن لڑکے کے جو مباشرت کی لذت سے ناواقف ہے اور اس جیسے کیلئے مباشرت یا زنا ممکن نہیں ہے تو اس کی مباشرت سے حلالہ نہیں ہو سکے گا۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ مطلقہ عورت سے مباشرت طلاق دینے سے متنفر ہو جانے کی غرض سے ہوتی ہے اور صغیر سن لڑکی کے اس طرح کی مباشرت سے بھی یہ غرض حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے لذت اندوز ہونا بھی شرط نہیں ہے اور حدیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں کہ حتی تذوقی عسیلته و یذوق عسیلتک (یعنی حلالہ جب ہوگا کہ عورت اس مرد کا اور مرد اس عورت کا مزہ چکھ لے) ان الفاظ سے مراد یا مباشرت ہے جس میں نفسانی حظ متصور ہوتا ہی ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ مباشرت اندام نہانی کے اندرونی حصہ میں ہو بایں طور کہ عضو مخصوص کا سرا مقام بکارت سے آگے چلا جائے۔ اگر عورت باکرہ ہو اور مباشرت سے بکارت نہیں ٹوٹی تو (یہ حلالہ کے لئے) کافی نہیں ہے کیونکہ حشفہ کے غائب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مقام بکارت سے آگے تک پہنچ جائے۔ کہا جاتا ہے کہ (حلالہ کے لیے) اسی قدر کافی ہے کیونکہ حشفہ کے غائب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مقام بکارت سے آگے تک پہنچ جائے۔ اگر عورت کے ساتھ لواطت (عمل غیر فطری) کا ارتکاب کیا تو اس سے حلالہ نہ ہو سکے گا۔ اسی طرح حلالہ اس صورت میں بھی نہ ہوگا جب کہ دخول کے علاوہ کسی اور طریقہ سے مادۂ تولید کو شرمگاہ میں داخل کیا جائے۔ چنانچہ اگر عضو بریدہ شخص کی حرکت سے مادہ تولید کا اخراج اندر ہو جائے تو حلالہ نہ ہو سکے گا۔ البتہ خصی (مقطوع الخصیتین) کی مباشرت سے حلالہ ہو سکے گا۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ عضو مخصوص میں استادگی ہو اگر ایسا نہ ہوا اور انگلی کے ذریعہ ادخال کیا جائے تو حلالہ نہ ہو سکے گا۔ یہ شرط نہیں ہے کہ پورے طور پر انتشار ہو۔ اسی طرح یہ بھی شرط نہیں ہے کہ بغیر کسی حائل کے مباشرت ہو۔ اگر عضو مخصوص پر کوئی دھجی لپیٹ کر مباشرت کی تو (حلالہ کے لئے) صحیح ہے اور اگر باریک تھیلی ہو جسے کبود کہتے ہیں تو بدرجہ اولیٰ درست ہوگا نیز یہ بھی شرط نہیں ہے کہ وہ مباشرت بوجہ حالت حیض و نفاس یا احرام حج وغیرہ کے ممنوع نہ ہو۔

خاتمہ دریں باب کہ اگر پہلا عقد فاسد ہو تو حلالہ ساقط ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے عقد کیا اور وہ بموجب مسلک شافعی عقد فاسد تھا مثلاً دو فاسق گواہوں کی موجودگی میں نکاح کیا یا کسی کی شادی ولی فاسق نے کی اور

Marfat.com

وہ شخص اس عورت کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کرتا رہا پھر اسے تین طلاق دے دی تو اب سوال یہ ہے کہ آیا وہ شخص حلالہ کے بغیر اس عورت سے تجدید نکاح کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ پہلا عقد فاسد تھا جس میں طلاق نہیں ہوتی اس بارے میں شافعیہ مسلک کی رو سے قول مفتی بہ (یعنی شرعی فیصلہ) یہ ہے کہ وہ عورت حلالہ کے بغیر اس شخص پر حلال نہ ہوگی اور یہ فتویٰ دینا بھی صحیح نہیں ہے کہ حلالہ ساقط ہونے سے عقد سابقہ کو فاسد قرار دیا جائے۔ البتہ اگر پہلے عقد میں شرائط نکاح میں سے کسی شرط میں خرابی ہے مثلاً وہ نکاح دو فاسق گواہوں کی موجودگی میں ہو یا ولی کے بغیر ہوا ہو یہ بات ان دونوں کے اقرار سے یا شہادت سے پایۂ ثبوت کو پہنچی تو قاضی ان دونوں کے جو حقوق ہیں ان کی ادائیگی کا حکم دے گا۔ حقوق اللہ کا فیصلہ نہیں کرے گا مثلاً اگر انہوں نے مثلی مہر سے کم مہر مقرر کیا ہے اور عورت یہ دعویٰ کر کے کہ نکاح فاسد ہوا تھا مہر مثل لینا چاہے اور اس کا ثبوت بہم پہنچائے تو یہ اس کا حق ہے اسی طرح اگر خاوند نے مباشرت سے پہلے اسے طلاق دی اور اس امر کی شہادت پیش کر دی کہ وہ نکاح فاسد تھا تا کہ نصف مہر جو مباشرت سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں عائد ہوتا ہے اس کی ادائیگی سے بچ جائے تو قاضی اس کے موافق فیصلہ دے دے گا اور جب یہ ثابت ہو جائے اور حاکم اس کا فیصلہ کر دے تو اس کے حلالہ بھی ساقط ہو جائے گا۔ اور خاوند کو حق ہو جائے گا کہ دونوں صورتوں میں بغیر حلالہ کے اس عورت سے دوبارہ نکاح کر لے۔ لیکن تین طلاق کے بعد حلالہ کا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے (قاضی کو اس میں دخل نہیں ہے) اگر دونوں نے عقد کے فاسد ہونے کا اقرار کیا یا اس کے فاسد ہونے کی شہادت مہیا کر دی تا کہ حلالہ کے بغیر وہ عورت اس پر حلال ہو جائے تو یہ بات نہیں سنی جائے گی۔ البتہ اگر کوئی گواہ خود بطور مخبر کے اس کی شہادت دے تو وہ سنی جائے گی بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح فاسد کرے اور پھر اسے تین طلاق دیدے لیکن اس کے ساتھ رہتا بستا ہو اور گواہ کو اس کے طلاق دینے کا علم نہ ہو بلکہ یہ خیال کرتا ہو کہ وہ عورت اس کے ساتھ بطور بیوی کے رہتی ہے اور وہ قاضی کے سامنے کہے کہ اس نے عورت سے نکاح فاسد کر رکھا ہے۔ جس کی بنا پر اس کے ساتھ رہنا ٹھیک نہیں ہے تو قاضی اس عقد کو فسخ کر دے گا اور تب اس کا اس عورت سے از سر نو نکاح کرنا درست ہوگا۔ یہی کیفیت اس حال میں بھی متصور ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو جس کے ساتھ عقد فاسد ہوا ہے۔ مباشرت سے پہلے تین طلاق دے دے لیکن اس کی ماں کے ساتھ محرموں کی طرح سے مل جل کر رہنے لگے اور کوئی شخص بطور محتسب کے شہادت دے کر اس شخص کو اس عورت کی ماں کے ساتھ محرم کی طرح رہنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے اس کی بیٹی کے ساتھ جو نکاح کیا ہے وہ عقد فاسد ہے لہٰذا وہ اس کا محرم نہیں ہو سکتا تو قاضی اس کے نکاح کی بابت صحیح نہ ہونے کا فتویٰ دے دے گا اور حلالہ ساقط ہو جائے گا۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ عقد فاسد کی بنا پر حلالہ کے ساقط ہو جانے کا فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ ان دونوں میاں بیوی کو بطور خود اس پر عمل کرنا درست ہے۔ ہاں اگر حاکم کو (نکاح کے فاسد ہونے کا) علم ہو جائے تو وہ دونوں میں علیحدگی کرا دے گا۔ اس معاملہ میں نکاح کے وقت کسی اور مسلک کی پیروی کی ہو یا نہ کی ہو اس سے فرق نہیں پڑتا۔

بعض علمائے شافعیہ کا یہ خیال ہے کہ اگر کسی نے شافعیہ مسلک کی رو سے عقد فاسد کیا لیکن اس عقد میں مثلاً ابوحنیفہ کے مسلک کی پیروی نہ کی ہو لیکن حنفی حاکم نے اس نکاح کو صحیح قرار دیا ہو پھر اس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہو تو اس صورت میں حلالہ کا حکم کسی طرح ساقط نہ ہوگا۔ اگر یہ عقد کرنے والے ایسے لوگ ہوں جنہیں نکاح کے احکام و

Marfat.com

شرائط کی کوئی خبر نہیں ہے اور انہوں نے کسی مسلک کی تقلید نہیں کی اور کسی حاکم نے اس عقد کے صحیح ہونے کا فیصلہ نہیں کیا پھر اس شخص نے اسے تین طلاق دے دی تو اس شخص کو از سر نو نکاح کرنے کا مذہباً حق حاصل ہے۔ قاضی کے فیصلہ کے تحت نہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی مطلقہ ثلاثہ عورت کے ساتھ اس ارادہ سے شادی کر لی کہ وہ اپنے سابقہ خاوند کیلئے حلال ہو جائے یا نکاح کے وقت اس نے اس شرط کی صراحت کر دی (کہ وہ حلالہ کی نیت سے نکاح کرے گا) اور اس امر پر بیوی کے ساتھ یا اس کے ولی کے ساتھ نکاح سے پہلے اتفاق کر لیا اور دونوں اس سے نہ پھریں تو وہ نکاح باطل ہوگا اور وہ عورت کسی حال میں بھی سابقہ خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ ابن ماجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مروی ہے کہ "**قال الا اخبركم بالتيس المستعار؟ قالوا بلیٰ يا رسول الله! قال هو المحلل. لعن الله المحلل و المحلل له**" (یعنی آنحضرت ﷺ نے مخاطبین سے فرمایا کہ آیا میں تمہیں بتاؤں کہ (جفتی کے لئے) مانگا ہوا گدھا کون ہے؟ انہوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ؟ ارشاد ہوا کہ وہ شخص جو حلالہ کا کام کرے۔ حلالہ کرنے والے پر اور اس پر جس کے لئے حلالہ کیا جائے اللہ کی لعنت ہو)۔ پس تین طلاق والی عورت اس کے خاوند پر حلال نہیں ہو سکتی بجز اس صورت کے کہ وہ کسی اور کے ساتھ بموجب شرائط ذیل شادی کرے:

پہلی شرط یہ ہے کہ دوسرا عقد صحیح ہو اور شرائط کے نادرست ہونے سے اور طلاق کا ارادہ رکھنے سے خالی ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ دوسرے خاوند کے ساتھ فطری طریقے سے مباشرت ہوئی ہو محض عقد کر لینا یا تنہائی میں رہنا کافی نہیں ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ پورے طور پر مباشرت ہوئی ہو۔ عورت کے ساتھ عمل غیر فطری کے ارتکاب سے حلالہ کی شرط پوری نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر شبہ میں مباشرت کی یا مالک یمین ہونے کی حیثیت سے یا نکاح فاسد کی بنا پر مباشرت کی (تو حلالہ نہ ہو سکے گا)۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عضو مخصوص میں انتشار ہو۔ بغیر استادگی کی مباشرت سے حلالہ نہ ہو سکے گا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ مباشرت اس حالت میں نہ ہو جب کہ مباشرت کرنا منع ہے مثلاً حالت حیض و نفاس میں یا فرض روزہ رکھے ہوئے یا حالت احرام میں مباشرت کی جائے۔ اگر ایسے وقت میں مباشرت کی جس وقت مباشرت حلال نہیں ہے مثلاً نماز کا وقت تنگ ہے۔ یا مسجد کے اندر ہے تو حلالہ ہو سکے گا اگر چہ اس کا یہ فعل ناجائز ہے۔

اس مباشرت کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ خاوند بالغ ہو بلکہ اس کا قریب البلوغ ہونا گو دس سال کا نہ ہو (حلالہ کے لئے) کافی ہے۔ اسی طرح انزال طبعی کا ہونا بھی شرط نہیں ہے لیکن عقد فاسد کی بنا پر اگر مباشرت کی جائے تو اس سے نسب ثابت ہو جائے گا اور مقرر شدہ مہر واجب ہوگا۔ بصورت دیگر مہر مثل واجب ہوگا لیکن اس سے احصان (با قاعدہ زوجیت) ثابت ہوگی اور نہ وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔

Marfat.com

مشروط نکاح اور وقتی نکاح کا بیان

اگر خاوند یا بیوی نے عقد ازدواج کے لئے کوئی شرط عائد کی یا ان میں سے کسی نے ایک خاص زمانہ تک کی قید لگائی تو اس کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں مسالک مختلفہ کے درمیان اختلاف ہے۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ میاں بیوی دونوں میں کسی نے نکاح کے بارے میں کوئی شرط لگائی ہو تو یہ شرط یا تو نکاح کے ساتھ وابستہ ہوگی یا وہ عقد اس شرط پر منحصر ہوگا جو حرف شرط 'ان' (یا اگر) وغیرہ کے ساتھ بیان کی جائے۔ اول الذکر کی مثال یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ شادی اس شرط پر کرتا ہوں کہ رات کو تمہارے پاس نہیں رہوں گا اور ثانی الذکر (قسم کی شرط) کی مثال یہ ہے کہ "میں تمہارے ساتھ شادی کرتا ہوں اگر محمد آ گیا" پہلی قسم کی شرط کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ اس شرط کا عقد پر مطلق اثر نہ ہوگا۔ اگر شرط تقاضائے عقد کے مطابق ہے تو وہ شرط اپنے آپ نافذ ہو جائے گی ورنہ شرط باطل ہوگی اور عقد لاگو ہو جائے گا۔ شرائط متقاضی عقد میں مثلاً یہ شرط ہے کہ عورت ممنوعات شرعی سے محترز رہے گی۔ لہٰذا اگر یہ کہا کہ میں تم سے اس شرط پر شادی کرتا ہوں کہ کسی اور کی بیوی نہ بننا یا یہ کہا کہ عدت کے دوران نہ بننا یا یہ کہ تم کو طلاق کا اختیار نہ ہوگا یا ایسی ہی اور شرائط جن پر عقد کا صحیح ہونا موقوف ہے یہ سب شرطیں درست ہیں اور از خود لاگو ہو جائیں گی۔ اسی طرح عورت کا یہ شرط لگانا کہ میں اس شرط پر شادی کرتی ہوں کہ تم میرے کفو ہو۔

ایسی شرطیں جن کا عقد متقاضی نہیں ہے ان میں مثلاً یہ ہے کہ تم سے اس لئے شادی کرتا ہوں کہ میں اس کے لئے تم کو حلال کر دوں جس نے تمہیں تین طلاق دی ہے یا یوں کہا کہ میں اس شرط پر شادی کرتا ہوں کہ تمہیں طلاق دینے کا اختیار ہوگا یا یہ کہ جب تمہارا جی چاہے اپنے آپ کو طلاق دے سکو گی یا اسی قسم کی اور کوئی شرط ایسی شرطیں لغو ہیں جن پر عمل نہ ہوگا لیکن عقد درست ہو جائے گا۔ یہاں پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مرد نے عورت کو اختیار طلاق دینے کی شرط رکھی مثلاً یوں کہا کہ میں تمہارے ساتھ اس شرط پر شادی کرتا ہوں کہ تم کو خود اپنے تئیں طلاق دینے کا اختیار ہوگا تو یہ شرط فاسد ہوگی بخلاف اس کے اگر عورت یہ شرط لگائے کہ مجھے طلاق کا اختیار ہوگا تو یہ شرط صحیح ہوگی اور اس پر عمل کیا جائے گا۔ تو آخر ان دونوں صورتوں میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق کی حیثیت دراصل صرف مرد کے لئے مخصوص ہے لہٰذا اس کا اختیار صرف مرد کو ہوتا ہے نہ کہ عورت کو لہٰذا یہ درست نہ ہوگا کہ مرد اپنی ذات پر ایسی شرط لگائے جو خود اس پر واجب ہے عورت پر واجب نہیں ہے۔ اس صورت حال کا تقاضا تو یہ ہے کہ مرد عورت کی طرف لگائی گئی ایسی شرط کو قبول نہ کرے کیونکہ یہ تو ایک حد تک قدرتی نظام میں خلل ڈالنا ہے لیکن ایسی حالت میں جب کہ اس قسم کی شرط کے قبول کرنے میں ازدواجی زندگی کی کوئی مصلحت ہو اور اس سے پائیدار رابطہ متوقع ہو تو شارع نے اسے درست اور قابل قبول قرار دیا ہے بالخصوص اس صورت میں جب کہ بسا اوقات یہ امر ملاحظہ میں آتا ہے کہ عورت اس قسم کا تحفظ نہ ہونے کی صورت میں مرد کے پاس رہنے سے ڈرتی ہے لہٰذا اس قسم کی شرطیں فریقین کی بہتری کے پیش نظر کی جا سکتی ہیں۔ شریعت نے اس کی

Marfat.com

اجازت دے کر' میاں بیوی کے ملاپ کو آسان کر دیا ہے۔ جب کہ اسی شرط پر دونوں کا ملاپ موقوف ہو۔ لیکن دوسری جانب مرد کے لئے یہ ممنوع ہے کہ فطری تقاضوں کے توڑنے کی کوشش کرے یعنی طلاق کا اختیار مرد کی بجائے عورت کو دے دینا۔ پس اگر خاوند نے اس کا اختیار بیوی کے ہاتھ میں دے دیا صحیح نہ ہوگا لیکن اگر عورت یہ شرط لگائے تو مرد کا اس شرط کو قبول کر لینا درست ہے۔

منجملہ شرائط یہ عقد کے ایک یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں اپنے لئے یا کسی اور شخص کے لئے تین دن یا کم وبیش مدت کے لئے اختیار فسخ کی شرط رکھیں اور مرد عورت سے کہے کہ میں تمہارے ساتھ شادی اس شرط پر کرتا ہوں کہ مجھے یا میرے باپ کو تین دن تک (اس کے قائم رکھنے یا فسخ کر دینے کا) اختیار ہوگا۔ اس پر اس عورت نے کہا کہ مجھے منظور ہے تو نکاح ہو جائے گا لیکن یہ شرط باطل ہوگی جس پر عمل نہ کیا جائے گا۔

نکاح میں جس طرح خیار شرط نہیں ہے۔ اسی طرح خیار رویت (یعنی پسند کی شرط) اور خیار عیب (یعنی عیب نکلنے کی صورت میں فسخ عقد کی شرط) بھی نہیں ہے چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے بغیر اسے دیکھے شادی کر لی تو دیکھنے کے بعد (اس نکاح کو) فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے کسی عیب دار عورت سے' ناواقفیت کی بنا پر شادی کر لی اور شادی کے بعد اس کا عیب معلوم ہوا تو اب اختیار فسخ نہیں ہے لیکن اس حکم سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جب کہ مرد مجبوب (مقطوع العضو المخصوص) ہو یا نامرد ہو۔ چنانچہ اگر ایک عورت نے کسی شخص سے شادی کی اور اسے نامرد پایا تو اسے اختیار ہے کہ اس عقد کو منسوخ یا ختم کر دے اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ مرد مجبوب یا خصی ہو تو عورت کو فسخ کا اختیار ہے اس کے علاوہ اور کوئی عیب ہو تو نہ مرد کو (فسخ عقد کا) اختیار ہے نہ عورت کو۔

اس سے معلوم ہوا ہے کہ اگر شادی کے لئے یہ شرط رکھی کہ وہ نابینا یا مریض نہ ہو یا یہ شرط ہو کہ وہ عورت خوبصورت اور باکرہ ہو لیکن وہ مرد اندھا' کوڑھی یا اپاہج نکلا اور وہ عورت بدصورت یا شوہر دیدہ نکلی تو یہ شرط لاگو نہ ہوگی اور نکاح صحیح ہوگا۔ اسی طرح اگر عورت نے اس شرط پر شادی کی کہ وہ شخص شہری ہو لیکن اسے دہقان دیہاتی پایا تو یہ شرط نافذ نہ مانی جائے گی ہاں اگر وہ شخص غیر کفو نکلا تو شرط صحیح مانی جائے گی۔

عقد سے وابستہ شرائط کے معنے اور اس کے متعلقہ مسائل یہی ہیں۔ رہا وہ عقد جو کسی شرط (خارجی) پر منحصر ہو تو دیکھنا ہوگا کہ اس شرط کا تعلق ماضی سے ہے یا نہیں ہے۔ اگر اس کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہے تو یہ شرط بلا اختلاف صحیح ہے کیوں نکہ درآنحالیکہ اس شرط کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہے وہ ہو چکی اور پایہ تکمیل کو پہنچ گئی ہے اور ثابت شدہ ہے اگرچہ اس میں جھوٹ ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی سے کہے کہ تم اپنی بیٹی کی شادی میرے بیٹے سے کر دو اور وہ کہے کہ میں تو اس کی شادی کسی اور سے کر چکا ہوں اس پر اس شخص نے کہا کہ یہ جھوٹ ہے (آپ نے اس کی شادی نہیں کی) اس پر وہ کہے کہ اگر میں نے اس کی شادی نہیں کی تو تمہارے بیٹے کے ساتھ کرتا ہوں اور اس شخص نے دو گواہوں کے سامنے اس کو منظور کر لیا اور یہ معلوم ہوا کہ اس کی شادی نہیں ہوئی تھی تو یہ عقد درست ہو جائے گا کیونکہ اس نے اس شادی کے لئے جو شرط کی اس کا تعلق ماضی سے ہے یعنی یہ کہ اگر اس کی شادی پہلے نہیں ہو چکی تو اس قسم کی شرط پر شادی کا انحصار کرنے سے عقد میں کوئی حرج واقع نہیں ہوگا۔ لیکن اگر شرط کا تعلق امر مستقبل سے ہو اور جس بات کی شرط کی ہے اس کا وقوع یقینی ہو تو اس صورت میں یہ عقد فوراً

Marfat.com

منعقد ہو جائے گا اور اس شرط سے کوئی حرج عقد میں نہ ہوگا لیکن اگر اس عقد کو ایسی شرط پر موقوف رکھا جس کا ہونا امر یقینی نہیں ہے مثلاً یوں کہا کہ میں نے تم سے شادی کی اگر میرا بھائی سفر سے آ گیا تو یہ عقد باطل ہوگا کیونکہ بھائی کا سفر سے واپس آنا یقینی امر نہیں ہے اگر یوں کہا کہ میں نے آپ سے شادی کر لی اگر میرا باپ راضی ہو گیا۔ اگر اس کا باپ عقد کے وقت موجود ہے تو اس کے یہ کہنے پر کہ میں راضی ہوں وہ عقد درست ہو جائے گا اور غیر یقینی امر کی اس شرط کے لگانے سے کہ ''اگر میرا باپ راضی ہو گیا'' کوئی حرج نہیں ہے۔ ایسا ہی اس شرط میں بھی ہے جب کہ کسی اجنبی کی بابت کہا کہ ''اگر فلاں شخص راضی ہو گیا'' اور وہ شخص مجلس عقد میں موجود ہے۔ لیکن اگر باپ مجلس عقد میں موجود نہیں ہے اور یوں کہا کہ میں نے تم سے شادی کی اگر میرا باپ راضی ہو گیا تو عقد صحیح نہ ہوگا اور اگر کسی اجنبی کی رضامندی کی شرط رکھی جو موجود نہیں ہے تو بدرجہ اولیٰ عقد صحیح نہ ہوگا۔ اور عقدِ نکاح کو غیر یقینی شرط پر منحصر رکھنے کی ایک صورت یہ ہے کہ نکاح کو آئندہ وقت کے ساتھ منسوب کیا جائے مثلاً یوں کہنا کہ میں نے تمہارے ساتھ شادی کی لیکن کل یا جمعرات کو یا ایک ماہ بعد تو یہ درست نہیں ہے اور نکاح منعقد نہ ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ شرائط نکاح کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم صحیح شرائط ہیں مثلاً عورت یہ شرط رکھے کہ اس کے اوپر کسی اور عورت سے شادی نہ کرے گا یا یہ کہ اسے اپنے گھر یا شہر سے باہر نہ لے جائے گا یا یہ کہ اس کو اس کی اولاد سے یا ماں باپ سے نہیں چھڑائے گا۔ یا یہ کہ وہ اپنے کمسن بچے کو جو دوسرے خاوند سے ہے دودھ پلائے گی۔ یا اپنے مہر کے منجملہ ایک خاص مقررہ رقم فی الوقت لینے کی شرط رکھی یا مہر میں زیادتی کی شرط لگائی۔ یہ تمام شرائط درست اور واجب العمل ہیں اور خاوند ان سے بچ نہیں سکتا۔ اگر وہ ان شرائط کی مخالفت کرے تو اس عورت کو جب چاہے عقد کے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا اور اس کا یہ حق کسی خاص مدت کے ختم ہو جانے پر ساقط ہوگا۔

اسی طرح خاوند یہ شرط لگا سکتا ہے کہ عورت باکرہ ہو، خوبصورت ہو، خاندانی ہو یا اندھی بہری نہ ہو۔ اگر (بعد میں) یہ معلوم ہوا کہ وہ شوہر دیدہ ہے یا بدشکل ہے یا ادنیٰ خاندان کی ہے یا اندھی ہے یا بہری ہے تو اسے فسخ نکاح کا حق ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مقاطع الحقوق عند الشروط (یعنی حقوق کا فیصلہ شرائط کے مطابق ہوتا ہے)۔ نیز انہوں نے مشروط معاملات میں شرط کی پابندی کا حکم دیا ہے۔

دوسری قسم ایسی شرائط کی ہیں جن سے عقد فاسد ہو جاتا ہے منجملہ ان کے یہ ہے کہ مطلقہ ثلاثہ عورت سے اس شرط پر نکاح کیا جائے کہ وہ حلالہ کر کے پہلے خاوند کے لئے اسے حلال کر دے گا۔ یا دو آدمی باہم یہ شرط رکھیں کہ دونوں اپنی اپنی بیٹیوں کی شادی دوسرے کے بیٹوں سے بغیر مہر کے کر دیں گے اور یہی ایک دوسرے کا مہر ہوگا اس کو اصطلاح میں نکاح شغار (ایک قسم کی بٹے کی شادی) کہتے ہیں اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اسی طرح کی مشروط وہ شادی ہے جو کسی امر مستقبل کی شرط پر کی جائے، مثلاً یہ کہنا کہ میں نے تمہارے ساتھ شادی کر لی اگر جمعرات کا دن یا اگلا مہینہ آ گیا یا یہ کہ اگر میری ماں راضی ہو گئی یا فریق ثانی کہے کہ میں نے تم سے شادی کی اگر میرا باپ راضی ہوا وغیرہ پس یہ تمام شرطیں فاسد ہیں اور عقد کو فاسد کرنے والی ہیں۔ شرائط کی ان تمام شرطوں میں سے اللہ تعالیٰ کی مشیت کی شرط لگانا مستثنیٰ ہے مثلاً یوں کہنا کہ

Marfat.com

انشاءاللہ (اگر اللہ نے چاہا) میں نے قبول کیا۔ یا کوئی شرط ایسی لگائی جس کا تعلق ماضی کے امر معلومہ سے ہے مثلاً یہ کہا کہ اگر وہ میری بیٹی ہے تو میں اس کی شادی تمہارے ساتھ کرتا ہوں یا یوں کہا کہ اگر اس کے عدت کے دن ختم ہو گئے ہیں تو (اس شرط پر) اس کی شادی تمہارے ساتھ کر رہا ہوں۔ یہ نکاح باطل نہ ہوگا۔

منجملہ شرائط فاسدہ کے ایک یہ ہے کہ نکاح کو کسی آنے والے وقت سے نسبت کیا جائے مثلاً اگلے دن سے میں نے اس کی شادی تمہارے ساتھ کر دی وغیرہ۔ ایسی شرط فاسد ہے اور نکاح کو فاسد کر دیتی ہے۔

ایسی ہی (فاسد نکاح) شرائط میں مقررہ عرصہ کے لئے شادی کرنا ہے۔ جسے نکاح متعہ (وقتی نکاح) کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

تیسری قسم ایسی شرائط کی ہے جس سے عقد فاسد نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ شرط لغو ہو کر رہ جاتی ہے مثلاً یہ شرط کہ میں کوئی مہر وغیرہ نہیں دوں گا یا یہ کہ تقسیم اوقات میں تمہارے ساتھ سوکن کے مقابلہ میں امتیازی سلوک رکھوں گا۔ یا یہ کہ تم کو خود طلاق کا اختیار ہوگا یا اختیار کی یہ شرط اس عورت نے خود لگائی یا ولی نے یہ شرط لگائی کہ خاوند مہر لا کر دیدے تو نکاح رہے گا ورنہ نکاح نہ ہوگا یا یہ کہ گرمیوں میں اس عورت کے ساتھ سفر کرے گا۔ یا یہ کہ عورت کے ساتھ مباشرت اس کی مرضی سے ہوگی یا یہ کہ وہ اپنے نفس کو اتنے عرصہ کے لئے اس کے سپرد کر دے گی۔ یہ تمام شرطیں بے کار ہیں۔ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور عقد صحیح ہوگا۔ عقد نکاح اس سے متاثر نہ ہوگا اور ان شرطوں کو تسلیم کیا جائے گا خواہ ان کو عقد صحیح کا حصہ قرار دیا جائے یا نکاح سے پہلے دونوں نے اس پر اتفاق کر لیا ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ شرائط نکاح کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم ایسی شرائط جن کے لگائے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ وہ شرطیں ثابت نہ ہوں۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کہا کہ میں نے اپنی بیٹی کی شادی فلاں شخص سے کر دی بشرطیکہ وہ راضی ہوا۔ وہ شخص وہاں موجود نہیں ہے لیکن جب اسے خبر ہوئی تو اس نے کہا میں راضی ہوں تو یہ عقد صحیح ہو گیا۔ اسی طرح یہ کہنا کہ میں نے اس کے ساتھ شادی کر لی بشرطیکہ میرا باپ راضی ہوا اور باپ وہاں موجود نہیں ہے۔ لیکن اگر باپ راضی ہو گیا تو یہ عقد درست ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ عقد نکاح کو فوراً قبول کر لینے کے بیان میں پہلے بتایا گیا ہے کہ اگر دونوں مجلس عقد میں موجود نہیں ہیں تو فوری طور پر منظوری شرط نہیں ہے۔ اسی بنا پر مالکیہ کے نزدیک شادی کے لئے وصیت کرنا درست ہے۔ چنانچہ اگر اس نے کہا کہ میں اپنی وفات کے بعد فلاں شخص کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کی وصیت کرتا ہوں۔ اب اگر اس کی وفات کے بعد خاوند اس کو قبول کر لے تو یہ عقد صحیح ہو جائے گا۔

دوسری وہ شرطیں جو عقد سے وابستہ ہوں اور عقد کو فاسد کر دیں۔ منجملہ ان کے خاوند یا بیوی یا ہر دو کو یا کسی اور شخص کو اختیار (فسخ) دینا چنانچہ اگر ولی نے کہا کہ میں نے فلاں عورت کی شادی تمہارے ساتھ اس شرط پر کر دی کہ تم کو دو دن یا اس

Marfat.com

سے کم وبیش عرصہ کے اندر فسخ کا اختیار ہوگا۔ تو یہ شرط درست نہ ہوگی۔ اگر ایسا کیا گیا تو مباشرت سے پہلے وہ نکاح فسخ ہو جائے گا لیکن اگر مباشرت ہو چکی ہے تو وہ فسخ نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی مہر طے ہوا ہے تو اس کے لینے کا اس کو حق ہوگا۔ بصورت دیگر وہ مہر مثل کی حق دار ہوگی اگر مجلس عقد کے اندر اندر (یعنی وہاں سے جانے سے پہلے) عقد کے رد کرنے یا قائم رکھنے کے اختیار کی شرط لگائی گئی تو بقول معتمد یہ شرط درست ہوگی یہی حال مقررہ میعاد کے اندر رقم مہر کی ادائیگی کی شرط کا ہے۔ مثلاً ولی یہ کہے کہ اگر اس ہفتہ کے اندر مہر ادا نہ کیا تو نکاح باقی نہ رہے گا اور اس شخص نے کہا کہ میں نے یہ شرط قبول کر لی۔ اب اگر اس نے میعاد کے اندر یا عین وقت پر مہر ادا نہ کیا تو مباشرت ہوئی یا ہنوز نہیں ہوئی عقد مطلقاً فسخ ہو جائے گا۔ لیکن اگر میعاد گزرنے سے پہلے یا عین وقت پر مہر ادا کر دیا تو وہ عقد مباشرت سے پہلے پہلے فسخ ہو سکے گا۔ بعد میں نہ ہوگا۔ ان شرائط فاسدہ میں ایسی شرط میں بھی داخل ہے جو عقد کے منافی ہے مثلاً ولی سے کسی نے کہا کہ آپ فلاں عورت کی شادی میرے ساتھ اس شرط کے ساتھ کر دیجئے کہ میں تقسیم اوقات میں اس کے اور اس کی سوکن کے درمیان برابر کا سلوک نہ رکھوں گا۔ یا یہ شرط کی کہ میں رات کو اس کے پاس نہ رہوں گا صرف دن میں اس کے پاس رہا کروں گا یا یہ کہ اس کا نان نفقہ خود اس کے ذمہ یا اس کے باپ کے ذمہ ہوگا۔ یا یہ شرط کہ طلاق کا اختیار خود اس کو حاصل ہوگا۔ یہ تمام شرائط تقاضائے عقد کے منافی ہیں۔ ان میں کوئی شرط عقد میں رکھی گئی تو وہ عقد مباشرت سے پہلے پہلے فسخ ہو جائے گا لیکن مباشرت کے بعد وہ عقد فسخ نہ ہوگا بلکہ لاگو ہو جائے گا اور مہر مثل لازم ہوگا اور یہ شرط لغو متصور ہوگی۔

تیسری قسم ایسی شرائط ہیں جو عقد کے منافی نہیں ہیں۔ مثلاً یہ شرط کہ اس بیوی کے اوپر کوئی اور شادی نہ کرے گا یا اسے فلاں مکان یا فلاں شہر سے نہیں نکالے گا وغیرہ۔ ایسی شرطوں میں کوئی مضائقہ نہیں پس ان کے تحت نکاح تو ہو سکتا ہے لیکن ایسی شرائط مکروہ ہیں تاہم اگر ان شرطوں پر نکاح ہوا تو ان کا پورا کرنا مستحب ہے۔

چوتھی قسم وہ شرطیں ہیں جن کا پورا کرنا واجب ہے ان دونوں کو (خلاف ورزی کی صورت میں) فسخ عقد کا اختیار حاصل ہوگا:

منجملہ ان شرائط کے خاوند کا یہ شرط لگانا ہے کہ وہ عورت عیب دار نہ ہو۔ مثلاً یہ شرط تھی کہ اس کی نظر صحیح ہو لیکن اسے اندھی یا کانی پایا۔ یا شرط یہ تھی کہ اس کی سماعت ٹھیک ہو لیکن بہری پایا یا یہ کہ سر اس کا ٹھیک ہو لیکن گنجی نکلی یا باکرہ ہونے کی شرط تھی اور وہ شوہر دیدہ نکلی یا گوری چٹی ہونے کی شرط تھی اور وہ سانولی نکلی یا یہ صورت ہو کہ خاوند کی طرف سے کسی شرط کی صراحت کی گئی ہو لیکن ولی نے خود ہی (اس میں) بتائیں۔ تو اگر یہ شرائط خاوند کی طرف سے پیش کی گئی تھیں تو (ان شرطوں کے خلاف ہونے کی صورت میں) بلا اختلاف اس عقد کے فسخ کرنے کا اسے اختیار ہے بصورت دیگر خاوند کے اس اختیار کے بارے میں اختلاف ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر نکاح کا انحصار کسی شرط پر رکھا تو عقد فاسد ہو جائے گا لیکن اگر ایک شخص کو یہ بشارت دی گئی کہ اسے ایک لڑکی عطا ہوئی ہے اور اس شخص نے بشارت دینے والے کو کہا کہ اگر فی الواقع وہ لڑکی ہے تو میں نے اس کی

Marfat.com

شادی تمہارے ساتھ کردی تو یہ عقد صحیح ہوگا لیکن اس صورت میں جب کہ اسے یہ معلوم ہو کہ فی الواقع اسے لڑکی ملی ہے مگر یہ صورت شرط نہیں ہے بلکہ یہاں پر لفظ اگر (حرف شرط) نہیں ہے بلکہ یہ لفظ درآنحالیکہ کے معنے میں ہے جو امر واقعہ کو ظاہر کرتا ہے۔

واضح ہو کہ عقد کے ساتھ وابستہ شرطوں کی دو قسمیں ہیں یعنی وہ شرائط جو فاسد ہیں اور تقاضائے عقد کے منافی ہیں اور وہ شرائط جو درست (تقاضائے عقد کے مطابق) ہیں۔ فاسد شرطیں وہ ہیں جن سے عقد فاسد ہو جاتا ہے مثلاً کوئی ذمی (غیر مسلم) یہ شرط لگائے کہ وہ مسلمان عورت سے شادی کرے گا یا کوئی شخص یہ شرط لگائے کہ وہ عدت والی عورت سے یا اس عورت سے شادی کرے گا جو کسی اور شخص سے حاملہ ہو وغیرہ ایسی شرائط کے ساتھ جو عقد کیا جائے وہ عقد فاسد ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی عورت نے یہ شرط لگائی کہ شادی کرنے والا اس کے ساتھ مباشرت نہ کرے گا تو اس سے بھی نکاح فاسد ہو جائے گا لیکن اگر کسی مرد نے یہ شرط لگائی اور عورت نے قبول کر لیا تو یہ عقد باطل نہ ہوگا۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ یہ امر عورت کی خصوصیت ہے اگر وہ اس پر راضی ہو جائے تو یہ درست ہے اور اس پر اس کا راضی ہونا ایسا ہے جیسے کوئی عورت نامرد یا مقطوع العضو سے شادی کر لینے پر آمادہ ہو جائے۔

ایسی شرطیں جن سے عقد فاسد نہیں ہوتا۔ ان خوبیوں کے موجود ہونے کی شرطیں ہیں جو عقد کے صحیح ہونے میں مانع نہیں ہیں مثلاً خوبصورت ہونے۔ باکرہ ہونے۔ آزاد ہونے۔ گوری چٹی یا گندم گوں ہونے وغیرہ کی شرط لگائی تو یہ درست ہے اور ان شرائط سے عقد فاسد نہ ہوگا۔ اگر یہ شرائط عقد کے ساتھ وابستہ ہیں مثلاً یوں کہا کہ میں فلاں عورت سے اس شرط پر شادی کرتا ہوں کہ وہ عورت خوبصورت ہو یا کنواری ہو یا گوری چٹی ہو یا گندم گوں ہو وغیرہ تو یہ شرطیں درست ہیں اور ان سے عقد فاسد نہ ہوگا اگرچہ یہ شرطیں عقد کے ساتھ وابستہ ہیں مثلاً یوں کہا کہ میں نے فلاں عورت سے شادی کی اگر وہ خوبصورت ہے یا کنواری ہے یا گوری چٹی ہے یا گندم گوں ہے وغیرہ۔ اب اگر وہ عورت اس کے خلاف نکلی تو عقد صحیح ہو جائے گا لیکن اسے اختیار ہوگا چاہے تو قبول کر لے چاہے عقد فسخ کر دے اگر (اس طرح کی) کوئی شرط لگائی اور (وہ شرط تو اس میں نہیں ہے بلکہ) اس جیسی کوئی اور صفت یا اس سے بڑھ کر کوئی صفت ہے تو یہ عقد درست ہوگا اور خاوند کو اختیار فسخ نہ ہوگا۔

یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ اسی طرح کی شرطیں کوئی عورت لگائے مثلاً اس نے یہ شرط رکھی کہ وہ مرد خوبصورت ہو اور کنوارہ ہو۔ یعنی اس کی شادی اس سے پہلے کسی سے نہ ہوئی ہو۔

اگر یہ شرطیں عقد کے ساتھ وابستہ نہیں رکھی گئیں تو ان پر عمل نہ ہوگا چنانچہ اگر ولی نے کسی شخص سے کہا کہ میں اس باکرہ عورت کی شادی تمہارے ساتھ کرتا ہوں اور وہ غیر باکرہ نکلی تو خاوند کو (شادی کے) فسخ کا اختیار ہوگا۔ پھر اگر مباشرت سے پہلے فسخ کیا تو کوئی مہر واجب نہ ہوگا اور نہ حقوق خاوندی میں سے کوئی حق اس پر عائد ہوگا۔ لیکن اگر فسخ نکاح وطی (مباشرت) کے بعد ہوا یا وطی کے ساتھ ہی ہو گیا تو مہر مثل واجب الادا ہوگا اور ایام عدت کا نفقہ اور مکان اور جوڑا دینا ہوگا۔ لیکن ان میں سے اس کے ولی پر کچھ عائد نہ ہوگا جس نے غلط بیانی سے کام لیا تھا۔

Marfat.com

وقتی نکاح یا متعہ کا بیان

اس مسئلہ کا تعلق چند امور سے ہے۔

(الف) کیا متعہ اور وقتی نکاح میں فرق ہے؟

(ب) ان دونوں کی حقیقت کیا ہے؟

(ج) ان میں سے ہر ایک کی بابت کیا حکم ہے؟

(د) شرعی نقطہ نظر سے نکاح متعہ کی بنیاد کیا ہے؟

(الف) مالکیہ' شافعیہ اور حنابلہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی نکاح موقت (جو مقررہ معیاد کے لئے کیا جائے) اور نکاح متعہ ایک ہی شے ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ نکاح متعہ میں یہ شرط ہے کہ اس متعہ کر لے یا میں تیرے ساتھ متعہ کرتا ہوں یا میں نے اپنے ساتھ تیرا متعہ کر لیا۔ اندریں باب بعض حنفیہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ قول ثابت نہیں ہے (یعنی لفظ متعہ کا استعمال ضروری نہیں ہے) ایسی صورت میں نکاح متعہ اور نکاح موقت (ان کے نزدیک بھی) ایک ہی ہے اور ان دونوں میں چاروں ائمہ کے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے۔

(ب) رہا نکاح متعہ کی حقیقت سو وہ یہ ہے کہ عقد ازدواج میں یہ قید لگائی جائے کہ یہ عقد ایک خاص وقت تک کے لئے ہوگا مثلاً مرد یہ کہے کہ تو ایک ماہ کے لئے اپنے آپ کو میری زوجیت میں دے دے۔ یا میں تیرے ساتھ ایک سال کے لئے نکاح کرتا ہوں وغیرہ (یہ متعہ ہے) خواہ یہ معاملہ گواہوں کی موجودگی میں اور ولی کی شمولیت سے ہو یا اس کے بغیر ہو۔

(ج) قطع نظر اس کے کہ متعہ اور نکاح موقت دونوں ایک ہی شے ہیں یا دو مختلف چیزیں بہر حال اس پر سب کا اتفاق ہے وہ باطل ہے اور جس کسی پر یہ عائد ہو وہ شخص تعزیر (سزا) کا مستحق ہوگا حد شرعی کا سزاوار نہ ہوگا جیسا کہ مختلف مسالک کی تفصیل میں بتایا جائے گا۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ حضرت ابن عباس نے یہ کہا تھا کہ یہ جائز ہے اس شبہ کی بنا پر حد ساقط ہوگئی۔ اگرچہ یہ شبہ فضول ہے۔

(د) شرعی حیثیت سے نکاح متعہ کی بنا یہ ہے کہ آغاز اسلام میں جب کہ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور انہیں دشمنوں سے دفاع میں مسلسل مشغول رہنا پڑتا تھا۔ ایسی حالت میں خاوندی کے فرائض اور خاندانی ذمہ داریوں کو نبھانا ممکن نہ تھا بالخصوص اس لئے کہ ان کی مالی حالت خستہ تھی اور یہ معقول

Marfat.com

بات نہ تھی کہ وہ خاندانی امور کی بہتری میں لگ جاتے۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہ لوگ اب ایک نئے دور میں تھے۔ اسلام لانے سے پہلے کے حالات جن میں ان کی پرورش ہوئی عورتوں سے نفسانی انہاک کا دور تھا کہ ہر شخص جتنی بھی چاہے عورتیں کر سکتا تھا اور جس سے جی چاہتا قربت کرتا اور جسے چاہتا الگ کر دیتا تھا۔ ایسے لوگ جب حالات جنگ سے دوچار ہوئے تو ظاہر ہے ان کا حال کیا ہوگا۔ لیکن انسانی فطرت اور ان کی اقتصادی حالات کے تقاضے جدا جدا ہیں لہٰذا ضروری تھا کہ ایسے حالات میں وقتی تقاضے کے مطابق شرعی احکام ہوتے تا کہ اس مشکل کو حل کیا جاتا اور ان کو ان کے فرائض خاوندی سے ہم آہنگ کیا جا سکتا۔ نکاح متعہ یا وقتی نکاح ان وقتی احکام کے مطابق ہیں جو حالت جنگ میں مصلحتاً دیئے جاتے ہیں کیونکہ لشکر نوجوان اشخاص پر مشتمل تھا اور ان میں اتنی استطاعت نہ تھی کہ مستقل طور پر شادی کر لیتے اور نہ انسانی فطری تقاضوں کا مقابلہ کر سکتے تھے اور یہ بھی دانشمندی نہ تھی کہ مسلسل روزہ رکھ کر جسمانی قوت کو کمزور کر لیا جاتا جیسا کہ ایک اور حدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ محارب فوج کو کمزور بنا دینا کسی وجہ سے اور کسی حالت میں بھی درست نہیں ہے۔ غرض یہ حالات نکاح متعہ کی شرعاً اجازت کی بنیاد تھے۔ چنانچہ مسلم شریف کی حدیث سے جو سیرہ سے مروی ہے یہی ثابت ہوتا ہے جو فرماتے ہیں کہ جس سال ہم کو فتح حاصل ہوئی اور ہم مکہ میں داخل ہوئے اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں متعہ کی اجازت دی تھی پھر ابھی ہم وہاں سے نکلے نہ تھے کہ ہمیں اس کی ممانعت کر دی گئی اس روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ وہ حکم وقتی اور حالات جنگ کی ضرورت کے پیش نظر تھا۔ نیز ابن ماجہ میں یہ حدیث مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یا ایھا الناس انی کنت اذنت فی الاستمتاع الا و ان اللہ حرمھا الی یوم القیامۃ' (یعنی اے لوگو! بے شک میں نے متعہ کی اجازت دی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اب اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے) اور یہ عین عقل کے مطابق ہے جو اسلامی شریعت کے اس بنیادی اصول کے مطابق ہے جس کی رو سے 'زنا' کو بدترین جرائم میں سے ایک جرم مانا گیا ہے اور ہر ایسے عمل کو ممنوع قرار دیا ہے جس میں اس کا شبہ بھی پایا جائے یا اس ناپسندیدہ حرکت کے ارتکاب میں آسانی ہو اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کافی ہے ''ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا '' (یعنی زنا کے پاس بھی مت بھٹکو بلاشبہ یہ کھیل معصیت اور برا طریق ہے) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے 'لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن' (یعنی کوئی بدکار جب بدکاری کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اس وقت ایمان سے خارج ہو جاتا ہے) اور زنا کے گناہ ہونے کیلئے یہ امر کافی ہے کہ اس سے آبرو برباد اور خاندان دوغلا ہو جاتا ہے اور حیا

Marfat.com

جاتی رہتی ہے۔اس کے علاوہ اور بھی ایسی ذلت آمیز حرکات کا موجب ہوتا ہے۔جن کے خلاف اسلام برسرپیکار رہا اور اسے ختم کرنے کیلئے آیا ہے۔اس عیب سے اہل عرب کو نمایاں طور پر نجات حاصل ہوگئی ہے اور ایک انسان کے لئے اخلاقی سربلندی کے جس معیار پر پہنچنا ممکن تھا وہاں پر وہ پہنچ گئے ہیں اس بارے میں اہل عرب کو ہر جگہ اور ہر عہد میں فوقیت حاصل رہی ہے۔یہ امر عقل سے بعید تھا کہ اسلام جس کی یہ شان ہو وقتی نکاح کے اصول کو اپناتا۔اور یہ جو حضرت ابن عباسؓ کی بابت کہا جاتا ہے کہ انہوں نے متعہ کو جائز بتایا ہے حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ ارشاد اس وقت کا ہے جب کہ اس اجازت کے منسوخ ہو جانے کی اطلاع انہیں ملی تھی۔چنانچہ اس بارے میں انکے اور ابن زبیرؓ کے درمیان جھگڑا ہوا۔چنانچہ روایت ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے کہا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ اللہ نے ان کی بصیرت چھین لی جیسے اندھے ہو گئے ہوں جو کہتے ہیں کہ نکاح متعہ حلال ہے۔ان کا یہ اعتراض حضرت ابن عباسؓ پر تھا کہ وہ کچھ نہیں دیکھتے اس پر حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ آپ تو خشک اجڈ آدمی ہیں میں نے پرہیزگاروں کے امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود دیکھا ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت دی۔حضرت ابن زبیرؓ نے فرمایا کہ اگر تم نے ایسی حرکت کی تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کو اس حکم کے منسوخ ہو جانے کی اطلاع نہیں ملی تھی اور جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنی رائے بدل دی چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت سعید ابن جبیرؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کھڑے ہو کر تقریر فرمائی اور کہا کہ متعہ مردار خون اور سور کے گوشت کی مانند ہے۔یہ متعہ کے حرام ہونے کے بارے میں مبالغہ ہے۔ان تمام باتوں سے واضح ہے کہ وقتی نکاح باطل ہے جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور ابتدائے اسلام میں جو اس کے مباح ہونے کے بارے میں منقول ہے وہ اجازت حرب وقتال کے حالات کی مجبوری کے پیش نظر تھی۔

اندریں باب مسالک مختلفہ کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں درج ہے (1)

ا۔مالکیہ کہتے ہیں کہ نکاح متعہ یہ ہے کہ الفاظ عقد میں ایک خاص وقت تک کی قید کا اضافہ کیا جائے مثلاً ایک شخص (عورت کے) ولی سے کہے کہ آپ فلاں عورت کی شادی میرے ساتھ اتنے مہر پر ایک سال کے لئے کر دیجئے۔یا وہ شخص کہے کہ میں اس عورت کا نکاح ایک ماہ کے لئے اتنے پر قبول کرتا ہوں۔اگر ایسا کہا گیا تو نکاح باطل ہوگا اور مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو یہ عقد منسوخ ہو جائے گا۔تاہم اگر مباشرت ہو چکی ہے تو مہر مثل کی ادائیگی واجب ہوگی۔اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہی مہر لازم ہوگا جس پر نکاح متعہ طے ہوا ہے۔اور اگر اولاد ہوئی تو وہ اس شخص کی متصور ہوگی۔

اگر الفاظ عقد کے ساتھ مدت کا تعین صراحۃً نہ کیا جائے تو اسے متعہ نہ کہا جائے گا۔یہ صراحت خواہ ولی سے کی

Marfat.com

جائے یا اس عورت سے یا دونوں سے۔ اگر عقد سے پہلے یا الفاظ عقد کے ساتھ یہ شرط نہیں لگائی لیکن خاوند نے اپنے دل میں ہی ارادہ کر لیا تو اس سے کوئی حرج نہیں۔ اگر چہ وہ عورت یا ولی ایسا ہی سمجھتا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اگر عورت نے (اس عقد کو متعہ) سمجھا تو اس سے نکاح میں حرج ہے۔ پھر اگر میعاد متعہ طویل عرصہ کی رکھی جائے جتنے عرصہ بالعموم متعہ نہیں ہوتا تو اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ صحیح ہے اور بعض کہتے ہیں کہ صحیح نہیں ہے۔ واضح ہو کہ جو شخص نکاح متعہ کرتا ہے (اس کی پاداش میں) اسے سزا دی جائے گی۔ لیکن حد (شرعی سزائے زنا) نافذ نہ ہوگی۔ کیوں کہ اس کے جائز ہونے کا جو قول ہے اس سے (اس کا خالص زنا ہونا) مشتبہ ہو گیا۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے اس کا جواز منقول ہے اگر چہ ان ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ اس کے جائز ہونے سے پھر گئے تھے۔ بعض ائمہ مالکیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کا اپنے اس قول سے رجوع کر لینا مشہور واقعہ ہے تاہم محض شبہ کی بنا پر اس کے مرتکب کو حد نہیں ماری جائے گی۔

واضح ہو کہ جس طرح وقت کی شرط لگانے سے نکاح باطل ہو جاتا ہے اسی طرح چھپ کر نکاح کرنے سے بھی بالاتفاق نکاح باطل ہو جاتا ہے بشرطیکہ خاوند نے اس کے چھپانے کی ہدایت کی ہو اور جنہیں چھپانے کو کہا گیا ہے وہ نکاح کے گواہ ہوں۔ اگر خاوند نے اس کو اپنی سابقہ بیوی سے چھپانے کے لیے نہیں کہا بلکہ ولی نے یا دوسری بیوی نے یا ان دونوں نے مخفی رکھنے کی ہدایت کی ہو تو اس سے کوئی حرج نہیں ہے غرض عقد کا صیغہ راز میں رکھنا اس بات پر منحصر ہے کہ افشاء سے روکنے والا خاوند ہو اور جنہیں اس نے چھپانے کی ہدایت کی ہے وہ گواہان نکاح ہوں بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ جنہیں نکاح کو پوشیدہ رکھنے کے لئے کہا گیا وہ گواہ ہی ہوں بلکہ اگر خاوند نے عورت کے ولی یا بیوی یا دونوں کو ایک ساتھ اسے مخفی رکھنے کے لئے کہا تو عقد باطل ہو جائے گا۔

واضح ہو کہ اس بارے میں یہ فیصلہ صرف مالکیہ کا ہے' حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک عقد کو صیغہ راز میں رکھنے کی ہدایت کرنے سے عقد کسی طرح باطل نہیں ہوتا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ خاص مدت کے لئے نکاح کرنا متعہ ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے عورت کے ولی سے کہا کہ تم فلاں عورت کا نکاح ایک ماہ کے لئے میرے ساتھ کر دو تو یہ نکاح متعہ ہے اور باطل ہوگا۔ اسی طرح اگر نکاح کے وقت عورت کی یا اپنی زندگی تک کی قید لگا دی تو وہ بھی ایسا ہی ہے چنانچہ اگر ولی نے یوں کہا کہ میں فلاں عورت کو تمہاری زوجیت میں اس وقت تک کے لئے دیتا ہوں جب تک کہ وہ زندہ ہے تو عقد باطل ہو جائے گا کیوں کہ عقد کا تقاضا یہ ہے کہ عقد کے نتائج (احکام) مرنے کے بعد تک باقی رہیں اسی لئے خاوند کو اجازت ہے کہ وہ مرنے کے بعد بیوی کو غسل دے۔ اگر مرنے کے وقت تک کی قید لگا دی تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ موت کے بعد نکاح ختم ہو جائے گا اور اس کا نشان باقی نہ رہے گا یہی وجہ ہے کہ وقت کی قید سے نکاح باطل ہو جاتا ہے۔

شافعیہ کی بعض کتابوں میں یہ مرقوم ہے کہ:

''نکاح متعہ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک وہ ہے جو ولی اور گواہوں کے بغیر کیا جائے لیکن جمہور (عوام مالکیہ)

Marfat.com

کے نزدیک متعہ ایک خاص وقت تک کے نکاح کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نکاح متعہ کی یہ تشریح جمہور کے مطابق ہے کیوں کہ ایک مقررہ وقت تک کے لئے نکاح کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ اس کی غرض محض تمتع (یعنی جنسی استفادہ) ہے یہ مقصد نہیں ہے کہ اس کے ہاں وارث یا اولاد پیدا ہو جو نکاح کی اصل غرض ہے۔ لیکن ابن عباسؓ نے متعہ کے جو معنے بتائے ہیں کہ متعہ وہ نکاح ہے جو ولی اور گواہوں کے بغیر ہو۔ اس تشریح کی رو سے بغیر ولی اور گواہ کے نکاح کرنے کی یہ غرض ظاہر ہوتی ہے کہ نکاح کا مقصد محض حصول لذت ہے ورنہ اگر اس کی غرض وارث اور اولاد ہوتی تو وہ نکاح گواہوں اور ولی کی موجودگی میں ہوتا''۔ (تلخیص از متن وحواشی التحریر)

اس کی تائید ابن زبیرؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ اگر تم نے متعہ کرنے کی حرکت کی تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابن الزبیرؓ کی نظر میں ابن عباسؓ کا شبہ کمزور ہے لہٰذا حد کا ہٹانا واجب نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نکاح متعہ یہ ہے کہ ایک عرصہ کے لئے وہ نکاح کیا جائے وہ عرصہ معلوم ہو یا نہ ہو۔ معلوم عرصہ کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ولی کہے کہ میں فلاں عورت کا نکاح تمہارے ساتھ ایک ماہ یا ایک سال کے لئے کرتا ہوں۔ اور نا معلوم عرصہ کے لئے نکاح کی مثال یہ ہے کہ میں فلاں کی شادی تمہارے ساتھ اس موسم کے ختم ہونے تک کے لئے کرتا ہوں۔ یا اس وقت تک کے لئے کہ حاجی واپس آ جائیں۔ اب یہ معاملہ خواہ لفظ تزویج (نکاح) کے ساتھ کیا جائے یا لفظ متعہ کے ساتھ بایں طور کہ عقد کرنے والا (عورت سے) کہے کہ تم میرے ساتھ متعہ کر لو اور وہ کہے کہ میں نے تمہارے ساتھ متعہ کر لیا بغیر اس کے کہ ولی یا گواہ موجود ہوں۔ پس نکاح متعہ کی دو صورتیں ہیں: ایک وہ جس میں وقت کا تعین ہو اور ولی و گواہ موجود ہوں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لفظ متعہ استعمال کیا جائے۔ درآنحالیکہ ولی اور گواہ موجود نہ ہوں۔ اور بہر حال یہ نکاح باطل ہوگا اور اس کی اجازت اس حالت میں تھی جس کا ذکر متن کتاب میں کیا گیا۔

اگر الفاظ عقد میں وقت کا ذکر نہ ہو لیکن خاوند نے اپنے دل میں یہ سوچ لیا ہو کہ میں یہ نکاح اتنے عرصہ کے لئے کر رہا ہوں تو یہ بھی باطل ہے اور نکاح درست نہ ہوگا تا آنکہ وہ یہ نیت نہ کرے کہ تا زندگی وہ اس کی بیوی رہے گی۔ اسی طرح اگر یہ شرط لگائی کہ اتنے عرصہ کے بعد طلاق دے دوں گا خواہ وہ مدت معلوم نہ ہو تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا۔

نکاح متعہ کے بعد اگر اس سے مباشرت یا اس کے مشابہ کوئی حرکت نہیں کی تو قاضی (حاکم شرع) ان دونوں کے درمیان علیحدگی کرا دے گا اور عورت کسی شے کی مستحق نہ ہوگی لیکن اگر مباشرت ہوئی تو مہر مثل کی ادائیگی لازم ہوگی۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ نکاح فاسد ہے اور جس میں مباشرت کے بعد طے شدہ مہر واجب الادا ہوتا ہے۔ خواہ وہ نکاح متعہ ہو یا کوئی اور نکاح ہو اور متعہ کے نکاح سے عورت کو شادی شدہ قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ اس سے مطلقہ ثلاثہ (پہلے خاوند کے لئے) حلال ہو سکتی ہے۔ نہ فریقین ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اور نہ اس عورت (متاعی) کو اس شخص کی بیوی کہا جائے گا۔ البتہ اولاد کا نسب اس سے قائم ہو جائے گا اور اولاد اس کی وارث ہوگی اور وارث ہونے کا سبب یہ ہے کہ

Marfat.com

متعہ کے بعد اس عورت سے مباشرت شبہ کی مباشرت قرار دی جائے گی جس میں اولاد اس شخص کی قرار پاتی ہے۔

واضح ہو کہ اگر متعہ کا ارتکاب کیا جائے تو دونوں واجب التعزیر ہوں گے لیکن حد نافذ نہ ہوگی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ نکاح متعہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی عورت سے جس کے ساتھ منع نہ ہو یہ کہے کہ میں تیرے ساتھ کچھ دنوں کے لئے یا مثلاً دن دن کے لئے اتنے مال پر متعہ کرتا ہوں یا یوں کہے کہ تو میرے ساتھ متعہ کر لے اور وہ عورت کہے کہ میں نے قبول کیا۔ اسی طرح اگر اس عورت سے کہا کہ تو میرے ساتھ متعہ کر لے اور مدت کا ذکر نہیں کیا تو لفظ متعہ کے استعمال سے یہی مطلب لیا جائے گا۔ پس اگر اس عورت نے کہا کہ میں نے تمہارے ساتھ اپنا متعہ اتنے مال کے عوض کر لیا اور یا قبول کر لیا تو وہ نکاح متعہ متصور ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ لفظ متعہ سے اس کا ثابت ہونا سنی سنائی بات ہے ایسی کوئی صحیح دلیل موجود نہیں ہے کہ نکاح متعہ کے لئے یہ لفظ مخصوص ثابت ہو۔ اسی لئے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ متعہ اور نکاح موقت میں کوئی فرق نہیں ہے پس اگر نکاح کے ساتھ وقت کی قید لگا دی گئی یا لفظ متعہ استعمال کیا گیا اور گواہ نہ ہوئے تو وہ نکاح متعہ متصور ہوگا جیسا کہ حنابلہ کہتے ہیں لیکن یہ عقد بہر حال باطل ہے پس اگر یوں کہا کہ میں نے تمہارے ساتھ ایک ماہ کے لئے نکاح کیا تو وہ نکاح متعہ ہوگا یا یوں کہا کہ تو میرے ساتھ متعہ کر لے اور مدت مقرر نہیں کی اور اس عورت نے کہا کہ میں قبول کرتی ہوں تو یہ نکاح باطل ہوگا خواہ گواہوں کے سامنے ہو یا ان کے سامنے نہ ہو اور خواہ خواہ لمبے عرصے کے لئے ہو اور اگر اتنے لمبے عرصہ کے لئے کہا جس میں بالعموم وہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ مثلاً یوں کہا کہ میں تیرے ساتھ قیامت آنے تک کے لئے شادی کرتا ہوں تو اس صورت میں یہ نکاح وقتی متصور نہ ہوگا بلکہ اس طرح کہنے کا مقصد ہمیشہ کے لئے شادی کرنا ہے۔ لہٰذا یہ شرط لغو متصور ہوگی اور عقد ہو جائے گا۔

اگر اس کے ساتھ ایک خاص مدت تک رہنے کا ارادہ تھا لیکن اس مدت کی تصریح نہیں کی تو وہ عقد صحیح ہوگا جیسے اس شرط پر نکاح کرنا کہ میں کل یا ایک ماہ بعد طلاق دے دوں گا تو عقد صحیح ہوگا اور شرط لغو قرار پائے گی۔ غرض طلاق کی شرط پر نکاح کرنا وقت مقرر کرنا نہیں ہے جیسا کہ حلالہ کرنے والے کے بیان میں بتایا گیا ہے۔

واضح ہو کہ نکاح متعہ کرنے پر (نکاح کا) کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ نہ تو اس کی طلاق ہوتی ہے نہ ایلاء (عورت کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے کا مسئلہ) نہ ظہار (بیوی کو ماں کے برابر کہنے کا مسئلہ) عائد ہوتا ہے نہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اور اگر مباشرت کے بغیر دونوں کی علیحدگی ہو جائے تو عورت کو کچھ حق نہیں پہنچتا لیکن مباشرت ہوگئی ہو تو اسے مہر کا حق ہے جیسا کہ بہ سلسلہ شرائط نکاح مہر مثل کے بیان میں بتایا گیا۔

Marfat.com

صداق یا (مہر) کا بیان

لغت کی رو سے صداق کے کئی نام ہیں جن میں سے ایک 'مہر' ہے چنانچہ جب آپ کسی عورت کا مہرادا کرتے ہیں تو کہیں گے مھرت المرأة (یعنی میں نے عورت کا مہرادا کردیا) اور (مھرت ' کی بجائے) ''امھرتھا'' ان معنوں میں کہ میں نے اسے مہر دے دیا نہیں کہا جائے گا بلکہ امھرھا اس حالت میں بولتے ہیں جب کسی عورت کی شادی کسی اور شخص سے مہر کے عوض کی جائے۔ (اور اگر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ میں نے مہر لے کر اس عورت کی شادی کردی)۔

مہر کے ایک اور لفظ صداق صاد پر زبر، زیر اور دال پر زبر کے ساتھ۔ یہ لفظ صداق فعل اصدقت (یعنی میں نے صدق ادا کر دیا) کا اسم مصدر ہے۔ یہ اسم چار حرفی ہے۔ اس کا استعمال یوں ہوتا ہے۔ اصدقت المراۃ اصداقا (یعنی میں نے عورت کو مہر دینے کے طریقہ سے مہر دے دیا) یہ جملہ اس صورت میں بولا جاتا ہے جبکہ مہر کو صداق کہا جائے۔ غرض اصداق مصدر ہے اور صداق اسم مصدر ہے (اصداق کے معنے مہر دینے کے ہیں اور صداق کے معنے مہر کے ہیں)۔

لغت میں صداق کے مفہوم والے کئی الفاظ مستعمل ہیں ان میں صدہ بفتح صاد و بضم دال اور صدقه و صدقه بفتح و ضم صاد وسکون دال شامل ہیں۔ اصل میں یہ لفظ (مادہ) صدق سے نکلا ہے کیونکہ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس شخص کو بصرف مال عقد ازدواج کی تمنا ہے۔ بدیں لحاظ یہ کہا جاسکتا ہے کہ لغت میں صداق کے معنے اظہار رغبت کے لئے مال خرچ کرنے کے ہیں پس اس لفظ کے لغوی معنے اس شے کے لئے مخصوص ہو گئے جو عقد کرنے سے واجب الادا ہوتی ہے۔ اس طرح اس کے لغوی معنے اس کے شرعی معنوں کی بہ نسبت خاص ہو گئے۔ کیونکہ شرعی معنوں میں تو مہر کے مفہوم میں وہ مال بھی شامل ہے جو عورت کے ساتھ (بیوی کے) شبہ میں صحبت کر لینے سے مرد پر عائد ہوتا ہے' جیسا کہ بتایا گیا۔ لیکن بیشتر صورتوں میں اس کے خلاف ہوتا ہے' زیادہ تر شرعی معنی لغوی معنے کے مقابلہ میں خاص ہوتے ہیں۔

اس لفظ کے اصطلاحی معنے اس مال کے ہیں جو عقد نکاح کے بعد عورت سے متمتع ہونے کے عوض' یا (غیر عورت سے بیوی کے) شبہ میں صحبت کر لینے یا نکاح فاسد وغیرہ میں عورت کا حق ہو جاتا ہے۔ (1)

ا۔ شافعیہ نے مہر میں اس مال کو بھی داخل کیا ہے جو اس شخص کا حق ہوتا ہے جو اپنی بیوی کے تعلقات سے محروم ہو گیا ہو مثلاً ایک شخص نے ننھی بچی سے عقد کر لیا اور اس شخص کی ماں (دودھ پلانے والی) نے اس بچی کو بھی دودھ پلا دیا تو

Marfat.com

اب وہ بچی (بوجہ دودھ شریک بہن ہونے کے) اس پر حرام ہو جائے گی اور وہ بچی مہر مثل کی حقدار ہوگی اور خاوند کو بھی اس کے مہر مثل کا آدھا ملے گا (تو یہ جو خاوند کو ملے گا وہ بھی شافعیہ کے نزدیک مہر ہے)۔ ایسی ہی مثال اس آقا کی ہے جو اپنی لونڈی کو اپنے خاوند سے خلق (علیحدگی) کی اجازت دے لیکن مال خلع متعین نہ ہوا ہو اور وہ لونڈی (بذریعہ خلع) اس شخص سے علیحدہ ہو جائے تو خلع کرنے والا (خاوند) اس عورت کا مہر مثل اس کے آقا پر ڈال دے گا اور وہ آقا وہ مال اپنی لونڈی کی کمائی سے اگر وہ کچھ کماتی ہو وصول کرے گا۔ بصورت دیگر وہ مال اس لونڈی کے ذمہ واجب الاداء قرض رہے گا جو آزاد ہونے یا اسے فراخی حاصل ہونے پر وصول کرلے گا۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ مال جس کے عوض اس نے بذریعہ خلع علیحدگی اختیار کی ہے اس مال کا مالک آقا ہے اور اگر اس نے اس کی اجازت دی اور لونڈی نے مہر مثل سے زیادہ مال دے کر خاوند سے خلع (یا خلاصی) حاصل کی تو زائد رقم کا مطالبہ اس کے آزاد ہونے یا فراخی حاصل ہونے پر کرے گا اسی طرح اگر دو گواہوں نے کسی شخص کی بابت یہ گواہی دی کہ اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دے دی ہے یا طلاق رجعی دی ہے جس کی میعاد رجوع ختم ہونے کے باعث وہ طلاق بائنہ ہوگئی (یعنی نکاح باقی نہ رہا) اور (اس شہادت کی بناپر) قاضی نے ان دونوں میں علیحدگی کرادی۔ لیکن اس کے بعد وہ دونوں گواہ اپنی گواہی سے پھر گئے تو ایسی صورت میں ان دونوں گواہوں پر واجب ہوگا کہ اس عورت کا مہر مثل اس کے خاوند کو ادا کریں کیونکہ ان کی جھوٹی گواہی کی بناپر ظاہری صورت حال کے پیش نظر قاضی نے بیوی کے تعلقات کو ختم کر دیا ہے۔ ایسی صورت میں خاوند اس کے مہر مثل کا حقدار ہے خواہ یہ (جھوٹی) گواہی مباشرت کے بعد ہو یا پہلے۔ اس کے برخلاف اس صورت میں جبکہ (خاوند کی ماں کے) دودھ پلا دینے کی وجہ سے منقطع ہوئے ہوں خاوند صرف آدھے مہر مثل کا مستحق ہوگا جس کا مطالبہ وہ دودھ پلانے والی سے کرے گا۔ اس لئے کہ دودھ کی وجہ سے جو حرمت ہوئی ہے وہ ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے حقیقی حرمت ہے کیونکہ اس سے یقینی طور پر ثابت ہے کہ اس لڑکی سے مباشرت نہیں کی گئی لہٰذا وہ شخص نصف مہر کا مستحق ہوگا لیکن وہ علیحدگی جو جھوٹی شہادت کی بناپر ہوئی وہ محض ظاہر کی بناپر ہے کیونکہ جب گواہوں کا جھوٹ کھل جائے تو اس شخص کو اپنی بیوی سے رابطہ رکھنے کا حق ہوگا وہ پورے مہر مثل کا حقدار ہوگا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اس صورت حال کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس کا کوئی حق نہ ہو کیونکہ باطنی طور پر اس کا کوئی حق ضائع نہیں ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قاضی کے حکم نے اس عورت کو اس شخص سے علیحدہ ہو کر کسی اور سے شادی کرنے کا حق دے دیا اور اسے یہ حق ہے کہ وہ اپنے نفس پر اسے اختیار نہ دے۔ ایسی صورت میں یہ نہیں ہوسکتا کہ بیوی کے ساتھ پورے طور پر معاشرہ کر سکے۔ لہٰذا یہ تصور کرتے ہوئے کہ اس سے مباشرت ہو چکی ہے وہ اس کے معاوضہ میں پورے مہر کا مستحق ہے گویہ علیحدگی مباشرت سے پہلے ہی ہوئی ہو۔

یہی اسباب ہیں جن کی بناپر شافعیہ نے مہر کی تعریف یوں کی ہے کہ مہر وہ مال ہے جو نکاح سے یا مباشرت سے یا خاوند کے حقوق زوجیت سے جبراً محروم کئے جانے کے باعث یا خلع یا (جھوٹی) گواہی کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔

غرض ایک مرد کے ذمہ دوسرے مرد کے لئے یا کسی عورت کے لئے جو کچھ واجب الاداہو ان کے نزدیک مہر ہے لیکن دوسرے اصحاب نے صرف اس کو مہر قرار دیا ہے جو کسی عورت سے متمتع ہونے یا متوقع امتعاع کے بدلے میں دیا جائے۔ اس میں وہ مال شامل ہے جو محض عقد صحیح کی وجہ سے واجب ہو یا مباشرت کی وجہ سے خواہ یہ مباشرت عقد فاسد کی بناپر ہوئی یا (غیر عورت کے ساتھ بیوی کے) شبہ میں ہوئی۔ یا مجبوراً (ناگزیر) کرنا پڑی۔

Marfat.com

مہر کی شرطوں کا بیان

مہر کے صحیح ہونے کی شرائط حسب ذیل ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ مہر مال کی قسم میں سے ہو جس کی قیمت لگائی جا سکے۔ ایسی معمولی شے جس کی کوئی قیمت نہ ہو جیسے گندم کا ایک دانہ مہر نہیں کہا جا سکتا۔ مہر کی زیادہ سے زیادہ یا کم سے کم مقدار کی کوئی حد متعین نہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم (ایک چاندی کا سکہ) جو ہمارے زمانے میں تقریباً چالیس قرش کے برابر ہے (اس کی مالیت ساڑھے تین سو روپیہ پاکستانی بتائی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو مجموعہ قوانین اسلام از تنزیل الرحمٰن ج 1 صفحہ 280) اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مہر سکہ کی شکل میں ہو یا نہ ہو۔ البتہ چوری کے مال کی مقدار میں جس کی سزا ہاتھ کاٹ دینا ہے یہ شرط احتیاطاً لگائی گئی ہے کہ مال مسروقہ ڈھلا ہوا سکہ ہو۔ اور سامان خانہ یا مال تجارت کو جس کی قیمت دس درہم ہو مہر قرار دینا درست ہے۔ بعض اصحاب نے شرعی (اصطلاح کے) درہم کی مالیت چودہ (۱۴) قیراط بتائی ہے۔ اور ایک قیراط اوسط درجہ کے چار دانہ گندم کے برابر ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک درہم چھپن (۵۶) دانہ گندم (چاندی) کے برابر ہوا۔ بعض اصحاب نے اس کی مقدار ''خرنوبہ'' میں بتائی ہے۔ ان کا کہنا ہے ایک خرنوبہ چار دانہ گندم کے برابر ہوتا ہے اور ایک قیراط سولہ (۱۶) خرنوبہ کے مساوی ہوتا ہے اس لحاظ سے ایک درہم کا وزن چونسٹھ (۶۴) دانہ گندم کے برابر ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ شرعی درہم کا وزن چودہ (۱۴) قیراط ہی ہے اور ہر قیراط پانچ دانوں کے برابر ہوتا ہے بایں لحاظ شرعی درہم کا وزن ستر دانوں کے برابر ہوا لہٰذا درہم سے مراد ایک ''صنجہ'' ہے جو وزن کرنے کا مشہور آلہ (باٹہ) ہے اور وہ خرنوبہ کے اعتبار سے ساڑھے سترہ خرنوبہ ہے کیونکہ ایک خرنوبہ کا وزن چار (۴) دانہ گندم ہے اور ایک درہم ہمارے زمانہ میں تقریباً چار ٹکسالی قرش کے برابر ہے پس اگر کسی کا مہر دس (۱۰) درہم سے کم ہو تو عقد صحیح ہوگا لیکن واجب الادا مہر دس درہم ہی ہوگا۔ اس کا ثبوت ابن ابی حاتم کی روایت کردہ حدیث ''لا مھر اقل من عشرة دراھم'' ہے (یعنی دس درہم سے کم مہر مقرر نہیں ہو سکتا) اور یہ حدیث اپنے اسناد کی بنا پر حسن ہے اور یہ جو آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس درہم سے کم پر نکاح کی اجازت دی ہے جیسا کہ حضور نے ایک اعرابی سے کہا تھا التمس ولو خاتما من حدید (کہ درخواست کر خواہ لوہے کی ایک انگوٹھی کے عوض ہو) وہ مہر معجل (فوری واجب الادا) پر محمول کیا گیا ہے۔ یعنی یہ امر مستحب ہے کہ مرد عورت کو (بوقت نکاح) جو کچھ میسر ہو دے دے اور باقی اس کے ذمہ قرض رہے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مہر کی کم سے کم مقدار چاندی کے تین سکہ درہم کے برابر ہے جو خالص چاندی کا ہو اور جس میں کھوٹ نہ ہو یا پھر مال تجارت ہو جس کی مالیت تین درہموں کے برابر ہو۔ درہم کا وزن مالکیہ کے نزدیک اوسط درجے کے پچپن (۵۵) دانہء جو کے مساوی ہوتا ہے اگر مہر اس سے کم ہو اور اس عورت کے ساتھ صحبت ہو گئی ہو تو عقد ہو جائے گا اور خاوند پر واجب ہے کہ کم از کم یہ مقدار ادا کرے۔ لیکن مباشرت سے پہلے اسے اختیار ہوگا کہ مہر کی یہ کم سے کم مقدار یعنی تین درہم ادا کر دے یا عقد کو فسخ کر دے اور جو مہر طے ہوا ہے اس کا نصف ادا کر دے۔

Marfat.com

لہٰذا اگر معمولی سے مہر پر نکاح کر لیا خواہ وہ ایک مٹھی بھر گندم یا آٹا ہو تو وہ نکاح درست ہو جائے گا۔لیکن سنت یہ ہے کہ مہر دس درہم سے کم نہ ہو۔ حضرت جابرؓ سے حدیث مرفوع مروی ہے کہ اگر کسی نے بطور مہر کے مٹھی بھر غلہ اپنی بیوی کو ادا کیا تو وہ اس کے لئے حلال ہو جائے گی اس سے عیاں ہے کہ نکاح میں مہر بذات خود پیش نظر نہیں ہوتا لیکن اس کے تعین کرنے کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ مرد پر اپنی بیوی کا نفقہ ابتدا ہی سے لازم ہو جاتا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مہر پاک شے (حلال) ہو جسے استعمال میں لانا درست ہو لہٰذا مہر میں شراب' سور' خون یا مردار دینا درست نہیں ہے کیونکہ شریعت اسلامیہ کی نکاح میں ان اشیاء کی کوئی مالیت نہیں ہے۔ گو غیر مسلم کے نزدیک ان کی قیمت ہو جیسے شراب' سور اور مردار کی چربی اور اس کی کھال اور جما ہوا خون جس کا کھانا ان کے ہاں حلال ہے' لیکن مسلمان ان اشیاء میں سے کسی شے کا مالک نہیں ہوتا' لہٰذا یہ مہر واجب الادا نہ ہوگا۔ اگر شراب یا سور وغیرہ جس کا کوئی مسلمان مالک نہیں ہو سکتا مہر مقرر کیا تو یہ مہر باطل ہوگا' تاہم نکاح درست ہوگا[1] اور عورت کو مہر مثل ملے گا اگر عورت کا جو مہر مقرر ہوا اس میں کچھ تو ایسی شے ہے جس کی مالیت ہے اور کچھ ایسی شے ہے جس کی مالیت نہیں ہے۔ یا (مہر میں بطے) کچھ پاک ہے اور کچھ ناپاک ہے یا مہر میں نجس چیز کا نام لیا گیا اور پاک شے کا تعین کیا گیا یا اس کے برعکس کیا (یعنی پاک شے بتائی گئی اور ناپاک شے کا تعین کیا) یا مہر اور فروخت دو معاملے ایک عقد میں جمع کر دیئے۔ ان تمام صورتوں کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[2]

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے شراب یا سور وغیرہ کے مہر پر جس کا مسلمان مالک نہیں ہو سکتا اور یا اسے فروخت نہیں کر سکتا نکاح کیا تو یہ عقد فاسد ہوگا اور مباشرت سے پہلے فسخ ہو جائے گا' لیکن اگر مباشرت کر لی ہے تو نکاح ہو جائے گا اور عورت مہر مثل کی حق دار ہوگی۔ ناقابل فروخت ہونے سے مراد قربانی کی یا مردار جانور کی دباغت شدہ کھال ہے کہ مسلمان ان کا مالک تو ہے لیکن فروخت نہیں کر سکتا لہٰذا یہ اشیاء مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مالکیہ کو اس عقد کے صحیح ہونے میں دوسرے مسالک سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ نکاح فاسد ہے اور مباشرت سے پہلے فسخ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس امر میں متفق ہیں کہ اگر مباشرت ہو جائے تو نکاح برابر رہے گا اور مہر مثل واجب الاداء ہوگا۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا مہر مقرر کیا جس میں سے کچھ کا وہ مالک ہے اور کچھ کا مالک نہیں ہے تو جس مال کا مالک ہے اس کے علاوہ جس کا مالک نہیں ہے وہ باطل تصور ہوگا۔ پھر یہ دیکھا جائے گا کہ وہ مال جس کا وہ مالک نہیں ہے اگر وہ کوئی ایسی شے ہے جس سے مطلق فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا بایں طور کہ وہ کسی شخص کے بھی کام کی چیز نہیں ہے جیسے خون' تو

Marfat.com

ایسی حالت میں اس مہر کے جس کا وہ شخص مالک ہے عقد نکاح ہو جائے گا اور غیر مملوکہ شے کا ذکر لغو متصور ہوگا لیکن اگر وہ غیر مملوکہ شے ایسی ہے جسے کام میں لایا جا سکتا ہے مثلاً شراب تو اس میں دو حالتیں ہوں گی یا تو وہ عورت مہر طے ہونے کے وقت ہی اس سے آگاہ رہی ہوگی یا نہ رہی ہوگی اگر یہ اسے معلوم نہ تھا تو اسے اختیار ہوگا کہ مہر کو فسخ کر دے یا اسے باقی رکھے۔ اگر اس نے اس مہر کو فسخ کر دیا یا واپس کر دیا تو اس کا حق مہر مثل ثابت ہو جائے گا اور اگر اس مہر کو برقرار رکھتی ہے تو صرف وہی شے اس کا مہر قرار پائے گا جس پر خاوند کی ملکیت ثابت ہوگی۔ ساتھ ہی مہر مثل کا اس قدر حصہ بھی اس کا حق ہوگا جو اس شے غیر مملوکہ کے برابر ہو جو مہر میں مقرر کیا گیا۔ مثلاً ایک شخص نے عورت کا حق مہر پچاس اونٹنیاں مقرر کیا اور یہی اس کا مہر مثل ہے۔ لیکن ان میں سے آدھی اونٹنیاں خاوند کی جائز ملکیت میں ہیں اور نصف غصب کردہ مالک ہے تو وہ اونٹنیاں جو اس کی جائز ملکیت ہیں اس کی مستحق تو وہ بیوی ہو ہی جائے گی۔ باقی غصب کردہ اونٹنیوں کی مالیت دیکھی جائے گی۔ اگر اس کی مالیت باقی ماندہ نصف مہر مثل کے برابر ہوئی تو اسے نصف مہر مثل کا مزید حق ہوگا جو درہموں یا اشرفیوں یا مال تجارت کی شکل میں یا پھر اونٹنیوں کی شکل میں وصول کرے گی۔ یعنی وہ مال جو مہر مثل کے عوض واجب الوصول ہے وہ غصب کردہ اونٹنیوں کی قیمت کی شکل میں خاوند کے ذمہ رہے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ مہر میں اشیائے متجانس رکھی گئی ہوں لیکن مالیت میں مختلف ہوں جیسے اونٹنیاں۔ لیکن اگر مہر میں اشیاء مثلیہ ہوں جن کی قیمت یکساں ہے مثلاً مہر دس بوری آسٹریلوی گندم کی طے پائی تو یہ شے مثلی ہے جس کی قیمت یکساں ہے اور اس کا نرخ بھی ایک ہے اور یہ مقدار اس کے مہر مثل کے برابر ہے لیکن اس میں سے نصف کا تو خاوند جائز مالک ہے اور باقی نصف پڑوسی کا غصب کردہ مالک ہے تو اس صورت میں پانچ بوری جس کا وہ مالک ہے تو وہ بیوی کا حق ہے باقی کے عوض آدھا مہر مثل ادا کرنا ہوگا خواہ وہ مال مغصوبہ کی قیمت کے برابر ہو یا کم و بیش ہو۔ اگر مقرر کردہ مہر میں کچھ اشیاء خاوند کی مملوکہ ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو ناقابل ملکیت ہیں کہ ان کی شرعاً کوئی مالیت نہیں ہے مثلاً مہر دس اشرفی اور پانچ بوتل شراب قرار پایا تو اشرفیاں قابل ملکیت ہیں وہ بیوی کا حق ہوں گی باقی جو شراب ہے اسے سرکہ تصور کیا جائے گا پھر دیکھا جائے گا اگر شراب کی قیمت متعین ہے تو سرکہ کی پانچ بوتلیں وزن کر کے یا ناپ کر بیوی کا حق ہوگا ورنہ شراب کی قیمت لگائی جائے گی اور بیوی اسی قدر قیمت کے سرکہ کی حقدار ہوگی۔

اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میں نے اپنی بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ کی اور تمہارا گدھا تمہارے اس اونٹ کے عوض تمہارے ہاتھ فروخت کیا (گویا اونٹ اور گدھے کے درمیان جو قیمت کا تفاوت ہے وہی حق مہر قرار پایا) تو یہ عقد اور فروخت اور مہر سب صحیح ہے لیکن اونٹ کی قیمت کو گدھے اور مہر مثل کے درمیان پھیلا کر دیکھا جائے گا۔ اگر مثلاً مہر مثل دس اشرفی ہے اور گدھے کی مالیت پانچ اشرفی ہے تو مہر کا دو تہائی اونٹ کی قیمت سے اور ایک تہائی گدھے کی قیمت سے پورا کیا جائے گا۔ اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی تو وہ ان دس اشرفیوں کا نصف (واپس) لے لے گا جو مہر قرار پائی تھیں اور یہ معاملہ اس صورت میں درست ہوگا جبکہ بیوی اس پر راضی ہو۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہو اور اس کا گدھا زیادہ قیمتی ہو تو یہ بیع باطل ہوگی۔ اسی طرح اگر مہر مثل زیادہ ہو تو وہ پورے مہر مثل کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

اگر ولی نکاح نے یوں کہا کہ میں نے اپنی بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ کر دی اور اپنا گدھا اس اونٹ کے عوض تمہارے ہاتھ فروخت کیا تو یہ بیع اور ساتھ ہی مہر بھی باطل ہو جائے گا کیونکہ یہ بیع اور نکاح دو مختلف معاملوں کو ایک ساتھ جمع

Marfat.com

کرنا ہے، (جو جائز نہیں ہے) ہاں اگر معقود علیہ (جس شے کا معاملہ ہوا ہے) کا تعلق ایک ہی شخص سے ہو تو جائز ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ سو اشرفی اور اس کی سوکن کے طلاق کو مہر قرار دے کر شادی کی تو یہ مہر دو چیزوں کا مجموعہ ہوا۔ ایک شے مالی ہے یعنی سو اشرفی اور ایک شے غیر مالی یعنی سوکن کا طلاق ایسی صورت میں عقد ہوتے ہی اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ عورت صرف اس مہر کی حقدار ہوگی جو مقرر ہوا اور کسی شے کی حقدار نہ ہوگی اور اگر اس کے ساتھ اس شرط پر نکاح ہوا کہ سو اشرفی کا مہر ہوگا اور فلاں عورت کو طلاق دینا ہوگی تو اس عورت کو عقد کے ساتھ ہی از خود طلاق نہ ہو جائے گی کیونکہ اس میں صرف یہ وعدہ ہے کہ وہ مستقبل میں اسے طلاق دے دے گا۔ اگر طلاق دے دی تو خیر اور طلاق نہ دی تو اس کی نئی بیوی کو پورے مہر کا حق ہوگا' درآنحالیکہ (اس شرط کی بنا پر) مہر کم مقرر ہوا ہو۔ اگر یہ صورت نہیں ہے تو مزید کچھ واجب الاداء نہ ہوگا' اگر مہر میں کچھ مال حلال اور کچھ مال حرام رکھا گیا مثلاً یوں کہا کہ میں تمہارے ساتھ دس درہم اور دس رطل (ایک پونڈ کے برابر وزن ہے) شراب کے عوض نکاح کرتا ہوں یا دس درہم اور ایک فربہ سور مہر مقرر کیا تو عقد صحیح ہوگا اور عورت صرف دس درہم کی حقدار ہوگی اور شراب یا سور کے عوض مزید کسی شے کی حقدار نہ ہوگی۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔ اس صورت میں وہ عورت مہر مثل کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتی گو دس درہم مہر مثل سے کم ہوں' کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک شراب اور سور کسی کام کے نہیں ہیں لہٰذا اس کے معاوضہ میں عورت کو کسی مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ ہاں اگر دس درہم سے کم ہوتے ہوں تو وہ اپنے دس درہم پورا کرنے کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

اگر ایک سو اشرفی اور سوکن کے طلاق اور اس شرط پر کہ وہ شخص اس عورت کا گھوڑا یا غلام لے لے گا شادی کی تو عقد کے ساتھ ہی اس کی سوکن پر طلاق بائن (جس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے) پڑ جائے گی۔ پھر دیکھا جائے گا کہ سوکن کی طلاق کتنے میں پڑی پھر طلاق کی قیمت کو اس سو اشرفی کے ساتھ ملا دیا جائے گا (یعنی طلاق کا خرچ اور مہر کی سو اشرفی دونوں کی مقدار کیا ہوتی ہے؟) پھر دیکھا جائے گا کہ وہ عورت کس قدر مہر کی حقدار ہے۔ یعنی اس کی بضع (یا نسوانی خصوصیت) کی کیا قیمت ہے اور اس کا گھوڑا کتنے کا ہے اگر اس مہر کی مالیت جس کی وہ مستحق ہے اور اس گھوڑے یا غلام کی قیمت برابر ہے تو سو اشرفی اور سوکن کے طلاق کا خرچ دونوں کو بحیثیت مساوی گھوڑے یا غلام اور مہر کے درمیان تقسیم کیا جائے گا بایں طور کہ سو اشرفی کا نصف یعنی پچاس اشرفی اور سوکن کے طلاق پر جو لگا ہے اس کا آدھا اگر پچاس اشرفی کے برابر ہے تو وہ گھوڑے یا غلام کی قیمت ہوگی اور باقی نصف مہر ہوگا۔ اسی طرح گھوڑے اور بضع زوجہ (یعنی اس کی نسوانیت کی قیمت) سوکن کے (خرچ) طلاق اور سو اشرفی کے مقابلہ میں رکھا جائے گا' بایں طور کہ بضع زوجہ کی آدھی قیمت کو سوکن کے آدھے خرچ طلاق کے مقابلہ میں رکھا جائے گا اور باقی آدھی قیمت سو اشرفی کے نصف کے مقابلہ میں ہوگی اور غلام کی آدھی قیمت سوکن کے طلاق کے آدھے خرچ کے مقابلہ میں اور باقی آدھی قیمت سو اشرفی کے بقیہ نصف کے مقابلہ میں رکھا جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر گھوڑا بیوی کے پاس ہلاک ہو گیا قبل اس کے کہ وہ خاوند کو سونپا جاتا تو خاوند پچاس اشرفی کا حقدار ہوگا جس کے مقابلہ میں اسے رکھا گیا تھا اور اسے اس کی آدھی قیمت کا حق ہے جو سوکن کے طلاق کے مقابلہ میں رکھی گئی۔

اگر ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ ایک ہزار مہر اور سوکن کے طلاق اور اس شرط پر کہ خاوند اس کا باغ لے لے گا

Marfat.com

شادی کی تو اس میں تین معاملے ہیں۔ نکاح کا معاملہ بیع کا معاملہ اور سوکن کے طلاق کا معاملہ۔ اس صورت میں جو کچھ خاوند نے خرچ کیا اسے اس پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ جو عورت نے خرچ کیا۔ خاوند کا خرچ تو ایک ہزار نقد اور سوکن کا طلاق ہے جو مال نہیں ہے اور عورت کا خرچ باغ اور اس کی نسوانیت ہے۔ پس ایک ہزار کا نصف تو باغ کا معاوضہ ہوا اور نصف اس کی نسوانیت کا' اسی طرح سوکن کے طلاق کا نصف خرچ باغ کا معاوضہ ہوگا اور یہ طلاق مال کے مقابلہ میں ہوگا جسے خلع کہتے ہیں تو گویا اس شخص نے سوکن کو نصف باغ کے مقابلہ میں طلاق دی جو اس نے نئی بیوی سے حاصل کیا اور طلاق کا باقی نصف خرچ اس کی نسوانیت کا معاوضہ ہوگا جو مہر نہیں ہے کیونکہ وہ مال نہیں ہے لیکن وہ نئی بیوی کا حق ہوگا۔ تو اب یا تو اس عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق ہوئی یا بعد میں اور بہر حال یا تو اس شخص نے اس عورت کی سوکن کو طلاق دے دی ہوگی یا نہ دی ہوگی۔ تو چار صورتیں ہوں گی: ایک صورت یہ ہے کہ نئی بیوی کو مباشرت سے پہلے طلاق دی ساتھ ہی اس کی سوکن کو بھی طلاق ہو چکی ہے۔ اگر باغ کی قیمت مہر مثل کے برابر ہے تو خاوند پورے باغ کا اور ہزار میں سے چوتھائی کا حقدار ہوگا جو اس نے (مہر میں) دیا۔ اس کی مقدار دو سو پچاس ہوتی ہے۔ اس لئے کہ نصف باغ کی ایک ہزار کے نصف کے عوض رکھا گیا تھا اور باقی نصف سوکن کے طلاق کے عوض۔ اسی طرح نصف بضع دوسرے نصف ہزار کے مقابلہ میں اور دوسرا نصف بضع سوکن کے نصف خرچ طلاق کے مقابلہ میں تھا۔ پس جب سوکن کو طلاق دی تو نصف باغ کا حقدار ہو گیا اور باقی نصف باغ کا مستحق اس نصف ہزار کے عوض ہوا جو اس کا معاوضہ قرار دیا گیا تھا۔ اس طرح کل باغ اس شخص کا حق ہوا اور وہ عورت اپنی نسوانیت کے معاوضہ میں جس چیز کی مستحق ہوئی وہ بقیہ نصف ہزار اور سوکن کے طلاق کا نصف خرچ ہے اس نصف ہزار یعنی پانچ سو میں سے وہ آدھے کی یعنی دو سو پچاس کی مستحق ہے کیونکہ مباشرت سے پہلے اسے طلاق ہو گئی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق دی گئی لیکن اس کی سوکن کو اس شخص نے طلاق نہیں دی۔ تو اس صورت میں خاوند کو اس نصف ہزار کے عوض صرف نصف باغ کا حق ہوگا باقی دوسرے پانچ سو اگر اس عورت کے مہر مثل کے برابر ہیں تو اس کا نصف دو سو پچاس' ورنہ اس کا جو مہر مثل ہے اس کا نصف اسے ملے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ طلاق مباشرت کے بعد دی اور سوکن کو بھی طلاق دے دی تو اس صورت میں وہ عورت پورے مہر مثل کی حقدار ہوگی اور خاوند پورے باغ کا حقدار ہوگا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ مباشرت کے بعد اس عورت کو طلاق دے دی لیکن اس کی سوکن کو طلاق نہیں دی۔ ایسی صورت میں وہ عورت پورے مہر مثل کی حقدار ہوگی لیکن مرد کو کچھ نہ ملے گا۔

اگر کسی عورت کا مہر طے کیا لیکن جو طے کیا تھا مہر اس کے خلاف نکلا تو اس کی چار صورتیں ہوں گی۔

پہلی صورت یہ ہے کہ مہر میں حرام چیز کا ذکر ہوا اور حرام ہی چیز کی طرف اشارہ کیا گیا۔ مثلاً یوں کہا کہ میں اس شراب سے پر مٹکے کے عوض تم سے شادی کرتا ہوں اور فی الواقع اس میں شراب ہی ہے ایسی صورت میں جو مہر طے ہوا وہ تو باطل ہوگا اور عورت مہر مثل کی حقدار ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مہر میں حلال مال بتایا جائے اور حلال کی طرف اشارہ کیا گیا ہو لیکن جنسیں مختلف ہوں مثلاً روغن زیتون کا یہ مٹکا اور اس میں زیتون کی بجائے سرکہ ہے ایسی صورت میں زیتون بھرا مٹکا ہی مہر واجب ہوگا۔ تیسری

Marfat.com

صورت یہ ہے کہ نام حرام شے کا لیا جائے اور اشارہ حلال کی جانب کیا مثلاً کہا مہر میں یہ شراب کا مٹکا ہوگا حالانکہ اس میں زیتون ہے۔ایسی صورت میں روغن زیتون جو مٹکے میں ہے وہی مہر ہوگا۔

چوتھی صورت اس کے برعکس ہے یعنی حلال چیز بتائی اور حرام کی طرف اشارہ کیا مثلاً کہا کہ سرکہ کا یہ مٹکا لیکن وہ شراب ہے ایسی صورت میں وہ عورت مہر مثل کی حقدار ہوگی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مہر حلال چیز کا بتایا اور حرام چیز نکلی مثلاً یہ کہا کہ میں نکاح کے مہر میں سرکے کا یہ گھڑا دیتا ہوں لیکن اس کو کھولنے سے معلوم ہوا کہ اس میں شراب ہے ایسی صورت میں وہ عقد اور جس چیز کا نام لیا وہ دونوں باتیں صحیح مانی جائیں گی اور عورت کو اتنے ہی سرکہ کی قیمت کا حق ہوگا۔اس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً مہر میں گھوڑا بتایا اور جب دیکھا گیا تو اس میں عیب نکلا تو عورت کو حق ہے کہ وہ بے عیب گھوڑے کا مطالبہ کرے۔اسی طرح اگر ایک شخص نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ اس شراب کے گھڑے کے عوض شادی کرتا ہوں لیکن درحقیقت اس میں سرکہ تھا تو یہ عقد صحیح ہوگا بشرطیکہ دونوں اس پر راضی ہو جائیں لیکن اگر وہ راضی نہ ہوں تو مباشرت سے پہلے عورت کو حق ہے کہ اس نکاح کو فسخ کردے۔یہ عقد دونوں طرف سے اعتراض کے قابل ہے کیونکہ عورت کو حق ہے کہ وہ کہے کہ تم نے مہر میں سرکہ کا ذکر نہیں کیا۔بخلاف اس کے اگر ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور یہ جان کر کہ وہ عورت عدت کے دن کاٹ رہی ہے لیکن بعد میں یہ پتہ چلا کہ وہ عدت میں نہیں تھی ایسی صورت میں دونوں کا عقد ہو جائے گا اور یہ درست نہ ہوگا کہ وہ عورت اس بنا پر علیحدگی اختیار کرے کہ اس شخص نے جب عقد کیا تھا تو یہ سمجھ کر کیا تھا کہ میں عدت میں ہوں۔

اگر کسی عورت کے مہر میں حلال اور حرام دونوں چیزیں رکھی گئیں مثلاً ایک شخص نے کسی عورت سے ایک سو دینار اور ایک گھڑا شراب کے مہر پر شادی کی تو وہ عورت طے شدہ حلال شے اور مہر مثل دونوں میں سے جو زیادہ ہوگا اس کی حقدار ہوگی پس اگر اس کا مہر مثل نوے دینار ہے تو وہ مقرر شدہ مہر (سو دینار) لے گی اور اس شراب کو نظرانداز کر دیا جائے گا جس کو حلال شے (دینار) کے ساتھ مہر میں شامل کر دیا گیا تھا۔ایسی ہی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک سو مہر ادائیگی کی شرط پر اور مزید ایک سونا معلوم عرصہ مثلاً موت یا طلاق پر ادائیگی کی شرط پر نکاح کیا تو اس مہر سے جس کی میعاد ادائیگی مقرر نہیں ہے قطع نظر کیا جائے گا اور اس عورت کا حق مہر وہ ہوگا جو مہر مثل اور مقرر شدہ سو اشرفی میں سے زیادہ ہوگا۔

عقد نکاح کے ساتھ اور معاملات مثلاً بیع یا قرض یا مشارکت یا مزدوری وغیرہ کو ملا دیا گیا تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور مباشرت کے بعد اس کو برقرار رکھا جا سکے گا اور مہر مثل دینا ہوگا۔اس کا سبب یہ ہے کہ بیع اور نکاح کے احکام میں منافات ہے لہٰذا ان دونوں کو جمع نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نکاح باہمی خیر سگالی پر مبنی ہوتا ہے اور دوسرے معاملات اپنے اپنے فوائد کے پیش نظر ہوتے ہیں۔پس اگر (عقد نکاح کے ساتھ عقد بیع بھی ہوا اور) مال فروخت شدہ مشتری (منکوحہ) کے پاس تلف ہو گیا اور ہنوز مباشرت نہ ہوئی تھی تو عورت کے ذمہ اس کی قیمت لازم ہوگی۔لیکن مباشرت کے بعد وہ بیع اس کی قیمت کے عوض لاگو ہو جائے گی اگرچہ فوت شدہ شے حاصل نہ ہوئی ہو کیونکہ وہ شے نکاح کے تابع (یا منسلک) تھی۔اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک عورت نے خاوند کے مملوکہ مکان کے عوض اس سے شادی اس طرح کی کہ اپنے مال سے ایک سو اشرفی اس شخص کو دے دی تو یہ دو معاملے ہوئے ایک تو عقد نکاح اور دوسرا عقد خریداری مکان۔یعنی اس عورت نے مکان کے ایک حصہ کا

Marfat.com

معاملہ سو اشرفی کے عوض کیا یہ معاملہ بیع ہوا اور ایک حصہ اس نے اپنی عصمت کے عوض (بطور مہر کے) لیا یہ معاملہ عقد ہوا لیکن یہ عقد فاسد ہے جو مباشرت سے پہلے پہلے فسخ متصور ہوگا اور مباشرت ہو جائے تو وہ عقد لاگو ہو جائے گا اور مہر مثل واجب الاداء ہوگا اور اس کے ساتھ ہی وہ بیع بھی اس مال (مکان) کی قیمت کے عوض لاگو ہو جائے گی بایں طور کہ اس (مکان) کی قیمت اور جو رقم اس نے دی ہے اور جس قدر مہر مثل کی وہ مستحق ہے سب کا حساب لگایا جائے گا اور جس کا حق ہے وہ وصول کرے گا۔ لیکن اگر اس شخص نے مباشرت سے پہلے اسے طلاق دے دی اور شے فروخت شدہ میں کوئی تغیر نہیں ہوا تو عقد پر اس کا کچھ اثر نہ ہوگا۔ ہاں اگر مال کی قیمت کسی سبب سے کم ہو گئی تو ادا شدہ قیمت کی واپسی کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

نکاح تفویض میں نکاح اور عقد بیع کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ تفویض وہ عقد ہے جس میں نہ کوئی مہر بتایا جائے اور نہ وہ دونوں مہر کے ساقط ہونے پر متفق ہوں' مثلاً (عورت کا) ولی خاوند سے کہے کہ میں تمہارے ہاتھ اپنا مکان سو میں فروخت کرتا ہوں اور اپنی بیٹی کی شادی بطور تفویض کے (بلاتعین مہر) تمہارے ساتھ کرتا ہوں۔ ایسی صورت میں اس مرد کو جو گھر دیا گیا وہ ایک طرح کی امداد ہوئی اور عورت کو اپنے مہر کے مطالبہ کا حق ہے۔ اگر خاوند نے اس کا مہر مقرر کر دیا تو مہر مقررہ کے عوض نکاح لاگو ہو جائے گا اور مباشرت یا موت کے بعد وہ عورت پورے مہر کی حقدار ہو جائے گی اور اگر مباشرت سے پہلے طلاق دے دی تو نصف مہر کی حقدار ہوگی اور اگر خاوند نے مہر مثل سے کم مہر مقرر کیا تو نکاح ہو جائے گا بشرطیکہ وہ عورت اس پر راضی ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مہر میں دو اشیاء قرار پائیں ان میں کچھ تو ایسی ہیں جو قابل مہر بننے کے ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو اس قابل نہیں ہیں تو عورت وہ شے جو قابل مہر ہے وہ تو لے لے گی اور جو شے اس قابل نہیں ہے اس کی قیمت کے مطالبہ کا اسے حق ہے۔ پس اگر کسی شخص نے ایک عورت سے دو اونٹ مہر مقرر کر کے شادی کی ان میں سے ایک اونٹ کا تو وہ مالک تھا اور دوسرے اونٹ پر ناجائز قبضہ کر رکھا تھا تو جس اونٹ کا وہ مالک ہے وہ تو مہر میں وہ عورت لے لے گی اور دوسرے غصب شدہ اونٹ کی قیمت کا مطالبہ کر سکے گی' اسی طرح اگر دو غلاموں کے عوض شادی کی اور ان دونوں غلاموں کی تعین کر دی لیکن پتہ چلا کہ ان میں سے ایک تو غلام ہے اور دوسرا آزاد ہے تو غلام (مملوک) کی تو وہ حقدار ہوگی اور اس فرضی غلام کی جو در حقیقت آزاد تھا قیمت کا مطالبہ کرے گی۔ اگر ایک اونٹ مہر قرار دے کر نکاح کیا جس کے نصف کا وہ شخص مالک ہے اور باقی نصف کسی اور شخص کا ہے تو عورت کو اختیار ہوگا کہ نصف اونٹ لے کر باقی نصف کی قیمت کا مطالبہ کرے یا کل اونٹ کو ترک کر دے اور پورے اونٹ کی قیمت کا مطالبہ کرے کیونکہ مال مہر کا مشترکہ ملکیت میں ہونا عیب میں داخل ہے اور عورت کو اختیار ہے (کہ اس کے معاوضہ میں اپنے مہر کا مطالبہ کرے)۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے قطعہ اراضی کے عوض جس کا رقبہ ایک ہزار گز بتایا گیا نکاح کیا اور وہ صرف آٹھ سو گز نکلا تو عورت کو اختیار ہے کہ جو کچھ اسے ملا وہ لے کر باقی دو سو گز زمین کی قیمت کا مطالبہ کرے یا ساری زمین واپس کر کے اس قیمت کا مطالبہ کرے۔

اگر مہر کی چیز حلال بتائی گئی اور معلوم ہوا کہ وہ حرام یا غصب کی ہوئی ہے تو مہر مثل کی حقدار ہوگی۔

اگر عورت سے یوں کہا کہ میں تیرے ساتھ سرکہ بھرے اس مٹکے کے عوض شادی کرتا ہوں لیکن معلوم یہ ہوا کہ وہ

Marfat.com

تیسری شرط (صحت مہر کی) یہ ہے کہ وہ مال غصب کردہ نہ ہو۔ اگر مال مغصوبہ کو مہر قرار دیا تو یہ درست نہ ہوگا۔[1] تاہم عقد نکاح درست ہوگا اور عورت کو مہر مثل کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

چوتھی شرط (صحت مہر کی) یہ ہے کہ وہ مہر نا معلوم نہ ہو۔ یہ امر تفصیل طلب ہے۔[2]

شراب ہے تو اس عورت کو سرکہ کے مطالبہ کا حق ہے جس پر وہ راضی ہوئی تھی۔

اگر کسی نے کہا کہ میں تیرے ساتھ اس شراب کے عوض شادی کرتا ہوں وہ شے (شراب نہیں بلکہ) سرکہ نکلی تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور وہ عورت اسی سرکہ کی حقدار ہوگی۔

اسی طرح کے معاملہ کی ایک نظیر یہ بھی ہے کہ یوں کہا جائے کہ میں اس گھوڑے کے عوض جو فلاں شخص کا ہے شادی کرتا ہوں اور ثابت یہ ہوا کہ وہ شخص خود اس گھوڑے کا مالک تھا تو عقد صحیح ہوگا اور عورت اس گھوڑے کی مالک ہوگی۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر غصب کردہ شے جس کا ناکح مالک نہ تھا اور مہر مقرر کیا تو دیکھنا ہوگا کہ آیا بات فریقین (ناکح و منکوحہ) کو معلوم تھی اور وہ دونوں رشید (سمجھدار) ہیں تو یہ عقد فاسد ہوگا اور مباشرت سے پہلے فسخ کر دیا جائے گا لیکن اگر مباشرت ہوگئی تو عقد لاگو ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا۔ اگر دونوں ناسمجھ ہیں مثلاً دونوں کم عمر ہیں یا ان میں سے ایک کم عمر ہے تو اس صورت میں تو یہ دیکھا جائے گا کہ ولی جانتا تھا یا نہیں اگر ولی کو یہ علم تھا کہ خاوند اس شے کا (جو مہر مقرر ہوئی) مالک نہیں تھا' تب بھی اسی طرح عقد فاسد ہو جائے گا لیکن اگر عورت کو اس مال کے مغصوب ہونے کا علم نہ تھا گو خاوند کو اس کا علم رہا ہو تو نکاح درست ہوگا' اگر مہر کے مال مغصوبہ کو اس کے اصل مالک نے حاصل کر لیا تو عورت خاوند سے اس جیسی شے کا مطالبہ کر سکتی ہے بشرطیکہ وہ شے مثلی ہو (یعنی اس کی مثل دستیاب ہو سکتی ہو) بصورت دیگر اس کی قیمت کا مطالبہ کرے گی۔ ان دونوں حالتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں تو دونوں نے بغیر مہر کے نکاح کرنے کا اقدام کیا کیونکہ غصب کردہ مال (جو مہر مقرر کیا گیا) نہ ہونے کے برابر ہے لہٰذا اسے مہر قرار نہیں دیا جا سکتا اور گویا دونوں نے پہلے ہی مہر سے قطع نظر کر لینے پر اتفاق کر لیا لیکن دوسری صورت میں یہ بات فریقین میں سے صرف ایک فریق یعنی خاوند کو معلوم تھی تو اس سے عقد میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے مہر میں غصب کردہ مال دیا مثلاً یوں کہا کہ یہ اونٹ یا یہ باغ یا یہ غلام مہر ہوگا حالانکہ وہ شخص اس کا مالک نہیں ہے تو یہ عقد صحیح ہوگا اور اس مال کو مہر قرار دینا بھی درست ہوگا' خواہ اس بات کو وہ دونوں جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ اب اگر (عقد کے بعد) مال کے حقیقی مالک نے اس میں تصرف کی اجازت دے دی تو عورت اس شے کی حقدار ہو جائے گی۔ جس کا نام لیا گیا اگر مالک نے اجازت نہ دی تو وہ اس متعین مال کی قیمت کی حقدار ہوگی۔ مہر مثل کی حقدار نہ ہوگی۔ اندریں صورت حنابلہ اور شافعیہ اس مسئلہ میں متفق ہیں جیسا کہ ان دونوں کا ذکر متن بالا میں ہے اور حنفیہ کا ذکر تفصیل مذکور میں کیا گیا ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر انجانے مہر پر نکاح کیا تو بہر حال یا تو اس شے کی جنس بتائی گئی ہوگی اور قسم نہ بتائی گئی ہوگی یا جنس اور قسم تو بتائی گئی ہوگی لیکن ایسی خصوصیات نہ بیان کی گئی ہوں گی کہ دوسری قسم کی اشیاء سے امتیاز کیا جا سکتا۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ مہر میں کپڑے اور مویشی یا حیوان کا نام لیا گیا (اور قسم نہیں بتائی گئی) فقہاء کے نزدیک اسے جنس کا

Marfat.com

بتانا کہتے ہیں کیونکہ جنس کی تعریف یہ ہے کہ جنس وہ لفظ ہے جس کے مفہوم میں متعدد اشیاء جن کے متعلقہ احکام شرعیہ مختلف ہوں' آتی ہوں مثلاً کپڑا کہ وہ ٹسری' سوتی اور ریشمی کئی قسم کا ہوتا ہے اوران سب کے شرعی احکام مختلف ہیں۔ چنانچہ ریشمی کپڑے کا پہننا (مردوں کے لئے) حلال نہیں ہے۔ بخلاف روئی اور ٹسری کپڑے کے۔ پس کپڑا ایک جنس ہے۔ اسی طرح حیوان اور مویشی ہیں کہ ان کے تحت میں گدھا' گھوڑا' بکری وغیرہ جانور آتے ہیں اوران کے متعلق (شرعی) حکم مختلف ہیں۔ لہٰذا یہ جنس ہیں۔ اسی طرح کی وہ تمام اشیاء (جنس) ہیں جن کے مفہوم میں متعدد ایسی اشیاء ہوں جن کے متعلقہ شرعی احکام مختلف ہیں۔

واضح ہو کہ (یہ تعریف شرعی نقطہ نظر سے ہے) اور منطق میں جنس کی تعریف یہ ہے کہ جنس وہ لفظ ہے جو بہت سی مختلف الحقائق اشیاء کے لئے (مختلف الاحکام اشیاء کے لئے نہیں) بولا جاتا ہے چنانچہ فقہاء کے نزدیک (لفظ) انسان جنس ہے۔ اہل منطق کے حساب سے نہیں (کیونکہ ان کے نزدیک انسان نوع ہے۔ فقہا کے نزدیک جنس ہے) اس لحاظ سے کہ لفظ انسان عورت اور مرد دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اور ان دونوں کے احکام شرعیہ مختلف ہیں۔ پس اگر (مہر میں) کپڑا کہا گیا' بغیر اس کے اس کی قسم بتائی جائے کہ وہ سوتی ہوگا یا ٹسری یا ریشمی تو کہا جائے گا کہ مہر میں جنس بتائی گئی قسم نہیں بتائی گئی۔ ایسا مہر مقرر کرنا بالکل درست نہیں ہے۔ اس کی بابت قاعدہ یہ ہے کہ جس شے کا مہر مقرر کرنا درست نہیں ہے اگر اس کا نام لیا جائے تو وہ مہر مثل قرار پاتا ہے۔ چنانچہ اگر مہر میں کوئی حیوان بتایا گیا اور یہ نہ کہا کہ مثلاً وہ گھوڑا ہوگا یا اونٹ یا گدھا تو لغو بات ہوگی اور عورت کا مہر مثل قرار پائے گا۔ یہی حکم ہر اس صورت میں ہے جس میں مہر ایک جنس بتائی جائے اور اس کی نوع (قسم) نہ بیان کی جائے لیکن اگر نوع تو بتا دی لیکن ایسی خصوصیات نہ بتائی گئیں جس کی بنا پر اس کو دوسری اقسام سے امتیاز کیا جا سکے مثلاً یہ کہا کہ میں تمہارے ساتھ ٹسری یا سوتی کپڑے کے مہر پر نکاح کرتا ہوں یا یوں کہا کہ میں گھوڑے یا خچر یا گدھے کے مہر پر شادی کرتا ہوں تو ایسا کہنے سے نکاح درست ہوگا اور مہر کے لئے یہ شے اوسط درجہ کی مراد ہوگی۔ لہٰذا جس قسم کا کپڑا بتایا گیا اس قسم کا اوسط درجہ کا کپڑا مہر ہوگا۔ اسی طرح گھوڑے وغیرہ کی بابت بھی سمجھ لینا چاہئے۔ علاوہ اس کے خاوند کو اختیار ہوگا کہ مقررہ نوع کی شے اوسط درجے کی دے یا اس کی قیمت ادا کرے اور اوسط درجہ کا معیار بقول معتمد یہ ہے کہ نہ بہت سستا ہو اور نہ بہت مہنگا لہٰذا مہر کے لئے وہ چیز نہ گراں بہا خریدی جائے اور نہ کم بہا ہو بلکہ درمیانہ درجہ کی ہو۔ اب اگر کوئی جنس اور اس کی قسم بتائی گئی اور ساتھ ہی اس کی امتیازی خصوصیات بھی بیان کر دی گئیں مثلاً یہ قرار پایا کہ شہری ریشمی اور اعلیٰ قسم کا کپڑا ہوگا تو جو کچھ طے ہوا وہی مہر ہوگا۔ اگر اعلیٰ یا نفیس قسم کی قید نہیں لگائی تو اس سے اوسط درجہ کی شے مراد ہوگی جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔ لیکن یہ سب اس صورت میں ہے جبکہ وہ جانور یا سامان تجارتی اشیاء میں سے ہو (جس کی خرید و فروخت بازار میں ہوتی ہے) اگر مہر پیمانوں سے ناپنے یا تولنے والی شے ہے اور اس کی خصوصیات اور جنس معلوم ہے مثلاً ایک بوری لال صعیدی گندم جس میں جو شامل نہ ہوں مہر مقرر کیا تو یہ مہر کی متعین شے ہے اور ممتاز مخصوص شے کی مانند ہے۔ اگر اس شے کی خصوصیات کا علم نہ ہو تو خاوند کو اختیار ہے کہ وہ اوسط درجہ کی وہی چیز مہر میں دے یا اس کی قیمت ادا کر دے۔

اگر ایک شخص نے دو گھوڑوں کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ ان دونوں میں سے یہ گھوڑا یا وہ گھوڑا مہر ہوگا اور ان دونوں میں سے ایک گھوڑا دوسرے کی بہ نسبت گھٹیا ہو تو وہ مہر مثل کی حقدار ہوگی اور اگر ان دونوں میں سے ایک گھوڑا جو بہتر

Marfat.com

مہر کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ خصوصیت کے ساتھ چاندی یا سونا ہو بلکہ مال تجارت مثلاً جانور' اراضی' مکان وغیرہ جس کی کوئی مالی قیمت ہو' حق مہر ہو سکتا ہے اور جس طرح اشیاء کا مہر باندھا جا سکتا ہے اسی طرح اس کی منفعت کو بھی حق مہر قرار دیا جا سکتا ہے مثلاً مکان یا جانور کا کرایہ یا تعلیم قرآن کی اجرت وغیرہ کو بموجب تفصیل مسالک مختلفہ مہر قرار دیا جا سکتا ہے۔ (۱)

ہے وہ اس کے مہر مثل کے برابر ہو تو وہی گھوڑا مہر قرار پائے گا۔ بصورت دیگر کمتر درجہ کا گھوڑا اس کا مہر ہوگا۔ اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہو جائے تو کمتر درجہ کے گھوڑے کا نصف اس عورت کا حق ہوگا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اگر سامان خانہ مہر قرار پایا تو بالعموم عورتوں کے لئے اوسط درجہ کا جو سامان درکار ہوتا ہے وہی حق مہر ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی غیر معلوم شے مہر قرار پائی جس کی بابت بالکل واقفیت نہیں ہے مثلاً کسی درخت کے پھلوں کو مہر قرار دیا بشرطیکہ پکنے تک وہ باقی رہ جائیں تو یہ عقد فاسد ہوگا اور مباشرت سے پہلے قابل فسخ ہے لیکن مباشرت ہو جائے تو وہ عقد مہر مثل کے ساتھ صحیح مانا جائے گا۔ لیکن اگر ایسے پھلوں کو مہر قرار دیا جائے جو ہنوز پختگی کو نہیں پہنچے اور انہیں توڑ لینے کی شرط لگا دی تو وہ مہر صحیح ہوگا۔ اگر ایسی شے مہر میں رکھی جس کی بابت کسی قدر نا واقفیت ہے مثلاً دس اشرفی کا مہر بتایا گیا حالانکہ شہر میں مصری اور انگریزی دونوں اشرفیاں (یا پونڈ) رائج ہیں تو یہ مہر صحیح مانا جائے گا اور جس کی قیمت زیادہ ہوگی وہ مہر قرار پائے گا۔ اگر مہر میں کئی چیزیں یکساں حیثیت کی رکھی گئیں تو ہر قسم کی اشیاء میں سے ان کی نسبت کے مطابق لیا جائے گا۔ اگر دو قسم کی اشیاء ہیں تو ہر قسم سے آدھا آدھا مہر لیا جائے گا۔ اسی طرح اگر دس اونٹ کا مہر بندھا اور ان کی صفات نہیں بتائی گئیں یا اسی طرح دس غلام مہر میں رکھے گئے تو اس عورت کا اوسط درجہ کے دس (اونٹ یا غلام) مہر ہوگا اور اگر پوری تفصیل نہیں معلوم تو مضائقہ نہیں۔ اسی طرح اگر یہ مہر مقرر ہوا کہ بیوی کو ضروری سامان مہیا کیا جائے گا تو اس سے اوسط درجہ کا سامان مراد ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مہر انجانی شے مقرر کیا مثلاً کوئی سا گھر (بلا تعین) یا چوپایہ جس کی نوعیت نہیں معلوم یا اپنے گھر کے سامان یا کوئی ایسی شے جس کا حوالہ کر دینا اختیار میں نہیں جیسے اڑتا ہوا پرندہ تو یہ مہر انجانا (یا نا معلوم) ہونے کے باعث درست نہ ہوگا۔ اگر مہر میں ایسی شے رکھی جس کی کوئی قیمت نہیں ہے مثلاً ایک کھجور تو یہ بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ مہر ایسی شے کا ہونا چاہئے کہ اس شے کے نصف کی کوئی قیمت ہو تا کہ اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہو جائے تو آدھا مہر دیا جا سکے۔ اگر مہر کے مال کی کوئی قیمت نہ ہو تو اس عورت کے ہاتھ کیا آئے گا۔ جس سے وہ مستفید ہو سکے۔ اس بارے میں ایک رائے یہ ہے۔ بعض حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ حکم کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ (ان کے خیال میں) مہر تو اتنا قلیل ہو سکتا ہے جس کی کچھ بھی قیمت نہ ہو جیسے غلہ کا ایک دانہ یا ایک پھل ان کا غالب مسلک یہی ہے۔ اگر نا معلوم شے یا ایسی شے کو مہر قرار دیا گیا جس کو مہر بنانا صحیح نہیں ہے تو وہ عورت بہر حال مہر مثل کی حقدار ہوگی۔

واضح ہو کہ اگر مہر کی کیفیت کسی قدر نا معلوم ہو تو قابل نظر اندازی سے مثلاً اگر کسی نے کہا کہ ان دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا یا ان دو گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا تمہارا حق مہر قرار دیتا ہوں یا اپنے اونٹوں میں سے ایک اونٹ مہر میں دیتا ہوں تو یہ مہر نہ ہوگا بلکہ وہ عورت مہر مثل کی حقدار ہوگی۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص ایسی چیز کو حق مہر قرار دیتا ہے جو ناپنے یا تولنے والی یا گنتی میں آنے والی ہے اور

Marfat.com

عقد کے وقت اس کی مالیت دس درہم یا اس سے زیادہ تھی لیکن اب ادائیگی مہر نہ ہوئی تھی کہ اس کی مالیت دس درہم سے کم ہو گئی تو اب عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ پورے دس درہم کی مالیت کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ اس صورت میں عقد کے وقت جو مالیت تھی اس کا اعتبار ہوگا۔ اس کے برعکس اگر مہر ایسی چیز کا ہو جس کی مالیت عقد کے وقت آٹھ درہم تھی تو مہر وصول کرنے کے وقت عورت مزید دو درہم کا مطالبہ کر سکتی ہے اگرچہ اس چیز کی قیمت اب دس درہم ہو گئی ہو۔

اگر اس امر پر شادی ہوئی کہ ایک خاص مدت تک خاوند کے گھر کا کرایہ یا اس کے اونٹ پر باربرداری کی اجرت یا اس کی زمین کی بٹائی حق مہر ہوگا تو یہ مہر درست ہوگا اور جو مادی منافع ان اشیاء کا مقرر کیا گیا وہ بیوی کا حق ہوگا جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن اگر غیر مادی شے کو مہر قرار دیا گیا مثلاً قرآن یا فقہ وغیرہ علوم دینی یا مسائل حلال وحرام کی تعلیم تو اس میں اختلاف ہے اور غالب مسلک یہی ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن متاخرین حنفیہ نے قرآن اور علوم دینیہ کی تعلیم پر اجرت لینے کا فتویٰ بتقاضائے ضرورت دے دیا ہے۔ کیونکہ ان علوم سے بہرہ ور ہونا اگرچہ مسلمان پر واجب ہے لیکن اس کی تعلیم دینے والے کم یاب ہیں۔ اس کا ذکر کرایہ کے بیان میں پہلے ہو چکا ہے۔

اس بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جن کاموں کے انجام دینے پر اجرت لینا درست ہے ان کو مہر قرار دینا بھی درست ہے۔ کیونکہ اجرت کی شے قیمت رکھتی ہے جسے مہر قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس بنا پر اہل تحقیق نے قرآن وفقہ کی تعلیم کو مہر قرار دینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ بعض اصحاب کا اس پر اعتراض ہے کہ ایسی صورت میں تو خاوند بیوی کا خادم ہو کر رہ جائے گا اور آزاد مرد کے لئے (یعنی جو غلام نہ ہو) عورت (بیوی) کی خدمتگاری حرام ہے۔ لہٰذا اس کو مہر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن یہ اعتراض بے حقیقت ہے کیونکہ قرآن اور دوسرے علوم کی تعلیم دینے والے کو خادم نہیں کہا جاتا بلکہ عام طور پر اسے سردار سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ تعلیم کے علاوہ کوئی ایسی خدمت جس کی اجرت جائز نہیں ہے مثلاً (اجرت لے کر) بیوی کے ساتھ حج پر جانا۔ سو اس اجرت کو حق مہر قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اس کی بجائے وہ مہر مثل کی حقدار ہوگی۔ اسی طرح اگر اس پر نکاح کیا کہ خاونداس کی خدمتگاری کرے گا حالانکہ وہ آزاد ہے غلام نہیں ہے تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ خاوند عورت کا محافظ (یا خبر گیر) ہوتا ہے اگر عقد کر کے وہ اس کا خادم بن کر رہ جائے تو یہ امر موجب توہین ہے۔ ایسی صورت میں تو وہ خاوند سے غلام کی طرح سلوک کرے گی اور یہ امر ناجائز ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ وہ شخص حقیقت میں غلام ہو اور عورت اسے خاوند بنانے پر راضی ہو تب ہی یہ درست ہوگا کہ خدمتگاری کے عوض وہ اس کے ساتھ نکاح کر لے۔ کیونکہ (غلام ہونے کی صورت میں) خدمت گزاری ہی اس کا کام ٹھہرا تو بیوی کی خدمت گزاری میں کون سا امر مانع ہے۔

واضح ہو کہ اگر ایک شخص اس امر پر نکاح کرے کہ وہ ایک خاص عرصہ تک بیوی کی زمین پر زراعت کا کام کرے گا یا اس کے ریوڑ کی گلہ بانی کرے گا تو یہ مہر بموجب رائے صائب درست ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حنفیہ نے اجارہ (کرایہ داری) کے بیان میں یہ بتایا ہے کہ بیٹے کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کو خدمتگاری پر رکھے، ہاں یہ جائز ہے کہ گلہ بانی یا کھیتی باڑی کے کام کی اجرت دے کیونکہ یہ کام ہتک آمیز نہیں ہے۔ اسی طرح اس میں بھی ہتک نہیں ہے کہ کسی شخص کی خدمت گلہ بانی کے عوض اس شخص کی بیوی سے شادی کی جائے جیسا کہ حضرت موسیٰ وحضرت شعیبؑ کا واقعہ ہے (کہ حضرت موسیٰ نے حضرت شعیب کی گلہ بانی کے عوض ان کی بیٹی سے نکاح کیا تھا) اس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

Marfat.com

اور جو امور پہلی شریعتوں میں تھے اگر شریعت اسلامیہ نے انہیں منسوخ نہیں فرمایا تو ہمارے لئے وہ بھی مشروع ہیں۔ ایسی صورت میں عورت کا ولی اس کے مہر مثل کا ضامن متصور ہوگا۔

اگر اس بات پر کسی عورت سے شادی کی کہ وہ خاوند فلاں آزاد عورت کی خدمت گزاری کو بیوی کے مہر کے طور پر انجام دے گا اور وہ اس پر راضی ہو تو درست ہے۔ لیکن اگر اس بات پر شادی کی کہ فلاں آزاد شخص اپنی مرضی سے اس عورت کی خدمت گاری کرے گا۔ تو اگر اس میں بے پردگی اور کسی خرابی کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے تو یہ جائز نہ ہوگا اور وہ عورت اپنے مہر میں اس شخص کی خدمت گاری کے معاوضہ کی حقدار ہوگی۔ تاہم اگر اس میں کوئی خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو ایسا کرنا درست ہوگا اور اس شخص کی خدمات اس عورت کے سپرد کر دی جائیں گی۔ اگر وہ اجنبی شخص اس خدمت کے انجام دینے پر راضی نہ ہو تو اس خدمت کی اجرت عورت کا حق مہر ہوگا۔ ایسی ہی ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص اس بات پر شادی کرے کہ ایک آزاد شخص غیر معینہ مدت کیلئے اس عورت کی خدمت گاری پر مامور رہے گا تو یہ بھی بموجب تفصیل بالا جائز ہے بشرطیکہ کوئی برائی یا برائی کے مواقع نہ ہوں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مہر وہ صحیح ہے جو مادی شے مثلاً سونا' چاندی یا سامان تجارت یا مویشی یا گھر وغیرہ ہو۔ رہے امور منفعت مثلاً بیوی کو قرآن کی تعلیم دینا یا مکان کا کرایہ یا غلام کی خدمت وغیرہ سو اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام مالک کا کہنا یہ ہے کہ یہ امور (منافع) اس امر کی صلاحیت نہیں رکھتے کہ ان کو مہر کہا جائے۔ ابن القاسم کہتے ہیں کہ ان (منافع) کو مہر تو کہہ سکتے ہیں لیکن اس میں کراہت ہے تاہم بعض ائمہ مالکیہ اسے بلا کراہت جائز قرار دیتے ہیں۔ (اس بارے میں) حقیقت کے اعتبار سے قابل اعتماد قول امام مالک کا ہے۔ تاہم اگر کسی شخص نے کسی منفعت کو مہر قرار دیا تو بقول معتمد عقد صحیح ہوگا اور مقررہ منفعت عورت کا حق مہر ہوگا۔ یہی قول مشہور ہے۔ پس مالکیہ امام مالک کے قول کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس امر سے منع کرتے ہیں کہ ابتداء میں اسے مہر کا نام دیا جائے البتہ ان اصحاب کے قول کے پیش نظر جنہوں نے اس کی اجازت دی ہے' اگر ایسا کر ہی لیا جائے تو اسے جائز قرار دیا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ 'منفعت' کو مہر قرار دینا درست ہے ان کا اصول یہ ہے کہ ہر وہ شے جو (معاملات بیع میں) قیمت قرار دیئے جانے کی صلاحیت رکھتی ہے' وہ حق مہر ہو سکتی ہے پس درآنحالیکہ یہ درست ہے کہ ایک شخص مقررہ عرصہ کے لئے اپنی اراضی زرعی کی منفعت دے کر کوئی مکان خرید لے تو یہ بھی درست ہے کہ اس منفعت کو مہر قرار دیا جائے لہٰذا ہر ایسا عمل جس کی اجرت ہوتی ہے مثلاً قرآن وفقہ یا کسی ہنر جیسے بننے یا سینے کی تعلیم یا یہ کہ وہ بیوی کے لئے کپڑا سی کر دے گا یا اس کے مکان کی تعمیر کرے گا یا اس کی خدمت انجام دے گا خواہ وہ شخص آزاد ہی کیوں نہ ہو ان تمام امور کا اسی طرح مہر قرار دینا درست ہے جس طرح کہ یہ امور کسی شے کی قیمت بن سکتے ہیں۔

شافعیہ کے اس قول پر کہ ہر شے جو قیمت بن سکتی ہے وہ مہر بھی ہو سکتی ہے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر ایک غلام (مملوک) نے کسی آزاد عورت کے ساتھ اس بات پر نکاح کیا کہ وہ اس کا مملوک (غلام) رہے گا تو یہ درست نہیں ہے بلکہ نکاح باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا غلام ہونا خاوند بننے کے منافی ہے کوئی غلام اپنے آقا کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ لیکن غلام کسی اور شے کی قیمت بن سکتا ہے۔ ایسی صورت میں شافعیہ کا یہ کہنا کہ ہر شے جو قیمت بن سکتی ہے وہ مہر بھی بن سکتی

Marfat.com

ہے۔ یہاں منطبق نہیں ہوتا۔ نیز اگر ایک شخص نے (بیوی کے) شبہ میں کسی لونڈی سے مباشرت کر لی اور اس سے لڑکا پیدا ہوا اور اس شخص نے اس لونڈی کو خرید لیا اور اس کا لڑکا بڑا ہو گیا اور اب اس نے یہ ارادہ کیا کہ اس لونڈی کو اپنے بیٹے کے عقد نکاح میں مہر قرار دے تو یہ درست نہ ہوگا کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ پہلے لونڈی لڑکے کی ملکیت میں داخل ہوتا کہ اس کا مہر بننا درست ہو سکے لیکن جب وہ لڑکا اس کا مالک ہوگا تو وہ آزاد ہو جائے گی اور مملوکہ نہ رہے گی لہٰذا وہ مہر نہیں بن سکتی حالانکہ وہ دوسری شے کی قیمت بن سکتی ہے۔

بعض اصحاب نے ایک اور مثال دی ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس ایک ہی کپڑا ہے جس سے وہ اپنا پردہ ڈھک سکے تو اس کپڑے کو مہر بنانا درست نہیں ہے۔ اگرچہ وہ کپڑا کسی اور شے کی قیمت بن سکتا ہے۔ لیکن یہ مثال ٹھیک نہیں بیٹھتی کیونکہ اگر فی الواقع ستر کا ڈھکنا اسی ایک کپڑے پر موقوف ہے تو نہ وہ مہر بن سکتا ہے اور نہ کسی شے کی قیمت میں دیا جا سکتا ہے۔ جیسا کے ظاہر ہے۔ بہر حال (شافعیہ پر جو اعتراض ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ شافعیہ جو یہ کہتے ہیں کہ جو شے قیمت بن سکتی ہے اس کا مہر بننا بھی درست ہے۔ اس سے مطلب فی الجملہ درست ہونا ہے یعنی یہ درست اس حالت میں ہے جب کہ مہر بننے سے کوئی اور امر مانع نہ ہو جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے عیاں ہے کہ جو امر اس کے مہر ہونے میں مانع ہے وہ اس عورت کا آزاد ہو جانا یا اس غلام کا اپنی آقا (یا مالک) کا خاوند بن جانا جو بعد میں پیش آیا۔

حنابلہ کہتے ہیں جس طرح کوئی مادی شے مہر ہو سکتی ہے اسی طرح اس شے کی منفعت کو بھی حق مہر قرار دیا جا سکتا ہے لہٰذا اگر کسی عورت سے اس بات پر شادی کی کہ اس کی گلہ بانی کی خدمت انجام دے گا یا اس کی زمین پر کھیتی کرے گا وغیرہ تو یہ درست ہے۔ بشرطیکہ منفعت معلوم ہو۔ اگر (حاصل ہونے والا) نفع ان جانا ہے تو اسے مہر قرار دینا درست نہیں ہے بلکہ (اس کی بجائے) مہر مثل لازم ہوگا۔

ایک آزاد شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی عورت کے ساتھ اس امر پر شادی کرے کہ اتنے عرصہ تک وہ اس کی خدمت انجام دے گا یا یہ کہ اتنے عرصہ کے لئے کسی دوسرے آزاد شخص کو اس کی خدمت کے لئے رکھ دے گا اگر وہ شخص غلام ہو تو اور بھی مناسب ہے۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ کسی خاص کام کی انجام دہی کو حق مہر قرار دے مثلاً خاص کپڑے کی سلائی ہے کہ خواہ وہ خود کرے یا کسی اور سے کروائے۔ اگر سینے سے پہلے وہ کپڑا تلف ہو جائے تو اسے سلائی کی آدھی اجرت (مہر میں) ادا کرنا ہوگا اور اگر مباشرت سے پہلے طلاق دی اور سلائی کا کام نہ ہوا تھا تو بشرط ممکن سلائی کا آدھا کام انجام دینا ہوگا یا پھر اس کے عوض آدھی سلائی کی اجرت لازم ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ فقہ و حدیث وغیرہ کے ابواب کی تقسیم کو حق مہر قرار دیا جائے یا شعر و ادب کی جائز تعلیم یا کسی ایسے ہنر یا فن تحریر کی تعلیم کے عوض جس کی اجرت لینا درست ہے نکاح کیا جائے۔ اگر اس کے لئے تعلیم دینا دشوار ہو تو لازم ہوگا کہ تعلیم دینے والی کی اجرت ادا کرے۔ اگر ہنوز مباشرت نہیں ہوئی اور تعلیم دینے سے پہلے ہی طلاق دے دی تو مصارف تعلیم کا نصف ادا کرنا لازم ہوگا۔ اگر تعلیم دینے کے بعد (مباشرت سے پہلے) طلاق دی تو وہ شخص آدھی اجرت تعلیم کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے بشرطیکہ علیحدگی (کی تحریک) خاوند کی جانب سے ہوئی ہو تو وہ شخص (خاوند) پوری اجرت تعلیم کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

یاد رہے کہ قرآن کی تعلیم کو حق مہر قرار دینا درست نہیں ہے۔ چنانچہ اگر یوں کہا کہ میں تمہارے ساتھ اس بات پر

Marfat.com

مہر کی قسموں کا بیان

خلوت مباشرت اور نکاح فاسد

صداق (مہر) کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ مہر جو عقد صحیح (با قاعدہ نکاح) سے واجب ہوتا ہے اسے طے شدہ مہر[1] یا اگر کچھ طے نہ ہوا ہو تو مہر مثل کہتے ہیں اور یہ مہر عقد صحیح کے ہوتے ہی واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن پورے یا نصف مہر کے ساقط ہو جانے کا احتمال باقی رہتا ہے۔ چنانچہ پورا مہر اس صورت میں ساقط ہو جاتا ہے جبکہ عورت کسی ایسے فعل کی مرتکب ہو جس میں دونوں میں علیحدگی واجب ہو جاتی ہے مثلاً وہ عورت کسی ایسے کام کا ارادہ کرے یا اس کی مرتکب ہو جس سے حرمت مصاہرہ (ازدواجی رشتہ والی حرمت) عائد ہو جائے تو مہر بالکل ساقط ہو جائے گا درآنحالیکہ ہنوز مباشرت نہ ہوئی ہو۔ کیونکہ یہ علیحدگی عورت کی حرکت سے ہوئی ہے اور نصف مہر اس صورت میں ساقط ہوگا جبکہ مباشرت سے پہلے طلاق ہو جائے یا کسی اور سبب سے علیحدگی لازم ہو جائے مثلاً (خاوند کے) مرتد ہو جانے سے یا ایسی کوئی حرکت کرنے سے جس سے حرمت مصاہرہ عائد ہوتی ہو۔

شادی کرتا ہوں کہ تمہیں پورے قرآن یا قرآن کے کچھ حصہ کی تعلیم دوں گا تو یہ درست نہ ہوگا بلکہ اس سے مہر مثل لازم ہوگا اور حدیث میں جو واھبة النفس' (یعنی اپنا نفس کسی کو ہبہ کرنے والی) کا ذکر آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص سے ارشاد فرمایا تھا کہ "زوجتک و ایاھا بما معک من القرآن' (یعنی فلاں عورت کی شادی تمہارے ساتھ اس علم قرآن پر کر رہا ہوں جو تمہارے پاس ہے) اس کے معنے یہ ہیں کہ میں اس کی شادی تمہارے ساتھ اس لئے کرتا ہوں کہ تم قرآن دان ہو۔ اس میں قرآن کو مہر نہیں بنایا گیا اور نہ حدیث میں تعلیم قرآن کا کوئی ارشاد موجود ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ خاص اسی شخص سے تعلق رکھتا ہو۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک غلام کی شادی قرآن کی ایک سورۃ کی تعلیم کے عوض کر دی اور پھر فرمایا کہ لاتکون بعدک مھرا بروایت بخاری (یعنی اس کے علاوہ اور کوئی مہر تیرے ذمہ نہ ہوگا)۔ مسلک حنفیہ میں یہی رائج ہے لیکن متاخرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ تعلیم قرآن کو مہر قرار دینا جائز ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا بنابریں اس مسئلہ کی بابت مختلف مسالک کی تفصیل یوں ہوگی کہ حنابلہ کے نزدیک تعلیم قرآن کو مہر قرار دینا بلا اختلاف جائز نہیں ہے۔ مالکیہ کے نزدیک بقول معتمد اس کو ابتداءً مہر کا نام دینا منع ہے لیکن اگر ایسا کر ہی لیا جائے تو عقد لاگو ہو جائے گا کیونکہ بعض ائمہ مالکیہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ مذہب حنفیہ میں بخیال غالب یہ منع ہے جیسا کہ متقدمین حنفیہ کے فتوؤں میں مذکور ہے اور جیسا کہ حنابلہ کے مسلک میں ہے اور متاخرین نے ضرورت کے پیش نظر اس امر پر قیاس کرتے ہوئے اس کی اجازت دی ہے کہ بوقت ضرورت اجرت لینا جائز ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ عقد صحیح سے آدھا مہر واجب ہوتا ہے پورا مہر واجب نہیں ہوتا جیسا کہ ان کا مسلک ہے۔

Marfat.com

چند امور ایسے ہیں کہ ان کے ہونے سے مہر واجب الادا اور نا قابل سقوط ہو جاتا ہے۔ منجملہ ان امور کے مباشرت ہے اور دونوں میاں بیوی میں سے کسی کی وفات اور خلوت صحیحہ [1] (مباشرت فاحشہ) وغیرہ۔ ان تمام امور کی تفصیلات جداگانہ ہیں۔ [2]

۱۔ شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ خلوت سے مہر کسی حالت میں بھی لاگو اور نا قابل سقوط نہیں ہوتا۔ یہ امام شافعی کی بعد کی رائے ہے۔ ان کا قدیم قول یہ ہے کہ کل مہر کے لازم ہو جانے کے لئے خلوت وطی (صحبت کرنے) کی مانند ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسے امور جن سے پورا مہر لازم ہو جاتا ہے تین ہیں یعنی ابتداءً صرف نصف مہر عائد ہوتا ہے اور ان کے بعد پورا مہر عائد ہوتا ہے۔ ان امور میں سے پہلا امر وطی (مباشرت یا صحبت) ہے اس کے لئے خاوند کا بالغ ہونا شرط ہے اور یہ کہ عورت مباشرت کے قابل ہو اگر وہ شخص بالغ نہیں ہے یا عورت کم عمر ہے جو مباشرت کے لائق نہیں ہے تو اس وطی سے پورا مہر عائد نہ ہوگا۔ اور وطی سے مراد سر ذکر اسی قدر حصہ کا داخل ہو جانا ہے خواہ اس سے بکارت زائل نہ ہوئی ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ ادخال قبل میں ہو یا دبر میں۔ اور یہ بھی شرط نہیں ہے کہ وہ وطی حلال ہو بلکہ حیض و نفاس کی حالت میں ہو یا دونوں میں سے کوئی حالت احرام میں ہو۔ یا فرض روزہ رکھا ہو یا اعتکاف کی حالت میں ہو یا کوئی اور ایسی بات ہو جس میں مباشرت حلال نہیں ہے۔ ان تمام صورتوں میں وطی سے پورا مہر لاگو ہو جاتا ہے اگر خاوند نے بکارت کو انگلی سے زائل کیا اور وطی سے پہلے طلاق دے دی تو وہ عورت نصف مہر کی حق دار ہوگی اور بکارت زائل کرنے کا تاوان (یا معاوضہ) دینا ہوگا درآنحالیکہ اس کے بعد اس عورت کی شادی (بحیثیت کنواری کے نہیں بلکہ) شوہر دیدہ عورت کے مہر پر ہوئی بصورت دیگر خاوند کو صرف نصف مہر دینا ہوگا۔

دوسرا امر دونوں میں سے کسی کی موت واقع ہو جانا ہے کہ اس سے پورا مہر جو نکاح کے وقت یا بعد میں قرار پایا واجب الادا ہوگا۔ لیکن اگر عقد نکاح بصورت تفویض (خود سپردگی) ہو جس کی تفصیل آگے آرہی ہے کہ عورت پیش نظر مہر کے معاملہ کو اپنے والی کے سپرد کرے یا ولی پیش نظر مہر خاوند پر چھوڑ دے تو ایسی صورت میں اگر خاوند وطی سے پہلے وفات پا جائے تو عورت کسی چیز کی مستحق نہ ہوگی۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ عقد صحیح ہوا یا ایسا عقد فاسد ہو جس پر سب متفق نہیں ہیں مثلاً حالت احرام میں یا بغیر ولی کے عقد نکاح کا ہونا کہ اگرچہ یہ مالکیہ کے نزدیک عقد فاسد ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک درست ہے۔ اس سے دونوں میں سے کسی کی موت کی صورت میں پورا مہر اور طلاق کی صورت میں آدھا مہر واجب ہوگا۔ اگر عورت اپنے خاوند سے بیزار ہو کر خودکشی کر لے تو وہ پورے مہر کی حقدار ہوگا لیکن اگر عورت نے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے خاوند کو ہلاک کر دیا تو اس میں اختلاف ہے اور خیال غالب یہی ہے کہ وہ مہر کی مستحق نہ ہوگی بلکہ اس نے جس مقصد سے قتل کیا ہے اس کے خلاف عمل کیا جائے گا تاکہ عورتوں کے اپنے خاوندوں کو قتل کرنے کی نظیر نہ بن جائے۔ اسی طرح اگر آقا اپنی شادی شدہ لونڈی کو قتل کر دے تو اس لونڈی کا مہر ساقط نہ ہوگا۔

تیسری شرط (وجوب مہر کی) یہ ہے کہ بیوی ایک سال تک اپنے خاوند کے پاس رہی ہو۔ گو مباشرت نہ ہوئی ہو۔ اتنے عرصہ تک خاوند کے پاس رہنے سے پورا مہر عائد ہو جائے گا اور اس کو مباشرت کا قائم مقام تصور کیا جائے گا۔

Marfat.com

یہ ہیں وہ تین امور جن سے پورا مہر لازم ہو جاتا ہے۔

واضح ہو کہ اگر عورت یہ کہے کہ اس کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہے اور وہ شخص اس سے انکار کرے تو اس پر غور کیا جائے گا۔ اب اگر وہ خلوت' خلوت ابتداء تھی (یعنی دلہن کو دولہا کے پاس لایا گیا) جسے خلوت ارخاء الستور (یعنی پردہ ڈال کر خلوت میں رہنا) کہتے ہیں تو دونوں کے کہنے سے یہ خلوت ثابت ہوگی یا گواہوں کی شہادت سے ثابت ہوگی خواہ گواہی دینے والی دو عورتیں ہوں۔ اور مباشرت کا دعویٰ کرنے پر اس سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم کھالے تو پورے مہر کی حقدار ہوگی اور اگر عورت قسم سے انکار کرے تو اس شخص کو قسم دلائی جائے گی اگر وہ قسم کھالے تو عورت فقط نصف مہر کی حقدار ہوگی۔ اگر مرد حلف سے انکار کرے تو پورا مہر دینا ہوگا۔

واضح ہو کہ 'خلوت ابتدا' یہ ہے کہ مرد عورت کے پاس تنہائی میں ایک جگہ پر رہے اور اگر وہ جگہ پردہ ڈالے جانے کی ہے تو داخلہ کے راستوں پر پردے ڈال دیئے جائیں ورنہ دروازوں کا بند ہونا (تخلیہ کے لئے) کافی ہے درآنحالیکہ وہاں کوئی اور شخص ان کے پاس نہ آ سکے۔ اس کو خلوت ابتداء اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں سپردگی اور سکون ہوتا ہے اور تنہائی میں دونوں حالت سپردگی وسکون میں ہوتے ہیں۔

اس بارے میں شرط یہ ہے کہ زوجہ بالغ ہو اگر وہ کم عمر ہو اور وہ مباشرت کا اقرار کرے اور خلوت ابتداء ثابت ہو تو خاوند کے حلف اٹھا لینے پر (کہ مباشرت نہیں ہوئی) عورت نصف مہر کی حقدار ہوگی اور باقی نصف مہر عورت کی حاضری پر موقوف رہے گا اور اسے بھی قسم دی جائے گی اگر وہ حلف اٹھالے تو نصف ثانی کی بھی حقدار ہو جائے گی۔ اگر حلف سے انکار کرے تو حقدار نہ ہوگی۔ ایسی صورت میں یہ ضروری نہ ہوگا کہ خاوند سے دوسری بار پھر حلف لیا جائے اور ایسے حالات کی موجودگی سے جس میں مباشرت ممنوع ہے مثلاً حالت حیض ونفاس یا روزہ یا احرام وغیرہ عورت کا یہ دعویٰ (کہ اس کے ساتھ مباشرت ہوئی ہے) باطل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تاہم اگر خاوند نیک نام ہے اور گناہوں سے بچنے کے بارے میں مشہور ہے کہ (ان حالات میں) ناجائز مباشرت اس کی شان کے شایاں نہیں ہے تو عورت کا دعویٰ باطل ہوگا۔ لیکن مشہور قول وہی ہے جو پہلے بیان ہوا۔

اگر عورت کے ساتھ خلوت ابتدا تو ہوئی (یعنی تخلیہ میں انہیں رکھا گیا) لیکن وہ کہتی ہے کہ مباشرت نہیں ہوئی اور خاوند بھی اس کی تصدیق کرے تو بغیر قسم کھائے اس کو تسلیم کر لیا جائے گا۔ خواہ وہ عورت بالغ اور سمجھدار ہو یا بیوقوف ہو جسے مال کا مناسب خرچ کرنا نہ آتا ہو یا کم عمر ہو۔ لیکن اگر خاوند اس کی تصدیق نہ کرے بایں طور کہ وہ کہے میں نے مباشرت کی ہے اور عورت انکار کرے اور بیوقوف ہو تو مرد کی بات مانی جائے گی لیکن اگر عورت سمجھدار ہے اور آزاد بالغ ہے جو مناسب طور پر خرچ کرنا جانتی ہو تو اب اگر وہ شخص اپنے اقرار پر اصرار کرے اور عورت اس کی غلط بیانی پر اصرار کرے تو خاوند کے اقرار کو مانا جائے گا کیونکہ یہ احتمال ہے کہ اس عورت کے سوتے میں اس سے مباشرت کی ہو یا کسی اور طرح سے وہ عالم بے خبری میں ہو۔ لیکن اگر وہ شخص اپنے اقرار پر مصر نہ ہو بلکہ اس سے پھر جائے لیکن عورت انکار ہی پر اڑی رہے تو خاوند کے رجوع کرنے کو تسلیم کر لیا جائے اگر وہ شخص اپنے اقرار سے پھر جائے اور عورت بھی انکار سے باز آ جائے تو اب اگر اس عورت کا رجوع کرنا اس شخص کے رجوع سے پہلے ہو تو مباشرت ثابت ہوگی اور اگر عورت کا رجوع اس شخص کے رجوع کے

Marfat.com

بعد ہوا تو اسے نصف مہر کا حق ہوگا جیسے اس صورت میں جبکہ وہ عورت اس شخص کے جھٹلانے پر اڑی رہے۔

یہ مسائل خلوت ابتداء (پردہ میں تخلیہ ہونے) کی صورت میں ہیں۔ اس کے مقابلہ میں خلوت زیارت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ عورت اپنے خاوند کے گھر میں اس سے ملے یا وہ شخص عورت کے گھر پر اس سے ملے یا وہ دونوں کسی اور شخص کے گھر پر ملیں۔ اگر عورت خاوند کے گھر پر اس سے ملی اور اس نے مباشرت کا اقرار کیا اور خاوند انکاری ہے تو اس عورت کی بات قسم کھا لینے پر تسلیم کی جائے گی اور اگر وہ شخص عورت کے گھر پر اس سے ملا اور عورت نے مباشرت کا دعویٰ کیا اور مرد نے انکار کیا تب بھی اس شخص کے قسم کھا لینے پر اس کی بات کو مانا جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ دونوں کسی اور شخص کے گھر پر ملے اور عورت نے مباشرت کا دعویٰ کیا اور اس نے انکار کیا اور قسم کھا لی تب بھی اس کی بات پر عمل ہوگا۔ کیونکہ زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ اس کی تصدیق کی جائے۔ اگر اس شخص نے مباشرت کا دعویٰ کیا اور عورت نے انکار کیا تو اس کا وہی حکم ہے جو سابقاً خلوت ابتداء میں بتایا گیا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ امور جن سے مہر کی تاکید کی جاتی ہے اور اس کے ساقط ہونے کا احتمال نہیں رہتا وہ پانچ ہیں:

ایک امر عقد صحیح کے بعد حقیقی یا حکمی اعتبار سے مباشرت کا ہونا ہے۔

حقیقی مباشرت سے مراد سر ذکر یا اسی قدر حصہ عضو کا شرمگاہ میں داخل ہونا ہے اور حکمی مباشرت سے مراد وہ خلوت (یا تخلیہ) جو شرائط مذکورہ آئندہ کے ساتھ ہوئی ہو۔

اس سے واضح ہے کہ کم عمر بچی جو مباشرت کے قابل نہیں ہے وہ پورے مہر کی مستحق نہیں ہو سکتی نہ تو مباشرت کا دعویٰ کرنے سے اور نہ خلوت (تنہائی میں رہنے) سے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ دونوں (میاں بیوی) میں سے کسی کی موت واقع ہو جائے اگر خاوند طبعی موت مرے یا کوئی اور شخص اسے قتل کر دے یا بیوی ہی اسے ہلاک کر دے تو وہ عورت پورے طے شدہ مہر کی حقدار ہوگی۔ اگر کوئی مہر مقرر نہ ہوا ہو تو پورا مہر مثل عائد ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ بیوی کو قتل کر دیا جائے یا خاوند اسے ہلاک کر دے۔ لیکن اگر وہ خود کشی کرے اور قتل کر دیا جائے یا خاوند اسے ہلاک کر دے۔ لیکن اگر وہ خود کشی کرے اور آزاد ہو (یعنی لونڈی نہ ہو) تو پورے مہر کی حقدار ہوگی اور اگر وہ لونڈی ہے اور خود کشی کر لیتی ہے تو بقول صحیح اس کا مہر تب بھی ساقط نہ ہوگا ہاں اگر اس کے آقا نے اسے ہلاک کیا ہے اور ہنوز مباشرت نہ ہوئی تھی تو مہر ساقط ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اس کا آقا عاقل بالغ شخص ہو لیکن اگر وہ نابالغ ہے یا دیوانہ ہے تو مہر ساقط نہ ہوگا کیونکہ اس میں ان کے ساتھ زیادتی ہوگی۔

یہ مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ دونوں میں سے کسی ایک کی وفات ہو جائے لیکن اگر دونوں کی موت ایک ساتھ ہوئی اور اسے بہت عرصہ گزر گیا اور قاضی کے لئے مہر مثل کا تعین آسان نہ ہو تو بقول امام ابوحنیفہ اس عورت کے رشتہ داروں کے حق میں اس کی وراثت کا فیصلہ نہ دیا جائے گا۔ لیکن اگر زیادہ عرصہ نہ گزرا ہو اور مہر مثل کا جاننا ممکن ہو تو بالاتفاق قاضی عورت کے ورثاء کو (مال) مہر کے وارث ہونے کا فیصلہ دے گا۔

تیسرا امور (موجب اثبات مہر) خلوت صحیحہ کا واقع ہونا ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں (میاں بیوی) ایک جگہ اکٹھے ہوں اور کوئی امر حسی، شرعی یا طبعی ایسا نہ ہو جو مباشرت سے باز رکھے۔ خلوت صحیحہ ایسی جگہ (پر تخلیہ کرنا) ہے جہاں بلا وجہ کسی

Marfat.com

غیر کے در آنے کا اندیشہ نہ ہو مثلاً اس جگہ پر دروازے اور کھڑکیاں جہاں سے جھانکنا ممکن ہے بند ہوں۔ لہٰذا کھلا میدان خلوت صحیحہ کی جگہ قرار نہیں دیا جا سکتا اگرچہ آس پاس کوئی نہ ہو۔ ہاں اگر اس جگہ کسی انسان کے گزر ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اسے خلوت کی صحیح جگہ مان لیا جائے گا۔ اسی طرح ایسے صحن میں خلوت صحیحہ مانی جائے گی جس کے اردگرد تعمیر ہو کہ ان کو کوئی دیکھ نہ سکے۔ غرض وہ جگہ جو غیروں کے ہجوم سے محفوظ ہو خلوت صحیح ہے۔ ایسے راستے میں بھی جہاں بادل کی تاریکی میں کسی کے گزرنے کا اندیشہ ہے خلوت صحیح متصور ہوگی۔ ورنہ صحیح نہ ہوگی۔

اگر بے چھتی جگہ ہو جس کا دروازہ بند ہو یا چار دیواری والا باغ ہو تو وہ بھی خلوت صحیح ہے۔ یا ایسا مکان ہے جس میں لوگ رہتے ہیں لیکن اس کے ایک کمرہ کا دروازہ بند ہو یا پردے پڑے ہوئے ہوں اور کسی کے اندر آنے کا اندیشہ نہیں ہے تو وہ بھی خلوت صحیحہ ہے۔ مسجد کے اندر‘ حمام میں‘ یا شارع پر دونوں کا تخلیہ ہو تو اسے خلوت ہونا تسلیم نہ کیا جائے گا۔

مانع حسی سے مراد ایسی کیفیت کا محسوس کرنا ہے جو مباشرت سے مانع ہو مثلاً وہ شخص مریض ہو۔ خواہ وہ مرض اسے قطعاً مباشرت سے مانع ہو یا نہ ہو لیکن نقصان دہ ہو کیونکہ زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ مرض انسان کو جنسی خواہشات سے باز رکھتا ہے اور عورت کی جانب راغب نہیں ہوتا گو مرض معمولی ہو کیونکہ یہ امر ضروری ہے کہ (حالت مرض میں) ایسی تکان محسوس کرے جو اسے خواہش نفسانی سے باز رکھے۔ رہا عورت کا معاملہ‘ سو اگر وہ شدید مرض میں مبتلا ہو کہ وہ چل پھر نہ سکتی ہو اس کا مرض خلوت صحیحہ سے مانع ہے لیکن تکان یا سستی خلوت کے صحیح متصور ہونے سے مانع نہیں ہے بشرطیکہ مرد تندرست ہو۔ اور کسی شخص کا نامرد‘ یا مقطوع العضو یا خصی ہونا مانع حسی نہیں ہے لہٰذا نامرد‘ مقطوع العضو یا خصی کا خلوت کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک خلوت صحیح مانا جائے گا۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ خصی شخص جس کے صرف خصیے کٹے ہوئے ہوں اس کا وطی کر لینا ممکن ہے اور نامرد کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اس کے دخول ممکن خواہ ان کے سہارے سے کرے۔ اسی طرح مقطوع العضو کا انزال کرنا ممکن ہے اور اس سے استقرار حمل بھی ہو سکتا ہے۔

مرض قرن (بفتح وبسکون را) بھی منجملہ مانع حسی کے ہے۔ یہ مرض لاحق ہو تو مباشرت کا راستہ بند ہو جاتا ہے اور عضو مخصوص کے داخل ہونے سے مانع ہوتا ہے یہ یا تو ہڈی ہوتی ہے یا غدود یا رسولی جو بڑھ جائے۔ اسی طرح کا ایک مرض رتق بھی ہے کہ شرمگاہ کے دونوں کناروں کا گوشت ابھر کر باہم مل جاتا ہے۔ یہ بھی گوشت یا غدود ہوتا ہے جو اسی طرح راستہ بند کر دیتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ مرض بھی ’قرن‘ کا ہم مفہوم ہے۔ نیز ایک مرض عقل ہے یعنی وہ گوشت جو اندام نہانی کے بیرونی حصہ پر بڑھ جاتا ہے اور راہ مباشرت میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ یہ مرض دونوں کو لاحق ہونے والے مرض ادرہ (ورم خصیہ) کی مانند ہے۔

کم عمری بھی ’مانع حسی‘ ہے۔ یعنی اگر لڑکی اتنی کم عمر ہے کہ اس سے وطی نہیں کی جا سکتی یا لڑکا اتنا چھوٹا ہے کہ اس جیسے بچے عورت سے ہم صحبت نہیں ہو سکتے تو یہ صورت بھی خلوت صحیحہ سے مانع ہے۔ اگر کم عمر لڑکی کا باپ کہے کہ لڑکی مباشرت کے لائق نہیں ہے اور خاوند کہے کہ وہ اس قابل ہے تو اس بارے میں ایسی عورت سے فیصلہ کرایا جائے گا جنہیں ایسی باتوں کا علم ہو۔ ہمارے زمانے میں اس کا فیصلہ طبیب خواتین کر سکتی ہیں کیونکہ وہ اس کی بابت بہت کچھ جانتی ہیں۔

مانع شرعی کی مثال یہ ہے کہ عورت حالت حیض ونفاس میں ہو یا دونوں میں سے کوئی روزے سے ہو یا حج کا احرام

Marfat.com

باندھ رکھا ہو خواہ یہ احرام حج فرض کا ہو یا حج نفل کا یا فرض نماز کی ادائیگی میں مصروف ہو لیکن ظاہر روایت میں نفلی روزہ مانع خلوت نہیں ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ نفلی نماز مانع تخلیہ نہیں ہے۔

مانع طبعی کی مثال یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی تیسرا شخص موجود ہو جو تخلیہ سے مانع ہو۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رکاوٹ تو مشاہدہ میں آنے والی شے ہے لہٰذا یہ مانع (طبعی نہیں بلکہ) حسی ہے چنانچہ بعض اصحاب نے اسے مانع حسی میں شمار کیا ہے لیکن مؤلف (کتاب زیر ترجمہ) کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ مانع طبعی سے مراد وہ امر ہے جس کا تعلق انسان کی فطرت سے ہو خواہ یہ کیفیت عارضی ہو یا انسان کی ماہیت میں موجود ہو ایسی صورت میں امراض 'قرن' رتق' عقل اور مرض مانع طبعی کی مثالیں ہوں گی کیونکہ ان کو طبیعت اور خلقت سے نسبت ہے اور کا محسوس ہونا یا مشاہدہ میں آنا اسے طبعی قرار دینے سے مانع نہیں ہے۔ رہا ان دونوں کے ساتھ تیسرے شخص کی موجودگی سو وہ مانع حسی ہی ہے کیونکہ اس کا تعلق فطرت انسانی سے نہیں ہے پس زیادہ مناسب یہ ہے کہ اوپر کی مثالوں کو برعکس سمجھا جائے اور تیسرے شخص کی موجودگی جو مانع خلوت ہے اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ شخص مانع اور صاحب عقل ہو۔ اگر کوئی بچہ بے عقل ہو لیکن وہ ایسا ہو کہ وہ ان دونوں کی حرکتوں کو جو انہوں نے کیا۔ بیان کر سکے تو اس کی موجودگی مانع تخلیہ ہے' اگر وہ شخص بالغ اور عاقل ہو لیکن اندھا ہو یا سو رہا ہو تب بھی اہل تحقیق کے نزدیک (ان کی موجودگی میں) خلوت صحیحہ قرار دینا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اندیشہ تو ہوتا ہے کہ سوتا ہوا انسان جاگ جائے اور جو نابینا ہے اسے خبر ہو جائے یا محسوس کر لے۔ قطع نظر اس کے کہ خلوت دن میں ہو یا رات میں۔ تاہم اگر خاوند ان کے حالات سے یہ سمجھے کہ انہیں کچھ پتہ نہیں ہے مثلاً اندھا شخص بہرہ بھی ہو یا سونے والا گہری نیند میں ہو جیسے (خواب میں) کچھ ہوش نہیں رہتا اور وہ جاگے گا نہیں تو ایسی حالت میں ان کی موجودگی میں بھی خلوت صحیحہ مانی جا سکتی ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کسی کی لونڈی بھی وہاں موجود ہو تو اس کی موجودگی مانع خلوت نہیں ہے لیکن اگر کوئی کٹکھنا کتا ان کے تخلیہ میں موجود رہے تو وہ مانع خلوت ہے خواہ وہ کتا مرد کا ہو یا عورت کا کیونکہ ان دونوں میں سے کسی کو حالت مباشرت میں قابو کے اندر رکھنا ممکن نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ کتا کٹکھنا نہ ہو اور بیوی کا ہو تو خلوت صحیحہ کے لئے مانع ہوگا کیونکہ حالت اختلاط میں وہ کتا سمجھے گا کہ اس کی مالکہ کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے تو وہ اسے خاوند سے بچانے کی کوشش کرے گا اور بعض اہل تحقیق کا کہنا ہے کہ اگر مرد کا کتا ہو تو مطلع مزاحمت نہ کرے گا خواہ کٹکھنا ہو یا نہ ہو کیونکہ اس کا مالک اوپر ہوگا جس سے کتے میں اشتعال نہ پیدا ہوگا لیکن مؤلف کتاب (زیر ترجمہ) کہتے ہیں کہ دونوں میں سے کسی کا بھی کتا ہو مزاحمت نہیں کرے گا کیونکہ ان میں وہ کتا جس کا بھی ہو وہ اسے ڈانٹ کر خاموش کر دے گا اگر اسے ڈانٹ کر قابو میں لانا ممکن نہ ہو تو مرد کا ہو یا عورت کا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حقیقۃً - یہ ہے کہ مرد کا کتا ہو تو عورت کے ساتھ اپنے مالک پر بھی جھپٹے گا اور اگر عورت کا کتا ہو تو مرد کے ساتھ اپنی مالکیہ پر بھی جھپٹے گا۔ یہ نہ دیکھے گا کہ جس کا کتا ہے وہ غالب ہے یا مغلوب ہے۔ پس اگر ایسا کتا موجود ہو جسے ڈانٹ کر خاموش کرنا ممکن نہیں ہے تو اس کی موجودگی میں اس کو خلوت صحیحہ نہیں مانا جائے گا خواہ وہ کتا مرد کا ہو یا عورت کا۔ پس اگر شرائط مذکورہ بالا کے ساتھ میاں بیوی کی خلوت ہو تو مہر طے شدہ لازم ہو جائے گا اور کوئی مہر طے نہ ہوا ہو تو پورا مہر مثل لازم ہوگا اور نسب بھی اسی صورت میں ثابت ہوگا خواہ وہ شخص مخنث ہو۔ حق نفقہ و رہائش اور عدت کے مسائل بھی اس خلوت کی صورت میں عائد ہوں گے اور اس عورت کی بہن کے ساتھ عقد کرنا حرام

Marfat.com

ہو جائے گا۔ اس قسم کی خلوت صحیحہ صحبت کرنے کے برابر ہے۔ البتہ بکارت کے زائل ہونے کا معاملہ اس حکم سے مستثنٰی ہے یعنی اگر شرائط بالا کے ساتھ خلوت تو ہوئی لیکن وطی نہیں ہوئی تو عورت کو باکرہ تصور کیا جائے گا اور اس کی شادی ہوئی تو کنواری لڑکی طرح متصور ہوگی۔ ۱۰ اسی طرح انہیں شادی شدہ قرار دیئے جانے کی صورت بھی ہے کہ محض اس خلوت سے ان میں سے کسی کو شادی شدہ تصور نہیں کیا جائے گا اور اس عورت کی بیٹی کے حرام ہونے کا انحصار بھی اسی پر ہے کہ محض تخلیہ سے (بدون وطی کے) اس عورت کی بیٹی اس شخص پر حرام نہ ہوگی نیز اگر وہ عورت تین طلاق یافتہ اور اس کے ساتھ محض خلوت ہوئی مباشرت نہیں ہوئی تو وہ اپنے سابق خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اور میراث کی بابت بھی یہی حکم ہے کہ محض خلوت صحیحہ سے وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث قرار نہ پائیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا خلوت فاسدہ (ناجائز تخلیہ) کے بعد عدت لازمی ہوگی یا نہیں اس میں اختلاف ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ احتیاطاً اس خلوت سے عدت واجب ہے کیونکہ گو عورت اپنے آپ کو سپرد کر دیتی ہے لیکن رکاوٹ خاوند کی جانب سے ہوگی مثلاً کوئی شخص ایک مکان میں عورت کے ساتھ تخلیہ میں رہے اور وہ عورت حیض یا نفاس کی حالت میں ہو یا ان میں سے کوئی روزہ رمضان رکھے ہوئے ہو۔ یا کوئی سخت مرض میں مبتلا ہو یا عورت کو کوئی امر مانع حسی لاحق ہو بہرحال اس خلوت سے گمان (وطی) ہو سکتا ہے لہٰذا ان تمام صورتوں میں عدت واجب ہے۔

بعض اصحاب کا خیال ہے کہ مانع شرعی موجود ہو مثلاً حالت حیض و نفاس یا روزہ تو (خلوت کے بعد) عورت عدت گزارے کیونکہ ایسی صورت میں مباشرت کا امکان ہے لیکن اگر مرد کے لئے کوئی امر طبعی مانع (مباشرت) ہو مثلاً شدید مرض کا لاحق ہونا کہ اس حالت میں مباشرت کا امکان نہیں ہے یا عورت ہی کو کوئی مانع طبعی لاحق ہو تو اس حالت میں خلوت کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ بجز اس صورت کے کہ اول الذکر مسلک پر عمل کیا جائے جس کی رو سے عدت کا لازم ہونا وطی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس امر پر مبنی ہے کہ عورت ایسے مقام پر جو مباشرت کے لئے موزوں ہے اپنا نفس خاوند کے سپرد کر دے۔ ایسی حالت میں ظاہر صورت حال کے پیش نظر عدت واجب ہے لیکن کیا دینی اعتبار سے بھی عدت ضروری ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں عدت کے صحیح یا غلط ہونے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ چنانچہ فقہاء کہتے ہیں کہ اگر عورت کو یقین ہے کہ اس کے ساتھ مباشرت نہیں ہوئی تو از روئے شرع نہ کہ فیصلہ حاکم کے اعتبار سے اسے بغیر عدت گزارے اپنی شادی کا حق ہے۔

واضح ہو کہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ تین امور ہیں جن سے پورا مہر لازم ہو جاتا ہے: ایک وطی دوسرے خلوت صحیحہ جس کے بیان میں تفصیل سے کام لیا گیا ہے تاکہ پورے طور پر واضح ہو جائے۔ تیسرا امر میاں بیوی سے کسی کی موت کا واقع ہو جانا ہے۔ اگر مباشرت سے پہلے مرد وفات پا جائے تو عدت اور مہر کے بارے میں وہی حکم ہے جو مباشرت کی صورت میں ہے اور مہر کے بارے میں دونوں میں کسی کی وفات کی صورت میں وہی حکم ہے جو مباشرت کے بعد کا ہے (یعنی عدت اور پورا مہر لازم ہوگا)۔

ایک چوتھی بات یہ ہے کہ جس سے پورا مہر ثابت ہو جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص مباشرت کے بعد اپنی بیوی کو طلاق بائن (یعنی نکاح ٹوٹ جانے والی طلاق) دے دے اور عدت کے دوران نیا مہر مقرر کر کے نکاح کر لے تو

Marfat.com

اس دوسرے عقد میں جو مہر مقرر ہوگا وہ عقد کے ساتھ ہی مباشرت یا خلوت کے بغیر پورے کا پورا واجب ہوگا کیونکہ اس کا عدت میں ہونا خلوت کا قائم مقام ہے اور یہ مزید علیہ ہے۔ بعض اصحاب نے اسے مزید علیہ قرار دینے پر اعتراض کیا ہے۔ کیوں کہ وہ عورت مباشرت سابقہ کی بنا پر پورے مہر کی مستحق ہوتی ہے اور عدت کے اس نتائج میں سے ایک نتیجہ ہے اور یہ گویا کہ مباشرت ہے۔ لہٰذا پورے مہر کا حق جو اسے حاصل ہوا ہے وہ عقد ثانی کی بنا پر نہیں ہوا بلکہ یہ حق پہلی ہی مباشرت کی وجہ سے ہوا۔ اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس صورت میں بہرحال کوئی مباشرت نہیں ہوئی لہٰذا پورا مہر جو عائد ہو وہ خواہ عدت کے دوران عقد کرنے کی وجہ سے ہوا ہو یا اس مباشرت کی وجہ سے جو طلاق دینے سے پہلے اس نے کی۔ پس اس صورت حال کا بیان کر دینا ضروری ہے اور اس کو مدنظر رکھا جائے گا اسے نظرانداز کر دینا درست نہیں ہے کیوں کہ اس میں واضح طور پر اشتباہ ہو سکتا ہے لہٰذا اس کو الگ قرار دینے پر اعتراض بے معنی ہے۔

بعض اصحاب نے پورا مہر لاگو ہونے کی ایک پانچویں وجہ بھی بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ انگلی وغیرہ سے بکارت کو زائل کیا جائے لیکن یہ وجہ بیکار ہے کیوں کہ اگر خلوت میں انگلی وغیرہ سے بکارت زائل کی جائے تو خلوت صحیحہ کی بنا پر پورا مہر از خود عائد ہو جائے گا۔ خلوت صحیحہ نہ ہو تو کچھ عائد نہ ہوگا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے بیوی کو خلوت صحیحہ کے بغیر زور سے دھکا دے دیا کہ اس کی بکارت جاتی رہی اور مباشرت سے پہلے اسے طلاق دیدی تو نصف مہر کے سوا اور کچھ لازم نہ ہوگا اور نہ زوال بکارت کا کوئی معاوضہ عائد ہوگا۔ لیکن اگر وہ عورت اس کی بیوی نہیں ہے اور اسے زور سے دھکا دے کر اس کی بکارت زائل کی اور اگر اس کے ساتھ شادی کی تو زوال بکارت کے باعث مہر مثل اور نکاح کا طے شدہ مہر لازم ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک جن اسباب کی بنا پر پورا مہر لازم ہو جاتا ہے ان کی تعداد چار ہی شمار کرنی چاہئے نہ کہ پانچ اور یہ امر ملحوظ رکھنا چاہئے کہ چوتھی صورت میں جو پورا مہر عائد ہوتا ہے وہ یا تو عدت کے دوران دوسرا نکاح کرنے کی بنا پر ہوتا ہے یا طلاق سے پہلے جو مباشرت ہوئی تھی اس کی بنا پر کیوں کہ پہلے نکاح کا اثر یعنی عدت کے باقی ہونے کی وجہ سے نکاح باقی مانا جائے گا۔

یہ وہ امور ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی امر پایا جائے تو مہر لازم ہو جاتا ہے اور جب تک اس سے بریت نہ ہو اس کے ساقط ہونے کا احتمال نہیں رہتا۔ چنانچہ اگر ادائیگی مہر سے پہلے دونوں میں علیحدگی کر دی جائے یا وہ عورت خاوند سے مباشرت کے بعد (جس سے پورا مہر لازم ہو جاتا ہے) اس کے لڑکے سے آلودہ ہو جائے یا خاوند کا لڑکا اس کے ساتھ تخلیہ کر لے یا عورت خواہش نفسانی کے ساتھ اس کا بوسہ لے تو اس کا نکاح خاوند سے ٹوٹ جائے گا لیکن مہر ساقط نہ ہوگا۔ البتہ اگر مباشرت' خلوت یا موت وغیرہ' جن اسباب سے مہر لاگو ہو جاتا ہے' سے پہلے ایسی کوئی حرکت (جو نکاح توڑنے والی ہے) عورت سے سرزد ہو تو تمام مہر ساقط ہو جائے گا۔ کیوں کہ یہ علیحدگی مہر لازم ہونے سے پہلے ہوئی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ان دو امور سے مہر لازم ہو جاتا ہے اور اس کے ساقط ہونے کا احتمال نہیں رہتا:

ایک امر وطی ہے۔ جس سے مراد حشفہ یا اسی قدر حصہ قبل یا دبر کے اندر داخل ہو جائے۔ خواہ وہ عورت اتنی کم عمر ہو کہ جس کے ساتھ بالعموم مباشرت نہیں ہو سکتی ایسی صورت میں اگر وہ شخص مباشرت کے الزام سے انکاری ہو تو قسم کھا لینے پر

Marfat.com

مہر کی دوسری قسم وہ ہے جو وطی (مباشرت) سے واجب ہوتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ مباشرت بھی عقد صحیح کے بعد ہوتی ہے اور کبھی عقد فاسد کے بعد۔ عقد صحیح کے بعد مباشرت سے پورا مہر لازم ہو جاتا ہے۔ لیکن عقد فاسد کے بعد جو مہر عائد ہوتا ہے وہ مسالک مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہے۔[1]

اس کی بات مان لی جائے گی۔ (وطی کے ثبوت کے لئے) یہ شرط نہیں ہے کہ مواقع شرعیہ موجود نہ ہوں۔ پس اگر حالت حیض یا نفاس میں یا دونوں میں سے کسی کا روزہ تھا اور مباشرت کی تب بھی پورا مہر لازم ہوگا۔

دوسرا امر دونوں میں کسی کی موت کا' مباشرت سے پہلے' واقع ہو جانا ہے خواہ وہ طبعی ہو یا عورت آزاد خودکشی کر لے۔ یا خاوند اسے قتل کر دے (تو پورا مہر لازم ہوگا) لیکن اگر عورت نے خاوند کو قتل کیا تو مہر ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر شادی شدہ لونڈی نے خودکشی کر لی یا اس کے آقا نے اسے قتل کر دیا تو ان حالات میں حق مہر ساقط ہو جائے گا۔ غرض ان دو امور کے علاوہ مہر ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر بغیر عضو مخصوص کے مرد کا مادۂ تولید اندام نہانی میں کسی نلکی وغیرہ کے ذریعہ داخل کیا جائے تو مہر عائد نہ ہوگا۔ نیز خلوت صحیحہ اور عمل غیر فطری کے ارتکاب سے بھی مہر عائد نہ ہوگا چنانچہ اگر اس کے بعد طلاق دی تو نصف مہر ہی واجب ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ چار امور سے مہر لاگو ہوتا ہے:

ایک وطی سے خواہ قُبل میں ہو یا دُبر میں اور وطی ممنوع ہو تب بھی بایں طور کہ عورت حالت حیض و نفاس وغیرہ میں ہو۔ دوسرے خلوت سے۔ تیسرے شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے یا شرمگاہ پر نظر کرنے سے اور بوسہ لینے سے بھی خواہ یہ حرکت لوگوں کی موجودگی میں ہوئی ہو۔ چوتھے دونوں (میاں بیوی) میں سے کسی کی موت واقع ہو جانے سے۔

اگر عورت میں کوئی عیب ایسا نکلے جس سے فسخ نکاح واجب ہو جاتا ہے لیکن ہنوز فسخ نکاح نہ ہوا تھا کہ دونوں میں سے کسی کی موت واقع ہو گئی تو بیوی کو پورا مہر کا حق ہوگا۔ کیونکہ موت سے مہر لازم ہو جاتا ہے اور خاوند کو کسی اور سے اس کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا کیونکہ مطالبہ کا حق' نکاح کے فسخ ہونے پر ہوتا ہے اور نکاح فسخ نہیں ہوا۔ ہاں اگر موت سے پہلے فسخ ہو جائے درآنحالیکہ مباشرت نہ ہوئی ہو تو عورت کسی شے کی حقدار نہ ہوگی۔

یہاں پر حنابلہ نے پورا مہر لازم ہونے اور احتمال سقوط نہ رہنے کے اسباب میں شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے اور بوسہ لینے کو بھی خواہ لوگوں کی موجودگی میں ہو اضافہ کیا ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ بات پہلے بتائی گئی ہے کہ عقد صحیح کے بعد مباشرت ہو تو پورا مہر واجب ہو جاتا ہے اور اس کے ساقط ہونے کا احتمال نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی ایسی حرکت کرے کہ دونوں میں علیحدگی لازم ہو جائے مثلاً وہ عورت مرتد ہو جائے یا خاوند کے بیٹے کے ساتھ آلودہ ہو جائے تب بھی (مہر واجب رہے گا)۔ لیکن اگر خاوند مباشرت یا خلوت صحیحہ سے پہلے اسے طلاق دے دے تو نصف مہر ساقط ہو جائے گا۔ اور نصف برقرار رہے گا۔ اسی طرح خاوند کی جانب سے بھی ایسی کوئی حرکت ہو جو مستوجب علیحدگی ہے مثلاً مرتد ہو جائے یا اپنی بیوی کی ماں یا اس کی بیٹی سے آلودہ ہو جائے یا بری خواہش کے ساتھ ان کا بوسہ لے۔ اور ہنوز بیوی کے ساتھ خلوت یا مباشرت نہ ہوئی ہو تو نصف مہر عائد ہو جائے گا۔

Marfat.com

اگر عورت کا یہ دعویٰ ہو کہ خاوند نے مباشرت کی ہے اور خاوند اس سے انکار کرے تو عورت کی بات مانی جائے گی۔ کیونکہ اس میں اسے اپنا نصف مہر ساقط کئے جانے سے انکار ہے اور فیصلہ انکار کرنے والے کے قول پر ہوتا ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مرد کا قول مانا جائے گا کہ وہ نصف مہر سے زیادہ واجب ہونے سے انکار کرتا ہے۔ ان دونوں اقوال پر غور کرنے سے ظاہر ہے کہ دونوں اقوال قابل اعتراض ہیں۔ کیونکہ اگر اس قاعدہ پر عمل کیا جائے کہ صرف انکار کرنے والے کی بات پر فیصلہ ہوتا ہے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو انکاری قرار دیا جاسکتا ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔ لہٰذا بعض اصحاب نے اول الذکر قول کو ایک اور وجہ سے ترجیح دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عقد صحیح سے پورا مہر واجب ہوجاتا ہے لیکن اس کا نصف واجب ہونا ایک اور عارضی سبب کی بنا پر ہے اور وہ سبب علیحدگی یا فسخ نکاح ہے جو خاوند کی حرکت سے واجب ہوا۔ اگر ایسی بات پیش نہ آتی تو صورت حال جوں کی توں باقی رہتی۔ اب مرد اس عارضی امر کے پیش آجانے کا دعویٰ کرتا ہے اور عورت انکار کرتی ہے تو (بہ حیثیت منکر کے) اس عورت کی بات مانی جائے گی۔

یہ حکم اس وطی کی صورت میں ہے جو عقد صحیح کے بعد ہوئی ہو جس سے پورا طے شدہ مہر ثابت ہوتا ہے۔ اگر کوئی مہر طے نہیں ہوا یا کوئی فاسد مہر مثلاً شراب یا سور وغیرہ کا مہر ہوا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا یا مہر مقرر ہی نہیں ہوا یا اس شرط پر نکاح ہوا کہ کوئی مہر نہ ہوگا تو اس سے مہر مثل واجب ہوگا یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ عورت نے ایک شخص سے کہا میں پچاس اشرفی پر تم سے شادی کرتی ہوں اور تم کو مہر سے بری الذمہ کرتی ہوں اور اس شخص نے قبول کرلیا یا اس طرح عقد ہوا کہ عورت یا خاوند یا کوئی اور شخص جو کچھ کہہ دے وہی مہر ہوگا۔ یا یہ کہ اس کی بھیڑوں کے پیٹ میں جو بچے ہیں وہ مہر ہوگا یا یہ کہ ہزار درہم دو یا سوکن کو طلاق دو تو شادی کرتی ہوں ان تمام صورتوں میں مہر مثل مقرر ہوجائے گا۔ اس قسم کی شرائط کا ذکر مہر کی شرطوں کے بیان میں آچکا ہے۔

اگر عقد فاسد کے بعد مباشرت کی اور مہر مقرر ہوا تھا تو اس عورت کے مہر مثل اور طے شدہ مہر کا موازنہ کیا جائے گا۔ ان دونوں میں جس کی مقدار کم ہوگی وہی حق مہر ہوگا اگر کوئی مہر طے نہ ہوا ہو تو وہ مہر مثل کی حقدار ہوگی جو کچھ بھی ہو۔ عقد فاسد کی صورت میں جب تک مباشرت نہ ہو عورت کسی شے کی حقدار نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر مباشرت سے پہلے طلاق دے دی تو عورت کو کچھ حق نہ ہوگا اگرچہ اس عورت کے ساتھ تخلیہ ہوچکا ہو کیوں کہ نکاح فاسد میں تخلیہ بجائے خود ایک امر فاسد ہے۔ اس لئے کہ نکاح فاسد میں مباشرت حرام ہے اور اس حالت میں تخلیہ ایسا ہی ہے جیسے حالت حیض میں جب کہ مباشرت حرام ہوتی ہے تخلیہ کیا جائے پس جب تک کہ وطی بطور عورت کے نہ کی جائے غیر فطری مباشرت سے مہر ثابت نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ نکاح فاسد کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ جس سے مہر واجب ہوجاتا ہے اور نسب بھی قائم ہوجاتا ہے لیکن عدت واجب نہیں ہوتی ایسے نکاح فاسد کو نکاح باطل کہتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی محرمات میں سے (جن سے نکاح حرام ہے) شادی کرلی تو یہ عقد جو ایسی کسی عورت سے کیا گیا وہ نہ ہونے کی مانند ہے۔ یہی حال شادی شدہ عورت سے یا عدت گزارنے والی عورت سے جس کی بابت معلوم ہے کہ یہ اپنے خاوند کی عدت میں ہے نکاح کیا گیا تو وہ نکاح بھی کالعدم اور نکاحِ باطل ہوگا۔ اگر یہ جاننے کے باوجود کہ نکاح نہیں ہوا اس عورت سے وطی کی تو اس پر حدّ

Marfat.com

(سزا شرعی) عائد ہوگی لیکن اگر یہ علم نہ تھا تو شبہ کی بنا پر حد سے بچ جائے گا۔ اگر عورت نے اسے اپنے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور کیا تو ایسی صورت میں عقد کرنے سے مہر واجب نہ ہوگا کیوں کہ عورت نے اسے مجبور کیا اس لئے عقد کالعدم متصور ہوگا اور مہر واجب نہ ہوگا، لیکن اگر مباشرت ہوگئی تو نسب قائم ہوجائے گا اور عدت واجب ہوگی۔

(نکاح فاسد کی) دوسری قسم وہ ہے جس میں مہر، عدت اور نسب ثابت ہوجاتا ہے اور یہ وہ عقد ہے جس میں ان شرطوں میں سے کوئی شرط جو حنفیہ کے نزدیک صحت عقد کے لئے ضروری ہیں پوری نہ کی جائے اور جس کا پورا نہ ہونا حنفیہ کے علاوہ دوسرے مسالک میں جائز قرار دیا گیا ہو۔ اس کی مثال گواہوں کی موجودگی کے بغیر نکاح کرنا ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ گواہوں کے بغیر بھی نکاح صحیح ہوجاتا ہے اسی طرح ایک عورت سے ملوث ہونے یا شہوت کے ساتھ اس پر نظر ڈالنے والے کا اس کی ماں سے نکاح کرنا یا بدکاری کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی خود اپنی لڑکی سے نکاح کرلینا (حنفیہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے لیکن) شافعیہ کے نزدیک صحیح ہے۔ نیز خلوت صحیحہ کے بعد غیر شخص سے طلاق یافتہ عورت کے ساتھ بغیر عدت کے نکاح کرنا شافعیہ کے نزدیک درست ہے۔ کیوں کہ جب تک مباشرت نہ ہو عدت لازم نہیں ہوتی۔ اسی طرح آزاد بیوی کی موجودگی میں کسی لونڈی سے نکاح کرلینا حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ لیکن شافعیہ اس کو جائز کہتے ہیں بشرطیکہ وہ کسی اور کی مملوکہ ہو۔ اگر اپنی مملوکہ ہو تو اس کے ساتھ عقد نہیں ہوسکتا کیوں کہ مالک ہونے اور نکاح کرنے دونوں کے احکام ایک دوسرے کے منافی ہیں پس ان صورتوں میں اگرچہ حنفیہ کے نزدیک عقد فاسد ہے لیکن دوسرے فقہاء کے نزدیک درست ہے لہٰذا مہر عائد ہوگا عدت واجب ہوگی اور نسب ثابت ہوجائے گا۔

اب یہاں پر چند ایسی صورتیں (عقد کی) بیان کی جاتی ہیں جن کے فاسد ہونے پر چاروں ائمہ فقہاء کا اتفاق ہے، لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایسے عقدوں میں مباشرت کی جائے تو نسب ثابت ہوگا اور عدت واجب ہوگی لیکن اس کا مرتکب مستوجب حد نہ ہوگا۔ مثلاً دو بہنوں کو کوئی شخص اپنے عقد ازدواج میں لایا اور ان سے مباشرت کی یا مطلقہ بیوی کی بہن سے شادی کی درآنحالیکہ ہنوز اس کی بیوی کی عدت پوری نہ ہوئی تھی۔ یا اپنی چوتھی بیوی کو طلاق دی اور اس کی عدت کے دن گزرنے سے پانچویں سے شادی کرلی۔ یا پانچ عورتوں سے بیک وقت نکاح کیا اور ان سے مباشرت بھی ہوگئی تو ایسی صورت میں بقول ظاہر حنفیہ یہ عقد فاسد ہوگا، باطل نہ ہوگا یعنی اس سے مہر لازم ہوجائے گا اور عدت واجب ہوگی اور نسب ثابت ہوجائے گا باوجود اس کے مشہور ائمہ فقہاء میں سے کوئی اس فعل کو جائز قرار نہیں دیتا۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر کسی کافر نے مسلمان عورت سے شادی کرلی اور اس سے اولاد پیدا ہوئی تو اس کا نسب ثابت ہوجائے گا اور اس سے مباشرت ہونے کے بعد ان میں علیحدگی کرادی جائے تو عدت واجب ہوگی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ عقد باطل ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے لہٰذا اس سے نہ نسب ثابت ہوگا اور نہ عدت واجب ہے یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی محرم عورت (جس سے نکاح حرام ہے) سے یا کسی شخص کی مطلقہ عورت سے جو ہنوز عدت میں ہو نکاح کیا جائے۔

ظاہر ہے کہ ان مثالوں میں عقد فاسد کے جو نتائج بتائے گئے ہیں وہ اس کے حلال ہونے کے شبہ کی بنا پر ہیں جو دوسرے عقود پر قیاس کرنے سے پیدا ہوتے ہیں چنانچہ اگر نسبت خواہری کا لحاظ نہ رکھا جائے تو وہ شخص اپنی مطلقہ بیوی کی

Marfat.com

بہن کے ساتھ شادی کرنے کے لئے اجنبی عورت کی طرح عدت کا انتظار نہیں کرے گا کیوں کہ دونوں میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اس بات کو نظر انداز کر دیا جائے کہ چار بیوی والے کو پانچویں سے شادی کرنا حلال نہیں ہے اور مطلقہ عورت کی زوجیت جب تک عدت نہ گزر جائے اس شخص کے ساتھ باقی رہتی ہے تو (کسی اور عورت سے شادی کے لئے اپنی مطلقہ بیوی کی) عدت گزارنے کا انتظار کرنے کا کوئی سبب نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر اس کی تین بیویاں ہوں اور ایک کو طلاق دے دے تو اس کی عدت کا انتظار کئے بغیر کسی اور عورت (چوتھی) سے عقد نکاح کر سکتا ہے اس لئے حنفیہ مذکورہ مثالوں کو نکاح فاسد قرار دیتے ہیں نکاح باطل نہیں کہتے ان صورتوں میں شبہ کا امکان ہے اور اس کے مرتکب کو عذر کا موقع حاصل ہے، تاہم نکاح فاسد کے نتائج کے بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اصحاب کا کہنا ہے لزوم عدت اور ثبوت نسب کے بارے میں، نکاح باطل اور نکاح فاسد کی تمام مذکورہ مثالوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن مشہور صورت وہی ہے جس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے۔

واضح ہو کہ نکاح فاسد ہو یا نکاح باطل اس کا فسخ کرنا قاضی (حاکم شرع) کے فیصلہ پر موقوف نہیں ہے بلکہ فریقین (میاں بیوی) میں سے کوئی ایک دوسرے کی موجودگی کے بغیر بھی فسخ عقد کر سکتا ہے۔ خواہ مباشرت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ ایام عدت کا آغاز دونوں میں علیحدگی کے وقت سے ہوگا' اور (اولاد ہوئی تو) نسب ثابت ہوگا جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے اور نسب ثابت ہونے کی کم سے کم مدت مباشرت کے وقت سے چھ ماہ بعد (ولادت) سے ہے۔ چنانچہ اگر مہینے کے آغاز میں مباشرت ہوئی اور چھ ماہ کے بعد ولادت ہوئی تو اس کے ساتھ نسب ثابت ہو جائے گا۔ اس سے کم میں نہ ہوگا اس کی تفصیل عدت کے بیان میں آگے آ رہی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ عقد صحیح کے ساتھ جو حنفیہ اور حنابلہ کے مطابق ہوا ہو اگر مباشرت ہو تو پورا مہر لاگو ہو جائے گا۔ لیکن نکاح مفوضہ میں جس میں عورت اپنے نکاح کا معاملہ ولی کے سپرد کر دیتی ہے کہ وہ بلا تعین مہر جس طرح چاہے اس کا نکاح کر دے تو اس صورت میں عقد صحیح کے بعد مباشرت ہو تو مہر مثل واجب ہو جائے گا۔ اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی تو کوئی حق مہر نہ ہوگا البتہ متعہ (رنڈاپے کا جوڑا) واجب ہوگا جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اگر دونوں میں کسی کی موت واقع ہو جائے تو مہر مثل یا وہ مہر جو دونوں کی رضامندی سے طے ہوا ہو یا قاضی نے جو فیصلہ کیا ہو وہ واجب الادا ہوگا۔ کیوں کہ مفوضہ عورت (جو اپنے مہر کا فیصلہ کسی اور کے سپرد کر دے) کو حق ہے کہ مباشرت سے پہلے اپنے مہر کا مطالبہ کرے اور یہ مہر تین باتوں سے لاگو ہوتا ہے: مباشرت سے' یا دونوں میں سے کسی کی موت کے واقع ہو جانے سے۔ اگرچہ یہ موت مباشرت سے پہلے واقع ہو جائے یا پھر مہر کے طے ہو جانے سے۔ اور جس طرح عقد صحیح میں مباشرت سے مہر واجب ہوتا ہے اسی طرح عقد فاسد میں بھی مباشرت سے مہر مثل عائد ہو جاتا ہے کیوں کہ مہر کو واجب کرنے والی شے مباشرت ہے عقد فاسد میں بھی اور (بیوی کے) شبہ میں مباشرت کر لینے سے بھی جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

نکاح فاسد وہ نکاح ہے جس میں شرائط مذکورہ سابقہ میں سے کسی شرط کی کمی رہ جائے اور نکاح باطل وہ ہے جس میں ارکان نکاح میں سے کوئی رکن (جز ولازم) پورا نہ ہو۔

واضح ہو کہ نکاح فاسد اور نکاح باطل کے بیشتر احکامات یکساں ہیں۔ باطل نکاح شغار بھی ہے۔ اس کی تفصیل

Marfat.com

آ گے آ رہی ہے۔ نکاح شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ دوسرا بھی اپنی بیٹی کا نکاح کر دے اور کوئی مہر نہ ہو۔ اسی طرح نکاح متعہ بھی باطل ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ پہلی صورت اس لئے باطل ہے کہ اس میں ایک رکن یعنی زوجہ پورا نہیں ہوا کیوں کہ وہ عورت جس کا عقد ہے اسی کو دوسری کا مہر قرار دیا گیا ہے یعنی جس کا نکاح ہے وہی مہر بن گئی اور وہی عورت عوض بھی ہوئی اور معاوضہ بھی۔ اور ثانی الذکر نکاح باطل اس لئے ہوا کہ اس میں صیغہ (یعنی الفاظ نکاح) میں جو نکاح کے ارکان میں سے ہے خلل ہے' کیوں کہ اس رکن کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس میں وقت کی کوئی قید نہ ہو (اور نکاح متعہ میں وقت متعین ہوتا ہے)۔ اسی طرح حالت احرام میں نکاح باطل ہے کیوں کہ جس کا عقد نکاح ہے یعنی خاوند یا بیوی کہ یہ دونوں نکاح کے ارکان (اجزائے لازمی) ہیں ان میں خلل ہے' نکاح کے لئے شرط یہ ہے کہ کوئی امر مانع نکاح حائل نہ ہو۔ شافعیہ کے نزدیک احرام کی حالت موانع نکاح میں سے ہے۔ اسی طرح وہ نکاح باطل ہے جب کہ کسی عورت کے ولی دو شخصوں سے اس کا نکاح کر دیں اور یہ پتہ نہ چل سکے کہ پہلے کس کے ساتھ نکاح ہوا ایسی صورت میں دونوں عقد باطل ہوں گے جیسا کہ پہلے بتایا گیا اور باطل ہونے کا سبب یہ ہے کہ محل نکاح میں (یعنی جس کا نکاح پیش نظر ہے) خلل ہے یعنی عورت کا نکاح دو مردوں سے نہیں ہو سکتا۔ عدت گزارنے والی عورت کا نکاح بھی اس میں داخل ہے۔ (کیوں کہ جب تک عدت نہ گزر جائے وہ عورت اس کی زوجیت میں شمار ہوگی)۔

واضح ہو کہ نکاح شغار (یعنی بٹے سٹے کا نکاح)' وقتی نکاح (یا متعہ)' احرام حج کی حالت کا نکاح اور ایسا نکاح جو عورت کے ولیوں نے دو شخصوں سے کرایا ہو ان تمام نکاحوں میں (اگر مباشرت کر لی جائے تو) حد نہیں ماری جائے گی' لیکن عدت واجب ہوگی اور نسب اور مہر مثل ثابت ہوگا۔

وہ نکاح بھی نکاح فاسد ہے جو معتدہ (عدت گزارنے والی) یا مستبراہ (مجہول الحال یا ناروا مباشرت شدہ عورت) کے ساتھ (عرصہ عدت کے دوران) کیا جائے (ایسی عورتوں سے نکاح کے لئے) یہ ضروری ہے کہ عدت یا استبراء کی مدت یقینی طور پر پوری ہوگئی ہو اگر کسی شخص نے عدت کے دوران یا مدت استبراء کے اندر یا اس حالت میں عقد نکاح کیا کہ انقضائے میعاد کے بارے میں شک تھا اور پھر بھی مباشرت کر لی تو ایسی صورت میں اس شخص پر حد واجب ہو جائے گی کیوں کہ جب تک کہ ایک عورت کسی کی عدت کے دن گزار رہی ہو تو وہ اس عورت کا (بطور خاوند کے) ذمہ دار ہے اور ایسی حالت میں اس کے ساتھ مباشرت کرنا فعل زنا مستوجب حد ہوگا اور اس سے نہ نسب ثابت ہوگا نہ عدت لازم ہوگی اور نہ مہر واجب ہوگا البتہ اگر اس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا کہ اسے ایام عدت یا مدت استبراء کے دوران عقد کے حرام ہونے کا علم نہیں تھا تو اس پر 'حد' (سزائے شرعی) عائد نہ ہوگی۔ اسی طرح ایسے فعل کے ارتکاب پر عورت بھی مستوجب 'حد' ہوگی سوا اس کے کہ وہ بھی مرد کی طرح اپنی لاعلمی کا اظہار کرے اور وہ دونوں ہوں بھی ایسے جن کی ناواقفیت کے عذر کو مانا جا سکے مثلاً یہ کہ وہ نومسلم ہوں یا ایسی جگہ پیدا ہوئے ہوں جو علم دین کی تحریک سے الگ تھلگ ہو۔ اس میں وہ عقد بھی ہے جس کے ایام عدت پورے ہونے میں شک ہو اگر حمل کی علامت مثلاً (جنین کی) حرکت یا گرانی محسوس ہو تو وہ ناقابل عقد متصور ہوگی جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ عقد کے لئے یہ شرط ہے کہ یقینی طور پر وہ عورت ایام عدت ختم کر چکی ہو اگر اس حالت میں عقد کیا تو وہ عقد باطل ہوگا یہاں تک کہ اگر یہ بات کھل جائے کہ اسے حمل نہیں ہے تب بھی بقول معتمد وہ عقد باطل ہی ہوگا۔ کیوں کہ

Marfat.com

جب تک اس بارے میں یقین نہ ہو جائے (کہ وہ عورت حاملہ نہیں ہے اور اس کی معیاد عدت یقینی طور پر گزر چکی ہے) اس کے ساتھ عقد کا ارادہ کرنا ہی درست نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اس صورت کے خلاف ہے جب کہ ایک شخص طویل عرصہ تک اپنی بیوی سے لاتعلق رہے یہاں تک کہ اسے لاپتہ (یا مفقود الخبر) قرار دیا جائے لیکن اس کی موت یا طلاق ثابت نہ ہو اور وہ عورت کسی اور سے شادی کر لے۔ پھر یہ پتہ چلے کہ اس کا خاوند مر گیا ہے یا یہ کہ اس نے طلاق دیدی ہے تو دوسرا عقد صحیح قرار دیا جائے گا کیوں کہ دوسری صورت میں امر واقعہ کو دیکھا گیا ہے اور جب تک خاوند کے مفقود ہونے کا یقین نہیں ہوا اس نے شادی کا ارادہ نہیں کیا لہٰذا اس کی طرف سے اس امر کو واقعہ تصور کیا جائے گا۔ بخلاف پہلی صورت کے لیکن قابل اعتماد امر یہی ہے کہ وہ عقد باطل ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

منجملہ نکاح باطل کے بت پرست (مشرکہ) عورت جو الہامی کتاب کی قائل نہ ہو کے ساتھ نکاح کرنا ہے۔ اس کی تفصیل پہلے بتائی جا چکی ہے۔ اس نکاح کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ کیوں کہ مشرکہ عورت محل نکاح (یعنی قابل نکاح) نہیں ہے۔ اسی طرح مرتدہ کا نکاح (جو اسلام سے پھر گئی ہو) باطل ہے کیوں کہ ایک رکن باطل ہے یعنی وہ عورت جو مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے اور وہ کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی کیوں کہ اس کا تعلق اسلام سے باقی ہے۔ پس اگر ایک عورت مسلمان کے تحت میں تھی اور وہ مرتد ہو گئی لیکن ہنوز اس کے ساتھ مباشرت نہ ہوئی تھی تو نکاح باطل ہو جائے گا اور اگر مباشرت ہو چکی ہے تو عدت کے ایام گزارنے تک نکاح باطل متصور ہو گا بشرطیکہ وہ حد نافذ ہونے تک زندہ رہے۔ اگر اس عورت سے صحبت کی جائے تو اس پر حد عائد نہ ہو گی کیوں کہ عقد کے باقی رہنے کا شبہ موجود ہے جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔

اگر کوئی آزاد شخص اپنی مملوکہ لونڈی سے عقد کرے تو وہ عقد باطل ہو گا کیوں کہ وہ محل عقد نہیں ہے۔ بیوی اور لونڈی کے احکام شریعت میں مختلف ہیں نکاح میں طلاق، لعان اور اظہار وغیرہ ہو سکتا ہے لیکن مملوکہ لونڈی سے نکاح کا ارادہ ہو تو پہلے اسے آزاد کرنا واجب ہے۔

یاد رہے کہ ہر ایسی مباشرت میں جس کے مرتکب پر حد واجب نہیں ہوتی عورت کے لئے عدت کا گزارنا لازم ہوتا ہے۔ بصورت دیگر اسے زنا قرار دیا جائے گا اور کوئی حق ثابت نہ ہو گا اور فاعل مستوجب حد ہو گا۔ اور یہ کہنے سے کہ فاعل پر حد واجب ہو گی ایسی بعض صورتیں مستثنیٰ ہو گئیں جن میں مفعول پر حد واجب ہوتی ہے، فاعل پر نہیں ہوتی۔ مثلاً کوئی قریب البلوغ لڑکا بالغ عورت کے ساتھ آلودہ ہو یا کوئی دیوانہ شخص عاقل عورت کے ساتھ آلودہ ہو جائے تو اس صورت میں زنا کرنے والے پر بوجہ کم عمر ہونے کے یا دیوانہ پر بوجہ پاگل ہونے کے حد عائد نہ ہو گی۔ بلکہ اس عورت پر عائد ہو گی کیوں کہ وہ بالغ اور عاقل تھی۔ اس کے باوجود عدت لازم ہو گی اور نسب ثابت ہو گا اور اس قاعدہ سے کہ "جس مباشرت سے حد عائد نہیں ہوتی اس سے عدت واجب ہوتی اور نسب ثابت ہوتا ہے" وہ صورت مستثنیٰ ہے جس میں ایک شخص کو با اختیار عورت سے بدکاری پر مجبور کیا جائے۔ ایسی صورت میں معذوری کی بنا پر (گناہ نہ ہونے کے شبہ میں) وہ شخص حد سے بچ جائے گا۔ باوجود اس کے ان دونوں کو زنا کار تصور کیا جائے گا۔ اور مہر واجب نہ ہو گا اور نہ اس کی عدت ہو گی اور نہ نسب ثابت ہو گا اس لئے کہ جبر سے زنا حلال نہیں ہو جاتا بلکہ شافعیہ کہتے ہیں کہ زنا پر مجبور ہو جانا ممکن نہیں ہے۔ کیوں کہ مباشرت کے لئے نفسانی ارادہ لازم ہے جس سے ایستادگی اور دخول ممکن ہو۔ جبر کرنے سے مجبور شخص پر ایسا اثر پڑتا ہے کہ ایستادگی اور دخول

Marfat.com

ممکن نہیں رہتا۔ پس مجبور شخص نابالغ اور عاقل باختہ پاگل جیسا نہیں ہوتا۔

عقد فاسد کو سمجھنے کے لئے یہ دیکھنا ہوگا کہ مذکورہ سابقہ شرائط نکاح کے خلاف کیا عمل کیا گیا؟

مالکیہ کہتے ہیں کہ نکاح فاسد کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جس کے فاسد ہونے پر تمام اماموں کا اتفاق ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس کے فاسد ہونے پر سب کا اتفاق نہیں ہے۔ پہلی قسم میں محرم سے نکاح کرنا جو خون یا دودھ کے رشتہ سے حرام ہیں ایسی دو عورتوں کا جمع کرنا جن کو بیک وقت نکاح میں رکھنا حلال نہیں ہے اور چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں سے شادی کرنا ہے ان تمام صورتوں میں سے اگر کوئی صورت پیش آ جائے تو یہ نکاح مباشرت سے پہلے اور بعد میں بھی بغیر طلاق کے فسخ ہو جائے گا۔ اگر مباشرت سے پہلے فسخ ہو تو اس سے کچھ واجب الادا نہ ہوگا' کیوں کہ قاعدہ یہ ہے کہ جس عقد کو مباشرت سے پہلے فسخ کر دیا جائے اس میں مہر واجب نہیں ہوتا خواہ اس کے فاسد ہونے میں ائمہ کا اتفاق ہو یا اختلاف ہو اور خواہ یہ خرابی عقد نکاح میں ہوئی ہو یا مہر میں مثلاً شراب وغیرہ (حرام اشیاء) کا مہر رکھا گیا ہو۔ یا (نکاح اور مہر) دونوں میں خرابی ہو۔ لیکن اگر کوئی عقد مہر کی کم سے کم مقدار سے کم پر ہونے کی وجہ سے فاسد ہوا ہو مثلاً دو درہموں پر عقد ہوا حالانکہ کم سے کم مقدار تین درہم ہے تو اس صورت میں اگر مباشرت سے پہلے عقد فسخ ہوا تو دو درہم کا نصف حق مہر ہوگا۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ دودھ شریک باہم عقد فاسد کریں اور مباشرت سے پہلے ان کی علیحدگی کرا دی جائے۔ یا دو لعان کرنے والوں (یعنی ایک دوسرے کے خلاف بقید لعنت قسم کھانے والے میاں بیوی) کی علیحدگی کرا دی جائے تو اس میں بھی طے شدہ مہر کا نصف ملے گا۔ لیکن اگر مباشرت کے بعد فسخ نکاح ہوا تو پورا مہر لازم ہوگا۔ اگر بیٹی اور اس کی پھوپھی یا خالہ دونوں کا عقد ایک ساتھ کسی شخص سے کر دیا گیا یا مختلف اوقات میں کیا گیا لیکن یہ نہیں معلوم کہ پہلے کس کے ساتھ ہوا۔ اور ان دونوں کے ساتھ مباشرت بھی ہوگئی تو دونوں مہر کی حقدار ہوں گی اور تین حیض کی مدت تک ان کے پھر قابل نکاح ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ (اسے استبراء کہتے ہیں)۔ اگر مہر حلال شے کا باندھا گیا تو جو مہر قرار پایا وہی ان کا حق ہوگا اور اگر حرام شے کا مہر باندھا گیا مثلاً شراب وغیرہ تو وہ مہر مثل کی حقدار ہوگی۔ اگر یہ عقد نکاح اس صورت میں ہوا کہ انہیں باہمی رشتہ اور اس کے حرام ہونے کا علم نہ تھا تو ان پر حد شرعی لاگو نہ ہوگی۔ اگر یہ باتیں معلوم تھیں اور دانستہ ایسا کیا تو حد (شرعی سزا) لازم ہوگی۔ کیوں کہ یہ زنا ہے۔

نکاح فاسد کی ان صورتوں کے منجملہ جن کے فاسد ہونے پر سب کو اتفاق ہے مقررہ وقت کے لئے نکاح کرنا ہے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ بقول معتمد اس سے طے شدہ مہر لازم ہوتا ہے۔ اس طرح کے نکاح کرنے والے کو حد نہیں لگائی جائے گی۔ لیکن اگر مباشرت کی گئی ہے تو سزا اور تنبیہ ضروری ہے اور طلاق کے بغیر ہی یہ عقد فسخ ہو جائے گا۔ اسی طرح نادانستہ طور پر عدت والی کے ساتھ نکاح کرنا ہے۔ یہ نکاح بھی طلاق کے بغیر مباشرت سے پہلے اور یا بعد میں فسخ ہو جائے گا لیکن اگر دانستہ ایسی حرکت کی ہے تو دونوں مستوجب حد ہوں گے۔

اب رہا دوسری قسم کا نکاحِ فاسد جس کے فاسد ہونے پر سب کا اتفاق نہ ہو اس کی مثال احرام حج کی حالت میں نکاح کرنا ہے یہ نکاح مالکیہ کے نزدیک فاسد ہے اور حنفیہ کے نزدیک درست ہے۔ اگر اس میں مباشرت ہو جائے اور مہر حلال شے کا بندھا ہو تو عورت مقرر شدہ مہر کی حقدار ہوگی۔ اگر مہر حرام شے ہے جیسے شراب یا سور تو مہر مثل واجب ہوگا۔ اگر

Marfat.com

یہ (عقد) مباشرت سے پہلے فسخ ہو جائے تو کچھ لازم نہ ہوگا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

نکاح فاسد کے منجملہ نکاح شغار (بٹے سٹے) کا نکاح بھی ہے کہ اگرچہ ایسا کرنا بالاتفاق ممنوع ہے لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا نکاح کر ہی لیا جائے تو نکاح بحال رہے گا۔ مالکیہ اس کے فاسد ہونے کے قائل ہیں جیسا کہ آگے بتایا جائے گا اور اس میں اگر مباشرت ہوگئی تو مہر مثل واجب ہوگا۔ ایسا ہی کسی عورت کا بغیر ولی کے خود اپنا نکاح کر لینا بھی ہے کہ یہ حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور مہر اگر حلال شے کا ہے تو واجب الادا ہوگا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اسی طرح خفیہ نکاح کرنا ہے جس کا ذکر پہلے کیا گیا یہ نکاح مباشرت سے پہلے پہلے فسخ ہو سکتا ہے۔ بعد میں نہیں ہو سکتا۔ یہی حال فاسد مہر کے ساتھ نکاح کرنا اور یا ایسی شرط کے ساتھ نکاح کرنا ہے جو عقد کے منافی ہے ان تمام امور کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عقد فاسد کی بنا پر مباشرت کی جائے تو مقرر شدہ مہر کی ادائیگی واجب ہوگی بشرطیکہ وہ مہر ایسی شے کا ہو جو عورت کے لئے حلال ہے اور عقد کا فاسد ہونا خود عقد ہی کی خرابی کے باعث ہو مثلاً عقد کی کوئی شرط یا رکن صحیح نہ ہو یا فساد عقد کا موجب ہو یا مہر درست نہ ہو بایں طور کہ مہر تین درہم سے کم ہو یا خاوند کی مملوکہ شے نہ ہو وغیرہ جن کا ذکر مہر کے صحیح ہونے کی شرائط میں کیا گیا ہے۔ لیکن اگر مقرر شدہ مہر شے حرام ہو مثلاً شراب یا سور تو اس صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جبکہ کوئی مہر قطعاً مقرر نہ کیا گیا ہو جیسا کہ نکاح شغار (یعنی بٹے سٹے) میں ہوتا ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے تو ایسی صورت میں اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہو جائے تو مقرر شدہ مہر ہو یا مہر مثل ساقط ہو جائے گا اور اگر کوئی مہر واجب نہ ہوگا خواہ اس عقد کے فاسد ہونے پر سب کا اتفاق ہو یا نہ ہو۔ اگر (عقد فاسد کے بعد) دونوں میں سے کسی کی وفات مباشرت سے پہلے ہو جائے اور فساد عقد کا موجب مہر کی خرابی ہے تو وہ مہر بہرحال ساقط ہو جائے گا۔ خواہ فساد مہر کے باعث اس عقد کے فاسد ہونے پر سب کا اتفاق ہو جیسے شراب یا سب کا اتفاق نہ ہو جیسے بھاگا ہوا غلام۔

اگر عقد نکاح کی خرابی کے باعث اس عقد کے فاسد ہونے پر سب کا اتفاق ہو جیسے نکاح متعہ تب بھی مباشرت سے پہلے موت واقع ہو جانے پر پر ساقط ہو جائے گا۔ اگر عقد کے فاسد ہونے میں اختلاف ہوا اور اس سے مہر میں خرابی نہ ہو مثلاً حالت احرام حج میں نکاح کرنا تو موت سے مہر ساقط نہ ہوگا۔ بلکہ جو مہر طے ہوا ہے یا مہر مثل بطریق سابق برقرار رہے گا۔ اگر مہر میں خرابی ہو مثلاً حلالہ کرنے والے کا نکاح تو اس صورت میں مباشرت کے بغیر مہر ثابت ہوگا۔

اگر مہر یا نکاح میں اس شرط کے لگانے سے خلل واقع ہوا کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا تو موت واقع ہو جانے سے مہر ساقط ہو جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نکاح فاسد میں اگر مباشرت کر لی جائے تو مقرر شدہ مہر واجب ہو جائے گا اگر کوئی مہر مقرر نہیں ہوا تو مہر مثل واجب ہوگا۔

نکاح فاسد میں محض خلوت سے اس طرح مہر واجب ہو جاتا ہے جس طرح مباشرت سے۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ نکاح فاسد میں محض خلوت سے مہر واجب نہیں ہوتا۔ نیز مالکیہ و شافعیہ کو بھی اختلاف ہے جو کہتے ہیں کہ محض خلوت سے مہر واجب ہی نہیں ہوتا خواہ عقد فاسد ہو یا عقد صحیح ہو۔ نیز اس کے لئے یہ شرط ہے کہ مباشرت اندام نہانی سے ہو اگر غیر فطری مباشرت ہو تو اس سے کوئی مہر عائد نہ ہوگا۔ حالانکہ ایسی صورت میں مہر عائد ہو جاتا ہے کیوں کہ

Marfat.com

شبہ میں (غیر عورت کے ساتھ) مباشرت کرنے کا بیان

غیر عورت کے ساتھ (کسی شبہ میں) مباشرت کرنے سے مہر وغیرہ جو لازم ہو جاتا ہے اس کی تفصیل مسالک مختلفہ کی رو سے ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

خلوت کے بغیر مباشرت غیر فطری نا قابل فہم ہے۔ یہی حال زنا بالجبر کا ہے۔ اگر وہ عورت اس شخص کے محرموں میں سے ہے (جس سے وطی حرام ہے) تو اس جبر کے باعث مہر کی ادائیگی اس شخص پر واجب ہوگی لیکن اگر عورت کی رضامندی سے زنا کیا تو قدرتی طور پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

اسی طرح وہ بھی نکاح فاسد ہے جس میں (شرائط عقد میں سے) کسی شرط کی تکمیل نہ ہوئی۔ نکاح متعہ اس میں داخل ہے۔ اس میں قاعدہ کے مطابق طے شدہ مہر واجب ہو جاتا ہے لیکن حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مباشرت ہو جائے تو مہر مثل واجب ہوگا نہ کہ طے شدہ مہر۔

حلالہ کرنے والے کا عقد نکاح بھی عقد فاسد ہے۔ اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ گو اس سے نسب جڑ جاتا ہے لیکن اسے ازدواج (میاں بیوی کا رشتہ) نہیں مانا جائے گا اور نہ (اس کے بعد) مطلقہ عورت اپنے سابقہ خاوند پر حلال ہوگی۔ ہاں مباشرت کے بعد مہر کی طے شدہ رقم واجب ہو جائے گی جیسے کہ پہلے بتایا گیا۔

نکاح شغار (یعنی بٹے سٹے کا نکاح) بھی اس میں داخل ہے نیز کسی ایسی شرط پر جو منافی عقد نکاح ہو تو وہ بھی نکاح فاسد میں داخل ہے۔ مثلاً اس شرط پر نکاح کرنا کہ ''مباشرت حلال نہ ہوگی'' اس میں ان تمام امور کی نفی داخل ہے جو شرائط و ارکان عقد کے سلسلہ میں بتائے گئے ہیں۔

نکاح فاسد اور نکاح باطل کے متعلق عام احکامات بتائے جا چکے ہیں۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ کسی شبہ میں اگر غیر عورت سے وطی کر لی جائے تو وہ عورت مہر مثل کی حقدار ہو جائے گی۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے ایک سوئی ہوئی عورت کو اپنی بیوی گمان کر کے اس سے مباشرت کر لی اور اس عورت کو بھی پتہ نہ چلا تو وہ مہر مثل کی حقدار ہو جائے گی۔ لیکن اگر عورت کو پتہ چل گیا اور صورت حال سے آگاہ ہوگئی تو وہ بدکار متصور ہوگی اور اس پر حد (شرعی سزا) عائد ہو جائے گی۔

شافعیہ نے شبہ کی چار قسمیں بتائی ہیں جن میں حد عائد نہیں ہوتی لیکن مہر مثل عائد ہو جاتا ہے۔

ایک قسم شبہ فاعل ہے (یعنی فعل کرنے والے کو دھوکا ہو جائے) اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص غیر عورت کے ساتھ اس دھوکے میں کہ اس کی بیوی یا لونڈی ہے مباشرت کرے لیکن بعد میں معلوم ہو کہ یہ کوئی اور عورت ہے تو اس شخص کے اس فعل کو نہ حلال کہا جا سکتا ہے اور نہ حرام کیونکہ اس کا مرتکب غیر مکلف ہے (جس پر احکام شرعیہ لاگو نہیں ہوتے) اس لئے کہ جس حالت میں یہ حرکت اس سے سرزد ہوئی وہ غافل (بے خبر) تھا پس جب وہ مکلف (پابند احکام شرع) نہ رہا تو اس حال میں جو کام بھی وہ کرے گا نہ تو وہ حلال ہوگا نہ حرام۔

دوسری قسم شبہ ملک ہے (یعنی مالک سمجھ لینا حالانکہ وہ مالک نہیں ہے) اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص ایسی

Marfat.com

لونڈی سے مباشرت کرے جس کی ملکیت میں وہ شریک ہے یا اپنی مکاتبہ سے مباشرت کرلے (مکاتبہ وہ لونڈی جسے ایک طے شدہ رقم کے عوض پروانہ آزادی کا وعدہ دیا گیا ہو) ایسی لونڈی سے مباشرت جائز نہیں ہے لیکن اس شخص کو یہ معلوم نہ تھا کہ مکاتبہ لونڈی حرام ہو جاتی ہے اور اس دھوکے میں کہ وہ اس کا مالک ہے اس سے وطی کرلی تو اس پر حد عائد نہ ہوگی۔ تاہم اس کا یہ فعل حرام متصور ہوگا کیونکہ اتنا تو بہرحال اسے معلوم تھا کہ وہ تنہا (بلا شرکت غیرے) اس کا مالک نہیں ہے تو اسے پہلے تحقیق کر لینی چاہئے تھی۔

تیسری قسم شبہ طریق ہے (یعنی اس طریقہ سے عمل کو جائز سمجھنے میں دھوکا کھایا)۔ اُس کی صورت یہ ہے کہ کسی عالم کے کہنے سے جس کی پیروی واجب ہے اس فعل کے حلال ہونے میں دھوکے میں رہا۔ مثلاً ایک عورت سے جو بغیر ولی کے یا شہادت کے عقد میں آئی اور اس خیال سے اس کے ساتھ مباشرت کی کہ داؤد ظاہری اس (طرح کے نکاح کو درست قرار دینے کی طرف مائل ہیں۔ ایسی صورت میں اگر وہ شخص اس کا مقلد ہے تب تو یہ فعل نہ حرام ہے نہ حلال لیکن اگر اس کا مقلد نہیں ہے تو ایسا کرنا اس کیلئے حرام ہے۔

چوتھی قسم شبہ محل ہے (یعنی جس کے ساتھ مباشرت کی اس کو حلال سمجھنے کے دھوکے میں رہا) اور وہ یہ ہے کہ محل عمل (یعنی عورت) کو حلال سمجھ کر مباشرت کی مثلاً ایک شخص نے اپنے باپ کی لونڈی کے ساتھ مباشرت کی یا اس شخص کے باپ نے اس کی لونڈی سے مباشرت کی تو یہ فعل حرام ہے کیونکہ اس کی ملکیت مشکوک ہونے کی بنا پر یہ اقدام صحیح نہیں ہے۔ بہرحال شبہ کی تینوں صورتوں میں مباشرت کرنے سے حد عائد نہ ہوگی اور اس حالت میں وہ مہر واجب ہوگا جو باکرہ عورت کا ہوتا ہے۔ یہ بکارت کا تاوان نہیں ہے۔ اگر وہ عورت شوہر دیدہ ہے تو وہ مہر واجب ہوگا جو غیر باکرہ عورت کا ہوتا ہے۔

بعض اصحاب نے شبہ کی صرف تین اقسام بتائی ہیں اور شبہء ملک اور شبہء محل کو ایک ہی قسم تصور کیا ہے پھر اگر ایک شخص ایک ہی قسم کے دھوکے بار بار کھا جائے تو مہر متعدد واجب نہ ہوں گے مثلاً ایک شخص نے آج سوئی ہوئی عورت سے بیوی کے دھوکے میں وطی کرلی اور کچھ دنوں بعد اسی طرح (بیوی کے دھوکے) میں پھر مباشرت کی اور ہنوز پہلا مہر واجب شدہ ادا نہ کیا تھا تو ایک ہی مہر واجب الادا ہوگا۔ لیکن اگر آج شبہ ملک کی بنا پر وطی کی اور اب ایک ہی مہر نہیں بلکہ دو مہر واجب الادا ہوں گے اور مہر کے بارے میں عورت کی اس حیثیت کا لحاظ ہوگا جو مباشرت اول کے وقت تھی۔ چنانچہ اگر پہلی مباشرت کے وقت وہ صاحب جمال تھی تو اس کا مہر بھی زیادہ ہوگا اور دوسری بار پھر اس طرح کے دھوکے میں وطی کی درآنحالیکہ اس عورت کا وہ جمال جاتا رہا (جو پہلی صحبت کے وقت تھا) تو مہر اسی پہلی حیثیت کے مطابق واجب الادا ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ شبہ سے مباشرت کر لینے میں مہر مثل واجب ہوتا ہے اس بارے میں حنفیہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب تک ملکیت حاصل نہ ہو دارالاسلام میں کسی بھی عورت سے مباشرت کرنے سے یا تو مہر واجب ہوگا یا حد (شرعی سزا) واجب ہوگی۔ اب یہاں پر آٹھ صورتیں پیش آسکتی ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ ایک نابالغ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے اور عورت اس پر راضی ہوگئی تو وطی کرنے سے مہر واجب نہ ہوگا نہ حد عائد ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی لونڈی کا مالک ہو اور اسے باقاعدہ فروخت کردے لیکن خریدار کے سپرد

Marfat.com

کرنے سے پہلے اس سے مباشرت کر لے تو نہ مہر عائد ہوگا نہ حد لیکن خریدنے والے کو حق ہوگا کہ اگر وہ لونڈی باکرہ تھی تو (زوال بکر) کے معاوضہ میں اس کے دام کم کر دے۔ اگر وہ باکرہ نہ تھی تو کم نہیں کر سکتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ایک ذمی شخص (یعنی اسلامی مملکت کا غیر مسلم فرد) ایک ذمیہ عورت (غیر مسلمہ) سے بغیر مہر کے شادی کرے اور پھر دونوں مسلمان ہو جائیں تو اب وہ عورت مسلمان ہونے کے بعد مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی درآنحالیکہ وہ اپنے سابقہ مذہب کی رو سے کسی مہر کی حقدار نہ ہو۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ آقا اپنی لونڈی کی شادی اپنے غلام سے کر دے تو بقول صحیح کوئی مہر نہ ہوگا۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ غلام اپنی مالکہ سے مباشرت کر لے تو اس کا مہر ہوگا نہ حد ہوگی۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ کسی حربیہ (برسر جنگ) عورت سے مباشرت کی جائے۔

ساتویں صورت یہ ہے کہ ایک شخص وقف شدہ لونڈی سے وطی کر لے تو نہ مہر واجب ہوگا نہ حد ہوگی۔

آٹھویں صورت یہ کہ ایک شخص رہن رکھی ہوئی لونڈی کے ساتھ رہن رکھنے والے کی اجازت سے بدیں گمان وطی کر لے کہ وہ اس کے لئے حلال ہے تو نہ مہر واجب ہوگا نہ حد عائد ہوگی۔

واضح ہو کہ حنفیہ کے نزدیک کسی دھوکے میں وطی کرنے سے جو مہر مثل واجب ہوتا ہے وہ اُسے عقر کہتے ہیں (عقر کے معنے معاوضہ کے بھی ہیں اور مہر کے بھی لیکن) بعض اصحاب نے عقر کا مطلب یہ بیان کیا ہے 'عقر' زنا کرنے کا وہ معاوضہ ہے جو اس جیسی عورت کو دیا جاتا ہے اگر جائز ہوتا۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ 'عقر' سے مراد وہ مہر مثل ہے جو عورت کے صرف جمال کو پیش نظر رکھ کر قرار دیا جائے۔ قطع نظر اس کے کہ اس کی خاندانی اور مالی حیثیت کیا ہے' پس اس صورت میں وہی مہر واجب الاداء ہوگا۔

وہ شبہ جس کے پیش نظر حد ساقط ہو جاتی ہے یہ ہے کہ ایک شے جو فی الواقع اور درحقیقت ثابت نہیں ہے اس (غلطی سے) ثابت شدہ تصور کر لیا جائے۔ اس کی تین قسمیں ہیں:

ایک قسم شبہ محل ہے محل ارتکاب فعل کے حلال ہونے کی دلیل ہے گو کوئی عارضی سبب اس کے حلال ہونے میں مانع ہو لیکن وہ شخص حلال ہونے کی دلیل کی بنا پر دھوکے میں پڑ جائے۔ اگرچہ اس امر عارضی کا جو حلت میں رکاوٹ ہے اسے علم بھی ہو جائے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص اپنے بیٹے پوتے وغیرہ کی لونڈی سے اس حدیث کی بنا پر مباشرت کر لے کہ "انت و مالک لابیک" (جس کا مفہوم یہ ہے کہ بیٹا اور اس کا مال باپ کا ہے) اب ظاہر ہے کہ لابیک میں لام آیا ہے وہ ملکیت کے مفہوم میں ہے اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ لڑکا اور اس کا مال جس کا وہ مالک ہے وہ اس کے باپ کی ملکیت ہے۔ اس لحاظ سے بیٹے کی مملوکہ لونڈی باپ کی مملوکہ ہوئی لیکن حدیث کے اس ظاہری مفہوم کے خلاف یہ اجماعی تشریح ہے کہ حدیث میں لام ملکیت کے مفہوم میں نہیں ہے بلکہ انت و مالک لابیک کے معنی یہ ہیں کہ بیٹا اور اس کا مال باپ کی طرف منسوب ہے یعنی باپ اس بیٹے کے وجود میں آنے کی بنیاد ہے۔ لہٰذا بیٹا اپنے باپ سے اپنے مال میں بخل نہیں کر سکتا لیکن اس تشریح کے باوجود ارشاد نبوی "لابیک" میں جو لام ہے اس کے پیش نظر محل فعل (بیٹے کی مملوکہ) کے حلال ہونے کا اشتباہ رہ جاتا ہے اسی لئے اس کو شبہ محل بھی کہتے ہیں اور شبہ حکمیہ بھی یعنی ایسی صورت جس میں محل فعل (یعنی عورت) کے حلال

Marfat.com

ہونے کا شبہ شرعاً ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح کی وہ صورت بھی ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو الفاظ کنائی (یا مبہم الفاظ) میں طلاق دے کہ تو بائن ہوگئی یا تیرا معاملہ بتہ (ختم) ہوگیا یا خالصہ ہوگیا (یعنی کوئی کسر نہ رہی) وغیرہ تو وہ عورت نکاح سے باہر ہوجائے گی۔ اگر عدت ختم ہونے سے پہلے اس کے ساتھ مباشرت کر لی تو اس پر حد عائد نہ ہوگی اور مہر واجب الاداء ہوگا اس لئے کہ اس کے حق میں ایک دلیل ہے جس سے حلال ہونے کا شبہ ہوسکتا ہے اور وہ دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ "الکنایات رواجع" یعنی کنائی طلاقوں میں رجوع ہوسکتا ہے۔ بعض ائمہ فقہاء کی یہی رائے ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک اس بات کی دلیل موجود ہے کہ کنائی طلاق بائن (نکاح توڑنے والی) ہوتی ہے۔ لہٰذا عدت کے دوران اس عورت سے مباشرت حرام ہے تا آنکہ از سر نو عقد نہ کیا جائے۔ تاہم حنفیہ کے نزدیک اس پر سزائے شرعی عائد نہ ہوگی۔ اگرچہ وہ شخص اس کا حرام ہونا جانتا ہو کیونکہ ایسی دلیل موجود ہے جو محل فعل کے حلال ہونے کا شبہ پیدا کرتی ہے۔ اس میں وہ صورت بھی ہے کہ ایک شخص نے اپنی لونڈی کو باقاعدہ فروخت کردیا لیکن مشتری کے سپرد کئے جانے سے پہلے اس سے مباشرت کر لی تو اس میں حد عائد نہ ہوگی جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اگر ایسا فعل بیع فاسد کے بعد خریدنے والے کے پاس جانے سے پہلے کیا تو یہاں اس کا ذکر نہیں ہے کیوں (بیع فاسد کی صورت میں) وہ لونڈی ملکیت سے خارج نہیں ہوجاتی۔ پس اگر خریدار کے قبضہ میں جانے کے بعد بھی مباشرت کی تو ملکیت کا گمان باقی رہے گا کیونکہ اسے حق ہے کہ وہ پھر اس کا مالک ہوجائے۔ تاہم خریدار کے قابض ہوجانے کے بعد مباشرت کرنے سے مہر مثل ثابت ہوجائے گا۔ اس لئے کہ بیع فاسد میں بھی فروخت شدہ شے اگر خریدار کے پاس آجائے تو وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے۔ ایسی ہی ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کے مرتد ہوجانے کے بعد اس سے مباشرت کرے۔ ایسی صورت میں بعض علمائے حنفیہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ عورت کے مرتد ہوجانے پر علیحدگی نہیں ہوجاتی اور اگر ارتداد عورت کی جانب سے ہوا ہو تو نکاح فسخ نہیں ہوتا اور اس حالت میں مباشرت حرام نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر ایک شخص کی بیوی اس کے لڑکے کے ساتھ آلودہ ہوجائے تو وہ عورت حنفیہ کے نزدیک اس کے خاوند پر حرام ہوجائے گی تاہم اگر اس کے بعد خاوند نے اس سے مباشرت کی تو چونکہ حلال ہونے کا اشتباہ ہے وہ شخص مستوجب حد نہ ہوگا۔ کیونکہ امام شافعی کہتے ہیں کہ بدکاری سے حرمت مصاہرہ (شادی کا رشتہ) عائد نہیں ہوجاتا۔ اس قسم کے شبہ کو شافعیہ شبهة الطريق کہتے ہیں۔ یعنی ایسا شبہ جس میں ایک طریقہ سے حلت نکلتی ہو۔ ایسی ہی ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کی ماں کے ساتھ آلودہ ہوجائے تو حنفیہ کے نزدیک اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی لیکن اس کے بعد اگر وہ اپنی بیوی کے ساتھ طریق زوجیت روا رکھے تو مستوجب حد نہ ہوگا کیونکہ امام شافعی کہتے ہیں کہ کسی عورت کی ماں کے ساتھ آلودہ ہونے سے عورت کا حرام ہونا واجب نہیں ہے۔

دوسری قسم شبہ فعل ہے جسے شبہ اشتباہ کہتے ہیں یعنی ایک شخص کسی فعل کو حلال گمان کرلے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص اپنے باپ کی لونڈی یا اس لونڈی کی ماں سے مباشرت کرلے اور اسے یہ گمان ہو کہ ایسا کرنا اس کے لئے جائز ہے۔ یا اپنی مطلقہ ثلاثہ بیوی سے عدت کے ایام میں مباشرت کرلے اور اس کو جائز گمان کرتا ہو۔ ایسی صورت میں حد عائد نہ ہوگی درآنحالیکہ دونوں اپنے گمان کا اظہار کریں (کہ وہ اس کو گناہ نہیں سمجھتے تھے) اگر ان کو اعتراف ہو کہ وہ اس فعل کو حرام جانتے تھے تو دونوں مستوجب حد ہوں گے۔

Marfat.com

واضح ہو کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو کنایہ کے الفاظ میں طلاق دی اور اسے طلاق ثلاثہ تصور کیا پھر عدت کے اندر اس عورت سے مباشرت کر لی تو وہ مستوجب حد نہ ہوگا۔ اگرچہ اس فعل کا حرام ہونا اسے معلوم ہو۔ طلاق بائنہ (جس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے) کا بھی وہی حکم ہے جو طلاق ثلاثہ کا ہے۔ اسی طرح مال کے عوض بطور خلع کے طلاق ہوگئی اور عدت کے دوران مباشرت ہوئی تو اس صورت میں اگر وہ شخص جانتا تھا کہ یہ فعل حرام ہے تو مستوجب حد ہوگا ورنہ نہیں۔ پہلی صورت میں اس کے فعل کو شبہ اشتباہ قرار دیا جائے گا۔ یعنی اس نے حلال ہونے کے خیال سے ایسا کیا۔

تیسری قسم شبہ عقد ہے (یعنی عقد کو صحیح سمجھ لینے کا گمان) کہ اگر اپنی محرمات میں سے کسی سے عقد کیا اور اس کے حرام ہونے کا علم نہ تھا اور اس سے مباشرت کر لی تو اس پر حد عائد نہ ہوگی اس لئے کہ عقد ہو جانے کے سبب اسے یہ گمان ہو گیا کہ یہ حلال ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ لیکن اگر اسے معلوم تھا کہ یہ حرام ہے تو صاحبین کے نزدیک اس پر حد عائد نہ ہوگی لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک مستوجب حد ہوگا۔ تاہم نسب ثابت ہو جائے گا۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ عورت خون کے اعتبار سے یا دودھ کے اعتبار سے یا ازدواجی رشتہ سے 'محرم' ہو چنانچہ اگر دودھ شریک بہن سے اسے غیر محرم سمجھ کر عقد کیا اور مباشرت کر لی تو حد واجب نہ ہوگی لیکن اس مباشرت کی بنا پر نسب ثابت ہو جائے گا اور وہ عورت طے شدہ مہر اور مہر مثل میں سے جس کی مقدار کم ہوگی اس کی حقدار ہوگی جیسا کہ پہلے بتایا گیا لیکن اگر کسی عورت سے جو حلال نہیں ہے شبہ کی بنا پر نہیں بلکہ کسی اور وجہ سے شادی کر لی اور مباشرت ہوگئی تو اس کا حکم وہی ہے جو مطلقہ غیر سے اس کی عدت کے دنوں میں یا اپنی بیوی سے تین طلاق دینے کے بعد بغیر حلالہ کے شادی کی یا پانچ عورتوں سے بیک وقت نکاح کیا اور ان سے مباشرت کر لی یا دونوں بہنوں سے بیک وقت عقد کیا اور ان سے مباشرت کی یا دونوں بہنوں سے آگے پیچھے عقد کیا اور بعد والی سے جس کا عقد باطل ثابت ہو گیا ہے مباشرت کی' ان تمام صورتوں میں بالاتفاق حد نہیں ہے۔ اگرچہ اس کے حرام ہونے کا علم ہو۔ تاہم (اس جرم یا گناہ کی پاداش میں) اسے سخت سزا دی جائے گی۔

غرض ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے درمیان محرم کے ساتھ (جس سے عقد حرام ہے) مباشرت ہونے کے مسائل میں اختلاف ہے۔ صاحبین کہتے ہیں کہ اگر حرام ہونے کا انہیں علم تھا تب حد ہے ورنہ نہیں ہے۔ لیکن امام صاحب کہتے ہیں کہ (کسی صورت میں بھی) حد عائد نہ ہوگی۔ ان کے نزدیک محرم اور غیر محرم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور بنائے اختلاف یہ ہے کہ محرمات قابل عقد ہیں یا نہیں؟ امام صاحب کا کہنا ہے کہ عورت بذات خود عقد کی صلاحیت رکھتی ہے جب تک کہ اس میں یہ صلاحیت ہے کہ عقد کی غرض پوری کر سکے یعنی توالد و تناسل کے قابل ہے بشرطیکہ اس بات کو نظر انداز کر دیا جائے کہ وہ مخصوص اشخاص سے شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟ پس محرم کا حرام ہونا کسی عارضی سبب سے ہوگا لہٰذا اس عقد کے جائز ہونے کی بابت اشتباہ کا ہونا ممکن ہے۔ لیکن صاحبین کا کہنا یہ ہے کہ عورت اس خاص عقد کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔

حد ساقط ہونے کی صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص کسی عورت کو اپنے بستر پر سوئے ہوئے دیکھ کر یہ گمان کرے کہ اس کی بیوی ہے اور اس سے مباشرت کر لے تو حد ساقط ہو جائے گی۔ لیکن اس صورت میں دو باتیں ہیں: یا تو وہ شخص آنکھوں والا ہوگا اور دن روشن ہے یا اندھیری رات ہے اب اگر وہ شخص بینا ہے اور دن کی روشنی ہے تب تو اس کا شبہ بے معنی ہے اور لازمی طور پر اپنی بیوی اور غیر عورت میں امتیاز کر سکے گا۔ ایسی صورت میں اسے زناکار اور مستوجب حد قرار دیا جائے

Marfat.com

گا۔اور بہر حال عورت بھی اسے دیکھ کر پہچان لے گی' تاہم اگر عورت کو علم نہ ہو اور مباشرت ہو جائے عورت حد سے بچ رہے گی اور مہر مثل کی حقدار ہو گی۔ اگر وہ شخص اندھا ہے یا گھپ اندھیری رات ہے تو یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ اس حالت میں مباشرت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ خاوند اسے اس کے لئے کہے۔ کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ عورت کو آمادہ کرنے اور شریک فعل ہونے کے لئے کہے بغیر اس کا اقدام کرے۔ ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ نابینا شخص کہے اور عورت خود کو اس کی بیوی بتا دے تو ایسی صورت میں صرف اس عورت پر حد عائد ہو گی اور اس شخص پر نہ ہو گی۔ بعض اصحاب کی رائے ہے کہ اگر وہ شخص نابینا ہے یا گھپ اندھیرے میں ایسا ہوا تو حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ گو اس کے لئے بیوی کو بیدار کرنا لازم تھا تاہم اگر بالفرض ایسا ہو جائے تو حد عائد نہ ہو گی۔ لیکن دن کا وقت ہے اور وہ شخص اندھا نہیں ہے یا رات ہے لیکن سخت اندھیرا نہیں ہے کہ بینا شخص پہچان سکتا ہے تو ایک قول کے بموجب ساقط نہ ہو گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ دھوکے میں مباشرت سے مہر مثل واجب ہو جاتا ہے لیکن حد عائد نہیں ہوتی۔ مالکیہ کے نزدیک شبہ کی یہ صورت ہے کہ وہ فعل عمداً (دانستہ) عمل میں نہ آیا ہو۔ اگر دانستہ نہیں ہوا بلکہ بھول کے باعث یہ فعل سرزد ہو گیا مثلاً ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ (جس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے) دی اور بھول گیا پھر مباشرت کر لی یا غلطی سے ایسا ہوا کہ اس نے غیر عورت کو اپنی بیوی سمجھ لیا اور مباشرت کر لی یا کوئی نو مسلم ہے جو اسلام کے اس حکم سے بے خبر تھا کہ بدکاری حرام ہے یا یہ صورت ہے کہ ایک شخص نے اپنے عقد کو درست سمجھ لیا کہ گو وہ عقد مالکیہ کے نزدیک درست نہیں ہے لیکن دوسرے مسالک میں صحیح ہے اسی گمان میں اس نے عورت پر اپنا اختیار جان کر مباشرت کر لی تو اس پر حد عائد نہ ہو گی یہی حال بیوی کے ساتھ لواطت (عمل غیر فطری) کے ارتکاب کا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرد کو عورت کے ساتھ عمل غیر فطری کا حق ہے' لیکن یہ قول بے بنیاد ہے اور غیر مشہور ہے۔ پس ایک شخص نے اگر اپنی بیوی کے ساتھ ایسی حرکت کی تو مستوجب حد نہ ہو گا لیکن اسے سزا دی جائے گی کیونکہ صحیح قول پر عمل کرنے سے ہٹ گیا۔ اس فعل کو جائز قرار دینے کی جو نسبت امام مالکؒ کی طرف کی جاتی ہے وہ اسی بے بنیاد اور کمزور قول کی بنا پر ہے۔ مالکیہ کے نزدیک بھی قابل اعتماد بات یہی ہے کہ یہ فعل حرام اور مستوجب تعزیر ہے۔ اگرچہ حد سے بچ جائے گا۔

اہل تحقیق کے نزدیک وہ شخص جو غیر کی مطلقہ عورت سے عدت کے دوران مباشرت کرے مستوجب حد ہے۔ اسی طرح وہ بھی جو پانچویں بیوی سے مباشرت کرے یا کوئی شخص اپنی بیوی کو قطعی طلاق دینے کے بعد دانستہ اس سے مباشرت یا ایسا ہی کوئی فعل جو زنا کی تشریح میں بتایا گیا ہے کرے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ شبہ میں وطی کر لینے سے مہر مثل واجب ہو جاتا ہے لیکن حد عائد نہیں ہوتی۔ جاننا چاہئے کہ یہ شبہ یا تو مالک ہونے میں لاحق ہوتا ہے مثلاً ایک شخص اپنی لونڈی سے جو دودھ میں اس کی شریک ہونے کے باعث اس پر حرام ہے' بدیں خیال کہ وہ اس کا مالک ہے اور وہ اس پر حلال ہے مباشرت کر لے۔ اور یا یہ شبہ کسی شخص کے تعین کرنے میں لاحق ہو۔ بایں طور کہ کسی عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر اس سے مباشرت کر لے درآنحالیکہ وہ غیر عورت ہو۔ یا طلاق بائنہ دینے کے بعد عدت کے دوران (مباشرت کرے) یا مشترکہ لونڈی کے ساتھ

Marfat.com

نکاح شغار

یا دو عورتوں کو ایک دوسرے کا مہر قرار دے کر نکاح کرنے کا بیان

لغت کی رو سے شغار کے معنے میں کتے کا پیشاب کے لئے ٹانگ اٹھانا۔ اسی طرح کے اور معنوں میں بھی اس کا استعمال ہے۔ بعد میں فقہاء نے اس کو نکاح سے مہر اٹھا دینے کے معنوں میں استعمال کیا۔ پس فقہاء کی اصطلاع میں شغار یہ ہے کہ دو اشخاص دو عورتوں سے اس طرح شادی کریں کہ ایک عورت کو دوسری عورت کا مہر قرار دیا جائے (بالعموم ایسے نکاح کو بٹے سٹے کا نکاح کہا جاتا ہے) اس کے درست یا نا درست ہونے کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

بایں خیال کہ وہ اس کا مالک ہے مباشرت کرے۔ یا ایسے عقد کے بعد جو حنابلہ کے نزدیک فاسد لیکن دوسرے مسالک میں درست ہے اپنی عورت سے وطی کرے۔ ان تمام صورتوں میں حد عائد نہ ہوگی۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ شغار کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم 'شغار صریح' ہے اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی سے کہے کہ تم اپنی بہن کی شادی میرے ساتھ کر دو میں بھی اپنی بہن کی شادی تمہارے ساتھ کئے دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ اور کوئی مہر نہ ہوگا بلکہ ایک کی نسائی خصوصیت دوسری کا مہر ہوگی۔ دوسری قسم 'وجہ شغار' (یعنی شغار جیسا معاملہ) ہے۔ اس کی صورت یوں کہنا کہ 'تم اپنی بہن کی شادی میرے ساتھ ایک سو مہر کے عوض کر دو اس شرط پر کہ میں بھی اپنی بہن کی شادی تمہارے ساتھ ایک سو مہر پر کر دوں۔ پہلی صورت شغار صریح جس میں سرے سے مہر اٹھا دیا گیا ہے اور کسی کا کوئی حق مہر قرار نہیں دیا گیا۔ دوسری کو شغار جیسا معاملہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں اگرچہ ایک دوسرے کے لئے مہر کی ایک رقم مقرر کی گئی ہے لیکن ساتھ ہی دونوں کی شادیوں کو ایک دوسرے کا معاوضہ بھی قرار دیا گیا ہے لہٰذا مہر جو مقرر کیا وہ کالعدم ہو گیا۔ تیسری قسم شغار مرکب ہے (جس میں سابقہ دونوں اقسام پائی جاتی ہیں) اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کہے کہ تم اپنی بہن کی شادی میرے ساتھ پچاس اشرفی مہر پر کر دو اس کے عوض میں اپنی بہن یا اپنی لونڈی کی شادی تمہارے ساتھ بغیر کسی مہر کے کرتا ہوں اس صورت میں ایک طرف سے یہ ''شغار صریح'' ہے کہ کوئی مہر مقرر نہیں ہوا اور دوسری طرف سے 'وجہ شغار' ہے کہ مہر مقرر کیا گیا ہے۔ شغار صریح ہو تو نکاح باطل ہے اس کا نکاح فسخ کیا جائے گا۔ مباشرت ہوگئی ہو یا نہ ہوا گر مباشرت سے پہلے فسخ عقد ہوا تو دونوں میں سے کسی کا کچھ حق نہ ہوگا اگر بعد میں تنسیخ ہوئی تو مباشرت ہو جانے کی وجہ سے دونوں کا کچھ حق نہ ہوگا اگر بعد میں تنسیخ نکاح ہوئی تو مباشرت ہو جانے کی وجہ سے دونوں مہر مثل کی حقدار ہوں گی۔ 'وجہ شغار' کی صورت میں بھی مباشرت سے پہلے فسخ نکاح ہو تو وہ عقد طلاق بائنہ کی طرح باطل ہو جائے گا۔ لیکن مباشرت کے بعد نکاح برقرار رہے گا اور طے شدہ مہر اور مہر مثل میں جس کی مقدار زیادہ ہوگی وہ حق مہر ہوگا یعنی دونوں میں جو زیادہ ہوگا عورت اس کی حقدار ہوگی۔ چنانچہ اگر مہر پچاس کا طے ہوا اور اس کا مہر مثل ایک سو ہے یا اس کے برعکس ہے تو وہ سو کی حقدار ہوگی۔ اور اگر 'وجہ شغار' کی صورت بغیر کسی شرط کے ہو تو وہ درست ہے مثلاً ایک شخص نے اپنی بہن کی شادی دوسرے شخص

Marfat.com

سے ایک سو مہر میں کردی اور دوسرے نے بھی اسی طرح اس کی تلافی کی اور اپنی بہن کی شادی ایک سو مہر میں کردی تو درست ہے۔ رہی شغار مرکب کی صورت تو اس میں جو مہر طے ہوا ہے وہ اس عورت کو ملے گا اور مباشرت نہیں ہوئی تو عقد فسخ ہو جائے گا مباشرت ہو جائے تو عقد برقرار رہے گا اور طے شدہ مہر اور مہر مثل میں سے جس کی مقدار زیادہ ہوگی وہی اس کا حق مہر ہوگا اور اگر کوئی مہر قرار نہیں پایا تو وہ عقد فسخ ہو جائے گا۔ مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ تاہم مباشرت کے بعد فسخ کی صورت میں عورت مہر مثل کی حقدار ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ 'عقد شغار' یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے میں اپنی بیٹی کی شادی تم سے اس شرط پر کرتا ہوں کہ تم اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کردو۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کا مہر ہوں گی (اور کوئی مہر نہ ہوگا) اور دوسرا کہے میں نے قبول کیا۔ یا یوں کہے کہ میں اپنی بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ اس بات پر کرتا ہوں کہ تم اپنی بیٹی کی شادی کردو۔ ان دونوں کا مہر ان کی نسوانیت اور سو سو اشرفی ہوگا۔ اس طرح مال کا ذکر کردینے سے عورت کی نسوانیت مہر بننے سے خارج نہ ہوگی اور اس کے حرام ہونے کا سبب یہ ہے کہ دونوں عورتیں مہر میں شریک ہوں گی اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے مرد اور اس کی بیٹی کا حق ہو جائے گی' کیونکہ وہ عورت مرد کی بیوی اور بیٹی کا مہر ہوگی اور اس طرح ایک عورت کا کچھ حصہ دو میں مشترک ہو جائے گا اور منکوحہ عورت دو کے مشابہ ہوگی لیکن اگر عقد میں عورت کی بضع (یا نسوانیت) کا ذکر نہیں کیا اور یوں کہا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی ایک سو حق مہر پر تمہارے ساتھ کرتا ہوں درآنحالیکہ تم بھی ایک سو مہر پر اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کردو تو یہ عقد صحیح ہوگا اور جو مہر رکھا ہے وہ باطل ہوگا کیونکہ دوسرا عقد جو ہوگا چونکہ اس میں بیٹی کا عقد اور ایک سو نقد مہر رکھا گیا ہے اور بیٹی کا عقد (ہنوز معرض وجود میں نہیں آیا لہٰذا) وہ معلوم نہیں ہے (اور مہر معلوم نہ ہو تو) پورا مہر باطل ہے اور پہلے جو نکاح ہوا وہ باطل ہوگا جس کی بنیاد فاسد پر رکھی گئی ہے یعنی دوسرے عقد پر کیوں کہ اس نکاح کی شرط وہ نکاح ہے اور چونکہ (وہ نہیں ہوا اس لئے) وہ شرط فاسد ہوئی اور جس امر کی بنیاد فاسد ہو وہ امر خود فاسد ہوتا ہے۔

اب معلوم ہونا چاہئے اگر نکاح شغار میں صحبت ہوگئی تو عورت مہر مثل کی حق دار ہوگی جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ غرض شافعیہ کہتے ہیں کہ نکاح فاسد کی صورت میں مہر مثل واجب ہو جاتا ہے۔

اور یہ جو بعض علاقوں میں ہوتا ہے کہ دو اشخاص کے بیٹے باہم ایک دوسرے کی بیٹیوں سے شادی کر لینے پر متفق ہو جاتے ہیں اور عقد نکاح میں نہ مہر کا ذکر ہوتا ہے اور نہ اس کا سوال پیدا ہوتا ہے' اس کا شمار 'شغار' میں نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ نکاح شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح دوسرے شخص کے بیٹے سے اس شرط پر کرے کہ وہ شخص بھی اپنی بیٹی کی شادی اس کے بیٹے سے کرے اور یہ طے ہو کہ دونوں لڑکیوں کی نسوانیت ہی باہم ایک دوسرے کا مہر ہوگی۔ جیسا کہ شافعیہ نے اس کی تشریح کی ہے (یہ صورت ممنوع ہے) لیکن اگر یوں کہا کہ میں اپنی بہن کی شادی تمہارے ساتھ اس شرط پر کرتا ہوں کہ تم بھی اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کرو اور یہ نہیں کہا گیا کہ باہم دونوں لڑکیوں کی حیثیت ایک دوسرے کے مہر کی سی ہوگی یا یہ کہا ہو لیکن دوسرے نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا کہ دوسری عورت کی نسوانیت کو اس کی بہن کا مہر قرار دیا جائے تو اسے شغار (ممنوع) قرار نہ دیا جائے گا اور حنفیہ کے نزدیک یہ عقد صحیح تسلیم کیا جائے گا اور دونوں عورتیں مہر مثل کی حق دار ہوں گی۔

Marfat.com

حنفیہ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ صحیحین (بخاری و مسلم) کی حدود کے بموجب شغار ممنوع ہے اور اس ممانعت کا تقاضا یہ ہے کہ اس (طرح کے عقد) کو فاسد قرار دیا جائے اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے: ایک جواب یہ ہے کہ جس چیز کی ممانعت ہے وہ حقیقی معنوں میں شغار کی صورت کا پیش آنا ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ شغار کی ممنوع حیثیت ان کے نزدیک یہاں لاگو نہیں ہوتی کیونکہ جس عقد کو وہ حلال اور نافذ کہتے ہیں وہ مہر مثل کے ساتھ عقد کرنا ہے لہٰذا عقد کو مہر قرار دینا باطل ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ نص (حدیث) میں جو ممانعت آئی ہے وہ یہ ہے کہ بضع (نسوانیت خصوصیت) کو مہر قرار نہ دیا جائے۔ یہ درست نہیں ہے۔ جس طرح کہ شراب اور سور کو مہر قرار دینا درست نہیں ہے لہٰذا اس کو مہر قرار دیا گیا تو وہ باطل ہے اور عقد نکاح مہر مثل کے ساتھ قائم رہے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت مکروہ ہونے کے سبب ہے عقد کے فاسد ہونے کی بنا پر نہیں ہے کیونکہ شارع علیہ السلام نے اور دوسری صورتوں میں مہر طے شدہ اگر فاسد ہو تو ان میں مہر مثل واجب ہو جاتا ہے لیکن اس نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے لہٰذا ایسی صورتوں پر قیاس کرتے ہوئے اس (نکاح شغار) کو مکروہ قرار دیا جائے گا (فاسد نہیں)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ 'شغار' یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کو یا کسی اور عورت کو جس کا وہ شخص ولی ہے۔ کسی کے ساتھ اس شرط پر شادی کرے کہ وہ شخص بھی اپنی بیٹی یا کسی اور عورت کی شادی جس کا وہ ولی ہے اس کے ساتھ کر دے۔ اور مہر کا کوئی ذکر نہ ہو یا دونوں نے یہ کہہ کر عقد کیا ہو کہ کوئی مہر نہ ہوگا یا یہ کہا کہ دونوں کی نسوانی خصوصیت ہی ایک دوسری کا مہر ہوگی۔ اسی طرح یہ کہنا بھی شغار ہے میں اپنی بہن کی شادی تمہارے ساتھ اس شرط پر کرتا ہوں کہ تم بھی اپنی بہن کی شادی میرے ساتھ کرو دونوں کی نسوانی خصوصیت اور ایک ایک سو درہم ایک دوسرے کا مہر ہوگا۔ یہی شغار ہے اور یہ نکاح فاسد ہوگا۔

حنابلہ اس بارے میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو احمد نے حضرت عمر اور زید بن ثابتؓ سے روایت کی ہے کہ ان دونوں اصحاب نے، فریقین نکاح میں تفریق کرادی تھی کیونکہ ابن عمر سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عقد 'شغار' سے منع فرمایا ہے۔ اور شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کی شادی کسی سے اس شرط پر کر دے کہ وہ بھی اپنی بیٹی کی شادی اس شخص کے ساتھ کر دے اس کے علاوہ اور کوئی مہر نہ ہوگا۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی ایک ایسی ہی روایت آئی ہے جسے مسلم نے بیان کیا ہے۔

حنفیہ نے اس کا جو جواب دیا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ حنفیہ نے اس کے ممنوع ہونے کی بنیاد اس مہر پر رکھی ہے جو مقرر کیا گیا ہے اور حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ ممانعت شرط فاسد کی بنا پر ہے۔ لیکن اس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اگر ممانعت شرط فاسد کی بنا پر ہے تو مہر فاسد کے مقرر کرنے اور اس کو شرط نکاح قرار دینے سے نکاح ممنوع ہونا چاہئے اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تاہم حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مہر مقرر کیا مثلاً یوں کہا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ اس بات پر کرتا ہوں کہ تم بھی اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کرو اور دونوں کا مہر ایک ایک سو ہوگا تو یہ عقد مقرر شدہ رقم کے حق مہر پر صحیح ہوگا۔ بشرطیکہ اس (رقم مہر) کے ذکر کے ساتھ بضع (یا نسوانی خصوصیت) کو شامل نہ کیا ہو۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے (یعنی وہ اس کو درست نہیں سمجھتے) اگر دونوں میں سے ایک کے مہر کی رقم بتائی گئی اور دوسری کی رقم نہیں بتائی گئی تو جس کا مہر

Marfat.com

ان صورتوں کا بیان جن میں مہر مثل عائد ہوتا ہے

جن صورتوں میں مہر مثل عائد ہوتا ہے وہ مسالک مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

بتایا گیا اس کا نکاح درست ہوگا دوسری کا نکاح درست نہ ہوگا۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے یعنی وہ دونوں نکاحوں کو صحیح نہیں مانتے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ہر اس عقد میں مہر مثل لاگو ہوگا جس میں مہر کا سرے سے ذکر ہی نہ ہو یا ہو لیکن وہ نامعلوم (یا مبہم) ہے یا مہر میں ایسی چیز رکھی گئی ہے جو شرعاً حلال نہیں ہے۔ اور ہر نکاح فاسد میں اگر مباشرت ہو جائے تو مہر مثل کا حکم ہے خواہ مہر مقرر کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ اگر مہر مقرر پایا ہو تو چاہئے کہ مہر مثل کی مقدار اس طے شدہ مہر سے زیادہ نہ ہو ورنہ مہر طے شدہ ہی واجب الاداء ہوگا اور ایسے مواقع میں جہاں شبہ میں مباشرت کر لینے سے مہر مثل واجب ہوتا ہے وہاں مہر مثل سے مراد ''عقر'' ہے جس کی تفصیل ''شبہ کی وطی'' کے بیان میں بتائی جا چکی ہے یہاں پر تفاصیل مذکورہ کا ماحصل بتایا گیا ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ جن امور کے پیش نظر مہر مثل کا تعین ہوتا ہے وہ یہ ہیں کہ کسی عورت کا مہر مثل کا موازنہ اس جیسی دوسری ان عورتوں کے مہر سے کیا جائے گا جو اس کے باپ کی خاندانی قرابت دار ہوں ماں کی خاندانی قرابت دار کو پیش نظر نہ رکھا جائے گا جبکہ ماں اسی قبیلہ کی فرد مثلاً چچازاد بہن وغیرہ نہ ہو۔ پس سب سے پہلے اس عورت کی (جس کا مہر مثل متعین کرنا ہے) بہنوں کے مہر کو دیکھا جائے گا۔ اگر اس کی بہنیں نہیں ہیں تو اس کی پھپھیوں کو اور اگر پھپھیاں اور بہنیں نہ ہوں تو حقیقی بھانجیوں کو اگر وہ بھی نہ ہوں تو چچازاد بہن کو دیکھا جائے گا (کہ ان کا مہر کتنا ہے؟) اگر باپ کے خاندان میں ایسی کوئی عورت نہ ہو (جس کے مہر کو نظیر قرار دیا جائے تو ایسے قبیلہ کی عورتوں کو دیکھا جائے گا جو اس کے باپ کے قبیلہ کے مانند ہے۔ اگر ایسی کوئی عورت نہ ہو تو خاوند کی بات جو قسم کھا کر وہ کہہ دے (مہر کے بارے میں) تسلیم کر لی جائے گی۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ آیا (اس عورت کی نظیر کے لئے) اس ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اس کی بہن موجود ہے تو چچازاد بہن کو نہ دیکھا جائے یا اگر اس کے باپ کی ہم قوم لڑکی موجود ہے تو غیر قوم کی عورت کے مہر کو نہ دیکھا جائے؟ یا یہ ترتیب ضروری نہیں ہے اور اس کو نظر انداز کرنا درست ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کے ظاہر اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو درست نہ مانا جائے گا۔ پھر جن امور کو مہر مثل کے لئے دیکھا جائے گا ان میں جمال و مال اور جائے سکونت کی یکسانیت کو بھی دیکھا جائے گا۔ کیونکہ مختلف علاقوں میں رہنے والیوں کی عادات و خصائل کو مہر کے تعین میں دخل ہے۔ چنانچہ اگر ایک عورت کے باپ کے قبیلہ کی کوئی عورت شہر میں رہتی ہے اور وہ خود ارباف (چراگاہوں) کی رہنے والی ہے یا (صورت حال) بالعکس ہے اور جہاں وہ رہتی ہے وہاں کے رہنے والوں کا مہر زیادہ ہوتا ہے تو اس مہر کو شہر میں رہنے والوں کے مہر پر قیاس نہ کیا جائے گا اور نہ شہر والی کے مہر کو اس علاقہ والیوں کے مہر پر قیاس کیا جائے گا۔ اسی طرح عمر کا لحاظ رکھنا ہوگا کیونکہ جوان لڑکی کی قدر بڑی عمر کی لڑکی سے زیادہ ہوگی۔ چنانچہ بیس سال کی لڑکی کو تیس چالیس سال کی عورت پر فوقیت دی جاتی ہے۔ نیز عقل، دینداری، پاکدامنی، علم، ادب، اخلاق، باکرہ یا غیر باکرہ ہونے، بے اولادی ہونے یا مریض ہونے کو بھی دیکھا جائے گا اور مہر کے موازنہ میں ان اوصاف میں یکسانیت کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ مثلاً دو عورتوں میں سے

Marfat.com

ایک محتاج یا صاحب جمال ہے اور دوسری نہیں ہے ایک پڑھی لکھی اور دوسری ان پڑھ ہے یا ایک شوہر دیدہ ہے اور دوسری کنواری ہے وغیرہ (تو ظاہر ہے کہ ایک کا مہر دوسری سے کم وبیش ہوگا۔ لہٰذا ایک کو دوسری پر قیاس نہیں کیا جائے گا) اسی طرح مہر مثل کے تعین میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کی بابت دو معتبر مرد یا ایسے ہی ایک مرد اور دو عورتیں اس مہر (کے موزوں ہونے) کی تصدیق کریں اور یہ تصدیق شہادت کی طرح حاکم شرع کے سامنے ہونی چاہئے۔ اگر معتبر گواہ موجود نہ ہوں تو خاوند کی بات کو تسلیم کیا جائے گا۔ کیوں کہ زیادہ مہر جس کی عورت مدعی ہے قاضی کی ذاتی رائے (اجتہاد) کی بنا پر ہے اور خاوند اسے تسلیم نہیں کرتا۔

اب یہاں پر ایک اور مسئلہ قابل ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک جیسی کئی عورتیں ہوں تو ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا جا سکتا۔ مثلاً دو عورتیں صفات میں یکساں ہیں ایک حقیقی بہن ہے اور ایک چچازاد بہن اور دونوں کا مہر مختلف ہے تو اس عورت کا مہر مثل متعین کرنے میں کس کو نظیر قرار دیا جائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ احتیاطاً ان دونوں میں سے جس کا مہر کم ہے اس کو نظیر قرار دیا جائے بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس کا فیصلہ ایک نیک نفس قاضی (حاکم شرع) پر اٹھا رکھا جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مہر مثل سے مراد مال کی وہ مقدار ہے جس کے عوض اس جیسا خاوند ایک بیوی کا طالب ہو جس میں یہ صفات پائی جائیں۔ مثلاً ضروریات دین کی پابندی، پاک دامنی، بے عیبی، حسن ظاہر و حسن باطن یعنی خوش اخلاقی اور شرافت خاندانی جو باپ دادا کے لئے فخر کا موجب ہوتا ہے مثلاً سخاوت، مروت اور علم نیز صالحیت، مال اور شہر اور اس میں شک نہیں کہ ان تمام خوبیوں یا ان میں کسی خوبی کے مطابق عورت کی قدر ہوا کرتی ہے۔ پس جس میں ان میں سے دو خوبیاں ہوں اس کی قدر ایک خوبی رکھنے والی سے زیادہ ہوگی مثلاً شہر کی وہ عورت جو حسین بھی ہو اس کی چاہت اس سے زیادہ ہوگی جو ایسی نہ ہو۔ لہٰذا اس کا مہر بھی زیادہ ہوگا اسی طرح شہر کی پاک دامن خوبصورت عورت، بدنام حسینہ سے زیادہ قابل قدر ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔

یاد رہے کہ (مہر مثل کے تعین میں) ان صفات کا لحاظ اس حالت میں کیا جائے گا۔ جب کہ اس عورت کے خاندان میں اس کی جیسی خوبیوں والی عورت اس کی بہن یا اس کی پھوپھی یعنی اس کے باپ کی باپ شریک بہن نہ کہ ماں شریک بہن موجود نہ ہو اگر مذکورہ خوبیوں والی کوئی عورت باپ کے خاندان میں ہو تو جو مہر اس کا ہے اسی کی مانند اس عورت کا مہر مثل قرار پائے گا پس اگر ایک عورت کی حقیقی بہن یا باپ شریک بہن کا مہر جو مذکورہ بالا اعلیٰ صفات میں اس جیسی ہے ایک سو ہو تو اسی قدر مہر یعنی ایک سو اس کی بہن کا بھی قرار پائے گا۔ پھر عقد صحیح کی صورت میں دیکھا جائے گا کہ جس روز عقد ہوا اس روز یہ خوبیاں اس میں موجود تھیں جن کی بنا پر مہر باندھا گیا۔ اگرچہ عقد نکاح بطور تفویض ہوا ہو (یعنی مہر کا فیصلہ کسی اور کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہو) لیکن نکاح فاسد کے بعد یا شبہ میں مباشرت کرنے کی وجہ سے جو مہر مثل عائد ہوگا وہ عورت کی اس حیثیت کے لحاظ سے ہوگا جو (یوم عقد نہیں بلکہ) مباشرت کے روز تھی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مہر مثل کا اندازہ اس عورت کی ایسی رشتہ دار عورتوں کے مہر سے کیا جائے گا کہ اگر ان میں سے کسی کو مرد تصور کیا جائے تو یہ عورت اس کا عصبہ ہو جائے (یعنی ان کی باہم شادی حرام ہو) اگر ایسی قرابت دار عورت نہ ہو

Marfat.com

نکاح تفویض (جس میں مہر کا فیصلہ دوسرے پر چھوڑ دیا جائے)

اور اس میں جو مہر یا بیوگی کا جوڑا واجب ہوتا ہے اس کا بیان

واضح ہو کہ تفویض کے لغوی معنے کسی امر کا فیصلہ دوسرے پر چھوڑ دینے کے ہیں اسی سے یہ جملہ بنا ہے کہ فوضت امری الی اللہ (یعنی میں اپنے معاملہ کو اللہ پر چھوڑتا ہوں) اور اصطلاح شرع میں

جسے (مہر کے معاملہ میں) اس کی نظیر قرار دیا جا سکے تو ان کے علاوہ اور عورتوں کو دیکھا جائے گا۔ اس کے لئے سب سے پہلے حقیقی بہن پھر باپ شریک بہن پھر بھتیجیاں۔ پھر بھتیجے کی بیٹیاں اور پھر چچازاد بہنیں قابل لحاظ ہوں گی (کہ ان کا مہر کتنا ہے؟) اب اگر ان میں سے کوئی نہیں ہے جس سے مہر مثل کا تعین کیا جا سکے یا (ایسی عورتیں ہوں مگر) ان کا مہر معلوم نہ ہو (کہ کتنا ہے) یا ان کی شادی ہی نہ ہوئی تو پھر ننھیال رشتہ کی عورتوں کو دیکھا جائے گا۔ ان سے مراد ماں کی یا نانا' نانی کی قرابت دار عورتیں ہیں۔ غرض چچازاد بہنیں اور بھانجیاں ان عورتوں میں شامل نہیں ہیں (جن کو نظیر قرار دیا جا سکے) کیوں کہ یہ دوسرے خاندان کی ہیں۔ (ننھیالی رشتہ داروں میں) سب سے مقدم ماں ہے پھر نانی۔ پھر خالائیں پھر ماموں زاد بہنیں۔ اب اگر ان میں سے کسی کے مہر سے موازنہ دشوار ہو تو شہر کی عورتوں کے مہر کو دیکھا جائے گا اور ان عورتوں کو جو حسن و قبح میں اس جیسی ہوں جس کی بنا پر ان کی قدروں میں تفاوت ہوتا ہے۔ مثلاً خوش گفتاری۔ عمر یا کنوار پن۔ اگر اس عورت میں کوئی خاص خوبی ایسی ہو جس کی نظیر اس کی قرابت دار عورتوں میں نہ پائی جائے تو اس کا مہر اس کی اپنی حالت کے مطابق مقرر کر دیا جائے گا۔

معلوم ہونا چاہئے کہ عورت کے قرابت داروں کے تسامح (سہل انگاری) کے باعث عورت کی قدر کم ہو جائے تو اس کمی کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ چنانچہ اگر کسی عورت کے تین چچا ہیں ان میں سے ایک عالم ہے اور اس نے اپنی بیٹی کی شادی ایک سو حق مہر پر کی اور باقی دونوں چچا جاہل ہیں جنہوں نے صرف ستر کے حق مہر میں اپنی بیٹیوں کی شادی کی تو چونکہ عالم کی بیٹی ہونے کی وجہ سے اس کی قدر زیادہ ہوئی لہٰذا (اس کو نظیر نہ قرار دیا جائے گا بلکہ) جاہل چچاؤں کی بیٹیوں کو نظیر قرار دیا جائے گا اور یہ تسامح خاوند میں کسی خوبی کے باعث روا رکھی گئی مثلاً کسی عورت کی ایک بہن تو کسی عالم کے ساتھ ایک سو حق مہر میں بیاہی گئی اور دوسری بہن کسی جاہل کے ساتھ دو سو حق مہر میں بیاہی گئی تو اس عورت کا مہر مثل بھی اسی قاعدہ کی رو سے قرار پائے گا یعنی اگر اس کا خاوند عالم ہے تو اس کا مہر ایک سو ہو گا ورنہ دو سو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مہر مثل کا تعین اس کی قرابت دار عورتوں کے پیش نظر حاکم کرے گا۔ قرابت داروں میں اس کی ماں' خالہ' پھوپھی اور بہن ہیں ان میں جو عورتیں مال' جمال' عقل' ادب' سن اور باکرہ یا غیر باکرہ ہونے میں اس جیسی ہوں گی انہیں مدنظر رکھا جائے گا اور اس بارے میں جو عورتیں بالترتیب اس عورت کی زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں گی ان کا لحاظ رکھا جائے گا۔ چنانچہ اگر ایک عورت کی ماں اس جیسی ہے تو اس کے مہر کے لحاظ سے اس عورت کا مہر مثل مقرر کیا جائے گا اگر ماں اس جیسی نہ ہو تو اس کی بہن پھر اس کی پھوپھی پھر اس کی خالہ (کے مہر) کو دیکھا جائے گا۔ اگر ایسی قرابت دار عورتیں نہ ہوں تو شہر کی دوسری عورتوں (کے مہر) پر جو اس جیسی ہوں قیاس کیا جائے گا یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ مہر مثل کا تعین اس صورت

Marfat.com

تفویض کے معنے تعین مہر کے بغیر نکاح کے ہیں اس کی تشریح اور احکامات متعلقہ کے باب میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

میں ہوتا ہے جس کا عقد باقاعدہ ہوا ہو لیکن مہر مقرر نہ ہوا ہو۔ یا مہر میں ناجائز چیز رکھی گئی ہو یا عقد فاسد میں یا شبہ میں مباشرت کی گئی ہو۔ نیز ایسی عورت کے لئے بھی مہر مثل ہوگا جس کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا ہو اور اس عورت کے لئے بھی جس نے اپنے ولی کو بلا مہر شادی کرنے کا اختیار دیا ہو۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ عورت جو بلا تعین مہر بیاہی جائے اسے مفوضہ (بکسر واو) کہتے ہیں کیوں کہ وہ اپنے مہر کا فیصلہ اپنے ولی کے سپرد کر دیتی ہے اس کو مفوضہ (بفتح واو) (یعنی سپرد کی گئی) بھی کہا جا سکتا ہے کیوں کہ ولی اسے خاوند کے سپرد کر دیتا ہے یعنی خاوند کو اس بارے میں اختیار دے دیا جاتا ہے کہ وہ جو بھی مہر چاہے مقرر کر لے۔ اب اس میں چند صورتیں پیش آ سکتی ہیں۔ مثلاً خاوند کے ساتھ اس کا تخلیہ ہو جائے یعنی خاوند مباشرت یا خلوت صحیحہ کر لے یا اسے طلاق دے دے یا مباشرت یا تخلیہ سے پہلے خاوند کی وفات ہو جائے۔ اگر پہلی صورت پیش آئے تو وہ عورت مہر مثل کی حقدار ہوگی جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ نکاح فاسد کی صورت میں جب کہ کوئی مہر قرار نہ پایا ہو تو جو مہر مثل ہوتا ہے وہ عائد ہوگا اور عقد صحیح کی صورت میں تو بدرجہ اولیٰ ہوگا اور اس شرط کے ساتھ نکاح کرنا کہ کوئی مہر نہ ہوگا لغو ہے اور عقد کان لم یکن ہے۔ پس اگر مباشرت یا تخلیہ سے پہلے طلاق ہو گئی تو متعہ (طلاق کا جوڑا) واجب ہوگا خواہ کوئی مہر مقرر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ کیوں کہ عقد کے بعد جو کچھ بھی مقرر ہو اس کا آدھا نہیں کیا جا سکتا۔ غرض متعہ (طلاق کا جوڑا) اس صورت میں واجب ہوتا ہے جب کہ مباشرت سے پہلے طلاق دے دی جائے اور عقد نکاح کے وقت مہر مقرر نہ ہوا ہو۔ قطع نظر اس سے کہ عقد کے بعد مہر مقرر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو یا جو مہر مقرر کیا گیا وہ ہر جہت سے فاسد ہو۔ ایک مہر ایک جہت سے درست اور دوسری جہت سے فاسد ہو مثلاً دس درہم نقد اور دس رطل شراب حق مہر رکھا گیا تو دس درہم کا نصف واجب ہوگا اور شراب کا ذکر لغو متصور ہوگا جیسا کہ شرائط مہر میں سابقاً بتایا گیا۔ اسی طرح اگر سو درہم نقد اور ایک تحفہ پر عقد نکاح ہوا اور مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی تو ایک سو درہم کا نصف عورت کا حق ہوگا اور ہدیہ کا ذکر لغو ہوگا اور ان دونوں حالتوں میں متعہ (جوڑا) واجب ہوگا کیوں کہ مباشرت سے پہلے (طلاق ہو جائے) تو مہر مثل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس صورت میں دیکھا جائے گا اگر مہر ہر جہت سے فاسد ہے تو وہ لغو متصور ہوگا اور عورت کو متعہ (جوڑے) کا حق ہے۔ اگر مہر ایک جہت سے صحیح اور دوسری جہت سے فاسد ہے تو جو مہر درست ہے عورت اس کے نصف کی حقدار ہوگی اور جو فاسد ہے وہ رائیگاں ہے۔ لیکن اگر مباشرت کے بعد طلاق ہوئی ہو تو عورت مہر مثل کی حقدار ہوگی جیسا کہ بتایا گیا۔

واضح ہو کہ مباشرت سے پہلے طلاق سے مراد وہ ہر علیحدگی ہے جس کا ذمہ دار خاوند ہو اور اس علیحدگی کے اسباب میں کوئی ایسا شخص خاوند کا شریک نہ ہو جو رقم مہر کا حقدار ہے۔ اور یہ علیحدگی طلاق سے ہو یا تنسیخ نکاح سے (بہرحال وہ طلاق ہے)۔ اس میں طلاق 'ایلاء' کے ذریعہ علیحدگی ہوئی (یعنی وہ علیحدگی جو عورت کے پاس جانے کی قسم کھا کر ایام عدت تک اس قسم کے نہ توڑنے سے ہو جاتی ہے) اور یا لعان سے علیحدگی ہوئی ہو (یعنی خاوند بیوی پر بدکاری کا الزام لگائے اور دونوں اپنی صداقت یا بریت کی قسم موکد بہ لعنت کھا لیں اور حاکم ان میں علیحدگی کرا دے تو یہ بھی طلاق ہے۔ لعان کے بیان میں

Marfat.com

اس کی تفصیل ملاحظہ ہو) یا علیحدگی کا موجب خاوند کی نامردی یا مقطوع العضو ہونا ہو۔ یا خاوند مرتد ہو جائے۔ یا اسلام لانے سے انکار کرے یا بیوی کی بیٹی یا ماں سے شہوانی حرکات کا مرتکب ہو۔ ان تمام حالات میں علیحدگی ہوئی تو بہرصورت بیوی متعہ (طلاق کے جوڑے) کی حقدار ہوگی۔ لیکن اگر علیحدگی کی ذمہ دار بیوی ہو مثلاً مرتد ہو جائے یا اسلام لانے سے انکار کرے یا خاوند کے بیٹے کے ساتھ ملوث ہو جائے یا اس کے ساتھ شہوانی حرکت کی مرتکب ہو یا اپنی صغیر سن سوکن کو دودھ پلا دے یا بالغ ہونے پر اپنے حق اختیار کو کام میں لا کر زوجیت سے علیحدہ ہو جائے یا اس نے اپنی شادی غیر کفو میں کر لی ہو اور ولی اس کے عقد کو فسخ کر دے۔ ان تمام صورتوں میں وہ متعہ (طلاق کے جوڑے) کی حق دار نہ ہوگی۔ یہ جوڑا خاوند پر نہ واجب ہوگا اور نہ مستحب۔ اسی طرح اگر وہ مفوضہ نہ ہو (یعنی کسی اور کو اپنے مہر کے تعین کا اختیار نہ دے دیا ہو) اور اس کا مہر کسی نے مقرر کر دیا اور اس نے مباشرت سے پہلے خاوند سے علیحدگی اختیار کر لی اور اس کی علیحدگی کی وہی ذمہ دار ہو تو وہ نصف مہر کی مستحق نہ رہے گی جس کی (بصورت دیگر) حقدار ہوتی اور (مباشرت سے پہلے علیحدگی کی صورت میں نصف مہر واجب ہونے کے لئے) یہ شرط جو لگائی گئی ہے کہ "علیحدگی کے اسباب میں کوئی ایسا شخص خاوند کا شریک نہ ہو جو مہر کا حقدار ہے" اس سے وہ صورت نکل گئی جب کہ ایک شخص لونڈی کا مالک ہے اور اس کی شادی کسی سے کر دیتا ہے اور قبل اس کے کہ خاونداس سے مباشرت کرے لونڈی کا مالک جو اس کے مہر کا حقدار ہے لونڈی کو فروخت کر دیتا ہے تو یہ عقد فسخ ہو جائے گا اور وہ لونڈی نہ نصف مہر کی حقدار ہوگی اور نہ جوڑے کی۔ کیوں کہ گو اس فسخ (علیحدگی) کی ذمہ دار عورت نہیں ہے لیکن اس کا آقا جو اس کے مہر کا حقدار ہے وہ علیحدگی کا سبب پیدا کرنے میں خاوند کا شریک ہے اور وہ سبب لونڈی کو (فروخت کر کے) کسی اور کو اس کا مالک بنا دیتا ہے۔ البتہ اگر آقا نے اسے فروخت نہیں کیا یا خاوند ہی نے اسے خرید لیا اور کوئی دوسرا اس کا مالک نہیں ہوا اور خاوند نے خرید کر اسے طلاق دے دی تو جوڑا اور نصف مہر دینا ہوگا۔ اور اگر مباشرت سے پہلے خاوند کی وفات ہوگئی اور اگر عقد کے بعد اس کا کوئی مہر مقرر کیا گیا تھا اور دونوں اس پر راضی تھے تو وہ عورت اس طے شدہ مہر کی حق دار ہوگی اور اگر کوئی مہر قرار نہ پایا تھا تو خاوند کی موت پر وہ مہر مثل کی حقدار ہوگی خواہ مہر منفی ہو یعنی بغیر مہر کے عقد ہوا ہو جیسے شراب یا سور تو وہ لغو متصور ہوگا اور عورت کا مہر مثل مقرر ہو جائے گا۔ اور اگر عقد کے بعد کوئی مہر مقرر ہوا اور مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی تو متعہ (جوڑا) واجب ہوگا نصف مہر واجب نہ ہوگا کیوں کہ جیسا کہ ابھی بتایا گیا جو مہر عقد کے بعد مقرر کیا جائے اس کی تنصیب نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر عقد کے بعد مقررہ مہر میں کچھ اضافہ کیا جائے مثلاً ایک سو حق مہر پر عقد ہوا بعد میں پچاس اور زیادہ کر دیئے گئے لیکن مباشرت نے پہلے طلاق ہوگئی تو عورت صرف ایک سو کے نصف کی حق دار ہوگی۔

واضح ہو کہ متعہ (طلاق کے جوڑے) کی دو قسمیں ہیں متعہ واجب اور متعہ مستحب: واجب وہ جوڑا ہے جو مفوضہ عورت کو جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے (مباشرت سے پہلے) علیحدگی کی صورت میں دیا جاتا ہے اور مستحب وہ جوڑا ہے جو مباشرت کے بعد ہر مطلقہ بیوی کو دیا جاتا ہے۔ خواہ اس کا مہر مقرر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اور بقول صحیح وہ جوڑا بھی مستحب ہے جو مباشرت سے پہلے طلاق پانے والی عورت کو جس کا مہر قرار پا چکا ہے' دیا جائے' درآنحالیکہ علیحدگی کا ذمہ دار خاوند ہو۔ اس حکم سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جس میں خاوند کے مرتد ہو جانے یا دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے انکار کے باعث علیحدگی کی جائے۔ ایسی صورت میں (علیحدگی کا) جوڑا امر مستحب نہیں ہے کیوں کہ امر مستحب ایک کار ثواب ہے جس کی توقع

Marfat.com

مسلمان ہی سے ہوسکتی ہے۔

''متعہ'' سے مراد ایک لباس یا اس کی قیمت ہے جو مفوضہ عورت کو (جس نے بلا مہر نکاح کیا ہو۔ اور مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی ہو) نصف مہر کے عوض دیا جائے۔ اگرچہ خاوند پر یہ واجب نہیں ہے کہ نصف مہر سے زیادہ کچھ ادا کرے متعہ (طلاق کے جوڑے) کی حیثیت لوگوں کے اپنے اپنے حالات کے مطابق مختلف ہوگی۔ اگر دونوں کسی جوڑے پر راضی ہو جائے تو فبہا ورنہ بقول صحیح حاکم شرع خاوند اور بیوی کی حیثیتوں کے پیش نظر اس کا تعین کرے گا۔ یعنی اگر وہ خوشحال ہیں تو اعلیٰ قسم کے کپڑے کا جوڑا تیار کیا جائے گا اگر ایک فریق خوشحال اور دوسرا محتاج ہے تو جوڑا اوسط درجے کا ہوگا۔

فقہاء نے اس کی تفصیل یہ بتائی ہے کہ اس میں ایک کپڑا تو وہ ہوگا جو عورت کے سر کو ڈھک سکے جسے طرحہ (اوڑھنی) کہتے ہیں اور ایک ملحفہ (چادر) ہوگی جس سے مراد وہ کپڑا ہے جس میں عورت سر سے پاؤں تک ڈھک جائے۔ اسے 'ملاۃ' یا 'شقہ' کہتے اور ملحفہ و ازار (تہ بند) کے ایک ہی معنی ہیں لیکن اگر ازار کے ساتھ کوئی اور لباس درکار ہو تو 'ازار' اور 'ملحفہ' دونوں کو مختلف لباس تصور کیا جائے گا اور 'ازار' سے مراد وہ لباس ہوگا جو 'ملحفہ' کے نیچے پہنا جاتا ہے۔ الغرض لباس کا مقصد یہ ہے کہ وہ ایسا ہو جسے دستور کے مطابق پہن کر ایک عورت ہر جگہ جا سکتی ہو لہٰذا فی زمانہ متعہ میں مثلاً ایک منقش (پھولدار) کپڑا یا چادر ہے جس کے نیچے' کرتا یا کوئی اور کپڑا ہو اور اس پر ازار یا تہبند ہو اور سر پر طاقیہ (سر ڈھکنے کا کپڑا) جسے خاصہ کہتے ہیں یا رومال ہو۔ علی اختلاف احوال۔ اگر (کپڑے) کی بجائے خاوند اس کی قیمت دے دے تو لازم ہے کہ عورت اسے قبول کر لے تاکہ جو کچھ مناسب سمجھے' خرید سکے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نکاح تفویض بغیر مہر کے نکاح کو کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک تفویض مہر (یعنی مہر کا معاملہ کسی اور کے سپرد کر دینا) مثلاً عورت اپنے ولی کو اختیار دے دے کہ وہ جس مہر پر چاہے نکاح کر دے۔ دوسری قسم تفویض بضع ہے (یعنی اپنے وجود کا سپرد کر دینا) مثلاً عورت ولی کو یہ اختیار دے دے کہ وہ بغیر مہر کے نکاح کر دے۔ یعنی نہ سر دست کوئی مہر ہو اور نہ مباشرت کے بعد۔ ایسی عورت کو مفوضہ (بکسر واو) (یعنی سپرد کرنے والی) کہا جاتا ہے کیوں کہ وہ اپنا معاملہ ولی کے سپرد کر دیتی ہے اور اسے مفوضہ (بفتح واو) (سپرد کی گئی) بھی کہہ سکتے ہیں کیوں کہ ولی اس کا معاملہ خاوند کے سپرد کر دیتا ہے۔

واضح ہو کہ ایک عورت اپنا معاملہ اسی صورت میں ولی کے سپرد کر سکتی ہے جب کہ وہ رشیدہ (سمجھدار) ہو اگر وہ عورت بے وقوف (یا نادان) ہے تو اس کا سپرد کرنا محض شادی کی اجازت دینا متصور ہوگا کہ وہ ان شرائط کے ساتھ جن کا ذکر ولی کے بیان میں ہو چکا ہے' اس کی شادی کر دے۔ پس اگر کسی عورت نے صرف اتنا کہا کہ آپ میری شادی کر سکتے ہیں اور مہر کا کوئی ذکر نہیں کیا تو یہ نہ تفویض مہر ہے اور نہ تفویض بضع کیوں کہ شادی کا عام مفہوم یہی ہے کہ نکاح کے ساتھ مہر کا ہونا ضروری ہے۔

نکاح تفویض کے متعلق یہ حکم ہے کہ اگر کسی عورت سے شہر کے رائج الوقت نقدی کا مہر مثل باندھ کر عقد کیا تو جس قدر مہر مقرر ہوا وہی لاگو ہو جائے گا ورنہ اگر شادی بغیر مہر کی شرط پر کی یا شہر کی رائج الوقت نقدی کا حق مہر نہیں باندھا گیا۔ یا مہر کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا گیا تو مباشرت کے بعد مہر مثل واجب ہوگا اسی طرح موت واقع ہو جانے سے بھی مہر مثل واجب

Marfat.com

ہوگا۔اور اگر مہر مثل کے تعین سے پہلے طلاق ہو جائے اور ہنوز مباشرت نہ ہوئی ہو تو کوئی مہر واجب الاداء نہ ہوگا۔البتہ متعہ (جوڑا) واجب ہوگا لیکن اگر مہر کے تعین سے پہلے موت واقع ہو جائے تو مہر مثل عائد ہو جائے گا۔کیوں کہ عقد تفویض کی صورت میں موت واقع ہو جانا' وجوب مہر کے بارے میں مباشرت کے برابر ہے خواہ مہر مثل مقرر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے۔اگر دونوں کی رضامندی سے کوئی صحیح مہر طے پا گیا ہو یا قاضی نے باہمی تنازع کے فیصلہ میں (کوئی حق مہر) طے کر دیا ہو اور خاوند نے مباشرت کرنے سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی تو وہ طے شدہ مہر کے نصف کی حقدار ہوگی۔اگر بعد میں شراب جیسا کوئی (حرام) مہر قرار پایا اور عورت اس پر راضی ہو گئی لیکن خاوند نے مباشرت سے پہلے طلاق دے دی تو وہ نصف مہر کی مستحق نہ ہوگی۔ہاں متعہ (جوڑا) کی حقدار ہوگی جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔یہ حکم اس صورت کے برخلاف ہے جب کہ عقد کے وقت مہر فاسد مقرر ہوا اور مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی تو عورت نصف مہر مثل کی حقدار ہوگی جیسا کہ اوپر بتایا گیا اور اگر مہر فاسد مقرر ہوا اور دونوں ایک ساتھ اس پر راضی ہو گئے تو یہ مہر درست ہوگا۔بصورت دیگر درست نہ ہوگا۔اگرچہ وہ خاوند کے مال میں سے ہو۔اور شافعیہ کے نزدیک مہر مثل کا تعین عورت کی اس حیثیت کے اعتبار سے ہوگا جو عقد کے وقت تھی چنانچہ اگر مثلاً عقد کے وقت وہ صاحب جمال تھی لیکن مباشرت کے وقت آنے تک کوئی ایسا عارضہ پیش آیا جس سے اس کی وہ خوبصورتی جاتی رہی تو بقول صحیح اس کے مہر مثل کا تعین عورت کی اس حالت کے پیش نظر کیا جائے گا جو عقد نکاح کے وقت تھی۔

مفوضہ کو حق ہے کہ وہ اس وقت تک خاوند کے پاس جانے سے باز رہے جب تک کہ مہر کا فیصلہ نہ ہو جائے۔اگر خاوند مہر کا تصفیہ کرنے سے انکار کرے تو معاملہ قاضی (حاکم شرع) کے سپرد کیا جائے گا تا کہ وہ مہر کا تعین کر دے۔اب اگر مباشرت سے پہلے مفوضہ کو طلاق ہو گئی اور ہنوز کوئی مہر مقرر نہ ہوا تھا تو عورت کے لئے متعہ واجب ہو جائے گا اور اس صورت میں بھی متعہ کا مال خاوند کو ادا کرنا واجب ہوگا جب کہ مباشرت سے پہلے عورت کو چھوڑ دیا ہو اور عورت کو کچھ نہ ملا ہو۔یا مباشرت کے بعد چھوڑا ہو گو اسے پورا مہر مل گیا ہو اس حکم سے چند امور مستثنیٰ ہیں۔ایک یہ ہے کہ مفوضہ عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی لیکن عقد کے بعد مہر مقرر ہو گیا تھا تو اسے نصف مہر ملے گا۔اسی طرح اس صورت میں جب کہ عورت کو نصف مہر ملا ہو کوئی جوڑا واجب نہ ہوگا۔دوسرے اس صورت میں جب کہ علیحدگی کی ذمہ دار صرف بیوی ہو یا دونوں بیک وقت ذمہ دار ہوں مثلاً یہ کہ دونوں ایک ساتھ مرتد ہو جائیں تیسرے یہ کہ دونوں میں کسی کی موت واقع ہو جائے۔موت کے بعد کوئی متعہ واجب نہیں ہوتا۔اور لعان کی وجہ سے جو تفریق ہوتی ہے اس کا ذمہ دار چونکہ خاوند ہوتا ہے اس لئے متعہ (جوڑا دینا) اس پر واجب ہے۔اور خاوند کے مخنث (یا نامرد) ہونے کے باعث جو تفریق ہوتی ہے اس کی ذمہ دار عورت کو تصور کیا جائے گا۔اس لئے جوڑے کی حقدار نہ ہوگی۔

واضح ہو کہ متعہ واجب کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے۔تاہم جوڑا کم سے کم ایسا ہونا چاہئے جس کی کوئی مالیت ہو زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔اگر مال متعہ کی خاص مقدار پر میاں بیوی راضی ہو جائے تو وہی متعہ قرار پائے گا۔ورنہ حاکم شرع دونوں کے حالات کے پیش نظر اپنی رائے سے کوئی مقدار متعہ متعین کر دے گا مستحب یہ ہے کہ اس کی قیمت تیس درہم سے کم اور نصف مقدار مہر سے زیادہ نہ ہو۔

Marfat.com

مالکیہ کہتے ہیں کہ نکاح تفویض وہ عقد ہے جس میں مہر مقرر نہ ہوا ہو نکاح تفویض لفظ ہبہ سے ہو جاتا ہے جبکہ مہر کا تعین نہ تو کسی کے فیصلہ پر منحصر رکھا گیا ہو اور نہ دونوں نے یہ طے کر لیا ہو کہ عقد نکاح میں کوئی مہر نہ ہوگا۔ اس کی مثال یہ ہے ایک شخص کسی سے صرف یہ کہے کہ میں نے اپنی بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ کر دی اور مہر کا کوئی ذکر نہیں کیا اور نہ باہم یہی طے ہوا کہ کوئی مہر نہ ہوگا اور خاوند کہے کہ میں نے یہ (عقد) قبول کیا' تو اسے نکاح تفویض کہتے ہیں' اور ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ آئندہ ذکر کیا جائے گا اب اگر نکاح کرنے کے ارادہ سے یوں کہے کہ میں اپنی بیٹی تمہیں ہبہ کرتا ہوں۔ اور مہر کا کوئی ذکر نہ ہوا اور خاوند اس کے جواب میں کہے کہ میں نے قبول کیا تو یہ عقد فاسد ہوگا اور مباشرت سے پہلے پہلے قابل فسخ ہے۔ اگر مباشرت ہو جائے تو اس کے بعد یہ عقد ثابت اور مہر مثل لازم ہو جائے گا۔ جیسا کہ الفاظ نکاح کے بیان میں بتایا گیا۔ لیکن اگر یوں کہا کہ میں اپنی بیٹی کو بطور تفویض ہبہ کرتا ہوں (یا دیتا ہوں) تو لفظ تفویض کی صراحت سے یہ عقد تفویض ہو جائے گا۔

(نکاح تفویض کی تعریف میں) یہ جو کہا گیا ہے کہ ''مہر کا تعین کسی کے فیصلہ پر منحصر نہ ہو'' اس شرط سے نکاح تحکیم خارج ہو گیا (نکاح تحکیم وہ ہے جس میں مہر کا فیصلہ کسی اور شخص کے سپرد کر دیا گیا ہو)۔ عقد تحکیم بھی ایک ایسا عقد ہے جس میں مہر کا تعین نہیں ہوتا اور (نکاح کے لئے) لفظ ہبہ استعمال کیا جاتا ہے باقی مہر کا تصفیہ کسی اور شخص کے فیصلہ پر اٹھا رکھا جاتا ہے۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ میں اپنی بیٹی کی شادی تو تمہارے ساتھ کئے دیتا ہوں اور مہر کا تعین فلاں صاحب کریں گے۔ اور (تعریف تفویض میں) یہ جو کہا گیا ہے کہ ''دونوں نے یہ نہ طے کر لیا ہو کہ مہر نہ ہوگا'' اس شرط سے وہ نکاح نکل گیا' جس میں یہ شرط ہو کہ سرے سے مہر ہی نہ ہوگا ایسا عقد' فاسد' ہے اور مباشرت سے پہلے فسخ ہو جائے گا۔ اگر مباشرت ہو جائے تو مہر مثل عائد ہوگا اور عقد ہو جائے گا جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ دونوں نے جان بوجھ کر (مغصوبہ یا) ناجائز قبضہ کئے ہوئے مال کو حق مہر قرار دیا ہو۔

نکاح تفویض کا حکم یہ ہے کہ وہ بالاتفاق جائز عقد ہے اور اسی طرح نکاح تحکیم بھی جائز ہے۔ اس میں مباشرت کے بعد عورت مہر مثل کی حقدار ہو جاتی ہے اگرچہ یہ مباشرت ممنوع حالت مثلاً بحالت حیض یا نفاس کی جائے۔ یا ایسی حالت میں کی جائے جب کہ دونوں میں سے کوئی شخص ایسی عبادت میں مصروف ہو جس میں مباشرت ممنوع ہے مثلاً حالت احرام حج یا روزہ رمضان میں۔ درآنحالیکہ مباشرت کرنے والا خاوند بالغ ہو اور عورت بھی بڑی ہو جو مباشرت کے لائق ہو۔ اگر وہ مرد بالغ نہ ہو یا عورت بہت صغیر سن ہو کہ مباشرت کے قابل نہیں ہے تو ایسی حالت میں مباشرت ہو بھی جائے تو عورت مہر کی حق دار نہ ہوگی کیوں کہ یہ مباشرت نہ ہونے کے برابر ہے۔

اگر تخلیہ یا مباشرت سے پہلے طلاق ہو جائے یا دونوں میں سے کسی کی موت واقع ہو جائے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا خاوند نے طلاق یا موت سے پہلے کوئی مہر مقرر کیا ہے یا نہیں؟ اگر مہر مقرر نہیں ہوا تب تو عورت کو کچھ نہ ملے گا اور اگر مہر مقرر کیا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ آیا وہ مہر مثل ہے یا اس سے کم ہے اور بہر دو صورت عورت اس پر راضی تھی یا نہیں؟ پس اگر مہر مثل ہے یا اس سے کم ہے اور بہر دو صورت عورت اس پر راضی تھی یا نہیں؟ پس اگر مہر مثل مقرر ہوا اور عورت کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ مہر طلاق سے پہلے مقرر کیا گیا تھا اور یہ دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو وہ نصف مہر کی حق دار ہوگی خواہ اس کی رضا

Marfat.com

مندی ثابت ہو یا نہ ہو۔ کیوں کہ مہر مثل رضا مندی کے بغیر ثابت ہوتا ہے اور (وفات کی صورت میں) اگر اس کا یہ دعویٰ ہے کہ خاوند نے وفات سے پہلے یہ مہر مقرر کیا تھا اور یہ دعویٰ ثابت ہو جائے تو وہ پورا مہر لے گی قطع نظر اس کے کہ وہ اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔ اور اگر مہر مثل سے کم حق مہر مقرر ہوا اور شہادت سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ طلاق ملنے سے پہلے وہ عورت اس پر راضی تھی تو طلاق کے بعد نصف مہر کی اور موت کے بعد پورے مہر کی حق دار ہو گی لیکن اگر یہ ثابت نہ ہو کہ طلاق یا موت سے پہلے وہ اس مہر کو مانتی تھی تو وہ کسی شے کی حق دار نہ ہو گی اور اس کا یہ دعویٰ کہ وہ اس پر راضی ہو گئی تھی بلا شہادت قبول نہ کیا جائے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مباشرت سے پہلے طلاق ہو جائے یا موت واقع ہو جائے تو بیوی کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔ البتہ اگر ایسی شہادت موجود ہو کہ طلاق یا موت سے پہلے مہر قرار دیا گیا تھا اور اس کے ثابت ہونے کے بعد یہ بھی ثابت ہو جائے کہ مہر مثل طے ہوا تھا تو موت کے بعد پورے مہر کی حق دار ہو گی اور طلاق کے بعد آدھے مہر کی۔ قطع نظر اس سے کہ وہ راضی ہو یا نہ ہو۔ اور اگر یہ ثابت ہوا کہ مہر مثل سے کم حق مہر مقرر پایا تھا تو ضروری ہے کہ یہ بھی ثابت ہو کہ موت یا طلاق سے پہلے وہ عورت اس پر راضی ہو گئی تھی اگر یہ ثابت نہ ہو تو اسے کچھ نہ ملے گا واضح ہو کہ عورت کو یہ حق ہے کہ مرد کے پاس جانے سے پہلے اپنے مہر کا تعین کرا لے اس سے پہلے خاوند کے پاس جانا مکروہ ہے۔

امور مندرجہ بالا میں نکاح تحکیم کا بھی وہی حکم ہے جو نکاح تفویض کا ہے۔ کہ اگر مباشرت کے بعد طلاق دی گئی تو مہر مثل واجب الاداء ہو گا۔ اور اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی یا وفات واقع ہو جائے تو وہی حکم ہے جو نکاح تفویض کی صورت میں ہے۔ اگر مہر کا فیصلہ کرنے والا خود خاوند ہوا اور اس نے مہر مثل مقرر کیا تو عورت کو اسے قبول کرنا اور خاوند کو ادا کرنا لازم ہو گا۔ لیکن اگر خاوند نے ہنوز کوئی تصفیہ نہیں کیا تھا اور مباشرت سے پہلے طلاق دے دی تو اس کے ذمہ کچھ عائد نہ ہو گا۔ اگر (مہر کا) تصفیہ عورت پر یا کسی اور شخص پر چھوڑا گیا اور اس نے مہر مثل مقرر کیا تو کہا جاتا ہے کہ یہ خاوند پر لازم ہو جائے گا خواہ وہ اس پر راضی ہو یا نہ ہو اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک خاوند راضی نہ ہو اس کے ذمہ کچھ لازم نہ ہو گا۔ چنانچہ اگر تصفیہ ہونے سے پہلے طلاق ہو جائے تو خاوند پر کچھ لازم نہ ہو گا اور اس بارے میں قابل وثوق بات یہ ہے کہ جب تک دونوں یعنی فیصلہ کرنے والا اور خاوند راضی نہ ہو جائیں اس کے ذمہ کچھ نہ ہو گا۔ خواہ فیصلہ کرنے والا کوئی اور شخص ہو یا بیوی ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نکاح تفویض کا اطلاق چند صورتوں میں ہوتا ہے:

ایک یہ کہ 'مجبر باپ' (یعنی جسے بغیر پوچھے نکاح کرنے کا حق ہے) بغیر مہر کے شادی کرنے کا مجاز بنا دیا گیا ہو اور وہ شادی کر دے۔

دوسرے یہ کہ عورت نے اپنے ولی کو اجازت دے دی ہو کہ وہ اس عورت کی شادی بلا مہر کے کر دے۔ دونوں حالتوں میں اس عورت کو 'مفوضہ بضع'' (یعنی وہ عورت جس نے اپنے عقد کے بارے میں اپنے تئیں ولی کے سپرد کر دیا ہو) کہا جائے گا۔

تیسرے یہ کہ خاوند نے مہر کے تقرر کا معاملہ خود عورت کے سپرد کر دیا ہو کہ اپنا مہر خود جس قدر چاہے مقرر کر لے۔

Marfat.com

یہی صورت یہ بھی ہے کہ عورت کے مہر کا معاملہ کسی اور کے سپرد کر دیا جائے کہ فلاں شخص جس قدر مہر چاہے باندھ کر اس عورت کی شادی کر دے۔ ایسی صورت میں اس عورت کو مفوضہ مہر (بفتح واو) کہا جائے گا۔ یہی آخری صورت مالکیہ کے نزدیک نکاح تحکیم ہے۔

حنابلہ کے نزدیک نکاح تفویض کی تمام صورتوں کا حکم یہ ہے کہ یہ عقد درست ہے اور تمام صورتوں میں عقد کے ساتھ مہر مثل عائد ہو جائے گا لیکن واجب الاداء مباشرت یا خلوت کے بعد ہوگا۔ درآنحالیکہ اس کا تعین مباشرت یا خلوت یا دونوں میں سے کسی کی موت واقع ہو جانے سے پہلے ہو گیا ہو۔ اگر مباشرت یا خلوت سے پہلے اور یا اس سے پہلے کہ حاکم نے مہر متعین کر دیا ہو یا کسی مہر پر وہ دونوں راضی ہو گئے ہوں طلاق ہو جائے تو خاوند کی حیثیت کے مطابق متعہ (جوڑا) واجب ہو جائے گا۔ اور کم سے کم (جوڑے کا) لباس یہ ہے کہ اسے پہن کر نماز پڑھی جاسکے۔ اس میں کم از کم کرتا یا قمیض اور سر ڈھکنے کو دوپٹہ یا اوڑھنی اور جامہ ہے جس میں نماز ادا ہو جائے۔ لیکن اگر عورت کے ساتھ تخلیہ یا مباشرت ہوئی یا اس کا بوسہ لیا خواہ سب کے سامنے ہو یا اسے برہنہ دیکھا ہو یا جنسی خواہش کے ساتھ ہاتھ لگایا خواہ دوسروں کی موجودگی میں ہو۔ غرض ایسی کوئی بات بھی ہو جس کا کرنا (خاوند کے سوا) کسی اور کے لئے حلال نہیں ہے' تو مہر مثل لاگو ہو جائے گا۔ اسی طرح دونوں میں سے کسی کی موت واقع ہو جانے سے بھی مہر عائد ہو جاتا ہے اگرچہ حاکم نے کوئی امر متعین نہ کیا ہو یا اس نے مہر مثل متعین کر دیا ہو یا اس قدر بغیر کمی بیشی کے متعین کر دیا ہو جتنا عورت کا مطالبہ تھا خواہ وہ مہر مثل ہو یا اس سے کم وبیش ہو بہر حال حاکم کا فیصلہ تسلیم کرنا دونوں میاں بیوی پر لازم ہے۔ اور حاکم کا تجویز کردہ مہر طے شدہ مہر کی مانند قرار دیا جائے گا۔ نیز اگر میاں بیوی دونوں کسی مہر پر (بغیر فیصلہ حاکم کے) راضی ہوں تو خواہ وہ مہر تھوڑا ہو یا بہت دونوں کے لئے واجب التسلیم ہوگا۔ اب اگر مہر کے تعین کے بعد مباشرت یا لوازمات مباشرت کے عمل میں لانے سے پہلے طلاق ہو جائے تو وہ عورت قرار یافتہ مہر کے نصف کی (نکاح میں) طے شدہ مہر کی طرح حق دار ہوگی اور جس طرح کہ جوڑے کا لباس اس صورت میں واجب ہوتا ہے جس کہ مفوضہ عورت کا مہر مقرر نہیں ہوا ہو اور اسے مباشرت وغیرہ سے پہلے طلاق ہو جائے اسی طرح اس صورت میں بھی واجب ہوتا ہے جب کہ مہر فاسد' جیسے شراب اور سور وغیرہ مقرر ہوا۔ جس کا ذکر شرائط مہر کے بیان میں کیا گیا۔

واضح ہو کہ اگر علیحدگی کا موجب عورت ہو تو وہ نہ مہر کی مستحق ہوگی اور نہ جوڑے کی۔ خواہ کوئی مہر قرار پایا ہو یا نہ پایا ہو۔ چنانچہ لعان کی صورت میں علیحدگی کی نوبت آ جائے (یعنی خاوند نے بیوی پر الزام لگایا ہو اور موکد بہ لعنت قسم کھالی ہو ادھر بیوی نے بھی بریت کی قسم موکد بہ لعنت کھالی ہو) اور اس کے بعد دونوں میں تفریق کرا دی جائے تو اس صورت میں عورت کا کچھ حق نہ ہوگا کیوں کہ یہ تفریق اس کی وجہ سے اور اس کے حلف لعان کے بعد ہوئی۔ اسی طرح اگر دونوں کی علیحدگی عورت کے کسی جنسی عیب یا کسی مرض کے باعث ہوئی یا اس کی شادی مسلمان سے ہوئی اور وہ مرتد ہو جائے یا کافر سے ہوئی اور مسلمان ہو جائے یا وہ اپنی سوکن کو (جو ہنوز شیر خوار ہے) وہ اپنا دودھ پلا دے (ان صورتوں میں بھی علیحدگی کی ذمہ دار عورت ہی کو قرار دیا جائے گا) اگر علیحدگی کا ذمہ دار خاوند ہو تو عورت کو طے شدہ مہر کا نصف اور اگر کوئی مہر قرار نہ پایا ہو تو متعہ (جوڑا) عورت کو ملے گا جیسا کہ بتایا گیا۔

Marfat.com

مہر کے مال میں میاں بیوی کے تصرف ہبہ وفروخت وغیرہ کا بیان

واضح ہو کہ باقاعدہ عقد نکاح ہو جانے پر مہر کا مال کلیۃً بیوی کی ملکیت ہو جاتا ہے تاہم کلی یا جزوی طور پر اس کے ساقط ہو جانے کا احتمال رہتا ہے۔ لہٰذا اگر اس میں بیوی تصرف کرے۔ یعنی فروخت کر دے یا رہن رکھ دے تو وہ لاگو ہو جائے گا۔ اب اگر بیوی نے مباشرت سے پہلے اس میں تصرف کیا مثلاً خود خاوند کو (مال مہر) ہبہ کر دیا اور خاوند نے مباشرت سے پہلے طلاق دے دی تو اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

یہ تمام باتیں اس صورت میں ہیں جب کہ مباشرت یا خلوت وغیرہ جس سے مہر ثابت اور لاگو ہو جاتا ہے' سے پہلے علیحدگی ہو جائے۔ بصورت دیگر مباشرت کے بعد مہر ساقط نہ ہوگا اگر علیحدگی کی ذمہ دار بیوی ہو۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی درآنحالیکہ بیوی نے مہر قبول کر لیا تھا تو آدھا مہر کسی حاکم کے فیصلہ کے بغیر خاوند کی ملکیت ہو جائے گا۔ اس کے لئے حاکم کے فیصلے یا بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔ اگر تفریق کی ذمہ دار بیوی ہو تو تمام مہر خاوند کو واپس ہو جائے گا۔ اگرچہ وہ مال مہر ایسی چیز ہو جو (خاوند کے علاوہ) کسی اور نے بطور خیر سگالی کے دیا ہو۔ ایسی صورت میں طلاق ہونے کے بعد ہی جس قدر مہر کا خاوند حق دار ہے اسے حق تصرف اس میں حاصل ہو جائے گا۔ پس اگر بیوی کا مہر ایک گھوڑا تھا اور ہنوز اس نے وہ گھوڑا اسے دیا نہ تھا کہ مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی تو خاوند کو حق ہے کہ نصف گھوڑا فروخت کر دے۔ اگر وہ گھوڑا بیوی کے قبضہ میں تھا اور مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی اور بیوی کی اجازت یا حاکم کے فیصلے کے بغیر نصف گھوڑا خاوند نے فروخت کر دیا تو یہ فروخت لاگو نہ ہوگی کیوں کہ اس گھوڑے پر (بیوی کا) قبضہ عقد صحیح کی بنیاد پر ہوا تھا جو ملکیت کے اسباب میں سے ہے۔ لہٰذا گھوڑے کی ملکیت زائل نہیں ہوئی تاآنکہ قاضی فسخ ملکیت کا فیصلہ نہ کرے۔ لیکن اگر بیوی نے قابض ہونے کے بعد پورے گھوڑے پر یا اس کے کچھ حصہ پر تصرف کیا (یا حق مالکانہ استعمال کیا) تو حاکم کے فیصلے اور خاوند کی اجازت کے بغیر اس کا تصرف لاگو متصور ہوگا۔ تاہم اگر بیوی نے اس پر اپنا مالکانہ حق استعمال کیا اور مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی تو جس روز اس نے قبضہ حاصل کیا تھا اس روز جو قیمت مال مہر کی تھی وہ بیوی پر واجب الاداء ہوگی۔ درآنحالیکہ وہ شے مالیتی ہو اگر مثلی شے ہو تو اسے وہی جنس آدھی واپس کرنا ہوگی' کیوں کہ قبضہ کرنے کے بعد (مہر کا وہ حصہ) اس کی ذمہ داری میں تھا۔ پس اگر مثلاً اس نے (پورا مال مہر) فروخت کر دیا اور فروخت لاگو ہوگئی بعد میں خاوند نے مباشرت سے پہلے طلاق دے دی اور اب اس کا آدھا واپس کرنا دشوار تھا تو قبضہ والے دن جو اس کی قیمت تھی اس کے نصف کی ذمہ دار ہوگی۔ اگر مثلاً قبضہ کے وقت اس کی مالیت بیس تھی لیکن بعد میں کم ہو گئی تو بیس ہی کا نصف واجب الادا ہوگا۔ اور اس کے برعکس ہو تو اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ پس اگر مہر پر (بیوی کا) قبضہ ہونے کے بعد اس کی مالیت بڑھ گئی تو اس زیادتی میں خاوند کو کچھ حق نہ ہوگا۔ یعنی اصل مالیت کے نصف سے زیادہ کا حقدار نہ ہوگا۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

Marfat.com

اگر بیوی نے مہر کی شے کو فروخت کر دیا یا کسی شے کے معاوضہ میں ہبہ کر دیا اور وہ معاوضہ ہنوز وصول نہ کیا تھا' تب بھی اس کا یہ تصرف روا ہوگا۔ اور اگر مباشرت سے پہلے اسے طلاق ہوگئی تو بوقت فروخت اس کی جو مالیت تھی اس کا نصف واپس کرنا ہوگا۔ چنانچہ اگر فروخت کے وقت اس کی مالیت بیس تھی اور بعد میں اس کی قیمت گھٹ گئی تب بھی اسے دس ہی واپس کرنا لازم ہوگا اور اگر اجناس مثلی میں سے ہے تو اس کا مثل نصف واپس کرنا ہوگا اور بہر حال ایسی شے کی نصف مالیت واپس نہ کی جائے گی جیسا کہ بتایا گیا۔

اگر عورت اپنا مال مہر کسی کو ہبہ کر دے (بخش دے) تو درست ہے اس پر اس کے ولی یا کسی اور کو اعتراض کا حق نہیں ہے درآنحالیکہ اس عورت کو نااہل معاملہ نہ قرار دیا گیا ہو۔ لیکن اس معاملہ کی دو صورتیں ہیں یا تو بیوی نے خاوند کے علاوہ مال مہر کسی اور کو ہبہ کر دیا یا خاوند کو ہبہ کیا اگر خاوند کے علاوہ کسی اور شخص کو ہبہ کیا اور وہ شخص اس پر قابض ہو گیا اور مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی تو خاوند نصف مہر کا مطالبہ بیوی سے کرے گا۔ خواہ وہ مہر نقدی کی صورت میں ہو یا کوئی شے ہو۔ لیکن عورت کو اس اجنبی شخص سے ہبہ شدہ شے کی واپسی کے مطالبہ کا حق ہوگا۔ اگر بیوی نے اپنا مہر خاوند کو ہبہ کر دیا ہے تو دیکھنا ہوگا کہ پورا مال مہر ہبہ کیا ہے یا کچھ حصہ کیا ہے اور بہر دو صورت وہ مال مہر یا تو نقدی ہوگا یا جنسی اور یہ کہ ہبہ قبضہ لینے سے پہلے ہی کر دیا یا قبضہ حاصل کرنے کے بعد کیا۔ اگر وہ مال نقدی ہے اور کل مال قبضہ لینے کے بعد ہبہ کیا ہے تو وہ ہبہ لاگو ہو جائے گا اور اب اسے کسی طرح بھی خاوند سے واپسی کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔ کیوں کہ بیوی خاوند کو جو کچھ بھی ہبہ کرے وہ اسی طرح لاگو ہوتا ہے جس طرح خاوند کا بیوی کو کچھ ہبہ کرنا۔ لہٰذا اس کی واپسی ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی اور وہ اپنا تمام مال مہر خاوند کو ہبہ کر چکی ہے تو اب اس ہبہ کی واپسی درست نہیں ہے اور وہ مال مہر اس ہبہ کی وجہ سے خاوند کا حق ہو جائے گا۔ اور اگر مباشرت سے پہلے خاوند نے طلاق دی تو وہ نصف مہر کی واپسی کا حق دار ہو جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا خاوند کو بیوی سے نصف مہر کے مطالبہ کا حق ہبہ شدہ مال کے علاوہ ہوگا؟ یا یہ سمجھا جائے گا کہ بیوی نے پورا مہر بطور مہر کے ہبہ کیا ہے اور اس کے سوا اب اس کے پاس کوئی مال مہر ہی نہ تھا کہ خاوند نصف کی واپسی کا مطالبہ کرے لہٰذا وہ اب مزید کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر عورت کا مہر ایک ہزار اشرفی تھا اور اس نے وہ ہزار اشرفی لے کر بطور مہر کے اسے ہبہ کر دیا تو خاوند ایک ہزار اشرفی کا مالک متصور ہوگا اس کے بعد اس خاوند نے مباشرت سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی تو وہ نصف مہر یعنی پانچ سو اشرفی کا حق دار ہو گیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا یہ پانچ سو اس مال مہر میں داخل (یعنی ادا شدہ) متصور ہوں گے جو بیوی نے اپنے خاوند کو ہبہ کر دیا یہ اس میں داخل متصور نہ ہوں گے کیونکہ نقد رقم یعنی درہم و دینار اور اشرفی کو متعین (مہر) کیا جائے تو وہ متعین نہیں ہوتے (یعنی وہی مخصوص اشرفیاں وغیرہ مہر قرار نہیں پاتیں بلکہ کوئی سی بھی ہزار اشرفی ہو وہ مہر متصور ہوگی) لہٰذا وہی مخصوص ہزار اشرفیاں جنہیں بیوی نے وصول کر کے خاوند کو ہبہ کیا مہر (کی واپسی) تصور نہیں کیا جائے گا لہٰذا بیوی کو لازم ہوگا کہ ہبہ کرنے کے بعد ان اشرفیوں کے علاوہ جو ہبہ کی گئیں واپس کرے۔ اور مباشرت سے پہلے طلاق ہوئی ہے تو وہ ایک ہزار (مہر) کی نصف رقم (مزید) واپس کرے گی۔ کیوں کہ نقدی کے متعین کرنے سے وہ متعین نہیں ہوتی اور اس کا مہر ان مخصوص ایک ہزار اشرفیوں پر منحصر نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر اس نے (دیتے وقت) یہ بھی کہا ہو کہ میں نے اپنے مہر کے ہزار تمہیں ہبہ کیا۔ تب بھی (اس نقدی کے ہبہ کرنے سے مہر کا ہبہ متصور

Marfat.com

نہ ہوگا)۔ بلکہ یوں کہنا کہ میں اپنے مہر کے ایک ہزار تمہیں ہبہ کرتی ہوں اور یا مہر سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ کہنا کہ میں ایک ہزار تمہیں ہبہ کرتی ہوں ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ غرض مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی تو عورت نصف مہر کی حقدار ہوگی۔ ہبہ شدہ ایک ہزار کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر بیوی نے اپنا ایک ہزار مہر وصول کرنے سے پہلے خاوند کو ہبہ کر دیا اور مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی تو دونوں میں سے کسی کا کوئی مطالبہ دوسرے پر نہ ہوگا۔ کیوں کہ مہر جو خاوند کے ذمہ مقرر ہوا اسے بیوی نے ہبہ کر دیا تو اب اس کے بعد کوئی مہر باقی نہ رہا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ ایک ہزار کا مہر لینے کے بعد ایک ہزار کا نصف مہر خاوند کو ہبہ کر دیا اور مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی تو ایک کا کوئی مطالبہ دوسرے پر نہ ہوگا کیوں کہ نصف مہر تو وہ ہبہ کر چکی باقی نصف خاوند کا قرض ہے (جو اس نے وصول کر لیا) اسی طرح ان صورتوں میں جب کہ نصف مہر وصول کرنے کے بعد تمام وصول شدہ اور باقی ماندہ مہر عورت نے ہبہ کر دیا اور مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی تو کسی کو مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہے کیوں کہ نصف مہر (واجب الوصول) جس پر قبضہ نہیں ہوا وہ ہبہ ہو گیا تو وہ تمام مہر مال معین کی حیثیت میں ہو گیا۔ ہاں اگر نصف مہر سے کم ہبہ کیا ہے تو نصف مہر پورا کرنے کے لئے بقیہ واپس کرنا ہوگا۔

یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ مہر نقدی کی شکل میں ہو لیکن اگر مہر نقدی میں نہ ہو بلکہ حاضر متعین مال تجارت ہو مثلاً یوں کہا جائے کہ یہ کپڑا یا اثاثہ (سامان خانہ) مہر ہوگا یا (اشارہ سے) تعین نہ ہو بلکہ اس شے کی لازمی خصوصیات بتا دی جائیں جو عقد نکاح میں مہر کے لئے صحیح ہے گو بیع میں صحیح نہیں ہے کیوں کہ کسی شے کی لازمی خصوصیات کے بیان کر دینے سے مال فروخت کی تعین نہیں ہوتی جیسا کہ معاملات بیع کے بیان میں جلد دوم کے اندر بتایا گیا ہے یا کسی خاص جانور کو مہر قرار دیا جائے جو اس وقت موجود ہو یا اس کی لازمی خصوصیات بتا دی جائیں مثلاً یوں کہنا کہ یہ گھوڑا یا عربی گھوڑا جوان صفات کا مالک ہو حق مہر ہوگا اور (اس طرح مہر مقرر ہونے کے بعد) عورت اپنی مہر والی شے خاوند کو ہبہ کر دے اور خاوند مباشرت سے پہلے طلاق دیدے تو اب ایک دوسرے کا کوئی مطالبہ نہیں ہو سکتا خواہ عورت نے اس شے پر (جو مہر قرار پائی) قبضہ کیا ہو یا قبضہ سے پہلے ہی ہبہ کر دیا ہو اور اگر وہ شے پوری ہبہ کر دی ہے تب تو معاملہ ظاہر ہے (کہ ختم ہو گیا۔ کیوں کہ مہر ہی کچھ نہ رہا تو واپسی کا سوال پیدا نہیں ہوتا) درآنحالیکہ نصف مہر یا اس سے زیادہ ہبہ کیا ہو۔ خاوند کو نصف مہر کا حق (جو مباشرت سے پہلے) طلاق سے ہوتا وہ مل گیا لیکن اگر آدھے سے کم ہبہ کیا ہے تو عورت اس قدر اور واپس کرے گی جس سے نصف مہر پورا ہو جائے کیوں کہ اس نے مہر کی مخصوص شے کو یا اس شے کو جس کی لازمی خصوصیات بتا دی گئی ہیں ہبہ کیا ہے جس کے باعث وہ شے متعین مال حاضر کی مانند ہے جیسا کہ بتایا گیا۔ پس مباشرت سے پہلے طلاق ہو جانے کی صورت میں اگر آدھا مہر خاوند کو مل چکا ہے تو مزید کسی شے کا حقدار نہ ہوگا۔ اگر بیوی نے اپنے مہر کو جو مال تجارت وغیرہ کی شکل میں ہے خاوند کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے اور پھر مباشرت سے پہلے اسے طلاق ہوگئی تو خاوند اس شے کی نصف مالیت کا جو قبضہ والے دن تھی بیوی سے مطالبہ کرے گا اس دام کے نصف کا مطالبہ نہیں کر سکتا جو اس نے ادا کیا ہے۔

اب رہی وہ صورت جس میں ایسی شے کو مہر قرار دیا گیا ہو جسے پیمانہ سے ناپ کر اور یا وزن سے تول کر سودا کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر حق مہر متعین اور حاضر مال کا ہو مثلاً یوں کہا گیا ہو کہ اس چھتے کے شہد کا ایک سو قنطار حق

Marfat.com

مہر ہوگا (قنطار ایک خاص پیمانہ کا نام ہے) تو یہ مہر مال تجارت کے مہر کی مانند ہے اور اگر مہر کی جنس غیر معین ہے (لیکن اس کی خصوصیات بتادی گئی ہیں) مثلاً یوں کہنا کہ بعلی صعیدی گندم کی بیس بوریاں (حق مہر ہوگا) تو یہ نقدی کے مہر کی مانند ہوگا کہ اگر یہ مہر وصول کرنے سے پہلے ہبہ کر دیا تو اب واپس نہیں لیا جا سکتا اور اگر پانے کے بعد ہبہ کیا تو واپس لیا جا سکتا ہے کیوں کہ وہ درہم و دینار کی طرح غیر متعین متصور ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ (سوال یہ ہے کہ) آیا عقد نکاح کے بعد عورت پورے مال مہر کی مالک ہو جاتی ہے یا نصف مہر کی یا (محض عقد سے) مالک ہی نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک قول صحیح یہ ہے کہ عورت نصف مہر کی مالک ہو جاتی ہے۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ وہ پورے مہر کی مالک ہو جاتی ہے تو اسے مہر پر قابض ہونے سے پہلے اور بعد میں بھی پورے مہر کو تصرف میں لانے کا حق ہے۔ کیوں کہ یہ تصرف اس کی اپنی مملوکہ شے پر ہوگا۔ اگر یہ مانا جائے کہ عورت محض عقد سے مہر کی مطلق مالک نہیں ہوتی اور اس نے مہر میں تصرف بیع وغیرہ کیا اور مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی تو جتنے میں اس کا حق تھا یعنی نصف مہر میں تصرف لاگو ہوگا اور باقی نصف میں جس کا مالک خاوند ہے اس کا تصرف باطل متصور ہوگا۔ کیوں کہ اگرچہ وہ پورے مہر میں سے کسی قدر کی بھی حق دار نہ تھی۔ لیکن طلاق کی وجہ سے وہ نصف کی حقدار ہوگئی لہٰذا نصف میں اس کا تصرف لاگو ہوگا۔ لیکن اس قول کے مطابق جس پر اعتماد کیا گیا ہے کہ وہ نصف مہر کی مالک ہو جاتی ہے اگر وہ تصرف بیع کرنے یا ہبہ کرنے یا آزاد کرنے کا کر لیتی ہے تو یہ تصرف پورے مہر پر لاگو ہوگا کیوں کہ گو وہ نصف کی مالک ہے لیکن دوسرا نصف حصہ اس کے مالکانہ تصرف میں حارج ہے لہٰذا پورے مہر پر تصرف درست ہے اس صورت میں اس قول کو ملحوظ رکھا جائے گا کہ عقد صحیح کے بعد وہ پورے مہر پر تصرف کی مالک ہو جائے گی کیوں کہ بعض ائمہ مالکیہ یہی کہتے ہیں اور باقی ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

اگر عورت نے مال مہر میں تصرف بلا معاوضہ کیا مثلاً ہبہ کر دیا اور مال مہر مثلی اشیاء میں سے تھا تو خاوند نصف مہر مثل کا حقدار ہوگا اور بقول مشہور اس مال کی وہ قیمت لگائی جائے گی۔ جو ہبہ والے دن تھی اور کہا جاتا ہے کہ جس روز عورت کا قبضہ ہوا اس دن جو قیمت تھی وہ لگائی جائے گی۔ اگر عورت نے تصرف بالعوض کیا ہے مثلاً اپنے مہر کے عوض کوئی جانور یا اناج یا گھر خرید لیا تو یہ بیع لاگو ہو جائے گی اور مباشرت سے پہلے طلاق ہو جائے تو خاوند اس مال میں تصرف سے پہلے کے نصف حصہ کا حقدار ہے جس میں عورت نے زیادتی کی ہے لہٰذا اگر وہ شے سولہ کی تھی اور عورت نے اسے دس میں فروخت کیا تو خاوند آٹھ کا حق دار ہے پانچ کا نہیں۔

واضح ہو کہ اگر عورت مال مہر میں تصرف ہبہ کرے تو اس میں چند حالات پیش آ سکتے ہیں۔ ایک حالت یہ ہے کہ ہبہ کرنے والی سمجھدار عورت ہے اور اس نے خاوند کو ہبہ کیا ہے اس کی بھی چند صورتیں ہوں گی ایک یہ کہ مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی عقد کے بعد پورا مہر خاوند کو ہبہ کر دیا اور مباشرت نہیں ہوئی اور طلاق ہوگئی تو اب ایسی صورت میں وہی حکم ہے جو مباشرت سے پہلے طلاق ہو جانے کا ہے۔ یعنی دونوں میں سے کسی ایک کا کوئی حق مطالبہ دوسرے پر نہ ہوگا اور خاوند بدستور مہر کا مالک رہے گا۔ اب اگر خاوند پورا مہر ہبہ ہو جانے کے بعد بیوی کے ساتھ مباشرت کا ارادہ کرے تو اسے مہر کی کم سے کم مقدار یعنی تین درہم یا ایک چوتھائی دینار کا ادا کرنا واجب ہوگا۔

Marfat.com

دوسری صورت یہ ہے کہ عورت عقد کے بعد مہر لے کر مباشرت سے پہلے وہ مہر خاوند کو ہبہ کر دے' ایسی صورت میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی تو دونوں میں سے کسی کا کوئی مطالبہ دوسرے پر نہیں رہے گا لیکن اگر خاوند مباشرت کا ارادہ کرے تو مہر کی کم سے کم مقدار دینے پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ عورت عقد سے پہلے یا بعد میں خاوند کو اپنا مال اس لئے ہبہ کر دے کہ وہ اسے مہر میں دے دے۔ ایسی صورت میں یہ حکم ہے کہ (بموجب قرارداد) اگر اسی مہر پر عقد کر لیا اور مباشرت کا ارادہ کیا تو مہر کی کم سے کم مقدار کا ادا کرنا واجب ہو گا۔ اگر اس شخص نے اس (مال موہوبہ) پر عقد نہیں کیا یا عقد کر لیا لیکن مباشرت سے پہلے طلاق دے دی تو خاوند پر واجب ہے کہ جو کچھ اس سے لیا ہے وہ واپس کر دے کیونکہ اس عورت نے صرف اس لئے دیا تھا کہ وہ شخص اس کا مہر ادا کر دے تو طلاق دینے کے بعد اب اس کو رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ عورت مباشرت کے بعد اپنا مہر خاوند کو ہبہ کر دے خواہ خاوند نے اس پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ ایسی صورت میں اگر ہبہ کرنے کے بعد اس شخص نے طلاق دے دی تو جو کچھ عورت نے ہبہ کیا تھا۔ وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور عورت کا کوئی مطالبہ خاوند پر نہ رہے گا۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ عورت نے اپنے مہر کا کچھ حصہ مباشرت سے پہلے خاوند کو ہبہ کر دیا اور اب خاوند اس کے ساتھ مباشرت کا ارادہ کرتا ہے اور جس قدر مہر عورت کے پاس باقی ہے وہ مہر شرعی تین درہم یا ایک چوتھائی دینار سے کم ہے تو واجب ہے کہ خاوند اس کمی کو پہلے پورا کر دے اور اگر خلوت عروسی سے پہلے طلاق دے دی تو اس پر واجب ہے کہ ہبہ کرنے کے بعد عورت کے پاس جو کچھ رہ گیا ہے اس کا نصف خاوند کو دے دے۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ عورت اپنے مہر کا کچھ حصہ خلوت عروسی کے بعد ہبہ کر دے۔ ایسی صورت میں اگر خاوند نے طلاق دے دی تو اس پر کچھ واجب نہ ہو گا۔ ساتویں صورت یہ ہے کہ عورت مہر وصول کرنے سے پہلے اپنا کل مہر یا مہر کا کچھ حصہ خلوت عروسی کے بعد ہبہ کر دے اور یا خلوت عروسی سے پہلے بایں خیال کہ خاوند ہی کے ساتھ اسے رہنا بسنا ہے اپنا سارا مہر وصول کرنے سے پہلے یا اس کے بعد خاوند کو دیدے لیکن مباشرت سے پہلے یا اس کے بعد خاوند طلاق دے دے یا کسی خرابی کے باعث نکاح فسخ ہو گیا ہو تو ایسی حالت میں خاوند پر واجب ہے کہ جو کچھ اس نے بیوی سے لیا ہے اسے واپس کر دے۔ لیکن یہ علیحدگی عقد کے بعد جلدی ہی ہونی چاہئے یعنی دو سال کے اندر' اگر بیوی کے ساتھ رہتے ہوئے دو سال گزر جائیں تو اب کچھ بھی واپس نہ کیا جائے گا۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ بیوی نے (اپنا مہر) خاوند کو اس قرارداد پر دے دیا ہو کہ وہ دوسری شادی نہ کرے گا۔ لیکن اس نے دوسری شادی کر لی تو جو کچھ لیا ہے وہ واپس کر دے اگرچہ سالہا سال گزرنے کے بعد شادی کی ہو۔ ہاں اگر ایسی قسم کھائی ہے۔ جس کا پورا کرنا اس کے اختیار میں نہیں ہے مثلاً یہ کہ وہ عورت گھر میں نہیں آئے گی لیکن وہ گھر میں آ گئی یا یہ قسم کھائی کہ وہ گھر میں نہیں جائے گا لیکن بھولے سے چلا گیا۔ ایسی صورت میں اختلاف ہے' بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی جو کچھ اس نے بیوی سے لیا اس کا واپس کرنا واجب ہے۔ کیونکہ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ عقد کے فسخ ہونے میں اسے اختیار نہیں تھا اور اس لئے جو کچھ عورت سے لیا ہے اسے واپس کرنا پڑا یا اس کی قسم بے اختیاری میں ٹوٹ گئی یہی قول قوی ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس صورت میں اسے کچھ بھی واپس کرنا نہ

Marfat.com

ہوگا۔

دوسری حالت (ہبہ کے بعد مہر میں تصرف کرنے) یہ ہے کہ ہبہ کرنے والی عورت ناسمجھ ہو۔ایسی عورت اپنا مال مہر خاوند کو دے دے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا ہبہ کرنا قابل اعتبار نہ ہوگا۔پس اگر اس نے اپنا مال مہر کچھ خاوند کو دے دیا کہ وہ بطور مہر اسے دے دے۔اور یہ مال اس کے مہر مثل کے برابر تھا اور خاوند نے اسی طرح (قرارداد کے مطابق) عمل کیا تب تو یہ عقد صحیح ہوگا لیکن خاوند پر واجب ہوگا کہ جو کچھ اس نے لیا ہے وہ عورت کو واپس کر دے اگر ایسا نہ کرے تو اسے اس کے کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔اگر بیوی نے مہر مثل سے کم مال دیا تھا تو واجب ہے کہ وہ مال اسے واپس کر دے اور اپنے مال میں اس کا مہر مثل پورا کرے۔اور یہ جائز نہ ہوگا کہ مہر مثل سے کم حق پر شادی کر لے۔کیونکہ ناسمجھ عورت کے ساتھ مہر مثل کے بغیر شادی درست نہیں ہے سوا اس کے کہ اس کا باپ ایسا کرے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ عورت رشیدہ (سمجھ دار) ہو اور اپنا مہر کسی اور شخص کو دے دے۔اس کی تین صورتیں ہوں گی: پہلی صورت یہ ہے کہ جس شخص کو وہ مال دیا گیا ہے اس نے وہ مال عورت سے یا اس کے خاوند سے وصول کر لیا ہو اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ مہر کا مالک ہے اور نہ اس عورت نے یہ بات بتائی ہو کہ یہ جو اس نے دیا ہے یہ اس کا مہر ہے۔ایسی صورت میں اگر خاوند نے مباشرت سے پہلے طلاق دے دی تو بیوی سے نصف مہر کا مطالبہ کرے گا۔ادھر بیوی کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ اسے خاوند کا دیا ہوا مال جو اس شخص کو اس نے دے دیا ہے اس سے واپس لے لے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جس شخص کو اس نے مال مہر دیا ہے اسے معلوم ہو کہ یہ مال مہر ہے یا اسے پتہ چل جائے کہ یہ مہر کا مال ہے۔ایسی صورت میں بیوی کو حق ہے کہ اس شخص سے نصف مال جو خاوند کا حق ہے واپس لے لے باقی نصف جس کی مالک وہ طلاق کی وجہ سے ہوئی ہے اس کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جس شخص کو مال ہبہ کیا گیا اس نے ہنوز مال پر قبضہ نہ کیا تھا کہ خاوند نے مباشرت سے پہلے طلاق دے دی۔ایسی صورت میں ہبہ لاگو ہو جائے گا اور عورت کو مجبور کیا جائے گا کہ نصف مہر جس کی وہ مالک ہے اس پر ہبہ کا عملدرآمد کرے اور باقی نصف کی بابت بھی خاوند اسے مجبور کرے گا کہ وہ ہبہ شدہ مال اس شخص کو دیدے بشرطیکہ طلاق کے وقت عورت اتنی مالدار رہی ہو کہ اسے دینا آسان رہا ہو۔پس وہ شخص کل مہر کا مالک ہوگا جسے عورت نے ہبہ کر دیا ہے اور خاوند اپنے حصہ کے نصف مہر کا مطالبہ کرے گا کہ وہ اپنے مال میں سے ادا کرے۔اگر طلاق والے روز عورت تنگ حال رہی ہو تو خاوند عورت کو مجبور نہ کرے گا کہ اس کے حصہ والا نصف مہر وہ ہبہ کرے بلکہ جسے ہبہ کیا گیا ہے وہ شخص صرف نصف مہر لے گا اور مزید کا مطالبہ عورت سے نہیں کر سکے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہبہ کا اجرا بہر حال صرف نصف مال پر ہوگا خواہ طلاق اور ہبہ والے روز عورت فارغ البال رہی ہو یا تنگ حال ہو باقی خاوند والے نصف مہر پر ہبہ کا نفاذ نہ ہوگا سوا اس صورت کے کہ بیوی طلاق والے روز اتنی فارغ البال رہی ہو کہ خاوند اس کے مال میں سے اپنا حق وصول کر سکے۔اگر عورت تنگ دست ہو تو خاوند والے نصف حصہ میں ہبہ لاگو نہ ہوگا اور جسے ہبہ کیا گیا ہے اسے عورت سے اس کے فارغ البال ہونے پر بھی مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

واضح ہو کہ جب تک عورت کی زوجیت باقی ہے خاوند کو حق ہے کہ وہ ایک تہائی مال سے زیادہ بھی ہبہ کا نفاذ کر سکتا

Marfat.com

ہے۔ کیونکہ مالکیہ کے نزدیک یہ قاعدہ ہے کہ عورت اپنے مال کے ایک تہائی سے زیادہ حصہ میں صدقہ یا ہبہ یا غلام کی آزادی یا وصیت کی صورت میں تصرف کرسکتی ہے بشرطیکہ خاوند اجازت دے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر عورت نے اپنا حق مہر حاصل نہ کیا ہو تو اسے یہ حق نہیں ہے کہ مال مہر میں (وصول کرنے سے پہلے) تصرف کرے لہٰذا اگر مہر مال تجارت ہو یا کوئی جانور یا ناپ تول والی کوئی چیز ہو اور اس نے (قابض ہونے سے پہلے) اسے فروخت یا ہبہ یا رہن کیا یا کرایہ وغیرہ پر دیا تو یہ تصرف لاگو نہ ہوگا۔ ہاں اس کے بارے میں وصیت کرسکتی ہے اسے وقف کرنے، تقسیم کرنے اور محتاجوں کو کھانا کھلانے پر صرف کرسکتی ہے درآنحالیکہ وہ چیز ایسی ہو جس کا معاملہ اٹکل سے ہوتا ہو اور ناپ تول سے نہ ہوتا ہو یا ایسی ہی کوئی اور شے ہو جس پر معاملہ بیع میں قبضہ سے پہلے تصرف روا ہے۔ مثلاً غلام کا مدبر بنانا (یعنی غلام کی آزادی کو اپنی موت پر موقوف کردینا) یا اس کی شادی وغیرہ کردینا۔

اگر کہا جائے کہ شافعیہ جب کہ یہ کہتے ہیں کہ عقد صحیح کے ہوتے ہی بیوی پورے مالک مہر کی مالک ہوجاتی ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مہر پر اس عورت کا پورا حق تصرف ہو کیوں کہ کسی چیز کا جب ایک شخص مالک ہوجائے تو اسے جس طرح چاہے کام میں لاوے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عورت اگرچہ (عقد کے بعد پورے مہر کی مالک ہوجاتی ہے لیکن علیحدگی کی صورت میں اس کی ملکیت کے ساقط ہوجانے کا احتمال تو رہتا ہی ہے۔ خواہ پورے مہر میں ہو یا اس کے کچھ حصہ میں اور علیحدگی کا ذمہ دار خاوند ہو یا بیوی ہو لہٰذا وہ ملکیت کمزور بنیاد پر ہوگی اور قبضہ کرنے سے پہلے اس کو تصرف (کام) میں لانا درست نہیں ہے ہاں اگر قبضہ ہوجائے تو ملکیت مضبوط ہوجائے گی اور بیوی کو تصرف کا حق ہوجائے گا۔ لیکن اس کی ذمہ داری سے بری نہ ہوگی جیسا کہ ضمان (ذمہ داری) کے بیان میں بتایا جائے گا اسی طرح خاوند کے لئے بھی یہ درست نہیں ہے کہ عورت کا مال مہر ہنوز اس کے قبضہ میں ہے تو عورت کا قبضہ ہونے سے پہلے اسے کام میں لائے۔

اگر بیوی خاوند ہی کے کام میں مہر کو تصرف میں لائے اور قابض ہونے کے بعد گویا اسے خاوند کو دے دے پھر مباشرت سے پہلے اس کو طلاق ہوجائے تو خاوند ہبہ کی بنا پر پورے مہر کا حقدار ہوجائے گا اور نصف مہر کا مطالبہ بیوی سے کرے گا جس کا وہ طلاق کے بعد حقدار ہے۔ پھر اگر مال مہر مثلی تھا تو وہ اس مال کا بقدر نصف مہر کے مطالبہ کرے گا۔ اگر مہر (مثلی نہیں بلکہ) مالیتی تھا تو اس مال کی آدھی قیمت کا حقدار ہوگا۔ کیوں کہ مالیتی اشیائے مہر کا مطالبہ بعینہ دشوار ہے۔ لیکن اگر بیوی نے قبضہ کرنے کے بعد اسے ہبہ کیا تو یہ ہبہ ان کے مسلک کی رو سے باطل متصور ہوگا۔ لہٰذا خاوند نصف مہر سے زیادہ کا حقدار نہ ہوگا اور باقی نصف کی حقدار وہ عورت ہوگی درآنحالیکہ مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی ہو۔ اگر عورت خاوند کو اپنا نصف مہر ہبہ کردے تو نصف مال مہر کا مالک تو وہ اس بنا پر ہوجائے گا اور مباشرت سے پہلے طلاق ہونے کی صورت میں دوسرے آدھے حصے کے نصف کا بھی حقدار ہوجائے گا پھر بھی اس کا کچھ اور حق باقی رہے گا کیونکہ اس کے نصف حصہ مہر کو بیوی نے ضائع کردیا ہے۔ اگرچہ وہ خود خاوند نے لیا ہو اس لئے کہ شافعیہ کے نزدیک خاوند کو دینے یا کسی اور شخص کو ہبہ کرنے میں کچھ فرق نہیں ہے لہٰذا خاوند (اس تلف کرنے کے معاوضہ میں) بیوی کے نصف حصہ میں بھی اس کے نصف حصہ یعنی ایک چوتھائی کا حقدار ہے پس خاوند آدھے مہر کا تو ہبہ کی بنا پر مالک ہوا اور باقی کے نصف یعنی ایک چوتھائی حصہ کا تلف کرنے کے معاوضہ میں حقدار ہوا اور اس طرح تمام مہر خاوند ہی لے لے گا۔ غرض اگر عورت اپنا نصف مہر ہبہ کردے تو

Marfat.com

مہر کے تلف ہو جانے اور کی ذمہ داری کا بیان

اگر مہر میں جانور یا مال تجارت ہو یا ایسی ہی کوئی اور شے ہو اور وہ ہنوز بیوی کے قبضہ میں نہ گئی ہو اور خاوند کے پاس ہی تلف ہو جائے یا بیوی کے پاس آ کر تلف ہو جائے اور مباشرت سے پہلے بیوی کو طلاق ہو جائے تو ایسی صورت میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

بہر حال اس کے لئے کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ اور اگر وہ مہر قرض تھا تو اس نے ادا کر دیا اور مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی تو وہ مہر قرضے میں چلا گیا اور دونوں میں سے کسی کو دوسرے سے کوئی مطالبہ نہ ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عورت کو اپنے مہر پر تصرف کا حق ہو جاتا ہے یعنی وہ اسے فروخت، ہبہ یا رہن وغیرہ کر سکتی ہے۔ لیکن یہ تصرفات قبضہ کرنے کے بعد لاگو ہوتے ہیں۔ پس اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی تو نصف مہر مثل یا مال کی نصف قیمت خاوند کا حق متعین ہو جائے گا اور دونوں میں سے ہر ایک کو حق ہے کہ اپنے مطالبہ کو معاف کر دے بشرطیکہ وہ سمجھدار ہوں۔

واضح ہو کہ اگر ہنوز مہر پر قبضہ نہیں ہوا اور مہر ایک خاص متعین شے ہے۔ مثلاً یہ کہا گیا ہو کہ یہ جانور جو موجود ہے یا یہ کپڑا جس کی بابت علم ہے (حق مہر ہوگا) تب بھی عورت کو اس میں تصرف کرنے کا حق ہے کیوں کہ وہ مال خاوند کے پاس بطور امانت کے ہے لیکن اگر وہ شے متعین نہ ہو مثلاً یہ کہنا کہ تین بوریاں صعیدی گندم کی مہر ہوگا' تو ایسی صورت میں عورت کو تصرف کا حق نہ ہوگا۔

اگر قابض ہونے سے پہلے مال مہر میں خاوند کو ہبہ کر کے تصرف کیا گیا ادائیگی قرض مہر سے اسے بری کر دیا تو درست ہے لیکن اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی تو خاوند ہبہ شدہ مہر کے علاوہ نصف مہر کا مزید مطالبہ عورت سے کر سکتا ہے' خواہ مہر متعین شے کا ہو یا نقدی کا' اس لئے کہ خاوند پورے مہر کا حقدار ہبہ کی بنا پر یا بری الذمہ (معاف) ہونے کی بنا پر ہو گیا پھر طلاق دینے کی وجہ سے دوسری بار نصف مہر کا حقدار ہوا۔ چونکہ حقدار ہونے کے اسباب مختلف ہیں اس لئے دونوں حقوق میں سے کوئی حق ساقط نہ ہوگا۔ اگر عورت نے آدھا مہر خاوند کو ہبہ کر دیا تھا اور اس کے بعد مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی تو باقی تمام آدھے مہر کا حقدار ہوگا۔ کیونکہ جو کچھ اس عورت کا مہر تھا بعینہ اس کا نصف اسے مل گیا۔ تو گویا عورت اب اس کو کچھ نہیں دے گی۔ اگر مباشرت سے پہلے عورت مفوضہ (جس نے مہر کا معاملہ خاوند پر چھوڑ دیا ہو اور اس بنا پر مہر مثل کی حقدار ہے) اپنے مہر کی ادائیگی سے خاوند کو بری الذمہ کر دیتی ہے تو اب خاوند نصف مہر کا مطالبہ اس سے کر سکتا ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر عقد نکاح کسی متعین شے پر ہوا مثلاً کوئی کپڑا، گھوڑا یا اناج وغیرہ اور قبل اس کے کہ بیوی اس پر قبضہ کرتی وہ شے تلف ہو گئی تو دیکھنا ہوگا کہ وہ شے مثلی ہے یعنی ایسی شے ہے جس کا معاملہ گن کر یا ناپ کر یا تول کر کیا جاتا ہے تو خاوند پر واجب ہے کہ وہ اس کی مثل چیز اتنی ہی بیوی کو دے بصورت دیگر اس کی قیمت ادا کرے۔ لیکن اگر بیوی نے اس شے پر قبضہ کر لیا تھا اور اس کے ہاتھ میں وہ تلف ہوئی اور مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی تو وہ نصف مال مہر کی ادائیگی کی ذمہ دار ہوگی۔ اگر وہ شے ابھی باقی ہے اور وہ خود ہی واپس کر دے تو خیر ورنہ حاکم اس کی واپسی کا حکم دے گا۔ اگر

Marfat.com

بیوی نے اس مال میں تصرف کیا ہے تو وہ تصرف لاگو ہو جائے گا۔ جیسا کہ بتایا گیا۔ اگر اس شے کا واپس کرنا دشوار ہو تو اس کی آدھی قیمت ادا کرنے کی ذمہ دار ہوگی اور اس کی مالیت وہ لگائی جائے گی جو بیوی کے قبضہ میں آنے کے وقت تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مال مہر ہنوز خاوند کے پاس ہے اور بیوی کا قبضہ اس پر نہیں ہوا اور وہ تلف ہو گیا تو خاوند اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے۔ پھر اگر وہ شے مثلی ہے تو اسی قدر دینا واجب ہے ورنہ اس کی قیمت دے گا۔ اگر مال مہر پر بیوی کا قبضہ ہو گیا ہے تو وہ شے اس کی مملوکہ تصور ہوگی تاہم کلی یا جزوی طور پر اس کی ملکیت ساقط ہونے کا احتمال باقی رہے گا۔ چنانچہ اگر نصف مہر' دونوں میں علیحدگی ہو جانے کے باعث ساقط ہوا اور علیحدگی کی ذمہ داری خاوند پر ہے تو وہ عورت آدھا مہر واپس کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔ اگر وہ شے موجود ہے تو وہی شے آدھی خاوند لے لے گا ورنہ آدھے مال مہر کی قیمت بیوی پر واجب الاداء ہوگی۔ اگر مباشرت سے پہلے علیحدگی کا موجب بیوی ہو اور پورا مہر ساقط ہو جائے تو عورت پر واجب ہوگا کہ وہ پورا مہر واپس کر دے۔ بشرطیکہ موجود ہو اگر موجود نہ ہو تو اس کی وہ قیمت جو قبضہ والے دن تھی ادا کرے گی۔ پس اگر کوئی گھوڑا یا اونٹنی حق مہر مقرر ہوا اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ مال کسی اور کا ہے اور اس کا حقدار کوئی اور شخص ہے۔ اور وہ مال مثلی ہے تو بیوی اس مقدار میں اس شے کا مطالبہ خاوند سے کرے گی۔ اگر وہ شے مثلی نہیں ہے تو اس کی قیمت طلب کرے گی۔

اگر حق مہر کوئی گھوڑا تھا اور بیوی نے اسے لے کر کسی اور کو دے دیا اور بعد میں پتہ چلا کہ اس گھوڑے کا مالک کوئی اور شخص ہے تو بیوی اس کی قیمت کا مطالبہ خاوند سے کرے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جب تک مباشرت نہ ہو جائے مہر کا مال اور اس سے حاصل ہونے والی شے کے ذمہ دار میاں بیوی دونوں ہوں گے۔ خواہ (مال مہر سے) حاصل ہونے والی شے غلہ ہو یا جانور کا بچہ ہو۔ یہ مسئلہ مزید تفصیل کا محتاج ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مال مہر ایسی شے جسے چھپا کر نہیں رکھا جا سکتا مثلاً باغ' یا مکان' اونٹ یا لونڈی غلام اور دونوں میں سے کسی کے پاس ضائع ہو جائے۔ یا اس میں کوئی نقص آ گیا ہو (جس سے اس کی مالیت گھٹ جائے) تو مباشرت سے پہلے اس کی ذمہ داری دونوں پر ایک ساتھ ہوگی لہٰذا اگر مباشرت سے پہلے وہ مال تلف ہو جائے تو دونوں میں سے کسی پر کوئی مطالبہ عائد نہ ہوگا۔ اور خاوند بیوی سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر مال مہر کوئی ایسی شے ہے جسے چھپا کر رکھا جا سکتا ہے مثلاً گندم یا ریشمی کپڑا وغیرہ اور بیوی کا قبضہ ہونے کے بعد اس کے پاس تلف ہو جائے۔ اور مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی اور بیوی بیان کرے کہ مہر کی شے تلف ہو گئی اور اس کے ثبوت میں گواہی پیش کر دی جائے تو اس کی ذمہ داری بیوی پر عائد ہو گی اور آدھا ماہ مہر واپس کرنا ہوگا کیوں کہ وہ مال اس کے پاس عارضی طور پر تھا اور بظاہر یہ ایسا ہی مسئلہ ہے جیسے کسی کی کوئی شے کسی کے پاس تلف ہو جائے اور وہ شخص حلف اٹھا لے کہ اس میں اس کی کوتاہی کو دخل نہیں ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ بیوی اپنے مہر کو ہبہ کر دے۔ مثلاً دو اونٹنیاں حق مہر ہوں اور عورت اسے لے کر کسی اور کو دے دے اور مباشرت سے پہلے طلاق ہو جائے تو عورت ان دو اونٹنیوں میں سے نصف کی ذمہ دار ہوگی یعنی بیوی پر لازم ہوگا کہ بشرط ممکن ایک اونٹنی جیسی کوئی اونٹنی خاوند کو دے ورنہ پھر اس کی قیمت ادا کر دے اور اس کی قیمت اس دن کی لگائی جائے گی جس دن عورت نے اسے ہبہ کیا۔ غرض مہر اگر مثلی شے کا ہو تو نصف مثل اور جو قیمت والی شے ہو تو نصف قیمت واجب الاداء ہوگی جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

Marfat.com

واضح ہو کہ ذمہ داری کا یہ حکم صحیح عقد کی صورت میں ہے۔ عقد فاسد کی صورت میں قبضہ ملنے کے بعد ہی بیوی اس مال کی ذمہ دار ہو جائے گی۔ خواہ وہ عقد مہر کے فاسد ہونے کے علاوہ کسی اور وجہ سے فاسد قرار دیا گیا ہو۔ اسے ''فساد عقد'' کہتے ہیں یا وہ عقد مہر کے فاسد ہونے کی بنا پر فاسد قرار دیا گیا ہو جسے ''فساد مہر'' کہتے ہیں۔ پہلی صورت کی مثال وہ عقد ہے جو حلالہ کی غرض سے (یعنی مطلقہ بیوی کو طلاق دینے والے پر حلال کرنے کی غرض سے) کیا جائے اور دوسری صورت کی مثال غیر متعین مدت کے لئے مہر کا رکھنا یا کسی اور کی مملوکہ شے کو حق مہر بنانا ہے یا ایسی شے ہو جس کا ادا کرنا اس کے بس میں نہیں ہے۔ مثلاً بدکے (یا بھاگے ہوئے) اونٹ کو مہر قرار دینا وغیرہ۔ اس کی تفصیل اوپر بتائی گئی ہے۔

عورت صرف اس مہر کی ذمہ دار ہوگی جو اس کے قبضے میں آ گیا ہو اور نکاح فاسد کے ذریعہ جو مہر عورت کو ملتا ہے وہ مطلقاً اس کے لئے حلال ہے خواہ وہ نکاح عقد فاسد کی وجہ سے فاسد ہوا ہو یا مہر فاسد کی وجہ سے۔ اگر مباشرت سے پہلے وہ عقد فسخ ہو جائے اور مال مہر تلف ہو جائے تو عورت پر وہ مال واپس کرنا لازم ہوگا۔ بشرطیکہ موجود ہو بصورت دیگر اس جیسی شے یا اس کی قیمت واجب الاداء ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر عورت کا مہر کوئی معین شے مثلاً کوئی جانور یا کپڑا یا باغ وغیرہ ہو تو عورت کا قبضہ ہونے سے پہلے خاوند اس کا ''ضامن عقد'' (یعنی اس کی تلافی کا ذمہ دار ہوگا) ضامن ید (یعنی اس جیسی شے یا اس کی قیمت کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ ضمان عقد کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ شے جاتی رہے تو اس کے مقابلہ کی شے مہیا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ پس (اب جاننا چاہئے کہ) طے شدہ مہر کے مقابلہ کی شے مہر مثل ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر طے شدہ مہر ضائع ہو جائے تو خاوند مہر مثل ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ (یہاں پر) یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مقررہ مہر کے مقابلہ کی چیز بضع (یعنی نسوانی خصوصیت) ہے اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر طے شدہ مہر تلف ہو جائے تو خاوند (اس کے مقابلہ کی چیز یعنی) بضع (یا نسوانی خصوصیت) فراہم کرے کیوں کہ گو 'بضع' مہر مقرر کردہ کے مقابلہ کی شے ہے لیکن اس کی ضمانت دینا اور اس کا واپس کرنا ممکن نہیں ہے کیوں کہ عورت کو نسوانیت واپس کرنے کے معنے فسخ نکاح کے سوا اور کچھ نہیں ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کیوں کہ عقد نکاح اگر صحیح طریقہ سے ہو گیا ہے تو وہ لازمی طور پر نافذ ہوگا لہٰذا اس کے بدل یعنی مہر مثل کو مقررہ مہر کے مقابل کی شے قرار دیا جائے گا۔ اور ''ضمان ید'' کے معنے یہ ہیں کہ اگر مہر اشیائے مثل میں سے ہے تو اسی جیسی شے اور اگر وہ شے مالیتی ہے تو اس کی قیمت ادا کرنے کی ضمانت لی جائے اب اگر مہر بیوی کے قبضہ میں آنے سے پہلے خاوند کے پاس تلف ہو جائے تو اس کی چار صورتیں ہوں گی۔

پہلی صورت یہ ہے کہ وہ شے کسی آسمانی ناگہانی آفت سے تلف ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ خاوند خود اسے ختم کر دے ان دونوں صورتوں میں مہر مثل واجب الاداء ہوگا کیوں کہ تلف ہو جانے کی وجہ سے وہ مہر منسوخ ہو جائے گا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اس مال مہر کو بیوی نے تلف کیا ہو اور بیوی سمجھدار عورت ہے تو اس صورت میں یہ قرار پائے گا کہ اس عورت نے اپنا حق مہر پا لیا۔ لہٰذا اب اسے اور کچھ نہیں ملے گا۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ اس مال مہر کو کسی اجنبی شخص نے تلف کیا ایسی صورت میں اس کی ذمہ داری اس اجنبی شخص پر عائد ہوگی اور عورت کو اختیار ہوگا کہ یا تو وہ اس مہر کو فسخ کر دے اور خاوند پر مہر مثل کی ادائیگی لازم ہو جائے اور خاوند اس اجنبی شخص سے (تلف شدہ مہر کا) مطالبہ کرے یا پھر عورت مہر کو فسخ نہ

Marfat.com

کرے اور اس اجنبی سے مہر کے بدل کا مطالبہ کرے اور خاوند سے اس کا کوئی مطالبہ نہ ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دوصورتوں میں تو مہر فسخ ہو جائے گا اور وہ یہ ہیں کہ مال مہر کو خاوند خود تلف کردے یا کسی ناگہانی آفت سے تلف ہو جائے۔ ایک صورت میں بیوی اپنے حق پر قابض متصور ہوگی جبکہ اس نے خود تلف کیا ہو۔ اور ایک صورت میں اسے (فسخ کرنے یا نہ کرنے کا) اختیار ہوگا جبکہ اس کا مال مہر کسی اور شخص نے تلف کر دیا ہو۔ اگر مہر میں دو معین اشیاء ہوں مثلاً دو اونٹ ہوں اور ان میں سے ایک کسی ناگہانی افتاد سے تلف ہو جائے یا بیوی کا قبضہ ہونے سے پہلے ہی خاوند کے پاس تلف ہو جائے تو جو تلف ہو گیا اس قدر مہر منسوخ ہو جائے گا جو باقی رہا وہ منسوخ نہ ہوگا۔ جیسے دو چیزوں کے جدا جدا معاملوں میں ہوتا ہے۔ پھر اس حالت میں بیوی کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ بچے ہوئے مال کو مہر قائم رکھے اور جو تلف ہوا ہے اس کے مہر مثل کا اتنا ہی حصہ لے لے۔ بایں طور کہ اگر اس کا مہر مثل دو اونٹنیوں کے برابر ہے تو وہ اس کے نصف کی (مزید) حقدار ہوگی یا پھر وہ یہ کر سکتی ہے کہ وہ تمام مہر منسوخ کر کے اپنے مہر مثل کا مطالبہ کرے۔

واضح ہو کہ خاوند تلف شدہ مہر کے منافع کا ضامن نہ ہوگا۔ یعنی اس سے مہر کی مقدار میں اضافہ نہ ہوگا۔ مثلاً مہر کے جانور پر سوار ہوتا ہے اگر اس نے مہر کے جانور سے یہ کام لیا ہے تو اس کا عوض دینا نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس مال مہر میں مثلاً پھل یا بچہ وغیرہ کی زیادتی ہوئی ہو تو وہ اس کے پاس بطور امانت کے متصور ہوگی۔ اگر اسے وہ کام میں لایا ہے تو اس کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی۔ اگر عورت نے اس کا مطالبہ کیا اور اس شخص نے نہیں دیا اور مال ضائع ہو گیا تو اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔ ورنہ نہ ہوگا اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

یہ احکام اس صورت میں ہیں جبکہ مال مہر ہنوز خاوند کے پاس ہو اور اس پورے مال کی عورت حقدار ہو بایں طور کہ علیحدگی نہ ہوئی ہو جس کے باعث اس مال میں حق کا دخل ہو یا نصف حق خاوند کا ہو۔ پس اگر مثلاً مباشرت سے پہلے طلاق ہو جانے کے باعث علیحدگی ہو جائے تو آدھا مہر خاوند کا ہو جائے گا۔ خواہ وہ مہر نقدی کی شکل میں ہو یا مال ہو یا جانور ہو یا کوئی اور شے ہو اور خواہ مہر ادا کرنے والا خود خاوند ہو یا اس کا ولی باپ' دادا ہو۔ لیکن اگر مال مہر کسی اجنبی شخص نے ادا کر دیا تو اب دیکھا جائے گا کہ آیا اس نے خاوند کی خوشنودی کی خاطر دیا تھا تو (علیحدگی ہو جانے کی صورت میں) خاوند کو ورنہ اس شخص کو جس نے بھلائی کے خیال سے دیا تھا واپس ہو جائے گا (مال مہر کا) یہ حکم (مال بیع کے) اس حکم سے مختلف ہے جبکہ ایک شخص (کسی شے کی قیمت) خریدار کی طرف سے خود ادا کرے اور پھر وہ بیع فسخ ہو جائے تو ادا شدہ قیمت اس کو واپس ملے گی جس کی طرف سے ادا کی گئی تھی یعنی خریدار کو۔ نہ کہ اس کو جس نے خیر خواہی کے خیال سے ادا کی تھی۔

واضح ہو کہ خاوند کو نصف مہر کا (واپس کر کے) مالک بنانے کے لئے یہ قید نہیں ہے کہ وہ کہے کہ میں اپنا آدھا مہر واپس لینا چاہتا ہوں بلکہ نصف مہر کا بغیر کچھ کہے واپس کرنا ناگزیر ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "و ان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن......" الآیہ بقرہ ۲۳۷ (یعنی اگر بیویوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دی اور مہر ٹھہر چکا تھا تو طے شدہ مہر کا آدھا ادا کر دے) اب اگر مہر تلف ہو جائے اور زوجین میں طلاق سے یا کسی اور طرح علیحدگی ہو جائے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی۔ پہلی صورت یہ ہے کہ وہ مال مہر دونوں میں علیحدگی ہونے اور بیوی کا اس پر قبضہ ہونے سے پہلے ہی تلف ہو جائے خواہ تلف ہونے کا سبب کوئی غیر شخص ہو یا خاوند ہو یا بیوی ہو یا کوئی ناگہانی آفت آسمانی ہو۔ تو اب اگر

Marfat.com

اصل شے مہر میں بڑھوتری یا کمی ہو جانے کا بیان

اگر مہر کوئی اصل شے ہو جیسے جانور، باغ' کپڑا یا زمین پھر اس میں اضافہ (بڑھوتری) ہو جائے اور وہ اضافہ متصل ہو (یعنی اس کے وجود کے ساتھ وہ اضافہ وابستہ ہو) جیسے مہر کا جانور فربہ ہو جائے۔ باغ میں پھل لگ جائیں یا کپڑے کو رنگ دے دیا جائے یا زمین پر عمارت بن جائے۔ یا وہ اضافہ غیر متصل (یا منفصل) جیسے جانور سے بچہ پیدا ہو جائے یا اون اتاری جائے یا باغ کے پھل توڑے جائیں۔ اب یہ بڑھوتری یا تو (مال مہر پر) بیوی کا قبضہ ہونے سے پہلے ہوئی ہوگی یا بعد میں؟ پھر یہ سوال ہے کہ اگر مباشرت سے پہلے بیوی کو طلاق ہو گئی تو آیا خاوند کو اس اضافہ میں ملے گا یا نہ ملے گا۔ اس طرح مال مہر میں کمی ہونے کی صورت میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ اگر اس میں کوئی خرابی پیدا ہوئی تو نقصان کس کا ہوگا۔ اس بارے میں

بیوی نے تلف کیا تو خاوند اس مال مہر کی نصف قیمت کا حقدار ہوگا۔ اور آدھی قیمت سالم مال کی آدھی قیمت ہو یعنی سالم مال کی قیمت لگا کر اس کی آدھی قیمت اس کو ملے گی۔ آدھے مال کی قیمت نہیں لگائی جائے گی مثلاً اگر مہر ایک اونٹنی ہو اور وہ سالم بیچی جائے تو بیس اشرفی میں لوگ اسے لینے کو تیار ہوں لیکن اگر آدھی اونٹنی فروخت کی جائے تو اس کی قیمت آٹھ اشرفی لگتی ہو۔ کیونکہ اگر جانور سے کام لینا اور فائدہ اٹھانا پیش نظر نہ ہو تو بالعموم اس کی قیمت کم لگتی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں خاوند کو بیس اشرفیوں کے آدھے کا حق ہوگا۔ اس طرح اگر مال کے ضائع ہونے کا سبب کوئی غیر شخص ہو تو وہی اس کی تلافی کا ذمہ دار ہوگا اور بیوی خاوند سے نصف مہر مثل کا مطالبہ کرے گی۔ یا پھر اس اجنبی شخص سے اس مال کے تاوان کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اس صورت میں اسے خاوند سے مطالبہ کا کوئی حق نہ ہوگا۔ غرض اس بارے میں عورت کو اختیار ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اگر مہر کا مال خاوند سے تلف ہو یا کسی آسمانی آفت سے تلف ہوا تو اب اس مال کی حیثیت مہر کی نہ ہوگی۔ البتہ خاوند طلاق کے بعد نصف مہر مثل کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مہر کا مال' بیوی کے قبضہ میں آنے اور علیحدگی ہو جانے کے بعد' مذکورہ بالا چار صورتوں میں سے کسی وجہ سے، تلف ہوا ہو تو اگر خاوند اس کے تلف ہونے کا ذمہ دار ہے تو اب اسے کچھ دینا نہ ہوگا کیونکہ تلف شدہ چیز اس کی مملوکہ تھی جیسا کہ ظاہر ہے۔ اگر بیوی کے ہاتھ سے تلف ہوا یا کسی اجنبی کے ہاتھ سے تلف ہوا تو مہر کے مثلی شے ہونے کی صورت میں نصف مقدار مہر کا اور اگر وہ مال قیمت والا ہے تو اس سالم مال کی آدھی قیمت کا جس طرح کہ بتایا گیا خاوند حقدار ہوگا اور اسے اختیار ہوگا چاہے تو اس اجنبی شخص سے خود مطالبہ کرے۔ ایسی صورت میں عورت کے ذمہ کچھ نہ ہوگا اور چاہے تو عورت سے مطالبہ کرے اور عورت اس اجنبی شخص سے وصول کرے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مہر یا تو کوئی معین شے ہوگی مثلاً یوں کہا جائے کہ یہ جانور جو یہاں موجود ہے یا گندم کی یہ ڈھیری حق مہر ہوگا یا پھر غیر معین ہوگا۔ اگر مہر معین شے ہے اور عورت کا قبضہ ہونے سے پہلے یا اس کے بعد تلف ہو تو بیوی اس کی ذمہ دار ہوگی کیونکہ عقد صحیح ہونے کے بعد وہ عورت اس مال کی مالک اور اس کی ذمہ دار ہوگی اور وہ مال قبضہ سے پہلے خاوند

Marfat.com

مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

کے پاس بطور امانت کے ہوگا۔لیکن اگر بیوی نے اپنے مہر کا مطالبہ کیا ہو اور خاوند نے اسے نہ دیا ہو تو اس صورت میں خاوند اس کا تاوان دار ہوگا۔ کیوں کہ مانگنے کے باوجود مال مہر (امانت) کا نہ دینا خاوند کی زیادتی ہوگی اور وہ غاصب (ناجائز قبضہ رکھنے والا) قرار دیا جائے گا۔

اگر مہر کوئی معین شے نہیں ہے مثلاً صعیدی گندم کی تین بوری یا فلاں ڈھیری میں سے تین بوری گندم مہر ٹھہرا اور بیوی نے ہنوز اس پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ وہ تلف ہوگئی تو اس کی ذمہ داری خاوند پر ہوگی۔ہاں اگر بیوی کا قبضہ ہو جائے تو معین شے کی مانند بیوی اس کی ذمہ دار متصور ہوگی۔اور یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ اگر مہر کوئی معین شے ہو تو بیوی قبضہ سے پہلے اور بعد میں بھی اس میں تصرف کر سکتی ہے جیسا کہ بتایا گیا۔ایسی صورت میں خاوند اس میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ مہر غیر معین شے کا ہو تو قبضہ کرنے سے پہلے عورت اس میں تصرف نہیں کر سکتی۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر مال مہر میں بڑھوتری ہوئی اور بیوی نے خاوند کو چھوڑ دیا اور یہ تفریق بیوی کی وجہ سے ہوئی تو وہ اضافہ بہرحال خاوند کا حق ہے کیونکہ پورا مہر اسی کا ہے۔پس مال مہر کے جانور کے کرائے یا بچے میں بیوی کا کوئی حق نہ ہوگا کیونکہ مہر کے جانور کی طرح جانور کا بچہ بھی اس کی ملکیت سے باہر ہوگیا۔ہاں اگر میاں بیوی کی تفریق میں بیوی ذمہ دار نہیں ہے بلکہ خاوند ہی نے طلاق وغیرہ دے کر اسے چھوڑ دیا ہو تو جو اضافہ مال مہر میں ہوا وہ دونوں میں آدھا آدھا تقسیم ہوگا۔اس میں زیادتی متصل ہو یا منفصل دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ یہ اضافہ دونوں میں علیحدگی کے بعد ہوا ہو۔اگر اضافہ علیحدگی ہونے سے پہلے ہوا اور وہ اضافہ منفصل ہے۔جیسے (جانور) بچہ دے یا اس کا دودھ یا اس کا کرایہ آئے تو وہ عورت کا حق ہوگا۔خواہ علیحدگی کا سبب وہ عورت ہو یا مرد ہو۔اگر مرد (علیحدگی کا موجب) ہے تو وہ صرف نصف مہر لے گا۔جو اضافہ ہوا ہے وہ نہیں لے گا۔ یا پھر پورے مہر کا مطالبہ واپس عورت سے کرے گا اور اضافہ کا مطالبہ نہ ہوگا۔اگر عقد میں خرابی کے باعث علیحدگی ہوئی مثلاً ایسی عورت سے عقد کیا جس میں ایسا عیب نکلا جس سے فسخ نکاح' واجب ہو جائے تو اس صورت میں کہا جاتا ہے کہ خاوند (مال مہر کے علاوہ اضافے کا بھی مطالبہ کرے گا۔کیوں کہ عقد تو کالعدم ہے اور علیحدگی کا سبب وہ عورت ہوئی ہے لہٰذا وہ پورے مہر کا حق دار ہوگا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اضافہ منفصل ہوا ہے تو اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔البتہ اضافہ متصل کا مطالبہ کر سکتا ہے اور یہی حکم مشہور ہے۔بعض اصحاب نے اس خیال کو ترجیح دیا ہے کہ دونوں صورتیں (یعنی اضافہ متصل ہو یا منفصل) یکساں ہیں کیوں کہ دونوں حالتوں میں عقد کالعدم ہے۔

اضافہ متصلہ کی صورت میں جیسے مہر کا جانور فربہ ہو جائے اگر علیحدگی ہو جائے اور اس کا ذمہ دار خاوند ہو۔اور عورت نے وہ اضافہ حاصل کر لیا ہے تو خاوند کو نصف مہر سے زیادہ کا حق نہ ہوگا۔اضافہ کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ہاں اگر عورت اضافہ شدہ شے کو بخوشی خود خاوند پر چھوڑ دے تو وہ لے سکتا ہے اس کی قیمت کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کھجور کا درخت مہر میں دیا اور اس میں گچھا نکل آیا تو یہ اضافہ متصل ہے۔اگر عورت اس بات پر راضی ہے کہ وہ نصف درخت معہ گچھے کے لے لے تو خاوند کو اسے تسلیم کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور گچھے کی قیمت طلب کرنے کا حق نہ

Marfat.com

ہوگا۔ ورنہ اسے نصف درخت کچھے کے بغیر ملے گا۔ اگر خاوند نے بیوی کو اس وقت چھوڑا جبکہ درخت میں پھل لگے ہوئے ہوں لیکن ہنوز پکے نہیں ہیں تو اس صورت میں عورت پر یہ لازم نہ ہوگا کہ وہ اسے توڑ لے تاکہ خاوند نصف درخت لے سکے۔ کیونکہ جو پھل اس میں لگا ہے وہ بیوی کی ملکیت کے دوران لگا ہے بلکہ بیوی کو اجازت دی جائے گی کہ درخت کو کاٹنے سے پہلے کچھے کو لگا رہنے دے یہاں تک کہ اس کے توڑنے کا وقت آ جائے پھر جب پھل توڑ لئے جائیں تو آدھا درخت خاوند کا ہوگا۔ بشرطیکہ پھلوں کو توڑنے میں درخت کے پٹھوں' ڈنڈیوں یا شاخوں کو نقصان نہ پہنچے۔ اگر ایسا ہوا تو خاوند (نصف درخت کی بجائے) درخت کی نصف قیمت کا حقدار ہوگا یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ کچھے کو درخت میں اتنے لمبے عرصہ تک چھوڑ دیا جائے جس سے درخت کو نقصان پہنچے۔ اگر خاوند اس بات پر راضی ہو جائے کہ پھلوں کو اتارنے کے وقت تک درخت پر لگا رہنے دیا جائے بشرطیکہ اسے اس کا حق یعنی آدھا درخت مل جائے تو عورت کو اس بات پر مجبور کیا جائے گا' بشرطیکہ خاوند کا قبضہ نصف درخت پر تسلیم کر لیا جائے اور عورت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔ اگر خاوند پھل اتارنے کے وقت تک پھلوں کو درخت پر لگا رکھنے کیلئے راضی نہ ہو تو یہ اس کا حق ہے تاہم اسے درخت کے کاٹنے کا حق نہ ہوگا جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ ہاں اس کی قیمت (یا معاوضہ) کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خاوند کو چاہئے کہ مذکورہ حالت میں بیوی کو درخت کے اوپر پھل لگائے رکھنے دے اور اسے توڑ لینے پر مجبور نہ کرے۔ تاہم اسے بھی اس بات پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ توڑنے کے وقت تک پھلوں کو درخت پر لگا رہنے دے۔ ایسی صورت میں اسے معاوضہ لینے کا حق ہوگا جس طرح پھل توڑنے میں درخت کو نقصان پہنچے یا بہت عرصہ لگ جائے تو اس کا معاوضہ وہ لے سکتا ہے۔

اب رہا (مال مہر میں) کسی نقص کا پیدا ہو جانا' سو اس کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں: ایک تو یہ کہ وہ نقص' زوجین میں علیحدگی ہو جانے کے بعد پیدا ہوا یا اس سے پہلے ہوا لیکن اس کی ذمہ دار بیوی ہے یا کوئی اور شخص ذمہ دار ہے۔ ایسی حالت میں خاوند کو حق ہے کہ جو نقص پیدا ہوا ہے اس کے مطابق معاوضہ وصول کر لے خواہ یہ خرابی معمولی ہو یا بڑی خرابی ہو۔ لیکن اگر یہ نقص کسی اور وجہ سے لاحق ہوا تو خاوند کو یہ حق نہ ہوگا۔ دوسری حالت یہ ہے کہ (مال مہر میں) نقص دونوں کی علیحدگی سے پہلے اور بیوی کا اس پر قبضہ ہونے کے بعد میں ہوا ہو تو اس حالت میں خاوند کو یہ حق ہوگا کہ وہ اس مال مہر کو بغیر کسی معاوضہ عیب کے اسی طرح لے لے یا سالم حالت میں اس مال کا جو بدل ہوتا ہے اس کا نصف لے لے۔ تیسری حالت یہ ہے کہ طلاق ہونے اور بیوی کا قبضہ ہونے سے پہلے مال مہر میں نقص پیدا ہو جائے۔ ایسی حالت میں اگر بیوی راضی ہو تو بیوی نصف مال مہر اس نقص کا کوئی معاوضہ لئے بغیر خاوند کو چھوڑ دے۔ کیونکہ یہ نقص اس وقت پیدا ہوا جب کہ وہ مال خاوند کے پاس تھا۔ اگر بیوی اس پر راضی نہ ہو تو وہ نصف مہر مثل لے سکتی ہے اور مال تمام خاوند کا ہوگا۔ اگر مال میں عیب کا ذمہ دار کوئی اجنبی شخص تھا یا بیوی تھی تو خاوند کو اصل مال کے نصف کا حق مع اس نقص کے نصف معاوضہ کے حاصل ہوگا۔

اب ایک اور صورت قابل ذکر ہے کہ مال مہر میں ایک لحاظ سے اضافہ ہوا ہو اور دوسرے لحاظ سے نقص پیدا ہو گیا ہو مثلاً ایک کھجور کا درخت مہر تھا جس میں پھل لگے ہوئے نہ تھے بعد میں پھل لگ گئے تاہم کوئی ایسی افتاد ہوئی کہ پھل کم ہو گئے۔ یا کسی عورت کا مہر ایک بھینس تھی اور اس نے بچہ دیا لیکن اسے کوئی ایسا مرض لاحق ہو گیا جس سے اس کا دودھ کم ہو

Marfat.com

گیا۔ ایسی حالت میں (اگر تقسیم کا سوال پیدا ہو تو) یہ حکم ہے کہ اس مال مہر کو دونوں میاں بیوی میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر فریقین اس سے انکار کریں تو اس زیادتی یا کمی کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی قیمت لگا کر (قیمت کو) باہم تقسیم کر دیا جائے گا یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ مال مہر میں نقص لاحق ہو اور میاں بیوی میں علیحدگی ہو گئی ہو لیکن اگر نقص اس وقت پیدا ہوا جبکہ مال خاوند کے پاس تھا اور خاوند بیوی کے ساتھ رہنا چاہتا تھا تو اس کی چار صورتیں ہوں گی۔

ایک صورت یہ ہے کہ مال میں نقص کی ذمہ داری بیوی پر ہو اور بیوی سمجھ دار ہو بے عقل نہ ہو ایسی حالت میں اسے خاوند سے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ خرابی کسی ناگہانی آفت سے پیدا ہوئی ہو مثلاً مہر میں ٹھہرا ہوا جانور اندھا ہو جائے تو ایسی حالت میں بیوی کو اختیار ہو گا کہ یا تو وہ اس مہر کو منسوخ کر دے اور مہر مثل وصول کر لے یا اس عیب کے ساتھ جانور کو روا رکھے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مال مہر میں عیب کا ذمہ دار کوئی اجنبی شخص ہو۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ اس کا ذمہ دار خاوند ہو۔

ان دونوں حالتوں میں بیوی کو اختیار ہو گا کہ یا تو وہ اس مہر کو فسخ کر دے اور مہر مثل لے لے یا اس عیب دار مال مہر کو لے کر جو خرابی اس میں ہوئی ہے۔ اس کے معاوضہ کا مطالبہ کرے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر مال مہر میں عیب لاحق ہو جائے تو تین صورتوں میں بیوی کو اختیار ہو گا (کہ مانے یا نہ مانے) اور وہ تین صورتیں یہ ہیں:

وہ عیب خاوند نے ڈالا ہو۔ کسی اجنبی شخص نے ڈالا ہو یا کسی آسمانی آفت سے پڑ گیا ہو۔ ان تینوں حالتوں میں بیوی کو اختیار ہے کہ اس مہر کو منسوخ کر کے مہر مثل حاصل کر لے یا اسی عیب دار حالت میں اسے لے کر اس عیب کے مطابق معاوضہ (یا تاوان) کا مطالبہ کرے جو اس مال میں پیدا ہوا۔ ایک چوتھی حالت یہ ہے جس میں اسے اختیار نہ ہو گا کہ وہ عیب خود بیوی نے اس میں ڈالا ہو اور وہ سمجھدار ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مال مہر میں کوئی پیداواری اضافہ ہو اور یہ اضافہ بیوی کا قبضہ ہو جانے کے بعد ہو مثلاً وہ گائے جو مہر میں آئی ہے بچہ دے دے تو وہ اضافہ بھی قطعاً بیوی کا حق ہو گا۔ اگر یہ اضافہ بیوی کا قبضہ ہونے سے پہلے ہوا تو دیکھنا ہو گا کہ یہ اضافہ مال مہر میں از خود ہوا یا بعد میں کیا گیا پھر یہ کہ وہ اضافہ متصل ہے یا منفصل (یعنی وہ بڑھوتری اس شے کی ذات سے وابستہ ہے یا اس سے جدا ہے)۔ از خود پیدا نہ ہونے والے اضافہ متصل کی مثال یہ ہے کہ (مہر کے) کپڑے کو (جو سادہ تھا) رنگ دیا گیا یا (سادہ زمین تھی اس) زمین پر عمارت بنالی گئی۔ اضافہ منفصلہ کی مثال خادم کی کمائی اور کرایہ (یا غلہ کی پیداوار) ہے۔ از خود پیدا ہونے والے اضافہ متصل کی مثال یہ ہے کہ مہر کا جانور (دبلا تھا) فربہ ہو گیا یا (بدشکل تھا) خوبصورت ہو گیا (بے پھل درخت تھا) درخت میں پھل لگ گیا۔ از خود پیدا ہو جانے والے اضافہ منفصلہ کی مثال یہ ہے کہ (مہر کا) جانور بچہ دے دے درخت سے پھل اتار لئے جائیں اب اگر از خود پیدا نہ ہونے والا اضافہ بیوی کا قبضہ ہونے سے پہلے ہوا خواہ وہ اضافہ متصل ہو یا اضافہ منفصل تو اس اضافہ کی حق دار بیوی ہو گی لیکن اگر وہ (از خود پیدا نہ ہونے والا)

Marfat.com

اضافہ جیسے کپڑے کو رنگ دینا یا زمین پر تعمیر بنانا ہو تو عورت کو اس پر قابض مانا جائے گا اور اس اضافہ کو (مہر کے ساتھ) نصف نصف نہیں کیا جائے گا لیکن عورت پر واجب ہوگا کہ اس کی آدھی قیمت اس روز والی جبکہ اس کا قبضہ اس پر ہوا تھا ادا کردے۔ لیکن اگر وہ اضافہ اضافہ منفصلہ ہے مثلاً خادم کا کسب کیا ہوا مال یا کھیتی کا غلہ تو وہ عورت کا حق ہوگا اور اسے آدھا آدھا نہیں کیا جائے گا اور اصل مال کی آدھی قیمت ادا کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔ لیکن اگر وہ اضافہ از خود ہونے والا ہے اور مباشرت سے پہلے اسے طلاق ہوگئی تو وہ نصف مہر کی حقدار ہوگی اور دوسرا نصف حصہ خاوند کا حق ہوگا اور وہ اضافہ جو مال مہر میں ہوا بیوی کا قبضہ ہونے کے بعد مطلقاً آدھا آدھا تقسیم نہ ہوگا ہاں قبضہ ہونے سے پہلے اگر اس مال میں از خود پیدا ہونے والا اضافہ ہوا ہے تو وہ نصف نصف تقسیم ہوگا کیوں کہ جو کچھ اس مال مہر سے پیدا ہوا ہے وہ اس مال میں شامل ہے خواہ وہ (پیدا شدہ) اضافہ متصل ہو یا منفصل۔

اب رہا وہ عیب جو بیوی کا قبضہ مال مہر پر ہونے کے بعد ہوا اس کی کئی صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ وہ عیب آسمانی حادثہ سے لاحق ہوا۔ اس کی دو شکلیں ہیں۔

پہلی شکل یہ ہے کہ عیب معمولی نوعیت کا ہو مثلاً مہر والا گھوڑا لنگ کرنے لگے یا اس کے جسم کا کوئی حصہ کسی قدر کام سے رہ جائے۔ ایسی صورت میں عورت کو یہ حق نہ ہوگا کہ اس نقص کا تاوان طلب کرے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ وہ عیب زیادہ ہو مثلاً اس کی ایک آنکھ جاتی رہے یا باغ کے کچھ درخت مرجائیں جن سے پھلوں کا فائدہ تھا یا ایسی ہی کوئی اور بڑی خرابی پیدا ہو جائے کہ مال مہر کی قیمت کم ہو جائے۔ ایسی صورت میں اگر مباشرت سے پہلے بیوی کو طلاق ہو جائے تو اسے اختیار ہوگا کہ چاہے وہی عیب دار جانور قبول کرلے یا اس کی وہ قیمت جو عقد والے دن تھی اس کا نصف طلب کرے کیونکہ قبضہ ہونے سے پہلے وہ مال خاوند کی تحویل میں تھا۔ لیکن اس صورت میں عورت کو اس نقصان کا تاوان طلب کرنے کا حق نہ ہوگا۔

(مال مہر میں عیب آجانے کی) دوسری صورت یہ ہے کہ وہ عیب خاوند نے پیدا کیا ہو اس کی بھی دو شکلیں ہیں: ایک شکل یہ ہے کہ نقصان معمولی نوعیت کا ہو ایسی صورت میں بیوی کو حق ہوگا کہ مال مہر کے ساتھ اس عیب کا تاوان بھی طلب کرے۔ لیکن اسے واپس کرنے اور خاوند کو آدھی قیمت کا ذمہ دار قرار دینے کا حق نہیں ہے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ وہ عیب بڑا ہو ایسی حالت میں عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ مہر کی اس آدھی قیمت کا جو عقد والے دن تھی مطالبہ کرے یا آدھا مال مہر وصول کرلے اور جو عیب خاوند کی وجہ سے ہوا ہے اس کے تاوان کا ذمہ دار اسے قرار دے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ عیب کی ذمہ دار عورت ہو ایسی صورت میں سوا اس کے کہ وہ اپنے مہر کا مطالبہ کرے اور کوئی حق نہیں رکھتی، خواہ وہ عیب چھوٹا ہو یا بڑا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ عیب مال مہر میں اپنے آپ ہی پیدا ہوا ہو مثلاً گھوڑے نے چھلانگ لگائی اور گر کر لنگڑا ہو گیا یا غلام نے اپنے آپ کو زخمی کرلیا وغیرہ ایسی حالت میں وہی حکم ہے جو کسی ناگہانی آفت سے عیب آجانے کی صورت میں ہوتا ہے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ اس عیب کے پیدا ہونے کا ذمہ دار کوئی غیر متعلق شخص ہو اس کی دو شکلیں ہیں معمولی

Marfat.com

سا عیب ہوا ہو تو مہر کے علاوہ عورت کو اور کچھ حق نہیں ہے البتہ اس اجنبی سے جو نقصان ہوا ہے اس کے نصف کا معاوضہ طلب کر سکتی ہے اگر کوئی بڑا نقص ہو گیا ہے تو اس حالت میں عورت کو اختیار ہوگا کہ یا تو نصف مہر وصول کر لے اور اس نقصان کا نصف تاوان اجنبی کے ذمہ ڈال دے جو اس اجنبی کے ہاتھوں ہوا یا پھر وہ مال خاوند کو واپس کر دے۔ اور مال کی وہ قیمت جو عقد والے دن تھی اس کا نصف خاوند کے ذمہ ڈال دے۔ ادھر خاوند پورے نقصان کے تاوان کا مطالبہ اس قصور وار (اجنبی) سے کرے گا۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ مہر خاوند کے پاس ہو لیکن اگر اس مال مہر میں بیوی کے قبضہ میں آنے کے بعد معمولی سا نقص پیدا ہوا جس کی ذمہ دار بیوی ہو اور مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی تو خاوند کو اس معمولی سے نقص والے نصف مال سے زیادہ کا حق نہ ہوگا البتہ اگر بڑا نقص ہو تو خاوند کو اختیار ہے کہ یا تو اس عیب دار مال کا نصف بغیر کسی مطالبہ تاوان کے لے لے یا پھر (بیوی کے) قبضہ والے دن اس مال کی جو قیمت تھی اسے لے کر مال مہر سے دست بردار ہو جائے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ مال بیوی کے پاس ہو اور کسی ناگہانی افتاد سے اس میں نقص پیدا ہو جائے یا خود مال مہر کے کسی فعل سے اس میں نقص پیدا ہو جائے' خواہ یہ نقص طلاق سے پہلے ہو یا طلاق کے بعد ہو لیکن اگر یہ نقص کسی غیر متعلقہ شخص نے اس میں ڈالا اور طلاق سے پہلے اس میں یہ عیب ہو گیا تھا تو بیوی پر لازم ہوگا کہ عقد والے روز جو اس کی قیمت تھی اس کا نصف ادا کرے کیوں کہ اجنبی شخص اس نقصان کے تاوان کا ذمہ دار ہے اور یہ اضافہ مہر سے جدا ہے لہٰذا اس کو آدھا آدھا نہ کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ اجنبی شخص طلاق سے پہلے معاوضہ کی ادائیگی کر دے تو اس عیب کے تاوان کو بھی نصف نصف کیا جائے گا اور عورت خاوند کو تاوان کا نصف بھی ادا کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔

اگر کسی اجنبی نے مال مہر میں کوئی نقص طلاق کے بعد پیدا کر دیا تو خاوند اصل مہر کے نصف کا حقدار ہوگا اس کے بعد اسے اختیار ہوگا کہ اس نقصان کا آدھا تاوان یا تو اجنبی سے وصول کرے یا بیوی سے۔ کہا جاتا ہے کہ اس مسئلہ میں اجنبی شخص نے مال مہر کو طلاق سے پہلے ناقص کیا ہو یا بعد میں اس سے اس حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا جو اوپر بتایا گیا۔ اگر مال میں خرابی پیدا کرنے کا ذمہ دار خاوند ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو اجنبی کے نقص ڈالنے کی صورت میں ہے۔ دونوں صورتیں یکساں ہیں۔

واضح ہو کہ اگر خاوند مقرر شدہ مہر پر کچھ اضافہ کرے تو یہ دو شرطوں کے ساتھ درست ہوگا:

ایک شرط یہ ہے کہ بیوی مہر کے اضافہ کو اسی جگہ جہاں اسے اضافہ کی اطلاع دی گئی قبول کر لے۔ اگر بیوی صغیر سن ہو تو اس کے ولی کا اسی جگہ اضافہ کو قبول کرنا شرط ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اضافہ کی مقدار معلوم ہو۔ پس اگر (بیوی سے) یوں کہا کہ میں نے تمہارا مہر بڑھا دیا اور یہ نہیں بتایا کہ کس قدر بڑھایا تو یہ اضافہ درست نہ ہوگا کیوں کہ (مقدار) نامعلوم ہے۔ بعض اصحاب نے ایک اور تیسری شرط بھی بتائی ہے یعنی (اضافہ مہر کے وقت) ازدواجی رشتہ برقرار ہو۔ لہٰذا اگر طلاق بائن (یعنی نکاح توڑنے والی طلاق) یا موت کے بعد مہر میں اضافہ کیا تو یہ درست نہ ہوگا لیکن اس (شرط) کے بارے میں اختلاف ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ نے صراحتاً بیوی کی وفات کے بعد (مہر میں) اضافہ کو صحیح فرمایا ہے بشرطیکہ ورثاء اسے قبول کریں' طلاق بائن کے

Marfat.com

بعد مہر میں اضافہ کو اسی پر قیاس کیا ہے کیوں کہ (مرنے کے بعد اضافہ ہو سکتا ہے تو) طلاق بائن کے بعد بدرجہ اولیٰ مہر میں اضافہ درست ہوگا۔ لیکن خیال غالب یہ ہے کہ رشتۂ ازدواج باقی رہنے کی شرط رکھی جائے کیوں کہ زوجیت کا رشتہ ہی باقی نہ رہا تو مہر میں اضافہ کرنے کے کچھ معنی نہیں۔ جو لوگ اسے صحیح سمجھتے ہیں ان کا نظریہ ہے کہ مہر میں اضافہ خاوند کی طرف سے ایک ایسی ہی نیکی ہے جیسے زوجیت کے ختم ہو جانے کے بعد متعہ (جوڑا) دیا جاتا ہے۔ پس اس کے باطل ہونے کی وجہ نہیں ہے تاہم ایسی صورت کا فی الواقع پیش آنا قرین قیاس نہیں ہے لہٰذا اس بحث میں پڑنے سے کیا فائدہ؟

واضح ہو کہ اضافہ مہر کے قبول کرنے کے وقت شاہدوں کا موجود ہونا شرط نہیں ہے اور نہ یہ شرط ہے کہ وہ مہر بیوی کی ملکیت میں باقی ہو (تب ہی اضافہ ہو سکتا ہے) لہٰذا اگر کسی نے مہر کے معاف ہو جانے یا ہبہ کرنے کے بعد بھی مہر میں اضافہ کیا تو درست ہوگا۔ اس میں یہ بھی شرط نہیں ہے کہ اضافہ کردہ شے بھی وہی ہو جو مہر میں ٹھہری۔ پس اگر مہر میں نقدی ہو اور خاوند نے ایک جانور کا مزید اضافہ مہر میں کر دیا یا اس کے برعکس صورت ہو (تو درست ہے) اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اضافہ خصوصیت کے ساتھ خاوند ہی کرے بلکہ اس کا وصی اضافہ مہر کر دے تب بھی صحیح ہے نیز اضافۂ مہر میں اضافہ کا لفظ استعمال کرنا بھی شرط نہیں ہے بلکہ اگر خاوند نے یوں کہا کہ اس کی بجائے اتنا مہر ہوگا اور عورت کہے کہ مجھے منظور ہے تو اسے بھی اضافہ کہا جائے گا اب اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی تو خاوند صرف اصل مہر کے نصف ہی کا حقدار ہوگا اور جو اس نے اضافہ کیا اس کو آدھا نہیں کیا جائے گا جیسا کہ پہلے بتایا گیا یہ حکم صرف اس صورت کے لئے مخصوص نہیں ہے جب کہ مہر مستقبل شے کا ٹھہرا ہو۔

واضح ہو کہ جس طرح خاوند کو یہ حق ہے کہ وہ بیوی کے مہر میں اضافہ کر دے اسی طرح بیوی کو بھی یہ حق ہے کہ مہر کا کچھ حصہ یا پورا مہر ساقط کر دے بشرطیکہ مہر نقدی کی شکل میں ہو اگر مستقل شے ہے مثلاً کوئی مال تجارت یا جانور مہر ہو تو عورت اس میں کچھ گھٹا نہیں سکتی۔ تاہم اگر مال مہر خاوند کے پاس تلف ہو جائے تو جس قدر مہر عورت نے معاف کر دیا ہے خاوند اس حصہ مہر کی تلافی کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر کسی نے ایک خاص گھوڑے کو مہر قرار دیا اور بیوی نے وہ مہر معاف کر دیا تو جب تک وہ گھوڑا موجود ہے بیوی کو اس میں حق پہنچتا ہے ہاں اگر وہ ہلاک ہو جائے تو خاوند پر (تاوان) کی ذمہ داری نہ ہوگی۔ اور یہ حکم خاص اس مہر کی بابت نہیں ہے جو مال عین (کوئی شے مستقل) ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر دونوں میاں بیوی میں طلاق کے ذریعہ علیحدگی ہو جائے تو بقول صحیح مہر میں جو اضافہ یا کمی لاحق ہو اس کے حق دار نصفا نصف دونوں ہوں گے کیوں کہ عورت عقد کے ساتھ آدھے مہر کی مالک ہو جاتی ہے لہٰذا مباشرت سے پہلے طلاق ہونے کی صورت میں دونوں آدھے آدھے مہر کے حق دار ہوں گے۔ مہر کے جانور کا بچہ متفقہ طور پر مہر کے اندر اور اس سے وابستہ قرار دیا جائے گا۔ خواہ وہ عورت آدھے مہر کی یا مہر کے ایک حصہ کی یا پورے مہر کی مالک ہو (لیکن اس میں اختلاف ہے)۔

مہر کے جانور کا بچہ بہر حال دونوں کا حصہ ہے۔ رہی مال مہر کی آمدنی مثلاً پھول یا اون۔ سو اس قول کے مطابق کہ بیوی پورے مہر کی مالک ہوتی ہے وہ سب بیوی کا حق ہوگا اور مباشرت سے پہلے طلاق کی صورت میں خاوند اصل مہر کے نصف سے زیادہ کا حق دار نہ ہوگا۔ بنابریں بیوی یا تو اس قول کے مطابق کہ بیوی عقد کے بعد نصف مہر کی مالک ہو جاتی ہے

Marfat.com

مال مہر سے ہونے والی نصف آمدنی کی مالک ہو جائے گی اور یا اس قول کے مطابق کہ عقد کے بعد بیوی پورے مہر کی مالک ہو جاتی ہے مال مہر سے حاصل ہونے والی پوری آمدنی کی بھی ہو گی۔ رہا اس قول کے مطابق کہ بیوی محض عقد ہونے سے کسی شے کی مالک نہیں ہوتی مال مہر کی آمدنی سے بھی کسی کی مالک نہ ہو گی۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ قول کسی کا بھی نہیں ہے۔ تاہم بظاہر قاعدہ کا مقتضی ہے اسی وجہ سے بعض فضلاء فقہ نے اس قول سے مسائل اخذ کئے ہیں۔

اگر میاں بیوی میں مباشرت سے پہلے طلاق سے نہیں بلکہ بوجہ تنسیخ نکاح علیحدگی ہو جائے تو ایک قول کے مطابق مہر میں جو اضافہ ہوا ہے وہ خاوند کا حق ہو گا اور جو نقصان ہوا ہے وہ بھی اسی کا ہے۔ اور اگر علیحدگی مباشرت یا موت کے بعد ہوئی ہے تو ایک قول کے مطابق مہر میں کمی بیشی کا نقصان یا فائدہ عورت کو ہو گا۔

اگر خاوند نے نکاح کے بعد بیوی کے حق مہر میں اضافہ کر دیا تو یہ زیادتی مہر کے ساتھ وابستہ متصور ہو گی بایں طور کہ وہ زیادتی مہر کا ایک حصہ متصور ہو گی پس اگر ایک سو اشرفی کے مہر پر شادی ہوئی اور شادی کے بعد خاوند نے مثلاً مہر میں بیس اشرفی کا اضافہ کر دیا تو یہ اضافہ لازم الاداء ہو جائے گا اور اسے بھی مہر قرار دیا جائے گا۔ اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ زیادتی اسی جنس شے کی ہو جس کا مہر ٹھہرا ہے اور نہ اس قسم کی کوئی شرط ہے کہ وہ اضافہ فی الحال کیا جائے یا تاخیر کے ساتھ پس اگر ایک باغ مہر ٹھہرا پھر اس پر خاوند نے بیس اشرفیوں کا جس کا وہ مالک ہے اضافہ کر دیا تو اسے بھی مہر مانا جائے گا۔ اس پر عورت کا قبضہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ لہٰذا اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی تو عورت نصف باغ کے ساتھ بیس اشرفیوں کے نصف کی حق دار بھی ہو گی۔ غرض عقد کے مہر پر جو کچھ بھی اضافہ کیا جائے مباشرت سے پہلے طلاق کی صورت میں اس کی تنصیب بھی کی جائے گی بشرطیکہ اس اضافہ پر عورت کا قبضہ ہونے سے پہلے خاوند مفلس نہ ہو جائے۔ اگر مفلس ہو جائے تو اضافہ شدہ مہر ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر بیوی کا قبضہ ہونے سے پہلے اس شخص کی وفات ہو جائے تب بھی یہ اضافہ ساقط ہو جائے گا۔ یعنی خاوند کے مفلس ہو جانے یا وفات پا جانے سے اضافہ کردہ مہر ساقط ہو جائے گا۔ لیکن اگر بیوی کا قبضہ ہو گیا ہو تو کسی حالت میں ساقط نہ ہو گا۔

یہ تمام احکامات اس صورت میں ہیں جبکہ مہر میں اضافہ عقد کے بعد کیا جائے۔ عقد سے پہلے یا عقد کے وقت جو اضافہ کیا جائے وہ قطعی طور پر کل کا کل مہر متصور ہو گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مہر معین میں کوئی بھی اضافہ خواہ وہ اضافہ منفصلہ ہو مثلاً مہر کی شے سے کمایا ہوا مال یا اترے ہوئے پھل (یا جانور سے) پیدا ہونے والا بچہ وغیرہ سب بیوی کا حق ہو گا۔ خواہ اس پر بیوی کا قبضہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ کیوں کہ وہ بیوی کی ملکیت ہے جس میں وہ بذات خود تصرف کر سکتی ہے اور وہ عورت اس کی ضامن ہو گی بایں طور کہ اگر وہ تلف ہو جائے تو وہ دونوں کی تلف شدہ متصور ہو گی۔ لیکن اگر وہ شے گنتی والی شے ہے یا ناپ یا تول سے اس کا معاملہ ہوتا ہے تو ایسی شے میں وہ عورت قبضہ کرنے سے پہلے تصرف نہیں کر سکتی۔ جیسے وہ شے جس کا سودا برابر سرابر کے اصول پر ہوتا ہے۔ یہی حکم اضافہ متصلہ کا ہے جیسے جانور کی فربہی اور کپڑے پر رنگ چڑھانا۔ ان اضافوں میں خاوند کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اضافے اس وقت کے ہیں جبکہ (مال مہر) عورت کی ملکیت میں تھا۔ پس اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی اور وہ عورت اس پر راضی ہے کہ وہ اپنے مہر کے جانور کا نصف جس میں اضافہ ہو گیا ہے اپنے خاوند کو دے دے یا اپنے مہر کا کپڑا جواب

Marfat.com

مہر مؤجل اور مہر معجّل کا بیان

واضح ہو کہ مہر کا پورا یا کچھ حصہ فوری طور پر ادا کر دیا جائے (جسے مہر معجّل کہتے ہیں) یا بعد میں ادائیگی کی شرط ہو (جسے مہر مؤجل کہتے ہیں) دونوں صورتیں بموجب تفصیل مسالک مختلفہ جائز ہیں۔ [1]

رنگا ہوا ہے نصف دے دے یا (اضافہ کی بجائے) نقص پیدا ہو گیا ہے تو خاوند پر لازم ہوگا کہ وہ اسے قبول کر لے۔ لیکن اگر مہر غیر معین شے ہے تو بیوی کا قبضہ ہونے سے پہلے خاوند اس کا ذمہ دار ہوگا اور اس میں جو اضافہ یا کمی ہوئی وہی اس (کے نفع ونقصان) کا ذمہ دار ہوگا جیسا کہ ذکر کیا گیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مہر معین میں اضافہ ہو جائے تو خاوند اس اضافہ شدہ شے میں سے کسی کا مالک نہیں ہے خواہ وہ اضافہ متصل ہو یا منفصل۔ لہٰذا اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہو جائے تو خاوند آدھے مہر کے سوا کسی شے کا حقدار نہ ہوگا۔ ہاں اگر بیوی بخوشی خود اضافہ شدہ مال مہر کا نصف بطور خیر سگالی کے دے دے تو اسے وہی لینا لازم ہوگا اس مال کی قیمت کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

اگر مہر معین میں نقص ہو جائے اور مباشرت سے پہلے طلاق ہو جائے تو خاوند کو اختیار ہوگا کہ یا تو وہ نصف مال مہر لے لے اور جو نقص ہوا ہے اس کا معاوضہ نہ لے یا مال مہر کی آدھی قیمت وصول کر لے۔

واضح ہو کہ اگر خاوند بیوی کے مہر میں عقد کے بعد کچھ اضافہ کر دے تو اسے اصل مہر میں شامل کیا جائے گا۔ بشرطیکہ ازدواجی رشتہ برقرار ہو۔ اگر بیوی کو مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی تو وہ مقرر شدہ مہر کے اور جو اضافہ کیا گیا اس کے نصف کی حقدار ہوگی۔ ایسی صورت میں جو اضافہ ہوا ہے اسے بھی نصف نصف تقسیم کیا جائے گا اور مفلس ہونے کی وجہ سے وہ اضافہ ساقط نہ ہوگا۔ یہ حکم مالکیہ کے خلاف ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ تمام مہر یا اس کا کچھ حصہ عقد کے وقت فوری طور پر ادا کر دیا جائے (جسے مہر معجّل کہتے ہیں) یا بعد میں ادائیگی کا وعدہ ہو (جسے مہر مؤجل کہتے ہیں) دونوں جائز ہیں۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ بعد میں ادائیگی کے لئے کوئی میعاد مدت بتا دی گئی ہو اور اگر کوئی میعاد مدت نہیں بتائی گئی مثلاً یوں کہہ دیا کہ میں ایک سو مہر پر شادی کرتا ہوں بعد میں جب توفیق ہوئی یا بادل آ جائیں گے یا بارش ہو جائے گی یا فلاں مسافر آ جائے گا تو یہ مہر ادا کر دوں گا۔ ان تمام صورتوں میں میعاد مدت ادائیگی کا کچھ بھی پتہ نہیں چلتا۔ تو یہ قول قائم نہ رہے گا اور جو مہر مقرر ہوا ہے اس کی فوری ادائیگی واجب ہوگی۔ اگر مدت (واضح طور پر) بتا دی گئی مثلاً یہ کہا کہ میں ایک سو مہر پر عقد نکاح کرتا ہوں جس میں سے اس قدر تو سرِ دست ادا کرتا ہوں باقی ایک سال (یا یوں کہا کہ) دو سال میں ادا کر دوں گا یا یوں کہا کہ میں دو سو مہر مقرر کرتا ہوں جسے دو سال میں ادا کر دوں گا۔ یا اس سے کم یا زیادہ مدت مقرر کر دی تو صحیح ہے خواہ یہ شرط عقد نکاح کے وقت لگائی یا بعد میں، تو بالاتفاق اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اگر کل مہر یا اس کے کچھ حصہ کی ادائیگی کے لئے موت یا طلاق کی شرط رکھی یا بالاقساط ادا کرنے کو کہا جسے مہر منجم کہتے ہیں مثلاً یوں کہا کہ ایک سو روپیہ مہر پر شادی کرتا ہوں جو مرنے پر یا طلاق ہونے پر پنج سالہ مقررہ اقساط میں ادا کر دوں گا تو درست ہے اس کو بھی میعاد مقرر سے تعبیر کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر یوں کہا جائے کہ میں ایک سو مہر پر شادی

Marfat.com

کرتا ہوں جس سے نصف سر دست ادا کردوں گا اور ایک چوتھائی وفات پانے یا طلاق ملنے میں سے جونسی مدت زیادہ لمبی ہوگی اس پر دوں گا اور باقی ایک چوتھائی چار سال میں بالاقساط ادا کردوں گا تو یہ بھی درست ہے۔ اسی طرح کی یہ شرط ہے کہ مہر کی ادائیگی فصل کٹنے یا کپاس چننے یا انگور پکنے یا خربوزہ اترنے پر ہوگی یا ایسی ہی کوئی اور شرط ہوئی تو اگرچہ اس میں وقت کا تعین نہیں ہے لیکن (وقت کی بابت) لاعلمی ایک حد تک ہے (قطعاً لاعلمی نہیں ہے) اس میں وقت کا قریب قریب یقین ہو جاتا ہے لہٰذا اسے بقول صحیح میعاد معلوم ہی سمجھا جائے گا بخلاف معاملہ بیع کے کہ اس میں مال فروخت یا اس کے دام کی بابت لاعلمی ہو تو معاملہ بیع درست نہ ہوگا خواہ یہ لاعلمی معمولی ہو جیسا کہ اس مثال میں یہ قطعاً لاعلمی ہو جیسا کہ اوپر کی مثال میں بتایا گیا۔

اگر کوئی مہر ٹھہر گیا لیکن فوری ادائیگی یا بعد میں ادائیگی کا کوئی ذکر نہ ہو مثلاً یوں کہا کہ میں ایک سو مہر پر شادی کرتا ہوں لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس قدر مہر معجّل ہوگا تو بیوی کو اس صورت میں یہ حق ہے کہ وہ ایک سو کے مہر میں سے اس قدر لے لے جس قدر لینے کا اس علاقہ میں بالعموم ایسے مہر کی بابت رواج ہے۔ چنانچہ اگر یہ عام رواج ہے کہ جو مہر بندھتا ہے اس میں سے آدھا یا دو تہائی معجّل (یعنی فوراً واجب الاداء) ہوتا ہے تو بیوی کو اسی رواج کے مطابق لینے کا حق ہے کیوں کہ وہ (عمل) جو رواج سے عام ثابت ہو وہ شرط کی مانند ہوتا ہے تا آنکہ پورا مہر فوری طور پر یا بعد میں واجب الاداء ہونے کی شرط نہ لگائی جائے۔ اگر ایسی کوئی شرط رکھی گئی ہو تو اس کے مطابق عمل ہوگا اور عام رواج کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اگر یوں کہا کہ میں ایک سو مہر پر شادی کرتا ہوں جو بعد میں ادا کیا جائے گا یا یوں کہا کہ اسی وقت ادا کیا جائے گا تو جو شرط بھی کی ہے اس پر عمل ہوگا اگرچہ رواج عام اس کے خلاف ہو۔

اگر ایک مہر قرار پایا جس میں سے نصف تو معجّل ہے اور نصف مؤجل (یا غیر معجّل) ہے جس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا گیا۔ مثلاً ایک سو مہر ٹھہرا جس میں پچاس معجّل اور پچاس مؤجل جس کی کوئی مدت نہیں بتائی تو اس (کی صحت) کے بارے میں اختلاف ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس میں مدت باطل متصور ہوگی اور پورا مہر معجّل (فوری واجب الاداء) ہوگا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ بعد میں ادا کرنا جائز ہے۔ اور (بعد میں ادائیگی سے) مراد موت یا طلاق سے علیحدگی کا وقت سمجھا جائے گا اور یہی صحیح ہے۔

اگر کسی شخص نے بیوی کو طلاق رجعی دی (جس میں رجوع ہو سکتا ہے) اور طلاق پر مہر واجب الاداء تھا تو وہ مہر اسی وقت ادا کرنا واجب ہوگا۔ اگر خاوند رجوع بھی کر لے تو وہ مہر مؤجل نہ رہے گا بلکہ بیوی کو حق ہوگا کہ وہ فوری طور پر وصول کر لے۔

مہر کے معجّل یا غیر معجّل ہونے میں اس سے فرق نہیں پڑتا کہ مہر نقدی میں ہو یا مال کی صورت میں کوئی جانور وغیرہ ہو۔ لہٰذا اگر کپڑے کے مہر پر شادی ہوئی اور (مہر کے کپڑے کا) عرض وطول اور اس کی کیفیت بتا دی گئی اور اس کی ادائیگی کے لئے وقت مقرر کر دیا گیا تو درست ہے۔ اب اگر مدت پوری ہو جائے اور خاوند (کپڑے کے بجائے) اس کی قیمت دینا چاہے تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ قیمت لینے سے انکار کر دے۔ لیکن اگر ایک خاص متعین کپڑے کا مہر ٹھہرا کر شادی کی اور اس کیلئے کوئی مدت مقرر نہیں کی اور ارادہ یہ کیا کہ اس کی قیمت دے دے تو عورت کو اس کی قیمت لینے سے انکار کرنے کا

Marfat.com

حق نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مہر یا تو متعین ہوگا۔ مثلاً کوئی جانور جو دکھا دیا گیا ہو یا اس کو خصوصیت کے ساتھ بتا دیا گیا ہو۔ مثلاً (یوں کہا کہ) یہ گھوڑا یا فلاں مخصوص گھوڑا (مہر ہوگا) یا پھر مہر غیر معین ہوگا جس کی صفات بتا دی گئی ہوں مثلاً مسکوف کے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا یا عربی گھوڑا یا پھر مہر میں درہم و دینار (یعنی سکے) ہوں گے جن کی صفت بیان کر دی گئی ہو اس کی تفصیل سابقاً ہو چکی ہے۔

اب اگر مہر غیر معین ہے تو اس پوری شے کو مہر قرار دینا جائز ہے۔ اور اس کے کچھ حصہ کو بھی مہر بتایا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس کی ادائیگی کی مدت غیر معلوم نہ ہو (غیر معلوم ہونے کی صورت) مثلاً میعاد کسی وقت سے مقید نہ ہو یا جس امر سے مقید ہو اس امر کا (وقت) وقوع نامعلوم ہو۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ خاوند (صرف) یوں کہے کہ میں تمہارے ساتھ ایک سو اشرفی کے مہر مؤجل پر شادی کرتا ہوں اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ میں ایک سو اشرفی مہر مؤجل پر شادی کرتا ہوں جو موت پر یا علیحدگی پر ادا کیا جائے گا۔ یہ اس صورت کی مثال ہے جبکہ پورا مہر مؤجل ہو اور اس صورت کی مثال جس میں مہر کا کچھ حصہ مؤجل ہو یہ ہے کہ خاوند کہے کہ میں ایک سو مہر پر شادی کرتا جس میں سے پچاس مہر مؤجل ہوگا جو موت یا علیحدگی پر اداء کیا جائے گا اور پچاس دو سال یا دو ماہ میں ہوگا' یا ایسی ہی کوئی اور میعاد مقرر کی جائے۔ پس اگر مہر کی مدت یا مہر کے ایک حصہ کی میعاد ادائیگی کا تعین اس طرح نہ ہو تو وہ عقد فاسد ہو جائے گا اور مباشرت نہیں ہوئی ہو تو اسے فسخ کر دیا جائے گا اور مباشرت ہو جائے تو عقد برقرار رہے گا لیکن مہر مثل متعین ہو جائے گا۔ (فسخ عقد کے لئے) شرط یہ ہے کہ مہر کی بابت بالارادہ بے خبر رکھا گیا ہو اور قصداً مدت ادائیگی سے آگاہ نہ کیا گیا ہو۔ لیکن اگر (ادائیگی مہر کی) میعاد کا تعین کرنا بھولے سے یا ناواقفیت کی بنا پر رہ گیا ہو تو عقد درست ہوگا اور ادائیگی کے لئے اہل شہر کے رواج عام کے مطابق اس کی مدت اسی طرح مقرر کر دی جائے گی جیسا کہ ادھار معاملہ بیع میں ہوتا ہے۔ اسی طرح اس عقد کے فاسد ہونے کی یہ شرط ہے کہ اس عقد کو ایسے قاضی نے جو اس عقد کو صحیح سمجھتا ہے مثلاً قاضی حنفی نے صحیح قرار دے دیا ہو پس اگر (قاضی حنفی نے) اس عقد کو درست قرار دے دیا تو وہ مالکیہ کے نزدیک بھی درست سمجھا جائے گا لہٰذا نہ وہ مباشرت سے پہلے قابل فسخ ہوگا اور نہ مباشرت کے بعد۔

واضح ہو کہ اس مدت کو بھی مدت غیر معلومہ تصور کیا جائے گا جبکہ ادائیگی کے لئے پچاس سال کی مدت مقرر کر دی گئی ہو۔ اگر چہ زوجین کی عمر اتنی کم ہو کہ اتنے عرصہ تک زندہ رہنا ممکن ہو۔ اگر مدت پچاس سال سے کم ہو نکاح فاسد (قابل فسخ) نہ ہوگا خواہ پچاس سال سے کچھ ہی کم اور عمر کے پیش نظر یہ مدت سخت قابل اعتراض ہو۔

اگر بیوی کے ساتھ مزاوجت کو مہر مؤجل کی مدت قرار دیا جائے تو اسے بھی مدت معلومہ قرار دیا جائے گا بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ لوگوں کے عام رواج کے مطابق مزاوجت کا کون سا وقت ہوتا ہے۔ مثلاً عام رواج یہ ہے کہ لوگ فصل کٹنے' کپاس چننے' پیداوار حاصل کرنے یا پھل توڑنے کے دنوں میں عورتوں کے پاس جانے لگتے ہیں' وغیرہ۔ اب اگر اس کا کوئی عام رواج نہ ہو تو (اس شرط سے) عقد فسخ ہو جائے گا اور مباشرت سے پہلے پہلے عقد قابل فسخ ہوگا۔ اس کے بعد بقول مشہور عقد برقرار رہے گا اور مہر مثل متعین ہو جائے گا۔ نیز کہا جاتا ہے کہ اس سے عقد فاسد نہ ہوگا۔ کیوں کہ مباشرت کے وقت کا

Marfat.com

انتخاب بیوی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں اس کا مہر واجب الادا ہوگا۔ اسی طرح اس صورت میں بھی وقت ادائیگی مہر متعین سمجھا جائے گا جبکہ ادائیگی مہر کے لئے سہولت میسر ہو جانے کی شرط رکھی ہو درآنحالیکہ خاوند کے پاس مال ہو لیکن اسے کام میں نہ لا سکتا ہو مثلاً وہ ایک تاجر ہے اور جو کچھ اس کے پاس تھا وہ سب اس نے (مال تجارت) روئی یا گندم وغیرہ کے خریدنے کے لئے پیشگی کے طور پر دے رکھا ہے۔ لہٰذا اسے ادائیگی کی سہولت اس وقت ہوگی جب اس کی میعاد پوری ہو جائے گی یا اس کے پاس مال تجارت ہے جسے وہ اس وقت فروخت کرے گا جب کہ نرخ بڑھ جائے گا اور اس مال کی مانگ ہوگی۔ اگر خاوند کے پاس مال وغیرہ نہیں ہے تو (سہولت والی شرط سے) نکاح فاسد ہو جائے گا اور مباشرت سے پہلے قابل فسخ ہوگا۔ مباشرت ہو جائے تو عقد باقی رہے گا اور مہر مثل متعین ہو جائے گا۔

اگر ایک شخص نے (عورت سے) یوں کہا کہ میں تمہارے ساتھ ایک سو کے مہر پر شادی کرتا ہوں۔ جس وقت بھی تم چاہو لے سکتی ہو۔ تو یہ درست ہوگا درآنحالیکہ فی الواقع اس کے پاس مال ہو ورنہ اس کا وہی حکم ہے جو سہولت حاصل ہونے تک کی مہلت کے بیان میں اوپر بتایا گیا۔

اگر مہر معین ہے یعنی کوئی مال تجارت یا جانور یا کپڑا یا سامان خانہ وغیرہ ایسا ہے جو معلوم اور متعین ہو اور اس وقت شہر میں موجود ہے تو اسے عقد والے روز ہی بیوی یا اس کے ولی کے حوالہ کر دینا واجب ہے۔ خواہ بیوی قابل مباشرت ہو یا نہ ہو اور خواہ خاوند بالغ ہو یا نہ ہو۔ اس کی ادائیگی میں تاخیر جائز نہیں ہے سوا اس صورت کے جب کہ یہ دو شرطیں پائی جائیں:

ایک شرط یہ ہے کہ عقد میں تاجیل (یا بعد میں ادائیگی) کی شرط نہ رکھی گئی ہو اگر عقد میں تاجیل مہر کی شرط رکھی تو عقد فاسد ہو جائے گا خواہ وہ عورت تاخیر سے ادائیگی پر راضی ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ دونوں تاجیل (تاخیر سے ادائیگی) پر راضی ہوں اور یہ شرط عقد میں نہ رکھی گئی ہو کیوں کہ اس صورت میں مہر عورت کا حق ہو جاتا ہے جس کی وہ عقد کے ساتھ ہی ذمہ دار ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر اس (کے حصول) میں (اپنی مرضی سے) تاخیر کرے تو مضائقہ نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر مہر معین شے ہو اور وہ شے شہر میں موجود ہو تو لازم ہے کہ اس شے کو خاوند یا اس کا ولی عقد کے روز ہی بیوی کے حوالہ کر دے اور عقد میں اس کی تاخیر سے ادائیگی کی شرط جائز نہیں ہے اگر وہ مہر شہر میں موجود نہیں ہے تو نکاح درست ہوگا بشرطیکہ اس کو حوالہ کرنے کے لئے کوئی قریب کی مدت مقرر کی جائے یعنی وہ شے اوسط درجہ کی مسافت پر واقع ہونے والے شہر میں ہو۔ جیسے مصر سے مدینہ کا فاصلہ ہے۔ لیکن اگر وہ شے بہت دور کی مسافت پر واقع ہو جیسے مصر سے خراسان ہے تو یہ شرط درست نہ ہوگی۔ علاوہ اس کے (مال مہر کے) اوسط درجہ کی مسافت پر موجود ہونے کی بنا پر ادائیگی مہر میں تاخیر کی شرط رکھی جائے تو اس کے لئے دو باتیں ملحوظ رہیں: ایک تو یہ کہ مہر کے لانے اور بیوی کو دیئے جانے سے پہلے مباشرت کا ہو جانا شرط ہو۔ اگر یہ شرط بیوی کا مہر پر قبضہ ہونے سے پہلے رکھی گئی ہو تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ عورت اس شرط کو چھوڑ دے تب بھی درآنحالیکہ وہ مہر مال اسباب کی شکل میں نہ ہو۔ اگر مہر اسباب (سامان) کی شکل میں ہو اور اس شرط کو نظر انداز کر دیا جائے تو درست ہے اور عقد فاسد نہ ہوگا۔ تاہم بیوی کا (مہر پر) قبضہ ہونے سے پہلے مباشرت کی شرط اس حال میں درست ہے جبکہ مال مہر اس شہر میں ہو جو عقد نکاح والے شہر سے دو تین یا پانچ دن تک کی

Marfat.com

بیوی کا وصولی مہر سے پہلے مباشرت وغیرہ سے انکار کرنے کا بیان

واضح ہو کہ بیوی کو یہ حق ہے کہ خاوند کو مباشرت اور تخلیہ وغیرہ سے باز رکھے اور خاوند کو یہ حق نہیں کہ جب تک وہ ابتدائی مہر ادا نہ کرے بیوی کو حقوق زوجیت بجالانے کو لازمی قرار دے۔ اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

مسافت پر ہو۔

دوسرا امر قابل لحاظ یہ ہے کہ اس مہر کو بیوی یا اس کے ولی نے دیکھ رکھا ہو یا اس کی خاص صفات کا علم ہونے کے باعث اس کو جانتا ہو۔ بصورت دیگر بیوی مباشرت کے بعد مہر مثل کی حقدار ہو جائے گی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے کہ پورے مہر یا اس کے کچھ حصہ کی بتاخیر ادا کرنے کی شرط رکھی جائے بشرطیکہ وہ مدت متعین نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص کہے کہ میں اتنے مہر مؤجل پر شادی کرتا ہوں جس کو فلاں شخص کے آنے پر یا بارش ہونے پر ادا کروں گا تو یہ میعاد باطل متصور ہوگی اور مہر واجب ہو جائے گا۔ اگر اس کی مدت ادائیگی نامعلوم وقت پر نہیں رکھی گئی بلکہ بغیر کسی وضاحت کے یوں کہہ دیا کہ میں تمہارے ساتھ مہر مؤجل پر نکاح کرتی ہوں اور اس کے سوا کچھ نہیں کہا تو یہ عقد صحیح متصور ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ ادائیگی مہر کے لئے علیحدگی کی مدت مقرر ہوئی ہے خواہ طلاق ہو جانے سے ہو یا موت آ جانے سے۔ یہاں طلاق سے مراد طلاق بائن (نکاح توڑنے والی طلاق) ہے طلاق رجعی سے مہر مؤجل کی میعاد ختم نہ ہوگی تاوقتیکہ ایام عدت نہ گزر جائیں۔

واضح ہو کہ جس طرح پورے مہر کے لئے مدت کا تعین درست ہے اسی طرح مہر کے کچھ حصہ کے لئے بھی میعاد مقرر کرنا اور کچھ حصہ کی فوری ادائیگی بھی درست ہے۔ (یعنی مہر کا کچھ حصہ معجّل ہو اور کچھ مؤجل ہو تو درست ہے) مثلاً ایک شخص کہے کہ میں تمہارے ساتھ ایک سو مہر پر نکاح کرتا ہوں جس میں سے نصف معجّل اور نصف مؤجل ہوگا جو طلاق یا موت پر ادا کروں گا یا بالاقساط اتنی مدت میں اداء ہوگا' چنانچہ حق مہر بھی دوسرے میعادی مطالبوں کی مانند میعاد مقررہ سے پہلے وصول کرنا حلال نہیں ہے۔

پس اگر مہر ٹھہر گیا اور ادائیگی کے لئے میعاد مقرر نہیں کی گئی مثلاً یوں کہا کہ میں ایک سو مہر پر عقد نکاح کر رہا ہوں اور اس کے سوا کچھ نہ کیا گیا تو یہ درست ہے اور تمام مہر فوری طور پر واجب الاداء ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مہر مؤجل باندھنا جائز ہے بشرطیکہ ادائیگی کا وقت مجہول (نامعلوم) نہ ہو۔ پورا مہر مؤجل ہو سکتا ہے اور اس کا کچھ حصہ بھی۔ پس اگر عقد نکاح میں ایک سو کا مہر (مؤجل) مقرر کیا گیا اور اس کی ادائیگی کا وقت متعین نہیں کیا گیا یا فصل کٹنے' بارش آنے تک کا وقت رکھا گیا تو وہ مہر ٹھہرانا فاسد ہو جائے گا اور مہر مثل لازم الادا ہوگا اور اگر ایک سو مہر پر عقد ہوا جس کی منجملہ پچاس کی فوری ادائیگی کی شرط ہو اور باقی پچاس کی ادائیگی موت یا طلاق پر اٹھا رکھی جائے تو اس طرح مہر کا ٹھہرانا فاسد ہوگا اور مہر مثل واجب ہوگا۔ لیکن یہ اس پچاس کے مقابلے میں نہیں جس کی مدت نامعلوم ہے۔ کیونکہ مدت ادائیگی معلوم نہ ہو تو سو کی تقسیم دشوار ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مہر دو طرح کا ہوتا ہے۔ یا تو وہ معین ہوگا یا نہ ہوگا۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اگر مہر شے

Marfat.com

معین ہو اور وہ شے موجود ہو تو اس کی ادائیگی میں تاخیر جائز نہیں ہے' بلکہ عقد والے روز ہی بیوی کو ادا کر دینا واجب ہے۔ سوا اس صورت کے جب کہ عورت اسے بعد میں ادا کرنے کی اجازت دے دے اور بوقت عقد اس کی ادائیگی کا کوئی وقت متعین نہ کیا گیا ہو۔ لیکن اگر بیوی مباشرت پر راضی ہو جائے تو اس کا حکم وہی ہے جو غیر معین شے کے مہر مؤجل کا ہے مہر غیر معین سے مراد وہ شے ہے جس کی ادائیگی کا وعدہ کیا گیا ہو' لہٰذا عورت کا حق ہے کہ وہ اپنا پیشگی مہر وصول کرنے سے پہلے اپنے نفس کو خاوند کے سپرد کرنے سے مانع ہو۔ بلکہ یہ امر مکروہ ہے کہ قبل اس کے کہ خاوند اسے کم سے کم مقدار مہر یعنی ایک چوتھائی دینار ادا کرے خود کو اس کے سپرد کر دے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس عورت میں کوئی عیب (مستوجب فسخ نکاح) نہ ہو یا ہو مگر خاوند اس پر راضی ہو یا وہ عیب بعد میں پیدا ہوا ہو۔

خاوند کو یہ حق نہیں ہے کہ بیوی کے مریض ہونے کی بنا پر اس کے مہر کو روک رکھے خواہ وہ مرض کتنا ہی شدید ہو کہ دم کشی یا نزاع کی حالت ہو جائے۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ مرض کا انجام موت ہے اور موت کے واقع ہو جانے سے بھی پورا مہر واجب الاداء ہو جاتا ہے' لہٰذا شدید مرض کے لاحق ہو جانے کو ادائیگی مہر میں تاخیر کے لئے بہانہ نہیں بنایا جا سکتا۔ ہاں مرض نان نفقہ کی ادائیگی سے مانع ہو سکتا ہے کیونکہ بیوی کو جو نفقہ دیا جاتا ہے وہ اس سے بہرہ مند ہونے کے عوض ہوتا ہے اور شدت مرض اس سے مانع ہوتی ہے۔ اگر خاوند ادائیگی مہر سے پہلے بیوی کے ساتھ تخلیہ چاہے تو بیوی کو حق ہے کہ وہ اسے باز رکھے۔ لیکن اگر بیوی اس کا موقع ایک بار دے دے تو اس کے بعد باز رکھنے کا حق اسے نہ رہے گا۔ خواہ (اس تخلیہ میں) بقول بیشتر مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

اگر ایک شخص نے مہر اداء کر دیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ خاوند اس مال مہر کا مالک نہ تھا اور اس شے کا مستحق ہو گیا ہے جو اس کا مالک ہے۔ اور وہ مال بیوی کے قبضہ میں آ چکا ہو تو ایسی صورت میں بیوی کو حق ہو گا کہ وہ مباشرت کے بعد بھی خاوند کو صحبت سے باز رکھے تا آنکہ خاوند اس کے معاوضہ کی شے ادا نہ کر دے۔ پس اگر خاوند کے پاس اس جیسی شے ہے تو اتنی ہی وہ شے وصول کرے گی ورنہ اس کی قیمت لے گی اور یہ قیاس غالب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ خاوند نے اسے دھوکا دیا ہو یا نہ دیا ہو واضح ہو کہ میاں بیوی میں سے جس پر بھی اس شے کی ذمہ داری عائد ہو جائے جو واجب الاداء ہو تو اسے ادائیگی پر مجبور کیا جائے گا۔ البتہ اس میں چند صورتیں مستثنیٰ ہیں ایک صورت یہ ہے کہ خاوند کم سن ہو اور بلوغ کو نہ پہنچا ہو اور بیوی قابل مباشرت ہو گو بالغ نہ ہوئی ہو۔ پس اگر خاوند نے ابتدائی مہر ادا کر دیا ہے اور بالغ ہے اور بیوی قابل مباشرت ہے اور خاوند نے تخلیہ کی خواہش کی اور عورت انکار کرے تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کی اجازت دے۔ اسی طرح عورت اگر قابل مباشرت ہے اور وہ خود سپردگی کرتی ہے اور خاوند اس کے پاس جانے سے انکار کرے اور اس بنا پر کہ ہنوز وہ بیوی کے پاس نہیں گیا' ادائیگی مہر سے گریز کرے تو اس کا یہ عذر تسلیم نہ کیا جائے گا اور اسے مجبور کیا جائے گا کہ مہر واجب شدہ اداء کرے۔

یہ تمام احکام اس صورت کے ہیں جبکہ مہر متعین چیز نہ ہو اور ادائیگی مہر کا خاوند ذمہ دار ہو۔ اگر مہر کوئی چیز مخصوص متعین ہے تو اس کی ادائیگی مطلقاً واجب ہو گی۔ تاہم بہ تاخیر اداء کرنے کی شرط جائز ہے۔ خواہ خاوند بالغ ہو یا نہ ہو اور مباشرت ممکن ہو یا نہ ہو۔

Marfat.com

دوسری صورت یہ ہے کہ بیوی مریض ہو اور مرض سخت لاحق ہو۔ یہاں تک کہ دم کشی کی نوبت آ گئی ہو (تو اسے ادائیگی فرائض زوجیت پر مجبور نہ کیا جائے گا) لیکن اگر مرض ایسا نہ ہو تو اسے مجبور کرنے سے منع نہ کیا جائے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ بیوی کے رشتہ داروں نے عقد کے وقت یہ شرط رکھی ہو کہ ایک سال تک اسے اپنے کنبہ میں رہنے دیا جائے گا پس اگر خاوند بیوی کو اپنے ساتھ اس کے رشتہ داروں سے کہیں دور لے جانا چاہتا ہو اور اس کے رشتہ دار چاہتے ہوں کہ ان سے جدا ہونے سے پہلے اس کی دیکھ بھال کرتے رہیں تو ان کی اس خواہش پر عمل کیا جائے گا اور ایک سال تک وہ عورت اپنے رشتہ داروں کے درمیان رہے گی اور اس کے ساتھ خاوند تخلیہ نہ کرے گا اگرچہ وہ ابتدائی مہر ادا کر چکا ہو۔ تاہم اکثریت کے نزدیک اس صورت میں خاوند پر اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔ یہ صورت بھی ایسی ہی ہے کہ عقد کے وقت بیوی والوں نے یہ شرط لگا دی ہو کہ عمر چھوٹی ہونے کی وجہ سے وہ سال بھر تک اپنے میکے میں رہے گی۔ اگرچہ وہ مباشرت کے لائق ہو۔ اگر سال بھر تک میکے میں رہنے کی یہ شرط عقد کے وقت نہیں لگائی گئی بلکہ عقد کے بعد لگائی گئی تو یہ شرط درست نہ مانی جائے گی اور خاوند کو حق ہوگا کہ بیوی کے ساتھ تخلیہ پر اصرار کرے بشرطیکہ ابتدائی مہر ادا کر چکا ہو اور نکاح درست ہوا ہو۔ اسی طرح سال بھر سے زیادہ کی شرط لگانا بھی درست نہیں ہے۔

چوتھے یہ کہ بیوی کو اتنے عرصہ تک اپنے سے علیحدہ رکھے جس میں وہ بیوی کا مہر مثل فراہم کر سکے۔ اس وقت کی تعین لوگوں کے حالات خوش حالی و بدحالی اور زمان و مکان کے مختلف ہونے پر موقوف ہے۔ لیکن اس دوران جبکہ مہر مہیا کرنے کے لئے بیوی کو اس کے میکے میں رہنے کی اجازت دی جائے بیوی کے خرچ وغیرہ کا بندوبست خاوند پر واجب نہیں ہے۔

اگر خاوند نے قسم کھائی کہ فلاں رات وہ اپنی بیوی کے پاس ضرور جائے گا تو اس قسم کو پورا کرنا اس پر لازم ہوگا۔ اگر خاوند نے یہ قسم کھائی ہے لیکن بیوی نے بھی یہ قسم کھالی ہے کہ جب تک مہر کا بندوبست نہیں ہو جاتا وہ میاں کے پاس نہیں جائے گی تو چاہئے کہ خاوند اپنی قسم توڑ دے۔ کیونکہ بیوی کے پاس جانا اگرچہ خاوند کا حق ہے لیکن صاحب شریعت نے اس کے لئے وقت مقرر کیا ہے۔ اس سے تجاوز کرنا درست نہیں ہے اور یہ وقت وہ قرار پا گیا جبکہ خاوند بیوی کے حق مہر کو مہیا کر لے اور ظاہر ہے کہ بیوی کو حق ہے کہ وہ اپنا حق حاصل کرے۔ اگرچہ خاوند نے وہ قسم طلاق کی قید کے ساتھ کھائی ہو (یعنی یہ کہا کہ بخدا اگر میں اس رات کو بیوی کے پاس نہ جاؤں تو اس کو طلاق ہے)۔

یاد رہے کہ بیوی کو یہ حق نہیں ہے کہ حیض و نفاس وغیرہ کی بنا پر وہ خاوند کو اپنے قریب سے روک دے اس واسطے کہ عورت کے ساتھ مباشرت کے سوا (جو ان حالات میں ممنوع ہے) اور طرح سے بھی متمتع ہوا جا سکتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ عورت اگر مباشرت اور وطی وغیرہ سے خاوند کو باز رکھے تو یہ دو حالتوں میں ہوگا:

ایک حالت یہ ہے کہ مہر معجّل قرار پایا ہو۔ خواہ کل مہر معجّل ہو یا اس کا کچھ حصہ معجّل ہو۔ مثلاً خاوند نے کہا ہو کہ میں پچاس اشرفی مہر معجّل پر شادی کرتا ہوں یا یہ کہا ہو کہ پچاس اشرفی مہر مقررہ میں سے نصف معجّل (فوری طور پر قابل ادا) اور نصف مؤجل (بہ تاخیر ادائیگی کے قابل) ہوگا۔ ایسی صورت میں خاوند پر واجب ہوگا کہ جس قدر مہر معجّل طے ہوا ہے وہ پورا ادا کر دے۔ اگر اس نے ادا نہ کیا تو عقد نکاح سے جو حقوق اسے حاصل ہوئے وہ سب جاتے رہیں گے۔ کیوں کہ بیوی

Marfat.com

کو حق ہوگا کہ وہ خود کو مباشرت یا خلوت سے باز رکھے۔ خواہ وہ خاوند کے گھر ہی میں ہو۔ خاوند کو اسے اپنے پاس روک رکھنے کا حق نہ رہے گا کیوں کہ اسے حق ہے کہ وہ خاوند کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے چلی جائے اور اسے یہ بھی حق ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر ایک مقام سے دوسرے مقام کا سفر اختیار کرے نیز اسے اختیار ہوگا کہ خاوند کے اجازت کے بغیر نفلی حج ادا کرے۔ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے تو اسے مہر لینے کے بعد بھی خاوند کی اجازت کے بغیر کسی محرم کے ساتھ (حج کو) جانے کا حق ہے اور خاوند پر اس کا نان نفقہ لازم ہے۔ اگر خاوند مہر معجل پورا ادا کردے تو عورت پر واجب ہوگا کہ وہ خود کو خاوند کے سپرد کردے اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ جائے۔ ہاں خاص حالتوں میں جاسکتی ہے جن میں اختلاف ہے۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ اگر بیوی کے ماں باپ میں سے کوئی بیمار ہو اور اس کی خدمت ضروری ہو تو جاسکتی ہے' خاوند اجازت دے یا نہ دے نیز وہ اپنے ماں باپ سے محض ملنے کے لئے ہر جمعہ کو ایک بار ان کے پاس (بلا اجازت) جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ اس کے پاس نہ آسکتے ہوں۔ اگر وہ آسکتے ہوں اور ان اوقات کے علاوہ بھی بیوی ان کے پاس جانے کی اجازت مانگے تو خاوند کو چاہئے کہ ان سے ملنے کی اجازت دے' جیسا کہ دستور ہے۔ عام دستور کے خلاف بیوی پر پابندی لگانا درست نہیں ہے۔

بیوی پر اگر حج فرض ہو تو وہ حج کو جاسکتی ہے۔ خاوند اجازت دے یا نہ دے جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔ لیکن اگر وہ کسی محرم کو ساتھ لئے بغیر (خاوند کی اجازت کے بغیر) حج کو جاتی ہے تو خاوند پر اس کے نفقہ کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔

یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بیوی کا نفقہ جو خاوند پر واجب ہے وہ بیوی کو اپنے گھر میں روک رکھنے اور اپنا پابند بنانے کے عوض میں ہوتا ہے۔ اس لئے چاہئے تو یہ تھا کہ اگر وہ کسی وقت بھی اجازت کے بغیر کہیں جائے تو اس کا نفقہ بند ہو خواہ خاوند نے مہر معجل ادا کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیوی کو اپنے گھر کا پابند بنانے کا حق خاوند کو ہے اور نفقہ بیوی کا حق ہے اور شریعت نے بیوی کو اپنے گھر میں رکھنے کا حق ادائیگی مہر کے ساتھ وابستہ رکھا ہے لہٰذا اگر خاوند ادائیگی مہر سے قاصر ہے تو اس کا حق گھر میں روک رکھنے کا جاتا رہا اور بیوی شرع کی نظر میں محبوسہ (قیدی) کی مانند ہوگی۔ لہٰذا اس کا نفقہ بند نہیں ہوگا لیکن خاوند اپنے واجبات ادا کردے اور بیوی اس کے بعد بھی اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے تو اب اس کا نفقہ بند ہوگا کیوں کہ اس صورت میں عورت نہ تو واقعی پابند رہی اور نہ شرعاً پابندی ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو گھر سے نکال دے تو اس کا نفقہ بند نہ ہوگا کیوں کہ وہ شرعاً پابند ہی متصور ہوگی جیسے گھر سے نکالا نہیں گیا۔

بیوی کسی دینی مسئلہ کے بارے میں فتویٰ (حکم شرع) حاصل کرنے کے لئے جبکہ خاوند نے اسے ایسا کرنے کے لیے نہ کہا، جاسکتی ہے خاوند اجازت دے یا نہ دے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ بیوی اگر اپنا پورا مہر واجب پاچکی ہو تو اسے خاوند کے گھر سے بلا اجازت جانے کا حق نہیں ہے۔ لیکن اس بارے میں سابقہ الذکر رائے زیادہ قوی ہے۔ سوا اس صورت کے جبکہ بیوی کے باہر نکلنے میں کوئی خرابی ہو۔ ایسا ہو تو اس کا گھر سے نکلنا قطعاً منع ہے۔ حتٰی کہ خاوند اجازت دے تب بھی۔

اگر مہر معجل میں سے کچھ حصہ ادا کردیا گیا اور کچھ باقی ہے تو بیوی کے حق میں کوئی کمی نہیں ہوگی خواہ صرف ایک قرش (یا ایک پیسہ) باقی ہو۔ اور خاوند کو اس مہر میں سے جو وہ دے چکا ہے کچھ بھی واپس لینے کا حق نہیں ہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ مہر (معجل نہ ہو بلکہ) مؤجل ہو مثلاً ایک شخص مہر مؤجل پر شادی کرے اور ادائیگی مہر کا

Marfat.com

وقت مثلاً روئی کی فصل کاٹنے پر ٹھہرے' ایسی حالت میں اب یا تو انقضائے مدت (ادائے مہر) سے پہلے مباشرت کی شرط ہوگی۔ یا ایسی کوئی شرط نہ ہوگی۔ اگر یہ شرط ٹھہر چکی ہے تو بالاتفاق بیوی کو یہ حق نہ ہوگا کہ خاوند کو اپنے ساتھ تخلیہ کو منع کرے۔

اگر ایسی کوئی شرط نہیں تھی تو اس بارے میں مختلف فتوے ہیں: بعض اصحاب نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ بہتر یہی ہے کہ بیوی کو نفس سے باز رکھنے کا حق دیا جائے تا آنکہ اس کا حق مہر ادا نہ ہو جائے۔ کیونکہ خاوند نے اگر مہر کو بعد میں ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے تو گویا وہ عورت سے بہرہ مند ہونے کے حق سے بھی وہ (اس وقت تک کے لئے) دستبردار ہے اور یہ دوسری رائے پہلی رائے کی بہ نسبت زیادہ قوی ہے۔

اگر عورت اپنے مال مہر کی وصولیابی کسی اور شخص کے سپرد کر دے تب بھی اسے حق ہے کہ جب تک وہ شخص اس کا مہر وصول نہ کر لے تب تک وہ خاوند کو اپنے نفس سے دور رکھے۔ اگر خاوند ادائیگی مہر کسی اور پر ڈال دے اور بیوی اس کو مان لے تو اب بیوی کو یہ حق نہ رہے گا کہ فریضہ زوجیت کے ادا کرنے سے باز رہے۔ خواہ مہر وصول کر لیا ہو یا نہ کیا ہو۔

جاننا چاہئے کہ مہر کا ادا کرنا عورت کی خود سپردگی پر مقدم ہے لہٰذا مرد کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ جب تک بیوی میرے پاس نہیں آئی میں مہر نہ دوں گا۔ خواہ مہر کسی معین شے کی صورت میں ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بیع کا معاملہ اس سے مختلف ہے کہ اگر کسی شے کی قیمت کوئی معین شے ہو تو اس کا فوری طور پر ادا کر دینا واجب ہے۔

اگر خاوند کو یہ اندیشہ ہو کہ بیوی کا باپ مہر وصول کرنے کے بعد بیوی کو رخصت نہیں کرے گا تو ایسی صورت میں باپ کو کہا جائے گا کہ وصولی مہر کو مباشرت پر موقوف رکھے۔ یعنی مباشرت کے بعد مہر وصول کرے اس سے معلوم ہوا کہ مہر ادا نہ کرنے کی صورت میں سوا اس کے اور کچھ حاصل نہیں کہ ان حقوق سے محروم رہے جو عقد نکاح کے بعد اسے حاصل ہوتے ہیں مثلاً مباشرت' خلوت' صحبت' اور گھر سے نکلنے یا سفر میں جانے کے لئے حصول اجازت کی پابندی۔ خواہ خاوند مالدار ہو یا محتاج۔ مالکیہ اس کے خلاف ہیں ان کے مسلک کی رو سے اگر خاوند ادائیگی مہر سے معذور ہے تو قاضی (حاکم شرع) اس کو ان امور کی اجازت دے گا پھر جب خاوند تمام مہر ادا کر دے تو اسے حق ہوگا کہ بیوی کی بازیافت کا مطالبہ کرے۔ اگر بیوی انکار کرے تو اسے خاوند کی بات ماننے پر مجبور کیا جائے گا۔ یہ دو حالتیں مستثنیٰ ہیں کہ ان حالات میں رخصتی روکی جا سکتی ہے ایک حالت یہ ہے کہ بیوی صغیر سن ہو جو مباشرت کے قابل نہ ہو ایسی حالت میں خاوند کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ ابتدائی مہر ادا کر دے لیکن عورت کو جانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ اگر خاوند یہ دعویٰ کرے کہ وہ عورت مرد کے قابل ہے اور اس کا ولی اس کے خلاف کہے تو قاضی کو چاہئے کہ واقف کار عورتوں سے اس بارے میں تصدیق کرائے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ وہ عورت بالغ ہو لیکن کسی شدید مرض وغیرہ کے باعث مرد کے پاس جانے کے قابل نہ ہو۔

خاتمہ: نابالغ لڑکے کا ولی کی اجازت کے بغیر مباشرت کا بیان:

اگر ایک نابالغ لڑکے نے کسی عورت سے شادی کر لی اور اس کے ساتھ مباشرت کی درآں حالیکہ اس کے باپ نے اس کی اجازت نہیں دی تو اس پر کوئی مہر یا مطالبہ عائد نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی لڑکا سوئی ہوئی عورت سے آلودہ ہو جائے تب بھی اس پر کوئی مطالبہ نہ ہوگا بشرطیکہ وہ عورت شوہر دیدہ ہو۔ نیز اگر کنواری عورت نے خود نابالغ لڑکے کو گناہ پر آمادہ کیا ہو اور اس کے نتیجہ میں اس کی بکارت جاتی رہی ہو تو اس لڑکے پر حد واجب نہ ہوگی اور نہ مہر واجب ہوگا۔ لیکن اگر

Marfat.com

باکرہ عورت کی بکارت زائل ہو جائے تو اس لڑکے پر مہر مثل واجب ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر لڑکے نے بالجبر کسی عورت کی بکارت زائل کی یا لڑکی نے خود کسی لڑکے کو گناہ پر اکسایا ہو اور نتیجتاً بکارت زائل ہو گئی تب بھی حد نافذ نہ ہو گی۔ کیوں کہ کم عمر لڑکی کے کہنے کا (شرعاً) کوئی اعتبار نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بیوی کو یہ حق ہے کہ جب تک خاوند ابتدائی حق مہر پورا ادا نہ کر دے بیوی کو اپنے پاس آنے سے منع کرے۔ اسی طرح عورت کا ولی بھی خاوند کو منع کرنے کا حق رکھتا ہے۔ لیکن اگر عورت نے خود یا اس کی ولی نے فرائض زوجیت کی بجا آوری سے خاوند کو باز رکھا تو نفقہ وغیرہ خاوند پر واجب ہو گا کیوں کہ اس میں قصور خاوند ہی کا ہے (کہ اس نے مہر واجب ادا نہ کیا) اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مہر کوئی شے معین ہو یا فوری طور پر واجب الادا (غیر معین شے ہو) لیکن اگر مہر موجل طے ہوا ہے تو بیوی خاوند کے پاس جانے سے انکار نہیں کر سکتی خواہ ادائیگی مہر کی میعاد پوری ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو کیوں کہ ایسی صورت میں جب کہ بیوی مہر موجل پر راضی ہو تو اس پر اسی وقت سے واجب ہے کہ وہ خود کو خاوند کے حوالے کر دے۔ لہٰذا میعاد کے گزر جانے سے واجب شدہ مطالبہ فوت نہیں ہو سکتا البتہ اگر وہ عورت صغیر سن یا جنون زدہ ہے تو ولی اسے خاوند کے پاس جانے سے روک سکتا ہے اور مباشرت سے پہلے مہر کا ادا کرنا بھی واجب نہیں ہے۔

اگر دونوں (میاں بیوی) کے درمیان جھگڑا ہو خاوند کہے کہ مہر نہ دوں گا جب تک بیوی اس کے پاس نہ آئے اور عورت کہے کہ جب تک وہ مہر نہ دے میں اس کے پاس نہ جاؤں گی۔ ایسی صورت میں خاوند کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ مال مہر کسی معتبر منصف کے حوالے کر دے۔ یہ شخص شرع کا نائب ہو گا۔ فریقین میں سے کسی کا وکیل نہ ہو گا۔ اب اگر مال مہر اس منصف کے پاس تلف ہو جائے تو خاوند اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہو گا اور تب عورت کو حکماً خاوند کے پاس جانے کو کہا جائے گا اور جب عورت اس کے پاس چلی جائے تو وہ منصف مہر (امانت) عورت کے حوالے کر دے گا۔ اگرچہ مباشرت نہ ہوئی ہو۔ اگر عورت مہر لینے کے بعد بھی سرتابی کرے تو وہ مہر اس سے واپس لے لیا جائے گا۔ البتہ اگر عورت نے خود کو خاوند کے حوالہ کر دیا لیکن اس میں کوئی ایسی خرابی تھی جو مباشرت سے مانع ہو مثلاً رتق یا قران کا مرض (یہ امراض اندام نہانی کے ایسے امراض ہیں جو مانع مباشرت ہوتے ہیں) تو منصف عورت کا مہر اسے دے دے گا۔ غرض ادائیگی مہر کا انحصار اس بات پر ہے کہ خاوند کو عورت پر اختیار حاصل ہو جائے۔

اگر سرے سے کوئی تنازعہ ان کے درمیان نہ ہو بلکہ بیوی خاوند کے پاس آ گئی ہو اس صورت میں بھی اگر بیوی نے مباشرت سے پہلے مہر کا مطالبہ کیا اور خاوند نے نہیں دیا تو بیوی کو مباشرت سے انکار کا حق ہے۔ لیکن اگر اس نے خاوند کو اس کا موقع دے دیا اور اس نے مباشرت کر لی اگرچہ یہ مباشرت فی الدبر (غیر فطری ہو) لیکن بیوی کی رضامندی سے ہوئی اور اس کے بعد بیوی مہر کا مطالبہ کرے اور خاوند نہ دے تو اب بیوی کو حق نہیں ہے کہ وہ خاوند کو اپنے سے باز رکھے۔ تاہم اگر خاوند نے جبراً مباشرت کی یا عورت جنون زدہ ہے تو اس کے بعد بھی (بصورت عدم ادائیگی مہر) عورت کو مرد سے کنارہ کش رہنے کا حق ہے۔

اگر کوئی عورت مرض رتق یا فتق (یعنی امراض رحم مانع مباشرت) میں مبتلا ہے اور مرد شرمگاہ کے علاوہ کسی اور طرح (یعنی غیر فطری طور پر) بیوی سے تمتع حاصل کر لے اور یہ بیوی کی مرضی سے ہوا ہو تو اسے حق امتناع نہ ہو گا۔ اور اس

Marfat.com

(مریضہ) عورت کی حیثیت وہی ہوگی جو ایک صحت مند عورت کی ہوتی ہے کیوں کہ ایسی صورت میں شرمگاہ کے علاوہ کسی اور طرح سے متمتع ہونا ایسا ہی ہے جیسے فطری مباشرت کرنا۔ اگر عورت کا یہ مرض جاتا رہے تو اس کے بعد (جب کہ غیر فطری مباشرت ہو چکی ہو) بقول قوی عورت کو پھر حق امتناع حاصل نہ ہوگا۔

اگر خاوند اس بارے میں پیش دستی کرے اور بغیر کسی نزاع کے بیوی کا مہر دے دے تو اب بیوی پر لازم ہوگا کہ جب بھی خاوند چاہے اسے مباشرت کا موقع دے۔ تاہم اگر بیوی اس سے مانع ہو خواہ بغیر کسی عذر کے مانع ہو تو خاوند کو یہ حق نہ ہوگا کہ جو کچھ دیا ہے اس کی واپسی کا مطالبہ کرے۔

یہاں پر اگر یہ کہا جائے کہ پہلی صورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر بیوی وصولی مہر سے پہلے ہی خاوند کے پاس آ جائے تب بھی اسے حق ہے کہ مباشرت سے پہلے مہر کا مطالبہ کرے اگر وہ مہر ادا نہ کرے تو اسے خاوند کو اپنے سے باز رکھنے کا حق ہے اور یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر خاوند مہر ادا کر دے اور عورت مانع مباشرت ہو تو خاوند کو مہر واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ ان دونوں صورتوں میں کیا فرق ہے (یعنی کیا وجہ ہے کہ بیوی کو حق امتناع حاصل ہوا اور خاوند کو حق استرداد نہ ہو؟) اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی صورت میں بیوی نے خود سپردگی کی لیکن خاوند نے مباشرت کر کے اسے تسلیم نہیں کیا۔ لیکن دوسری صورت میں مہر کی ادائیگی خاوند کی طرف سے ہوئی اور بیوی نے اسے تسلیم کر لیا لہٰذا بیوی کا مملوکہ مہر اس کے دائرہ اختیار میں آ گیا تو اب خاوند کو اس کی واپسی کے مطالبہ کا حق نہ رہا۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ اگر خاوند (بیوی کی سپردگی کو) مباشرت کر کے تسلیم کر لے تو اب بیوی کو حق امتناع نہ رہے گا۔ لیکن مہر ادا کرنے کے بعد خاوند کو بیوی سے مباشرت کے مطالبہ کا حق ہو جائے گا۔ تاہم بیوی کو چند حالتوں میں مہلت حاصل کرنے کا حق ہے۔ ایک تو پاک ہونے کے لئے مہلت ہے کہ اگر وہ عورت یا اس کا ولی اس حال میں مہلت طلب کرے تو واجب ہے کہ خاوند اسے تین دن کی مہلت دے۔ اگر خاوند اس پر راضی ہو تو فبہا ورنہ حاکم شرع اس قدر مہلت دینے کا فیصلہ کرے گا۔

دوسرے یہ کہ عورت کی عمر چھوٹی یعنی مباشرت کے قابل نہ ہو تو اسے اس قابل ہو جانے تک کی مہلت دی جائے گی۔ اب اگر خاوند دعویٰ کرے کہ عورت اس قابل ہے اور ولی کہے کہ نہیں ہے تو اس بارے میں چار عورتوں کے سامنے یا دو محرموں کے سامنے پیش کر کے یہ فیصلہ کرایا جائے گا کہ فی الواقع وہ اس قابل ہے یا نہیں ہے اور اس بنا پر کہ شافعیہ نے بتایا ہے کہ تیمم وغیرہ کے مسائل میں قابل اعتماد طبیب کے مشورہ پر عمل کیا جائے گا (یعنی وہی فیصلہ کریں گے کہ پانی سے وضو نقصان دہ ہے یا نہیں؟) اس معاملہ میں بھی دو طبیبوں کی رائے پر عمل کرنے سے کوئی امر مانع نہیں ہے اور یہ جو صراحت کی گئی ہے کہ چار عورتوں سے جو طبیب نہیں ہیں فیصلہ کرانا جائز ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طبیبہ عورتوں کی رائے زیادہ اہم اور قوی ہے۔

واضح ہو کہ قابل مباشرت ہونے کی مدت کے دوران کوئی نفقہ واجب الادا نہ ہوگا۔

تیسرے یہ کہ عورت مبتلائے مرض ہو تو لازمی طور پر اسے مہلت دی جائے گی کہ صحت یاب ہو جائے (تب اس کی رخصتی ہو) اس دوران خاوند پر اس کے نفقہ کی ذمہ داری نہیں ہے۔

چوتھے یہ کہ بیوی لاغر و ناتواں ہو ایسی صورت میں واجب ہے کہ اس کی ناتوانی دور ہونے تک اسے مہلت دی

Marfat.com

جائے۔اس صورت میں بھی نفقہ واجب نہ ہوگا۔لیکن اگر دبلا پن قدرتی ہے اس صورت میں اس کے دور ہونے کا انتظار نہ کیا جائے گا۔ کیوں کہ اس کے لئے لمبی مدت درکار ہے۔ نیز یہ صورت حال (کہ بیوی دبلی ہو) مباشرت کے لئے مانع نہیں ہے۔تاہم بہتر یہ ہے کہ اس بارے میں بھی کسی معتبر طبیب یا نیک نفس طبیبہ عورتوں سے مشورہ لیا جائے درآنحالیکہ یہ عمل موجب ضرر ہو۔ یہ شرط اس لئے ہے کہ بعض اوقات مباشرت کرنا صحت کا سبب ہوتا ہے۔لیکن شافعیہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ نہیں ہے۔

فقہاء نے اس امر کی صراحت کر دی ہے کہ خاوند کو حق ہے کہ کم عمر نا قابل مباشرت یا مریضہ اور ایسی عورت کو جو عارضی طور پر دبلی پتلی ہو پیار کرے۔اور غالباً (اس حکم میں) یہ مصلحت ہے کہ مبادا شروع ہی میں خاوند کو نفرت اور کراہت پیدا ہو جائے اور پھر ان میں باہمی محبت والفت کبھی نہ ہو حالانکہ ازدواجی رشتہ قائم ہونے کے لئے اس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ بیوی کو حق ہے کہ وہ مباشرت سے پہلے پہلے خاوند کو صحبت، تخلیہ اور خلوت وغیرہ سے جو خاوند کے حقوق میں سے ہے اس وقت تک باز رکھے جب تک کہ اپنا مہر وصول نہ کرے۔باز رکھنے کے بعد سے وصولی مہر کے وقت تک وہ نفقہ کی حقدار نہ ہوگی۔لیکن مہر وصول کرنے کے بعد اسے حق امتناع نہ رہے گا ورنہ نفقہ بند ہو جائے گا۔اگر بیوی جبر سے نہیں بلکہ اپنی خوشی سے مہر وصول کرنے سے پہلے ہی وہ خود کو خاوند کے حوالہ کردے اور اب چاہے کہ اپنے سے خاوند کو باز رکھے تو اس کا اختیار اسے نہ ہوگا ایک بار اپنی خوشی سے خاوند کے پاس جانے کے بعد اسے حق امتناع نہ رہے گا اور اپنی مرضی سے خودسپردگی کے بعد ادائے حق زوجیت سے باز رہے تو اس عرصہ میں وہ نفقہ کی حقدار نہ ہوگی۔اسی طرح اگر وہ دونوں عقد کے بعد ایک ہی گھر میں رہیں اور خاوند اس کو بلائے اور وہ کنارہ کش رہے تو وہ نفقہ کی مستحق نہ ہوگی جیسا کہ نفقہ کے بیان میں بتایا جائے گا۔

اگر مہر مؤجل طے ہوا اور ادائیگی کا وقت نہ آیا ہو یا عورت کی خود سپردگی سے پہلے میعاد ادائیگی آ جائے تب بھی اسے حق امتناع نہ رہے گا جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں کیوں کہ مہر کی بتاخیر ادائیگی پر اس کے راضی ہو جانے سے واجب ہو جاتا ہے کہ وہ خود کو خاوند کے سپرد کر دے۔لہٰذا اگر میعاد ادائیگی آ بھی جائے اور ہنوز مہر ادا نہ ہوا تو عورت اس سے بری الذمہ نہ ہوگی جو اس پر واجب ہے۔

اگر مباشرت سے پہلے یہ نزاع پیدا ہو کہ پہل کون کرے یعنی خاوند کہے کہ میں مہر نہ دوں گا جب تک کہ عورت میرے پاس نہ آئے اور بیوی کہے کہ جب تک خاوند مہر نہ ادا کرے میں اس کے پاس نہیں جاؤں گی۔تو پہلے خاوند کو ادائیگی مہر پر مجبور کیا جائے گا اور جب عورت مہر وصول کرلے تو عورت کو خاوند کے پاس جانے پر مجبور کیا جائے۔پس اگر خاوند نے مہر ادا کر دیا اور عورت بغیر کسی عذر کے خودسپردگی سے انکار کرے تو مرد اپنے مہر کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔حنفیہ اور مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ خاوند کو مہر کی واپسی کا حق نہیں رہتا۔اور مالکیہ وحنفیہ بالاتفاق یہ کہتے ہیں کہ پہلے خاوند کو ادائیگی مہر پر مجبور کیا جائے گا۔لیکن شافعیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ خاوند کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ مال مہر کسی معتبر شخص کے پاس جمع کرادے اور تب عورت کو مجبور کیا جائے کہ وہ خود کو خاوند کے سپرد کر دے اور جب وہ خاوند کے پاس آ جائے تو بیوی اپنا مہر اس شخص سے وصول کرلے لیکن اگر وہ مانع ہو تو ایسی صورت میں مرد کو مہر کے واپس لینے کا حق ہوگا لیکن اگر خاوند نے

Marfat.com

خاوند کے ادائے مہر سے عاجز رہنے کا بیان

اگر خاوند ابتدائی مہر کے ادا کرنے سے عاجز ہو تو بیوی کو حق ہے کہ وہ تنسیخ عقد کا مطالبہ کرے۔ اس کے لئے بموجب مسالک مختلفہ چند شرطیں ہیں۔(۱)

بیوی کو اپنا مہر بخوشی دے دیا اور بیوی اس کے پاس آ گئی لیکن مباشرت نہیں ہوئی اور عورت اس سے مانع ہوئی تو خاوند کو واپسی مہر کا حق نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو مسلک شافعیہ۔ یہاں پر اس کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اخذ مطالب کے لئے دونوں کی رائے کا موازنہ کیا جا سکے۔

یاد رہے کہ کم عمر لڑکی جو مباشرت کے لائق نہ ہو (اسے) مجبور نہ کیا جائے گا بلکہ خاوند پر واجب ہوگا کہ وہ بیوی کو مہلت دے اگرچہ بیوی نے مہر وصول کر لیا ہو۔ کم عمر سے مراد وہ لڑکی ہے جو نو سال سے کم عمر کی ہو۔ اگر خاوند کہے کہ اس کے ساتھ مباشرت سے اسے اذیت نہ ہوگی تو اس امر کا بار ثبوت بیوی کے ذمہ ہے کہ یہ فعل اس کی اذیت کا موجب ہوگا۔ اگر بیوی نو سال کی ہو جائے تو اس کو خاوند کے سپرد کرنا واجب ہوگا۔ تا کہ خاوند کے گھر میں رہے۔ اگرچہ وہ قدرتی طور پر لاغر و ناتوان ہو۔ بشرطیکہ یہ بات طے نہ پا گئی ہو کہ (اس دوران) وہ اپنے یا اپنے باپ کے گھر میں رہے گی۔ اگر ایسا ہو تو اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

جو عورت حج کے لئے حالت احرام میں ہو اس کو بھی خود سپرد کے لئے مجبور نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح مریضہ عورت کو حائضہ عورت کو بھی مجبور نہ کیا جائے گا۔ اگرچہ خاوند کہے کہ میں اس کے پاک ہونے تک اس سے مباشرت نہ کروں گا۔ نیز اگر بیوی مہلت مانگے تو اسے عام دستور کے مطابق مہلت دینا واجب ہے۔ لیکن تیاری جہیز کے لئے مہلت دینا واجب نہیں ہے تاہم مالدار عورت کو مہلت دینا مستحب ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند مہر کے ادا کرنے اور ہر طرح کا خرچ برچ پورا کرنے سے عاجز ہو تو بیوی کو بہر حال تنسیخ نکاح کا کوئی حق نہیں ہے ہاں اسے یہ حق حاصل ہے کہ خاوند کو اپنے سے باز رکھے اور سفر کرنے یا گھر سے باہر جانے کے لئے اس کی اجازت کی پابند نہ ہو۔ اس کی تفصیل نفقات کے بیان میں آ رہی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر یہ صورت ہو کہ عورت مباشرت سے پہلے اپنے اس مہر کا مطالبہ کرے جس کی بتاخیر ادائیگی جائز ہے۔ اس سے مراد وہ مہر جو معین شے نہ ہو اور اس کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کی گئی ہو جیسا کہ سابقاً بتایا گیا اور خاوند کہے کہ وہ بالکل نادار ہے اور ادائیگی مہر سے قاصر ہے تو اس کی دو حالتیں ہوں گی۔

ایک حالت یہ ہے کہ خاوند کا دعویٰ شہادت سے ثابت ہو یا بیوی اس کی تصدیق کرے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ خاوند کا یہ دعویٰ ثابت نہ ہو اور معاملہ حاکم شرع کے سامنے پیش ہو اور وہاں شہادتوں سے ثابت ہو جائے کہ فی الواقع مہر کا ادا کرنا اس کے لئے دشوار ہے یا خود عورت مانتی ہو تو اسے ادائیگی مہر پر مجبور نہ کیا جائے گا بلکہ فراغت حاصل ہونے کے وقت کا انتظار کیا جائے گا اور ادائیگی مہر کے لئے کسی وقت کا تعین قاضی کی اپنی رائے پر موقوف ہوگا۔ یعنی اسے اختیار ہوگا کہ اس کے لئے سال بھر کی مہلت مقرر کرے یا اس سے کم یا زیادہ کی۔ اور بقول صحیح اس سے فرق نہیں پڑتا کہ خاوند کو (اس دوران فراغت) حاصل ہو جانے کی امید ہو یا نہ ہو کیونکہ فراغت کا حاصل ہونا وقت پر

Marfat.com

موقوف ہے اور نہ یہ یقینی ہے کہ حصول فراغت کی امید ہی نہ کی جا سکے پس اگر اس مدت میں بھی وہ شخص ناکام رہے تو قاضی اس پر طلاق دینے کا حکم عائد کرے گا یا عورت خود اپنے آپ کو طلاق دے سکے گی۔ قاضی اس کے مطابق فیصلہ کرے گا اور قاضی کو یہ حق بھی ہے کہ بقول قوی پہلی ہی پیشی میں بغیر مہلت دیئے طلاق کا فیصلہ صادر کر دے۔ لیکن اس تنگدست شخص کے لئے طلاق کی یہ شرط ہے کہ مباشرت نہ ہوئی ہو اگر مباشرت ہو چکی ہے تو کسی حال میں بھی مہر کے عوض طلاق نہ ہوگی اور اگر طلاق ہو جائے تو نصف مہر لازم ہوگا اور جب بھی اسے فراغت حاصل ہو اس کی وصولی کا مطالبہ کیا جائے گا اسی طرح اگر یہ گمان غالب ہے کہ فی الواقع خاوند مفلس ہے لیکن کوئی شہادت یا بیوی کی تصدیق سے یہ امر ثابت نہ ہو تو تنگدستی کا ثبوت مہیا کرنے کی خاطر تاخیر کئے بغیر اس کو فراغت حاصل ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ کیونکہ تنگدستی کی کے ثبوت کو گمان غالب کافی ہے بصورت دیگر خاوند کی تنگ حالی کی نہ تو تصدیق ہوئی ہو نہ اس کی شہادت موجود ہو اور نہ اس کے مفلس ہونے کا گمان غالب ہو تو ایسی صورت میں قاضی خاوند کو اپنی مفلسی کا ثبوت بہم پہنچانے کے لئے وقت دے گا اور اس وقت کا تعین قاضی کی ذاتی رائے پر منحصر ہوگا اس کے لئے تین ہفتے کا اندازہ لگایا گیا ہے اگر (اس عرصہ میں) اس کی تنگدستی ثابت ہو جائے تو اس کے بعد اتنی مہلت دی جائے گی جس میں امید ہو کہ اسے فراغت حاصل ہو جائے گی۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس مدت کا تعین قاضی کی رائے پر منحصر ہے اگر اس عرصہ میں بھی وہ (ادائے مہر سے) عاجز رہا تو قاضی اس کے خلاف فیصلۂ طلاق دے گا جیسا کہ پہلے بتایا گیا لیکن تنگدستی کا ثبوت بہم پہنچانے کے لئے مہلت دینے کے لئے چند شرائط ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کسی شخص کی ذاتی ضمانت پیش کرے۔ مالی ضمانت کی ضرورت نہیں ہے یہ ضمانت اس بات کی ہے وہ شخص کہیں چلا نہ جائے اگر وہ ایسی ضمانت نہ پیش کر سکے تو تنگدستی کے ثبوت کی خاطر اسے قید میں رکھا جائے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس کے پاس بظاہر کوئی مال نہ ہو۔ اگر اس کے پاس مال ہو تو وہ مال فوری طور پر ضبط کر لیا جائے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ خاوند پر نفقہ کا خرچ اس وقت سے ڈالا جائے گا جب خاوند نے اس سے مباشرت کا مطالبہ کیا تھا۔ اگر اس شخص نے اس وقت سے بیوی پر کچھ خرچ نہیں کیا تو نفقہ نہ دینے اور ساتھ ہی مہر ادا نہ کرنے کی پاداش میں بقول راجح بیوی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند مفلسی کے باعث ادائے مہر سے عاجز ہو اور بیوی اس حال پر صبر کرے تو خیر بصورت دیگر اس کو فسخ نکاح کا حق ہے اس کے لئے حسب ذیل شرائط ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عورت آزاد ہو۔ لونڈی کو خاوند کی تنگدستی کی بنا پر فسخ نکاح کا حق نہیں ہے۔ بلکہ یہ حق اس لونڈی کے آقا کو ہے اگر وہ چاہے تو فسخ نکاح ہو سکتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو نہیں ہو سکتا۔ تاہم نفقہ نہ دے سکنے کے باعث نکاح کے فسخ کرنے کا حق خاوند کو نہیں ہے جیسا کہ نفقات کے بیان میں بتایا جائے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ عورت بالغ ہو۔ صغیر سن عورت کو فسخ نکاح کا حق نہیں ہے اس کا حق اس کے ولی کو ہے لیکن وہ بھی نفقہ سے معذوری کے باعث فسخ نکاح نہیں کر سکتا۔ یہ حق بیوی کے لئے مخصوص ہے۔ کیوں کہ ممکن ہے بیوی بھوکی رہنا گوارہ کر لے مگر خاوند سے جدا ہونا نہ چاہتی ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ فسخ نکاح مباشرت سے پہلے ہو۔ اگر بیوی نے اپنی رضامندی سے خاوند کو موقع دے دیا تو

Marfat.com

بیوی کو سفر میں ساتھ لے جانے کے حق کا بیان

خاوند کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک سفر میں ساتھ رکھے بشرطیکہ اس کی طرف سے اطمینان ہو اور جہاں لے جانا چاہتا ہے وہ جگہ بھی محفوظ ہو۔ اندریں باب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

اب فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ تنگدستی اقرار سے ثابت ہوئی ہو یا قاضی کے روبرو شہادت سے۔ بصورت دیگر نکاح فسخ نہیں ہوسکتا۔ بجز اس صورت کے جبکہ خاوند غائب ہو اور اس کی بابت کوئی اطلاع نہ ہو اور اس کا کوئی مال بھی موجود نہ ہو۔ ایسی صورت میں اس کا نکاح مفلسی کا ثبوت دیئے بغیر فسخ ہوسکتا ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ یہ معاملہ قاضی (حاکم شرع) کے روبرو پیش کیا جائے جب تک اس کا فیصلہ نہ ہو فسخ نکاح نہیں ہوسکتا سوا اس کے کہ خاوند خود ہی فسخ نکاح کر دے یا اس کی اجازت سے عورت فسخ کر دے۔

واضح ہو کہ خاوند کو اپنی مفلسی کا ثبوت بہم پہنچانے کے لئے تین دن کی مہلت دی جاسکتی ہے۔ یا پھر اس صورت میں نکاح فسخ ہوگا جبکہ خاوند غائب ہو اور اس کا کوئی پتہ نہ ہو اور نہ اس کا کوئی مال موجود ہو جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ایسی صورت میں خاوند کو مہلت دینے کا سوال نہیں پیدا ہوتا لیکن قاضی چوتھے روز صبح کو نکاح فسخ کر دے گا۔ بجز اس صورت کہ خاوند حاضر ہو جائے اور مہر ادا کر دے۔ اس کی تفصیل نفقات کے بیان میں آئے گی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند کی مفلسی اور اس کا ادائیگی مہر کے قابل نہ ہونا ثابت ہو جائے تو عورت کو بہ شرائط ذیل فسخ نکاح کا حق ہوگا:

ایک شرط یہ ہے کہ عورت مکلف (یعنی ادائے احکام شرعیہ کی ذمہ دار ہو) اگر وہ کم عمر (یا نابالغ) ہے تو اسے یہ حق نہ ہوگا اور نہ اس کے ولی کو یہ حق ہوگا۔ شافعیہ کو اس میں اختلاف ہے۔ پاگل لڑکی کا معاملہ بھی کم عمر (نابالغ) لڑکی کی مانند ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عورت آزاد ہو۔ اگر لونڈی ہو تو یہ حق اس کے آقا کو حاصل ہوگا جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عورت خاوند کی تنگدستی سے آگاہ نہ ہو اگر عورت کو معلوم تھا کہ خاوند مفلس ہے اور پھر بھی اس نے شادی کر لی تو اب اسے فسخ نکاح کا حق نہ ہوگا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ فسخ نکاح کے لئے حاکم کا فیصلہ حاکم سے کرایا جائے۔ عورت کو خود ہی فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہے۔

واضح ہو کہ (ان حالات میں) عورت کو تنسیخ نکاح کا حق مباشرت کے بعد بھی حاصل ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خاوند کے ساتھ بیوی کے سفر کرنے کے باب میں مختلف فتوے ہیں بعض اصحاب کا فتویٰ یہ ہے کہ خاوند کو اسے سفر میں لے جانے کا بالکل حق نہیں ہے۔ اس کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ اس میں دوران سفر اور سفر میں جانے کے بعد۔ اس کے کنبہ اور قبیلہ کے لوگوں کو دکھ ہونے کا گمان ہے۔ بعض اصحاب کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کوئی خطرہ نہ ہو تو

Marfat.com

بیوی کو سفر میں لے جانا جائز ہے اور قوی روایات اس کی تائید کرتی ہیں۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ حالات نمایاں طور پر مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی تو عورت کے لئے سفر موجب تکلیف ہوتا ہے اور کبھی ضروریات زندگی مجبور کرتی ہیں کہ بیوی خاوند کے ساتھ سفر کرے بالخصوص اس صورت میں جب کہ خاوند کی تعیناتی وطن سے دور ہو یا اس کی املاک کسی اور جگہ واقع ہو اور جب تک اس کی دیکھ بھال نہ کی جائے اس سے کچھ حاصل نہ ہوتا ہو ایسی صورت میں اگر خاوند کے ساتھ وہ وہاں نہ جائے تو خود خاوند کو نقصان ہوگا۔ بیوی کو نہیں ایسی صورت میں چاہئے کہ اس کا فیصلہ مفتی پر چھوڑ دیا جائے جو حالات کے پیش نظر مناسب فیصلہ کرے گا۔

بادی النظر میں یہ تمام اختلافات محض لفظی ہیں' کیوں کہ جس نے کہا کہ خاوند کو سفر میں لے جانے کا حق نہیں ہے اس کا سبب یہ بتایا ہے کہ بیوی کو ضرر پہنچے گا اور جس نے کہا کہ سفر میں لے جانا جائز ہے اس نے یہ شرط بھی رکھی ہے کہ سفر میں عورت کو تکلیف نہ ہو اور خاوند زوجیت کے حقوق' اس کے واجبات اور اس کی آبرو کے تحفظ کا خیال رکھتا ہو وہ شرپسند' بداخلاق اور بدکار نہ ہو ورنہ اس کا محافظ نہیں بن سکتا۔ پس ان دونوں اقوال میں کوئی فرق نہ رہا۔ اور جس نے یہ کہا کہ اس بارے میں مفتی یا قاضی کی رائے لی جائے اس کے پیش نظر یہ ہے کہ (سفر کے مضر یا بے ضرر ہونے کی) دونوں حالتوں کا اندازہ کرنا مفتی یا قاضی (کی رائے) پر چھوڑ دیا جائے اگر وہ سفر کو غیر محفوظ پاتا ہے اور اس میں (بیوی کے لئے) ضرر دیکھتا ہے تو اسے سفر کی اجازت دینا جائز نہیں ہے ورنہ جائز ہے۔ علاوہ اس کے عورت کا اپنے کنبہ اور قبیلہ میں رہنا مصلحت کا عام معیار نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ ہوسکتا ہے کہ عورت کا اپنا کوئی کنبہ یا قبیلہ وہاں نہ ہو جہاں اس کی پیدائش ہوئی بلکہ اس کے کنبہ قبیلہ کے لوگ کسی دور دراز شہر میں ہوں۔ مثلاً وہ سفر میں پیدا ہوئی اور اس کے ماں باپ انتقال کر گئے اور اس کے قبیلہ کے لوگ 'اصوان' میں چلے گئے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ خاوند اس کو 'اصوان میں' اپنے قبیلے میں رکھے۔ ایسے حالات کثرت سے پیش آتے ہیں ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عورت شہر کی رہنے والی ہو اور اسے کسی گاؤں میں رکھا جائے تو وہاں منتقل ہونا اس کے لئے تکلیف دہ ہوگا کیوں کہ دونوں مقامات کی طرز زندگی میں فرق ہے۔ لہٰذا بہت عرصہ تک (یعنی جب تک کہ اس معاشرہ کی عادی نہ ہو جائے) اس کی زندگی تلخ رہے گی۔ کیوں کہ (شہر کے) خوشنما ماحول سے منتقل ہو کر اس سے مختلف مقام پر رہنا قید کی مانند ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ خاوند بیوی کو شہر سے گاؤں میں لے جا کر نہ رکھے سوا اس کے کہ وہ جگہ بھی شہر کے مضافات میں سے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند بیوی کو ایسی جگہ لے جائے جہاں پر شہریت کے لوازمات جیسے مراکز اور دفاتر موجود ہوں تو اس پر اعتراض کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ تاہم بہتر یہی ہے کہ شہر سے گاؤں یا گاؤں سے شہر میں لے جانے کا فتویٰ مطلقاً دیا جائے بشرطیکہ اس میں مصلحت ہو اور خاوند کو اس کی پاسداری کا خیال ہو اور جہاں لے جانا ہے وہ جگہ ٹھیک ٹھاک اور مامون ہو۔ لیکن اگر خاوند بدکار ہو اور اسے بیوی کی عزت کا پاس نہ ہو اور اپنے ہاتھ اور زبان سے اسے اذیت دے یا خرچ برچ سے تنگ رکھے وغیرہ تو اس کے ساتھ سفر کرنے کی شرعاً اجازت نہ دی جائے گی اس میں کوئی خوبی نہیں ہے کہ حرص و ہوا اور خواہشات نفسانی کی پیروی کی جائے اور اس حقیقی مصلحت کو نظر انداز کر دیا جائے جس پر میاں بیوی اور ان کے کنبہ کی خوش بختی کا انحصار ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ خاوند کو حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ جہاں بھی چاہے سفر کر سکتا ہے' خواہ اس سے مباشرت ہو

Marfat.com

زوجین کے درمیان مہر کے بارے میں اختلاف کا بیان

اگر مہر کے بارے میں' میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہو تو یہ اختلاف کئی طرح کے ہو سکتے ہیں۔ کیوں کہ یہ اختلاف یا تو مہر کے تعین کے بارے میں ہوگا کہ ان میں سے ایک کا دعویٰ یہ ہو کہ مہر طے ہو گیا تھا اور دوسرا اس کے خلاف کہے۔ یا مہر کی مقدار میں اختلاف ہو۔ خواہ مہر نقدی کا ہو یا ناپ تول والی شے کا۔ ایک تو کہے کہ مہر میں بیس ٹھہرے تھے اور دوسرا کہے دس ٹھہرے تھے یا پھر اختلاف جنس مہر میں ہو یعنی ایک کہے کہ مہر میں اونٹ تھا اور دوسرا کہے خچر تھا فقہا کے نزدیک جنس سے مراد معنوی جنس ہے لہٰذا اس

چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ لیکن اگر مہر ادا نہ کیا ہو اور مباشرت سے پہلے سفر کا ارادہ کرے تو عورت کو حق ہے کہ وہ اس کے ساتھ سفر میں جانے سے انکار کر دے تا آنکہ وہ واجب الادا مہر ادا نہ کر دے۔ اگر بیوی کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہو اور خاوند خوش حال ہے تو بیوی کو حق ہے کہ جب تک وہ مہر معجّل ادا نہ کر دے اس کے ساتھ سفر کرنے سے باز رہے۔ اگر خاوند نادار ہو اور مہر ادا نہ کر سکتا ہو تو بیوی کو سفر کرنے کا حق نہیں ہے لیکن اس صورت میں مہر خاوند پر بطور قرض کے رہے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ خاوند بیوی کے پاس آیا ہو اور بیوی نے اسے مباشرت سے باز رکھا ہو لیکن اگر بیوی نے اس کا موقع دے دیا تو اب اسے سفر سے انکار کرنے کا حق نہ رہے گا خواہ اس وقت مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور خواہ وہ شخص صاحب مال ہو یا بدحال۔ اور یہ حکم ظاہر ہے۔

اس امر کی تصریح ہو چکی ہے کہ اگر بیوی مباشرت کا موقع دے دے تو یہ مباشرت ہو جانے کے برابر ہے۔ پھر یہ کہ خاوند بیوی کو دوسرے شہر میں لے کر جا سکتا ہے درآنحالیکہ یہ شرائط پوری ہو جائیں۔ ایک یہ کہ خاوند آزاد ہو لہٰذا غلام کو اپنی بیوی کے ساتھ سفر کا فتویٰ نہ دیا جائے گا۔ خواہ وہ بیوی بھی لونڈی ہو۔ دوسرے یہ کہ راستہ بے خطر ہو۔ تیسرے یہ کہ اس شخص کو بیوی کی پاسداری کا خیال ہو۔ چوتھے یہ کہ وہ سفر قریب کا ہو جہاں سے اس عورت کے قرابت داروں کو اس کی اور اس عورت کو اپنے کنبہ والوں کی خیر و عافیت معلوم ہوتی رہے۔ خواہ خاوند تنگ دست ہو یا محتاج ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ خاوند اپنی بیوی کو (درآنحالیکہ وہ لونڈی نہ ہو) جہاں چاہے سفر میں اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے بشرطیکہ اس کا خیال رکھے اور جہاں جانا چاہتا ہے ادھر کوئی خطرہ نہ ہو۔

عورت اپنے خاوند کے ساتھ سفر نہ کرنے کی شرط نہیں لگا سکتی تاہم اگر یہ شرط ہو تو خاوند اس کی پابندی کرے گا۔ اگر اس کی پابندی نہ کرے تو عورت کو تنسیخ عقد کا حق ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ خاوند کو یہ حق ہے کہ وہ بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جائے بشرطیکہ وہ اس کا خیال رکھے۔ اگر بیوی اس کے ساتھ سفر سے انکار کرے گو وہ سفر معصیت کے لئے ہو تب بھی وہ نافرمان متصور ہوگی اور نفقہ وغیرہ کی حقدار نہ ہوگی۔ کیوں کہ خاوند کا مطالبہ ساتھ سفر کرنے کا ہے جو اس کا حق ہے گناہ کا مطالبہ نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ معذور ہو تو سفر سے

Marfat.com

(جنس میں) نوع بھی شامل ہے۔ کیوں کہ اونٹ اور خچر (جنس میں) حیوان کی دو نوعیں ہیں۔ اور منطقی اصطلاح کی رو سے جنس میں اختلاف کی مثال یہ ہے کہ ایک کہے کہ مہر میں اناج ٹھہرا تھا اور دوسرا کہے جانور ٹھہرا تھا۔ ایک اختلاف صفت میں اختلاف ہے مثلاً ایک کہے کہ مہر آسٹریلوی گندم کا بندھا تھا اور دوسرا کہے کہ وہ پاکستانی گندم کا تھا۔ یا پھر اس بارے میں اختلاف ہو کہ مہر واجب الادا ہو گیا یا نہیں؟ مثلاً بیوی کہے کہ اس کے ساتھ تخلیہ یا مباشرت ہو چکی ہے (اور خاوند کو انکار ہو) ان تمام صورتوں میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ [1]

انکار کر سکتی ہے۔ مثلاً مریضہ ہو یا شدت گرما اور سخت سردی کے باعث سفر نہ کر سکتی ہو یا اس کے ساتھ سفر کرنے میں کسی ضرر کا اندیشہ ہو۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مہر کے بارے میں اختلاف کی تین حالتیں ہیں:

ایک حالت یہ ہے کہ مہر بندھنے کے بارے ہی میں اختلاف ہو۔ ایک کہے کہ مہر بندھا تھا اور دوسرا اس سے انکار کرے۔ اس اختلاف کی چند صورت ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ اختلاف کے وقت دونوں بقید حیات ہوں اور طلاق مباشرت یا خلوت کے بعد ہوئی ہو۔ اگر خاوند مثلاً کہے کہ مہر میں دس اشرفیاں طے ہوئی ہیں اور بیوی کہے کہ کوئی مہر ہی مقرر نہیں ہوا تو خاوند کو کہا جائے گا کہ وہ اپنے دعوے کو ثابت کرے اگر وہ اس کا ثبوت بہم نہ پہنچا سکے تو بیوی سے قسم لی جائے گی کہ اس کا مہر دس اشرفی مقرر نہیں ہوا۔ اور تب اس کا مہر مثل قرار دیا جائے گا بشرطیکہ اس کا مہر مثل اس دس اشرفی سے جس کا خاوند کو اقرار ہے کم نہ ہو۔ اس طرح اگر عورت کہے کہ اس کا مہر بیس مقرر ہوا ہے اور خاوند اس سے انکار کرے تو اس عورت کو اپنے دعوے کا ثبوت پیش کرنے کو کہا جائے گا اگر بیوی اس سے عاجز ہو تو خاوند کو قسم کھانا ہوگا کہ بیس اشرفی مہر مقرر نہیں ہوا تھا اور وہ حلف اٹھالے تو بیوی مہر مثل کی حق دار ہو جائے گی بشرطیکہ اس کا مہر مثل بیس اشرفی سے زیادہ نہ ہو جس کا اسے اعتراف ہے۔ اگر پہلی صورت میں عورت قسم سے انکار کرے یا دوسری صورت میں خاوند قسم سے انکار کرے تو اس قدر مہر قرار دیا جائے گا جس کا ان میں سے کسی نے دعویٰ کیا ہے۔

اگر کہا جائے کہ امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ نکاح کے بارے میں انکار کرنے والے سے حلف نہیں لیا جائے گا۔ اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مدعی اپنے دعوے کو ثابت کرنے سے قاصر رہے تو مخالف (منکر) کا حق بغیر قسم دلائے ثابت ہو جائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اصل نکاح کے بارے میں حلف نہیں لیا جائے گا۔ خواہ عقد ہو یا مباشرت ہو لیکن یہ صورت اس سے مختلف ہے یہ مہر کا معاملہ ہے جو مال ہے اس میں بالاتفاق حلف لیا جائے گا۔

(تعین مہر کے بارے میں) اختلاف کی دوسری صورت یہ ہے کہ زوجین زندہ ہوں اور دونوں مباشرت یا خلوت سے پہلے طلاق ہو جانے کی صورت میں تعین مہر کی بابت اختلاف کریں۔ اس صورت میں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ عورت کا کوئی مہر مقرر نہیں ہوا تھا یعنی عورت کسی مہر کا تقرر ثابت نہ کر سکے، اور خاوند حلف اٹھالے کہ کوئی مہر مقرر نہ ہوا تھا تو متعہ مثلی

Marfat.com

(جوڑے) کے سوا بیوی کو اور کوئی حق نہ ہوگا اس کی تفصیل اوپر ہو چکی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کی موت کے بعد یہ اختلاف ہو۔ پس اگر عورت کا انتقال ہو گیا۔ خاوند کہتا ہے کہ اس نے دس مہر ٹھہرایا تھا اور عورت کے وارث اس سے انکار کریں تو خاوند کو اپنے دعوے کا ثبوت بہم پہنچانے کے لئے کہا جائے گا اگر وہ اس کا ثبوت بہم پہنچانے سے قاصر رہا تو وارثوں کو حلف اٹھانے کے لئے کہا جائے گا اور مہر مثل واجب الادا ہوگا۔ جیسا کہ مباشرت کے بعد طلاق دینے کی صورت میں ہوتا ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ خاوند کا انتقال ہو جائے اور عورت تعین مہر ہو جانے کا دعویٰ کرے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ دونوں کی موت بیک وقت واقع ہو اور دونوں کے ورثاء کے درمیان مقدار مہر کے تعین کے بارے میں اختلاف ہو تو اس میں دو رائیں ہیں: امام ابوحنیفہ تو فرماتے ہیں کہ اس کی بات مانی جائے گی جس نے یہ کہا کہ کوئی مہر نہیں ٹھہرا تھا لہٰذا عورت کے حق میں کوئی فیصلہ نہ ہوگا اور صاحبین کا کہنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں مہر مثل قرار پائے گا اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔

اختلاف زوجین کی دوسری حالت یہ ہے کہ مہر کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہو جب کہ مال مہر خاوند کے ذمہ قرض ہوتا ہے۔ خواہ وہ سونے چاندی کی رقوم کی صورت میں ہو یعنی درہم' دینار یا اشرفی وغیرہ یا ناپ تول والی کوئی شے ہو یا گنتی میں آنے والی شے ہو۔ نقدی میں اختلاف کی صورت یہ ہے کہ خاوند کہے مہر ایک ہزار کا تھا اور بیوی کہے کہ دو ہزار کا تھا۔ وزن والی اشیاء کا اختلاف یہ ہے کہ خاوند کہے کہ خالص نتھرے ہوئے شہد کے بیس قنطار (ایک وزن کا نام) کا مہر بندھا تھا اور عورت کہے تیس قنطار کا مہر تھا پیمانہ والی شے کا اختلاف یہ ہے کہ خاوند کہے کہ میں نے بعلی گندم کی بیس بوریوں کے مہر پر عقد کیا تھا اور عورت کہے تیس بوری گندم پر عقد ہوا تھا۔ گنتی والی شے میں اختلاف یہ ہے کہ خاوند کہے میں نے دو ہزار انار کے عوض شادی کی تھی اور بیوی کہے کہ نہیں بلکہ چار ہزار انار مہر ٹھہرا تھا۔ ان تمام صورتوں میں مقدار مہر کے اختلاف کے تصفیہ کی ایک ہی شکل ہے۔ لیکن اس دوسری حالت کے اختلاف میں کئی صورتیں پیش آ سکتی ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ یہ اختلاف دونوں کی زوجیت بحال رہنے کے دوران پیدا ہوا ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ اختلاف مباشرت اور طلاق کے بعد ہوا ہو۔ ان دونوں صورتوں کا حکم ایک ہے اگر رقم مہر کی مقدار میں اختلاف ہے مثلاً خاوند کہے کہ میں نے ایک ہزار مہر پر نکاح کیا تھا اور بیوی کہے کہ مہر کی مقدار دو ہزار تھی تو اب اس کی تین شکلیں ہیں: ایک تو یہ کہ بیوی جس قدر مہر بتاتی ہے وہ مہر مثل کے مطابق ہو دوسری یہ کہ مہر مثل خاوند کے قول کے مطابق ہو۔ تیسرے یہ کہ ان میں کسی کے قول کے مطابق نہ ہو بلکہ (مثلاً) ڈیڑھ ہزار مہر مثل ہو۔ اب درآنحالیکہ بیوی دو ہزار بتاتی ہو اور خاوند ایک ہزار کہتا ہے تو پہلی شکل کا حکم یعنی جب کہ اس عورت کے دعوے کے مطابق ہو تو اس کی بات کو قسم کھا لینے پر تسلیم کر لیا جائے گا۔ اگر وہ عورت قسم کھا جائے کہ ایک ہزار مہر پر شادی نہیں ہوئی جیسا کہ خاوند کہتا ہے کہ وہ دو ہزار کی مستحق ہو گی۔ لیکن اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو وہ ایک ہزار کی مستحق ہوگی جس کا خاوند نے دعویٰ کیا۔ تاہم اگر عورت اپنے دعوے کے ثبوت میں شہادت پیش کر دے تو اسے تسلیم کیا جائے گا اور اس کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ اور اگر خاوند اپنے دعوے ایک ہزار کا ثبوت پیش کر دے تو اس کی بات بھی قابل تسلیم ہو گی لیکن اس صورت میں خاوند کے حق میں جو شہادتیں بیوی کی شہادت پر مقدم

Marfat.com

ہوگی۔ کیوں کہ بیوی کا مطالبہ تو ظاہر کے مطابق ہی ہے یعنی اس کا مہر مثل دعوے کے مطابق ہے۔ لیکن خاوند یہ چاہتا ہے کہ ظاہر کے خلاف ثبوت بہم پہنچائے کہ وہ عورت ایک ہزار پر راضی ہے جو اس کے مہر مثل سے کم ہے۔ لہٰذا اس کی شہادت کو مقدم رکھا جائے گا۔

دوسری شکل کا حکم یعنی اس صورت میں جب کہ خاوند کا دعویٰ مہر مثل کے مطابق ہو یہ ہے کہ خاوند کے قسم کھا لینے پر کہ اس نے دو ہزار مہر پر شادی نہیں کی اس کی بات مان لی جائے گی اور ایک ہزار مہر کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر خاوند قسم کھانے سے انکار کرے تو بیوی کے حق میں دو ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا اور دونوں میں سے جو کوئی بھی گواہ پیش کرے اسے سنا جائے گا لیکن اس حالت میں بیوی کے گواہ کو پہلی صورت کے برعکس خاوند کے گواہ پر فوقیت حاصل ہوگی۔ کیوں کہ ظاہر حالت خاوند کے حق میں ہے اور گواہ ظاہر کے خلاف ثبوت کے لئے ہوتا ہے۔

تیسری شکل کا حکم، یعنی اس صورت میں جبکہ بیوی کا مہر مثل دونوں کے دعوؤں کے خلاف ہو۔ مثلاً مہر مثل ڈیڑھ ہزار ہو (یعنی نہ ایک ہزار نہ دو ہزار) یہ ہے کہ دونوں سے حلف لیا جائے، خاوند قسم کھائے کہ اس نے دو ہزار مہر میں شادی نہیں کی اور بیوی قسم کھائے کہ ایک ہزار مہر پر شادی نہیں ہوئی بلکہ دو ہزار پر ہوئی ہے۔ دونوں میں سے اگر ایک قسم کھانے سے انکار کرے تو دوسرے کا دعویٰ قبول کیا جانا لازم ہے۔ گو یہ کہا جاتا ہے کہ اگر خاوند قسم سے انکار کرے تو ڈیڑھ ہزار واجب الادا ہوں گے جو عورت کا مہر مثل ہے۔ اول الذکر رائے زیادہ قوی ہے۔ اگر دونوں قسم کھالیں تو مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا یعنی ڈیڑھ ہزار۔ اور اگر دونوں شہادت پیش کریں تب بھی فیصلہ مہر مثل کا ہوگا۔

واضح ہو کہ بالکل یہی حکم اس صورت میں ہوگا جب کہ وزن والی یا پیمانہ والی یا گنتی والی شے کی مقدار مہر کے بارے میں اختلاف ہو۔

تیسری شکل (اختلاف کی) یہ ہے کہ (فیما بین) یہ اختلاف طلاق کے بعد پیدا ہوا اور ہنوز مباشرت نہ ہوئی ہو۔ اس صورت میں دیکھنا ہوگا کہ مہر ما بہ الاختلاف کوئی معین یا حاضر شے ہے مثلاً کسی جانور کی طرف اشارہ کر کے کہا گیا ہو کہ فلاں جانور مہر ہوگا یا مہر خاوند پر قرض کی حیثیت میں ہوگا۔ جیسے نقدی یا پیمانوں سے ناپنے والی یا گنی جانے والی یا وزن والی شے ہے؟ جیسا کہ سابقاً ذکر کیا گیا اگر وہ معین شے ہے اور خاوند اس کا نصف ادا کرنے پر راضی ہے تو خیر۔ ورنہ اسے بیوی کا مناسب متعہ (بیوگی کا جوڑا) دینا ہوگا اور اس جوڑے کے متعہ مثل ہونے کے بارے میں فیصلہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر مہر قرض کی حیثیت میں ہو تب تو اس کے متعہ مثل ہونے کے بارے میں فیصلہ کرانا ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ عورت اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ نہ پیش کر سکے۔ بصورت دیگر جس قدر مہر وہ ثابت کر سکے اس کے نصف کی حقدار ہوگی۔

چوتھی شکل یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک کی وفات ہو جائے اور اس کے وارث اور فریق ثانی کے مابین مہر کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہو۔ اس صورت میں وہی حکم ہے جو زندگی میں اختلاف کا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

پانچویں شکل یہ ہے کہ زوجین وفات پا جائیں اور مہر مقررہ کی مقدار کے متعلق دونوں کے ورثاء کے درمیان اختلاف ہو۔ ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ خاوند کے ورثاء جو کہیں ان کی بات مانی جائے۔

Marfat.com

تیسری حالت (اختلاف مہر کے بارے میں) یہ ہے کہ طے شدہ مہر کی جنس کے بارے میں اختلاف ہو۔ مثلاً خاوند یہ کہے کہ میں نے تیس بوری جو کے مہر پر عقد کیا اور بیوی کہے کہ جو نہیں بلکہ گندم طے ہوا تھا۔ یا خاوند کہے کہ میں نے اس بیل کو مہر ٹھہرایا تھا اور بیوی کہے نہیں بلکہ یہ دودھ دینے والی گائے مہر ٹھہرا تھا وغیرہ۔

چوتھی حالت یہ ہے کہ مہر والی شے کی صفت میں اختلاف ہو مثلاً خاوند کہے کہ مہر میں ڈھیر کی گندم ٹھہری تھی اور بیوی کہے کہ عمدہ قسم کی گندم ٹھہری تھی۔ یا پھر ان کے درمیان اس شے کی قسم میں اختلاف ہو' مثلاً بیوی کہے کہ مہر میں بعلی گندم اور خاوند کہے آسٹریلوی گندم ٹھہری تھی۔ اس میں مہر معین کا اختلاف بھی ہے مثلاً مہر ٹھہرا ہو کہ یہ کپڑا یا گندم کی یہ ڈھیری مہر ہے اور پھر باہم اختلاف ہوا کہ بیوی کہے کہ میں نے اس کپڑے پر شادی اس شرط پر کی تھی کہ یہ تیس گز ہوگا' لیکن یہ تو کم ہے۔ یا گندم کی اس ڈھیری پر شادی کی تھی بشرطیکہ یہ بعلی گندم ہو ایسی صورت میں خاوند کی بات مانی جائے گی جس کے لئے قسم کی ضرورت نہیں ہے یا پھر مہر مثل کا فیصلہ ہوگا جس پر سب متفق ہیں۔ اگر مہر مقررہ مال قرض کی صورت میں ہو اور اس کی جنس' قسم یا صفت میں اختلاف ہو تو اس کا وہی حکم ہے جو اصل شے کے مختلف ہونے کی صورت میں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مہر کے بارے میں تنازعہ کی تین حالتیں ہیں:

ایک حالت یہ ہے کہ اختلاف طلاق یا موت کے باعث علیحدگی سے پہلے ہوا ہو اور ہنوز مباشرت نہ ہوئی ہو اس کی تین صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ مہر کی مقدار میں اختلاف ہو۔ لیکن ان میں سے کسی کے پاس ثبوت نہ ہو مثلاً خاوند کہے (مقدار مہر) دس ہے اور بیوی کہے بیس ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مال مہر کی صفت میں اختلاف ہو۔ ایک کہے مصری اشرفی اور دوسرا فریق کہے کہ انگریزی اشرفی مہر تھا۔ یا ایک کہے بعلی گندم اور دوسرا کہے پاکستانی گندم تو ان دونوں صورتوں کا حکم ایک ہے کہ فریقین کو حلف اٹھانے کے لئے کہا جائے گا کہ ہر ایک اپنے اپنے دعویٰ کے مطابق قسم کھائے۔ بشرطیکہ دونوں سمجھدار ہوں۔ بصورت دیگر ولی قسم کھائے گا اس کے بعد وہ نکاح ایک طلاق بائن سے فسخ ہو جائے گا اور یہ طلاق ظاہر و باطن دونوں طرح سے واقع ہو جائے گی (یعنی یہ طلاق فی الواقع ہوگی اور یا اس کو مان بھی لیا جائے گا) اسی طرح اس صورت میں بھی جبکہ دونوں قسم سے انکار کریں تب بھی وہ نکاح طلاق بائن سے فسخ شدہ متصور ہوگا۔ لیکن اگر دونوں میں سے ایک قسم کھالے اور دوسرا فریق قسم سے انکار کرے تو جس نے قسم کھالی ہے اس کے دعویٰ کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ اور قسم پہلے بیوی سے لی جائے گی یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ دونوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ مقدار مہر کے بارے میں ہو یا صفت میں اختلاف ہو جو ان دونوں کے اہل شہر کے اختلاف کے مشابہ ہو۔ اگر ایک کا دعویٰ عام دعویٰ کے مشابہ ہے اور دوسرے کا اس کے مشابہ نہیں ہے تو قسم کھا لینے پر اس کی بات مانی جائے گی جس کا قول عام دعویٰ کے مشابہ ہو پھر اگر ایک فریق کو قسم کے لئے کہا جائے اور وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو دوسرے کو حلف کے لئے کہا جائے گا اور جس نے قسم کھائی اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا اور نکاح فسخ نہ ہوگا۔

تیسری شکل یہ ہے کہ مہر کی جنس میں اختلاف ہو۔ یہاں جنس سے مراد جنس لغوی ہے جس میں نوع بھی داخل ہے۔

Marfat.com

اول الذکر (یعنی اختلاف جنس) کی مثال یہ ہے کہ خاوند کہے کہ مہر میں گندم تھی اور بیوی کہے کہ گھوڑا تھا۔ ثانی الذکر (اختلاف نوع) کی مثال یہ ہے کہ مرد کہے کہ میں نے بکریوں کا مہر مقرر کیا تھا اور عورت کہے نہیں بلکہ اونٹنیوں کا تھا۔ ظاہر ہے کہ اونٹ اور بکری دونوں کی جنس ایک ہے یعنی دونوں حیوان ہیں لیکن نوع میں مختلف ہیں۔ غرض منطق کی رو سے وہ دو نوع ہیں لیکن لغت کے اعتبار سے دو جنس ہیں دونوں میں جنس کے بارے میں اختلاف مباشرت سے پہلے ہو تو نکاح مطلقاً فسخ ہو جائے گا۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ دونوں نے قسم کھائی یا ایک نے قسم کھائی یا دونوں نے قسم کھانے سے انکار کیا۔ یا پھر دونوں کا قول عرف کے مشابہ ہو یا ایک کا ہو دوسرے کا نہ ہو (یہ حکم اس صورت میں ہے) جبکہ دونوں میں سے ایک دوسرے کی بات پر راضی نہ ہو۔ اگر راضی ہو تو فسخ نکاح نہ ہوگا۔

دوسری حالت یہ ہے کہ دونوں میں یہ اختلاف مباشرت کے بعد پیدا ہوا اور دونوں بقید حیات ہوں اور اختلاف طلاق کے بعد ہوا ہو یا اس سے پہلے ہوا ہو۔ اس حال کے تحت دو صورتیں آتی ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ مہر کی مقدار یا مال مہر کی صفت میں اختلاف ہو اور دونوں میں سے کسی کے پاس اپنے دعویٰ کا ثبوت نہ ہو ایسی صورت میں خاوند کی بات قسم کھا لینے پر مان لی جائے گی۔ اگر خاوند قسم سے انکار کرے تو بیوی سے حلف لیا جائے گا اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر وہ بھی انکار کرے تو خاوند کے حق میں فیصلہ ہوگا اور خاوند کے کہنے پر عمل ہوگا۔ اگرچہ اہل شہر کے نزدیک اس کی بات دستور کے مشابہ نہ ہو اور اس کے قول کو ترجیح اس لئے ہوگی کہ عورت نے خاوند کو اپنے نفس پر قادر ہونے کا موقع دیا۔ یہ حکم اس قول کے خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ اگر خاوند کا کہنا اہل شہر کے دستور کے مشابہ ہو تو خاوند کی بات مان لی جائے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مال مہر کے جنس مین اختلاف ہو ایسی صورت میں دونوں (میاں بیوی) سے حلف لیا جائے گا۔ اگر ایک نے قسم کھالی اور دوسرے نے انکار کیا تو قسم کھانے والے کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر دونوں ہی قسم کھالیں یا دونوں ہی قسم سے انکار کریں تو اس حالت میں خاوند پر پورا مہر مثل عائد ہوگا۔ کیوں کہ یہ مان لیا جائے گا کہ مباشرت ہو چکی ہے۔

اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مال مہر کی جنس میں اختلاف مباشرت، طلاق یا موت سے پہلے ہو تو نکاح مطلقاً فسخ ہو جائے گا خواہ دونوں نے قسم کھالی ہو یا ایک نے کھائی ہو یا دونوں نے قسم کھانے سے انکار کر دیا ہو اور خواہ دونوں کے قول (عام دستور کے) مشابہ ہوں یا ایک کا قول مشابہ ہو یا کسی کا مشابہ نہ ہو لیکن اگر یہ اختلاف مباشرت کے بعد ہوا تو مہر مثل واجب الادا ہوگا۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔

اگر مباشرت سے پہلے مقدار یا وصف میں اختلاف ہو تو قسم کھانے کے بعد اس کے قول کی تصدیق واجب ہے جس کی بات عام دستور کے مشابہ ہوگی اگر دونوں کے اقوال مشابہ ہیں یا دونوں میں سے کسی کے بھی مشابہ نہیں ہیں تو دونوں سے حلف لیا جائے گا اور نکاح فسخ ہوگا، درآنحالیکہ ان میں سے کوئی راضی نہ ہو۔

اگر (مال مہر کی) مقدار یا صفت میں یہ اختلاف مباشرت کے بعد ہوا تو خاوند کی بات قسم کھانے کے بعد مانی جائے گی۔ بشرطیکہ عورت نے جتنے کا دعویٰ کیا وہ اس کے مہر مثل کے مساوی ہو۔ اگر مہر مثل زیادہ ہو تب بھی اسی قدر ملے گا جتنے کا اس نے دعویٰ کیا۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جبکہ مہر مثل اس سے کم نہ ہو جتنے کا وہ اعتراف کرتا ہے۔

Marfat.com

تیسری حالت یہ ہے کہ یہ اختلاف (دونوں میں) طلاق کے بعد یا دونوں میں سے کسی کی وفات کے بعد' زندہ فریق اور وفات یافتہ کے وارث کے درمیان ہو یا دونوں وفات پا چکے ہوں اور دونوں کے ورثاء کے درمیان اختلاف ہو' ایسی حالت میں وہی حکم ہے جو زفاف کے بعد اختلاف ہے۔

اگر طلاق کے بعد جنس مہر میں اختلاف ہو اور ہنوز مباشرت نہ ہوئی ہو تو دونوں سے حلف لیا جائے گا۔ اگر دونوں نے حلف اٹھالیا یا دونوں نے حلف سے انکار کر دیا تو آدھا مہر مثل عائد ہوگا پورا نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ اگر خاوند نے مہر مثل دے دیا ہے تو مباشرت کے ساتھ وہ پکا ہو جائے گا اور اگر طلاق ہوگئی یا موت واقع ہوگئی تو اس نکاح کو حکماً نکاح قرار دیا جائے گا۔ یعنی شرعاً تمام احکام نکاح وراثت وغیرہ کے ثابت ہو جائیں گے۔ اور یہی قول قابل اعتماد ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ (مہر کے بارے میں) کوئی نزاع میاں بیوی کے درمیان ہو یا خاوند اور (بیوی کے) ولی کے درمیان یا دونوں کے ولیوں کے درمیان۔ یا دونوں میں سے کسی کے وکیل اور ایک فریق کے درمیان یا دونوں کے وکیلوں کے درمیان اور یا فریق متوفی کے ورثاء اور ان میں سے کسی ایک کے درمیان تو اس اختلاف کی کئی شکلیں ہوں گی:

ایک شکل یہ ہے کہ دونوں کے درمیان مہر کے ٹھہرائے جانے ہی پر اختلاف ہو مثلاً عورت کہے کہ کوئی مہر مقرر نہیں ہوا اور خاوند اس سے انکار کرے اور کہے کہ مہر ٹھہرا تھا۔

دوسری شکل یہ ہے کہ مہر کی مقدار کے بارے میں نزاع ہو مثلاً بیوی کہے کہ میری شادی ایک سو مہر پر ہوئی ہے اور خاوند کہے کہ پچاس پر ہوئی ہے۔

تیسری شکل یہ ہے کہ مال مہر کی جنس کے بارے میں نزاع ہو مثلاً بیوی کہے کہ ایک سو اشرفی پر نکاح ہوا اور خاوند کہے ایک سو ریال پر ہوا ہے۔

چوتھی شکل یہ ہے کہ مال مہر کی صفت کے بارے میں نزاع ہو' مثلاً بیوی کہے کہ میرا نکاح اعلیٰ قسم کی بیس بوری گندم پر ہوا اور خاوند کہے کہ میں نے گھٹیا قسم کی بیس بوری گندم پر نکاح کیا۔ اور یا پھر مہر کی تاجیل وتعجیل کے بارے میں اختلاف ہو۔ مثلاً وہ کہے میں نے ایک سو مہر مؤجل پر عقد کیا (یعنی تاخیر سے ادا ہونے والے مہر پر) اور بیوی کہے کہ مہر معجّل (فوری ادا ہونے والے مہر) پر نکاح ہوا تھا۔ ان تمام صورتوں میں' خواہ نزاع مباشرت سے پہلے ہوا ہو یا بعد میں' ایک ہی حکم ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اس قسم کا کوئی نزاع ہو اور کوئی بھی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں شہادت نہ پیش کر سکے۔ یا دونوں کی شہادتوں میں تضاد ہو۔ ایک کی شہادت سے ثبوت ہوتا ہو اور دوسری سے نہ ہوتا ہو۔ دونوں میں سے کسی کی شہادت سے دعویٰ ثابت نہ ہوتا ہو' ایسی صورت میں دونوں سے حلف لینا واجب ہے' پہلے خاوند سے حلف لیا جائے گا اگر دونوں میں سے کوئی حلف سے انکار کرے تو دوسرے کے دعویٰ کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

میاں اور بیوی بالغ اور سمجھدار ہوں تو ان سے حلف لینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ قطعی طور پر اپنے اپنے دعویٰ کے بارے میں قسم کھائیں' بایں طور کہ عورت کہے کہ میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ انہوں نے میرے ساتھ ایک سو مہر پر شادی نہیں کی بلکہ دو سو مہر پر کی ہے اور خاوند کہے کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے دو سو مہر پر شادی نہیں کی' بلکہ ایک سو مہر پر کی

Marfat.com

ہے۔

اگر بیوی کم عمر یا جنون زدہ ہے تو اس کی طرف سے اس کا ولی اسی طرح قطعی طور پر حلف اٹھائے گا' اگر حلف سے پہلے بیوی بالغ ہو جائے۔ یا جنون سے افاقہ ہو جائے تو اسی سے حلف لیا جائے گا ولی سے نہ لیا جائے گا۔ اگر (نابالغ) بیوی کے ولی اور خاوند کے مابین نزاع ہوا اور بیوی باکرہ لیکن بالغہ ہو تو بیوی سے حلف لیا جائے گا' اس کے ولی سے نہیں۔ کیوں کہ مہر کا تعلق بیوی سے ہے (گو نکاح ولی نے کیا ہو)۔

وارث سے حلف لینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ لاعلمی کی قسم کھا جائے گا' بایں طور کہ خاوند کا وارث کہے گا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ مجھے یہ علم نہیں ہے کہ میرے مورث نے فلاں عورت کے ساتھ پانچ سو مہر پر نکاح کیا تھا جیسا کہ وہ کہتی ہے بلکہ اس نے دو سو پر نکاح کیا تھا اور بیوی کا وارث ہو تو وہ یوں کہے گا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ مجھے علم نہیں کہ میری مورثہ نے فلاں شخص کے ساتھ دو سو میں شادی کی تھی جیسا کہ وہ شخص کہتا ہے بلکہ پانچ سو مہر پر شادی ہوئی تھی۔ اور ولی اس طرح قسم کھائے گا کہ وہ حلف سے کہتا ہے کہ اس کا عقد پانچ سو مہر پر ہوا تھا دو سو پر نہیں ہوا تھا۔ پس ولی اس اپنے فعل کی بابت قسم کھائے گا جو اس سے صادر ہوا جس سے ضمناً بیوی کا مہر ثابت ہوگا۔

یہاں پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ ایک عورت ولی کے حلف اٹھا لینے سے مہر کی حقدار کیسے ہو سکتی ہے جبکہ ایک شخص کے حلف اٹھانے سے دوسرے کے ذمہ کوئی مطالبہ عائد نہیں کیا جا سکتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص نے یہ قسم نہیں کھائی کہ فلاں عورت جس کا وہ ولی ہے اس قدر مہر کی حق دار ہے بلکہ اس نے یہ قسم کھائی ہے کہ میں نے اس کا نکاح اتنے مہر پر کیا تھا۔ لہٰذا اس کی قسم کا تعلق اس کے اپنے فعل سے ہے (عورت کے) حق سے نہیں ہے۔ اگر ولی قسم کھانے سے انکار کرے اور خاوند حلف اٹھائے کہ اس نے اس قدر مہر پر نکاح کیا تھا تو اب یا تو خاوند کی قسم پر اس کے حق میں فیصلہ ہوگا یا نابالغہ کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے گا کہ وہ حلف اٹھائے یا انکار کرے ان دونوں صورتوں میں سے دوسری صورت کو ترجیح حاصل ہے یعنی نابالغہ کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔

اب رہا یہ سوال کہ آیا نابالغہ سے لاعلمی کی بابت حلف لیا جائے گا۔ یا اس کے اپنے دعویٰ کی تائید اور خاوند کے دعویٰ کی تردید میں حلف لیا جائے گا۔ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں اور مناسب یہی ہے کہ لاعلمی کے بارے میں حلف اٹھائے بایں طور کہ ''میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ مجھے علم نہیں ہے کہ میرے ولی نے ایک سو مہر پر میری شادی کی بلکہ اس نے دو سو پر کی تھی۔'' کیونکہ فی الواقع وہ موقع پر موجود نہ تھی اور نہ اس سے اجازت لی گئی تھی تو اس کے لئے ممکن نہیں کہ وہ یقین کے ساتھ کسی بات پر حلف اٹھائے۔ یہ حکم اس صورت کے خلاف ہے جبکہ عورت باکرہ لیکن بالغہ ہو اور اختلاف اس کے خاوند اور اس کے ولی کے درمیان ہو۔ ایسی صورت میں وہ دعویٰ کے حق میں یقین کے ساتھ حلف اٹھا سکتی ہے' کیوں کہ اگرچہ عقد اس کے ولی نے انجام دیا' لیکن اس سے اجازت لی گئی تھی تو گویا اس کا بیان مشاہدہ حالات کے مطابق ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر میاں بیوی بالغ ہوں تو وہ اصل دعویٰ کے بارے میں یقین کے ساتھ حلف اٹھائیں گے اور ولی اس فعل کی بابت حلف اٹھائے گا جو اس نے انجام دیا۔

نابالغہ کے بالغ ہونے یا جنون زدہ عورت کے افاقہ پانے کے بعد حلف اٹھانے کے طریقہ کی بابت دو رائیں

Marfat.com

ہیں۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وہ لاعلمی کا نہیں بلکہ اپنے یقین کا حلف اٹھائیں گے اور بعض اصحاب کہتے ہیں وہ لاعلمی کا حلف اٹھائیں گے۔ مقدمین (شافعیہ) ثانی الذکر رائے پر متفق ہیں اور یہی خیال قوی اور مناسب ہے۔

پھر جب فریقین تنازعہ میں سے کوئی فریق اپنے دعوے کو ثابت کرنے سے قاصر رہے اور ان دونوں سے حلف لیا جائے تو قرار یافتہ مہر فسخ ہو جائے گا اور بیوی مہر مثل کی حقدار ہو جائے گی۔ درآنحالیکہ نزاع' مہر کے تعین میں ہوا ہو۔ اگر یہ اختلاف مباشرت کے بعد ہوا ہے تو وہ پورے مہر کی اور اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہوئی ہے تو نصف مہر کی مستحق ہو گی۔

اگر جھگڑا مہر کی مقدار کا ہے کہ عورت سو کا دعویٰ کرے اور مرد مثلاً نوے کہے تو عورت کو مہر مثل کا حق ہوگا' اگرچہ مہر مثل کی مقدار اس کے دعویٰ سے زیادہ ہو مثلاً ڈیڑھ سو ہو۔

اگر خاوند اور ولی زوجہ کے درمیان مہر کی مقدار میں اختلاف ہو مثلاً ولی کہے مہر دو سو ہے اور خاوند کہے ڈیڑھ سو اور مہر مثل دو سو پچاس ہو تو بقول ضعیف ان دونوں سے حلف لینا واجب ہوگا۔ اگر خاوند حلف سے انکار کرے تو ولی سے حلف لیا جائے گا اور اس کے دعوے کے مطابق فیصلہ ہوگا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ ولی کو حق ہے کہ وہ خاوند سے حلف لے اگر خاوند حلف سے انکار کرے تب ولی حلف اٹھائے اور اس کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔

اگر خاوند نے مہر مثل کا اعتراف کیا اور مہر مثل ولی کے دعوے کے مطابق ہے تو بات طے ہو گئی کیوں کہ وہ طے شدہ مہر کے مطابق ہے اور نزاع باقی نہ رہا اگر مہر مثل طے شدہ مہر سے کم ہے تو اب پھر مسئلہ وہیں پر آ جائے گا کہ ولی کو حق ہو گا وہ خاوند سے حلف لے کہ اگر وہ حلف سے انکار کر دے تو قرار یافتہ مہر میں زیادتی ثابت ہو جائے گی۔

حنابلہ کہتے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان یا ان کی وفات کے بعد ان کے ورثاء کے درمیان اختلاف ہو یا نابالغہ لڑکی کے خاوند اور لڑکی کے ولی کے درمیان مہر کی مقدار کے بارے میں نزاع ہو' مثلاً خاوند مہر کی مقدار ایک سو بتاتا ہو اور بیوی دو سو یا مال مہر کی تعین میں اختلاف ہو مثلاً بیوی کہے کہ فلاں کپڑا میرا مہر ہے اور خاوند کہے کہ وہ کپڑا نہیں بلکہ یہ دوسرا کپڑا مہر ٹھہرا ہے یا مال مہر کی جنس میں اختلاف ہو کہ خاوند کہے کہ مہر میں اونٹ ٹھہرا ہے اور بیوی کہے کہ گھوڑا ٹھہرا ہے یا خاوند کہے کہ مہر میں گندم تھی اور بیوی کہے کہ سونا ٹھہرا تھا یا مال مہر کے وصف میں اختلاف ہو یا اس امر (کے معرض وجود میں آنے یا نہ آنے) میں اختلاف ہو جس سے مہر واجب الادا ہو جاتا ہے۔ مثلاً مباشرت' تخلیہ' بوسہ یا خواہش نفسانی کے ساتھ دیکھنا یا ہاتھ لگانا۔ جس کی تفصیل اوپر بتائی جا چکی ہے۔ پس اگر بیوی کہتی ہے کہ مباشرت ہو چکی ہے اور خاوند اس سے انکار کرے اور دونوں میں سے کسی کے پاس ایسی دلیل نہ ہو جس سے دعویٰ ثابت ہو سکے تو خاوند کی بات یا اس کے وارث کی بات قسم کھانے پر مانی جائے گی۔ اس لئے کہ وہ انکاری ہے (اور جو انکار کرے اس سے قسم لی جاتی ہے) اگر مال مہر کے بارے میں اختلاف ہو بایں طور کہ عورت کا دعویٰ ہو کہ اس کا مہر فلاں جانور تھا اور خاوند کہے وہ نہیں بلکہ یہ جانور تھا' تو یہ مہر کی چیز کی بابت خاوند کا بیوی کے قول سے انکار کرنا ہے اور انکار کرنے والا قسم کھالے تو اس کی بات مانی جائے گی۔ اسی طرح اگر مال مہر کی صفت کے باب میں نزاع ہو مثلاً بیوی کہے کہ میرا مہر اس قدر پاکستانی گندم ٹھہرا ہے اور خاوند بیوی کے اس دعوے سے کہ اس کا مہر پاکستانی گندم تھا انکار کرے۔ یا مہر کی جنس میں اختلاف ہو کہ بیوی کہے کہ اس قدر گندم کے مہر پر اس

Marfat.com

اصل مہر کو چھپانے اور غیر اصل مہر کا اعلان کرنے
اور خاوند کے تحفہ اور عورت کے جہیز کا بیان

کچھ لوگوں کا دستور ہے کہ در پردہ تو تھوڑے سے مہر پر اتفاق کر لیتے ہیں لیکن بعد میں اعلان کرتے ہیں کہ شادی بھاری مہر پر ہوئی ہے اس طرح یہ بھی رواج ہے کہ عقد اور مہر کا تصفیہ ہونے کے بعد خاوند فریقین کی حیثیت کے مطابق بیوی کو تحفہ بھیجتا ہے جس کو بعض لوگ ''نفقہ'' (یعنی پیش کش یا چڑھاوا) کہتے ہیں۔ ایک رواج یہ بھی ہے کہ عورت حیثیت فریقین کے مطابق جہیز لے کر آتی ہے تو اب سوال ہے کہ آیا تنازع کے وقت کس مہر کا اعتبار کیا جائے گا؟ مخفی طور پر طے شدہ مہر کا یا اعلان شدہ مہر کا۔ اور کیا خاوند کے دیئے ہوئے تحفہ کو مہر میں شمار کیا جائے یا نہیں؟ اور کیا خاوند کو یہ حق ہے کہ وہ جہیز کا مطالبہ کرے؟ اس بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (1)

کی شادی ہوئی اور خاوند اس سے انکار کرے کہ اتنے گندم پر نہیں بلکہ اتنے جو پر نکاح ہوا ہے وغیرہ تو یہ تمام صورتیں انکار یں کی ہیں اور (انکاری قسم کھالے تو اس کی بات مانی جائے گی) دراصل یہ اس ذمہ داری سے جس کا اس نے اقرار نہیں کیا اپنی بریت کا اظہار کرنا ہے' درآنحالیکہ اس کے خلاف کوئی گواہ نہیں ہے لہٰذا وہ انکاری ہے اسے اقرار نہیں ہے اور نہ کوئی گواہ ہے تو ایسی صورت میں لازم ہے کہ وہ قسم کھائے' اگر وہ قسم سے انکار کرے تو عورت کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا اور اگر خاوند حلف اٹھالے تو اس کے قول کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

اگر دونوں میں ادائیگی مہر کے بارے میں اختلاف ہو مثلاً خاوند کہے کہ بیوی نے مہر وصول کر لیا ہے اور بیوی کہے کہ میں نے نہیں لیا (یعنی انکار کرے) اور قسم کھالے تو اس کا قول مانا جائے گا۔ اور اگر وہ وفات پا چکی ہے تو اس کا وارث حلف اٹھائے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ مہر مقرر ہونے کے بارے میں اختلاف ہو مثلاً خاوند کہے کہ ایک سو کا مہر بندھا اور بیوی اس سے انکار کرے تاکہ مہر مثل وصول کرے جو ایک سو سے زیادہ ہے اور اس کی کوئی شہادت نہ ہو تو عورت کے قسم کھالینے پر اس کی بات مان لی جائے گی اور اس کے حق میں مہر مثل کا فیصلہ ہوگا ان تمام صورتوں میں خواہ مباشرت سے پہلے یہ نزاع ہوا ہو یا بعد میں اور خواہ طلاق کے بعد ہوا ہو یا طلاق سے پہلے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیوں کہ دونوں کے مابین (نزاع کے) فیصلہ کا انحصار یا تو شہادت پر ہے' بشرطیکہ شہادت موجود ہو ورنہ پھر بعض صورتوں میں خاوند کے قول پر درآنحالیکہ وہ قسم کھالے اور بعض صورتوں میں عورت کے قول پر اعتماد کیا جائے گا بشرطیکہ وہ حلف اٹھا لے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مہر کو مخفی رکھنے اور اس کا اعلان کرنے کی دو صورتیں ہیں' پہلی صورت یہ ہے کہ فریقین مخفی مہر کی مقدار کے بارے میں عقد نکاح کئے بغیر متفق ہو جائیں اور پھر عقد نکاح کے وقت اس سے زیادہ مہر کا اعلان کیا جائے۔ اس کی چند شکلیں ہیں:

Marfat.com

پہلی شکل یہ ہے کہ بعد میں جس زیادتی کا اعلان کیا جائے وہ شے اس مہر کی جنس میں سے ہو جس پر خفیہ طور پر باہم اتفاق ہو چکا ہے۔ اگر عقد کے بعد اسی مہر پر دونوں کا اتفاق ہو چکا ہے تو اعلان کردہ مہر وہی ہوگا جس پر عقد کے بغیر اتفاق ہو چکا تھا۔ اگر اس میں نزاع پیدا ہو تو وہ مہر صحیح مانا جائے گا۔ جس کا ذکر عقد نکاح کے وقت کیا گیا تا آنکہ خاوند اس بات کو ثابت نہ کرے کہ دوسرا مہر محض ناموری کے لئے تھا۔

دوسری شکل یہ ہے کہ (بڑھا کر بتائے ہوئے مہر میں) جو زیادتی ہے وہ زیادتی مہر کی ہم جنس شے ہے تو ایسی صورت میں اگر فریقین یہ تسلیم کرتے ہوں کہ عقد نکاح کے وقت جو مہر بڑھا کر بتایا گیا ہے وہ محض نمائشی تھا لیکن اضافہ شدہ مہر مثل کے مساوی ہے تو اسی قدر مہر قرار پا جائے گا۔ بصورت دیگر مہر مثل لازم ہوگا۔

تیسری شکل یہ ہے کہ مخفی طور پر بالاتفاق یہ طے پایا جائے کہ مہر ایک سو اشرفی ہوگا لیکن ضربیہ (یا مطالبہ) وغیرہ کے اندیشہ سے یہ کہہ دیا جائے کہ عقد نکاح بغیر مہر کے ہوا ہے۔ ایسی صورت میں مہر وہ ہوگا جو طے ہو چکا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مخفی طور پر کسی مہر پر عقد نکاح ہو جائے پھر ایک اور مہر پر اعلانیہ عقد کیا جائے مثلاً مخفی طور پر تو ایک سو اشرفی پر عقد ہوا پھر علانیہ دو سو پر عقد کیا جائے۔ یا علانیہ عقد نہیں ہوا لیکن بتایا یہ گیا کہ عقد دو سو مہر پر ہوا ہے ایسی حالت میں اگر دونوں متفق ہیں یا جتنے پر نکاح ہوا ہے اس کے گواہ موجود ہیں تو وہی مہر قابل اعتبار ہوگا جو مخفی طور پر طے پا گیا ہے۔ بصورت نزاع اس مسئلہ میں (فقہائے حنفیہ) کے درمیان اختلاف ہے: صاحبین کہتے ہیں کہ اس صورت میں وہی مہر قرار پائے گا جو پہلے عقد میں طے ہوا۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں نکاحوں میں مہر کی جنس مختلف ہو تو عقد میں جو جنس قرار پائی ہے وہی واجب الادا ہوگی اور دوسرے عقد میں جو کچھ طے پایا ہے اسے عقد اول کے مہر پر اضافہ تصور کیا جائے۔ چنانچہ اگر عقد اول میں ایک سو ریال مہر رکھا گیا اور دوسرے عقد میں سو اشرفی مہر رکھا تو سب کو مہر قرار دیا جائے گا اور دوسرے عقد کے مہر کو سابقہ مہر میں خاوند کا اضافہ کردہ مہر قرار دیا جائے گا۔ اگر دونوں عقدوں کے مہر ایک ہی جنس کی شے ہو تو دوسرے عقد کے اضافہ شدہ مہر کو مہر قرار دیا جائے گا۔ مثلاً مخفی طور پر عقد نکاح سو اشرفی پر ہوا اور اعلانیہ عقد نکاح میں دو سو مہر رکھا گیا یا عقد کے بغیر ہی زوجین نے دو سو کا اقرار کر لیا تو یہی دو سو مہر ہوگا' کیوں کہ دونوں کی جنس ایک ہے یعنی اشرفیاں اور دوسرے عقد میں جو ایک سو زیادہ رکھا گیا ہے وہ مہر میں اضافہ متصور ہوگا۔

اب رہا 'ہدیہ' کا رواج سو اس کی تفصیل یہ ہے کہ یا تو وہ ہدیہ غذائی اشیاء میں سے ایسی اشیاء کا ہوگا جو بالعموم خراب ہو جاتی ہیں مثلاً پھل' مچھلی اور گوشت یا ایسی اشیاء ہوں گی جن کو رکھا جا سکتا ہے مثلاً گھی' شہد یا زندہ بکری یا پھر وہ ایسی چیز کا ہوگا جو خوراک کے طور پر استعمال نہیں ہوتی بلکہ مختلف صورتوں میں بیوی کے کام میں لائی جا سکتی ہے مثلاً شمع یا مہندی یا کوئی ملبوس یا نقدی جو عید وغیرہ تقریبات میں بطور عیدی کے دی جاتی ہے۔ اگر وہ ہدیہ پہلی قسم کی اشیاء میں سے ہے اور خاوند یہ گمان کرے کہ اس کو مہر میں شمار کیا جائے اور بیوی کہے کہ وہ (مہر نہیں بلکہ) ہدیہ ہے تو لا کلام اس صورت میں خاوند کا نہیں بلکہ بیوی کا کہنا تسلیم کیا جائے گا۔ کیوں کہ عام رواج میں ان اشیاء کو مہر نہیں کہا جاتا۔ باقی وہ چیز جو تلف ہو جانے والی غذائی شے نہیں ہے تو ایسی اشیاء کے بارے میں چاہیئے کہ اہل تحقیق کے طریقہ پر عمل کیا جائے یعنی عرف عام کو پیش نظر رکھا جائے۔ اس زمانے کا دستور ہے کہ ان تمام اشیاء کو ہدیہ (یا تحفہ) کہا جاتا ہے اسے مہر نہیں کہتے۔ اب اگر خاوند یہ گمان کرے

Marfat.com

کہ وہ مہر ہے اور اس کا ثبوت اس کے پاس نہیں ہے تو اس بارے میں عورت کی بات کو اس کی قسم پر تسلیم کیا جائے گا۔ اسی طرح وہ چیز بھی ہے جسے اس زمانہ میں شبکہ (غالباً چڑھاوا) کہتے ہیں اس میں کنگن (یا چوڑیاں) یا انگوٹھی اور اس کے ساتھ شیرینی یا پھولدار کپڑے وغیرہ ہوتے ہیں عام طور پر یہ رواج ہے کہ اس کو مہر نہیں کہتے بلکہ یہ ایک پیشکش ہے جو بیوی کو اس کیلئے بھیجی جاتی ہے کہ وہ کسی اور خواستگار کو قبول نہ کرے۔ اب اگر خاوند یہ دعویٰ کرے کہ اس کو مہر میں شمار کیا جائے اور اس دعویٰ کی کوئی شہادت نہ ہو تو اس بارے میں عورت جو بات کہے اس کے قسم کھا لینے پر تسلیم کی جائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں عام دستور اور مروجہ طریق کار ہی فیصلہ کن ہوگا بعض اصحاب کہتے ہیں کہ خراب ہو جانے والی غذائی اشیاء مثلاً میوہ' مچھلی اور گوشت کے بارے میں بیوی کی بات تسلیم کی جائے گی ان کے علاوہ اور اشیائے مذکورہ میں خاوند کی بات کو تسلیم کیا جائے گا درآنحالیکہ کوئی اور ثبوت نہ ہو۔ پس اگر خاوند قسم کھالے اور اس کا تحفہ ہنوز باقی ہو تو بیوی کو حق ہے کہ اسے واپس کردے اور اپنا مہر وصول کرے اگر وہ شے ختم ہوگئی ہے تو اس کی قیمت لگا کر مہر میں سے اسی قدر وضع کر لیا جائے گا اور اگر وہ چیز پورے مہر کے مساوی ہے تو دونوں میں سے کوئی بھی شے کسی کو نہیں لوٹائے گا اور اس زمانے میں جس بات پر عمل کرنا مناسب ہے وہ اول الذکر رائے ہے یعنی عام دستور کو پیش نظر رکھا جائے۔ لہٰذا اگر یہ دستور رائج ہے کہ تحفہ کو مہر نہیں قرار دیا جاتا تو اسی کے مطابق عملدرآمد ہوگا اور عورت کا دعویٰ تسلیم کیا جائے گا درآنحالیکہ اور کوئی ثبوت نہ پیش کیا جا سکے۔

اب رہا جہیز کا مسلہ سو اس باب میں صحیح بات جس میں کوئی شک نہیں ہے یہ ہے کہ جس چیز کو مہر قرار دے کر عقد نکاح کیا جاتا ہے اس کا بدل بیوی کے سوا اور کچھ نہیں ہے خواہ مہر کی مقدار کتنی ہی بڑی ہو۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے ہزار اشرفی مہر پر شادی کی ہو اور عام دستور یہ ہو کہ ایسا بھاری مہر بھاری جہیز کے مقابلہ میں ہوا کرتا ہے یہ دونوں ایک دوسرے کے مناسب حال ہوتی ہیں۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا (یعنی ہزار اشرفی مہر کے مقابلہ میں جہیز بھاری نہیں آیا) تو خاوند کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ بھاری جہیز کا مطالبہ کرے۔ اگر بیوی جہیز بھی لائے تو اس کی مالک بیوی ہوگی خاوند کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی بھی مہر پر عقد طے ہو گیا پھر خاوند نے (مہر کے علاوہ) اور کچھ رقم دے دی کہ وہ اس سے اپنا جہیز تیار کرلے اور بیوی نے وہ رقم لے لی لیکن بغیر جہیز کے آ گئی اور خاوند نے عرصہ تک اس پر کچھ نہ کہا تو یہ اس کی رضامندی کا ثبوت ہے اور اب اسے اس مال کے مطالبہ کا (جو اس جہیز کے لئے دیا تھا) حق نہ رہے گا ورنہ وہ اس کے مطالبہ کا حق رکھتا تھا' کیوں کہ یہ رقم اس نے بطور خیرات کے اسے نہیں دی تھی بلکہ ایک ایسے کام کے لئے دی تھی جس کی انجام دہی خود خاوند پر واجب تھی کیوں کہ بیوی کے لئے ضروریات حیات پر مشتمل اشیاء کا فراہم کرنا خاوند کا کام ہے۔

اگر باپ نے اپنی بیٹی کے لئے جہیز تیار کیا اور بیٹی نے اسے قبول کر لیا تو اب باپ یا اس کے ورثاء کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس کی بیٹی سے واپسی کا مطالبہ کریں۔ کیوں کہ عام رواج کے مطابق باپ ہی بیٹی کے جہیز کا بندوبست کرتا ہے۔ اسی طرح اگر باپ نے اپنی بیٹی کے لئے اس کے بچپن میں کچھ خریدا تو وہ بیٹی کی ملکیت ہوگئی۔ اگر اندریں باب دونوں میں نزاع ہو اور دونوں میں سے کسی کی کوئی شہادت موجود نہ ہو۔ باپ کہے کہ میں نے یہ چیزیں اسے عارضی طور پر دی تھیں اور بیٹی کہے کہ نہیں بلکہ اس نے یہ چیزیں میری ملکیت میں دے دی تھیں۔ یا خاوند بیوی کی وفات کے بعد

Marfat.com

بتائے کہ اس نے اس لئے دیا تھا کہ وفات کے بعد وہ اس کی وارث ہوگی۔ ایسی صورت میں قابل اعتماد بات جس پر فتویٰ ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کا قول مانا جائے گا اور بیوی کی وفات کے بعد خاوند کی بات تسلیم کی جائے گی۔ باپ کا قول نہیں مانا جائے گا درآنحالیکہ یہ دستور رائج ہے کہ یہ اشیاء جو محل نزاع ہیں ایسی ہوں جن کو باپ جہیز کے طور پر دیتا ہے عاریتہ نہیں دیتا۔ یہ اعتراض کہ اس صورت میں (جب کہ باپ واپسی چاہتا ہے) باپ اپنی ملکیت کا اعتراف کرتا ہے اور یہ دعویٰ کہ اس نے اپنی ملکیت منتقل کر دی تھی ہنوز محتاج ثبوت ہے، نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ جہیز اور سامان خانہ جیسا کہ ظاہر ہے کہ اس کے عاریت نہ ہونے کی کافی دلیل ہے۔

اگر ماں سامان خانہ میں سے کوئی چیز اپنی بیٹی کو دے دے جو اس کے باپ کی ملکیت ہے، اور باپ اس پر خاموش رہے تو وہ بھی بیٹی کا جہیز ہو جائے گا۔ اور اس کی واپسی کا مطالبہ درست نہیں ہے۔

اگر خاوند نے اپنی بیوی کے رشتہ داروں کو کچھ اس لئے دیا ہو کہ وہ اس کی بیوی کی رخصتی جلد ہی کر دیں تو ایسی چیز کی واپسی کے مطالبہ کا حق اس کو حاصل ہے، کیوں کہ وہ رشوت (کاربرآری) کے لئے دیا گیا ہے۔

بالآخر یہ بتانا ضروری ہے کہ اگر ایک شخص غیر کی طلاق یافتہ عورت کے لئے کسی کو کچھ دے کر عدت گزرنے کے بعد وہ اس عورت کی شادی اس کے ساتھ کر دے۔ تو (اس مقصد کے لئے دینا) اگرچہ ناجائز ہے تاہم اس بارے میں چند اقوال ہے، لیکن جس قول پر اہل تحقیق کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس شخص نے اس کے ساتھ شادی کی شرط کی تھی اور کسی دوسرے شخص کے ساتھ شادی کر دی تو خاوند نے جو کچھ اس پر خرچ کیا ہے اس کو واپس لے سکتا ہے۔ اگرچہ ایسی شرط نہ کی ہو اس بارے میں ایک قول ضعیف یہ ہے کہ خاوند اپنی دی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ واپس نہیں لے سکتا اور واپس اس بنا پر لے سکتا ہے کہ یہ بات بالعموم معلوم ہے کہ اگر اس عورت کی شادی اس کے ساتھ نہ ہو تو وہ اس پر کچھ خرچ نہ کرے۔ لہٰذا یہ صورت شرط کی مانند ہے اور ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ اسے غیر مشروط طور پر واپس لینے کا حق ہے کیوں کہ یہ رشوت کی مانند ہے عقد کی شرط ہو یا نہ ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر میاں بیوی یا خاوند اور بیوی کا ولی دونوں نے مخفی طور پر طے شدہ مہر کے بارے میں اتفاق کر لیا اور اس مہر کے خلاف کسی اور مہر کا اعلان کیا تو اس مہر کا اعتبار کیا جائے گا جو مخفی طور پر طے ہوا قطع نظر اس کے کہ اعلان شدہ مہر کے گواہ بعینہ وہی ہوں جو اس مہر کے گواہ ہیں جو مخفی طور پر طے ہوا ہے یا کوئی اور ہوں۔ لیکن بعض مالکیہ نے یہ شرط لگا دی ہے کہ مخفی طور پر طے شدہ مہر کے گواہوں کو دوسرے مہر سے آگاہ کر دینا ضروری ہے جس کا اظہار کیا گیا ہے۔ تاکہ ان گواہوں کو حقیقت حال کا علم ہو۔ اب اگر ان دونوں میں نزاع پیدا ہو جائے اور عورت دعویٰ کرے کہ خاوند نے مخفی طور پر جو مہر طے ہوا تھا اس سے ہٹ کر اس نئے مہر کو باہمی طور پر تسلیم کر لیا ہے اور خاوند عورت کے اس دعوے سے انکار کرے اور کوئی شہادت موجود نہ ہو تو بیوی کو حق ہے کہ وہ خاوند سے اس کے دعوے کے بارے میں حلف لے اگر خاوند حلف اٹھا لے تو مخفی طور پر جو مہر طے ہوا اس کے بموجب عملدرآمد کیا جائے گا۔ اگر خاوند حلف سے انکار کرے تو عورت سے حلف لیا جائے اگر عورت حلف اٹھا لے تو جس مہر کا اعلان کیا گیا ہے اس پر عملدرآمد ہوگا۔ اگر شہادت موجود ہو کہ اعلان شدہ مہر کا کوئی وجود نہیں ہے بلکہ وہ صرف دکھانے کے لئے تھا اور قابل اعتبار وہی مہر ہے جو مخفی طور پر طے ہوا تو شہادت کے مطابق عملدرآمد

Marfat.com

ہوگا اگر دونوں میاں بیوی اس کے برعکس اس بات پر متفق ہوں جائیں کہ کسی امر کے اندیشے سے اعلانیہ اظہار جس کا کیا گیا ہے وہ مخفی طے شدہ مہر سے کم ہے تو درست ہے اور اس کے مطابق عمل ہوگا۔ پس اگر اس بارے میں نزاع ہو اور خاوند کہے اصل مہر وہی ہے جس کا اعلان کیا گیا اور بیوی اس سے انکار کرے اور اس کا کوئی گواہ نہ ہو تو بصورت مذکورہ حلف لیا جائے گا۔

اب رہا ہدیہ (یا تحفہ یا نذرانہ) سو اس کی نو صورتیں ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ خاوند نے وہ تحفہ بیوی کو دیا' یا بیوی کے ولی کو یا کسی اور کو اور بہر حال یہ تحفہ یا تو عقد سے پہلے دیا گیا ہوگا' یا عقد کے وقت یا عقد کے بعد۔ پھر جو شے عقد سے پہلے یا عقد کے وقت ہدیہ دی گئی' خواہ اس کے ساتھ کوئی واضح شرط رکھی ہو یا بلا شرط ہو تب بھی اس حالت میں اس پر عملاً شرط کا اطلاق ہوگا اور ان تمام صورتوں میں وہ مہر کے ساتھ شامل ہوگا خواہ بیوی کو دیا ہو یا اس کے ولی کو یا کسی اور کو اگر شب عروسی گزارنے سے پہلے طلاق ہوگئی تو نصف بیوی کو نصف ثانی خاوند کو ملے گا۔ جیسا کہ اصلی مہر میں ہوتا ہے۔ پس اگر ہدیہ بیوی کے علاوہ کسی اور کو سپرد کیا گیا ہے تو بیوی کو حق ہے کہ اس سے یا خاوند سے نصف لے لے کیوں کہ ہدیہ بوجہ مشروط ہونے کے مہر بن جاتا ہے۔ اسی طرح خاوند کو بھی حق ہے کہ جسے اس نے ہدیہ سپرد کیا تھا اس سے نصف واپس لے لے۔ بیوی سے اس کا کوئی مطالبہ نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اس ہدیہ کو (بیوی نے نہیں) بلکہ اس نے دیا تھا۔ اگر وہ ہدیہ جو بیوی کے علاوہ کسی اور شخص کے پاس امانت کے طور پر تھا اور تلف ہوگیا۔ یا خود خاوند کے پاس تلف ہوگیا اور اس کے تلف ہونے کی شہادت موجود ہے۔ خواہ وہ ایسی شے ہو جسے چھپا کر رکھا جا سکے۔ مثلاً چوڑیاں یا کپڑے وغیرہ یا ایسی چیز نہ ہو جیسے گائے یا اونٹ یا اس کے تلف ہونے کی شہادت موجود نہ ہو درآنحالیکہ اشیائے مذکورہ ایسی ہوں کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کے ہلاک ہوجانے کا دعویٰ ممکن نہ ہو اور بیوی کو شب عروسی سے پہلے طلاق ہوگئی تو اس کی ذمہ داری دونوں پر ہے اور دونوں میں سے کسی کا بھی' مطالبہ دوسرے سے نہیں ہوسکتا لیکن اگر شب عروسی کے بعد طلاق ہوئی اور ہدیہ امانت دار کے پاس تلف ہو گیا اور بیوی اس کے تلف ہونے کی شہادت دے۔ یا ہدیہ ایسی شے کا تھا جسے چھپا کر رکھنا ممکن نہیں گو اس کے تلف ہوجانے کی شہادت نہ ہو تو اس کی ذمہ دار بیوی ہوگی۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ بیوی یا خاوند کی وفات ہوجائے تو وہ بیوی کا نقصان متصور ہوگا کیوں کہ موت یا مباشرت کے بعد وہ پورا ہدیہ اسی کا تھا۔ علیٰ ہٰذا اس صورت میں جب کہ مباشرت سے پہلے نکاح فسخ ہوجائے تو ہدیہ کا تمام نقصان خاوند کا ہے کیوں کہ اس وقت وہی پورے تحفہ کا حقدار تھا۔ اگر ہدیہ خاوند یا بیوی کے پاس ہو اور تلف ہوجائے اور اس کے تلف ہونے کا کوئی گواہ نہ ہو۔ یا وہ ایسی شے ہو جسے چھپا کر رکھنا ممکن نہ ہو اور اس لئے اس (کے تلف ہونے) کی شہادت ضروری نہ ہو تو اس کا ذمہ دار وہ ہے جس کے پاس وہ چیز تھی۔ پس اگر شب عروسی سے پہلے اسے طلاق ہوگئی اور وہ ہدیہ اس کے پاس تھا تو اس کے نصف کی ادائیگی کی ذمہ دار ہوگی لیکن اگر وہ ہدیہ (ہنوز) خاوند کے پاس تھا اور تلف ہوگیا تو آدھے کی ادائیگی کا وہ ذمہ دار ہوگا اور مباشرت یا موت کے بعد پورے ہدیہ کا ذمہ دار ہوگا پس اگر وہ ہدیہ قیمت لگائی جانے والی شے تھا تو اس کی قیمت ادا کرے گا اگر مثلی شے کا ہدیہ تھا تو اس کی مثل اسی قدر دینا ہوگا۔

یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ یہ ہدیہ (تحفہ) عقد سے پہلے یا عقد کے وقت دیا گیا ہو۔ لیکن اگر عقد کے

Marfat.com

بعد یہ ہدیہ بیوی کے علاوہ اس کے ولی یا کسی اور کو سپرد کیا تو وہ ہدیہ اسی کا ہوگا اور اگر وہ ہدیہ بیوی کے لئے تھا اور شب عروسی سے پہلے طلاق ہوگئی تو اس بارے میں دو رائیں ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ عقد کے بعد دیئے ہوئے تحفہ میں سے خاوند کو کوئی حق نہیں ہے خواہ وہ ہدیہ بیوی کے پاس تلف ہوگیا ہو یا محفوظ ہو اسی رائے کو فوقیت حاصل ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اگر وہ ہدیہ موجود ہے تو اس کا آدھا یا اگر وہ مثلی شے ہے تو نصف مثل اور اگر تلف ہوگیا تو نصف قیمت خاوند کا حق ہے۔

جہیز کے بارے میں مالکیہ کہتے ہیں کہ بیوی کو لازم ہے کہ جہیز کے لئے وصول شدہ مہر سے اپنی جیسی بیوی اور اپنے خاوند جیسے شخص کے لئے جو کچھ مناسب ہو مہیا کرے۔ لیکن اس کے لئے چند شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ رقم جہیز مباشرت سے پہلے بیوی نے وصول کرلی ہو خواہ وہ مؤجل ہو جس کی ادائیگی کا وقت آ گیا ہو۔ اگر وصول کرنے سے پہلے مباشرت ہوگئی تو اب اس رقم جہیز سے سامان جہیز کی تیاری عورت پر لازم نہیں ہے' سوا اس کے کہ یہ شرط ہو کہ وہ سامان (جہیز) مباشرت کے بعد تیار کیا جائے گا۔ یا رواج ایسا ہی ہو (کہ مباشرت کے بعد جہیز تیار ہوتا ہو)۔ اگر بیوی کا یہ ارادہ ہو کہ ابتدائی رقم مہر جو واجب الوصول ہے وصول کرلے اور تیاری جہیز سے کنارہ کش ہو جائے تو خاوند کو حق ہے کہ وہ معاملہ قاضی (حاکم شرع) کے سامنے پیش کرے۔ قاضی بیوی کے خلاف خاوند کے حق میں فیصلہ دے گا کہ وہ رقم جہیز لے کر اپنا سامان تیار کرے۔ لیکن اگر خاوند بیوی سے کہے کہ وہ مہر جس کی ادائیگی کا وقت نہیں آیا اسے لے کر جہیز کی تیاری کرے تو یہ فیصلہ خاوند کے حق میں نہ ہوگا کیوں کہ وہ چیز جو ہنوز واجب الادا نہیں ہوئی اگر پہلے ہی دے دی جائے تو اس کی حیثیت قرض کی سی ہوتی ہے جسے دے کر خاوند نفع اٹھانا چاہتا ہے (لہٰذا وہ سود ہو جائے گا) تاہم اگر عورت فوری طور پر اسے وصول کرلیتی ہے تو اسے جہیز تیار کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ خاوند نے سوائے اس کے جو بیوی نے جہیز کے لئے لیا اور کسی شے کا وعدہ نہ کیا ہو۔ یا یہ عام رواج ہو کہ خاوند جہیز کے لئے اتنا دیتا ہے۔ اگر خاوند نے جہیز کے لئے کچھ متعین کردیا ہے تو جس قدر وعدہ کیا ہے اس کا ادا کرنا لازم ہے۔ اسی طرح جو کچھ بھی رواج ہے وہ خاوند پر لازم ہوگا۔ خواہ خاوند نے جو کچھ مقرر کیا یا جو عام طور پر رواج ہے وہ مہر سے زیادہ ہو یا کم ہو۔ اسی طرح اگر ولی نے خاوند کے لئے کچھ اشیاء کا تعین کیا تو جو کچھ اس نے متعین کیا اور خاوند اس پر راضی ہوگیا تو وہ لازم الاداء ہوگا قطع نظر اس سے کہ مہر کس قدر ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مہر معین شے نہ ہو۔ لہٰذا اگر مہر سامان تجارت ہو یا ایسی شے ہو جس کا معاملہ پیمانوں یا وزن سے کیا جاتا ہے یا وہ کوئی جانور ہو تو بقول معتمد جہیز کی تیاری کے لئے اس کا فروخت کرنا لازم نہیں ہے۔

واضح ہو کہ چونکہ بیوی جہیز اور مہر کی مالک ہوتی ہے' لہٰذا اگر اس کی وفات ہو جائے تو خاوند اس کے ورثہ میں حق دار ہوگا۔ اس بنیاد پر یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی اور مہر کی مقدار مثلاً ایک سو تھی جس میں سے پچاس اس نے دے دیئے۔ اور ولی یا بیوی سے دو سو کے مہر کی شرط رکھی تھی اور ہنوز مباشرت نہ ہوئی تھی کہ بیوی کا انتقال ہوگیا تو وہ ایک سو کا مہر تمام کا تمام اس کے وارثوں کا حق ہوگیا۔ اب اگر ورثاء خاوند سے مطالبہ کریں کہ وہ بقیہ پچاس میں سے اپنا حق میراث وضع کر کے باقی وارثوں کو دے دے تو کیا خاوند کو بھی یہ حق ہے کہ وہ مطالبہ کرے کہ وہ مہر بھی نکالیں

Marfat.com

جو طے ہوا تھا تا کہ وہ اس میں سے اپنا حق ورثہ حاصل کرے۔ یا یہ حق نہیں ہے؟ اس بارے میں دو رائیں ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ ورثاء پر لازم نہیں ہے کہ وہ جہیز نکالیں۔ ایسی صورت میں خاوند پر مہر مثل عائد ہوگا طے شدہ مہر عائد نہ ہوگا اور اس پچاس میں سے جو بیوی کو دیئے گئے جہیز کا حساب لگایا جائے گا کہ اس پچاس میں سے کتنے کا جہیز بنا۔ اگر وہ پچاس کا ہے تو خاوند کو کچھ دینا نہ ہوگا کیوں کہ وہ پچاس دے چکا ہے پھر وہ پچاس کے جہیز میں سے نصف اپنے حصہ کا ورثہ یعنی پچیس لے لے گا۔ درآنحالیکہ کوئی اولاد نہ ہو یا چوتھائی لے گا۔ جبکہ اس کی بیوی کی اولاد پہلے خاوند سے ہو۔ اگر جہیز اسی کا ہو تو خاوند ورثاء کو تیس دے گا اور اس تیس میں سے جو اس نے دیا اور جہیز میں سے جس کی مقدار پچاس ہے اس کو ورثہ کا حصہ لے گا اور اگر مہر مثلاً تیس کا تھا تو ورثاء کو لازم ہے کہ خاوند کو وہ بیس (زائد از پنجاہ) اور جہیز کے پچاس میں سے اس کا حصہ دیں۔

اگر باپ نے اپنی بیٹی کا جہیز تیار کیا ہو تو وہ سب وارثوں کا نہیں بلکہ بیٹی کے لئے مخصوص ہوگا اور تمام وہ اشیاء جو اس کے لئے دی جائیں وہ سب مہر کے علاوہ ہوں گی بشرطیکہ ان سب چیزوں کو بیوی کے گھر جہاں اس کے خاوند نے شب عروسی گزاری منتقل کر دیا گیا ہو یا باپ نے یہ کہہ دیا ہو کہ یہ (مال) اس کی بیٹی کا ہے اگرچہ وہ اب بھی باپ کے پاس ہو یا باپ نے اس کے لیے خریدی ہوا مانت کے طور پر کسی کے پاس رکھ دی ہو۔ یا وارث اس بات کو تسلیم کریں کہ (یہ چیز اس کی ہے)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے دو بار شادی کی اور دو مہر رکھے ایک شادی مخفی طور پر کی اور دوسری اعلانیہ۔ مخفی شادی میں مہر پچاس ٹھہرا اور علانیہ میں ایک سو۔ یا اس کے برعکس تو (ایک مہر کی مقدار) میں جو زیادتی ہے وہ خاوند کا حق ہے خواہ مخفی عقد کا مہر زیادہ ہو یا اعلانیہ عقد کا۔ اور ہدیہ کا معاملہ یہ ہے کہ اگر عقد کے بعد دیا گیا تو وہ مہر میں شمار نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی اور بیوی نصف مہر کی حق دار قرار پائی تو وہ ہدیہ میں سے کچھ واپس نہ کرے گی اور اگر مباشرت کے بعد طلاق ہوئی تو بدرجہ اولیٰ کچھ واپس نہ کرے گی۔ غرض ہدیہ پورے کا پورا برقرار رہے گا۔ درآنحالیکہ عورت کو مہر پورا یا آدھا مل گیا ہو۔ لیکن ایسی باہمی تفریق کی صورت میں جس کے باعث پورا مہر ساقط ہو جاتا ہے مثلاً وہ صورت جب کہ تفریق کا موجب عورت ہو تو اس صورت میں مہر کے ساتھ ہدیہ بھی واپس کر دیا جائے گا۔ اور وہ ہدیہ جو عقد سے پہلے اس بنا پر دیا گیا کہ (عورت والوں نے) شادی کرنے کا وعدہ کیا اور شادی نہ کی اس کا مطالبہ ان لوگوں سے کیا جائے گا کیوں کہ انہوں نے اس وعدہ کے خلاف کیا تو انہیں اس کے کام میں لانے کے کیا معنی؟

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مہر مخفی طور پر طے ہوا اور اعلانیہ طور پر اس سے زیادہ بتایا گیا تو وہ مہر قرار پائے گا جو پہلے عقد میں طے ہوا۔ چنانچہ اگر پہلی بار مخفی عقد میں ایک ہزار مہر مقرر ہوا پھر دوسرے عقد میں شہرت کے لئے دو ہزار مہر کا اعلان کیا گیا تو وہی مہر لازم ہوگا جو عقد اول میں قرار پایا تھا' یعنی ایک ہزار لیکن اگر عقد کے بغیر مخفی طور پر ایک ہزار کا مہر طے پا گیا تھا اور بعد میں دو ہزار مہر کے اعلان کے ساتھ شادی کی تو عقد کے وقت یہی دو ہزار جو طے ہوئے وہی مہر لازم ہوگا غرض مخفی طور پر عقد کی صورت میں وہی مہر تسلیم کیا جائے گا جس کا ذکر بوقت عقد کیا گیا۔ اگر مخفی عقد میں مہر کا ذکر نہیں کیا گیا تو (عقد سے باہر خواہ کچھ طے ہوا) اس کا اعتبار نہیں ہے بلکہ وہی مہر تسلیم کیا جائے جس کا ذکر اعلانیہ نکاح میں کیا گیا۔

Marfat.com

ان عیوب کا بیان جو فسخ نکاح کا موجب ہیں

اس میں عنین (نامرد) مجبوب (زنخہ) خصی (مقطوع الخصیہ) شامل ہیں وہ عیوب (یا امراض) جو خاوند یا بیوی میں پائے جا سکتے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔[1] ایک قسم تو وہ ہے جس کے پائے جانے سے میاں بیوی دونوں پر یہ حق عائد ہو جاتا ہے کہ فسخ نکاح کا مطالبہ غیر مشروط طور پر کر سکیں' اور دوسری قسم کے وہ عیوب ہیں جن کی بنا پر فسخ نکاح کا مطالبہ صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے ہے جب کہ (عقد میں یہ شرط رکھی گئی ہو) پہلی قسم کے عیوب کی تین قسمیں ہیں۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کوئی عیب ایسا نہیں ہے کہ جس کے باعث دونوں میں سے کسی کو مشروط یا غیر مشروط طور پر مطلقاً فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق حاصل ہو۔ تاہم اس سے تین صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ یعنی خاوند کا نامرد' مخنث یا مقطوع الذکر ہونا۔ ان کے علاوہ اور کسی عیب کی بنا پر فسخ نکاح نہیں ہو سکتا۔ مثلاً جذام (کوڑھ) یا برص (پھل بہری) وغیرہ کا مریض ہونا خواہ یہ عیب (دونوں میں سے کسی میں) پہلے ہی سے ہو یا عقد کے بعد لاحق ہوا ہو اور خواہ (عقد میں) یہ شرط لگائی گئی ہو یا نہ لگائی گئی ہو۔

کہا گیا ہے کہ حنفیہ کی اس رائے سے بیوی کو سخت ضرر ہے اور وہ یوں ہے کہ وہ تو مرد سے علیحدگی کا اختیار نہیں رکھتی اور اسے اپنا خطرہ ہے تو آخر وہ کیا کرے۔ کیا یہ ٹھیک ہے کہ مرد کو تو اس سے یوں نقصان نہیں ہے کہ اگر وہ ایسی عورت سے (جس میں یہ عیب ہے) راضی نہ ہو تو وہ اسے چھوڑ دے لیکن عورت ایسی حالت میں فسخ نکاح نہ کر سکے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ (دراصل) حنفیہ مسلک کی بنیاد اس پر ہے کہ ازدواجی تعلق ایک قابل احترام اور مقدس رشتہ ہے جو (خونی) رشتہ کے تقدس سے کم نہیں ہے۔ پس جب کہ دو اشخاص ازدواجی رشتہ میں منسلک ہو گئے تو ان دونوں میں سے ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ دوسرے کی مصیبت میں اس کا ہمدرد ہو پس یہ ٹھیک نہیں ہے کہ اگر خاوند اس (مرض کی) مصیبت میں مبتلا ہے تو بیوی اس سے علیحدگی اختیار کر لے۔ لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ اس ابتلاء میں ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دے۔ بلکہ یہ واجب ہے کہ حتی الامکان باہم ہمدردی کا سلوک کریں اور جس طرح انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اگر اس کا بھائی یا قرابت دار کسی مرض میں مبتلا ہو تو وہ رشتہ قرابت داری کو توڑ دے اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ اس صورت میں ازدواجی تعلق کو منقطع کر لیا جائے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مرض یا عیب عقد کے بعد لاحق ہوا ہو یا پہلے سے موجود رہا ہو کیوں کہ دونوں میاں بیوی اس امر کے ذمہ دار ہیں کہ شادی سے پہلے وہ ایک دوسرے کے بارے میں تحقیق کر لیں اور یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ ایک دوسرے کو دیکھ لینا (طریق) سنت ہے۔

واضح ہو کہ یہ تمام احکام ان مسلمانوں کے لئے ہیں جو اپنے مذہب پر عمل کرتے ہیں۔ پس میاں بیوی سے کوئی بھی اگر اپنے مذہب سے قطع نظر کرے تو قابل مذمت ہے۔ یہ امر نہایت ضروری ہے کہ ازدواجی تعلق کے تقدس اور احترام کو پیش نظر رکھا جائے خواہ کوئی بھی صورت حال پیش آئے۔ علاوہ اس کے اگر بالفرض دونوں میاں بیوی شروع شروع میں

Marfat.com

باہم خوشی سے رہتے ہیں اور خدا نے انہیں اولاد بھی دے دی پھر ان میں سے کسی پر مرض یا اسی قسم کی کوئی مصیبت آپڑی تو کیا عقل گوارا کرتی ہے کہ وہ فریق جو اس مصیبت میں مبتلا نہیں ہے وہ دوسرے کی مرضی کے خلاف اس سے قطع تعلق کر لے؟ ہرگز نہیں یہ دانائی کے خلاف ہے۔ کیوں کہ ازدواجی تعلق کا احترام عقد ازدواج کے بعد ناگزیر ہے۔

اگر نامرد، مقطوع الذکر، مخنث یا خصی ہونا خاوندی کے منافی نہ ہوتا' کیوں کہ ایسا شخص عورت کی مانند ہوتا ہے اور عورت کا عقد نکاح عورت کے ساتھ نہیں ہوسکتا' تو فسخ عقد کسی حال میں جائز نہ ہوتا۔

اب اگر کہا جائے کہ اس سے تو یہ لازم ہو جاتا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے کر بھی نہیں چھوڑ سکتا اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی شریعت میں حکم طلاق' اہم اور ناگزیر اجتماعی مقصد کے پیش نظر رکھا گیا ہے۔ جو بعض صورتوں میں واجب ہو جاتا ہے مثلاً اس حالت میں جب کہ میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑ جائے جس سے ازدواجی تعلق منقطع ہو جائے اور اس کی بجائے ایک دوسرے کے خلاف نفرت اور حقارت پیدا ہو جائے اور باہمی مفاہمت کی کوششوں سے اس کا علاج ممکن نہ ہو تو ان حالات میں صرف طلاق ہی ایک چارہ کار رہ جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ازدواجی رشتہ اصل مقصد مطلوبہ کے برعکس ہو کر رہ جاتا۔ شریعت کا مقصد تو اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ دو رفیقوں میں اتحاد اور باہم پیار و محبت پیدا ہو، نہ یہ کہ دو ایسے دشمنوں کو اکٹھا کر دیا جائے کہ ان میں سے ایک دوسرے کو دیکھنا بھی گوارا نہ کرے طلاق میں مزید شرعی حکمتوں کی تفصیل طلاق کے بیان میں آگے آ رہی ہے۔

تفصیل بالا سے واضح ہے کہ شرع نے محض کسی عیب یا مرض کی بنا پر باہمی تفریق کا حکم نہیں دیا کیوں کہ ایسی حالت تو رحم و کرم کا تقاضا کرتی ہے نہ کہ سنگدلی اور کنارہ کشی کا۔ مرد کو طلاق کا حق اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ اسے ناگزیر حالت میں کام میں لائے اگر اس حق کو ناپسندیدہ طریقہ سے استعمال کیا تو گنہگار ہوگا۔ دونوں حالتوں کا فرق ظاہر ہے مخفی نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تیرہ عیوب ایسے ہیں جن کی بنا پر فسخ نکاح ہوسکتا ہے۔ یہ عیوب تین قسم کے ہیں۔ پہلی قسم کے عیوب مشترک ہیں جو خاوند اور بیوی دونوں میں پائے جاسکتے ہیں یعنی وہ عیب مرد میں بھی ہوسکتا ہے اور عورت میں بھی اور دونوں میں بھی۔ ایسے عیوب کی تعداد چار ہے۔ جنون' جذام' برص اور خراعۃ (یعنی مباشرت کے وقت اجابت کا ہو جانا) اسے عربی میں عذیطہ (بفتح عین وسکون ذال) کہتے ہیں۔ اگر ان عیوب میں سے کوئی عیب دونوں میاں بیوی میں سے کسی میں بھی پایا جائے تو دوسرے کو حق ہے کہ فسخ نکاح کے ذریعہ علیحدگی کا مطالبہ کرے۔ خواہ خود اس میں بھی یہ عیب موجود ہو کیوں کہ انسان دوسرے کی جس بات کو ناپسند کرتا ہے اپنی ذات میں ہونا ناپسند نہیں کرتا۔

جنون ایسا عیب ہے کہ اس میں مرد اور عورت دونوں کو اختیار (فسخ) ہوتا ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا یہ مشترک مرض ہے (یعنی دونوں میں سے کسی کو بھی ہوسکتا ہے) اس کی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ یہ مرض عقد کے پہلے سے لاحق ہو۔ دوسرے یہ کہ عقد کے بعد لیکن مباشرت سے پہلے لاحق ہوا ہو تیسرے یہ کہ مباشرت کے بعد ہوا ہو۔ اگر عقد سے پہلے ہی بیوی کو مرض جنون لاحق تھا اور خاوند کو اس کا علم نہ ہو یا صورت حال اس کے برعکس ہو (یعنی خاوند کو یہ مرض پہلے سے رہا ہو اور بیوی کو علم نہ ہو) تو دونوں میں سے ہر ایک کو حق ہے کہ مباشرت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو دوسرے کو چھوڑ دے۔ بشرطیکہ یہ مرض ضرر رساں ہو مثلاً مارنا یا مال کا ضائع کرنا۔ لیکن اگر یہ کیفیت ہو کہ فتور عقل ہونے کے بعد پھر افاقہ ہو جایا کرتا ہو جیسے

Marfat.com

مرگی والے کی حالت ہوتی ہے تو ایسے مریض کو چھوڑ نا نہ چاہئے۔

اگر جنون عقد کے بعد لاحق ہوا اور خاوند مبتلا ہوا تو بیوی کو اختیار ہوگا اور اسے فسخ نکاح کا حق ہے۔ لیکن اگر بیوی کو جنون ہو گیا تو خاوند کو حق تنسیخ نہ ہوگا' خواہ مباشرت سے پہلے لاحق ہوا ہو یا بعد میں۔ اسی پر عملدرآمد ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت فطرتاً کمزور ہے اور وہ گھر میں رہتی ہے لہٰذا اس کے جنون کے ضرر سے بچنا ممکن ہے اور اس حال میں بھی (خاوند کا) اس سے متمتع ہونا ممکن ہے۔ بخلاف خاوند کے۔ علاوہ اس کے عقد کی کلید اس کے ہاتھ میں ہے اس کے لئے ممکن ہے کہ اگر اس کے ضرر سے نہ بچ سکے تو طلاق دے دے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس بارے میں میاں اور بیوی دونوں (کے احکام) میں کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا عقد کے بعد اگر جنون لاحق ہوا ہے تو مباشرت سے پہلے اور بعد بھی زوجین کو حق ہے کہ اپنا اختیار فسخ کام میں لائیں۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر مرض جنون مباشرت سے پہلے لاحق ہو تو بیوی کو خاوند کے رد کرنے کا حق ہے۔ (ایسی صورت میں) خاوند کو یہ حق نہیں ہے اور اگر مباشرت کے بعد مرض جنون ہوا تو مرد کی طرح عورت کو بھی رد عقد کا حق نہیں ہے اور ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ عقد کے بعد جنون لاحق ہو جائے تو مطلقاً رد نکاح نہیں کیا جاسکتا خواہ یہ مرض مرد کو لاحق ہوا ہو یا عورت کو۔ ان چاروں اقوال میں قابل عمل پہلی صورت ہے جیسا کہ بتایا گیا۔

جذام (یا کوڑھ) ایسا مرض ہے کہ اس میں بیوی کو اختیار (فسخ) حاصل ہوتا ہے خواہ مرد عقد سے پہلے اس مرض میں مبتلا ہو یا بعد میں ہوا ہو اور خواہ مرض خفیف ہو یا شدید۔ اگر یہ مرض عورت میں عقد سے پہلے کا ہو یا عقد کے وقت لاحق ہوا ہو اور ہلکا ہو یا بھاری تو مرد کو علیحدگی کا حق ہے۔ لیکن اگر عقد کے بعد عورت کو جذام کا مرض لاحق ہو جائے تو خاوند کو مطلقاً حق فسخ نہ ہوگا۔ اسی طرح ان دونوں میں سے کسی کو بھی اس صورت میں حق فسخ حاصل نہیں ہے جب کہ یہ مرض دونوں میں سے کسی کے باپ دادا یا ماں میں ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ بطریق ورثہ ان میں پیدا ہو جائے گا کیوں کہ ایسا ہونا امر یقینی نہیں ہے۔ لہٰذا قابل اعتبار نہیں ہے۔

برص (یا پھل بہری) ایک مشہور مرض ہے۔ خواہ برص سفید ہو یا سیاہ اگر عقد سے پہلے سے موجود تھا اور زیادہ تھا تو دونوں میں سے ہر ایک کو فسخ عقد کا اختیار ہے۔ لیکن اگر معمولی سا ہو تو عورت بالاتفاق رد عقد کر سکتی ہے اور معمولی مرض کی صورت میں مرد کے اختیار کے بارے میں دو رائیں ہیں (یعنی اسے رد کرنے کا اختیار ہے اور اختیار نہیں ہے) یہ دو رائیں اس صورت میں ہیں جب کہ یہ مرض عقد سے پہلے لاحق ہوا ہو۔ اگر عقد کے بعد لاحق ہوا اور معمولی سا ہے تو دونوں میں سے کسی کو اختیار فسخ نہیں ہے خواہ یہ مرض خاوند میں پایا جائے یا بیوی میں۔ اگر یہ مرض زیادتی کے ساتھ ہو اور مرد میں ہو تو عورت کو فسخ نکاح کا حق ہے اور عورت میں ہو تو مرد کو مسلک بالا کے پیش نظر رد کا حق نہیں ہے۔ کیوں کہ طلاق مرد کے اختیار میں ہے' اگر اس میں ضرر دیکھتا ہے تو اسے طلاق دے دے اور عقد کے بعد مرض کے ظاہر ہونے اور عقد سے پہلے ظاہر ہونے میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے کیوں کہ عقد سے پہلے یہ مان لیا جاتا ہے کہ عورت ایسے عیوب سے خالی ہے جن سے کراہت پیدا ہو لیکن عقد کے بعد مرض لاحق ہو جائے تو خاوند یا بیوی پر نازل ہونے والی ایک مصیبت ہے۔ اور چونکہ (ایسی صورت میں) بیوی کا خاوند سے علیحدگی اختیار کر لینا اس کے اختیار میں نہیں ہے اس لئے اس کو اختیار فسخ دیا گیا بخلاف مرد کے کہ بیوی کو چھوڑ دینا اس کے اختیار میں ہے۔

Marfat.com

مرض خرأت (حالت مباشرت میں اجابت ہو جانا) ایک ایسا عیب ہے کہ اگر یہ قدیم مرض ہو اور عقد سے پہلے دونوں میں سے کسی میں پایا جائے تو ہر ایک کو فسخ عقد کا اختیار ہوگا۔لیکن اگر عقد کے بعد یہ مرض لاحق ہو یا اس کا شک پیدا ہوا تو کسی کو بھی رد نکاح کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔اگر چہ یہ نہایت گندا مرض ہے اور طبیعت کو اس میں گھن آتی ہے تاہم اس کی گندگی دوسرے امراض سے کم ہے۔پس اگر مرد اس کی گندگی کو محسوس کرے اور عورت سے نفرت کا موجب ہو تو اسے حق ہے کہ عورت کو طلاق دے کر چھوڑ دے البتہ عورت مرد کے اس مرض کو سہہ سکتی ہے۔بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مرض خرأت اگر عقد کے بعد مرد کو لاحق ہو جائے تو عورت کو فسخ نکاح کا حق ہے بخلاف اس صورت کے جب کہ یہ عورت کو لاحق ہو تو اس سے مرد کو فسخ عقد کا حق نہیں پہنچتا جیسا کہ جذام (کوڑھ) کے بارے میں بتایا گیا کہ طلاق دینا مرد کے اختیار میں ہے عورت کے اختیار میں نہیں (لہٰذا اسے اختیار فسخ ملنا چاہئے)۔

واضح ہو کہ بستر پر یا مباشرت کے وقت پیشاب کا نکل جانا یا اسی طرح ہوا کا خارج ہونا یہ چاروں عیوب بھی مشترک ہیں (کہ دونوں میں پائے جا سکتے ہیں لہٰذا ان کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر بیان ہوا)۔

عیوب مشترکہ میں سے ایک عیب مخنث ہونا ہے درآنحالیکہ خصی پن واضح ہو۔پس اگر مخنث مرد عضو مخصوص رکھتا ہے اور اس میں استادگی ہوتی اور مادہ تولید مردوں کی طرح خارج ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی ایک سطحی کشادگی بھی شرمگاہ زناں کی طرح ہو گو حقیقت میں وہ شرمگاہ نہ ہو تو یہ مرد کا ایسا عیب شمار نہ ہوگا جس کی بنا پر نکاح توڑا جا سکے۔اسی طرح اگر عورت کی شرمگاہ ہو اور اس میں کوئی خرابی نہ ہو لیکن ساتھ ہی مردانہ عضو بھی ہو گو اسے آلہ تناسل نہ کہا جا سکے بلکہ وہ صرف ایک بڑا ہوا گوشت سا ہو تو کہا جاتا ہے کہ یہ عیب (قابل فسخ عقد) ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کو عیب میں شمار نہ کیا جائے گا بلکہ وہ خنثیٰ مشکل ہے (یعنی ایسا شخص جس کی جنس کا تعین دشوار ہے) ایسے شخص کی شادی کسی حالت میں درست نہیں ہے۔

عیوب کی دوسری قسم میں وہ عیوب ہیں جو صرف مردوں میں ہوتے ہیں۔اس کی چار قسمیں ہیں۔جب۔عنت۔خصاء اور اعتراض۔مجبوب وہ ہے جس کا عضو مخصوص جڑ سے یا بقول راجح اس کا بالائی حصہ کٹا ہوا ہو۔عنین وہ ہے جس کا عضو مخصوص اس قدر چھوٹا ہو کہ وہ شخص مباشرت نہ کر سکے۔اسی طرح حد سے زیادہ پھولا ہوا ہونا بھی عیب ہے کہ مباشرت کے نا قابل ہو۔یہ دونوں عیب ایسے ہیں کہ اس سے عورت کو فسخ عقد کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔خصی وہ ہے جس کے خصیے کٹے ہوئے ہوں اگر چہ آلہ تناسل میں استادگی ہو اور مادہ تولید نہ ہو تو وہ بھی عنت ہے ہاں اگر مادۂ تولید کا اخراج ہوتا ہو تو رد نکاح کا حق نہ رہے گا اور ''معترض'' وہ شخص ہے جس کے عضو مخصوص میں کسی مرض وغیرہ سے استادگی مفقود ہو۔ان چاروں عیوب میں سے کوئی ایک عیب بھی اگر مرد میں پایا جائے تو عورت کو فسخ نکاح کا حق ہے بشرطیکہ شروط مندرجہ بالا پائی جائیں یعنی عقد سے پہلے بیوی کو اس عیب کا علم نہ رہا ہو وغیرہ۔

تیسری قسم کے عیوب وہ ہیں جو صرف عورتوں میں ہو سکتے ہیں۔وہ پانچ ہیں: رتق۔قرن۔عفل۔افضا اور بخر۔رتق' اندام نہانی کا مسدود ہو جانا ہے جس سے مباشرت نہ ہو سکے۔یہ رکاوٹ غدود سے ہو یا ہڈی کے بڑھ جانے سے ہو۔مرض ''قرن'' ایک مادہ ہے جو اندام نہانی پر بکرے کی سینگ کی طرح اُبھر آتا ہے۔اسی طرح کا مرض عفل ہے کہ اندام نہانی کا گوشت اُبھر آتا ہے (جیسے رسولی) اور اس سے مادۂ فاسد اس طرح بہتا رہتا ہے۔جس طرح مردوں کے مرض

Marfat.com

اماس خصیہ ہے جسے قلیطہ کہتے ہیں۔ یہ ایسے امراض ہیں جن کا وجود اس زمانہ میں شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ بلکہ اب تو یہ مفقود ہی ہے۔ کیوں کہ علم طب خصوصاً علم تشریح نے بہت زیادہ ترقی کر لی ہے اور ان امراض کی بیخ کنی آسان ہو گئی ہے۔ مرض "افضاء" میں آلہ تناسل یا پیشاب اور اجابت کا رستہ ایک ہو جاتا ہے۔ عورتوں کے اس مرض کو مشروم یا شریم کہتے ہیں۔ مرض بخر اندام نہانی کی بدبو کو کہتے ہیں۔ (یہ عیب ہے جو قابل فسخ ہے) لیکن جسم کی بدبو سے فسخ نکاح نہیں ہوتا۔ (بخر کی) بدبو کو اگرچہ خوشبودار آبخروں سے اور معدہ کو باقاعدہ خوراک اور ہلکی غذا سے کم کیا جا سکتا ہے لیکن اس کا علاج بہت مشکل ہے بعض متخصصین طب اس کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ فم معدہ (یعنی معدہ کے منہ) پر ایک ڈھکنا سا ہوتا ہے۔ جب انسان غذا کھاتا ہے تو وہ ڈھکنا ہٹ جاتا اور غذا معدہ میں اتر جاتی ہے پھر وہ دوبارہ اپنی جگہ پر آ جاتا ہے۔ اسی طرح وہ بدبو جو معدہ سے اٹھتی ہے وہ باہر نہیں آتی اور جب اس ڈھکنے میں کوئی خرابی آ جاتی ہے تو بدبو نکلنے لگتی ہے۔

یہ تمام وہ عیوب ہیں جس سے عقد نکاح فسخ ہو سکتا ہے گو اس کی شرط نہ ہو۔ عیوب کی بنا پر فسخ نکاح کی تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے والے کو عقد سے پہلے اس عیب کا علم نہ رہا ہو۔ اگر خاوند یا بیوی کو اس کا علم پہلے سے رہا ہو تو (شادی کے بعد) اختیار فسخ جاتا رہے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ عقد ہو جانے کے بعد جب یہ عیب معلوم ہو تو اس پر رضامندی کا اظہار نہ کیا گیا ہو۔ خواہ صراحۃً رضامندی کا اظہار کیا ہو مثلاً یہ کہا کہ میں (اس حال میں بھی) شادی پر راضی ہوں تو اب مطالبہ فسخ کا حق نہ ہوگا۔ یا (کسی طرح) ضمناً رضامندی ظاہر ہوتی ہو مثلاً خاوند میں یہ عیب تھا اور بیوی نے خاوند کو اپنے پاس آنے کا موقع دیا یا عورت میں یہ عیب تھا اور جان بوجھ کر خاوند نے اس سے مقاربت کی (تو یہ رضامندی کا اظہار ہے اور حق فسخ نہ رہے گا)۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے لذت اندوز نہ ہوں مثلاً بوس و کنار یا مساس وغیرہ اگر بے عیب (تندرست) میاں یا بیوی نے عیب دار (یا مریض بیوی سے یا میاں سے) جنسیاتی لذت حاصل کی تو اب مطالبہ فسخ نکاح کا حق جاتا رہا۔

حاصل کلام (اختیار فسخ باطل ہونے کی) بنیادی شرط رضامندی ہے اور رضامندی کا اظہار دو طرح سے ہوتا ہے ایک تو صراحۃً رضامندی ظاہر کر دینا دوسرے ایسے کام کا کرنا جس سے ضمناً رضامندی کا اظہار ہوتا ہو۔ مثلاً بیوی کا خاوند کو موقع قرب دینا اور خاوند کا بیوی سے خوش فعلی کرنا۔ ان عیوب میں سے ایک عیب (متذکرہ آئندہ) ایسا ہے کہ اگر عقد سے پہلے اس کا علم ہو تب بھی فسخ کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے وہ عیب مرض اعتراض ہے یعنی بیماری وغیرہ کی وجہ سے عدم استادگی عضو مخصوص۔ چنانچہ اگر عورت عقد سے پہلے اس حال سے آگاہ ہو اور پھر نکاح پر راضی ہو جائے اور اس کے گھر آ جائے اور عرصہ تک اسے اپنے پاس آنے کا موقع دیتی رہے۔ لیکن خاوند کا مرض دور نہ ہو تو اسے فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ اس قسم کے امراض ایسے ہیں کہ بعض اوقات نکاح کرنے اور عورتوں کے ساتھ ارتباط پیدا کر لینے سے جاتے رہتے ہیں اور عورت کے ساتھ خوش فعلی سے مرد میں چستی پیدا ہو جاتی ہے۔ پس اگر بیوی نے اسی خیال سے شادی کر لی۔ لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اسے فسخ نکاح کا حق ہو جائے گا۔

Marfat.com

اگر زوجین میں سے کوئی (فسخ نکاح کی) شرائط میں سے کسی شرط کے ساقط ہو جانے کا مدعی ہو مثلاً مبروص خاوند یہ کہے کہ میری بیوی کو میرے مرض کا علم تھا (اور پھر بھی وہ شادی پر راضی ہوئی) اور یا یہ کہے کہ اس کا علم ہونے کے بعد اس نے مجھے اپنی مقاربت کا موقع دیا۔ لیکن اس دعوے کے ثبوت میں کوئی گواہ خاوند کے پاس نہ ہو تو اس صورت میں بیوی سے حلف لیا جائے گا۔ اسی طرح اگر بیوی میں عیب ہو اور وہ کہے کہ خاوند کو عقد سے پہلے اس کا علم تھا اور اس کی کوئی شہادت نہ ہو تو خاوند حلف اٹھائے گا۔

واضح ہو کہ فسخ نکاح کی شرائط یہی ہیں لیکن فسخ نکاح کبھی بلا تاخیر ہوتا ہے اور کبھی تاخیر سے ہوتا ہے۔ اب یہاں پر ان عیوب کا ذکر مناسب ہو گا جن کا تعلق فسخ نکاح میں مہلت دینے یا نہ دینے سے ہے۔ ایسے عیوب کی بھی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم میں جنون، برص اور جذام میں سے کوئی مرض ہے جب کہ یہ میاں یا بیوی میں عقد کے بعد نمایاں طور پر ظاہر ہو۔ ایسی صورت میں، حاکم ایک سال قمری تک فسخ نکاح میں تاخیر کر سکتا ہے، بشرطیکہ یہ توقع ہو کہ یہ مرض دور ہو جائے گا۔ لیکن اگر مرض دیرپا ہو جس سے نجات پانے کی امید نہ ہو تو اس میں تاخیر فسخ نہ ہو گی۔ بقول معتمد اس بارے میں جنون، جذام اور برص میں کوئی فرق نہیں (سب کا حکم ایک ہی ہے) تاہم بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مرض جنون کی صورت میں ایک سال کی تاخیر (فسخ نکاح میں) کی جائے گی اگرچہ آرام پانے کی توقع نہ ہو۔ اور اس باب میں صراحت آئی ہے کہ جنون زدہ کو ایک سال کے عرصہ تک بیوی سے بے تعلق رکھا جائے۔ اگر ایک سال گزرنے پر مرض سے نجات ہو جائے تو خیر ورنہ حاکم دونوں میں علیحدگی کرا دے گا اور ظاہر ہے کہ سبب اس حکم کا وہ اندیشہ ضرر ہے جو بیوی کو (جنون زدہ خاوند سے) پہنچ سکتا ہے۔ اور یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ جنون زدہ شخص کا عقد جبھی فسخ ہو گا جب کہ اس کا جنون ضرر رساں ہو۔ جنون زدہ کی طرح، جذام اور برص کے مریض سے بھی علیحدگی کرائی جائے گی جب کہ بیوی کے لئے ضرر رساں ہو۔ بعض اوقات یہ امراض جنون سے زیادہ ضرر رساں ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں بدرجہ اولیٰ مریض سے علیحدگی ہو گی اور یہ بات بصراحت بتائی گئی ہے کہ جذام کے مریض آقا کو اپنی لونڈی کے ساتھ مباشرت منع ہے۔ پس جو بیوی آزاد ہے اس کے تو بدرجہ اولیٰ منع ہو گی۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔

واضح ہو کہ جنون زدہ خاوند کی بیوی کو اپنے خاوند کے مال سے ایک سال نفقہ لینے کا حق ہے بشرطیکہ مباشرت ہو چکی ہو۔ اس کے بغیر نفقہ (کی حق دار ہونے) کے بارے میں اختلاف ہے۔ خیال غالب یہی ہے کہ وہ عورت نفقہ کی حق دار ہے لیکن جذام یا برص کے مریض کی بیوی کو اس سال کے دوران جس میں فسخ نکاح کی مہلت رکھی گئی ہے نفقہ کا حق ہے، مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اس میں اختلاف نہیں ہے۔ غرض اعتراض کا مریض جسے استادگی نہ ہونے کے باعث مہلت دی گئی ہو اس کی بیوی کو بھی ایک سال تک نفقہ لینے کا حق ہے، مباشرت ہو چکی ہو یا ہنوز نہ ہوئی ہو اور اہل تحقیق کے نزدیک یہی حکم جذام اور برص کے مریض کا بھی ہے۔

دوسری قسم وہ پرانا مرض ہے جو مرد میں عقد سے پہلے کا ہو مثلاً کوئی شخص عقد ہونے سے پہلے ہی جذام یا برص کے مرض میں مبتلا ہو۔ اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اسے بھی ایک سال کی مہلت دی جائے گی اس قول پر عملدرآمد ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ایسے مریض کو کوئی مہلت نہ دی جائے گی اور بلا تاخیر عقد فسخ کر دیا

Marfat.com

جائے گا۔

تیسری قسم وہ عیب ہے جو عورت میں عقد کے بعد پیدا ہوا۔ یہ صورت خارج از بحث ہے کیوں کہ اس میں مرد کو اختیار فسخ دیئے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ سابقاً وضاحت کی گئی ہے' کیوں کہ مرد اگر (بیوی کو رکھنا) نہ چاہتا ہو تو وہ طلاق دے کر بیوی سے علیحدگی اختیار کر سکتا ہے۔

چوتھی قسم وہ عیب (مرض) ہے جو عورت میں عرصہ سے ہو مثلاً عقد کے پہلے ہی وہ جنون زدہ ہو یا نمایاں طور پر برص یا جذام میں مبتلا رہی ہو اور خاوند کو اس کی خبر نہ ہو۔ ایسی صورت میں عورت کے لئے بھی وہی حکم ہے جو مرد کے لئے ہے کہ حاکم اسے ایک سال تک فسخ نکاح کی مہلت دے گا۔

یہ تمام احکام عیوب مشترکہ کے ہیں (جو عورت اور مرد دونوں کو لاحق ہو سکتے ہیں)۔ باقی وہ عیوب جو عورت کے لئے مخصوص ہیں۔ یعنی عیوب (یا امراض) جو اعضائے تناسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً قرن۔ عفل اور بخر وغیرہ ان میں حاکم فسخ نکاح کو اتنے عرصہ تک ملتوی رکھ سکتا ہے جو اس کی اپنی دانست میں علاج کے لئے ضروری ہے۔ اگر خاوند مطالبہ کرے تو عورت کو اس کا علاج کرانے پر مجبور کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ عیب قدرتی اور پیدائشی ہے تو عورت کو اس کے علاج کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ مرض عارضی ہو۔ یہ شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ ایسے پیدائشی مرض کا علاج بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو علاج معالجہ کی شدت کو بھنگ وغیرہ (بے ہوش کن دواؤں) کے ذریعے برداشت کرنا چاہئے۔ دراصل اس مسئلہ میں اختلاف کی بنا وہ اذیت ہے جو زخم کے بڑھ جانے سے پہلے کاٹ پھانس میں ہوتی ہے ورنہ مرض کے طبعی یا غیر طبعی ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ جس کو عارضی مرض کہا جاتا ہے اس کا علاج فطری مرض کے علاج سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حنفیہ کی شرط کے مطابق یوں کہنا چاہئے کہ اگر خاوند (بیوی کے) مرض کے علاج کا مطالبہ کرے اور وہ علاج ایسا ہو جس سے تکلیف کی شدت یا شکل بگڑ جانے کا اندیشہ نہ ہو تو عورت کو اس کے علاج پر مجبور کیا جائے گا ورنہ طبعی یا غیر طبعی مرض کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر عورت اپنے مرض کے علاج کا مطالبہ کرے تو اس کے خاوند پر واجب ہے کہ اس کو مان لے بشرطیکہ اس علاج میں اس حصہ کی شکل بگڑ جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ ایسا اندیشہ ہو تو (خاوند کو) علاج کے لئے مجبور نہ کیا جائے گا کیوں کہ (علاج ہو یا نہ ہو) دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہی ہے۔ یعنی (دونوں حالتوں میں) عورت سے متمتع ہونے کی صلاحیت مفقود ہے۔

اگر مرد کو اعضائے مردانہ کے عیوب میں سے کوئی دیرپا عیب (مرض) لاحق ہو مثلاً عنت (نامردی) یا ارتخاء الذکر (عضو مخصوص کا ڈھیلا پڑ جانا) جسے مرض اعتراض کہتے ہیں تو اس صورت میں ایک سال تک (علاج معالجہ کے لئے) مہلت دی جائے گی' بشرطیکہ مرض دور ہو جانے کی توقع ہو اگر مرض کے دور ہونے کی توقع نہ ہو جیسے مجبوب (عضو بریدہ) یا خصی جو مادۂ تولید سے عاری ہو یا عنین جس کا عضو مخصوص پیدائشی طور پر اتنا چھوٹا ہو کہ مباشرت نہ کی جا سکے۔ یہ وہ امراض ہیں جن کے علاج کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا فسخ نکاح میں تاخیر کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ کیوں کہ تاخیر کا مقصد علاج معالجہ ہے

Marfat.com

اور جب افاقہ کی امید ہی نہیں تو علاج سے کیا فائدہ؟۔

حاصل کلام یہ ہے کہ امراض مشترکہ جو مرد اور عورت دونوں کو لاحق ہو سکتے ہیں نیز امراض مخصوصہ مردان اگر قابل علاج ہیں تو آزاد مرد کی صورت میں ایک سال کی اور غلام کی صورت میں نصف سال کی مہلت (تنسیخ نکاح میں) دی جا سکتی ہے اور امام مالک سے منقول ہے کہ اس بارے میں غلام بھی آزاد ہی کی مانند ہے اور یہی خیال معقول ہے۔ گو عملدرآمد پہلی بات پر ہوتا ہے۔

عورتوں کے امراض مخصوصہ کی صورت میں' مرض کے مطابق اتنے عرصہ تک مہلت دی جائے گی جو حاکم کے خیال میں مناسب ہو۔ سال بھر کی اس مہلت کا آغاز اس روز سے شمار ہوگا جب کہ اس کا فیصلہ کیا جائے نہ کہ اس روز سے جب کہ یہ معاملہ حاکم شرع کے سامنے پیش کیا گیا ہو۔

اگر معیوب مریض کا کسی اور مرض میں مبتلا ہو جائے تو مہلت کا سال اس روز سے شمار ہوگا جس روز دوسرے مرض سے نجات ہوئی چنانچہ مثلاً ایسے شخص کو جس کے عضو مخصوص میں استادگی نہ ہوتی ہو' ایک سال کی مہلت دی جائے اور وہ بخار میں مبتلا ہو جائے تو مہلت کے ایام کا شمار اس دن سے ہوگا جس دن اس کا بخار اترا ہے۔

واضح ہو کہ اگر مرد کو ہنوز مرض لاحق نہ ہوا ہو اور عورت کے ساتھ مباشرت کر لے' اگرچہ ایک ہی بار کی ہو اور اس کے بعد اسے مرض لاحق ہو جائے تو اب عورت کو اختیار فسخ نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر کوئی لڑکا ہو اور صحت مندی کی حالت میں وہ عورت کے پاس جا چکا ہو پھر اس کے بعد کسی مرض کے باعث اس کا عضو مخصوص کاٹ دیا گیا ہو تو یہ ایک ایسی مصیبت ہے جس سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہی اس صورت میں جب کہ (مباشرت کے بعد) مرد کو کوئی ایسا مرض لاحق ہو جائے کہ عضو مخصوص کی استادگی جاتی رہے۔ یا یہ کہ بڑھاپا آ جائے اور مقاربت کی صلاحیت نہ رہے۔

یہ احکام تاخیر فسخ کے بارے میں ہیں۔ بعض اوقات مہلت فسخ گزر جانے کے بعد زوجین کے درمیان تنازع پیدا ہو جاتا ہے۔ اب ایسے تنازعات کے متعلقہ احکام کو بیان کیا جاتا ہے:

اگر اس عیب (یا مرض) سے نجات پانے (یعنی دور ہو جانے) کے بارے میں تنازع ہو اور وہ مرض نمایاں قسم کا ہو جیسے جذام یا برص یا جنون کہ وہ شکل یا ہاتھوں سے ظاہر ہو جاتا ہے (کہ فی الواقع ہے یا دور ہو گیا) اس کے لئے دو مردوں کی گواہی ضروری ہے اگر وہ مرد جسم کے کسی اور حصہ میں ہو تو اس میں دو عورتوں کی گواہی کافی ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قابل اعتبار معالج کا معائنہ بدرجہ اولیٰ روا ہے۔ لیکن اگر مرض اعضائے مخفی میں ہو۔ یعنی ایسا مرض ہو جس کا تعلق اعضائے تولید سے ہے اور مردانہ عضو سے متعلق ہے مثلاً استادگی کا مفقود ہو جانا اور مرد دعویٰ کرے کہ دوران مہلت سال گزرنے سے پہلے اس نے عورت سے مباشرت کی ہے اور بیوی اس سے انکار کرے تو مرد کی بات' اس کے قسم کھا لینے پر تسلیم کی جائے گی کیونکہ اس نے اصل دعوے سے انکار کیا کہ اس میں مباشرت کی صلاحیت نہیں ہے۔ پس اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو عورت سے حلف لیا جائے گا اگر وہ حلف اٹھا لے تو اس کے حق میں فیصلہ دیا جائے گا اور مرد کو اسے طلاق دینے کا حکم دیا جائے گا اگر مرد طلاق دینے سے انکار کرے تو اس صورت میں دو راستے ہیں' ایک تو یہ کہ حاکم اس عورت پر طلاق نافذ کر دے دوسرے یہ کہ حاکم عورت کو حکم دے گا کہ وہ خود اپنے آپ کو طلاق دے مثلاً عورت یوں کہے کہ میں اپنے آپ کو

Marfat.com

آپ کی طرف سے طلاق دیتی ہوں۔ اس کے بعد حاکم اس عورت پر طلاق پڑ جانے کا فیصلہ کر دے گا۔ کیوں کہ بعض اصحاب کے نزدیک حاکم کا بیوی کو طلاق دینے کا حکم کوئی حکم نہیں ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ حاکم اس کے بعد جب کہ عورت اپنے آپ کو طلاق دے لے جو کچھ کرے گا وہ حکم نہیں ہے بلکہ اس صورت حال کا جو نتیجہ ہے اس کا قبول کر لینا ہے ایسی صورت میں مذکورہ اختلاف خارج از بحث ہے اور اگر قاضی تین طلاق عائد کرے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ قاضی عورت کو کہے کہ وہ اپنے آپ کو طلاق دے لے اور عورت ایک سے زیادہ طلاق دے لے۔ رہا خاوند کا طلاق دینا سوا سے اختیار ہے کہ جس طرح چاہے طلاق دے دے۔

واضح ہو کہ خاوند اگر طلاق دے تو یہی خیال کیا جائے گا کہ اس نے شب عروسی گزارنے سے پہلے طلاق دی ہے اور اس نے کبھی اس عورت سے مباشرت نہیں کی۔ کیوں کہ بیوی کو یہ معلوم ہے کہ ایک بار بھی اس کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہوتی تو اسے فسخ نکاح کے مطالبہ نہ تھا اور ایسی حالتوں میں (جو طلاق ہوگی وہ) ایک طلاق بائن واقع ہوگی (جس میں رجوع نہیں بلکہ دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے)۔ باوجود اس کے اگر خاوند نے اس کے ساتھ تخلیہ کیا ہے تب بھی احتیاطاً عدت گزارنا لازم ہے۔ گویا ان دونوں کا معاملہ مباشرت کا اقرار کرنے کی حیثیت سے ہوگا اور تخلیہ ہونے کی صورت میں عدت کا واجب ہونا احتیاطاً ہوگا۔ اگر بیوی پورے سال خاوند کے ساتھ رہی ہے تو پورے مہر کی حقدار ہوگی' اگرچہ مباشرت نہ ہوئی ہو۔ کیوں کہ یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ اگر کوئی عورت خاوند کے ساتھ سال بھر تک رہے تو پورے مہر کی حق دار ہو جائے گی' اگرچہ مباشرت نہ ہوئی۔ کیوں کہ بہر حال بیوی کی موجودگی سے وہ محظوظ ہوا اور اس کے جہیز سے فائدہ اٹھایا اور اتنے عرصہ تک وہ خاوند کے ساتھ رہی۔ ان تمام امور کے باعث وہ پورے مہر کی مستحق ہے۔ اگر خاوند نے سال گزارنے سے پہلے اسے طلاق دے دی تو بیوی نصف مہر کی حق دار ہوگی۔ پھر اگر خاوند اس کی موجودگی سے محظوظ ہوتا رہا ہے تو قاضی اپنی رائے سے اس کے معاوضہ میں بیوی کا حق متعین کرے گا۔

اسی طرح اگر عضو بریدہ' نامرد یا خصی خاوند اپنے مرض سے انکار کرے تو اسے ہاتھ سے دیکھا جا سکتا ہے بایں طور کہ ٹٹول کر اس جگہ کو دیکھا جائے اور ٹٹولنے سے بھی اسی طرح معلوم ہو جاتا ہے جیسے دیکھنے سے اور ہاتھ سے چھونا اگرچہ دیکھنے کی طرح ناجائز ہے لیکن یہ اس سے کم برا ہے اور جب ناگزیر ہو جائے تو دو برائیوں میں سے کم برائی کو اختیار کرنا لازم ہے جب کہ نتیجہ دونوں کا یکساں ہو۔ بعض اصحاب نے خاوند کے دعوے کی تصدیق کے لئے دیکھنا جائز قرار دیا ہے۔ کیوں کہ دونوں فریق کے درمیان فیصلہ کرنا فرض ہے لہٰذا جس طریقہ سے بھی ثبوت مل سکے وہ دوسرے طریقہ سے بہتر ہے۔ عہد حاضر میں بھی یہی رائے مناسب ہے کیوں کہ (ایسی صورت میں) صحیح طریق کار یہی ہے کہ یہ معاملہ ایسے واقف کار کے حوالہ کیا جائے جسے علم طب میں مہارت حاصل ہو۔ تا کہ اس کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کر سکے' اس لئے کہ اگر ایک شخص کو یہ معلوم ہو کہ یہ معاملہ ایک حاذق طبیب یا دو ماہر قابل اعتماد طبیبوں کے سامنے پیش کیا جائے گا تو ناممکن ہے کہ وہ شخص (اپنے مرض سے) انکار کرنے کی جرات کرے اور اس طرح جھگڑا خود ہی ختم ہو جائے گا۔

اگر کسی کو "مرض اعتراض" لاحق ہو (یعنی کسی مرض وغیرہ سے عضو مخصوص ڈھیلا پڑ گیا ہو) تو ہاتھ لگانے سے اس کا پتہ نہیں چل سکتا۔ اس کی بابت بتایا جا چکا ہے کہ قسم کھا لینے پر اس مرد کی بات مان لی جائے گی۔ اسی طرح اگر مرد کے عضو

Marfat.com

مخصوص میں کوئی اور ایسا ہی مخفی مرض ہو جسے ہاتھ سے نہیں دیکھا جا سکتا تو اس (سے افاقہ) کی تصدیق اس شخص کے قسم کھا لینے سے کی جائے گی۔ یہ بات نا قابل فہم ہے کہ ایسے شخص کا بھی طبیب سے معائنہ کیوں نہیں کرایا جا سکتا جب کہ مخنث یا نامرد کو ہاتھ لگا کر دیکھنے یا اس پر نظر کرنے میں اور اس معاملہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ بعض اوقات ایسے (خفیہ) مرض زیادہ خطرناک ہوتے ہیں اور اس سے مرض سیلان یا زہری منجملہ امراض اندام نہانی پیدا ہو جاتا ہے جو عورت کے لئے موجب اذیت ہو جاتا ہے اور مذہب کے قواعد اس کے مخالف ہیں کیوں کہ بزرگان مذاہب ہمیشہ نقصان دہ امور سے بچنے کی ہدایت کرتے رہتے ہیں۔

مخنث، مقطوع العضو یا خصی جو مباشرت کے قابل نہیں ہے اگر بیوی سے تخلیہ کرے اور اس کی موجودگی سے لذت اندوز ہو تو اس پر پورا مہر واجب الادا ہو جائے گا۔ لیکن اگر قاضی کے فیصلہ کے بموجب طلاق عائد کی گئی تو کوئی مہر واجب الادا نہ ہوگا۔ کیوں کہ مہر محض خلوت سے نہیں ٹھہر جاتا اور مخنث، عضو مخصوص بریدہ اور خصی قطعاً مقاربت نہیں کر سکتے اور نہ یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے مباشرت کی۔ لہٰذا ان پر مہر واجب نہ ہوگا۔ اور وہ خصی جس کے صرف خصیے کٹے ہوئے ہوں گو مباشرت کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن مادۂ تولید سے عاری ہوتا ہے اس پر صرف اس صورت میں مہر واجب ہوگا کہ اس نے مباشرت فاحشہ (یعنی دخول) کیا ہو جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

اگر جذام یا برص کا مریض مباشرت کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا قاضی طلاق عائد کر دے تو خاوند پر طے شدہ مہر واجب ہوگا۔ جنون زدہ کا بھی یہی حکم ہے جبکہ قاضی طلاق کا فیصلہ کرے یعنی طے شدہ مہر واجب الاداء ہوگا کیوں کہ قاضی (حاکم شرع) یہی خیال کرے گا کہ مباشرت ہو چکی ہے۔

واضح ہو کہ ان مسائل کا تعلق مرد کے عیوب ثابت ہونے کے متعلق ہے۔ رہا عورت کے عیب کا ثابت ہونا سو اس کی بات اس کے حلف اٹھا لینے پر تسلیم کی جائے گی۔ اگر وہ اپنے میں ان عیوب میں سے کسی عیب کے موجود ہونے سے انکار کرے یا یہ کہے کہ وہ اس عیب سے نجات پا چکی ہے تو قسم کھا لینے پر اس کی بات تسلیم کی جائے گی اور اسے اس بات پر مجبور نہ کیا جائے گا کہ وہ عورتوں کو دکھائے لیکن اگر وہ اس پر راضی ہو کہ دو عورتیں اسے دیکھ کر شہادت دیں تو ایسی صورت میں عورتوں کی شہادت تسلیم کی جائے گی یہ حکم عورت کے ایسے مرض کے بارے میں ہے جس سے مرد کو خاص ضرر نہ پہنچے اگر عورت کے عیب سے مرد کو نقصان پہنچتا ہے اور ایسی حالت میں وہ اس عورت کے ساتھ بسر نہیں کر سکتا تو اسے اختیار ہے کہ طلاق دے کر بیوی کو چھوڑ دے۔ اس کے اس عیب کو مشہور کرنے اور اس کا پردہ لوگوں کے سامنے فاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے (اس کے برعکس) عورت مجبور ہے کیوں کہ اس کا بچاؤ مرد کے ہاتھوں میں ہے اور جب تک مرد کے عیب کو ثابت نہ کرے وہ اس کے تصرف سے نہیں بچ سکتی۔

اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ عورت کا ظاہر عیب (مرض) اگر اس کے چہرے یا ہاتھ پر ہو تو اس کے ثبوت کے لئے دو مردوں کی گواہی ضروری ہے اگر بدن کے کسی اور حصے میں ہو تو اس کے لئے دو عورتوں کی شہادت درکار ہوگی۔

عیب کا پتہ لگنے کی صورت میں مہر کے متعلق جو احکام ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں کو غیر مشروط طور پر فسخ نکاح کا اختیار ہے۔ اب یہ عیب یا تو خاوند میں ہوگا یا بیوی میں پھر اگر عیب خاوند میں ہے تو اس کا تعلق مباشرت کرنے

Marfat.com

سے ہوگا یا نہ ہوگا۔ مباشرت کے عیب کی دو قسمیں ہیں ایک عیب اعتراض ہے یعنی استادگی کا نہ ہونا۔ اس پر اگر بیوی راضی نہ ہو اور خاوند نے زیادہ عرصہ تک اپنے پاس رکھنے سے پہلے ہی اسے طلاق دے دی تو وہ آدھے مہر کی حق دار ہوگی۔ اس کے علاوہ بیوی کے ساتھ رہنے سے جو حظ نفس خاوند نے حاصل کیا اس کے معاوضہ میں حاکم اپنی دانست میں جو مناسب سمجھے بیوی اس کی بھی حق دار ہوگی۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ طلاق خاوند نے اپنی مرضی سے دی ہو یا قاضی نے اس کے خلاف طلاق کا فیصلہ دیا ہو۔ دوسری قسم مخنث یا مقطوع العضو ہونا ہے۔ ایسی صورت میں اگر کسی شخص نے خود ہی اپنی بیوی کو طلاق دی ہو اور شب عروسی گزار چکا ہے تو پورا مہر واجب ہوگا۔ لیکن اگر عورت نے مرد کی ناپسندیدگی کے باعث اپنا معاملہ حاکم کے پیش کیا ہو اور حاکم نے طلاق کا فیصلہ کیا ہو تو بیوی کسی مہر کی حق دار نہ ہوگی اور خصی شخص کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو یا بہت بڑھا ہوا ہو کہ مباشرت نہ کر سکے اس کا حکم بھی وہی ہے جو مخنث یا مقطوع العضو کا ہے۔ لیکن ایسا خصی جس کے صرف خصیے کٹے ہوئے ہوں اور مباشرت کے قابل ہو تو اس پر پورا مہر واجب ہوگا اگرچہ مادۂ تولید خارج نہ ہوتا ہو۔

اگر خاوند میں کوئی ایسا عیب ہے جس کا تعلق عضو مخصوص سے نہیں ہے مثلاً جذام، برص یا جنون کا مریض ہو اور اپنی مرضی سے طلاق دے دے یا قاضی نے اس کے خلاف طلاق کا فیصلہ کیا ہو اور مباشرت ہو چکی ہے تو پورا مہر طے شدہ لازم ہوگا کیوں کہ جذام، برص اور جنون کا مریض مباشرت کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اگر عورت میں عیب ہو اور مرد کو مباشرت سے پہلے اس کا علم ہو جائے تو اسے اختیار ہے کہ وہ اس عیب پر راضی ہو جائے اگر علیحدگی اختیار کر لے تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اگر وہ عیب مباشرت کے بعد معلوم ہو اور اس حال میں بھی (وہ اس عورت کو بیوی بنا کر رکھنے پر) راضی ہے تو اسے طے شدہ مہر لازم ہوگا اور اگر راضی نہیں ہے اور بیوی کو چھوڑتا ہے تو کم سے کم مقدار مہر جو ایک چوتھائی دینار ہے ادا کر دے۔ اگر (اس حالت میں) مباشرت کے بعد نکاح توڑ دیا ہے تو بیوی سے وہ مہر واپس لے سکتا ہے جو اس نے دے رکھا ہے۔

یہ مسائل ایسے عیوب کے ہیں جن کی بنا پر میاں بیوی کو حق فسخ حاصل ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی اور عیوب ہیں۔ مثلاً کالا ہونا۔ لنگڑا ہونا۔ گنجا ہونا یا زیادہ خور ہونا۔ ایسے امراض کی (فسخ نکاح کے بارے میں) کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بجز اس صورت کے جب کہ فریقین میں سے کسی نے (عقد نکاح کے لئے) ان عیوب سے خالی ہونے کی شرط رکھی ہو۔ اس میں عرف کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ عرف (یا دستور) نکاح کے علاوہ دوسرے تمام امور میں شرط کی حیثیت رکھتا ہے کیوں کہ نکاح کے معاملہ میں ایسے امور کو نظر انداز کر دینے کی گنجائش ہے۔ بخلاف معاملہ بیع کے۔ پس اگر خاوند نے نکاح کے لئے یہ شرط لگا دی کہ بیوی ان عیوب سے خالی ہو تو درست ہے۔ پس اگر کوئی ایسا عیب (شادی کے بعد) معلوم ہو جس کے نہ ہونے کی شرط تھی اور ہنوز مباشرت نہ ہوئی تھی تو خاوند کو ان دو باتوں کا اختیار ہے یعنی یا تو اسی حالت پر راضی ہو اور پورا حق مہر ادا کر دے یا پھر بیوی کو چھوڑ دے اس صورت میں اس پر کوئی مطالبہ عائد نہ ہوگا۔ لیکن اگر مباشرت کے بعد عیب کا پتہ چلا اور اسے رہنے دینے یا چھوڑنے کا ارادہ کیا تو اس کا مہر صرف مہر مثل ٹھہر جائے گا اور اگر مہر مثل کی مقدار طے شدہ مہر سے زیادہ ہو تو زائد ساقط ہو جائے گا۔ اگر مہر مثل طے شدہ مہر سے زیادہ نہ ہو تو مہر طے شدہ لازم ہوگا۔ اس میں وہ صورت داخل ہے کہ اگر شادی میں عورت کے باکرہ ہونے کی شرط ٹھہری تھی لیکن وہ شوہر دیدہ نکلی تب بھی خاوند کو اسی طرح اختیار حاصل ہوگا۔

Marfat.com

ان میں سے ایک قسم کے عیوب مشترکہ ہیں جو خاوند اور بیوی دونوں میں پائے جاسکتے ہیں۔ مثلاً جنون، برص اور جذام۔

دوسری قسم میں وہ عیوب (امراض) ہیں جو مرد کے لئے مخصوص ہیں مثلاً جب۔ عنیت اور عدم استادگی عضو تناسل۔

تیسری قسم میں وہ عیوب ہیں جو عورت کے لئے مخصوص ہیں۔ مثلاً عفل۔ قرن اور رتق (یعنی راہ کا بند ہو جانا یا جڑ جانا) عفل مردو کے امراض اساس خصیہ (جسے قلیطہ کہتے ہیں) کی طرح کا ایک مرض ہے جس میں غدود پیدا ہو کر مباشرت کی راہ بند ہو جاتی ہے۔ قرن گوشت یا ہڈی کا (غیر معمولی) ابھار جو مباشرت سے مانع ہوتا ہے۔

دوسری قسم کے عیوب میں فسخ نکاح واجب نہیں تا جب تک کہ نکاح میں (اس کے نہ ہونے کی) شرط نہ رکھی گئی ہو۔ یہ عیب اکثر پائے جاتے ہیں۔ کور چشمی، اپاہج پن، سیاہ فامی، گنجا پن اور بسیار خوری وغیرہ امراض اس میں داخل ہیں۔ ان عیوب سے فسخ نکاح لازم نہیں ہوتا جب تک کہ میاں بیوی میں سے کوئی نکاح کے لئے ان عیوب سے خالی ہونے کی شرط نہ رکھ دے۔ مسالک مختلفہ میں ان تمام صورتوں کے احکام تفصیل طلب ہیں۔ (1)

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مقطوع العضو، مخنث یا خصی ہونے کے سوا فسخ نکاح نہیں ہوسکتا۔ اگر ان میں سے کوئی عیب مرد میں پایا جائے تو عورت کو اختیار فسخ حاصل ہوگا۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ عورت کے اندام نہانی میں رتق، وغیرہ کسی عیب کے ہونے سے مرد کو اختیار فسخ نہیں ہوتا البتہ مرد عورت کو اس بات پر مجبور کر سکتا ہے کہ وہ عمل جراحی یا دواؤں سے اس مرض کا علاج کرائے اور علاج سے مایوس ہو جائے تو اسے طلاق دے کر علیحدگی اختیار کر سکتا ہے۔ کیوں کہ زوجیت کے بحال رہنے کی بنیاد عورت کی نسوانیت سے متمتع ہونے پر قائم ہے اور علاج سے مایوس ہونے کے بعد اس کے عیب کی تشہیر کے بغیر اس سے علیحدگی اختیار کر لینا ہی عورت کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی (علیحدگی ہوسکتی ہے) جب کہ مرد کا عضو مخصوص اس قدر چھوٹا ہو کہ پورے طور پر مباشرت نہ ہو سکے۔

مرد کے ایسے عیوب (یا امراض) جن کی بنا پر عورت کو مرد سے علیحدگی کا مطالبہ کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جس کا کوئی علاج کسی طرح نہیں ہے مثلاً مجبوب، مقطوع العضو ہونا اس میں وہ شخص بھی شامل ہے جس کا عضو مخصوص پیدائشی طور پر اس قدر چھوٹا ہو کہ اس سے مباشرت نہ کی جاسکے۔ دوسری قسم عیب کی وہ ہے جس کا علاج ممکن ہو جیسے عنین (یا نامرد) ہونا کہ اگر چہ اس کے عضو مخصوص میں استادگی ہوتی ہو لیکن عورت سے مقاربت پر قادر نہ ہو سکے۔ گو یہ ممکن ہو کہ اندام نہانی کے سوا کسی اور طرح یا شوہر دیدہ عورت کے ساتھ مباشرت پر قادر ہو لیکن کنواری پر نہ ہو سکے یا یہ ممکن ہو کہ دخول فی الدبر کر سکے اور دخول فی القبل سے قاصر ہو۔ جس شخص میں ان عیوب میں سے کوئی عیب پایا

Marfat.com

جائے اسے بیوی کے لئے نامرد تصور کیا جائے گا اور بیوی کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہے ان دونوں قسم کے عیوب کے متعدد مسائل ہیں۔

مجبوب (یا مقطوع العضو) ہونے اور اسی جیسی دوسری صورتوں میں عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ فسخ نکاح کا مطالبہ کرے۔ لیکن اس کے لئے پانچ شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ عورت آزاد ہو' اگر لونڈی ہو تو حق مطالبہ تنسیخ اس کے ولی کو ہوگا' عورت کو نہ ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ عورت بالغ ہو' اگر نابالغ ہو تو اس کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے۔ کیوں کہ بالغ ہونے کے بعد ہی اسے راضی ہونے یا (بحالی عقد) کا حق ہے۔ عاقل ہونا اس کے لئے شرط نہیں ہے کیوں کہ بیوی اگر جنون زدہ ہو اور اس کے ولی نے اس کی شادی ایک مجبوب (مقطوع الذکر) سے کر دی تو اس کے ولی کو فسخ کے مطالبہ کا حق ہے۔ اگر ولی نہ ہو تو قاضی حاکم اسلامی کسی شخص کو مامور فرمائے گا جو اس کی طرف سے اس کے معاملہ کی پیروی کرے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عورت میں کوئی عیب از قسم رتق' عقل یا قرن نہ ہو جو مانع مباشرت ہے۔ اگر عورت میں ایسا کوئی عیب ہے تو اس کے لئے فسخ نکاح کا مطالبہ بے معنی ہے۔ اگر (مثلاً) مرض رتق کے ہونے سے عورت کو انکار ہو مرد کہے کہ وہ رتق کی مریضہ ہے اور عورت انکار کرے تو مرد کو حق ہے کہ وہ بیوی کا واقف کار اور نیک عورتوں سے معائنہ کرا کر اس کی تصدیق کرا لے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ شادی سے پہلے عورت کو مرد کے اس عیب کا علم نہ ہو۔ اگر اسے معلوم ہو اور پھر بھی عقد پر راضی ہوئی تو اب فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق نہ رہے گا۔ لیکن اگر شادی کے بعد اس کا علم ہوا اور وہ اس پر راضی نہیں ہے تو یہ حق ساقط نہ ہوگا۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ عورت اس حال پر عقد کے بعد راضی نہ ہو' اگر عقد کے بعد اس پر راضی رہی تو مطالبہ فسخ کا حق جاتا رہے گا۔

فسخ عقد کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کا فیصلہ حاکم شرع سے صادر ہوا ہو' اگر قاضی ان دونوں میں علیحدگی کرا دے تو طلاق بائن پڑ جائے گی اور عورت پورے مہر کی حقدار ہو گی اور اسے عدت گزارنا لازم ہوگا۔ یہ قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔

اگر خاوند نابالغ ہو اور یہ ثابت ہو جائے کہ وہ نامرد ہے تو (فسخ نکاح کے لئے) اس کے بالغ ہونے کا انتظار نہ کیا جائے گا۔ کیوں کہ اس صورت میں تاخیر سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اگر نامرد آدمی عورت کے پاس آ جائے اور دونوں میں تفریق کرائے جانے کے بعد چھ ماہ کے اندر اس عورت سے اولاد پیدا ہو جائے تو اس اولاد کا نسب بقول امام ابو یوسفؒ اس شخص کے ساتھ جوڑا جا سکے گا۔ خواہ تخلیہ ہو چکا ہو یا نہ ہوا ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ نسب اس صورت میں ثابت ہوگا جب کہ اس کے ساتھ تخلیہ ہوا ہو۔ یہی حکم دونوں میں علیحدگی کرائے جانے کے دو سال بعد تک ہے اور چھ ماہ گزرنے کے بعد نسب منقطع نہ ہوگا۔ بقول ابو یوسفؒ حمل کی کم سے کم مدت یہی ہے اور یہ حکم اس امکان کے پیش نظر ہے کہ ممکن ہے کہ نامرد شخص رگڑ مسل کر اندام نہانی میں انزال کر دے اور عورت کو حمل ٹھہر جائے لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مرد کو انزال نہیں ہوتا تو اس مرد کی حیثیت ایک بچے (نابالغ) کی مانند ہوگی اور نسب ثابت نہ ہوگا اور نہ ایسی صورت میں علیحدگی کے بعد

Marfat.com

عدت واجب ہے۔

واضح ہو کہ نسب کا ثبوت عورت کے حق مطالبہ علیحدگی کے منافی نہیں ہے درآنحالیکہ عقد سے پہلے عورت کو اس کا علم نہ رہا ہو کیوں کہ مساقت (مصنوعی طریق انزال) سے عقد کے فسخ کرنے کا حق باطل نہیں ہوتا بلکہ حق فسخ مباشرت سے باطل ہو جاتا ہے خواہ ایک بار ہوئی ہو۔ پس اگر ایک شخص کی شادی صحت مندی کی حالت میں ہوئی ہو اور مباشرت ہو گئی پھر اس کے بعد وہ شخص مجبو (مقطوع الذکر) ہو گیا تو اب عورت کو مطالبہ فسخ کا حق نہ رہے گا۔

اس مسئلہ کا تعلق مجبوب (مقطوع العضو) سے ہے۔ رہا عنین (نامرد) سو اس کا حکم یہ ہے کہ عورت کو اس صورت حال میں بھی متذکرہ سابقہ شرائط خمسہ کے ساتھ فسخ عقد کا حق حاصل ہے تاہم حاکم شرع اس بارے میں ایک سال تک فیصلہ میں تاخیر کرے گا۔ کیونکہ یہ مرض قابل علاج ہے۔ اس باب میں غلام اور آزاد کے درمیان فرق نہیں ہے۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر ایک عورت کی شادی کسی نامرد سے ہو گی جس کے حال سے وہ آگاہ نہ تھی تو اسے یہ حق ہے کہ وہ اپنا معاملہ قاضی کے سامنے پیش کرے تا کہ قاضی اسے ایک سال قمری کی مہلت دے اور یہ فیصلہ اگر مہینے کے آغاز میں ہو تو وہ مہینہ اس میں شمار کیا جائے گا لیکن اگر مہینہ کے وسط میں یہ معاملہ اٹھایا جائے تو اس مہینے کے دن شمار میں آئیں گے۔ دنوں کے اعتبار سے قمری سال تین سو چون دن آٹھ گھنٹوں اور اڑتالیس منٹ کا ہوتا ہے اور شمسی سال تین سو پینسٹھ دن پانچ گھنٹے اور پچپن منٹ کا ہوتا ہے یعنی قمری سال سے تقریباً گیارہ روز اور نصف یوم زیادہ اس سے مختلف سال عددی ہے جو تین سو ساٹھ دن کا شمار کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر مسئلہ میں اختلاف ہے بعض اصحاب اس میں قمری سال ملحوظ رکھتے ہیں اور بعض شمسی سال تک تاخیر کی اجازت دیتے ہیں اور بعض عددی سال کو پیش نظر رکھتے ہیں لیکن قابل وثوق پہلا ہی قول ہے۔ کیوں کہ شرع کی زبان میں جب سال کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد قمری سال ہوتا ہے۔ تا آنکہ اس کے خلاف کوئی اور تصریح نہ کی گئی ہو۔ سال کا شمار اس روز سے ہو گا جس دن یہ معاملہ حاکم شرع کے سامنے پیش کیا جائے بشرط یہ کہ خاوند نابالغ یا مریض نہ ہو نیز حالت احرام میں نہ ہو ان صورتوں میں سال کا آغاز نابالغ کیلئے بالغ ہونے اور مریض کیلئے صحت یاب ہونے اور احرام والے کے لیے حلال ہونے یعنی (حج یا عمرہ سے فارغ ہونے) کے وقت سے ہو گا۔

عورت کا حق (مطالبہ فسخ) خاوند کے عیب سے واقف ہونے کے کافی عرصہ بعد تک ساقط نہیں ہوتا اگرچہ وہ خاوند کے ساتھ رہی اور ایک ہی بستر پر لیٹتی ہو۔ اگر (فسخ نکاح کا) معاملہ حاکم شرع کے سامنے پیش ہوا اور اس میں ایک سال کی مہلت رکھی گئی اور اس دوران بیوی خاوند کے پاس رہی اور اس کے بستر میں سوئی تب بھی حق (مطالبہ فسخ کا) ساقط نہ ہو گا کیوں کہ فسخ نکاح میں تاخیر کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ بیوی خاوند کے ساتھ مل جل کر رہے تا کہ اس کی حالت کا تجربہ ہو سکے۔ اگر اس پر ایک سال گزر جائے اور معاملہ حاکم شرع کے سامنے آئے تا کہ وہ طلاق کا یا بصورت انکار خاوند ان میں علیحدگی کا حکم دے اور اب حاکم ایک مقررہ عرصہ کے اندر بیوی کو اپنی بابت فیصلہ کا اختیار دے دے اس کے بعد (پھر بھی) بیوی اپنے خاوند کے ساتھ ملتی جلتی رہے یا اس کے بستر میں سوئے تو اب اس کا حق مطالبہ فسخ جاتا رہے گا۔

Marfat.com

اسی طرح اگر حاکم نے (میعاد مہلت گزرنے کے بعد) بیوی کو اس جگہ علیحدگی کا اختیار دے دیا لیکن بیوی نے یہ نہ کہا کہ میں نے علیحدگی اختیار کر لی تب بھی حق اختیار ختم ہو گیا یہاں تک کہ اگر کسی اور شخص نے مثلاً حاکم کے کارندوں نے اسے اٹھا دیا تو حق مطالبہ نہ رہے گا۔ کیوں کہ اس پر واجب تھا کہ وہاں سے اٹھنے (یا ہٹنے) سے پہلے وہ یہ کہتی کہ میں نے طے کر لیا کہ اس کے ساتھ نہ رہوں یا یہ کہ میں نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عورت کا حق (مطالبہ فسخ) دو باتوں سے جاتا رہتا ہے: قاضی سے اختیار علیحدگی کا حکم پانے کے بعد خاوند کے پاس رہنا اور اس کے بستر میں سونا اور اسی جگہ فیصلہ کر لینے کا اختیار پانے کے بعد کچھ کہے بغیر وہاں سے اٹھ کھڑا ہونا۔ اس سے پہلے پہلے اسے (مطالبہ فسخ) کا حق ہے۔

(اس باب میں) ضروری ہے کہ (فسخ نکاح میں) تاخیر کرنے یا مہلت دینے کا فیصلہ حاکم شرع نے کیا ہو۔ اگر یہ مہلت خود عورت نے دی یا کسی اور شخص نے دی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مہلت کے بارے میں کسی مصالحت کنندہ کا کچھ کہنا بے فائدہ ہے۔ حالانکہ یہ بات مشہور ہے کہ جن امور کا فیصلہ حاکم شرع کرتا ہے ان امور میں مصالحت کنندہ کا فیصلہ بھی حاکم کے فیصلہ کے برابر ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس معاملہ (نزاعی) کو سب سے اخیر میں حاکم شرع کے پاس لایا جاتا ہے اور اسی کو یہ اختیار ہے کہ اگر خاوند (فیصلہ طلاق کے بعد) طلاق دینے سے باز رہے تو وہ خود طلاق عائد کر سکتا ہے۔ لہٰذا تاخیر فسخ کی بابت جب تک کہ فیصلہ اس کی جانب سے صادر نہ ہو وہ کسی اور کے فیصلہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے دریں اثناء اگر حاکم برطرف کر دیا جائے یا اس کا تبادلہ ہو جائے تو جو حاکم اس کا قائم مقام ہو اس پر لازم ہے کہ حاکم سابق کی منظور کردہ مہلت کے مطابق عملدرآمد کرے۔

اگر خاوند کا دعویٰ ہو کہ اس نے بیوی کے ساتھ مباشرت کر لی ہے اور بیوی اس سے انکار کرے اور وہ کنواری ہو تو (اس کے بارے میں) واقف کار قابل اعتبار عورت سے جس کی بات پر بھروسہ کیا جا سکے فیصلہ کرایا جائے اگر وہ کہہ دے کہ عورت باکرہ نہیں رہی تو خاوند سے قسم لی جائے گی کہ اس نے مباشرت کر لی ہے اگر وہ قسم کھا لے تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر خاوند انکار کرے تو عورت کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو خاوند کے ساتھ رہے یا اس سے بطریق بالا طلاق حاصل کر لے درآنحالیکہ اس کے لئے سال بھر کی مہلت نہ دی گئی ہو۔ بصورت دیگر واقف کار عورت کے بتانے کے بعد سال بھر کی تاخیر دی جائے گی۔ اگر یہ معاملہ دو واقف کار عورتوں کے سامنے پیش کیا جائے تو زیادہ قابل وثوق اور زیادہ بہتر ہوگا۔ لیکن اگر وہ عورت بوقت نکاح شوہر دیدہ ہو اور خاوند قسم کھا کر مباشرت کرنے کا اعتراف کرے تو اس صورت میں اس معاملہ کو واقف کار عورت کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ خاوند کے کہنے پر عملدرآمد ہوگا۔ کیوں کہ وہ مطالبہ علیحدگی کے حق کا انکار کرتا ہے۔ اور اس طرح کرنے سے خاوند کی بات ثابت شدہ ہو جائے گی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی ذریعہ ایسا ہو جس سے مرد کی بابت یہ معلوم ہو سکے کہ آیا جیسا کہ وہ کہتا ہے مباشرت پر قادر ہے یا نہیں؟ مثلاً طبی معائنہ سے یہ بات معلوم ہو جائے تو کیوں نہ معاملہ کو عورت پر چھوڑ دیا جائے تا کہ عورت کو ضرر نہ پہنچے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

Marfat.com

ارشاد ہے لا ضرر ولا ضرار (یعنی نہ نقصان اٹھایا جائے نہ نقصان پہنچایا جائے)۔

مولف کتاب کے نزدیک کوئی امر اس بات سے مانع نہیں ہے (کہ عورت پر یہ فیصلہ چھوڑ دیا جائے) کیوں کہ یہی ایک ذریعہ دعوے کو ثابت کرنے کے لئے ہے۔ خاص کر اس لئے کہ حنفیہ نے اس امر کی اجازت دی ہے کہ اگر مرد دعویٰ کرے کہ عورت 'رتق' کی مریضہ ہے اور عورت انکار کرے اور کوئی طریقہ دونوں کے دعوؤں میں فرق کا نہ ہو تو حنفیہ اجازت دیتے ہیں کہ اس عورت کو دوسری عورتوں کے سامنے معائنہ کے لئے پیش کیا جائے۔

مہلت فسخ کے دوران جو عورت حج وغیرہ کے لئے خاوند سے علیحدہ رہے۔ اس مدت کو خاوند کے حق میں محسوب کیا جائے گا۔ یعنی اس مدت کو سال سے خارج کر دیا جائے گا اور اس کے عوض اتنے ہی دن مزید دیئے جائیں گے۔ لیکن اگر مرد اس دوران اختیاری طور پر غائب رہے تو یہ اس کے خلاف محسوب ہوگا اور اتنے دن مزید نہ دیئے جائیں گے۔ کیوں کہ یہ امر ممکن تھا کہ مرد اسے اپنے ہمراہ لے جاتا اگر یہ غیر حاضری اس شخص کی مرضی کے خلاف ہو مثلاً قرض کے مطالبہ میں قید ہو اگرچہ قرض اس بیوی ہی کا ہو تو وہ شمار میں آئے گا درآنحالیکہ اس شخص کا بیوی کے پاس پہنچنا دشوار ہو۔ لہٰذا اگر خاوند نے بیوی کے ساتھ ظہار کیا ہو (یعنی بیوی کو ماں کہہ کر اپنے اوپر حرام کر لیا ہو) اور اس کا کفارہ جو ایک غلام کا آزاد کرنا ہے نہ دے سکا ہو تو اسے دو ماہ کی مزید مہلت دی جائے گی تاکہ وہ دو ماہ کا روزہ (کفارہ ظہار کا) رکھ سکے اور ایک سال کی مدت اس دو ماہ کے بعد شمار کی جائے گی۔ لیکن رمضان کے ایام اور ایام ماہواری سال میں شمار کئے جائیں گے۔

اگر ایک سال کی مہلت گزرنے کے بعد ثابت ہو کہ مرد کا مرض باقی ہے اور وہ عورت کے پاس جانے سے قاصر ہے تو حاکم شرع اس شخص کو طلاق دینے کا حکم دے گا۔ اگر وہ طلاق دینے سے انکار کرے تو اس کے خلاف خود حاکم طلاق کا فیصلہ کر دے گا اور اس کے بعد بیوی کو عدت گزارنا ہوگی اور پورے مہر کی حقدار ہوگی جیسا کہ مجبوب (مقطوع الذکر) کے بارے میں اوپر بتایا گیا۔ اگر علیحدگی کے بعد عورت کے ہاں اولاد پیدا ہو جائے اور اس کے ساتھ خاوند کا نسب قرار دیا جائے تو یہ علیحدگی باطل متصور ہوگی اور وہ عورت اس شخص کی بیوی قرار پائے گی۔ اس لئے کہ نسب ثابت ہو جانے سے یہ امر لازم ہے ہوتا ہے کہ مرد نے عورت کے ساتھ مباشرت کی ہو اور نامردی کا مرض دور ہو گیا ہو۔ لہٰذا نامردی کی بنا پر جو حکم یعنی علیحدگی کا دیا گیا تھا وہ بیکار ہو گیا۔ بخلاف مجبوب (مقطوع الذکر) کے اس صورت میں یہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ مرد نے اس عورت کے ساتھ مباشرت کی اور یہ نسب (مباشرت کی بنا پر نہیں) بلکہ مساحقت (یعنی عمل غیر فطری) سے انزال کے ساتھ (استقرار حمل) سے ثابت ہوا۔ لہٰذا عورت کا حق مطالبہ علیحدگی ختم نہیں ہوا۔

واضح ہو کہ اگر دونوں (میاں بیوی) مفارقت کے بعد پھر ملنا چاہیں تو مل سکتے ہیں اور خصی شخص جس کے خصیے کٹے ہوئے ہوں لیکن عضو مخصوص میں استادگی ہوتی ہو تو عورت کو اس سے علیحدگی کا اختیار نہ ہوگا بشرطیکہ وہ شخص مباشرت پر قادر ہو قطع نظر اس کے کہ انزال ہوتا یا نہ ہوتا ہو۔ اگر قادر نہ ہو تو اس کا حکم عنین (مقطوع الذکر) کا سا ہوگا۔ لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر انزال نہیں ہوتا تو یہ ایسا عیب ہے جس کی بنا پر نکاح فسخ ہو سکتا ہے اور حنابلہ خصی ہونا ایسا عیب خیال کرتے ہیں جس سے نکاح قابل فسخ ہوتا ہے۔ انزال ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ زوجین میں سے کسی میں اگر عیوب مشترکہ میں سے کوئی عیب پایا جائے تو فریق ثانی کو فسخ نکاح

Marfat.com

کے مطالبہ کا حق ہو جاتا ہے عیوب مشترکہ وہ ہیں جو دونوں میں بیک وقت یا کسی ایک میں پائے جاسکتے ہیں۔ (دوسرے کو مطالبہ فسخ کا حق ہے) اگرچہ وہ خود بھی اسی عیب میں مبتلا ہو۔ جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں کیوں کہ انسان دوسرے کی برائی کو ناپسند کرتا ہے رہی برائی خود میں ہو تو اسے ناپسند نہیں کرتا۔ عیوب مشترکہ میں جذام برص اور جنون ہیں اور عذیطہ یعنی مباشرت کے وقت اجابت کے خطا ہو جانے کا مرض شافعیہ کے نزدیک عیوب (قابل فسخ نکاح) میں داخل نہیں ہے۔

دونوں میں سے کسی کو جنون کا مرض لاحق ہو تو دوسرے کو اختیار فسخ حاصل ہوگا خواہ یہ مرض عقد اور مباشرت کے بعد لاحق ہوا ہو یا عقد سے پہلے کا ہو۔ عورت کو ہو یا مرد کو اس سے فرق نہیں پڑتا۔ مالکیہ کو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ مرض جنون ہمہ وقتی ہو یا دورہ کے طور پر ہوتا ہو اس سے بھی کوئی فرق (حکم میں) نہیں پڑتا۔ البتہ اگر جنون بہت ہی قلیل عرصہ کے لئے ہو بایں طور کہ سال میں ایک آدھ روز کے لئے جنون کا دورہ پڑ جاتا ہو تو مضائقہ نہیں۔ جنون سے مراد وہ کیفیت ہے جس میں قلبی شعور مفقود ہو جاتا ہے (یعنی دل اچھا برا یا صحیح غلط سمجھنے سے قاصر رہتا ہے)۔ نیز مرگی، حواس باختگی اور مایوس کن مدہوشی بھی ایسے ہی امراض ہیں۔ پس اگر دونوں میں کسی کو جنون ہو جائے تو دوسرے کو مطالبہ فسخ نکاح کا حق ہو جائے گا۔ واضح ہو کہ اگر ایک عیب جو دوسرے میں ہے خود میں بھی ہو تب بھی فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق زائل نہیں ہوگا جیسا کہ بتایا گیا۔ لیکن اگر خاوند اور بیوی دونوں ایک ساتھ ہی جنون میں مبتلا ہوں تو دونوں کو اختیار فسخ میں معذور تصور کیا جائے گا اور ان کا حق ان کے ولیوں کو منتقل ہو جائے گا۔

یہاں پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ ولی کو تو (مطالبہ فسخ کا) حق صرف اس عیب کے بارے میں ہے جو عقد کے وقت موجود رہا اور جنون ایسا مرض ہے کہ اگر عقد کے وقت موجود ہو تو عقد ہی سرے سے باطل ہو جاتا ہے کیوں کہ صحت عقد کے لئے شرط یہ ہے کہ شادی کفو میں کی جائے اور مجنون کو غیر کفو مانا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ولی کو شادی کے وقت گمان یہی تھا کہ جنون نہیں ہے یا عورت نے شادی کی اجازت اس شخص کے پاگل ہونے سے پہلے دی تھی کہ اس کی شادی فلاں شخص سے کر دی جائے اور شادی کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شخص پاگل ہے لہٰذا عقد اس حالت میں درست ہے۔ لیکن ولی کو حق فصل حاصل ہوگا۔

جذام اور برص دونوں مشہور امراض ہیں ان کا حکم بھی وہی ہے جو جنون کے بارے میں اوپر بتایا گیا۔ یہاں یہ سوال ہے کہ آیا (فسخ نکاح کے لئے یہ شرط ہے کہ مرض زیادہ اور نمایاں ہو یا نہیں؟ اس میں قابل اعتماد بات یہ ہے کہ اس کے لئے ایسی کوئی شرط نہیں ہے بلکہ جسے معلوم ہو اس کا یہ بتا دینا کافی ہے کہ فلاں شخص کو جذام یا برص ہے اور غالب خیال یہ ہے کہ اس بارے میں اس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا جو اس مرض کو جانتا ہو اور اس زمانہ میں ایسا شخص تجربہ کار طبیب ہی ہو سکتا ہے۔

فسخ عقد کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ ان عیوب میں سے کوئی عیب موجود ہو۔ یا عیوب مذکورہ آئندہ میں سے کوئی عیب ہو جس کی بابت ایک دوسرے کو علم نہ رہا ہو اگر عیب معلوم ہونے کے باوجود دونوں اس حال میں راضی ہوں تو پھر حق فسخ نہ رہے گا۔ البتہ عنین کی صورت میں اس کا علم ہونے کے باوجود عقد ہوا ہو تو اختیار فسخ رہے گا۔ جیسا کہ آگے بتایا جا رہا ہے۔

Marfat.com

اگر عورت ان میں سے کسی عیب پر راضی ہو اور ولی راضی نہ ہو تو ولی کو مطالبہ فسخ کا حق ہوگا بشرطیکہ وہ عیب عقد کے وقت رہا ہو۔ اگر یہ عیب بعد میں لاحق ہوا تو اب مطالبہ فسخ کا حق نہ رہے گا۔ ایسی حالت میں ولی کے حق کی وہی حیثیت ہوگی جو کفو کے بارے میں ہوتی ہے۔ یہ عیوب ہم کفو ہونے کے منافی ہیں اگر خاوند میں یہ عیب عقد کے وقت نہیں ہے تو عقد میں کفو کی شرط پوری ہے لہٰذا کفو کو ایسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا جو عقد کے بعد پیش آئے اسی طرح ولی کو اس بات میں اعتراض نہیں ہوسکتا جو عورت کے لئے مخصوص ہے مثلاً اگر عورت نامرد کے ساتھ یا مقطوع العضو سے رشتہ زوجیت پر راضی ہے تو اس میں جو خوشی اسے حاصل ہے وہ عورت کے لئے مخصوص ہے۔ (ولی کو اس میں دخل نہیں ہے)

اب اگر کہا جائے کہ عورت کو حق فسخ کا مطالبہ کرنے کی تو یہ شرط ہے کہ عورت، مرد کے اس عیب سے واقف نہ رہی ہو۔ اگر وہ واقف تھی (اور عقد ہوگیا) تو اسے حق فسخ نہ رہے گا۔ لیکن یہ صورت حال پیدا ہی نہیں ہوسکتی جبکہ وہ عیب عقد کے وقت رہا ہو، کیوں کہ اگر عورت یا اس کا ولی اس سے واقف ہو (اور عقد ہو جائے) تو فسخ کا اختیار نہ ہوگا اگر واقف نہ ہو تو سرے سے یہ عقد ہی باطل ہوگا کیوں کہ وہ غیر کفو ہے جس سے عقد نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اختیار فسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا جواب بھی وہی ہے جو پہلے بتایا گیا کہ ایک عورت نے اپنے ولی کو اس امر کی اجازت دی کہ وہ اس کی شادی فلاں شخص سے کردے اور اس خیال سے کہ وہ شخص صحت مند ہے اس سے شادی کردی گئی بعد میں معلوم ہوا کہ اس میں عیب ہے تو ایسی صورت میں بقول معتبر یہ عقد درست ہے لیکن اس عیب کا علم ہونے کے بعد اس عورت یا ولی کو اس عقد کے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

عورتوں کے ایسے مخصوص عیوب (یا امراض) جس کی بنا پر مرد کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوجاتا ہے وہ دو ہیں رتق اور قرن یا یوں کہا جائے کہ ایسے امراض جن سے مباشرت کا راستہ فطری طور پر یا کسی عارضی کے باعث بند ہوجائے بایں طور کہ عقد ازدواج کا جو اصل مقصد ہے وہ فوت ہوجائے۔ ایسی مریضہ بیوی اگر بالغہ ہو اور خاوند اس سے مطالبہ کرے کہ وہ بذریعہ عمل جراحی اس کا علاج کرے تو اس کے لئے بیوی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ خاوند کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اسی حالت میں بیوی کو قبول کرے یا عقد کو ختم کردے یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ عورت بڑی (یا بالغ) ہو لیکن اگر عورت صغیر سن (یا نابالغ) ہو تو اس کے ولی کو دیکھنا چاہیے۔ اگر اس مرض کا علاج خطرناک نہ ہو ولی پر واجب ہے کہ اس کا علاج کرے۔ ان دونوں صورتوں کا فرق ظاہر ہے کہ بالغہ عورت ازدواجی زندگی کی خوشیوں سے آگاہ ہوتی ہے اور جانتی ہے کہ اس کی عظمت کا تحفظ اس کے خاوند کے اختیار میں ہے۔ اب اگر وہ اپنے اس عیب (مرض) کو زائل کرنے سے انکار کرتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ازدواجی زندگی اور اس کی مسرتوں کو نظرانداز کرکے اسی طرح (حالت مرض میں) رہنے کو ترجیح دیتی ہے۔ لیکن صغیر سن عورت اس سے آگاہ نہیں ہوتی لہٰذا اس کی ذمہ داری ولی پر عائد ہوتی ہے۔

اب ان عیوب کو لیجئے جو مردوں کے لئے مخصوص ہیں۔ وہ دو ہیں: مجبوب ہونا اور عنین ہونا ان سے مراد پورا یا کچھ حصہ عضو مخصوص کا بریدہ ہونا ہے بایں طور کہ حشفہ کے برابر حصہ باقی نہ رہے۔ اگر محض حشفہ (بالائی حصہ عضو مخصوص) مقطع ہو تو وہ اس مسئلہ کے تحت نہیں آتا۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے۔

فسخ نکاح کے حق مطالبہ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ عورت خود اس عیب سے خالی ہو۔ پس اگر عورت رتق کی مریضہ

Marfat.com

ہے اور مرد مجبوب (مقطوع العضو) ہو تب بھی عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہے۔ مالکیہ اس سے متفق ہیں لیکن حنفیہ کو اختلاف ہے۔ حق فسخ کے لئے یہ شرط ہے کہ عورت کو اس عیب کا علم پہلے سے نہ رہا ہو اگر عورت کو یہ عیب معلوم تھا اور پھر بھی وہ عقد پر راضی ہوئی تو فسخ نکاح کا حق جاتا رہا۔ اس کے لئے مباشرت نہ ہونا شرط نہیں ہے۔ چنانچہ اگر مباشرت ہوئی اور بعد میں وہ شخص مجبوب (مقطوع الذکر) ہو گیا تب بھی عورت کو مطالبہ فسخ کا حق ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ اور پہلی بات قرین عقل ہے کیوں کہ شادی کا مقصد جنسی بہرہ اندوزی ہے اور مقطوع العضو ہونے کے بعد قطعی طور پر اس کی توقع نہیں رہتی۔ گویا یہ ایک عورت کی شادی اس جیسی عورت سے ہوئی۔ تاہم اگر عورت اس حال میں راضی ہے تو وہ جانے ورنہ اسے حق فسخ نکاح حاصل ہے۔ اس لئے شافعیہ نے اس پر زور دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر بیوی نے خود (عضو مخصوص کو) کاٹا ہو تب بھی اسے فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

عنین (نامرد) کی تعریف یہ بتائی گئی ہے کہ یہ شخص وہ ہے جو اندام نہانی میں مباشرت سے عاجز ہو گو کسی اور طرح یا مقعد کے راستے پر قادر ہو اور کسی شخص کو عنین یا نامرد ثابت کرنے کی دو شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ مرد نابالغ یا جنون زدہ نہ ہو۔ اگر کوئی بچہ یا جنون زدہ ہے تو اس کے نامرد ہونے کے دعوے کو تسلیم نہ کیا جائے گا۔ کیوں کہ نامرد ہونے کا ثبوت دو طرح سے ہوتا ہے یا تو وہ شخص خود اقرار کرے یا عورت کے قسم کھا لینے کے بعد مرد اس کے خلاف حلف اٹھانے سے انکار کرے۔ اب اگر کوئی نابالغ یا جنون زدہ ہے تو اس کی قسم بے معنی ہے۔ تاہم عورت کو مرد کے دیوانہ ہونے کی بنا پر مطالبہ فسخ نکاح کا حق ہے اور اگر خاوند نابالغ ہے تو لازم ہے کہ عورت (فسخ نکاح کے لئے) اس کے بالغ ہونے کا انتظار کرے کیوں کہ ممکن ہے کہ بالغ ہو کر وہ صحت مند ہو جائے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ شخص مباشرت کے بعد عنین (نامرد) نہ ہوا ہو۔ (بلکہ مباشرت سے پہلے ہی اس کا عنین ہونا ثابت ہو) بصورت دیگر عورت کو فسخ نکاح کا حق نہیں ہے۔ کیوں کہ ایسی حالت میں (جب کہ ایک بار وہ مباشرت کر چکا ہے) یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ مرض زائل ہو جائے گا۔

(اختیار فسخ کے لئے) یہ بھی شرط نہیں ہے کہ عورت کو عقد سے پہلے اس شخص کا عنین (نامرد) ہونا معلوم ہوتا ہم اگر اس کا علم اسے رہا ہو تو مطالبہ فسخ عقد کا حق اسے حاصل ہوگا۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ نامردی کے زائل ہو جانے کی امید کی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں۔

یہاں پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ مرد کے نامرد ہونے کا حال عورت کو نہیں معلوم ہو سکتا جب تک کہ عقد کے بعد مرد سے اختلاط نہ ہو۔ پس یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ عورت کو پہلے سے اس کا علم تھا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ صورت حال اس طرح پیش آ سکتی ہے کہ عورت کی شادی اس شخص کے ساتھ ہوئی ہو اور یہ پتہ چلا ہو کہ وہ نامرد ہے لہٰذا طلاق ہو گئی ہو اور دوبارہ وہ پھر نکاح کرنا چاہتا ہو۔ یہ صورت دراصل مسلسل عنین رہنے (یا نامردی میں مبتلا رہنے) کی ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ آخر اس شخص کے نامرد ہونے کا علم عورت کو اس کے سامنے اقرار کرنے سے کیوں نہیں ہو سکتا۔

واضح ہو کہ یہ عیوب (یا امراض) وہ ہیں جو مستوجب اختیار فسخ نکاح ہیں۔ ان کے علاوہ اور امراض مثلاً 'عذیطہ' یعنی مباشرت کے وقت اجابت کا صادر ہو جانا یا استحاضہ اگرچہ وہ مستقل طور پر ہو۔ گو بعض اصحاب نے اسے عیوب (مستوجب اختیار فسخ) میں شمار کیا ہے۔ یا مرض بہق (یا زہر باد) یا گندہ دہنی یا بہنے والا زخم (ناسور) یا خارش یا اسی قسم کے

Marfat.com

اور امراض ہیں جن میں اختیار فسخ حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح (اس صورت میں بھی اختیار فسخ نہ ہوگا) جب کہ دونوں میں سے کوئی مخنث ہو اور اس کا مخنث ہونا ظاہر ہو مثلاً کسی عورت میں مکمل طور پر اندام نہانی موجود ہو ساتھ ہی ایک چھوٹا سا بے جان آلۂ تناسل جیسا عضو بھی ہو یا ایک شخص آلہ تناسل رکھتا ہو ساتھ ہی بے مصرف سا ایک شگاف بھی ہو۔ لیکن اگر کوئی مخنث ہو کہ اس کی جنسیت کا امتیاز نہ ہو سکے تو ایسے شخص کا عقد سرے سے درست نہ ہوگا۔

(یہ تمام امراض مستوجب مطالبہ فسخ نکاح نہیں ہیں) تاہم شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر دونوں میں سے کسی کو ایسا دائمی مرض لاحق ہو کہ مباشرت نہ ہو سکے اور اس کے علاج سے مایوس ہو تو اس کو عنین جیسا شخص تصور کیا جائے گا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مباشرت سے پہلے پہلے مطالبہ فسخ کا اختیار ثابت ہوگا مباشرت کے بعد یہ حق نہ رہے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ عیوب جن کی بنا پر فریقین میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو حق فسخ نکاح حاصل ہوتا ہے ان کی تعداد سات ہے۔ ان میں تین عیوب مشترکہ ہیں (جو دونوں کو لاحق ہو سکتے ہیں) یعنی جنون' جذام اور برص دو امراض عورت کے لئے مخصوص ہیں یعنی رتق اور قرن (جس سے راہ مباشرت مسدود ہو جاتی ہے) مرض عفل کا نام اس زمرہ میں نہیں لیا گیا کیوں کہ یہ مرض ان دونوں امراض میں داخل ہے۔ دو امراض مردوں کے لئے مخصوص ہیں یعنی مجبوب اور عنین ہونا۔ خصی ہونے یعنی خصیتین کے مقطوع ہونے کو عیب (یا مرض) میں شمار نہیں کیا جاتا بشرطیکہ استادگی ہوتی ہو گو مادہ تولید خارج نہ ہوتا ہو۔ اس سے مالکیہ کو اختلاف ہے۔ اگر خصی ہونے کے باعث استادگی مفقود ہو تو اس کو عنین (مقطوع الذکر) شمار کیا جائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مالکیہ نے مرض عذیطہ (یعنی مباشرت کے وقت اجابت ہو جانے) کو عیوب مشترکہ میں شمار کیا ہے۔ نیز خصی ہونے اور اعتراض (یعنی عضو مخصوص کی عدم استادگی) کے مرض کو مردوں کے مخصوص امراض میں اور عفل' گندہ دہنی اور افضاء (یعنی منافذ قبل و دبر کے ایک ہو جانے) کے مرض کو عورتوں کے مخصوص امراض میں داخل کیا ہے جیسا کہ مسلک شافعیہ کی تفصیل سے ظاہر ہے۔

عیوب مذکورہ کی بنا پر فسخ نکاح فوری طور پر کیا جائے گا البتہ عنین (یا نامردی) کی صورت میں خاوند کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ خواہ وہ شخص آزاد ہو یا غلام ہو بخلاف مالکیہ کے کہ وہ غلام کو نصف سال کی مہلت دیتے ہیں۔ حنفیہ اور حنابلہ اس سے متفق ہیں۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان دونوں میں فرق کرنے کا کیا سبب ہے؟ (فسخ نکاح میں) مہلت دینے کی بنیادی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ ارشاد ہے جس میں عنین کو ایک سال کی مہلت دی ہے اس میں آزاد وغیرہ کا کوئی فرق نہیں ہے۔ عیب کی بنا پر فسخ نکاح کی ان شرائط کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہوا دو مزید شرطیں ہیں: ایک شرط یہ ہے کہ معاملہ کو حاکم شرع کے پیش کیا جائے۔ لہٰذا اگر دونوں میاں بیوی بطور خود اس عیب کی بنا پر جو مستوجب فسخ نکاح ہے فسخ نکاح پر راضی ہو جائیں تو درست نہ ہوگا' ہاں اگر ان شرائط کو مکمل کرتے ہوئے دونوں میاں بیوی کسی کو اپنا حاکم بنالیں اور وہ فسخ نکاح کا فیصلہ کرلیں تو درست ہوگا۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اگر اس عیب کا ثبوت شہادت سے ہو سکتا ہے تو اس کے ثبوت کے لئے شہادت پیش کی جائے۔ جیسے جذام یا برص کے امراض ہیں۔ رہا عنین ہونے کا ثبوت سو وہ قاضی (حاکم شرع) کے سامنے اقرار کرنے یا دو گواہوں کے سامنے اقرار کرنے سے جو قاضی کے سامنے شہادت دیں' ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ اس کا ثبوت شہادت سے

Marfat.com

متصور نہیں ہے اور شافعیہ کے نزدیک ایسی کوئی سبیل نہیں ہے کہ (تحقیق مرض کے لئے) تجربہ کار طبیب کے سامنے پیش کرنا مفید ہو۔ ایسی صورت میں اگر مرد اپنے مرض کا اعتراف نہ کرے تو اسے قسم کھانے کے لئے کہا جائے گا' اگر وہ انکار کرے تو اس کی بجائے عورت سے حلف لیا جائے گا کہ وہ شخص نامرد ہے کیوں کہ اسے مرد کے قرینوں سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے۔

اب اگر حاکم شرع کے نزدیک اس شخص کا عنین (نامرد) ہونا' خود مرد کے اقرار سے یا حلف اٹھانے سے ثابت ہو جائے تو حاکم فسخ نکاح کے لئے ایک سال کی مہلت دے گا۔ اس مہلت کا آغاز اس دن سے ہوگا جس روز اس کا نامرد ہونا پایہ ثبوت کو پہنچا۔ ایک سال گزرنے کے بعد عورت اس معاملہ کو پھر حاکم شرع کے سامنے پیش کرے گی۔ اور مرد کہے کہ وہ اس کے پاس جا چکا ہے اور عورت باکرہ نہیں تھی تو اس شخص سے اس بارے میں قسم لی جائے گی کہ اس عورت سے مقاربت کی ہے اگر وہ قسم سے انکار کرے تو (اس کی بجائے) عورت قسم کھائے کہ اس کے خاوند سے مباشرت نہیں ہوئی۔ اگر وہ عورت قسم کھالے یا خاوند اقرار کرلے تو حاکم شرع یہ کہہ کر فسخ نکاح کردے گا کہ اس شخص کا نامرد ہونا یا عورت کا مطالبہ حق فسخ ثابت ہوگیا ہے۔ اگر حاکم نے کچھ نہ کہا تب بھی یہی فیصلہ دے سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ عورت باکرہ ہو تو پہلے اسی سے قسم لی جائیگی اور اگر وہ انکار کرے تب مرد سے حلف لیا جائے گا کیوں کہ یہ ظاہر ہے کہ اس کا باکرہ ہونا اس کے دعوے کی تائید کرتا ہے۔

اگر مہلت کے دوران عورت مرض میں مبتلا ہوجائے یا مرد کی مقاربت سے عاجز ہو تو یہ ایام ایک سال کی مدت مہلت سے نکال دیئے جائیں گے اور اتنے ہی دن اس کے عوض میں خاوند کو اور بھی دیئے جائیں گے۔ لیکن اگر یہ صورت حال مرد کو پیش آئے تو یہ دن مہلت میں شمار کئے جائیں گے۔

ان کے علاوہ دوسرے عیوب مثلاً سیاہ فام ہونا وغیرہ کی بابت جو حکم ہے اس کی تفصیل شرائط کے بیان میں آچکی ہے وہاں پر ملاحظہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جن عیوب کا ذکر نکاح کے سلسلہ میں آتا ہے ان کی تین قسمیں ہیں: مجبوب ہونا۔ عنین ہونا اور خصی ہونا۔ مجبوب ہونا یہ ہے کہ عضو تناسل پورا یا اس کا کچھ حصہ کٹا ہوا ہو کہ اس سے مباشرت ممکن نہ ہو اور عنین ہونا یہ ہے کہ اندام نہانی میں مباشرت کرنے پر قادر نہ ہو۔ اگر غیر فطری طور پر یا کسی اور عورت کے ساتھ مباشرت پر قادر ہو تب بھی اسے عنین ہی تصور کیا جائے گا جیسا کہ شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں۔ اب درآنحالیکہ مرد اپنی عورت کے ساتھ مباشرت سے عاجز ہو تو وہ عنین ہے اگرچہ اس میں شہوت (خواہش نفسانی) موجود ہو۔ خصی وہ شخص ہے جس کے خصیے کٹے ہونے یا سونتے ہوئے ہوں جیسا کہ جانوروں کے ساتھ ہوتا ہے کہ کھال کو باقی رکھتے ہوئے خصیتین کو سوت لیا جاتا ہے۔ (ایسا شخص خصی ہے) اگرچہ عضو مخصوص باقی اور محفوظ ہو اور مباشرت ممکن ہو' کیوں کہ خصی ہونے سے یا تو مرد مباشرت سے قاصر یا قوت مردمی کمزور ہوجاتی ہے اور یہ دونوں امور عیب میں داخل ہیں۔ پس اگر مجبوب یا خصی شدہ مرد کی بیوی فسخ عقد کا مطالبہ کرے تو بلا تاخیر اس کا مطالبہ تسلیم کیا جائے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے کہ عضو مخصوص مردہ (بے حس) ہو چکا ہو اور اس کے علاج کی کوئی امید نہ ہو کیوں کہ اس میں مہلت دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص نامرد ہو تو اسے ایک سال قمری تک اس توقع پر کہ وہ مرض زائل ہوجائے گا مہلت دی جائے گی اور یہ مدت اس روز سے شروع ہوگی جس روز (مہلت کا) فیصلہ ہوا اور وہ ایام جن میں عورت خاوند سے علیحدہ رہی ایام مدت میں شمار نہ ہوں گے۔ لیکن اگر مرد عورت

Marfat.com

سے علیحدہ رہا ہو تو وہ ان ایام میں محسوب ہوں گے اور نامردی کا ثبوت خاوند کے اقرار سے ہوگا جو اس نے حاکم شرع کے سامنے یا گواہوں کے سامنے کیا ہو جو اس اقرار کی شہادت حاکم کے سامنے دیں۔ اور اگر عورت اس باب میں تجربہ کار اشخاص کی گواہی مہیا کردے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے کیوں کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس مریض شخص کا معائنہ واقف کار اور تجربہ کار طبیب سے کرایا گیا اور اس کی رائے اس بارے میں فیصلہ کن ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ عورت یہ دعویٰ کرے کہ خاوند کا عضو مخصوص شل ہے۔ اس بارے میں بجز واقف کار طبیب کے اور کوئی شخص فیصلہ نہیں کر سکتا۔

واضح ہو کہ فسخ نکاح کے لئے یہ شرطیں ہیں۔ ایک شرط یہ ہے کہ یہ معاملہ کسی حاکم کے سامنے پیش کیا جائے۔ اگر کسی اور شخص کے سامنے پیش کیا گیا اور اس نے ایک سال قمری کی مہلت دے دی تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اسی طرح اگر حاکم شرع کے علاوہ کسی اور شخص نے فسخ نکاح کا فیصلہ کیا تو وہ رائیگاں ہے۔ اور یہ شرط ہر قسم کے عیوب کے متعلق ہے کیوں کہ ہر عیب کی بنا پر فسخ نکاح کے لئے حاکم کا فیصلہ ناگزیر ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ خاوند بالغ ہو۔ اگر خاوند نابالغ اور مباشرت کے قابل نہیں ہے تو عورت کو یہ حق ہی نہ ہوگا کہ یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کر کے اس کا نامرد ہونا ثابت کر سکے۔ کیوں کہ ممکن ہے یہ صورت حال بہ سبب صغرسنی کے ہو۔ پس یہ معاملہ اس وقت قاضی کے سامنے پیش کرنا چاہئے جب کہ خاوند بالغ ہو اور مباشرت سے عاجز ہو تا کہ قاضی دوسرے مریضوں کی طرح ایک سال کی مہلت دے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عورت خاوند کے نامرد ہونے پر راضی نہ ہو اگر عورت کو عقد سے پہلے ہی اس شخص کے نامرد ہونے کا علم ہو اور اس پر بھی وہ راضی ہو اور شہادت سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ عورت اس شخص کے اس عیب سے آگاہ تھی (پھر بھی اس نے شادی کرلی) تو ایسی صورت میں قاضی مہلت نہ دے گا۔ حنفیہ کو اس سے اتفاق ہے لیکن مالکیہ اور شافعیہ کو اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر عورت کو مرد کے عنین ہونے کا علم مباشرت کے پہلے سے ہو تو اسے مطالبہ فسخ عقد کا حق باقی رہے گا اگر مباشرت کے بعد اس کے عنین ہونے کا علم ہوا اور رضامندی کا صراحۃً اظہار کئے بغیر عورت خاموش رہے تب بھی اس کا حق فسخ ساقط نہ ہوگا۔ لیکن اگر اس نے یہ کہہ دیا کہ میں اس کے عنین ہونے پر بھی راضی ہوں تو اب اسے فسخ نکاح کا حق نہ رہے گا۔

اگر قاضی نے کسی کو ایک سال کی مہلت دے رکھی ہے اور خاوند کا یہ دعویٰ ہو کہ اس مہلت کے دوران اس نے صحیح طریقہ فطری سے مباشرت کی ہے۔ اور عورت باکرہ اس کے اس دعویٰ سے انکار کرتی ہے تو عورت کی بات تسلیم کی جائے گی کیوں کہ بنیادی بات مباشرت کا نہ ہونا ہے اور مرد کا عنین ہونا اس (خیال) کی تائید کرتا ہے اس لئے عورت کا بیان قابل تسلیم ہوگا۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ مرد نے نامردی ثابت ہونے سے پہلے دعویٰ کیا کہ اس نے مباشرت کی ہے اور عورت اس سے انکار کرتی ہو تو مرد کے قسم کھانے پر اس کی بات مانی جائے گی۔ کیوں کہ اصل بات صحت مندی ہے اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اگر مدعی اپنے دعوے کے ثبوت میں واقف کار اور تجربہ کار شخص کی گواہی پیش کردے تو اس پر عمل کیا جائے گا جیسا کہ ابتداء میں بتایا گیا اس کی تائید معتبر طبیب سے نہیں کرائی جائے گی۔ لیکن اگر باکرہ ہو اور خاوند دعویٰ کرے

Marfat.com

کہ اس نے سال مہلت کے اندر اس سے مباشرت کی ہے لیکن کوئی معتبر عورت شہادت دے کہ عورت کی بکارت باقی ہے تو اس عورت کی بات مانی جائے گی لیکن اگر وہ بتائے کہ بکارت زائل ہو چکی ہے تو خاوند کا قول مانا جائے گا۔ اگر عورت یہ کہے کہ اس کی بکارت مباشرت کے بغیر زائل ہوئی ہے تو ایسی صورت میں خاوند کو قسم کھانا لازم ہوگا اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں حقیقت کا علم، معتبر اور واقف کار شخص یعنی طبیبہ ہی کو ہو سکتا ہے لہٰذا امور مذکورہ کے پیش نظر طبیبہ کی رائے پر عمل کیا جائے گا۔ اور زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ اس بارے میں دو طبیبہ خواتین کی رائے حاصل کی جائے۔

دوسری قسم کے عیوب میں عورت کے مخصوص امراض رتق۔ قرن۔ عفل ہیں اور مرض فتق ہے جسے مالکیہ ''افضاء'' کہتے ہیں اور وہ آگے اور پیچھے کے راستوں کا ایک ہو جانا یا دبر اور قبل کا مل جانا ہے جسے شریم (یا چیرا آ جانا) کہا جاتا ہے جیسا کہ سابقاً بتایا گیا اور ایک مرض استحاضہ (یعنی غیر معمولی کثرت) ہے اور شرمگاہ سے مباشرت میں بدبو کا خارج ہونا۔ لیکن منہ سے بدبو کا آنا (یا گندہ ذہنی) کا شمار مشترکہ عیوب میں سے ہے جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔

ان عیوب مخصوصہ زناں میں سے کوئی عیب اگر عورت میں پایا جائے تو مرد کو فوری فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہے۔ اس وقت کا انتظار نہ کیا جائے گا جب کہ مباشرت ممکن ہو کیوں کہ بنیادی امر یہ ہے کہ مرض باقی رہے گا۔ پس اگر بیوی عفل، قران یا رتق کی مریضہ ہے اور ہنوز وہ صغرسن ہے تو اس کے بڑی ہو جانے کا انتظار نہ کیا جائے گا بلکہ خاوند کے فوری طور پر فسخ نکاح کے مطالبہ کو پورا کیا جائے گا۔

تیسری قسم کے عیوب امراض مشترکہ ہیں جو مرد اور عورت دونوں کو لاحق ہو سکتے ہیں۔ مثلاً جنون۔ جذام۔ برص۔ سلسل بول (پیشاب کا مسلسل آتے رہنا) یا استطلاق الغائط (اجابت کا بے قابو ہونا) دوسرے لفظوں میں اسے دائمی پیچش کہہ سکتے ہیں۔ اور مرض عذیطہ تو درجہ اولیٰ اس زمرہ میں آتا ہے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ ان امراض سے زیادہ خراب مرض ہے اس سے مراد مباشرت کے وقت اجابت کا صادر ہو جانا۔ نیز شرمگاہ یا عضو مخصوص میں دائمی ناسور کا ہونا۔ بظاہر سیلان اور زہری بھی ان ہی امراض میں ہے یا کوئی اس سے بھی برا مرض ہو یا مسوں اور ناسوروں کا مرض یا سر کے زخم جس سے بدبو نکلتی ہے یا گندہ ذہنی اور یا یہ کہ دونوں میں سے کوئی واضح طور پر مخنث ہو۔ واضح طور پر مخنث ہونا بھی عیب مستوجب فسخ نکاح ہے رہا ''خنثیٰ مشکل'' (جس کی جنس کا تعین دشوار ہو) تو اس سے تو عقد ہی سرے سے باطل ہے۔

ان عیوب (یا امراض) میں سے برص، جذام اور جنون ایسے امراض ہیں جو میاں بیوی دونوں کو فوری طور پر فسخ نکاح کا حق دیتے ہیں۔ خواہ خاوند یا بیوی کم سن (نابالغ) ہوں یا بڑے (بالغ) اور تمام عیوب مذکورہ بالا کی بنا پر فسخ عقد ہو سکتا ہے خواہ وہ عیب عقد کے پہلے سے پایا جاتا ہو یا بعد میں لاحق ہوا ہو اسی طرح اس سے بھی فرق نہیں پڑتا کہ مباشرت سے پہلے ہی یہ عیب موجود ہو یا بعد میں ہوا ہو۔ لیکن ان تمام عیوب میں حق فسخ ثابت ہونے کے لئے رضامندی کا نہ ہونا شرط ہے۔ اگر اس عیب کے باوجود کوئی ازدواجی حالت پر راضی ہو اور یہ کہے کہ میں اس حالت میں بھی (رشتہ قائم رکھنا چاہتا یا چاہتی ہوں اور) راضی ہوں۔ یا رضامندی کا اظہار (اطوار سے) ضمناً ہوتا ہو۔ مثلاً ایک دوسرے کو اپنی ذات سے بہرہ مند ہونے کا موقع دے تو اس کے مطالبہ فسخ نکاح کا حق جاتا رہے گا۔ اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ کوئی خود اس عیب سے خالی ہو جس کی بنا پر فسخ عقد چاہتا ہے۔ جیسا کہ شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ پھر یہ ہے کہ اگر

Marfat.com

غیر مسلم کے ساتھ نکاح کا بیان

غیر مسلم اشخاص کے ساتھ نکاح کی دو حالتیں ہیں خواہ وہ (غیر مسلم) کتابی ہو جیسے یہودی یا نصرانی یا غیر کتابی ہو جیسے مجوس (آتش پرست) یا برہمنی مذہب والا یا عرب کے مشرکین میں سے جو بت کی پرستش کرتا ہے۔

پہلی حالت یہ ہے کہ یہ عقد دارالاسلام میں مہاجرین کے درمیان ہو دارالاسلام سے مراد وہ آبادیاں ہیں جہاں مسلمانوں کا مکمل تسلط ہو۔ قطع نظر اس کے کہ (عقد ازدواج کرنے والے) وہ ذمی (غیر مسلم رعایا) ہوں جنہوں نے وہاں اپنا وطن بنالیا ہو اور مسلمان کے عائد کردہ فرائض جزیہ اور دوسرے قوانین کے پابند ہوں یا انہوں نے وہاں پر پناہ لی ہو اور امن وامان کے ساتھ تجارت وغیرہ کے لئے عارضی طور پر اقامت گزیں ہوں اور ان کا ارادہ پھر اپنے علاقہ میں واپس جانے کا ہو۔

مباشرت سے پہلے فسخ نکاح ہو جائے تو بیوی کو مہر کا حق رہے گا۔ خواہ فسخ نکاح عورت کے مطالبہ پر ہوا ہو یا مرد کے مطالبہ پر۔ کیوں کہ اگر مطالبہ فسخ عورت نے کیا تو علیحدگی کا موجب عورت کو قرار دیا جائے گا اور وہ مہر کی مستحق نہیں ہوگی اور اگر مرد کے مطالبہ پر فسخ عقد ہوا تو اس کا موجب وہ عیب قرار دیا جائے گا جس کو عورت نے چھپا رکھا تھا' تو گویا اس کا سبب بھی عورت ہی ہوئی اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر فسخ عقد اس عیب کی بنا پر ہوا جو خاوند نے بیوی سے چھپا رکھا تھا تو علیحدگی کا سبب مرد کو قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح عورت نے بھی اگر اپنے عیب کو خاوند سے پوشیدہ رکھا تو (فسخ عقد کی) ذمہ داری بیوی پر ہوگی۔

اگر فسخ عقد مباشرت یا تخلیہ کے بعد ہوا تو عقد میں جو مہر طے ہوا وہ واجب الادا ہوگا۔ خواہ علیحدہ کا موجب عورت ہو یا مرد کیوں کہ حنابلہ کے نزدیک تخلیہ ہونے' بوسہ لینے یا شہوانی نظر ڈالنے وغیرہ سے مہر لاگو ہو جاتا ہے اور ساقط نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر مباشرت سے پہلے دونوں میں سے کوئی وفات پا جائے (تو مہر بحال رہے گا) اور خاوند کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے ادا کردہ مہر کا مطالبہ اس شخص سے کرے جس نے دھوکا دے کر اس کی شادی عیبی (یا مریضہ) عورت سے کرادی ہو۔

واضح ہو کہ مباشرت سے پہلے (علیحدگی ہو جائے تو) کوئی مہر واجب نہیں ہوتا لیکن اگر (مباشرت سے پہلے) دونوں میں سے کسی کی وفات ہو جائے تو واپسی مہر کا حق نہ رہے گا۔

اگر نابالغ لڑکی یا جنون زدہ عورت کی شادی اس کے ولی نے کسی عیبی سے کردی اور عقد کے وقت اسے اس کا علم تھا تو وہ عقد باطل ہوگا لیکن اگر اسے معلوم نہ تھا تو عقد صحیح ہوگا اور اسے فسخ عقد کا حق حاصل ہوگا۔

اگر بالغہ عورت نے اپنا عقد کسی پاگل یا جذامی (اپاہج) یا برصی (کوڑھی) سے کرلیا اور اس پر راضی ہو تو ولی کو اعتراض کرنے اور مطالبہ فسخ کا حق حاصل ہوگا کیوں کہ اس کو غیر کفو کے ساتھ شادی قرار دیا جائے گا خاص کر اس لئے کہ اس میں اندیشہ ہے کہ وہ عیب (یا مرض) اولاد اور خاندان تک میں پھیل جائے۔

Marfat.com

دوسری حالت یہ ہے کہ ان کا عقد ازدواج ان کے لئے اپنے علاقہ یعنی دارالحرب میں ہوا ہو۔ جس سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں مسلمانوں کا اقتدار نہ ہو۔ پھر وہ دونوں یا ان میں سے ایک مسلمانوں کے علاقہ میں ہجرت کر کے آجائے۔ دونوں صورتوں میں یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا ان کا نکاح شرائط اور ارکان کے لحاظ سے مسلمانوں کے (مراسم) عقد ازدواج کے مطابق عمل میں آیا ہے۔ یعنی ایجاب وقبول کے ساتھ اور شاہدوں اور ولی کی موجودگی میں۔ اور ایسی عورت کے ساتھ جو محرم یا عدت میں نہیں ہے۔ یا یہ کہ مرد ایسا ہو (جو شرعاً شادی نہیں کر سکتا) کہ اس کی چار بیویاں پہلے سے موجود ہوں اور پانچویں سے شادی کرے یا شرائط عقد مندرجہ بالا کے خلاف شادی کرے۔ پس اگر وہ عقد مسلمانوں کے طریق عقد کے مطابق ہوا ہے تو مسلمانوں کے نزدیک وہ عقد صحیح مانا جائے گا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے [1] ایسے عقد نکاح کی صورت میں وہ تمام احکام عائد ہوں گے جو مسلمانوں کے عقد صحیح کی صورت میں عائد ہوتے ہیں۔ مثلاً حق وراثت۔ وقوع طلاق۔ ظہار (بیوی کو ماں کے برابر کہہ دینا) ایلاء (بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لینا)۔ نفقہ کا واجب الاداء ہونا اور پابندی زوجیت (یا گھر میں رکھنے کے فرائض) وغیرہ۔

اگر وہ نکاح اسلامی عقد کے منافی صورت میں ہوا ہو تو دیکھنا ہوگا کہ آیا اس مرد اور عورت میں وہ شرائط ملحوظ تھیں جو خاوند یا بیوی بننے کی اہلیت کے لئے لازم ہیں یا نہیں؟ اسلامی عقد کے منافی ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ شادی کسی محرم کے ساتھ (جس سے شادی مذہباً حرام ہے) ہوئی ہو مثلاً ماں یا بہن یا بیٹی کے ساتھ ہوئی جیسا کہ مجوسی کرتے ہیں یا کسی نے اپنی پھپھی کے ساتھ یا دو حقیقی بہنوں کے ساتھ عقد کر لیا ہو جیسا کہ یہودیوں کے ہاں ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی عورت کی شادی پہلے خاوند کی عدت کے ایام میں جب کہ ہنوز عدت کے دن پورے نہ ہوئے ہوں، ہوئی یا پانچویں بیوی سے جب کہ اس کی چار

اگر عورت، نامرد۔ عضو بریدہ یا خصی شدہ کی بیوی بننے پر راضی ہو تو اس صورت میں ولی کو اعتراض کا حق نہ رہے گا کیوں کہ مباشرت عورت کا حق ہے۔ کسی اور کا نہیں ہے۔ اب اگر وہ اس پر راضی ہے کہ بلا مباشرت خاوند زندگی بسر کرے تو اسے اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ دونوں صورتوں میں شافعیہ کا یہی قول ہے۔ اگر عیب عقد کے بعد لاحق ہوا تو اب ولی کو مطلقاً حق فسخ نہ ہوگا کیوں کہ ولی کا دخل عقد کے ہونے تک ہے اس کے بعد عقد کے باقی رکھنے (یا تحفظ عقد میں) اسے کوئی دخل نہیں ہے۔

ا۔ مالکیہ کے اس باب میں دو اقوال ہیں جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ ان دونوں میں سے قوی تر قول یہ ہے کہ اگر دونوں میاں بیوی مسلمان ہیں تو عقد نکاح درست ہوگا درآنحالیکہ وہ تمام شرائط جو مسلمانوں کے نزدیک معتبر ہیں پوری کی گئی ہوں ایسی صورت میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس کی تفصیلی وضاحت آگے آرہی ہے۔

Marfat.com

بیویاں پہلے موجود ہوں عقد نکاح کرے۔ دوسری صورت کے تحت بھی چند شکلیں ہیں منجملہ ان کے یہ کہ ولی اور گواہوں کی موجودگی کے بغیر شادی کی یا یہ کہ ایک مقررہ عرصہ کے لئے شادی کی مثلاً ایک سال کے لئے یا دو ماہ کے لئے وغیرہ اس کو متعہ کہتے ہیں اسی میں یہ صورت بھی ہے کہ کسی عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں (۱) اور بغیر حلالہ کئے وہ پھر اس کے ساتھ عقد کرے اور طلاق کا مطلب اس وقت غیر مسلموں میں مشہور ہے اسی طرح کے اور عقود بھی ہیں جو شرائط مذکورہ کے تحت نہ ہوئے ہوں۔ اگر اسلامی علاقہ میں اسلامی طریق نکاح کے خلاف کسی اور طرح سے شادی کی گئی تو مسلمانوں کو اس پر اعتراض نہ ہوگا بلکہ اس کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ بشرطیکہ یہ تین شرطیں ملحوظ رہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ اس طرح کا نکاح ان کے مذہب میں درست ہو۔ اگر ان کے اپنے طریق نکاح کے علاوہ کسی اور طریقہ سے شادی ہوئی تو وہ بدکاری متصور ہوگی۔ ایسی صورت میں مسلمان انہیں ان کی مرضی پر نہ چھوڑیں گے۔ جس طرح چوری کرنے والے کو نہیں چھوڑا جاتا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ انہوں نے (ایسی شادی کے بعد اپنا معاملہ) مسلمانوں کے سامنے فیصلے کے لئے پیش نہ کیا ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ دونوں میاں بیوی بیک وقت مسلمان نہ ہوئے ہوں یا دونوں میں ایک مسلمان ہوا ہو اور مسلمان کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا ہو یا دونوں مسلمان ہو گئے ہوں یا دونوں میں سے ایک مسلمان ہوا ہو پس اگر وہ عقد کسی محرم کے ساتھ ہوا یا دو بہنوں کے ساتھ ہو یا پانچویں بیوی سے ہوا تو کسی حال میں بھی ان کو رشتہ ازدواج میں منسلک نہ رہنے دیا جائے گا۔ اور اگر ایام عدت میں کسی عورت سے ہوا اور عدت کے ایام معاملہ کو (حاکم کے سامنے) پیش ہونے یا مسلمان ہونے کے وقت تک پورے نہ ہوئے ہوں تو اسی طرح ان میں بھی علیحدگی کرا دی جائے گی (۲) لیکن اگر وہ نکاح ان امور کے علاوہ کسی اور اسلامی مسلک کے خلاف ہو تو یہ رشتہ ازدواج قائم رکھا جائے گا۔ یہ تمام مسائل بموجب مسالک مختلفہ

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ کافر کے طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ مسلمان ہونا طلاق کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے جیسا کہ آگے بتایا گیا ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کافر عورت کے لئے عدت نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ کتابیہ ہو اور اس کی شادی کسی مسلمان سے ہوئی ہو اور اسے طلاق ہو جائے تو بلا اختلاف عدت گزارے گی۔

Marfat.com

تفصیل طلب ہیں۔ [1]

ا۔حنفیہ کہتے ہیں کہ دوسری اقوام: اہل کتاب مشرکین صابئین (ستارہ پرست) یا مجوس (آتش پرست) وغیرہ کے نکاح میں اگر وہ تمام شرطیں جن کا ذکر مسلمانوں نے کیا ہے پوری ہوگئی ہوں تو مسلمانوں کے نزدیک وہ عقد درست ہوگا۔ کیوں کہ (اس صورت میں) جو باتیں مسلمانوں کے نزدیک درست ہیں۔ وہ غیر مسلموں کے نزدیک بھی صحیح ہیں۔ مثلاً اگر کسی مشرک نے ایک مشرکہ عورت سے بطریق صحیح ایجاب وقبول کے ساتھ دو مرد گواہوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں شرائط نکاح کو پورا کرتے ہوئے شادی کی اور ایسی چیز کو مہر ٹھہرایا جسے مہر ٹھہرانا درست ہے تو یہ عقد مسلمانوں کے نزدیک درست متصور ہوگا اور مہر صحیح مانا جائے گا۔ گویا کہ یہ عقد مسلمانوں کا ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن مالکیہ اس کے درست ہونے کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ آگے بتایا جائے گا اس بارے میں حنفیہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" یعنی ابولہب کی بیوی (لکڑی ڈھونے والی) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابولہب کے ساتھ اس کی بیوی کے نکاح کو معتبر فرمایا ہے اور اس کی بیوی کو اس کی جانب منسوب فرمایا ہے اور امرا تہ (یعنی اس کی بیوی) فرمایا ہے۔ اگر (ابولہب کافر کا) نکاح فاسد ہوتا تو عرف اور لغت کی رو سے "اس کی بیوی" نہ کہا جاتا۔ ان کی دلیل یہ ارشاد نبویؐ ہے ولدت من نکاح لا من سفاح (یعنی نکاح سے ولادت ہوئی بدکاری سے نہیں) ان الفاظ کا دلیل ہونا یوں ہے کہ ایام جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے) جو شادی مسلمانوں کے عقد نکاح کی طرح ہوئی تو اس کو صحیح مانا جائے گا۔ اگر وہ درست نہ ہوتا تو اسے عہد جاہلیت کی بدکاری کی طرح فعل ناجائز کہا جاتا لیکن اس کو دلیل میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی بحث مسلک مالکیہ کے بیان میں آرہی ہے۔ وہاں پر غور سے ملاحظہ کیا جائے۔

غیر مسلموں کے ایسے نکاح جو فاسد قرار پاتے ہیں ان کی چند اقسام:

منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ گواہوں کے بغیر نکاح ہو لہٰذا اگر اہل کتاب کا نکاح کسی کتابیہ سے گواہ کے بغیر کیا جائے تو دیکھنا ہوگا کہ آیا ان کے مذہب کی رو سے وہ نکاح جائز تھا یا نہیں؟ اگر وہ جائز تھا تو وہ نکاح برقرار رہے گا یہاں تک کہ اگر وہ دونوں مسلمان ہو جائیں تو وہ نکاح بغیر گواہوں کے ہوا تھا قائم رہے گا اگر وہ دونوں یا ان میں سے ایک مسلمان نہ ہو اور معاملہ مسلمان قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تو حاکم شرع اس عقد کو بحال رکھے گا اور علیحدگی نہ کرائے گا۔ لیکن اگر ان کے مذہب میں وہ نکاح ناجائز ہو تو مسلمانوں کے نزدیک بھی اس عقد کو برقرار رکھا نہ جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک اہل کتاب نے ایسی کتابیہ عورت سے شادی کی جو پہلے مسلمان خاوند کی عدت گزار رہی ہو یعنی اس کا مسلمان خاوند وفات پا گیا ہو یا اسے طلاق دے دی ہو اور عدت کے دن پورے نہ ہوئے ہوں تو ان کا نکاح بلا اختلاف فاسد متصور ہوگا اور ان میں علیحدگی کرادی جائے گی۔ اگر ان کے مذہب میں یہ جائز اور اس پر اعتراض کیا جائے۔ اور وہ مسلمان نہ ہو گئے ہوں تو ان میں علیحدگی ضروری نہیں ہے کہ قاضی کے سامنے دونوں یہ معاملہ پیش کریں اور ایسی حالت میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس معاملہ کو حاکم کے سامنے پیش کریں گے۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ کوئی ذمی شخص (اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا) کسی مسلمان عورت سے شادی کرلے تو ان میں علیحدگی کرنے کے لئے دعویٰ کرنے اور مطالبہ فسخ کی مطلق حاجت نہیں ہے لیکن اگر عورت کسی غیر مسلم خاوند کی عدت میں ہو خواہ وہ خاوند اس کا ہم مذہب رہا ہو یا نہ رہا ہو اور عدت کے

Marfat.com

دوران ان کے مذہب میں جائز ہو تو اس بارے میں اختلاف ہے: ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ ان کا نکاح مسلمان ہونے سے پہلے اور بعد میں بھی برقرار رہے گا۔ لہٰذا اگر دونوں یا دونوں میں سے ایک اس معاملہ کو مسلمان قاضی کے سامنے پیش کرے تو ان میں علیحدگی نہ کرائے جائے لیکن صاحبین کا کہنا یہ ہے کہ اگر عورت عدت میں ہے تو اس کا عقد بحال نہ رہے گا یعنی اگر عدت کے ایام ہنوز باقی ہیں تو ان میں علیحدگی کرادی جائے گی۔ تاہم اگر عدت کے دوران شادی ہوئی اور عدت گزرنے کے بعد دونوں کا معاملہ قاضی اسلام کے سامنے پیش کیا تو بالاتفاق ان میں علیحدگی نہ کرائی جائے گی۔ اس بارے میں ابوحنیفہؒ کا ارشاد درست ہے اور کافر کی عدت میں فرق یہ ہے کہ عدت دو حقوق پر مشتمل ہوتی ہے: حق شرع اور حق نکاح۔ اگر میاں بیوی دونوں اہل کتاب ہیں تو شرعی احکام ان پر عائد نہیں ہوتے لہٰذا اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ عدت کے دنوں کو پورا کرنا خاوند پر حق واجب قرار دیا جائے کیوں کہ خاوند کا یہ عقیدہ ہی نہیں ہے کہ جس طرح وہ فرض کی گئی ہے اس پر بھی وہ لاگو ہے۔ ہاں اگر مسلمان خاوند کی عدت میں ہو تو اس کا پورا کرنا کتابیہ عورت پر واجب ہے کیوں کہ یہ عدت اس مسلمان کا حق ہے جس کی وہ عدت گزار رہی ہے۔

یہاں پر صحیح بات جس میں کوئی شک نہیں ہے یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان ایسی کتابیہ عورت سے شادی کرنا چاہے جس کا پہلا خاوند اہل کتاب تھا اور اس سے علیحدگی ہوگئی ہے تو عدت کے دن گزارنے سے پہلے اس عورت سے شادی کرنا درست نہیں ہے۔ بعض اصحاب کو اس سے اختلاف ہے (وہ کہتے ہیں) کہ عقد صحیح ہوگا لیکن اس کے ساتھ مباشرت اس وقت تک نہ کرنی چاہئے جب تک کہ حیض آنے کے بعد اس کا بے حمل ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ کیوں کہ جیسا کہ بتایا گیا کہ اس صورت میں عدت گزارنا حق تعالیٰ کا حق (یا فریضہ الٰہی) ہے اور اس پر عائد ہوتا ہے جس کا یہی عقیدہ ہو اور مسلمان کا چونکہ یہی عقیدہ ہے لہٰذا اس پر عمل کرنا لازم ہے۔

واضح ہو کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ اہل کتاب وغیرہ غیر مسلم اشخاص میں عدت کا لحاظ نہیں ہوتا اور خاوند کی موت یا طلاق کے باعث دونوں میں علیحدگی ہوگئی پھر مثلاً ایک ہفتہ کے بعد اس کے ساتھ کسی نے شادی کر لی اور ہنوز چھ ماہ نہ گزرے تھے کہ اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا تو اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ بچہ پہلے خاوند کا شمار ہوگا یا نہیں؟ اس کی بابت کہتے ہیں کہ اس کا نسب پہلے خاوند سے نہیں جوڑا جائے گا۔ لیکن اہل تحقیق کہتے ہیں کہ نسب ثابت ہو جائے گا کیوں کہ عقد ثانی کے صحیح مانے جانے سے یہ ضروری نہیں ہو جاتا کہ پہلے خاوند کے ساتھ اس کا نسب نہ جڑ سکے۔ درآنحالیکہ وہ ولادت (عقد کے بعد) چھ ماہ سے کم عرصہ میں ہوئی ایسی صورت میں وہ بچہ لاکلام پہلے ہی خاوند کا متصور ہوگا۔ اگرچہ دوسرا عقد ان کے مذہب کی رو سے صحیح ہے۔

(غیر مسلموں کے) عقد فاسد کی صورتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان میں سے کوئی اپنی محرم عورت سے شادی کر لے مثلاً اپنی ہی بیٹی یا اپنی بہن سے جیسا کہ مجوسیوں (آتش پرستوں) کی شریعت میں ہوتا ہے۔ یا یہ کہ کوئی اپنی پھپھی سے شادی کرے یا دو سگی بہنوں سے شادی کرے یا ایسی ہی کوئی اور شادی ہو اگر یہ شادی ہو جائے تو اسے درست مانا جائے گا۔ بشرطیکہ ان کے مذہب کے مطابق ہو۔ اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا اور اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ مسلمان ہو جائے اور دونوں میاں بیوی اس معاملہ کو حاکم شرع کے سامنے پیش کریں کہ وہ اس نکاح کی صحت کے بارے

Marfat.com

میں فیصلہ کرے تو اس پر واجب ہوگا کہ وہ ان دونوں میں علیحدگی کرادے اگر دونوں میں سے ایک اس معاملہ کو اٹھائے تو کہا جاتا ہے کہ اس صورت میں بھی علیحدگی کرادی جائے گی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ علیحدگی نہ ہوگی اور اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ جب تک دونوں ہی اس معاملہ کو حاکم شرع کے سامنے پیش نہ کریں علیحدگی نہیں ہوسکتی۔

اگر کوئی یہودی دو بہنوں سے ایک ساتھ شادی کرے اور ان میں سے ایک کو چھوڑ دے اور خود اپنے مذہب پر قائم رہے پھر دونوں (میاں بیوی) مسلمان ہو جائیں تو دوسری بیوی کے ساتھ جو عقد ا ہوا ہے وہ باقی رہے گا اور بالاتفاق ان میں علیحید گی نہ کرائی جائے گی۔

ایسی ہی ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے اور بغیر حلالہ کئے پھر اپنی طلاق یافتہ بیوی کو بیوی بنالے۔ایسی صورت میں اگر وہ دونوں مسلمان ہو جائیں یا مسلمان حاکم سے فیصلہ کرائیں تو ان کا عقد برقرار رکھا جائے گا۔

یاد رہے کہ اس بارے میں اصول یہ ہے کہ ہر معاملہ عقد جو قاضی کے سامنے پیش ہو اور قاضی (یا حاکم اسلام) اس عقد کو برقرار رکھے اور وہ دونوں اپنے مذہب پر قائم رہیں یا مسلمان ہو جائیں تو ثبوت نسب اور عدت اور لوازم زوجیت اور ایک دوسرے کی وراثت کے بارے میں ان پر وہی احکامات عائد ہوں گے جو عقد صحیح کی حالت میں ہوتے ہیں۔اور وہ عقد جسے حاکم برقرار نہ رکھے جیسے وہ جو محرم کے ساتھ ہوا تو جب تک وہ دونوں اپنے مذہب پر قائم ہیں ان کا نسب اور لوازم زوجیت تو برقرار رہیں گے لیکن وہ ایک دوسرے کے وارث متصور نہ ہوں گے۔یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ دونوں مسلمان ہو جائیں یا پھر اپنے مذہب پر قائم رہیں لیکن اگر ان میں سے ایک مسلمان ہو جائے اور بیوی مسلمان ہوئی ہو خاوند مسلمان نہ ہوا ہو تو حاکم اسلام خاوند کو مسلمان ہو جانے کے لئے کہے گا اگر وہ بھی مسلمان ہو جائے تو دونوں کا ازدواجی رشتہ باقی رہے گا۔اگر خاوند مسلمان نہ ہو تو ان میں علیحدگی کرادی جائے گی۔اگر اس شخص کو مسلمان ہونے کے لئے قاضی نے کہا اور وہ خاموش رہا تو دوسری اور تیسری بار پھر کہا جائے گا اگر تین بار کہنے کے بعد بھی وہ خاموش رہا تو ان کے درمیان علیحدگی کرادی جائے گی۔کیوں کہ پہلا عقد بالاتفاق باطل تھا۔خاوند بت پرست ہو تو یہ حکم اس پر بدرجہ اولیٰ عائد ہوگا۔اگر خاوند مسلمان ہو جائے اور بیوی مسلمان نہ ہو تو اس صورت میں یا تو بیوی کتابیہ ہوگی یا بت پرست ہوگی جو الہامی کتاب کی قائل نہیں ہے۔اگر عورت کتابیہ ہے تو اس کا عقد نکاح بدستور باقی رہے گا بغیر اس کے کہ اسے مسلمان ہونے کے لئے کہا جائے کیوں کہ کتابیہ عورت اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے بھی مسلمانوں پر حلال ہے۔لیکن اگر وہ بت پرست ہے تو اسے مسلمان ہونے کے لئے کہا جائے گا اگر انکار کرے تو ان میں علیحدگی کرادی جائے گی اور اس علیحدگی کو طلاق تصور نہ کیا جائے گا۔کیوں کہ عورت کو طلاق دینے کا حق نہیں ہے۔لہٰذا اسلام سے انکار کرنے پر طلاق نہ ہوگی۔

اگر کوئی مسلمان مشرکہ عورت سے شادی کرے اور ان میں نزاع پیدا ہو جائے۔عورت کہے کہ اس مسلمان سے جب شادی ہوئی تو میں مشرکہ تھی (یعنی مسلمان نہ تھی) اور مرد کہے کہ میں نے جب شادی کی وہ مسلمان تھی تو اس صورت میں اس عورت کی بات مانی جائے گی اور ان میں علیحدگی کرادی جائے گی۔

واضح ہو کہ یہ مسئلہ دو غیر مسلموں کی باہمی شادی کا ہے جو دارالاسلام میں رہتے ہیں اگر یہ شادی دارالحرب میں

Marfat.com

ہوئی اور ان میں سے ایک فریق ہجرت کر کے دارالاسلام میں آ جائے تو اس صورت حال میں (احکام شرع کی) تفصیل آگے آ رہی ہے۔

اب رہے اس صورت حال کے احکام جب کہ کوئی غیر مسلم چار شادیوں سے زیادہ شادی کرے یا دو بہنوں سے شادی کرے اور پھر مسلمان ہو جائے۔ اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اس شخص نے ان سب عورتوں سے جدا جدا عقد نکاح کیا ہے تو آخری شادی فاسد قرار دی جائے گی' اور اگر پانچوں کو ایک ہی عقد سے ازدواج میں لایا ان پانچوں میں سے کسی ایک کو چھوڑ دیا۔ یا دو بہنوں میں سے ایک سے علیحدگی ہو گئی۔ خواہ یہ موت کے باعث ہوئی یا اسلام لانے سے پہلے طلاق دے کر ہوئی تو باقی چاروں بیویوں اور یا دوسری بہن سے جو نکاح تھا وہ باقی رہے گا بصورت دیگر بقول صحیح تمام بیویوں کا نکاح فاسد ہو جائے گا خواہ وہ شخص ذمی ہو یا حربی۔ یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ اس مرد کو قیدی نہ بنا لیا گیا ہو اگر پانچ بیویوں والا یا دو سگی بہنوں سے شادی کرنے والا قید کر لیا جائے تو سب کا نکاح باطل ہو جائے گا۔ خواہ نکاح مختلف عقد سے ہوا ہو یا ایک ہی عقد سے ہوا ہو۔ اگر اس شخص کے ساتھ اس کی دو بیویاں بھی قید میں آئیں ان کے نکاح فاسد نہ ہوں گے۔ باقی بیویوں کے نکاح جو دارالحرب میں رہ گئیں فاسد ہو جائیں گے اور علیحدگی کرا دی جائے گی اسی طرح اگرچہ چار بیویاں ہیں اور ان میں سے دو بیویاں خاوند کے ساتھ قید ہو گئیں تو ان دونوں کا نکاح باقی رہے گا اور اُن دونوں کا جو دارالحرب میں رہ گئیں نکاح فاسد ہو جائے گا۔

اگر کوئی غیر مسلم بیٹی اور ماں دونوں سے شادی کر لے تو یہ شادی دونوں سے ایک ہی عقد میں کی ہو گی یا جدا جدا عقد کیا ہو گا پھر بہر دو صورت یا تو وہ شخص مباشرت سے پہلے مسلمان ہوا ہو گا یا مباشرت کے بعد۔ اگر ایک ہی عقد سے دونوں کو بیوی بنایا تو ان کا نکاح باطل ہے خواہ مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور اگر مختلف عقدوں سے انہیں زوجیت میں لایا اور دونوں میں مباشرت بھی کی تو دونوں کا نکاح بالاتفاق باطل ہو جائے گا۔ اگر مباشرت صرف ایک سے ہوئی اس کے بعد دوسری سے عقد کیا اور ہنوز دوسری کے ساتھ مباشرت نہ ہوئی تھی کہ وہ شخص مسلمان ہو گیا تو دوسرا نکاح فاسد ہو گیا خواہ وہ ماں رہی ہو یا بیٹی۔ کیوں کہ دوسری بیوی اگر پہلی بیوی کی ماں تھی اور اس سے مباشرت نہیں ہوئی تو پہلا نکاح جو بیٹی کے ساتھ ہوا تھا وہ باطل نہیں ہوا نیز اگر دوسری بیوی پہلی بیوی کی بیٹی ہے تو اس کے ساتھ نکاح کرنے سے ماں کے ساتھ کیا ہوا نکاح باطل ہو گا۔ اگر دونوں میں سے ایک کے ساتھ پہلے نکاح کیا تھا اس سے مباشرت نہیں کی لیکن دوسری سے مباشرت کر لی تو اگر پہلی بیوی بیٹی تھی تو دوسری بیوی اس کی ماں تھی تو دونوں کا نکاح ایک ساتھ باطل ہو جائے گا۔ کیوں کہ بیٹی سے شادی ہو جائے تو اس کی ماں حرام ہو جاتی ہے اور اگر ماں کے ساتھ مباشرت ہو جائے تو بیٹی حرام ہو جاتی ہے۔ اگر دوسری بیوی بیٹی تھی اور اس کے ساتھ مباشرت نہیں ہوئی تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ نکاح باطل ہو جائے گا اور فسخ کرا دیا جائے گا' اس لئے کہ بیٹی کے ساتھ مباشرت سے اس کی ماں کے ساتھ جو عقد ہوا تھا وہ باطل ہو گیا اور ماں کے ساتھ عقد کرنے سے اس کی بیٹی والا عقد باطل ہوا۔ اب اگر وہ شخص چاہے کہ مسلمان ہونے کے بعد دونوں میں سے کسی سے شادی کرے تو بیٹی سے نکاح حلال ہو گا اس کی ماں سے حلال نہ ہو گا۔ کیوں کہ بیٹی کے ساتھ مباشرت کرنے سے اس کی اصل یا جز (یعنی ماں نانی پرنانی وغیرہ) ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیں گی لیکن اگر ماں کے ساتھ عقد ہوا تو ہمیشہ کے لئے

Marfat.com

حرمت عائد نہ ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ غیر مسلموں کی شادی بیاہ کا معاملہ ان کی صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور جب تک وہ اپنے مذہب پر قائم ہیں ان سے کوئی تعرض (اس بارے میں) نہیں کیا جائے گا' خواہ ان کی شادی اسلامی لحاظ سے صحیح ہو یا غلط اور جب وہ مسلمان ہو جائیں تب بھی کوئی اعتراض نہیں ہے کیوں کہ ان کے رشتہ ازدواج کے بارے میں بنیادی شے یہی ہے کہ وہ درست ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے شادی کی اور بغیر کسی شہادت کے اسے اپنی زوجیت میں لایا یا کسی عورت سے مقررہ عرصہ کے لئے شادی کی تھی جسے نکاح متعہ کہتے ہیں تو (مسلمان ہونے پر) وہ اس نکاح پر قائم رہیں گے بشرطیکہ وہ اس نکاح متعہ کو دائمی نکاح تسلیم کرلیں۔ اگر اسے وقتی نکاح ہی مانتے رہیں تو وہ نکاح برقرار نہ رہے گا۔ کیوں کہ دونوں میاں بیوی نکاح متعہ کا مقررہ وقت ختم ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے ہیں تو اب اسلام سے پہلے کے فاسد عقیدہ پر جما رہنا اسلام میں منع ہے۔ جیسا کہ آگے بتایا گیا ہے۔ اگر وہ دونوں میعاد گزرنے کے بعد مسلمان ہوئے تب تو ظاہر ہے کہ ان کے عقیدے کے بموجب مدت نکاح ختم ہونے کے بعد نکاح ختم ہو گیا تو اب بدکاری پر قائم رکھے جانے کے کچھ معنے ہی نہیں۔

یاد رہے کہ (ان مسائل میں) خاوند کے مذہب والوں کے عقیدہ کا اعتبار کیا جائے گا بیوی کے مذہب والوں کا اعتبار نہیں کیا جائے گا (اس سلسلہ میں چونکہ) یہ کہا جاتا ہے کہ بعض ائمہ اسلام اس قسم کے (وقتی) نکاحوں کو درست قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ یہ گفتگو اس صورت حال کی ہے کہ جب کہ ایسے نکاح فاسد کے متعلق ہو جس کے فاسد ہونے پر سب کا اتفاق ہو۔ چنانچہ اگر کسی نے ایسا نکاح کیا جس کے فاسد ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہو تو دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا اور مسلمان ہونے کے بعد ان کا نکاح برقرار رہے گا۔ بشرطیکہ اسلام کے نزدیک اس کی خرابی مسلمانوں پر ظاہر نہ ہو۔ اس کی مثال ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت سے جو پہلے خاوند کی عدت گزار رہی تھی عقد کیا اور اس کے ساتھ شب عروسی گزاری اور عدت کے دن گزرنے کے بعد وہ دونوں مسلمان ہو گئے تو وہ اس نکاح پر قائم رہیں گے لیکن اگر پہلے خاوند کی عدت ختم ہونے سے پہلے وہ دونوں مسلمان ہو گئے اور اسی نکاح پر قائم رہنا چاہیں تو اس پر قائم نہ رہ سکیں گے اس کا سبب یہ ہے کہ نکاح فاسد پر برقرار رہنے کے لئے یہ شرط ہے کہ ان کے مسلمان ہونے تک وہ امر جو نکاح کے فاسد ہونے کا موجب ہے باقی نہ رہے پس اگر وہ سابقہ خاوند کی عدت کے ایام ختم ہونے سے پہلے مسلمان ہو گئے اور اس کا علم مسلمانوں کو نہیں ہوا تو اب یہ ضروری نہیں ہے کہ مسلمان اس امر کی جستجو کریں جو ان کے نکاح کے فاسد ہونے کا سبب تھا اور نہ اس جانچ پڑتال کی ضرورت ہے کہ امر موجب فساد نکاح ان کے مسلمان ہونے تک باقی تھا یا نہیں؟

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ غیر مسلم جب تک اپنے مذہب پر قائم ہیں مسلمانوں کو ان کے نکاح پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے' پس اگر وہ اپنا معاملہ مسلمانوں کے سامنے پیش کریں یا مسلمان ہو جائیں تو مسلمان ان کو اپنے کئے ہوئے عقد پر برقرار رہنے دیں گے اور بحث میں نہیں پڑیں گے کہ وہ نکاح صحیح تھا یا فاسد تھا' کیوں کہ اس بارے میں مسلمانوں کو چھان بین کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر اس نکاح کے فاسد ہونے کا سبب معلوم ہو جائے تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ اس نکاح کو فاسد کرنے والا سبب مسلمان ہونے تک باقی تھا یا زائل ہو گیا۔ اگر اس وقت وہ سبب باقی ہو تو مسلمان ان میں علیحدگی کرا

Marfat.com

دیں گے۔ اگر وہ سبب زائل ہو چکا ہے تو عقد برقرار رکھا جائے گا۔ جیسا کہ اس صورت میں بتایا گیا جب کہ کسی نے ایسی عورت سے شادی کی جو سابقہ خاوند کی عدت گزار رہی ہو۔ اگر مسلمانوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ عدت کے دوران ہوا ہے تو یہ درست نہیں ہے کہ مسلمان اس کی بابت ان سے پوچھ گچھ یا چھان بین کریں لیکن اگر موجب فساد عقد ظاہر ہو اور اسے چھپایا نہ جا سکے۔ مثلاً ایک مجوسی اپنی محرمات میں سے کسی کے ساتھ نکاح کر لے یعنی اپنی بیٹی' پھوپھی یا اپنی سوتیلی ماں یا سوتیلی بیٹی سے نکاح کر لے تو اس عقد کے فاسد ہونے کا سبب ظاہر اور اس کے فاسد ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اگر دونوں مسلمان ہو جائیں تو ان میں علیحدگی کرا دی جائے گی۔ جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں اسی طرح اگر ان میں سے ایک فریق یہ معاملہ مسلمانوں کے سامنے پیش کرے تب بھی علیحدگی کرا دی جائے گی۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک فریق معاملہ پیش کرے تب بھی اس عقد کو قائم نہ رکھا جائے گا۔

اگر بیوی مسلمان ہو جائے خواہ وہ کتابیہ ہو یا غیر کتابیہ اور ہنوز مباشرت یا مباشرت جیسا فعل عمل میں نہ آیا ہو تو فوری طور پر ان دونوں میں علیحدگی کرا دی جائے گی بشرطیکہ اس عورت کے ساتھ خاوند بھی مسلمان ہو گیا ہو۔ اگر مباشرت کے بعد عورت مسلمان ہوئی ہے تو اسے عدت گزارنا لازم ہوگا اگر عدت گزارنے سے پہلے خاوند مسلمان ہو جائے تو خواہ بالکل آخری لمحہ میں وہ مسلمان ہوا ہو، اس کا عقد برقرار رہے گا ورنہ دونوں میں علیحدگی کرا دی جائے گی اور یہ علیحدگی فسخ نکاح (کی بنا پر) متصور ہوگی۔ طلاق (کی بنا پر) نہیں قرار دی جائے گی اس کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ ان دونوں میں علیحدگی سزا کے طور پر کی گئی ہے۔ طلاق اختیاری شے ہے۔ پس یہ علیحدگی فسخ عقد سے جبراً ہوئی ہے طلاق سے نہیں ہے۔ اور یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ جب دونوں میں سے ایک مسلمان ہو گیا تو دوسرے کو بھی مسلمان ہونا پڑے گا یا علیحدگی کرائی جائے گی اور یہ بھی ایک طرح سے جبر ہی ہے۔ اس سے یہ نہیں نکلتا کہ مسلمان ہونا یا اسلام سے انکار کرنا اس شخص کا اختیاری فعل ہے اور یہ جواب جو دیا جاتا ہے کہ دونوں اصولاً مسلمان ہونے پر مجبور ہیں یہ جواب قوی نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

اگر خاوند مسلمان ہو جائے خواہ وہ اہل کتاب ہو یا نہ ہو اور اس کی بیوی کتابیہ ہو تو ان کا نکاح برقرار رہے گا کیوں کہ یہ نکاح پہلے ہی سے حلال ہے۔

اگر وہ عورت کتابیہ اور شرائط عقد سابقہ کو پورا کرتی ہو اور مرد مسلمان ہونے سے پہلے اہل کتاب رہا ہو تو یہ عورت بالاتفاق اس پر حلال ہوگی۔ اگر وہ شخص بت پرست غیر کتابی تھا اور بیوی کتابیہ تھی تو شافعیہ کے نزدیک بقول راجح وہ عورت اس شخص پر بدستور حلال رہے گی بشرطیکہ دونوں ایک ساتھ بیک وقت مسلمان ہو جائیں بایں طور کہ دونوں اپنی زبان سے ایک ہی وقت میں کلمہ شہادت کا اقرار کریں (یعنی اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ اپنی زبان سے کہیں) تو ان کا عقد ازدواج باقی رہے گا' خواہ یہ بات مباشرت کے بعد ہوئی ہو یا مباشرت سے پہلے ہوئی ہو۔

اگر کسی غیر مسلم عورت کی شادی اس کے ہم مذہب (نابالغ) بچے سے ہوگئی اور اس بچے کا باپ مسلمان ہو گیا اور وہ عورت بھی اس بچے کے باپ کے ساتھ مسلمان ہوگئی تو اس نکاح کے بارے میں اختلاف ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وہ عقد جو اس عورت کا غیر مسلم نابالغ کے ساتھ ہوا تھا وہ فسخ ہو جائے گا کیوں کہ نابالغ (خاوند) اپنے باپ کے مسلمان ہونے پر یعنی اس عورت کے بعد مسلمان مانا گیا۔ اور حنفیہ فسخ نکاح کی توجیہ یوں کرتے ہیں کہ وہ عورت اس بچے کے باپ کے

Marfat.com

ساتھ مسلمان ہوئی لہٰذا وہ اپنے خاوند (بچے) سے پہلے مسلمان ہوئی اور ہنوز مباشرت نہ ہوئی تھی لہٰذا اس کا پہلے مسلمان ہو جانا علیحدگی کا موجب ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ عورت (اس کے خاوند) بچے کے باپ کے مسلمان ہو جانے کے بعد مسلمان ہوئی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ زوجیت کا برقرار رہنا اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ دونوں (میاں بیوی) بیک وقت مسلمان ہوں۔ یعنی ان کے اسلام لانے میں آگے پیچھے کا کچھ بھی فرق نہ رہا ہو اور اس صورت میں دونوں کا ایک ساتھ مسلمان ہونا ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ دونوں کے اسلام لانے میں آگے پیچھے کا فرق ضرور ہوگا۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر وہ عورت بچہ کے باپ کے ساتھ مسلمان ہوئی تو اس کا نکاح باقی رہے گا کیوں کہ بچے کے مسلمان ہونے کا انحصار باپ کے مسلمان ہونے پر جو ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ باپ کے مسلمان ہونے کا وقت بیٹے کے اسلام سے پہلے تھا۔ شارع علیہ السلام نے باپ کے اقرار اسلام کو بیک وقت اس کے کمسن بچے کا اسلام لانا قرار دیا ہے لہٰذا بیوی جو (اپنے خاوند) نابالغ کے باپ کے ساتھ مسلمان ہوئی تو ان دونوں میاں بیوی کا ایک ساتھ ہی مسلمان ہونا ہوا۔ ہاں عقل (یا منطق) کی رو سے باپ کا اسلام بیٹے کے اسلام سے پہلے ہے کیوں کہ باپ کا اسلام بیٹے کے اسلام کی علت ہے اور علت عقلاً معلول پر مقدم ہوتی ہے۔ لیکن اس منطقی تقدم کا کوئی لحاظ اس مسئلہ میں نہیں کیا جائے گا۔ پہلے نظریہ کے درست ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علت (یا سبب) اگرچہ باعتبار زمانہ معلول (مسبب) کے ساتھ (وابستہ) ہوتا ہے لیکن شرعاً بچے کو اس وقت تک مسلمان نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ باپ کو مسلمان نہ کہا جائے۔ یہ دونوں باتیں ٹھیک ہیں لیکن پہلا خیال زیادہ قوی ہے کیوں کہ اس مسئلہ کا مقصد یہ ہے کہ بیوی کو ان دونوں (باپ بیٹوں) کے ساتھ بیک وقت مسلمان ہونے کی بابت فیصلہ کیا جائے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ باپ کا کلمہ شہادت ادا کرنا اس کے اور اس کے بیٹے دونوں کے (مسلمان ہونے کو) کافی ہے لہٰذا یہ اقرار دونوں کی طرف سے ہوا اور جب یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ عورت نے کلمۂ شہادت بچے کے باپ کے ساتھ ادا کیا تو وہ بھی بلا اختلاف ان کے ساتھ ہی مسلمان ہوئی اور یہ امر کہ بیٹے کے مسلمان ہونے کا فیصلہ باپ کا اسلام ثابت ہونے کے بعد ہی ہوگا اس سے اس (فیصلہ) پر کوئی اثر نہیں پڑتا جیسا کہ ظاہر ہے۔

یہ مسئلہ پہلی صورت کا ہے (جب کہ وہ عورت بچے کے باپ کے ساتھ مسلمان ہوئی ہو) لیکن دوسری صورت جب کہ عورت اپنے نابالغ خاوند کے مسلمان ہونے کے بعد مسلمان ہوئی اس صورت حال کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر وہ عورت (اس بچے کے) باپ کے مسلمان ہونے کے معاً بعد مسلمان ہوئی اور ادھر یہ قرار پایا ہے کہ بچے کا مسلمان ہونا باپ کے مسلمان ہونے کے بعد ہوا جیسا کہ پہلی رائے تھی تو اس صورت میں بیوی کا اسلام لانا بھی اس کے نابالغ خاوند کے مسلمان ہونے کے ساتھ ہوا کیوں کہ دونوں ہی (بچہ کے) باپ کے مسلمان ہونے کے بعد مسلمان ہوئے۔ اور یہی اصل مقصد ہے (کہ عقد کو برقرار رکھنے کے لئے دونوں کا بیک وقت مسلمان ہونا ثابت ہو)۔ لیکن اس کا بھی جواب یہ ہے کہ بچے کا اسلام حکمی ہے جو شارع کے فیصلے کے مطابق اس کے باپ کے مسلمان ہو جانے کا نتیجہ ہے اور عورت کا اسلام اقراری ہے اور حکمی اسلام اقراری اسلام پر مقدم ہے کیوں کہ حکمی اسلام کے لئے عبارت (یا اقرار) کی ضرورت نہیں ہے

Marfat.com

بخلاف قولی کے (کہ وہ زبان سے اقرار) کیے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔

واضح ہو کہ یہ سب جانتے ہیں کہ ایسی صورت حال بہت کم وقوع پذیر ہوتی ہے لیکن ان مسائل کے بیان کرنے سے مصنف کا مقصد یہ ہے کہ ان مسائل میں جو حکمت ہے وہ بتا دی جائے تا کہ دوسرے مسائل میں اس سے فائدہ اٹھایا جائے اور اس سے یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ متقدمین نے فقہی مسائل واحکامات میں کس قدر جستجو کی ہے نیز بیشتر مسائل کی تفصیل میں بھی مولف کتاب کے پیش نظر یہی بات رہی ہے۔

اگر کسی شخص نے مسلمان ہونے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور بغیر حلالہ کیے پھر اسی سے نکاح کر لیا اور اس بارے میں وہ مسلمانوں سے فیصلہ کے طالب ہوئے اور یا مسلمان ہو گئے تو ان میں علیحدگی کرا دی جائے گی۔ لیکن اگر حلالہ کے بعد (یعنی طلاق کے بعد وہ عورت کسی اور کی زوجیت میں رہی اور اس نے بھی چھوڑ دیا تب اس شخص نے) دوبارہ اس سے عقد کر لیا تو (بحالیٔ زوجیت کے لیے) کافی ہے۔

اگر کوئی غیر مسلم مسلمان ہو جائے درآنحالیکہ اس کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں تو اس میں چند صورتیں پیش آ سکتی ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ اس کی تمام بیویاں اس کے ساتھ بیک وقت مسلمان ہو جائیں۔ ایسی صورت میں اس شخص کو اختیار ہوگا کہ ان میں سے چار بیویوں کو اپنی زوجیت میں برقرار رکھے اور باقی کو چھوڑ دے۔ خواہ ان کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو اور اسے یہ اختیار ہے کہ جن چار بیویوں کو اختیار کیا ہے ان میں اخیر والیوں کو شامل کرے اگرچہ وہ پانچویں یا چھٹی ہو۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اخیر والیوں کا عقد باطل ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس شخص کی تمام بیویاں اس کے مسلمان ہونے سے پہلے مسلمان ہو جائیں یا اس شخص کے مسلمان ہونے کے بعد اسلام لے آئیں ایسی حالت میں یہ دیکھا جائے گا کہ ان عورتوں کی عدت اس شخص کے مسلمان ہونے یا ان عورتوں کے مسلمان ہونے سے پہلے ختم ہو گئی یا نہیں ہوئی؟ اگر ان کی عدت کے دن پورے ہو گئے تو ان سب کے عقد ٹوٹ جائیں گے بصورت دیگر اس شخص کو ان میں سے چار بیویوں کو زوجیت میں رکھ لینے کا اختیار ہوگا جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص مسلمان ہو جائے اور اس کی بیویوں کی تعداد چار سے زیادہ ہو اور وہ سب کتابیہ ہوں تو ایسی حالت میں اس شخص کو ان میں سے چار بیویوں کے بارے میں اختیار ہوگا (کہ ان میں سے جن چار بیویوں کو چاہے اپنے ازدواج میں رکھے) خواہ وہ سب مسلمان ہو جائیں۔ اس واسطے کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ مسلمان کا عقد کتابیہ عورتوں کے ساتھ جائز ہے درآنحالیکہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ ان میں سے صرف چار مسلمان ہو جائیں اور ہنوز ان سے مقاربت نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں وہ چار عورتیں جو مسلمان ہوئیں ان کا نکاح برقرار رہے گا اور ان کے سوا جو بیویاں ہیں ان کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اگرچہ اس کے بعد وہ بیویاں بھی مسلمان ہو جائیں جو ان چار کے علاوہ تھیں۔ کیوں کہ وہ مباشرت سے پہلے اور خاوند کے مسلمان ہونے کے بعد اسلام لائیں۔ لہٰذا ان میں اسی وقت علیحدگی ہو جائے گی۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ اس کی بیویوں میں سے صرف چار بیویاں اس کے ساتھ مسلمان ہوئیں یا اس سے پہلے

Marfat.com

مسلمان ہوئیں اور یا بعد میں ہوئی ہوں لیکن ایام عدت میں ہوں اس کے بعد بقیہ بیویاں بھی جو چار کے علاوہ تھیں عدت گزار کر مسلمان ہو گئیں۔ ایسی صورت میں صرف وہی چار بیویاں زوجیت میں رہ سکتی ہیں جو مسلمان ہوئیں ان کے علاوہ دوسری بیویوں کا عقد فسخ ہو جائے گا۔ لیکن اگر چار سے زیادہ بیویاں بھی عدت گزرنے سے پہلے مسلمان ہو گئیں تو زوجیت میں رکھنا صرف ان چار موقوف نہ رہے گا بلکہ خاوند کو حق ہوگا کہ ان تمام بیویوں میں سے چار کو اختیار کر لے۔ اسی طرح اگر خاوند تمام بیویوں کے ایام عدت گزرنے سے پہلے یا بعد میں مسلمان ہوا تب بھی یہی حکم ہے (کہ ان میں سے چار کو زوجیت میں رکھنے کا خاوند کو اختیار ہے)۔

جاننا چاہئے کہ اختیار یا تو نکاح برقرار رکھنے کا ہوگا یا فسخ نکاح کا ہوگا اور اقرار نکاح کی عبارت کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو صراحۃً نکاح کے مفہوم پر دلالت کرتی ہیں یا کنایۃً اس سے نکاح کے معنی نکلتے ہیں۔ اس بارے میں صریح عبارت وہ ہے جس میں نکاح کا لفظ استعمال ہوا ہو مثلاً (عورت سے) یوں کہنا کہ میں نے تم کو نکاح میں رکھنا پسند کیا یا یہ کہ تمہارے نکاح کو برقرار رکھا اور جس سے کنایۃً (اشارۃً) نکاح کا مفہوم نکلتا ہے وہ ہے جس میں لفظ نکاح نہ استعمال کیا گیا ہو مثلاً یہ کہنا کہ میں نے تم کو اختیار (یا پسند) کیا یا برقرار رکھا۔ یہ عبارت اشارۃً نکاح کے قائم رکھنے پر دلالت کرتی ہے اور جس طرح یہ کہنے سے کہ میں نے اختیار کیا یا برقرار رکھا سے نکاح کا مفہوم نکلتا ہے اسی طرح اور بھی باتیں جن سے نکاح ثابت ہوتا ہے۔ ان مین سے ایک بات یہ بھی کہنا ہے کہ میں نے تمہیں روک لیا۔ لہٰذا اگر یوں کہا کہ میں نے تمہیں روک لیا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تم کو زوجیت میں لے لیا ہے۔ دوسرے الفاظ طلاق بھی خواہ صراحۃً ہوں یا کنایۃً نکاح پر دلالت کرتے ہیں۔ طلاق کے الفاظ سے نکاح کا مفہوم نکلنے کے یہ معنی ہیں کہ اگر وہ شخص اپنی بیویوں میں سے کسی کو طلاق دے تو اس کے ضمن میں یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اس نے پہلے اس کے ساتھ نکاح اختیار کیا ہو کیوں کہ اگر پہلے نکاح نہ مانا جائے تو طلاق کا لفظ صادق نہیں آسکتا لہٰذا اس کے معنے ہوئے کہ میں نے تمہارے ساتھ نکاح کو برقرار رکھا اور پھر طلاق دی۔ اسی طرح اگر اس نے اپنی چار بیویوں کو طلاق دی تو گویا اس نے بیویوں کو شرعاً مقررہ تعداد کو ملحوظ رکھ کر انہیں اپنے نکاح میں تسلیم کیا اور پھر طلاق دے دی اور باقی عورتوں کا عقد شرعاً فسخ ہو گیا۔ لہٰذا اس کے بعد کسی بیوی سے بھی اس کا تعلق نہ رہے گا۔ تیسرا لفظ فراق ہے لیکن اس لفظ سے اختیار نکاح کا مفہوم مترشح نہ ہوگا تا آنکہ اس شخص نے اس سے طلاق مراد نہ لی ہو کیوں کہ فراق (یا علیحدگی) طلاق اور نکاح دونوں طرح کی علیحدگی میں مشترک ہے۔ پس اگر اس لفظ سے طلاق مراد لی جائے تب ہی اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اس شخص نے اس عورت کو نکاح میں رکھنا پسند کیا پھر طلاق دے دی لیکن اگر اس لفظ سے اس نے فسخ نکاح مراد لیا تو اس کے یہ معنے ہیں کہ ایسی شے فسخ ہوئی جس کا وجود ہی نہ تھا۔ کیوں کہ فسخ اس شے کو کیا جاتا ہے جس کا وجود بطور فاسد ثابت ہو (چونکہ نکاح فاسد ثابت نہ تھا لہٰذا فسخ کا لفظ صادق نہیں آتا)۔

واضح ہو کہ (اس مسئلہ میں) مباشرت کرنے کو اختیار نکاح قرار دینا درست نہیں ہے۔ گو مالکیہ اور حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے۔ کیوں کہ اختیار یا تو نکاح کرنے کا ہوتا (جب کہ پہلے نکاح نہ تھا اور) اب وہ اپنے اختیار سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور یا یہ اختیار پہلے نکاح کو برقرار رکھنے کے بارے میں ہوگا اور یہ دونوں قسم کے اختیار کسی ایسے فعل کے انجام دینے سے نہیں ہو پاتے جو معاملات بیع میں تعاطی (یعنی لینے دینے) کے مشابہ ہیں (یعنی بیع کے معاملہ میں مال فروخت اٹھا کر اس

Marfat.com

کی قیمت ادا کر دی جائے اور زبان سے کچھ نہ کہا جائے تب بھی عقد بیع ہو جائے گا) بلکہ اختیار کی دونوں صورتوں میں ایسی بات کہنی پڑتی ہے جس سے اختیار ثابت ہو۔ خواہ حقیقی طور پر ہو مثلاً یہ کہنا کہ میں نے اختیار کیا' یا ضمنی طور پر جیسے 'میں نے طلاق دی' اسی طرح ''ظہار'' اور ''ایلاء'' سے بھی اختیار کو کام میں لانا ثابت نہیں ہوتا مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے اور حنابلہ اس سے متفق ہیں لیکن حنیفہ کی تفصیل اس بارے میں کچھ اور ہے وہ ان دونوں سے مختلف ہے۔ وہاں پر ملاحظہ کیا جائے۔

اب یہ سوال ہے کہ آیا (خاوند کا) اپنے اختیار کو کام میں لانا (یعنی یہ فیصلہ کرنا کہ کس بیوی کو رکھنا اور کسے چھوڑنا ہے) فوری طور پر واجب ہے یا اس میں تاخیر کی جا سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تو فوراً ہونا چاہئے پھر جب کہ مقررہ تعداد کے متعین کرنے کے بارے میں فیصلہ کرنا ہو اور خاوند اس کے تعین کے بارے میں مہلت طلب کرے تو اسے تین دن کی مہلت دینا واجب ہے اور اسے تعین پر مجبور کیا جائے گا (کہ کس کو رکھنا چاہتا ہے اور کس کو چھوڑنا چاہتا ہے) اگر وہ ایسا نہ کرے تو اسے قید کر کے مجبور کیا جائے گا۔ اگر پھر بھی عمل نہ کرے تو سزائے ضرب دی جائے گی۔

اس بارے میں یہ شرط ہے کہ اپنے اختیار کو کام میں لانے والا عاقل و بالغ ہو' بصورت دیگر اس معاملہ کو ملتوی رکھا جائے گا۔ اس کے ولی کو اس میں اختیار حاصل نہیں ہے۔ حنابلہ کو اس سے اتفاق ہے بخلاف مالکیہ کے کہ ولی کو اس بارے میں اختیار دینا درست سمجھتے ہیں۔

علیحدگی کے بعد عدت کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوگا جب کہ عورت مسلمان ہوئی یا خاوند مسلمان ہوا جب کہ خاوند بیوی کے مسلمان ہونے سے پہلے مسلمان ہو گیا ہو۔ کیوں کہ علیحدگی کا موجب مسلمان ہونا ہے۔

واضح ہو کہ اگر کوئی (غیر مسلم) ایک ماں اور اس کی بیٹی زوجیت میں لائے اور پھر وہ شخص مسلمان ہو جائے تو اب اگر اس شخص نے ان دونوں سے مباشرت کر لی ہے تو وہ دونوں ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جائیں گی اور ان کے مابین علیحدگی کرا دی جائے گی اگر صرف ماں سے مباشرت ہوئی تب بھی دونوں ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو گئیں۔ اگر ان میں سے کسی کے مباشرت نہیں ہوئی تو صرف ماں حرام ہوگی بیٹی حرام نہ ہوگی اسی طرح اگر بیٹی سے مباشرت ہوئی اور ماں سے نہیں ہوئی تب بھی ماں حرام ہوگی بیٹی نہ ہوگی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب کے عقد نکاح کے بارے میں جو مسلمانوں کی شرائط نکاح کے مطابق انجام پائے' علماء مالکیہ کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وہ نکاح فاسد ہے کیوں کہ نکاح کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے۔ لہٰذا اگر زوجین کافر ہیں تو ان کا عقد ازدواج بھی فاسد ہے اگرچہ شرائط نکاح یعنی گواہ' ولی' ایجاب وقبول اور تعین مہر سب کچھ ہو اور کوئی امر مانع نکاح موجود نہ ہو۔ یہی مشہور ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر صحت نکاح کی یہ شرائط پوری ہو جائیں تو ان کا عقد شریعت کی رو سے بھی صحیح مانا جائے گا۔ رہا صحت عقد کے لئے خاوند کے مسلمان ہونے کی شرط اس حال میں ہے جب کہ بیوی مسلمان ہو (یعنی مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم سے نہیں ہو سکتا) لیکن اگر بیوی مسلمان نہ ہو تو خاوند کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے (یعنی غیر مسلمہ کا عقد نکاح غیر مسلم سے ہو سکتا ہے) اور یہ ظاہر ہے۔ اس توجیہہ کے ساتھ اس مسئلہ میں اماموں کے درمیان اختلاف نہ رہے گا۔ کیوں کہ حنفیہ' شافعیہ اور حنابلہ ان کے عقدوں کو جو ہمارے مراسم عقد کے موافق ہوں صحیح قرار دیتے ہیں۔

Marfat.com

واضح ہو کہ حنفیہ نے مالکیہ کے پہلے قول کو بیان کر کے (جس میں غیر مسلموں کے نکاح کو فاسد بتایا گیا ہے) اس قول کے خلاف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے "وامراتہ حمالة الحطب" (یعنی ابولہب کی عورت جو لکڑی ڈھوتی ہے) اگر ابولہب اور حمالة الحطب کے مابین رشتہ زوجیت درست نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی عورت نہ فرماتا۔ ایک شخص کی عورت عرف عام اور لغت کی رو سے اس کی بیوی ہوتی۔

نیز حنفیہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں:

خرجت من نکاح و لم اخرج من سفاح (یعنی میں نکاح کی اولاد ہوں گناہ کی اولاد نہیں ہوں) لیکن پہلی دلیل ہی اس جزئیہ کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ اب درآنحالیکہ اس بارے میں جو قول صحیح ہے وہ مالکیہ کے نزدیک دوسرے ائمہ فقہاء کے اقوال کے مطابق ہے تو ایسا کوئی اختلاف نہیں ہے جس کی تردید ضروری ہو۔ رہی دوسری دلیل سو وہ نہیں چل سکتی اس لئے کہ یہاں پر یہ توجیہ کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ ان کے باپ دادا اگرچہ مشرکوں میں تھے ان کا نکاح درست تھا اور گناہ نہ تھا۔ بایں جہت وہ اسلامی قواعد کے مطابق تھا اور نہ وہ عہد جاہلیت کے گناہ میں سے ہوتا۔ لیکن یہ توجیہہ درست نہیں ہے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد مسلمان تھے مشرک نہ تھے۔ وہ شریعت ابراہیمی کے مطابق اللہ کی عبادت کرتے تھے اور یہ قول محض رافضیوں سے منقول نہیں ہے جیسا کہ ابوحیان نے اپنی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد "و تقلبک فی الساجدین" (یعنی نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخاست کو دیکھنا ہے) کے تحت درج فرمایا ہے۔ اگر بالفرض یہ روایت صرف ان ہی سے منقول ہو تب بھی اصل موضوع کے خلاف نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کی تائید عقل اور صحیح منطق سے ہوتی ہے۔ مزید براں یہ قول بکثرت مورخین و شارحین حدیث اور مفسرین سے تحت آیت "و اذ قال ابراھیم لابیه" (یعنی جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا) مذکور ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جن سے ابراہیمؑ نے خطاب کیا وہ آپ کے چچا تھا (حقیقی باپ نہ تھے) کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد تمام موحد تھے البتہ بعض اصحاب سے یہ منقول ہے کہ حضرت ابراہیم کے باپ توحید پر قائم رہتے ہوئے اپنی قوم کے بعض دوسرے رسم و رواج سے متاثر تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ابراہیمی شریعت سے لوگ بیگانہ تھے اگر اس سے واقف ہوتے تو اس کے اصول و فروع کو اختیار کر لیتے۔

اس خیال کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتا ہوا عبداللہ اور حضرت آمنہ تک پہنچا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بصراحت ارشاد فرمایا ہے کہ مشرک نجس ہے "انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام" (یعنی مشرک لوگ نجس ہیں وہ مسجد حرام کے قریب نہ آئیں) تو کیونکر ممکن ہے کہ نور نبوت ایسی پشتوں میں منتقل ہو جو سور کی طرح ناپاک ہیں۔ ایسا ہونا بالکل بعید از قیاس ہے۔

اس بارے میں بعض اصحاب پر تعجب ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ماں باپ کا انتقال حالت کفر میں ہوا ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت آمنہ کے اردگرد ملائکہ کرام کا ہجوم رہتا تھا اور عبداللہ کی پیشانی سے نور نبوت چمکتا دکھائی دیتا تھا وغیرہ۔ اب کیا ناپاک مشرک ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کے گرد ملائکہ کا ہجوم اور ارواح طیبہ سے اس کا رابطہ رہے۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات ان کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے والدین کو زندہ کیا تب وہ ایمان لائے پھر اس کے بعد وفات پا گئے۔ ایسی بات کہنے والے یہ بھول گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ ان کی زندگی ہی

Marfat.com

میں توحید الٰہی کی جانب ہدایت فرما دیتا جس طرح اس نے زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ کی ہدایت فرمائی۔ درحقیقت اسی نور نبوت کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے والدین کو بتوں کو پرستش سے محفوظ رکھا جو تمام اقصائے عالم پر چمکا اور جس نے اندھیرا دور کر کے اجالا پھیلایا۔ آیا قدرت الٰہی کے پیش نظر ان دونوں صورتوں میں سے کون سی قرین قیاس ہے؟ وفات سے پہلے ہی اللہ کا ہدایت فرمانا یا محض ایمان لانے کے لئے دوبارہ زندہ کرنا اور پھر وفات دے دینا۔ علاوہ اس کے موت کے اور مشاہدہ (احوال بعد الموت) کے بعد ایمان لانے کے کچھ معنی ہی نہیں۔ جب موت آ جائے تو ایمان لانا بے فائدہ ہو جاتا ہے درآنحالیکہ انسان عذاب الٰہی کو دیکھ لے اور موت کے بعد کے واقعات پر یقین ہو جائے۔

اگر کہیں کہ یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معجزہ کا ظہور ضرورت کے وقت ہوتا ہے اور یہاں اس کی کیا ضرورت تھی۔ جبکہ اللہ کے لئے ان کی مغفرت کر دینا کافی تھا بغیر اس کے کہ نظم کائنات میں کوئی تبدیلی لائی جائے۔ یہ باتیں (جو کہی جاتی ہیں) ایسی ہیں کہ علمی کتابوں میں نہ ان کا ذکر ہونا چاہئے اور نہ اس میں کوئی الجھن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اجداد نبی ﷺ تمام کے تمام موحد تھے۔ اور بعض اصحاب جو کہتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کی بعض عادتوں کے زیر اثر تھے مشرک مطلق نہ تھے اس کی بابت اس روایت کو دیکھنا چاہئے جو حضور کے دادا عبدالمطلب کے متعلق بیان کی جاتی ہے کہ اصحاب فیل کے شر سے پناہ مانگتے ہوئے حضور الٰہی میں یوں التجا فرماتے ہیں:

لا ھم ان المرء یمنع رحلہ فامنع رحالک

وانصر علی آل الصلیب و عابدیہ الیوم آلک

یعنی ”بارالٰہا ہر شخص اپنے گھر کا تحفظ کرتا ہے تو تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما اور صلیب کے فرزندوں اور اس کے پرستاروں کے خلاف اپنے فرزندوں پر نصرت بھیج“ اب کیا یہ کلام کسی بت پرست مورتی کے پجاری کا ہے یا کسی سچے موحد کا ہے؟

اس قسم کے شبہات دو باتوں سے پیدا ہوتے ہیں' ایک تو وہ روایت ہے جو امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین کی وفات حالت کفر میں ہوئی دوسری مسلم کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک اعرابی (دیہاتی) سے جس نے اپنے باپ کے بارے میں سوال کیا تھا فرمایا کہ ”ان ابی و اباک فی النار“ (یعنی تیرا باپ اور میرا باپ دوزخ میں ہیں)۔

امام ابوحنیفہؒ کے قول سے یہ مطلب نکالنے والے وہ لوگ ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ اہل فترت (دو پیغمبروں کے درمیانی عرصہ کے لوگ) جنہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ان کی نجات نہیں ہے۔ ان پر لازم تھا کہ اپنی عقلوں سے کام لے کر توحید پر قائم ہوتے کیوں کہ اللہ کی معرفت عقل سے ہوتی ہے شرع سے نہیں۔ لہٰذا اہل فترت (درمیانی عرصہ کے لوگ) جو موحد نہیں ہیں وہ بھی دوسرے مشرکین کی طرح ہیں جن میں نبی آئے۔

بظاہر اس مسئلہ کے دائرہ تنقیح میں دو امور آتے ہیں ایک تو یہ کہ آیا اہل فترت کی نجات ہے؟ دوسرے یہ کہ آیا اجداد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا موحد ہونا ثابت ہے یا نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو کس طرح؟

ظاہر ہے کہ امر اول اعتقادی ہے اور یہ معلوم ہے کہ کوئی عقیدہ جب تک کسی عقلی یا نقلی دلیل سے ثابت نہ ہو قائم نہیں ہو سکتا۔ رہا دوسرا امر سو اس کا انحصار تاریخی حقائق پر ہے۔

Marfat.com

اب اس امر کے دلائل کہ اہل فترت نجات یافتہ ہیں مولف (متن) کے نزدیک قطعی ہیں۔اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:"ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا "(یعنی ہم کسی پر عذاب نازل نہیں کرتے جب تک کہ پہلے ان لوگوں میں کوئی رسول نہیں بھیجیں) یہاں رسول سے عقل مراد لینا اس کے ظاہری مفہوم سے بلاوجہ انحراف کرنا ہے۔خالی لفظ رسول کے معنے اصطلاح شرع میں ہیں"وہ انسان جس پر (اللہ کی طرف سے) وحی شریعت نازل ہوا اور لوگوں تک پہنچانے کا اسے حکم دیا جائے اور قرآن میں شروع سے آخر تک یہی کچھ ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے"لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل" (یعنی اس لئے کہ رسولوں کے آنے کے بعد کوئی عذر اللہ کے سامنے نہ رہے)"و ارسلنا رسلنا تتریٰ" (یعنی ہم متواتر رسول بھیجتے رہے)۔"جاء تھم رسلھم "(یعنی لوگوں کے پیغمبران میں آئے) "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ "(یعنی ہم نے کوئی رسول اس کی اپنی قومی زبان کے سوا اور کسی زبان میں نہیں بھیجا) پس اگر وہ اصحاب قرآن میں لفظ رسول کے معنے اس کے سوا کچھ اور پیش کر سکتے ہیں تب بھی کوئی بات تھی۔یہی معنی معقول اور خلق خدا میں سنت اللہ کے عین مطابق ہیں۔غرض اللہ تعالیٰ آغاز آفرینش سے اسی طرح پیغمبروں کو بھیجتا رہا یہاں تک کہ مقصد رسالت پورا ہو گیا اور رسولوں کا آنا شریعت اسلامیہ پر ختم ہو گیا جسے کوئی زوال نہں ہے۔بلکہ شریعت اسلامیہ کو ایک ایسی خصوصیت عطا فرمائی کہ زمانہ جس قدر ترقی کرتا جائے گا اس میں بھی ترقی اور برتری ہوتی جائے گی۔یہ کہنا دانشمندی سے بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو صرف شریعت کے فروعی احکام اور احوال آخرت سے آگاہ کرنے کے لئے بھیجا ہے باقی خدائے واحد کی معرفت جو ایسی ہر بات سے پاک ہے جو الوہیت کے منافی ہو سو وہ فطری طور پر ہر انسان کے لئے واجب ہے لہٰذا ہر شخص پر فرض ہے کہ (خود ہی) رسولوں کی ہدایت کے بغیر اس پر ایمان لائے ورنہ مستوجب عذاب ہوگا۔یہ بات تو ایسی ہے جو حقیقت قطعیہ کے سراسر خلاف ہے۔کیوں کہ سب سے پہلی بات جس کو رسولوں نے سب سے زیادہ اہمیت دی وہ اللہ تعالیٰ کی توحید ہے۔بلکہ ان کی تمام تر توجہ توحید الٰہی پر مرکوز رہی ہے۔اگر اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو اپنی مخفی اور اثر انداز قوتوں سے جو تمام انسانی قوتوں سے بالاتر ہیں بہرہ مند نہ فرماتا تو روئے زمین پر ایک موحد بھی نہ ہوتا یہ اور بات ہے کہ اللہ کی قدرت سے دنیا شاذونادر ہی ایسے اصحاب بھی ہیں جو نمایاں ذکاوت و دانشوری کے مالک ہیں مثلاً زید بن عمر بن نفیل۔فس ابن ساعدہ اور دنیا کے عظیم فلسفی لیکن انہیں انگلیوں پر شمار کیا جاتا ہے۔اب کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کی فطری صلاحیت سے آگاہ ہے پیغمبروں کے بھیجے بغیر ہی توحید الٰہی پر ایمان لانے کی ذمہ داری ان پر ڈال دے۔اس کے تو یہ معنی ہوں گے کہ وہ خلق خدا کے چند افراد پر اپنی مہربانیوں کو محدود کر دینا چاہتا ہے اور باقی تمام اشخاص کو عذاب میں ڈال دے گا۔اس طرح اپنے بندوں پر اس کا رحم و کرم کہاں رہا اور اس کا یہ ارشاد کہاں گیا کہ"ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا "(یعنی ہم جب تک رسول نہ بھیج لیں عذاب نازل نہیں کرتے) پھر اس کا یہ ارشاد ہے کہ "لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل"(یعنی رسولوں کا بھیجنا اس لئے ہے کہ اس کے بعد لوگوں کو اللہ کے سامنے کوئی بہانہ نہ رہے)۔آخر اس دوسری آیت میں توحید کے سوا اور کیا خاص بات ہے جو اللہ نے بیان فرمائی؟ اس نے تو یہ فرمایا ہے کہ رسول نہ بھیجے جاتے تو لوگوں کو بہانہ پیش کرنے کا موقع مل جاتا۔خواہ عقیدہ کے بارے میں ہے یا کسی اور بارے میں یہ دیکھئے کہ تمام پیغمبروں کا موقف توحید کے علاوہ اور کچھ نہ

Marfat.com

تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام محمد علیہ السلام لوط علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام وغیرہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوموں کو معبود (برحق) کی معرفت اور توحید کے سوا کسی اور بات پر اصرار نہیں کیا' ان کی تمام کوششیں وحدانیت حق و معرفت الٰہی کی تبلیغ کے سوا نہ تھیں۔ قرآن حکیم پر ایک نظر ڈالنے ہی سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ بت پرستی (یا شرک) کے خلاف مجاہدہ کا کس قدر حامی ہے۔ تمام قرآن وجود باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت کی آفاقی دلائل' روایات تاریخی اور براہین قاطعہ سے بھرا پڑا ہے' ان تمام باتوں کے باوجود لوگ اس کے خلاف عداوت اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے اور ہستی باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت کو نہ جانا۔ تو کیا ایسے اشخاص کے لئے محض ان کی عقلیں معرفت الٰہی کے لئے کافی تھیں؟

واضح ہو کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جو اس قسم کے لوگوں سے خالی ہو لہٰذا یہ نظریہ کہ انبیاء کی رہنمائی کے بغیر ہی معرفت الٰہی کے لئے عقل کافی ہے بلا استثناء تمام مخلوقات کی طبعی صلاحیت کے منافی ہے۔ ورنہ اس کے سوا کیا کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ انہیں عذاب میں ڈال دے اور اپنی عنایتوں کو صرف اس قدر قلیل افراد کے لئے مخصوص کر دے جنہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بالاتر ہے کہ ہدایت اور راستی کا طریقہ بتائے بغیر اپنے بندوں پر عذاب نازل فرمائے۔

غرض حقیقت یہ ہے کہ اہل فترت (یعنی وہ اقوام جو پیغمبروں کے درمیانی عہد کی ہیں) نجات کی مستحق ہیں اگرچہ وہ (راہ راست سے) ہٹی ہوئی اور بتوں کی پرستار ہوں۔ جیسا کہ اشاعرہ' مالکیہ اور حنفیہ کے بعض اہل تحقیق مثلاً کمال بن الہمام کہتے ہیں۔ علاوہ اس کے ماتریدیہ میں بھی اندریں باب اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اہل فترت ناجی ہیں اور بعض نے شرط عائد کی ہے کہ نجات ان کی ہوگی جنہیں اتنی مہلت ملی ہو کہ اس کے بارے میں غور و فکر کر سکے ہوں اور غور کے بعد شرک کی حالت میں نہ مرے ہوں۔ اور چونکہ ماتریدی اور حنفی (اس باب میں) ایک ہی جیسے ہیں اس لئے بعض اصحاب حنفیہ نے بعض ماتریدیہ کے اس خیال کی کہ اہل فترت ناجی ہیں یوں تاویل کی ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بحالت شرک نہ مرے ہوں۔ لیکن یہ بے معنی بات ہے کیوں کہ مسئلہ یہ ہے کہ اہل فترت شرک کی حالت میں وفات پا جائیں تو ان کی نجات ہوگی اگر موحد ہوں اور وفات پا جائیں تو ایسی حالت میں (ان کے نجات یافتہ ہونے میں) کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ پس ماتریدیہ میں سے جس نے بھی اہل فترت کو ناجی کہا اس سے مراد اس کے سوا نہیں کہ وہ شرک کی حالت میں مر جائیں تو ان کی نجات ہوگی۔ ورنہ یہ بات مضحکہ خیز ہو کر رہ جائے گی۔ کیوں کہ تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ جس شخص کی تمام عمر شرک میں بسر ہوئی ہو اگر خلوص قلب کے ساتھ اس بات کا اقرار کر لے کہ لا الہ الا اللہ (یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) تو وہ جنتی ہوگا۔

واضح ہو کہ علمائے حنفی میں سے بعض اصحاب نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کہ "ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" (یعنی ہم جب تک رسول نہ بھیجیں کسی پر عذاب نازل نہیں کرتے) کی ایک اور طرح سے تاویل کی ہے کہ "اس آیت میں عذاب سے مراد دنیا کا عذاب استیصال (یعنی جڑ سے اکھاڑ دینے والا ہے۔ جسے عذاب جارب کہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ دنیا میں کسی قوم کو ہلاک نہیں کرتا سوا اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اس قوم میں بھیجے اور وہ لوگ اس کی

Marfat.com

تصدیق نہ کریں اوران پر ستم ڈھائیں۔اسی صورت میں اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں ہلاک کرتا رہا ہے۔رہا عذاب آخرت سووہ اس پر نازل ہوگا جو حالت شرک میں مرجائے گو اس قوم میں کوئی رسول نہ آیا ہو'۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت اس کے خلاف صحیح راستہ پر دلالت کرتی ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ من اهتدی فانما یهتدی لنفسه و من ضل فانما یضل علیها ،ولا تزر وازرة وزر اخری ،و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً (یعنی جس نے راہ ہدایت اختیار کی اس کا صلہ اس کو ملے گا اور جو گمراہی میں پڑا تو یہ اس کے لئے ضرر رساں ہے۔کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔اور ہم جب تک کوئی پیغمبر نہ بھیج لیں کسی پر عذاب نازل نہیں کرتے) غرض اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی ہدایت اور ضلالت کا انحصار اس کی ذات پر رکھا ہے۔پس جو شخص راہ ہدایت پر چل کر فائدہ اٹھاتا ہے اور یا جو شخص گمراہ ہوکر نقصان پاتا ہے وہ اس کی اکیلی ذات تک محدود ہے۔ایسی صورت میں سوال یہ ہے کہ کیا یہ بات صرف دنیا کے لئے ہے یا صرف آخرت کے لئے ہے یا دنیا وآخرت دونوں کے لئے ہے اس سے جہاں تک سمجھا جاسکتا ہے یہ ہے کہ اس (فائدہ یا نقصان) کا تعلق صرف آخرت سے ہے۔کیوں کہ لوگوں کے ہدایت پانے اور اس پر قائم رہنے کا فائدہ دنیا میں صرف اسی شخص واحد کے لئے محدود نہیں ہے۔اس کا فائدہ اولاد بیوی اور قبیلہ تک پہنچ جاتا ہے۔بلکہ تمام معاشرہ اس سے مستفید ہوتا ہے۔اور ظاہر ہے کہ اسی طرح گمراہ ہونے کا اثر محض گمراہوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ اکثر اوقات گمراہوں نے دوسروں کو بھی مصیبتوں میں ڈالا اور موت اور تباہی میں مبتلا کردیا۔گمراہوں کی خرابی ان کے اہل وعیال کی تربیت پر اثر انداز ہوتی ہے جس کے نتائج تمام معاشرے کو بھگتنے پڑتے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے یہی حال اللہ کی جانب سے ملی ہوئی نیکی اور برائی کا ہے کہ جو اچھائی بھی نیک لوگوں کو اللہ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے (اس کی بھلائی) ان کی ذات تک محدود نہیں رہتی بلکہ دوسروں پر بھی اس کا فیض عام ہوتا ہے اور احادیث صحیحہ اس مضمون سے بھری پڑی ہیں۔اسی طرح وہ خرابی جو گمراہوں کی وجہ سے نازل ہوتی ہے [illegible] ن کی ذات تک محدود نہیں رہتی۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اِتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً" (یعنی اس آفت سے ڈرو جو تم میں سے صرف ظالموں ہی پر نازل نہ ہوگی۔بلکہ سب کو لپیٹ میں لے لے گی)۔

الغرض اس جگہ پر اس کے سوا اور کچھ نہیں سمجھا جاسکتا کہ یہاں پر نفع سے ثواب آخرت اور نقصان سے عذاب آخرت مراد ہے۔اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ جو فرماتا ہے "ولا تزر وازرة وزر اخری" (یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) اس سے فائدہ یا نقصان کا وہی مخصوص ہونا مراد ہے جس کا ذکر کیا گیا۔یعنی اللہ پاک فرماتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال نیک وبد کا بدلہ پائے گا۔"فمن یعمل مثقال ذرة خیراً یره ٥ و من یعمل مثقال ذرة شراً یره" (یعنی جو شخص ذرہ بھر بھی نیکی کرے گا اس کا صلہ پائے گا اور جو ذرہ بھر بھی برائی کرے گا اس کا نتیجہ بھگتے گا) پس کسی شخص کو دوسرے کے عمل کا ثواب عطا نہ ہوگا اور نہ کوئی شخص اپنے ساتھی کے گناہ کا بوجھ اٹھائے گا۔اور یہ سب آخرت ہی میں ہوگا جس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔رہا دنیا کا معاملہ سو یہاں کی نیکیاں نیکوں کے ذریعہ دوسرے فاسقوں اور فاجروں تک کے لئے فائدہ بخش ہوں گی اور بدکرداروں کی برائی سے ان کے متعلقین کو خواہ وہ اچھے ہوں یا برے تکلیف کا سامنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو بیان فرمانے کے بعد اپنے بندوں پر اپنے احسانات ظاہر فرماتا ہے چنانچہ اس کا ارشاد ہے

Marfat.com

"ما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً" (یعنی جب تک ہم کوئی پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نازل نہیں فرماتے) پس اللہ تعالیٰ لوگوں کی گمراہیوں کے باعث ان کو نہیں پکڑے گا اور نہ آخرت میں ان کے ایسے عقیدوں اور اعمال وافعال پر جو اس کی رضا کے خلاف ہیں عذاب کرے گا جب تک کہ (ان کی ہدایت کے لئے) رسولوں کو نہ بھیج لے۔ تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ کے سامنے کوئی بہانہ نہ رہے اور انہیں یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ یہ عقیدے، اقوال وافعال تیری رضا کے خلاف ہیں۔ (بداعمالی کا) یہ بہانہ ان کے ہاتھ آجاتا اور ان کے خلاف (مستوجب عذاب ہونے کی) کوئی موثر دلیل نہ ہوتی اور یہ بھی ممکن نہیں کہ عذاب سے محفوظ رہنے کا انحصار ان کے افعال واقوال پر رکھا جائے درآنحالیکہ اس پر کوئی مستوجب عذاب نہ ہوگا لیکن اللہ کی معرفت اور اس کی توحید کے بارے میں مستوجب عذاب ہوں گے۔ اس پر مطلقاً کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے اور وہ لفظ گمراہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ مشرکوں کو بوجہ شرک کرنے اور بتوں کی پرستش کرنے کے گمراہ کہا ہے۔ باقی لوگوں کے فروعی اعمال معاملات وغیرہ سے بہت کم تعرض کیا گیا ہے۔ ان کا بیان شائستگی وتہذیب کے لئے آیا ہے۔ چنانچہ نکاح وغیرہ کے معاملات میں جو خرابیاں تھیں ان پر نظر ڈالئے: جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان امور میں سلیقہ مندی سے کام لیا جائے تو لوگوں کے مسلمان ہونے کے بعد ان کے لئے ایسی باتیں شروع فرمائیں جن کی بجاآوری میں ان کا بھلا تھا چنانچہ ان ارشادات الٰہی کو دیکھئے "ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا" (یعنی تم اپنی نوجوان لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو درآنحالیکہ وہ گھریلو زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولا تقربوا الصلوٰۃ و انتم سکاریٰ" (یعنی بحالت نشہ نماز کے قریب مت جاؤ) اسی طرح وہ آیتیں جن میں قرض، وراثت، وصیت، عدت، چار عورتوں سے زیادہ مباح نہ ہونے، روزہ، نماز اور حج کے احکامات ہیں۔ یہ سب مسلمان ہونے کے بعد کی باتیں ہیں۔ مشرکوں اور پیغمبر کے درمیان کوئی نزاع اس بارے میں نہ تھا۔ تمام جھگڑا صرف عقیدہ توحید پر مرکوز تھا۔ لہٰذا گمراہی کا جو ذکر آیت میں ہے وہ شرک اور اللہ کا قائل نہ ہونے کی گمراہی ہے اور یہی وہ گمراہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک عذاب نہیں دیا جب تک کہ کوئی رسول ان کی ہدایت کے لئے اللہ نے نہ بھیجا ہو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اب جاننا چاہئے کہ یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آنحضرت ﷺ کے آباء مشرکوں میں سے تھے بلکہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ سب موحد تھے لہٰذا وہ پاک اور مقربین الٰہی میں سے ہیں اور یہ کہنا کسی حال میں جائز نہیں ہے کہ حضور کے والدین کافر تھے بلکہ وہ لوگ جنت الفردوس کے برتر مقام پر فائز ہیں۔

اب رہی حدیث مسلم پر گفتگو سو یہ بتایا جاچکا ہے کہ مالکیہ اور اشاعرہ نے (اہل فترت کے ناجی ہونے کے بارے میں) اللہ تعالیٰ کے اس قول کو دلیل میں پیش کیا ہے۔ "ما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً" (یعنی جب تک ہم کسی قوم میں رسول نہ بھیجیں ان پر عذاب نازل نہیں کرتے) اور از روئے لغت وعرف ومحل استعمال رسول وہ انسان ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے اور اسے حکم ہوتا ہے کہ وہ اس وحی کو بندوں تک پہنچائے۔ (رسول) سے عقل مراد لینا صریحاً غلطی ہے۔ درآنحالیکہ قرآن سے کوئی بات ثابت ہو اور عقل اس کی تائید کرے۔ اب اس کے خلاف کوئی حدیث ہو تو اس کی تاویل کی جائے گی بشرطیکہ تاویل ممکن ہو۔ ورنہ اقتضائے کتاب اللہ کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

مسلم کی اس حدیث کی تاویل کرنا ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ (حدیث میں) جو لفظ 'ابی' (میرا باپ) یعنی

Marfat.com

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا 'اب' (باپ) آیا ہے اس سے مراد ابولہب (حضور کا چچا) ہے جس کی بابت قطعی طور پر قرآن میں دوزخی ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ اب لغت میں چچا کے لئے بھی لفظ ''اب'' بولا جاتا ہے اس معنی کی تائید الفاظ حدیث سے بھی ہوتی ہے وہ حدیث یوں ہے کہ ''ان رجلا قال یا رسول اللہ این ابی؟ قال فی النار. فلما قفا دعا فقال ان ابی و اباک فی النار'' (یعنی ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ! اللہ میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا دوزخ میں۔ پھر جب وہ جانے لگا اسے حضور نے بلایا اور فرمایا ''میرا 'اب' اور تیرا 'اب' دوزخ میں ہیں'') اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں سے کسی نے اپنے باپ کی بابت جو شرک کی حالت میں مر گیا تھا اور اس نے حضور کی دعوت اسلام کو قبول نہ کیا تھا۔ دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے؟ (یعنی جنت میں یا دوزخ میں؟) آنخضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے۔ اس سے اس کے چہرے پر قدرتاً آثار حزن وملال ظاہر ہوئے۔ حضور نے چاہا کہ مایوسی کی جو کیفیت اس پر طاری ہوئی ہے وہ زائل ہو جائے اس لئے اسے پھر بلایا اور بلا کر کہا ان ابی و اباک فی النار (کہ میرا باپ اور تیرا باپ دوزخ میں ہیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرا باپ اس لئے دوزخ میں گیا کہ مجھ پر ایمان نہیں لایا لیکن رنج نہ کر میرا باپ بھی حالانکہ میں رسول اللہ ہوں دوزخ میں ہے کیوں کہ وہ بھی مجھ پر ایمان نہیں لایا۔ اب قدرتی طور پر یہاں رسول اللہ نے جسے باپ کہا وہ ابولہب تھا۔ جس کی بابت اللہ نے اپنے رسول کو یہ خبر دے دی کہ وہ حضور پر ایمان نہ لانے کے باعث حتمی طور پر دوزخی ہے۔ یقین ہے کہ اس معنی میں نہ تکلف کی ضرورت ہے اور نہ ہیر پھیر کی بلکہ یہ معنے واضح اور عقل کے مطابق ہیں۔ کیوں کہ حضور کے اس ارشاد سے کہ ان کے والدین دوزخ میں ہیں۔ حالانکہ انہوں نے حضور کی دعوت اسلام سے انکار کیا اور نہ اسلام کے حکم سے سرتابی کی' لوگوں کو کچھ فائدہ نہ تھا اور نہ اس سے کسی کو تنبیہہ ہوتی ہے صحیح بات یہی ہے کہ (حضور کے اس ارشاد سے) لوگوں کو آگاہ کرنا مقصود تھا کہ ابولہب (باوجود اس کے کہ حضور کے آباء میں شمار ہوتا ہے) آنخضرت ﷺ کی دعوت اسلام سے سرتابی کے باعث دوزخ میں ہے۔ (اس میں عبرت بھی ہے تنبیہہ بھی)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ایسی احادیث جو آئی ہیں انکے بارے میں واجب یہ ہے کہ ان کے معنے اسی طرح کئے جائیں اگر تاویل ممکن نہ ہو تو وہ موقف اختیار کیا جائے جو تاویل (یا اخذ مراد) سے عاجز ہونے والے کا ہوتا ہے اور قرآن کے ظاہری مفہوم کا جو تقاضا ہے اس پر عمل کیا جائے جس کی تائید عقل سے ہوتی ہو۔ اللہ جسے چاہتا ہے راہ راست کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔

واضح ہو کہ یہ تمام گفتگو مسلک مالکیہ کے حق میں تھی۔ اگرچہ حنفیہ کا مسلک اس کے خلاف ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اس باب میں غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام اہل فترت ناجی ہیں اگرچہ ان کے عقائد میں تغیر وتبدل ہو گیا ہے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں تاہم مالکیہ کو یہاں پر اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ان کے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ غیر مسلم اشخاص کا عقد ازدواج اگر اسلامی قاعدے کے مطابق ہو صحیح مانا جائے گا اگرچہ وہ کافر ہوں۔ ایسی صورت میں بقول صحیح ان کے اور دوسروں کے مسلک میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یہاں پر اگر کہا جائے کہ غیر مسلموں کے نکاح کو جب کہ ہمارے مذہب کے مطابق ہو مالکیہ کے صحیح کہنے اور اس

Marfat.com

کے صحیح قرار نہ دینے میں درآنحالیکہ وہ مسلمان ہوجانے کی صورت میں برقرار رکھتے ہیں جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے' کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اصحاب یہ کہتے ہیں کہ غیر مسلموں کے نکاح درست نہ ہوں گے اگر چہ وہ نکاح کی شرائط پورے کرتے ہوں ان کے اس قول کے مطابق کسی مسلمان کو یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ غیر مسلم' اہل کتاب ہو یا کچھ اور' کے عقد کا ولی بنے۔ اگر چہ تمام شرائط نکاح پوری ہوں۔ مثلاً دو (مرد و زن) اہل کتاب کسی مسلمان سے کہیں کہ وہ اسلامی طریقے اور ارکان کے متعلق ان کا عقد ازدواج کردے تو اس مسلمان کو ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔ کیوں کہ شرائط عقد پورا ہونے کے باوجود وہ عقد فاسد ہی رہے گا اور ایک مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ امر فاسد کی نمائندگی کرے۔ لیکن وہ اصحاب جو غیر مسلم کے عقد کو صحیح قرار دیتے ہیں انکے قول کے مطابق اس کے برعکس اس مسلمان کو جائز ہوگا کہ وہ عقد کرادے لیکن صحیح طور پر۔

لہٰذا مالکیہ کہتے ہیں کہ غیر مسلم اشخاص مسلمان ہوجائیں تو ان کا عقد برقرار رہے گا' خواہ وہ عقد اسلامی نقطہ نظر سے صحیح ہوا ہو یا فاسد ہو چند صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں ایک صورت یہ ہے کہ وہ نکاح محرم عورت سے ہوا جس کے ساتھ عقد کرنا' خون یا دودھ کے رشتے سے حرام ہو جیسے کوئی مجوسی اپنی بیٹی یا بہن سے شادی کرلے اور پھر مسلمان ہو جائے تو وہ عقد ازدواج کسی حالت برقرار نہ رہے گا لیکن ازدواجی رشتہ کی بناء پر جو نکاح حرام ہے وہ مباشرت کے بعد حرام متصور ہوگا چنانچہ اگر کسی عورت سے عقد کیا لیکن اس سے ہنوز مباشرت نہ ہوئی تھی کہ اس کی ماں سے عقد کرلیا اور مباشرت بھی ہوئی اور پھر مسلمان ہوگیا تو ماں کا عقد برقرار رہے گا۔ کیوں کہ اگر چہ اس نے اس کی بیٹی سے نکاح کیا ہے لیکن مباشرت نہیں ہوئی (اس لئے وہ نکاح غیر موثر ہے)۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی اور اس سے مباشرت نہیں ہوئی پھر وہ شخص مسلمان ہوگیا اور عورت کو چھوڑ دیا تو وہ عورت اس کے باپ پر اور بیٹے پر حرام نہ ہوگی۔ کیوں کہ جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ حرمت مصاہرہ (یعنی ازدواجی رشتہ) سے جو حرمت عائد ہوتی ہے۔ وہ مباشرت ہی سے ہوتی ہے (محض نکاح سے نہیں ہوتی)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص (غیر مسلم) ایسی عورت سے شادی کرے جو ہنوز اپنے پہلے خاوند کی عدت میں ہو اور شادی کے بعد مسلمان ہو جائے یا دونوں ایک ساتھ مسلمان ہو جائیں تو ان میں علیحدگی کرادی جائے گی۔ خواہ مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اب اگر وہ شخص اس عدت کے ختم ہونے سے پہلے جس میں شادی کی تھی مسلمان ہوگیا اور مسلمان ہونے کے بعد اس عورت سے مباشرت کرلی تو وہ عورت ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہوجائے گی اور کبھی حلال نہ ہوگی لیکن اگر عدت کے دن گزارنے کے بعد مسلمان ہوا اور مسلمان ہونے کے بعد مباشرت کی تو وہ عورت ہمیشہ کے لئے حرام نہ ہوگی۔ البتہ دونوں میں تفریق کرادی جائے گی۔ اور اس شخص کو اختیار ہوگا کہ عدت گزرنے کے بعد اپنے عقد نکاح کی تجدید کرلے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ نکاح ایک مقررہ عرصہ کے لئے ہوا ہو جسے نکاح متعہ کہتے ہیں اور یہ عرصہ گزرنے سے پہلے وہ شخص مسلمان ہوگیا اور وہ مرد یا وہ عورت چاہے کہ میعاد مقررہ تک ان کا عقد برقرار رکھا جائے تو انہیں اس عقد پر قائم نہ رکھا جائے گا کیوں کہ مسلمان ہونے کے بعد اس نکاح کو برقرار رکھنا نکاح متعہ کا بحال رکھنا ہے جو بالاتفاق ممنوع ہے ہاں اگر وہ دونوں چاہیں کہ وہ نکاح ہمیشہ کے لئے بحال رکھا جائے تو وہ عقد بحال رکھا جائے گا۔ اب اگر عقد (متعہ) کی میعاد گزرنے کے بعد وہ مسلمان ہوجائیں اور ازدواجی زندگی جو بسر کررہے ہیں اس کو برقرار رکھنا چاہیں تو ان کا عقد بحال رکھا

Marfat.com

جائے گا۔

اگر ایک شخص مسلمان ہو جائے اور اس کی بیوی کتابیہ ہو تو اس کا نکاح بحال رہے گا خواہ وہ عورت مسلمان ہو جائے یا مسلمان نہ ہو اور خواہ خاوند بچہ (نابالغ) ہو یا بالغ ہو۔

اگر ایسا شخص مسلمان ہو جائے جس کی بیوی مجوسی (آتش پرست) ہے ایسی صورت میں اگر خاوند بالغ ہو تو ان کی علیحدگی کرادی جائے گی سوا اس کے کہ وہ عورت تھوڑے ہی عرصہ میں یعنی بقول معتمد ایک ماہ کے اندر مسلمان ہو جائے لیکن اگر اس عرصہ کے بعد مسلمان ہوئی تو عقد زوجیت برقرار رہنے کے لئے مسلمان ہونے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اگر بیوی خاوند کے مسلمان ہونے کے بعد ایک ماہ سے کم عرصہ میں مسلمان ہو جائے تو ان میں باہم رشتہ زوجیت بحال رہے گا۔ اور اگر خاوند کم عمر (نابالغ) ہے تو اس کا بحال رہنا بالغ ہونے تک معرض التوا میں رہے گا۔ اگر بالغ ہونے پر وہ مسلمان نہ ہوا تو دونوں میں علیحدگی کرادی جائے گی۔

یہ مسائل اس صورت حال کے ہیں جب کہ خاوند مسلمان ہو جائے۔ اگر بیوی مسلمان ہو جائے تو وہ اپنے خاوند پر اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ اپنے پہلے مذہب پر قائم ہے' خواہ خاوند کم عمر (نابالغ) ہو یا بڑا (بالغ) ہو۔ لیکن اگر مباشرت ہو چکی ہے تو وہ خاوند کی زوجیت سے علیحدہ نہ ہوگی۔ جب تک کہ استبراء (یعنی حمل سے خالی ہونا ثابت) نہ ہو جائے۔ اگر خاوند اس مدت (استبراء) کے گزرنے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو ان کا ازدواجی تعلق برقرار رہے گا۔ یہاں تک کہ اگر اس شخص نے بحالت کفر اس عورت کے مسلمان ہونے پر اسے تین طلاق دے دی ہوں تب بھی اس کی زوجیت بحال رہے گی۔ کیوں کہ کافر کے طلاق دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر خاوند کے مسلمان ہونے سے پہلے اس کی عدت ختم ہو گئی تو وہ زوجیت سے علیحدہ ہو جائے گی اور استبراء کے دوران نفقہ کی مستحق نہ ہوگی۔ خواہ بقول مختار (یعنی جس قول پر عمل درآمد ہے) وہ شخص مسلمان ہو جائے یا نہ ہو۔ تاہم اگر وہ حاملہ ہو تو وہ شخص بالاتفاق اس کے نفقہ کا ذمہ دار ہوگا۔ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ عورت مباشرت کے بعد مسلمان ہوئی ہو لیکن اگر مباشرت سے پہلے بیوی مسلمان ہو گئی اور خاوند ہنوز مسلمان نہیں ہوا تو بقول راجح وہ عورت مسلمان ہوتے ہی مرد کی زوجیت سے باہر ہو جائے گی۔ خواہ بیوی کے مسلمان ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد یعنی ایک ماہ سے کم عرصہ میں خاوند بھی مسلمان ہو جائے یا نہ ہو۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر (بیوی کے اسلام کے) تھوڑے ہی عرصہ بعد خاوند مسلمان ہو جائے تو اسے زوجیت میں رکھنے کا حق دار نہ ہوگا اور عورت زوجیت سے باہر نہ ہوگی۔ پہلی صورت میں اگر وہ دوبارہ عقد کر لے تو حلال ہو جائے گی۔ اگر دونوں ایک ساتھ مسلمان ہوں تو ان کا عقد ازدواج بحال رہے گا خواہ مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

دونوں کے بیک وقت مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں نے بیک وقت مسلمانوں کے امام کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کیا ہو بایں طور کہ اکٹھے بحالت اسلام مسلمانوں میں شامل ہوئے ہوں خواہ فی الواقع آگے پیچھے مسلمان ہوئے ہوں۔ جمہور ملت کو اس سے غرض نہیں کہ پہلے کون مسلمان ہوا ان کا مسلمان ہونا (قانوناً) اس وقت سے مانا جائے گا جب کہ اس کا اعلان کریں۔ اس مسئلہ میں ان کے ایک ساتھ مسلمان ہونے کی حیثیت حکمی (قانونی) ہے۔

ان تمام مسائل میں علیحدگی کا جو ذکر ہے اس سے بغیر طلاق کے علیحدگی مراد ہے اور بغیر طلاق کے جو نکاح فسخ ہوتا

Marfat.com

ہے اگر مباشرت سے پہلے ہو تو مہر ساقط ہو جاتا ہے۔

واضح ہو کہ اگر کوئی (غیر مسلم) شخص مسلمان ہو گیا اور ماں اور اس کی بیٹی کی زوجیت میں ہیں اس نے اب تک ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ جنسی حظ نہیں اٹھایا تو اسے اختیار ہو گا کہ ان میں سے کسی ایک کو اپنی زوجیت میں رکھے خواہ وہ دونوں ایک ہی عقد سے اس کی زوجیت میں آئی ہوں یا دونوں کے ساتھ الگ الگ عقد ہوا ہو۔ اور اس عقد فاسد سے حرمت مصاہرہ (یعنی ازدواجی رشتہ کے باعث ہو حرمت عائد ہوتی ہے وہ) عائد نہ ہو گی۔ لہٰذا اگر عقد فاسد کرنے والے کا نکاح فسخ کیا جائے اور ہنوز اس نے بیوی کو ہاتھ نہ لگایا ہو تو وہ عورت اس کے باپ اور بیٹے پر حلال رہے گی لیکن کراہت کے ساتھ۔ اور اگر ان سے جنسی تلذذ حاصل کر لیا ہو تو وہ ہمیشہ کے لئے اس کے باپ بیٹوں پر حرام ہو جائے گی کیوں کہ یہ ایسا ہے جیسے شبہ میں مباشرت کر لینا جس کے بعد حرمت مصاہرہ اسی طرح عائد ہو جاتی ہے جیسے باقاعدہ بیوی بنا لینے سے۔ اگر اپنی بیویوں میں سے کسی کے ساتھ اس نے مباشرت کر لی اور اسے ہمیشہ کے لئے بیوی بنا کر رکھنا چاہتا ہے تو اس کی زوجیت برقرار رہے گی اور دوسری بیوی ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جائے گی۔ اسی طرح اس کے باپ اور بیٹے پر حرام رہے گی۔ اس لئے کہ حرمت مصاہرہ مباشرت کی وجہ سے ہوتی ہے خواہ مباشرت شبہ میں ہوئی ہو جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔

اگر ایک شخص مسلمان ہوا جس کی دو بیویاں بہنیں تھیں اور وہ دونوں بھی اس شخص کے ساتھ یا اس سے پہلے یا بعد میں مسلمان ہو گئیں لیکن ہنوز استبراء کی مدت نہیں گزری تھی تو اس شخص کو حق ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کو اپنی زوجیت میں رکھے۔ خواہ ان دونوں کا عقد ازدواج اکٹھا ہوا ہو یا جداگانہ اور خواہ ان دونوں سے مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

اگر ایک شخص جس کی چار بیویوں سے زیادہ بیویاں تھیں مسلمان ہو گیا اور اس کی تمام بیویاں بھی مسلمان ہو گئیں۔ یا وہ تمام بیویاں کتابیہ ہوں تو اس شخص کو ان میں سے چار بیویوں کو اختیار کر لینے کا حق ہے۔ خواہ وہ سب ایک ہی عقد میں زوجیت میں آئی ہوں یا متفرق عقدوں میں اور خواہ ان سب سے مباشرت ہو چکی ہو یا بعض سے ہوئی ہو اور یا کسی سے نہ ہوئی ہو۔

چار بیویوں کے انتخاب میں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ پہلے کون سی عقد میں آئی اور کون سی بعد میں آئی۔ اسے یہ بھی اختیار ہے کہ چار سے کم بیویوں کو رکھ لے یا کسی کو بھی نہ رکھے۔ اسے یہ بھی اختیار ہے کہ جو بیویاں زندہ ہیں صرف ان کو اپنی بیوی قرار دے یا وفات یافتہ بیویوں کو بھی اپنی بیویوں میں شامل کر لے اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ اس کی جو بیویاں زندہ نہیں ہیں ان میں سے چار کو اپنی بیوی تسلیم کر لے۔ اگر ان کو اپنی بیوی قرار دیا تو زندہ بیویوں کے نکاح فسخ ہو جائیں گے۔ وفات یافتہ بیویوں کو اپنی بیویاں قرار دینے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ شخص ان کے ورثہ کا حق دار ہو جائے گا۔ اور ان کو اپنی بیوی قرار دینا بس یہی ہے۔

ازواج کو اختیار کرنے کے لئے جس طرح لفظ اختیار استعمال کیا جاتا ہے مثلاً یہ کہنا کہ (اپنی بیویوں میں سے) میں نے فلاں کو اختیار کیا۔ اسی طرح لفظ اختیار کو استعمال کئے بغیر بھی چند امور سے اختیار ثابت ہوتا ہے۔

ایک امر طلاق ہے کہ اگر اپنی بیویوں میں سے کسی کو طلاق دی تو گویا اسے بیوی تسلیم کر لیا کیوں کہ جب تک صحیح معنوں میں اس کا نکاح (یا بیوی ہونا) تسلیم نہ کر لیا جائے طلاق دینا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور وہ نکاح اگرچہ اصولی طور پر فاسد

Marfat.com

تھا لیکن اسلام نے اسے صحیح مانا ہے۔اسی بناپرُ اگر ان چار بیویوں میں سے جنہیں اختیار کرنے کا اسے حق ہے ایک کو طلاق دے دی تو باقی تین رہ جائیں گی اور اگر دو کو طلاق دی تو صرف دو رہ جائیں گی وعلی ہذا القیاس (غرض طلاق دینا اس عورت کو بیوی تسلیم کرنا ہے)۔

دوسرا امر ''ظہار'' کرنا ہے (کہ یہ بھی اس کو بیوی کے طور پر اختیار کرنا ہے) چنانچہ اگر اپنی اختیار کردہ بیویوں میں سے کسی سے ظہار کیا یعنی یہ کہہ دیا کہ تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ پہلے اسے بیوی کے طور پر اختیار کیا پھر ظہار کیا۔لہٰذا اب اس کی صرف تین بیویاں رہ گئیں۔

تیسرا امر ''ایلاء'' ہے ایلاء بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لینے کو کہتے ہیں۔پس اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں بیوی کے پاس نہ جاؤں گا تو گویا پہلے اس کو بیوی تسلیم کیا اور پھر قسم کھائی۔

یہ تمام صورتیں بیوی کے اختیار (یا انتخاب) کرنے کی ہیں۔بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر ایلاء میں وقت کا تعین کر دیا جائے تب ہی اسے اختیار کرنا کہا جائے گا مثلاً یوں قسم کھائی کہ فلاں بیوی کے پاس پانچ ماہ تک نہ جاؤں گا۔یا قسم کو ایک خاص جگہ کے لئے مخصوص کر دیا مثلاً یہ قسم کھائی کہ میں فلاں جگہ مباشرت کروں گا۔

چوتھا امر مباشرت کرنا ہے چنانچہ اگر اپنی بیویوں میں سے کسی کے ساتھ (مسلمان ہونے کے بعد) مباشرت کر لی تو گویا جتنی عورتوں کو رکھنے کا اختیار تھا ان میں سے ایک کو اختیار کیا اگر چار سے زیادہ بیویوں کے ساتھ مباشرت کی تو ابتدائی چار بیویوں کو بالترتیب اختیار کرنا تسلیم کیا جائے گا یعنی جس کے ساتھ پہلے مباشرت کی یعنی پہلی بیوی وہ ہو گی جس سے پہلی مباشرت ہوئی دوسری وہ جس سے اس کے بعد مباشرت ہوئی اور تیسری وہ جس سے اس کے بعد ہوئی وعلی ہذا القیاس۔ چار سے زیادہ بیویوں کے ساتھ مباشرت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔وہ بدکاری ہے۔کیوں وہ تمام عورتیں عقد فاسد سے اس کی بیویاں ہوئی تھیں۔

مباشرت کو اختیار سے تعبیر کئے جانے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ مباشرت اختیار کی نیت سے کی جائے بلکہ مباشرت کرنے سے قدرتی طور پر (زوجیت میں رکھنے کے لئے) اختیار کرنے کا نتیجہ نکالا جائے گا واضح ہو کہ اگر اس شخص نے یہ کہا کہ میں نے فلاں عورت کا نکاح فسخ کر دیا تو اسے فسخ نکاح ہی قرار دیا جائے گا اور اب اسے چار بیویوں کے رکھ لینے کا حق حاصل ہو گا۔

فسخ اور طلاق کا فرق جیسا کہ بتایا جا چکا ہے یہ ہے کہ طلاق دینے سے چار بیویوں کے حق اختیار میں سے ایک بیوی کے اختیار کا حق ساقط ہو جائے گا لیکن فسخ نکاح سے یہ حق ساقط نہ ہو گا اور اسے (اپنی بیویوں میں) چار کے انتخاب کا حق رہے گا۔دراصل طلاق کا تصور بغیر نکاح صحیح کے یا ایسے نکاح فاسد کے جس پر سب کا اتفاق نہ ہو نہیں ہو سکتا۔بخلاف فسخ کے کہ متفقہ طور پر سب اس کو فسخ قرار دیتے ہیں۔پس ان کے عقد کو مسلمان ہونے سے پہلے کی حیثیت سے دیکھا جائے تو اس کے فاسد ہونے پر سب کو اتفاق ہے اور مسلمان ہونے کے بعد بایں جہت کہ اسلام نے برقرار رکھنے کی اجازت دی ہے اسے صحیح تصور کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ حق اختیار (کے لاگو ہونے) کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ شخص جو اپنے اختیار کو کام میں لانا چاہتا ہے وہ بالغ

Marfat.com

اور عاقل ہو۔ بصورت دیگر اسے حق اختیار ازواج درست نہ ہوگا۔ البتہ اگر اس کا کوئی ولی ہے تو وہ اس کے حق میں اختیار سے کام لے گا۔ اگر ولی نہ ہو تو (اس کی طرف سے) چار بیویوں کے اختیار کرنیکا حق حاکم کو ہوگا۔ غرض خاوند عاقل و بالغ ہے تو اسے بیویوں کے انتخاب کا حق ہے۔ اگر چہ وہ مریض ہو یا حالت احرام میں ہو یا مضطرب الحال ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ غیر مسلموں کے عقد نکاح کو اگر مسلمانوں کے طریقہ کے مطابق نکاح کی شرطوں اور رکنوں کا لحاظ رکھا گیا ہو تو صحیح مانا جائے گا اگر ایسا نہ ہو تب بھی ان کا عقد (مسلمان ہونے پر) برقرار رکھا جائے گا اور مسلمان اس پر اعتراض نہ کریں گے بشرطیکہ یہ دو شرطیں پوری ہوئی ہوں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ لوگ خود اس نکاح کو درست سمجھتے ہوں۔ اگر وہ نکاح ان کے مذہب کی رو سے بھی جائز نہ تھا تو اسلامی معاشرہ میں اسے برقرار نہ رکھا جائے گا۔ بلکہ زنا اور سرقہ کی طرح امر ممنوع ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس بارے میں انہوں نے فیصلہ کے لئے مسلمانوں سے نہ کہا ہو۔ اگر اس بارے میں انہوں نے (مسلمان ہونے کے بعد) فیصلہ چاہا کہ ان کا عقد کر دیا جائے تو مسلمانوں کو ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ مسلمان اس عقد کو اسلامی حکم کے مطابق ایجاب وقبول، ولی اور دو معتبر مسلم گواہوں کی (غیر مسلموں کی نہیں) موجودگی میں انجام دیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وان حکمت فاحکم بینهم بالقسط" (یعنی اگر تمہیں ان کے بارے میں فیصلہ کرنا ہو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا) اگر غیر مسلم جوڑے شادی کے بعد اسلامی معاشرے میں آ جائیں تو دیکھنا ہوگا کہ آیا وہ عورت حلال تھی یا نہیں؟ اگر وہ عورت حلال رہی ہو یعنی غیر محرم ہو (جن سے نکاح حلال ہے) اور کسی پہلے خاوند کی عدت میں نہ ہو تو وہ نکاح برقرار رکھا جائے گا اور بحث میں نہ پڑا جائے گا کہ ایجاب وقبول یا ولی وغیرہ کی شرائط پوری ہوئی تھیں یا نہیں اگر عورت ہی حلال نہ ہو مثلاً وہ اس کی بہن ہو یا ماں یا بیٹی یا پھوپھی وغیرہ جو خون یا دودھ کے رشتہ سے حرام ہو یا عدت کے دن گزار رہی ہو اور ابھی اس کی میعاد عدت ختم نہ ہوئی ہو تو مسلمان اس کے عقد کو بحال نہ رکھیں گے بلکہ ان میں علیحدگی کرا دی جائے گی۔ اگر دونوں میاں بیوی ایک ساتھ مسلمان ہو جائیں دونوں کلمات شہادت ادا کریں (یعنی ایک ساتھ زبان سے خدا کی وحدانیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرلیں) تو ان کا نکاح بحال رہے گا۔ خواہ وہ دونوں اہل کتاب ہوں یا بت پرست ہوں۔ لیکن اگر صرف بیوی مسلمان ہو جائے اور ہنوز مباشرت نہ ہوئی ہو تو نکاح باطل ہو جائے گا خواہ اس کا خاوند اہل کتاب ہو اور اس صورت میں اس پر کوئی مہر عائد نہ ہوگا کیوں کہ اس علیحدگی کی ذمہ دار بیوی ہے۔ اگر خاوند مسلمان ہو جائے اور بیوی عدت میں ہو تو نکاح باقی رہے گا۔ لیکن اگر عدت کے دن ختم ہو جانے کے بعد مسلمان ہوا تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اور اگر وہ عورت اس سے پہلے مسلمان ہو جائے تو عدت کے ایام میں نفقہ کی حقدار ہوگی خواہ خاوند مسلمان ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اگر خاوند مسلمان ہو گیا اور بیوی کتابیہ ہو تو جو نکاح ان کا ہو چکا ہے وہ بحال رہے گا خواہ بیوی مسلمان ہو جائے یا نہ ہو اور خواہ وہ شخص مباشرت ہونے سے پہلے مسلمان ہوا ہو یا بعد میں۔ لیکن اگر عورت کتابیہ نہیں ہے اور مباشرت سے پہلے وہ شخص مسلمان ہو گیا تو وہ عورت اسی وقت زوجیت سے علیحدہ ہو جائے گی اور نصف مہر کی حق دار ہوگی کیوں کہ اس علیحدگی کا ذمہ دار خاوند ہے۔ اگر وہ مباشرت کے بعد مسلمان ہوا تو عورت پر واجب ہوگا کہ اس کی عدت گزارے۔ اگر ایام عدت گزرنے سے پہلے وہ عورت مسلمان ہو جائے تو ان کا عقد ازدواج جس طرح

Marfat.com

بھی ہوا برقرار رہے گا۔ اگر ایام عدت گزرنے کے بعد مسلمان ہوئی تو نکاح فسخ ہو جائے گا جس طرح مرد کے مسلمان ہو جانے کی صورت میں ہوتا ہے۔

ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ایسا ہوا ہے کہ عورت مرد سے پہلے اور یا مرد عورت سے پہلے مسلمان ہوا۔ ان دونوں میں سے اگر کوئی بھی عدت کے دن گزرنے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو وہ عورت اس مرد کی بیوی رہتی تھی۔ عدت کے بعد اسلام لانے سے نکاح باقی نہیں رہتا۔

اگر ایک کافر شخص مسلمان ہوا اور اس کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں اور وہ سب اس کے ساتھ مسلمان ہو گئیں یا اس کے مسلمان ہونے سے پہلے یا بعد میں ایام عدت کے دوران مسلمان ہوئی یا اسلام نہ لائیں مگر وہ سب کتابیہ تھیں تو اس شخص کو اختیار ہوگا کہ ان میں سے چار عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھ لے اور باقی عورتوں کو چھوڑ دے۔ اب خواہ ان کو رکھے جن سے پہلے شادی کی تھی یا انہیں جن سے بعد میں کی۔ اور خواہ ان سب کا عقد ایک ساتھ ہوا ہو یا متفرق طور سے۔ اس بارے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نیز اسے اس بات کا بھی اختیار ہے کہ ان عورتوں میں سے کچھ کو بطور بیوی کے رکھ لے اور یہ بھی کر سکتا ہے کہ چار وفات شدہ بیویوں کو اپنی بیوی قرار دے اور باقی تمام زندہ بیویوں کو چھوڑ دے تا کہ وہ ان چار بیویوں کا وارث ہو جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں اس کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ شخص مکلف (احکام شرعیہ کی بجا آوری کا ذمہ دار عاقل و بالغ) ہو اگر وہ مکلف نہ ہو تو اس کی بیویوں کے معاملات کو اس کے مکلف ہونے تک التوا میں رکھا جائے گا۔ اگر بیویوں کے اختیار کرنے سے انکار کرے تو اسے قید و بند اور سزا دے کر مجبور کیا جائے گا اور ان سب کا نفقہ اس کے ذمہ ہوگا تا آنکہ ان میں سے بیویوں کا انتخاب نہ کر لے۔ اختیار (یا انتخاب) کرنے کی چند صورتیں ہیں منجملہ ان کے یہ کہنا کہ میں اپنی بیویوں میں سے ان کو اختیار کرتا ہوں اور ان کو چھوڑتا ہوں۔ اس کے لئے لفظ اختیار کا استعمال کرنا ضروری نہیں بلکہ لفظ امسکت (یعنی رکھتا ہوں) سے بھی اختیار درست ہے اسی طرح اگر یہ کہا کہ میں نے فلاں کو فسخ کے لئے چھوڑ دیا اور فلاں کو رکھنے کے لئے چن لیا تب بھی صحیح ہے۔ کیوں کہ اس شخص کو جس طرح بیوی کے رکھ لینے کا اختیار ہے اسی طرح چھوڑ دینے کا بھی اختیار ہے۔ اور یہ کہنا بھی درست ہے کہ میں صرف فلاں عورت کو رکھتا ہوں۔

اختیار کی صورت میں سے ایک صورت مباشرت بھی ہے کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد اپنی بیویوں میں کسی کے ساتھ مباشرت کر لے تو یہ فعل اس کو زوجیت میں اختیار کرنا ہے۔ چنانچہ اگر مسلمان ہونے کے بعد اس نے چار بیویوں سے مباشرت کر لی تو ان سب کے درمیان رشتہ زوجیت برقرار رہا اور باقی بیویوں کے رشتے فسخ ہو گئے۔ اگر چار کا تعین الفاظ سے کئے بغیر تمام عورتوں سے مباشرت کر لی تو وہ چار عورتیں اس کی بیویاں رہیں گی جن سے پہلے مباشرت کی اور باقی کی زوجیت متروک ہو جائے گی۔

اختیار کی ایک شکل طلاق دینا بھی ہے کہ اگر اپنی بیویوں میں سے کسی کو طلاق دے دی تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے ان میں سے ایک بیوی کو اختیار کر کے طلاق دی ہے کیوں کہ طلاق نہیں ہو سکتی جب تک کہ زوجیت ثابت نہ ہو ایسی صورت میں اسے مزید صرف تین بیویوں کے انتخاب کا حق ہوگا۔ ظاہر ہے کہ حنابلہ اس مسئلہ میں اور اس سے پہلے کے مسئلہ میں مالکیہ سے متفق ہیں۔ لیکن ظہار اور ایلاء کے مسائل میں اختلاف ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ظہار اور ایلاء کو اختیار قرار دینا

Marfat.com

واضح ہو کہ ان تمام احکام میں اس سے فرق نہیں پڑتا کہ (غیر مسلموں کا) عقد اسلامی شہر میں دو ذمیوں کے درمیان ہوا ہو یا دو پناہ گزینوں کے درمیان یا یہ عقد دار الحرب (دشمنوں کے ملک) میں ہوا ہو اور پھر زوجین یا ان میں سے کوئی ایک ہجرت کر کے دار الاسلام میں آ گیا ہو۔ ان تمام صورتوں میں ان کو اس حال میں جس میں کہ وہ ہیں چھوڑ دیا جائے گا اور اگر وہ اپنا معاملہ مسلمانوں کے سامنے پیش کریں یا مسلمان ہو جائیں تب بھی ان کو اسی حال میں برقرار رکھا جائے گا جیسا کہ اوپر مفصل بیان ہوا۔

زوجین میں سے اگر کوئی دار الحرب سے دار الاسلام میں ہجرت کر کے آ جائے تو بیوی نکاح سے علیحدہ نہ ہو گی خواہ وہ یہاں ٹھہرنے کا ارادہ کرے یا نہ کرے۔ البتہ اگر کوئی قید ہو جائے تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اس بارے میں مسالک کا اختلاف ہے۔ (۱)

درست نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص مسلمان ہوا جس کی دو بیویاں حقیقی بہنیں ہیں تو وہ ان میں سے ایک کو اختیار کر سکتا ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مختلف علاقوں میں چلے جانے سے (یعنی دار الاسلام اور دار الحرب کے فرق سے) تو بیوی کا نکاح سے نکل جانا واجب ہو جاتا ہے لیکن قید ہونے سے علیحدگی واجب نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر دونوں میں سے کوئی قید ہو کر دار الحرب سے دار الاسلام میں آ گیا ہو تو علاقوں کے اختلاف کی وجہ سے زوجین میں علیحدگی کی جائے گی قیدی ہونے کی وجہ سے نہ ہو گی۔ لیکن اگر دونوں کو ایک ساتھ قید کیا گیا تو زوجیت بحال رہے گی خواہ مسلمان کی بیوی ہو یا ذمی کی۔ اسی طرح اگر وہ دونوں ایک ساتھ قیدی ہوئے پھر وہ ایک ساتھ مسلمان ہو گئے یا ذمی ہی رہے تو ان میں علیحدگی نہ ہو گی بلکہ ان کی زوجیت برقرار رہے گی۔

اگر کسی کتابی یا بت پرست کی جو اہل کتاب نہ ہو بیوی مسلمان ہو گئی اور اس کا خاوند دار الحرب میں ہے یا بت پرست بیوی کا خاوند دار الاسلام میں مسلمان ہو گیا اور بیوی دار الحرب میں ہے تو اس صورت میں حکم اس سے مختلف ہو گا جبکہ وہ دونوں دار الاسلام میں ہوں اور ان میں سے ایک مسلمان ہو جائے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ (اس صورت میں) اگر زوجین میں سے ایک مسلمان ہو جائے تو واجب ہو جاتا ہے کہ دوسرے کو مسلمان ہونے کے لئے کہا جائے۔ اگر وہ مسلمان نہ ہو تو ان میں بطریق مذکورہ سابق علیحدگی کرا دی جائے گی۔ لیکن اس صورت میں جبکہ دوسرا موجود نہیں ہے تو واجب ہے کہ وہ خاص وقت تک دوسرے کا انتظار کرے یہ وقت حاکم شرع کے اسلام پیش کرنے کی بجائے ہے۔ لہٰذا بیوی زوجیت سے علیحدہ نہ ہو گی جب تک کہ اتنا عرصہ نہ گزر جائے کہ اگر عورت کو ایام ماہواری آتے ہوں تو تین بار آ چکے ہوں۔ اگر کم عمری یا عمر رسیدگی کے باعث نہ آتے ہوں۔

تو تین ماہ گزرنے یا بصورت حمل وضع حمل تک اس کی زوجیت باقی رہے گی اور علیحدگی نہ ہو گی۔

Marfat.com

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان عورت کسی کتابی یا بت پرست کی بیوی نہیں بن سکتی اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اگر بیوی مسلمان ہو جائے تو ان میں علیحدگی نہیں کرائی جائے گی بلکہ قاضی خاوند کو مسلمان ہونے کے لئے کہے گا (اس کے انکار پر ہی علیحدگی ہو سکتی ہے) یہ امر مسلمہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی اختیار دارالحرب میں نہیں ہے لہٰذا (وہاں کے کسی شخص کو) اسلام لانے کے لئے کہنا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا علیحدگی کے لئے اس مدت کی شرط لگا دی گئی اور علیحدگی کے لئے خاوند کے اسلام لانے سے انکار کرنے کی بجائے اس مدت کے گزر جانے کو علیحدگی کا سبب قرار دے دیا گیا۔ کیوں کہ جب اصل سبب کا پایا جانا دشوار ہو تو کسی اور شرط کا لگایا جانا جائز ہے۔ پس جب یہ میعاد گزر جائے تو زوجین میں علیحدگی کرائے بغیر از خود جدائی ہو جائے گی۔ اب رہا یہ کہ آیا یہ علیحدگی طلاق متصور ہوگی یا تفریق۔ یہ امر تفصیل طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر بیوی مسلمان ہوئی ہے جیسا کہ مسئلہ مذکورہ میں فرض کیا گیا ہے تو اس علیحدگی کو طلاق تصور کیا جائے گا۔ کیوں کہ یہ علیحدگی ایک خاص مدت کے گزر جانے کی بناء پر ہوئی ہے جسے خاوند کا (اسلام سے) انکار کی بجائے قرار دیا گیا ہے اور خاوند کا انکار ہی طلاق ہے۔ کیوں کہ خاوند طلاق کا مالک ہے (یا طلاق دینے کا اختیار رکھتا ہے)۔ لیکن اگر مسلمان ہو جانے والا (بیوی نہیں بلکہ) خاوند ہے اور بیوی بت پرست (یا ہندنی) ہے تو دارالحرب میں اسے مسلمان ہونے کے لئے نہیں کہا جا سکتا لہٰذا وہ بھی اس وقت تک زوجیت سے علیحدہ نہ ہوگی جب تک کہ میعاد مقررہ جو اس کے (اسلام سے) انکار کے مترادف ہے نہ گزر جائے۔ لیکن یہ طلاق متصور نہ ہوگا کیوں کہ عورت طلاق کی مالک نہیں ہوتی (لہٰذا اس کا انکار طلاق متصور نہ ہوگا) پھر اس مدت کو عدت میں شمار نہیں کیا جائے گا کیوں کہ یہ مدت ان عورتوں کے لئے ہے جن کے ساتھ مباشرت نہ ہوئی ہو۔ چنانچہ اگر کسی اہل کتاب نے دارالحرب میں شادی کی اور اس کی بیوی مباشرت سے پہلے مسلمان ہوگئی تو تین ایام ماہواری کے آنے سے اس کی علیحدگی نہ ہوگی درآنحالیکہ اسے ایام آتے ہوں اگر نہ آتے ہوں تو (علیحدگی کے لئے) اتنا ہی عرصہ یعنی تین ماہ گزارنے ہوں گے۔ اگر اس مدت کو عدت قرار دیا جاتا تو ایسی عورتوں کی علیحدگی کے لئے جن کے ساتھ مباشرت نہ ہوئی اس میعاد کے گزرنے کی قید نہ لگائی جاتی (بلکہ فوراً علیحدگی ہو جاتی) لیکن جیسا کہ بتایا گیا اس میعاد کو علیحدگی کی شرط قرار دیا گیا ہے (نہ کہ عدت) تاکہ اسے اسلام لانے سے انکار کرنے کی بجائے علیحدگی کا سبب قرار دیا جائے۔ اس مسئلہ میں مباشرت شدہ عورت کے بارے میں بھی یہی حکم ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ رہا یہ کہ آیا مباشرت شدہ عورت پر عدت گزارنا لازم ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ عورت حربیہ ہے اور مسلمان نہیں ہوئی اور اس کا خاوند مسلمان ہو گیا تو اس پر عدت گزارنا لازم نہیں ہے کیوں کہ حربیہ عورت بالاتفاق عدت گزارنے کی پابند نہیں ہے اور اگر بیوی مسلمان ہوئی تو اس میں اختلاف ہے۔ ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ اس پر بھی عدت لازم نہیں ہے لیکن صاحبینؒ کہتے ہیں کہ مدت مذکورہ گزر جانے کے بعد عدت لازمی ہے اور مدت علیحدگی کی شرط کے لئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ عورت دارالحرب ہی میں رہے یا ہجرت کر کے دارالاسلام میں تنہا آ جائے یا مرد ہی تنہا آ جائے اس کا سبب یہ ہے کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ (علیحدگی کے لئے) یہ مدت جو رکھی گئی ہے وہ مسلمان نہ ہونے والے فریق کو قاضی کی طرف سے اسلام پیش کرنے کی بجائے ہے۔ چونکہ اس کے موجود نہ ہونے کے باعث اسے اسلام پیش نہیں کیا جا سکا اس کی بجائے اس مدت تک ٹھہرنے کی شرط لگائی گئی ہے۔ لیکن اگر دونوں (زوجین) اکٹھے دارالاسلام میں آ جائیں تو دیکھنا ہوگا کہ آیا وہ دونوں ہمیشہ کے لئے

Marfat.com

یکجا ہوئے ہیں کہ انہوں نے مستقل طور پر وہیں اقامت کرنے کا ارادہ کرلیا ہے یا پناہ گزیں کے طور پر آئے ہیں کہ دارالاسلام میں امن وامان کے ساتھ تجارت وغیرہ کرکے واپس جانے کے ارادے سے مقیم ہیں۔ اول الذکر صورت میں زوجین کے درمیان علیحدگی سے پہلے اسلام پیش کیا جائے گا جیسا کہ دارالاسلام میں مستقل طور پر رہنے والوں سے کیا جاتا ہے اور ثانی الذکر حالت میں اسلام پیش کرنے کے بعد بھی علیحدگی ہوسکتی ہے اور مقررہ وقت گزرنے کے بعد بھی۔

واضح ہو کہ حنفیہ کے نزدیک زوجین میں علیحدگی کے واجب ہونے کا سبب حقیقی معنوں میں دونوں کی اقامت گاہوں کا مختلف ہونا ہے۔ (یعنی ایک دارالاسلام میں ہو اور دوسرا فریق دارالحرب میں) اور حقیقی معنوں میں اختلاف ہونا کہ میاں بیوی میں سے ایک مستقل طور پر اقامت اختیار کرنے کے لئے دارالحرب سے (ہجرت کرکے) دارالسلام میں چلا جائے۔ اگر کوئی حالت امن میں کسی خاص غرض سے دارالاسلام میں آیا ہوا ہو اور پھر واپس چلا جائے تو ایسے شخص کو مستامن کہیں گے (یعنی امن پسند اقامت گزیں) ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے سوا اس صورت کے جب کہ وہ شخص بطور ذمی رہنا قبول کرے اور ان احکام کو تسلیم کرے جو مسلمانوں نے ذمیوں پر عائد کئے ہوں ایسا شخص حقیقی معنوں میں دارالاسلام کا شہری قرار پائے گا اور اس کی بیوی اس سے علیحدہ کردی جائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح دارالاسلام میں اہل کتاب عورت کے مسلمان ہوجانے اور اس کے خاوند کو اسلام پیش کئے جانے اور اس کے کفر پر جمے رہنے کے بعد اور دارالحرب میں میعاد مقررہ گزرنے کے بعد زوجین میں علیحدگی کی جاتی ہے اسی طرح زوجین کے مختلف حکومتوں میں چلے جانے اور سفر کرکے ایک دوسرے سے جدا ہونے کے بعد اور دارالاسلام یا دارالحرب میں اقامت کی نیت کرلینے کے بعد بھی علیحدگی ہوجاتی ہے۔ پس اگر کسی مسلمان نے کتابیہ عورت سے دارالحرب میں شادی کی پھر شدرحال (رخت سفر باندھنے ہونے) کرکے بہ نیت اقامت تنہا دارالاسلام میں آ گیا تو اس کی بیوی مذکورہ سابقہ مقررہ وقت کا انتظار کئے بغیر ہی زوجیت سے خارج ہوجائے گی کیوں کہ کتابیہ عورت مسلمان پر بغیر اس کے کہ اسے مسلمان ہونے کے لئے کہا جائے حلال ہے (لہٰذا اسلام پیش کرنے کی بجائے جو مدت مقرر کی گئی ہے اس کے گزرنے کی ضرورت نہیں ہے) اگر عورت خاوند سے پہلے ہی (دارالحرب سے) نکل آئے اور اس کا خاوند بعد میں اس سے آ کر ملے یا دونوں ایک ساتھ نکلیں تو ان کی علیحدگی نہ ہوگی اس کا سبب یہ ہے کہ ان صورتوں میں عورت کا دارالاسلام میں داخل ہونا جو اس کے خاوند کی اصلی اقامت گاہ ہے (حقیقی معنوں میں) اس کی اقامت گاہ سے مختلف ہے بلکہ یہ فرق حکمی (یعنی مانا ہوا یا فرضی) ہے کیوں کہ بیوی اقامت گاہ کے معاملہ میں اپنے خاوند کی تابع ہوتی ہے (یعنی جو اقامت گاہ بھی خاوند کی ہے وہی بیوی کی ہے) اسی طرح اگر اہل کتاب خاوند کی بیوی دارالاسلام میں سکونت اختیار کرنے کی نیت سے (دارالحرب سے) نکل آئے اور خاوند نہ آئے تو وہ ذمیہ قرار پائے گی اور زوجیت سے علیحدہ ہوجائے گی لیکن اگر اہل کتاب کی بیوی مسلمان ہوکر دارالاسلام میں آ جائے تو وہ بدرجہ اولیٰ زوجیت سے علیحدہ ہوجائے گی اور ان دونوں صورتوں میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت کے لئے عدت گزارنا ضروری نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ عورت ذمیہ بننے کی غرض سے نکلے اور اپنے دین پر قائم رہے تو وہ فوراً ہی تین ایام ماہواری کی مدت گزارے بغیر ہی یا تین ماہ گزرنے پر یا وضع حمل کے بعد زوجیت سے خارج ہوجائے گی۔ لیکن اگر وہ مسلمان ہوجائے تو لازم ہوگا کہ اس عرصہ تک جو اسلام پیش کرنے کی بجائے

Marfat.com

مقرر کیا گیا ہے انتظار کرے جیسا کہ بتایا گیا۔ بناء بریں کتابیہ عورت کا عقد دارالاسلام کے اندر داخل ہوتے ہی اور ذمیوں کے زمرہ میں شامل ہوتے ہی حلال ہو جائے گا۔ اگر چہ وہ حاملہ ہو لیکن اس کے ساتھ وضع حمل ہو جانے تک مباشرت حلال نہ ہوگی جیسا کہ بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ حاملہ کے ساتھ عقد کرنا بھی درست نہ ہوگا عدت (نہ گزارنے) کی بنا پر نہیں بلکہ رحم جنین پر کسی اور شخص کی حق تلفی کی بنا پر۔ اس دوسرے خیال کے اصحاب کی اکثریت ہے تاہم بعض اصحاب نے پہلے ہی خیال کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عورت مسلمان ہو جائے اور علیحدگی کی مقررہ مدت گزارنے سے پہلے مسلمان ہو کر آ جائے تو مسلمانوں میں آ کر اس میعاد کے پورا ہونے کا انتظار کرے گی۔ امام صاحب کے نزدیک اس کے بعد عدت گزارنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ قید ہو جانے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ زوجین کے مختلف علاقوں (حکومتوں) میں چلے جانے سے نہیں ٹوٹتا۔ چنانچہ اگر زوجین میں سے کوئی قید ہو جائے یا دونوں قید ہو جائیں تو ان کا نکاح ٹوٹ جائے گا لیکن اس بارے میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ زوجین یا تو دونوں ایک ساتھ قید ہوئے ہوں گے یا ان میں سے ایک پہلے اور دوسرا بعد میں قید ہوا ہوگا۔ اگر دونوں کو ایک ساتھ قید کیا گیا تو ان دونوں کا نکاح ٹوٹ جائے گا خواہ قید ہو جانے کے بعد مسلمان ہو جائیں یا اپنے دین پر قائم رہیں۔

متفرق طور پر قید میں آنے کی چار صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ بیوی پہلے قید ہوئی اور ہنوز مسلمان نہ ہوئی تھی پھر خاوند قید ہوا اور وہ بھی مسلمان نہ ہوا تھا۔ بعد میں دونوں مسلمان ہو گئے۔ ایسی صورت میں ان کے مسلمان ہو جانے سے ان کے رشتہ ازدواج کے باقی رہنے کے حق میں کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ قید کے بعد ہی ان کی زوجیت منقطع ہو جائے گی۔

دوسری صورت پہلی صورت کے برعکس یہ ہے کہ خاوند قید ہوا اور کفر پر رہا پھر عورت قید ہوئی اور وہ بھی کفر پر قائم رہی لیکن بعد میں دونوں مسلمان ہو گئے ان کا نکاح بھی پہلی صورت کی طرح ٹوٹ جائے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ خاوند قید ہوا اور مسلمان ہو گیا پھر بیوی قید ہوئی اور وہ بھی مسلمان ہو گئی۔

چوتھی صورت تیسری کے برعکس یہ ہے کہ پہلے بیوی قید ہوئی اور مسلمان ہو گئی پھر خاوند قید ہوا اور مسلمان ہو گیا۔

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ان چاروں صورتوں میں مسلمان ہونے سے نکاح کے باقی رکھنے کے حق میں کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ دونوں کے قید ہوتے ہی نکاح ٹوٹ جائے گا۔ خواہ اکٹھے قیدی بنائے گئے ہوں یا متفرق طور پر ان حالات میں اگر قید ہونے والا یہ چاہے کہ اپنی قید شدہ بیوی کے ساتھ مباشرت کرے تو واجب ہے کہ ایک ایام ماہواری کی مدت تک استبراء کرے (یعنی مباشرت سے باز رہے تاکہ یہ دیکھ سکے کہ آیا اسے حمل وغیرہ تو نہیں۔ جیسا کہ نو گرفتار شدہ لونڈیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے) کیونکہ قید ہونے کے بعد وہ عورت لونڈی ہو گئی لہٰذا وہ آزاد خواتین کی طرح عدت نہیں گزارے گی لیکن اگر ان دونوں کو یکجائی طور پر قید نہیں کیا گیا بلکہ ان میں سے صرف ایک کو قید کیا گیا ہے تو اب دیکھنا چاہئے کہ دوسرے کے قید ہونے سے پہلے وہ مسلمان ہو گیا یا نہیں؟ اگر دوسری صورت ہے تو اس قید سے نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اگر پہلی صورت ہو تو اس عورت کا خاوند اس کا حق دار ہوگا' بشرطیکہ عورت کو ہنوز حیض استبراء نہ آیا ہو اگر آ چکا ہے تو عقد زوجیت ٹوٹ جائے

Marfat.com

گا۔ مثلاً ایک شخص کی بیوی جو ہنوز قیدی نہ ہوئی تھی کہ وہ شخص مسلمان ہو گیا اس کے بعد بیوی بھی قید ہو گئی اور مسلمان ہو گئی تو وہ شخص اس بیوی کا اس وقت تک حق دار متصور ہو گا جب تک کہ اسے گرفتاری کے بعد ایام ماہواری نہ آئے ہوں اور اس کی حیثیت ایسی ہو گی جیسے ایک آزاد مسلمان کے تحت ایک مسلمان لونڈی کی ہوتی ہے۔ لیکن اگر خاوند دارالاسلام میں مستامن (امن پسند غیر مسلم شہری) کی حیثیت میں آیا ہو پھر صرف بیوی قید ہو کر آ گئی تو ان کا عقد ٹوٹ جائے گا۔

اسی طرح اگر ایک عورت کا خاوند جو ہنوز قید نہ ہوا تھا اور وہ عورت مسلمان ہو گئی پھر اس کا خاوند قید میں آیا اور مسلمان ہو گیا تو وہ شخص اس عورت کا زیادہ حق دار ہو گا بخلاف اس صورت کے جب کہ وہ عورت دارالاسلام میں آ کر مستامنہ ہو جائے اور مسلمان نہ ہو اور پھر اس کا خاوند قید ہو جائے تو ان کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی بیوی' خاوند کے مسلمان ہونے سے پہلے قید ہو جائے تو ان کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ خواہ اس کا خاوند دارالاسلام کا مستأمن بن جائے یا نہ بنے۔ اگر بیوی کے مسلمان ہونے سے پہلے خاوند قید ہو جائے تب بھی عقد ٹوٹ جائے گا خواہ اس کی بیوی مستأمنہ کی حیثیت سے دارالاسلام میں آ جائے یا نہ آئے۔ لیکن اگر خاوند کے مسلمان ہونے کے بعد اس کی بیوی قید میں آئی یا خاوند اپنی بیوی کے مسلمان ہونے کے بعد قید ہوا اور اب دونوں مسلمان ہو گئے تو خاوند اس عورت کا سب سے زیادہ حق دار ہو گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ قید میں آ جانے سے عقد ٹوٹ جاتا ہے اقامت گاہوں کے مختلف ہونے سے نہیں ٹوٹتا۔ پس اگر حربی کافر کی بیوی مباشرت سے پہلے یا بعد میں قید ہو گئی تو ان کا عقد فوری طور پر ٹوٹ جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی ذمی کی بیوی تھی لیکن ذمی ہونے کے معاہدہ میں داخل نہیں ہوئی تھی بایں طور کہ جس وقت اس کی شادی ہوئی وہ مسلمانوں کی اطاعت سے باہر تھی تب بھی۔ لیکن اگر خاوند اسے ذمی ہونے کے معاہدہ میں شامل کر لیا تھا تو وہ قید نہ کی جائے گی۔

رہا یہ کہ اگر اصلی مسلمان دارالحرب میں کسی کتابیہ عورت سے شادی کر لے تو اس عورت کو قیدی بنانا درست ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو رائیں ہیں ایک رائے یہ ہے کہ اسے بھی قیدی بنایا جا سکتا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسے قیدی بنانا درست نہیں ہے یہی قول قابل اعتماد ہے۔ تاہم یہ حکم اس صورت کے خلاف ہے جب کہ خاوند مسلمان اصلی (یا خاندانی) نہ ہو یعنی وہ اہل کتاب یا بت پرست رہا ہو اور پھر مسلمان ہو گیا ہو ایسی صورت میں اس کا نیا اسلام اس کی کتابیہ بیوی کو قید سے بچانے میں معاون نہ ہو گا۔ اصلی مسلمان اور نو مسلم کے اسلام میں فرق کی دو وجہ ہیں' ایک تو یہ کہ اس عورت نے قید میں آنے سے پہلے خاوند کے ساتھ ہی مسلمان ہو جانے میں کوتاہی کی دوسرے یہ کہ اصلی اسلام نو مسلم کے اسلام سے قوی ہوتا ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ اگر ذمی ہونے کے عہد میں زوجیت کو شامل کر لیا جائے تو یہ عہد (بیوی کو) قید ہونے سے بچا لے گا اور دوسری طرف یہ کہا جاتا ہے کہ خاوند کا مسلمان ہو جانا اسے قید سے نہیں بچا سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کا حکم دونوں میاں بیوی پر الگ الگ لاگو ہوتا ہے لہٰذا بیوی خاوند کے تابع نہیں ہو سکتی بخلاف عقد ذمہ کے کہ اس میں عورت مسلمانوں کی اطاعت میں خاوند کے ساتھ شامل ہو سکتی ہے لہٰذا یہ (عقد ذمہ) اس کے لئے جداگانہ نہیں ہے اور اس بارے میں وہ اپنے خاوند کی تابع ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہے کہ بیوی کے قید ہونے سے پہلے

Marfat.com

مرتد (دین سے پھر جانے والے) کے نکاح کا بیان

زوجین میں سے کوئی اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے یا دونوں ایک ساتھ مرتد (اسلام سے برگشتہ) ہو جائیں تو ایسی صورت حال کا تعلق چند امور سے ہے:

ایک تو یہ کہ آیا ان میں سے کسی کے یا دونوں کے مرتد ہو جانے سے ان کا عقد نکاح فسخ ہو جائے گا۔

دوسرے یہ کہ آیا خاوند کا مرتد ہو جانا فسخ نکاح کے بارے میں ایسا ہی ہے جیسا کہ بیوی کا مرتد ہونا یا نہیں؟

تیسرے یہ کہ آیا یہ فسخ نکاح طلاق متصور ہوگا اور تین طلاقوں کی تعداد ختم ہو جائے گی یا نہیں؟

چوتھے یہ کہ آیا مرتد کسی کا وارث بن سکے گا یا نہیں؟ اور مرتد ہونے کی حالت میں جو معاملات (یا تصرفات) اس نے انجام دیئے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

خاوند کا مسلمان ہو جانا عورت کو قید ہونے سے نہیں بچا سکتا اور جب وہ قید ہو گئی تو زوجیت کا تعلق فوراً ٹوٹ جائے گا۔ عورت (کافرہ) قید ہو جانے کے بعد ایک مسلمان کے تحت کافرہ لونڈی کی مانند ہو جاتی ہے جو ممنوع ہے اور اب مسلمان ہو جانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ یہ مسئلہ مالکیہ کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اگر زوجین میں سے کوئی ہنوز قید نہ ہوا ہو اور ان میں ایک دوسرے کے قید ہونے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو ان کی زوجیت نہیں ٹوٹتی بشرطیکہ بیوی کو جو قید ہے حیض استبراء نہ آیا ہو اور اس کی حیثیت ایسی ہوگی جیسی آزاد مسلمان کے پاس مسلمان لونڈی ہو جیسا کہ سابقاً اس کی وضاحت کی گئی۔

اسی طرح اس صورت میں جب کہ دونوں ایک ساتھ قید ہوں یا صرف خاوند قید ہو جائے ان کا رشتہ زوجیت فوراً ٹوٹ جائے گا کیوں کہ زوجیت کا تعلق محض قید ہو جانے سے ٹوٹ جاتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مختلف حکومتوں میں محض اقامت کے باعث نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ لہٰذا مسائل مذکورہ میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ زوجین میں سے کوئی دار الحرب میں ہو یا دار الاسلام میں یا دونوں دار الحرب یا دار الاسلام میں ہوں۔

پس اگر کسی حربی کی بیوی مسلمان ہو کر دار الاسلام میں اور اس کا خاوند انقضائے عدت سے پہلے پہلے مسلمان ہو کر اپنی بیوی کے پاس نہ آئے تو ان کا نکاح ٹوٹ جائے گا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اگر صرف بیوی قید میں چلی جائے گی تو خاوند کی زوجیت سے خارج ہو جائے گی۔ لیکن اگر صرف مرد قید ہو جائے یا دونوں ایک ساتھ قیدی بنائے جائیں تو عورت زوجیت سے علیحدہ نہ ہوگی۔ غرض حنفیہ کو اس صورت میں اتفاق ہے جب کہ دونوں ایک ساتھ قید ہوں یا صرف مرد قید ہوا اور مختلف علاقوں (یعنی دار الحرب اور دار الاسلام میں) میں اقامت گزیں نہ ہوں اور شافعیہ اور مالکیہ کو اس صورت میں اتفاق ہے جب کہ صرف عورت قید ہو۔

ان تمام امور کی تفصیل مع دلائل متعلقہ کے انشاء اللہ کتاب الجہاد میں بیان کی جائے گی۔

Marfat.com

پانچویں یہ کہ اگر صرف خاوند یا صرف بیوی مرتد ہو جائے تو مہر کی بابت کیا حکم ہے؟
چھٹے یہ کہ مرتد ہو جانے والی عورت کی کیا سزا ہے؟
ساتویں یہ کہ وہ اقوال وافعال کون سے ہیں جن سے کفر اور ارتداد عائد ہوتا ہے؟
ان سوالات کے مفصل جوابات بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر خاوند اپنے دین اسلام سے پھر جائے (مرتد ہو جائے) تو اس کی منکوحہ فوراً زوجیت سے خارج ہو جائے گی کیوں کہ کافر کا مسلمان عورت پر غالب ہونا کسی حالت میں بھی حلال نہیں ہے اور بغیر کسی شرعی فیصلہ حاکم کے ان میں علیحدگی ہو جائے گی۔ لیکن اگر صرف عورت مرتد ہو جائے تو اس بارے میں تین اقوال ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ اس کے مرتد ہو جانے سے بھی نکاح فسخ ہو جائے گا اور اس عورت کو ہر تیسرے روز سزائے ضرب یا جو سزا امام اس کے لئے مناسب سمجھے دی جائے گی اور اسے قید میں رکھ کر پھر اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائے یا قید میں مر جائے اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اسے اپنے خاوند کے علاوہ کسی اور کے ساتھ شادی کرنے سے باز رکھا جائے گا بلکہ اسے معمولی مہر پر از سر نو نکاح کے لئے مجبور کیا جائے گا خواہ وہ اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔ حاکم شرع پر بہر حال لازم ہے کہ جس وقت بھی خاوند مطالبہ کرے اس کا نکاح نئے سرے سے خاوند کے ساتھ کر دے خواہ آدھی اشرفی پر ہو لیکن اگر خاوند (نکاح کی طرف سے) خاموشی اختیار کر لے یا صریحاً اس سے انکار کرے تب وہ عورت اس کے سوا کسی اور سے شادی کر سکتی ہے۔ اس قول پر فی زمانہ عمل کیا جائے گا بشرطیکہ پورے طور پر اس قول پر عملدرآمد ممکن ہو۔ (مرتد عورت کا) محض فسخ نکاح کر دینا کوئی امر قابل عبرت نہیں ہے۔ بلکہ سزا دینا' مسلمان ہونے کے لئے مجبور کرنا اور جبراً دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہے۔ اگر یہ امر دشوار ہو تو اس پر عمل کرنا بند کر دیا جائے گا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ عورت کے مرتد ہو جانے سے قطعاً فسخ نکاح واجب نہیں ہوتا خاص کر ایسی حالت میں جبکہ بیوی خاوند سے چھٹکارا پانے کے لئے دانستہ مرتد ہوئی ہو۔ ایسی صورت میں نہ فسخ نکاح ہوگا اور نہ تجدید نکاح ضروری ہے۔ یہی وہ قول ہے جس پر بلخ کے علماء کا فتویٰ ہے اور ہمارے زمانے میں اسی پر عمل ہے۔ لہٰذا قاضی کے لئے اس نکاح کی تجدید درست نہیں ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ عورت جب مرتد ہو جائے تو وہ مسلمانوں کی مملوکہ لونڈی بن جاتی ہے۔ اب اس کا خاوند اسے حاکم سے خرید سکتا ہے اور اگر وہ یونہی دینا چاہے تو بغیر قیمت کے وہ اس کے لینے کا حق دار ہے اور وہ عورت اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتی جب تک اسے آزاد نہ کیا جائے لہٰذا اگر وہ مسلمان بھی ہو جائے تو از خود آزاد نہ ہو جائے گی اگر خاوند اس کے بعد اس پر قابض ہو جائے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور وہ اسے فروخت کر سکتا ہے بشرطیکہ اس سے اولاد نہ پیدا ہو جائے۔ مرتد عورت کے حق میں یہ احکام انتہائی سخت قسم کے ہیں اور اللہ ہی ہے کہ ان علاقوں کے علاوہ جہاں پر غلامی کا رواج اب تک موجود ہے اس پر عمل کرنا ممکن ہو۔

اگر زوجین ایک ساتھ ہی مرتد ہوئے مثلاً دونوں نے ایک ساتھ ہی بت کے سامنے سجدہ کیا یا دونوں میں سے ایک

Marfat.com

نے کلمہ کفر پہلے کہا اور یہ معلوم نہیں کہ پہلے کس نے کہا تو ان کا نکاح بحال رہے گا اور فسخ نہ ہوگا پھر اگر وہ دونوں ایک ساتھ ہی مسلمان ہو گئے تو ان کا نکاح بدستور باقی رہے گا۔ لیکن اگر ان دونوں میں سے ایک پہلے مسلمان ہوا تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ زوجین میں علیحدگی کرا دی جائے گی وہ طلاق نہ ہوگی بلکہ وہ فسخ نکاح ہے اور طلاق کی تعداد میں سے کوئی عدد ضائع نہ ہوگا (بلکہ خاوند کو تین طلاق کا بدستور حق رہے گا) لہٰذا اگر خاوند مرتد ہو گیا اور پھر اس نے توبہ کر لی اور اس کے نکاح کی تجدید کر دی گئی تو (تین) طلاق کا جو حق اسے حاصل تھا اس میں سے کچھ کم نہ ہوگا۔ اور اگر عورت مرتد ہو کر دارالحرب چلی گئی اور خاوند اسے طلاق دے دے پھر وہ حیض آنے سے پہلے مسلمان ہو کر واپس گئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ طلاق واقع ہو جائے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک واقع نہ ہوگی لیکن خاوند اگر مرتد ہو کر دارالحرب میں چلا جائے اور بیوی کو طلاق دے دے اور پھر مسلمان ہو کر واپس آ جائے تو وہ طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر مسلمان ہو کر واپس آ جائے اور بیوی کو عدت گزرنے سے پہلے طلاق دے دے وہ طلاق پڑ جائے گی۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر خاوند مرتد ہو جائے تو اس کی بیوی اس کی وارث ہوگی بشرطیکہ وہ ہنوز عدت میں ہو قطع نظر اس کے وہ حالت مرض میں مرتد ہوا ہو یا حالت صحت میں۔ پس اگر خاوند مرتد ہونے کے بعد مر جائے یا دارالحرب میں چلا جائے اور ہنوز اس کی بیوی کی عدت پوری نہ ہوئی ہو تو عورت اس کی وارث ہوگی لیکن اگر بیوی حالت صحت میں مرتد ہو جائے اور پھر مر جائے یا دارالحرب میں چلی جائے تو خاوند اس کا وارث ہوگا اور خاوند اور بیوی کے درمیان اس مسئلہ میں فرق کا سبب یہ ہے کہ خاوند اگر مرتد ہونے کے بعد توبہ نہیں کرتا تو اس کی پاداش میں اسے ختم کر دیا جائے گا گویا وہ صحت مند ہونے کے باوجود ایسے مرض میں مبتلا ہے جس کا انجام لامحالہ موت ہے اور ایسے شخص کی مانند ہے جو مرض موت میں اپنی بیوی کو ورثہ سے محروم رکھنے کے لئے طلاق دے دے لہٰذا اس حالت میں اس کا طلاق دے دینا اسے وراثت سے محروم نہیں کر سکتا۔ لیکن عورت اگر مرتد ہونے کے بعد مسلمان ہونے سے باز رہے تو جرم ارتداد کی پاداش میں اسے نیست و نابود نہیں کیا جاتا جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ اس کی سزا قید میں رکھنا ہے لہٰذا وہ حالت صحت میں مرتد ہو کر خاوند کے ورثہ سے باز نہیں رہ سکتی۔

جاننا چاہئے کہ مرتد ہو جانے کی صورت میں مرتد ہونے والا اپنے مال کا مکمل طور پر مالک نہیں رہتا بلکہ اس کی ملکیت اس امر پر موقوف ہوتی ہے کہ وہ پھر مسلمان ہو جائے اس صورت میں وہ اپنے مال کا اسی طرح مکمل طور پر مالک ہو جائے گا جیسا کہ مرتد ہونے سے پہلے تھا۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہوا اور قتل کر دیا جائے یا مر جائے یا دارالحرب میں چلا جائے تو اس کی ملکیت بالکل جاتی رہے گی لہٰذا اس کا کیا ہوا معاملہ (تصرف) خرید و فروخت اور ہبہ وغیرہ جو وہ کرے، مسلمان ہونے سے پہلے لاگو نہ ہوگا۔ صحیح مسئلہ یہی ہے۔ امام صاحب کے علاوہ دوسروں کی رائے یہ ہے کہ مرتد کی ملکیت زائل نہ ہوگی تا آنکہ ان تین امور مذکورہ میں سے کوئی امر نہ ہو یعنی قتل، موت یا دارالحرب میں چلا جانا، اب اگر مرتد کا کوئی بالغ لڑکا ہے جو اس کے ساتھ مرتد ہو گیا لیکن تین دن کے اندر جو مرتد کے لئے (توبہ کرنے میں) مقررہ مہلت ہے مسلمان ہو گیا اور باپ کے قتل ہونے، مرنے یا دارالحرب میں چلے جانے کے وقت تک اسلام پر قائم رہا تو وہ اپنے باپ کا وارث ہوگا۔ اسی طرح اگر مرتد شخص نے اپنی لونڈی سے مباشرت کی اور اس کو لڑکے کا حمل رہ گیا تو

Marfat.com

یہ لڑکا اس کا وارث ہوگا کیونکہ وہ لڑکا اپنی مسلمان ماں کے ساتھ مسلمان متصور ہوگا۔ یہی صحیح ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس کے لئے (شرط) لازم ہے کہ اس کے مرتد ہونے کے وقت وہ لڑکا مسلمان رہا ہو۔ پس باپ کے ساتھ اس کا بڑا لڑکا مرتد ہوگیا اور اپنے باپ کے قتل ہونے سے پہلے مسلمان ہوا تو وہ وارث نہ ہوگا۔ لیکن یہ قول کمزور ہے اور مرتد کے وارثوں کو مرتد کے اس مال کے سوا حق نہیں جو اس نے حالت اسلام میں حاصل کیا ہو پھر وہ مال فرائض شرع کے بموجب حالت اسلام میں لئے ہوئے قرض کی ادائیگی کے بعد آپس میں جس میں بیوی بھی شامل ہے تقسیم کیا جائے گا۔ لیکن وہ مال جو مرتد کو ارتداد کے بعد حاصل ہوا مثلاً مال کا منافع جو ناگہاں حاصل ہو جائے اس میں وارثوں کا کچھ حق نہیں ہے۔ بلکہ وہ مسلمانوں کے بیت المال (خزانہ) کا مال غنیمت ہے۔ جبکہ اس مال میں سے مرتد کا وہ قرض چکایا جا چکے جو اس نے مرتد ہونے کے بعد لیا ہو۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ مرتد ہو جانے کی حالت مرتد کسی شے کا مالک نہیں رہتا لہٰذا اگر کوئی مرتد (پھر) مسلمان ہونے سے پہلے اس مال میں کوئی تصرف کرے تو ان تصرفات میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو بالاتفاق لاگو ہوں گے اور کچھ لاگو نہ ہوں گے اور کچھ بالاتفاق التوا میں رہیں گے اور کچھ ایسے ہیں جن کے التوا میں رکھے جانے کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان میں اختلاف ہے:

مرتد کے کئے ہوئے وہ معاملات جو بالاتفاق نافذ العمل ہوں گے وہ پانچ ہیں:

ایک طلاق جو دوران عدت دی جائے جیسا کہ ابھی بتایا گیا۔

دوسرے (مرتد کے کئے ہوئے) ہبہ کا قبول کرنا۔

تیسرے شفعہ کا تسلیم کرنا، چنانچہ اگر کسی نے اپنے حق شفعہ کا مطالبہ کیا اور اسے تسلیم کیا گیا تو درست ہے۔ رہا یہ کہ آیا اس شخص (دعویٰ شفعہ کرنے والے) کو یہ حق ہے کہ مرتد کے ارتداد کے بعد اور اس کے سپرد کرنے سے پہلے وہ اس شے کو (جس کے لئے حق شفعہ دائر کیا گیا) حاصل کرلے؟ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ یہ حق اسے حاصل نہیں ہے تا آنکہ وہ مطالبہ نہ کرے اور اسے سپرد نہ کیا جائے اگر شفیع مطالبہ نہ کرے اور اسے سپرد نہ کیا جائے تو اس کا حق باطل ہو جائے گا۔ امام صاحب کے علاوہ دوسرے اصحاب کہتے ہیں کہ اسے شفعہ کے باب میں یہ حق حاصل ہے۔

چوتھے حجر (معزولی اختیارات) یعنی کاروبار تجارت وغیرہ کے اجازت یافتہ غلام کو اس کے سپرد شدہ اختیارات سے روک دینا۔ پس اگر مرتد کا کوئی غلام ہو جسے اس نے تجارت وغیرہ کی اجازت دے رکھی ہو تو مرتد ہو جانے کے دوران اسے حق ہے کہ اسے سپرد کردہ اختیار کو استعمال کرنے سے روک دے۔

پانچویں استیلاد یعنی لونڈی کی اولاد پر اپنا دعویٰ کرنا۔ چنانچہ اگر دوران ارتداد مرتد کی لونڈی کے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہو اور اس کی بابت مرتد نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ اس کی اولاد ہے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور وہ لڑکا بھی دوسرے ورثاء کے ساتھ اس کا وارث قرار دیا جائے گا اور اس کی لونڈی ام ولد ہو جائے گی۔

مرتد کے ایسے تصرفات جو بالاتفاق باطل ہیں ان کی تعداد بھی پانچ ہے۔ یہ امور ایسے ہیں جو کسی نہ کسی دین سے تعلق رکھتے ہیں گو وہ دین آسمانی (یا الہامی) نہ ہو جیسے مجوسی وغیرہ۔

امر اول ''نکاح'' چنانچہ مرتد کا نکاح مطلقاً باطل ہے کیوں کہ نکاح میں یا تو دونوں مسلمان ہوں گے یا ایک مسلمان

Marfat.com

یا کتابی کے درمیان یا دو اہل کتاب کے درمیان یا پھر دو بت پرستوں کے درمیان ہوگا اور مرتد کا کوئی دین نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر وہ اہل کتاب کے دین میں چلا جائے جب بھی۔ کیوں کہ ہنوز اس پر قرار نہیں ہوگا لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے بت پرست کا ایک مذہب تو ہوتا ہے گو وہ صاحب کتاب نہیں ہے۔ پس اگر مرتد اور مرتدہ شادی کریں تو ان کا عقد ازدواج باطل ہوگا۔ امر دوم ''ذبیحہ'' ہے کہ مرتد کا ذبح کیا ہوا جانور نہیں کھایا جائے گا۔

امر سوم ''شکار'' کہ اگر مرتد کوئی شکار کرے تو اس کا شکار مردار ہوگا۔

امر چہارم ''گواہی'' کہ مرتد کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔

امر پنجم ''وراثت'' کہ جب کوئی مرتد ہو جائے تو وہ خود وارث ہوتا ہے اور نہ اس کے ایسے مال کا کوئی وارث ہوتا ہے جو اس نے مرتد ہونے کے بعد حاصل کیا ہو۔ لیکن وہ مال جو اس نے مسلمان ہونے کی حالت میں حاصل کیا اس میں وراثت لاگو ہوگی جیسا کہ ابھی بتایا گیا۔

ایسے امور جو بالاتفاق التوا میں رہتے ہیں وہ دو ہیں ''شرکت مفاوضہ'' (یعنی مال اور کام میں برابر کا شریک ہونا) اور اپنے چھوٹے (نابالغ) بچے پر تصرف پس اگر کسی مرتد نے ایک مسلمان کے ساتھ حالت ارتداد میں شرکت مفاوضہ کی تو وہ شرکت التوا میں رہے گی اگر وہ شخص پھر مسلمان ہو جائے تو (وہ معاملہ شرکت) لاگو ہوگا اگر وہ ہلاک ہو گیا تو یہ معاملہ باطل ہو جائے گا۔

رہا وہ امر جس کے التوا میں رہنے کے بارے میں اختلاف ہے وہ ہر ایسا معاملہ ہے جس میں مال کے عوض مال کا مطالبہ ہو مثلاً ہر طرح کی خرید و فروخت اور صرافہ کا کاروبار اور بیع سلم (قیمت نقد اور سودا ادھار) اور غلام کا آزاد کرنا اور غلام کی تدبیر (یعنی موت کے بعد آزادی کا وعدہ) یا کتابت (یعنی مال کے عوض غلام کو آزاد کرنے کی تحریر) اور ہبہ یا کرایہ اور وصیت۔ پس اگر مرتد مسلمان ہو جائے تو یہ تمام معاملے یا تصرفات لاگو ہو جائیں گے (اس سے پہلے معرض التوا میں رہیں گے) اگر مرتد ہلاک ہو جائے یا دار الحرب میں چلا جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک (معاملات) باطل ہو جائیں گے اور صاحبینؒ کے نزدیک لاگو ہوں گے کیوں کہ تصرف کا حق موت کے بغیر باطل نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

اب رہ گئیں ایسی اشیاء جن کی وضاحت نہیں کی گئی۔ مثلاً اگر مرتد نے کسی حربی کو پناہ دی تو وہ لاگو نہ ہوگی۔ کیوں کہ ذمی کو پناہ دینا لاگو نہیں ہوتا تو حربی کو پناہ دینا بدرجہ اولیٰ لاگو نہ ہوگا۔ اسی طرح مرتد شخص عاقلہ (ادائیگی خون بہا کا ذمہ دار) نہیں بن سکتا۔ لہٰذا نہ وہ خون بہا یا (تاوان) میں کسی کی اعانت کر سکتا ہے اور نہ تاوان دے کر اس کی اعانت کی جا سکتی ہے کیوں کہ ایسا کرنا عوام اور مرتد کے درمیان باہمی تعاون ہے اور کسی مرتد کے ساتھ مسلمان کا تعاون نہیں ہو سکتا لہٰذا مرتد نہ کسی کی مدد کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس کی مدد کرے لیکن اگر کسی مرتد نے کسی کے پاس کوئی امانت رکھی یا مرتد کے پاس کوئی امانت رکھے تو درست ہے۔ اسی طرح اگر اس نے کسی کی گری پڑی (یا گم شدہ) چیز اٹھالی یا کسی شخص نے اس کی گری پڑی چیز اٹھالی تو اس کے متعلقہ احکام نافذ ہوں گے۔

اگر کوئی مرتد دار الحرب میں چلا گیا اور پھر مسلمان ہو کر واپس آ گیا اور اپنا مال اپنے وارثوں کے پاس موجود پایا تو اسے حق ہے کہ اپنا مال ان سے رضامندی سے یا حاکم سے فیصلہ کرا کے وصول کر لے بشرطیکہ وہ مال وارثوں کے پاس موجود

Marfat.com

ہو۔لیکن اگران کے قبضہ سے باہر ہو گیا کہ اس مال کو بیچ دیا تو اب وہ مال ضائع شدہ متصور ہوگا اور اس پر کوئی حق اس کا نہ رہے گا لیکن مرتد کا وہ مال جو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل ہو گیا اور وہ مال ایسا تھا جو اس نے حالت ارتداد میں حاصل کیا تھا تو اب اس مال میں کسی طرح اس کا حق نہیں ہے۔ تاہم اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو اور حالت اسلام میں حاصل کی ہوئی آمدنی بیت المال میں داخل کر لی گئی اور اس کے بعد وہ شخص (مسلمان ہوکر) آ گیا تو اس پر اس کا حق ہوگا کیوں کہ وہ مسلمان کے لئے مال غنیمت نہ ہوگا۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ مرتد کا مال' مال غنیمت وہی قرار پاتا ہے جو اس نے حالت ارتداد میں حاصل کیا ہو۔

چوتھے سوال کا جواب وہی ہے جو پہلے بتایا گیا کہ اگر مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی تو بیوی پورے مہر کی مستحق ہوگی خواہ خاوند بیوی سے پہلے مرتد ہوا ہو یا بیوی خاوند سے پہلے مرتد ہوئی ہو کیوں کہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ مباشرت یا خلوت کے بعد مہر پختہ ہو جاتا ہے اور ساقط نہیں ہوتا لیکن مباشرت یا خلوت سے پہلے اگر بیوی مرتد ہو جائے تو اسے کچھ نہ ملے گا اور اگر خاوند مرتد ہوا تو وہ نصف مہر کی حق دار ہوگی۔ درآنحالیکہ اس کا مہر مقرر ہوا ہو اگر مہر مقرر نہیں ہوا تو صرف متعہ (جوڑا) پانے کی حق دار ہوگی۔ پھر اگر خاوند مباشرت کے بعد مرتد ہوا ہے تو ایام عدت کا نفقہ بھی اس کے ذمہ ہوگا۔ بیوی مرتد ہو گئی تو اسے کوئی نفقہ نہیں ملے گا لیکن اسے عدت گزارنی ہوگی۔ اگر وہ عورت بھاگ کر دارالحرب چلی گئی تو خاوند کے لئے جائز ہوگا کہ وہ ایام عدت گزارنے سے پہلے اس کی بہن سے شادی کر لے کیوں کہ ایسی حالت میں وہ عورت مردہ کی مانند ہوگی۔ چنانچہ اگر بیوی مر جائے تو خاوند کے لئے حلال ہے کہ عدت کے دن گزارے بغیر اس کی بہن سے شادی کر لے۔ پھر اگر بیوی کی بہن سے شادی کے بعد بیوی مسلمان ہوکر واپس آ جائے تو بالاتفاق یہ نکاح فاسد نہ ہوگا۔ لیکن اگر بیوی کی بہن سے شادی ہونے سے پہلے ہی بیوی واپس آ گئی تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا نکاح فاسد نہ ہوگا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ فاسد ہو جائے گا۔

پانچویں سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ عورت کو (مرتد ہونے کی سزا میں) اس وقت تک قید کی سزا دی جائے گی۔ کہ وہ پھر مسلمان ہو جائے بصورت دیگر وہ مرتے دم تک قید رہے گی اور ہر تیسرے روز سزائے ضرب دی جاتی رہے گی اور مرد کو تین دن تک قید میں رکھا جائے گا اگر وہ مسلمان ہو جائے اور توبہ کر لے تو خیرٗ ورنہ قتل کر دیا جائے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ شخص مہلت طلب کرے لیکن اگر وہ مہلت طلب نہ کرے تو اسی وقت قتل کر دیا جائے۔

مسلمان ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ دونوں شہادتوں کا اقرار کرے (یعنی اللہ کی وحدانیت اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اعتراف کرے۔ یا اشھد ان لا الہ الا اللہ اور اشھد ان محمداً رسول اللہ کہے) اور سوائے اسلام کے تمام مذاہب دنیا سے بیزاری کا اظہار کرے۔ اگر وہ پھر اسی طرح حرکت کرے اور اسی طرح کرتا رہے اور جب تک کہ وہ اسلام لانے سے انکار نہ کرے اسے قتل نہ کیا جائے تاہم اگر بار بار ایسی حرکت کرے تو اسے قید خانے میں ڈال دیا جائے اور اس سے نکلنے نہ دیا جائے تا آنکہ اس کی حالت سے توبہ کا اظہار نہ ہو اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ دین کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ ایسی صورت میں حاکم کو چاہئے کہ وہ ایسے شخص کو سخت اذیت ناک سزائے ضرب دے۔ لیکن حد شرعی کی نوبت کو نہ پہنچے۔

Marfat.com

چھٹے سوال کا جواب یہ ہے کہ جو امر بھی اس قول یا فعل یا عقیدے کے منافی ہو جس کا ضروریات دین میں سے ہونا معلوم ہے' اس کا ارتکاب دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص نماز' روزہ یا حج کے فرض ہونے سے انکار کرے یا یہ کہے کہ مسیح کو سولی دی گئی یا یہ کہ وہ اللہ کا بیٹا ہے یا یہ کہے کہ اللہ حادث (پیدا شدہ) اشیاء کی مانند ہے یا بت کے سامنے سجدہ کرے یا قرآن شریف کی توہین کرے۔ بایں طور کہ اسے دانستہ گندی جگہ پھینک دے یا دین اسلام کو گالی دے (یا برا کہے) یا ایسی شے کو جو قطعی طور پر مذہب میں حرام ہے اسے حلال قرار دے مثلاً شراب' بدکاری' جوا اور لوگوں کا مال حرام کھانا اسی میں چوری' ملاوٹ اور بے ایمانی اور ناپ تول میں کمی کرنا اور لوگوں کے جان و مال کے ساتھ زیادتی کرنا مثلاً قتل کرنا اور تہمت لگانا وغیرہ وہ تمام باتیں جن کو شریعت نے واضح طور پر حرام قرار دیا ہے۔ اگر کسی شخص نے ان امور کا ارتکاب کیا اور ان کو حلال جانا یا یہ کہا کہ یہ حلال ہے تو وہ اسلام سے مرتد ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے ان انبیاءؑ میں سے جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے کسی بھی نبی کا انکار کیا یا ان واقعات میں سے کسی کا جن کا ذکر قرآن میں آتا ہے انکار کیا۔ یا قرآن کی کسی آیت سے انکار کیا یہ اور ایسی ہی اور باتیں وہ ہیں جن کے کہنے یا کرنے والا مرتد کہا جاتا ہے۔

مولفین فتاویٰ نے (ان کے علاوہ) اور بھی ایسی باتوں کا ذکر کیا ہے جن کی بابت وہ کہتے ہیں کہ ان سے کفر لازم آتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ امور تاویل طلب ہیں اور ایسے امور جن کی تاویل کی جا سکے ان سے کفر عائد نہیں ہوتا۔ ان امور میں مثلاً کسی شخص کا خلق قرآن کا قائل ہونا ہے۔ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس طرح کہنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے حالانکہ یہ خیال درست نہیں ہے کیوں کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ قرآن کے وہ الفاظ جو ہم پڑھتے اور عبادت میں استعمال کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں اور کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ قدیم (ازل سے) ہیں اور امام احمد سے جو منقول ہے وہ ادب اور اتقاء کی بنا پر ہے اور اس میں اس امر کا بھی احتمال ہے جو معتزلہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت جو اس کی ذات سے علیحدہ نہیں ہے۔ اور اسے کلام کہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے کلام پیدا کیا جسے حضرت موسیٰؑ کو سنایا اسی طرح اس نے قرآن کو پیدا کیا اور آنحضرت ﷺ پر نازل فرمایا۔ انہوں نے اپنے اس خیال کی یہ قوی دلیل پیش کی اور کسی نے ان کو کافر نہیں کہا بلکہ بیشتر مشاہیر اسلام نے کہا ہے کہ ان کی رائے اس بارے میں درست ہے اور اس میں ایک احتمال وہ بھی ہے جو کرامیہ کہتے ہیں کہ وہ حادث ہے اور ذات الٰہی سے جداگانہ شے ہے لیکن اس کی ہستی کے ساتھ قائم ہے۔ اس سے بھی کفر لازم نہیں ہوتا سوا اس صورت کے جب کہ اللہ کی ذات کو بھی اس بناء پر حادث قرار دیا جائے کہ اس کے ساتھ حادث اشیاء قائم ہیں۔ یا یہ اعتقاد رکھا جائے کہ صفت کلام جو حادث ہے' کے معرض وجود میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ متکلم تھا ہی نہیں۔ لیکن اگر یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ بذاتہ متکلم ہے پھر جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ''کن'' (ہو جا) کہتا ہے جو اس کی ذات سے وابستہ ہے پھر اس کا اثر مترتب ہو جاتا ہے (یعنی وہ شے معرض وجود میں آ جاتی ہے) تو ایسے اعتقاد والوں کو کافر نہیں کہا جا سکتا غرض ''خلق قرآن'' کی بابت اس قسم کے مختلف اقوال کا احتمال ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی تاویل ہر طرح سے کی جا سکتی ہے۔

اسی میں کسی کا یہ کہنا بھی ہے کہ میں انشاء اللہ ایماندار ہوں' اس طرح کہنے پر کافر قرار دینا درست نہیں ہے سوا اس

Marfat.com

کے کہ کسی نے یہ بات شک رکھتے ہوئے کہی یعنی اسے اپنے ایمان میں شک ہو لیکن اگر یہ الفاظ اس نے تبرک کے طور پر یا ہر معاملہ میں اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے کہے ہیں تو اس سے کچھ نہیں ہوتا تاہم ہر شخص کو چاہئے کہ ایسے امور میں جو شرعاً مطلوب ہیں ایسے الفاظ کو قصداً استعمال نہ کرے جن سے مترشح ہوتا ہو کہ ان کا نہ کرنا حلال ہے اور طالب (حکم دینے والے) کو شک میں ڈال دے۔

اسی طرح کی باتوں میں یہ ہے کہ ایک شخص ایسے شخص کی بابت جو مریض نہ ہوتا ہو یوں کہے کہ اللہ کو اس کا کوئی فکر نہیں ہے یا اللہ نے اسے فراموش کر دیا ہے۔ یہ الفاظ اگرچہ برے ہیں لیکن ایسا کہنے والے کو کافر نہیں کہا جائے گا تا آنکہ وہ شخص ان الفاظ کے وہی معنے مراد نہ لیتا ہو جو عام طور پر رائج ہیں یعنی یہ کہ اللہ بھول سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کی غرض یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جسے کوئی بیماری لاحق نہ ہو کہ مبادا اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے تو وہ کافر نہ ہوگا۔ اگر یہ الفاظ کہنے والا جاہل ہو تو سننے والے ذی علم کو چاہئے کہ جو کچھ اس نے کہا ہے اس کی حقیقت سے اسے آگاہ کر دے۔

متذکرہ بالا مثالیں ایسے امور کی ہیں جن کا ذکر مؤلفین فتاویٰ نے کیا ہے۔ اب چاہئے کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے کہ اس میں سوچ سمجھ سے کام لیا جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حنفیہ میں سے اہل تحقیق نے اس امر کی صراحت کر دی ہے کہ جہاں تک کسی شخص کے قول کی تاویل ممکن ہو اس کے کہنے والے کو کافر قرار دینا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی قول ایسا ہو جس میں ایک احتمال ایمان کا ہو اور متعدد احتمال کفر کے ہوں تو ایمان کے احتمال کو اختیار کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی لفظ ایسا کہا یا کوئی بات ایسی کی جو بظاہر مستلزم کفر ہے لیکن کوئی کمزور روایت بھی ایسی ہے کہ اس کی بنا پر احتمال ایمان کا ہو سکتا ہو تب بھی اسے کافر قرار دینے کی جرات کرنا درست نہیں ہے البتہ اگر کوئی ایسا فعل ہے جس کا ایمان پر محمول کرنا ممکن ہی نہیں مثلاً کسی نے تعصب میں آ کر قرآن حکیم کو نوچ کھوچ کر غیظ وغضب کے ساتھ زمین پر پھینک دیا حالانکہ وہ مسلمان ہے تو اس بارے میں اس سے مواخذہ کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں سمجھتا ہو۔ تاہم اس حرکت سے اس کی بیوی کو حق ہے کہ اس کی زوجیت سے علیحدہ ہو جائے اور قاضی کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ اس کے دل میں گھس کر فیصلہ کرے بلکہ ضروری ہے کہ اس کے ظاہر حالات کو دیکھ کر معاملہ کا فیصلہ اس عورت کے حق میں کر دے۔ البتہ جس بات کی تاویل ممکن ہے اس کے کرنے یا کہنے والے کو توبہ واستغفار کے لئے کہا جائے گا اور احتیاطاً اس کی بیوی کے ساتھ اس کے عقد ازدواج کی تجدید کی جائے گی۔ اگر بیوی انکار کرے تو اسے اس کے ارادہ سے باز نہیں رکھا جا سکتا اور نہ تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا۔

اگر ایک شخص نے مسلمان کے مذہب کو برا کہا (یا گالی دی) تو دو باتوں کا احتمال ہے۔ ایک تو یہ کہ اس نے گویا اس شخص مسلمان کی ذات کو گالی دی اور اس کی جو عادتیں ہیں ان کو برا کہا۔ اگر اس کا یہی ارادہ تھا تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اس نے دین اسلام کی مذمت کی اور اس کی تحقیر کی۔ جس نے یہ ارادہ کیا وہ کافر ہو گیا۔ تاہم اس سے دین کو برا کہنے والا قطعی طور پر کافر نہیں قرار دیا جائے گا اور مرتد کے احکام اس پر عائد نہ ہوں گے۔

اگر کسی نے نبی ﷺ کو صریحاً گالی دی یا ان کے عظیم مرتبہ کی ہتک کی یا انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کے حق میں بھی بدکلامی کی یا حضرت جبرائیلؑ و میکائیلؑ کو گالی دی تو اس بارے میں دو مختلف اقوال ہیں ایک تو یہ کہ اسے حد

Marfat.com

(شرعی سزا) کے طور پر قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کی بابت وہی حکم ہے جو ایسے مرتد کا ہے جو اپنے پروردگار کو گالی دے اگر وہ توبہ کر لے تو خیر ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ اسی مسلک پر بھروسہ کیا گیا ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینا تمام گناہوں میں سب سے بڑا اور سب سے برا گناہ ہے اور جو شخص اس کا ارتکاب کرے اگر اس میں ذرہ برابر بھی عقل ہے اس سے نیکی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا اسے نیست و نابود کر دینا ہی اسے زندہ رکھنے سے بہتر ہے۔

رہا جادو سواس کی وہ تعریف جو مالکیہ کرتے ہیں اس کی رو سے اس کا حکم واضح ہو جاتا ہے۔ اگر وہ جادو ایسے اقوال وافعال پر مشتمل ہے جس سے کفر لازم آتا ہے تو اس کے مرتکب کو بغیر کسی کلام کے کافر کہا جائے گا ورنہ اگر ان باتوں سے ضرر پہنچتا ہے تو وہ فعل حرام ہوگا اور اسے حلال ماننے والا کافر ہے۔ بصورت دیگر ان باتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جادو (کی باتوں کو عمل میں لانے) سے فی الواقع کوئی اثر ہوتا ہو یا محض خیالی ہو (یعنی نہ ہوتا ہو) کیوں کہ اس صورت میں جو حکم ہے اس کا تعلق ان اقوال وافعال سے ہے جو مکلف انسان سے (جادو کے سلسلہ میں) صادر ہوتے ہیں اور وہ تمام باتیں جو کتب احناف میں جادو کے متعلق خصوصیت کے ساتھ مذکور ہیں وہ اس (بیان کردہ تفصیل) سے باہر نہیں ہیں۔ اسی طرح وہ باتیں جو شافعیہ سے منقول ہیں اور بعض اہل تحقیق حنفیہ نے جس کی صراحت کی ہے وہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں شافعیوں کے مسلک پر عمل ہونا چاہئے اور وہ اس سے باہر (کوئی اور بات) نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ امر اول اور امر ثانی کا جواب یہ ہے کہ اگر خاوند مرتد ہو جائے تو بیوی سے اس کی علیحدگی لازم ہو جائے گی۔ لیکن اگر بیوی مرتد ہو جائے تو اس کے مرتد ہونے کا یہ مقصد پایا جاتا ہو کہ اس بہانے وہ خاوند سے خلاصی حاصل کرنا چاہتی ہے تو اسے خاوند سے علیحدہ نہ کیا جائے گا۔ بلکہ اس کے مقصد کے خلاف عمل کیا جائے گا۔ اگر خاوند اپنی بیوی سے خلاصی پانے کے لئے مرتد ہو جائے تو اس کے ارادہ کے مطابق عمل ہوگا اور اس کی بیوی زوجیت سے علیحدہ ہو جائے گی اس کا سبب یہ ہے کہ طلاق دینا اس کے اختیار میں ہے تو اسے بیوی سے خلاصی کے لئے مرتد ہونا ہی ناگزیر نہ تھا۔

امر سوم یہ ہے کہ آیا مرتد ہونے کی وجہ سے جو علیحدگی ہوتا ہے وہ فسخ نکاح ہے یا طلاق اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں تین اقوال ہیں ایک یہ کہ مرتد ہونا بجائے خود طلاق بائن (زوجیت سے علیحدہ کرنے والی طلاق) ہے لہٰذا اگر کوئی شخص مرتد ہو گیا تو اس کی بیوی زوجیت سے اسی طرح باہر ہو جائے گی جیسے اسے طلاق بائن دے دی گئی ہو۔ اور واجب ہے کہ ان دونوں میں فوراً علیحدگی کرادی جائے یہی قول مشہور ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خاوند کا مرتد ہونا طلاق رجعی ہوتا ہے (جس میں خاوند دوبارہ نکاح کے بغیر طلاق رجعی والی عورت کو پھر اپنی بیوی بنا سکتا ہے)۔ اس دوسرے قول کے مطابق اگر خاوند توبہ کر لے اور بیوی ہنوز عدت میں ہو تو وہ بغیر کسی عقد کے اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے۔ لیکن پہلے قول کے مطابق نکاح کی تجدید لازمی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مرتد ہو جانا فسخ ہے طلاق نہیں ہے اور اس تیسرے قول اور سابقہ دونوں اقوال کے درمیان فرق یہ ہے کہ تیسرے قول کے بموجب اگر خاوند توبہ کرے اور بیوی سے رجوع کر لے تو تین طلاقوں کا حق خاوند کو بدستور حاصل رہے گا لیکن قول ثانی کے مطابق طلاق کی تعداد مرتد ہونے سے کم ہو جائے گی جیسا کہ مذہب حنفیہ میں بتایا گیا۔

Marfat.com

چوتھے سوال کا جواب جس سوال میں مرتد کی میراث کا ذکر ہے یہ ہے کہ مرتد کسی مال کا مالک نہیں ہوتا کیوں کہ مرتد ہو جانے سے حجر (حق تصرف میں بے دخلی) واجب ہو جاتی ہے۔ لہٰذا مرتد ہوتے ہی امام یا اس کا نائب اس پر پابندی عائد کر دے گا اور مرتد اور اس کی املاک کے درمیان وہ خود حائل ہو جائے گا ہاں ضرورت کے مطابق اس میں سے خوراک اسے دیتا رہے گا۔ لیکن اس کی اولاد اور بیوی پر اس میں سے کچھ خرچ نہ کیا جائے گا کیوں کہ ایسی حالت میں انہیں مفلس (نادار) قرار دیا جائے گا۔ پھر اس مرتد سے توبہ کرنے کے لئے کہا جائے گا۔ اب اگر توبہ کر لے اور پھر مسلمان ہو جائے تو اس پر سے پابندی ہٹالی جائے گی اور بقول مشہور اس کے اور اس کے مال کے درمیان کوئی حائل نہ ہوگا اور وہ اس پر اسی طرح تصرف کرے گا جس طرح کہ مرتد ہونے سے پہلے کرتا تھا۔ لیکن اگر مرتد ہونے پر اصرار کرے اور کافر ہونے کی حالت میں مارا جائے تو اس کا مال مسلمان کے بیت المال میں بطور مال غنیمت داخل ہوگا اور اس کا کوئی وارث نہ ہوگا۔

پانچویں سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیوی کے ساتھ مباشرت سے پہلے مرتد ہو جائے تو وہ عورت بموجب اس قول کے کہ مرتد ہونا طلاق ہے نصف مہر کی مستحق ہوگی لیکن اس قول کے مطابق کہ مرتد ہونا فسخ نکاح ہے وہ عورت کسی مہر کی حقدار نہ ہوگی جیسے عورت کے مرتد ہو جانے کی صورت میں ہوتا ہے لیکن مباشرت کے بعد خاوند مرتد ہو جائے تو عورت پورے مہر کی حقدار ہوگی کیوں کہ مباشرت کے بعد مہر قطعی ہو جاتا ہے اور پھر ساقط نہیں ہوتا۔

چھٹے سوال کا جواب یہ ہے کہ مرتد خواہ مرد ہو یا عورت، واجب ہے کہ حاکم اسے توبہ کرنے کے لئے کہے اور اسے تین دن کی مہلت دے۔ جس میں ضرب وغیرہ نہیں لگائی جائے گی اور اسے بھوکا پیاسا نہیں رکھا جائے گا۔ اگر وہ توبہ کر لے اور دوبارہ مسلمان ہو جائے تو اسے قتل نہ کیا جائے اور اگر توبہ نہ کرے حتی کہ تیسرے دن کا سورج غروب ہو جائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام۔ لہٰذا وہ جزیہ دے کر اپنے کفر پر قائم نہیں رہ سکتا بخلاف اس صورت کے جب کہ وہ شخص شروع ہی سے اسلام کے سوا کسی اور مذہب کا پیرو ہو تو وہ جزیہ کی شرط پر اپنے مذہب پر قائم رہ سکتا ہے۔

اگر اہل شہر مرتد ہو جائیں تو تین دن تک انہیں توبہ کے لئے کہا جائے گا، اگر توبہ نہ کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے گا نہ انہیں قید کیا جائے گا نہ غلام بنایا جائے۔ پھر شادی شدہ عورت کو قتل سے پہلے ایک حیض کے آنے تک دیکھا جائے گا۔ کیوں کہ ممکن ہے وہ حمل سے ہو۔ غرض آزاد عورت کا استبراء (یعنی آزمائش حمل کے طور پر حیض کا انتظار کرنا ہی) اس صورت میں اس کی عدت ہے۔ یعنی مرتدہ عورت کی عدت ایک حیض کی مدت ہے۔ لیکن اگر خاوند مرتد ہو گیا اور بیوی مسلمان ہے تو اس کی عدت دوسری عورتوں کی مانند ہوگی۔ کیوں کہ یہ تو ایک بار ہی حیض کے نہ آنے سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ حاملہ نہیں ہے اس سے زیادہ جو میعاد رکھی گئی ہے امر تعبدی (فرمانبرداری) ہے اور مرتدہ عورت تعبد (بے چوں وچرا اطاعت) کی اہل نہیں ہے بخلاف اس مسلمان عورت کے جس کا خاوند مرتد ہو گیا ہو۔

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ مرتد شخص کی بیوی نفقہ کی حقدار نہیں ہوتی کیوں کہ جب کوئی شخص مرتد ہو جائے تو مال کا مالک ہی نہیں رہتا۔

ساتویں سوال کا جواب مالکیہ نے یہ دیا ہے کہ جن امور سے کوئی شخص مرتد ہو جاتا ہے ان کی تین قسمیں ہیں۔

ایک یہ ہے کہ کوئی شخص صریحاً کلمۂ کفر کہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا یا قرآن کا انکار کرے یا یہ کہے کہ دو خدا ہیں یا تین

Marfat.com

ہیں یا مسیح اللہ کا بیٹا ہے یا عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے۔

دوسرے یہ کہ کوئی ایسا لفظ کہے جس سے کفر عائد ہوتا ہو اور وہ یوں ہے کہ جو امور دین کے مسلمات میں سے ہیں ان سے منکر ہو مثلاً نماز کا فرض ہونا' اگرچہ اس سے انکار کرنا صراحتاً کفر نہیں ہے۔ لیکن اس (کے انکار) سے قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھٹلانا لازم آتا ہے یا کوئی شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ مجسم ہے اور ایک مکان میں محدود ہے کیوں کہ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان کا محتاج ہے اور جو کسی جگہ (یا مکان) کا محتاج ہو وہ حادث (پیدا شدہ) ہے اسے قدیم (ہمیشہ سے) نہیں کہا جا سکتا۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ جس شے کو مذہب نے قطعی طور پر حرام قرار دیا ہے اسے حلال کہا جائے مثلاً شراب' اور زنا اور اغلام بازی اور ناجائز طور سے (یعنی بطریق حرام) لوگوں کا مال کھانا۔

تیسرے یہ کہ کوئی شخص ایسے کام کا ارتکاب کرے جو نمایاں طور پر مستلزم کفر ہے۔ مثلاً قرآن شریف یا اس کے کسی جزو کو خواہ وہ ایک ہی آیت ہو گندی جگہ جس سے انسان نفرت کرتا ہے پھینک دے یا اگرچہ وہ شے پاک ہو جیسے تھوک' رینٹ وغیرہ۔ یا ایسی مکروہ اشیاء سے اسے آلودہ کرے مثلاً اس کے اوپر تھوکے یا اسے غلاظت سے آلودہ دیکھے اور صاف کر سکتا ہو اور پھر بھی ہتک اور حقارت کے ساتھ اسی طرح پڑا رہنے دے۔ غرض کفر کا انحصار ہتک اور حقارت پر ہے۔ تاہم ایسی حرکت کرنا بھی حرام ہے جس سے اس کی حقارت کا اظہار ہوتا ہو اگرچہ ارادہ نہ ہو مثلاً انگلیوں کو تھوک سے تر کرنا تاکہ قرآن کے اوراق کا پلٹنا آسان ہو اور منجملہ ایسے الفاظ کے جو مستلزم کفر ہے زنار باندھنا ہے۔ یہ ایک خاص قسم کی بندش ہوتی ہے جو مختلف طور سے باندھی جاتی ہے عیسائی اپنے سینے پر باندھتے ہیں تاکہ دوسرے (اہل مذاہب) سے امتیاز ہو سکے اب اگر مسلمان اس کو پہنے اور یہ شرطیں پائی جائیں تو وہ شخص کافر ہو جائے گا:

پہلی شرط یہ ہے کہ اسے پہننے والا ان کے مذہب سے محبت رکھتا ہو اور اس مذہب والوں کی جانب راغب ہو۔ ایسی صورت میں اس کا پہننا مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو جانا اور کافروں کی جماعت میں شامل ہو جانا ہے۔ اگر اس کے سوا کسی اور مقصد سے پہنا مثلاً تمسخر کے طور پر تو اس سے انسان کافر نہ ہوگا لیکن ایسا کرنا فعل حرام ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس کے پہننے کی کوئی مجبوری لاحق نہ ہو گئی ہو۔ مثلاً وہ لباس ہی ان کے شہر میں دستیاب ہو اور اس کے سوا کوئی اور لباس دستیاب نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس لباس کو پہن کر ان کے مذہب کی اور باتوں میں سے بھی کوئی بات اختیار کرے مثلاً گرجا گھر جانا یا صلیب کی تعظیم کرنا یا ایسا ہی کوئی اور کام کرنا۔ اب اگر اسے پہن کر کوئی ایسی بات نہیں کی تو بقول راجح ایسے شخص کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔

واضح ہو کہ ہر ایسا لباس جو کافروں کے لئے مخصوص ہے اس کا پہننا بھی زنار کی مانند ہے۔

مالکیہ نے ان کے علاوہ ایسی اور باتیں بھی بیان کی ہیں جن سے کفر عائد ہوتا ہے مثلاً زمانہ کے قدیم ہونے کا قائل ہونا۔ کیوں کہ یہ عقیدہ اس امر کا متقاضی ہے کہ اللہ دنیا کو معرض وجود میں لانے کے مجبور تھا کیوں کہ اس صورت میں وہ اس کے وجود میں لانے کی علت ہوگا اور علت اپنے معلول کو وجود میں لانے پر مجبور کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو مجبوری کی صفت سے متصف کرنا عیب ہے اور جس نے اللہ کی صفات میں سے کسی کو ناقص خیال کیا وہ کافر ہے۔ بہ ظاہر اس کلام کا

Marfat.com

مقصد یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایسی بات کہی جس سے (اللہ کی ذات میں) نقص کا ارادہ نہ ہو تو وہ کافر نہ ہوگا۔

منجملہ کفر کی باتوں کے جادو ہے کہ اس سے کفر واجب ہوتا ہے۔ اس کی تشریح اور حکم کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں جادو ایسے کلام پر مشتمل ہے جس سے غیر اللہ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے اور کائنات کی تقدیر کو اس کی طرف نسبت کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے یہ مرتد ہونا ہے کیوں کہ کلام سے مراد وہ عبارت ہے جو جادوگر شیطانوں کی تعظیم میں کہتا ہے اور لوگوں کے عقائد پر اثر ڈالتا ہے یا خود اس کا یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ یہ کلام کائنات پر اثر ڈالتے ہیں۔ ان میں وہ افعال بھی ہیں جو بعض اخلاق فاسدہ رکھنے والے اور جادوگری کا دعویٰ کرنے والے اشخاص کرتے ہیں کہ قرآن کریم (یا اس کی آیات کو) اپنے قدموں کے نیچے رکھ کر رفع حاجت کرتے ہیں یا فرشتوں کو برے الفاظ سے یاد کر کے ان کی توہین کرتے ہیں۔ یہ سب سے بڑا اور ذلیل ترین کفر ہے بعض لوگوں نے اس کی تشریح میں کہا ہے کہ جادو سبب معتاد (یعنی اس کی مشق یا عادت ڈال لینے) سے امر خارق عادت ظاہر ہوتا ہے۔ معجزہ اور کرامت اس سے خارج ہے کیوں کہ ان کا موجب غیر معتاد (یعنی مشق یا عادت) نہیں ہوتا۔ بنابریں اگر اس کا سبب جادو کے کلمات شرمناک عبارت' شیطانوں کی تعظیم اور ایسے ناپسندیدہ اعمال پر مشتمل ہو جس سے مذہب کی توہین ہوتی ہو تو وہ بلاشبہ بدترین قسم کا ارتداد ہے اگر ایسی عبارتوں سے خالی ہو مثلاً اس میں اللہ کے نام وغیرہ آتے ہوں تو اس بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس سے کسی بے خبر مظلوم کو ضرر پہنچتا ہو یا کسی بے قصور کی جان و مال کا نقصان ہو تو وہ حرام ہے اور ایسا کرنے والے کی اصلاح کی جائے گی ورنہ نہیں۔ بنابریں کافر بنانے والا وہ جادو جس میں انوکھے اقوال وافعال سے کام لیا جائے جن کا ذکر کیا گیا قطع نظر اس کے کہ اس کا نتیجہ نقصان دہ ہو وہ بذات خود کفر کی بدترین اقسام میں سے ہے جیسا کہ بتایا گیا۔ لیکن وہ ضرر جو درست ذرائع کے استعمال سے پہنچایا جائے۔ مثلاً خدا کے ناموں اور مذہب کی تحقیر و توہین سے خالی طریقوں سے' پس اگر وہ بھی ضرر رساں ہو تو اس کے مرتکب کو سخت گنہگار قرار دینا واجب ہے اور اگر کسی کی بابت اس کے مرتکب ہونے کی اطلاع ہو تو اس شخص کی تادیب لازم ہے۔ فقہاء کے نزدیک جادو کے یہ معنے واضح اور روشن ہیں اس میں کسی لمبے چوڑے فلسفے' جادو کے معنے اور اس کے طریقوں کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بھی یہی مطلب معلوم ہوتا ہے "ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحر (یعنی شیطان کافر ہیں جو لوگوں کو جادو کرنا سکھاتے ہیں) یہاں پر سحر سے مراد برے اقوال اور قابل نفرت اعمال ہیں جن سے شیاطین خوش ہوتے ہیں اور بری باتیں جو ان سے بن پڑتی ہیں انجام دیتے ہیں۔

رہا ساحر کی بابت حکم سو اس بارے میں دو مختلف اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ ایسے شخص کو سزا کے طور پر قتل کیا جائے کفر کی بنا پر نہیں۔ (جیسے زندیق کو کیا جاتا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ جادو کرنے والے سے توبہ کے لئے نہیں کہا جائے گا۔ اگر توبہ کرے بھی تو وہ توبہ قبول نہ کی جائے کیوں کہ زندیق وہ ہوتا ہے جو اسلام کا اظہار کرے اور درپردہ کفر کرے۔ اس کی توبہ بھی قبول نہیں کی جاتی لیکن اس کا ورثہ اس کے مسلمان وارثوں کو دے دیا جائے گا۔ بخلاف مرتد کے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ دوسرے یہ کہ جب کسی کی بابت معلوم ہو کہ وہ جادوگر ہے تو اس سے مرتد کی طرح توبہ کرنے اور مسلمان ہو جانے کے لئے کہا جائے گا۔ اگر انکار کرے تو قتل کر دیا جائے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ کوئی فعل یا قول مستوجب کفر اس سے

Marfat.com

سرزد ہوا ہے اسے قتل نہ کیا جائے اور امام (حاکم وقت) ہی اسے قتل کرنے کا مجاز ہے۔

جاننا چاہئے کہ زندیق جس کی توبہ قبول نہیں ہوتی وہ ہے جو منافق کی طرح کفر کو چھپا رکھے پھر معتبر گواہوں کو اس کی بابت معلوم ہو جائے اور اسے اس کی اطلاع نہ ہو لیکن جس شخص کا زندیق ہونا ظاہر ہو جائے اور وہ اکیلا آ کر توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ دونوں کا فرق ظاہر ہے کیوں کہ پہلی حالت میں اس کی بات پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ ممکن ہے وہ بظاہر توبہ کا اظہار کرے اور در پردہ اپنی سابقہ حالت پر قائم رہے۔

ایسی مستوجب کفر باتوں کے منجملہ جن کے بعد مالکیہ کے نزدیک توبہ قبول نہیں ہوتی آنحضرت ﷺ کو گالی دینا (یا برا کہنا) ہے یا حضورؐ کے مرتبۂ عظیم کی ہتک کرنا ہے۔ ایسے شخص کا یہ کہنا سودمند نہ ہوگا کہ اس نے دانستہ وہ بات نہیں کہی تھی یا غصہ میں تھا اس لئے (نیک یا بد کی) تمیز نہ کر سکا۔ یا گفتگو میں بے باک تھا اور اس کی زبان سے نکل گیا وغیرہ۔ پس اگر کسی شخص سے ایسی بات سرزد ہو تو اسے سزا کے طور پر نہ کہ کفر کی بنا پر قتل کر دیا جائے گا۔ اور توبہ کرنے یا دوبارہ اسلام لانے سے سزائے قتل ساقط نہ ہوگی۔ کیوں کہ حضور اکرم ﷺ کو گالی دینے کی سزا اسے نیست و نابود کر دینا ہے اور سزائیں توبہ کرنے سے نہیں ٹلا کرتیں۔ یہی حکم اس کا ہے جو معصوم نبیوں، رسولوں اور فرشتوں میں سے کسی کو گالی دے ایسا شخص بھی قتل کیا جائے گا۔ جب تک کہ مسلمان نہ ہو جائے کیوں کہ اسلام سابقہ گناہوں پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ لیکن اگر وہ شخص گالی دے جو اس پیغمبر کی نبوت کو نہ مانتا ہو یا وہ اس کو فرشتہ ہی نہ سمجھتا ہو جیسے ہاروت، ماروت، مریم، آسیہ، ذوالقرنین، لقمان، خالد بن سنان تو اسے کافر نہ کہا جائے گا لیکن اس کی بھی تادیب کی جائے گی کیوں کہ اس نے فعل حرام کا ارتکاب کیا۔

شافعیہ امر اول و دوم کے جواب میں کہتے ہیں کہ اگر زوجین یا دونوں میں سے ایک مرتد ہو جائے یہ مرتد ہونا تو مباشرت سے پہلے مرتد ہوا ہوگا یا مباشرت کے بعد اگر مباشرت سے پہلے مرتد ہوا تو ان کا عقد ازدواج اسی وقت ٹوٹ جائے گا۔ کیوں کہ مباشرت نہ ہونے کے باعث وہ نکاح پائیدار نہیں ہوا۔ اگر مباشرت کے بعد کوئی مرتد ہوا تو اسی وقت عقد نہیں ٹوٹے گا بلکہ ان کی علیحدگی التوا میں رہے گی اگر عدت گزرنے سے پہلے وہ دونوں یا جو مرتد ہوا ہے وہ مسلمان ہو جائے تو رشتہ ازدواج بحال رہے گا بصورت دیگر عقد ازدواج مرتد ہونے کے وقت ہی سے منقطع متصور ہوگا۔ خواہ وہ عدت گزرنے کے بعد مسلمان ہوئے ہوں یا دونوں ایام عدت کے اخیر حصہ میں مسلمان ہوئے ہوں بایں طور کہ ان کا مسلمان ہونا ایام عدت ختم ہونے کے قریب ہوا ہو۔ یا ان میں سے ایک ہی مسلمان ہوا ہو۔ اس بارے میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ بیوی مرتد ہوئی ہو یا مرد مرتد ہوا ہو۔

اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ دونوں (مرتد ہونے والے) اتنی تاخیر کر سکتے ہیں کہ بیوی کے ایام عدت ختم ہو جائے۔ کیوں کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ان کو مرتد ہونے کی سزا فوری طور پر دے دی جائے گی۔ دراصل یہ ایک فرضی صورت ہے کہ اگر بالفرض (کسی صورت) بغیر قتل کئے زندہ رہ گئے اور انقضائے عدت سے پہلے مسلمان رہے اور دونوں مسلمان ہو گئے تو ان کے نکاح برابر باقی رہیں گے۔

اور مباشرت (یا دخول) سے مراد یہاں پر مجامعت ہے خواہ آگے ہو یا پیچھے سے ہو یا ایسی ہی کوئی حرکت جو اس کی قائم مقام ہو مثلاً بغیر مجامعت کے مرد کے مادہ تولید کا عورت کی شرمگاہ میں کسی آلہ وغیرہ سے ڈالنا۔ اور رشتہ ازدواج کے نہ

Marfat.com

ٹوٹنے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ نکاح کے بعد جو اختیار مرد کو بیوی پر ہوتا ہے وہ باقی رہتا ہے بایں طور کہ اس عورت کے ساتھ مباشرت حلال ہو۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ حرام ہو جائے گی کیوں کہ مرتد ہونے کے بعد نکاح سے حاصل ہونے والے حقوق جاتے رہتے ہیں۔ تاہم ایسی حالت میں اگر مباشرت کر لی جائے تو انہیں حد (شرعی سزا) نہیں ماری جائے گی۔ کیوں کہ عقد کے باقی رہنے کا شبہ موجود ہوتا ہے۔ بلکہ اس امر حرام کے ارتکاب پر انہیں معذور تصور کیا جائے گا اور پہلی بار مباشرت کے بعد عدت واجب ہو جائے گی۔

اسی طرح ظہار، ایلاء اور طلاق کے بعد بھی خاوند کا تصرف معرض التوا میں رہے گا۔ اگر ایام عدت گزرنے سے پہلے وہ مسلمان ہو جائیں تو یہ تصرف نافذ العمل ہوگا ورنہ نہ ہوگا۔ اگر عورت مرتد ہو جائے تو اسے دوران عدت کے نفقہ کا حق نہیں ہے یہاں تک کہ اگر بدوران عدت مسلمان ہو جائے تب بھی۔ لیکن اگر خاوند مرتد ہو جائے بیوی نفقہ کی حق دار ہوگی۔ اور کسی شخص کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ مرتدہ عورت سے نکاح کرے خواہ وہ شخص مسلمان ہو یا کوئی اور ہو۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ مرتد ہو جانا فسخ نکاح ہے طلاق نہیں ہے۔ لہٰذا طلاق کی تعداد بہرحال کم نہ ہوگی۔

چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ مرتد کے مال کا کوئی وارث نہ ہوگا پس اگر کوئی مرتد ہو جائے تو اس کے مال کی ملکیت معرض التوا میں رہے گی۔ اگر حالت ارتداد میں ہلاک ہو جائے تو لامحالہ اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی اور اگر مسلمان ہو جائے تو اس کی ملکیت برقرار رہے گی۔ غرض حالت ارتداد میں ہلاک ہونے سے حق ملکیت جاتا رہے گا۔ مسلمان ہو جائے تو زائل نہ ہوگا۔ اگر مرتد ہلاک ہو جائے تو اس کا مال بطور مال غنیمت مسلمانوں کے بیت المال میں جائے گا۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ اس نے وہ مال مسلمان ہونے کی حالت میں حاصل کیا ہو یا مرتد ہونے کے بعد۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے اور مالکیہ اس سے متفق ہیں۔ اور (مرتد کے مال سے) وہ قرض ادا کیا جائے جو مرتد ہونے سے پہلے لیا ہو اور (کسی کا) جو مال مرتد ہونے سے پہلے اس نے ضائع کیا ہے اس کا معاوضہ دیا جائے نیز اس کے اہل و عیال کا خرچ اس سے ادا کیا جائے اور اس کے ہلاک ہونے سے پہلے اس کے مال سے ان کو کھلایا پلایا جائے۔ رہے وہ تصرفات جن کو التوا میں نہیں رکھا جا سکتا۔ مثلاً خرید و فروخت یا رہن کا معاملہ تو وہ سب باطل متصور ہوں گے۔ لیکن ایسا جن میں قبول کرنا ہوتا ہے جیسے وصیت وہ معرض التوا میں رہے گا، اگر مرتد پھر مسلمان ہو جائے تو نافذ العمل ہوگا ورنہ باطل متصور ہوگا۔ جیسا کہ طلاق اور ظہار کے باب میں بتایا گیا۔ اور مرتد کا ذبیحہ حرام ہے بخلاف اصلی کافر کے کہ اس کا ذبیحہ حرام نہیں ہے اور جس طرح مرتد کا کوئی وارث نہیں ہوتا اسی طرح وہ بھی کسی کا وارث نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اگر مرتد ہونے کے بعد مسلمان ہو جائے۔ تب بھی۔

پانچویں سوال کا جواب مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ اگر مباشرت سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی اور بیوی کے مرتد ہونے سے پہلے ہوا تو بیوی کو کچھ نہ ملے گا۔ اگر بیوی خاوند سے پہلے مرتد ہو گئی تو نصف مہر کی حق دار ہوگی لیکن مباشرت کے بعد (مرتد ہونے سے) بہرحال مہر ساقط نہ ہوگا۔

چھٹے سوال کا جواب یہ ہے کہ مرتد سے فوری طور پر بلا کسی توقف کے توبہ کے لئے کہا جائے اگر وہ توبہ نہ کرے اور پھر مسلمان نہ ہو تو امام اس کی گردن مارنے کا حکم دے گا۔ توبہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں شہادتوں کا اعتراف کرے۔ بایں طور کہ کہے "اشهد ان لا اله الا الله اشهد ان محمداً رسول الله" (یعنی میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا

Marfat.com

کوئی معبود نہیں) اقرار کرتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں) یا یوں کہے کہ اشهد ان لا اله الا الله و ان محمداً رسول الله اس میں واو عطف جو آیا ہے وہ دوگونہ شہادت کا قائم ہے اور صرف یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ لا اِلٰـهَ اِلّا الـلـه محمد رسول الله۔ (یعنی بالفاظ شہادت اقرار ضروری ہے)۔

ساتویں سوال کا جواب یہ ہے کہ ہر ایسی بات جو اسلام کے منافی یا اسلام سے خارج کرنے والی ہے خواہ وہ قول ہو یا فعل ہو یا عقیدہ ہو وہ ارتداد ہے اور اس کے مرتکب کے بارے میں وہی کہا جائے گا جو پہلے بتایا گیا۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ یہ ارتکاب استہزاء کے طور پر ہو یا عناد کی بنا پر یا نیت کرنے سے۔ قولی ارتداد کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کہے کہ اللہ تین میں سے ایک ہے۔ یا ذات برتر باری تعالیٰ یا رسول اللہ کے حق میں عیب کے الفاظ کہے۔ یا اسی طرح کی کوئی اور بات کہے۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ کسی مسلمان کو کہا جائے کہ اے کافر اور اس پر حقیقی معنوں میں کفر کا الزام لگایا جائے۔ کیوں کہ جس شخص نے کسی مسلمان کو کافر بنایا اس نے کفر کیا اور فعلی ارتداد کی مثال یہ ہے کہ کسی بت کے آگے سجدہ کرے یا قرآن شریف کو گندی جگہ پھینک دے قطع نظر اس کے کہ وہ جگہ پاک ہو اور خواہ قرآن کی ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی شرعی (یا مذہبی) کتاب کو حقارت اور استہزاء کے طور پر پھینک دیا (تو یہی حکم ہے)۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ تھوک سے لوح یا تختی (یا سلیٹ وغیرہ) کو صاف کیا جائے جیسا کہ مکتب کے بچے کرتے ہیں۔ کیوں کہ اس سے مقصد یہ آسانی حروف کا مٹانا ہوتا ہے۔ نیت کفر سے مرتد ہونے کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص ارادہ کرے کہ ایک گھنٹے کے بعد یا کل کو کافر ہو جائے گا (یا کفر اختیار کر لے گا) ایسا شخص فوری طور پر کافر ہو جائے گا۔ اگر توبہ کر لے تو اس کا اسلام جیسا تھا واپس آ جائے گا یہاں تک کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف کوئی حرکت کی ہے تب بھی۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے لیکن حنفیہ کو اس سے اتفاق ہے اور اگر کوئی قرینہ ایسا موجود ہو کہ اس کا ارادہ محض مذاق کا تھا یا کسی کے ڈر سے وہ بات کہہ دی۔ یا زبان سے نکل گئی یا بے دھیانی میں ایسا ہو گیا تو وہ کافر نہ ہوگا۔

اگر ایک شخص نے کسی مخلوق کو سجدہ کیا اور اللہ کی طرح اس کی عظمت مدنظر تھی تو وہ شخص کافر ہو جائے گا ورنہ نہ ہوگا اور جھک کر آداب وغیرہ بجالانے سے کچھ نہیں ہوتا کیوں کہ اس کی غرض محض عزت ہے عبادت پیش نظر نہیں ہے۔

اب رہا جادو تو اس سے مراد ایسے الفاظ کا ادا کرنا یا ایسے اعمال کا بجالانا ہے جن سے امور خرق عادت (غیر معمولی باتوں) کا ظہور ہو جیسا کہ اس کی تعریف مالکیہ نے کی ہے۔ یہ ایک امر واقعی ہے خیالی (یا فرضی) امر نہیں ہے۔ کیوں کہ واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ (جادو) محض خیالی امر ہے دنیا میں ایسی کوئی شے موجود نہیں ہے۔ بہر حال (اس کی بابت فیصلہ کرنے کے لئے) اس کے نتیجے اور ان اقوال اور اعمال کو دیکھنا چاہئے جس کے نتیجے میں یہ امور (عجیبہ) معرض وجود میں آتے ہیں اب اگر وہ عادتیں اور اعمال موجب کفر ہیں تو جادو کرنا بھی کفر ہوگا۔ نیز اگر ان (افعال واقوال) سے لوگوں کو ضرر پہنچتا ہو تو وہ حرام ہیں اور ان امور پر سب کو اتفاق ہونا چاہئے۔ یہی مسلک بہتر ہے۔

حنابلہ پہلے اور دوسرے امر کے جواب میں کہتے ہیں کہ اگر زوجین ایک ساتھ مرتد ہو جائیں مثلاً دونوں ایک ساتھ ہی بت یا صلیب کے آگے بیک وقت سجدہ کریں اور مباشرت سے پہلے کیا ہو تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اس طرح اگر ان میں

Marfat.com

سے ایک مرتد ہو جائے اور دوسرا نہ ہو (تب بھی) اگر مباشرت کے بعد مرتد ہوں تو ان میں علیحدگی کرادی جائے گی لیکن جب تک عدت کے دن پورے نہ ہوں نکاح نہیں ٹوٹے گا۔ اس کے بعد نکاح فسخ ہو جائے گا اور مرتد ہونے کے وقت سے علیحدگی ہو جائے گی اور خاوند کو بہر حال مباشرت سے منع کیا جائے گا کیوں کہ (انقضائے عدت سے پہلے) دو باتوں کا امکان ہوگا ایک تو عقد ازدواج کا مباح ہونا اور دوسرے مرتد ہو جانے کا خطرہ۔ اس (حکم میں) خطرہ کی حالت کو مباح ہونے کی حالت پر ترجیح دی جائے گی۔ تاہم اگر خاوند نے نکاح کے معرض التوا میں ہونے کے دوران بیوی سے مباشرت کر لی تو اسے 'حد' (شرعی سزائے زنا) نہیں دی جائے گی اور نہ کفارہ دینا ہوگا۔ بلکہ اس کی پاداش میں اسے سزا دی جائے گی۔ اب اگر تنہا صرف بیوی مرتد ہوگی تو اسے کوئی نفقہ نہیں ملے گا لیکن اگر خاوند تنہا مرتد ہوا تو بیوی نفقہ کی حق دار ہوگی۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ دونوں ایک ساتھ مرتد ہوئے ہوں۔

امر سوم کا جواب یہ ہے کہ مرتد ہونے سے فسخ نکاح ہوتا ہے یہ طلاق نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

امر چہارم کا جواب یہ ہے کہ مرتد کا مال اس کے مرتد ہونے کے بعد التوا میں رہے گا لیکن وہ ملکیت سے جدا نہ ہوگا صرف حق تصرف سے محروم رہے گا۔ چنانچہ اس کا کیا ہوا معاملہ بیع' ہبہ' وقف اور اجارہ درست نہیں ہے۔ اگر (مرتد) مسلمان نہ ہوا اور ہلاک ہو گیا اس کا مال مسلمانوں کے لئے مال غنیمت متصور ہوگا البتہ اس کے مال سے اسکا قرض ادا کیا جائے گا۔ اس کے مال کا کوئی وارث نہ ہوگا۔ اگر وہ پھر مسلمان ہو جائے تو (حقوق مالکانہ کی) پابندی ہٹالی جائے گی اور اس کا مال جیسا کہ تھا اس کی ملکیت ہو جائے گا۔ اور جس عرصہ میں کہ مرتد کے مال کی ملکیت معرض التوا میں رہے گی۔ اس کا مال اس کے اوپر اور ان لوگوں پر جن کا خرچ اس پر لازم ہے خرچ کیا جائے گا۔ اور جس طرح کہ مرتد کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا اسی طرح وہ بھی کسی کے مال کا وارث بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا پھر مرتد کا حالت ارتداد میں کسی مال کا مالک بننا درست ہے مثلاً کسی نے کوئی شے اسے ہبہ کی اور وہ چیز ایسی ہے جو کسی اور کو ہبہ کی جا سکتی ہے۔ لیکن (اس حال میں) جس چیز کا وہ مالک ہوگا اس کا حکم اس کے اصل مال (سابقہ) کی مانند ہے کہ اس کی ملکیت اس کے مسلمان ہونے تک معرض التوا میں رہے گی۔

پانچویں سوال کا جواب یہ ہے کہ مباشرت سے پہلے مرتد ہو جانے سے (بیوی کا) مہر زائل ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ اکیلی بیوی مرتد ہوئی ہو یا خاوند کے ساتھ مرتد ہوئی ہو۔ اگر خاوند مرتد ہوا تو وہ نصف مہر کی حق دار ہوگی لیکن مباشرت کے بعد (مرتد ہوا) تو مہر میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا۔ خواہ خاوند بیوی سے پہلے یا بیوی خاوند سے پہلے مرتد ہو جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ اگر (بیوی نے مال مہر پر) قبضہ نہ کیا ہو تو بیوی اس کا مطالبہ خاوند سے کر سکتی ہے۔

واضح ہو کہ مرتد خاوند مرتد ہونے کے بعد اور مسلمان ہونے سے پہلے اپنی بیوی سے مباشرت کرلے تو بیوی اس مباشرت کی بنا پر مہر مثل کی حقدار ہوگی۔ بشرطیکہ خاوند اپنے ارتداد پر جما رہے۔ لیکن اگر مسلمان ہو جائے تو بیوی کو کچھ نہ ملے گا۔ چھٹے سوال کا جواب یہ ہے کہ مرتد خواہ مرد ہو یا عورت' اگر توبہ نہ کرے اور دوبارہ مسلمان نہ ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے کیوں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے 'من بدل دینه فاقتلوه'' (یعنی جو شخص اپنا مذہب بدل لے اسے قتل کر دو)۔ مسلم کے سوا سب نے اس روایت کو بیان کیا ہے۔ (مرتد سے) تین دن تک توبہ کرنے کے لئے کہا جائے گا اس کے بعد

Marfat.com

قسم بین الزوجات یعنی بیویوں کے درمیان شب گزاری اور نفقہ وغیرہ کی تقسیم کا بیان

اس کی تعریف

قسم بفتح قاف مصدر ہے باب قَسم قسماً کا جیسے ضَرب ضَرباً کا مقصد (ضرب) ہے۔ قسم قسماً کے معنے ہیں فلاں شخص نے حصے الگ کر دیئے اور ہر ایک کو اس کا حصہ دے دیا۔ لیکن قسم بکسر قاف کے معنے ہیں 'حصہ' چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں ہیں ھذا قسمی من الارض او الزرع او الحب (یعنی زمین یا کھیتی یا غلہ میں سے اس قدر میرا حصہ یا حق ہے اور قسم بالکسر کی جمع کئی طرح سے آتی ہے جیسے (حمل کی جمع) حمل اور احمال وغیرہ۔

فقہا کی اصطلاح میں 'قسم' کے معنی بیویوں کے درمیان خواہ وہ کتابیہ ہوں یا مسلمان۔ شب گزاری میں مساوات کا لحاظ رکھنا بایں طور کہ ان میں سے ہر ایک کے گھر میں رات کو اسی طرح رہے جس طرح اس

اگر انکار کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

اب رہا اخیر کا سوال سو اس کا جواب یہ ہے کہ کافر بنانے والے امور دو قسم کے ہیں۔ اول ایسے اقوال جو اسلام سے خارج کر دینے کے متقاضی ہیں مثلاً کوئی کہے کہ اللہ تین میں سے ایک ہے۔ یا کوئی یہ کہے کہ میں بت یا انسان یا گائے کا پجاری ہوں۔ یا یوں کہے کہ کوئی اللہ نہیں ہے یا یہ کہے کہ ابراہیمؑ پیغمبر نہیں تھے یا کسی بھی ایسے رسول کی رسالت کا انکار کرے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ یا یہ کہے کہ اللہ نے توریت اور انجیل کو نازل نہیں فرمایا۔ لیکن اگر یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ توریت و انجیل اب ناپید ہیں اور ان میں سے کچھ باقی نہیں رہا تو یہ درست ہے اور یہ کہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ کہنا بھی کفر ہے کہ انسان پیدا نہیں کیا گیا یا کسی ایسی بات کا جو یقینی طور پر اسلامی ہے انکار کرنا جیسے نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کا انکار یا فعل حرام مثلاً زنا یا اغلام کو حلال قرار دینا یہ تمام باتیں مستوجب ارتداد ہیں۔ دوم وہ افعال ہیں جو اسی طرح موجب کفر ہیں منجملہ ان کے بت کے آگے سجدہ کرنا یا قرآن کو گندگی میں پھینک دینا وغیرہ ہے۔ لیکن زنار وغیرہ جو کافروں کے مخصوص پہناوے ہیں ان کا پہننا حرام ہے۔ ان کے استعمال کرنے والے کو کافر نہیں کہا جائے گا جب تک کہ ایسے افعال کا مرتکب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتا رہے۔ ایسا ہی وہی شخص بھی ہے جو صلیب پہنے لیکن اس کی عظمت پیش نظر نہ ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حرام شے کو حلال کہے لیکن اس کی تاویل کرے اسے کافر نہ کہیں گے جیسے خارجی ہیں جو حضرت علیؓ کے قتل کو حلال کہتے ہیں انہیں کافر نہیں کہا جائے گا' کیوں کہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اس سے اللہ کا قرب حاصل ہوگا اور مسلمانوں کی مشکلات دور ہو جائیں گی اسی طرح وہ شخص بھی کافر نہیں ہے جو کفر کی بات سن کر اسے بیان کرے۔

Marfat.com

کی سوکن کے ہاں رہتا ہے۔ اگر بیویوں میں سے کوئی لونڈی ہو[1] تب آزاد بیوی کا حق لونڈی سے دگنا ہے بایں طور کہ آزاد عورت کے گھر دو رات رہے تو لونڈی کے گھر ایک رات رہے وغیرہ۔

رہا خرچ کھانے پینے لباس اور مکان کا یکساں رکھنا واجب نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک کو ان کے مناسب حال خرچ دینا واجب ہے لیکن ان میں سے کسی پر جبر حلال نہیں ہے۔ اگر ان میں سے کسی کے نفقہ میں (ان کے حق سے) کمی کی تو حرام ہے پھر اگر ان میں سے ہر ایک کو ان کے مناسب حال حق عطا کر دیا جائے۔ تو جائز ہوگا کہ بیویوں میں سے جسے زیادہ محبوب رکھتا ہو اسکے ساتھ امتیاز روا رکھے۔ کیونکہ ایسی صورت میں یہ اس کا حسن سلوک سمجھا جائے گا۔ تاہم اس میں چاہیئے کہ اس امر کو مدنظر رکھے کہ اس سے کوئی اور فتنہ وفساد نہ اٹھ کھڑا ہو۔ اگر ایسا ہو کہ اس مہربانی سے سوکنوں کے درمیان باہمی مخالفت کی نوبت آجائے اور کینہ وحسد جنم لے اور ان کی اولاد کے درمیان نفرت وعداوت پھوٹ پڑے تو ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔ ہاں ایسا کوئی اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے۔[2]

جو شخص اللہ تعالیٰ کو یا اس کے رسول کو یا فرشتہ کو صریحاً گالی دے اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی بلکہ حد کے طور پر قتل کیا جائے گا۔ مالکیہ کو اس سے اتفاق اور شافعیہ وحنفیہ کو اختلاف ہے۔ اسی طرح زندیق کی توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ زندیق وہ ہے جو اسلام کا اظہار کرے اور دل میں کفر رکھے۔ تاہم جو اصحاب یہ کہتے ہیں کہ زندیق کی توبہ قبول نہ ہوگی ان سب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر وہ خلوص نیت کے ساتھ توبہ کرے تو آخرت میں اس کے لئے سود مند ہوگا۔ اس طرح اس شخص کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے گی جو بار بار مرتد ہو۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر لونڈی بیوی ہو تو شب گزاری کے بارے میں وہ بھی آزاد کی مانند ہے۔

۲۔ حنفیہ کی اس میں دو رائیں ہیں۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ نفقہ کے بارے میں خاوند کی حالت کو مدنظر رکھا جائے گا اور بیویوں کی حالت سے قطع نظر کیا جائے گا ایسی صورت میں کہ بیویوں کے درمیان نفقہ کی تقسیم میں یکسانیت ہو۔ نفقہ میں کھانے پینے لباس اور رہائش شامل ہیں۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ خاوند کی حالت کے ساتھ بیویوں کے حالات کا بھی اعتبار کیا جائے۔ لہٰذا نفقہ کی مقدار تو خاوند کی مقدرت کے پیش نظر مقرر کی جائے لیکن اس کی بیویوں میں ان کے حالات کے بموجب تقسیم کیا جائے گا۔ دونوں میں قطعی طور پر برابری کا لحاظ رکھنا (اس حکم میں) مقصود نہیں ہے۔ اب اگر بیویوں کی رضامندی سے مساوی تقسیم کر دی گئی تو فبہا ورنہ امیر بیوی کے نفقہ کی مقدار غریب بیوی کے نفقہ سے زیادہ رکھی جائے گی۔ یہی قول قابل اعتماد ہے اور اسی پر عمل ہو تو حنفیہ اور دوسرے فقہاء کے درمیان کوئی فرق نہ رہے گا۔ کیونکہ (اس حکم کی) غرض یہ ہے کہ کسی پر جبر نہ ہو اور ان میں سے ہر ایک کو جو کچھ اس کا حق ہے بغیر کسی حق تلفی کے مل جائے اور جب ان میں سے ہر ایک کو اس کا حق پورا پورا مل گیا تو اب خاوند کو آزادی ہے کہ اس کے بعد ان میں سے جس کو چاہے کچھ زیادہ عطا کر دے۔

Marfat.com

قسم (تقسیم اوقات یا باری مقرر کرنے)
کا حکم۔ اس کا ثبوت اور شرطیں

واضح ہو کہ قسم مذکورہ (یعنی بیویوں میں باری مقرر کرنا) امر واجب ہے لہٰذا ہر ایک پر جو شرائط آئندہ کو پورا کرتا ہو یہ فرض ہے کہ اپنی بیویوں کے درمیان باری کے دن کی (مساویانہ) تقسیم کرے۔ اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة'' (یعنی اگر تم چند بیویوں میں انصاف کا سلوک نہیں کر سکتے تو ایک بیوی کرو) اللہ پاک نے ایسی صورت میں جب کہ اس بات کا ڈر ہو کہ بیویوں کے درمیان یکساں سلوک نہ ہو سکے گا تو صرف ایک بیوی پر اکتفا کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ بیویوں کے درمیان انصاف ملحوظ رکھنا واجب ہے (یہ عدل بہر حال واجب ہے) خواہ یہ کہا جائے کہ انصاف نہ ہونے کا اندیشہ ہو تو صرف ایک بیوی پر اکتفا کرنا واجب ہے اور صحیح تعبیر یہی ہے یا یہ کہا جائے کہ مستحب ہے۔ پہلی صورت میں تو وجوب عدل ظاہر ہے کیوں کہ ایسی صورت میں جب کہ بیویوں کے درمیان محض بے انصافی کے اندیشے سے دو بیویوں کا کرنا حرام قرار دیا گیا ہے تو بلا تردد دونوں کے درمیان قیام عدل واجب قرار پایا۔ رہی دوسری بات تو درآنحالیکہ محض عدل نہ کر سکنے کے اندیشے سے دو بیویوں کا جمع کرنا مکروہ ہے تب بھی ان کے درمیان عدل کرنا واجب ہوا۔ کیوں کہ ایک مکلّف شخص کو (جس پر نہ ہی احکام کی پابندی عائد ہوتی ہے) جس امر کا اندیشہ ہوتا ہے وہ ترک واجب ہے۔ اگر (بیویوں کے درمیان) عدل کرنا (محض) مستحب ہوتا تو اس کے ترک کرنے سے کوئی شخص نہ ڈرتا کیوں کہ انسان عذاب سے ڈرتا ہے اور امور مستحب کے ترک پر عذاب نہیں ہوتا۔

اب رہیں اس کی شرطیں سو وہ تین ہیں:

اول عقل۔ کہ جنون زدہ پر واجب نہیں ہے کہ وہ بیویوں کے لئے باری مقرر کرے۔ تاہم جنون

مالکیہ کی رائے اس زیادتی کے بارے میں یہ ہے کہ جب ایک عورت کو اس قدر نفقہ دے دیا گیا جو اس جیسی عورت کا حق ہے تو اس کے بعد اگر ان میں سے کسی کے ساتھ زیادہ فراخدلی سے کام لیا اور دوسری کے ساتھ ایسا نہ کیا جائے تو کہا جاتا ہے کہ یہ صحیح ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے اور قابل اعتماد امر یہ ہے کہ یہ درست ہے اور مسلک مالکیہ میں یہی قول مشہور ہے۔

Marfat.com

زدہ عورت کی باری مقرر کرنا واجب ہے جب کہ اس کا دماغ درست ہو اور اپنے خاوند کے گھر میں رہتی ہو اور اس کے ساتھ مباشرت ممکن ہو بصورت دیگر واجب نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ خاوند میں آثار بلوغ ہوں [۱] جو مباشرت کر سکتا ہو اور عورت اس سے لذت اندوز ہو سکے۔ اگر خاوند (لڑکا) ہو تو اس پر قسم (باری مقرر کرنا) واجب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر بیوی چھوٹی عمر کی ہو جس سے مباشرت نہیں کی جا سکتی تب بھی باری مقرر کرنا واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ مباشرت کے قابل ہے تو وہ بھی بغیر کسی فرق کے بڑی عورت کی مانند ہے۔ اگر بلوغ کو پہنچا ہوا ہو (یعنی قریب البلوغ ہو) اور وہ اس بارے میں (بیویوں سے) ناانصافی کرے تو اس کا گناہ اس کے ولی پر ہوگا کیوں کہ اسی نے اس کی شادی کی تھی اور اس بارے میں وہی ذمہ دار گردانا جائے گا۔ لہٰذا اس پر لازم ہے کہ اس کو لے کر اس کی بیویوں کے گھر باری باری سے جائے تاکہ ان کے درمیان انصاف کیا جا سکے۔

تیسرے یہ کہ [۲] بیوی خاوند کی نافرمان نہ ہو۔ اگر وہ اپنے خاوند کی فرمانبرداری نہ کرتی ہو تو اسے 'باری' کا حق نہیں ہے۔

واضح ہو کہ اگر ایسا امر پیش آ جائے جو مباشرت سے مانع ہو تو اس سے باری میں فرق نہیں آنا چاہئے۔ خواہ وہ امر مانع بیوی میں ہو مثلاً حیض، نفاس، رتق (راہ مباشرت کا مسدود ہو جانا) یا مرض۔ یا وہ امر مانع مرد میں ہو جیسے نامردی، مقطوع العضو ہونا یا مرض لاحق ہونا۔ کیوں کہ شب گزاری کا مقصد باہمی محبت ہے نہ کہ مباشرت۔ پس جب کہ یہ معلوم ہو گیا کہ باری کا دن مقرر کرنا مباشرت کے لئے نہیں ہوتا تو اگر کوئی شخص ایسا مریض ہے کہ اس کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتا تو جہاں اسے راحت ہو وہاں ٹھہر سکتا ہے۔ تاکہ اپنی بیوی سے تیمارداری کرا سکے اور آرام پا سکے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں خاوند کا بالغ ہونا شرط ہے۔ لیکن عورت کا بالغ ہونا شرط نہیں ہے بلکہ صرف اس قدر کافی ہے کہ اس سے مباشرت ہو سکتی ہو جیسا کہ دوسرے فقہاء کہتے ہیں۔

۲۔ حنفیہ نے ایک چوتھی شرط کا اضافہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ خاوند سفر میں نہ ہو۔ کیوں کہ سفر کی حالت میں باری مقرر نہیں کی جا سکتی جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔

Marfat.com

ایسے امور کا بیان جن میں بیویوں کے درمیان یکساں سلوک واجب نہیں۔ مثلاً قلبی محبت اور خواہش نفسانی

جس طرح نفقہ میں تمام بیویوں کے ساتھ یکساں سلوک واجب نہیں ہے اسی طرح مباشرت اور قلبی رجحان میں بھی یکسانیت واجب نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ امور انسان کے اختیار میں نہیں ہیں بلکہ یہ ہر شخص کی فطری حالت کے تابع ہے کہ اس کی نفسانی خواہش ایک طرف راغب ہوتی ہے اور دوسری کی جانب نہیں ہوتی۔ اور کبھی ایک شخص کا دل نہیں معلوم کیوں ایک طرف مائل ہو جاتا ہے۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ''**ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل**'' (یعنی تم چاہو بھی تو پورے طور پر بیویوں کے درمیان انصاف کرنے کی استطاعت نہیں رکھ سکتے۔ ایسی صورت میں ساری توجہ ایک ہی طرف مبذول نہ کر دو) اس آیت میں استطاعت کے نہ ہونے سے مراد وہ امر ہے جو انسان کے اختیار سے باہر ہے مثلاً قلبی محبت اور اس کے نتیجہ میں بیویوں سے بہرہ اندوز ہونا۔ اس کے علاوہ اور باتیں مثلاً شب گزاری اور ان میں سے ہر ایک کو اس کی حالت کے مطابق نفقہ کا ادا کرنا کہ کسی پر زیادتی نہ ہو اس شخص کے اختیار میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی ازواج کے درمیان یکساں سلوک روا رکھنے کے بارے میں بہت زیادہ توجہ فرماتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ''**الھم ان ھذا قسمی فی ما املک فلا تلمنی فیما لا املک**'' (یعنی اے اللہ! میری یہ تقسیم اسی حد تک ہے جہاں تک میرا اختیار ہے لیکن جن باتوں کا مجھے اختیار نہیں ہے اس کے بارے میری ملامت نہ فرما) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو ازدواجی تعلق سے بالکل محروم رکھے اور اسے الگ تھلگ رکھ کر برباد کر دے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو گناہ کا مرتکب ہوا۔ اس کی بجائے خاوند پر واجب ہے کہ اپنی بیوی کی عصمت کی حفاظت کرے اور کسی اور کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے روکے۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو اس پر واجب ہے کہ اسے چھوڑ دے۔ رہا یہ کہ عورت کو یہ حق ہے کہ اپنی عصمت کے تحفظ کا مطالبہ خاوند سے کرے اور اگر وہ ایسا مطالبہ کرے تو آیا قاضی (حاکم شرعی) اس کے لئے اوقات کا تعین کر سکتا ہے؟ نیز کیا بیوی کو حق ہے کہ بیوی اپنے وجود کو کثرت سے استعمال کرنے کے بارے میں خاوند کی شکایت کرے جس سے اسے ضرر پہنچتا ہو اور کیا اس کے لئے بھی قاضی مقدار وقت مقرر کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی خاوند کی ایک ہی بیوی ہو اور وہ عبادت یا دوسری مصروفیات میں بیوی کے پاس رات

Marfat.com

نہ گزار سکے تو بیوی کو حق ہے کہ وہ اپنے پاس شب گزاری کا مطالبہ کرے اور بقول راجح اس کے لئے وہ خود ہفتہ میں کوئی مدت مقرر نہ کرے گا بلکہ قاضی حکم دے گا کہ وہ رات کو مقررہ اوقات میں اس کے پاس رہا کرے۔ بایں طور کہ زیادہ عرصہ تک اس سے جدا نہ رہنا پڑے اور اس کی مقدار بعض اصحاب نے ہر چار دن میں ایک رات رکھی ہے۔ تاہم حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ قول کمزور ہے اور قابل اعتماد پہلی بات ہے۔ لیکن مباشرت کے لئے بیوی کو ایک بار کے سوا مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ لیکن خاوند پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بیوی کی عصمت کا تحفظ کرے ورنہ گنہگار ہوگا۔ تاہم بعض حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ وہ اس کی عصمت کے تحفظ کے لئے خاوند کو اس کا حکم دے سکتا ہے۔ پس جس طرح بیوی کے حق میں یہ فیصلہ کرنا واجب ہے کہ خاوند بیوی کے ہاں شب گزاری کے لئے جس قدر وقفہ سے بہتر خیال کرے اوقات مقرر کر دے اس طرح یہ بھی قاضی پر واجب ہے کہ بیوی کی عصمت کے تحفظ کی خاطر جتنے عرصہ میں مباشرت کرنا کافی خیال کرے وہ مقرر کر دے اور یہی طریقہ خوب ہے۔ لیکن اگر بیوی اپنے وجود کو کثرت سے استعمال کرنے کی بابت خاوند کی شکایت کرے تو قاضی یہ حکم دے گا کہ بیوی کی طاقت سے زیادہ اس کے ساتھ مباشرت نہ کرے۔ اس کے لئے بھی دنوں کی تعداد مقرر نہ کی جائے گی بلکہ اس میں بھی قاضی کی رائے پر فیصلہ ہوگا اور وہ اپنے گمان غالب سے فیصلہ کرے گا کہ بیوی کے ساتھ اس کی طاقت سے زیادہ مباشرت نہ کی جائے اور اس کا فیصلہ بیشتر صحت اور تنومندی کے تابع ہوگا۔ یہ سچ ہے کہ بعض اوقات دبلی پتلی عورت میں اسکی ذاتی خصوصیات کی بنا پر موٹی عورت سے زیادہ طاقت ہوتی ہے لیکن اکثر صورت میں ایسا نہیں ہوتا۔ تاہم قاضی کو چاہئے کہ عورت سے دریافت کرے کہ اس میں کس قدر صلاحیت ہے۔ اس بارے میں عورت کے قسم کھانے پر اس کی بات مان لی جائے گی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ معاملہ دو ایسی عورتوں کے سپرد کر دیا جائے جنہیں عورتوں کے حالات سے واقفیت ہے۔ بایں طور کہ وہ عورتیں طبیبہ (یا ڈاکٹرنیاں) ہوں۔ فقہاء نے اس امر کے جائز ہونے کو اس صورت میں درست قرار دیا ہے جب کہ بیوی کم عمر ہو اور مباشرت کی طاقت نہ رکھتی ہو لیکن خاوند کا دعویٰ ہو کہ وہ اس قابل ہے۔ پس چاہئے کہ اس مسئلہ کی مثال بھی ایسی ہی سمجھی جائے۔

اسی طرح اس صورت میں جب کہ خاوند کے جنسی اعضاء ایسے ہوں کہ عورت برداشت نہ کر سکے یا اسے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو عورت کو اس کے سپرد نہ کیا جائے جب تک واقف کار عورتیں اسکی اجازت نہ دیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مباشرت کے معاملہ کو مرد کی عادت اور اس کی طبیعت پر چھوڑ دینا چاہئے۔ لہٰذا اسے اس بات کا پابند نہ کیا جائے کہ وہ اپنی ایک عورت سے جس قدر مباشرت کرتا ہے اسی قدر دوسری عورت سے بھی کرے لیکن ایسا نہ کرے کہ بیویوں میں سے ایک سے محض اس لئے الگ رہے کہ اپنی قوت مردمی کو دوسری کے کام میں لائے تاکہ وہ زیادہ لطف اندوز ہو پس اگر وہ اس بیوی کے گھر میں ہے جس کی باری ہے اور اس کے دل میں مباشرت کی خواہش پیدا ہوا اور وہ کر بھی سکتا ہے لیکن یہ کام وہ دوسری بیوی کے لئے اٹھا رکھتا ہے جو اس بیوی سے زیادہ خوبرو ہے تو ایسا کرنا حرام ہے کیوں کہ یہ امر دانستہ پہلی بیوی کے لئے ضرر رساں ہے اگرچہ سردست اس سے کوئی نقصان نہ ہو۔

اگر کسی شخص کی ایک ہی بیوی ہے اور اس کے ساتھ فریضہ زوجیت کی ادائیگی اس شخص نے ترک کر رکھی ہے اور اس عورت نے یہ معاملہ قاضی (حاکم شرع) کے سامنے پیش کیا تو بقول راجح قاضی چار راتوں میں سے ایک رات اس کے

Marfat.com

ساتھ شب باش ہونے کا حکم دے گا کیوں کہ خاوند کا حق ہے کہ اس کے سوا تین اور بیویاں کر لے۔ اگر خاوند کی مباشرت کی شکایت کرے یا بیوی زیادتی کی شکایت کرے تو بقول صحیح قاضی اتنی بار مباشرت کا فیصلہ کرے گا۔ جس کی عورت قدرت رکھتی ہو۔ اسی طرح جیسے اجرت پر خدمت کرنے والے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا نہ یہ پابندی ہو سکتی ہے کہ دن رات میں چار بار ہو یا نہ اس سے کم یا اس سے زیادہ کی پابندی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس معاملہ میں آخر عورت ہی کی طاقت کو کیوں مدنظر رکھا جائے کہ اگر وہ طاقت نہ رکھتی ہو تو (مباشرت کا) فیصلہ نہ کیا جائے گا۔ اس کے مقابلہ میں مرد کی بابت مقررہ مدت کا فیصلہ کیا جاتا ہے کہ وہ ہر چار رات میں ایک بار مباشرت کرے۔ درآنحالیکہ مالکیہ نے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے ایام طہر میں صرف ایک بار مباشرت کا فیصلہ فرمایا کہ بیوی کو حمل ہو جائے اور نزاع کی حالت میں یہی فیصلہ معقول ہے تو کیوں نہ اس پر عمل کیا جائے۔ اس کی مصلحت تو اللہ ہی جانے لیکن اس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حکم اس خیال کے پیش نظر ہے کہ مرد جوان اور قوی ہو اور اس قابل ہو کہ ہر جمعہ کو دو بار مباشرت کر سکے اور اس سے کوئی ضرر نہ ہو۔ بصورت دیگر خاوند کی حالت کو بھی مدنظر رکھا جائے گا گو اس کی صراحت نہیں کی گئی۔ تاہم ایک بار مباشرت ہو جانے کے بعد ترک مباشرت کی بنا پر قاضی ان میں تفریق کا حکم نہیں دیتا۔ حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مرد پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان مباشرت اور اس کے لوازمات مَس اور پیار وغیرہ میں یکسانیت برتے جیسا کہ نفقہ، لباس اور جنسی میلان میں مساوات واجب نہیں ہے بایں طور کہ جس طرح ایک بیوی کی طرف جنسی رغبت ہے اسی طرح دوسری بیوی کی طرف بھی ہو۔

مرد پر واجب ہے کہ اگر متعدد بیویاں نہ ہوں تو اپنی بیوی کے ساتھ ہر چار ماہ کے بعد ایک بار مباشرت کرے۔ چنانچہ ایلاء (بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے) کی میعاد بھی اتنی ہی ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے قسم کھائی کہ اپنی بیوی سے مقاربت نہ کروں گا تو اس پر واجب ہوگا کہ چار ماہ بعد مباشرت کرے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چار ماہ بعد مباشرت واجب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیوی سے متمتع ہونے کے حق میں دونوں میاں بیوی شریک ہیں یہی وجہ ہے کہ خاوند کے لئے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ مادۂ تولید کو عزل (ضائع) کرے اور بیوی کی اجازت کے بغیر باہر خارج کرے۔ اگر خاوند ہر چار ماہ کے بعد بیوی کے ساتھ مباشرت نہ کر سکتا ہو تو قاضی ان میں علیحدگی کرا دے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مرد پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ بیویوں کے درمیان مباشرت اور اس کے متعلق دوسری خوش فعلیوں میں یکساں سلوک کرے اور نہ لباس و نفقہ میں یکسانیت واجب ہے۔ بلکہ چاہئے کہ ہر بیوی کو اس جیسی عورت کے لئے خاوند سے جس نفقہ کی توقع کی جا سکتی ہے وہ پوری کی جائے اس کے علاوہ اور کسی بات میں بھی قسم (یکسانیت تقسیم) نہیں ہے۔ تاہم یکساں سلوک سنت ہے۔ اور بقول راجح عورت کو مرد سے مباشرت کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ کیوں کہ عقد نکاح اس بات پر ہوتا ہے کہ مرد کو عورت سے متمتع ہونے کا حق ہوگا لہٰذا اس کی پابندی عورت پر عائد ہوتی ہے۔ مرد پر نہیں ہوتی بنابریں مباشرت مرد کا حق ہے۔ اس کی تفصیل بہ سلسلہ تعریف نکاح اس باب کے آغاز میں کی جا چکی ہے۔ یہ امر عورت کے اس حق کے منافی نہیں ہے کہ اگر خاوند نامرد ہو تو وہ عقد کو فسخ کرا سکتی ہے اگرچہ وہ نامردی مباشرت کے بعد لاحق ہوئی ہو اسی طرح اس صورت میں جب کہ ایک بار مباشرت ہو جانے سے پہلے خاوند مقطوع العضو ہو جائے۔ کیوں

Marfat.com

قسم (باری مقرر کرنے) کی صورت اوراس کے متعلقہ امور کا بیان

خاوند پر واجب ہے کہ اپنی حالت کے مطابق بیویوں کے درمیان باری مقرر کرے پس اگر کوئی شخص دن میں کام کرتا ہے تو باری کی رات مقرر کرے اور اگر کوئی رات کو کام کرتا ہے مثلاً چوکیدار وغیرہ ہے تو باری کا دن مقرر کرے۔ پھر اگر بیویاں طے شدہ اوقات پر راضی ہو جائیں مثلاً یوں کہیں کہ فلاں کے لئے جمعہ کا دن ہے اور فلاں کے لئے فلاں دن تو وہی قرار پا جائے گا۔ راضی نہ ہونے کی صورت میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

کہ ان دونوں صورتوں میں نمایاں فرق ہے۔ ایک عورت کا ایسے شخص کے ساتھ رہنا جس سے مباشرت ہی نہیں کی جاسکتی مکمل طور پر مایوس کن ہے لیکن وہ شخص جو صحیح اور تندرست ہے اس سے امید منقطع نہیں ہوتی۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خاوند کو چاہئے کہ بیویوں میں سے ہر ایک کے لئے باری کی مدت مقرر کرے لیکن اس کے لئے یہ شرط ہے کہ چار ماہ سے زیادہ عرصہ کا فاصلہ نہ ہو۔ یہ چار ماہ ایلاء کے ہوتے ہیں (یعنی اس مدت کے جس میں بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی جائے) کیوں کہ اگر کسی نے قسم کھالی کہ اپنی بیوی سے مقاربت نہ کروں گا تو اس مدت تک دیکھا جائے گا۔ اگر خاوند نے مباشرت نہ کی تو چار ماہ گزرنے کے بعد وہ عورت زوجیت سے باہر ہو جائے گی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ سے دریافت کیا کہ ایک عورت بغیر مرد کے کتنے عرصہ تک صبر کر سکتی ہے تو انہوں نے بتایا کہ "چار مہینے" تب حضرت عمرؓ نے تمام سربراہوں کو حکم دیا کہ جنہیں چار ماہ گزر چکے ہیں وہ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ اب اگر کہا جائے کہ حنفیہ تو تمام عمر میں صرف ایک بار مرد پر مباشرت کو واجب قرار دیتے ہیں تو یہ حکم اس قول کے ساتھ کیوں کر مطابقت رکھتا ہے کہ عورت چار ماہ سے زیادہ صبر نہیں کر سکتی۔ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ حنفیہ جو کچھ کہتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ جب (مباشرت کے بارے میں) نزاع ہو تو مرد پر (اگر اس نے ایک بار بھی مباشرت کر لی ہے تو) عدم مباشرت کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں بتایا گیا ہے اور بہتر یہی ہے کہ خاوند بیویوں میں اسی طرح باری مقرر کرے جس سے اضطراب دور ہو اور دیر تک وہ رنج میں مبتلا نہ رہے۔

خاوند کے لئے یہ بھی زیبا نہیں ہے کہ بیویوں میں سے ایک کی باری والی رات دوسری کے گھر چلا جائے۔ اگر آفتاب غروب ہونے کے بعد باری والی بیوی کو چھوڑ کر کسی دوسری بیوی کے پاس چلا گیا تو گنہگار ہوگا۔ لیکن دن کے وقت جانے کی ممانعت نہیں ہے تاہم دوسری بیوی کے ساتھ مباشرت کرنے کا حق اسے نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ مریض ہو تو اس کی بیمار پرسی کے لئے اس کے پاس جا سکتا ہے اور اگر مرض شدید نوعیت کا ہو تو اس کے صحت یاب ہونے تک اس کے پاس رہنے کا بھی اسے حق ہے بشرطیکہ اور کوئی اس کی خبر گیری کرنے والا نہ ہو اگر کوئی شخص ایک بیوی کے باری والے روز اس کی سوکن کے پاس چلا گیا اور اس سے مباشرت بھی کر لی تو اس کے خلاف حاکم شرع کے سامنے چارہ جوئی نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص کی بیویاں اسی شہر میں رہتی ہیں جہاں وہ رہتا ہے تو واجب ہے کہ وہ ہر ایک کے لئے ایک دن اور رات کی باری مقرر کرے اور اس میں کمی بیشی نہ ہو۔ ہاں اگر بیویاں کسی اور طرح راضی ہو جائیں تو درست ہے اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ بعض بیویاں اس کے رہائشی شہر کے قریب علاقہ میں رہتی ہوں اس صورت میں دونوں بستیاں ایک ہی متصور ہوں گی لیکن اگر بعض بیویاں دور شہر میں رہتی ہوں تو اسے چاہئے کہ کی باری ہر جمعہ کے دن یا ہر ماہ کی جیسی بھی صورت ہو مقرر کی جائے اور ایک بیوی والے روز دوسری کے ہاں جانا اس غرض سے کہ اس سے متمتع ہو خاوند پر حرام ہے۔ ہاں اگر اس کے علاوہ کسی اور کام سے جانا ہو جائے تو جائز ہے اگر چہ اس کام کے لئے کسی اور کو بھی بھیجا جا سکتا ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ باری رات کی مقرر کرے۔ البتہ اگر سفر سے آنا ہو تو جس طرح چاہے باری مقرر کر لے۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ باری کی کم سے کم تقسیم یہ ہے کہ ایک رات فلاں کی اور دوسری فلاں کی مقرر کرے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ رات کا ایک حصہ کسی کے لئے مقرر کرے اور نہ یہ جائز ہے کہ اس رات کا اتنا حصہ فلاں کا اور اگلی رات کا اس قدر حصہ فلاں بیوی کا ہے۔ کیوں کہ اس میں گڑ بڑ اور پریشانی ہوتی ہے اور بہتر یہ ہے کہ ایک رات کی باری رکھی جائے اور خاوند کو تین دن سے زیادہ کی باری مقرر کرنے کا حق نہیں ہے سوا اس صورت کے جب کہ بیویاں زیادہ وقت پر راضی ہو جائیں۔ اور باری کا آغاز کرنے کے لئے قرعہ اندازی واجب ہے۔ جس کے نام قرعہ نکلے اس سے باری کا آغاز کیا جائے اس کے بعد جب باری ختم ہو جائے تو باقی بیویوں میں باری کے لئے پھر قرعہ ڈالا جائے اور جب بھی باریاں ختم ہو جائیں تو یہی ترتیب جاری رہنی چاہئے۔

اگر خاوند ایسا شخص ہے جو رات کو کام کرتا ہے جیسے کوئی چوکیدار وغیرہ ہو اور باری میں رات کی بجائے دن مقرر کرے تو ایسے شخص کو بغیر کسی خاص ضرورت کے مثلاً بیوی کا کسی خطرناک مرض میں مبتلا ہو جانا جو معمولی مرض نہ ہو (دن کی باری والی بیوی کے ہوتے) دوسری بیوی کے پاس جانا دن کو حرام ہے۔ ہاں کوئی حاجت پیش آ جائے تو اسے پورا کرنے کے لئے رات کو جا سکتا ہے اور بیوی سے متمتع بھی ہو سکتا ہے تاہم مباشرت نہ کرے۔ دن کی باری مقرر کرنے کی تعبیر کبھی یوں کی جاتی ہے کہ رات (اس باب میں) اصل ہے اور دن اس کے تابع ہے۔ لہٰذا اصل باری خواہ رات قرار دی جائے یا دن بلا ضرورت کسی بیوی کی باری والے دن اس کی سوکن کے گھر بلا ضرورت جانا خاوند کے لئے جائز نہیں ہے۔ ضرورت یہ کہ مثلاً دوسری بیوی کسی خطرناک مرض میں مبتلا ہو گئی تاہم یہ جائز نہیں ہے کہ زیادہ عرصہ تک خاوند اس کے پاس ٹھہرے تو اب اس کی سوکن کے پاس اس کے عوض پورا وقت صرف کرے خواہ دن ہو یا رات اور ضمنی وقت میں خاوند کے لئے جائز ہے کہ وہ دوسری بیوی کے ہاں کسی بھی کام سے جا سکتا ہے گو وہ ضروری نہ ہو۔ اب اگر اس کام کی انجام دہی میں قدرتی طور پر زیادہ وقت لگ جائے تو اس کی قضا نہیں ہے لیکن اگر قصداً وہاں زیادہ وقت لگایا تو کام کی انجام دہی کے بعد جس قدر زیادہ وقت لگایا ہے اتنا وقت اس بیوی کا پورا کرنا ہوگا۔ اور اگر مباشرت کر لی ہے تو اس کی قضا نہیں دی جائے گی کیوں کہ یہ امر طبیعت کے تقاضے اور نشاط خاطر کے تابع ہے اور یہ کیفیت کبھی ایک کے لئے ہوتی ہے دوسری کے لئے نہیں ہوتی۔ تاہم وہ مباشرت جو اس نے کی ہے اس کا گناہ ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ باری کی تقسیم ایک ایک رات ہوتی ہے اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی البتہ اگر سب بیویاں راضی ہو

Marfat.com

باری مقرر کرنے میں نئی بیوی کا حق اور کسی عورت کا اپنے حق سے دستبردار ہونے کا بیان

اگر کسی شخص نے نئی شادی کی اور وہ عورت باکرہ (کنواری) ہے تو اس کے پاس شب گزاری کے لیے ایک ہفتہ کا مزید حق اس عورت کو ہوگا اور اسے باری میں شمار نہ کیا جائے گا۔ اگر وہ عورت باکرہ نہیں ہے تو اسے بھی تین رات تک خاوند کے ساتھ شب بسری کا حق حاصل ہوگا۔ پھر جب نئی بیوی کے ساتھ قیام کی مدت ختم ہو جائے تو بیویوں کے درمیان باری کی قسم بموجب تفصیل سابقہ کی جائے گی۔ [1] اس سے کوئی فرق نہیں کہ نئی بیوی لونڈی ہو جس کے ساتھ اس نے آزاد بیوی کے ہوتے شادی کی ہے یا وہ آزاد ہو۔ جیسا کہ ابن حیان نے اپنی صحیح میں یہ روایت نقل کی ہے ''سبع للبکر و ثلاث للثیب'' (یعنی سات دن

جائیں تو ایسا ہو سکتا ہے اور خاوند کو یہ حق ہے کہ ہر ایک کی باری والی رات کو وظائف جاریہ کی بجا آوری مثلاً کسی کا حق ادا کرنے، واجبات کو بجالانے اور نماز وغیرہ کی ادائیگی کے لئے بیوی کے پاس سے باہر آ جایا کرے لیکن یہ نہ چاہئے کہ ایک بیوی کی باری والی رات کو بہ نسبت دوسری بیوی کی باری رات کے زیادہ دیر باہر رہے کیوں کہ اس میں ایک بیوی کی حق تلفی ہے۔ لیکن اگر باری والی بیوی اس کی اجازت دے دے تو کوئی حرج نہیں۔

باری والے دن اس بیوی کی سوکن کے پاس جانا اصل وقت میں ہو یا ضمنی وقت میں مرد کے لیے حرام ہے پس اگر رات کی باری ہے تو مرد کو رات یا دن کے کسی حصے میں اس کی سوکن کے پاس جانا حرام ہے اور رات کو اس کے سوکن کے پاس جانا اس صورت میں جائز ہے جب کہ اس کا وقت قریب آ گیا ہو اور وہ اپنے خاوند کو کوئی وصیت کرنا چاہتی ہو یا اس صورت میں جب کہ ایسی ہی کوئی اور ناگہانی افتاد آ پڑے۔ لیکن دن کے وقت کوئی ضرورت آ پڑے تو اس کے پاس جا سکتا ہے۔ مثلاً کسی شے کی بابت دریافت کرنا اور اس سے پوچھنا ہو۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ زیادہ عرصہ اس کے پاس نہ ٹھہرے۔ اگر اس کے پاس ٹھہر گیا تو اس کی سوکن کے پاس اس کے عوض ایک دن گزارنا ہوگا اس طرح اگر مباشرت کی ہے تو اس کے عوض مباشرت بھی کرنا ہوگی۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خاوند کی شب بسری کے بارے میں کسی بیوی کو بھی امتیازی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ نئی بیوی ہو یا پرانی۔ کنواری ہو یا شوہر دیدہ اس حکم میں سب یکساں ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کنواری عورت سے کسی شوہر دیدہ عورت پر نئی شادی کرے تو باکرہ کے ساتھ ابتدائی سات دن اور غیر باکرہ کے ساتھ تین دن رہنے کے بعد باقی عورتوں کو اس عرصہ کے عوض زیادہ وقت دیا جائے۔ حدیث سے باری کی تقسیم میں عدم مساوات ثابت نہیں ہے۔ بلکہ حدیث سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ باری کا دور نئی بیاہتا بیوی سے شروع ہونا چاہئے۔ اور معقول بات بھی یہی ہے کہ دور کا آغاز نئی بیوی سے کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کی تائید کرتا ہے کہ ''ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل'' اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ جو امر انسان کے اختیار میں نہیں ہے اس پر پکڑ نہ

Marfat.com

باکرہ کا اور تین دن شوہرہ دیدہ کا حق ہے) اور صحیحین (صحیح بخاری ومسلم) میں حضرت انسؓ سے مروی ہے "ان السنة اذا تزوج البکر علی الثیب اقام عندها سبعاً ثم قسم و اذا تزوج الثیب علی البکر اقام عندها ثلاثاً ثم قسم" (یعنی جب کوئی شخص شوہر دیدہ عورت پر باکرہ عورت سے شادی کرے تو اس کے ساتھ سات روز تک ٹھہرے پھر باری مقرر کرے اور باکرہ پر شادی شدہ سے شادی کرے تو اس کے ساتھ تین دن تک رہے پھر باری مقرر کرے)۔

بیوی کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی سوکن کو اس سے کچھ مال لے کر اپنے حصے (باری) میں شریک کرلے یا بغیر کچھ لئے ہی ایسا کرے۔ اگر ایک بیوی اپنا حق چھوڑ دے اور پھر رجوع کرے تو اس کا مطالبہ صحیح ہوگا۔ اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

ہوگی۔ اس سے مراد قلبی رجحان ہے۔ لوگوں کو ایسے رجحان سے منع فرمایا گیا ہے جس پر انسان کو اختیار ہے۔ جیسے باری کا مقرر کرنا۔ اس میں نئی بیاہتا کا کوئی استثناء نہیں ہے۔

۱۔ حنفیہ کے درمیان ایک بیوی کا سوکن سے مالی معاوضہ لے کر اپنے حق سے دستبردار ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ ایک عورت کا اپنے حق سے دستبردار ہونا اور شرط کو باطل کر دینا درست ہے۔ چنانچہ اگر کوئی عورت مثلاً اپنے حق کی دو راتوں سے دستبردار ہو جائے اور اس کے معاوضہ میں کچھ مطالبہ نہ کرے تو اس کا حق ضائع ہو جائے گا اور اسکے عوض مال کا مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔ پس اگر دو راتیں گزرنے سے پہلے ہی وہ اپنی دستبرداری سے رجوع کرے تو اسے اس کا حق ہے اور بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ جس مال کی شرط اس نے کی ہے اس کے وصول کرنے کا اسے حق ہے کیوں کہ وہ مال اس حق کے معاوضہ میں ہے جو اس نے چھوڑ دیا ہے لہٰذا یہ نافذ العمل ہوگا۔ لیکن اول الذکر رائے کو ترجیح حاصل ہے۔ اب اگر اس عورت نے کسی خاص بیوی مثلاً اپنی سوکن زینب کے حق میں دستبرداری کی ہے تو آیا خاوند کو یہ حق ہے کہ اس میں ردوبدل کر کے (اس کے حق کو) زینب کی بجائے فاطمہ کے لئے استعمال کرے؟ اس میں بھی دو رائیں ہیں ایک تو یہ کہ (خاوند کا) یہ تصرف صحیح نہیں ہے اور دوسری یہ کہ صحیح ہے لیکن اول الذکر کو ترجیح حاصل ہے۔ کیوں کہ باری عورت کا حق تھا جو اس نے اپنی سوکن کے لئے چھوڑ دیا۔ اب یا تو سوکن اسے قبول کرے یا نہ کرے۔ اس میں خاوند کو کوئی دخل نہیں ہے۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ شب باشی سے غرض باہمی انسیت، راحت اور متمتع ہونا ہے اور یہ امور دونوں میاں بیوی کے مابین مشترک ہیں اب اگر بیوی اپنے حق سے دستبردار ہوتی ہے تو خاوند کا حق باقی رہتا ہے تو اسے اختیار ہے کہ اس حق کو جس طرح چاہے استعمال کرے۔ باوجود اس کے اگر فرض کیا جائے کہ وہ مرد پر بیوی کا خاص حق ہے اور اس نے وہ حق دوسرے کو دے دیا تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس نے خاوند کے اس حق کو اسی پر چھوڑ دیا اور اس پر کوئی الزام بھی نہیں ہے تو اب خاوند کو اختیار ہے کہ وہ اس حق کو چاہے تو اس کے لئے استعمال کرے جیسے اس نے ہبہ کیا اور چاہے تو کسی اور کو عطا کر دے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حق بیوی کے لئے مخصوص تھا اور جب بیوی نے اس حق کو ہبہ کر دیا تو وہ اسی کا حق

Marfat.com

ہوا جسے ہبہ کیا گیا۔ اس میں خاوند کو دخل نہ رہا، اب اگر وہ جسے حق ہبہ کیا گیا ہے چاہے تو اسے قبول کرے اور چاہے رد کر دے۔ پس اگر وہ عورت جسے وہ حق ہبہ کیا گیا ہے اس حق کو ترک کر دیتی ہے تو خاوند کو اس کے پاس شب باش ہونے کا حق نہیں ہے اور اگر وہ راضی ہو جائے تو خاوند کو اس کے رد کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ باقی تین اماموں کو اس سے اختلاف ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ایک بیوی کو یہ جائز ہے کہ وہ خاوند کی رضامندی سے اپنی باری اپنی سوکن کو ہبہ کر دے۔ یہ ہبہ خاص اسی کے لئے ہوگا جسے ہبہ کیا گیا۔ لہٰذا اگر خاوند چاہے کہ اس میں تصرف کر کے اس ہبہ کو کسی اور کی طرف منتقل کر دے تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اسے جس بات کی اجازت دی گئی وہی بات خاص طور پر لازم ہوگی لیکن اگر بیوی اپنی باری اپنے خاوند کو ہبہ کرے تو ایسا کرنا درست ہوگا اور اسے تصرف کا حق حاصل ہوگا۔ لہٰذا وہ اس حق کو جس کے لئے چاہے استعمال کرے۔ تاہم اس عورت کو اپنے ہبہ سے رجوع کرنے کا حق ہے۔

جس طرح ایک عورت اپنی باری کو اپنی سوکن کے حق میں ہبہ کر سکتی ہے اسی طرح اسے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنی باری کا حق ایک مقررہ مال وغیرہ کے عوض اپنے خاوند یا سوکن کو فروخت کر دے۔ لیکن خاوند کو اجازت کے بغیر سوکن کو یہ حق فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور خاوند بیع سے منع کر دے تو یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اس کا معاوضہ ادا کرے۔ جب کوئی بیوی باری خرید لے تو وہ باری اس کے لئے خاص ہوگی دوسرے کو نہیں مل سکتی۔ البتہ اگر خاوند نے خریدی ہے تو جسے چاہے وہ یہ حق مخصوص کر سکتا ہے۔ رہا یہ کہ آیا کسی بیوی کو یہ حق ہے کہ خاوند کے حق شب باشی کو ہمیشہ کے لئے اپنی سوکن سے خرید لے یا صرف ایک دن کے لئے اس کی خریداری جائز ہے؟ اس بارے میں اختلاف ہے اور مشہور یہ ہے کہ کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنی باری کے حق کو ہمیشہ کے لئے فروخت کر دے۔ بلکہ وہ زیادہ عرصہ کے لئے بھی فروخت نہیں کر سکتی۔ تھوڑے عرصہ کے لئے کر سکتی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ بغیر کسی معاوضہ کے اپنی سوکن کے حق میں اپنی باری سے دستبردار ہو جائے۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے خاوند کو کچھ مال دے دے کہ وہ اس کی عصمت کو محفوظ رکھے یا یہ کہ ہمیشہ اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا رہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عورت کو یہ حق ہے کہ وہ خاوند کی اجازت سے اپنی باری کا ہمیشہ کے لئے یا کچھ عرصہ کے لئے اپنی کسی سوکن کو یا تمام سوکنوں کو دے دے۔ اسی طرح اسے حق ہے کہ وہ خاوند کو اپنا حق ہبہ کر دے کہ وہ اس کی باری جسے چاہے دے دے۔ اگرچہ وہ عورت جسے یہ حق ہبہ کیا گیا ہے انکار کرے۔ یہ ہبہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ ہبہ کرنے والی اور اس کا خاوند راضی ہیں کیوں کہ حق ہبہ ان سے جدا نہ ہوگا اور یہ ثابت ہے کہ حضرت سودہؓ (زوجہ رسول اللہ ﷺ) نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو ہبہ کر دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی اپنی اور حضرت سودہؓ دونوں کی باری دے دی تھی۔

مال کے عوض باری کا ہبہ کرنا درست نہیں ہے، مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے اور شافعیہ اس سے متفق ہیں۔ پس ہبہ کرنے والی بیوی اگر اپنی باری سے ہبہ کرنے کے عوض جو مال لیا ہے وہ مال جس سے لیا ہے اسے واپس کر دینا لازم ہے اور خاوند پر واجب ہے کہ ایسی حالت میں ہبہ شدہ باری کو اس کی سوکن کے پاس گزارے کیونکہ بیوی نے اپنی باری کو معاوضہ میں ہبہ کی تھی لیکن معاوضہ نہیں لیا۔ تاہم اس صورت میں بیوی کو حق حاصل ہے کہ ہبہ شدہ باری سے رجوع کرے۔

Marfat.com

اگر ہبہ کا معاوضہ مال کے علاوہ کوئی اور شے مثلاً خاوند کی خوشنودی ہو تو جائز ہے۔ بعض حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر بیوی نے اپنے باری وغیرہ کے تمام حقوق چھوڑ دینے کا معاوضہ لے لیا تو جائز ہے۔ لیکن اول الذکر رائے مشہور ہے۔

ہبہ کرنے والی کو حق ہے کہ وہ ہبہ سے رجوع کرے۔ (اگر وہ ایسا کر لے تو) آئندہ کے لئے پھر اس کا حق ہو جائے گا البتہ جو کچھ ہو چکا اس کا کوئی عوض نہ ملے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بیوی کو حق ہے کہ وہ خاوند کے شب باش ہونے کی اپنی باری کو کسی خاص سوکن کے حق میں ہبہ کر دے بشرطیکہ خاوند کی اجازت ہو۔ اس کی رضا مندی ضروری نہیں جس کے حق میں ہبہ ہوا ہے۔ بلکہ خود خاوند پر لازم ہے کہ وہ اس کے پاس شب باش ہو اگر چہ وہ اسے ناپسند کرتی ہو۔ اسی طرح ایک بیوی کو حق ہے کہ وہ اپنی تمام باریاں اپنی تمام سوکنوں کو ہبہ کر دے اگر وہ سب کو ہبہ کر دے تو ان میں سے ہر ایک اپنا اپنا حصہ لے سکے گی۔ اگر بیوی نے اپنی باری خاوند کو ہبہ کر دی تو خاوند کو حق ہے کہ وہ اپنی بیویوں میں سے جسے چاہے اس حق کے لئے خاص کر لے۔ ہبہ کرنے والی کو اپنی باری کے حق کا کوئی معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔ اگر معاوضہ لے لیا ہو تو اس کا واپس کرنا لازم ہے اور بیوی کو حق ہے کہ اس نے اپنی باری کا جو حق چھوڑا ہے اسے پورا کر لے (بشرطیکہ اس وعدہ پر چھوڑا ہو) اس سے حنابلہ کو اتفاق ہے۔

ہبہ کرنیوالی کو اپنے ہبہ کی بابت یہ حق ہے کہ جسے چاہے ہبہ کرے اگر وہ اپنے ہبہ سے رجوع کرے تو باقی باریوں میں اس کا حق رہے گا۔ جو گزر چکیں ان میں کوئی حق نہیں ہے۔ اگر مثلاً اس عورت کے پاس جسے اس نے اپنی باری والی رات کی تھی ہبہ شدہ رات کا نصف حصہ ہی گزرا تھا کہ اس نے اپنے ہبہ سے رجوع کر لیا تو خاوند پر واجب ہے کہ اگر اسے اپنی ذات کے متعلق کوئی اندیشہ نہ ہو تو ہبہ شدہ بیوی کے پاس سے چلا آئے، اگر آنے میں کوئی اندیشہ ہو تو ہبہ کرنے والی کو نصف شب معاوضہ میں ادا کرنا لازم ہو گا۔

جاننا چاہئے کہ اگر کسی بیوی نے اپنی رات کی باری کسی سوکن کو ہبہ کر دی تو خاوند پر لازم ہے کہ اس کے وقت پر اسے پورا کرے مثلاً اگر جمعرات کی شب کو اس کی باری تھی جو اس نے اپنی سوکن کو جس کی باری جمعہ کی رات کو تھی ہبہ کی تو خاوند کو دونوں راتیں متواتر اس کی سوکن کے پاس گزارنا ہوں گی۔ اور یہ جائز نہ ہو گا کہ جمعرات کی رات کی باری کو دوشنبہ کی رات میں منتقل کر دے۔ تا کہ سوکن کے پاس دو رات متواتر رہ سکے۔ لیکن چونکہ دوشنبہ کی رات جسے اس نے جمعہ کی رات میں منتقل کرنے کا ارادہ کیا ہے جو تیسری سوکن کا حق ہے اور بسا اوقات رات کی باریوں میں ردوبدل سے خرابی پیدا ہوتی ہے ایسی صورت میں اگر سوکن راضی ہو جائے تب یہ تبدیلی جائز ہو گی۔ تاہم ہبہ کرنے والی کو حق ہے کہ ہبہ سے رجوع کرے۔ اگر بیوی نے دوشنبہ کی رات ہبہ کی ہے تو خاوند کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کی رضا مندی کے بغیر اس سے پہلے ہی جمعہ کی شب کو ہبہ سے فائدہ اٹھائے کیوں کہ اس طرح گویا ہبہ کرنے والی کو رجوع کرنے میں رکاوٹ ڈالی گئی کیوں کہ ایک دن پہلے ہبہ سے فائدہ اٹھا لیا جائے تو رجوع کا حق جاتا رہے گا ہاں اگر اس کی باری جمعہ کی رات کو تھی اور خاوند نے اس کے ہبہ کو دوشنبہ کی رات میں منتقل کرنے کا ارادہ کیا تو ایسا کرنا بیوی کی رضا مندی کے بغیر بھی جائز ہے کیونکہ اس تاخیر سے بیوی کو ہبہ سے رجوع کرنے کا زیادہ موقع مل جائے گا۔ تاہم (باری کے دن کی) یہ منتقلی تیسری سوکن کی رضا مندی کے بغیر جائز نہیں ہے وعلی ہذا القیاس۔

Marfat.com

آیا خاوند کو اختیار ہے کہ اپنی بیویوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جائے؟

ایسا شخص جس کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں سفر کا ارادہ کرے تو اس کا یہ سفر یا تو ایک شہر سے دوسرے شہر میں مستقل رہائش اختیار کرنے کے لئے ہوگا یا پھر وہ سفر وقتی کسی غرض سے ہوگا۔ اگر پہلی قسم کا سفر ہو تو یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ شخص اپنی کسی بیوی کو ساتھ لے جائے اور کسی کو چھوڑ جائے کیوں کہ ایسی صورت میں رہ جانے والی بیوی کو ضرر کا اندیشہ ہے۔ اگر اتنا مقدور نہ ہو کہ تمام بیویوں کو نئے شہر میں لے جا کر ان کے ساتھ رہے تو اس پر واجب ہے کہ جن کے لئے جانے کا ارادہ نہ ہو ان کو طلاق دے دے۔ ورنہ یہ واجب ہے کہ ان میں قرعہ ڈالے جن کے نام قرعہ نکلے کہ وہ اس کے ساتھ رہے گی اس کے ساتھ رہے پھر اسے واپس لائے اور اس کی بجائے دوسری بیوی کو اتنے عرصہ کے لئے لے جا کر اپنے پاس رکھے جتنے عرصہ تک اس کی سوکن کو رکھا اور اسی طرح عمل کرتا رہے۔ لیکن یہ جو بعض لوگوں کا طریقہ ہے کہ چراگاہوں میں ایک سے زیادہ بیویوں سے شادی کر لیتے ہیں پھر ان میں سے ایک کو لے کر شہر میں آجاتے ہیں اور باقیوں کو ادھر میں لٹکا کر چھوڑ جاتے ہیں اور وجہ یہ بتاتے ہیں ان سب کو شہر میں رکھ کر زندگی بسر کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ کام دوسری بیویوں کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ اس سے کسی کو اختلاف نہ ہونا چاہئے کیوں کہ ایسے حالات میں ہر بیوی کو اپنی باری لینے کا حق ہے اور اس کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خاوند نے سفر کیا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس نے خود تو ایک جگہ رہائش اختیار کر لی اور بیویوں کی رہائش کسی اور جگہ کر دی

واضح ہو کہ بعض محققین حنفیہ نے شافعیہ سے یہ مسئلہ نقل فرمایا ہے کہ شافعیہ نے باری کی ہبہ کردہ رات کو باری کی ساتھ والی رات سے منتقل کرنے کی اجازت دی ہے تاکہ خاوند اس بیوی کے پاس جس کے حق میں وہ رات ہبہ کی گئی ہے دو راتیں متواتر رہ سکے لیکن امام ابوحنیفہ نے اس کے جائز نہ ہونے کو ترجیح دیا ہے کیوں کہ اس سے تیسری سوکن کو ضرر پہنچتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شافعیہ نے اس کی مطلق اجازت نہیں دی بلکہ انہوں نے اس کے لئے سوکن اور ہبہ کرنے والی دونوں کی رضامندی کی شرط لگائی ہے کہ ان میں سے کسی کو ضرر نہ پہنچے۔ اور یہی ٹھیک ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
ان تمام بیانات سے واضح ہے کہ تینوں امام یہ کہتے ہیں کہ شب باشی کی باری کو ہبہ کرنے کے معاوضہ میں کوئی مالی معاوضہ نہ لیا جائے اسی طرح کسی بیوی کو جائز ہے کہ وہ اپنی باری مال کے معاوضہ میں کسی سوکن یا خاوند کو فروخت کرے۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے وہ اس کے جائز ہونے کے قائل ہیں لیکن حنابلہ اور حنفیہ کی اس بارے میں دو رائیں ہیں۔ اور عدم جواز کو ترجیح حاصل ہے جیسا کہ بتایا گیا۔ لیکن شافعیہ کے نزدیک اس کے ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

Marfat.com

حالانکہ ان بیویوں کا بھی اس پر حق ہے جس کے لئے اسے مجبور کیا جا سکتا ہے لیکن اگر سفر کسی خاص مقصد مثلاً تجارت، جنگ، حج یا علاج (یا حصول صحت) وغیرہ کے لئے ہو اس کی بابت مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خاوند جب کہیں سفر کا ارادہ کرے تو اسے حق ہے کہ اپنے ساتھ سفر میں لے جانے کے لئے بیویوں میں سے کسی کا انتخاب کر لے جو اس کے ساتھ سفر کر سکے کیوں کہ خاوند ہی اس سفر کی دشواریوں کو جانتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ بیویوں میں کون صلاحیت سفر رکھتی ہے؟ یہ کام اسی کے کرنے کا ہے بعض اوقات کسی بیوی کو گھر کا بندوبست کرنے کے لئے چھوڑ کر جانا لازم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اسے لے کر جانا درست نہیں ہے۔ لیکن اس دلیل پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ تو سفر میں لے جانے کے لئے اپنی ازواج میں قرعہ اندازی کر لیا کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ایسا اس لئے کرتے تھے کہ حضور کی تمام ازواج مشقت سفر کی صلاحیت رکھتی تھیں اور گھر کا انتظام بھی جانتی تھیں۔ پس جن کے حق میں قرعہ نکلتا تھا وہ بھی امور خانہ کا بندوبست کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں کیوں کہ ان میں سے ہر ایک بیوی اپنے دینی احکام پر کاربند تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا لہٰذا وہ سب دین کے جملہ واجبات سے پوری پوری طرح واقف تھیں اور چونکہ اس باب میں وہ سب مساوی حیثیت رکھتی تھیں اس لئے آنحضرت ﷺ محض ان کی خوشنودی کے لئے ان کے درمیان قرعہ اندازی فرمایا کرتے تھے۔ یہ امر فریضہ کے طور پر نہیں تھا بالخصوص اس لئے کہ مذہب حنفیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ باری کی تقسیم بھی آنحضرت ﷺ پر واجب نہ تھی بلکہ حضور یہ اس لئے کرتے تھے کہ فطری طور پر ان کی طبیعت انصاف پسند تھی۔ پس آنحضرت ﷺ کی اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی سے دوسروں پر یہ واجب نہ ہوگا۔ کیوں کہ ایسا کرنا اس مصلحت کے منافی ہے جو اوپر ثابت کی گئی اور بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ بیویوں کی خوشنودی خاطر کے لئے قرعہ اندازی زیادہ پسندیدہ عمل ہے لیکن جہاں تک بعض حنفیہ نے سمجھا ان کے خیال میں قرعہ اندازی نہ کرنا زیادہ پسندیدہ امر ہے۔ کیوں کہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس مسئلہ کا تعلق مصلحت سے ہے اور بہت ممکن ہے کہ قرعہ میں اس بیوی کا نام (سفر کے لئے) نکل آئے جو سفر کی صلاحیت نہ رکھتی ہو۔ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں خاوند کو چاہئے کہ قرعہ ڈالے لیکن (سفر کے لئے) صلاحیت رکھنے والی کو اختیار کرے لیکن یہ تو اصل مقصد یعنی بیویوں کی دلجوئی کے برعکس ہے۔ کیوں کہ جس کے نام قرعہ نکلے گا اور اس پر عمل نہ ہوگا تو اس کی دل شکنی ہوگی اور اس پر اس کا برا اثر پڑے گا لہٰذا بہتر یہی ہے کہ قرعہ ہی نہ ڈالا جائے بلکہ جو بیوی صلاحیت رکھتی ہو اسے پہلے ہی انتخاب کر لیا جائے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر وہ سب سفر کی صلاحیت اور گھریلو انتظام کی قابلیت رکھتی ہوں تو ان کی اطمینان کے لئے ان میں قرعہ اندازی کی جا سکتی ہے۔

واضح ہو کہ (خاوند کے سفر میں چلے جانے اور) رہ جانے والی بیویوں کے درمیان باری کی تقسیم ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ اگر کسی ایک بیوی کو خاوند اپنے ساتھ سفر میں لے گیا اور ایک وقت تک اس کے ساتھ اس نے بسر کیا تو یہ عرصہ اس بیوی کے حساب میں محسوب نہ ہوگا اور خاوند کے ساتھ سفر میں شمار کیا جائے گا اور جب واپس آئے گا تو وہ مدت اس کی سوکنوں میں تقسیم نہ کی جائے گی اس دوران سفر اور قیام کی مدت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور اس سے بھی کوئی فرق نہیں

Marfat.com

پڑتا کہ وہ سفر حج یا جنگ کے لئے ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح وہ سفر خواہ گناہ کے لئے ہو یا نہ ہو۔ اور جب کوئی بیوی تنہا سفر میں رہے اور پھر واپس آئے تو اسے ایام گزشتہ کے عوض کسی مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ کیوں کہ جو ایام گزر چکے وہ واپس نہیں آسکتے۔ اگر چہ وہ سفر بیوی نے خاوند کے کہنے سے کیا ہے۔

اب اگر تمام بیویاں خاوند کے ساتھ سفر میں رہیں تو آیا خاوند پر بدوران سفر باری کی تقسیم واجب ہے یا نہیں؟ اندریں باب کتب حنفیہ میں کوئی صراحت موجود نہیں ہے اور یہ مسئلہ جو نظر سے گزرا ہے کہ اس میں بھی باری کی تقسیم واجب ہے سو یہ حنابلہ کی تصریح ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ خاوند کو حق ہے کہ اپنی بیویوں میں سے جسے چاہے بغیر قرعہ اندازی کے اپنے ساتھ سفر میں لے جانے کے لئے انتخاب کرلے۔ خواہ یہ سفر حج یا جنگ کے لئے ہو یا نہ ہو۔ یہ قول اسی طرح منقول ہے جو مطلق حیثیت میں ہے لیکن بعض اصحاب نے اس کو اس سفر پر محمول کیا ہے جو حج یا جہاد کے لئے نہ ہو۔ اگر ان مقصد کے لئے سفر ہو تو اس صورت میں (کسی بیوی کو ساتھ لینے کے لئے) قرعہ اندازی واجب ہوگی۔ کیوں کہ ان سفروں کی امتیازی حیثیت ہے جس کے باعث باہمی مزاحمت اور اشتیاق ہوتا ہے۔ اس کا یہی سبب مشہور ہے لیکن ہمارے زمانے میں حج کے سفر کا تو شوق ہوتا ہے جنگ کے سفر کا نہیں ہوتا۔

مدت سفر کی قضا جس میں جانے اور آنے کا وقت شامل ہے' نہیں دی جائے گی اور نہ ٹھہرنے کی مدت کی قضاء ہے۔ اور جو بیوی تنہا سفر کرے۔ اگر چہ یہ سفر اس نے خاوند کے کہنے سے کیا ہو اس میں جو وقت لگا اس کی تلافی کے مطالبہ کا حق بیوی کو نہیں ہے اگر چہ وہ سفر بیوی نے اپنے کسی مقصد سے کیا ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ باری کے اوقات میں سے جو وقت گزر گیا اس کی قضا خاوند نہ دے گا اگر چہ سفر میں نہ گزرا ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے مختصر سفر کیا جو ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل ہونے کے لئے نہ ہو تو اس صورت میں خاوند کو اپنی بیویوں میں سے کسی کو ہمراہ لینا اور کسی کو چھوڑ دینا درست ہے اس کے لئے حسب ذیل شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ بیویوں میں قرعہ ڈالے جس کا نام سفر کے لئے نکلے قطعی طور پر اس کو ساتھ لے جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ سفر امر جائز کے لئے ہو اگر سفر گناہ کے لئے ہے مثلاً کوئی شخص چوری کرنے (یا ڈاکہ ڈالنے) کے لئے سفر کرتا ہے تو اسے اپنے ساتھ بیوی کو لے جانا درست نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ خاوند پر اس عرصہ کی قضا واجب ہوگی جو اس نے بیوی کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچنے میں لگایا ہے بشرطیکہ وہاں پر اتنا عرصہ ٹھہرنا ضروری ہو جتنے عرصہ میں میعاد سفر ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر وہاں اتنے عرصہ تک قیام کیا جتنے عرصہ میں میعاد سفر ختم نہیں ہوتی مثلاً کسی حاجت کے پورا کرنے کے انتظار میں اٹھارہ یوم تک ٹھہرنا پڑا تو اس کی قضا کا دینا واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح بدوران سفر جانے اور آنے کے عرصہ کی قضا کسی حال میں نہ دینا ہوگی۔ اگر عورت نے تنہا خاوند کی اجازت کے بغیر سفر کیا یا اپنی ضرورت سے خاوند کی ضرورت سے نہیں لیکن اس کی اجازت سے سفر کیا تب بھی ان اوقات کے معاوضہ کا حق اسے حاصل نہیں جو بدوران سفر صرف ہوئے لیکن اگر خاوند کے کہنے سے اور خاص اس کے کسی کام سے سفر کیا تو اسے اس مدت کے مطالبہ کا حق ہے جو سفر میں صرف ہوئی۔ اس طرح اگر خاوند کے ساتھ اس کی اجازت کے

Marfat.com

آیا خاوند اپنی بیوی کو ایک گھر یا ایک بچھونے پر رکھ سکتا ہے؟

اگر گھر ایسی عمارت ہو جس میں متعدد رہائش گاہیں ہوں۔ یعنی (اس گھر میں) مختلف حصے اور قطعے ہوں اور ہر حصہ کا جدا دروازہ ہو اور دوسری ضروریات مثلاً پانی کا نلکا' باورچی خانہ اور منشر (غسل خانہ یا کپڑا وغیرہ پھیلانے کی جگہ ہو) جہاں دھلے ہوئے کپڑے پھیلائے جاسکیں تو خاوند کو حق ہے کہ بیویوں کی رضا مندی کے بغیر اس میں اپنی تمام بیویوں کو رکھے۔ اس میں رہائش گاہ کا یکساں ہونا شرط نہیں ہے بلکہ شرط یہ ہے کہ ہر ایک کی رہائش گاہ اس کی حالت کے مناسب ہو یعنی ان پر سختی نہ ہو جیسا کہ پہلے بتایا گیا' لیکن اگر گھر کا دروازہ ایک ہی ہو اور سب کے لئے پانی کا نلکا اور باورچی خانہ اور غسل خانہ ایک ہوں لیکن متعدد کمرے ہوں اور ہر بیوی کے لئے ایک کمرہ خاص کر دیا جائے تب بھی جائز ہے بشرطیکہ سب بیویاں راضی ہوں ورنہ ان میں سے ہر ایک کے لائق رہائش گاہ کا مہیا کرنا لازم ہوگا۔ تاہم اگر ایک ہی کمرہ میں تمام بیویاں رہنے پر راضی ہو جائیں تو جائز ہے۔ اسی طرح وہ صورت بھی جائز ہے جب کہ خاوند سفر میں ہو اور اس کے ساتھ اس

بغیر سفر کیا تب بھی اسے اپنی باری کے مطالبہ کا حق ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ایک سے زیادہ بیویوں والا شخص سفر کا ارادہ کرے اور یہ سفر ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل ہونے کے لئے نہ ہو تو وہ سفر خواہ لمبا ہو یا مختصر اگر اس میں اپنی کسی بیوی کو ساتھ لے جانا چاہتا ہے تو واجب ہے کہ بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرے جس کے نام قرعہ نکلے اس کے علاوہ کسی اور بیوی کو ہمراہ لے جانا جائز نہیں ہے۔ ہاں یہ جائز ہے کہ ان میں کسی کو بھی ساتھ لئے بغیر تنہا سفر کرے اور جب کسی کے نام قرعہ نکل آئے اور اس کے ساتھ سفر کیا تو سفر کی تمام مدت جو چلنے' فروکش ہونے اور کوچ کرنے میں صرف ہوگی وہ سب معاف ہے لہٰذا جب وہ واپس آئے تو اس مدت کا حساب اس کے ذمہ نہیں ڈالا جائے گا۔ بدوران سفر اگر کہیں قیام کیا مثلاً کوئی پر فضا علاقہ دلچسپ معلوم ہوا اور دونوں وہاں پر مقام مقصود پر پہنچنے سے پہلے کچھ روز کو ٹھہر گئے تو یہ ایام بیوی کی باری میں محسوب ہو جائیں گے اور واپسی پر اتنے ہی دن اس کی سوکنوں کی باری میں تقسیم کر دیئے جائیں گے اسی طرح منزل مقصود پر قیام کرنے کے ایام بھی محسوب ہوں گے۔

اگر کسی شخص نے بغیر قرعہ ڈالے کسی بیوی کو لے کر سفر کیا تو گناہ ہوگا اور جتنے دن بھی اس کے سفر کے دوران چلنے' فروکش ہونے اور کوچ کرنے میں لگے وہ سب شمار میں آئیں گے اور (سوکنوں کو) ان کی قضاء چکانی ہوگی اور بجز ان اوقات کے جن میں خاوند بیوی سے علیحدہ رہا۔ اور کوئی وقت نظر انداز نہیں کیا جائے گا البتہ اگر اس کی سوکنوں نے بغیر قرعہ کے اس کے ساتھ سفر کرنے پر رضا مندی ظاہر کی ہو تو اسے ایسا سمجھا جائے گا جیسے قرعہ نکلنے پر سفر کرنے والی بیوی۔ اور جب کسی بیوی کے نام قرعہ نکل آئے تو خاوند کو حق ہے کہ اسے سفر میں ساتھ لے جانے پر مجبور کرے اور جب دو بیویاں سفر میں ساتھ ہوں تو ان کے درمیان باری مقرر کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہ ایک ہی سواری یا ایک ہی خیمہ میں نہ ہوں۔ باری اس صورت میں واجب ہوگی جب کہ وہ دونوں اپنی اپنی مخصوص سواریوں میں ہوں۔

Marfat.com

کی بیویاں ہوں اور سب ایک خیمہ میں ٹھہریں یا ایک ہی بچھونے پر رہیں [۱] تو جائز ہے لیکن ایک بیوی کے سامنے دوسری بیوی سے مباشرت کرنا درآنحالیکہ ستر ڈھکا ہوا ہو مکروہ ہے [۲] اگر ستر ڈھکا ہوا نہ ہو تو حرام ہے کیوں کہ ستر غیر پر نظر ڈالنا حلال نہیں ہے جیسا کہ جز اول میں بتایا گیا۔

رضاعت (دودھ پلانے کا بیان)

رضاعت کی تعریف

رضاع کا لفظ جسے رضاعت بھی کہتے ہیں بفتح وبکسر را' لغت کی رو سے پستان کے چوسنے کو کہتے ہیں۔ خواہ انسان کی چھاتی سے چوسا جائے یا کسی جانور وغیرہ چنانچہ جس نے کسی گائے یا بکری کی پستان سے دودھ پیا تو اس کو عربی میں کہتے ہیں رضعتھا (یعنی اس نے اسے دودھ پلایا) اگر جانور کا دودھ دوہا اور بچے نے اسے پیا تو اسے یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے دودھ پلایا۔ جہاں تک اس لفظ کے معنے کا تعلق ہے اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ پستان چوسنے والا بچہ ہی ہو۔ لیکن اصطلاح شرع میں اس لفظ کے معنے کسی عورت کے دودھ کا ایسے بچے کے پیٹ میں جانا ہے جس کی عمر دو سال یعنی چوبیس ماہ سے زیادہ نہ ہو [۳] پس اگر

واضح ہو کہ (ان مسائل کے لئے) یہ شرط نہیں ہے کہ سفر مباح (یا جائز) ہو۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ بقول راجح سب بیویوں کا ایک ہی بچھونے (یا بستر) پر ہونا حرام ہے' اگرچہ مباشرت نہ ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ صرف مکروہ ہے مالکیہ نے اگرچہ وقت حاجت کی صراحت نہیں کی مثلاً خاوند حالت سفر میں ہو اور بیویاں ساتھ ہوں اور صرف ایک خیمہ دستیاب ہو یا کشتی میں ہوں۔ تاہم ضرورت پڑنے پر حکم میں استثناء کا ہونا امر بدیہی ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری سے مباشرت کرنا حرام ہے محض مکروہ نہیں ہے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مدت رضاعت (ایام شیر خوارگی) کے بارے میں دو رائیں ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ یہ مدت ڈھائی سال یعنی تیس مہینے ہے۔ لہٰذا اگر کسی بچے کے پیٹ میں اس عمر کے اندر دودھ پہنچ گیا تو شرعاً اسے شیر خوار تصور کیا جائے گا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ رضاعت کا زمانہ صرف دو سال ہے لہٰذا اس دو سال کے بعد کسی بچے کے پیٹ میں دودھ پہنچا تو یہ رضاعت (شیر خوارگی) متصور نہ ہوگی۔ اول الذکر رائے امام ابوحنیفہؒ کی ہے اور ثانی الذکر رائے صاحبینؒ کی ہے۔ اب آیا امام صاحبؒ کی رائے پر عمل کرنا واجب ہے یا صاحبینؒ کی رائے پر؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے لئے دلیل کو دیکھا جائے گا کہ کس کے حق میں قوی دلیل ہے جس رائے کی حمایت میں قوی دلیل ہوگی اس کو ترجیح حاصل ہوگی اور بظاہر اس بارے میں صاحبینؒ کی جو رائے ہے دلیل اس کی حمایت کرتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ پاک فرماتا ہے ''وحمله و فصاله ثلاثون شهراً'' (یعنی بچے کے پیٹ میں رہنے اور دودھ چھڑانے تک کی مدت تیس ماہ ہے) اس کا

Marfat.com

ایک بچی اور ایک بچے نے کسی جانور کا دودھ پیا تو وہ لڑکی اس لڑکے پر حرام نہ ہوگی۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ (دودھ پلانے والی کا) دودھ بچے کے منہ سے پستان کو چوس کر پیٹ میں پہنچے یا اس کے حلق میں ڈال دیا جائے یا ناک کے راستے پیٹ میں پہنچایا جائے غرض جس طرح بھی دودھ دوسال مذکورہ کے اندر بچے کے معدے میں شرائط مذکورہ آئندہ کے ساتھ پہنچ جائے تو اس پر حرمت عائد ہو جائے گی جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ لیکن جس کی عمر دوسال سے زائد ہو اور اس نے دودھ پی لیا تو اس کے اس پینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین'' (یعنی پیدا کرنے والیاں اپنی اولاد کو پورے دوسال دودھ پلائیں) اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوا کہ شرع کی رو سے دودھ پلانے کی مدت دوسال ہے۔ پس اگر اس مدت کے ایک لحظہ بعد بھی دودھ پلایا تو اسے رضاعت (دودھ پلانا) قرار نہ دیا جائے گا اور نہ اس سے حرمت عائد ہوگی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''لا رضاع الا مافتق الامعاء و کان قبل لحولین'' (یعنی اگر دودھ معدے میں نہ پہنچے اور بچے کی عمر دوسال سے کم نہ ہو تو یہ رضاعت یا دودھ پینا نہیں ہے) اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن بتایا ہے۔ اس میں لفظ فتق جو آیا ہے اس کے معنے پہنچنے کے ہیں۔ نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ''لا رضاع الا ماکان فی الحولین'' (یعنی دوسال کے عمر کے اندر نہ ہو تو وہ رضاعت نہیں ہے) اس حدیث کو بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے اب اگر کہا جائے کہ صحیح مسلم میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سہلہ بنت سہیل کو حکم دیا کہ وہ 'سالم' کو جو سہلہ کے خاوند ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام تھے بالغ ہونے کے بعد دودھ پلائے تا کہ اس کی ماں بن جائے اور پھر اسے ماں کی طرف دیکھنا حرام نہ رہے۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ سہلہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ابو حذیفہ

مطلب یہ ہوا کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اسے نکال کر چوبیس ماہ جو رہ جاتے ہیں یہی مدت شیرخوارگی ہوگی اور حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے حضرت عثمانؓ کو اس آیت کا یہی مطلب بتایا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایک عورت کو جس کے ہاں چھ ماہ کے حمل میں بچہ پیدا ہو گیا تھا حد لگائی جانے کا ارادہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان سے فرمایا کہ یہ ہرگز نہ ہونا چاہئے کیوں کہ یہ بچہ حمل کی کم سے کم مدت میں پیدا ہوا ہے جو چھ ماہ ہے اور انہوں نے اسی آیت سے استدلال فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی اسی تفسیر کو تسلیم فرمایا اور ظاہر ہے کہ آیت کا مطلب اس طرح کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ نے ایک اور طرح سے استدلال فرمایا ہے انہوں نے ''حملہ و فصلہ ثلاثون شہراً'' کے معنی یہ بتائے ہیں کہ دونوں باتوں (یعنی حمل پیٹ میں رکھنے اور دودھ چھڑانے تک) کی مدت (الگ الگ) تیس مہینے ہے گویا ارشاد باری یہ ہے کہ حمل کی مدت بھی تیس ماہ تک ہو سکتی ہے اور شیرخوارگی کی مدت بھی تیس

Marfat.com

کے آزاد کردہ غلام سالم کا ہمارے گھر میں گزر ہوتا ہے لیکن مردوں کی طرح وہ بھی اب ایک مرد ہے اور جو شعور مردوں کا ہوتا ہے اسے بھی ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ اب اس کا گھر میں آنا کہاں تک مناسب ہے؟) حضور نے فرمایا کہ اسے دودھ پلا دے تو تو اس پر حرام ہو جائے گی سو اس سے بصراحت عیاں ہے کہ بڑے (بالغ) آدمی کو بھی دودھ پلانے سے حرمت عائد ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ رضاعت کی مدت دو سال مقرر کئے جانے سے پہلے کا ہے۔ بعد میں اس پر عمل منسوخ ہو گیا یا پھر یہ حکم صرف سالمؓ اور سہلہ کے لئے خاص تھا۔ کہ آنحضرت ﷺ کے خیال میں اس گھر کے لوگوں کیلئے اس بات کی اجازت دینے کی سخت ضرورت محسوس فرمائی۔ کیوں کہ سالم کو کسی حال میں گھر کے اندر آنے سے باز نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ البتہ یہاں پر کچھ اور دشواریاں ہیں کہ دودھ پلانے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ایک عورت اپنی چھاتی کھولے اور پینے والا اسے چوسے اور ہاتھ لگائے۔ حالانکہ یہ امر بھی حرام ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ باتیں ضروری نہیں ہیں حرمت دودھ پینے سے بھی اسی طرح ہوتی ہے جس طرح چوسنے سے جیسا کہ بتایا گیا لہذا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا دودھ نکال کر پلا دے۔

ماہ ہے یعنی اس آیت میں حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت مراد ہے کم سے کم مدت مراد نہیں ہے۔ اس لحاظ سے دودھ پلانے کی مدت ڈھائی سال یعنی تیس ماہ ہوئی لہذا اس عرصہ کے اندر اگر کسی بچے نے دودھ پی لیا تو وہ بچہ اس عورت کا دودھ پینے والا شمار کیا جائے گا اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت صرف دو سال ہے۔ تیس ماہ نہیں ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کوئی بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے تکلے کی چرخی کے برابر بھی زیادہ نہیں رہ سکتا۔ اس سے مراد نہایت قلیل مدت ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے تو مدت حمل کی تخصیص ہوئی اور معلوم ہوا کہ وہ دو سال ہے۔ لیکن دودھ چھڑانے کی مدت بدستور (غیر متعین) رہی۔ ظاہر ہے کہ اس جواب میں تکلف (سخن سازی) کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیوں کہ اس کا یہ مطلب ہو ہی نہیں سکتا کہ آیت میں یہ صراحت موجود ہے کہ حمل کی مدت کبھی ڈھائی سال بھی ہو سکتی ہے حالانکہ حدیث کہتی ہے کہ (حمل کی مدت) دو سال سے ایک لحظہ بھی زیادہ نہیں ہوتی۔ بعض محققین اس مسئلہ کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ تیس مہینے کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک معنی حقیقی جو تیس کے عدد کا مفہوم ہے اور دوسرا مجازی یعنی چوبیس جس پر حدیث دلالت کرتی ہے۔ ایسی صورت میں ایک لفظ کا استعمال حقیقی اور مجازی دونوں معنوں میں ہوا ہے اور بہرحال یہ جائز نہیں ہے کہ ایک لفظ (یعنی تیس) سے ایک ہی کلام میں دو مفہوم لئے گئے ہیں یعنی تیس اور چوبیس۔ علاوہ اس کے عددوں میں مجاز جائز نہیں ہے کہ بولا کچھ جائے اور مراد کچھ اور لی ہے اس طرح تو قطعیت جاتی رہتی ہے اور ابہام پیدا ہو جاتا ہے اور یہ (اسمائے عدد) علم (خاص نام) کی طرح اس کے لئے مخصوص ہیں جس کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ بعض اصحاب نے (اس اعتراض کا) یہ جواب دیا ہے کہ آیت "حملہ و فصالہ ثلثون شہرا" میں لفظ حملہ مبتدا ہے اور اس کی خبر "اربعة و عشرون"

Marfat.com

دودھ کے رشتے قائم ہونے کی شرطیں

واضح ہو کہ شرعی دودھ کا رشتہ' جو کہ تحریم نکاح کا موجب ہے' جیسا کہ قرابت داری اور مصاہرت اس کے ثبوت کے لئے چند شرطیں ہیں۔ ان میں سے بعض کا تعلق دودھ پلانے والی سے ہے اور بعض کا دودھ پینے والے سے اور ان سب کے بارے میں مسالک کے اختلاف تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

(یعنی چوبیس) محذوف ہے اور فصالہ دوسرا مبتدا ہے اس کی خبر ''ثلاثون شھر اً'' (یعنی تیس ماہ) ہے اس طرح میں حقیقت اور مجاز کو بیک وقت جمع کرنا نہ ہوگا۔ اب اگر اس طرح کا جواب دینے والے سے سوال کیا جائے کہ آخر اس آیت میں کون سی دلیل ایسی ہے جو اس محذوف عبارت پر دلالت کرتی ہو۔ یا اس کی طرف اشارہ کرتی ہو یا آیت کا کوئی حرف اس محذوف (عبارت) کی جانب رہنمائی کرتا ہو تو وہ نہیں بتا سکے گا۔ مزید براں یہ کہ ایک شرعی حکمت ہے اس کی وضاحت کے موقع پر اس کو حذف کر دینا درست نہیں ہو سکتا ورنہ تو ہر شخص کو حق ہوگا کہ حذف کا دعویٰ کر کے جو حکم چاہے ثابت کر دے۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو آیت میں کوئی دخل نہیں ہے اس کا اپنا مستقل مفہوم ہے جو آیت پر منطبق ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ (آیت کا) مفہوم اول متعین ہے اور حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔

اگر کہا جائے کہ لفظ 'اشھر' جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد 'الحج اشھر معلومات'' (یعنی حج کے چند مقرر مہینے ہیں) میں آیا ہے وہ جمع (کا صیغہ) ہے واحد تشنیہ نہیں ہے۔ اور اس کا اطلاق اس آیت میں دو مہینوں اور ایک مہینے کے کچھ حصہ پر ہوتا ہے کیوں کہ حج کی مدت جس کے بغیر کوئی عمل حج ادا نہیں کیا جا سکتا وہ شوال اور ذیقعدہ کے دو پورے مہینے اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں' یہ نظیر اس بات کی ہے کہ آیت 'وحملہ و فصالہ ثلاثون'' میں ثلاثوں (تیس) کا جو لفظ آیا ہے اس کا اطلاق اربعۃ وعشرین (چوبیس) پر ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب تین طرح سے دیا جا سکتا ہے: اول یہ کہ ایک ماہ کے کچھ حصے یعنی ذوالحجہ کے دس دن کو شمار میں لے لیا گیا لہٰذا وہ تین مہینوں میں سے ایک مہینہ ہو گیا اور اس کے لئے صیغہ جمع کا استعمال درست ہوا۔ دوم یہ لفظ اشھر اسم جمع ہے صیغہ جمع نہیں ہے۔ اور اسم جمع ایک سے زیادہ سب میں مشترک ہے لہٰذا دو اور تین پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے سوم یہ کہ لفظ اشھر اعداد (اسمائے عدد) گنتی کے الفاظ میں سے نہیں ہے لہٰذا یہ 'ثلاثین'' (تیس) جیسا لفظ نہیں ہے اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ عدد کے الفاظ میں سے ایک کا اطلاق دوسرے پر نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ وہ لفظ اس عدد کے لئے مخصوص ہے اس کے علاوہ کسی اور معنوں میں اس کو استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مہینے چونکہ سال بہ سال متعدد بار آتے ہیں اس لئے اس کو جمع کی شکل میں لائے۔ غرض دلیل خصوصیت کے ساتھ صاحبینؒ کی رائے کی تائید کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دودھ پلانے کی مدت بوضاحت بیان فرمائی ہے۔ لہٰذا صاحبینؒ کا قول زیادہ درست ہے اور اس پر فتویٰ ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ دودھ پلانے کے بارے میں دو شرطیں ہیں: ایک شرط یہ ہے کہ دودھ پلانے والی نسل آدم سے ایک عورت ہو۔ چنانچہ اگر کسی مرد کے دودھ اتر آئے اور وہ کسی کو دودھ پلا دے تو شرعاً اسکی حیثیت شیر خوارگی کی نہ ہوگی۔ یہی حکم اس مخنث کا ہے جس میں مرد ہونے کے واضح آثار موجود ہوں اور دودھ اتر آئے۔ لیکن اگر خنثیٰ مشکل ہے

Marfat.com

یعنی مخنث جس کی جنس کا تعین نہ ہو سکے تو چاہئے کہ عورتیں اس کے دودھ کا امتحان کریں اگر وہ کہیں کہ کافی مقدار میں اور عورت کے سوا کسی اور کا نہیں ہو سکتا' تو اس کے پینے سے حرمت عائد ہو جائے گی۔ اگر عورتیں یہ فیصلہ کریں کہ یہ عورت کا دودھ نہیں ہے تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک بچے اور بچی نے کسی جانور کے تھن سے دودھ پیا تو وہ ایک دوسرے پر حرام نہ ہوں گے دوسری شرط یہ ہے کہ دودھ پلانے والی نو سال کی یا اس سے زیادہ عمر کی ہو۔ اگر نو سال سے کم عمر کی کسی لڑکی کے دودھ اتر آیا اور اس نے کسی بچے کو دودھ پلایا تو اسے شرعاً دودھ پلانا تصور نہ کیا جائے گا اور اس سے حرمت عائد نہ ہوگی۔ دودھ پلانے والی کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ زندہ ہو' چنانچہ اگر کوئی عورت مرگئی اور اس کے پہلو میں کوئی بچہ ہے جس نے پستان کو منہ میں لے کر اس کا دودھ پی لیا تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ عورت شادی شدہ ہو یا اس کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہو بلکہ اگر ایک کنواری کے جس کی شادی نہیں ہوئی دودھ اتر آیا اور اس نے کسی کو دودھ پلادیا تو وہ اس کی ماں بن جائے گی اور دودھ کے تمام احکام ان پر نافذ ہو جائیں گے اسی طرح عمر رسیدہ عورت ہے جس کے ایام ماہواری بند ہو چکے ہوں اور بچہ جننے سے محروم ہو چکی ہے (اس کا بھی یہی حکم ہے) تاہم اگر باکرہ عورت کی چھاتی سے زرد رنگ کا پانی بہے تو اس کے پینے سے حرمت عائد نہ ہوگی۔ ہاں اگر شوہر دیدہ ہے اور اس کے دودھ کا رنگ تبدیل ہو کر زردہ ہو گیا ہے تو اس کے پینے سے حرمت عائد ہو جائے گی کیوں کہ وہ دودھ ہی ہے جس کی رنگت تبدیل ہو چکی ہے۔ دودھ پینے والے کے لئے یہ شرط ہے کہ بقول مفتی بہ وہ ڈھائی سال سے زیادہ عمر کا نہ ہو جیسا کہ امام صاحب کا قول سابقاً بتایا گیا۔ دودھ کے متعلق بھی چند شرطیں ہیں اول یہ کہ وہ رقیق ہو بایں طور کہ اس کی بابت کہا جائے کہ بچے نے اسے پیا۔ لیکن اگر اس کا دہی بن گیا یا مکھن (یا ملائی) یا چھاچھ وغیرہ بن گیا اور بچے نے اسے کھالیا تو اس سے حرمت عائد نہ ہوگی کیوں کہ اس صورت میں رضاعت (یعنی دودھ پینے) کے لفظ کا اطلاق اس پر نہ ہوگا' چنانچہ ایسی حالت میں یہ نہیں کہا جاتا کہ بچہ نے دودھ پیا بلکہ کہا جائے گا کہ بچے نے اسے کھایا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ پستانکو چوسنے یا حلق میں ٹپکانے سے وہ بچے کے معدے میں پہنچ جائے۔ اسے عربی میں ''وجور'' (یعنی گھٹی کے طور پر دینا) کہتے ہیں یا ناک کے راستے اندر پہنچایا جائے جسے ''سعوط'' بروزن رسول (یعنی ناک کے ذریعے پیٹ میں پہنچانا یا سڑکنا) کہتے ہیں۔ غرض اگر دودھ بچے کے معدے میں حلق کے راستے یا ناک کے راستے پہنچ جائے تو حرمت عائد ہو جائے گی اس کی مقدار خواہ بہت ہی تھوڑی صرف ایک قطرہ ہی کیوں نہ ہو بہر حال پیٹ میں پہنچنا شرط ہے حلق میں ڈال کر یا ناک کے راستے۔ کسی اور طرح سے نہیں چنانچہ اگر کان میں ٹپکانے سے یا مقام اجابت سے حقنہ (یا انیمہ) کے ذریعہ یا شرمگاہ کے راستے سے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر حقنہ کے ذریعے دودھ پیٹ میں پہنچایا جائے تو اسے (شیر خوارگی) مانا جائے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ دودھ معدہ میں ایام شیر خوارگی کے اندر پہنچے جس کا ذکر پہلے کیا گیا لہٰذا اگر ان ایام میں دودھ پینا خواہ ایک قطرہ ہی کیوں نہ ہو اور وہ دودھ بچے کے پیٹ میں پہنچ گیا تو اسے (دودھ پینا) تسلیم کیا جائے گا۔ اگرچہ اس کا دودھ چھڑا دیا گیا ہو وہ خوراک سے بے نیاز ہو۔ غرض (دودھ پینے سے) حرمت کا انحصار اس بات پر کہ مدت شیر خوارگی کے اندر اسے دودھ پلایا گیا ہو۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ (دودھ کا) بچے کے معدہ میں پہنچنا یقینی طور پر معلوم ہو چنانچہ اگر بچے نے بھٹنی (سرپستان) کو منہ میں لے لیا لیکن یہ معلوم نہیں کہ دودھ اس کے معدہ میں پہنچا نہیں تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے کیوں کہ

Marfat.com

حالت شک شیر خوارگی تسلیم کرنے سے مانع ہے۔ اگر عورت نے اپنی چھاتی بچے کے منہ میں دے دی اور اس کا کہنا ہے کہ چھاتی میں دودھ ہے تو عورت کی بات تسلیم کی جائے گی۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ دودھ کو اشیائے خوردنی میں نہ ملایا جائے۔ پس اگر کسی عورت کا دودھ کھانے پینے کی چیز میں پڑ گیا اور کسی بچے نے اس میں سے کھایا تو اسے شیر خوارگی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر دودھ کسی منجمد شے میں گو اسے آگ پر نہ رکھا گیا ہو تب بھی (اس منجمد شے کے کھانے سے شیر خوارگی تصور نہ کی جائے گی۔ کیوں کہ منجمد (شے سے مل کر) وہ دودھ مائع (رقیق) نہیں رہا کہ اسے دودھ کا پینا کہا جائے لیکن اگر وہ دودھ کسی مائع (رقیق) شے میں ملا دیا گیا مثلاً عورت کے دودھ کو بکری کے دودھ میں ملا دیا گیا تو دیکھنا ہوگا کہ اگر انسان کے دودھ کی مقدار زیادہ ہو تو اسے دودھ تسلیم کیا جائے گا اور اس (کے کھانے) سے (شیر خوارگی کی) حرمت ثابت ہو جائے گی ورنہ نہ ہوگی۔ یہ ہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ دودھ کو پانی یا دوا وغیرہ میں ملا دیا جائے۔ زیادہ مقدار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس شے کا ذائقہ محسوس ہو یا اس کا رنگ نظر آتا ہو اگر دونوں برابر ہوں تو اس کو دودھ تسلیم کیا جائے گا اور اس (کے کھانے) سے حرمت عائد ہوگی۔ لیکن ایسی صورت بہت کم وقوع پذیر ہوتی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ دودھ پلانے والی کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ کوئی عورت ہو۔ اگر (دودھ پلانے والا) چوپایہ ہے تو (حرمت کے بارے میں) اس کا اعتبار نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی مرد کے دودھ اتر آئے تو اس دودھ کے پینے سے حرمت عائد نہ ہوگی خواہ زیادہ مقدار میں ہو۔ اگر وہ دودھ خنثیٰ مشکل کا ہے (یعنی ایسے مخنث کا جس کے جنس کی تعین نہیں ہو سکتی) تو زیادہ تر یہی خیال ہے کہ اس سے بھی حرمت عائد نہ ہوگی۔ (حرمت عائد ہونے کے لئے) یہ شرط نہیں ہے زندہ عورت کا دودھ پیا ہو بلکہ اگر کوئی مرگئی ہے اور ایک بچہ اس کی چھاتیوں سے چمٹ کر دودھ پی لے اور یہ معلوم ہو کہ اس کی چھاتیوں میں فی الواقع دودھ ہے تو اسے دودھ پینا تسلیم کیا جائے گا اسی طرح اگر اس بات میں شک ہو کہ یہ دودھ ہے یا نہیں ہے؟ تو اس سے بھی حرمت عائد ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی شرط نہیں کہ دودھ پلانے والی عورت پوری عمر کی ہو بلکہ اگر کسی ایسی لڑکی کے دودھ اتر آئے جس کے ساتھ مباشرت نہیں کی جا سکتی اور اس لڑکی نے کسی کو دودھ پلایا اسے (دودھ پینا) تسلیم کیا جائے گا۔ اسی طرح اس صورت میں بھی تسلیم کیا جائے گا جبکہ کوئی عورت عمر رسیدہ ہو کر حمل سے یا بچہ جننے سے رہ گئی ہو (اور اس کے دودھ اتر آئے) دودھ پینے والے کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ بچہ ہو اور بقول مشہور دو سال اور دو ماہ سے زیادہ عمر کا نہ ہو پس اگر کسی نے اس سے زیادہ عمر میں دودھ پیا تو بالاتفاق اس کا اعتبار نہیں ہے۔ اس مدت کے دودھ پلانے کی بابت مفصل بیان اوپر ہو چکا ہے۔ دودھ کے بارے میں بھی چند شرائط ہیں: ایک شرط یہ ہے کہ اس کا رنگ باقی ہو اگر وہ زرد یا سرخ ہو گیا تو اسے دودھ تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ دودھ پستان کے چوستے یا حلق میں ڈالنے سے (بچے کے) معدے میں پہنچ جائے۔ حلق میں ڈالنے کو 'وجور' کہتے ہیں یا اسے ناک کے راستے پیٹ میں پہنچایا جائے اس کو 'سعوط' (سڑکنے کا عمل) کہتے ہیں۔ اور جب دودھ بچے کے معدہ میں پہنچ جائے تو اسے 'پینا' کہیں گے اور تب ہی حرمت عائد ہوگی خواہ اس کی مقدار زیادہ ہو یا تھوڑی یعنی ایک ہی چسکی ہو لیکن اگر دبر (یا مقعد) کے راستے حقنہ کے ذریعے معدہ میں دودھ پہنچایا گیا تو اس صورت میں بھی حرمت عائد ہو جائے گی بشرطیکہ پیٹ میں پہنچ کر بچے کی مکمل غذا بن جائے اگرچہ اس کے تھوڑے عرصہ بعد ہی وہ پھر خوراک کا محتاج ہو جائے۔ اگر کان' آنکھ یا سر کے مساموں سے پیٹ میں دودھ پہنچ

Marfat.com

جائے اور اس کا معدہ میں پہنچ جانا ثابت ہو جائے تب بھی اسے دودھ پینا نہیں مانا جائے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ عورت کے دودھ کو کسی کھانے پینے کی چیز یا دوا میں نہ ملایا گیا ہو اگر ملا دیا جائے اور ملی ہوئی چیز غالب ہو بایں طور کہ دودھ غائب ہو جائے اور اس کا مزہ باقی نہ رہا ہو تو اسے دودھ نہیں مانا جائے گا لیکن دودھ کا غلبہ ہو یا دودھ برابر ہوں تو اسے دودھ مانا جائے گا اور (اس کے استعمال سے) حرمت عائد ہوگی۔ اگر عورت کے دودھ سے دہی یا گھی بنا لیا جائے اور بچہ اسے کھالے تو بقول بیشتر اس سے حرمت عائد ہو جائے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ دودھ پلانے کے متعلق چند شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ آدم کی اولاد عورت ہو لہٰذا اگر کسی لڑکے اور لڑکی نے ایک جانور کے تھن سے دودھ پیا تو اسے دودھ شریک نہیں مانا جائے گا اور ان میں باہم حرمت عائد نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی بچے نے کسی مرد کا یا خنثیٰ مشکل کا جس کا عورت ہونا ثابت نہیں ہوا دودھ پیا تو حرمت عائد نہ ہوگی۔ تاہم اگر کسی بچی نے مرد کا یا خنثیٰ مشکل کا جس کی بابت معلوم ہوا کہ وہ مرد ہے دودھ پیا تو ان دونوں کا اس سے جس کو انہوں نے دودھ پلایا شادی کرنا مکروہ ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ دودھ پلانے والی زندہ ہو پس اگر کسی بچہ نے مردہ کو چٹ کر اس کی چھاتیوں سے دودھ پی لیا تو یہ دودھ پینا تسلیم نہ کیا جائے گا اور حرمت عائد نہ ہوگی اور مردہ ہی کی مانند وہ بھی ہے جو مرنے کے قریب ہو اور اس میں بجز حرکت مذبوحی (غیر شعوری تڑپن) کے اور کچھ باقی نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ دودھ پلانے والی کی عمر تقریباً نو سال قمری ہوگئی ہو اس عمر میں ہو سکتا ہے کہ حیض آ جائے۔ لہٰذا اگر وہ دودھ پلا دے تو اسے رضاعت مانا جائے گا۔ گو اس لڑکی کو بالغ نہ مانا جائے۔ کیوں کہ جس عمر میں حیض کا امکان ہو یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ وہ جننے کے قابل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ شافعیہ دودھ پلانے والی کی بابت یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ تقریباً نو سال کی ہو اور حیض و طہر کی جو کمی ہے اس سے کوئی حرج نہیں پڑتا اگرچہ سردست اسے حیض نہ آیا ہو اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ دودھ بچہ پیدا کرنے سے ہوتا ہے اور درآنحالیکہ اسے حیض ہی نہیں آیا تو اس کی بابت بچہ پیدا کرنے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی صورت حال متقاضی ہے کہ اس کا دودھ پینے سے حرمت عائد نہ ہو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس عمر میں حیض آنے کا امکان ہے جس سے یہ احتمال ہے کہ اسے حیض آئے اور حاملہ ہو اور بچہ جننے کے قابل ہے اور صرف یہ احتمال اس امر کو تسلیم کرنے کے لئے کافی ہے کہ اس کی چھاتیوں میں دودھ ہی اترا ہے اور جو رشتہ دودھ سے حرام ہوتا ہے وہ نسب سے بھی حرام ہوتا ہے کیوں کہ پینے والا دودھ پلانے والی کے جسم کا ایک حصہ ہوتا ہے اور اس کا وجود مرد اور عورت کے مادہ ہائے تولید سے پیدا ہوتا ہے پس جب بچہ اس دودھ کو پیتا ہے تو گویا وہ اس مرد اور عورت کا ایک جزو ہوتا ہے۔ پس وہ دودھ اس مادہ تولید کا قائم مقام ہے جس سے اولاد کا نسب ثابت ہوتا ہے۔ پس دودھ سے جو حرمت ثابت ہوتی ہے وہ اس حرمت کی تابع ہے جو نسب سے ہوتی ہے اور یہ ثابت ہے کہ نسب محض احتمال کی بناء پر ثابت ہوتا ہے لہٰذا اس کی شاخ جو اس کی مانند ہے اس میں بھی حرمت ثابت ہونے کے لئے احتمال کافی ہے یہی وجہ ہے کہ دودھ پلانے والی کے لئے شوہر دیدہ ہونا شرط ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ اگر وہ کنواری ہے اور اس عمر میں اس کے دودھ اتر آئے تو اسے 'دودھ' تسلیم کیا جائے گا اور اس سے حرمت عائد ہوگی۔ پس یہ شرط بھی نہیں رکھی جا سکتی کہ عورت حاملہ ہو۔ ہاں اگر اس کی عمر اتنی ہے جس میں ولادت کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا

Marfat.com

تو اس کا دودھ (حرمت کے حق میں) تسلیم نہیں کیا جائے گا اور (اس کے پینے سے) حرمت عائد نہ ہوگی۔

دودھ پینے والے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ بقید حیات ہو۔ چنانچہ اگر بالفرض مردہ بچے کے حلق میں کسی عورت کا دودھ ڈال دیا جائے تو وہ (دودھ پینا) تسلیم نہ کیا جائے گا اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ بچہ دو سال سے زیادہ کا نہ ہوا گر اس کی عمر لحظہ بھر بھی اس سے زیادہ ہے تو اس کے دودھ پینے سے حرمت عائد نہ ہوگی۔ اگر اس میں شک ہو کہ وہ دو سال کا ہے یا نہیں اور (اسے دودھ پلایا گیا) تب بھی حرمت عائد نہ ہوگی کیوں کہ (کسی شے کے) حرام ہونے کے بارے میں شک ہو تو اس کی حرمت جاتی رہتی ہے۔ اگر کسی بچے نے چار بار دودھ پیا اور پانچویں بار کے شروع ہوتے ہی وہ یقینی طور پر دو سال کا ہو گیا اور وہ اس کا دودھ پیتا رہا تو اسے دودھ پینا قرار نہ دیا جائے گا اور وہ چار بار جو اس نے پیا وہ پینا بے اثر متصور ہوگا۔ اس سے حنابلہ کو اختلاف ہے۔

دودھ کے بارے میں دو شرطیں ہیں۔ ایک شرط کا تعلق اس کے وزن اور مقدار سے ہے اور شرط کا تعلق اس کی حالت اور پیٹ میں جانے کی کیفیت سے ہے۔ اول الذکر کے بارے میں یہ شرط ہے کہ بچے نے یقینی طور پر دودھ پلانے والی سے پانچ بار دودھ پیا ہو۔ اگر اس میں شک ہو کہ پانچ بار پیا ہے یا نہیں؟ تو اس کو (پینا) تسلیم نہ کیا جائے گا اور وہ دودھ پینے کے شمار میں نہ آئے گا تاوقتیکہ اسے عرف عام میں مکمل طور پر پینا نہ سمجھا جائے۔ بایں طور کہ بچہ دودھ کو منہ میں لے کر بلا ضرورت اس سے منہ نہ موڑے۔ مثلاً سانس لینے یا منہ میں کچھ بھر گیا ہو اسے ڈالنے کے لئے یا ایک چھاتی سے دوسری چھاتی بدلنے کے لئے۔ لیکن اگر وہ دودھ چھوڑ دے اور پھر اس کی طرف مائل نہ ہو تو اسے ایک بار دودھ پینا تصور کیا جائے۔ اگرچہ اس نے ایک بار سے زیادہ چسکی نہ لگائی ہو۔ اسی طرح اگر خود دودھ پلانے والی نے ہٹا دیا ہو اور دوبارہ اسے نہ دیا ہو۔ لیکن اگر کسی معمولی کام کے لئے اسے ہٹایا اور پھر جلد ہی اسے دودھ پلانے لگی تو اسے ایک بار پلانا ہی تصور کیا جائے گا۔ اس بارے میں شافعیہ کو حنابلہ سے اتفاق ہے اگرچہ بعض دوسری تفاصیل مذکورہ میں ان سے اختلاف کیا ہے جیسا کہ بتایا جائے گا۔ لیکن حنفیہ اور مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ انہوں نے اس کے لئے کوئی تعداد کی کوئی شرط نہیں رکھی۔ بلکہ کہا ہے کہ دودھ پلانے والی کا خواہ کسی قدر بھی دودھ بچے کے معدے میں چلا جائے وہ کتنا ہی تھوڑا ہو اس سے حرمت عائد ہو جائے گی۔ ان کے اختلاف کی تفصیل پہلے بتائی جا چکی ہے۔

تحریر بالا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جب تک پانچ بار دودھ نہ پلایا جائے حرمت عائد نہ ہوگی اور حنفیہ کہتے ہیں کہ محض دودھ پلا دینے سے حرمت عائد ہو جائے گی خواہ زیادہ ہو یا کم محض ایک قطرہ۔

شافعیہ اور حنابلہ اپنی دلیل میں مسلم کی وہ روایت پیش کرتے ہیں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ **"کان فیما انزل اللہ فی القران عشر رضعات معلومات یحرمن فنسخن بخمس معلومات. فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ھن فیما یقرا من القرآن"** (یعنی دودھ پینے سے حرمت کا جو حکم قرآن میں نازل ہوا ہے وہ دس بار دودھ پلانے سے عائد ہوتا ہے پھر وہ حکم دس کی بجائے پانچ بار پلانے کے حکم سے منسوخ ہو گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ یہ حکم وہ ہیں جو قرآن میں پڑھے جاتے تھے) نیز مسلم کی روایت میں ہے کہ **لا تحرم الرضعة ولا الرضعتان** (یعنی ایک یا دو بار پلا دینے سے حرمت عائد نہیں ہوتی)۔

Marfat.com

شافعیہ اور حنابلہ کی کتابوں سے جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سابقۃ الذکر سے وہی سمجھا جو اس کا ظاہر مفہوم ہے یعنی قرآنی آیات کے منجملہ ایک آیت یہ تھی ''عشر رضعات معلومات یحرمن'' (یعنی یقینی طور پر دس بار دودھ پلایا جائے تو حرمت عائد ہو جاتی ہے۔ اس میں لفظ معلومات کے معنے حقیقی طور پر ہونے کے ہیں۔ جس میں کوئی شک نہ ہو اور لفظ یحرمن کے معنے یہ ہیں کہ دودھ پلانے والی۔ اس کے خاوند اور دودھ پینے والے کے درمیان حرمت ازدواج عائد ہو جاتی ہے جیسا کہ سابقاً بتایا گیا پھر یہ آیت عہد نبوی ﷺ میں لفظاً اور معناً ایک اور آیت سے منسوخ ہو گئی اور وہ آیت یہ ہے ''خمس معلومات یحرمن'' چنانچہ اس کے بعد پہلے جو دس بار دودھ پلانا موجب حرمت تھا اب صرف پانچ بار رہ گیا اور اسی پر عمل ہوتا رہا پھر خمس رضعات یحرمن بھی حضور کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے قرآن سے خارج ہو گیا اور صرف حکم (حرمت) باقی رہ گیا لہٰذا حضرت عائشہؓ کے ارشاد ''فتوفی رسول اللہ وھن فیما یقرا فی القرآن'' میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ حکم اس بنا پر تھا کہ قرآن میں یہ آیت تھی یہ مطلب نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اس آیت کی تلاوت ہوتی تھی۔ اگر بالفرض ایسا ہوا بھی ہو کہ اس آیت کی تلاوت کی جاتی رہی تو یہ ان لوگوں کی نسبت کہا گیا ہے جنہیں اس کے منسوخ ہو جانے کا علم نہ تھا۔

اس مسئلہ پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ یہ قرآن وہی ہے جو بتواتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت سے نقل فرمایا۔ تو اب کیسے ممکن ہے کہ ان الفاظ کو قرآن کہا جائے خاص کر ایسی صورت میں جب کہ بعض ائمہ اسلام نے یہ تصریح کر دی ہے کہ ایسی چیز جو متواتر ثابت نہیں ہے اسے کتاب اللہ قرار دینا جو متواتر ہے جائز نہیں ہے۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ بعض محدثین نے بشمول اس روایت کے ایسی روایات احادیث بیان کی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ یہ آیت قرآن میں تھی پھر منسوخ ہو گئی۔ حالانکہ ایسی روایات کو دشمنان اسلام نے حدیث میں اسلئے شامل کرنا شروع کر دیا کہ اللہ کی کتاب میں جھوٹی روایتیں بیان کر کے شبہ ڈالیں۔ منجملہ ان کے وہ روایت بھی ہے جو ابن مسعود سے مروی ہے کہ 'معوذتین' (یعنی سورہ فلق اور سورہ الناس) قرآن کا جز نہیں ہیں۔ اس سے غرض یہ تھی کہ اللہ کی کتاب جس کا ایک ایک لفظ حرف بتواتر ثابت ہے مشکوک ہو کر رہ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ امام فخر الدین رازی نے اس روایت کو غلط بتایا ہے اسی طرح کہ وہ روایت بھی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ دعائے قنوت مصحف ربی میں موجود تھی پھر نکال دی گئی۔

غرض یہ اور اسی طرح کی اور روایتیں جس میں اخبار احاد کی بناء پر قرآن کے خلاف فیصلہ کیا گیا ہے قطع نظر اس کے دین کے لئے نقصان دہ ہیں ان میں کھلا تناقص موجود ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں کہیں یہ ذکر نہیں ہے کہ پانچ بار دودھ پلانے کا حکم منسوخ ہوا تو یہ حکم ساقط کیوں نہ ہوا جیسا کہ دین کے دشمن کہتے ہیں اور درآنحالیکہ اس کے مفہوم کو تسلیم کیا جاتا ہے تو آخر لفظ کے منسوخ کرنے اور حکم کے باقی رکھنے سے کیا حاصل؟ ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ اس حکم میں فائدہ ہے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ لفظ منسوخ ہو گیا اور حکم باقی ہے؟

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی نہیں کہتا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت سے ان کلمات کا قرآن ہونا ثابت

Marfat.com

ہوتا ہے اور اسے قرآن قرار دیا جائے۔ البتہ حضرت عائشہؓ کی روایت سے جو کچھ سمجھا جاتا ہے اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ حکم قرآن میں کسی وقت موجود تھا اور یہ گمان اس کے فقہی مسئلہ ہونے کے لئے کافی ہے۔

واضح ہو کہ حضرت ابن مسعودؓ کی اس روایت میں کہ معوذتین قرآن کا حصہ نہیں ہیں اور حضرت عائشہؓ کی روایت کے معناً موجود ہونے میں فرق ہے۔ پہلی بات سے قرآن کے یقینی اور متواتر ہونے کی نفی ہوتی ہے اور جو شخص قرآن کے یقینی اور بتواتر ثابت شدہ حصے میں کسی شے کا بھی انکار کرتا ہے وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے لہٰذا ابن مسعودؓ کی روایت جس میں سورہ فلق اور سورہ الناس کے جزو قرآن ہونے سے انکار کیا گیا ہے قطعی طور پر (قرآن کی) تکذیب ہوتی ہے اور اس قسم کی تمام روایتوں کو کذب قرار دینا واجب ہے لیکن حضرت عائشہؓ کی روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت قرآن میں تھی اور آنحضرت ﷺ کے عہد ہی میں منسوخ ہو گئی لہٰذا اب اسے کسی طرح قرآن نہیں کہا جا سکتا۔ علاوہ اس کے چونکہ روایت صرف ظنی شے ہے۔ لہٰذا اسے قرآن نہ ماننے میں نقصان نہیں ہے۔ اس پر کہا جاتا ہے کہ اگرچہ جواب کی یہ ایک صورت بنتی ہے تاہم ایک دشواری بدستور ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اسے قرآن تسلیم نہ کیا جائے تو اسے دلیل کے طور پر پیش کرنا بھی درست نہیں ہے کیوں کہ اسکا دلیل ہونا اسی بناء پر ہے کہ اسے قرآن تسلیم کیا جائے پس اگر اس کے قرآن ہونے سے انکار کیا جائے تو وہ حکم بھی جو اس سے نکلتا ہے وہ بھی جاتا رہے گا۔ پس اعتراض یہ ہے کہ دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ یہ حکم قرآن میں موجود تھا اور اسے نص قرآن (یعنی قرآنی صراحت) قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ حکم قرآن میں تھا اب اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ قرآن صرف وہی ہے جو تواتر سے ثابت ہوتا ہے اور جو تواتر سے ثابت نہیں ہے وہ قرآن نہیں ہے لہٰذا یہ بھی قرآن نہیں ہے اور جب ثابت ہو گیا کہ یہ قرآن نہیں ہے تو اسے دلیل کے طور پر پیش کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کے قرآن تسلیم نہ کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حکم بھی جاتا رہا کیوں کہ یہ حکم ایسا ہے جو حدیث کی خبر احاد سے ثابت ہے تو یہ کہا جائے گا کہ یہ بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ نے اسے بطور حدیث کے بیان نہیں فرمایا۔ اگر بالفرض انہوں نے ایسا کیا بھی تو یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا انکار بھی درست ہے تو اب یوں کہنا چاہئے کہ الفاظ "خمس رضعات یحرمن" قرآن کا حصہ نہیں ہیں اور جب یہ صحیح ہے تو وہ حکم جس پر الفاظ دلالت کرتے ہیں وہ بھی قدرتی طور پر باقی نہ رہے گا۔ نیز یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت عائشہ کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ کے زمانے میں قطعی طور پر قرآن سمجھی جاتی تھی اور چونکہ تواتر سے ہم تک نہیں پہنچی لہٰذا یہ قرآن نہیں ہے کیوں کہ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت ظنی ہے تو اسے قطعی کہاں سے مان لیا جائے گا؟

اب رہا دوسرے اعتراض کا جواب سو قرآن کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف تواتر سے ثابت ہے اور قرآن وہی ہے جو دو گتوں کے درمیان (کتابی شکل میں) ہے لہٰذا اس میں سے ایک لفظ کے بھی ضائع ہونے کا احتمال نہیں ہے پس یہ کہنے کی کوئی صورت نہیں ہے کہ الفاظ خمس رضعات قرآن میں موجود تھے جو ساقط ہو گئے اور روایت کہتی ہے کہ یہ آیت قرآن میں تھی تو (سوال یہ ہے کہ) یہ امر متواتر ہم تک کیوں نہیں پہنچا؟ کہ اس کے الفاظ منسوخ ہو گئے اور اس کا حکم باقی رہ گیا۔ یہ جواب خوب ہے لیکن الفاظ کے منسوخ ہونے اور اس کے معنی باقی رہنے میں کوئی معقول فائدہ ظاہر نہیں ہوتا۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ احکام کا منسوخ ہو جانا تو سمجھ میں آتا ہے کہ یہ امت کے بدلتے ہوئے حالات کے تابع ہوتا ہے لہٰذا اس کا

Marfat.com

فائدہ ظاہر ہے بلکہ نو پیدا امت کے لئے جس کی شریعت کی تکمیل ہنوز نہ ہوئی ہو بعض اوقات وقتی (عارضی) احکام ضروری ہو جاتے ہیں لیکن لفظ کو مٹا دینے اور اس کے حکم کو باقی رکھنے کی اگر کوئی دلیل ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ وہ الفاظ جس مقصد کے لئے استعمال کئے گئے ہوں وہ فی الجملہ مناسب نہ تھے لہٰذا جب وہ ادا کئے گئے اور اس کی خرابی ظاہر ہوئی تو اسے حذف کر دیا گیا۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے جو علیم و خبیر (جو جانتا بوجھتا اور باخبر) ہے ناممکن ہے۔ قطع نظر اس کے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر حکم کے لئے ضروری ہے کہ کچھ الفاظ استعمال کئے جائیں تو جب الفاظ ہی اٹھ گئے تو اس حکم کے باقی رہنے کی کیا دلیل ہے۔ اگر کہا جائے کہ ان الفاظ کے اٹھائے جانے سے پہلے یہ حکم ثابت تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ الفاظ کے اٹھائے جانے کے بعد اس کا مفہوم بھی اٹھ گیا۔ لہٰذا اس حکم کے باقی رہنے کی کوئی دلیل نہیں اور یہ کہنا کہ اس حکم کی دلیل وہ الفاظ تھے جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے تو کہا جائے گا کہ اس صورت میں وہ حکم حدیث سے ثابت ہوگا منسوخ شدہ قرآن سے ثابت نہ ہوگا۔ پس درحقیقت یہ کہنا کہ لفظ منسوخ ہو گیا اور حکم باقی رہے گا کچھ اور کمزور بات ہے۔ اب ان تمام باتوں کے باوجود آخر وہ کون سی دلیل ہے جس سے ثابت ہو کہ الفاظ منسوخ ہو گئے اور حکم باقی ہے۔ اس کی کوئی دلیل نہ حضرت عثمانؓ کی روایت میں ہے نہ کہیں اور ہے۔

اس کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ بعض اہل تحقیق نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کی تاویل اس طرح کی ہے کہ اس سے غرض ان کی یہ نہیں تھی کہ یہ قرآن کی آیت تھی بلکہ یہ احکام شرعیہ کے منجملہ قرآن سے باہر ایک حکم تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو وحی کے ذریعہ بتایا اور اس کے مطابق قرآن پر عمل کرنے کا حکم دیا لہٰذا حضرت عائشہؓ کے اس کہنے کا کہ "کان فیما انزل اللہ فی القرآن عشر رضعات معلومات الخ" کا مطلب یہ ہے کہ یہ ان احکامات کے منجملہ تھا جو آنحضرت ﷺ پر اور امت کو ان کی پیروی میں قرآن پر عمل کرنے کا اس طرح حکم دیا گیا کہ یقین کے ساتھ دس بار دودھ پلایا جائے تب حرمت عائد ہوگی۔ اس کے بعد یہ حکم پانچ بار یقینی طور پر دودھ پلانے کے حکم سے منسوخ ہو گیا اور پھر حضورؐ کی وفات ہو گئی اور یہ حکم باقی رہ گیا جو منسوخ نہیں ہوا۔ اب رہا اس کا ثبوت کہ یہ حکم اللہ کی طرف سے نازل ہوا جس کی بابت وحی ہوئی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ "وما ینطق عن الھویٰ" (یعنی آپ اپنی مرضی سے کلام نہیں فرماتے تھے) اور ہم لوگوں کو ان احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا جو رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا۔ "ما آتا کم الرسول فخذوہ ومانھا کم عنہ فانتھوا" (یعنی جس بات کا رسول تمہیں حکم دیں اسے اختیار کرو اور جس بات سے منع فرمائیں اس سے باز رہو) اب اگر شافعیہ اور حنابلہ اس تاویل سے مطمئن ہو جائیں تو یہ مسئلہ قرآنی (احکامات کی) حد سے نکل کر حدیث کا صحیح مسئلہ بن جائے گا اور اس سے جو حکم ثابت ہوتا ہے بظاہر وہی ہے جو وہ چاہتے ہیں تاہم شافعیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے "فتوفی رسول اللہ وھو یقرا" (یعنی رسول اللہؐ کی وفات ہوئی اور یہ آیت پڑھی جاتی تھی) کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس آیت کا حکم بیان کیا جاتا رہا۔ ان کی یہ تاویل حدیث کے اس مطلب کے قریب قریب ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا۔ اس طرح تاویل اس حدیث میں کی گئی ہے جو بخاری میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شادی شدہ شخص کے زنا کرنے کی سزا سنگساری کا حکم قرآن میں آیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عملاً سنگسار کرنے کا حکم فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "ما آتا کم الرسول فخذوہ و مانھا کم عنہ فانتھوا" لہٰذا سنگساری کا حکم بھی کتاب اللہ سے ثابت ہے اور بخاری نے اس کو نقل کرتے ہوئے بیان کیا

Marfat.com

ہے کہ وہ آیت جو کتاب اللہ میں تھی اور اس کے الفاظ اٹھا لئے گئے اس کے معنے نہیں اٹھائے گئے وہ یہ ہے ''الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموھما البتة الخ ''(یعنی عمر رسیدہ مرد اور عمر رسیدہ عورت اگر بدکاری کریں تو انہیں ضروری سنگسار کردو) اس قول کا انکار کرنے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہئے کیوں کہ جو شخص بھی اسے سنے گا وہ پہلی بار ہی یہ یقین کر لے گا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے مقابلہ میں جس کی فصاحت و بلاغت درجہ کمال پر پہنچی ہوئی ہے یہ کلام مصنوعی ہے اور اس کی کوئی وقعت نہیں ہے قطع نظر اس کے کہ اس آیت سے وہ مقصد بھی نہیں برآمد ہوتا جو پیش نظر ہے کیوں کہ سنگساری (کی سزا) کا مستوجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ مرتکب شادی شدہ ہو اور لغت میں شیخ (عمر رسیدہ) کو کہتے ہیں جو چالیس سال کا ہو جائے لہٰذا آیت کا تقاضا یہ ہیکہ ایسے شخص کو سنگسار کر دیا جائے۔ اگر چہ وہ کنوارا ہو اور شادی نہ کی ہو اسی طرح اگر کوئی نوجوان شادی شدہ بیس سال کی عمر میں بدکاری کا مرتکب ہو تو اسے سنگسار نہ کیا جائے۔ پس ایسے الفاظ کے بارے میں ہرگز یہ درست نہیں ہے کہ اسے کتاب اللہ قرار دیا جائے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ایسی روایات جن میں کتاب الٰہی کے ایک لفظ کی بابت بھی یہ کہا جائے کہ عہد رسول اللہ ﷺ میں قرآن میں تھا اور پھر منسوخ ہو گیا اس پر قرآن کا اطلاق نہیں کیا جائے گا اور بالاتفاق اسے قرآن قرار نہیں دیا جائے گا۔ پھر دیکھا جائے گا اگر اسکی تاویل اس طرح ممکن ہو کہ اسے قرآن سے خارج سمجھا جائے تو ایسی روایات کو حدیث قرار دیا جائے گا۔ اگر اس کی تاویل نہ کی جاسکے تو وہ ایسی شے ہے جس کی بابت یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ وہ کسی شرعی حکم کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اس کے معنے اس الفاظ کے ثابت ہونے پر موقوف ہیں اور اس کے الفاظ کا انکار کر دینا بالاتفاق درست ہے تو اس کو دلیل میں پیش کرنا کس طرح ممکن ہوگا۔ پس اس قسم کی روایات کو یک قلم ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔ اور ایسی روایات کو جس میں بتایا گیا ہو کہ (فلاں آیت) بتواتر ثابت ہونے والے قرآن میں نہیں ہے یا یہ کہ ان میں سے کچھ حصہ قرآن کا حذف کر دیا گیا ہے ایسی روایات کی تکذیب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور اس کے بیان کرنے والے کے حق میں بدانجامی کی دعا کرنی چاہیے۔ کیوں کہ قرآن میں کسی ایسی چیز کا داخل کرنا جو قرآن میں نہیں ہے یا قرآن میں سے کسی شے کا خارج کر دینا مرتد ہو جانا ہے۔ نعوذ باللہ

رہی دوسری دلیل جو مسلم نے روایت کی ہے کہ ''الرضعة والرضعتین لا یحرم ''یعنی ایک یا دو بار دودھ پلانے سے حرمت عائد نہیں ہوتی' حنفیہ اور مالکیہ نے اس کی تردید کی ہے کہ یہ یا تو منسوخ ہے یا یہ روایت صحیح نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''وامھاتکم اللاتی ارضعنکم و اخواتکم من الرضاعة ''(یعنی جو عورتیں حرام ہیں ان میں تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور دودھ شریک بہنیں شامل ہیں) یہاں اللہ پاک نے دودھ پلانے کی کوئی خاص مقدار نہیں بتائی۔ اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا کہ ابن زبیر کہتے ہیں کہ ایک بار یا دو بار دودھ پلانے میں کوئی حرج نہیں ہے تو فرمایا کہ اللہ کا فیصلہ اس کے فیصلہ سے بہتر ہے جو اس نے فرمایا ہے کہ ''امھاتکم اللاتی ارضعنکم ''حضرت عمرؓ کے اس استدلال آیت سے حدیث مذکور ''لاتحرم الرضعة ولا الرضعتان'' کی تردید ہوتی ہے اس بنا پر کہ یا تو یہ حدیث منسوخ ہے یا یہ روایت ہی صحیح نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی ظاہر صورت یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تفصیل میں قرآن کے مطابق احکام کو خبر واحد سے مقید کرنا درست نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ بات بتائی گئی ہے کہ ظنی احادیث متواتر احادیث کے مخالف نہیں ہوسکتیں یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ''قضاء اللہ خیر من قضاء ابن زبیر' '(یعنی اللہ کا فیصلہ ابن زبیر کے فیصلہ سے بہتر ہے) کیونکہ ابن زبیر نے یہ بات اپنے دل سے گھڑ کر

Marfat.com

نہیں بتائی بلکہ ضروری ہے کہ انہوں نے یہ مطلب حدیث سے اخذ کیا ہو۔ جسکی بابت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ کتاب اللہ وہی ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے اور جو حکم مطلق صورت میں آیا ہے حدیث اس پر پابندی نہیں لگا سکتی۔ تاہم اس پر غور کرنا چاہئے تو ثابت ہوگا کہ یا تو وہ روایت (سرے سے) صحیح نہیں ہوگی تب تو مشکل ختم ہی ہوگی اور یا صحیح ہوگی لیکن وہ اس آیت سے یا کسی اور آیت سے یا کسی اور حدیث سے منسوخ ہو جائے گی۔ یہاں اس بارے میں علم اصول کے مطابق کافی گفتگو ہے جس کا یہ موقع نہیں ہے۔

دودھ کے بارے میں دوسری شرط کا تعلق دودھ کی کیفیت اس کے بچہ کے پیٹ میں جانے کی حالت سے ہے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ دودھ منہ یا حلق میں ڈالنے سے معدہ یا دماغ میں پہنچ جائے اسے 'وجور' کہتے ہیں یا پھر اسے ناک کے ذریعے معدے میں پہنچایا جائے جسے 'سعوط' کہتے ہیں اس سے دودھ دماغ میں پہنچ جاتا ہے لیکن اگر مقعد یا شرمگاہ کے راستے حقنہ کے ذریعے پیٹ میں پہنچایا جائے یا کان یا آنکھ میں ٹپکانے سے دماغ میں پہنچ جائے تو اس سے حرمت عائد نہیں ہوتی۔ بعض اصحاب نے صرف کان میں ڈالنے کی قید لگائی ہے' درآنحالیکہ کان سے دماغ میں نہ چڑھے اگر دماغ میں چڑھ جائے تو (حرمت عائد ہونے کے بارے میں) اس کو تسلیم کیا جائے گا۔ مثلاً اس صورت میں جب کہ کسی عارضی راستے سے دماغ میں پہنچ جائے جیسے زخم وغیرہ میں چیرا دیا جائے' ظاہر ہے کہ یہ ایک مفروضہ صورت ہے اس کے واقع ہونے کا کوئی امکان سوا اس صورت کے نہیں کہ جبراً ایسا کیا جائے۔ مثلاً کوئی بچہ مرض میں مبتلا ہو جائے اور اس کا علاج عورت کے دودھ پر موقوف ہو پھر کسی اجنبی عورت کا دودھ حقنہ کے ذریعہ معدہ میں پہنچایا جائے یا اسے کھلایا جائے وغیرہ۔ اب اگر وہ دودھ معدہ یا دماغ تک نہ پہنچے بایں طور کہ نگلنے سے پہلے قے ہو جائے تو حرمت کے معاملہ میں اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

دودھ کے بارے میں رقیق ہونے کی شرط نہیں ہے بلکہ اگر وہ دہی' مکھن (یا ملائی) کی شکل میں ہو گیا ہو اور بچہ اسے کھا لے تو شریعت کی رو سے اسے بھی شیرخوار کہا جائے گا جس سے حرمت عائد ہوتی ہے اسی طرح یہ بھی شرط نہیں ہے کہ اس دودھ کو کسی اور شے کے ساتھ نہ ملایا جائے۔ خواہ دودھ کو کسی دوسری شے پر غلبہ حاصل ہو یا نہ ہو اور خواہ ملائی ہوئی شے (آمیزہ) پوری پلا دی جائے یا اس کا کچھ حصہ پلایا جائے۔ لیکن اس حالت میں یہ شرط ضروری ہے کہ دودھ کا کچھ نہ کچھ حصہ پانچویں بار پلانے میں معدے کے اندر پہنچ جائے جس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔ اگر دودھ پلانے والی نے ایک بار اپنا دودھ نکال کر پانچ بار بچے کے حلق میں ڈالا تو اسے ایک بار ہی تصور کیا جائے گا۔ لیکن اگر پانچ بار دودھ نکالا اور ایک بار ہی بچے کے حلق میں ڈال دیا تو اسے پانچ بار پلانا تصور کیا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ دودھ پلانے والی کے متعلق دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ عورت ہو اگر کوئی جانور یا مرد ہے یا خنثیٰ مشکل ہے تو اس کے دودھ کا اعتبار نہیں ہے اور اس سے حرمت عائد نہ ہوگی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عورت حاملہ ہو اگر ایسی عورت کا دودھ پلایا گیا جو حاملہ نہیں تو اس کا پلانا تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اور حرمت عائد ہونے میں اس سے فرق نہیں پڑتا کہ جس کا دودھ پیا وہ بقید حیات ہو یا مردہ ہو اگر بچے نے مردہ عورت کی چھاتی سے دودھ پی لیا بشرطیکہ وہ دودھ اس کے موجودہ حمل سے پیدا ہوا ہو۔ اگر کوئی عورت عمر رسیدہ ہے یا حیض اور حمل سے مایوس ہو چکی ہے اور کسی سابقہ حمل کی وجہ سے

Marfat.com

اس کا دودھ نہیں اترا تو اس کے پینے سے حرمت عائد نہ ہوگی۔ بخلاف حنفیہ اور مالکیہ کے۔ شافعیہ اگرچہ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ دودھ حمل کی وجہ سے اترا ہو لیکن انہوں نے اس بارے میں صرف احتمال حمل کو کافی سمجھا ہے چنانچہ جب نو سال کی عمر ہو جائے تو ان کے نزدیک حیض کی عمر ہے تو اس کے متعلق ان کے خیال میں حمل اور ولادت کا احتمال ہے۔ اگرچہ سردست اسے حیض نہ آیا ہو کیوں کہ حیض کے آنے کا بھی ان کے نزدیک محض احتمال پر دارومدار ہے اور محض احتمال کا ہونا (حرمت رضاعت کے لئے) کافی ہے لیکن حنابلہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ دودھ جو اترا ہے وہ حمل کا دودھ ہونا لازم ہے۔ اسی واسطے انہوں نے رضاعت کی تعریف یوں کی ہے کہ ''انہ مص او شرب لبن ثاب من الحمل'' (یعنی شیرخوارگی عبارت ہے حاملہ عورت کے پستان میں اترے ہوئے دودھ کے چوسنے یا پینے سے) اس عبارت میں لفظ 'ثاب' کے معنے جمع ہونے کے یعنی عورت کی چھاتیوں میں دودھ جمع ہو گیا ہو یا اس کے معنے ہیں کہ حمل کی وجہ سے عورت کی پستان میں دودھ اتر آیا ہو۔

دودھ پینے والے بچے کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ بچہ دو سال سے زیادہ کا نہ ہو اگر دو سال سے لحظہ بھر بھی تجاوز کر گیا تو اس کی رضاعت نہیں مانی جائے گی اس سے فرق نہیں پڑتا کہ دودھ چھڑانے کے بعد دو سال کے اندر پلایا ہو یا پہلے پلایا ہو۔ اگر کسی بچے کو چار بار دودھ پلایا اور پانچویں بار کے آغاز میں یقینی طور پر وہ دو سال کا ہو گیا تو اس کی رضاعت کو اس شیرخوارگی کی بنا پر جو پہلے ہو چکی تسلیم کر لیا جائے گا دودھ کی مقدار کی بابت شرط یہ ہے کہ پانچ بار پلایا ہو۔ اور ایک بار پلانا اس کو کہیں گے کہ بچہ چھاتی کو چھوڑ دے۔ چنانچہ اگر بچہ کے منہ میں دودھ دیا اور اس نے چسکی لگائی اور چھوڑ دیا خواہ مجبوراً ایسا کیا ہو مثلاً دودھ پلانے والی نے خود ہی اسے ہٹا دیا یا بچے نے سانس لینے کے لئے چھوڑ دیا یا ایک چھاتی سے دوسری چھاتی کی طرف جانے کے لئے ایسا کیا اسے پانچ مرتبوں میں سے ایک مرتبہ شمار کیا جائے گا۔ شافعیہ کو اس تفصیل سے اختلاف ہے۔ اس کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ دودھ منہ سے یا حلق میں ڈالنے سے یا ناک میں ڈالنے سے پیٹ میں پہنچ جائے۔ پہلی صورت کو 'وجور' اور دوسری صورت کو 'سعوط' کہتے ہیں جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

اگر بالفرض پستان کے دودھ کو کسی عمل سے دہی یا بالائی وغیرہ بنا لیا جائے اور بچہ اسے کھائے تو اسے رضاعت قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر پانی وغیرہ کے ساتھ دودھ کو ملا لیا جائے اور دودھ کی صفت اس میں باقی رہ جائے تو اس سے بھی حرمت عائد ہو جائے گی لیکن اگر اس کی خصوصیات پانی میں پڑنے سے جاتی رہیں تو حرمت عائد نہ ہوگی' اگر دودھ حلق میں ڈال دیا اور بچہ نے قے کر دی اور پیٹ میں نہیں پہنچا تو حرمت عائد نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر حقنہ کے ذریعہ مقعد یا شرمگاہ کے راستے پیٹ میں پہنچایا گیا تب بھی حرمت عائد نہ ہوگی کیونکہ یہ دودھ پلانا نہیں ہے اور اس حالت میں اس کو غذا نہیں کہتے۔

Marfat.com

دودھ سے جو رشتے حرام ہو جاتے ہیں اور

جو حرام نہیں ہوتے ان کا بیان

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "یحرم بالرضاع مایحرم من النسب" (یعنی جو رشتے نسب (خاندان یا خون) کی وجہ سے حرام ہیں وہ سب دودھ پینے سے بھی حرام ہو جاتے ہیں) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دودھ ان تمام قسم کے رشتوں کو حرام کر دیتا ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔ ان کی سات قسمیں ہیں۔

اول ماں خواہ وہ ازدواجی رشتہ سے ماں ہو (یعنی ساس) یا باپ یا دادا کے رشتہ سے ماں ہو لہٰذا اس میں دادی شامل ہے خواہ کتنی ہی اوپر کی ہو اور خواہ وہ باپ کی دادی ہو یا ماں کی (یعنی دادی پڑدادی اور نانی پڑنانی وغیرہ)۔

دوم بیٹی: اس سے مراد حقیقی بیٹی ہے یعنی انسان کی وہ بیٹی جو ازدواجی رشتہ سے بیٹی ہوئی یا بالواسطہ بیٹی ہو۔ یعنی بیٹی کی بیٹی (یا نواسی) خواہ کتنے ہی نیچے کے درجہ میں ہو (نواسی' کنواسی' پڑکنواسی) وغیرہ اور بیٹے کی بیٹی (پوتی)۔

سوم بہن خواہ وہ حقیقی بہن ہو باپ یا ماں کے رشتہ سے بہن ہو۔

چہارم بہن کی بیٹی (بھانجی) اپنی تمام اقسام سمیت خواہ نیچے کے درجہ کی ہو۔

پنجم بھائی کی بیٹی (یعنی بھتیجی) خواہ حقیقی بھائی کی بیٹی ہو یا باپ شریک بھائی یا ماں شریک بھائی کی خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہو۔

ششم پھوپھیاں۔ پھپھی محرمات میں سے ہے خواہ باپ کی حقیقی بہن یا باپ شریک بہن یا ماں شریک بہن ہو۔ لیکن پھوپھی کی پھوپھی حرام نہیں ہے سوا اس صورت کے جبکہ قریبی رشتہ کی پھوپھی باپ کی بہن ہو یا باپ شریک بہن ہو۔ لیکن اگر ماں شریک بہن ہو تو اس پھوپھی کی حقیقی بہن حرام نہ ہوگی۔ مثال کے طور پر محمد کی پھوپھی فاطمہ اس کے باپ ابراہیم کی حقیقی بہن ہے اور کا (یعنی فاطمہ اور ابراہیم کا) باپ محمد کا دادا ہاشم ہے جو اس کی دادی محبوبہ کا خاوند ہے اور اس کے اس دادا ہاشم کی ایک بہن ہے جس کا نام خضرہ ہے لہٰذا یہ خضرہ محمد کی بھی اور اس کی پھوپھی فاطمہ کی بھی پھوپھی ہے کیوں کہ وہ اس کے باپ ہاشم کی بہن ہے نیز وہ محمد کے والد ابراہیم کی بھی پھوپھی ہوئی پس یہ خضرہ جو محمد کی بالواسطہ پھوپھی فاطمہ حرام ہے۔ نیز اس

Marfat.com

صورت میں بھی حرام ہوگی جبکہ فاطمہ ابراہیم کی باپ شریک بہن یعنی ہاشم کی اولاد ہو اور فاطمہ کی ایک اور ماں ہو جس کا نام نائلہ ہے جس کے ساتھ ہاشم نے ابراہیم کی ماں محبوبہ پر شادی کر لی اور ہاشم کی ایک بہن ہے جس کا نام خضرہ ہے تو وہ خضرہ بھی ابراہیم پر حرام ہوگی کیوں کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس کی پھوپھی فاطمہ کی پھوپھی ہوگئی اور فاطمہ محمد کے دادا ہاشم کی بہن ہے۔ لیکن اگر فاطمہ ابراہیم کی ماں شریک بہن ہو جس کا نام محبوبہ ہے اور اس کا باپ کوئی اور ہے جس کا نام حامد ہے اور حامد کی بہن خضرہ ہے تو وہ محمد کے لئے حلال ہوگی کیوں کہ وہ اس کے دادا ہاشم کی بہن نہیں ہے بلکہ وہ اجنبی شخص حامد' جو اس کی دادی محبوبہ کا خاوند ہے' کی بہن ہے اور اس کے دادا کے ساتھ شادی ہونے سے پہلے کی اولاد ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی صورت وہ ہے جب کہ ماں کی پھوپھی کی پھوپھی ہو مثلاً احمد کی ماں ناعسہ ہے جو اسماعیل بن محمد کی بیٹی ہے اور اسماعیل کی ایک بہن ہے جس کا نام وردہ ہے تو یہ وردہ ناعسہ کی پھوپھی ہوئی اور احمد پر حرام ہے کیوں کہ وہ اس کی ماں کی پھوپھی۔ خواہ اسماعیل کی وہ بہن باپ شریک ہو یا ماں شریک اس لئے کہ وہ اسکے نانا کی بہن ہے۔ لیکن وردہ اسماعیل کی ماں شریک بہن ہے لہٰذا اسکا باپ محمد' اسماعیل کا باپ نہیں ہے بلکہ باپ کوئی اور شخص مثلاً ریاض نامی تھا اور ریاض کی کوئی بہن تھی جس کا نام فوزیہ ہے تو وہ بھی وردہ کی پھوپھی جو احمد کی ماں کی پھوپھی ہے۔ لیکن وہ احمد کے لئے حلال ہوگی یہی کیفیت دادا' نانا کی پھوپھیوں اور ان کی پھوپھیوں کی ہے۔ خواہ وہ داد پڑدادا ہوں یا نانا پڑنانا۔ وہ کسی طرح کے بھی ہوں اور کتنے ہی اوپر کے ہوں سب حرام ہوں گی اور باپ کی باپ شریک بہنوں کی پھوپھیوں حرام ہوں گی اور باپ کی ماں شریک بہنوں کی پھوپھیوں حرام نہ ہوں گی۔

قسم ہفتم محرمات میں خالائیں اور خالاؤں کی خالائیں ہیں۔ خالائیں خواہ کسی قسم کی ہوں سب حرام ہوں گی خواہ وہ ماں کی حقیقی بہنیں ہوں یا باپ شریک یا ماں شریک بہنیں ہوں۔ اسی طرح خالاؤں کی خالائیں بھی حرام ہوں گی بشرطیکہ نانیوں کی حقیقی خالائیں ہوں یا ماں شریک بہنیں ہوں۔ یہ حکم پھوپھیوں کی پھوپھیوں کے برعکس ہے کہ وہ حرام نہیں ہوتیں جب تک کہ باپ شریک نہیں جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

اب خالاؤں اور خالاؤں کی خالاؤں کے بارے میں ایک مثال درج کی جاتی ہے۔ باقی مثالوں کو اس پر قیاس کرنا چاہئے۔

ایک شخص ابراہیم جس کی ماں کا نام ہانم ہے۔ ہانم کی ایک بہن کا نام نفیسہ ہے اس کے باپ کا نام ابوطالب ہے اور ماں ظریفہ ہے (یہ دونوں بہنیں ظریفہ کے بطن سے ہیں) پس نفیسہ' ابراہیم کی خالہ اور اس

Marfat.com

کی ماں کی سگی بہن ہے جو اس پر حرام ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی (حرام ہوگی) جبکہ ہانم کی بہن نفیسہ محض باپ شریک بہن ہو یعنی ابوطالب کی بیٹی ہو اور ظریفہ کے علاوہ اس کی ایک اور (سوتیلی) ماں ہے یا ہانم کی کوئی اور بہن ماں شریک ہے جو اس کے (سوتیلے) باپ علی کی بیٹی اور اس کی ماں ظریفہ کے بطن سے ہے۔ پس اگر ہانم نفیسہ کی باپ شریک بہن یعنی صرف ابوطالب کی بیٹی ہے جس کی ماں مریم ہے اور مریم کی ایک بہن ہے جس کا نام سعدیہ ہے تو یہ سعدیہ ابراہیم پر حلال ہوگی اگرچہ یہ اس کی خالہ نفیسہ کی خالہ ہے۔ کیونکہ وہ اس حالت میں صرف نفیسہ کی خالہ ہوئی اور اس کی بہن ہانم کی خالہ نہیں ہے بلکہ یہ اس کے باپ ابوطالب کی بیوی کی بہن ہے لہٰذا یہ اس کے بیٹے ابراہیم پر حلال ہوئی۔ لیکن اگر نفیسہ کی ماں شریک بہن صرف ظریفہ کی بیٹی ہوتی اور ظریفہ کی کوئی اور بہن ہوتی جس کا نام شریفہ ہوتا تو اس صورت میں وہ شریفہ نفیسہ کی خالہ اور ابراہیم کی ماں ہانم کی خالہ ہوتی تو وہ حلال نہ ہوتی کیوں کہ یہ اس کی بالواسطہ خالہ ہے۔

یہ وہ سات رشتے ہیں جو نسب کی بناء پر حرام ہیں اور اسی تفصیل کے ساتھ دودھ کے رشتے بھی حرام ہیں۔ اب اگر ایک غیر خاندان کے لڑکے نے کسی عورت کا دودھ پیا تو وہ عورت اس کی ماں بن گئی اور اس کے ساتھ شادی حرام ہو جائے گی۔ اسی طرح اس کی بیٹی اور نواسی وغیرہ بھی نچلے درجہ کی جو بھی عورتیں ہیں سب حرام ہوں گی کیوں کہ وہ سب (دودھ کے رشتے سے) اس کی بہن بھانجیاں ہوگئیں۔ اسی طرح وہ اس عورت کی پوتی سے بھی شادی نہیں کرسکتا خواہ وہ کتنے ہی نچلے درجہ میں ہو کیوں کہ وہ سب اس کی بھتیجیاں ہوگئیں اور اس کی بہن سے شادی نہیں ہوسکتی کیوں وہ اس کی خالہ ہوگئی اور نہ اس کی ماں سے کیوں وہ اس کی نانی ہوئی۔ اور یہی حال دودھ پلانے والی کے خاوند کا ہے جس کی وجہ سے اس کی چھاتیوں میں دودھ اترا۔ دودھ کے رشتے سے وہ اس کا باپ قرار دیا گیا۔ لہٰذا اسکی بیٹی سے شادی حرام ہوگئی وہ اس کی بہن ہوگئی۔ اگرچہ اس کی وہ بیٹی کسی اور بیوی سے ہو۔ نیز اس کی نواسی اور پوتی سے بھی شادی حرام ہوگی خواہ نچلے درجہ میں ہوں۔ اسی طرح رضاعی باپ کی بہن سے شادی حرام ہے کیوں (دودھ کے رشتے سے) وہ پھوپھی ہوگی۔ نیز رضاعی باپ کی ماں سے بھی شادی نہیں ہوسکتی کیوں کہ وہ دادی بن گئی۔ اسی طرح دودھ پلانے والی کے خاوند پر حرام ہے کہ وہ اپنے رضاعی بیٹے کی بیٹی سے یا اس کی نواسی سے خواہ نچلے درجہ میں ہو شادی کرے لیکن اس کی ماں سے شادی کرسکتا ہے جیسا کہ وہ اپنے بیٹے کی نسبی ماں سے شادی کرسکتا ہے اسی طرح وہ اپنے رضاعی بیٹے کی دادی اور بہن سے بھی شادی نہیں کرسکتا جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔

دودھ شریک بھائی اپنی دودھ شریک بہن سے شادی نہیں کرسکتا اور نہ اس کے حواشی (یعنی اوپر

Marfat.com

نیچے کے رشتہ دار) کر سکتے ہیں کیوں کہ دودھ کے رشتے سے جو حرمت عائد ہوتی ہے وہ صرف شاخوں (یا ذریات) سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ اس کے باپ دادا دودھ پلانے والی کی ماں سے اور اس کی دودھ شریک بہنوں سے شادی نہیں کر سکتے اسی طرح اس کے حواشی (یا کنبہ والے) مثلاً اس کے چچا' ماموں وغیرہ بھی نہیں کر سکتے جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔ غرض دودھ پلانے والی کی جڑ اور شاخ اور کنبہ والے ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا دودھ پینے والے اور اس کے حواشی کو ان سے شادی حلال نہیں ہے اور اس عورت کا خاوند جو اس دودھ کے اترنے کا سبب ہے اس کی حرمت دودھ پینے کی جڑ' شاخ اور حواشی تک پھیل جائے گی اور دودھ پینے والے کے لئے ان میں سے کوئی بھی حلال نہیں ہے۔ اگر دودھ پینے والی لڑکی ہے تو اس میں بھی یہ تفصیل جاری ہوگی۔ یعنی دودھ پلانے والی اس کی ماں متصور ہوگی اور اس کا خاوند جو اس دودھ کا باعث ہے اس کا باپ متصور ہوگا' لہٰذا دودھ پینے والی لڑکی اس عورت کی جڑ کے رشتہ داروں یعنی باپ دادا پر حرام ہوگی کیوں کہ وہ سب اس لڑکی کے نانا (پڑنانا) ہوں گے اسی طرح وہ (دودھ پینے والی) اس عورت کی شاخ پر حرام ہوگی کیوں کہ وہ سب اس کے بھائی ہوں گے۔ اسی طرح (وہ لڑکی) دودھ پلانے والی کے بھائیوں پر حرام ہوگی کیوں کہ وہ اس کے ماموں ہو گئے۔ نیز دودھ پلانے والی کے بھائیوں کی طرح اس بارے میں اس کا خاوند بھی ہے جو دودھ کے نازل ہونے کا سبب ہے۔ کیوں کہ دودھ پینے والی بچی دودھ کے رشتے سے اس کی بیٹی ہوئی لہٰذا وہ اس پر حلال نہ ہوگی اور نہ قطعاً اس کی اولاد پر ہوگی۔ خواہ وہ دودھ پلانے والی کے بطن سے ہو جیسا کہ بتایا گیا یا اس کی بیوی اور بیوی کے بطن سے' ان میں سے کسی کے لئے بھی وہ حلال نہ ہوگی اسی طرح وہ اس (رضاعی باپ) کے بھائیوں پر بھی حلال نہ ہوگی کیوں کہ وہ لڑکی ان کے بھانجے کی بیٹی ہوئی یہی حال دودھ پینے والی کی اولاد کا ہے کہ وہ بھی دودھ پلانے والی ماں کے لئے حلال نہ ہوگی کیوں کہ وہ عورت ان کی نانی ہوگئی اور نہ (دودھ پینے والی کی اولاد) اس عورت کی اولاد کے لئے حلال ہوگی کیوں کہ یہ اولاد ماموں یا خالہ ہوگی اور نہ وہ (دودھ پینے والے) اس عورت کے آباء پر حلال ہوں گے کیوں کہ وہ ان کے دادا دادیاں ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے دودھ پلانے والی کی جڑیں (یعنی جن کی وہ اولاد ہے) اور اس کی شاخیں (یعنی جو اس کی اولاد ہیں) اور حواشی (یعنی کنبہ دار) دودھ پینے والے پر حلال نہیں ہیں اور ن وہ شخص حلال ہے جو اس دودھ کا موجب ہے (یعنی دودھ پلانے والی کا خاوند)۔ پس دودھ پینے والے کی اولاد بھی اس عورت کے خاوند کی جڑوں' شاخوں اور کنبہ پر حلال نہ ہوگی لیکن دودھ پینے والی کی جڑ کے لوگوں (یعنی بزرگوں) اور

Marfat.com

دوسرے کنبہ داروں پر حرمت عائد نہ ہوگی۔ لہٰذا دودھ پینے والی لڑکی کے باپ کو اس لڑکی کو دودھ پلانے والی ماں، دادی، بہن، خالہ اور پھپھی وغیرہ سے شادی کرنا حلال ہے اسی طرح اس لڑکی کے (حواشی) یعنی بھائی اور چچا پر بھی یہ سب حلال ہے۔

یہ مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ لڑکے نے دودھ پیا ہو۔ اگر دودھ پینے والا باپ، دادا، دادی یا پھر ماں ہو یا نانی ہو جس نے کسی عورت کا دودھ پیا تو دودھ پلانے والی پہلی صورت میں باپ کی طرف سے اس کی دادی ہوگئی تو اس کے بیٹے اور بیٹیاں اس کے چچا اور پھپھیاں ہیں اور دوسری صورت میں دودھ پلانے والی اس کی نانی ہوگی لہٰذا اس کے بیٹے اور بیٹیاں دودھ پینے والے کے ماموں اور خالائیں ہوئیں تو اسی لحاظ سے وہ حرام ہوں گے۔

دودھ پلانے والی (یا رضاعی) ماں کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ وہ عورت جس نے لڑکے کو دودھ پلایا، یا اسے دودھ پلایا جس کا نسب ولادت کی بنا پر اس تک پہنچتا ہے۔ اس میں وہ عورت شامل ہے جس نے کسی لڑکے کے آباء اور امہات کو دودھ پلایا اور دودھ کے رشتے سے بیٹی کی تعریف یہ ہے جسے کسی شخص کی بیوی یا اس کی بیٹی یا بیٹے کی بیوی نے دودھ پلایا ہو۔ اس میں حقیقی بیٹی، نواسی اور پوتی شامل ہے۔ اس آخری صورت میں بعض مستثنیٰ حالتوں کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ دودھ شریک بہن کی تعریف یہ ہے کہ وہ لڑکی جو دودھ پلانے والی کے بطن سے پیدا ہوئی یا جس کا باپ اس عورت کا خاوند ہے جو اس دودھ کا سبب بنا۔ اسی طرح وہ لڑکی (دودھ شریک بہن ہے) جس نے دودھ پینے والے کے ساتھ ایک چھاتی سے دودھ پیا۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ یہ دوسری اولاد خود دودھ پلانے والی کی نسبی اولاد ہو یا دودھ پلانے کی وجہ سے اس کی اولاد ہوگئی ہو اور اس سے بھی فرق نہیں پڑتا کہ دودھ شریک بھائی بہنوں نے) ایک ہی وقت میں (ایک عورت کا) دودھ پیا ہو یا مختلف اوقات میں۔ دودھ شریک ہونے کا انحصار اس بات پر ہے کہ دونوں نے ایک چھاتی سے دودھ پیا ہو۔ (دودھ شریک) بھتیجی وہ ہے جسے بھائی کی بیوی نے دودھ پلایا ہو جو بھائی کے سبب سے اس کی چھاتی میں دودھ اترا ہو۔ (دودھ شریک) بھانجی وہ ہے جسے بہن نے دودھ پلایا ہو۔ اور بھتیجی اور بھانجی دونوں دودھ پلانے والی کے خاوند پر حرام ہیں لیکن اس کی اولاد پر حرام نہیں ہیں کیوں کہ نسب کی رو سے بھی وہ حلال ہیں۔ دودھ کے رشتہ سے پھپھیاں وہ ہیں جو دودھ پلانے والی کے خاوند کی بہنیں ہیں اور پھوپھیاں حرام نہ ہوں گی تا آنکہ وہ باپ کی طرف سے پھوپھیاں نہ ہوں۔ نہ کہ ماں کی طرف سے جیسا کہ اس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔ دودھ شریک خالائیں وہ ہیں جو دودھ پلانے والی

Marfat.com

کی بہنیں ہوں اور خالاؤں کی خالائیں وہ ہیں جو خالاؤں کی ماؤں کی بہنیں ہوں اور وہ حرام نہ ہوں گی جب تک کہ وہ بہنیں ماں کی طرف سے نہ ہوں اس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل ان محرمات کی ہے جنہیں نسب یا دودھ کے رشتے سے حرام بتایا گیا ہے۔ باقی رہیں وہ محرمات جو مصاہرت (ازدواجی رشتے) سے حرام ہو جاتی ہیں ان کا ذکر حدیث میں نہیں آیا۔ لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ عورتیں حرمت سے مستثنیٰ ہیں۔ ان محرمات کی تفصیل یہ ہے کہ جو عورتیں ازدواج کی بنا پر حرام ہو جاتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ جو عورتیں دودھ سے حرام ہوتی ہیں وہ ازدواجی رشتہ سے بھی حرام ہو جاتی ہیں' ایک قسم وہ ہے جو مصاہرت (ازدواج) کی بنا پر حرام ہوتی ہیں وہ دودھ کی بنا پر نہیں ہوتیں۔ پہلی قسم میں بیوی کی ماں ہوتی ہیں۔ چنانچہ اگر کسی لڑکی کو ایک عورت نے دودھ پلایا اور پھر اس لڑکی سے کسی شخص نے شادی کر لی تو اب اس شخص کو اس لڑکی کی رضاعی ماں سے شادی کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ وہ عورت اس لڑکی کی ماں متصور ہوگی اسی طرح اس کی نسبی ماں (ساس) سے بھی شادی نہیں کر سکتا اور اگر ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کر لی تو اب وہ شخص اس لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا جسے اس عورت نے دودھ پلایا۔ بشرطیکہ اس عورت سے مباشرت ہو چکی ہو اگر مباشرت نہیں ہوئی تو وہ حلال ہے جیسا کہ نسب کے رشتہ سے حرام ہونے والی عورتوں کے بیان میں بتایا گیا۔ اس طرح ازدواجی اور دودھ کے رشتوں سے جو بیوی کی بہن' اس کی خالہ اور پھوپھی ہو' ان کو زوجیت میں جمع نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا کسی شخص کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ ایسی عورت سے شادی کرے جس نے کسی اور عورت کا دودھ پیا ہو ایسی لڑکی سے بھی شادی کر لے جسے اس عورت نے دودھ پلایا ہو' کیوں کہ وہ اس کی بیوی کی دودھ شریک بہن ہوگی اور دو بہنوں کا جو دودھ اور نسب کے رشتہ سے باہم بہنیں ہوں (زوجیت میں) جمع نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح دودھ پلانے والی کے خاوند' جسکی وجہ سے دودھ اترا ہے کی بیٹی بھی بیک وقت شادی نہیں کر سکتا کیوں کہ یہ بھی اس کی بہن ہوگی۔ نیز یہ بھی حلال نہیں ہے کہ اپنی بیوی اور دودھ پلانے والی کی بہن یا اس کے خاوند کی بہن کو زوجیت میں جمع کرے' کیوں کہ پہلی اس کی خالی اور دوسری اس کی پھوپھی ہوئی اور ایک عورت کو اس عورت کی پھوپھی یا خالہ کے ساتھ شادی میں جمع نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ یہ دونوں نسب اور دودھ کے رشتے سے خالہ بھانجی یا پھوپھی بھتیجی ہیں۔ نیز یہ بھی حلال نہیں ہے کہ اس کی ماں کے ساتھ اس کی دودھ شریک بھتیجی یا بھانجی کو جمع کیا جائے۔

رہی دوسری قسم یعنی وہ عورتیں جو ازدواجی رشتہ سے حرام لیکن دودھ کے رشتہ سے حرام نہیں ہیں'

Marfat.com

ان کی چند صورتیں ہیں:

اول: بھائی کی ماں' خواہ وہ بھائی حقیقی ہو یا سوتیلا۔ اگر وہ حقیقی بھائی ہے تو اس کے بھائی کی ماں اس کی ماں ہوئی اس کی حرمت تو نسب سے ثابت ہے نہ کہ شادی کے رشتے سے۔ اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ماں نسب اور دودھ دونوں رشتے کی حرام ہے۔ لہٰذا اسکا ذکر یہاں پر نہیں ہے۔ یہاں مقصود بالذکر باپ کی بیوی ہے کہ اس کی حرمت شادی کی وجہ سے عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا کسی شخص کو اپنے باپ کی بیوی سے جو اس کے غیر حقیقی بھائی کی ماں ہے شادی کرنا حلال نہیں ہے لیکن اگر اس کے بھائی کو کسی اجنبی عورت نے دودھ پلایا تو وہ عورت اس شخص کے لئے حلال ہوگی۔ اور بہن کی ماں بھی بھائی کی ماں کی طرح ہے کیوں کہ بہن اگر حقیقی ہے تب تو وہ اس کی ماں ہوئی یا پھر وہ باپ کی بیوی ہوگی پہلی صورت (یعنی حقیقی بہن کی ماں یا حقیقی ماں تو) نسب اور دودھ دونوں رشتوں سے حرام ہے لیکن دوسری صورت میں وہ ازدواجی رشتہ کی بنا پر حرام ہوگی نہ کہ دودھ کے رشتہ سے اور یہاں مقصود بالذکر وہی ہے۔

یہ مسئلہ کی وہ صورت ہے جس میں نسبی بھائی یا بہن ہوں اور ماں نسب سے ہو یا دودھ کے رشتے سے اور یہ بتایا گیا کہ نسبی بھائی کی ماں ہی اس شخص کی ماں ہے اور وہ نسب اور دودھ دونوں اعتبار سے حرام ہے اور شادی کے رشتے سے جو بھائی ہے اس کی ماں یعنی باپ کی بیوی وہ شادی کے رشتہ سے حرام ہوئی لیکن دودھ شریک بھائی یا بہن کی ماں حرام نہیں ہے۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ بھائی یا بہن دودھ شریک ہوں۔ مثلاً دو لڑکوں نے ایک عورت کا دودھ پیا تو اب وہ دونوں ایک دوسرے کے دودھ شریک بھائی بن گئے۔ پھر ان میں سے کسی نے ایک اور عورت کا دودھ پیا تو وہ یہ دودھ پلانے والی دودھ کے رشتے سے اس کے بھائی کی ماں ہوگئی لیکن وہ عورت دوسرے بھائی پر حلال ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص کے دودھ شریک بھائی کی نسبی ماں ہو تو وہ بھی اس شخص کے لئے حلال ہوگی۔

دوسری صورت ام ولد الولد (بیٹے کی اولاد کی ماں) ہے' خواہ وہ اولاد لڑکا ہو یا لڑکی کیوں کہ لفظ ولد (یا اولاد) میں دونوں شامل ہیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے اسی طرح آئندہ تحریر میں بھی یہی سمجھنا چاہئے اس کو ام نافلہ یا ام ولد نافلہ کہتے ہیں یعنی بیٹے کی اولاد کی ماں۔ اس کو نافلہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ نافلہ کے معنے زیادتی کے ہیں اور پوتا پوتی بیٹے پر اضافہ ہیں' پس لفظ نافلہ بیٹے کی اولاد (پوتے پوتی) کی صفت ہے اور ام ولد الولد میں دو مفہوم کا احتمال ہے ایک تو یہ کہ اس کے معنے بیٹے کی بیوی (بہو) کے ہوں کیوں کہ وہ بیٹے کی اولاد پوتے پوتی کی ماں ہے اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس سے مراد بیٹی ہو کیوں کہ بیٹی بھی نواسی (یعنی اولاد

Marfat.com

کی اولاد) کی ماں ہوتی ہے۔لیکن یہاں پر دوسرا مفہوم مراد نہیں ہے کیوں کہ بیٹی کی حرمت نسبی محرمات کے سلسلہ میں پہلے بتائی جا چکی ہے۔ یہاں پر مراد بیٹے کی بیوی (یعنی بہو) ہے جسے بیٹے کی اولاد کی ماں کہا گیا ہے اور وہ ازدواجی رشتے سے حرام ہے نہ کہ دودھ کے رشتے سے۔ پس اگر ایک شخص کے پوتے کی اولاد (یعنی حفید) کو کسی اجنبی عورت نے دودھ پلایا تو وہ شخص اس عورت سے شادی کرسکتا ہے۔اسی طرح اگر ایک شخص کی بہو نے کسی غیر کے بچے کو دودھ پلایا جس کی ماں کوئی اور ہے تو یہ عورت اس شخص پر حلال ہے۔ نیز اگر اس بچے کی کوئی اور دودھ پلانے والی ماں ہے تو وہ بھی حلال ہے۔غرض بیٹے کی اولاد کی ماں جو حرام ہے وہ صرف بیٹے کی بیوی (بہو) ہے۔اگر اولاد کی اولاد کو کسی اجنبی عورت نے دودھ پلایا اور دودھ کے رشتے سے اس کی ماں بن گئی تو وہ اس بیٹے کے باپ پر حرام نہ ہوگی۔ یا ایک شخص کے بیٹے کی بیوی (بہو) نے کسی اجنبی کے لڑکے کو دودھ پلایا تو وہ لڑکا دودھ کے رشتے سے اس شخص کا پوتا ہو گیا کیوں کہ اس نے اس کے بیٹے کا بنایا ہوا دودھ پیا۔اب اگر اس لڑکے کی نسبی ماں ہے تو وہ اس شخص پر حلال ہے۔اسی طرح اگر اس بچے کی دودھ کے رشتے سے ماں ہے تو وہ بھی حلال ہے۔غرض جو حرام ہے وہ صرف بیٹے کی بیوی ہے جو بیٹے کی اولاد کی ماں ہے۔ یہ اولاد خواہ نسبی ہو یا دودھ کے رشتے سے ہو۔لیکن بیٹے کی اولاد کی مائیں خواہ نسب کے رشتے سے ہوں یا دودھ کے رشتے سے کوئی بھی حرام نہیں سوا بیٹے کی بیوی (یعنی بہو) کے۔

تیسرے اولاد کی جدّہ (یعنی دادی، نانی)۔کسی شخص کی اولاد کی جدّہ اس شخص کی ماں ہوگی (یعنی اولاد کی دادی) یا اس کی بیوی کی ماں ہوگی (یعنی اولاد کی نانی) پہلی کا یہاں ذکر نہیں ہے دوسری یعنی ایک شخص کی بیوی کی ماں اس کی اولاد پر بوجہ شادی ہو جانے کے حرام ہے۔دودھ کے رشتہ سے حرام نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی اجنبی عورت نے ایک شخص کی اولاد کو دودھ پلایا تو دودھ پلانے والی عورت کی ماں اس شخص پر حرام نہ ہوگی۔حالانکہ وہ اس کی اولاد کی نانی ہے کیوں کہ اس نے اس شخص کی اولاد کی ماں کو دودھ پلایا ہے۔

یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ کسی شخص کے نسبی بیٹے کی کوئی نانی رضاعی رشتہ سے ہو۔لیکن اگر وہ رضاعی بیٹا ہو۔مثلاً ایک شخص کی بیوی نے کسی غیر کے بچے کو دودھ پلایا اور اس بچے کی کوئی دادی یا نانی ہے خواہ وہ باپ شریک ہو یا ماں شریک یا دودھ کے رشتے سے دادی نانی ہو بایں طور کہ اس نے کسی اور عورت کا دودھ پیا جس کی کوئی ماں ہے تو یہ تمام دودھ کے رشتے کی دادیاں نانیاں دودھ کے رشتے سے بننے والے والد پر بہر حال حلال ہوں گی۔

واضح ہو کہ نسبی اولاد کی ماں تو ہے ہی اس شخص کی بیوی۔ رہا بچے کی رضاعی ماں جس نے اسے

Marfat.com

دودھ پلایا وہ بھی اس کے بچے کے باپ پر بلا اختلاف حلال ہے' غرض اولاد کی ماں نسبی ہو یا رضاعی حلال ہے۔

چوتھے اولاد کی بہن۔ یہ بہن یا تو ایک شخص کی اپنی ہی بیٹی ہوگی یا بیوی کی بیٹی ہوگی پہلی باپ شریک بہن ہوئی اور دوسری ماں شریک بہن۔ پہلی کا ذکر یہاں پر نہیں ہے کیوں کہ بیٹی تو نسب اور دودھ دونوں اعتبار سے حرام ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ رہی دوسری وہ ازدواجی رشتہ سے حرام ہوگی کیوں کہ کسی شخص کو اپنی بیوی کی ربیبہ (گیلڑ لڑکی) سے شادی جائز نہیں ہے لیکن بیٹے کی رضاعی بہن حرام نہیں چنانچہ اگر کسی اجنبی عورت نے اس شخص کے بیٹے کو دودھ پلایا اور اس بیٹے کی کوئی اور دودھ شریک بہن ہے تو اس کی اس بہن کے ساتھ اس شخص کی شادی ہو سکتی ہے خواہ اس کی یہ بہن دودھ پلانے والی کی بہن ہو یا اس کے خاوند کی بیٹی ہو جس کی وجہ سے دودھ اتر آیا یا کسی اور کی لڑکی ہو لیکن اس عورت کا دودھ پیا ہو۔

یہ مسائل اس صورت کے ہیں جبکہ اولاد نسبی ہو اور اس کی بہن نسبی یا دودھ شریک بہن ہو۔ لیکن اگر وہ اولاد دودھ کے رشتہ سے ہے بایں طور کہ ایک شخص کی بیوی نے کسی اجنبی بچے کو دودھ پلایا ہو اور اس بچے کی کوئی نسبی یا دودھ شریک یعنی اس نے اور اس کی بہن نے کسی اجنبی عورت کا جو اس شخص کی بیوی نہیں ہے دودھ پیا ہو تو وہ دونوں اس شخص پر حلال ہیں۔

اب یہاں پر ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر کسی شخص کے بیٹے نے اپنی نسبی نانی کا دودھ پیا تو کیا اس کی ماں اپنے خاوند پر حرام ہو جائے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں' کیوں کہ اس صورت میں اس لڑکے کی ماں اس کی دودھ شریک بہن تو بن جائے گی لیکن یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ بیٹے کی دودھ شریک بہن باپ پر حلال ہے اور ان مسائل میں بیٹی کی بہن ایسی ہی ہے جیسے بیٹے کی بہن۔

پانچویں پھوپھی کی یا چچا کی ماں۔ پھوپھی کی ماں یا تو وہی ہے جو دادی ہے درآنحالیکہ وہ حقیقی پھوپھی ہو۔ یا حقیقی پھوپھی نہ ہو تو دادا کی بیوی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہاں پر پہلی کا ذکر مقصود نہیں ہے کیوں کہ اسکی حرمت ماں کی حرمت کی طرح نسب کی وجہ سے ہے۔ ازدواجی رشتہ کی وجہ سے نہیں ہے' رہی دوسری صورت یعنی دادا کی بیوی تو اس کے ساتھ ازدواجی رشتہ کی بنا پر تو حلال نہیں ہے' البتہ دودھ کے رشتہ سے حلال ہے چنانچہ اگر کسی اجنبی عورت نے ایک شخص کے چچا یا اس کی پھوپھی کو دودھ پلایا اور وہ عورت ان کی ماں بن گئی تو وہ اس دودھ پلانے کے رشتے سے جو بھتیجا ہے اس پر حرام نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ چچا یا پھوپھی نسب کے رشتے سے ہوں اور ان کی ماں نسبی یا رضاعی ہو اسی طرح اس صورت

Marfat.com

میں جب کہ وہ دونوں دودھ کے رشتے سے چچا یا پھوپھی ہوں بایں طور کہ اس شخص کی دادی یعنی اس کے باپ کی ماں نے کسی اجنبی لڑکے یا لڑکی کو دودھ پلایا ہو اور وہ اس دودھ کے پینے کے باعث اسکا چچا یا (بصورت عورت ہونے کے) پھوپھی بن جائے اور اس چچا یا پھوپھی کو اس کی دادی کے علاوہ کسی اور نے دودھ پلایا ہو جسے رضاعی ماں کہتے ہیں یا اس کی کوئی نسبتی ماں ہو تو دونوں مائیں حلال ہیں۔

چھٹے ماموں یا خالہ کی ماں: اور ماموں کی ماں ہی نانی ہوئی جس کا ماں کی طرح حرام ہونا نسب اور دودھ دونوں رشتوں سے ثابت ہے اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ یہاں پر نانا کی بیوی (نانی) کا ذکر کرنا مقصود ہے یہ نانی ازدواج کی بنا پر حلال نہیں ہے البتہ دودھ کے رشتہ سے ہو تو حلال ہے۔ چنانچہ اگر کسی اجنبی عورت نے کسی شخص کے ماموں یا خالہ کو دودھ پلایا تو وہ عورت اس شخص پر حلال ہوگی اگر چہ وہ ان کی ماں ہو گئی (اور ماموں یا خالہ کی ماں ہو جانے کی وجہ سے نانی بن گئی) اور ماموں یا خالہ کی ماں کے بارے میں وہی حکم ہے جو چچا اور پھوپھی کی ماں کا ہے۔

اب صرف دو مسئلے رہ گئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ شادی کے رشتے سے جو حرمت عائد ہوتی ہے وہ عقدِ صحیح اور مباشرت سے ہوتی ہے خواہ وہ مباشرت عقدِ فاسد یا شبہ میں ہوگئی ہو اور بدفعلی سے حرمت مصاہرہ (یعنی رشتہ ازدواجی والی حرمت) کے ثابت ہونے کے بارے میں جو اختلاف ہے وہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ بدفعلی کے نتیجہ میں جو دودھ اترا ہو اس کے پینے سے حرمت عائد ہوگی یا نہ ہوگی؟ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عورت کی چھاتی میں جو دودھ مرد کے تعلق سے اترتا ہے اس کی تعریف کیا ہے؟ آیا اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ دودھ اس حمل یا ولادت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جو اس شخص کی مباشرت سے ہوا یا نہیں؟ اگر کسی خاوند والی عورت کے دودھ اتر آیا اور اس کے خاوند نے اسے طلاق دے دی اور اس عورت نے کسی اور سے شادی کر لی۔ یا کسی بچہ کو پہلے خاوند سے طلاق کے بعد اس نے دودھ پلایا تو ان دونوں میں سے دودھ کے رشتہ سے کس کو باپ قرار دیا جائے؟

پہلے مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک شخص کسی عورت کے ساتھ گناہ کا مرتکب ہوا اس کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہوا اور اس ولادت کے باعث عورت کی چھاتیوں میں دودھ اتر آیا اور اس نے وہ دودھ کسی اجنبی لڑکی کو پلایا تو لڑکی اس گنہگار عورت کی بیٹی بن گئی۔ اسی طرح جیسے ایک بدکار شخص کی بدکاری کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا لڑکا اس شخص کا بیٹا قرار پاتا ہے۔ اس میں اختلاف نہیں ہے۔ دودھ پینے والی لڑکی اپنی اصل اور شاخ اور کنبے کے لوگوں پر حرام ہوگی۔ اگر دودھ پینے والا لڑکا ہے تو اس پر دودھ پلانے والی اور اس کی اصل

Marfat.com

اورشاخ اور کنبہ حرام ہوگا۔ جس طرح بجائے خود ناجائز اولاد پر یہ سب حرام ہیں۔ اب رہا وہ شخص جس نے وہ بدکاری کی تو یہ لڑکی اس پر [1] اور صرف اس کے اصول وفروع پر حرام ہے۔ لہٰذا اس کے بھائیوں اور چچاؤں پر حرام نہ ہوگی جس طرح کہ ناجائز لڑکی بذات خود حرام ہے (کسی رشتے سے حرام نہیں ہے) کیوں کہ اس کا نسب اس شخص کے ساتھ نہیں جوڑا جا سکتا۔ لہٰذا اس کی حرمت اس کے متعلقین تک نہیں پہنچتی البتہ اس شخص کے اصول اور فروع اس پر حرام ہوں گے کیوں کہ وہ لڑکی اس کا ایک جزو ہے اور اس کے مادۂ تولید سے اسی طرح پیدا ہوئی ہے جس طرح نسبی لڑکی پیدا ہوتی ہے اور اس لڑکی نے اس شخص کے دودھ سے جس کا قائم مقام اس کا مادۂ تولید ہے پرورش پائی ہے۔ بنابریں اسے اس شخص کا جزو قرار دیا جاسکتا ہے۔

اب رہا دوسرے مسئلہ کا جواب سو اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ [2]

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر بچہ کا ناجائز ہونا ثابت ہو جائے تو وہ متفقہ طور پر اس کی ماں کی اولاد قرار پائے گا لہٰذا وہ ماں اور اس کی اصل اور شاخیں اور حواشی سب اس لڑکے پر حرام ہوں گے۔ کیوں کہ بہرحال وہ انسان ہے اور اس عورت سے پیدا ہوا ہے اور اس کا دودھ پینے والا بچہ بھی (اس حکم میں) ناجائز لڑکے ہی کی مانند ہے کہ اس کو دودھ پلانے والی اور اس کی جڑ اور شاخیں اور حواشی اسی طرح اس پر حرام ہیں۔ رہا وہ گنہگار شخص سو اسے ناجائز اولاد کا باپ قرار دیئے جانے کے بارے میں شافعیہ کے درمیان اختلاف ہے کیوں کہ اس شخص سے بجز مادہ تولید کے اور کچھ خارج نہیں ہوا اور وہ ایک بے حقیقت شے ہے اور قابل احترام نہیں ہے لہٰذا اس سے پیدا ہونے والا بچہ اس کا بیٹا قرار نہ پائے گا۔ ایسی صورت میں بدکار شخص کے لئے حلال ہے کہ وہ اپنی ناجائز بیٹی سے شادی کرلے۔ اسی طرح وہ لڑکی اس کے اصول وفروع پر بھی محض کراہت کے ساتھ حلال ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگرچہ مرتکب گناہ پر اپنی ناجائز بیٹی سے شادی کرنا حرام ہے لیکن وہ لڑکی جس نے گناہ کے دودھ سے پرورش پائی ہے کسی حالت میں اس کی بیٹی نہیں کہی جاسکتی۔ کیوں کہ اس دودھ کا موجب اس شخص کو قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ وہ دودھ ایسے حمل سے پیدا نہ ہو جس کا نسب اس شخص کے ساتھ وابستہ اور ثابت ہو۔ اگر نسب ہی ثابت نہ ہو تو دودھ پینے والے کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس اگر کسی نے ایسا دودھ پیا تو وہ اس شخص کا رضاعی بیٹا تصور نہ ہوگا۔ لہٰذا ان کے درمیان ازدواجی رشتہ کی حرمت بھی ثابت نہ ہوگی اور وہ لڑکی بھی جس نے گناہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا دودھ پیا نہ اس پر حرام ہوگی اور نہ اس شخص کے اصول وفروع پر۔ جیسا کہ دوسرے مسئلہ کے ضمن میں بتایا گیا۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کا وہ دودھ جس سے دودھ پینے والے کا رضاعی باپ ہونا ثابت ہوتا ہے اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ دودھ اس شخص کی بیوی کی چھاتیوں میں حاملہ ہو جانے پر بچہ پیدا ہونے پر اترے۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے ایک عورت سے شادی کی اور اس سے کوئی اولاد نہ ہوئی لیکن دودھ آگیا اور وہ دودھ کسی بچے کو اس نے پلایا تو وہ بچہ خاص

Marfat.com

اس عورت کی رضاعی اولاد متصور ہوگا اور اس پر حرام ہوگا کہ وہ اس عورت کے اصول وفروع اور اس کے محرموں سے شادی کرے۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ دودھ اس عورت کے باکرہ ہونے کی حالت میں اتر آیا ہو یا مباشرت ہو جانے پر اترا ہو۔ اگر عورت حاملہ ہو جائے تو یہ حمل اس دودھ کو اس کے خاوند کا سبب قرار دینے کے لئے کافی نہیں ہے اس کے لئے ولادت ضروری ہے۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ رہی اس شخص کی حیثیت سو وہ اس کا باپ متصور نہ ہوگا پس وہ لڑکا اس کے اصول وفروع سے جو اس عورت سے نہ ہوں شادی کر سکتا ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو' جس سے ایک لڑکا ہے' طلاق دے دی پھر اس عورت نے عدت گزارنے کے بعد کسی اور سے شادی کر لی اور دوسرے خاوند سے مباشرت ہوئی اور اس سے حاملہ ہوئی لیکن پہلے بچے کا جو دودھ اترا تھا وہ جاری ہے اور وہ دودھ اس نے کسی لڑکے کو پلایا تو صحیح یہ ہے کہ وہ دودھ پینے والا بچہ پہلے خاوند کا رضاعی بیٹا ہوگا۔ درآنحالیکہ دوسرے خاوند سے کوئی اولاد نہ ہوئی ہو۔

اگر ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی اور اس سے بچہ پیدا ہوا جسے اس نے دودھ پلایا اس کے بعد دودھ خشک ہو گیا اور بند ہو گیا۔ اس کے بعد پھر دودھ اترا اور یہ دودھ اس نے کسی اور بچے کو پلایا تو یہ بچہ اس عورت کے خاوند کا رضاعی بیٹا متصور نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس (کے حمل) سے جو دودھ اترا تھا وہ بند ہو گیا تھا۔ لہٰذا یہ بچہ اس شخص کی اولاد کے ساتھ جو دودھ پلانے والی کے بطن سے نہ ہو شادی کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر اس شخص نے اس عورت کو طلاق دے دی اور اس کی چھاتیوں کا دودھ خشک ہو گیا پھر اس عورت نے دوسرے شخص سے شادی کر لی اور اس سے حمل ہونے سے پہلے پھر دودھ اتر آیا تو یہ دوسرے خاوند کا دودھ متصور ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ رضاعی باپ ثابت ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ بچہ جس کی وجہ سے دودھ اترا ہے اس کا نسب اس شخص سے ثابت ہو پس اگر کسی شخص کے ہاں اولاد پیدا ہوئی اور اس ولادت کے باعث بیوی کے دودھ اتر آیا لیکن اس شخص نے اس اولاد سے انکار کر دیا اور کہا کہ ''وہ میری اولاد نہیں ہے'' اور اس کا نسب اس بچے سے ثابت نہ ہو سکا اور اس کی بیوی نے کسی بچہ کو دودھ پلایا تو وہ بچہ اس شخص کی رضاعی اولاد قرار نہیں دی جائے گی اور ان میں حرمت بھی نافذ نہ ہوگی۔ اب اگر اس شخص سے دوسری بار حلف لیا جائے اور وہ کہے کہ یہ میری ہی اولاد ہے تو اس سے دودھ پینے والے اور اس شخص کے درمیان حرمت پھر واپس آ جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کے نتیجہ میں جو دودھ پیدا ہوا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیوں کہ ناجائز اولاد سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔

اگر ایک عورت نے کسی شخص سے شادی کی اور اس سے بچہ پیدا ہوا جس کے باعث اس عورت کے دودھ اتر آیا۔ پھر خاوند نے اسے طلاق دے دی اور اس نے کسی اور سے شادی کر لی اور پہلے بچے کی وجہ سے جو دودھ پیدا ہوا تھا وہ جاری ہے۔ اگر اس نے کسی بچہ کو دودھ پلایا تو وہ بچہ پہلے خاوند کی رضاعی اولاد متصور ہوگا۔ تا آنکہ دوسرے خاوند سے کوئی اولاد نہ ہو جائے۔ اگر (دوسرے خاوند سے) اولاد ہو جائے تو پہلے خاوند کا دودھ ختم اور یہ دوسرے خاوند کا دودھ متصور ہوگا۔ یہ مسئلہ اس صورت کے خلاف ہے جب کہ کسی کنواری عورت کے دودھ اتر آئے اور پھر وہ شادی کر لے اور دودھ جاری رہے تو دودھ اسی عورت کا تصور کیا جائے گا اس کے خاوند کا متصور نہ ہوگا تا آنکہ اس سے حمل نہ ہو جائے۔ اس صورت میں وہ

Marfat.com

دودھ مشترکہ متصور ہوگا اگرچہ اولاد نہ ہو۔ ان دونوں صورتوں میں فرق ظاہر ہے۔ پہلی صورت میں جو دودھ اترا وہ پہلے خاوند کی اولاد کے پیدا ہونے سے تھا لہٰذا وہ تو خاص اسی کا دودھ ہوا اور جب تک دوسرے خاوند کے بچے کی ولادت نہ ہو وہی دودھ جاری سمجھا جائے گا۔ لیکن دوسری صورت میں وہ دودھ باکرہ عورت کو بغیر کسی خاوند کے نازل ہوا۔ لہٰذا اس کی حیثیت پہلے کی نسبت نہایت کمزور ہے۔

اس بیان سے واضح ہے کہ دودھ کی نسبت ایک خاوند سے اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک دوسرے خاوند سے بچہ نہ پیدا ہو جائے اگرچہ اس میں زیادہ عرصہ گزر جائے یا دودھ بند ہو کر پھر اتر آئے حنفیہ کو اس اور سابقہ مسئلہ میں اختلاف ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ کسی شخص کا دودھ ثابت ہونے کی دو شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ اس نے بیوی سے مباشرت کی ہو دوسری شرط یہ ہے کہ انزال بھی ہوا ہو۔ پس اگر کسی عورت سے محض عقد ہوا یا مباشرت کی لیکن انزال نہیں ہوا اور اس عورت کے دودھ اتر آیا تو یہ دودھ اس شخص کا ثابت نہ ہوگا۔ اب اگر ایک شخص نے کسی باکرہ عورت سے شادی کی جسے دودھ آ رہا ہے لیکن اس کے ساتھ مباشرت نہیں کی اور اس کی بیوی کا یہ دودھ کسی بچے نے پیا تو یہ بچہ اس عورت کا رضاعی بیٹا متصور ہوگا۔ مرد کا نہ ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص ایک عورت سے آلودہ ہوا اور اس کے دودھ اتر آیا تو یہ دودھ بقول معتمد اس شخص کا مانا جائے گا۔ حنفیہ کو اس سے اتفاق ہے جیسا کہ صلبی (نسبی) رشتے کے ذکر میں بتایا گیا ہے۔ یہ دودھ مباشرت کے وقت سے لے کر بند ہونے تک اسی شخص کا متصور کیا جائے گا اگرچہ یہ حالت چند سال تک جاری رہے۔ اگر اس شخص نے اس عورت کو طلاق دے دی یا وہ شخص وفات پا گیا اور اس عورت نے پھر کسی سے شادی نہیں کی اور دودھ مسلسل جاری رہا تو یہ دودھ اس شخص کا متصور ہوگا اور اس کے ساتھ حرمت مصاہرہ (ازدواج سے پیدا ہونے والی حرمت) ثابت ہوگی اگر اس شخص نے طلاق دے دی یا خاوند وفات پا گیا اور عورت نے ایام عدت گزارنے کے بعد کسی اور سے شادی کر لی اور پہلا دودھ ہنوز اس کی چھاتیوں میں تھا۔ ادھر دوسرے خاوند نے مباشرت کی اور انزال ہوا تو یہ دودھ دونوں خاوندوں کا مشترکہ متصور ہوگا لہٰذا اگر اس عورت نے کسی بچے کو دودھ پلایا تو وہ دونوں خاوندوں یعنی طلاق دینے والے خاوند اور موجودہ خاوند دونوں کا رضاعی بیٹا متصور ہوگا اور اس لڑکے کی نسبت مصاہرت (یعنی وہ تعلق جو شادی کے رشتہ سے ہوتا ہے) ثابت ہو جائے گی۔ لیکن اگر اس نے تیسرے خاوند سے (اس طرح) شادی کی اور وہ دودھ جو پہلے اور دوسرے خاوند کی وجہ سے پیدا ہوا تھا ہنوز اس کی چھاتیوں میں باقی ہے اور اس تیسرے خاوند سے بھی مباشرت اور انزال ہوا تو یہ تیسرا خاوند اس بچے کا رضاعی باپ بننے میں ان خاوندوں کا شریک متصور نہ ہوگا۔ لیکن اگر ایک عورت نے کسی سے شادی کی اور اس سے بچہ ہوا۔ اور اس نے اسے دودھ پلایا یہاں تک کہ اس نے دودھ چھڑا دیا اور دودھ ختم ہو گیا اور اب اس نے کسی اور سے شادی کر لی اور اس شخص سے مباشرت اور انزال کے بعد اس کے دودھ اتر آیا تو یہ دوسرے خاوند کا متصور ہوگا۔ غرض پہلے اور دوسرے کے دودھ میں مشترک ہونے کی دو شرطیں ہیں:

ایک تو یہ کہ دوسرے خاوند سے مباشرت ہونے سے پہلے اس کا دودھ بند نہ ہوا ہو۔ اگر پہلا دودھ بند ہو چکا تھا اور اس کے بعد دوسرے خاوند سے مباشرت ہوئی تو یہ دودھ خالصۃً دوسرے خاوند کا دودھ متصور ہوگا۔

Marfat.com

دودھ کا رشتہ ثابت ہونے کا بیان

دودھ کا رشتہ یا تو شہادت سے ثابت ہوتا ہے یا زوجین کے اقرار سے یا پھر دونوں میں سے ایک کے اقرار سے۔ اس کے مسائل بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

دوسری شرط یہ ہے کہ دوسرا خاوند مباشرت کرے اور انزال ہو اس سے پہلے وہ دودھ صرف پہلے خاوند کا مانا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مرد کا دودھ نہیں ثابت ہو سکتا جب تک کہ یہ دو شرطیں نہ ہوں:

ایک شرط یہ ہے کہ یہ وہ دودھ جو عورت کی چھاتیوں میں اترا ہے وہ اس حمل کا نتیجہ ہو جو اس شخص کی مباشرت سے ہوا۔ لہٰذا وہ دودھ جو کسی باکرہ کے اتر آئے یا ایسی عورت کے اتر آئے جس نے کسی شخص سے شادی تو کر لی ہو اور مباشرت بھی ہوئی لیکن حمل نہ ہوا ہو اس دودھ سے حرمت مصاہر ثابت نہ ہوگی نہ عورت کے لئے اور نہ مرد کے لئے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس حمل کا نسب اس شخص سے ثابت ہو۔ پس اگر کسی عورت سے شادی ہوئی اور مباشرت بھی ہوئی اور حمل بھی ہو گیا لیکن اس شخص نے اس حمل کے اپنا ہونے سے انکار کیا اور اس کا نسب اس کے ساتھ ثابت نہ ہو سکا۔ اور عورت نے وہ دودھ جو عورت کی چھاتیوں میں اترا کسی بچے کو پلایا تو وہ بچہ اس شخص کا رضاعی بیٹا نہ ہوگا۔ لہٰذا ان کے مابین حرمت رضاعت بھی عائد نہ ہوگی البتہ وہ اس عورت کا رضاعی بیٹا بہ تفصیل مذکورہ بالا متصور ہوگا اور ان کے مابین حرمت مصاہرہ ثابت ہو جائے گی اسی طرح اس صورت میں جب کہ ایک شخص کسی عورت سے آلودہ گناہ ہوا اور اس سے ناجائز اولاد پیدا ہوا اور اس ولادت کے باعث اس کے دودھ اتر آئے پھر وہ عورت کسی بچے کو دودھ پلائے تو وہ بچہ اس ملوث شخص کا رضاعی بیٹا قرار نہ پائے گا کیوں کہ گناہ کے نتیجہ میں اترنے والے دودھ کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ دودھ کی حرمت نسب کے مانے جانے پر موقوف ہے۔ البتہ وہ لڑکا اس ملوث عورت کا رضاعی بیٹا قرار پائے گا جیسا کہ بتایا گیا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ رضاعت کا ثبوت مال کی طرح یا گواہوں کی گواہی سے ہوتا ہے یا اقرار سے۔ شہادت سے ثابت کرنے کے لئے یہ شرط ہے، کہ دو معتبر مرد گواہی دیں یا پھر ایک معتبر مرد اور دو معتبر عورتیں گواہ ہوں لہٰذا رضاعت کے ثبوت کو ایک معتبر شخص کی گواہی کافی نہیں ہے خواہ مرد ہو یا عورت' اسی طرح غیر معتبر آدمیوں (مردوں) یا چار معتبر عورتوں کی گواہی بھی کافی نہیں ہے بلکہ لازم ہے کہ گواہوں میں ایک مرد ضرور ہو۔ پھر گواہی دینے والے (شاہد) اگر زوجین کے سامنے شہادتیں دیں کہ ان (زوجین میں باہمی رضاعی رشتہ ہے تو ان پر واجب ہوگا کہ وہ خود (ایک دوسرے سے) علیحدہ ہو جائیں۔ خواہ مباشرت نہ ہوئی ہو یا ہو چکی ہو۔ لیکن اگر مباشرت ہو چکی ہو تو ان پر واجب ہے کہ زبان سے کہہ کر خود عقد کو فسخ کر دیں۔ بایں طور کہ خاوند گواہوں کے سامنے کہے کہ میں نے اس عقد زوجیت کو جو ہم نے کیا تھا فسخ کر دیا۔ یا وہ عورت ایسا ہی کہے تاہم اگر مباشرت اب تک نہیں ہوئی تو دونوں کا (بغیر کچھ کہے بھی) ایک دوسرے سے جدا ہو جانا کافی ہے اور دونوں یک جا نہ ہوں۔ علیحدہ ہو جانے کے بعد بھی اگر مرد اس عورت سے مباشرت کرے تو گناہ ہوگا۔ لیکن حد نافذ نہیں ہوگی خواہ اس بارے میں شبہ ہو یا یقین ہو۔ کیوں کہ زوجین کے سامنے رضاعت کا ثبوت بہم پہنچنے سے ان کا نکاح فسخ نہیں

Marfat.com

ہوتا بلکہ نکاح فاسد قرار پاتا ہے اور نکاح فاسد کی صورت میں ایک اشتباہ رہتا ہے جس کی بنا پر مباشرت کر لینے سے آدمی حد سے بچ جاتا ہے تاہم زوجین پر لازم ہے کہ وہ خود فسخ نکاح کر کے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو قاضی (حاکم شرع) ان کے درمیان علیحدگی کرا دے۔ اور جب قاضی تفریق کرا دے تو ان کا نکاح جاتا رہے گا۔ اس کے بعد بھی اگر مباشرت کا ارتکاب کرے تو وہ معصیت متصور ہوگا اور اس پر حد (شرعی سزا) نافذ کی جائے گی۔ پس حنفیہ جو یہ کہتے ہیں کہ ''ثبوت رضاعت سے تفریق نہیں ہوتی جب تک کہ قاضی علیحدگی نہ کرا دے'' اس کا یہی مطلب ہے۔ یعنی اگر (حکماً) علیحدگی سے پہلے اس شخص نے مباشرت کر لی تو (دونوں میں سے) کسی پر حد نافذ نہ ہوگی۔

اگر معتمد شہادتوں سے صرف عورت کو اس امر سے آگاہ کیا (کہ اس کا خاوند اس کی بیوی کا دودھ شریک بھائی) ہے اور اس وقت خاوند موجود نہیں تھا یا سفر میں تھا اور بعد میں واپس آیا تو اس عورت پر واجب ہے کہ اس سے علیحدہ رہے اور اسے اپنے اوپر قادر نہ ہونے دے۔ یہاں تک کہ وہ خود باقاعدہ اپنا عقد فسخ کر لیں یا قاضی فسخ کرا دے۔ اسی طرح بقول معتمد اس عورت کے لئے یہ بھی حلال نہیں ہے کہ وہ رضاعت کا فیصلہ ہونے سے پہلے کسی اور سے شادی کر لے۔ اگر اس کی اطلاع صرف خاوند کو ہوئی (اور بیوی کو نہیں ہوئی) تو اس خاوند پر واجب ہے کہ بیوی سے علیحدہ رہے اگر مباشرت کر لی تو گناہ ہوگا۔

واضح ہو کہ رضاعت کے بارے میں حاکم شرع کے سامنے شہادت دینے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ عورت دعویٰ کرے بلکہ بہتری کے پیش نظر اس کا ثبوت درکار ہوگا کیوں کہ رضاعت کا دعویٰ مباشرت کے حرام ہونے کو شامل ہے اور شرمگاہوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے احکام کی پاسداری ہے یعنی حقوق اللہ میں سے ہے یہ اسی طرح ہے جیسا کہ طلاق کی بابت گواہی دینا۔ لہٰذا اگر کسی ایک معتبر عورت نے بھی ان میاں بیوی کو اس امر کی بابت بتایا کہ دونوں نے ایک ہی عورت کا دودھ پیا ہے تو اس کی چار صورتیں ہوں گی:

پہلی صورت یہ ہے کہ وہ دونوں معاً اس بات کو سچ مان لیں۔ ایسی صورت میں نکاح فاسد ہو جائے گا اور ان پر واجب ہو جائے گا کہ اگر مباشرت ہو چکی ہے تو اس صورت حال کا اعلان کر کے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں لیکن اگر مباشرت نہیں ہوئی تو کچھ اعلان کئے بغیر ہی ان کا علیحدہ ہو جانا کافی ہے اور وہ عورت اس صورت میں مہر کی مستحق نہ ہوگی۔ اگر وہ خود ہی جدا نہ ہوں تو قاضی پر واجب ہے کہ ان میں علیحدگی کرا دے۔ کیوں کہ اس عورت کی بات کا تصدیق کرنا اس امر کا اقرار کر لینا ہے یعنی گویا انہوں نے اس بات کو مان لیا ہے کہ ان کا عقد فاسد ہو گیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں (یہ سنتے ہی) معاً عورت کو جھٹلا دیں۔ ایسی صورت میں نکاح فاسد نہ ہوگا اور ان کا ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جانا بھی واجب نہیں ہے لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ دونوں الگ ہو جائیں۔ پھر اگر یہ اطلاع انہیں مباشرت کے بغیر ہوئی ہے تو خاوند پر کسی مہر کی ادائیگی واجب نہیں ہے تاہم یہی افضل ہے کہ بیوی کو نصف مہر ادا کر دیا جائے اور عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ اس میں سے کچھ نہ لے اور اگر یہ بات مباشرت ہونے کے بعد معلوم ہوئی تو طے شدہ مہر اور مہر مثل دونوں میں سے جو کم ہے اس کا ادا کرنا لازم ہے۔ لیکن ایام عدت اور رہائش کے اخراجات لازم نہیں ہیں پھر بھی خاوند کو چاہئے کہ جو مہر طے ہوا ہے گو وہ مہر مثل سے زیادہ ہو وہ ادا کر دے اور (ایام عدت کا) نفقہ اور رہائش کا خرچ

Marfat.com

بھی دے دے۔ اگر ایسا نہ کریں اور زوجیت کو باقی رکھنا چاہیں تو اگرچہ یہ امر احتیاط کے خلاف ہے تاہم یہ کر سکتے ہیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ خاوند اس (اطلاع) کی تصدیق کرے لیکن عورت انکار کرے' ایسی صورت میں عقد فاسد ہو جائے گا' لیکن خاوند پر مہر بدستور واجب الادا رہے گا خواہ یہ اطلاع مباشرت سے پہلے ہوئی ہو یا بعد میں۔ لیکن علیحدگی خاوند ہی کی جانب سے ہوگی۔

چوتھی صورت اس کے برعکس یہ ہے کہ بیوی اس کو سچ مان لے لیکن خاوند اسے جھوٹ بتائے۔ ایسی صورت میں نکاح فاسد نہ ہوگا۔ البتہ بیوی کو یہ حق ہوگا کہ وہ اس کے لئے خاوند کو قسم دلائے۔ اگر خاوند قسم سے انکار کرے تو ان میں علیحدگی کرادی جائے گی۔

یہ مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ یہ اطلاع دینے والی ایک معتبر عورت ہو۔ اگر وہ عورت قابل اعتبار نہیں ہے تو اس کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا (اس بارے میں) ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی ایسی ہی ہے جیسی ایک معتبر عورت کی گواہی یا ایک مرد اور دو غیر معتبر عورتوں کی شہادت اس صورت میں بھی مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا کہ اگر دونوں میاں بیوی نے ان کی گواہیوں کو مان لیا یا صرف خاوند نے مانا تو نکاح فاسد ہو جائے گا ورنہ یہ معاملہ مشتبہ ہو جائے گا تاہم احتیاط علیحدگی ہی میں ہے۔

مسائل متذکرہ بالا کا تعلق گواہی سے ہے۔ رہا معاملہ اقرار کا سو اقرار یا تو صرف خاوند کی جانب سے ہوگا یا صرف بیوی کی جانب سے یا دونوں کی طرف سے۔ اب اگر اقرار صرف خاوند کرتا ہے تو اس کے اقرار پر عمل کیا جائے گا' جب تک کہ وہ اس سے رجوع نہ کرے۔ اگر رجوع کرے (اور اپنی بات سے پھر جائے) تو اس کا رجوع تسلیم کر لیا جائے گا بشرطیکہ اس نے تاکیداً اقرار نہ کیا ہو۔ تاکید کا مطلب یہ ہے کہ وہ یوں کہے کہ تم نے جو بات کہی مثلاً یہ کہ وہ عورت میری دودھ شریک بہن ہے وہ سچ ہے یا یہ پکی بات ہے یا یہ ثابت شدہ ہے یا یوں کہے کہ میں نے جس بات کو تسلیم کیا ہے وہ امر ثابت شدہ ہے۔ لیکن اگر اس نے اس طرح نہیں کہا اور جو کچھ کہا تھا اس سے پلٹ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے جس بات کا اقرار کیا تھا وہ غلطی سے کیا تھا تو ایسی صورت میں اس کا رجوع کر لینا درست ہوگا اور ان کی زوجیت باقی رہے گی۔ اگر بار بار اقرار کیا تو بار بار اقرار کرنا تاکید نہیں ہے بلکہ تاکید کی وہی صورت ہے جو بتائی گئی۔

اگر یہ اقرار صرف بیوی کی طرف سے ہو مثلاً وہ کہے کہ میں اس کی دودھ شریک بہن ہوں تو اس کا کہنا معتبر نہیں ہے۔ خواہ یہ اقرار اس نے عقد سے پہلے کیا ہو یا بعد میں کیا ہو اور خواہ اس اقرار پر اصرار کرے یا اس سے پھر جائے اور خواہ اپنے اقرار کی تائید کرے یا نہ کرے۔ بہر حال چونکہ حرمت (عائد کرنے) کا حق شارع نے اسے نہیں دیا لہٰذا اگر وہ حرمت کا اقرار کرے تو ان کا اعتبار نہیں ہے اگرچہ بقول معتمد وہ اس پر اصرار کرے۔

یہ بات بھی ایسی ہی ہے جیسے کہ وہ تنہا اقرار کرے کہ اس کے خاوند نے اسے تین طلاق دے دی ہے۔ اس بارے میں اس کا اقرار معتبر نہیں ہے کیوں کہ طلاق دے کر حرمت عائد کرنا اس کا کام نہیں ہے لہٰذا اس کا اقرار اس بارے میں بھی قابل اعتبار نہیں ہے اور اسے حق ہے کہ اگر خاوند انکار کرے تو اس کے ساتھ رہے۔ لیکن اگر دونوں اس بات کو مان لیں اور خاوند بطریق بالا اس کی تاکید کرے تو اس کے مطابق عملدرآمد ہوگا اگرچہ وہ دونوں ایک ساتھ اپنے اقرار سے رجوع

Marfat.com

کریں۔ ایسی صورت نہ ہو تو ان کا اپنے اقرار سے رجوع کرنا درست ہوگا۔ جیسا کہ بتایا گیا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ رضاعت کا ثبوت اقرار سے بھی ہو سکتا ہے اور شہادت سے بھی۔ اگر میاں بیوی دونوں نے رضاعت کا اقرار کر لیا خواہ رضاعی بھائی بہن ہونے کا یا اس بات کا کہ دودھ پلانے والی ماں یا پھوپھی یا خالہ وغیرہ ہے جن کا پہلے ذکر کیا گیا ایسی صورت میں ان کا نکاح فسخ ہو جائے گا خواہ یہ اقرار مباشرت سے پہلے کریں یا بعد میں۔

اگر بیوی رضاعت کا اقرار کرے اور خاوند انکار کرے تو بیوی کے اقرار سے کچھ نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اس کا اقرار کرنا قابل الزام حرکت ہے (کہ خاوند سے چھٹکارا پانے کے لئے وہ ایسا کہتی ہے) اگر اس کے اقرار پر خاوند نے طلاق دے دی تو وہ مہر کی حق دار نہ ہوگی۔ کیوں کہ اس نے خود اس عقد کے فاسد ہونے کا اقرار کیا لہٰذا مہر کی مستحق نہ رہی۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ عورت نے رضاعت کو تسلیم کر لیا اور اس کے بعد وفات پا گئی۔ تب بھی وہ مہر کی حق دار نہ ہوگی۔ ایسی صورت میں اس کی موت سے اس کے حق مہر کی تائید نہیں ہوتی کیوں کہ مرنے سے پہلے ہی اس نے عقد کے فاسد ہونے کو تسلیم کر لیا تھا۔

اگر صرف خاوند کو رضاعت کا اقرار ہے اور بیوی کو انکار ہے تو خاوند کے اقرار کو تسلیم کیا جائے گا کیوں کہ اس پر یہ الزام نہیں لگایا جا سکتا کہ اس نے بیوی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے رضاعت کا بہانہ بنایا ہے۔ اس لئے کہ طلاق دینا اس کے اختیار میں ہے (اس بہانہ کی کیا ضرورت؟) البتہ یہ الزام اس پر لگایا جا سکتا تھا کہ اگر مباشرت نہیں ہوئی ہے تو اس نے ادائیگی مہر سے بچنے کے لئے یہ کہہ دیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رضاعت کا اقرار کرنے والے کے ذمہ سے مہر ساقط نہیں ہوتا بلکہ نکاح تو فسخ ہو جاتا ہے اور مہر نصف ادا کرنا پڑتا ہے۔

اگر زوجین میں سے کسی نے رضاعت کے بارے میں یہ شہادت پیش کی کہ فریق ثانی نے اپنی رضاعت کے بارے میں عقد سے پہلے اقرار کیا تھا لیکن اس کا علم اس کو عقد کے بعد ہوا (پہلے نہیں تھا) تو اس کی یہ شہادت قبول کی جائے گی اور اسکے مطابق عمل ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر اس بارے میں کوئی چشم دید گواہ پیش کیا گیا یا کسی اجنبی شخص نے شہادت دی تو وہ مانی جائے گی۔ عقد سے پہلے کی بابت ایسے شہادت خواہ خاوند کے اقرار کے متعلق ہو یا بیوی کے اقرار کے متعلق اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن عقد کے بعد اقرار کرنے کی شہادت کا کچھ اعتبار نہیں بجز اس صورت کے جب کہ یہ شہادت خاوند کے اقرار کی ہو پس بیوی کے اقرار سے کچھ نہیں ہوتا' کیوں کہ اس کے اقرار سے اس پر یہ الزام رکھا جا سکتا ہے (کہ وہ خاوند سے چھٹکارا چاہتی ہے) ہاں عقد سے پہلے اقرار کیا ہو تو اس پر یہ الزام نہیں رکھا جا سکتا کہ اس نے خاوند سے چھٹکارا پانے کے لئے یہ بات گھڑی ہے۔ کیوں کہ اقرار کے وقت اس کا کوئی رشتہ خاوند سے تھا ہی نہیں (جس سے چھٹکارا چاہتی)۔

اب واضح ہوا کہ اگر ان دونوں کے ایک ساتھ (رضاعت کا) اقرار کر لینے سے اور مباشرت کے بعد عقد کو فسخ کیا گیا تو عورت مقرر شدہ مہر کی یا اگر کوئی مہر مقرر نہیں ہوا یا مہر فاسد مقرر ہوا ہے تو مہر مثل کی حق دار ہوگی۔ سوا اس صورت کے جب کہ وہ عورت عقد سے پہلے رضاعت سے آگاہ ہو اور خاوند عقد سے پہلے اس کا علم ہونے سے انکار کرتا ہو بلکہ وہ یہ کہتا ہو کہ مجھے اس کا علم بعد میں ہوا' ایسی صورت میں بھی اگر مباشرت ہو چکی ہے تو مہر کی کم سے کم مقدار کی حق دار ہوگی یعنی ایک

Marfat.com

چوتھائی دینار کی تاکہ مباشرت کے بعد عورت اپنی نسوانی خصوصیت کے معاوضہ مہر سے بے بہرہ نہ رہے۔ تاہم اگر ان کا عقد اس شہادت کی بنا پر فسخ ہوا کہ انہوں نے عقد سے پہلے رضاعت کو تسلیم کرلیا تھا تو اس صورت میں یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ بیوی کو رضاعت کا علم رہا ہو اور خاوند کو نہ ہو پس اگر مباشرت ہو چکی ہے تو وہ عورت پورے مہر کی حق دار ہوگی بشرطیکہ کوئی مہر قرار پایا ہو ورنہ مہر مثل کی حقدار ہوگی۔ اسی طرح اگر خاوند کے اقرار کی گواہی موجود ہو تو ایسی صورت میں یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اسے عقد کے وقت رضاعت کا علم نہ ہو۔ لیکن ایسی شہادت موجود ہو کہ عورت نے عقد سے پہلے رضاعت کا اقرار کیا لیکن خاوند نے نہیں کیا اور اسے اس امر سے انکار ہے کہ پہلے سے وہ جانتا تھا تو مباشرت ہو جانے کی صورت میں اسے مہر کی کم سے کم مقدار (ایک دینار کا چوتھائی) ادا کرنا لازم ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ یہ خیال کیا جاسکے کہ خاوند کو عقد کے وقت (رضاعت کی بات کا) علم نہ تھا اور اس کے معلوم ہونے سے انکار کرے۔ اور بیوی سے مباشرت ہو چکی ہو تو بیوی ایک چوتھائی دینار سے زیادہ مہر کی حقدار نہ ہوگی لیکن اگر خاوند کا واقف نہ ہونا تصور میں نہ آسکتا ہو یا وہ (معلوم ہونے سے) انکار نہ کرے تو صورت مذکورہ میں وہ عورت پورے مہر کی حق دار ہوگی۔

واضح ہو کہ نابالغ بچے کی طرف سے ان کے والدین کا جو بچے کی یا کنواری لڑکی کی شادی ان کی اجازت کے بغیر کرنے کے مجاز ہیں رضاعت کا اقرار کرنا' خود زوجین یا زوجین میں سے کسی ایک کے اقرار کی مانند ہے۔ چنانچہ اگر کمسن بچے یا کنواری لڑکی کے باپ نے عقد سے پہلے اس بات کا اقرار کیا ہو کہ اس کے بیٹے یا بیٹی اور فلاں شخص کے درمیان رضاعی رشتہ تھا تو یہ عقد فسخ ہو جائے گا اور اگر دونوں کے باپ نے عقد سے پہلے ایک ساتھ یہ اقرار کیا تو بدرجہ اولیٰ عقد فسخ ہو جائے گا لیکن عقد کے بعد دونوں میں سے ایک کے باپ کا اقرار کرنا تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ سوا اس صورت کے جب کہ والدین معتبر ہوں اور عقد سے پہلے ہی زوجین کے درمیان رشتہ رضاعت کی خبر مشہور ہو۔

واضح ہو کہ اس عبارت میں والدین کے لفظ سے خاوند کے ماں باپ یا خاوند کا باپ اور بیوی کا باپ یا ایک کا باپ اور دوسرے کی ماں مراد ہے۔ اب اگر زوجین کی ماں رضاعت کا اقرار کرے تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔ سوا اس صورت کے جب کہ یہ بات لوگوں میں عام طور پر مشہور ہو۔ اگرچہ ان دونوں کی ماؤں کا اقرار شادی سے پہلے کے متعلق ہو۔ جیسا کہ دو اجنبی عورتوں کے اطلاع دینے کے مسئلہ میں بیان کیا جائے گا۔

اب رہی یہ بات کہ آیا رضاعت کا اقرار کرنے کے بعد (والدین کا) اپنے اقرار سے پھر جانا درست ہے یا نہیں؟ سو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر باپ رضاعت کو تسلیم کر چکا ہو تو اس اقرار سے پھر جانا درست نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں نے یہ بات شادی سے معذوری ظاہر کرنے کے لئے کہہ دی تھی۔ لیکن اس طرح کہنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ سابقہ اقرار کو تسلیم کرنے کے بعد اب وہ عورت حلال نہ ہوگی تا آنکہ اس قول (رجوع) کی صداقت پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔ لہٰذا بعض اصحاب نے اس (اقرار) پر عملدرآمد کی حمایت کی ہے۔ لیکن ماں کے اقرار کی صورت میں اگر وہ اپنے اقرار سے پھرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں نے شادی نہ کرنے کا یہ عذر تراشا تھا تو دیکھنا چاہئے کہ اس نے یہ بات شادی کا ارادہ کرنے سے پہلے کہی ہے تو اب اس سے پھرنا اور یہ معذرت درست نہیں ہے ورنہ اس کا رجوع درست ہے۔ تاہم اس کے بعد شادی سے کنارہ کش رہنا ہی

Marfat.com

مستحب ہے۔

واضح ہو کہ ان مسائل کا تعلق اقرار سے ہے رہا رضاعت کی گواہی کا ہونا' سو اس بارے میں دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت مانی جائے گی۔ مردوں کی شہادت کے بارے میں صرف یہ شرط ہے کہ وہ دونوں معتبر اشخاص ہوں' اگر معتبر نہ ہوں تو ان کی گواہی تسلیم نہیں کی جائے گی سوا اس صورت کے جب کہ ان گواہوں نے زوجین کے درمیان رضاعی رشتہ کی خبر لوگوں میں مشہور کی ہو۔ اس طرح دو عورتوں کی گواہی بھی اس شرط پر قبول کی جائے گی عقد سے پہلے انہوں نے رضاعت کی خبر لوگوں میں پھیلا دی ہو۔ اگر چہ وہ عورتیں معتبر نہ ہوں۔ اگر وہ عورتیں معتبر ہوں لیکن یہ بات لوگوں پر انہوں نے فاش نہیں کی تب بھی ان کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی اسی طرح اگر ایک مرد اور ایک عورت گواہی دیں تو ان کی شہادت کافی نہ ہوگی بجز اس صورت کے کہ رضاعت کی خبر عقد سے پہلے انہوں نے افشا کر دی ہو اگر انہوں نے افشا کیا ہے تو ان کی گواہی تسلیم کی جائے گی اگر چہ وہ معتبر اشخاص نہ ہوں تاہم صرف ایک عورت کی اطلاع دینے سے رضاعت کا ثبوت نہیں ہو سکتا اگر چہ عقد سے پہلے اس نے اس بات کا افشا کیا ہو۔

ایک گواہ نے اگر رضاعت کی خبر بتائی تو محض اس کے کہنے سے زوجین میں علیحدگی واجب نہیں ہے جیسے ایک عورت یا ایک مرد کے کہنے سے واجب نہیں ہوتی اگر چہ وہ شخص معتبر ہو۔ دو معتبر شخص گواہی دیں تب بھی خاوند کے لئے امر مستحب یہی ہے کہ اگر عقد ہو چکا ہے تو اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اگر ہنوز عقد نہیں ہوا تو احتیاطاً اس کے ساتھ شادی کا اقدام نہ کرے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ رضاعت اقرار سے بھی اور گواہوں کی گواہی سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ رضاعت کا اقرار یا تو خود زوجین کریں گے۔ یا صرف خاوند کرے گا یا پھر صرف عورت کی طرف سے ہوگا۔ اگر زوجین اقرار کریں تو ان میں علیحدگی کرا دی جائے گی۔ پھر یہ علیحدگی اگر مباشرت کے بعد ہوئی جو بیوی کی رضامندی سے کی گئی تو وہ کسی شے کی حق دار نہ ہوگی۔ جیسے مباشرت سے پہلے علیحدگی کی صورت میں ہوتا ہے۔ اگر خاوند نے اس کے ساتھ جبراً یا نادانستگی میں مباشرت کر لی تو وہ مہر مثل کی حق دار ہوگی۔

اگر خاوند رضاعت کا اقرار کرے اور بیوی انکار کرے تو خاوند کے اقرار پر عمل ہوگا اور نکاح فسخ ہو جائے گا اور خاوند کو یہ حق ہے کہ وہ بیوی کو حلف دلائے کہ اسے رضاعت کا علم نہیں تھا اگر وہ حلف اٹھا لے اور نکاح فسخ ہو جائے اور مباشرت ہو چکی ہو تو عورت مقررہ مہر کی حق دار ہوگی بشرطیکہ کوئی مہر باقاعدہ مقرر ہوا ہو ورنہ مہر مثل کی مستحق ہوگی۔ اگر مباشرت سے پہلے عقد فسخ ہوا تو مہر مقررہ کا نصف اور بصورت عدم تقرر مہر نصف مہر مثل کی حق دار ہوگی۔ اگر عورت حلف سے انکار کرے تو خاوند سے اس کے دعوے کے صحیح ہونے کے بارے میں حلف لیا جائے گا اور وہ قسم کھائے گا کہ وہ عورت اس کی دودھ شریک بہن یا دودھ کے رشتہ سے بیٹی یا اس کی بیوی کی ربیبہ (یعنی گیلڑ لڑکی) ہے وغیرہ اگر وہ قسم کھا لے تو اس پر مہر مثل کی ادائیگی واجب ہو جائے گی بشرطیکہ مباشرت ہو چکی ہو بصورت دیگر کچھ واجب نہ ہوگا۔

تفصیل بالا سے واضح ہے کہ اگر خاوند عورت کے بارے میں رضاعت کا اقرار کرلے تو اسے قسم دلانے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ یہ بات بتائی گئی ہے کہ خاوند کے اقرار سے فسخ نکاح واجب ہو جاتا ہے اس کے لئے حلف

Marfat.com

اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے حلف اس لئے دیا جاتا ہے کہ اس کے بعد مہر مثل یا مباشرت ہو چکی ہو تو مقررہ مہر ورنہ نصف مہر واجب الادا ہوتا ہے یا کچھ واجب نہیں ہوتا۔ (صورت متذکرہ بالا میں) اگر عورت قسم کھالے تو وہ مباشرت ہو جانے کی صورت میں پورے مہر کی ورنہ نصف مہر کی حق دار ہوگی۔ اگر بیوی (حلف سے) انکار کرے اور خاوند حلف اٹھالے تو مباشرت ہو جانے کی صورت میں وہ مہر مثل کی حق دار ہوگی بصورت دیگر اسے کچھ نہ ملے گا' لیکن فسخ نکاح لازمی ہوگا۔ خواہ زوجین حلف اٹھائیں یا انکار کریں۔

بیان بالا سے یہ بھی واضح ہے کہ دعویٰ کرنے والا تو اس بات کا حلف اٹھائے گا جس کا اس نے دعویٰ کیا۔ بخلاف انکار کرنے والے کے کہ وہ یہ حلف اٹھائے گا کہ اسے اس بات کا کوئی علم نہیں ہے۔

اگر بیوی رضاعت کا اقرار کرے اور خاوند انکار کرے تو اس کی چار صورتیں ہوں گی:

پہلی صورت یہ ہے کہ اس عورت نے اس شخص سے شادی اپنی مرضی سے کی ہو بایں طور کہ اس نے اپنے ولی سے کہا ہو کہ میری شادی فلاں شخص سے کر دیجئے۔ ایسی صورت میں یہ حکم ہے کہ خاوند رضاعت سے لاعلم ہونے کے بارے میں حلف اٹھائے گا کیوں کہ اس کی حیثیت دعوے سے انکار کرنے والے کی ہے اور دعوے کرنے والی عورت ہے۔ اس صورت میں نکاح بحال رہے گا' کیوں کہ اس عورت کا نکاح پر راضی ہونا اس دعویٰ رضاعت کے منافی ہے جو وہ کر رہی ہے۔ لہٰذا اس میں خاوند حلف اٹھائے گا عورت نہیں اٹھائے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عورت نے خود ہی اپنی شادی کر لی اور اپنے ولی کو اس شخص سے شادی کے لئے نہ کہا ہو اس کا حکم بھی وہی ہے جو پہلی صورت کا ہے اگر خاوند حلف نہ اٹھائے تو عقد فسخ ہو جائے گا اور اگر بیوی سے اس کی رضامندی کے بغیر مباشرت کر لی ہے تو وہ مہر مثل کی حق دار ہو جائے گی۔ لیکن اگر مباشرت نہیں ہوئی یا بیوی کی رضامندی سے مباشرت ہوئی ہے تو کچھ واجب الادا نہ ہوگا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اس عورت کی شادی اس کے ولی نے کر دی جسے اس کی رضامندی کے بغیر شادی کرنے کا اختیار ہے لیکن عورت نے اس کا اختیار اسے نہیں دیا تھا ایسی صورت میں اس عورت سے حلف لیا جائے گا کہ ان دونوں نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا ہے۔ کیوں کہ (اس معاملہ میں) بیوی کی حیثیت مدعیہ کی سی ہے لہٰذا وہ اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے حلف اٹھائے گی اس دعوے کو صحیح مانا جائے گا اور عقد فسخ کر دیا جائے گا۔ مہر کی بابت وہی حکم ہے جو اس سے پہلے کی صورت میں بتایا گیا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ اس نے اپنے ولی کو شادی کر دینے کی اجازت دی ہو لیکن خاص شخص کا تعین نہ کیا ہو اور اپنی شادی کا مختار اسے نہ بنایا ہو اس کا حکم وہی ہے جو تیسری صورت کا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر عورت نے اپنے ولی کو اپنی شادی کسی خاص شخص سے کرنے کی اجازت دی اور اسے اپنا مختار بنا دیا تو (رضاعت کا سوال پیدا ہونے کی صورت میں) خاوند سے حلف لیا جائے گا اور نکاح قائم رہے گا۔ اگر اس نے اپنے ولی کو اجازت نہیں دی یا اجازت دی لیکن کوئی خاص شخص متعین نہیں کیا اور ولی کو اپنا مختار نہیں بنایا تو دونوں حالتوں میں بیوی سے حلف لیا جائے گا اور اگر عقد فسخ ہوا تو وہ بموجب تفصیل بالا مہر کی حق دار ہوگی۔ تاہم اگر عقد فسخ ہو جائے اور خاوند

Marfat.com

جانتا ہو کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے تو احتیاط اور پرہیزگاری اسی میں ہے کہ وہ اسے طلاق دے دے کیوں کہ وہ چاہتی تھی کہ عقد فسخ کر کے کسی دوسرے کے لئے حلال ہو جائے پس پرہیزگاری کا تقاضا یہ ہے کہ یہ یقین کے ساتھ ہو۔ اسی طرح وہ صورت بھی ہے جب کہ بیوی حلف اٹھانے کے بعد بھی اسی کے ساتھ رہنا چاہے (کیوں کہ اس کے حلف سے لازمی طور پر نکاح فسخ نہیں ہوگا) تو پرہیزگاری اسی میں ہے کہ احتیاطاً خاوند اسے طلاق دے دے۔

واضح ہو کہ رضاعت کے بارے میں زوجین کے اقرار کو قبول کرنے کی شرط یہ ہے کہ (جس بات کا وہ اقرار کرتے ہیں اس کا) اقرار کرنا ممکن ہو۔ لہٰذا اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ دودھ کے رشتے سے میری بیٹی ہے اور وہ عورت عمر میں اس سے بڑی ہے تو اس شخص کا یہ کہنا غلط بیانی ہوگا جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ وہ مسائل ہے جن کا تعلق اقرار سے ہے۔

رہی شہادت سو وہ مردوں اور عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کا ثبوت دو مردوں اور ایک مرد اور دو عورتوں یا چار عورتوں کی شہادت سے بھی ہوتا ہے گو ان میں کوئی مرد نہ ہو۔ لیکن اقرار (کی گواہی) سے رضاعت ثابت نہ ہوگی جب تک کہ دو مردوں کی گواہی نہ ہو۔ مثلاً اگر زوجین میں سے کسی نے دو مردوں کے سامنے رضاعت کا اقرار کیا اور ان دونوں مردوں نے ان کے اس اقرار کی شہادت دی تو ان کی گواہی مان لی جائے گی لیکن اقرار رضاعت کے بارے میں عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ دودھ پلانے کی بابت زیادہ تر علم عورتوں ہی کو ہو سکتا ہے بخلاف اقرار (کی شہادت) کے اور خود دودھ پلانے والی کی شہادت بھی قبول کر لی جائے گی بشرطیکہ وہ دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ نہ کرے کیوں کہ اس صورت میں اس پر (خود غرضی کا) کوئی الزام عائد نہیں ہوتا اور رضاعت کی گواہی درست نہ ہوگی جب تک کہ یہ شرائط نہ پائی جائیں:

ایک شرط تو یہ ہے کہ رضاعت کا وقت بتائے اور کہے کہ اس نے فلاں وقت دودھ پیا تھا۔ اگر وقت نہیں بتایا گیا تو گواہی بیکار ہوگی کیوں کہ ممکن ہے کہ اس کو دو سال کی عمر کے بعد دودھ پلایا ہو یا دودھ پلانے والی نو سال سے کم عمر کی ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ بتائے کہ اس نے کتنی بار دودھ پلایا؟

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ درمیانی فاصلے بیان کرے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ یہ بھی بتائے کہ وہ دودھ فی الواقع بچے کے پیٹ میں پہنچا بایں طور کہ اس نے دیکھا کہ دودھ چھاتیوں سے اترا اور بچے کو دیکھا کہ وہ اس کے گھونٹ لے رہا ہے یا چوس رہا ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ شہادت دینے سے پہلے یہ معلوم کرلے کہ وہ عورت ذات لبن (شیر دار) ہے۔ بصورت دیگر اسے شہادت کا دینا حلال نہیں ہے۔ لیکن اگر اقرار کی شہادت ہو (یعنی اس بات کی گواہی کہ اس نے رضاعت کا اقرار کیا ہے) تو اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ رضاعت کا ثبوت اقرار سے بھی ہوتا ہے اور گواہوں کی شہادت سے بھی۔ اب اقرار یا تو (میاں بیوی) دونوں کی طرف سے ہوگا یا دونوں میں سے ایک کی طرف سے۔ اگر دونوں کو اقرار ہو کہ ان میں سے ایک رضاعت کا اقرار کرے اور دوسرا اس کی تصدیق کردے (تو گویا دونوں نے تسلیم کرلیا) اور یہ اقرار مباشرت سے پہلے ہو تو کوئی مہر واجب الادا نہ ہوگا۔ کیوں کہ دونوں کو اس امر پر اتفاق ہے کہ ان کا نکاح سرے سے باطل تھا۔

اگر خاوند اس کا اقرار کرے اور عورت انکار کرے تو خاوند کے اقرار پر عمل کیا جائے گا اور نکاح فسخ ہو جائے گا۔ پھر

Marfat.com

اگر یہ فسخ نکاح مباشرت سے پہلے ہوا ہے تو بیوی نصف مہر کی حق دار ہوگی کیوں کہ یہ اسکا حق ہے جو خاوند کے اقرار سے ضائع نہ ہوگا۔ اور اگر مباشرت سے پہلے نکاح فسخ ہو جائے درآنحالیکہ عورت نے خاوند کے اقرار کو تسلیم نہیں کیا تو وہ پورے مہر کی مستحق ہوگی۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس نے تصدیق کر دی ہو لیکن خاوند کو اپنے نفس پر اختیار نہ دیا ہو۔ لیکن اگر تصدیق کی اور خاوند کو بخوشی خاطر اپنے نفس پر اختیار دیا اور مباشرت ہوگئی تو اب کسی مہر کی مستحق نہ ہوگی۔ کیوں کہ اس نے رضاعت کی تصدیق کے بعد خاوند کو اپنے نفس پر اختیار دے کر اپنا حق کھو دیا۔

اگر بیوی نے رضاعت کا اقرار کیا اور خاوند نے انکار کیا مثلاً بیوی نے خاوند سے کہا کہ تو میرا دودھ شریک بھائی ہے اور خاوند نے اس کو جھٹلایا تو محض بیوی کے کہنے سے عقد فسخ نہ ہوگا' کیوں کہ نکاح توڑنے کا حق خاوند کو ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔ لہٰذا اس بارے میں بیوی کی بات کو اس کے خلاف تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ تاہم یہ معاملہ ان کے اور اللہ کے درمیان ہے۔ اگر بیوی نے سچ کہا تو وہ اس پر حرام ہوگی بصورت دیگر وہ باطن میں بھی اس کی بیوی ہے تاہم اگر کسی کی بیوی نے ایسی بات کہی ہے تو خاوند کو چاہئے کہ جو کچھ اس نے کہا ہے اس کی بابت وہ چھان بین کر لے۔

واضح ہو کہ رضاعت کا اقرار کرنے کے بعد اس سے پھر جانے کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ اگر دونوں میں سے کسی نے کہا کہ میں نے وہ بات غلطی سے کہہ دی تھی تو اس پر کان نہ دھرا جائے گا۔

اس بات میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ رضاعت کا دعویٰ (ایسا ہو جو) ممکن ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو دودھ کے رشتے سے میری بیٹی ہے اور وہ عورت عمر میں اس سے بڑی ہے تو یہ بات نہیں مانی جائے گی۔

اب رہا شہادت کا معاملہ سو رضاعت کا ثبوت ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے' وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا کہ رضاعت کے بارے میں کس کی گواہی جائز ہے تو ارشاد ہوا "رجل و امراۃ" بروایت احمد یعنی ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی بھی قبول کر لی جائے گی بشرطیکہ وہ نیک خصلت اور معتبر ہو۔ اور گواہ کو قسم کھانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ چشم دید گواہ کا ضروری ہونا ہے کیوں کہ اس گواہی کا تعلق بعض مخفی اعضاء سے ہے لہٰذا ان میں مردوں کے بغیر صرف عورتوں کی گواہی کافی ہے۔ جیسے کے پیدائش کے بارے میں ہوتا ہے۔

Marfat.com

طلاق کا بیان

طلاق کی تعریف

طلاق کے معنی لغت میں قید (بندش) کو کھول دینے کے ہیں۔ خواہ یہ بندش محسوس ہو جیسے گھوڑے کی بندش یا غیر محسوس جیسے نکاح کی بندش پس یہ (نکاح) وہ بندھن ہے جو خاوند اور بیوی کے درمیان ہوتا ہے۔ چنانچہ لغت کی رو سے عربی میں کہا جاتا ہے کہ "طلق الناقة طلاقاً" (یعنی اونٹنی کو چھوڑ دیا گیا) جب کہ اس کی بندش کو کھول دیا جائے اور اسے چھوڑ دیا جائے۔ اسی طرح جب عورت سے علیحدگی ہو جائے تو کہتے ہیں "اطلقها اطلاقاً" اور "طلقت المراة" بتخفیف لام پیش اور زبر کے ساتھ۔ (یعنی عورت کو چھوڑ دیا)۔ غرض لفظ طلاق مادہ طلق بفتح لام و بضم لام غیر مشدد کا مصدر ہے جیسے لفظ 'فساد' (جو طلاق کا ہم وزن ہے) لیکن لفظ تطلیق' طلق یہ بتشدید لام کا مصدر ہے جیسے سلم کا مصدر تسلیم اور کلم کا تکلیم ہے۔ اور لفظ تطلیق بھی بندش ہٹانے کے معنوں میں لفظ طلاق کی طرح استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں "طلق الرجل امرته طلاقاً" بتشدید لام (یعنی اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی)۔ یہاں پر لفظ طلاق اسم مصدر ہے جو تطلیق کے معنے میں ہے۔

معلوم ہو کہ اس سے واضح ہوا کہ لغت میں طلاق یا تطلیق عقد نکاح کے توڑ دینے کے بارے میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح جیسے اس لفظ کو محسوس بندش کو کھول دینے کے استعمال کرتے ہیں طلاق کا لفظ ایام جاہلیت (قبل از اسلام) میں میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ پھر جب شریعت اسلامیہ آئی تو یہ لفظ فقہا کی بعض عبارتوں میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ جو بعض احکام میں تفاوت ہونے کے باعث پیدا ہوتا ہے' اس مخصوص معنی میں استعمال ہونے لگا۔ لہٰذا اصطلاع میں اس کا مطلب نکاح کا زائل ہو جانا یا خاص الفاظ کے ساتھ عقد کے حل ہونے میں نقصان کا لاحق ہوتا ہے۔ نکاح زائل ہونیکا مطلب یہ ہے کہ عقد نکاح جاتا رہے کہ آئندہ کے لئے بیوی اس پر حرام ہو جائے۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ بیوی کو تین طلاقیں دے دی جائیں۔ اور عقد کے حل میں نقصان کا مطلب وہ طلاق ہے جس سے عقد ٹوٹنے میں کمی رہ جائے۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ طلاق رجعی (یعنی طلاق قابل رجوع) دی جائے گویا (یہ ایسی طلاق ہے جس سے) عقد نکاح کے حل ہونے میں نقص رہ گیا۔ یعنی پہلے بیوی مکمل طور پر خاوند کو حلال تھی اور خاوند تین طلاقوں کا مالک تھا۔ (طلاق رجعی کے بعد یہ صورت ہوگئی کہ اب دو طلاقوں

Marfat.com

کے بعد وہ حلال نہ رہے گی اور خاوند (جو پہلے تین طلاقوں کا مالک تھا) اب محض دو طلاقوں کا مالک رہے گا۔
بعض اصحاب نے طلاقوں کی تعریف کے بارے میں جو یہ کہا ہے کہ طلاق نام ہے نکاح کے بندھن کو پورے طور پر توڑ دینے یا کسی قدر توڑ دینے کا اس سے غرض ان کی یہ ہے کہ طلاق رجعی نکاح کے کچھ بندھن توڑ دیتا ہے۔ یعنی پورے طور پر نکاح کا بندھن تین طلاقوں سے ٹوٹتا ہے اور کسی قدر بندھن ایک طلاق (یعنی طلاق رجعی) سے ٹوٹتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ طلاق رجعی عقد نکاح کو نہیں توڑتا[1] بلکہ طلاق کی تعداد کو کم کر دیتا ہے۔ جس سے عقد نکاح حل کرنے میں نقص رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ چنانچہ طلاق رجعی دینے والے کو روا ہے کہ وہ عدت کے دوران اپنی بیوی سے رجوع کرے ان ایام (عدت) میں اسکا مباشرت کر لینا رجعت متصور ہوگا۔ اسی طرح اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ مباشرت کے ساتھ رجوع کی نیت بھی کی جائے[2] بنابریں ضروری تھا کہ طلاق کی تعریف میں یہ قید بڑھائی جاتی تا کہ طلاق رجعی بھی اس کی تعریف میں آ جائے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ طلاق رجعی بھی بند نکاح کو طلاق بائن کی طرح دور کر دیتا ہے لہٰذا طلاق دینے والے کو مباشرت کرنے یا بیوی سے بہرہ اندوز ہونے کا حق اس سے پہلے نہیں ہوتا کہ وہ صراحۃً یا کنایۃً رجوع کے الفاظ کہے۔ صراحۃً کہنا یہ ہے کہ وہ بیوی سے کہے کہ میں نے تم کو پھر اپنا بنا لیا یا اپنی بات سے رجوع کرتا ہوں یا پھر تمہاری طرف لوٹتا ہوں وغیرہ اور کنایۃً کہنا یہ ہے کہ میں نے تم کو زوجیت میں لے لیا یا نکاح کر لیا وغیرہ۔ یہ الفاظ عقد نکاح کے بارے میں تو صراحت ہیں لیکن رجوع کے لئے کنایہ ہیں اور سنت یہ ہے کہ گواہوں کے سامنے رجوع کیا جائے اگر کوئی شخص رجوع کرنے سے پہلے بیوی سے بہرہ اندوز ہو اور یہ جانتا ہو کہ ایسا کرنا حرام ہے تو وہ تعزیر (یعنی سزا) کا مستحق ہے۔ سوا اس کے کہ کوئی اہل کتاب ایسا کرے اور اس کے مذہب میں یہ روا ہو کہ مباشرت کرنے یا بیوی سے متمتع ہونے کو رجوع کرنا خیال کرنا جائز ہے اور یہ گویا رجوع کا اقرار کرنا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شافعیہ نے طلاق کی تعریف اس طرح کی ہے کہ عقد نکاح کو لفظ طلاق وغیرہ سے توڑا جاتا ہے۔ پھر اگر نکاح سے مراد عقد ہے تو عقد نکاح میں اضافت بیانیہ مانی جائے گی (اضافت بیانیہ وہ ہوتی ہے جس میں مضاف الیہ جنس مضاف میں ہوتا ہے جیسے سرو کا درخت کہ اس میں سرو جو مضاف الیہ ہے وہ درخت مضاف کی جنس میں سے ہے) پس حل عقد کے معنی ہوں گے حل نکاح۔ دوسرے لفظوں میں اسے نکاح کو ختم کرنا کہیں گے اگر نکاح سے مراد مباشرت ہو تو یہ اضافت حقیقی ہوگی اور اس کے معنی اس عقد کو توڑنے کے ہیں جس سے مباشرت حلال ہو جاتی ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر (طلاق رجعی دینے والے نے) اپنی بیوی سے مباشرت کی اور رجوع کی نیت نہ کی تو وہ رجوع نہ ہوگا۔ پس مباشرت رجوع نہ ہوگا تا آنکہ رجوع کی نیت نہ ہو۔ ہاں اگر رجعت کی نیت سے مباشرت کی تو وہ رجعت ہو جائے گی۔ بنابریں طلاق رجعی سے عقد نہیں ٹوٹتا۔ کیوں کہ اگر اس سے عقد جاتا رہتا تو پھر خاوند کا مباشرت

Marfat.com

طلاق کے ارکان (اجزائے لازمی) کا بیان

طلاق کے چار رکن ہیں (۱) ان میں سے ایک خاوند ہے۔ لہٰذا اجنبی شخص جو عقد نکاح کا مالک نہیں ہے اس کے طلاق دینے سے طلاق نہیں ہوتی۔ کیوں کہ یہ بات بتائی گئی ہے کہ 'طلاق' نکاح کے بندھن کو ہٹا دینے کا نام ہے۔ لہٰذا حقیقی معنوں میں طلاق نہیں ہوسکتی جب تک کہ پہلے نکاح کا بندھن ثابت نہ ہو جائے۔ پس اگر کسی نے طلاق کو کسی اجنبی عورت کے ساتھ شادی پر معلق (یا مشروط) کیا مثلاً یوں کہا کہ اگر تم نے زینب سے شادی کی تو اسے طلاق ہے۔ اب اگر اس شخص نے زینب سے شادی کر لی تو اسے طلاق نہ ہوگی (۱) کیوں کہ

کرنا حلال نہ ہوتا۔ اسی وجہ سے مالکیہ طلاق کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ وہ خاوند کی اس صفت حکمیہ کا (یعنی ایسی بات جس پر احکام شرعیہ کا نفاذ ہوتا ہے) کا نام ہے جس سے خاوند کا اپنی بیوی سے بہرہ یاب ہونا جو حلال ہے وہ ختم ہو جاتا ہے بایں طور کہ اگر اس صفت کی دوبار تکرار کی جائے تو وہ عورت حرام ہو جائے گی۔ تاوقتیکہ وہ کسی اور سے شادی نہ کرے۔ یہ تعریف حنفیہ اور حنابلہ کی تعریف مذکورہ صفحات سابقہ کے منافی نہیں ہے۔ پس مالکیہ اور ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں رہتا بجز رجوع کرنے کے مسئلہ کے' کہ مالکیہ کے نزدیک محض مباشرت سے 'بغیر نیت کے' رجوع نہیں ہوتا۔ بخلاف حنفیہ اور حنابلہ کے کہ ان کے نزدیک (مباشرت کر لینے سے رجوع کی نیت کئے بغیر) رجوع ہو جاتا ہے۔ رہا طلاق رجعی سو اس سے عقد نکاح نہیں ٹوٹتا' اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور مالکیہ کی تعریف میں صفت حکمیہ جو آیا ہے اس میں صفت سے مراد وہ بات ہے جس کا تعلق صرف اسی شخص سے ہو اور یہی تطلیق (طلاق دینے والے) کا مفہوم ہے۔ کیوں کہ یہ فاعل کی ذات کے ساتھ وابستہ اور اسکی ایک صفت ہے اور لفظ حکمیہ کے معنی غیر وجودی کے ہیں یعنی اس کا کوئی وجود فی الخارج نہیں بلکہ اس کا وجود اعتباری (یا مانا ہوا) ہے۔ چنانچہ تطلیق (طلاق دینا) یعنی نکاح کے بندھن' کو توڑنا ایسی بات ہے جس کا تعلق معنی (یا مفہوم) سے ہے۔ جس کے لئے ایک لفظ کی ضرورت پڑتی ہے جو اس مفہوم پر دلالت کرے۔ اسی لئے حنفیہ اور حنابلہ نے (تعریف میں) لفظ مخصوص کا اضافہ کر دیا ہے۔ اور بلاشبہ مالکیہ کو اس سے اختلاف نہیں ہے۔ رہا مالکیہ کا یہ کہنا کہ اگر اس لفظ کی دوبار تکرار کی جائے تو بیوی خاوند پر حرام ہو جائے گی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بیوی اس وقت تک حلال رہتی ہے۔ جب تک کہ تین طلاقیں نہ دی جائیں۔ اس لئے کہ لفظ تکرار کے معنی یہ ہیں کہ ایک بار وہ طلاق ہو چکی ہو۔ چنانچہ اس کی صراحت دوبار (تکرار کے) کہنے سے کر دی گئی۔ اور یہ قید (تعریف میں) جو لگائی گئی ہے وہ ایسی ہی ہے جیسی حنفیہ اور حنابلہ نے نقصان حل کی قید لگائی ہے۔ ان دونوں قیدوں کی غرض یہ ہے کہ طلاق رجعی (تعریف میں) داخل ہو جائے لہٰذا طلاق رجعی سے عقد نکاح کا ختم ہونا وارد نہیں ہوتا۔

۱۔ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ طلاق کا صرف ایک رکن ہے یعنی وہ بات جو طلاق دینے والے کے ساتھ وابستہ ہے یعنی تطلیق (طلاق کا دینا) اور چونکہ طلاق دینے کا ثبوت بغیر اس عبارت کے نہیں ہوسکتا جو طلاق دینے پر دلالت کرتی ہو وہ عبارت اس مدعا کے لئے صریح ہو یا کنایۃً ادا کی گئی ہو۔ رہیں وہ چار باتیں جن کو طلاق کے ارکان میں شمار کیا گیا ہے وہ قول قوی نہیں ہے کیوں کہ میاں بیوی محسوس اجسام ہیں اور طلاق ایک معنوی وصف کا نام ہے لہٰذا انہیں طلاق کے

Marfat.com

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''لا نذر لا بن آدم فیما لا یملک ولا عتق فیما لا یملک ولا طلاق فیما لا یملک'' ابوداؤد و ترمذی (یعنی ابن آدم 'انسان' اس شے کی منت نہیں مان سکتا جس کا وہ مالک نہ ہو اور ایسے شخص کو آزاد نہیں کر سکتا جس کا مالک نہ ہو اور ایسی عورت کو طلاق نہیں دے سکتا جس کا مالک نہ ہو) احمد' ابوداؤد اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن بتایا ہے۔

اجزائے لازمہ میں محسوب کرنا بے معنی ہے اور صیغہ (یا عبارت) بھی طلاق دینے والے کا ایک وصف ہے اسے مجبوراً ارکان میں شمار کیا جائے گا کیوں کہ وہ طلاق کی ماہیت پر دلالت کرتا ہے ورنہ اصل میں طلاق وہ بات ہے جو طلاق دینے والے کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ ایک وصف حکمی ہے جو ایسی عبارت سے سمجھ میں آ سکتا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہو' اور یوں کہنا کہ ''وہ لفظ طلاق کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے وہ طلاق کا رکن ہے'' محض سہل انگاری ہے تاہم اس سے بھی مقصد یہی ہے کہ وہ ایک کیفیت ہے جو کسی شخص کو لاحق ہوتی ہے لیکن طلاق کی حقیقت سے باہر ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ وہ چاروں چیزیں طلاق کی ماہیت سے خارج ہیں لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ انہیں ارکان طلاق سے تعبیر کیا جائے کیوں کہ کسی شے کا رکن وہ ہے جو اس شے کی ماہیت میں داخل ہو۔

اس بات کا جواب یہ دیا گیا ہے یہاں پر رکن سے مراد وسیع تر معنوں میں وہ شے ہے جس پر کسی شے کی ماہیت کا انحصار ہو نہ یہ کہ اس کی حقیقت میں داخل ہو۔ پھر یہی امر بعض اصحاب کے نزدیک اس کی معروف حقیقت میں داخل ہو' چنانچہ وہ اصحاب صیغہ طلاق کو طلاق کا جز لازم قرار دیتے ہیں باوجود اس کے کہ لفظ طلاق کی ماہیت سے خارج ہے۔

ا۔ مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے طلاق کو نکاح پر معلق (یا مشروط) رکھا تو اس کو طلاق تسلیم کیا جائے گا۔ چنانچہ اگر نکاح کیا تو طلاق ہو جائے گی۔ یعنی یوں کہا کہ اگر میں نے نبیل کی بیٹی فاطمہ سے شادی کی تو اس پر طلاق ہے تو (فاطمہ سے) عقد ہوتے ہی طلاق ہو جائے گی۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کوئی شخص یوں کہے کہ جب کبھی میں کسی عورت سے شادی کروں تو عورت پر طلاق ہے (تو عقد ہونے کے ساتھ ہی طلاق ہو جائے گی) فقہاء کا کہنا ہے کہ حدیث مذکورہ (متن) میں اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیوں کہ (حدیث میں) طلاق کو اندام نہانی کا مالک ہونے پر معلق رکھا گیا ہے۔ پس جب کبھی یہ ملکیت ثابت ہوگی طلاق واقع ہو جائے گی اور جب تک اس کی ملکیت حاصل نہ ہو' شرط ملکیت کی صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ چنانچہ حدیث ہے ''لا طلاق الا بعد نکاح'' (یعنی نکاح کے بعد ہی طلاق ہو سکتی ہے) ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک پہلے عقد نہ ہو طلاق نہیں پڑ سکتی اور فقہاء کا کہنا یہی ہے۔ کیوں کہ ان کے نزدیک مشروط (بعقد) طلاق عقد کے بعد ہی ہو سکتی ہے اور کہا گیا ہے کہ مالکیہ اور حنفیہ نے یہ قرار دیا ہے کہ غیر مشروط حالت میں اجنبی عورت کو طلاق دینا لغو ہے۔ اس طلاق کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کیوں کہ خاوند طلاق کا وکیل نہیں بن سکتا اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ عقد سے پہلے خاوند جو کچھ کہے لغو ہے جس کے کچھ معنے نہیں خواہ مشروط ہو نا ہو یا نہ ہو لہٰذا یہ کہنا اگر میں نے تجھ سے شادی کی تو تجھے طلاق ہے یا تو طلاق یافتہ ہے۔ لغو عبارت ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

Marfat.com

دوسرا رکن بیوی ہے' لہٰذا اجنبی عورت کو طلاق نہیں دی جا سکتی جیسا کہ بتایا گیا۔ یہی حال اس لونڈی کا ہے جس کے ساتھ مباشرت کی جائے۔ اگر اپنی لونڈی کو طلاق دی تو وہ طلاق نہ ہوگی کیوں کہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے اگر کسی نے شادی ہونے سے پہلے یہ کہا کہ فلاں کی بیٹی ہندہ کو طلاق ہے اور اس کے بعد اس سے شادی کی تو وہ طلاق جو اس نے نکاح سے پہلے دی تھی لغو ہے اور وہ شخص حسب قاعدہ تین طلاقوں کا مالک رہے گا۔ اور وہ عورت جسے طلاق بائن ملی ہوئی ہے (یعنی وہ طلاق جس سے نکاح جاتا رہتا ہے) اور اس سے دوبارہ ہنوز نکاح نہیں کیا تو وہ بھی اجنبی عورت کی مانند ہے۔ لہٰذا اب اگر اسے دوسری طلاق دے دی تو اس طلاق کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کیوں کہ اب وہ اس کی بیوی نہیں ہے لیکن وہ عورت جسے اس نے طلاق رجعی دی اور ہنوز وہ عدت میں تھی کہ دوسری طلاق دے دی تو یہ پہلی طلاق میں اضافہ ہوگا کیوں کہ طلاق رجعی اسے زوجیت سے خارج نہیں کرتی (لہٰذا وہ اب بھی طلاق دے سکتا ہے)۔

تیسرا رکن صیغۂ طلاق (طلاق کے الفاظ) ہیں۔ اس سے مراد وہ عبارت ہے جو عقد نکاح کو توڑنے پر دلالت کرتی ہو خواہ وہ عبارت صریح ہو یا کنایۃً ادا کی گئی ہو۔

چوتھا رکن ارادہ (یا نیت) ہے یعنی اس لفظ کے استعمال کرنے کا مقصد طلاق دینا ہو۔ چنانچہ اگر یہ ارادہ ہو کہ اپنی بیوی کو اس کے نام طاہرہ سے پکارے اور غلطی سے (بجائے اے طاہرہ کے) اے طالقہ (یعنی اے طلاق یافتہ) نکل گیا تو شرعاً اسے طلاق تصور نہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ شرائط کے بیان میں بتایا جائے گا۔

طلاق کی شرطوں کا بیان

جبری طلاق' مذاق میں طلاق' غلطی کی طلاق اور غصہ کی طلاق۔

طلاق (کے صحیح ہونے) کی چند شرطیں ہیں بعض کا تعلق طلاق دینے والے خاوند سے ہے بعض کا تعلق بیوی اور بعض کا تعلق الفاظ طلاق سے:

طلاق دینے والے سے متعلق چند شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ اسکی عقل برجا ہو' لہٰذا جنون زدہ کا طلاق دینا درست نہیں ہے۔ اگر اسکا جنون دورہ کی شکل میں لاحق ہوتا ہے کہ کبھی ہو گیا اور کبھی جاتا رہا۔ ایسے شخص نے اگر حالت جنون میں طلاق دی تو اس طلاق کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ افاقہ ہونے کے بعد اس کا شمار اس کے دیئے ہوئے طلاق میں نہ ہوگا۔

Marfat.com

جنون (یا پاگل پن) سے مراد یہ ہے کہ اس شخص کی عقل اس مرض کی وجہ سے جاتی رہے اور وہ حواس باختہ ہو جائے۔ اور 'محموم' وہ ہے جس کی عقل بخار میں جاتی رہے اور وہ بہکنے لگے۔ اور یا وہ شخص جس کی عقل شدید دردِ سر یا بیزار کر دینے والے مرض کے باعث جاتی رہے۔ لیکن ایسا شخص جس نے شراب' بھنگ افیم اور کوکین وغیرہ نشہ آور اشیاء کھا رکھی ہیں جس سے عقل زائل تو نہیں ہوتی لیکن عقل پر پردہ پڑ جاتا اور چھپ جاتی ہے ایسے شخص نے اگر محض نشہ لانے اور لذت اندوزی کے لئے ایسی چیزوں کا استعمال کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس سے عقل جاتی رہتی ہے اور اس کے نشہ میں فی الواقع اس کی عقل جاتی رہی اور اسی حالت میں اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو وہ طلاق پڑ جائے گی۔ لیکن اگر ایسی کوئی شے اس خیال سے استعمال کی کہ اس سے نشہ نہ ہوگا یا کسی مرض کو دور کرنے کے لئے اسے استعمال کیا اور عقل زائل ہوگئی اور اسی حال میں اس نے طلاق دے دی تو یہ طلاق نہیں پڑے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ نشہ آور ایسی ہر وہ شے جس کے استعمال سے انسان گنہگار ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے استعمال میں کھو گیا اور اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اسے پتہ بھی نہ چلا (کہ اس نے کیا کیا؟) تو یہ طلاق اس کی اور اس جیسے دوسرے اشخاص کی جو احکام دین کی بے حرمتی کرتے ہیں واقع ہو جائے گی البتہ وہ ایسی اشیاء کے استعمال میں گنہگار نہیں ہے تو اس بارے میں اس سے باز پرس نہ ہوگی کیوں کہ وہ معذور ہے۔

طلاق واقع ہونے کے بارے میں اس امر سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ایک شخص نشہ میں حد سے گزر جائے اور اس کا نشہ ایسا ہو کہ وہ بالکل جنون زدہ (پاگل) ہو جائے[1] اور آسمان و زمین یا مرد و عورت میں تمیز نہ کر سکے۔ یا ایسا نہ ہو بہرحال اس کی دی ہوئی طلاق پڑ جائے گی۔ خواہ نشہ کے آغاز میں طلاق دی ہو یا جب نشہ اپنے انتہائی عروج پر ہو اس وقت دی ہو۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے نزدیک نشہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک ایسی بے خودی ہے جو عقل کو زائل کر دیتی ہے۔ اور وہ آسمان و زمین میں فرق نہ کر سکے اس کے معنے یہ ہیں کہ ایسا شخص جس کا نشہ ایسا ہو جو دیوانگی کے مشابہ ہو تب بھی اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس کا نشہ اس حد تک نہ پہنچا ہو تو بدرجہ اولیٰ اس کی طلاق پڑ جائے گی۔ لیکن صاحبینؒ کہتے ہیں کہ نشہ ایک ایسی بے خودی ہے جو عقل کو دبا دے اور مخمور آدمی بہکنے لگے بایں طور کہ اس کا بیشتر کلام بکواس ہو اگر اس کی آدھی بات نامعقول اور آدھی سنجیدہ ہو تو اسے نشہ میں تصور نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے ساتھ بہرحال اس شخص کا سا معاملہ کیا جائے گا جس کا نشہ اترا ہوا ہو۔ تاہم اگر کوئی اس حد سے بڑھ جائے کہ اس کی عقل میں فتور ہو جائے اور آسمان و زمین (یا نشیب و فراز) میں فرق نہ کر سکے اور نہ مرد و عورت میں امتیاز کر سکے تو اس کی طلاق بھی واقع

Marfat.com

ہو جائے گی۔ بناء بریں جہاں تک وقوع طلاق کا تعلق ہے نشہ کی تعریف میں اس اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ دونوں کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔

پہلی رائے کی رو سے اول فول بکنے والے کے کلام کو وقوع طلاق کے بارے میں بلانزاع کے ایسا شخص تصور کیا گیا ہے جو نشہ میں نہ ہو۔

دوسری رائے کے مطابق بموجب قول صاحبینؒ اگر نشہ حد کو پہنچ گیا ہے تو تنبیہاً طلاق ہو جائے گی۔ البتہ اس اختلاف کا فرق مخمور شخص پر حد کے نفاذ کے بارے میں ظاہر ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مخمور انسان اس حالت میں حد کا مستوجب ہے جبکہ آسمان و زمین میں فرق نہ کر سکے اور مرد و زن میں تمیز نہ کرے اور زیادہ سے زیادہ نشہ کی کیفیت یہی ہوتی ہے۔ اگر نشہ اس سے کم ہو تو یہی کمی اس شخص کے مخمور ہونے میں شبہ کا موجب اور حد سے بچنے کا بہانہ ہو سکتی ہے۔ اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ جب مخمور انسان اول فول بکنے لگے تو وہ حد کا مستوجب ہو جاتا ہے۔ تاہم بعض محققین حنفیہ کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ اس بارے میں صاحبینؒ سے متفق ہیں کہ جب انسان نشہ کی حالت میں بکواس کرنے لگے اور اسی حالت میں طلاق دے دے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس بارے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں بلکہ اختلاف شراب پینے کی 'حد' نافذ کرنے کے بارے میں ہے: امام صاحبؒ کے نزدیک جب تک نشہ حد کو نہ پہنچے مخمور انسان حد (سزائے شرعی) کا مستحق نہیں ہے لیکن صاحبینؒ کے نزدیک ایسا نہیں ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نشہ کے دوسرے معنی ہی ہر معاملہ میں معتبر ہیں۔ خواہ قسم کا معاملہ ہو یا پاکی کا یا حد (شرعی سزا) کا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اس کی دلیل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد ہے "من سکر ھذی و من ھذی فقد افتریٰ و من افتریٰ استحق جلد ثمانین" (یعنی جس نے نشہ کا استعمال کیا وہ بکنے لگا اور جو بکنے لگا اس نے دروغ بافی کی اور جو دروغ بافی کرے وہ اسی کوڑوں کا سزاوار ہے) غرض امام صاحبؒ نے بکواس کرنے لگنا ایسے نشہ کا نتیجہ قرار فرمایا ہے جس پر حد واجب ہو جاتی ہے اور بکواس کو افتراء (دروغ بافی) یا تہمت تراشی فرمایا ہے جس پر اسی کوڑوں کی حد واجب ہوتی ہے۔ پس نشہ کی تین قسمیں ہوئیں۔

پہلی قسم کا نشہ وہ ہے جو کسی جائز چیز کے استعمال سے' بالعموم کوئی نشہ نہیں ہوتا' پیدا ہو جیسے گاڑھا دودھ یا گنے کا رس یا میوہ جس کا خمیر نہ ہوا ہو' پس اگر ان اشیاء میں سے کسی شے کا استعمال زیادہ مقدار میں کر لیا جس کا اثر اس کے مزاج پر ہوا اور نشہ ہو گیا یا خمیر اٹھنے کے بعد ایسے کوئی چیز کھائی لیکن یہ خبر نہ تھی کہ اس کا یہ اثر ہوگا۔ اور اس سے نشہ ہو گیا اور نشہ کی حالت میں طلاق دے دی تو بالاتفاق وہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

دوسری قسم کا نشہ وہ ہے جو ایسی شے کے کھانے سے پیدا ہو کہ بہت مقدار میں کھائی جائے یا تھوڑی نشہ لاتی ہے۔ مثلاً بنج' شہد اور میووں کا شیرہ۔ اس بارے میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ایسی چیز کھائی اور اس سے نشہ ہو گیا اور اسی حالت میں طلاق دے دی تو وہ طلاق نہ ہوگی' امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ طلاق واقع ہو جائے گی اس کتاب کی جلد دوم میں حلال مشروبات کے ذکر میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ اس بارے میں امام محمدؒ کا قول درست ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ پس درآنحالیکہ اس کا پینا حلال نہیں ہے اگر کسی نے اسے پیا اور نشہ میں آ کر طلاق دے دی تو طلاق ہو جائے گی۔

Marfat.com

دوسری شرط یہ ہے کہ طلاق دینے والا بالغ ہو۔ چھوٹی عمر کا بچہ جو طلاق دے اگر بالغ نہیں ہے تو طلاق نہیں پڑے گی۔ اگر چہ قریب البلوغ ہو اور صاحب تمیز ہو[1] اور صغرسنی میں جو طلاق اس نے دی ہے بڑا ہونے کے بعد وہ اس کے حساب میں شمار نہ ہوگی۔

تیسری قسم کا نشہ وہ ہے جو شراب کے پینے سے پیدا ہوتا ہے جس کا پینا متفقہ طور پر حرام ہے۔ یہ انگور، کشمش اور کھجور وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے اس کی تفصیل جلد دوم میں آ چکی ہے۔ پس جس نے شراب پی اور (مست ہو کر) طلاق دے دی تو وہ طلاق ہو جائے گی۔

بھنگ اور افیم بھی شراب کے زمرہ میں داخل ہے۔ اگر بے ہودگی یا نشہ کے لئے استعمال کیا گیا اور عقل باختہ ہو کر طلاق دے دی تو وہ طلاق ہو جائے گی۔ لیکن اگر اس میں سے کوئی شے بطور دوا کے استعمال کی اور نشہ ہو گیا تو اس کی دی ہوئی طلاق نہ ہوگی۔ اسی میں چرس وغیرہ نشہ آور اشیاء جیسے کوکین وغیرہ داخل ہیں، پس اگر کسی طبیب نے بطور دوا کے اس کے استعمال کی تجویز دی تو مباح شے کے استعمال کرنے کے برابر ہے بصورت دیگر قطعی طور پر حرام ہے۔

اگر کسی شخص نے شراب یا بھنگ یا شیرے کا استعمال کیا اور اس سے درد سر پیدا ہوا تو دیکھنا چاہئے کہ اگر وہ شراب جو اس نے پی وہ تیز قسم کی تھی جس سے نشہ ہو جاتا ہے اور اس سے عقل پر پردہ پڑ جاتا اور پینے والا بکواس کرنے لگتا ہے تو اس کے طلاق دینے سے طلاق ہو جائے گی۔ کیوں کہ جس مقدار میں اس نے اس کا استعمال کیا ہے اتنا ہی عقل باختہ ہونے کے لئے کافی ہے۔ لیکن اگر صرف اس قدر پی کہ عقل جاتی نہیں رہی تو اس (حال میں طلاق دینے) سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیوں کہ طلاق شراب کی وجہ سے عقل جاتی رہنے کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ صداع (دماغی خلل) کی وجہ سے عقل جاتی رہے (اور تب طلاق دی جائے) تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اور صداع (یا خلل دماغ) ایک ذہنی مرض ہے۔ جس میں عقل جاتی رہتی ہے۔ اگر محض صداع سے عقل جاتی رہے تو طلاق واقع نہ ہوگی اگر چہ اس کا سبب کسی حرام شے کا استعمال ہو۔ چنانچہ دیکھو کہ اگر کوئی شخص بھنگ پی لے اور بالکل پاگل ہو جائے تب بھی اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ وہ نشہ جس میں طلاق دینے سے طلاق پڑ جاتی ہے وہ ہے جس میں انسان مخبوط الحواس ہو جائے اور بکواس کرنے لگے۔ جیسا کہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک صحیح بات یہی ہے۔ پس جس شخص کا نشہ اس حد کو پہنچ جائے اور وہ طلاق دے تو وہ طلاق واقع ہو جائے گی لیکن وہ نشہ جس میں انسان زمین و آسمان میں فرق اور مرد و زن میں امتیاز نہ کر سکے بایں طور کہ وہ ایک پاگل کی مانند ہو جائے تو اس کے طلاق دینے سے طلاق نہ ہوگی۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

مخمور شخص کے طلاق واقع ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس نے ایسی شے کا استعمال کیا ہو جس کی بابت وہ جانتا ہو کہ اس کے استعمال سے عقل جاتی رہتی ہے یا عقل کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہو۔ ایسی حالت میں اس شے کا پینا اس کے لئے حرام ہے۔ خواہ وہ شراب ہو یا گاڑھا دودھ وغیرہ۔ لیکن اگر یہ یقین ہو یا گمان غالب ہو کہ اس کے استعمال میں نشہ نہ ہوگا اور اسی غلط فہمی میں اس کا استعمال کیا اور اس سے نشہ ہو گیا پھر اسی حال میں طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسے لڑکے کی طلاق ہو جائے گی جس میں اتنی تمیز ہو کہ وہ طلاق کا نتیجہ جانتا ہو کہ اس سے بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ اگر چہ وہ دس سال سے کم کا ہو۔ اگر وہ کسی اور کو طلاق دینے کے لئے اپنا وکیل بنا،

Marfat.com

تیسری شرط یہ ہے کہ اس نے اپنے اختیار سے طلاق دی ہو۔طلاق دینے پر اسے مجبور نہ کیا گیا ہو۔اندریں باب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

اور یہ بھی درست ہے کہ اگر کوئی شخص اسے طلاق دینے کے لئے اپنا وکیل بنادے۔

ا۔حنفیہ کہتے ہیں کہ جبری طلاق واقع ہو جاتی ہے۔آئمہ ثلاثہ کو اس سے اختلاف ہے۔پس اگر ایک شخص نے دوسرے کو مجبور کیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے اور مار پیٹ یا قید یا مال کے ضبط کرنے وغیرہ کی دھمکی دی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔پھر اگر اس عورت سے مباشرت ہو چکی ہے تو خاوند کو کچھ حق نہ ہوگا ورنہ وہ جبر کرنے والے سے نصف مہر کا مطالبہ کرے گا اور جبر کرنے کی شرط یہ ہے کہ منہ سے الفاظ طلاق ادا کرنے پر مجبور کیا جائے۔پس اگر تحریری طلاق دینے پر مجبور کیا گیا اور اس نے طلاق لکھ دی تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔اسی طرح اگر کسی کو طلاق کا اقرار کرنے پر مجبور کیا اور اس شخص نے مجبور ہو کر اقرار کر لیا تو وہ طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر بغیر جبر کئے جھوٹ موٹ یا مذاق کے طور پر اقرار کر لیا تو شرعاً وہ طلاق واقع نہ ہوگی اور اس کا یہ معاملہ اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہے۔لیکن عدالتی فیصلہ کی رو سے طلاق ہو جائے گی کیوں کہ حاکم شرع ظاہر پر فیصلہ کرے گا اسے دل کی بات کا علم نہیں ہو سکتا۔اور یہ مسئلہ اس کے خلاف ہے جبکہ کسی نے اپنی بیوی کو ہنسی ہنسی میں طلاق دے دی۔پس اگر وہ شخص کسی سے مذاق کرتے ہوئے اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو وہ طلاق شرعاً اور عداتاً دونوں طرف سے واقع ہو جائے گی۔ان دونوں باتوں میں فرق یہ ہے کہ اس نے پہلی صورت میں غلط بیانی یا مذاق کے طور پر طلاق دینے کا اقرار کیا اور دوسری صورت میں مذاق کے طور پر طلاق دے دی گویا صحیح ہے کہ اس کی نیت طلاق دینے کی نہیں تھی جو الفاظ طلاق حقیقتاً یا مجازاً کہنے سے پڑتی ہے یعنی عقد نکاح توڑ دینے کی نیت نہیں تھی لیکن اتنا وہ جانتا تھا کہ ان الفاظ سے طلاق ہو جاتی ہے۔گو مذاق کے طور پر اس نے کہے لیکن اس پر ہی عمل کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ یہاں پر کچھ اور باتیں ہیں جو جبر کی حالت میں بھی عائد ہو جاتی ہیں ان میں سے ایک ایلاء ہے (یعنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھانا)۔پس اگر ایک شخص نے کسی کو مجبور کیا کہ وہ قسم کھائے کہ اپنی بیوی سے چار ماہ تک مباشرت نہ کرے گا اور اس نے ایسا کر لیا تو یہ ایلاء درست ہوگا کہ اگر چار ماہ تک بھی وہ شخص بیوی کے پاس نہ گیا تو اس کا نکاح جاتا رہے گا۔اس کے بعد اگر بیوی کے ساتھ مباشرت نہ ہوئی ہو تو وہ نصف مہر کا مطالبہ اس شخص سے کر سکتا ہے جس نے اسے (ایلاء پر) مجبور کیا تھا۔

اسی طرح ظہار (بیوی کو ماں کے برابر کہنا) ہے اگر ایک شخص نے کسی کو مجبور کیا کہ وہ اپنی بیوی سے ظہار کرے (یعنی یہ کہے کہ تو میری ماں کے برابر ہے) تو اس پر ظہار کے احکام نافذ ہو جائیں گے اور اس کا کفارہ دینا ہوگا جس کی تفصیل ظہار کے بیان میں آئے گی۔

اسی طرح رجوع کرنا ہے کہ اگر باپ نے بیٹے کو طلاق یافتہ بیوی سے رجوع کرنے کے لئے مجبور کیا (اور اس نے رجوع کر لیا) تو درست ہے۔

اسی طرح عضو قصاص (سزائے بدل کا معاف کر دینا) ہے کہ اگر کسی شخص پر جان کے بدلے جان یا اس کے علاوہ تو طلاف،۔۔لے عضو کا معاوضہ واجب ہے اور مدعی کو مارنے یا قید کرنے کی دھمکی دے کر مجبور کیا جائے کہ وہ اپنا مطالبہ

Marfat.com

قصاص معاف کردے اور وہ معاف کردے تو یہ معافی درست ہوگی اور مجرم پر کوئی ذمہ داری نہ رہے گی اور نہ وہ ذمہ دار ہوگا جس نے اسے معاف کرنے پر مجبور کیا۔ یہ مسئلہ اس صورت کے خلاف ہے جب کہ کسی شخص کو مال واجب الوصول سے اظہار ادائیگی پر مجبور کیا جائے تو یہ اظہار سبکدوشی غلط متصور ہوگی اور حق واجب بدستور قائم رہے گا۔

اسی طرح کی مجبوری میں منت ماننے یا قسم کھانے پر مجبور کرنا ہے کہ ایسے شخص پر اس کا پورا کرنا واجب ہو جائے گا۔ اگر پورا نہ کیا تو گناہ ہوگا خواہ کسی بری بات کے لئے قسم دی گئی ہو یا اچھی بات کے لئے۔

اسی طرح ایلاء سے رجوع کرنے پر مجبور کرنا بھی ہے اگر اس شخص نے چار ماہ گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا تو رجوع کرنا درست ہوگا اور چار ماہ گزر جانے پر وہ عورت نکاح سے باہر نہ ہوگی۔

اسی طرح قتل عمد کا معاوضہ لینے کی بجائے صلح کر لینے پر مجبور کرنا بھی ہے پس اگر ایک شخص کو خون کا بدلہ لینا ہے اور کسی نے اس کو دھمکی دی کہ اگر اس نے اس قدر مال لے کر صلح نہ کر لی تو وہ اسے قتل کر دے گا یا اذیت دے گا تو اس طرح پر اس کا صلح کر لینا درست ہوگا اور پھر اسے مجرم سے کسی مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی عورت کو مجبور کیا جائے کہ اپنے خاوند سے طلاق لینے کے لئے اس قدر رقم ادا کرے اور وہ مجبور ہو کہ اس رقم کا دینا منظور کر لے اور وہ شخص طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی اور پھر اسے بیوی سے کسی مال کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔ پس ایسی حالت میں جو بات درست ہے وہ طلاق ہے۔ لیکن اگر ایک شخص کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی بیوی کو اس سے اتنا مال لے کر طلاق دے دے اور وہ طلاق دے دے تو درست ہے اور بیوی پر واجب ہے کہ جو مال طے ہوا ہے وہ ادا کر دے۔

اسی طرح اسلام کے لئے جبر کرنا بھی ہے کہ اس طرح اس کا مسلمان ہونا درست ہے اور اس طرح جو شخص بجبر مسلمان ہوا ہو اس پر اسلامی احکام نافذ ہوں گے۔

اسی طرح صدقہ کے لئے مجبور کرنا ہے کہ وہ صدقہ واجب ہو جائے گا جس طرح جبراً مانی ہوئی منت (یا نذر) واجب ہو جاتی ہے۔

یہ تمام وہ امور ہیں جن کے کرنے پر اگر مجبور کیا جائے تو وہ نافذ العمل ہو جاتے ہیں۔

ان کے علاوہ چند اور باتیں ایسی بتائی گئی ہیں جن پر جبر کی صورت میں بھی احکام اسلام عائد ہوتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ جب کسی عورت کو مجبور کیا جائے کہ وہ ایک بچے کو دودھ پلائے تو اس پر حرمت مصاہرہ اسی طرح عائد ہو جائے گی جیسے اختیار سے دودھ پلانے پر۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ ایک شخص بیوی کے ساتھ تخلیہ کرنے یا اس کے پاس جانے پر مجبور کیا جائے اور اس سے وہ حاملہ ہو جائے تو وہ اولاد اس شخص کی متصور ہوگی۔ اگر اس کو مباشرت پر مجبور کیا گیا ہو۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ اجبار کے بیان میں بتائی جائے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جبر یہ طلاق دی گئی ہو تو وہ واقع نہ ہوگی۔ پھر جبر کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ طلاق کے الفاظ ادا کرنے پر مجبور کیا جائے یا ایسا عمل کرنے پر مجبور کیا جائے جس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اب اس فعل کا تعلق یا تو کسی اور کے حق سے ہوگا یا نہ ہوگا۔

Marfat.com

اب واضح ہو کہ اگر جبراً طلاق دلوائی جائے تو بالاتفاق اس سے کچھ نہیں ہوتا نہ شرعاً نہ عدالتاً یہاں تک کہ اگر کسی کو ایک طلاق دینے پر مجبور کیا گیا اور اس نے ایک سے زیادہ طلاقیں دے دیں تو اس پر کچھ عائد نہ ہوگا۔ کیوں کہ مجبور شخص، جنون زدہ شخص کی طرح، اپنی طبیعت پر قابو نہیں رکھتا۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ شخص دل سے عقد نکاح کو توڑنا نہ چاہتا ہو۔ اگر وہ ایسا چاہتا ہے تو طلاق ہو جائے گی کیوں کہ نیت پر جبر کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں شرط یہ ہے کہ وہ شخص توریہ سے کام لے (یعنی ظاہر الفاظ کا مخفی مطلب پیش نظر رکھ کر اسے ادا کرے) مثلاً یہ کہ لفظ طلاق سے اپنے دل میں بیوی کی رسی کا پھندا کھولنا مراد لے یا زنجیر سے چھٹکارا دلانا مقصود ہو یا لفظ طلاق سے اس نے یہ مطلب دل میں سوچ لیا کہ بچہ کی ولادت کے وقت اسے دردزہ ہوتا ہے (کیوں کہ طلق کے معنے دردزہ کے بھی ہیں)۔ پس اگر توریہ کا طریقہ جانتا ہو اور اسے ترک کردے تو طلاق ہو جائے گی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اگر توریہ جانتا بھی ہو تو یہ کوئی شرط نہیں ہے۔ کیوں کہ مجبور کرنے والا ایسی باتوں کو نہیں مانتا۔

اگر کسی شخص کو طلاق کے لئے ایسے کام پر مجبور کیا جائے جس سے طلاق تو ہو جائے لیکن دوسرے کے حق کا اس سے تعلق نہ ہو مثلاً کسی نے مشروط طلاق کی قسم کھائی کہ فلاں گھر میں نہیں جائے گا (یعنی اگر اس گھر میں جاؤں تو میری بیوی پر طلاق) لیکن کسی نے اس کی مرضی کے خلاف اسے اٹھا کر گھر میں داخل کر دیا تو بقول معتمد طلاق نہیں ہوگی، لیکن اس کے لئے پانچ شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ اس قسم میں صیغہ بر استعمال ہوا ہو صیغہ حنث نہ ہوا ہو (یعنی حلف فعل منفی کے لئے ہو فعل مثبت کے لئے نہ ہو)۔ صیغہ بر یہ ہے کہ اس نے قسم کھائی کہ وہ فلاں کام نہیں کرے گا اور صیغہ حنث یہ ہے کہ وہ کرے گا۔ اول کی مثال وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی اور دوم کی مثال یہ کہنا ہے کہ اگر میں اس گھر میں نہ جاؤں تو میری بیوی پر طلاق۔ پس اگر کسی نے اس کی مرضی کے خلاف اسے گھر میں جانے سے باز رکھا تو قسم اس پر عائد ہو جائے گی اس کی تفصیل اس کتاب کے جزدوم میں مسائل یمین کے سلسلے میں ہو چکی ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ حلف اٹھانے والے نے خود کسی کو نہ کہا ہو کہ اسے مجبور کرے۔ چنانچہ اگر اس نے خود ہی کسی کو کہا کہ (میں نے تو جانے کی قسم کھا رکھی ہے ہاں) تم ہی اٹھا کر لے جاؤ اور وہ شخص اسے اٹھا کر لے جائے اور گھر میں داخل کردے تو وہ قسم اس پر عائد ہو جائے گی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ جس وقت وہ قسم کھا رہا ہو اسے یہ علم نہ ہو کہ (جس بات کی قسم کھا رہا ہے) اس پر اسے مجبور کیا جائے گا اگر وہ یہ جانتا ہو تو حلف ٹوٹنے کا وہی ذمہ دار ہوگا۔ کیوں کہ اسے یہ معلوم تھا کہ اسے مجبور کیا جائے گا۔ غرض اس قسم کا حشر معلوم تھا (لہٰذا وہ جبر نہیں کہلا سکتا)۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ قسم میں اس طرح نہ کہے کہ میں اس گھر میں نہ خوشی سے جاؤں گا اور نہ جبریہ جاؤں گا اگر یوں کہا تو قسم اس پر عائد ہوگی۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ مجبوری دور ہو جانے کے بعد بھی وہ کام نہ کرے۔

چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں کے گھر میں نہیں جاؤں گا اور ایک شخص اسے اٹھا کر اس کی مرضی کے خلاف

Marfat.com

اس گھر میں لے آیا اور وہ شخص اس سے باہر آ گیا اور پھر اپنی مرضی سے اس میں داخل ہوا تو وہ قسم عائد ہوگی۔

واضح ہو کہ یہ مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ قسم میں کسی وقت کی قید نہ ہو۔ اگر قسم کھائی کہ فلاں مہینے میں اس گھر کے اندر داخل نہ ہوں گا پھر اس مہینے کے گزر جانے کے بعد اپنی مرضی سے اس میں داخل ہوا تو وہ قسم اس پر نہیں پڑے گی ملاحظہ ہو کتاب کا جزء دوم --- اس میں وہ سب کچھ ہے جو پڑھنے والا چاہتا ہے۔

اب رہی وہ صورت جس میں کسی شخص کو ایسے کام پر مجبور کیا جائے جس کا تعلق دوسرے کے حق سے ہو مثلاً کسی نے اپنی بیوی کی بابت قسم کھائی کہ وہ گھر سے نہیں نکلے گی (اگر نکلے تو اسے طلاق) لیکن حاکم شرع نے اسے ایک اور شخص کے حق کی بابت گواہی دینے کیلئے نکلنے پر مجبور کیا تو اس صورت میں وہ قسم اس پر عائد ہوگی اور بقول معتمد اسی پر عمل درآمد ہوگا۔ اسی طرح وہ صورت ہے جب کہ ایک شخص کسی غلام کے آدھے کا مالک ہو اور اس نے قسم کھائی کہ وہ اسے فروخت نہیں کرے گا پھر اس کے شریک نے نصف غلام کو آزاد کر دیا تو لازم ہے کہ آدھے نصف کی قیمت لگائی جائے تاکہ اس غلام کو آزاد کرنے کا کام مکمل کیا جائے اور حلف اٹھانے والے کو اس کی نصف قیمت ادا کر دی جائے۔ ایسی صورت میں بادل نخواستہ اسے فروخت کرنا پڑے گا اور آدھی قیمت لے لے گا اور بقول معتمد طلاق لازم ہو جائے گی۔

واضح ہو کہ ایسا جبر جس میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی وہ یہ دھمکی ہے کہ اگر طلاق نہ دی تو اسے المناک اذیت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثلاً 'قتل' یا 'مار' بہت ہو یا تھوڑی یا قید خانہ' خواہ تھوڑے ہی عرصہ کے لئے ہو۔ یا لوگوں کے سامنے اسے دھکا دیا جائے (یا تھپڑ مارے جائیں) درآنحالیکہ وہ ذی حیثیت اور خوش اخلاق انسان ہو جسے ایسی باتوں سے اذیت پہنچے یا اسے اندیشہ ہو کہ اگر اس نے بیوی کو طلاق نہ دی تو اس کی اولاد کو قتل کر دیا جائے گا یا اسے اذیت دی جائے گی یا اس کے باپ کو ستایا جائے گا' بشرطیکہ خیال یہ ہے کہ یہ بھی ایسی ہی صورت حال ہے۔ بخلاف بھائی اور چچا وغیرہ کے۔ پس اگر ایسی صورت حال ہو اور وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور مار پیٹ یا قتل کرنے کی دھمکی کی طرح مال کے برباد کرنے یا اس پر قبضہ کر لینے کی دھمکی ہے خواہ تھوڑے مال کا نقصان ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جبری طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن اس کی چند شرطیں ہیں۔

ایک شرط یہ ہے کہ ایذا کی دھمکی ایسے شخص نے دی ہو جو فوری طور پر ایذا دہی کے قابل ہو جس کی دھمکی دی ہے مثلاً اسے حکومت اور اقتدار حاصل ہو۔ اگر ایسا نہ ہوا اور اس کی دھمکی پر کسی نے طلاق دے دی تو طلاق ہو جائے گی اور اگر کسی نے کہا کہ اگر تم نے طلاق نہ دی تو کل تمہیں مار پڑے گی اور اس (بات پر) اس نے طلاق دے دی تو وہ قسم اس پر عائد ہوگی کیوں کہ ایذا کی دھمکی پر فوری عمل نہیں ہوا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جس پر جبر کیا جا رہا ہے وہ اس جبر کرنے والے کا مقابلہ کر کے یا ایسے شخص کے سامنے شکایت کر کے جو اس کی ایذا دہی کو روک سکے' اس جابر کو جبر سے باز رکھنے سے عاجز ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس شخص کو خود بھی یہ خیال ہو کہ اگر اسے طلاق نہ دی تو جس ایذا دہی کی دھمکی دی گئی ہے اس کو بھگتنا پڑے گا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ جبر حق بات پر مبنی نہ ہو اگر حق بات کے لئے جبر کیا جائے تو طلاق واقع ہو جائے گی اس کی

Marfat.com

مثال یہ ہے کہ وہ دوعورتوں سے شادی شدہ ہو اور ان میں سے ایک عورت کی باری کا حق اس پر ہے لیکن قبل اسکے کہ وہ اپنا حق پاتی اس نے طلاق دے دی اور پھر اس کی بہن سے شادی کر لی اور اس عورت نے اپنے حق کے بارے میں مطالبہ کیا اس پر حاکم نے اسے مجبور کیا کہ اسے طلاق دے دے یہاں تک کہ اس کا حق پورا کر دے۔ ایسی صورت میں اگر اسے طلاق پر مجبور کیا گیا اور اس نے طلاق دے دی تو وہ طلاق صحیح ہوگی کیوں کہ یہ جبر برحق تھا۔ ایسی ہی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے چار ماہ تک اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی اور اس کے رجوع کرنے سے چار ماہ گزر گئے اور رجوع کا وعدہ پورا نہ کیا تو اب اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا کیوں کہ یہ جبر برحق ہے اور اس طرح طلاق واقع ہو جائے گی۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ جسے مجبور کیا گیا ہے اس سے کسی قسم کے اختیار کا اظہار نہ ہوتا ہو مثلاً کسی نے مجبور کیا کہ وہ تین طلاق دے دے یا طلاق بائن (نکاح توڑنے والی طلاق) دے دے اور اس نے ایک طلاق دی یا دو طلاقیں دیں یا طلاق رجعی دی تو طلاق واقع ہو جائے گی کیوں کہ قرینہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اسے کسی حد تک اختیار حاصل تھا (کلی طور پر مجبور نہ تھا) حالانکہ شرط یہ ہے کہ جس بات پر مجبور کیا جا رہا ہے اس بات کو کرے تب جبر ثابت ہوگا۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ جبری طلاق دینے والا طلاق کی نیت سے طلاق نہ دے اگر دل میں طلاق کی نیت کر لی تو وہ طلاق ہو جائے گی۔ رہا تو ریہ سو اگر وہ شخص یہ جانتا بھی ہو تو غیر ضروری ہے۔

واضح اکراہ یا جبر اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ بات جس کا ڈراوا دیا یا دھمکی دی جا رہی ہے اس شخص کی نگاہ میں جس پر جبر ہو رہا ہے ناگوار خاطر ہو۔ چنانچہ ضرب شدید پہنچانے کی دھمکی یا قید کرا دینے یا مال برباد کرنے کے خوف کی شدت لوگوں کے مختلف طبقوں اور ان کے حالات کے مختلف ہونے پر موقوف ہے۔ پس ایک باوقار شخص کو بدنام کرنے اور لوگوں کے سامنے اس کا مذاق اڑانے کی دھمکی اس کے حق میں جبر تصور کیا جائے گا۔ اسی طرح ایک باعزت شخص کے حق میں گالی بھی جبر ہے۔ اولاد کے قتل کرنے یا اس کے ساتھ برائی کرنے یا اس کی بیوی کے ساتھ بد اخلاقی کی دھمکی بھی جبر ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ مارنے پیٹنے اور گالی دینے سے زیادہ ایذادہ ہے۔ اسی طرح باپ کے قتل کی یا اسکے قریبی رشتہ دار کو قتل کر دینے کی دھمکی خواہ وہ (سلسلہ نسب میں) اوپر کے درجہ کا ہو یا نیچے کے درجے کا یا اسے زخمی کرنے یا اذیت دینے کی دھمکی نیز سسرال قریبی رشتہ داروں میں سے کسی کو قتل کرنے یا انہیں زخم پہنچانے یا بدسلوکی کی دھمکی بھی جبر ہے۔

یاد رہے کہ شرعی مجبوری میں بھی غیر شرعی مجبوری کی طرح طلاق لازم نہیں ہوتی، چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ آج رات وہ اپنی بیوی سے ضرور مباشرت کرے گا لیکن بیوی کو ایام مخصوص میں مبتلا پایا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ زید کا حق (یعنی اس کے واجبات) اس ماہ میں ادا کر دوں گا اور اس کے ادا کرنے سے عاجز رہا تو قسم نہیں ٹوٹے گی اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ کتاب کے دوسرے حصہ میں آچکا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جبری طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن اس کی چند شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ جبر ناحق ہو۔ اگر کسی شخص کو حاکم شرع انصاف کی بنا پر طلاق دینے پر مجبور کرے تو وہ طلاق ہو جائے گی مثلاً ایک شخص نے اپنی بیوی سے 'ایلاء' کیا لیکن چار ماہ گزرنے پر بھی رجوع نہ کیا تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا وغیرہ۔

Marfat.com

بیوی کی متعلقہ شرائط میں بھی چند امور ہیں:

اول یہ کہ وہ عورت ہنوز اس مرد کے زیر تحفظ ہو۔ پس اگر اس کا نکاح ٹوٹ چکا ہے اور وہ ہنوز عدت میں ہے تو (طلاق دینے سے) اس پر طلاق نہیں پڑے گی۔ کیوں کہ اگر چہ وہ اس کی عدت میں ہونے کے باعث ابھی تک اس کی بیوی ہے لیکن بدیں سبب کہ اس نے اسے نکاح ختم ہونے والی طلاق دے دی ہے تو اب اس کی کوئی ولایت (حقداری) اس پر عائد نہیں ہوتی۔

دوم یہ کہ اس شخص نے عورت کے ساتھ بطور مالک یمین ہونے کے (یعنی بطور ایک لونڈی کے) مباشرت نہ کی ہو پس اگر ایسی لونڈی کو طلاق دی تو وہ طلاق نہیں ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

سوم یہ کہ وہ بیوی عقد صحیح کے بموجب اس شخص کی زوجیت میں آئی ہو۔ پس اگر کسی عدت گزارنے والی کے ساتھ (یعنی بدورانِ عدت) شادی کی یا اپنی بیوی کی حقیقی بہن سے نکاح کیا یا ایسا ہی کوئی اور عقد باطل تھا جس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے تو ایسے نکاح کی صورت میں طلاق نہ ہوگی' کیوں کہ وہ عورت اس کی بیوی ہی نہیں ہوئی (تو طلاق کے کیا معنے؟)۔

اور صیغہ طلاق سے تعلق رکھنے والی شرائط میں دو امور ہیں:

ایک تو یہ کہ وہ لفظ ایسا ہو جو صراحۃً یا کنایۃً طلاق کے مفہوم کو ظاہر کرتا ہو۔ لہٰذا کسی حرکت کے عمل میں لانے سے طلاق نہ ہوگی۔ مثلاً ایک شخص نے خفا ہو کر اپنی بیوی کو اس کے باپ کے گھر بھیج دیا اور اس کا سامان بھی روانہ کر دیا اور اس کا مہر بھی بالآخر ادا کر دیا لیکن طلاق کا لفظ زبان میں نہیں لایا تو اسے طلاق نہیں مانا جائے گا۔ یہی حال دل میں نیت کر لینے اور منہ سے کچھ نہ کہنے کا ہے۔ پس اگر طلاق کی نیت سے دل میں

دوسری شرط یہ ہے کہ جس بات کی دھمکی دی جائے وہ الم ناک ہو اور شدید قسم کی مضرت کی دھمکی دی جائے۔ مثلاً قتل کرنے یا ہاتھ پاؤں کاٹ دینے کی یا ضرب شدید پہنچانے کی یا معزز آدمی کی معمولی مار پیٹ کی یا لمبی قید کی۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے یا پھر بہت زیادہ مال چھین لینے کی یا شہر سے باہر نکال دینے کی یا اس کی اولاد کو اذیت دینے کی۔ دوسرے رشتہ داروں کو اذیت دینے کی دھمکی کو جبر تصور نہیں کیا جائے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ جبر کرنے والا جس بات کی دھمکی دے رہا ہے فی الواقع اس کا اختیار اسے حاصل ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ جس پر جبر ہے اسے یہ گمان ہو کہ اگر اس نے طلاق نہ دی تو ہمیں اس مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا جس کی دھمکی دی جا رہی ہے اگر اسے یہ ڈر نہ ہو تو اسے مجبور نہیں کہیں گے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ اس اذیت سے خود کو نہ بچا سکتا ہو اور نہ وہاں سے بھاگ سکتا ہو۔

Marfat.com

کہ (۱) تو طلاق نہ ہوگی۔

اب رہا یہ سوال کہ آیا گونگے بہرے کا یا کسی اور کا (طلاق کے لئے) اشارہ کرنا یا تحریر کرنا منہ سے بولنے کے قائم مقام ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مسالک مختلف تفصیل طلب ہیں۔ (۲)

شرائط (صیغہ) میں سے دوسرا امر یہ ہے کہ جو لفظ منہ سے ادا کیا جا رہا ہے وہی مقصود ہو چنانچہ اگر مثلاً یہ ارادہ ہو کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تو طاہر ہے اور بغرض زبان سے تو طالق نکل جائے تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی اور اس کا تعلق اس کے اور خدا کے درمیان ہے۔ لیکن حاکم ان الفاظ ہی پر اعتبار کرے گا۔ کیونکہ حاکم دل کی بات نہیں جان سکتا ہے اور جس سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہے اسے خطاوار سمجھا جائے گا۔

---

(۱) مالکیہ کہتے ہیں کہ کلام نفسی (دل میں کہنے) سے طلاق کے واقع ہونے میں اختلاف ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس سے طلاق ہو جائے گی اور بعض کہتے ہیں نہ ہوگی دوسرا قول قابل ترجیح ہے۔

پھر معلوم ہونا چاہئے دل میں عورت کو طلاق مقرر کرنے کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ کوئی شخص دل میں کہے کہ میری بیوی کو طلاق ہے لیکن محض نیت سے بلا قول طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح طلاق کا وسوسہ دل میں آنے سے یا اپنے دل میں سوچ لینے سے کہ میں اس عورت کو اس کی بے ادبی و بدتمیزی کے باعث طلاق دے دوں گا ان تمام صور میں کوئی اختلاف نہیں ہے (کہ طلاق نہ ہوگی) اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ اپنے دل میں الفاظ طلاق ادا کرے لیکن زبان سے ادا نہ کرے اس صورت میں دو مختلف قول مشہور ہیں لیکن قوی تر قول یہ ہے کہ طلاق نہ ہوگی۔

(۲) حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ جو شخص بول نہیں سکتا ہے اشارہ میں طلاق دے تو وہ اشارہ لفظ کی جگہ کام نہیں دے سکتا۔ لہٰذا ایسے شخص سے جب تک ایسے الفاظ نہ سنے جائیں طلاق نہ ہوگی۔ دل میں کہنے یا سوچنے کے برخلاف جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور گونگا دو طرح ہے ایک پیدائشی گونگا ہوگا دوسرا بعد میں گونگا ہوا ہوگا اگر وہ پیدائشی گونگا ہے اور اس کا اشارہ ایسا ہو جس سے طلاق نکاح خرید و فروخت سب کچھ سمجھ میں آتا ہو تو اس کا اشارہ (طلاق) بھی مانا جائے گا اگر اس کا اشارہ سمجھ میں نہ آتا ہو تو اشارہ طلاق کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ لکھنا جانتا ہے تو اس کے اشارے سے طلاق دینا درست نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ اپنا ارادہ صاف صاف ظاہر کرے بقول حمزہ گونگے کا لکھنا ایسا ہی ہے جیسے کہ صحیح البیان شخص کا منہ سے بولنا اگر کوئی شخص ایسا ہے جو بعد میں گونگا ہوا (یعنی پیدائشی گونگا نہیں ہے) تو اگر وہ گونگا پن ایسا ہے جس کے دور ہونے کی امید نہیں ہے اور ایک مدت اسی حال میں گزر گئی ہے یہاں تک کہ اب وہ اشاروں سے بات چیت کرنے لگا ہے تو اس کے اشارے پر عمل کیا جائے گا۔ بصورت دیگر اس کے صحت یاب ہونے تک اس کی بات پر عمل درآمد موقوف رہے گا یہ اس صورت میں ہے جبکہ وہ لکھنا نہ جانتا ہو بصورت دیگر اس کی تحریر پر عمل کیا جائے گا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تحریر سے وہ لفظ کے قائم مقام متصور ہوگی اس کی دو قسمیں ہیں:

ایک تحریر یہ ہے کہ یہ امر ثابت شدہ ہو کہ وہ تحریر کسی کاغذ یا تختی یا دیوار پر قلم اور حصے کی روشنائی سے لکھی جائے اور اس کا پڑھنا اور سمجھ میں آنا ممکن ہو۔ اس اگر کسی شخص نے پانی پر یا فضا میں یا فرش پر بدون تحریری کے اپنی انگلیوں سے لکھ

Marfat.com

دیا کہ تجھ کو طلاق ہے تو اسے طلاق قرار نہیں دیا جائے گا۔ یا اگر کوئی تحریر سیاہی سے کاغذ وغیرہ پر لکھی لیکن وہ پڑھی اور سمجھی نہیں جاتی تو اسے طلاق نہ مانا جائے گا۔ ہر چند کہ اس نے بارادہ طلاق وہ تحریر لکھی ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ طلاق کے الفاظ ایسی تحریر میں لکھے جائیں جس کا عنوان ہو (یعنی کسی کے نام ہو) جیسا کہ قاعدہ ہے مثلاً یوں کہ (یہ تحریر ہے) فلاں کے نام اس کے بعد (یہ کہنا ہے) کہ تم کو طلاق ہے۔ پس اگر اس طرح لکھا تو یہ طلاق لکھنے کے ساتھ ہی واقع ہو جائے گی خواہ لکھنے والے نے طلاق کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو' کیوں کہ وہ تحریر صریح الفاظ کے قائم مقام ہے۔ لہٰذا اس میں نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر اس طرح لکھا کہ (یہ تحریر ہے) فلاں عورت کے نام۔ اس کے بعد تجھ کو معلوم ہو کہ جب میری یہ تحریر تیرے پاس پہنچے تو تجھے طلاق ہے تو تحریر اس کے پاس پہنچتے ہی اسے طلاق ہو جائے گی خواہ اس عورت نے اس تحریر کو پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو۔ اور ایسی تحریر جو کسی کے نام جس طرح بتایا گیا لکھی گئی ہو وہ تحریر باضابطہ کہلاتی ہے۔ اگر وہ تحریر باضابطہ نہ ہو بلکہ ایک پرزہ پر لکھ دیا گیا ہو کہ "تجھے طلاق ہے" تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی بجز اس صورت کے جب کہ طلاق کی نیت کی ہو کیوں کہ اگرچہ صریحاً طلاق لکھی ہے لیکن اس بات کا احتمال ہے کہ اس نے محض اپنی تحریر کی آزمائش کے لئے یا اپنا خط سنوارنے کے لئے یا کسی اور مقصد کے لئے لکھا ہو' لہٰذا اس میں نیت لازمی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تحریر لفظ کی قائم مقام ہے اس کے لئے نیت کی ضرورت نہیں بشرطیکہ وہ تحریر دیرپا ہو۔ پڑھی جائے اور سمجھ میں آئے اور وہ باقاعدہ ایک کاغذ پر جو کسی کے نام سے تحریر کی گئی۔ اگر تحریر دیرپا نہ ہو یا پڑھی اور سمجھی نہ جا سکے اور باقاعدہ کتاب میں اس کا اندراج ہو تو نیت کے بغیر بھی وہ طلاق واقع ہو جائے گی لیکن اگر صرف دفتر میں باقاعدہ درج ہو تو نیت کے بغیر طلاق واقع نہ ہوگی۔

اس سے ظاہر ہے کہ اگر کسی وثیقہ نوٹس نے طلاق کے وثیقہ میں اس طرح درج کیا کہ فلاں شخص حاضر ہوا اور اس نے اپنی بیوی فلاں کو طلاق دے دی پھر اس کے خاوند نے قبل اس کے منہ سے طلاق کا لفظ کہتا بیوی سے تخلیہ کیا تو اس تحریر سے طلاق واقع نہ ہوگی سوا اس صورت کے جب کہ اس نے طلاق کی نیت ہی کی ہو۔ کیوں کہ یہ تحریر اس کے نام پر نہیں لکھی گئی۔ لیکن اگر کسی کے نام تحریر لکھی گئی اور اس میں یہ تحریر ہے کہ تجھ کو طلاق ہے اور پھر یہ دعویٰ کیا گیا کہ اس تحریر کا مقصد تحریر کی مشق کرنا ہے اور طلاق کی نیت نہیں ہے تو حاکم اس کو تسلیم نہ کرے گا۔ گو شرعاً اس کو تسلیم کیا جائے گا۔ اگر ایسی کوئی تحریر بیوی کے پاس بھیجی اور وہ اس کے باپ کے ہاتھ لگ گئی اور اس نے بیوی کو نہیں دکھائی۔ اب اگر اس کا باپ اپنی اس بیٹی کے تمام معاملات میں مختار ہے تب تو وہ طلاق بھی واقع ہو جائے گی ورنہ نہ ہوگی۔ اگر اس کے باپ نے اس کاغذ کو توڑ مروڑ کر وہ تحریر عورت کے حوالے کر دی اور اس تحریر کا پڑھنا ممکن تھا تب تو طلاق واقع ہو جائے گی' ورنہ نہ ہوگی۔

ہر ایسی تحریر جسے طلاق دینے والے نے اپنے قلم سے نہ لکھا ہو یا اسے کسی کو بول کر نہ لکھوایا ہو تو اس تحریر سے طلاق نہ ہوگی جب تک کہ وہ اقرار نہ کرے کہ یہ اس کی تحریر ہے۔ پس اگر اس نے کسی شخص سے کہا کہ میری بیوی کا طلاق نامہ لکھ دیجئے اور اسے میری بیوی کے پاس بھیج دیجئے تو یہ اقرار طلاق ہے اب خواہ اس شخص نے طلاق نامہ لکھا ہو یا نہ لکھا ہو بہرحال اس کی بیوی پر طلاق ہو جائے گی۔

اب اگر اس شخص نے طلاق نامہ لکھا اور اسے پڑھ کر سنایا پھر اس نے وہ تحریر اس سے لے لی اور اس پر ثابت ہوگئی

Marfat.com

پھر اس نے وہ تحریر بیوی کے پاس بھیج دی تو وہ طلاق یافتہ ہو جائے گی دراں حالیکہ وہ تحریر اس کے نام ہو اب وہ انکار نہیں کر سکتا کہ وہ اس کی تحریر نہیں ہے۔ اگر وہ انکار کرے اور ایسی شہادت مہیا نہ ہو جس سے ثابت ہو کہ وہ تحریر اس کی تھی تو عدالتاً اور شرعاً طلاق واقع نہ ہوگی۔

اگر یہ تحریر کیا کہ میری فلاں بیوی کو طلاق ہے اور ساتھ ہی لکھ دیا کہ انشاء اللہ تب بھی طلاق نہ ہوگی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر گونگا شخص ایسا اشارہ کرے جس سے طلاق کا مفہوم نکلتا ہو تو بقول معتمد وہ گونگے کے الفاظ کی مانند ہے اور صحیح الحال شخص کے لفظ کی مانند ہے جو بولنے پر قدرت رکھتا ہو۔ پھر اگر گونگا طلاق کا اشارہ کرے تو طلاق کی صراحت کی مانند ہوگا لیکن بولنے والا اگر طلاق کے لئے اشارہ کو کام میں لائے تو وہ کنایہ متصور ہوگا۔ کیوں کہ گونگے کے اشارے میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ گونگے کے دل کی مراد کو اس سے زیادہ واضح طور پر ادا کر سکے لہٰذا یہ اشارہ ہی اس کے خیال کی زیادہ سے زیادہ وضاحت کا ذریعہ ہے لیکن جو شخص کلام کی صلاحیت رکھتا ہے اس کے لئے ممکن ہے کہ اشارہ سے زیادہ صراحت کے ساتھ (بذریعہ الفاظ) اپنا مدعا بیان کر سکے لہٰذا اس کا اشارہ صراحت کے مقابلہ میں کنایہ کی مانند ہے۔

پس اگر کوئی قرینہ ایسا موجود نہ ہو کہ دیکھنے والا قطعی طور پر یہ سمجھ سکے یہ اشارہ طلاق پر دلالت کرتا ہے اور عورت کم فہمی کے باعث اسے نہ سمجھ سکے تو اسے طلاق نہیں قرار دیا جائے گا۔ کیوں کہ یہ (قول نہیں) فعل ہے اور فعل سے طلاق نہیں ہوتی ہاں اگر یہ معلوم ہو کہ اس اشارہ کا مطلب طلاق ہی ہے تو اسے طلاق تصور کیا جائے گا۔

اب رہا تحریری طلاق کا معاملہ سو اس کی تین حالتیں ہیں:

ایک حالت یہ ہے کہ طلاق لکھی جائے اور نیت بھی طلاق کی ہو۔

دوسری حالت یہ ہے کہ طلاق کی نیت کے بغیر طلاق لکھی جائے۔ ان دونوں حالتوں میں طلاق جو لکھی گئی ہے وہ لکھنے کے ساتھ ہی عائد ہو جائے گی۔

تیسری حالت یہ ہے کہ طلاق تو لکھی جائے لیکن اس کے نافذ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہو۔ ایسی صورت میں جب تک وہ تحریر ہاتھ میں ہے خاوند کو اسے نافذ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوگا پھر جب وہ تحریر ہاتھ سے نکل گئی بایں طور کہ اسے بیوی کے پاس بھیج دیا تو طلاق ہو جائے گی خواہ طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ تحریر بیوی کے پاس پہنچ گئی ہو یا نہ پہنچی ہو۔ کیوں کہ اگرچہ تحریر کے وقت طلاق دینے یا نہ دینے کے بارے میں تردد رہا ہو لیکن جب ہاتھ سے دیا تو اس وقت طلاق ہی کی نیت تھی یا اگرچہ کچھ بھی نیت نہ تھی۔ پس تحریر طلاق کے وقت جو نیت تھی یا جس بات کی نیت نہ تھی اس پر عمل ہوگا۔ اگر ہاتھ سے تحریر دینے کے وقت بھی تردد ہی تھا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ سوا اس صورت کے جب کہ وہ تحریر اس عورت کے پاس پہنچ جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا خاوند کے ہاتھ سے جب بیوی کے پاس تحریر چلی جائے تو وہ اسے واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے اور تحقیق یہ ہے کہ وہ شخص اپنی تحریر واپس لے سکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تحریر کے وقت اگر طلاق کی نیت ہے یا کچھ بھی نیت نہیں ہے تو تحریر ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ خواہ وہ تحریر اس کے پاس سے چلی گئی ہو یا نہ گئی ہو اور خواہ وہ بیوی کو یا اس کے ولی کو ملی ہو یا نہ ملی ہو۔ لیکن اگر تحریر کرتے وقت اس کو اس بارے میں تردد تھا کہ آیا اسے اس کے نفاذ کا اختیار ہے یا نہیں اور آیا وہ اس کے متعلق اپنے باپ یا

Marfat.com

کسی اور سے مشورہ کرے یا نہ کرے تو اس وقت تک طلاق نہ ہوگی جب تک کہ وہ اس کے ہاتھ میں ہے پھر جب وہ اس کے ہاتھ سے نکل گئی تو اب ہاتھ سے جاتے وقت اس نے طلاق کی نیت کر لی ہے یا کچھ نیت نہیں کی ان دونوں صورتوں میں طلاق ہو جائے گی۔ اگر وہ تحریر اس عورت کو نہیں ملی لیکن جب وہ تحریر اس کے ہاتھ سے نکلی اور اسے اس بارے میں تردد تھا تو اس عورت کو وہ تحریر مل جانے پر بھی اسے طلاق نہ ہوگی۔

اگر بیوی کو یوں لکھا کہ جب تجھے میری یہ تحریر ملے تو تجھے طلاق ہے تو اس تحریر کے وصول کرتے ہی اسے بالاتفاق طلاق ہو جائے گی لیکن اگر وہ تحریر اسے اس حال میں پہنچی جبکہ وہ مخصوص ایام میں تھی تو طلاق ہو جائے گی اور خاوند کو رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ جیسا کہ طلاق بدعی میں ہوتا ہے۔ یہ صورت حال اس کے خلاف ہے جب کہ یوں لکھا ہو کہ جب کبھی تجھے میری یہ تحریر مل جائے تجھے طلاق ہے۔ اس میں اگر کی بجائے جب کبھی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ لفظ 'اگر' حرف شرط ہے لفظ 'جب' ظرف بننے کا احتمال رکھتا ہے تو اسے لکھتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ بخلاف لفظ 'اگر' کے کہ یہ صرف شرط کے معنے دیتا ہے۔ لہٰذا جب تک کہ وہ تحریر عورت کے پاس نہ پہنچے طلاق نہ ہوگی۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ 'اگر' اور 'جب' کہنے میں کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا دونوں حالتوں میں جب تحریر اس کے پاس پہنچ جائے گی اسے طلاق ہو جائے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جس میں کلام کی صلاحیت ہو وہ اشارے سے طلاق دے تو کسی حال اور کسی صورت واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح محض نیت اور دل میں کہنے سے طلاق نہ ہوگی بلکہ زبان سے بولنا ضروری ہوگا اور ضروری ہے کہ اپنا کہا وہ خود سن سکے درآنحالیکہ اس کی طبیعت ٹھیک ہو۔ اگر بالفرض اس نے الفاظ ادا کئے اور اسے ثقل سماعت تھا یا اس وقت وہاں پر زیادہ شور ہو رہا تھا تو ضروری ہوگا کہ وہ اپنی آواز اتنی بلند کرے کہ اگر اس کی قوت سماعت میں اعتدال ہو تو وہ اس آواز کو سن سکے اور زبان کو محض اس طرح حرکت دینے سے کہ وہ خود بھی نہ سن سکے اسے طلاق نہ ہوگی۔

اگر عورت نے خاوند سے کہا کہ مجھے طلاق دے دو اور اس نے تین انگلیوں سے اشارہ کیا یا ہاتھ سے نکل جانے کا اشارہ کیا یا دھاگا ہاتھ میں لے کر اسے توڑ دیا وغیرہ کوئی ایسی ہی بات کی تو اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس نے بولنے کی بجائے اشارہ کا ذریعہ جو اختیار کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ طلاق دینی نہیں چاہتا۔ لہٰذا اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا اگرچہ اشارہ سے اس کا ارادہ طلاق ہی کا ہو۔ اس واسطے کہ (ایسی صورت میں) مبہم رو بہ شاذونادر ہی اختیار کیا جاتا ہے۔ پس اشارہ صرف تین صورتوں میں درست مانا جائے گا۔

ایک صورت 'فتوے' کی ہے کہ اگر کسی عالم سے فتویٰ پوچھا جائے کہ آیا خرگوش حلال ہے؟ اور وہ سر کے اشارے سے کہہ دے کہ ''ہاں'' تو وہ فتویٰ سمجھا جائے گا اور اس کی طرف سے اس فتوے کا بیان کرنا روا ہوگا وغیرہ۔

دوسری صورت ''آنے کی اجازت'' ہے مثلاً آپ کسی کے گھر میں آنے کی اجازت مانگیں اور صاحب خانہ اشارے سے اجازت دے دیں تو یہ درست ہوگا۔

تیسرے 'حربی کا پناہ دینا' ہے کہ اگر کسی نے اشارہ سے حربی کو پناہ دے دی تو پناہ دینا لازم ہو جائے گی۔

گونگے کا اشارہ طلاق وغیرہ معاملات کے لئے درست تسلیم کیا جائے گا خواہ اس کا گونگا پن عارضی ہو یا پیدائشی

Marfat.com

سوا اس صورت کے کہ جب اس کی زبان میں لکنت نہ ہو اور تین دن میں اس سے آرام پا جانے کی توقع ہو ایسی صورت میں واجب ہے کہ اس کی صحت یابی کا انتظار کیا جائے اور بلا ضرورت اس کے اشارہ پر عملدر آمد نہ کیا جائے۔ مثلاً حاکم نے گونگے پن کی حالت میں اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان لعان (یعنی لعنت پر مشتمل قسم کھانے) کا فیصلہ کیا تو اشارہ سے اس کا لعان کرنا درست ہوگا بشرطیکہ وہ سمجھ میں آتا ہو پھر اگر وہ اشارہ واضح ہو بایں طور کہ ہر شخص اسے سمجھ سکے تو وہ اشارہ صریح الفاظ کی مانند ہوگا۔ اگر اس کا سمجھنا مشکل ہو۔ اور واسے واقف کار کے علاوہ کوئی اور نہ سمجھ سکے تو وہ تحریر کی مانند متصور ہوگا لیکن اگر اسے کوئی شخص نہ سمجھ سکے تو اس کا مطلق اعتبار نہیں ہے۔

واضح ہو کہ گونگے کے ایسے اشاروں پر عمل کیا جائے گا جو سمجھ میں آتا ہو اگر چہ وہ تحریر کرنا جانتا ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر وہ لکھنا جانتا ہو تو اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ اپنا مقصد تحریر کے ذریعے ظاہر کرے بغیر اسکے کہ اشارہ ضروری ہو۔ لیکن ایسا کرنا اگر چہ اچھی بات ہے، تاہم اس سے یہ بات نہیں پائی جاتی کہ اشارہ کرنا تحریر کرنا جاننے کی صورت میں بالکل لغو ہے۔ کیوں کہ اگر ایسے شخص نے اشارہ سے بیع کا معاملہ کیا اشارے سے طلاق دی تو قطعی طور پر اسے تسلیم کیا جائے گا، لیکن بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے مقصد کو تحریر کے ذریعہ واضح کرے۔ جو گونگا لکھنا جانتا ہو اس کا اشارہ سے کہنا ایسا ہی ہے جیسے تحریر جاننے والے کا زبان سے بیان کرنا۔ کیوں کہ اشارہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کی طرح مقصد سمجھ میں آجائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ نے جو بعض شافعیہ سے نقل کیا ہے کہ ایسے گونگے کا اشارہ کرنا جو لکھنا جانتا ہو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ یہ قول قوی نہیں ہے۔

واضح ہو کہ گونگے کا اشارہ جو سمجھ میں آئے وہ بعض موقعوں پر بے معنی ہو جاتا ہے۔ ایک موقع نماز کا ہے کہ اگر گونگا نماز پڑھے اور اشارہ کرے جو سمجھ میں آتا ہو تو اس کی نماز اس اشارے سے باطل نہ ہوگی۔ دوسرا گواہی: پس اگر کسی شخص کے خلاف اشارہ سے گواہی دی جو سمجھ میں آجائے تو وہ اشارہ قبول نہ کیا جائے گا۔

تیسرا قسم کا توڑنا پس اگر اشارہ کیا کہ وہ قسم کھاتا ہے کہ کلام نہیں کرے گا پھر اشارہ سے کلام کیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس طرح کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔

رہی طلاق تحریری، سو وہ لفظ کی قائم مقام ہے اور اس سے طلاق واقع ہو جائے گی جس کی چند شرائط ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ تحریر کے ساتھ نیت بھی ہو پس اگر کسی نے اپنی بیوی کو لکھا کہ تو طلاق یافتہ ہے اور اس سے نیت طلاق کی نہیں تھی تو وہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیوں کہ تحریر طلاق کو طلاق بالکنایہ (یعنی کنایہ والی طلاق) مانا جاتا ہے خواہ لکھنے والا کلام کر سکتا ہو یا گونگے نے لکھی ہو۔ لیکن اگر گونگے نے لکھی ہے تو لازم ہے کہ طلاق کی عبارت کے ساتھ یہ بھی لکھے کہ میرا ارادہ اس تحریر سے طلاق کا ہے۔ تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اس تحریر سے طلاق کی نیت کی گئی ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جس چیز پر تحریر لکھی گئی ہے وہ ایسی چیز ہو جس پر تحریر قائم رہتی ہے۔ مثلاً کاغذ، تختی، جھلی، کپڑا یا دیوار وغیرہ پر ہو، خواہ وہ تحریر جبراً لکھی گئی ہو یا بغیر جبر کے لکھی ہو۔ یا اس نے طلاق کی عبارت پتھر یا لکڑی پر کندہ کی ہو۔ یا زمین پر لکھی ہو لیکن اگر ہوا میں یا پانی میں تحریر کیا تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس سے طلاق نہ ہوگی اگر چہ اس کی نیت کی ہو۔

Marfat.com

تیسری شرط یہ ہے کہ خاوند نے طلاق کی تحریر خود لکھی ہو اگر کسی اور کو لکھنے کے لئے اس نے کہا اور اس نے لکھا اور اس کی تحریر کے بموجب اس نے طلاق کی نیت کی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور اس سے طلاق واقع نہ ہوگی کیوں کہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ تحریر کرنے اور نیت کرنے والا ایک ہی شخص ہو۔

واضح ہو کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو یوں لکھا کہ جب میری یہ تحریر تیرے پاس پہنچے تو تجھے طلاق ہے تو جس وقت بھی وہ تحریر اس کی بیوی کے پاس پہنچی اور وہ تحریر محو نہیں ہوئی تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ تحریر ایسی روشنائی سے لکھی گئی کہ لکھنے کے بعد اڑ گئی یا وہ تحریر پنسل سے لکھی ہوئی دھندلی ہے کہ مٹ گئی اور اس کا نشان باقی نہ رہا کہ پڑھی جا سکے اور تب بیوی کو ملے تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ ہاں اگر نشان باقی ہے اور اس کا پڑھنا ممکن ہو تو اس تحریر کو تسلیم کر لیا جائے گا۔ اگر تحریر کا کچھ حصہ مٹ گیا لیکن طلاق کی عبارت باقی رہ گئی تو بقول صحیح طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر صرف بسم اللہ اور حمد اور آداب وغیرہ باقی رہ جائے تو طلاق نہ ہوگی لیکن اگر یوں لکھا کہ "اس کے بعد معلوم ہو کہ تجھ کو طلاق ہے" اور یہ نہیں لکھا کہ "جس وقت یہ تحریر تیرے پاس پہنچے" تو اس عورت کو اس وقت سے (جب کہ تحریر لکھی گئی) طلاق ہو جائے گی۔ جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔ اگر بیوی کہے کہ تحریری طلاق اسے مل گئی ہے اور خاوند انکار کرے تو خاوند کی بات اس کے قسم کھانے پر مان لی جائے گی۔ لیکن اگر اس کی شہادت موجود ہو کہ یہ تحریر اس نے لکھی ہے تو اسے نہیں سنا جائے گا بجز دو حالتوں کے:

ایک تو یہ کہ گواہ نے خود لکھتے ہوئے دیکھا کہ اس نے طلاق کی عبارت لکھی۔ دوسرے یہ کہ گواہ نے شہادت دینے کے وقت تک ان الفاظ کو یاد رکھا۔

اگر خاوند نے لکھا کہ جب تو میری تحریر کو پڑھے تو تجھے طلاق ہے۔ درآنحالیکہ وہ عورت لکھنا پڑھنا جانتی ہو تو اسے طلاق نہ ہوگی جب تک کہ وہ طلاق کی عبارت نہ پڑھ لے یا اس کا مطالعہ کرے اور سمجھ لے۔ اگرچہ زبان سے نہ بولے اس کے لئے یہ کافی نہ ہوگا کہ کوئی اسے پڑھ کر سنائے۔ اگر عورت تحریر کے پہنچنے سے پہلے آنکھوں سے معذور ہو جائے اور کوئی دوسرا شخص اسے پڑھ کر سنائے تو (طلاق کے لئے) یہ کافی نہیں ہے۔ لیکن اگر بیوی ناخواندہ ہے اور لکھنا پڑھنا نہ جانتی ہو اور خاونداس بات سے آگاہ ہو اور کوئی دوسرا اسے پڑھ کر سنا دے تو طلاق ہو جائے گی۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ خاوند کو اس کی حالت کا علم نہ ہو ایسی صورت میں اگر کوئی اور شخص اسے پڑھ کر سنا دے تو اسی پر عملدرآمد ہوتا ہے جو مراد لیا جائے۔ چنانچہ اگر اس نے بیوی سے کہا کہ تو طلاق یافتہ ہے اور طلاق کے معنے اس نے پابندی (یا قید) سے چھٹکارا پانے کے لئے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا اس کی یہ بات حاکم کے نزدیک بھی قابل تسلیم ہے یا نہیں؟ تو اگر لفظ صریح استعمال ہوا ہے تو ایک قول کے مطابق اس کی بات مان لی جائے گی۔ لیکن اگر کنایہ کے الفاظ ہیں تو بلا اختلاف اس کا کہنا تسلیم کیا جائے گا۔ پس اگر کنایۃً طلاق لکھی مثلاً یوں لکھا کہ میری بیوی فلاں آزاد ہے اور اس سے طلاق مراد لی تو طلاق ہو جائے گی۔

تحریر کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ کسی ایسی چیز پر درج ہو جس پر تحریر قائم رہے۔ لیکن اگر وہ تحریر اس نے کسی تکیہ یا پانی پر یا ہوا میں لکھی تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی کیوں کہ یہ ایک ایسی آہستہ آواز کی مانند ہے جو سنی نہ جا سکے۔

حنابلہ، شافعیہ اور حنفیہ کی طرح، طلاق کے واقع ہونے کی شرط یہ لگاتے ہیں کہ طلاق ایسے الفاظ میں ہو جو سنے

Marfat.com

اب رہا غصے میں طلاق دینے کا بیان' سو معلوم ہونا چاہئے کہ بعض علماء نے غصہ کی تین قسمیں بتائی ہیں:

پہلی قسم غصہ کی ابتدائی ہے جس میں غضبناک انسان کی عقل میں فتور نہیں آجاتا اور جو کچھ کہتا ہے وہی اس کا مقصد ہوتا ہے اور اپنے قول کو جانتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ غصہ کی ایسی حالت میں طلاق دی جائے وہ پڑجاتی ہے اور بالاتفاق اس پر عملدرآمد ہوگا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ غصہ اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہو کہ غصہ میں اس شخص کی عقل میں فتور آجائے اور اسے دیوانہ بنادے۔ اسے معلوم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور اس کا کیا انجام ہے؟ اس حال میں کوئی شک نہیں کہ اگر وہ طلاق دے تو اس کی طلاق واقع نہ ہوگی کیوں کہ اس وقت اور پاگل انسان برابر ہوجاتے ہیں۔

تیسری قسم ان دونوں حالتوں کے درمیان اوسط درجہ کے غصہ کی ہے۔ بایں طور کہ غصہ سخت ہو جائے اور وہ شخص اپنی عادت کے خلاف حرکتوں پر اتر آئے لیکن غصہ میں پاگل نہ ہوگیا ہو کہ یہ نہ جانتا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور اس کے کیا معنی ہیں۔ جمہور علماء کا یہ خیال ہے کہ اس حالت میں بھی طلاق ہو جاتی ہے۔(۱)

جاسکیں۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے جیسا کہ ان کے مسلک کے بیان میں بتایا گیا طلاق نہ ہوگی' کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ اس نے طلاق کو خود اس کے پڑھنے پر مشروط رکھا۔ اور اگر اسے یہ علم ہے کہ وہ ناخواندہ ہے اور اسے یہ تحریر لکھی پھر اس تحریر کے بیوی تک پہنچنے سے پہلے وہ لکھنا پڑھنا سیکھ گئی تو قابل اعتماد قول اس صورت میں یہ ہے کہ وہ خود پڑھے یا کوئی دوسرا اسے پڑھ کر سنائے (دونوں صورتوں میں) طلاق ہوجائے گی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اشارہ کی دی ہوئی طلاق نہیں ہوتی خواہ کوئی ایسا شخص ہو جو بولنے کی صلاحیت رکھتا ہے یا گونگا ہو۔ پس اگر اس نے یہ لکھا دیا کہ میری فلاں بیوی کو طلاق۔ ہے تو نیت کے بغیر بھی اسے طلاق ہوجائے گی۔ کیوں کہ یہ تحریر طلاق کے بارے میں صراحت ہے۔ اس میں نیت کی حاجت نہیں ہے یہ بالکل منہ سے لفظ ادا کرنے کے برابر ہے۔ ہاں اگر لفظ 'طلاق' کے لکھنے سے اس نے کچھ اور ہی مطلب لیا ہو مثلاً خط (تحریر) کی اصلاح یا بیوی کو غصہ دلانا یا قلم کا آزمانا تو طلاق کے سوا جو کچھ بھی اس کا ارادہ اس تحریر سے تھا اسی کو تسلیم کرلیا جائے گا۔ کیوں کہ لفظ صریح ہیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ غصے کی یہ اقسام جس نے بتائی ہیں وہ ابن قیم حنبلی ہیں اور ان کی یہ رائے ہے کہ تیسری قسم کے غصہ میں طلاق دی جائے تو نہیں پڑتی۔ حنفیہ کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ جس شخص کو غصہ اس کی خصلت اور عادت سے دور کر دے اور اس کے قول وفعل میں بے ہودگی کا غلبہ ہوجائے اس کی طلاق واقع نہ ہوگی' کیوں کہ اس حال میں اس کی قوت مدرکہ معطل ہوجاتی ہے اور اس کا ارادہ فہم صحیح پر مبنی نہ ہوگا' لہٰذا اس کی حالت ایک پاگل انسان کی سی ہوجائے گی' کیوں کہ ضروری نہیں کہ پاگل شخص بھی ہمیشہ ہی ایسی حالت میں رہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے اس کی اسے خبر نہ ہو۔ بسا اوقات وہ بھی

Marfat.com

واضح ہو کہ طلاق کے صحیح ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی ذمی نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو درست ہے۔ جیسا کہ غیر مسلم عورتوں سے نکاح کے بیان میں بتایا گیا۔ (۱)

معقول بات کہتا ہے اور ہمیشہ بکواس میں نہیں لگا رہتا۔

ظاہر ہے یہ قول ابن قیم کے قول کی تائید کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ انہوں نے یہ صراحت کر دی ہے کہ وہ شخص بالکل ہی پاگل نہ ہو گیا ہو اور یہاں باوجود اسکے کہ ابن قیم حنبلی مسلک کے آدمی ہیں حنابلہ ان کے برخلاف اس رائے کو تسلیم نہیں کرتے۔

مذہب کے قاعدوں کا جو تقاضا ہے اس کے بموجب ایسا غصہ جو انسان کی عقل کو فسخ نہ کر دے اور اسے پاگل کی طرح نہ بنا دے اس کی دی ہوئی طلاق بلاشبہ واقع ہو جاتی ہے۔ غصہ کی تیسری قسم اس قسم کا غصہ ہے اور وہ یہ ہے کہ غصہ اتنا زیادہ ہو کہ انسان اپنے آپے سے باہر ہو جائے' لیکن بالکل پاگل نہ ہو جائے کہ جو کچھ کہے اس کا علم اسے نہ ہو تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن وہ غصہ جس میں عقل جاتی رہے اور غصہ میں انسان بالکل پاگل کی مانند ہو جائے اس حال میں جو طلاق دی جائے وہ قابل اعتبار نہیں ہے اور بلاشبہ وہ عائد نہ ہو گی۔

بہ ظاہر حنفیہ کا کہنا بھی یہی ہے لیکن بعض حنفیہ کی وہ تحقیق جس کا ذکر اوپر کیا گیا کہ انسان جب غصہ میں آ کر اپنے آپے سے باہر ہو جائے اور اسے بے ہودہ اقوال و افعال سرزد ہونے لگیں تو اس کی طلاق واقع نہ ہو گی' یہی خیال بہتر ہے کیوں کہ اس حالت میں اس کی کیفیت اس شخص کی مانند ہوئی جو نشے کی حالت میں ہو اور جس کی حالت ایسے مشروب کے استعمال سے زائل ہو گئی ہو جو حرام نہ ہو تو وہ کہتے ہیں کہ اس کی طلاق واقع نہ ہو گی۔ پس چاہئے کہ غصہ میں انسان کی حالت بھی ایسی ہی تصور کی جائے۔

(یہاں پر) کہا جاتا ہے کہ غصہ والے کو ایسے مخمور پر قیاس کرنا جو مشروب حلال سے نشہ میں آ گیا ہو صرف اس شخص کے لئے محدود ہے جس کا غصہ حق کے لئے ہو مثلاً کوئی شخص اپنی آبرو' مال' جان یا دین کی حفاظت میں قہر آلود ہو۔ اگر اس کا قہر کسی خراب مقصد کے لئے ہے مثلاً اسے ایسے شخص پر غصہ ہو جو ناحق بات پر اس کی ہمنوائی نہ کرے یا وہ اپنی بیوی پر جبر وستم کے طور پر غصہ کرے اور اس کا غصہ اپنی حد تک پہنچ جائے تو اس کی طلاق پڑ جائے گی کیوں کہ اس نے غصہ میں زیادتی سے کام لیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ غصہ انسان کی ایک نفسیاتی کیفیت کا نام ہے جو ذات انسان کے ساتھ وابستہ ہے اور اس سے خارجی اثرات کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ بذات خود حرام نہیں ہے' بلکہ انسان کے لئے لازمی ہے تاکہ اسے اس کے مذہب' آبرو اور مال و جان کی حفاظت پر برانگیختہ کر سکے۔ غصہ کو ایسے وقت استعمال کرنا جس کے لئے وہ نہیں بنایا گیا حرام ہے' بخلاف شراب کے کہ اس کے استعمال کی نافرمانی کسی حال میں بھی انسان کے لئے درست نہیں ہے۔ پس شراب کے نشہ کی حالت میں جابر شخص کے طلاق کا واقع ہونا اس لئے ہے کہ سختی کے ساتھ اس کے قریب جانے سے روکا جائے رہا خود غصہ سے کسی کو منع کرنا ممکن ہی نہیں ہے کیوں کہ انسان کے لئے یہ ناگزیر ہے۔ لہٰذا غصے کو شراب وغیرہ اشیائے مسکرات پر جس کے پاس تک نہ پھٹکنا انسان پر واجب ہے قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ کافر کی طلاق قابل اعتبار نہیں ہے جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

Marfat.com

طلاق کی قسموں کا بیان

فقہاء نے مختلف لحاظ سے طلاق کی چند قسمیں کی ہیں۔ چنانچہ بحیثیت احکام شرعیہ اس کی اقسام واجب، حرام، مکروہ، مستحب اور جائز ہیں۔ طلاق واجب ہوجاتی ہے جب انسان فرائض زوجیت کی ادائیگی سے عاجز ہو۔ اور طلاق حرام اس وقت ہوگی جب طلاق دینے سے انسان کے حرام میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ ہو یا اس عورت پر ظلم ہو اور طلاق اس کی بربادی کا موجب ہو۔ طلاق کو مکروہ یا مستحب یا جائز ان نتائج کے پیش نظر کہا جائے گا جو طلاق سے ظاہر ہوں۔ اس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔ طلاق دینے کے وقت کے اعتبار سے یعنی جب خاوند طلاق دیتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ طلاق سُنی و طلاق بدعی۔ یہ تقسیم احکام شرعیہ کی حیثیت سے جو تقسیم بتائی گئی ہے اس کے منافی نہیں ہے۔

الفاظ یا عبارت کی رو سے اس کی قسمیں یہ ہیں: طلاق صریح (واضح الفاظ میں طلاق دینا) طلاق بالکنایہ (غیر واضح الفاظ میں طلاق دینا) طلاق بائن (نکاح کو ختم کرنے والی طلاق) اور طلاق رجعی (قابل رجوع طلاق) ان میں سے ہر قسم کی طلاق کی تفصیل اس کے مخصوص عنوان کے تحت بیان کی جائے گی۔

طلاق واجب اور طلاق حرام وغیرہ کی تقسیم

بنیادی طور پر طلاق کراہیت سے متصف ہے یعنی ہر طلاق بذات خود مکروہ ہے [1] پس خاوند کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو بلا سبب طلاق دے دے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ''ابغض الحلال الی اللہ الطلاق'' (یعنی حلال باتوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ شے اللہ کے نزدیک طلاق ہے) اس سے یہ مراد نہیں کہ 'حلال طلاق' میں اللہ کے نزدیک کوئی امر ناپسندیدہ نہیں ہے بلکہ وہ تمام طلاقیں شرع کی نظر میں پسندیدہ ہیں۔ لہٰذا وہ مرغوب شے ہوئی۔ بات یہ ہے کہ یہاں پر حلال کا لفظ حرام کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے۔ جس میں مباح اور مکروہ

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ طلاق کے بارے میں بنیادی بات یہ ہے کہ وہ طریق خوب کے خلاف ہے لہٰذا اسے مکروہ تو نہیں کہنا چاہئے تاہم وہ مکروہ کے قریب ہے۔ اس خیال کو بعض اصحاب نے اس طرح پیش فرمایا ہے کہ طلاق نہ دینے کو طلاق دینے پر ترجیح حاصل ہے۔ طلاق اس صورت میں حرام ہے جب انسان کو یہ اندیشہ ہو کہ بیوی کو طلاق دینے کے بعد وہ اس کے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ بدکاری میں ملوث ہوجائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ طلاق کی حیثیت کے بارے میں دو رائیں ہیں ایک یہ کہ وہ بنیادی طور پر جائز ہے لیکن یہ رائے کمزور ہے اور صحیح رائے جس سے اہل تحقیق متفق ہیں یہ ہے کہ بنیادی طور پر وہ ممنوع یعنی حرام ہے۔

Marfat.com

داخل ہیں اور طلاق مکروہ اور ناپسندیدہ باتوں میں داخل ہے اور بعض صورتیں سخت ترین ناپسندیدہ امور میں سے ہیں۔ پس طلاق کو اگرچہ شریعت نے میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کا ایک درست سبب قرار دیا ہے لیکن اسے (بہر حال) مکروہ بتایا ہے اور بلا وجہ اس پر عمل کرنا ناپسندیدہ ہے۔ پھر ایسے اسباب پیش آ سکتے ہیں جو کبھی طلاق کو واجب' کبھی حرام' کبھی مکروہ اور کبھی مستحب قرار دیتے ہیں۔ پس کبھی طلاق واجب ہو جاتی ہے اور خاوند کو طلاق دینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ شخص عورت کے پاس جانے یا اس کے خرچ وغیرہ کو پورا کرنے سے عاجز ہو[1] اس صورت میں عورت کو حق ہوتا ہے کہ اپنی طلاق کا مطالبہ کرے اور اس کا مطالبہ پورا کیا جائے اور مرد پر مذہباً واجب ہوتا ہے کہ اس بیوی کو طلاق دے دے کہ مبادا اسے رکھ کر اس کی بداخلاقی کا موجب اور اس کی بے آبروئی اور ستم کشی کا سبب بن جائے اور یہ طلاق اس صورت میں حرام ہوگی جب کہ طلاق کے نتیجہ میں خاوند اس عورت یا کسی اور عورت کے ساتھ گناہ میں ملوث ہو۔ یا طلاق دے کر لوگوں کی حق تلفی کا موجب بنے۔ طلاق اگر بغیر کسی وجہ کے دی جائے تو یہ فعل مکروہ ہے کیوں کہ یہ بات بتائی گئی ہے کہ بنیادی طور پر طلاق امر ناجائز ہے اور طلاق مستحب اس حال میں ہوگی جب کہ بیوی بداخلاق ہو[2] مثلاً بدکار یا ہتک کرنے والی (گستاخ) یا فرائض نماز' روزہ وغیرہ کی تارک ہو۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ دوسرے کی بیوی کو کسی سبب سے بھی طلاق دلائے۔ لیکن جو شخص بیوی کے نان نفقہ سے عاجز ہو اسے قید کی سزا دی جا سکتی ہے کہ یا تو بیوی کو چھوڑ دے یا اس کا خرچ برچ اٹھائے۔ اس طرح وہ کہتے ہیں کہ طلاق پر کسی کو مجبور نہ کیا جائے گا سوا اس صورت کے جب کہ وہ مباشرت کے قابل نہ ہو یعنی نامرد ہو یا مقطوع العضو یا مقطوع الخصیتین ہو جیسا کہ عیوب کے بیان میں بتایا گیا۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں دو رائیں ہیں ایک تو یہ کہ خراب اخلاق والی عورت کو طلاق دینا مستحب ہے لیکن امام احمدؒ سے منقول ہے کہ ایسی عورت کو طلاق دینا فرض ہے خاص کر ایسی صورت میں جب کہ بدکار ہو یا نماز روزے کی تارک ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ طلاق بدعی میں تعداد کو دخل نہیں ہے۔ خاوند کو حق ہے کہ وہ تین طلاقیں (بیک وقت) دے دے اور اسے طلاق بدعی نہیں کہا جائے گا۔ ہاں ایسا کرنا بہتر طریق کے خلاف ہے۔

Marfat.com

طلاق سُنّی وطلاق بدعی کا بیان ہر ایک کی تعریف

یہ تو بتایا جا چکا ہے کہ طلاق کی دو قسمیں ہیں طلاق سُنّی اور طلاق بدعی طلاق سنی وہ ہے جو مقررہ وقت اور مقررہ تعداد میں دی جائے اور بدعی وہ ہے جس میں اس کو ملحوظ نہ رکھا جائے مثلاً کسی نے بیوی کو ایام مخصوص یا حالت نفاس میں طلاق دی یا تین طلاقیں بیک وقت دیں تو یہ سب طلاقیں طلاق بدعی ہیں۔ مزید برآں طلاق سُنّی و بدعی کی تعریف اور مسالک مختلفہ کی رُو سے اس کے متعلقہ امور تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو جو مخصوص حالات لاحق ہوتے رہتے ہیں ان کے پیش نظر طلاق کی دو قسمیں ہیں: طلاق سنی وطلاق بدعی، پھر طلاق سنی کی دو قسمیں ہیں: طلاق سنی حسن اور طلاق سنی احسن۔ حسن طلاق یہ ہے کہ عورت کے پاک ایام میں جس میں مباشرت نہ ہوئی ہو بیوی کو ایک طلاق رجعی دی جائے۔ اور اس سے پہلے ایام ناپاکی میں بھی اس سے مقاربت نہ کی ہو۔ اب اگر دوسری طلاق دینے کا ارادہ ہو تو ایام عدت کے اندر پہلی بار ناپاک ہونے اور پھر پاک ہونے کا انتظار کرے (پاک ہونے کے بعد) دوسری طلاق رجعی دے پھر اگر تیسری طلاق کا ارادہ ہو پھر اسی طرح ایام مخصوص کے آنے اور اس سے پاک ہونے کا انتظار کرے۔ پھر پاک ہونے پر تیسری طلاق دے دے۔ غرض طلاق سنی چار شرائط پر موقوف ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ پاکی کی حالت میں طلاق دی جائے۔ اگر ایام مخصوص حالت نفاس میں طلاق دی تو یہ طلاق بدعی ہوگی، جو گناہ اور حرام ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ پاک ہونے کے بعد اس سے مباشرت نہ کی ہو۔ اگر مباشرت کر لی اور پھر طلاق دی تو یہ فعل بھی حرام ہے۔ اسی طرح اگر کسی اور نے اس کی بیوی کے ساتھ شبہ میں یعنی اسے اپنی بیوی سمجھ کر سوتے میں مباشرت کر لی تو تب بھی طلاق دینا اسی طرح حرام ہوگا کیوں کہ پاک دنوں میں مباشرت کی گئی ہو تو ان دنوں میں طلاق دینا حلال نہیں ہے کیوں کہ ممکن ہے کہ اسے حمل ہو گیا ہو لیکن اگر کسی شخص نے ناجائز (فعل حرام کے) طور پر اس سے مباشرت کر لی تو اب خاوند کو چاہئے کہ وہ فوراً بلا توقف اس کو طلاق دے دے۔ ان دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ اول تو بدکار عورت کو خاوند خود نہیں رکھ سکتا، دوسرے یہ کہ بدکاری پر نکاح کے احکام عائد نہیں ہوتے۔

واضح ہو کہ اسی حکم میں محض تخلیہ کا ہونا بھی مباشرت کے برابر ہے۔ چنانچہ اگر پاک دنوں میں بیوی سے تخلیہ بھی ہوا تو اب طلاق دینا حلال نہ ہوگا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ صرف ایک طلاق رجعی دی جائے پھر (طلاق کے بعد) پہلی بار پاک ہونے کے بعد دوسری بار طلاق دے اور عدت کے دوران تیسری بار پاک ہونے پر تیسری طلاق دی جائے۔ اگر پہلی بار پاکی کے ایام میں دو طلاقیں دے دیں یا تین طلاقیں دے دیں تو یہ طلاق بدعی ہوگی۔ لیکن اگر ایک طلاق بائن (نکاح ختم کرنے والی) دی تو کہا جاتا ہے کہ یہ بھی بدعی ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بدعی نہیں ہے۔ قول اول قوی تر ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ پاکی سے پہلے ایام مخصوص میں بھی بیوی کے پاس نہ گیا ہو اگر ناپاکی کی حالت میں مباشرت کی

Marfat.com

اور پھر وہ پاک ہوئی اور پاک ہونے پر طلاق دی تو یہ فعل حلال نہیں ہے۔ بلکہ لازم ہے کہ ایام مخصوص کا انتظار کرے اور ان ایام میں اس سے علیحدہ رہے اور پاک ہوجائے تو مباشرت کئے بغیر طلاق دے۔ اگر حالت ناپاکی میں طلاق دی پھر رجوع کرلیا اور پاک ہونے کے بعد پھر طلاق دی تو کہا جاتا ہے کہ یہ طلاق سنی ہوگی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نہیں ہوگی بلکہ ضروری ہے کہ اتنا عرصہ انتظار کیا جائے کہ اسے پھر ایام مخصوص آجائیں اور پھر پاک ہو۔ اس دوسری ناپاکی کے بعد جو پاکی ہے اس میں طلاق دے اور ان ایام مخصوص اور پاکی کے ایام میں بیوی سے مقاربت نہ کرے۔ لیکن اگر ایام مخصوص میں اسے طلاق بائن دے دی ہے اور پھر اس سے نکاح کرلیا اور یہ ارادہ کیا کہ ایام کے بعد جو پاک دن ہیں ان میں طلاق دے تو یہ بالاتفاق درست ہے اور صحیح یہ ہے کہ دوسرے ایام مخصوص کے بعد جب تک وہ پاک نہ ہو طلاق دینا جائز نہیں ہے جیسا کہ آئندہ باب میں بتایا جائے گا۔

واضح ہو کہ طلاق سنی حسن یہی ہے رہا طلاق سنی احسن سو وہ بالکل طلاق سنی حسن کی مانند ہے صرف اس میں اس قدر اضافہ ہے کہ جب ایک طلاق رجعی دے دی جائے تو اسے چھوڑ دیا جائے اور دوران عدت اسے دوسری طلاق نہ دی جائے۔ عدت گزرنے کے بعد وہ خود ہی خاوند کے نکاح سے باہر ہوجائے گی اور یہ حکم کی سب سے بڑی پاسداری ہے۔ کیوں کہ مالکیہ اور حنابلہ کو دوران عدت بار بار طلاق دینے سے اختلاف ہے وہ اسے مکروہ کہتے ہیں کیوں کہ اس وقت طلاق لازم نہیں ہوتی اور جس امر پر سب کا اتفاق ہو وہ اس سے بہتر ہے جس میں اختلاف ہو۔

آگے چل کر یہ بات معلوم ہوگی کہ شافعیہ کو اس مسئلہ سے بنیادی اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ طلاق کی تعداد کو طلاق کے سنی ہونے میں کوئی دخل نہیں ہے۔ خاوند کو اختیار ہے کہ وہ دو یا تین طلاقیں بیک وقت دے دے لیکن (وہ بھی کہتے ہیں کہ) بہتر یہی ہے کہ طلاق متفرق طور پر ایام پاکی میں اور مختلف مہینوں میں دی جائے جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔

حنفیہ کے اس قول پر اعتراض کیا گیا ہے کہ طلاق حسن اور احسن طلاق میں تو حسن (خوبی کی بات) ہے ہی نہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ طلاق کی یہ صفت خود طلاق کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ طلاق دینے والے کے لئے ممکن ہو جائے کہ طلاق کا سبب موجود ہونے کے باوجود وہ اپنے نفس پر قابو رکھے اور ایک دم طلاق نہ دے دے بلکہ اس زمانے کے گزرنے کا انتظار کرے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ امر ممنوع سے اپنے نفس کو روکنا اور اسے قابو میں رکھنا اچھی بات اور نیک عمل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ طلاق اگرچہ بذات خود فعل ناپسندیدہ ہے لیکن بعض اسباب کے پیش آنے پر واجب یا مستحب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسی حالت میں لاکلام اسے طلاق کا حکم دیا جاتا ہے اور وہ فعل مستحسن ہو جاتا ہے اور یہ کہنا درست ہوتا ہے کہ یہ طلاق حکم شریعت کے مطابق دیا گیا اور طلاق کو اس وقت پر اٹھا رکھا گیا جس وقت کے لئے شارع نے حکم دیا پس وہ طلاق دو لحاظ سے امر مستحسن ہو گیا۔ اگرچہ شرعاً طلاق کا حکم نہ دیا گیا ہو لیکن اس وقت میں دیا جو شارع نے اس کے لئے مقرر فرمایا دوسرے یہ کہ اس نے اوقات ممنوعہ میں طلاق دینے سے اپنے نفس کو باز رکھا۔

واضح ہو کہ یہ احکام اس حالت میں ہیں جب کہ بیوی کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہو۔ لیکن اگر ہنوز مباشرت نہیں ہوئی اور بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا ہے تو اس کے لئے یہ قید نہیں ہے کہ پاکی کے دنوں میں ہی طلاق دی جائے بلکہ وہ

Marfat.com

مخصوص ایام میں بھی طلاق دے سکتا ہے کیوں کہ ایسی عورت کے لئے عدت نہیں ہوتی لہٰذا اس مدت کے طویل ہونے سے عورت کو ضرر نہیں پہنچتا۔ تاہم عدد کی قید لازمی ہے۔ لہٰذا وہ صرف ایک ہی طلاق دے گا۔ ایسی ہی وہ صورت حال ہے جب کہ عورت صغیر سن ہونے کے باعث ایام مخصوص سے دوچار نہ ہوئی ہو بایں طور کہ وہ نو سال سے کم عمر کی ہو۔ یا عمر کو پہنچ گئی ہو لیکن علامت ادرار ظاہر نہ ہوئی ہو۔ یا پھر اس کے ایام بند ہو چکے ہوں بایں طور کہ وہ بقول راجح پچپن سال کی ہو گئی ہو یا حاملہ ہو۔ ایسی عورت کو طلاق کے لئے زمانہ کی پابندی نہیں ہوگی' لیکن طلاق کے اعداد کی قید ہوگی۔ لہٰذا جو شخص ایسی عورت کو جو ایام مخصوص سے عاری ہے طلاق سنی حسن دینا چاہے وہ تین طلاقیں متفرق اوقات میں دے گا یعنی ہر مہینہ میں ایک طلاق رجعی۔ پس اگر چاندرات کو اس شخص نے ایک طلاق رجعی دی ہے تو اب اگلے ماہ کی چاندرات تک انتظار کرے اس کے بعد طلاق دے پھر تیسرے مہینے کی چاندرات کا انتظار کرے گا اور تب تیسری طلاق دے گا۔ اگر مہینے کے دوران طلاق دی ہے تو دوسری طلاق تیس دن گزرنے کے بعد اکتیسویں دن دے گا اور تیسری طلاق مزید تیس دن گزرنے کے بعد دے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ متفرق طور پر طلاق دینے میں اگر مہینے کی پہلی رات یعنی چاندرات کو طلاق دی ہے تو چاند کے دیکھنے والی رات کا اعتبار کیا جائے گا' لیکن اگر وسط ماہ میں طلاق دی ہے تو (مہینے کا) فاصلہ دنوں کے اعتبار سے مقرر کیا جائے گا لہٰذا وہ دوسری طلاق اکتیسویں دن دے گا۔ غرض ایسی عورتوں کے لئے جنہیں ایام مخصوص نہیں آتے یہی طلاق سنی حسن ہے۔ اور طلاق سنی احسن یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی مہینے کے آغاز میں دی جائے اور پھر ایام عدت میں دوبارہ طلاق نہ دی جائے کیوں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ پس اگر آغاز ماہ میں طلاق دی ہے تو اب اسے چھوڑ دینا چاہئے یہاں تک کہ تین ماہ کی میعاد گزر جائے یا اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل ہو جائے۔

الغرض عورت یا تو ایسی ہوگی جس کے ساتھ مباشرت نہیں ہوئی یا ایسی ہوگی جس کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہے۔ اگر مباشرت ہو چکی ہے تو اس کی طلاق سنی حسن طلاق دے دینے یا رجوع کر لینے کا اختیار ہے اس نے رجوع نہ کیا اور اس خیال سے باز رہا تو گو عورت حالت ایام مخصوص یا حالت نفاس میں ہو اسے طلاق دینا واجب ہوگا۔

امر سوم تصفیہ کنندگان کا فیصلہ ہے جب کہ باہمی ناچاقی کی صورت میں دو تصفیہ کنندگان نے مصلحت کے پیش نظر طلاق کا فیصلہ کر دیا تو واجب ہوگا کہ اس فیصلہ پر بغیر کسی مزید انتظار کے عمل درآمد کیا جائے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ حاکم شرع خاوند کے خلاف طلاق دینے کا فیصلہ دے دے۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ طلاق اس صورت میں واجب ہوتی ہے جب کہ خاوند فرائض زوجیت کی ادائیگی سے عاجز ہو یا اس نے ایلاء کیا ہو یا دو تصفیہ کنندگان نے طلاق کا فیصلہ صادر کیا ہو۔ پہلی صورت میں چاہئے کہ طلاق سنی کا وقت ملحوظ رکھا جائے باقی صورتوں میں نہیں۔

طلاق حرام کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کی کئی بیویاں ہوں اور باری باری سے ہر ایک کے ہاں رات بسر کرتا ہو۔ یہاں تک کہ اس بیوی کی باری آئے جسے وہ ناپسند کرتا ہے تو بغیر اس کے کہ اس کی باری کو پورا کرے اسے طلاق دے دے اس کا حق ادا کرنے سے پہلے طلاق دینا حرام ہے۔ پھر یہ طلاق حرام کبھی تو سنی ہو سکتی ہے جب کہ وہ پاکی کے ایام میں جس میں مباشرت نہ ہوئی ہو طلاق دے۔ یا ایام ناپاکی کے اخیر میں دے۔ اور کبھی یہ طلاق بدعی ہوگی جب کہ ایام ماہواری یا

Marfat.com

حالت نفاس کے آخری اوقات سے پہلے دے یا ایسی پاکی میں دے جس میں اس نے مباشرت کرلی ہو یا اس سے پہلے ایام ناپاکی میں اس کا مرتکب ہوگیا ہو۔

طلاق مستحب کی مثال یہ ہے کہ بیوی پاک دامن نہ رہی ہو تو اسے طلاق دینا مستحب ہے اور یہ طلاق بطریق مذکورہ بالا کبھی سنی ہوگی اور کبھی بدعی۔ تاہم چاہئے کہ بدکار عورت کے مسئلہ میں اس کی تفصیل کو ملحوظ رکھے۔ چنانچہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کی بیوی گناہ میں ملوث ہوئی ہے اور ہنوز وہ اس کی پابند ہے تو ایسی صورت میں وہ طلاق دینے میں انتظار کا ذمہ دار نہیں ہے۔ لیکن اگر عورت کی بدکرداری کو جانتے ہوئے اس سے شادی کرلی تو اب لازم ہوگا کہ طلاق میں وقت سنی کا لحاظ رکھے کیوں کہ وہ اس حالت پر بھی اس سے راضی ہے لہٰذا بعد میں اس کے رنجیدہ ہونے کے کچھ معنے نہیں۔

پانے کے بعد) بیوی کہے کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا (یعنی تیسرے اختیار میں نہیں رہی) تو یہ بھی درست ہے۔ پانچویں یہ کہ خاوند بیوی سے کہے کہ اگر تو چاہے تو خود اپنے نفس کو طلاق دے لے اور بیوی اپنے تئیں تین طلاقیں دے لے تو وہ ایسا کرسکتی ہے (خواہ کسی بھی حال میں ہو) باوجود اس کے کہ طلاق سنی میں' جیسا کہ بتایا گیا ہے' یہ ضروری ہے کہ ایک طلاق دی جائے۔ ایسا حکم اس لئے ہے کہ اس حال میں وہ عورت مجبور ہے اگر ٹھہر جاتی ہے تو یہ موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔

ان تمام مسائل کی صورت حال ظاہر ہے۔ کہ مال کے عوض خلع میں خاوند کے لئے مال کا حاصل کرنا بغیر اس طلاق کے ممکن نہ تھا اگر وہ وقت فوت ہو جاتا ہے تو معاوضہ کا مال بھی جاتا رہتا' لہٰذا طلاق کی اجازت دی گئی۔ یہی حال مال کے عوض طلاق کا ہے۔ اس کے علاوہ اور صورتوں میں طلاق عورت کے اختیار میں ہے۔ خاوند کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ حالانکہ جسے منع کیا گیا ہے وہ مرد ہے۔ عورت یا قاضی نہیں ہے۔ اگر عورت مرد سے بدعی طلاق کا مطالبہ کرتی ہے مثلاً ایام ماہواری یا حالت نفاس وغیرہ میں اور عدت کے لمبا ہونے پر راضی ہے تو خاوند کو ایسا کرنا حلال نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ طلاق کی دو قسمیں ہیں: طلاق بدعی اور طلاق سنی پھر بدعی کی دو قسمیں ہیں طلاق بدعی حرام اور طلاق بدعی مکروہ۔

اب وہ عورت جس کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہے اس پر طلاق بدعی حرام کے واقع ہونے کی تین شرطیں ہیں۔

ایک شرط یہ ہے کہ وہ عورت ایام مخصوص یا حالت نفاس میں ہو اور اسے طلاق دی جائے۔ اگر اس حالت میں اسے طلاق دی گئی تو وہ طلاق بدعی حرام ہوگی اسی طرح اگر ادرار بند ہونے لیکن غسل کرنے سے پہلے طلاق دی تو وہ بھی حرام ہے۔

یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ اس عورت کو ایام آتے ہوں اگر وہ بند ہو چکے ہیں یا وہ اتنی کم عمر ہے کہ ہنوز شروع نہیں ہوئے تو اسے طلاق دینا صحیح ہوگا اگرچہ ناپاکی کی کیفیت لاحق ہو جائے پھر بھی ایک وقت میں تین طلاقیں دینا طلاق بدعی ہوگا۔ یہی حال حاملہ عورت کا ہے کہ اسے طلاق دینا درست ہے۔ اگرچہ ناپاکی کی علامت ظاہر ہو جائے' کیوں کہ مالکیہ کے نزدیک حاملہ عورت کو بھی ادرار ہوسکتا ہے۔ لیکن کئی طلاق نہ دے ورنہ طلاق بدعی ہو جائے گی۔ اور ایسی عورت جس کے ساتھ مباشرت نہ ہوئی ہو' اسے حالت حمل کی طرح ایام مخصوص کے دنوں میں بھی طلاق دے سکتا ہے۔ لیکن

Marfat.com

ایک بار ہی طلاق دے ورنہ وہ طلاق بدعی ہوگی۔

دوسرے یہ کہ بیک وقت تین طلاقیں دے خواہ ایام مخصوص میں دے یا پاکی کے دنوں میں (بہر حال وہ طلاق بدعی ہوگی) اگر ایام میں طلاق دی تو دوہرا گناہ ہوگا ایک تو اس حال میں طلاق دینے کا اور دوسرے بیک وقت تین طلاق دینے کا۔

تیسرے یہ کہ ادھوری طلاق دے۔ مثلاً یہ کہے کہ تجھے آدھی طلاق ہے۔ یا عورت کے کسی جزو بدن کو طلاق دے مثلاً یوں کہے کہ تیرے ہاتھ کو طلاق ہے۔

طلاق بدعی مکروہ کے واقع ہونے کی دو شرطیں ہیں:

ایک یہ کہ ایسے ایام طہر (پاکی کے دنوں) میں طلاق دی ہو جس میں اس نے مباشرت کی ہے۔ دوسرے یہ کہ دو طلاقیں بیک وقت دے۔ اس سے طلاق سنی کی وہ تعریف جو مالکیہ کے نزدیک ہے واضح ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو پاکی کے دنوں میں جس کے اندر اس نے مباشرت نہ کی ہو ایک طلاق پوری دے اور اس کے علاوہ دوسری طلاق اس طہر میں نہ دے۔ اس تعریف میں اپنی بیوی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کے پورے وجود کو طلاق دے اس سے جزو بدن کی طلاق خارج ہوگئی' مثلاً یہ کہنا کہ تیرے ہاتھ کو طلاق ہے۔ اور پوری طلاق جو کہا اس سے ناقص (ادھوری) طلاق خارج ہوگئی مثلاً یوں کہنا کہ تجھے آدھی طلاق ہے۔ اور 'ایک طلاق' کی قید سے دو یا تین طلاق کا بیک وقت دینا یا بدوران عدت مختلف اوقات میں دینا خارج ہوگیا۔ پس اگر بیک وقت یا ایک طہر میں یا ایک ماہ میں یکبارگی دو طلاقیں دے دیں تو یہ حرام ہوگا اور اس تعریف میں ایک طہر میں جو کہا اس سے ایام ماہواری یا نفاس کی حالت میں طلاق دینا خارج ہوگیا خواہ ادرار بند ہوگیا ہو لیکن غسل نہ کیا ہو ایسی حالت میں طلاق دینا حرام ہے اور یہ جو شرط لگائی کہ 'مباشرت نہ کی ہو' اس سے پاکی کا وہ زمانہ نکل گیا جس میں مباشرت ہوئی ہو۔ اس وقت طلاق دینا مکروہ ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ طلاق کے سنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ طلاق باعتبار وقت کے اس وقت ہو جس میں طلاق دینا صحیح ہو اور اس حالت میں دی جائے جس میں طلاق واقع ہونا چاہئے۔ گو وہ طلاق بذات خود حرام' مکروہ' واجب یا مستحب ہو اگر اس صورت سے واقع ہو تو وہ طلاق سنی ہے۔ گو کسی اور وجہ سے وہ طلاق ممنوع ہو۔ اسی طرح طلاق کبھی بدعی ہوتی ہے جب کہ اس وقت اور اس تعداد کے خلاف ہو جو سنت کی رو سے مقرر کئے گئے ہیں لیکن اس کا حرام یا واجب وغیرہ ہونا دوسرے اسباب کی بنا پر ہوگا پس اس طلاق کی مثال جو کسی عارضی سبب سے حرام ہے یہ ہے کہ ایک شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ گہرا قلبی لگاؤ ہے اور یہ اندیشہ ہے کہ اگر اس کو طلاق دے دی تو مبادا پھر اس کے ساتھ گناہ میں آلودہ ہو جائے۔ ایسی صورت ہو تو اسے طلاق دینا حرام ہے اس کے باوجود اس نے اگر ایام مخصوص حالت نفاس میں اسے طلاق دی یا تین طلاقیں بیک وقت دے دیں یا ادھوری طلاق دی تو یہ فعل بھی حرام ہے اور اس طرح طلاق دینے میں دو بڑے گناہ کا مرتکب ہوا بخلاف اس صورت کے جب کہ پاکی کی حالت میں بیوی کو ہاتھ لگائے بغیر ایک پوری طلاق دے دی تو (جہاں تک طلاق کا تعلق ہے) یہ طلاق سنی ہوگی اور اس قسم کا کوئی گناہ اس پر عائد نہ ہوگا۔ طلاق واجب کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بیوی کے حقوق یعنی نفقہ اور فرائض زوجیت ادا کرنے سے عاجز ہو اور یہ امر بیوی کے لئے ضرر کا باعث ہو اور وہ اس کے ساتھ

Marfat.com

رہنا نہ چاہتی ہو تو ایسی حالت میں خاوند پر واجب ہوگا کہ بیوی کو طلاق دے دے لیکن اگر وہ طلاق بدعی دے تو وہ فعل حرام ہوگا اگرچہ دوسری حیثیت سے وہ طلاق واجب تھی۔ اس نے طلاق واجب دے کر شریعت کا حکم تو پورا کر دیا اور مستحق ثواب تھا لیکن ایسے وقت میں طلاق دی جس میں طلاق دینے سے شارع نے منع فرمایا تھا اس لئے گناہ ہوا۔ طلاق مستحب کی مثال یہ ہے کہ عورت بداخلاق اور زبان دراز (یا بدکلام) ہو تو اس صورت میں طلاق دی تو مستحب اور کار ثواب ہے لیکن طلاق بدعی ہو تو اس دوسری حیثیت سے مستوجب سزا ہے۔ اگر طلاق سنی دیتا تو اس پر سزا نہ ہوتی اور طلاق مکروہ کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کی بیوی کے ساتھ رہنے کی خواہش ہے اور عمر بھر اس کے ساتھ رہنا چاہتا ہے اور اس کے ساتھ رہنے میں اس کی عبادات واجبہ میں حرج بھی نہیں ہوتا تو ایسی حالت میں طلاق دینا مکروہ ہے۔ اگر اس نے طلاق بدعی دی تو گناہ ہوگا اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ طلاق دینا بذات خود خلاف اولیٰ (طریق بہتری) کے خلاف ہے۔ لہٰذا اگر مذکورہ اسباب میں سے کوئی سبب طلاق کا موجود نہ ہو اور بیوی کو طلاق دی تو یہ بات اچھی نہ کی اور اگر بلا سبب طلاق بدعی دی تو امر حرام کا مرتکب ہوا حالانکہ طلاق صرف امر خلاف اولیٰ تھا۔ چنانچہ اگر طلاق سنی دی تو صرف طریق اولیٰ کے خلاف کیا اور شریعت کی نظر میں محبت کی بجائے عتاب کے قریب تر ہو گیا واضح ہو کہ مالکیہ کے نزدیک اس امر کو ترجیح حاصل ہے کہ طلاق بدعی کو حرام مانا جائے قطع نظر اس کے کہ اس سے عورت کی عدت کا زمانہ لمبا ہو جاتا ہے جس کا حرام ہونا حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ اسی لئے مالکیہ ایام مخصوص وغیرہ میں خلع کو مستثنیٰ قرار نہیں دیتے چنانچہ اگر ان دنوں میں کوئی عورت خاوند سے مال کے معاوضہ میں خلع کا مطالبہ کرے تو اس کے مطالبہ پر عمل کرنا حرام ہے۔ نیز اگر اس طلاق سے عدت طویل ہو جائے تو یہ عورت کا حق ہے اور اگر خلع کو ساقط کرنے پر وہ راضی ہو جائے تو جائز ہے۔ باوجود اس کے کہ ایسا نہیں ہے اور یہ بھی ہے کہ خاوند کو رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا جیسا کہ آگے بتایا جا رہا ہے بغیر اس کے کہ عورت رجوع کرنے کا مطالبہ کرے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رجوع شریعت کا حق ہے عورت کا حق نہیں ہے۔ البتہ نکاح فاسد کا فسخ کرنا درست ہے۔ جو مباشرت سے پہلے اور بعد میں بھی اور عورت کے ایام مخصوص میں بھی ہو سکتا ہے کیوں کہ ان کی باہمی علیحدگی خرابی کو دور کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ یہی مثال طلاق ایلاء کی بھی ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں چار ماہ سے زیادہ عرصہ تک اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤں گا۔ اب اگر اس سے رجوع کرلے تو خیر ورنہ طلاق واجب ہو جائے گی اگرچہ وہ ایام مخصوص میں ہو۔ ایسی صورت میں اسے (ایلاء سے) رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور پاکی کی حالت میں اسے طلاق دینا ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اس حیثیت (یعنی وقت اور حالت کے لحاظ) سے طلاق کی تین قسمیں ہیں: اول طلاق سنی۔ دوم طلاق بدعی۔ سوم وہ طلاق جو نہ سنی ہو نہ بدعی ہو۔ پھر سنی طلاق کے لئے چار پابندیاں ضروری ہیں۔

اول یہ کہ عورت کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہو۔ اگر وہ مباشرت شدہ نہیں ہے تو اس کی طلاق نہ سنی ہے نہ بدعی۔

دوم یہ کہ وہ اقراء (یعنی طہر یا حالت پاکی) کی عدت گزار رہی ہو۔ اقراء قرء کی جمع ہے اور ایام ماہواری سے پاک ہونے کو کہا جاتا ہے کیوں کہ شافعیہ کے نزدیک عدت کا شمار پاک ہونے کے ایام سے ہوتا ہے ناپاکی کے ایام سے نہیں ہوتا لہٰذا اگر پاکی کا زمانہ تھوڑا ہی باقی تھا کہ بیوی کو طلاق دی پھر وہ ناپاک ہو گئی تو وہ تھوڑا سا لحظہ جو پاکی کا باقی تھا وہ کامل پاکی کا دن تصور کیا جائے گا۔ جیسا کہ عدت کے بیان میں بتایا جائے گا۔ اگر عورت کے ایام مخصوص بند ہو چکے ہیں یا اتنی چھوٹی عمر

Marfat.com

ہے جس میں یہ حالت طاری نہیں ہوتی یا باقاعدہ نکاحی عورت مباشرت کے بعد حمل سے ہو یا اس نے خلع کا مطالبہ کیا ہو اور وہ عورت حالِ ادرار میں ہو اور اسے طلاق دی جائے تو وہ نہ طلاق سنی کہی جائے گی اور نہ طلاق بدعی اس لئے کہ اس کے ایام عدت معلوم ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں۔ صغیر سن عورت یا ایام سے مایوس گشتہ عورت تین ماہ عدت گزارے گی اور حاملہ کی عدت زمانہ وضع حمل تک ہے۔ لہٰذا عورت کی مدت طویل ہو جانے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر حاملہ ایسی عورتوں میں سے ہو جن کو حمل کے دنوں میں بھی ادرار ہو جاتا ہے تو ناپاکی کی حالت میں بھی ان کو طلاق دینا درست ہے بشرطیکہ حمل ظاہر ہو۔ اگر حمل ظاہر نہ ہو اور ناپاکی کی حالت میں طلاق دی گئی تو یہ طلاق بدعی ہوگی۔ کیوں کہ اظہار حمل کے بعد اس کا نتیجہ ندامت ہوگا اور وہ شخص تین طلاق دینے پر شرمندہ ہوگا کہ اس کی اولاد اس کی بیوی کے پاس ہوگی۔ (اور وہ اس سے محروم ہوگا) لیکن اگر وہ حمل بدکاری کا نتیجہ ہو یا شبہ کی مباشرت سے حمل ہو گیا ہو اور اس حمل کی حالت میں طلاق دی تو وہ طلاق بدعی ہوگی اگر ایک شخص نے کسی غیر شادی شدہ عورت سے شادی کر لی اور وہ عورت کسی اور سے آلودہ ہو گئی درآنحالیکہ خاوند موجود نہ تھا اور وہ اس بدکار سے حاملہ ہو گئی پھر خاوند آ گیا اور اسے اس بات کا علم ہو گیا تو اسے جائز نہیں ہے کہ ایسی حالت میں طلاق دے دے بلکہ رکا رہے یہاں تک کہ وہ وضع حمل کرے اور نفاس سے پاک ہو جائے۔ اس سے عدت کی میعاد بڑھ جائے گی اور اگر دوران حمل میں اس عورت کو ادرار ہو جائے تو خاوند کو چاہئے کہ اس سے پاک ہونے کے بعد اسے طلاق دے۔ یہاں تک کہ اگر اس پاکی کے دوران مباشرت کر لی ہو تب بھی کیوں کہ وہ حاملہ تو ہے ہی اب دوسری بار حاملہ ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

بظاہر شافعیہ کا کہنا یہی ہے اور جیسا کہ عیاں ہے یہی مقررہ قاعدہ کے مطابق ہے جو یہ ہے کہ عورت کے ایام عدت کو طول دینا حرام ہے۔ بلکہ واجب یہ ہے کہ مرد کے طلاق دینے کے بعد ہی بلا توقف ایام عدت شروع ہو جائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**فطلقوھن لعدتھن**" (یعنی عورتوں کو ایسے وقت میں طلاق دو کہ ان کی عدت کا زمانہ معاً شروع ہو جائے۔ جیسا کہ عنقریب بتایا جائے گا۔

اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ بدکار عورت اس نرمی کی مستحق نہیں ہوتی' کیوں کہ بدکار عورت کی معصیت ثابت ہو جائے تو وہ سنگساری کی مستحق ہو جاتی ہے جو دنیا کا سب سے بڑا عذاب ہے تو یہ بات عقل میں کس طرح آ سکتی ہے کہ شریعت نے بدکار عورت کے ساتھ یہ نرم سلوک کرنے کا حکم دیا ہو کہ اس کے ایام عدت کو طول نہ دیا جائے درآنحالیکہ مرد کے لئے یہ عذر ہے کہ وہ اس عورت کے ساتھ رہنے کی ذلت اور بے حیائی کو برداشت نہیں کر سکتا اور شریعت خود اس حالت سے گریز کرنا چاہتی ہے' اسی لئے شافعیہ کے بعض اہل تحقیق کا کہنا ہے کہ یہ حکم ایسی عورت کے لئے ہے جو شادی شدہ نہ ہو اور گناہ کی مرتکب ہو گئی ہو پھر ایک شخص نے اس سے شادی کر لی ہو اور وہ اس بدکاری کے نتیجہ میں حاملہ ہو تو وہ شخص اسی حالت میں اس سے راضی ہوگا۔ لہٰذا درست نہیں ہے کہ جب تک حالت حمل ہی میں اسے ادرار نہ ہو اور وہ پاک نہ ہو جائے اسے طلاق دے۔ ورنہ واجب ہوگا کہ وضع حمل تک اسے روک رکھے پھر جب وہ پاک ہو جائے اس کے بعد طلاق دے۔

یہی صورت ٹھیک معلوم ہوتی ہے اگرچہ ان کے کلام سے بظاہر مطلقاً (طلاق دینے کی) اجازت ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ لیکن وہ عورت جس کے ساتھ شبہ میں کسی نے مباشرت کر لی ہو یعنی کسی شخص نے اسے سوتے میں غلطی سے اپنی

Marfat.com

بیوی سمجھ لیا اور اس سے مباشرت کر لی اور اس عورت کو معلوم نہ ہوا (کہ یہ غیر شخص ہے) یا اسی طرح کی کوئی اور بات ہوئی جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا اور وہ عورت اس (شبہ کی) مباشرت سے حاملہ ہوگئی تو اس کے حمل کے دوران اس کی طلاق مطلق درست نہیں ہے۔ خواہ حمل میں اسے ادرار ہو جاتا ہو یا نہ ہوتا ہو پس اگر وہ عورت حالت حمل میں ناپاک ہوئی اور پھر پاک ہوگئی تو اسے طلاق دینا درست نہیں ہے بلکہ اس وقت تک رکنا واجب ہے جب کہ وہ وضع حمل کرے اور نفاس سے پاک ہو تب اسے طلاق دی جائے۔

تیسری پابندی یہ ہے کہ وہ طلاق پاک ہونے کی حالت میں دی جائے خواہ پاک ایام کے آغاز میں یا اس کے وسط یا آخر میں بشرطیکہ علامت ناپاکی ظاہر ہونے سے پہلے طلاق دے دے۔ اگر عبارت طلاق کا ایک لفظ پاکی کی حالت میں کہا اور دوسرا لفظ ادرار کا آغاز ہونے پر ادا کیا۔ مثلاً پاکی کی حالت میں کہا ''تجھ کو'' اور ناپاکی شروع ہونے پر کہا کہ ''طلاق ہے'' تو یہ طلاق بدعی ہوگی' لیکن یہ گناہ نہیں ہے اور وہ وقت جس میں ''تجھ کو'' کا لفظ طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے پہلے استعمال ہوا عورت کے ایام پاکی میں شمار نہ ہوگی۔ انکے برخلاف جو یہ کہتے ہیں کہ یہ طلاق سنی ہے' اور وہ وقت جس میں لفظ ''تجھ کو'' واقع ہوا اسے مکمل طور پر پاکی کا وقت تصور کیا جائے گا۔ اسی طرح کی وہ مثال ہے جس کی ناپاکی کے اخیر لحظہ میں طلاق دی۔ یہ طلاق اگرچہ حالت ناپاکی میں تھی لیکن اس سے عدت کی مدت لمبی نہیں ہوئی کیوں کہ عدت کا وقت اس کے متصل ہی شروع ہو جائے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ طلاق کو عورت کے ایام پاکی کا کچھ حصہ گزرنے پر معلق رکھا مثلاً یوں کہا کہ جب تیری پاکی کے ایام کا نصف یا تہائی یا کچھ حصہ گزر جائے تو تجھے طلاق ہے۔ اسی طرح اگر ایام ناپاکی کے خاتمہ پر طلاق کو مشروط رکھا مثلاً یوں کہا کہ جب تیرے ایام مخصوص ختم ہو جائیں تو تجھے طلاق ہے۔ کیوں کہ ان تمام حالات میں طلاق سنی کی غرض یعنی طلاق یافتہ عورت کی مدت عدت کا طویل نہ ہونا مد نظر ہے۔

چوتھی پابندی یہ ہے کہ طلاق پاکی کے دنوں میں دی جائے جس میں مباشرت نہ ہوئی ہو اور نہ اس سے پہلے کے ایام ناپاکی میں ہوئی ہو۔ کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ عورت حاملہ ہو جائے اور اس وقت اس کا حمل ظاہر نہ ہو پھر بعد میں ندامت اٹھانی پڑے۔

یہ تھی تفصیل طلاق سنی کی شافعیہ کے نزدیک' اس کا ماحصل یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو جس کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہو اور اسے ایام آتے ہوں ایسے پاک دنوں میں طلاق دے جس میں مباشرت نہ ہوئی ہو اور نہ اس سے پہلے کے ایام ناپاکی میں اس کا ارتکاب کیا ہو۔ درآنحالیکہ حاملہ نہ ہو۔ یا بدکاری کا حمل ہو اور بدوران حمل ادرار نہ ہوتا ہو۔ طلاق سنی کے مقابلہ میں طلاق بدعی ہے یہ طلاق وہ ہے جس میں وہ تمام باتیں پائی جائیں جن کی پابندی طلاق سنی میں لگائی گئی ہے مثلاً اول یہ کہ وہ (طلاق سنی کے علی الرغم) اپنی مباشرت شدہ عورت کو طلاق دے جب کہ ایام ماہواری یا حالت نفاس کی ابتداء یا درمیانی وقت ہو۔ اگر ان ایام کے آخری لحظہ میں طلاق دی تو وہ طلاق بدعی نہ ہوگی۔ دوسرے یہ کہ اگر عورت بدکاری کے نتیجہ میں حاملہ ہو حالت حمل میں اسے ادرار نہ ہوتا ہو تو اسے طلاق نہ دے بصورت دیگر اس حالت میں اسے ایام سے پاک ہونے پر طلاق دینا درست ہوگا۔ اگرچہ اس کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہو کیوں کہ دوبارہ حمل کا تصور نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔ پھر اگر اسے ایام ماہواری آتے ہوں تو لازم ہے کہ رکا رہے یہاں تک کہ وہ بچہ جنے اس کے بعد طلاق دے۔

Marfat.com

یہ احکام اس صورت میں ہیں جب کہ ایک شخص ایسی عورت سے شادی کرے جو بدکاری کے نتیجہ میں حاملہ ہو۔ لیکن اگر کسی کی بیوی بدکاری میں مبتلا ہو جائے تو اسے بلا کسی انتظار کے فوراً طلاق دے دے لیکن اگر شبہ کی مباشرت سے حاملہ ہو تو جب تک وضع حمل نہ ہو اور نفاس سے پاک نہ ہو جائے اسے طلاق نہ دی جائے خواہ اسے حالت حمل میں ادرار ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔ لیکن اگر کوئی عورت باقاعدہ نکاح کے بعد حاملہ ہوئی ہو تو حمل ظاہر ہو جانے کے بعد (وضع حمل کا) انتظار کئے بغیر اسے طلاق نہ دی جائے۔ تاکہ یہ جان کر کہ وہ اولاد اسی کی ہے بیوی سے علیحدہ ہونے سے ندامت نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ طلاق کی ناپاکی کے کچھ حصے سے یا ناپاکی کے آخری لحظہ سے مشروط نہ کرے۔

رہی طلاق کی تیسری قسم یعنی وہ جس کو نہ سنی کہا جا سکے اور نہ بدعی کہا جا سکے وہ ایسی عورت کو طلاق دینا ہے جس کے ساتھ مباشرت نہ ہوئی ہو یا وہ صغیر سن ہو کہ جسے ایام نہ آتے ہوں یا وہ عورت ہے جو مایوس الولادت ہو چکی ہے یا پھر وہ جو باقاعدہ منکوحہ اور حاملہ ہے اور اس کے ساتھ خاوند کو مقاربت پسند نہ آتی ہو اور مقاربت کے بغیر اس پر خرچ کرنا اسے گوارا نہ ہو۔ ایسی عورت کو طلاق دینا طلاق مباح ہے (یعنی نہ سنی ہے نہ بدعی) اگر وہ عورت صغیر سن یا مایوس الولد ہو چکی ہے اور اس کا جی اس سے پھر جائے تو وہ اسے کسی وقت بھی اور کسی طرح کی بھی طلاق دے سکتا ہے۔ اسی طرح اس عورت کی طلاق ہے جس کے ساتھ مباشرت نہ ہوئی ہو اور خاوند نے اسے دیکھ کر ہی ناپسند کیا ہو اور اس کی طبیعت اس کی طرف مائل نہ ہو تو اسے بھی اسی طرح کی طلاق دینا مباح ہے لیکن اس طلاق کو مذکورہ بالا تعریف کی رو سے نہ طلاق سنی کہیں گے اور نہ طلاق بدعی کیوں کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ سنی طلاق وہ ہوتی ہے جس میں چار پابندیوں کو ملحوظ رکھا جائے۔ یعنی یہ کہ عورت سے مباشرت ہو چکی ہو اور یہ کہ ایام مخصوص یا حالت نفاس کے آغاز یا وسط میں طلاق نہ دی جائے اور یہ کہ ایسی پاکی کے ایام میں طلاق دی جائے جس میں مباشرت نہ ہوئی ہو اور یہ کہ وہ عورت بدکاری یا شبہ کی مباشرت سے حاملہ نہ ہو اس کی تفصیل سابقاً بیان کی گئی ہے اور طلاق بدعی طلاق سنی کے برعکس ہوتی ہے جس میں یہ پابندیاں ملحوظ نہیں ہوتیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ یہی تین اقسام طلاق ہیں جن سے وہ پانچ احکام شرعی جن کا ذکر اوپر آیا ہے اخذ کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ طلاق سنی کبھی واجب ہوتی ہے کبھی حرام، کبھی مکروہ، کبھی مستحب اور کبھی جائز۔ یہی صورت طلاق بدعی کی ہے طلاق واجب کی مثال یہ ہے کہ خاوند بیوی کے نفقہ اور فرائض زوجیت کی ادائیگی سے عاجز ہو اور بیوی اس حال پر راضی نہ ہو تو ایسی حالت میں واجب ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دی جائے جس کی تعیین شریعت نے کر دی ہے اگر چہ عورت اس وقت کے علاوہ کسی اور وقت کی طلاق پر راضی ہو۔ کیوں کہ طلاق ایسی چیز نہیں ہے جس پر صرف اکیلی بیوی کا حق ہو اور ممکن ہے کہ اسے راضی ہو کر پھر شرمندہ ہونا پڑے۔ غرض ایسا کرنا حرام ہے اگر چہ بیوی راضی ہو۔ لیکن اس حکم سے تین امور مستثنیٰ ہیں:

امر اول 'خلع' ہے جب کہ عورت مال کے عوض خاوند سے علیحدگی کا مطالبہ کرے اور ایام ماہواری یا حالت نفاس میں ہو یا ناجائز حمل وغیرہ ہو تو اسی وقت خلع کرنا (یعنی علیحدگی یا طلاق) درست ہے لیکن اسے طلاق بدعی نہیں کہیں گے۔

امر ثانی طلاق ایلاء ہے۔ یعنی اگر قسم کھائی کہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا تو چار ماہ تک (رجوع کا) انتظار کرنا ہوگا اگر چہ اس عرصہ میں خاوند کو طلاق دے دینے یا رجوع کر لینے کا اختیار ہے اس نے رجوع نہ کیا اور اس خیال سے باز رہا تو گو عورت حال ایام مخصوص یا حالت نفاس میں ہو اسے طلاق دینا واجب ہوگا۔

Marfat.com

امر سوم تصفیہ کنندگان کا فیصلہ ہے جب کہ باہمی ناچاقی کی صورت میں دو تصفیہ کنندگان نے مصلحت کے پیش نظر طلاق کا فیصلہ کر دیا تو واجب ہوگا کہ اس فیصلہ پر بغیر کسی مزید انتظار کے عملدر آمد کیا جائے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ حاکم شرع خاوند کے خلاف طلاق دینے کا فیصلہ دے دے۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ طلاق اس صورت میں واجب ہوتی ہے جب کہ خاوند فرائض زوجیت کی ادائیگی سے عاجز ہو یا اس سے ایلاء کیا ہو یا دو تصفیہ کنندگان نے طلاق کا فیصلہ صادر کیا ہو۔ پہلی صورت میں چاہیے کہ طلاق سنی کا وقت ملحوظ رکھا جائے باقی صورتوں میں نہیں۔

طلاق حرام کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کی کئی بیویاں ہوں اور باری باری سے ہر ایک کے ہاں رات بسر کرتا ہو۔ یہاں تک کہ اس بیوی کی باری آئے جسے وہ ناپسند کرتا ہے تو بغیر اس کے کہ اس کی باری کو پورا کرے اسے طلاق دے دے اس کا حق ادا کرنے سے پہلے طلاق دینا حرام ہے۔ پھر یہ طلاق حرام کبھی تو سنی ہوسکتی ہے جب کہ وہ پاکی کے ایام میں جس میں مباشرت نہ ہوئی ہو طلاق دے۔ یا ایام ناپاکی کے اخیر میں دے۔ اور کبھی یہ طلاق بدعی ہوگی جب کہ ایام ماہواری یا حالت نفاس کے آخری اوقات سے پہلے دے یا ایسی پاکی میں دے جس میں اس نے مباشرت کر لی ہو یا اس سے پہلے ایام ناپاکی میں اس کا مرتکب ہو گیا ہو۔

طلاق مستحب کی مثال یہ ہے کہ بیوی پاک دامن نہ رہی ہو تو اسے طلاق دینا مستحب ہے اور یہ طلاق بطریق مذکورہ بالا کبھی سنی ہوگی اور کبھی بدعی۔ تاہم چاہیے کہ بدکار عورت کے مسئلہ میں اس کی تفصیل کو ملحوظ رکھے۔ چنانچہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کی بیوی گناہ میں ملوث ہوئی ہے اور ہنوز وہ اس کی پابند ہے تو ایسی صورت میں وہ طلاق دینے میں انتظار کا ذمہ دار نہیں ہے لیکن اگر عورت کی بدکرداری کو جانتے ہوئے اس سے شادی کر لی تو اب لازم ہوگا کہ طلاق میں وقت سنی کا لحاظ رکھے کیوں کہ وہ اس حالت پر بھی اس سے راضی ہے لہٰذا بعد میں اس کے رنجیدہ ہونے کے کچھ معنے نہیں۔

طلاق مکروہ کی مثال یہ ہے کہ بیوی ٹھیک ٹھاک ہو اور خاوند کو اس سے تعلق خاطر بھی ہو تاہم اس کی نفسانی خواہشات نے اس کے علاوہ کسی اور کا فریفتہ کر رکھا ہے تو اسے ایسی حالت میں طلاق دینا مکروہ ہے۔ اسکے ساتھ ہی اگر طلاق بدعی دے تو وہ طلاق حرام ہوگی۔ ہاں طلاق سنی دے تو حرام نہ ہوگی (مکروہ ہی رہے گی)۔

طلاق مباح کی مثال یہ ہے کہ بیوی ٹھیک ٹھاک ہو لیکن خاوند اسے پسند نہ کرتا ہو اور اس کے ساتھ ازدواجی تعلق کو پسند نہ کرتا ہو اور درآنحالیکہ وہ اس سے متمتع نہیں ہوتا اس پر خرچ وغیرہ کا روادار بھی نہ ہو تو ایسی حالت میں جو طلاق وہ دے گا وہ طلاق مباح ہوگی (یعنی نہ سنی نہ بدعی) جو مکروہ نہیں ہے تاہم اگر طلاق بدعی کی صورت میں دی جائے تو یہ طلاق مباح حرام ہو جائے گی۔ ہاں اگر سنی طلاق دی تو حرام نہ ہوگی (مباح ہی رہے گی)۔

واضح ہو کہ جس طرح احکام مذکورہ سے طلاق کی دو قسمیں: سنی اور بدعی نکلتی ہیں اسی طرح تیسری قسم بھی نکلتی ہے یعنی جو نہ سنی ہو نہ بدعی ہو پس صغیر سن عورت اور مایوس شدہ عورت یا حاملہ عورت کی طلاق کبھی واجب ہوتی ہے جب کہ وہ شخص بیوی کے نان ونفقہ اور فرائض زوجیت کی بجا آوری سے عاجز ہو یا ناچاقی کی حالت میں دو منصفوں نے طلاق کا فیصلہ کیا ہو یا خاوند نے ایلاء کیا ہو اور (انقضائے میعاد کے بعد) حاکم شرع نے اسے طلاق دینے کا حکم دیا ہو۔ کبھی طلاق حرام

Marfat.com

ہوتی ہے جب کہ خاوند بیوی کی باری کا حق پورا کرنے سے پہلے اسے طلاق دے دے۔ اور یہ طلاق کبھی مکروہ اور کبھی مستحب وغیرہ ہوتی ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

واضح ہو کہ بعض اصحاب نے طلاق کی صرف ابتدائی دو قسمیں یعنی طلاق سنی اور طلاق بدعی بتائی ہیں اور تیسری قسم کو بھی طلاق سنی ہی میں داخل قرار دیا ہے' اس لئے کہ سنی سے ان کا مقصد طلاق جائز ہے اور جائز کے تحت میں دو صورتیں آتی ہیں ایک تو یہ کہ طلاق اس وقت دی جائے جو شریعت نے حیض والی عورتوں کے لئے متعین کیا ہے اور جو باقاعدہ منکوحہ ہونے کے بعد حاملہ نہ ہو دوسری صورت صغیر سن عورت اور مایوس شدہ عورت حاملہ عورت کی طلاق ہے۔ جو کسی وقت بھی دی جاسکتی ہے۔ کیوں کہ شریعت نے ان کے لئے کوئی وقت متعین نہیں کیا اور یہ معلوم ہے کہ ان دونوں قسموں ہی سے وہ پانچ احکام شرعیہ متعلق ہیں جن کا پہلے ذکر کیا گیا۔

بعض اصحاب نے طلاق جائز کا مطلب یہ بتایا ہے کہ جو طلاق حرام نہ ہو (وہ جائز ہے) اس میں چاروں اقسام واجب' مستحب' مکروہ اور مباح آ گئیں۔ اس کے مقابلہ میں طلاق بدعی ہے جو حرام ہے۔ جائز کا مطلب بایں طور بیان کرنے میں طلاق سنی سے اس اصول کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ اس سے مراد صرف چارگانہ احکام شریعت ہے جس سے طلاق کو سابقہ معنے کی رو سے موصوف کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ طلاق یا تو واجب ہوتی ہے یا مکروہ یا مستحب یا مباح اور طلاق بدعی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ خواہ طلاق بدعی کا وہ اصول کارفرما ہو یا نہ ہو۔ مثلاً کسی نے باری کا حق دینے سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی۔ بہر حال ان تمام امور کا تعلق محض اصطلاح سے ہے۔

تفصیل بالا سے واضح ہے کہ شافعیہ طلاق کی تعداد کو اس کے سنی یا بدعی ہونے میں کوئی دخل تصور نہیں فرماتے لہٰذا (ان کے نزدیک) خاوند کو حق ہے کہ وہ ایک طلاق دے یا دو یا تین لہٰذا تیسری قسم کی طلاق کو بدعی یا سنی تصور نہیں کیا جاسکتا بخلاف حنفیہ اور مالکیہ کے جن کے نزدیک اس معاملہ میں عدد کا اعتبار ہے لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ صغیر سن عورت یا مایوس عورت (جس کے ایام ماہواری دائمی طور پر ختم ہو چکے ہیں) وغیرہ کی طلاق کا سنی یا بدعی ہونا باعتبار عدد کے ہوگا جیسا کہ ان کے مسالک کے بیان میں بتایا گیا البتہ شافعیہ کا یہ کہنا ہے کہ بہتر یہی ہے کہ عورت کو تین طلاقیں متفرق اوقات میں دی جائیں درآنحالیکہ اسے ایام آتے ہوں اگر ایسا نہ ہو تو مہینوں کا اعتبار کر لیا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ طلاق کی تین قسمیں ہیں ایک طلاق سنی اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی مباشرت شدہ بیوی کو جسے حمل نہ ہو اور اسے ایام ماہواری آتے ہوں پاکی کے ایام میں جس میں مباشرت نہ کی ہو ایک طلاق رجعی دے بشرطیکہ اس پاکی سے حالت حیض میں یا پاکی کی حالت میں اسے طلاق دے کر رجوع نہ کیا ہو۔ اس تعریف میں مباشرت شدہ کی قید لگانے سے غیر مباشرت شدہ عورت خارج ہوگئی اور حاملہ نہ ہو کہنے سے حاملہ عورت نکل گئی اور جسے ایام آتے ہوں کہنے سے مایوس الولد (یا آیسہ عورت جس کے ایام دائمی طور پر بند ہو گئے ہوں) اور صغیر سن عورت خارج ہو گئی۔ ان تمام قسم کی عورتوں کی طلاق کو نہ سنی کہا جاسکتا ہے نہ طلاق بدعی۔ اس میں نہ عدد کا لحاظ پیش نظر ہے نہ وقت طلاق کا' لہٰذا خاوندان میں سے ہر ایک کو جس وقت چاہے اور جتنی بار چاہے طلاق دے سکتا ہے اور ایک طلاق رجعی کی قید جو لگائی ہے وہ اس لئے کہ اسے چاہئے کہ اسے ایک طلاق دے پھر اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدت پوری ہو جائے اس طرح کرنے سے اس کی

Marfat.com

طلاق بدعی کے متعلقہ احکام کا بیان

اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بدعی دی تو اس سے رجوع کر لینا سنت ہے، بشرطیکہ وہ طلاق رجعی ہو[1] اس کے بعد چاہئے کہ اس وقت تک رکا رہے یہ کہ وہ عورت ان ایام ناپاکی سے جس میں اسے طلاق دی گئی تھی پاک ہو جائے۔ اور پھر اسے ایام آئیں اور اس سے پاک ہو اور اس سے مباشرت نہ کی جائے۔ پھر اس دوسرے پاکی کے ایام میں اسے طلاق دے درآنحالیکہ اس نے بیوی سے نہ اس طہر میں نہ اس سے پہلے کے ایام میں ناپاکی میں مقاربت کی ہو۔ اور یہ طلاق بدعی خواہ ایک ہو یا زیادہ طلاقوں میں شمار ہو جائے گی۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ شاذ و نادر بعض اشخاص نے جو اس کی مخالفت کی ہے ان کی رائے ناقابل التفات ہے۔

غرض حاصل ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر عدت کے ایام ختم ہونے سے پہلے دوسری طلاق دے دی تو یہ فعل مکروہ کیا اور اگر تین طلاقیں دے دی تو امر حرام کا مرتکب ہوا یہاں تک کہ اگر اسے طہر کے آخری لحہ میں طلاق دی جب بھی حرام ہے بشرطیکہ حمل ظاہر ہو چکا ہو اور یہ شرط کہ اس طہر سے پہلے ایام حیض میں طلاق نہ دی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حالت ناپاکی میں طلاق دی اور اس سے رجوع کر لیا تھا تو اب یہ حلال نہیں ہے کہ اس ناپاکی کے بعد جو طہر (پاکی) کے ایام میں ان میں طلاق دے بلکہ لازم ہے کہ جب وہ اس ناپاکی کے بعد جس میں اس نے طلاق دی تھی پاک ہو جائے تو اس سے مباشرت کرے اور اس سے رجوع کرے اور اسے رکھے یہاں تک کہ اسے پھر ایام ماہواری آئیں اور پاک ہو تب مباشرت سے پہلے اسے طلاق دے۔

دوسری قسم طلاق بدعی حرام ہے۔ یہ طلاق سنی کے خلاف ہے۔ اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دی درآنحالیکہ وہ ایام ناپاکی میں تھی یا ایسی پاکی کے دنوں میں تھی جس میں اس نے مباشرت کی تھی۔ یا مباشرت شدہ عورت کو ایک سے زیادہ طلاق دی یا ایک طلاق دی لیکن عدت کے اندر ہی مزید طلاق دے دی۔ اگر طلاق مزید صرف ایک ہی دی ہے تو مکروہ ہے اور اگر دو طلاقیں دی تو حرام ہے یا مباشرت شدہ عورت کو ان ایام ناپاکی کے بعد طلاق دی جس میں طلاق دے کر رجوع کر لیا تو یہ طلاق بدعی اور حرام ہوگی۔

تیسری قسم کی طلاق جسے نہ سنی کہا جا سکتا ہے اور نہ بدعی یہ وہ طلاق ہے جو صغیرسن عورت یا آیسہ عورت کو (جس کے ایام ماہواری عمر رسیدہ ہونے کے باعث بند ہو گئے ہوں) یا ایسی عورت کو دی جائے جس کا حمل ظاہر ہو گیا ہو۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اس شخص پر فرض ہے کہ اس طلاق سے رجوع کرے کیوں کہ اس نے گناہ کا کام کیا ہے لہٰذا اس پر واجب ہے کہ اس داغ کو مٹانے کی کوشش کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو حاکم اسے قید کی دھمکی دے۔ پھر بھی وہ اپنی بات پر اڑا رہے تو اسے قید کر دے پھر قید کے بعد بھی باز نہ آئے تو اسے سزائے ضرب کی دھمکی دی جائے۔ اگر وہ دھمکی کی پروا نہ کرے تو اسے کوڑے مارنے کی سزا دی جائے جس طرح سود مند ہو۔ اور کہا جاتا ہے کہ بغیر دھمکی دیئے بھی اسے

Marfat.com

سزائے تازیانہ دی جا سکتی ہے۔ درآنحالیکہ یہ گمان ہو کہ دھمکی سودمند نہ ہوگی۔ یہ تمام امور ایک ہی نشست میں کیے جائیں یعنی اسے طلب کیا جائے اور اسے اپنی بیوی سے رجوع کرنے کا حکم دیا جائے۔ اگر وہ انکار کرے تو اسے کہا جائے کہ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تجھے قید میں ڈال دیا جائے گا۔ اگر نہ مانے تو قید کا حکم دیا جائے اگر وہ نہ مانے تو اسے طلب کیا جائے اور کہا جائے کہ تو نے رجوع نہ کیا تو کوڑے لگائے جائیں گے۔ اس سے انکار کرنے پر اسے تازیانہ کی سزا جس قدر مناسب ہو دی جائے۔ اگر ان سب باتوں پر بھی وہ نہ مانے تو عورت کو اس طرف حکماً رجوع کیا جائے گا بایں طور کہ حاکم فیصلہ کرے کہ اس کی بیوی اس شخص کو لوٹا دی گئی یا اس پر لازم قرار دیا گیا کہ بیوی کو رکھ لے یا اس کے خلاف بیوی کے حق میں فیصلہ دیا گیا۔ اس طرح وہ عورت پھر اس کی بیوی قرار پائے گی۔ کہ اگر وہ شخص مر جائے تو بیوی اس کی وارث ہوگی اور اگر وہ عورت مر جائے تو وہ شخص اس کا وارث ہوگا اور اگر زندہ رہیں تو خاوند کو مباشرت حلال ہوگی اور بیوی کے حقوق زوجیت اس پر عائد ہوں گے۔ پھر اگر خاوند اپنے اختیار سے بیوی کی طرف رجوع کی خواہش کرے اور حاکم اس کے رجوع کے حق میں فیصلہ کر دے لیکن عورت ہنوز ان ایام ناپاکی میں ہو جن میں اسے طلاق ہوئی ہے تو اب وہ بیوی کو روک رکھے گا یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے۔ اس کے بعد مستحب یہ ہے کہ خاوند عورت کے اس ایام ناپاکی سے پاک ہونے کے بعد جس میں اس نے طلاق دی تھی اس کی زوجیت کو بحال رکھے اور واجب ہوگا کہ اس سے مباشرت کرے کیوں کہ اسے اس حال میں چھوڑ دینا اس پر ظلم ہوگا جس کا گناہ اس شخص پر ہوگا۔ پھر جب وہ عورت دوسری بار ایام سے ہو تو پاک ہونے تک اُس سے علیحدہ رہے اور جب وہ پاک ہو جائے تو ہاتھ لگانے سے پہلے اسے طلاق دے دے۔ یہ تمام باتیں مستحب ہیں۔ لہٰذا اگر طہر اول میں دوسری بار طلاق دے دی تو اب اسے رجوع کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ کیوں کہ اس صورت میں اس نے صرف امر مستحب کے خلاف کیا ہے۔

واضح ہو کہ بقول مشہور جب تک عدت کے دن باقی ہیں، خاوند پر فرض ہے کہ رجوع کرے اگر اس حکم سے غافل رہا یہاں تک کہ وہ پاک ہوئی اور پھر ایام آئے اور اس کے بعد پھر پاک ہوئی اور تب اسے اپنی غلطی کا علم ہوا اور وہ عورت اس آخری ایام ناپاکی میں ہے جس کے ساتھ وہ پاکی کے ایام ہیں جن پر اس کے ایام عدت ختم ہو جاتے ہیں تو خاوند پر فرض ہے کہ رجوع کرنے کی خواہش کرے۔ یہی مشہور ہے۔ اور بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ وہ دوسرے ایام ناپاکی تک ٹھہرے گا پھر جب وہ پاک ہو تو رجوع کی خواہش کرنا امر مستحب نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ طلاق بدعی سے رجوع کرنے کے بارے میں دو رائیں ہیں:

ایک رائے یہ ہے کہ رجوع کرنا مستحب ہے لیکن یہ خیال ضعیف ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ رجوع کرنا فرض ہے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں۔

پہلی رائے کے قائلوں کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے جب طلاق بدعی دے دی تو اب گناہ اس پر عائد ہو گیا اب اس گناہ کا زائل کرنا دشوار ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ معصیت کو نابود کرنے کے لئے رجوع کرنا واجب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رجوع کرنا گناہ کے اثر کو زائل کرنے کے لئے واجب ہے اور وہ اثر عورت پر عدت کا عرصہ طویل ہونا ہے۔ اس پر کہا جاتا ہے کہ اگر عورت عدت کا زمانہ طویل ہونے پر خود راضی ہو تو رجعت (بدیں غرض) بے معنی ہوگی۔ سوا اس کے

Marfat.com

کہ عورت کو (الٹا) ضرر پہنچایا جائے۔ بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ ان میں باہم نفرت ہو اس صورت میں رجعت کو تو برائی خیال کیا جائے گا اور ایسی حالت میں جب کہ طلاق لازمی ہے اسے روکے رکھنا اس کے حق میں عذاب ہے کیوں کہ ایسے وقت میں تو طلاق دینا اسے بیوی بنائے رکھنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ پس ایام ناپاکی میں خلع کا مباح ہونا لایعنی ہے کیوں کہ خلع بیوی کی رضامندی اور معاوضہ کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور دوسری باتوں سے قطع نظر ہوتا ہے اور یہ ایک معقول بات ہے لیکن جن کا یہ خیال ہے کہ ان کے نزدیک رجعت کے واجب ہونے کا سبب صرف عدت کی مدت کا لمبا ہو جانا نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے طلاق میں دلچسپی لینے کی طرف سے مسلمانوں کی توجہ کو ہٹانا ہے کہ وہ طلاق کو اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کا ذریعہ یا جب چاہے عورت کو ایذادہی کا ایک ہتھیار بنالیتا ہے۔ ایسا شخص بسا اوقات اپنے کئے پر اس وقت پچھتاتا ہے جب اس پچھتانے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا ہے کیوں کہ جب غصہ کسی پر چڑھتا ہے اور وہ عورت کو طلاق دے دیتا ہے تو بعد میں نادم ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر وہ اسے بدعی طلاق دیتا ہے تو زوجین کی منشا کے خلاف اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ رجوع کر لے۔ تاکہ (دوران عدت) وقت میں اتنی گنجائش اور نکل آئے کہ غصہ اتر جائے تو ان کا باہم سمجھوتہ کر لینا ممکن ہو اور صلح ہو جائے بلکہ بسا اوقات معاشرہ پر اس کا ایسا اچھا اثر پڑتا ہے کہ بار دگر ایسی بات نہیں ہوتی۔ پس اگر عدت میں اس سے اضافہ ہو جائے تو بعض اوقات یہ بہت ہی اچھا ہوتا ہے۔

رہا خلع کا مباح ہونا۔ سو وہ عورت جو اس امر پر راضی ہو کہ خاوند کو مال دے کر اس سے علیحدگی حاصل کرے اور خاوند مال لے کر اسے چھوڑ دینے پر راضی ہو۔ ان میں باہم بحالی زوجیت کا تصور بے معنی ہے۔ وہاں علانیہ ایک دوسرے کا باہم سودا ہو رہا ہے ایسی صورت میں حالات کے بہتر ہونے کی امید ہی نہ کرنی چاہئے۔

واضح ہو کہ حنفیہ حاکم کے فیصلہ رجوع کو درست خیال نہیں کرتے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر گناہ جس میں حد یا کفارہ نہیں ہے اس میں حاکم پر واجب ہے کہ مجرم کو سزا دے تاکہ اس حرکت کا اعادہ نہ ہو سکے اور جس صورت میں کہ شریعت کے نزدیک گناہ کا اثر زائل ہو جائے اس میں رجوع کرنا توبہ کی مانند ہے۔ پس اگر کوئی شخص توبہ کر لے تو سزا بھی اس سے ہٹالی جائے گی۔ بصورت دیگر حاکم اسے ایسی سزا دے گا جو اس گناہ کے اعادہ سے اسے باز رکھے۔

پھر اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایام ناپاکی میں طلاق دی اور اسی حالت میں رجوع کرنا چاہے تو اس شخص پر واجب ہوگا کہ وہ رک جائے یہاں تک کہ وہ عورت پاک ہو جائے اور دوبارہ پھر ایام مخصوص آئیں اور پاک ہو اور اب بھی وہ طلاق دینی ہی چاہتا ہے تو اس دوسری بار ناپاکی کے دنوں میں اور اس کے پاک ہونے کے بعد بھی مقاربت نہ کرے اور تب طلاق دے۔ حنفیہ کا صحیح مسلک یہی ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اسے حق ہے جن ایام ناپاکی میں اس نے طلاق دی اس سے پاک ہونے کے بعد طلاق دے اور پھر رجوع کرے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ رہا یہ کہ آیا عدت کے دوران اس شخص پر رجوع کرنا واجب ہے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں یا نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بجز اس حیض کے جس میں طلاق دی ہے اور کسی حیض میں رجعت واجب نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا نہ کرے یہاں تک کہ وہ ایام ناپاکی ختم ہو گئے تو یہ گناہ اس کے ذمہ رہ گیا اور اب رجوع کرنے سے کچھ فائدہ نہیں یہی مسلک صحیح ہے۔ بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ دوسرے ایام پاکی کے آنے تک رجعت کا زمانہ باقی رہے گا۔

Marfat.com

طلاق بدعی کے حرام ہونے کا بیان

کتاب وسنت سے اس کی دلیل

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے عہد نبوی ﷺ میں اپنی بیوی کو ایام مخصوص میں طلاق دے دی۔ اس کے متعلق حضرت عمر بن الخطابؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**مرہ فلیراجعھا ثم یمسکھا حتی تطھر ثم تحیض ثم تطھر ثم ان شاء امسک بعد و ان شاء طلق قبل ان یمس فتلک العدة التی امر الله ان یطلق النساء**'' رواہ البخاری۔ (یعنی اسے حکم دو کہ رجوع کرلے اور رکا رہے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے۔ پھر ایام مخصوص آئیں اور دوبارہ پاک ہو۔ اس کے بعد اگر چاہے تو اس کی زوجیت کو بحال رکھے اور چاہے تو ہاتھ لگانے سے پہلے اسے طلاق دے دے۔ اور جس عدت میں اللہ نے طلاق دینے کا حکم دیا ہے وہ یہی ہے۔ بروایت البخاری)۔ اب اس حدیث کا خلاصہ احکام سابقہ کی بنا پر یہاں بتایا جاتا ہے۔ یہ خلاصہ چند امور پر مشتمل ہے۔

(۱) اس کے معنی

(۲) آیا (اس حال میں) طلاق یا وہ عمل جو طلاق کے حکم میں ہے حرام ہے یا مکروہ ہے؟

(۳) آیا خاوند ان ایام اور حالت نفاس سے ہٹ کر اپنی بیوی کو بلا سبب طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اماموں کی کیا رائے ہے؟

(۴) آیا آنحضرت ﷺ کا حضرت عمرؓ کو یہ فرمانا کہ ''**مرہ فلیراجعھا**'' (یعنی اسے حکم دو کہ بیوی سے رجوع کرلے) یہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے کے لئے بطور حکم کے تھا یا نہیں؟

(۱) اس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دو حالتوں میں طلاق سے منع فرمایا ہے۔ ایک تو اس حالت میں جب وہ عورت ایام ماہواری سے ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ پاک ہو لیکن خاوند نے اس طہر میں اس سے مباشرت کرلی ہو۔ کیوں کہ حضور ﷺ نے اسے زوجیت میں رہنے دینے اور مباشرت سے پہلے طلاق دینے کا اختیار دیا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شافعیہ اور حنابلہ اس امر پر متفق ہیں کہ رجعت سنت ہے اور مالکیہ اور حنفیہ کو اس سے اتفاق ہے کہ رجعت فرض ہے لیکن مسئلہ کی تفصیل میں مالکیہ اور حنفیہ میں اختلاف ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا۔

Marfat.com

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ عبداللہ پر ناراض ہوئے کہ انہوں نے ان ایام میں اپنی بیوی کو طلاق دی اور ناراض ہونے کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس حال میں طلاق دینے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے "یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن " (یعنی اے پیغمبر اگر آپ نے ان عورتوں میں سے کسی کو طلاق دینی ہو تو ان کی عدت کے دنوں میں طلاق دو) اور حضرت عمرؓ اور ان کے بیٹے سے' دینی علوم میں اس مقام ارفع کے پیش نظر جو انہیں حاصل تھا' (اللہ کا) یہ حکم مخفی نہیں تھا' رہا حضرت عبداللہ کا اس حکم کو جانتے ہوئے دانستہ یہ حرکت کرنا نفس پر قابو نہ رکھنے کے باعث تھا' لیکن یہ خیال بعید از قیاس ہے کیونکہ عبداللہ بن عمرؓ احکام دین کی پابندی میں بڑے سخت اور پرہیزگاری و نکوکاری میں مشہور تھے اور نفس پر قابو رکھنے کی قدرت رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فطلقوھن لعدتھن " کے معنے یہ ہیں کہ ان کی عدت کے دوران یعنی اس وقت طلاق دو جب کہ عدت کا وقت آجائے۔ اس سے پہلے نہ دو بایں طور کہ عورت کی عدت طلاق کے ساتھ ہی بغیر کسی فاصلہ کے شروع ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر حیض کے دوران طلاق دی جائے تو عدت کے ایام کا آغاز ہونے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے کیوں کہ اگر ان ایام میں طلاق دی جائے تو ان اصحاب کے قول کے مطابق جو عدت کا حساب تین حیض سے لگاتے ہیں اور ان اصحاب کے درمیان جو عدت کا حساب تین طہر سے لگاتے ہیں بالاتفاق عدت کا آغاز (طلاق کے معاً بعد) نہیں ہو سکتا۔ دوسرے قول کے بموجب تو یہ ظاہر ہی ہے رہا پہلے قول کی رو سے بھی یہ حساب ٹھیک نہ بیٹھے گا کیوں کہ جن ایام حیض میں طلاق ہوئی ان کو شمار میں نہیں لایا جا سکتا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک تین حیض سے مراد طلاق کے بعد تین کامل ایام حیض ہیں۔ لہٰذا ناقص ایام شمار میں نہیں آسکتے۔ اگرچہ وہ صرف لحظہ بھر کم ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ تقریر شافعیہ اور مالکیہ کی تائید کرتی ہے جن کا کہنا ہے کہ عورت کی عدت کا شمار طہر سے ہوگا' حیض سے نہ ہوگا۔ پس اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایسے طہر میں طلاق دی جس میں بیوی سے مقاربت نہیں کی تھی تو اس کی عدت کے دنوں کا حساب طلاق کے معاً بعد ہی سے شروع ہو جائے گا بغیر اس کے کوئی لمحہ بغیر عدت کے گزرے۔ کیوں کہ جس طہر میں اس نے طلاق دی اسے ان طہروں میں محسوب کیا جائے گا۔ جن کے خاتمے پر عدت پوری ہو جاتی ہے خواہ اس طہر میں (طلاق کے بعد) ایک لحظہ ہی باقی رہا ہو۔ مثلاً اگر کسی نے اپنی بیوی کو سورج نکلنے سے پانچ دقیقہ (منٹ) پہلے طلاق دے دی جب کہ وہ پاک تھی' اس کے بعد سورج نکلتے ہی وہ ناپاک ہو گئی تو اس پانچ منٹ کے عرصہ ہی کو کامل طہر تصور کیا جائے گا۔

Marfat.com

اگر عورت ایسی عورتوں میں سے ہے جو ہر پندرہ دن کے بعد ایک دن کے لئے ناپاک ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ دوبار ناپاک اور پھر پاک ہوئی تو یہ اس کا دوسرا طہر شمار کیا جائے گا اور اگر پندرہ یوم کے بعد وہ پھر اسی طرح ناپاک ہو کر پاک ہو جائے تو یہ اس کا تیسرا طہر شمار کیا جائے گا اور اس کے ایام عدت چوتھی بار ناپاک ہوتے ہی ختم ہو جائیں گے وعلی ہذا القیاس۔

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ عدت کا حساب ایام ناپاکی سے لگایا جائے گا لیکن ان کا یہ کہنا کہ اگر ایام ماہواری میں طلاق دی گئی تو ان دونوں کو اس کی تین ماہ کی عدت حیض میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ ان کا کہنا ہے کہ اس آیہ کریمہ سے غرض یہ ہے کہ عورت کو ایسے وقت میں طلاق دی جائے کہ اس کے فوراً بعد بغیر کسی وقفہ کے اس عدت کے دن شمار میں آ جائیں چنانچہ اگر اس طہر میں طلاق دی گئی جس میں مباشرت نہیں ہوئی اور یہ طہر اس سے پہلے کے ایام ناپاکی سے متصل آ رہا ہے تو وہ عدت میں شمار ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عدت کا آغاز طلاق کے فوراً بعد شروع ہوگا' کیوں کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان دونوں فریقوں کے پاس ایسے دلائل ہیں جو ان کے خیال کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن اس کا موقع عدت کے بیان میں آئے گا۔

بہر حال ان دونوں آراء میں سے جونسی رائے بھی اختیار کی جائے اس امر میں سب متفق ہیں کہ کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایام ناپاکی یا حالت نفاس میں اپنی بیوی کو طلاق دے۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ جس طہر میں مباشرت کی ہو اسی طہر میں طلاق دے دے یہ حکم حضرت ابن عمر کے متعلق اس حدیث میں بصراحت مذکور ہے۔ جس کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے یہ آیت ''**یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن**'' بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ فقہاء نے ایسی حالت میں طلاق دینے کو طلاق بدعی کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے۔ اس کے مقابلہ میں اس طلاق کو جو حالت طہر میں جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو اور نہ اس سے پہلے کے ایام ناپاکی میں کی گئی ہو۔ طلاق سنی قرار دیا ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ ان مسائل میں بیوی سے مراد وہ عورت ہے جس کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہو اور جس کو (طلاق کی صورت میں) عدت گزارنا واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اپنی بیوی کی حالت ناپاکی میں طلاق دے دے تو مباشرت سے پہلے وہ ایسا کر سکتا ہے اسی طرح اپنی صغیر سن بیوی کو جسے ایام ماہواری نہیں آتے یا وہ (عمر رسیدہ عورت) جو ایام سے مایوس ہو چکی ہے وقت کی پابندی کے بغیر کسی وقت بھی طلاق دے سکتا ہے کیوں کہ اس کی عدت کا زمانہ تین ماہ ہے نہ کہ تین ایام ناپاکی۔ اسی طرح حاملہ بیوی کو بھی بغیر پابندی وقت کے طلاق دی جا سکتی ہے کیوں کہ اس کی عدت (ایام پر نہیں) بلکہ

Marfat.com

وضع حمل پر موقوف جس کا علم دونوں کو ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ طلاق دینے کے بعد شرمندہ نہ ہو۔

(2) دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ چاروں اماموں کا اس پر اجماع ہے کہ ایام ماہواری یا حالت نفاس میں بیوی کو طلاق دینا حرام اور گناہ ہے۔ اور ایسے طلاق کو ''طلاق بدعی'' کہا جاتا ہے یعنی ایسی بدعت جو حرام سے نسبت رکھتی ہے بخلاف اس طلاق کے جو اس طہر میں دی جائے جس میں مباشرت کی گئی ہو مالکیہ اسے مکروہ کہتے ہیں حرام نہیں کہتے۔ لیکن وہ حدیث جو بیان کی گئی اس سے ان دونوں حالتوں میں امتیاز ظاہر نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ کہاں سے نکلا کہ پہلی صورت میں حرام ہے اور دوسری صورت میں مکروہ ہے۔ غالباً مالکیہ نے ان دونوں حالتوں کا فرق اس بات سے نکالا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے حضورؐ کو یہ بتایا کہ عبداللہ نے اپنی بیوی کو ایام ناپاکی میں طلاق دی تو حضورؐ اس پر ناراض ہوئے کیوں کہ یہ گناہ کا کام تھا لیکن دوسری حالت میں یہ طریق عمل ارشاد فرمایا کہ اسے اختیار ہے کہ چاہے تو بیوی کو بحال رکھے اور چاہے تو ہاتھ لگانے سے پہلے اسے طلاق دے دے اور اس میں کوئی دلیل ایسی نہیں جس سے مباشرت کے بعد طلاق دینا حرام ثابت ہو زیادہ سے زیادہ اسے مکروہ کہہ سکتے ہیں۔

(3) تیسرے سوال کا جواب نفی میں ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص بلا سبب اپنی بیوی کو طلاق دے دے خواہ بطریق سنت ہی کیوں نہ ہو۔ چاروں اماموں کا اس پر اجماع ہے کہ طلاق بنیادی طور پر ممنوع ہے' البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ خلاف اولیٰ ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ مکروہ ہے اور حنفیہ کے بیان سے اس کا مکروہ تحرمی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بنا بریں خاوند کے لئے حلال نہیں ہے کہ اپنی بیوی کو بغیر کسی ایسی ضرورت کے جس میں طلاق ناگزیر ہو جائے کوئی شخص طلاق دے۔ یہ اس لئے کہ طلاق سے عقد زوجیت منقطع ہو جاتا ہے حالانکہ شریعت نے اسے بقائے نسل کے لئے رکھا ہے جس کا جاری رہنا اس مدت تک ضروری ہے جس کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور حکم دیا ہے۔ اسی لئے اللہ نے انسان کا جوڑا بنایا اور ان میں باہم مہر و محبت کا جذبہ رکھا۔ پس بیوی کو بلا سبب طلاق دینا حماقت اور اللہ کی نعمت سے ناشکری ہے قطع نظر اس اذیت کے جو بیوی کو اور صاحب اولاد عورت کی اولاد کو پہنچتی ہے۔ پس بعض ہوس پست جن میں حس اخلاق نہیں ہے بلا سبب اپنی بیویوں کو طلاق دے دیتے ہیں۔ مذہب اسلام نہ اس کو مانتا ہے اور نہ اس کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی سزا ضرور دے گا اور ان کے ان گناہوں کو معاف نہ کرے گا جو اپنی بے قصور اور وفادار بیویوں اور ان کی بے بس اولاد پر روا رکھتے ہیں اور نہ وہ قصور معاف ہو گا جو بعض ذلیل لوگوں نے مباح لذتوں سے بیش از بیش فائدہ اٹھانے کو جائز قرار دے کر لوگوں کی نگاہ میں

Marfat.com

پسندیدہ بنا رکھا ہے۔ کیوں کہ باوفا بیویوں کے ساتھ بلا سبب دشمنی کرنے کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ اسے مباح نہیں رکھا لہٰذا انسان کے لئے روا نہیں ہے کہ اپنی لذت نفس کے لئے لوگوں کو اذیت دے ورنہ اس میں اور وحشی جانوروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مزید برآں ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ازدواجی رشتہ صرف عورت سے لطف اندوز ہونے اور متمتع ہونے کے لئے ہے۔ اس کے سوا کوئی اور مقصد ان کے پیش نظر نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ ان نفسانی خواہشات کی تکمیل کے علاوہ بیویوں پر بے شمار مشکلات کا بار ڈال دیتے ہیں۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ درحقیقت ازدواجی رشتہ ان کے ان خیالات سے بالاتر احترام و تقدس کا متقاضی ہے اور کیوں نہ ہوتا جب کہ یہ انسانی عمرانیات کی بنیاد اور انسان کی بقائے نوعی کا سبب ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ زوجین میں باہم مہر و محبت پیدا نہ کرتا اور دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے کشش اور باہمی قلبی لگاؤ نہ ہوتا اور نوع انسانی معرض وجود میں نہ آتی۔ پس کسی مرد کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو توہین آمیز نگاہ سے دیکھے اور یہ خیال کرنے لگے کہ بجز لذت اندوزی کے اس کا اور کوئی مقصد نہیں ہے اور اس حقیقی سبب کو نظر انداز کر دے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی میں اختلاط پیدا کیا ہے۔

اب رہے وہ اسباب جن کی بناء پر طلاق دی جا سکتی ہے ان میں سے بعض کا تعلق خاوند سے ہے اور بعض کا بیوی سے۔ وہ اسباب جن کا تعلق خاوند ہے ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس سے طلاق واجب ہو جاتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس سے طلاق حرام ہوتی ہے۔

پہلی قسم جس سے طلاق واجب ہوتی ہے اس کی دو حالتیں ہیں' ایک حالت یہ ہے کہ مرد عورت کو پاکدامن رکھنے سے عاجز ہو بایں طور کہ وہ پیدائشی طور پر نامرد ہو یا پھر یہ کہ اسے کوئی ایسا مرض لاحق ہو جس کے باعث وہ فرائض زوجیت ادا نہ کر سکے یا یہ کہ وہ عمر رسیدہ ہو جائے لیکن عورت مرد کی خواہشمند ہو کہ اس کے بغیر نہ رہ سکتی ہو۔ اس صورت میں مرد پر واجب ہے کہ اپنی عزت و آبرو بچاتے ہوئے اسے طلاق دے دے۔ کیوں کہ ایسی صورت میں اسے رکھنے کا نتیجہ بداخلاقی' بے عزتی اور بے آبروئی ہے اور اس میں خرابی اور وبال ہے اور بہر طور اس سے بچنا اور اسے ترک کرنا واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص نامرد یا عورت کی عزت کے تحفظ کے ناقابل ہو تو بعض اوقات اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جاتا ہے جیسا کہ اس حالت کے بیان میں پہلے بتایا گیا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص پورے چار ماہ تک بیوی کے پاس جانے سے عاجز ہو تو عورت کو حق ہے کہ وہ طلاق کا مطالبہ کرے اور حاکم شرع طلاق کا فیصلہ دے۔

Marfat.com

دوسرا سبب (وجوب طلاق کا) یہ ہے کہ خاوند بیوی کا خرچ برچ ادا کرنے سے عاجز ہو اور یہ حالت پہلی حالت سے زیادہ بری ہے۔ کیوں کہ وہ شخص جو اپنی بیوی کو نان نفقہ کے بغیر چھوڑ دیتا ہے وہ اسے دائمی خرابی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ کیوں کہ جب اسے روٹی' کپڑے اور دوسری ضروریات زندگی کے حاصل کرنے کی کوئی صورت نہ رہے گی تو وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے گھٹیا وسائل اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے گی خاص کر ایسی اشیاء کے لئے جو اسے مطلوب ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوگا کہ اس کے لئے بیوی کی آبرو کو بعض بد اطوار اشخاص کی بھینٹ چڑھانا ہو اور یہ بسا اوقات ہوتا رہتا ہے۔ اسی لئے تین اماموں کا اس پر اجماع ہے کہ اگر خاوند بیوی کا خرچ نہ برداشت کر سکے تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے۔ لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ طلاق کا (کلی) اختیار مرد کو ہے تاہم وہ عورت کو بے نان نفقہ رہنے نہیں دیتے بلکہ ان کا کہنا ہے کہ جو شخص بیوی پر خرچ نہ کر سکے اور اس کے ساتھ حسن سلوک سے نہ رہے' قاضی اسے سزائے قید دے گا۔ یہاں تک کہ وہ طلاق دینے یا نان نفقہ ادا کرنے پر مجبور ہو جائے غرض یہ دو اسباب ہیں جن سے خاوند پر طلاق دینا واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر مرد عورت کی عصمت اور اس کی آبرو کے تحفظ پر قادر ہو اور اس کا نان نفقہ ادا کر سکتا ہو اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرتا ہو تو ایسی صورت میں طلاق کے واجب ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

نیز یہ بھی واجب ہے کہ ناچاقی کی صورت میں اگر دو تصفیہ کرنے والے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے کہ ''فابعثوا حكماً من اهله و حكماً من اهلها '' (یعنی ناچاقی کی صورت میں ایک تصفیہ کنندہ خاوند کے کنبے سے اور ایک بیوی کے کنبہ سے فیصلہ کے لئے طلب کر لئے جائیں) طلاق کا فیصلہ کریں تو معاوضہ پر یا بغیر معاوضہ کے طلاق لاگو کر دی جائے گی۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ناچاقی جب شدید قسم کی ہو تو اس قابل ہے کہ اسے ختم کر دیا جائے۔ لہٰذا تصفیہ کرنے والوں کو ناچاقی کی بنا پر طلاق صرف اس صورت میں لاگو کرنی چاہئے جبکہ زوجین کی زندگی تباہ ہوتی ہو اور ان کی باہمی ناچاقی کا نتیجہ یہ ہو کہ ان کی طبیعتوں میں ایک دوسرے سے نفرت پیدا ہو جائے۔ عورت کسی اور کو حاصل کرنے کی بابت سوچنے لگے اور خاوند کی عزت میں خیانت پر آمادہ ہو یا اس کے علاوہ اور دوسری قدرتی یا معاشرتی مفاسد پیدا ہوں جو خاندان پر اثر انداز اور معاشرہ میں خلل انداز ہوں تب ہی علیحدگی کا واجب ہونا درست دکھائی دیتا ہے۔

رہی دوسری قسم سو اس میں دو صورتیں ایسی ہیں جن میں طلاق حرام ہے:

Marfat.com

ایک صورت یہ ہے کہ مرد طلاق دے کر بیوی کے حقوق کی ادائیگی سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہتا ہو۔ مثلاً کسی کی دو سے زیادہ بیویاں ہیں اور ان میں سے کچھ کو تو ان کی باری کے پورے حقوق دے اور جب اس عورت کا حق ادا کرنے کی باری آئے تو اسے پورا کئے بغیر اسے طلاق دے دے (تو یہ طلاق حرام ہوگی) کیوں کہ یہ اس بیوی پر ظلم ہے لہٰذا اس کا حق ادا کئے بغیر اسے طلاق دینا حلال نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بیوی نیک خصلت اور اچھی طبیعت والی ہے اور خاوند بھی اسے چاہتا ہے اور اسے اندیشہ ہے کہ اگر اس نے طلاق دے دی تو چونکہ دوسری بیوی کرنے کا مقدور نہیں ہے لہٰذا ممکن ہے کہ اس کا نفس اسے گناہ میں آلودہ کر دے ایسی حالت میں اسے طلاق دینا حرام ہے۔ شافعیہ نے طلاق کے حرام ہونے کی مثال میں پہلی صورت بیان کی ہے اور مالکیہ نے اس دوسری صورت کی مثال دی ہے۔ اور دونوں مثالیں ٹھیک ہیں کیوں کہ غرض اس سے یہ ہے کہ حتی المقدور برائیوں سے بچا جائے۔

یہ ہیں وہ اسباب جن کا تعلق خاوند سے ہے اور جن کی بنا پر طلاق واجب یا حرام ہوتی ہے۔

اب ان اسباب کو لیجئے جن کا تعلق بیوی سے ہے۔ سو یہ اسباب کبھی تو اس کی عزت اور اس کے مذہب سے متعلق ہوتے ہیں اور کبھی اس کے ناقابلِ استمتاع ہونے سے۔ پس اگر خاوند کو اپنی بیوی کی باتوں پر شبہ ہو اور وہ خیال کرتا ہو کہ وہ بدکردار ہے یا ترک نماز وغیرہ فرائض کی گنہگار ہے تو ایسی صورت میں فقہا کا اس پر اجماع ہے کہ خاوند اگر اس کی اصلاح کرنے اور نیک راہ پر ڈالنے سے عاجز ہے تو اب اسے جائز نہیں ہے کہ وہ اسے اپنی بیوی بنائے رکھے۔ تاہم اس کے جائز نہ ہونے کی حیثیت کے بارے میں اختلاف ہے بعض اصحاب تو کہتے ہیں کہ اسے بحال رکھنا حرام ہے اور طلاق دینا واجب ہے اور بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ ایسی عورت کا رکھنا مکروہ ہے اور طلاق دے دینا سنت ہے۔ پہلا مسلک حنابلہ کا ہے اور ظاہر ہے کہ جو اصحاب صرف مکروہ ہونے کے قائل ہیں ان کے پیش نظر وہ برائی اور خرابی ہے جو طلاق دینے سے پیدا ہو سکتی ہے اور جس کا اثر خود خاوند پر پڑے گا' کیوں کہ بعض اوقات خاوند کو اس سے قلبی لگاؤ ہوتا ہے اور اسے بھول نہیں سکتا ناچار اس کے ساتھ حرام زندگی بسر کرتا رہتا ہے یا ممکن ہے کہ وہ اپنے نفس کو قابو میں نہ رکھ سکتا ہو اور اتنا مالدار نہ ہو کہ کسی اور عورت سے شادی کر سکے۔ (نتیجتاً) اسے طلاق دے کر گناہ میں مبتلا ہو جائے ایسے حالات میں شریعت اسلامیہ نے بہت محتاط رہنے کا حکم دیا ہے۔ پس شرع اسلام جو وقت معاملات میں مشہور ہے یہ امر اس کی خوبیوں میں نہ ہوگا کہ بیوی سے علیحدگی کو قطعی طور پر لازمی قرار دیا جائے۔ کیوں کہ انسانی طبائع ایک دوسرے سے مختلف اور ان کی ضروریات جداگانہ نوعیت کی ہوتی ہیں۔

Marfat.com

پس جو شخص مضبوط ارادہ کا مالک غیرت منداور بہادر ہے شریعت اسے بدکردار عورت کو طلاق دینے پر اکساتی ہے اور کہتی ہے کہ اس میں تیرے لئے اجر عظیم ہے۔اور وہ شخص جو کمزور ارادہ کا مالک ہے اسے اپنی بیوی کو طلاق دینے میں سخت دکھ ہوگا اس کے لئے شرع نے طلاق کے لئے سختی نہیں کی اور یہ سب سے زیادہ معتدل میزان ہے لیکن مولف کتاب (عبدالرحمٰن الجزیری) کا رجحان امام احمد کے مسلک کی جانب ہے کہ اگر عورت بدکار ہے اور اس کا خاوند اسے راہ راست پر لانے سے عاجز اور اس کی اصلاح سے مایوس ہے اور یہ جانتا ہے کہ اس کی عزت محفوظ نہیں ہے تو اسے طلاق دینا واجب اور اسے بیوی بنا کر رکھنا حرام ہے اور اس حال پر راضی رہنے کے یہ معنے ہیں کہ وہ ایک فاسد خاندان کی موجودگی پر راضی ہے جو انسانی معاشرے کے لئے نقصان دہ ہے۔کیوں کہ بری عورت کا نقصان محض اس کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کی اولاد اور متعلقین کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ایسی تمام صورتوں میں لوگوں پر واجب ہے کہ وہ ایسی عورتوں کو جدا کر دیں اور انہیں اپنی اولاد کی ماں اور اپنے بیٹے بیٹیوں کی اتالیق نہ بنائیں۔دین پاک کے اصول اسی امر کی تائید کرتے ہیں کہ یہ دین اخلاق وادب (کی تعلیم دینے) والا مذہب ہے۔احکام سنت آبرو کے بارے میں غیرت مند ہونے کی ترغیب دیتے ہیں اور اکثر مواقع پر اس کا تحفظ واجب قرار دیتے ہیں اور جو لوگ اس برے پر راضی ہیں ان کی سخت مذمت ہے۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''ثلاثة لا یدخلون الجنة ابداً : الدیوث الرجلة من النساء و مدمن الخمر ''(یعنی تین قسم کے اشخاص کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گے: دیوث، مردانہ وضع اختیار کرنے والی عورت اور دائم الخمر) لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ دائم الخمر کو تو ہم جانتے ہیں دیوث کون ہے؟ ارشاد ہوا کہ ''الذی لا یبالی من دخل علی اهله ''(یعنی وہ شخص جس کی بیوی کے پاس غیر مرد آئیں اور وہ اس کی پروانہ کرے) پھر عرض کیا گیا ''رجلة من النساء'' کون ہیں فرمایا ''التی تشبه بالرجال ''(یعنی وہ عورتیں جو مردوں کی سی وضع بنائیں) بروایت طبرانی۔ایسی ہی ایک روایت میں نسائی اور حاکم نے بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہیں اور بخاری میں یہ روایت ہے کہ سعد بن عبادہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر میں نے کسی غیر شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھا تو اس کی گردن اڑا دوں گا اور معاف نہیں کروں گا۔اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا ''اتعجبون غیرة سعد؟ الا انا اغیر منه و الله اغیر منی '' (یعنی تمہیں سعد کی غیرت مندی پر حیرت ہے؟ لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہے۔مطلب یہ ہے کہ اللہ بے غیرتی کو ہم سب سے زیادہ

Marfat.com

قابل تعزیر سمجھتا ہے)۔

اب درآنحالیکہ عزت کے بارے میں اسلامی اصول کی بنیاد ہی غیرت مندی اور دیوث کی تحقیر پر ہے اور اس کو نظر انداز کرنے میں اللہ کی رضا سے محرومی ہے تو کیسے ممکن ہے بدکردار بیوی کو طلاق دینا محض ایک امر مستحب ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی بیوی کو طلاق دینا واجب ہے اور اسے (بیوی بنا کر) رکھنا حرام ہے اور یہ کوئی دانشمندی کی بات نہیں ہے کہ انسان اپنے کسی فاسد عضو کو کاٹے جانے کی تکلیف سے ڈر کر اسے باقی رہنے دے جس سے انسان کا تمام بدن سڑ کر رہ جائے۔

اگر طلاق کا موجب یہ ہو کہ عورت بعض ان خرابیوں کے باعث جو اس میں ہمیشہ سے موجود ہیں یا عمر رسیدہ ہو جانے یا کسی اور سبب سے جنسی استفادہ کی صلاحیت سے محروم ہو جائے تو ایسی صورت میں روا ہوگا کہ مرد اسے طلاق دے دے۔ لیکن شریعت اس حالت میں یہ دیکھے گی کہ اس کی زوجیت بحال رکھنے یا طلاق دینےکا کیا نتیجہ ہوگا۔ اگر مرد عورت سے بے نیاز ہو اور اسے اولاد کی توقع نہ ہو تو اس کی زوجیت کے بحال رکھنے کو ترجیح دی جائے گی۔ خاص کر اس صورت میں جب کہ طلاق عورت کے لئے باعث اذیت ہو اور اسے مایوسی اور بدبختی سے دوچار ہونا پڑے تو ایسی صورت میں شریعت کے نزدیک مہربانی اور شفقت (کا طرز عمل) ضروری ہے۔ اگر بیوی رکھنے میں خود اس شخص کی خرابی ہو جیسا کہ بعض نوجوانوں میں دیکھا گیا ہے کہ وہ عمر رسیدہ عورتوں کے ساتھ اس کے مال کے لالچ میں شادی کر لیتے ہیں تا کہ اسے اپنی ناجائز خواہشات میں صرف کریں، ایسی صورت میں اس عورت کو رکھنا حرام ہے۔

(4) چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت عمرؓ کو اس حالت میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے لڑکے کو حکم دیں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم عبداللہ کو پہنچایا جائے اور اس طرح سے وہ حکم ساتھ کے ساتھ عبداللہ کے لئے ہوگا اور یہ وہ بات ہے جس میں شک کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ مسئلہ عبداللہ کے لئے مخصوص ہوگا اور ان کے باپ عمرؓ کو اس میں دخل نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس اصولی مسئلہ کے مطابق کہ اگر ایک شخص نے کسی کو حکم دیا کہ فلاں شخص کو اس کا یہ حکم پہنچا دے تو دوسرا شخص جسے حکم دیا گیا ہے اس حکم کا پابند نہ ہوگا۔ اس کی نظیر آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ''مروا اولادکم بالصلوٰۃ لسبع'' (یعنی اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو) اس میں اولاد اس حکم کی پابند نہیں ہے۔ کیوں کہ اس حکم کا محل وقوع جس کی بابت حکم دیا گیا ہے وہ غیر مکلف ہے جیسے کہ اولاد ہوتی ہے۔ اور یہاں ایسا کوئی قرینہ نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے یہ حکم اس کو دیا ہے جسے لوگوں کو حکم دینے کے لئے کہا گیا جیسا کہ حدیث میں

Marfat.com

ہے۔(وہاں یہ حکم عبداللہ ہی کے لئے تھا) اگر عبداللہ کے لئے مخصوص نہ ہوتا تو یہ حکم بیکار ہوتا اور اس کے کچھ معنے نہ ہوتے۔کیوں کہ اس حکم کا حضرت عمر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔لہٰذا اس معاملہ کا حدیث پر منطبق ہونا ظاہر نہیں ہے۔

طلاق صریح کا بیان

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ عبارت طلاق کی رو سے طلاق کی دو قسمیں ہیں: طلاق صریح (واضح الفاظ میں طلاق دینا) اور طلاق کنایہ (غیر واضح الفاظ میں طلاق دینا) پھر طلاق صریح کی دو قسمیں ہیں: طلاق رجعی (قابل رجوع) اور طلاق بائن (نا قابل رجوع)۔

مسالک مختلفہ کی رو سے یہ تمام امور تفصیل طلب ہیں (۱)

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ طلاق صریح کی دو قسمیں ہیں، صریح رجعی اور صریح بائن، صریح رجعی وہ ہے جس میں پانچ پابندیاں پائی جائیں:

ایک پابندی یہ ہے کہ وہ عبارت الفاظ طلاق پر مشتمل ہو۔مثلاً یوں کہا جائے کہ ''میں نے تجھ کو طلاق دی'' یا ''تو طلاق یا مطلقہ'' (بہ تشدید لام) ہوگئی۔مطلقہ بہ تخفیف لام کہنے میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد گھر میں پابندی رہنے سے آزادی اور باہر نکلنے کی آزادی مراد ہو لہٰذا (طلاق کے لئے) مطلقہ صریح نہیں بلکہ کنایہ ہوگا اور اس کا حکم آگے آرہا ہے۔

طلاق صریح کے منجملہ خاوند کا بیوی سے یوں کہنا بھی ہے کہ تو ''طالقن ہوجا یا طلاق پانے والی ہوجا'' اس میں لفظ 'ہوجا' اگرچہ مستقبل کے لئے ہے لیکن اس کا استعمال زمانہ حال کے لئے ہوتا ہے چنانچہ اگر کہا کہ ''میں تجھے طلاق دے رہا ہوں'' اس لفظ کا عام استعمال زمانہ حال کے لئے ہوتا ہے۔لہٰذا اس طرح کہنے سے طلاق پڑ جائے گی۔اسی طرح ''کوئی طالقۃ'' (طلاق ہوجا) اور 'اطـلـقـی'' (طلاق لے لے) بھی طلاق صریح ہے۔اسی میں یوں کہنا بھی ہے ''خذی طلاقک'' (یعنی تو اپنی طلاق لے لے) اور وہ کہے اخذتہ (یعنی میں نے لے لی) تو یہ بھی طلاق صریح ہے لیکن اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں نیت لازمی ہے۔اسی میں 'نعم' اور 'بلیٰ' (یعنی ہاں) کہنا بھی ہے جب کہ اس سوال کے جواب میں کہ ''کیا آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی؟'' کہا جائے۔یہ طلاق بائنہ ہوجائے گی کیوں کہ عرف عام میں الفاظ 'نعم' اور 'بلیٰ' (جس کے معنے نفیاً اور اثباتاً ہاں کے ہیں) کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔برخلاف لغت کے کہ اس کی رو سے لفظ نعم نفی کے سوال کے جواب کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کے برخلاف لفظ 'بلیٰ' استفہام نفی کے جواب میں ہوتا ہے حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

الفاظ مصحفہ (یعنی تصحیف شدہ الفاظ جن میں حروف بدل دیئے گئے ہوں) بھی صریح میں شامل ہیں۔اس کی پانچ صورتیں ہیں:

(ا) قاف کو غین سے بدل دینا مثلاً (طلقتک کی بجائے) طلغتک کہنا۔

Marfat.com

(۲) طا کو تا سے قاف کو غین سے بدلنا جیسے (طلقتک کی بجائے) تلغتک کہنا۔

(۳) قاف کو کاف سے بدلنا دینا جیسے طلکتک کہنا۔

(۴) طا کو تا سے اور قاف کو کاف سے بدل دینا جیسے 'تلکتک'۔

(۵) طاء کو تا سے بدلنا جیسے تلقتک۔

بعض اصحاب نے ایک چھٹی صورت کا اضافہ کیا ہے یعنی قاف کو لام سے بدلنا مثلاً (انت طالق کی بجائے) انت طالل کہنا۔

حنفیہ کے نزدیک یہ تمام الفاظ طلاق کے بارے میں صریح ہیں۔ پس اگر کسی شخص کی زبان پر یہ الفاظ بلا ارادہ آ جائیں مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے 'یا طالل (یعنی اے طلاق یعنی اے طلاقن) اور اس کا ارادہ یہ ہو کہ "وہ یا ہائم" کہہ رہا ہے تو یہ طلاق قانونی رو سے تو عائد ہوگی دینی اعتبار سے نہ ہوگی۔ لیکن اگر اس کا مقصد طلاق ہی کہنا تھا مگر چاہتا یہ تھا کہ طلاق نہ ہو اور مذاق میں اس نے اس طرح کہہ دیا تو قانون اور شرع دونوں لحاظ سے طلاق ہو جائے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ تصحیف شدہ الفاظ (جس کے حروف بدل گئے ہوں) کے استعمال سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگرچہ طلاق دینے والے کی زبان میں لکنت نہ ہو۔ رہا طلاق کے حروف کو الگ الگ ادا کر کے طلاق دینا مثلاً کہنا ط۔ ا۔ ل۔ ق۔ یا یوں کہا کہ (تجھے (طاء۔ لام۔ الف۔ قاف ہے تو اس صورت میں تحقیق یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی جب تک کہ طلاق کی نیت نہ ہو۔

دوسری پابندی یہ ہے کہ مباشرت حقیقی ہو چکی ہو۔ پس اگر کسی نے مباشرت سے پہلے طلاق صریح دی تو طلاق بائن ہوگی (جس سے نکاح جاتا رہتا ہے) طلاق رجعی نہ ہوگی۔ مباشرت حقیقی سے مراد صحیح معنوں میں مجامعت ہے جیسا کہ مہر کی بحث میں بتایا گیا۔ اور محض تخلیہ کہ اگرچہ وہ بھی مباشرت ہی کے حکم میں ہے لیکن یہاں اس کا اعتبار نہیں ہے۔ لہٰذا اگر بیوی کے ساتھ تخلیہ ہوا لیکن مباشرت حقیقی نہیں ہوئی اور بیوی کو طلاق صریح دے دی تو وہ طلاق بائن (ناقابل رجوع' قابل تجدید نکاح) ہوگی۔

تیسری پابندی یہ ہے کہ طلاق کو کسی شرط سے وابستہ نہ کیا جائے' جیسے یہ کہنا کہ میں طلاق اس شرط پر دیتا ہوں کہ مہر بعد میں ادا کر دوں گا وغیرہ تو یہ طلاق بائن ہوگی طلاق رجعی نہ ہوگی۔

چوتھی پابندی یہ ہے کہ طلاق کے ساتھ تین کی تعداد نہ شامل کی گئی ہو۔ نہ صراحۃً نہ اشارۃً اور نہ وہ طلاق کسی ایسی صفت سے موصوف ہو جو اس کے بائن ہونے پر دلالت کرے یا طلاق خود بائن ہونے پر دلالت کرتی ہو بغیر اس کے کہ اس کے ساتھ کوئی حرف عطف ہو۔ پہلی صورت کی مثال ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ یوں کہے کہ تجھے تین طلاق ہے اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ منہ سے کہا جائے کہ تجھے طلاق ہے ساتھ ہی تین انگلیوں سے اشارہ کیا جائے (کہ اتنی طلاقیں) ان دونوں حالتوں میں تین طلاقیں معاً پڑ جائیں گی۔ تیسری صورت کی مثال یہ کہنا ہے کہ تجھے "سخت طلاق ہے" یا پہاڑ جیسی طلاق ہے۔ پس طلاق کو شدید (سخت) کے ساتھ موصوف کرنے سے وہ طلاق بائن ہو جاتی ہے اور یہ طلاق کا بائن ہونا ایک طلاق بائنہ ہے اور یہ جو قید لگائی گئی ہے کہ "بغیر حرف عطف کے ہو" اس سے وہ صورت نکل گئی جبکہ یوں کہا جائے کہ تجھ

Marfat.com

کو طلاق ہے اور تو بائن ہو گئی۔ پہلی صورت میں وہ طلاق رجعی ہو گی اور دوسری صورت میں طلاق رجعی کے ساتھ دوسری طلاق مل کر وہ بائن ہو جائے گی۔

پانچویں پابندی یہ ہے کہ طلاق کو کسی ایسی عدد یا صفت سے مشابہ نہ کیا جائے جس سے طلاق کا بائن ہونا ظاہر ہوتا ہو مثلاً یوں کہنا کہ میں نے تجھے تین جیسی طلاق دی اس صورت میں اگر ایک طلاق کی نیت تھی تو ایک طلاق بائن واقع ہو گی ورنہ تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ اسی طرح یہ کہنا کہ تجھے چاند یا سورج کی مانند طلاق ہے۔ سو اس طرح کہنے سے ایک طلاق بائن واقع ہو گی۔

غرض طلاق صریح رجعی وہ ہے کہ ایک شخص اپنی مباشرت شدہ بیوی کو ایسی عبارت میں طلاق دے جس میں طلاق کا لفظ موجود ہو بغیر اس کے کہ اس طلاق کو کسی معاوضہ سے وابستہ کیا جائے اور بلا اس کے کہ طلاق کے ساتھ تین کا عدد صراحۃً یا اشارۃً ظاہر کیا جائے اور نہ اسے کسی ایسی صفت سے متصف کیا جائے جس سے بائن ہونے کا مطلب نکلتا ہو۔ یا بغیر حرف عطف استعمال کئے بائن ہونے پر دلالت کرتا ہو اور نہ اس طلاق کو کسی عدد یا صفت سے جو بائن ہونے پر دال ہو متصف کیا جائے۔ اور طلاق بائن وہ ہے جو ان امور کے خلاف ہو یعنی مباشرت ہنوز نہ ہوئی ہو کہ طلاق ہو جائے یا مباشرت ہو چکی ہو لیکن طلاق کے ساتھ تین کا عدد شامل کر دیا جائے یا ایسی عبارت میں طلاق دی جائے جس میں طلاق کے حروف نہ آئے ہوں یا آئے ہوں لیکن وہ عبارت بائن ہونے پر مبنی ہو یا بائن ہونے پر دلالت کرتی ہو یا اس طلاق کو کسی ایسے عدد سے یا صفت سے تشبیہ دی جائے جس سے بائن ہونا ظاہر ہوتا ہو۔

اس بیان سے طلاق صریح رجعی اور طلاق بائن کی تعریف معلوم ہو گئی۔ پھر طلاق بائن میں اگر تین کی تعداد ہو تو اس کو ملحوظ رکھا جائے گا اور وہ عورت پھر حلال نہ ہو گی جب تک کہ کسی اور خاوند کے ساتھ نکاح نہ کر لے۔ اگر طلاق ایک ہو یا دو طلاقیں ہوں اور وہ رجعی ہوں تو عقد کی ضرورت نہیں ہے اور اگر وہ طلاق بائن ہو تو نئے سرے سے عقد لازم ہو گا۔

واضح ہو کہ طلاق صریح رجعی کا حکم یہ ہے کہ اس سے ایک ہی طلاق رجعی پڑے گی اگرچہ نیت ایک سے زیادہ کی یا بائن ہونے کی ہو۔ چنانچہ اگر کہا کہ تجھے طلاق ہے اور نیت تین طلاق کی کی تب بھی صرف ایک ہی طلاق پڑے گی۔ اور اگر اس کے کہنے سے علیحدگی کے علاوہ کچھ اور مراد لیا مثلاً طلاق سے مراد طلاق عن وثاق (یعنی بندش سے آزادی) مراد لی تو قانونی طور پر اسے تسلیم نہ کیا جائے گا۔ لیکن شرعاً طلاق لازمی نہ ہو گی۔ لہٰذا خاوند کا بیوی کے پاس جانا حلال ہو گا۔ تاہم عورت کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ یہ الفاظ خاوند کے منہ سے سن کر یا کسی معتبر گواہ سے (خاوند کی یہ بات) سن کر خاوند کو اپنی ذات پر اختیار نہ دے۔ ہاں اگر خاوند نے اس وقت یہ بھی کہہ دیا تھا کہ تجھ کو بندش سے طلاق ہے تو اب یہ طلاق نہ قانوناً واقع ہو گی نہ شرعاً۔

اگر کہا تجھ پر طلاق ہے اور طلاق ہی کی نیت کی تو طلاق پڑ جائے گی اور اگر کہا کہ مجھ پر واجب ہے کہ تجھے طلاق دوں تو بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہو جائے گی اور یوں کہنا بھی اسی طرح ہے کہ تیسری طلاق واجب یا لازم یا فرض یا ثابت ہے لیکن اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس سے کچھ نہ ہو گا اور ان میں سے بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر 'واجب' کا لفظ کہا ہے تو طلاق واقع

Marfat.com

ہوگی اور لازم کا لفظ کہا ہے تو نہ ہوگی اور بعض اصحاب نے ہر صورت میں طلاق کے واقع ہونے کو صحیح بتایا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ طلاق صریح چار الفاظ پر منحصر ہے ایک لفظ طلقت (میں نے طلاق دی) ہے اور دوسرا لفظ ''انا طالق منک'' (یعنی میں تجھ سے علیحدہ ہوگیا) تیسرے ''انت طالق یا مطلقة منی به تشدید لام (تو طلاق یافتہ ہو گئی یا میری طرف سے طلاق پا گئی)۔ چوتھے الطلاق لی لازم یا علی لازم یا منی یا لک یا علیک لازم وغیرہ (یعنی طلاق میرے لئے یا مجھ پر یا میری طرف سے یا مجھے یا تجھ پر عائد ہوگئی) یہ چاروں صورتیں طلاق صریح کی ہیں اور ان چاروں الفاظ میں سے ہر ایک سے ایک طلاق واقع ہوگی درآنحالیکہ کوئی نیت نہ کی ہو۔ لیکن اگر دو طلاقوں کی نیت کی یا تین کی نیت کی تو جو نیت کی وہی واقع ہوگی۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ الفاظ صریح ہوں تو نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اگر ایک سے زیادہ طلاق کی نیت کی تب بھی ایک ہی واقع ہوگی۔ اگر ہنوز مباشرت نہیں ہوئی اور طلاق دی یا معاوضہ میں طلاق دی جسے خلع کہتے ہیں تو وہ طلاق بائن ہوگی بصورت دیگر وہ طلاق رجعی رہے گی۔ پس مالکیہ کے نزدیک خلع کی صورت اور غیر مباشرت شدہ کی طلاق اور طلاق بات (یعنی قطعی طلاق) یہ سب طلاق بائن ہیں خواہ تین طلاقیں دی جائیں اور ایسی ہی ہیں جیسے تین کے لفظ کے ساتھ اور کنایہ ظاہری سے طلاق دی جائے۔ اس کا بیان آگے آرہا ہے نیز یہی حکم حاکم کے فیصلہ کی طلاق کا ہے جیسا کہ رجوع کرنے کی شرطوں میں بتایا جائے گا۔ طلاق رجعی وہ ہے جو اس کے خلاف ہو۔

واضح ہو کہ اگر کسی شخص نے کہا کہ تو طلاق یافتہ یا مطلقہ بفتح لام مخففہ ہے اور نیت طلاق کی تھی تو طلاق پڑ جائے گی جیسا کہ کنایات خفیہ (مخفی کتابوں میں ہوتا ہے اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ اگر اس میں طلاق کی نیت نہ ہو تو اس سے کچھ نہ ہوگا کیوں کہ طلاق کے بارے میں عرف عام کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ طلاق کی دو قسمیں ہیں صریح بنفسہ (یا صریح بذاتہ) اور صریح لغیرہ (یا صریح بالواسطہ) پہلی قسم یعنی صریح بنفسہ وہ لفظ ہے جو مادہ طلاق یا مادہ سراح سے لیا ہو مثلاً یوں کہا کہ ''سرحتک'' (میں نے تجھے چھوڑ دیا) یا وہ لفظ مادہ فراق سے بنا ہو مثلاً فارقتک (یعنی میں نے تجھے جدا کر دیا) نیز وہ الفاظ جو مادہ طلاق سے نکلتے ہیں وہ یہ ہیں کہ کہا جائے ''انت طالق'' (تو طلاق ہے) یا مطلقہ بہ تشدید لام (تو طلاق یافتہ ہے) اگر لام غیر مشدد ہو تو وہ (طلاق کے لئے) کنایہ ہوگا اور یہ لفظ بذاتہ طلاق سے مختلف ہے۔ یہ لفظ کبھی مبتدا واقع ہوتا ہے مثلاً یوں کہنا کہ ''طلاق مجھ پر لازم ہے میں یہ ضرور کروں گا'' اس عبارت میں لفظ 'طلاق' مبتدا ہے اور مجھ پر (لازم ہے) خبر ہے اور یہ مفہوم طلارق میں صریح ہے۔ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ (صریح نہیں) کنایہ ہے لہٰذا جب تک اس سے طلاق کی نیت نے کی جائے طلاق نہ پڑے گی۔ لیکن پہلی رائے قابل ترجیح ہے۔ اسی طرح یہ کہنا ہے کہ تجھے طلاق دینا مجھ پر واجب یا لازم ہے میں ایسا ضرور کروں گا یہ بھی صریح ہے۔ لیکن اگر کہا کہ تیری طلاق مجھ پر فرض ہے تو بقول راجح یہ کنایہ ہے کیوں کہ فرض کی اصطلاح کا استعمال عبادت کے لئے مشہور ہے پس یہاں احتمال ہے کہ اس نے یہ استعمال غلط ارادہ سے کیا اس لئے کہ طلاق عبادت نہیں ہے بخلاف لفظ واجب کے کہ اس کا استعمال لازمی اور قائم رہنے والی شے کے لئے کیا جاتا ہے اور کبھی طلاق کا لفظ مفعول واقع ہوتا ہے۔ مثلاً یوں کہنا کہ میں نے تجھ پر طلاق ڈال دی یا فاعل واقع ہوتا ہے مثلاً طلاق میرے لئے لازم ہوگیا۔ دونوں صورتوں

Marfat.com

میں یہ طلاق صریح ہے۔ اس کے علاوہ تمام صورتیں کنایہ ہیں۔ چنانچہ اگر طلاق کی قسم کھائی اور کہا ''تیری طلاق کی قسم میں نہیں کروں گا'' یہ متفقہ طور پر کنایہ ہے اگر لفظ طلاق کو تصحیف کے ساتھ (یعنی حرف بدل کرکر) کہا مثلاً یوں کہا کہ انت تالق (تو طلاق یافتہ ہے (تو یہ صورت یا تو ایسی ہوگی کہ لغت میں اس طرح بولا جاتا ہوگا یا نہ بولا جاتا ہوگا۔ اگر لغت میں اس طرح آتا ہے تب تو یہ طلاق صریح ہوگی اگر لغت میں نہیں ہے بلکہ طلاق دینے والا تو 'طالق' کہتا ہے لیکن اس کی زبان سے 'تالق' نکلتا ہے یا قصداً طالق کی بجائے تالق کہتا ہے تو یہ کنایہ ہوگا۔ شافعیہ کے نزدیک یہی بات قابل اعتماد ہے۔

الغرض صریح بنفسہ (یا صریح بذاتہ) ان کے نزدیک وہ ہے جس میں دو باتیں پائی جائیں: اول یہ کہ وہ لفظ قرآن میں مکرر آیا ہو اور یہ کیفیت قرآن میں لفظ طلاق اور اس کے مشتقات کے متعلق ظاہر ہے۔ اسی طرح لفظ سراح بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''فامسکوھن بمعروف اوسرحوھن بمعروف'' (یعنی یا تو اسے دستور کے مطابق زوجیت میں رکھ چھوڑ دیا دستور کے مطابق چھوڑ دو) اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے ''فامساک بمعروف اوتسریح باحسان'' سورۃ البقرہ (یعنی اس کے بعد خاوند کو حق ہے کہ دستور کے مطابق زوجیت میں رکھے یا دستور کے مطابق چھوڑ دے) اسی طرح قرآن میں لفظ فراق بھی آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتی ہے ''فامسکوھن بمعروف اوفارقوھن بمعروف'' سورۃ طلاق (یعنی پھر انہیں دستور کے مطابق رکھ لو یا دستور کے مطابق جدا کردو) فراق کا لفظ قرآن میں مکرر نہیں آیا لیکن اس کا ہم مفہوم لفظ آیا ہے اس لئے اسے بھی مکرر آنے والے الفاظ میں شامل کرلیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ لفظ طلاق کے معنوں میں مشہور ہو۔ ظاہر ہے سراح اور فراق کا استعمال (یعنی چھوڑ دینا اور جدا کردینا۔ طلاق کے معنوں میں مشہور ہے لہٰذا یہ بھی طلاق صریح ہے۔ یہ تمام مثالیں صریح بذاتہ کی ہیں رہا صریح لغیرہ سو یہ وہ الفاظ ہیں جو لفظ خلع سے مشتق ہوں یا ایسا لفظ ہو جس سے (طلاق کی) شرط نکلتی ہو بایں طور کہ طلاق کو لفظی طور پر مال کے ساتھ نسبت دی جائے یا مالی معاوضہ کی نیت ہو مثلاً خاوند یوں کہے کہ میں اتنے مال پر تیرے ساتھ خلع کرتا ہوں۔ یا فادیتک اور افتدیت منک (یعنی اس قدر مال فدیہ کے طور پر دیتا ہوں یا تیرے لئے تاوان ادا کرتا ہوں) پس لفظ خلع یا فدیہ بذاتہ گو طلاق کے معنوں میں صریح نہیں ہیں لیکن مال کے ساتھ منسوب ہو کر صریح ہو گئے (صریح لغیرہ یا صریح بالواسطہ کا یہی مطلب ہے) اگر مال کی طرف نسبت نہ کی جاتی تو یہ طلاق کنایہ ہوتی (یعنی غیر واضح طلاق) جیسا کہ اس کے بیان میں بتایا جائے گا۔ پھر صریح لغیرہ میں ان دو شرطوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے جو شرطیں صریح بذاتہ کے لئے بتائی گئی ہیں۔

واضح ہو کہ صریح لغیرہ وہ شرط ہے جس کا ذکر تو قرآن میں آیا ہو لیکن مکرر نہ آیا ہو اسی طرح وہ لفظ جو طلاق کے معنے میں آیا یا پھر اس کا استعمال طلاق کے مفہوم میں مشہور ہو۔ پس لفظ مفادات قرآن میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ'' (یعنی اس کے لئے اگر کچھ فدیہ دیا جائے تو زوجین پر گناہ نہیں ہے) اس کو خلع کہتے ہیں اور خلع اور معاداۃ (لوٹ جانا) کا استعمال طلاق کے لئے مشہور ہے۔

اب طلاق صریح کے لئے ایک اور لفظ رہ گیا اور وہ لفظ نعم (ہاں) ہے جب کہ یہ طلاق صریح کے متعلق سوال کے جواب میں کہا جائے۔ چنانچہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ ''کیا آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی؟'' اور اس نے

Marfat.com

جواب میں کہا ''ہاں'' تو یہ طلاق صریح ہوگی۔ پس طلاق صریح ان پانچ عبارتوں پر منحصر ہے:

(۱) لفظ طلاق اور اس کے مشتقات جن کا اوپر بیان ہوا۔

(۲) لفظ سراح اور اس کے مشتقات۔

(۳) لفظ فراق کے مشتقات۔

(۴) لفظ خلع اور مفادات (یعنی فدیہ یا تاوان کا لین دین) بشرطیکہ ان دونوں الفاظ کو مال کے ساتھ صراحت کے ساتھ یا نیت میں منسوب نہ کیا جائے۔

(۵) لفظ نعم (ہاں) جب کہ طلاق صریح کی بابت دریافت کرنے کے جواب میں کہا جائے۔

طلاق صریح بذاتہ کا حکم یہ ہے کہ اس سے ایک طلاق رجعی پڑ جاتی ہے بشرطیکہ اس سے پہلے دو طلاقیں نہ دی گئی ہوں۔ اور ہنوز مباشرت نہ ہوئی ہو۔

طلاق صریح بالواسطہ سے طلاق بائن پڑ جاتی ہے خواہ نیت طلاق کی ہو یا نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر طلاق نہ دینے کی نیت ہو تب بھی (طلاق بائن پڑ جائے گی) لیکن اگر ایک طلاق سے زیادہ کی نیت کی ہے تو جو نیت کی ہے وہی واقع ہوگا۔ اس لئے کہ شریعت نے طلاق کی تعداد تین مقرر فرمائی ہے لہٰذا طلاق کا لفظ کہا جائے تو اس میں وہ تعداد داخل ہوگی جس کی نیت کی گئی ہے کیوں کہ شرعاً اس کا احتمال ہے لیکن اگر کہا کہ انت طالق واحدۃ۔ یعنی واحدۃ پر زبر کے ساتھ۔ اس صورت میں یہ لفظ مصدر محذوف کی صفت ہوگا یعنی پوری عبارت یوں گی انت طالق طلقۃً واحدۃً (یعنی تجھے طلاق ہے ایک بار والی طلاق۔ ان الفاظ کے ساتھ) اگر نیت زیادہ طلاق کی رکھی تو اس میں اختلاف ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی نیت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا کیوں کہ لفظ واحدۃً 'طلقہ' کی صفت ہے جس میں دو کا احتمال ہی نہیں ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ) اگر الفاظ ایسے ہیں جس میں نیت کا احتمال نہ ہو تو اس نیت کا اعتبار نہ کیا جائے گا بعض اصحاب کہتے ہیں کہ نیت کے مطابق طلاق واقع ہوگی کیوں کہ نیت لفظ واحدۃ کے معنے زوجیت سے منفرد ہونے کے متعین کرتی ہے۔ یہ طلاق کی صفت نہیں ہے پس گویا اس نے یہ کہا کہ تجھ کو طلاق ہے درآنحالیکہ تو یکتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ طلاق صریح وہ ہے جو بناوٹ کے لحاظ سے عرف عام میں اس کے سوا اور کچھ معنے نہ رکھتا ہو۔ چنانچہ لفظ طلاق عقد ازدواج کو توڑ دینے کے مفہوم میں صریح ہے۔ اس کے سوا کسی اور معنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگرچہ اس اصل معنے کے مطابق اس کا مطلب قید سے چھٹکارا کیا جا سکتا ہے اور یہ لفظ طلاق اور اس کے مختلف صیغوں ہی پر منحصر ہے مثلاً طالق' مطلقہ اور طلقتک بخلاف الفاظ مانند طلقی' اطلقک اور مطلقہ بکسر لام بطور اسم فاعل کے کہ یہ الفاظ بالعموم بندش کو کھولنے کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتے اس سے معلوم ہوا کہ الفاظ سراح' فراق' خلع اور فدیہ طلاق صریح نہیں ہیں۔ حنفیہ اور مالکیہ کو اس سے اتفاق ہے لیکن شافعیہ کو اختلاف ہے۔ اس لئے کہ ان الفاظ کا زیادہ تر استعمال طلاق کے علاوہ ہوتا ہے لہٰذا اس کو طلاق صریح کے معنوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ لفظ ''ہاں'' طلاق صریح ہے جب کہ طلاق صریح کے بارے میں سوال کے جواب میں کہا جائے کہ اگر ایک شخص نے کسی سے پوچھا کہ ''کیا تم نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے؟'' اور وہ کہے نعم (یعنی ہاں) طلاق دے دی تو اگرچہ یہ جھوٹ ہو (تب بھی اسے طلاق مانا جائے گا) اسی طرح اگر ایک

Marfat.com

طلاق کا کنایہ (غیر واضح طلاق) کا بیان

کنایات طلاق صریح کے علاوہ ہیں اس کی تعریف مسالک مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہے۔ (۱)

شخص نے کسی سے کہا کہ "کیا تم نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی؟" اور اس نے کہا بلیٰ (ہاں) تب بھی اس پر طلاق پڑ جائے گی کیوں کہ لفظ بلیٰ نفی میں جواب کے لئے نہیں ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ "کیا تو نے زید کو نہیں مارا؟" اور اس نے کہا بلیٰ (یعنی ہاں) تو اس کے معنے ہوں کہ ہاں مارا ہے۔ لیکن اگر کہا نعم تو اس سے طلاق نہ ہوگی بشرطیکہ وہ شخص نحو (قاعدہ زبان) سے واقف ہو کیوں کہ لفظ نعم جواب نفی میں نہیں آتا چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ "کیا ہمارے ساتھ تم نے کھانا نہیں کھایا؟" اور اس نے کہا "نعم" تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے نہیں کھایا۔ لیکن اگر اس شخص کو جواب کے اس فرق کا علم ہی نہیں ہے تو طلاق نہ پڑے گی۔

واضح ہو کہ طلاق صریح کا حکم یہ ہے کہ اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے خواہ نیت کی ہو یا طلاق نہ ہونے کی نیت ہو۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ لفظ کنایہ کے اپنے معنے یہ ہیں کہ اس کا مقصد انسان اپنے دل میں مخفی رکھے۔ یہ معنے فقہاء کے لئے مخصوص نہیں ہیں بلکہ اہل اصول کی اصطلاح کو بھی شامل ہیں کہ وہ لوگ کنایہ کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ "کنایہ وہ (لفظ یا عبارت) ہے جس کا مقصد دل میں پوشیدہ رکھا جائے۔ اگرچہ فقہاء کے نزدیک وہ صریح الفاظ میں سے ہو مثلاً (طالق کی بجائے) طالل کہنا کہ اگرچہ وہ مقصد کے اعتبار سے صریح ہے لیکن چونکہ لفظ نادر الاستعمال ہے اس لئے اس کی مراد مخفی ہوگئی۔ لیکن کنایہ کا لفظ فقہاء کی اصطلاح میں مخصوص (معنے رکھتا ہے) اس سے مراد وہ لفظ ہے جو خالص طلاق کے لئے موضوع نہ ہوا ہو بلکہ ایسے مفہوم کے لئے وضع کیا گیا ہو جس کا تعلق طلاق سے ہے اور اس کے دوسرے معنے بھی ہوں لہٰذا کنایہ میں دونوں امور کا احتمال ہوتا ہے مثلاً لفظ "بائن" لغت میں جدا ہونے کا مفہوم رکھتا ہے اور جدائی کا مفہوم زوجیت سے جدا ہونے کے مقابلہ میں عام ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے بعد مکانی مراد ہو اور زوجیت سے دور ہو جانا دراصل طلاق کے معنے نہیں ہیں بلکہ یہ اس نتیجہ کو کہتے ہیں۔ جو طلاق سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو بائن (یعنی جدا ہوگئی) ہے تو اس میں احتمال ہے کہ اس کا مقصد یہ ہو کہ اسے کنبہ سے کہیں دور الگ کر دیا جائے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسے زوجیت سے علیحدہ کرنا مقصود ہو۔ پس اگر پہلا مفہوم مراد لیا تو اس سے کچھ نہ ہوگا لیکن اگر دوسرا مفہوم تھا تو اسے طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ کیوں کہ طلاق کے حکم (یا نتیجہ) کا ارادہ اس سے اسی طرح نکلتا ہے جیسے طلاق کے معنے کا مراد لینا۔ اور یہی عقد نکاح کا توڑنا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کنایہ کے تمام الفاظ کی یہی کیفیت ہے کہ اس سے طلاق کے معنے مراد نہیں ہوتے بلکہ (اس کا نتیجہ) زوجیت سے علیحدگی کا مفہوم نکلتا ہے۔ طلاق کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ پس فقہا جو یہ کہتے ہیں کہ کنایہ وہ لفظ ہے جس سے طلاق اور اس کے علاوہ اور معنی کا احتمال ہو اس کا مطلب یہی ہے کہ اس میں اس حکم کا احتمال ہے جو طلاق سے ہوتا ہے یعنی علیحدگی جو طلاق کا نتیجہ ہوتی ہے نہ کہ خود طلاق کا مفہوم جیسا کہ معلوم ہوا اور الفاظ کنایہ سے، طلاق کے واقع ہونے کے لئے ان دو باتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ یا تو نیت ہو جیسا کہ بتایا گیا یا بظاہر

Marfat.com

طلاق کنایہ کی قسموں کا بیان

طلاق کنایہ کی کئی اقسام ہیں جواز روئے مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

حالات اس امر پر دلالت کرتے ہوں جو الفاظ کنایہ سے مراد ہیں مثلاً بیوی طلاق کا مطالبہ کرے اور خاوند کہے کہ تو بائن ہو گئی تو اب طلاق بغیر نیت کے واقع ہو جائے گی جیسا کہ کنایہ کے اقسام کی تفصیل میں بتایا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ طلاق کنایہ سے مراد ایسا لفظ ہے جس میں طلاق کا بھی احتمال ہو اور دوسرے معنے کا بھی بشرطیکہ لفظ کے اجزاء میں سے کسی جزو کے ساتھ نیت شامل ہو۔ مثلاً ایک شخص اپنی بیوی سے کہے اطلقک (یعنی میں نے تجھے چھوڑ دیا) اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ گھر میں پابند رہنے کی قید سے آزاد کر دیا اور عقدزوجیت سے علیحدہ کرنے کا بھی احتمال ہے تو اس طرح کہنے سے طلاق نہ ہوگی تا آنکہ اس لفظ کے ساتھ طلاق کی نیت بھی نہ رہی ہو ہذا القیاس۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ طلاق کے الفاظ کنایہ تو واضح ہوتے ہیں یہ وہ الفاظ ہیں جو علیحدگی کے لئے وضع کئے گئے ہیں ان کی تفصیل آگے آ رہی ہے اور کچھ غیر واضح (یا مخفی ہوتے ہیں' اس سے وہ الفاظ مراد ہیں جو ایک طلاق کے لئے واضح کئے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل بھی آگے آ رہی ہے۔ طلاق کی ان دونوں قسموں میں الفاظ کے ساتھ نیت کا ہونا ضروری ہے۔

مالکیہ نے کنایہ کی بہت سی اقسام بتائی ہیں اور ہر قسم کی جداگانہ تفصیل کنایہ کی قسموں کے بیان میں بتائی جائے گی۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کنایہ کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم وہ عبارت ہے جو طلاق کے مطالبہ کا ایجاب ہو سکے۔ لہٰذا (عورت اگر طلاق کا مطالبہ کرے تو اس کے جواب میں) مذمت کرنا اور اس کی بات کو رد کرنا اس کا جواب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ (جواب) ان چند الفاظ پر مشتمل ہے۔ مثلاً یہ کہنا اعتدیؔ (عدت گزار لے) یہ عبارت بیوی کو دو امور کا اختیار دینے کے لئے ہے ایک تو عدت میں جانے کا حکم ہے دوسرے خاوند کی دستگیری کا اور اس کی مہربانیوں سے جو اسے حاصل ہے محروم ہو جانے کا حکم ہے۔ اسی طرح لفظ 'استبرئی رحمک' ہے (یعنی اپنے رحم کو پاک کر لے) استبراء رحم کے معنے مرد کے مادہ تولید سے رحم کو پاک کرنے کے ہیں کہ یہ بھی کنایہ عدت گزارنا ہے کیوں کہ یہ معلوم ہے کہ ایام عدت کا گزارنا رحم کو صاف کرنے ہی کے لئے ہوتا ہے۔ اسی میں لفظ انت واحدۃٌ ہے۔ اس لفظ میں یہ احتمال بھی ہے کہ تجھے ایک طلاق ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ تو برائی یا خوبی میں منفرد (یکتا) ہے۔ اسی بناء پر یہ لفظ واحدۃً منصوب (زبر کے ساتھ) آیا ہے کیونکہ یہ مصدر کا وصف ہے یہاں سوال یہ ہے کہ اگر انت واحدۃ (پیش کے ساتھ) کہا اور اس سے طلاق کی نیت کی تو آیا طلاق واقع ہوگی یا نہ ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ عبارت غلط ہے۔ کیوں کہ اس بارے میں اعراب کا (چنداں) خیال نہیں کیا جاتا۔ بالخصوص اس حالت میں جب کہ بولنے والا ایک عام آدمی ہو۔ علاوہ اس کے لفظ واحدۃ پر رفع (پیش) کا ہونا ایک طرح سے صحیح اعراب مانا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں اس عبارت کے معنے ہوں گے انت تطلیقۃ واحدۃ (یعنی تو ایک طلاق مجسم

Marfat.com

ہے) یہاں پر عورت کو تطلیقہ مبالغہ کے طور پر کہا گیا ہے۔ (یعنی یہ لفظ مصدر نہیں بلکہ اسم کے طور پر استعمال ہوا ہے) اسی طرح 'انت حرۃ' کہنا بھی ہے (یعنی تو آزاد ہے) اس عبارت میں (لفظ آزاد سے) اس مفہوم کا احتمال ہے کہ بیوی کو ہر معاملہ میں تصرف کا اختیار دیا گیا ہو (یعنی وہ آزادی سے جو چاہے سو کرے) اور یہ احتمال بھی ہے کہ اسے عقد نکاح سے آزاد کر دیا گیا ہے اسی میں لفظ ''سرحتک'' شامل ہے (یعنی میں نے تجھے چھوڑ دیا) یہ 'سراح' بفتح سین سے نکلا ہے جس کے معنے چھوڑ دینے کے ہیں۔ گویا اس نے کہا کہ 'ارسلتک' (یعنی میں نے تجھے ترک کیا) اب ارسال یعنی ترک کرنا تو یہ ہے کہ اسے طلاق دے دی اور یا یہ ہے کہ اسے کسی روز اپنے باپ کے گھر میں رہنے کے لئے چھوڑ دیا وغیرہ۔

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ شافعیہ کے نزدیک سرحتک کا لفظ (طلاق کے معنوں میں) صریح ہے اسی طرح لفظ 'فارقتک' ہے (یعنی میں تجھ سے الگ ہو گیا کہ یہ بھی سرحتک کی مانند ہے کیوں کہ اس سے الگ ہو جانا یا تو طلاق کے امور پر ہے یا وقتی طور پر گھر سے باہر جانے کے لئے 'فراق' کا لفظ استعمال کیا۔

واضح ہو کہ 'فتاویٰ کبیرہ' کے بعض شارحین نے اسی قسم کے الفاظ میں دو اور لفظوں کا ذکر کیا ہے ایک لفظ 'اختاری' ہے (یعنی تو مختار ہے جو چاہے سو کر) دوسرا لفظ ''امرک بیدک'' ہے (یعنی تیرا معاملہ تیرے اپنے ہاتھ میں ہے) اب اگر اس سے یہ سمجھا جائے کہ خاوند نے بیوی کو طلاق کے بارے میں اختیار دے دیا تو درست ہے اور یہ بھی درست ہے کہ اسے اپنے ذاتی معاملات میں مختار بنایا گیا ہے لیکن یہاں ان دونوں میں سے کسی کا ذکر کر دینا مناسب نہیں ہے۔ اس واسطے کہ محض خاوند کے اس طرح کہہ دینے سے طلاق نہ ہو گی تاوقتیکہ وہ خود (اس اختیار پانے کے مطابق) خود کو طلاق نہ دے' ہاں اگر خاوند کی نیت یہ ہو کہ وہ عورت کو طلاق کا اختیار سپرد کر رہا ہے یا اس وقت کی صورت حال اس امر کی متقاضی ہو مثلاً بیوی نے غصہ کی حالت میں خاوند سے طلاق کا مطالبہ کیا اور خاوند نے یہ کہہ دیا تو اب (واضح طور پر) بیوی کو خیار طلاق حاصل ہو جائے گا اور جبکہ یہ اختیار بیوی کو حاصل ہو گیا اور بیوی نے اپنے آپ کو طلاق دے لی تو وہ نکاح سے خارج ہو جائے گی۔ پس اگر کسی نے ان دونوں الفاظ کو طلاق کنایہ میں شمار کیا اور اس وہم میں پڑ گیا کہ اگر صرف خاوند اس سے طلاق کی نیت کرے تو طلاق ہو جائے گی تو کھلی غلطی ہے۔

مندرجہ بالا قسم کی طلاق کے ساتھ دو امور قابل لحاظ ہیں ایک تو یہ کہ ابتدائی تین الفاظ یعنی اعتدی' استبرئی رحمک اور انت واحدۃ سے ایک طلاق رجعی پڑے گی۔ اگرچہ زیادہ طلاقوں کی نیت ہو اور طلاق بائن کا ارادہ کیا ہو۔ دوسرا امر یہ ہے کہ جو شخص ان الفاظ میں سے کوئی لفظ ادا کرے گا اس کی حالت ان تین حالتوں میں سے ایک ہو گی: یا تو وہ غصہ میں ہو گا یا رضامندی کی حالت میں ہو گا یا یہ کہ اس وقت طلاق کی گفتگو ہو رہی ہو گی بایں طور کہ عورت نے طلاق کا مطالبہ کیا ہو یا کسی اور شخص نے اس کو طلاق دینے کے لئے کہا ہو۔ (یعنی اس وقت طلاق دینے دلانے کا ذکر ہو رہا ہو)۔ اب اگر خاوند غصہ میں تھا اور اس نے اسی حالت میں اپنی بیوی سے کہا کہ تو عدت میں چلی جا یا اپنا رحم پاک کر لے یا یہ کہ تو اکیلی رہ گئی وغیرہ تو قانوناً طلاق پڑ جائے گی۔ خواہ طلاق کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اب اگر وہ کہے کہ میں نے طلاق کی نیت سے نہیں کہا تھا تو اسے تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ لیکن شرعاً طلاق نہیں ہے بلکہ اس کا معاملہ اس کے اور اس کے اللہ کے درمیان ہے (یعنی اس

Marfat.com

کے سچا ہونے یا جھوٹا ہونے کا معاملہ خدا کے سپرد ہے) اسی طرح اس صورت میں بھی جبکہ طلاق کی بابت گفتگو ہو رہی ہو۔ بیوی طلاق مانگ رہی ہو اور خاوند کہے "عدت میں چلی جا یا اپنا رحم صاف کر لے" وغیرہ تب بھی قانوناً طلاق پڑ جائے گی خواہ نیت کی ہو یا نہ کی ہو اور خواہ اس وقت وہ غصہ میں ہو یا رضامندی کی حالت میں۔ لیکن اگر وہ رضامندی کی حالت میں ہے اور طلاق کا کوئی ذکر نہیں ہے اور ان الفاظ میں سے کوئی لفظ اس نے کہا تو اگر نیت نہ ہو تو طلاق نہ پڑے گی۔ اگر ایسی حالت میں اس نے کہا کہ میں نے وہ لفظ طلاق کی نیت سے نہیں کہا تھا اور اس کے لئے قسم کھالی تو اس کی بات کو مان لیا جائے گا۔

دوسری قسم کے وہ الفاظ ہیں جو مطالبہ طلاق کا جواب دینے (یعنی اسے مان لینے) اور اسے رد کر دینے یعنی سوال کو ہٹا دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں اسی قسم میں یہ الفاظ شامل ہیں: ان کے منجملہ "اخرجی" ہے (یعنی نکل جا) یعنی عورت نے کہا مجھے طلاق دے دے اور خاوند نے کہا "نکل جا" تو یہ لفظ ایسا ہے جو اس کے مطالبہ کا جواب بن سکتا ہے اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ (اس کا مقصد یہ ہو کہ) اس وقت گھر سے نکل جا یہاں تک کہ غصہ جاتا رہے اور طلاق کے مطالبہ سے باز آ جائے۔ اسی طرح اذھبی (چلی جا) کہنا ہے کہ یہ بھی 'نکل جا' ہی کے معنے میں ہے نیز قومی' انتقلی اور انطلقی (کھڑی ہو جا' ہٹ جا یا روانہ ہو جا) بھی اسی میں ہے کہ یہ بھی اخرجی ہی کے مشابہ ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ تقنعی یا تبرقعی (نقاب ڈال لے یا برقعہ اوڑھ لے) یا یوں کہا کہ تخمری یعنی اوڑھنی ڈال لے خمار کے معنے چادر کے ہیں یا استتری یعنی پردہ کر لے۔ پس برقعہ پہننے اوڑھنی اوڑھنے یا پردہ کر لینے کو جو کہا اس میں دو باتوں کا احتمال ہے ایک تو یہ کہ اس نے یہ بات اس لئے کہی کہ اس نے طلاق دے دی ہے اور اب اسے دیکھنا حلال نہیں ہے اور یا اس لئے کہا کہ وہ غصہ میں آ گئی ہے اور خاوند نہیں چاہتا کہ اس حال میں کوئی اسے دیکھے۔ پہلی صورت مطالبہ طلاق کا جواب ہے اور دوسری صورت مطالبہ کو رد کرنا ہے۔ ایسا ہی لفظ اغربی ہے غین اور را کے ساتھ جس کے معنے ہیں دور چلی جا۔ یہ بھی "اخرجی" کا ہم معنے ہے جس میں احتمال ہے کہ یہ مطالبہ طلاق کا جواب ہو اور دوسرا یہ بھی احتمال ہے کہ عارضی طور پر ہٹ جانے کو کہا ہو تاکہ غصہ دب جائے۔ ایسا ہی لفظ اعزبی عین اور زا کے ساتھ ہے جو عزوبۃ سے نکلا ہے اس کے معنے بھی دور ہو جانے کے ہیں اور اغربی جیسا ہے۔

اس قسم کے الفاظ کا حکم یہ ہے کہ طلاق کی نیت نہ ہو تو اس سے طلاق نہیں پڑے گی خواہ غصہ میں کہا ہو یا رضامندی سے یا اس وقت طلاق کا ذکر ہو رہا ہو ایسی صورت میں اگر خاوند کہتا ہے کہ میں نے طلاق کی نیت سے نہیں کہا تھا تو قانوناً قسم کھا لینے پر اس کی بات مان لی جائے گی اور اس کا معاملہ اس کے اور اللہ کے درمیان ہوگا۔ کیوں کہ اس طرح کہنے میں یہ احتمال ہے کہ اس نے طلاق کے مطالبہ کو رد کر دیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے مطالبہ کو مان لیا ہو۔ اگر مطالبہ طلاق کو رد کرنے کی نیت تھی تو لفظ میں اس کے احتمال کی گنجائش ہے۔ اگر طلاق کی بات چیت ہو رہی تھی یا غصہ کی حالت تھی تو اس کی بات قانوناً تسلیم کی جائے گی۔ بخلاف پہلی قسم کے کہ اس میں مطالبہ طلاق کو مان لینے کے سوا اور کوئی احتمال نہیں ہے لہٰذا اگر طلاق کا ذکر تھا یا غصہ میں کہا تھا تو طلاق مطلق واقع ہو جائے گی۔ اگر خاوند نے طلاق کی نیت نہ کی ہو تب بھی اس کی بات نہیں سنی جائے گی۔ ہاں اگر راضی خوشی کی حالت میں اس نے کہا اور اس وقت طلاق کا کوئی ذکر نہیں تھا تو احتمال ہے کہ

Marfat.com

طلاق کے علاوہ اس نے کسی اور بات کا ارادہ کیا ہو۔

تیسری قسم وہ لفظ ہے جو عورت کے مطالبہ طلاق کا جواب ہوسکتا ہو اور اس کے لئے دشنام بھی ہو۔ اس قسم کے چند الفاظ ہیں منجملہ ان کے ایک لفظ خلیة بمعنی خالیة عن النکاح (بے نکاحی ہوجانا) یا خالة عن الادب و الاخیر (یعنی بے ادب اور بداطوار ہونا) ہے۔ پس پہلے معنے کی رو سے یہ لفظ مطالبہ طلاق کا جواب ہوسکتا ہے اور دوسرے معنے کی رو سے عورت کی مذمت ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ اسی طرح لفظ بریة اور بریئة بھی ہے جس کے معنے نکاح سے علیحدہ ہونے یا ادب اور خوش اطواری سے خالی ہونے کے ہیں۔ پس یہ لفظ بھی پہلے لفظ کی طرح (مطالبہ طلاق کا) جواب بھی ہوسکتا ہے اور دشنام بھی۔ اس میں لفظ بائن ہے (یعنی خارج ہونے والی) جو بان الشی سے نکلا ہے جس کے معنے انفصل الشی کے ہیں۔ پس یوں کہنا کہ انت بائن (تو علیحدہ ہوگئی) دو احتمال رکھتا ہے اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ بیوی نکاح سے الگ ہوگئی اور یہ بھی کہ نیکی اور خوبی سے باہر ہوگئی جیسا کہ پہلے لفظ میں تھا اسی طرح لفظ ''بتة'' جس کے معنے کسی سے منقطع ہوجانے کے ہیں پس اگر کسی شخص نے بیوی سے کہا انت بتة تو اس کے معنے یہ ہیں کہ ''تو منقطع ہوگئی'' اس کے مفہوم میں نکاح سے بھی منقطع ہونا ہے اور اب ادب سے منقطع ہونا بھی۔ ایسا ہی لفظ بتلة جو بتة کا ہم معنے ہے اس کے معنے کٹ جانے یا الگ ہوجانے کے ہیں' چنانچہ لفظ 'البتول' جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے آیا ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ تمام جہان کی عورتوں سے نسب اور دین کے اعتبار سے الگ (یا بے نظیر) ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اس قسم کے الفاظ کا حکم یہ ہے کہ ان سے طلاق اس صورت میں پڑے گی جبکہ طلاق کی نیت ہو غصہ کی حالت میں یا بغیر غصہ کے کہا جائے۔ لیکن اگر طلاق کا ذکر تھا اور یہ لفظ کہا گیا تو نیت کے بغیر بھی قانوناً طلاق ہوجائے گی۔

اس تفصیل سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر طلاق کا ذکر ہے اور اس کے دوران یہ لفظ کہا تو قانوناً طلاق پڑ جائے گی۔ نیت طلاق کی رہی ہو یا نہ رہی ہو۔ البتہ دوسری قسم کے الفاظ میں یعنی ان الفاظ میں جو مطالبہ طلاق کو قبول کرنے یا رد کردینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کی تینوں اقسام کے الفاظ سے طلاق نہ ہوگی جب تک کہ نیت نہ ہو۔ بہرحال رضامندی کی حالت میں تینوں قسم کے الفاظ سہ گانہ سے طلاق نہیں ہوتی جب تک کہ طلاق کی نیت نہ ہو اور غصہ کی حالت میں اخیر کے دو قسم کے الفاظ سے طلاق پڑ جاتی ہے درآنحالیکہ نیت ہو اور پہلی قسم کے لفظ سے یعنی وہ لفظ جس سے مطالبہ طلاق کا قبول کرنا ظاہر اور مذمت کا مفہوم نہ رکھتا ہو اگر غصہ کی حالت میں ادا کیا جائے تو نیت سے قطع نظر اس سے طلاق پڑ جائے گی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ تینوں اقسام کنایہ کے تحت جن الفاظ کا ذکر کیا گیا ہے باستثناء ان تین الفاظ کے جو قسم اول میں بیان کئے گئے یعنی تو عدت میں چلی جا اپنا رحم صاف کرلے اور تو اکیلی ہوگئی۔ ان میں سے ہر لفظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اگر طلاق بائن سے دو طلاقیں مراد لی گئیں تب بھی اس سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی ہاں اگر تین مراد لی تو درست ہے اور تین طلاق پڑ جائے گی کیوں کہ لفظ بائن سے مراد عورت کا زوجیت سے باہر ہوجانا ہے اور لفظ 'بینونة' (بائن ہونا) میں احتمال تثنیہ کا نہیں ہے کیوں کہ یہ مصدر ہے جس میں عدد ملحوظ نہیں ہوتا پس یا اس سے ایک مراد ہوگا اور ایک سے موصوف مانا جائے گا یا پھر اسے اسم جنس اعتبار کیا جائے جس کے مفہوم میں اس کے تمام افراد شامل ہوتے ہیں لہٰذا اس سے تین طلاق

Marfat.com

مراد ہوگی اس حکم سے لفظ 'اختاری' مستثنیٰ ہے۔ اس لفظ کو استعمال کر کے بیوی کو تین طلاق کا اختیار نہیں سونپا جاسکتا کیوں کہ اس کے مفہوم میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

اب رہے وہ الفاظ کنایہ جن سے طلاق رجعی واقع نہیں ہوتی۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ خاوند کہے "انت مطلقة بتخفیف لام" جس کے معنے یہ ہیں کہ تو آزاد ہے' یہ لفظ ایسا ہے کہ اس سے پابندی سے آزاد ہونا بھی مراد ہوسکتا ہے۔ اور عقد نکاح سے آزاد ہونا بھی۔ لہٰذا اگر طلاق کی نیت ہو تو اس سے طلاق پڑ جائے گی تاہم چونکہ یہ لفظ صریحاً 'مادہ طلاق' پر مشتمل ہے لہٰذا اس سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اس میں یہ کہنا بھی ہے کہ انت اطلق من امرۃ محمد (یعنی تو محمد کی بیوی سے بڑھ کر طلاقن ہے) درآنحالیکہ محمد کی بیوی کو طلاق ہوئی ہو۔ اس میں لفظ 'اطلق منها' جو آیا ہے وہ اسم تفصیل کا صیغہ ہے اس میں یہ احتمال ہے کہ اس عورت کو اس عورت سے بڑی طلاق مل چکی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس عورت کی طلاق سے زیادہ سخت طلاق دے رہا ہو۔ اگر یہ دوسرا مفہوم مراد لیا گیا تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی جیسا کہ بتایا گیا اور اس واقع ہونے کے بعد نیت لازمی ہے۔ درآنحالیکہ اس کی بیوی نے اس سے یہ نہ کہا ہو کہ "محمد نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی" اگر بیوی نے یہ ذکر کیا اور اس کے جواب میں خاوند نے یہ کہا کہ انت اطلق منها کہ تجھے اس سے بڑی طلاق ہے تو اس سے قانوناً اور شرعاً طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیوں کہ صورت حال سے یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ طلاق صریح ہے۔ طلاق کنایہ نہیں ہے۔ لہٰذا نیت نہ ہو تو تب بھی طلاق پڑ جائے گی۔ اگر یہ قرینہ نہ ہوتا تو یہ طلاق کنایہ ہوتی اور نیت کے بغیر واقع نہ ہوتی جیسا کہ بتایا گیا۔ اسی طرح طلاق میں حروف ہجاء کا ادا کرنا بھی ہے۔ مثلاً یوں کہنا کہ تو ط۔ ا۔ ل۔ ق۔ ہے کیوں کہ جہاں صریح لفظ بولا جاتا ہے۔ وہاں حروف کا استعمال بالعموم نہیں ہوا کرتا۔ ایسی صورت میں طلاق واقع ہونے کے لئے نیت ضروری ہے۔ اور نیت طلاق کرنے سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اسی طرح یہ کہنا ہے کہ الطلاق علیک یا الطلاق لک (یعنی تجھ پر طلاق یا تجھے طلاق ہے) یا اگر انت طال لام کے پیش یا زبر کے ساتھ ہے (اس کا بھی یہی حکم ہے) لیکن اگر بکسر لام کہا (یعنی انت طال) تو وہ طلاق صریح ہو جائے گی اور بقول معتمد اس کے لئے نیت کی حاجت نہیں ہے۔ کیوں کہ لفظ کے آخری حرف کا محذوف کر دینا (جسے ترخیم کہتے ہیں) عام دستور ہے۔ پس اگر اخیر کا حرف حذف کر دیا اور اس سے پہلے والا حرف اپنی شکل میں بدستور باقی رہا تو اس لفظ کے معنے نہیں بدلتے۔ ہاں اگر اس حرف کی شکل اس پر پیش یا زبر دے کر بدل دی گئی تو یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد (طلاق کے سوا) کچھ اور ہو۔ چنانچہ اگر کہا کہ انت طال تو یہ احتمال ہے کہ لفظ طال (فعل کے وزن پر) فعل ہو اور معنے یہ ہوں کہ طال عمرک (یعنی تیری عمر دراز ہو) اور اگر لام پر پیش ہو (یعنی انت طال کہا جائے) تو یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ بیوی کو کسی کے نام کے ساتھ مشابہت دی گئی ہو (یعنی تو طال کی مانند ہے)۔

اسی حکم میں ان الفاظ کا کہنا بھی ہے: "وهبتك طلاقك يا اعريك طلاقك" (یعنی میں نے تیری طلاق تجھے ہبہ کر دی یا تجھے عاریۃً دے دی) ایسی صورت میں اگر طلاق کی نیت ہے تو اس سے بیوی کو خیار طلاق حاصل ہوگا۔ اسی طرح "اقرضتك طلاقك" (یعنی تیری طلاق میں نے تجھے قرض دے دی یا قد شاء اللہ طلاق) یعنی تیری

Marfat.com

طلاق اللہ کی مشیت ہے) یاشئت طلاقک (یعنی تیری طلاق میری منشا ہے) یا قضی اللہ طلاقک (یعنی تیری طلاق کا فیصلہ اللہ نے کر دیا) یاطلقک اللہ (یعنی اللہ کی طرف سے تجھے طلاق ہوئی) ان تمام الفاظ سے طلاق کی نیت ہو تو ایک طلاق رجعی ہو جائے گی۔ اور اگر کہا کہ خذی طلاقک (یعنی اپنی طلاق لے لے) تو بقول معتمد یہ طلاق صریح ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی ہے کہ تو میری عورت نہیں ہے یا یہ کہ میں تیرا خاوند نہیں ہوں۔

اگر کہا کہ انا بری من طلاقک (یعنی میں تیری طلاق سے بری ہوں) اور اس سے طلاق کی نیت کی تو بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس سے طلاق نہیں پڑے گی اگرچہ طلاق کی نیت کی ہے کیوں کہ طلاق سے بری ہونا اسے چھوڑ دیا ہے پس ایسی صورت میں اس کے برعکس مطلب مراد لینے کے کوئی معنے نہیں ہیں۔ لیکن بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی اور اس کی توجیہ وہ یوں کرتے ہیں کہ انا بری من طلاقک (یعنی تیری طلاق سے بے تعلق ہوں) کے معنے یہ ہیں کہ وہ شخص طلاق دینے سے عاجز ہے کیوں کہ اس کے طلاق سے کچھ فائدہ نہیں ہے یہ صورت حال اس وقت ہوگی جب کہ عورت طلاق پانے کی صلاحیت ہی نہ رکھتی ہو بایں طور کہ وہ بائنہ (خارج از زوجیت ہو) اب یہ بائنہ صغرے ہو (یعنی قابل رجوع) یا بائنہ کبرٰے (یعنی ناقابل رجوع) پس احتمال یہ ہے کہ اس نے بری ہونے سے عورت کا بائن ہونا مراد لیا ہو (یعنی زوجیت سے خارج ہونا۔ لہٰذا طلاق کی گنجائش نہ رہی) لیکن اس توجیہ سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس عورت کو طلاق بائن واقع ہوئی نہ کہ طلاق رجعی۔ کیوں کہ طلاق سے عاجز ہونے کا جو مفہوم ہے وہ طلاق سے بری (یعنی ناقابل طلاق) ہونا ہے نہ کہ طلاق رجعی البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر بری ہونے کے لفظ کو طلاق کے ساتھ منسوب کیا جائے تو یہ لفظ طلاق صریح کے حکم میں ہوگا اور تب ہی اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ ورنہ انا بری من طلاقک جیسے الفاظ کے معنے تو یہی ہیں کہ میں نے تیری طلاق کو (یعنی تیری طلاق کا خیال) چھوڑ دیا۔

منجملہ ان کنایات کے جن سے طلاق کی نیت ہو تو طلاق ہو جاتی ہے لفظ عتق (آزادی دینا) بھی ہے پس اگر کہا کہ میں نے تجھے آزادی دے دی اور اس سے مراد طلاق تھی تو وہ طلاق بائنہ ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر بیوی نے طلاق کا مطالبہ کیا اور خاوند نے کہا ''میں نے تجھے آزاد کر دیا'' تو نیت طلاق نہ کرنے پر بھی طلاق بائنہ پڑ جائے گی کیوں کہ یہ صورت حال نیت کی قائم مقام ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنی لونڈی سے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی اور اس سے مقصد اسے آزاد کرنا ہے تو وہ اس سے آزاد نہ ہوگی کیوں کہ طلاق لفظ عتق (آزاد کر دینا) ملکیت ختم کر دینے کے لئے وضع نہیں کیا گیا۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ کنایہ کی دو قسمیں ہیں۔ کنایہ خفیہ اور کنایہ ظاہرہ (یعنی مخفی کنایہ اور واضح کنایہ) کنایہ خفیہ وہ لفظ ہے جس سے واضح طور پر طلاق نہ سمجھی جائے۔ اس کی تین قسمیں۔ ایک قسم وہ ہے جس میں لفظ طلاق کے حروف تو پائے جائیں لیکن عام طور پر اس لفظ کو طلاق دینے کے معنوں میں استعمال نہ کیا جاتا ہو۔ یہ تین الفاظ ہیں: منطلقہ' مطلوقہ اور مطلقہ بفتح لام بلا تشدید (آزاد کی ہوئی۔ چھوڑی ہوئی' یا رہا شدہ عورت)۔ دوسری قسم وہ لفظ ہے جس میں طلاق کے لئے دلالت

Marfat.com

بعید پائی جائے مثلاً اذھبی (تو چلی جا) انصرفی (واپس ہو جا) لم اتزوجک (میں نے تجھے بیوی نہیں بنایا) انت حرۃ (تو آزاد ہے) الحقی باھلک (اپنے کنبہ میں چلی جا) یہی صورت وہ ہے جبکہ ایک شخص نے کسی سے دریافت کیا کہ آیا تیری کوئی بیوی ہے؟ اور اس نے کہا ''نہیں'' اسی طرح یوں کہنا کہ تو میری عورت نہیں ہے اور اس کے ساتھ کوئی شرط عائد نہیں کی تو یہ (طلاق کے لئے) کنایہ بعید ہے لیکن یہی عبارت اگر اس شرط کے ساتھ بیوی سے کہی کہ اگر تو گھر میں آئی تو میری عورت نہیں ہے اور دل میں کوئی نیت نہیں تھی یا طلاق کی نیت تھی لیکن کوئی تعداد پیش نظر نہ تھی تو بیوی پر تین طلاقیں عائد ہو جائیں گی۔ اگر طلاق کے علاوہ کچھ اور نیت تھی اور اس کے لئے قسم کھالی تو قانوناً اس کی بات مان لی جائے گی اور بغیر قسم کے بھی فتویٰ اسی کے حق میں دیا جائے گا۔

تیسری قسم لفظ کنایہ کی وہ ہے کہ اس لفظ کو طلاق سے کوئی تعلق نہ ہو مثلاً یوں کہنا کہ ''کھا'' ''پی'' ''اندر آجا'' اور یا ''مجھے پانی پلا دے'' وغیرہ اور اس سے مراد بیوی کو طلاق دینا ہو تو یہ نہ طلاق صریح ہے اور نہ کنایہ ظاہر ہے اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

بعض اہل تحقیق نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ کنایہ تو نام ہے ایک لفظ کو اس کے لازم معنے موضوع لہٗ میں استعمال کرنے کا۔ اور طلاق ایسے الفاظ کے مفہوم کو لازم نہیں ہے پھر اس کو طلاق کے معنے میں کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر گفتگو اصطلاح فقہاء کے متعلق ہے اور یہ بات جو بیان کی گئی ہے یہ علمائے علم بیان کی اصطلاح ہے اور اصطلاح کے بارے میں کسی نزاع کی گنجائش نہیں ہے۔ (یعنی ہر شخص جو چاہے اصطلاح مقرر کرلے۔ لکل ان یصطلح) پھر یہ بھی کہ کنایہ مخفی کے احکام کا تعلق نیت سے ہے پس اگر کچھ نیت نہ ہو یا اس طرح کہنے سے طلاق کی نیت نہ ہو تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔ لیکن اگر طلاق کی نیت کی ہے تو وہ عائد ہو جائے گی۔ پھر اگر ایک طلاق کی نیت تھی تو ایک طلاق اور زیادہ کی نیت کی تو زیادہ طلاقیں عائد ہوں گی۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے بیوی سے کہا ''گھر چلی جا'' اور اس سے تین طلاق کی نیت تھی تین طلاق پڑ جائے گی۔ غرض اس میں نیت کا انحصار ہے۔ البتہ اس صورت میں اختلاف ہے جب کہ طلاق کی نیت تو کی لیکن تعداد کی نیت نہیں کی تو بعض اصحاب کہتے ہیں کہ تین طلاق عائد ہوگی۔ لیکن ان کے اس قول پر یہ اعتراض کیا گیا کہ طلاق صریح میں اگر کسی عدد کی نیت نہ کی جائے تو صرف ایک طلاق عائد ہوتی ہے تو کنایہ مخفی میں تین طلاق کس طرح عائد ہو سکتی ہے۔ اس کے جواب میں ان دونوں حالتوں میں یہ فرق بتایا گیا ہے کہ اس شخص کا صراحت کو چھوڑ کر کنایہ کا استعمال کرنا اس بارے میں شبہ پیدا کر دیتا ہے لہٰذا احتیاطاً تین طلاق تصور کی جائے گی اور اس بارے میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ بیوی مباشرت شدہ ہو یا نہ ہو۔ بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ مباشرت شدہ بیوی کی صورت میں صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور غیر مباشرت شدہ کی صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی۔ رہا کنایہ ظاہری اس کی پانچ قسمیں ہیں:

پہلی قسم وہ ہے جس سے تین طلاقیں عائد ہوتی ہیں خواہ بیوی مباشرت شدہ ہو یا نہ ہو۔ اس میں نیت کو کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ دو الفاظ ہیں:

ایک یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ ''انت بتۃ'' (تو منقطع ہوگئی) پس اگر یہ لفظ کہا تو تین طلاق پڑ جائے گی۔ خواہ وہ کہے کہ میں نے طلاق کی نیت کی تھی یا نہیں کی تھی اور خواہ وہ کہے کہ میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی یا زیادہ کی کیوں لفظ

Marfat.com

'بت' کے معنے قطع کرنے (منقطع ہو جانے۔کاٹ دینے یا ٹوٹ جانے) کے ہیں پس گویا کہ یہ لفظ کہہ کر خاوند نے عقد نکاح کو جڑ سے کاٹ دیا۔

دوسرا لفظ یوں کہنا ہے کہ حبلک علی غاربک (یعنی تیری رسی تیرے کندھے پر ہے) یہ الفاظ اس امر کے لئے کنایہ ہیں کہ خاوند نے اس کی عصمت کا بار اپنے ہاتھ سے ہٹا کر اس کے کندھوں پر ڈال دیا اور اب اسے کوئی توجہ اس کی جانب نہیں ہے۔اس طرح کہنے سے بھی تین طلاق پڑ جائے گی۔

یہ بات پہلے بتائی گئی ہے کہ ان دونوں الفاظ سے تین طلاق اس صورت میں واقع ہوگی جب کہ لوگ بالعموم ان الفاظ سے طلاق دیتے ہوں بصورت دیگر یہ کنایہ خفی ہوگا جس کا حکم پہلے بتایا گیا۔

دوسری قسم میں وہ الفاظ ہیں جن سے مباشرت شدہ عورت پر تین طلاق عائد ہوتی ہے۔اگر مباشرت نہ ہوئی ہو اور ایک طلاق سے زیادہ کی نیت نہ ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی۔اس کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تجھ پر ایک طلاق بائنہ ہے اس طرح کہنے سے اگر عورت مباشرت شدہ ہے تو اس پر تین طلاق پڑ جائے گی اس لئے کہ بینونت (یا زوجیت سے خارج ہونا) اگر بغیر کسی معاوضہ کے ہو یا لفظ خلع استعمال نہ کیا گیا ہو اور مباشرت ہو چکی ہو تو یہ بینونت کرنے کے لئے مخصوص ہے (یعنی وہ طلاق جو نا قابل رجوع ہے) اسی کو تین طلاق کہتے ہیں لیکن اگر یہی الفاظ غیر مباشرت شدہ عورت کے لئے کہی گئی۔یا اس طلاق کے لئے معاوضہ رکھا گیا یعنی خلع کی صورت ہوئی تو ایک طلاق واقع ہوگی۔اب اگر کہا جائے کہ اس میں تو ایک طلاق بائنہ کی صراحت ہے جس سے ایک ہی طلاق مراد ہوتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس صراحت پر عمل نہ کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک کا لفظ احتیاطاً نظر انداز کر دیا جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ طلاق کا لفظ صریحاً بولا جائے اور اس سے ایک طلاق بائنہ مراد ہو مثلاً یوں کہا جائے کہ تجھے طلاق ہے اور ایک طلاق بائنہ کی نیت ہو تو اگر بیوی مباشرت شدہ ہے تو تین طلاق واقع ہوں گی کیوں کہ ایک طلاق بائن کی نیت بھی ایسی ہی ہے جیسے زبان سے کہنا۔اگر عورت مباشرت شدہ نہ ہو اور نیت کوئی نہ ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر زیادہ کی نیت ہو تو اسی نیت کے مطابق عمل ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کنایہ خفیہ بولا جائے اور اس سے ایک طلاق بائنہ کی نیت ہو مثلاً یوں کہا کہ "گھر چلی جاؤ" اور نیت طلاق بائنہ کی تھی تو گویا یوں کہا کہ تجھے ایک طلاق بائن ہے۔پس اگر بیوی مباشرت شدہ ہے تو اس سے تین طلاق عائد ہوگی۔اگر مباشرت نہیں ہوئی اور ایک سے زیادہ کی نیت نہیں کی تو ایک طلاق عائد ہوگی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صراحت کے ساتھ یوں کہنے سے کہ "تجھے ایک طلاق بائن ہے" مباشرت شدہ بیوی پر تین طلاق پڑ جائے گی اور غیر مباشرت شدہ پر ایک طلاق پڑے گی درآنحالیکہ زیادہ کی نیت نہ ہو۔اگر اس جملہ سے طلاق صریح عبارت ہو مثلاً یوں کہا کہ تجھے طلاق ہے اور ایک طلاق بائن کی نیت کی تو ایسا ہی ہوگا اسی طرح اس صورت میں جب کہ کنایہ خفیہ سے طلاق کی نیت ہو مثلاً یوں کہا کہ "گھر چلی جا" اور اس سے ایک طلاق بائن کی نیت کی۔لیکن اگر کنایہ ظاہر سے طلاق واحدہ بائنہ کا ارادہ کیا مثلاً یوں کہا کہ "میں نے تیری راہ چھوڑ دی" تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔کیوں کہ کنایہ ظاہر

Marfat.com

سے اگر بیوی مباشرت شدہ ہے تو خود ہی تین طلاق پڑ جاتی ہے۔ اگر ایک طلاق بائنہ مراد نہ ہو پس اگر مباشرت شدہ بیوی سے کہا کہ میں نے تیری راہ چھوڑ دی تو تین طلاق ہو جائے گی۔ اگر چہ ایک طلاق بائنہ کا ارادہ نہ ہو۔ اور کہا جاتا ہے کہ اگر کسی نے بیوی سے کہا کہ میں نے ''تیری راہ چھوڑ دی'' تو اس سے تین طلاق نہ ہو گی تا آنکہ تین طلاق کی نیت نہ کی جائے۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ ایک طلاق بائنہ کی نیت کی ہو تو تعداد کی نیت کے بغیر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ بنا بریں یوں کہنا چاہئے کہ اگر صراحت کے ساتھ یہ کہا کہ تجھے ایک طلاق بائن ہے یا اس مقصد کے لئے کنایہ خفیہ یا کنایہ ظاہرہ استعمال کیا اور بیوی سے مباشرت ہو چکی ہے تو تین طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر مباشرت نہیں ہوئی تو ایک طلاق پڑے گی بشرطیکہ زیادہ کی نیت نہ کی ہو۔

کنایات ظاہرہ کی تیسری قسم وہ ہے جس سے تین طلاق عائد ہو جاتی ہیں۔ خواہ بیوی مباشرت شدہ ہو یا نہ ہو۔ مباشرت ہو چکی ہو تو خواہ کچھ نیت نہ کی ہو یا ایک طلاق کی یا دو کی نیت کی ہو ہر حال میں تین طلاق ہو جائے گی لیکن غیر مباشرت شدہ کی صورت میں تین طلاق اس صورت میں ہو گی جب کہ اس کی نیت کی ہو یا کوئی نیت نہ ہو کیوں کہ کنایات کی ظاہری قسم میں طلاق کا واقع ہونا نیت پر موقوف نہیں ہے اس کے لئے جو الفاظ ہیں منجملہ ان کے بیوی کو یہ کہنا ہے کہ ''تو مردار خون یا سور کے گوشت کی مانند ہے'' یا یہ کہنا کہ 'میں نے تجھے تیرے کنبہ والوں کے سپرد کر دیا'' یا ''تجھے تیرے سپرد کر دیا'' یا بیوی سے یہ کہا کہ ''حرام ہے جو میں اپنے اہل سے رجوع کروں'' اور اہل سے اس کی مراد بیوی ہو ہاں اگر وہ کہے کہ اہل سے بیوی کے سوا اس کے قرابت دار مراد ہیں تو اس کی بات مان لی جائے گی۔ اس میں یہ کہنا بھی ہے کہ تو آزاد یا بری ہے یا میں تیری طرف سے آزاد یا بری ہوں۔ یا یوں کہا کہ تو بائنہ (الگ) ہے یا میں تجھ سے بائن (الگ) ہوں۔ ان تمام الفاظ سے مباشرت شدہ عورت پر تین طلاق عائد ہو جائے گی۔ اگر چہ اس سے کم تعداد کی نیت کی ہو یا کچھ نیت نہ کی ہو اور اگر مباشرت نہ ہوئی اور تین سے کم نیت کی ہے تو اس کی نیت کو تسلیم کیا جائے گا البتہ اس صورت میں جب کہ ایسا قرینہ پایا جاتا ہو کہ اس نے طلاق کے ارادے سے وہ الفاظ نہیں کہے اور اس شخص کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تھی تو اسی کے قسم کھا لینے پر قانوناً اس کی بات مان لی جائے گی اور اسی کے حق میں فتوے ہو گا یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ بیوی کی ستھرائی اور بو کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہو اور وہ کہے کہ تو مردار خون یا سور کے گوشت کی مانند ہے اور اس سے مراد بیوی کی گندگی اور بساند ہو۔ اسی طرح اگر بیوی کے ساتھ خوش اخلاقی اور حسن معاشرہ کی بابت گفتگو ہو رہی ہو اور خاوند اس سے کہے کہ تو خلیہ۔ بریہ یعنی ادب واخلاق سے خالی وعاری ہے۔ یا بیوی خاوند سے یہ کہہ رہی ہو کہ اسے اپنے ماں باپ کی دیکھ بھال کی ضرورت ہے اسے آرام کی حاجت ہے۔ اور خاوند کہے کہ میں نے تجھے تیرے کنبہ کے سپرد کر دیا' میں نے تجھے اپنی ذات کے بارے میں اختیار دیا۔ یا یہ صورتحال ہو کہ یا یہ کہا کہ میاں بیوی کے درمیان فاصلہ ہو اور خاوند چاہے کہ اس کے قریب آ جائے اور اس وقت یوں کہے کہ تو مجھ سے الگ ہے یا میرے قرب سے علیحدہ ہے وغیرہ۔ ایسی صورتوں کو مالکیہ بساط الیمین (یعنی قسم میں گنجائش کا نام دیتے ہیں۔ پس اگر اس گنجائش سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ خاوند نے فی الواقع طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا تو اس کا کہنا مانا جائے گا خواہ عورت مباشرت شدہ ہو یا غیر مباشرت شدہ۔

واضح ہو کہ ان تمام الفاظ سے طلاق عائد ہونے کی شرط یہ ہے کہ لوگ بالعموم ان الفاظ کو طلاق کے لئے استعمال

Marfat.com

کرتے ہوں۔ لیکن اگر اس طرح طلاق دینے کا دستور نہ ہو تو وہ کنایہ ظاہر متصور نہ ہوگا بلکہ کنایہ خفیہ جس سے بغیر نیت کے کچھ نہیں ہوتا۔ اس قسم کے الفاظ یہ ہیں کہ حبلک علی غاربک (یعنی تیری رسی تیرے کندھے پر ہے) ان الفاظ سے مباشرت شدہ اور غیر مباشرت شدہ عورت پر طلاق پڑ جاتی ہے لیکن اگر عام طور پر ان الفاظ میں طلاق نہ دی جاتی ہو جیسا کہ اس زمانہ میں ہے تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ جب تک کہ اس کی نیت نہ کی جائے۔ اگر ایک طلاق کی نیت کی ہے تو ایک طلاق عائد ہوگی وعلی ہذا القیاس جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

مالکیہ اہل تحقیق کا کہنا ہے کہ مفتی کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ طلاق وغیرہ ایسے احکام میں جو واجبات اور اقرار پر مبنی ہوں جیسے کرایہ کا منافعہ اور وصیت اور نذر اور قسم میں اہل شہر یا اہل قبیلہ کا دستور معلوم کئے بغیر فتوئی صادر کریں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بڑے بڑے کنایات ظاہرہ جن کی بابت مالکیہ کہتے ہیں کہ مباشرت شدہ عورت پر ان سے تین طلاق بغیر نیت کئے پڑ جاتی ہے۔ بشرطیکہ وہ ہمارے زمانہ کے کنایات خفیہ ہوں' کیوں کہ ان میں سے اب کسی کو بھی طلاق کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔

چوتھی قسم وہ ہے جس سے مباشرت شدہ اور غیر مباشرت شدہ عورت پر تین طلاق عائد ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس سے کم کی نیت نہ ہو۔ اور وہ یہ ہیں کہ خاوند کہے کہ میں نے ''تیرا راستہ خالی کر دیا'' اگر یوں کہا اور تین طلاق کی نیت کی یا کچھ نیت نہیں کی تو تین طلاق ہو جائے گی۔ لیکن اگر ایک کی نیت کی یا دو کی نیت کی تو جو نیت کی وہی طلاق عائد ہوگی۔ خواہ مباشرت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو پس اگر ایک شخص نے اپنی مباشرت شدہ بیوی سے یہ کہا کہ ''میں نے تیرا راستہ خالی کر دیا'' اور ایک طلاق بائنہ کی نیت کی تو تین طلاقیں عائد ہوں گی اگر چہ تین کی نیت نہیں کی کیوں کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ایک طلاق بائنہ کہنے سے تین طلاق عائد ہوتی ہے اسی طرح ہر اس لفظ سے جس سے ایک طلاق بائنہ تعبیر کی جائے غیر مباشرت شدہ عورت کی شکل میں ایک ہی طلاق واقع ہوگی جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

پانچویں قسم وہ ہے جس سے مباشرت شدہ اور غیر مباشرت شدہ دونوں صورتوں میں ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ بشرطیکہ ایک سے زیادہ نیت نہ کی ہو۔ ایسے الفاظ 'اعتدی' اور فارقتک' ہیں (یعنی اپنی عدت گزار یا میں نے تجھ سے علیحدگی اختیار کر لی)۔

واضح ہو کہ کنایات ظاہرہ کے منجملہ جن سے تین طلاق عائد ہوتی ہے ''انت خالصة'' یا ''لست لی علی ذمة'' ہیں (یعنی تو خلاصی یافتہ ہے یا مجھ پر تیری ذمہ داری نہیں رہی) لیکن یہ اس صورت میں جب کہ اس پر غصہ طاری ہو ورنہ ایک طلاق عائد ہوگی درآنحالیکہ ایک سے زیادہ کی نیت نہ کی ہو۔ اور اس طرح کہنے سے کہ اس کے اوپر اس کے گھوڑے کی طلاق ہے یا اس کی زرہ کی طلاق ہے کچھ نہیں ہوتا بعض اصحاب کہتے ہیں کہ انت خالصة اور لست لی علی ذمة کہنے سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ تمام الفاظ کنایات سے وہی طلاق واقع ہوتی ہے جس کی خاوند نے نیت کی ہو۔ لہٰذا اگر اس نے اس سے کوئی نیت نہیں کی تو کچھ واقع نہ ہوگا۔ اگر ایک طلاق سے زیادہ کی نیت کی تو جو نیت کی وہی واقع ہوگا۔ اگر چہ ایک کی قید لگائی ہو۔ مثلاً بیوی سے کہا ''انت واحدة'' (یعنی تجھے ایک طلاق ہے) اور اس سے دو یا تین طلاق کی نیت کی (تو جو نیت

Marfat.com

تھی وہی واقع ہوگا) جیسا کہ طلاق صریح کے بیان میں بتایا گیا۔ غرض اس شخص کے ساتھ طلاق کے بارے میں اس کی نیت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ کیوں کہ شریعت نے طلاق کی تعداد تین پر منحصر کر دی ہے۔ لہٰذا جتنے طلاق کی نیت کی وہ نیت کہنے کے برابر متصور ہوگی۔ نیت حکم میں لفظ (کہنے) کے برابر ہے اور ایک کی قید اس نیت سے مانع نہیں ہو سکتی جو لفظ بول کر کسی نے کی ہو چنانچہ اس عبارت میں مصدر محذوف کی صفت قرار نہ دیا جائے گا۔ اصل عبارت یوں ہوگی۔ "انت طالق طلقة واحدة" (اس عبارت میں لفظ واحدہ کو مصدر طلقہ کی صفت قرار نہیں دیا جائے گا) کہ مصدر کی صفت ہونے کے باعث دو یا تین طلاقوں کا احتمال نہ رہے۔ بلکہ اس لفظ واحدہ کو (مصدر کی صفت نہیں) مراۃ کا حال قرار دیا جائے گا۔ اور یہ سمجھا جائے گا کہ گویا اس نے یہ کہا کہ "انت طالق حال كونك واحدة اى منفردة عن الزوج" (یعنی تجھے طلاق ہے درآنحالیکہ تو خاوند کے بغیر اکیلی رہ گئی)۔ پس اس طرح کہنے میں جو نیت کی ہے وہی اس کے مفہوم کے لئے قرینہ تصور کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ وہ قرینہ جس سے طلاق واقع ہوتی ہے اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس لفظ کنایہ سے طلاق کے مفہوم کا احتمال نکلتا ہو بایں طور کہ وہ لفظ ہیر پھیر کے بغیر جدائی پر دلالت کرتا ہو۔ لہٰذا اغناک اللہ (یعنی خدا تجھے غنی کر دے) جیسے الفاظ طلاق کے لئے کنایہ نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ احتمال نکالا جائے کہ "خدا تجھے غنی یا بے پروا کر دے" سے مراد یہ ہے کہ تو مجھ سے بے پرواہ ہو جائے کیوں کہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے' لیکن یہ تو وہی ہیر پھیر والی بات ہے' اسی طرح یہ کہنا کہ بیٹھ جا' کھڑی ہو جا' مجھے زادِ راہ دے دے۔ اور خدا تیرے غم کو اچھا کرے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ "على السخام لا افعل كذا" (میں اندھیرے میں ہوں فلاں کام نہیں کر سکتا) کیوں کہ لفظ 'سخام' میں مفہوم طلاق کا احتمال نہیں ہے۔ رہا کلی واشربی (یعنی کھا لے پی لے) کے الفاظ کی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ کنایہ نہیں ہے لیکن قابل اعتماد بات یہی ہے کہ یہ کنایہ ہے کیوں کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ اس کے معنے یہ ہوں کہ 'جدائی کی تلخی چکھ!' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بھی ہیر پھیر والی بات ہے (کیوں کہ ان الفاظ سے طلاق کا مفہوم نکلنا توڑ مروڑ کے بغیر ممکن نہیں ہے)۔

ایسے الفاظ جن سے فراق کا مفہوم نکلتا ہو وہ ایسے الفاظ ہیں جو صراحۃً حروف طلاق پر مشتمل ہوں' مثلاً اطلقک۔ انت طالق۔ انت مطلقة (یعنی میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ تو طالقن ہے۔ تو طلاق یافتہ ہے) اور ایسے الفاظ بھی ہیں جن میں یہ حروف نہیں ہیں مثلاً انت خلیة۔ انت بریة۔ (یعنی تو چھوڑی ہوئی ہے اور تو بری ہے) تو بتۃ ہے (یعنی جس کا بندھن توڑ دیا گیا ہو) تو بتلۃ ہے (جو نکاح سے الگ کر دی جائے) یعنی تو بائن۔ خارج از نکاح ہے۔ اسی طرح اعتدی واستبرئی رحمک (یعنی تو عدت میں چلی جا۔ اپنے رحم کو صاف کر لے) اس میں یہ احتمال ہے کہ تو ایسا کر کیوں کہ میں نے تجھے طلاق دے دی۔ اسی طرح یہ کہنا کہ اپنے کنبہ میں چلی جا۔ یا تیری رسی تیرے کندھے پر ہے اور لا اندہ سربک (یعنی میں تیرے اونٹ کو نہیں پکاروں گا) سرب بفتح سین کے معنے اونٹ کے ہیں اور یہ عبارت اس امر کا کنایہ ہے کہ "بیوی کے معاملات سے اب کوئی دلچسپی نہیں ہے" کیوں کہ اسے طلاق دے دی ہے۔ اسی طرح 'اعزبی اور اغربی' کہنا ہے (یعنی رانڈ ہو جا یا دور چلی جا) ان الفاظ کے معنے مسالک فقہاء کے بیان میں پہلے بتائے گئے ہیں۔ اسی طرح دعینی کہنا ہے کہ مجھے چھوڑ دے یعنی اس لئے کہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے اور اسی طرح یوں کہنا ہے کہ میں نے تجھے بھی فلانی طالقن کے ساتھ شریک کر دیا۔

Marfat.com

اوراسی میں تجردی ہے (یعنی الگ ہوجا) مطلب یہ ہے کہ خاوند سے الگ ہوجا۔ اسی طرح تزودی (زادراہ تیار کرلے) یعنی سفر اختیار کراور مطلب یہ ہے کہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے۔ اسی میں خاوند کا یہ کہنا ہے کہ میں تیری طرف سے طلاق یافتہ یا بائن ہوں۔ یہ بھی کنایہ ہے۔ کیوں کہ گو خاوند کی طرف سے طلاق کو منسوب نہیں کیا جاسکتا لیکن چونکہ اس کا خاوند ہوتے ہوئے اس کی بہن سے شادی کرنے کی اسے ممانعت ہے۔ یا چار سے زیادہ شادی نہیں کرسکتا لیکن اب بیوی کو طلاق دے کر قید سے چھٹکارا پانا اسے درست ہوگیا ہے۔ پس اگر کسی شخص نے طلاق کو اپنی ذات سے منسوب کیا اور اس سے بیوی کو طلاق دینے کی نیت کی تو نیت کے مطابق عملدرآمد کیا جائے گا۔ اگر بیوی کے طلاق کی نیت نہ کی اس سے کچھ نہ ہوگا۔ خواہ محض طلاق کی نیت کی ہو یا خود کو طلاق دینے کی نیت کی ہو یا کچھ نیت نہ ہو۔ اس کے برخلاف اگر بیوی سے کہا میرا رحم اپنے سے پاک کر یا یہ کہا کہ میں تیرے طرف سے عدت گزارنے والا ہوں تو چونکہ یہ باتیں خاوند کے لئے ناممکن ہیں لہٰذا اس سے بیوی کو طلاق نہ ہوگی۔ اور اگر یوں کہہ کر کہ ''میں نے تجھے آزاد کیا'' یا یہ کہ ''میں تیرا مالک نہیں ہوں'' عورت کو طلاق دینے کی نیت کی تو طلاق عائد ہوجائے گی۔ اسی طرح یوں کہنا کہ اپنا راستہ پکڑ یا لک الطریق۔ علیک الطریق (یعنی تیرا وہ راستہ ہے۔ اور تجھے اپنا راستہ لینا چاہئے) ان تمام الفاظ میں طلاق کا اور دوسری بات کا احتمال ہے۔ لہٰذا یہ کنایہ ہے اور اس سے وہی واقع ہوگا جو نیت ہے۔

لفظ عتق (آزاد کرنا) بھی منجملہ کنایات کے ہے۔ لہٰذا اگر بیوی سے کہا کہ میں نے آزاد کیا اور طلاق کی نیت کی تو جو نیت کی ہے وہی واقع ہوجائے گا۔ اسی طرح طلاق کا لفظ آزاد کرنے کے لئے بھی کنایہ ہے۔ پس اگر کسی نے اپنے غلام سے کہا کہ تجھے طلاق ہے اور آزاد کرنے کی نیت کی تو درست ہے لیکن اگر غلام سے یوں کہا کہ تو اپنے رحم کو پاک کرلے تو اس طرح کہنے سے وہ آزاد نہ ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ کنایات کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کنایات ظاہرہ کی ہے۔ اس سے وہ الفاظ مراد ہیں جو بینونت (رفاقت سے جدا ہوجانے) کیلئے وضع ہوئے ہیں ایسے الفاظ کی تعداد سولہ ہے:

(1) انت خلیۃ (تو فارغ ہے) (2) انت بریۃ و بریۃ (تو بری یا خلاصی یافتہ ہے) (3) انت بائن (تو خارج ہے) (4) انت بتۃ (تو منقطع ہے) (5) انت بتلۃ (تو کٹی ہوئی ہے) (6) انت حرۃ (تو آزاد ہے) (7) انت الحرج (یعنی تو حرام ہے یا معصیت ہے) (8) حبلک علی غاربک (یعنی تیری رسی تیرے کندھے پر) (9) تزوجی من شئت (جس سے چاہے شادی کرلے) (10) حللت للازواج (میں نے تجھے شوہروں کے لئے حلال کردیا) (11) لا سبیل لی علیک (میرا کوئی واسطہ تجھ سے نہیں) (12) لا سلطان لی علیک (میرا کوئی اختیار تجھ پر نہیں ہے) (13) اعتقتک (میں نے تجھے آزادی دے دی) (14) غطی شعرک اپنا سر ڈھک لے) (15) تقنعی (نقاب ڈال لے) (16) امرک بیدک (تیرا معاملہ تیرے اپنے ہاتھ ہے)۔

کنایہ ظاہرہ سے جو طلاق واقع ہوتی ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے تین طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ بشرطیکہ طلاق کی نیت ہو خواہ ایک طلاق کی نیت ہو یا زیادہ کی۔ لیکن اگر طلاق کی نیت نہیں کی تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔ اصل کتابوں میں یہی مشہور ہے۔ حضرت علیؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابن عباسؓ اور

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہؓ سے مختلف واقعات کے سلسلہ میں یہی مروی ہے۔ اس واسطے کہ یہ الفاظ طلاق ہیں جو زوجیت سے علیحدگی کے متقاضی ہیں۔ پس اگر طلاق کی نیت کی تو اس سے تین طلاق ہو جائے گی خواہ عورت مباشرت شدہ ہو یا نہ ہو اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان الفاظ سے جو بھی نیت کی جائے اسی پر عملدرآمد ہوتا ہے جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں کہ اسی قول کو ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ حضرت رکانہؓ کی بابت روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو 'طلاق بتہ' دی۔ اس کی بابت آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی گئی۔ حضورؐ نے ان سے قسم لی کہ انہوں نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ انہوں نے قسم کھا لی تب آپ نے ان کی بیوی کو ان کے پاس رہنے کا حکم دے دیا۔ یہ روایت ابوداؤد کی ہے انہوں نے اسے صحیح بتایا ہے۔ ابن ماجہ اور ترمذی بھی یہی کہتے ہیں۔ لیکن بخاری کہتے ہیں کہ حدیث اطمینان بخش نہیں ہے۔ اس روایت کی بنا پر اگر طلاق کی نیت کی اور عدد کا تعین نہیں کیا یعنی ایک یا زیادہ کی نیت نہیں کی تو ایک طلاق عائد ہوگی' جیسا کہ ایک طلاق کی نیت کرنے میں ہوتا ہے۔ اگر ایک سے زیادہ کی نیت کی تو جو نیت کی وہی عائد ہوگا۔

بہرحال کنایہ ظاہر یا کنایہ خفی سے جس کی تفصیل قسم دوم میں آ رہی ہے طلاق پڑنے کی دو شرطیں ہیں: پہلی شرط یہ ہے کہ اس سے طلاق کی نیت ہو کیوں کہ کنایہ میں طلاق کے علاوہ دوسرے مفہوم کا بھی احتمال ہوتا ہے لہٰذا طلاق کے مفہوم کا تعین نیت کرنے ہی سے ہو سکتا ہے لیکن قرائن موجودہ سے جو ظاہر ہوتا ہو وہ بھی نیت کا قائم مقام ہو سکتا ہے' مثلاً زوجین میں باہم عداوت ہو جائے یا خاوند غصہ کی حالت میں ہو یا بیوی کے مطالبہ طلاق' کے جواب میں اس نے دو لفظ استعمال کئے ہوں۔ ایسی حالت میں طلاق کنایہ سے بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیوں کہ قرآئن حال سے قول اور فعل کے احکام بدل جاتے ہیں لہٰذا اگر (طلاق کنایہ) غصہ کی حالت میں دی گئی یا بیوی کے مطالبہ طلاق پر مخالفت کی بنا پر دی گئی اور خاوند کہے کہ اس سے مراد طلاق نہیں ہے تو قانوناً اس کی یہ بات تسلیم نہیں کی جائے گی۔ ہاں اگر وہ سچا ہے تو اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے اور اس سے باز پرس نہ ہوگی۔ ان حالات کے علاوہ اگر مثلاً رضامندی کی حالت ہو اور بیوی طلاق نہ مانگ رہی ہو اور خاوند کہہ دے کہ تو بائن ہے اور پھر یہ کہے کہ اس سے طلاق کی نیت نہیں تھی تو قانوناً بھی اس کی بات تسلیم کی جائے گی کیوں کہ نیت ایک امر مخفی ہے اور جس امر کی اس نے نیت کی ہے اس کا احتمال موجود ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کنایہ خواہ ظاہر ہو یا کنایہ مخفی' طلاق اس صورت میں واقع ہوتی ہے جبکہ طلاق کی نیت ہو۔ پھر یہ کہ طلاق کا معاملہ قانوناً اور مذہباً طلاق دینے والے پر منحصر ہے۔ البتہ اگر طلاق کی نیت کی اور تعداد کی نیت نہیں کی تو کنایات ظاہری سے بقول مشہور تین طلاق واقع ہوگی۔ اور ایک طلاق کی نیت کرنے سے بھی تین ہی طلاق ہوگی۔ اس بارے میں ایک اور قول یہ ہے کہ کنایات سے اتنی ہی طلاق واقع ہوتی ہے جتنی کی نیت کی۔ لہٰذا اگر طلاق کی نیت کی اور تعداد کی نیت نہیں کی تو اس سے ایک طلاق ہوگی اور ایک طلاق کی نیت کرنے سے بھی ایک طلاق واقع ہوگی اگر ایک سے زیادہ کی نیت کی تو جو نیت کی ہے وہی واقع ہوگا۔

یہ حکم نیت کے متعلق تھا لیکن اگر قرینہ طلاق کا متقاضی تھا اور خاوند کہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تھی تو قانوناً اس کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ تاہم اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے جیسی نیت ہوگی اسی کے مطابق باز پرس ہوگی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ لفظ کنایہ استعمال کرتے وقت طلاق کی نیت ہو۔ پس اگر بیوی سے کہا کہ 'تو بتہ' ہے (یعنی تجھ سے انقطاع ہے) اور ان الفاظ کے کہنے کے وقت طلاق کی نیت نہ تھی۔ پھر کہنے کے بعد میں طلاق کی نیت کی تو اب طلاق نہ ہوگی۔ لیکن اگر

Marfat.com

لفظ طلاق کو عورت یا اس کے کسی جز و بدن کی طرف منسوب کرنے کا بیان

اگر کسی ایک شخص نے صرف لفظ طلاق کہا اور اس سے اپنی بیوی کو طلاق کی نیت کی اور یہ نہیں کہا کہ ''انت طالق'' (یعنی تو طلاقن ہے) اور یا یہ کہا کہ مجھ پر طلاق ہے اور یہ نہیں کہا کہ بیوی کی طرف سے یا فلانی کی طرف سے یا یوں کہا کہ میری بیوی کے ہاتھوں یا پاؤں یا اس کے بالوں کو طلاق ہے تو آیا اس طرح کہنے سے طلاق پڑ جائے گی یا نہیں؟ اس کا جواب مسالک مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہے۔ (۱)

ابتدائے کلام میں نیت تھی اور کلام کے آخری حصہ میں نیت ترک کر دی تو طلاق ہو جائے گی۔

دوسری قسم کنایہ خفیہ کی ہے۔ اس میں طلاق کا مفہوم کنایہ ظاہر کے مقابلہ میں زیادہ مخفی ہوتا ہے۔ اس کے لئے یہ الفاظ ہیں ''نکل جا'' ''چلی جا'' ''مزا چکھ'' ''حلق سے اتار لے'' ''میں نے تجھے ترک کر دیا'' ''تجھے چھٹی ہوئی'' ''تو اکیلی رہ گئی'' ''تو میری عورت نہیں ہے'' ''عدت گزار لے'' ''اپنے رحم کو پاک کر لے'' ''اپنے کنبہ میں چلی جا'' ''مجھے تیری کوئی حاجت نہیں ہے'' ''اب کچھ باقی نہ رہا'' ''خدا نے تجھے الگ کر دیا'' ''اللہ نے مجھے تجھ سے نجات دی'' اور ''اپنا اختیار سنبھال'' اسی میں لفظ فراق اور سراح اور اس کے مشتقات بھی ہیں۔ اسی طرح یہ کہنا ہے کہ ''اللہ نے دنیا و آخرت میں میرے اور تیرے درمیان مفارقت کر دی'' اور ''اللہ نے تیرے لئے اونٹ بٹھا دیا'' (یعنی تیری سواری تیاری کر دی)۔

ان الفاظ کا حکم یہ ہے کہ اگر ان سے طلاق کی نیت نہیں کی تو ان سے کچھ نہ ہوگا۔ اگر طلاق کی نیت کی اور تعداد کی نیت نہیں کی تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر ایک طلاق یا زیادہ کی نیت کی تو جو نیت ہو وہی عائد ہوگا۔ ان الفاظ سے طلاق واقع ہونے کی وہ دو شرطیں بھی ہیں جن کا ذکر کنایہ صریح کے بیان میں سابقاً کیا گیا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ (طلاق کو عورت کی طرف منسوب کرنے سے) طلاق واقع ہونے کے بارے میں اہل تحقیق کے نقطہ ہائے نظر میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ صرف اس صورت میں طلاق واقع ہوگی جبکہ طلاق کو ایسی شے کی طرف منسوب کیا جائے جس سے مراد عورت ہو مثلاً یہ کہ اس کا نام لیا جائے اور یوں کہا جائے کہ میری بیوی زینب کو طلاق ہے۔ اس کو اضافت لفظی کہتے ہیں (یعنی لفظ طلاق کو بیوی کے نام کی طرف منسوب کرنا) یا عورت کا ذکر ضمیر سے کیا جائے مثلاً یوں کہا کہ 'تجھے' طلاق ہے یا میں نے 'تجھے' طلاق دی یا (عورت کے لئے) اسم اشارہ استعمال کیا جائے مثلاً یوں کہنا کہ 'یہ' عورت طلاقن ہے یا اسم جنس بولا جائے مثلاً میری 'عورت' کو طلاق ہے اس کو 'اضافت معنویہ' کہتے ہیں۔ پس اگر طلاق کی نسبت عورت کا نام صریحاً لے کر اس کی طرف نہ کی جائے (یعنی اضافت لفظی نہ ہو) یا کوئی لفظ ایسا استعمال نہ کیا جائے جو اس عورت پر دلالت کرتا ہو تو اس پر طلاق نہ ہوگی۔ اگرچہ طلاق کی نیت کی ہو۔ چنانچہ اگر کہا کہ ''میرے گھر سے باہر نہ جائیو کیوں کہ میں نے طلاق کی قسم کھالی ہے'' اور مراد اس سے بیوی کے طلاق کی قسم ہو اور وہ عورت گھر سے نکلی تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس میں طلاق کی نسبت عورت کی طرف نہیں کی گئی۔ لیکن اگر یوں کہا تھا کہ میں نے تیرے طلاق کی قسم کھالی ہے تو اس صورت میں طلاق ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ آپ میرے ساتھ فلاں شخص سے ملنے کے لئے چلئے تو اس نے کہا کہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے کہ اسے نہ ملوں گا لیکن یہ بیان اس کا غلط تھا

Marfat.com

کہ اس نے قسم کھائی ہے۔ پھر وہ وہاں چلا گیا تو طلاق لازم نہ ہوگی کیوں کہ طلاق کی نسبت عورت کی طرف نہیں کی گئی۔ اسی طرح اگر کہا کہ مجھ پر طلاق ہوگی میں ایسا ہرگز نہ کروں گا (یعنی اگر کروں تو طلاق لازم ہو جائے گی) لیکن یہ نہیں کہا کہ میری طرف سے یا زینب کی طرف سے یا تیری طرف سے تو اس سے طلاق لازم نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت کی ہو۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق لازم ہو جائے گی اس لئے کہ طلاق کی نیت ہی سے عورت کی طرف طلاق کی نسبت ہو جاتی ہے گویا یوں کہا کہ میں نے تیری طرف سے یا تیری طلاق کی قسم کھائی ہے۔ لیکن بزرگان حنفیہ میں سے بعض اصحاب نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے اور اسی پر فتویٰ کا انحصار رکھا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مسلک حنفیہ میں (وقوع طلاق کے لئے) یہ شرط ہے کہ طلاق کو عورت کی طرف نسبت کی جائے۔ یہ نسبت نام لے کر کی جائے یا ایسے لفظ سے کی جائے جو اس عورت پر دلالت کرتا ہو مثلاً ضمیر یا اسم اشارہ یا کوئی عام لفظ لیکن نسبت کے لئے محض نیت کافی نہیں ہے۔ پس طلاق کا لفظ نا قابل توجہ ہے جب تک کہ اس کے ساتھ ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جو طلاق پانے والی پر دلالت کرتا ہو۔ یہاں پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ عرف عام میں لفظ علی الطلاق (یعنی مجھ پر طلاق ہے) اور علی الحرام (یعنی مجھ پر حرام ہے) کہنے سے بیوی پر طلاق عائد ہو جاتی ہے اور حنفیہ کے نزدیک اس عرف عام پر عمل ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں (اگر عرف عام ہو تو) بغیر اضافت کے بھی طلاق پڑ جانی چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عرف عام اگر نص صریح (بیان واضح) سے متضاد ہو یا شرائط (طلاق) میں سے کسی شرط کے خلاف ہو تو اس کی طرف توجہ نہ کی جائے گی۔

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ (وقوع طلاق کے لئے) شرط یہ ہے کہ طلاق کو لفظی طور پر نہ کی محض نیت سے عورت کی طرف منسوب کی جائے۔ بایں طور کہ صراحۃً اس عورت کا نام لیا جائے یا ضمیر وغیرہ استعمال کی جائے اور جب یہ طے ہو گیا تو اس شرط کے برعکس عرف عام پر عمل کرنے کے کچھ معنے نہیں ہیں۔ اور یہی رائے ٹھیک ہے اور اس زمانہ میں اسی پر عمل ہونا چاہئے بالخصوص اس کے بعد جبکہ فیصلہ اور فتوے میں یہ عمل ہے کہ اگر طلاق کو کسی شے سے مشروط کیا جائے تو وہ طلاق باطل ہو جاتی ہے اب اگر بالفرض عرف عام کو مدنظر رکھا جائے تو آج کل لوگوں میں یہ عام بات ہے کہ علی الطلاق (یعنی مجھ پر طلاق ہے) کہنے سے طلاق نہیں ہوتی یہاں تک کہ عورت کی طرف منسوب کرنے پر بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہ بھی لوگوں میں مشہور ہے کہ تین طلاق دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے لہٰذا یہ تقاضائے عرف عام یہ فتویٰ ہونا چاہئے کہ طلاق مشروط میں اگر (طلاق کی) نسبت عورت کی طرف کی جائے تب بھی حنفیہ کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہ ہو اور یہ کہ ایک ہی لفظ سے تین طلاق دی جائے تو حنفیہ کے نزدیک ایک ہی طلاق واقع ہو۔

طلاق کو عورت کی طرف نسبت کرنے کی شرط سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ اگر طلاق کی نسبت مرد کی طرف کی جائے اور عورت کی طرف نہ کی جائے تو وہ لغو ہوگی اور اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ مثلاً اگر خاوند (بیوی سے) کہے کہ میں تیری طرف سے طلاق یافتہ ہوں یا تیری طرف سے بری شدہ ہوں تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔ اگرچہ اس سے طلاق کی نیت کی جائے۔ کیوں کہ اس میں طلاق کی نسبت خاوند کی طرف کی گئی ہے جسے طلاق نہیں دی جاسکتی بخلاف اس صورت کے جبکہ بیوی سے یوں کہا کہ میں تیری طرف سے بائن ہوں یا تیری طرف سے حرام ہوں یا میں تجھ پر حرام ہوں کیوں کہ بائن ہونے کا مطلب علیحدگی اور ان میں باہم جو وابستگی ہے اس سے جدا ہونا ہے۔ اسی طرح حرام ہو جانے کے معنے یہ ہیں کہ ان کا ایک دوسرے سے باہم متمتع

Marfat.com

ہونا جو (عقد ازدواج سے) حلال تھا اب وہ حلال نہیں رہا اور یہ امر مخفی نہیں ہے کہ یہ دونوں امور مرد اور عورت میں مشترک ہیں لہٰذا ان دونوں میں سے ہر ایک کی طرف نسبت کرنا درست ہے۔ پس اگر کہا کہ میں بائن ہوں اور یہ نہیں کہا کہ ''تیری طرف سے'' اور یا یہ کہا کہ میں حرام ہوں اور یہ نہیں کہا کہ ''تجھ پر'' تو اس سے کچھ نہیں ہوتا اگرچہ طلاق کی نیت کی ہو۔ کیوں کہ اس میں عورت کی طرف نسبت نہیں کی گئی بلکہ صرف اپنی ذات کی طرف نسبت کی حالانکہ وقوع طلاق کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کی نسبت عورت کی طرف کی جائے۔ پس اگر بیوی سے کہا کہ انت بائن یعنی تو بائن ہے اور یہ نہیں کہا کہ میری طرف سے اور یا یہ کہا تو حرام ہے اور یہ نہیں کہا کہ مجھ پر اور اس سے طلاق کی نیت کی تو طلاق عائد ہو جائے گی۔ کیوں کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ یہ الفاظ اقسام کنایہ میں سے ہیں (جس میں نیت ضروری ہے) اور اگر خاوند نے طلاق کا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا اور اس عورت نے خاوند سے کہا کہ تو میری طرف سے بائن ہے اور یہ نہیں کہا کہ میں تیری طرف سے بائن ہوں تو طلاق نہ ہو گی کیوں کہ عورت وقوع طلاق کی محل ہے لیکن اس نے طلاق کی نسبت اپنی طرف نہیں کی۔ اس لئے طلاق نہ ہو گی۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اگر طلاق صحیح کی نسبت خاوند کی طرف کی جائے تو اس سے طلاق واقع نہ ہو گی۔ یہاں تک کہ اگر بیوی نسبت کرے تب بھی۔ لیکن اگر لفظ کنایہ ایسا ہو جس کا مفہوم دونوں میں مشترک ہو اور اس لفظ کی نسبت خاوند اور بیوی دونوں کی طرف کی جائے مثلاً یوں کہا کہ میں تیری طرف سے بائن ہوں اور طلاق کی نیت کی تو طلاق ہو جائے گی۔ اگر بیوی نے صرف اپنی طرف نسبت کیا' خاوند کی طرف نہیں کیا' تب بھی صحیح ہے اور طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ خاوند عورت سے کہے کہ انت بائن یا انت حرام (یعنی تو بائن ہے تو حرام ہے)۔ لیکن اگر طلاق کی نسبت صرف اپنی طرف کی تو اس سے کچھ نہ ہو گا۔ اگر بیوی کا معاملہ اس کے اختیار میں دے دیا تو صرف اس صورت میں طلاق ہو گی جب کہ وہ عورت طلاق کی نسبت اپنی طرف اور اس کی جانب کرے اور یوں کہے۔ میں تجھ سے بائنہ ہو گئی اور تو مجھ سے بائن ہو گیا۔ یا میں تجھ پر حرام ہوں اور تو مجھ پر حرام ہے۔

حاصل کلام حنفیہ کہتے ہیں کہ طلاق پڑنے کی شرط یہ ہے طلاق کی نسبت عورت کی جانب کی جائے۔ بایں طور کہ اس کا نام (طلاق کے لئے) لیا جائے یا اس کے لئے ضمیر استعمال کی جائے۔ خواہ ضمیر مخاطب ہو مثلاً تجھے طلاق ہے یا ضمیر غائب کہ اس عورت کو طلاق ہے اور یہ ضمیر غائب اس کی بیوی کی طرف لوٹتی ہو۔ یا اسم اشارہ اس عورت کے لئے استعمال کیا جائے مثلاً یہ عورت طالق ہے۔ یہ الفاظ بناوٹ کے لحاظ سے اس عورت پر دلالت کرتے ہیں۔ عورت کے جزو بدن کا ذکر (طلاق کے لئے) کرنا بھی ان الفاظ کے قائم مقام ہے بشرطیکہ اس جزو سے اس کا سارا وجود مراد ہو۔ مثلاً عورت کے لئے اس کے نصف' تہائی یا چوتھائی کے الفاظ یا گردن' بدن' جسم' اندام نہانی یا چہرہ یا سر) کی طرف طلاق کو نسبت دینا) یہ وہ الفاظ ہیں جو ایک انسان کی ذات کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ اندام نہانی کی بابت یوں آیا ہے کہ لعن اللہ الفروج علی السروج (یعنی ان شرم گاہوں پر اللہ کی لعنت جو زین پر ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ان عورتوں پر جو گھوڑ سوار ہوں لعنت ہے) رہے دوسرے الفاظ' سو ان کا استعمال پورے وجود کے معنوں میں ظاہر ہے۔ پس طلاق کو عورت کے کسی جزو کی طرف منسوب کرنے سے طلاق پڑنے کے لئے' ان دو باتوں میں سے ایک بات کا ہونا لازم ہے: ایک جزو مشترک کی طرف نسبت کرنا جیسے نصف ثلث وغیرہ کیوں کہ طلاق کے اجزا نہیں ہوتے (بلکہ وہ پوری ہی واقع ہوتی ہے) دوسرے یہ کہ طلاق

Marfat.com

کو ایسے جزو کی طرف نسبت دی جائے جس کا استعمال کل کے لئے ہوتا ہے یہاں تک کہ (وہ جزو کل کے معنوں میں) حقیقت عرفی بن گیا ہو۔ لیکن اگر جزو مشترک یا ایسے جزو کی طرف جو بالعموم کل کے معنوں میں آتا ہے' نسبت نہ ہو تو طلاق نہ ہوگی۔ سوا اس صورت کے جب کہ علاقہ جزویت کی بنا پر جزو بول کر کل کا ارادہ کیا گیا ہو جسے (مجاز مرسل کہتے ہیں)۔ چنانچہ اگر کہا کہ تیرے ہاتھ کو طلاق ہے اور لوگوں میں ہاتھ سے مراد پورا وجود مشہور نہ ہو تو طلاق نہ ہوگی۔ بجز اس صورت کے جب کہ ہاتھ کہنے سے پوری عورت مراد ہو۔ ہاتھ کی طرح' پاؤں' زانو' بال' ناک' دانت' ابرو' رگ' پستان اور مقعد کا بھی وہی حکم ہے۔ البتہ سرین ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر اس پر حکم طلاق دیا جائے تو واقع ہو جائے گا۔ کیوں کہ یہ لفظ اگرچہ مقعد کا ہم معنیٰ ہے لیکن اس کا استعمال عورت کے پورے وجود کے لئے ہوتا ہے۔ ایسا ہی لفظ 'بضع' ہے کہ اگرچہ یہ اندام نہانی کا مترادف ہے' لیکن اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی' کیوں کہ اس کا استعمال پوری عورت کے لئے مشہور نہیں ہے۔ اسی طرح پیٹھ اور پیٹ کے اعضاء ہیں کہ ان کو جسم کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا ان سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ ہاں اگر کچھ لوگوں میں اس لفظ کا استعمال پورے وجود کے لئے مشہور ہو تو مجاز کا تصور کئے بغیر اس سے طلاق ہو جائے گی۔ غرض جزو سے کل کا ارادہ کرنا شہرت استعمال پر منحصر ہے۔ چنانچہ اگر ہاتھ کا لفظ پورے وجود کے لئے مشہور ہو تو مجاز کی نیت کے بغیر طلاق ہو جائے گی وعلیٰ ہذا القیاس۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جسم کے جن اجزاء کو طلاق دینے سے بغیر مجاز کی نیت کئے طلاق ہو جاتی ہے وہ جسم کے اجزائے مشترکہ ہیں نیز وہ اجزائے جسم جن کا استعمال کل کیلئے بغیر کسی قرینہ کے ہوتا ہے مثلاً گردن وغیرہ نیز وہ اجزائے جسم جن سے طلاق اس صورت میں واقع ہوتی ہے جب کہ اس سے پورا جسم مراد لیا جائے جیسے 'ہاتھ' ہیں اور وہ اجزائے جسم جن سے طلاق نہیں ہوتی اگرچہ پورے جسم کی نیت کی جائے وہ مثلاً ابرو' دانت' بال' ناخن اور رگ ہیں کیوں کہ ان سے پورے وجود انسان کی تعبیر کسی عہد میں نہیں ہوئی۔ ایسے ہی انسان کے باطنی اجزاء ہیں جن سے بہرہ اندوز نہیں ہوا کرتے۔ مثلاً دل' جگر' کلیجی ہے اگر طلاق کی نسبت ان اجزاء کے ساتھ کی گئی تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ پورے بدن کی نیت کی ہو۔

واضح ہو کہ اگر کسی نے کہا کہ تیری جان کو طلاق یا تیرے نفس کو طلاق ہے تو اس سے طلاق پڑ جائے گی کیوں کہ ان سے کل وجود مراد ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ۔ 'طالق' اور یہ نہیں کہا کہ 'تو' تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ دل میں 'تو' کہنے کی نیت ہو۔ ہاں اگر عورت کے مطالبہ طلاق کے جواب میں 'طالق' کہہ دیا ہو (تو طلاق ہو جائے گی)۔ پس اگر بیوی کہے کہ آیا تم مجھے طلاق دے رہے ہو؟ اور اس نے جواب میں کہا ''طالق'' تو طلاق عائد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کہا کہ ''مجھ پر حرام ہے'' اور یہ نہ کہا کہ ''تو'' (حرام ہے) تو اس سے طلاق نہ ہوگی۔ گو 'تو' کی نیت دل میں کر لی ہو بخلاف اس صورت کے جب کہ خاوند کہے کہ علی الطلاق (مجھ پر طلاق ہے) یا الطلاق یلزمنی (یعنی طلاق مجھ پر لازم ہو گئی) یا مجھ پر حرام ہے یا' حرام مجھ پر لازم ہو گیا میں ایسا نہیں کروں گا' تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگرچہ طلاق کی نسبت عورت کی طرف نہیں کی گئی۔ پس شافعیہ کے نزدیک (وقوع طلاق کے لئے) یوں کہنے کی شرط نہیں ہے کہ مجھ پر فلانی کی طرف سے طلاق عائد ہوگئی یا تیری طرف سے یا میری بیوی کی طرف سے طلاق ہے۔ بلکہ اگر صرف یہ کہا کہ مجھ پر طلاق

Marfat.com

لازم ہے اور خاموش ہو گیا تو اس کا یہ کہنا بقول صحیح یہ کہنے کی مانند ہے کہ تجھ پر طلاق ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس طرح کہنے سے بغیر نیت کے طلاق نہ ہوگی۔ لہٰذا اس کا شمار کنایہ میں ہوگا' طلاق صریح میں نہ ہوگا۔ پس اگر بیوی سے کہا کہ میں تیری طرف سے طلاق یافتہ ہوں۔ اگر طلاق کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا بیوی کی طرف نہیں کیا اور نیت طلاق کی تھی تو طلاق ہو جائے گی اور یہ بات بتائی گئی ہے کہ مرد اگرچہ طلاق پانے کا محل نہیں ہے لیکن چونکہ اس پر بیوی کی موجودگی سے ایک حد تک پابندی تھی کہ وہ اس کی بہن سے شادی نہیں کر سکتا تھا یا چار بیویوں کے ہوتے ہوئے پانچویں سے شادی نہیں کر سکتا تھا تو ایسی صورت میں اس کا اپنی طرف طلاق کو منسوب کرنا درست ہوگا۔ گویا وہ کہتا ہے کہ اس پابندی سے آزاد ہو گیا۔ لہٰذا اگر اس سے طلاق کی نیت کی تو طلاق عائد ہو جائے گی۔ اس طرح اگر بیوی سے کہا کہ میں تیری طرف سے بائن ہوں اور نیت طلاق کی تھی تب بھی طلاق عائد ہو جائے گی۔

جس طرح طلاق کی نسبت عورت کی طرف کرنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اسی طرح اگر اس عورت کے کسی جزو بدن سے جو اس کے ساتھ متصل ہے طلاق کی نسبت کی جائے تو طلاق پڑ جائے گی مثلاً ہاتھ' بال' ناخن' خون اور دانت۔ پس جزو بدن کی قید لگانے سے تھوک' مادۂ تولید' دودھ اور پسینہ سے طلاق کی نسبت کرنا خارج ہو گیا۔ چنانچہ ان کی طرف نسبت کرنے سے کچھ نہیں ہوتا اور بدن سے متصل جزو کی قید سے وہ جز نکل گیا جو اس کے وجود سے منقطع ہو گیا ہو۔ پس اگر ایسی عورت سے جس کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا ہو یوں کہا کہ تیرے دائیں ہاتھ کو طلاق تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ کوئی بھی لفظ جس سے طلاق کی نیت کی جائے طلاق ہو جائے گی۔ چنانچہ اگر صرف یہ کہا کہ 'طلاق ہے' بغیر اس کے اس طلاق کو کسی عورت یا اس کے جزو کی طرف نسبت کی گئی ہو اور طلاق کی نیت کی ہو خواہ ایک یا زیادہ طلاق کی نیت ہو تو جو نیت کی ہے وہ طلاق عائد ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر یوں کہا جائے کہ 'مجھے پانی پلا' اور نیت طلاق کی تھی تو طلاق عائد ہو جائے گی۔ تاہم مالکیہ کہتے ہیں کہ صریح الفاظ استعمال کیے جائیں اور طلاق کی نیت نہ ہو تب بھی طلاق ہو جائے گی۔

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ طلاق صریح کے الفاظ کی تعداد چار پر منحصر ہے۔ منجملہ ان کے یہ کہنا ہے کہ میں تیری طرف سے طلاق یافتہ ہوں تو یہ صریح ہے۔ اس سے طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ طلاق کی نیت نہ کی ہو۔ باوجود اس کے کہ طلاق کی نسبت اس نے اپنی طرف کی ہے عورت کی طرف نہیں کی۔ حنفیہ اور حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اس سے طلاق نہیں پڑے گی اگرچہ طلاق کی نیت کی اور شافعیہ کو بھی اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر نیت طلاق کی ہے تو طلاق ہو جائے گی۔

اگر طلاق کی صراحت کے ساتھ عورت کے کسی جزو کی طرف نسبت کی اور وہ جزو اس کے جسم کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور وہ جسم کی خوبیوں میں سے ہو جس سے انسان لذت اندوز ہو سکتا ہے جیسے بال اور ابرو کہ انسان ان سے لذت اندوز ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عقل اور گفتگو بھی دو چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو عجیب معلوم ہوتی ہیں اور انسان ان سے لذت اندوز ہوتا ہے۔ خاص کر گفتگو جب کہ سریلی ہو تو اس کی لذت محسوس ہوتی ہے لہٰذا اس سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے لیکن اگر وہ جزو اس کے جسم سے علیحدہ ہو اور طلاق کو اس کی طرف نسبت کی جائے مثلاً کوئی شخص بیوی سے کہے کہ تیرے بالوں کو طلاق اور اس سے کٹے ہوئے بال مراد ہوں تو اس سے طلاق نہ ہوگی۔ لیکن اگر جڑے ہوئے یا کٹے ہوئے کسی عضو کی نیت نہ تھی تو

Marfat.com

بیوی کو اس طرح کہنے کا بیان کہ تو
حرام یا محرمہ ہے یا مجھ پر حرام ہے

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے یا حرام کی گئی ہے۔ یا جو شے اللہ نے مجھے حلال کی تھی میں نے اسے حرام کرلیا ہے۔ یا اسی طرح کے اور الفاظ کہے تو ان الفاظ سے طلاق واقع ہونے کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (1)

طلاق ہو جائے گی۔ اگر طلاق کی نسبت ایسے جزو کی طرف کی گئی جس سے لذت اندوز نہیں ہوا کرتی مثلاً کف یا تھوک اور آنسو تو طلاق نہ ہوگی۔

واضح ہو کہ مالکیہ نے یہ تصریح کر دی ہے کہ جو شخص اس طرح کہے وہ گنہگار ہوگا۔ لہٰذا یہ حرام ہے کہ کوئی شخص جزوی طلاق دے یا عورت کے کسی جز کو طلاق دے تو یہ فعل قابل سزا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ طلاق (بالفاظ) صریح ہو تو اس کے واقع ہونے کے لئے اسے عورت کی طرف نسبت کرنا شرط نہیں ہے۔ بلکہ شرط یہ ہے کہ طلاق کی نسبت مرد اپنی طرف نہ کرے۔ چنانچہ اگر اس نے کہا کہ مجھ پر طلاق ہے یا طلاق مجھے لازم ہے یا مجھے طلاق لازم ہے یا میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے اور عورت کا ذکر نہیں کیا اور طلاق کی نیت بھی نہیں کی تب بھی طلاق عائد ہو جائے گی اگر ایک سے زیادہ طلاق کی نیت کی ہے تو جو نیت کی ہے وہی لازم ہوگا۔ پس اگر یہ کہا کہ مجھے طلاق ہے یا تو طالق ہے اور تین طلاق کی نیت کی ہے تو تین طلاق عائد ہوگی۔ لیکن اگر کہا کہ میں تیری طرف سے طلاق یافتہ ہوں اور اس سے طلاق کی نیت کی تو اس سے کچھ نہ ہوگا کیوں کہ اس شخص نے طلاق کو اپنی طرف منسوب کیا اور وہ محل طلاق نہیں ہے (یعنی مرد کو طلاق نہیں ہوا کرتی)۔

جس طرح طلاق کی نسبت عورت کی طرف کرنے سے طلاق پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح عورت کے کسی متصل جزو بدن کی طرف طلاق کی نسبت کرنے سے طلاق ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر کہا کہ تیرے وجود کے نصف حصے کو یا جسم کے ایک جزو کو طلاق ہے تو عورت پر طلاق پڑ جائے گی۔ اسی طرح اگر کہا کہ تیرے ہاتھ کو طلاق ہے اور وہ ہاتھ کٹا ہوا نہ ہو (تو طلاق ہو جائے گی) اور انگلی کو طلاق دینے سے بھی طلاق ہو جائے گی لیکن اگر جزو متصل نہ ہو جیسے (کٹے ہوئے) بال (اتارے ہوئے) ناخن اور (ٹوٹے ہوئے) دانت اور ان کی طرف طلاق کی نسبت کی جائے تو طلاق نہیں پڑے گی۔ اسی طرح جسم سے فارغ ہونے والے فضلوں کی طرف نسبت کرنے سے بھی طلاق نہ ہوگی جیسے تھوک، مادۂ تولید اور رینٹ وغیرہ۔ اور کسی صفت مثلاً سفیدی یا سیاہی کی طرف نسبت کرنے سے بھی طلاق نہ ہوگی۔ اور اگر کہا کہ تیری روح کو طلاق ہے تو طلاق نہ ہوگی کیوں کہ روح سے تمتع نہیں کیا جاتا اور وہ جسم کا کوئی جزو نہیں ہے بلکہ وہ ایک معنوی (غیر مادی) شے ہے۔ لیکن اگر کہا کہ تیری زندگی کو طلاق ہے تو طلاق پڑ جائے گی۔ کیوں کہ زندگی کے بغیر عورت کا وجود باقی نہیں رہ سکتا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے یا حرام کی گئی ہے یا میں نے تجھے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے یا میں نے اپنے نفس کو تجھ پر حرام کیا تو اس صورت میں عرف عام کو دیکھا جائے گا۔ اگر ایسے الفاظ کا

Marfat.com

استعمال لوگوں میں طلاق بائن کے لئے مشہور ہو تو طلاق بائن پڑ جائے گی اور طلاق رجعی کے لئے مشہور ہو تو طلاق رجعی پڑے گی۔ اس کے لئے نیت لازم نہیں ہے۔ کیوں کہ ایسی صورت میں یہ طلاق (بالفاظ صریح) متصور ہوگی' طلاق کنایہ نہ ہوگی کیوں کہ اگر ''تو حرام کی گئی ہے'' کے الفاظ طلاق کے لئے استعمال ہوتے ہیں تو اس میں اور ''تجھے طلاق ہے'' کہنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ عبارت طلاق کے لئے مشہور نہ ہو تو جب تک کہ نیت نہ کی جائے' اسے کنایہ تصور کیا جائے گا اور بغیر نیت کے کچھ نہ ہوگا۔ عوام کو طلاق رجعی اور طلاق بائن کا فرق نہیں معلوم وہ اس عبارت کا استعمال صرف ان معنوں میں کرتے ہیں کہ اس سے عورت کے ساتھ مباشرت اور اس سے متمتع ہو جانا حرام ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ طلاق بائن ہی میں یہ بات ہوتی ہے۔ طلاق رجعی میں حنفیہ کے نزدیک عورت سے متمتع ہونا حرام نہیں ہوتا' لہٰذا اگر عوام ان الفاظ میں طلاق دیں تو اسے طلاق بائن ہی شمار کیا جائے گا لیکن وہ شخص جو دونوں میں فرق کرتا ہے اس کی نیت پر عمل کیا جائے گا۔ اور یہ امر اس عبارت کے طلاق صریح سے ملتی جلتی ہونے کے منافی نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ طلاق صریح کی بھی دو قسمیں ہیں' طلاق رجعی اور طلاق بائن پس اگر طلاق کے ساتھ تعداد طلاق کی بھی نیت کی تو نیت کے مطابق طلاق عائد ہوگی۔ چنانچہ اگر کسی نے کہا کہ 'تو حرام ہے' اس سے تین طلاق کی نیت کی تو تین عائد ہوگی بخلاف اس صورت کے جبکہ دو طلاقوں کی نیت کی تو اس سے صرف ایک طلاق عائد ہوگی۔ بصورت دیگر کوئی طلاق عائد نہیں ہوگی۔ اس کی تفصیل کنایہ کے بیان میں بتائی جا چکی ہے۔

یہ امر بتایا جا چکا ہے کہ ان عبارتوں سے طلاق واقع ہونے کا انحصار عرف عام پر ہے۔ پس اگر عوام اس عبارت کو طلاق کے لئے سرے سے استعمال ہی نہ کرتے ہوں۔ نہ صراحۃً نہ کنایۃً تو بنیادی طور پر اس سے کچھ نہ ہوگا۔ پس ان الفاظ کی بناء پر طلاق کا فتویٰ دینا عرف عام کے تابع ہے۔

واضح ہو کہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ طلاق کی نسبت عورت کی طرف کی جائے جیسا کہ مذکورہ مثالوں میں ہے۔ لیکن اگر اسے عورت کی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔ مثلاً یوں کہا کہ 'مجھ پر حرام ہے' اور یہ نہ کہا کہ 'تیری طرف سے' یا یہ کہا کہ حرام مجھے لازم ہو گیا یا 'کل حلال مجھ پر حرام ہے' یا مجھ پر طلاق واجب ہے یا طلاق مجھے لازم ہے تو اس سے کچھ نہیں ہوتا جیسا کہ بتایا گیا کیوں کہ حنفیہ نے (وقوع طلاق کے لئے) یہ شرط لگائی ہے کہ طلاق کی نسبت جس لفظ سے کی جائے اس سے مراد وہ عورت ہو۔ خواہ وہ نام ہو' یا ضمیر یا اسم اشارہ اور عرف عام سے اس شرط میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اگر کہا کہ میری بیوی کی طرف سے مجھ پر حرمت عائد ہوگئی یا یہ کہا کہ زینب کی طرف سے یا کہا کہ تیری طرف سے۔ یا اس عورت کی طرف سے تو اگر بالعموم اس کا استعمال طلاق صریح کے لئے مشہور ہے تو بغیر نیت کئے اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر اس لفظ کو طلاق کے لئے بالکل استعمال ہی نہ کیا جاتا ہو تو کچھ نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ اگر یوں کہا کہ علی الطلاق منک لا افعل کذا (یعنی تیری طرف سے مجھ پر طلاق ہے میں تو یہ کام نہیں کروں گا) اور اس سے تین طلاق کی نیت کی تو نیت کے مطابق طلاق عائد ہو جائے گی۔ کیوں کہ (اس عبارت میں) طلاق کا لفظ بطور اسم جنس کے آیا ہے جو ایک طلاق یا زیادہ پر بولا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر دو کی نیت کی تو درست نہ ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے یا تو حرام ہے اور 'مجھ پر' کا لفظ نہیں کہا یا میں تیری طرف سے حرام ہوں

Marfat.com

تو یہ تمام عبارتیں (طلاق کے لئے) کنایات ظاہرہ میں سے ہیں جن سے بغیر نیت کے طلاق ہو جاتی ہے۔ پھر اگر بیوی مباشرت شدہ ہے تو اس سے تین طلاقیں ہوں گی قطع نظر اس سے کہ اس نے ایک طلاق کی نیت کی ہو یا زیادہ کی۔ اگر مباشرت نہ ہوئی ہو اور تعداد کی نیت نہیں کی تب بھی تین طلاق عائد ہوگی۔ اگر کسی تعداد کی نیت کی ہے تو نیت کے مطابق طلاق واقع ہوگی۔ خواہ ایک طلاق کی نیت کی ہو یا زیادہ کی۔ لیکن اگر یوں کہا کہ وہ جو حلال تھا مجھ پر حرام ہے یا حلال مجھ پر حرام ہو گیا یا ما ارجع الیہ حرام (یعنی جس کی طرف میں رجوع کرتا ہوں وہ حرام ہے)۔ اب اگر اس نے حرام شدہ اشیاء سے اپنی بیوی کو خارج اور مستثنیٰ رکھنے کی نیت کی تو درست ہے وہ حرام نہ ہوگی ورنہ حرام ہو جائے گی کیوں کہ اس طرح کہنے میں کہ حلال مجھ پر حرام ہے تمام وہ امور جسے اللہ نے اس کے لئے حلال کیا حرام ہو گئیں اور اسے اپنی بیوی کو حرام کر لینے کے سوا اور کسی بات کا اختیار نہیں ہے۔ پس اگر اسی بات کی نیت کی تو بیوی حرام ہو جائے گی ورنہ نہ ہوگی اور اگر کہا کہ وہ "حرام ہے جو حلال تھا" اور یہ نہ کہا کہ مجھ پر یا کہا کہ حرام ہے مجھ پر یا مجھ پر حرام ہے اور یہ نہیں کہا کہ 'تو' اور یا کہا کہ اے حرام اور اس عبارت میں اپنی بیوی کو خارج رکھنے کی نیت کی تو اس سے کچھ نہ ہوگا اور اگر اس کے مفہوم میں بیوی کو داخل کیا تو وہ کنایہ صریح ہوگا اور اس سے تین طلاق عائد ہوگی عورت سے مباشرت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ بشرطیکہ غیر مباشرت شدہ کے لئے تعداد طلاق کی نیت نہ کی ہو۔

اگر عورت کے کسی جزو کو حرام کہا' مثلاً یوں کہا کہ تیری صورت مجھ پر حرام ہے تو بغیر نیت کے بھی مباشرت شدہ عورت پر تین طلاق پڑ جائے گی اور غیر مباشرت شدہ پر بھی تین طلاق پڑ جائے گی بشرطیکہ کسی تعداد کی نیت نہ کی ہو۔ اگر کسی تعداد طلاق کی نیت کی ہے تو نیت کے مطابق طلاق پڑ جائے گی اگر عورت سے کہا کہ وجھک علی وجھی حرام بہ تخفیف لام (یعنی تیری صورت میرے سامنے حرام ہے۔ اس طرح کہنے کی بابت دو باتیں ہیں: ایک قول یہ ہے کہ نیت طلاق کی نہ ہو تو اس سے کچھ نہیں ہوتا دوسرا قول یہ ہے کہ یوں کہنا اس طرح کہنے کی مانند ہے کہ "تیری صورت مجھ پر حرام ہے"۔ اسی قول کو ترجیح حاصل ہے۔

اگر عورت سے کہا کہ "جس میں میری زندگی ہے وہ حرام ہے" اس عبارت کے متعلق اختلاف ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ بھی ایسا ہی ہے جیسے یہ کہنا کہ تیری صورت مجھ پر حرام ہے اور بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ نیت طلاق نہ ہو تو اس سے کچھ عائد نہیں ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ بیوی زندگی نہیں ہے۔ لہٰذا اگر نیت بیوی کی نہ ہو تو وہ اس میں داخل نہ ہوگی۔

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ کنایہ ظاہر میں مالکیہ عرف عام پر بھروسہ کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہر ایسا لفظ جس کو طلاق کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا اور لوگ باہم اس کے استعمال سے ناواقف ہیں اس سے بغیر نیت کے کچھ حاصل نہ ہوگا کیوں کہ اس صورت میں وہ کنایہ خفیہ ہوگا کنایہ ظاہر نہ ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر یوں کہا جائے کہ "مجھ پر حرام ہے" یا "حرمت مجھ پر لازم ہے" یا "مجھ پر حرام لازم ہو گیا" تو بعض اصحاب کے نزدیک یہ کنایہ ہے لہٰذا اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق پڑ جائے گی اور بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر اس کو ظہار کی نیت سے کہا ہے تو ظہار ہو جائے گا۔ اور صحیح یہ ہے کہ اس بارے میں عرف پر اعتبار کیا جائے گا۔ اگر اسے طلاق کے لئے استعمال کیا جائے تو کنایہ طلاق ہوگا اگر ظہار کے لئے استعمال کیا جائے تو ظہار ہوگا۔ اگر کہا کہ 'تو مجھ پر حرام ہے' یا اللہ

Marfat.com

نے جو مجھ پر حلال کیا وہ حرام ہے یا حلال مجھ پر حرام ہو گیا یا میں نے تجھے حرام کر لیا۔ یہ تمام صورتیں ظہار کی ہیں یہاں تک کہ اگر طلاق کی نیت کی تب بھی طلاق عائد نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر کہا کہ 'فراشی علی حرام' (یعنی میرا بستر مجھ پر حرام ہے) اور اس سے مراد بیوی (کو حرام کرنا) ہے تو یہ ظہار ہو گا اور اگر کہا کہ میں تیری طرف سے حرام ہوں تو اس سے کچھ نہ ہو گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کہا کہ ''تو مجھ پر حرام ہے'' یا ''میں نے تجھے حرام کر لیا'' تو یہ الفاظ طلاق اور ظہار کے لئے کنایہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں لہٰذا اگر طلاق کی نیت ہوئی تو طلاق پڑ جائے گی خواہ ایک طلاق کی نیت کی ہو یا زیادہ کی۔ اسی طرح اگر ظہار کی نیت کی تو یہ بھی درست ہے اور کفارہ ظہار لازم ہو گا۔ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اگر اس سے طلاق اور ظہار دونوں کی نیت اکٹھی کی اور پہلی نیت ظہار کی تھی تو طلاق و ظہار دونوں پر ایک ساتھ عمل کیا جائے گا لہٰذا ظہار کا کفارہ لازم ہو گا اور طلاق جس کی نیت کی تھی وہ عائد ہو جائے گی۔ اگر پہلی نیت طلاق کی تھی تو وہ طلاق بائنہ کی نیت تھی پھر ظہار کی نیت کی تو یہ لغو ہو گی اور کوئی کفارہ نہ ہو گا۔ کیوں کہ وہ پہلے ہی خارج از نکاح ہو گئی لہٰذا اب ظہار کی گنجائش نہ رہی اور اگر پہلے طلاق رجعی کی نیت تھی اور اس کے بعد ظہار کی نیت کی تو ظہار پر عملدرآمد ملتوی رہے گا۔ اگر وہ رجوع کر لے تو ظہار عائد ہو جائے گا اور کفارہ لازم ہو گا ورنہ نہ ہو گا۔ اسی قول پر اعتماد ہے۔

اگر اس عبارت سے عورت کی ہستی کو حرام کر لینے کی یا اس کے اندام نہانی یا بدن یا اس کے کسی جزو بدن کو حرام کرنے کی نیت کی تو اس سے طلاق لازم نہ ہو گی کیوں کہ یہ اشیاء عین (قائم بالذات) ہیں اور اعیان کو حرام نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ اس عبارت سے طلاق یا ظہار کسی شے کی نیت نہ کی جائے تو اس سے کچھ لازم نہ ہو گا چنانچہ اگر بیوی سے کہا کہ میں نے تجھے حرام کر لیا اور اس سے مراد اس کے جسم یا اندام نہانی کو حرام کر لینا ہے اور پھر اس سے مباشرت کی تو اس پر قسم کا کفارہ دینا واجب ہو گا اور یہ کفارہ یمین اس حالت میں واجب ہو گا جب کہ اس نے یہ کہا تھا کہ میں نے تجھے حرام کر لیا اور اس وقت بیوی کے پاس جانے سے کوئی امر مانع نہ رہا ہو مثلاً وہ عورت اعمال حج ادا کرنے کے لئے حالت احرام میں ہو۔ ناپاکی اور نفاس کے ایام میں اگر عورت سے کہا جائے کہ میں نے تجھے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے تو کفارہ لازم نہ ہو گا۔ ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کفارہ لازم ہو گا۔ اگر بیوی کے علاوہ کسی اور شے کو حرام کہا مثلاً یوں کہا کہ مجھ پر پینا حرام ہے یا لباس حرام ہے تو یہ لغو بات ہو گی اس سے کچھ عائد نہیں ہوتا۔ کیوں کہ جس شے کو اللہ نے حلال کیا ہے اسے کوئی شخص حرام نہیں کر سکتا۔

اگر کہا کہ مجھ پر حرام ہے یا اللہ کا حلال کیا ہوا مجھ پر حرام ہے۔ یا حرام میرے ذمہ ہو گیا یا حلال مجھ سے دور ہو گیا تو یہ تمام الفاظ کنایہ ہیں اس سے جو نیت کی وہی واقع ہو گا۔ اگرچہ اس کا استعمال طلاق کے لئے مشہور ہو۔ کیوں کہ یہ الفاظ خاص طلاق کے لئے وضع نہیں ہوئے۔ اسی طرح وہ الفاظ بھی ہیں جو اوپر بیان کئے گئے یعنی انت حرام اور اس کے بعد کے الفاظ۔ (ان سے بھی بغیر نیت کے طلاق واقع نہ ہو گی) ہر چند کہ ان الفاظ کا استعمال طلاق کے لئے مشہور ہو۔ لیکن چونکہ خاص مفہوم طلاق کے لئے وضع نہیں کئے گئے۔ لہٰذا بقول معتمد یہ طلاق صریح نہ ہو گی اور نیت کو دیکھا جائے گا۔

Marfat.com

تعداد طلاق کا بیان

آزاد شخص کو تین طلاقوں کا حق ہے اگرچہ وہ کسی لونڈی کا خاوند ہو[1] پس اگر خاوند نے اپنی بیوی کو ایک ہی بار میں تین طلاقیں دے دیں' بایں طور کہ اس سے کہا کہ تجھے تین طلاق ہے تو ہر چہار فقہاء کے مسلک کی رو سے اتنی ہی طلاقیں واقع ہوں گی جو اس نے کہیں۔ جمہور کی یہی رائے ہے۔ بعض مجتہدوں نے اس رائے کی مخالفت کی ہے جن میں طاؤس' عکرمہ اور ابن اسحٰق ہیں۔ ان کے سربراہ حضرت ابن عباسؓ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے تین طلاق نہیں ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ اس کی دلیل صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عہد نبوی ﷺ اور عہد ابوبکرؓ نیز عہد خلافت عمرؓ میں دو سال تک (بیک وقت) تین طلاقوں کو ایک طلاق تصور کیا جاتا تھا۔ بعد میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ''الناس قد استعجلوا فی امر کان لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم'' (یعنی لوگ ایسے معاملہ میں جس میں تاخیر کرنا چاہئے تھا عجلت سے کام لینے لگے تو ہم کیوں نہ یہی حکم ان پر نافذ کر دیں چنانچہ یہی حکم نافذ کر دیا۔ یعنی تین طلاق کو تین ہی تصور کیا جائے) اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بارے میں سب کا اجماع نہیں ہے بلکہ ابن عباس' طاؤس' عکرمہ اور بعض مجتہدین کی وہ رائے بھی ہے اصول کا ایک مقررہ قاعدہ یہ ہے کہ مجتہد کی رائے پر چلنا واجب نہیں ہے اور نہ اس کا جوں کا توں اختیار کر لینا واجب ہے۔ اور اس صورت میں امت اسلامیہ کے مجتہدین میں سے کسی بھی مجتہد کی ایسی رائے جس کی نسبت اس کی طرف ثابت ہو جائے اس کی پیروی جائز ہے۔ اب درآنحالیکہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ ارشاد ثابت ہے تو اس بارے میں ان کی رائے کی پیروی درست ہے۔ جس طرح دوسرے ائمہ مجتہدین کی رائے کی پیروی درست ہے۔ علاوہ اس کے اگر پیروی سے قطع نظر کیا جائے اور خود دلیل کو دیکھا جائے تو یہ دلیل قوی معلوم ہوگی کیوں کہ تمام ائمہ اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں صورت حال یہی تھی اور کسی کو صحیح مسلم کی اس حدیث پر اعتراض نہیں ہے اور ہر وہ شخص جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل اور بیشتر

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عورت کی طلاقوں کی تعداد کا انحصار عورت پر ہے۔ چنانچہ اگر ایک آزاد شخص نے لونڈی سے شادی کی تو اسے دو طلاقوں کا اختیار ہوگا۔ کیوں کہ لونڈی آزاد عورت سے ایک طلاق کم کی حقدار ہے۔ اگر غلام آزاد عورت سے شادی کرے تو اسے تین طلاقوں کا اختیار ہوگا۔ کیوں کہ آزاد عورت تین طلاق کی حق دار ہوتی ہے پس اگرچہ غلام کا کوئی اور شخص مالک ہوتا ہے لیکن اس کے حق طلاق کی تعداد آزاد عورت یا لونڈی کے اعتبار سے مختلف ہوگی۔ پس آزاد عورت کے لئے تین طلاقیں ہیں اگرچہ اس کا خاوند غلام ہو اور لونڈی کے لئے دو طلاقیں ہیں اگرچہ اس کا خاوند آزاد ہو۔

Marfat.com

اصحاب کے اتفاق کی بنا پر یہ استدلال کیا ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ اس وقت تک یہی حکم رہا جسے حضرت عمرؓ نے ایک حدیث کی بناء پر منسوخ کر دیا جس کا ذکر انہوں نے نہیں کیا۔ اس پر اجماع کا ہونا اس بات کی دلیل ہے۔ چنانچہ اس وقت صحابہ کا اس عمل پر راضی ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اس سے مطمئن تھے اور اصول مقررہ کے مطابق یہ ضروری نہیں ہے کہ اجماع کا مستند ہونا بھی معلوم ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں اجماع بھی نہیں پایا جاتا کیوں کہ بہت سے مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت عمر ابن عباسؓ مجتہدین میں سے ہیں جن پر امور دین میں بھروسہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا ان کی تقلید جائز ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اور حضرت عمرؓ کی رائے کی پیروی واجب نہیں ہے کیوں کہ وہ بھی ایک مجتہد ہیں اور بیشتر اصحاب کا ان سے متفق ہونا ان کی تقلید کو لازم قرار نہیں دیتا۔ علاوہ اس کے یہ خیال بھی کیا جا سکتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ ان کا مقصد اس حکم سے لوگوں کی تنبیہہ ہو کہ اگر سنت کے خلاف طلاق دی تو وہ طلاق پڑ جائے گی۔ سنت یہ ہے کہ بیوی کو مختلف اوقات میں طلاق دی جائے جیسا کہ پہلے بتایا گیا اب اگر کوئی شخص بیک وقت بیوی کو (تین) طلاق دینے کی جرات کرتا ہے تو وہ خلاف سنت ہے' لہٰذا اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے کہنے کے مطابق تین طلاق نافذ کر دی جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ایک ہی لفظ میں تین طلاق دی جائے تو اس سے ایک طلاق پڑتی ہے اس کی سیدھی سی وجہ یہ ہے کہ عہد نبوی ﷺ اور خلیفہ اعظم حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اور عہد خلافت عمرؓ میں بھی دو سال تک اسی طرح ہوتا رہا ہے اور حضرت عمرؓ کا یہ اجتہاد بعد کی بات ہے جس کی مخالفت دوسرے اصحاب نے کی ہے۔ اور ان کے مخالف کی پیروی بھی اسی طرح درست ہے جس طرح حضرت عمرؓ کی پیروی درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فروعی اعمال میں امر یقینی کی جستجو کا ذمہ دار نہیں بنایا۔ کیوں کہ بہت ممکن ہے کہ وہی عمل حلال ہو۔

واضح ہو کہ اگر طلاق میں تین کی تعداد سے کم کی قید لگائی تو یہ قید یا تو صراحت کے ساتھ لگائی گئی ہوگی یا دل میں نیت ہوگی اور دونوں صورتوں میں یا تو طلاق صریح ہوگی یا طلاق کنایہ ہوگی۔ اور ان تمام صورتوں میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر طلاق صریح میں تعداد طلاق کی صراحت کر دی جائے تو اسی عدد کے مطابق عمل ہوگا۔ پس اگر بیوی سے کہا کہ "تجھے دو طلاق!" تو اس عدد کی صراحت سے اس پر دو طلاقیں عائد ہوں گی۔ اور اگر یہ کہا کہ "تجھے طلاق ہے" اور یہ کہہ کر خاموش ہو گیا اور پھر (ٹھہر کر) کہا کہ 'تین طلاق' یا 'دو طلاق' اور اس کی یہ خاموشی سانس گھٹنے کی وجہ سے

Marfat.com

نہیں تھی تو یہ تعداد لازم ہو جائے گی اور اگر دانستہ خاموش ہو گیا تو ایک سے زیادہ طلاق واجب نہ ہوگی۔ اسی طرح اس صورت میں جبکہ ایک لفظ کو مکرر ادا کیا اور تعداد کا ذکر نہیں کیا مثلاً یوں کہا کہ انت طالق طالق (تجھے طلاق طلاق) تو اس طرح کہنے سے بھی دو طلاقیں عائد ہوں گی۔ درآنحالیکہ وہ عورت مباشرت شدہ ہو۔ اگر مباشرت شدہ نہ ہو تو اس سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی کیوں کہ وہ (ایک طلاق ہی سے) زوجیت سے خارج ہو جائے گی۔ اب اگر وہ شخص کہتا ہے کہ دوسری بار جو اس نے طلاق کا لفظ کہا وہ پہلے ہی طلاق کا بیان تھا دوسرے طلاق کی نیت نہیں تھی تو شرعاً اس کی بات مانی جائے گی یعنی دوسری طلاق واقع نہ ہوگی اس کا معاملہ اس کے اور اللہ کے درمیان ہوگا۔ لیکن حاکم شرع اس کی تصدیق نہیں کرے گا بلکہ وہ دو طلاقوں کا فیصلہ کرے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ بیوی سے کہا کہ ''تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے'' یا یوں کہا کہ ''میں نے تجھے طلاق دی' میں نے تجھے طلاق دی''۔

اس بیان سے ظاہر ہوا کہ اگر یوں کہا کہ ''تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے'' یا یوں کہا کہ ''تجھے طلاق ہے اور طلاق ہے اور طلاق ہے'' تو اس سے قانوناً تین طلاق عائد ہو جائے گی' خواہ ایک ہی طلاق کی نیت کی ہو یا تین کی نیت کی ہو۔ لیکن اگر پہلی بار طلاق کی نیت کی تھی تو اور دوسری تیسری بار اسی طلاق کو سمجھانا مقصود تھا کہ اس عورت کو طلاق دے دی گئی ہے تو صرف ایک طلاق ہوگی لیکن یہ معاملہ اس کے اور اللہ کے درمیان ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر طلاق کا مکرر ذکر کیا خواہ حرف عطف واؤ (اور) کے ساتھ کیا ہو یا بغیر حرف عطف کے تو قانوناً متعدد طلاق پڑ جائے گی اور اس کا یہ دعویٰ تسلیم نہ کیا جائے گا کہ اس نے دوسری بار جو طلاق کا لفظ بولا اس سے پہلی ہی طلاق کی نیت تھی۔ تاہم اگر فی الواقع دوسری بار کہنے سے اس کی نیت پہلی ہی طلاق کی تاکید تھی تو شرعاً یہ درست ہے اور ایک ہی طلاق واقع ہوگی اور معاملہ اس کے اور اللہ کے سپرد رہے گا۔

اگر یوں کہا کہ ''طلقتک فانت طالق'' (یعنی میں نے تجھے طلاق دی پس تو طالقن ہوگئی اور اس کا دعویٰ یہ ہے کہ دوسری بار کہنے سے اس کی نیت پہلی ہی طلاق کی وضاحت تھی تو قانوناً اور شرعاً اس کی بات مانی جائے گی کیوں کہ حرف فا (پس) اسی لئے وضع کیا گیا ہے (یعنی توضیح ماقبل کے لئے)۔ اسی طرح بیوی کو یہ کہنا بھی ہے کہ ''انت طالق واعتدی'' (یعنی تجھے طلاق ہے اب عدت گزار)۔ پس اگر لفظ اعتدی (یعنی عدت گزار) کہنے کا مطلب عدت گزارنے کا حکم دینا تھا تو صرف ایک طلاق عائد ہوگی اور اگر اس سے دوسری طلاق کی نیت تھی تو دو طلاق رجعی لازم ہوں گی۔ اس واسطے کہ لفظ 'اعتدی' کے لئے الفاظ کنایہ میں سے جس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔ گو ایک سے زیادہ کی یا طلاق بائن کی نیت کی ہو۔ اگر کوئی نیت نہ تھی تو دو طلاق واقع ہوگی اور یہ اس طرح کہنے کے برخلاف ہے کہ ''انت طالق فاعتدی'' (یعنی تجھے طلاق ہے پس عدت گزار) اب اگر اس سے کوئی نیت نہیں کی تو ایک طلاق واقع ہوگی اور دوسری بار کہنے کو عدت گزارنے کا حکم تصور کیا جائے گا۔

اگر طلاق کی تعداد کو ٹکڑوں میں بتایا بایں طور کہ بیوی سے کہا کہ تجھ پر طلاق ہے یا اس کی ایک تہائی یا اس کی چوتھائی یا اس کے آٹھویں حصہ کی یا اس کے ہزارویں یا لاکھویں حصے کی طلاق ہے وغیرہ تو اس سے ایک طلاق پوری عائد ہوگی پھر اگر ایک طلاق کے ٹکڑے کئے اور کہا کہ تجھے آدھی' چوتھا یا چھٹے حصے کی طلاق ہے اور ان اجزاء کے درمیان حرف عطف نہیں آیا تو ایک طلاق واقع ہوگی بشرطیکہ طلاق کے اجزا کی مجموعی تعداد ایک سے زیادہ نہ ہو اگر ان اجزاء کا مجموعہ ایک سے زیادہ

Marfat.com

ہو گیا تو اس زیادہ حصہ کو دوسری طلاق شمار کیا جائے گا۔ خواہ وہ زیادتی بہت تھوڑی سی ہو۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ اجزائے طلاق کو ضمیر کی طرف جس کا مرجع طلاق ہے منسوب کیا جائے۔ مثلاً ایک شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تجھ پر ایک طلاق کا نصف (یعنی آدھی طلاق) اور اس کا تہائی حصہ ہے تو اس سے ایک طلاق واقع ہو گی کیوں کہ ان اجزاء (یعنی نصف اور ایک تہائی) کا مجموعہ ایک عدد سے کم ہوتا ہے۔ لیکن اگر کہا کہ تجھ پر آدھی طلاق اور اس کی ایک تہائی اور ایک چوتھائی ہے تو دو طلاقیں واقع ہوں گی کیوں کہ ان اجزائے طلاق (یعنی نصف اور ایک تہائی اور ایک چوتھائی) کا مجموعہ پورے عدد سے بقدر چھٹے حصے کے نصف کے (یعنی بارہویں حصے کے) زیادہ ہے لہٰذا دو طلاق واقع ہو گی۔ اور ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ اس کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔

واضح ہو کہ یہ مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ طلاق کی نسبت ضمیر سے کی جائے (جس کا مرجع طلاق ہو) جیسا کہ بتایا گیا لیکن اگر ہر جزو کی نسبت طلاق کی طرف کی گئی اور یوں کہا کہ تجھے نصف طلاق ہے اور ایک تہائی طلاق ہے تو ان میں سے ہر لفظ طلاق سے ایک ایک طلاق واقع ہو گی (یعنی تین طلاقیں عائد ہوں گی) بشرطیکہ کلمۂ عطف (یعنی واؤ یا اور) درمیان میں لایا گیا ہو اور بیوی مباشرت شدہ ہو۔ اگر کہا کہ تجھے آدھی طلاق ہے اور اس کے بعد کلمہ عطف واؤ (یا اور) استعمال نہیں کیا تو صرف ایک طلاق ہو گی بشرطیکہ ان اجزاء کا مجموعہ ایک عدد سے زائد نہ ہو جائے۔ زیادہ ہو گیا تو جزو زائد کو ایک طلاق شمار کیا جائے گا جیسا کہ عبارت بالا میں بتایا گیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ طلاق دینے والا ذی علم یا فلسفی ہو یا بطور مزاح کے اس طرح طلاق دے یا پھر ریاضی دان ہو۔ اور ایسا شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تجھ پر آدھی طلاق ہے یا طلاق کا ایک نہایت معمولی سا جزو بیان کرے مثلاً یوں کہے کہ تجھ پر ایک طلاق کا لاکھواں حصہ ہے تو اس سے ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ متعدد اجزاء بیان کرے لیکن حرف عطف کا استعمال نہ کرے مثلاً یوں کہے کہ تجھ پر ایک طلاق کا تیسرا حصہ، طلاق کا چوتھائی حصہ طلاق کا پانچواں حصہ ہے۔ ایسی حالت میں ان تمام اجزاء کو جن کا ذکر کیا ہے جمع کیا جائے گا۔ اگر ان کا مجموعہ ایک طلاق کے برابر یا کم ہو تو ایک طلاق پڑے گی۔ اور ایک طلاق سے زائد ہو جائے خواہ معمولی سی زیادتی ہو تو اسے دوسری طلاق تصور کیا جائے گا۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔

تیسری صورت یہ ہے کہ متعدد اجزائے طلاق کو ضمیر (راجع بسوئے طلاق) کی طرف نسبت کی جائے۔ خواہ کلمہ عطف کے ساتھ یا بغیر کلمہ عطف کے مثلاً یوں کہا کہ تجھ پر نصف طلاق اور اس کی ایک تہائی طلاق اور اس کا پانچواں حصہ اور اس کا چوتھائی حصہ ہے تو اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر مجموعہ اجزاء ایک عدد سے زائد ہو جائے تو زائد کو ایک طلاق مزید تصور کیا جائے گا اور بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس کو شمار نہ کیا جائے گا کیوں کہ اس ضمیر کا مرجع ایک ہے اس لئے صرف پہلے جزو کو طلاق قرار دیا جائے گا اور مزید جزو کو شمار نہ کیا جائے گا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ متعدد اجزاء کو کلمہ عطف کے ساتھ طلاق کی طرف نسبت کیا جائے۔ مثلاً یوں کہے کہ تو نصف طلاق کی اور طلاق کے چھٹے حصے کی اور طلاق کے چوتھائی حصہ کی طلاق یافتہ ہے تو اس صورت میں اس پر تین طلاقیں پڑ

Marfat.com

جائیں گی کیوں کہ اس عبارت میں ایک طلاق کے متعدد اجزاء یعنی نصف اور چھٹے حصے کو طلاق کی طرف' جو اسم نکرہ ہے' نسبت کی گئی ہے لہٰذا وہ سب طلاقیں ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں' کیوں کہ اسم نکرہ جب دوسری بار بولا جائے تو وہ پہلے سے مختلف ہوتا ہے لہٰذا ہر جزو جو (طلاق کے ساتھ) بولا گیا وہ مستقل طلاق کی طرف منسوب ہے۔ لہٰذا اسے ایک مستقل طلاق شمار کیا جائے گا۔ یہ صورت اس کے برخلاف ہے جبکہ ضمیر کی طرف طلاق کو منسوب کیا جائے کیوں کہ پہلے ہی جزو (کے طلاق) کی طرف لوٹے گی لہٰذا پہلے ہی طلاق کو شمار میں لیا جائے گا۔ یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ بیوی مباشرت شدہ ہو۔ اگر مباشرت شدہ نہیں ہے تو (بہر صورت) ایک طلاق واقع ہوگی' جیسا کہ بتایا گیا۔

اگر بالفرض کسی شخص پر ریاضی کا بھوت سوار ہو اور وہ اپنی بیوی سے کہے کہ تجھ پر دو طلاقوں کے تین نصف ہیں تو اس (کے نتیجے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس سے تین طلاقیں پڑ جائیں گی کیوں کہ دو طلاقوں کا نصف ایک طلاق ہوئی اور تین آدھی طلاقیں تین طلاقیں ہوئیں اس واسطے کہ ہر نصف طلاق جداگانہ طلاق ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس سے دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ کیوں کہ اگر دو طلاقوں کو (الگ الگ) آدھا آدھا کیا جائے تو ہر طلاق کے دو نصف ہوں گے لہٰذا طلاقوں کے چار آدھے ہوئے۔ اس طرح تین آدھی طلاق ایک پوری اور ایک آدھی طلاق (یعنی ڈیڑھ طلاق) ہوئی۔ پس دو طلاق عائد ہوئی کیوں کہ نصف طلاق کو ایک شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ اس واسطے کہ جب کہا جائے کہ دو طلاقوں کے تین نصف تو اس کے معنے ہوں گے کہ دو طلاقوں کے مجموعے کے تین نصف حصے اور دو طلاقوں کے مجموعے کا نصف ایک طلاق کامل ہوتا ہے۔ لہٰذا (جبکہ ایک نصف ایک طلاق ہوا تو) تین نصف تین طلاقیں ہوئیں۔ ہاں اگر یوں کہا کہ تجھ پر دو طلاقوں میں سے ہر ایک کے نصف کے تین حصے کی طلاق ہے۔ اس کے یہ معنے ہوں گے کہ ہر طلاق کا جداگانہ نصف کیا جائے اس طرح پر ہر طلاق دو نصف ہو جائے گی (یعنی چار آدھے) اور ان نصف حصوں میں سے تین حصے (تین آدھے) ایک طلاق اور نصف طلاق ہوگی اور اس طرح دو طلاقیں پڑیں گی (یعنی دو نصف پوری طلاق اور ایک نصف آدھی طلاق۔ جو پوری کے برابر ہوتی ہے)۔

اگر یوں کہا کہ ایک طلاق کے تین آدھے حصوں کی طلاق تجھ پر ہے تو دو طلاقیں عائد ہوں گی کیوں کہ ایک طلاق دو آدھی طلاقوں پر مشتمل ہے اسے ایک پوری طلاق شمار کیا جائے گا اور تیسرے نصف حصہ کی طلاق بھی پوری طلاق ہوگی کیوں کہ یہ بات بتائی جاچکی ہے کہ ایک طلاق کا جزو خواہ کتنا ہی تھوڑا ہو پوری طلاق متصور ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کہا کہ تو ایک طلاق کی چار تہائیوں یا پانچ چوتھائیوں کی طلاق یافتہ ہے تو اس سے دو طلاقیں لازم ہوں گی کیوں کہ تین تہائیاں ایک پوری طلاق ہوئی اور اس سے ایک تہائی اور ایک چوتھائی جو زیادہ ہوئی وہ بھی ایک کامل طلاق متصور ہوگی۔ یہی صورت پانچ چوتھائی طلاق کی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

اگر بیوی سے کہا کہ تجھ پر دو طلاقوں کے آدھے طلاق ہیں تو اس سے دو طلاقیں عائد ہوں گی کیوں کہ اس میں ہر نصف طلاق کو ایک کامل طلاق شمار کیا جائے گا۔

اگر بالفرض کسی ریاضی دان نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''انت طالق من واحد الی ثنتین' '(یعنی تجھ پر ایک سے دو طلاقوں تک طلاق ہے یا یوں کہا کہ ''انت طالق مابین واحدۃ الی ثنتین ''(یعنی تو ایک طلاق سے دو طلاقوں کے

Marfat.com

درمیان طلاق یافتہ ہے) یا من واحدة الی ثلاث کہا (یعنی ایک سے تین تک تجھے طلاق ہے) تو پہلی مثال میں ایک طلاق واقع ہوگی اور دوسری مثال میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو طلاقیں ہوں گی اور صاحبینؒ کے نزدیک پہلی مثال میں دو اور دوسری صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی اور امام زفرؒ کے نزدیک پہلی مثال میں کوئی طلاق نہ ہوگی اور دوسری میں ایک طلاق واقع ہوگی۔اس کا سبب وہ یہ فرماتے ہیں کہ طلاق امور ممنوعہ میں سے ہے' کیوں یہ بلاضرورت مباح نہیں ہے اور اس امر ممنوع کی ابتداء اور اخیر ہو یا یوں کہیں کہ اس کی دو غایتیں (یا سرے) ہیں تو ایسے اقوال میں پہلی غایت (یا ابتداء) داخل ہوگی دوسری نہ ہوگی۔ پس اگر کہا کہ ایک سے دو طلاقوں تک تجھ پر طلاق ہے تو پہلا سرا یعنی ایک طلاق اس میں داخل متصور ہوگا۔یعنی ایک طلاق واقع ہوگی اور دوسرا سرا جو لفظ 'الیٰ' کے بعد (یا ترجمہ میں 'تک' سے پہلے ہے) یعنی 'دو' داخل نہ ہوگا (غرض یہ ہے کہ ایک طلاق ہوگی دو نہ ہوں گی)۔اگر کہا کہ تجھ پر ایک سے تین طلاقیں ہیں تو دوسرا سرا یعنی تین داخل نہ ہوگا۔ بلکہ تین سے جو کم ہے یعنی ایک یا دو طلاقیں وہ داخل ہوں گی لہٰذا دو طلاقیں واقع ہوں گی۔لیکن اگر وہ شے جس کی تعداد بتائی گئی ہے کوئی شے مباح (غیر ممنوع) ہے مثلاً کسی کو کہا کہ میرے مال میں سے ایک سے دو اشرفیوں تک لے لو تو اس میں دونوں غایتیں شامل ہیں لہٰذا اس لفظ میں دونوں غایتیں شامل ہیں اور لینے والے کو حق ہے کہ وہ تین اشرفیاں لے لے جن کا ذکر پہلی اور دوسری غایتوں میں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بقول امام ابوحنیفہؒ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ پر ایک سے تین طلاق تک ہے تو اس میں دو کا عدد بلا اختلاف شامل ہے' کیوں کہ وہ ایک اور تین کے درمیان واقع ہے اور یہی وہ تعداد ہے جس پر لفظ دلالت کرتا ہے اور جو مقصود ہے۔اور ایک یا تین کا عدد یعنی جو پہلے یا دوسرے سرے میں آیا ہے وہ امر ممنوعہ کی صورت میں شامل نہیں ہے کیوں کہ اس امر کا ممنوع ہونا اس بات کا ایک قرینہ ہے کہ کلام کے مفہوم سے جو بات باہر ہے وہ مراد نہ ہو۔ اب ایسی صورت میں جبکہ اس کلام سے دوسری طلاق کا مراد لینا ممکن نہیں ہے جب تک کہ پہلی کا تحقق نہ ہو۔لہٰذا پہلی طلاق کو اس میں داخل کرنا لازم ہوا تاکہ دوسری کا تصور کیا جاسکے۔رہی تیسری طلاق سو اسے مفہوم میں داخل کرنے کی ضرورت نہ رہی کیوں کہ تیسری کے بغیر دوسری طلاق کا تصور تو ہوسکتا ہے۔(دوسری کا پہلی کے بغیر نہیں ہوسکتا)۔

یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جبکہ دونوں سروں کا درمیانی حصہ متصور ہو جیسا کہ مذکور ہوا۔لیکن اگر درمیان میں کوئی عدد نہ ہو مثلاً کوئی کہے کہ ''تو ایک سے دو تک طلاق یافتہ ہے'' تو اس میں لفظ طلاق یافتہ آنے کے باعث ایک طلاق واقع ہوجائے گی اور ''ایک سے دو تک'' کے الفاظ لغو متصور ہوں گے۔کیوں کہ دوسری غایت (یعنی دو تک کے الفاظ) بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن پہلی غایت (یعنی لفظ واحدہ یا ایک) اس عبارت میں داخل ہوگی۔اس سے لفظ طالق کے مفہوم میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا (یعنی تجھے طلاق ہے کہا جائے یا تجھے ایک طلاق ہے دونوں کا مفہوم ایک ہے)۔لیکن امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ ''میں نے اس دیوار کو اس جگہ سے لے کر اس جگہ تک فروخت کردیا'' اس میں دونوں غایتوں (جگہیں) بالاتفاق داخل نہ ہوں گی۔کیوں کہ جس شخص کی حد مقرر کردی جائے اس شے میں حد (کنارے) داخل نہیں ہوتے۔بنابریں اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو ''ایک سے تین تک طلاق یافتہ ہے تو پہلا سرا یعنی ایک خارج ہوجائے گا اور اسی طرح دوسرا سرا یعنی تین بھی خارج ہوگا اور جو ان کے درمیان کا عدد ہے یعنی دو وہ

Marfat.com

واقع ہوگا۔ پس اگر کہا کہ تجھے ''ایک سے دو تک'' طلاقیں ہے تو اس سے کوئی طلاق نہ پڑے گی کیوں کہ ایک اور دو کے درمیان کوئی عدد نہیں ہے۔ اور دونوں سرے کلام کے مفہوم سے خارج ہیں۔ اور قیاس (یعنی قواعد) کی بنا پر یہی بات ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ کی نظر عرف عام پر ہے کہ لوگ ایسی شے کا ذکر کرتے ہیں جس کے دو کنارے اور ایک درمیانہ ہو تو ان کا ارادہ زیادہ سے کم والی مقدار ہوتی ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کہے کہ میری عمر چالیس سے پچاس سال تک ہے تو اس کا مقصد چالیس سے زیادہ اور پچاس سے کم ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تجھے ایک سے تین تک طلاقیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسے ایک سے زیادہ اور تین سے کم طلاقیں ہوئیں۔ یعنی دو طلاقیں۔ پس اسی عرف عام کی بناء پر استحساناً (بہتر سمجھتے ہوئے) عمل کیا جائے گا۔ (اور دو طلاقیں واقع ہوں گی)۔

اگر کسی نے کہا کہ ''انت طالق فی اثنتین'' (یعنی تجھ پر دو میں ایک طلاق ہے) اس عبارت کے تین مفہوم ہو سکتے ہیں:

ایک مفہوم میں کلمہ عطف کے معنے نکلتے ہیں۔ گویا یوں کہا کہ تجھے ایک اور دو طلاقیں۔ اگر نیت میں یہی مفہوم تھا تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی درآنحالیکہ بیوی مباشرت شدہ ہو اور یہاں مباشرت سے مراد صحبت یا تخلیہ (خلوت صحیحہ) ہے۔ کیوں کہ طلاق ثانی پڑنے کے لئے تخلیہ (خلوت صحیحہ) کا ہو جانا کافی ہے۔ اگر عورت مباشرت شدہ نہیں ہے یا اس سے تخلیہ (خلوت صحیحہ) نہیں ہوا تو اس پر صرف ایک طلاق عائد ہوگی کیوں کہ ایک طلاق کہنے کے ساتھ ہی وہ عورت زوجیت سے خارج ہو جائے گی۔ اس کے بعد ''اور دو'' کے الفاظ کا ادا کرنا بے محل ہوگا اور اس کا کچھ اثر نہ ہوگا۔

دوسرا مفہوم کلمہ 'معیت' کا ہے۔ گویا اس نے یوں کہا کہ ''تجھے ایک طلاق ہے دو طلاقوں کے ساتھ'' اگر اس معنے کی نیت کی تو قطعی طور سے تین طلاقیں عائد ہوں گی خواہ وہ عورت مباشرت شدہ ہو یا نہ ہو۔ کیوں کہ اس طرح کہنے سے تینوں طلاقیں بیک وقت واقع ہوں گی لہٰذا زوجیت کا رشتہ مباشرت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو دونوں صورتوں میں جاتا رہے گا۔ غیر مباشرت شدہ عورت ایک طلاق سے بائن نہیں ہوئی۔ بعد کی طلاقیں اس پر عائد نہیں ہوں گی۔

تیسرا مفہوم (دونوں عدد کو باہم) ضرب دینے کے معنوں میں ہے اس کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ یہ کلام ریاضی کی عام اصطلاح کے مطابق ہو جیسا کہ قاعدہ کہتا ہے۔ ایسی حالت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی (کیوں کہ ایک ضرب دو برابر ہے دو کے) ریاضی دانوں کے نزدیک واحدۃ فی اثنتین کے معنے ایک کو دو میں ضرب دینے کے ہیں لہٰذا (ایک ضرب دو) کہنے کے معنے یہ ہیں کہ ایک عدد کو دو میں ضرب دی جائے (جس کا حاصل ضرب دو ہوگا) لہٰذا دو طلاقیں واقع ہوگی اور حقیقت یہی ہے۔ کیوں کہ یہ لفظ (فی یا در) علمائے حساب کی اصطلاح میں بھی مفہوم رکھتا ہے۔ پس اگر ان الفاظ کے کہنے والے کی نیت بھی یہی تھی تو یہی مفہوم لازم ہوگا اور اس صورت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ (اس عبارت میں) لفظ فی (یعنی در) اپنے حقیقی معنی ظرفیت میں استعمال ہوا ہے اور لفظ ثنتان (یعنی دو) میں ظرف بننے کی صلاحیت نہیں ہے اس لئے اس عبارت میں ذاتی طور پر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ اس سے دو طلاقیں مراد ہوں' یہاں تک کہ اس کی نیت کی جائے تب بھی (طلاق کا مفہوم نہ ہوگا) بلکہ یہ ایسا ہوگا جیسے کوئی کہے کہ مجھے پانی پلا اور (ان الفاظ سے) نیت طلاق کی ہو۔ اس کہنے سے کچھ نہیں ہوتا اور (دو طلاقوں کا وقوع) اس لئے ہے کہ یہ بات معلوم ہے کہ الفاظ ''واحدۃ فی اثنتین'' (یعنی یکے در

Marfat.com

دو) اہل حساب کی اصطلاح میں صراحۃً ایک عدد کو دوسرے میں ضرب دینے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ کلام اہل حساب کی اصطلاح میں نہ کہا گیا ہو بلکہ ایک طلاق کی متعدد اجزاء کی نیت کی ہو جیسا کہ بظاہر لفظ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی۔ کیوں کہ ایک طلاق کو بہت سے ٹکڑوں میں ادا کرنے سے وہ ٹکڑے ایک عدد سے باہر نہیں ہو جاتے۔ اسی طرح اس صورت میں جبکہ کوئی نیت نہ ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی جیسا کہ ''تجھے طلاق ہے'' کہنے سے ایک طلاق ہوتی ہے۔ اگرچہ نیت نہ ہو۔

اگر یوں کہا کہ ''انت طالق ثنتين في ثنتين'' یعنی تجھے دو در دو طلاق ہے۔ اس میں اگر حرف عطف (واؤ) کے مفہوم کی نیت کی تو گویا یوں کہا کہ تجھے دو اور دو طلاقیں ہیں تو اس صورت میں مباشرت شدہ عورت کو تین اور غیر مباشرت شدہ کو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور اس کے معنے اگر 'معیت' کے لئے تو مباشرت شدہ اور غیر مباشرت شدت دونوں حالتوں میں تین طلاق ہوگی۔ لیکن اگر اہل حساب کی اصطلاح میں ضرب کے معنے لئے جائیں تو تین طلاقیں ہوں گی ورنہ دو طلاقیں عائد ہوں گی۔

یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ طلاق صریح کو صریح تعداد کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہو لیکن اگر کوئی ایسا اشارہ کیا جس سے تعداد سمجھی جاتی ہو تو اس کی تین صورتیں ہوں گی پہلی صورت یہ ہے کہ ایسا لفظ لایا جائے جو اشارہ کی طرف دلالت کرتا ہو اور ساتھ ہی انگلیوں سے تعداد بتائی جائے۔ اس کی بھی دو شکلیں ہیں ایک یہ ہے کہ منہ سے کہے ''ھـکـذا'' (یعنی اتنی) اور کہے کہ تجھے اتنی طلاقیں اور اپنی تین انگلیوں سے اس عدد کا اشارہ کرے۔ ایسی صورت میں اتنی کہہ کر انگلیوں سے جتنی تعداد کا اشارہ کیا اتنی طلاقیں پڑ جائیں گی۔ پس اگر انگلی کے اشارے سے ایک بتایا تو ایک طلاق۔ اگر دو انگلیوں سے اشارہ کیا تو دو اور اگر تین انگلیوں سے اشارہ کیا تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ اگر کسی نے تین انگلیاں کھول دیں اور دو کو بند کر رکھا اور یہ کہنے لگا کہ میرا اشارہ بند انگلیوں کا تھا تو قانوناً اس کی بات تسلیم نہ کی جائے گی بلکہ تین طلاقیں ہو جائیں گی کیوں کہ ظاہراً خیال یہی ہے کہ اس نے تعداد کا اشارہ کھلی انگلیوں سے کیا ہے' بند سے نہیں کیا' تاہم شرعاً اس کی بات مان لی جائے گی اور دو طلاقیں واقع ہوں گی' اور معاملہ اس کے اور خدا کے درمیان ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ کہے کہ اس کا اشارہ ہتھیلی سے تھا تب بھی قانوناً اس کی بات نہیں مانی جائے گی لیکن اگر وہ سچا ہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہوگا۔ ہاں اگر اس نے پانچوں انگلیاں کھول دیں اور دعویٰ کیا کہ میری مراد ہتھیلی سے ہے تو قانوناً اس کی بات نہیں مانی جائے گی' کیوں کہ طلاق کی تعداد صرف تین ہے' پانچوں انگلیوں کا کھول دینا اس امر کا قرینہ ہے کہ اس سے (طلاق کی) تعداد مراد نہیں تھی۔ بایں لحاظ کہ اس نے طلاق کی مثال ہتھیلی سے دی' پس ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اسی طرح اس صورت میں جب کہ اس نے اپنی تمام انگلیوں کو بھینچ رکھا ہو اور کہے کہ میں نے طلاق کو مکے سے تشبیہ دی ہے تو قانوناً اس کی بات مان لی جائے گی۔

دوسری شکل یہ ہے کہ وہ 'مثل' کا لفظ (یعنی ایسی کا لفظ) بولے اور کہے کہ ''تجھے ایسی طلاق ہے'' اور اپنی تین انگلیوں سے اشارہ کرے تو اس صورت میں ''نیت'' کو دیکھا جائے گا۔ اگر اس نے طلاق کی تعداد کو تین انگلیوں سے بتایا ہے تو تین طلاقیں ہوں گی اور اگر طلاق کی شدت کو اس طرح بتایا۔ یا کچھ نیت نہ تھی تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی کیوں کہ اس

Marfat.com

طرح اس نے طلاق کی صفت شدید (یا سخت) بیان کی ہے۔ 'تجھ پر اتنی طلاق' اور 'تجھ پر ایسی طلاق' کہنے میں فرق یہ ہے کہ اتنی کا لفظ تو کسی شے کی ذات کے لئے ہے اور ایسی صفت کے لئے۔ لہٰذا اتنا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ طلاق ایسی شدید ہے (جیسی یہ انگلیاں) تاہم اگر اس سے تین طلاق کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

دوسری صورت (طلاق صریح وابستہ بہ عدد) کی ہے کہ یوں کہا جائے کہ تجھ پر طلاق ہے اور تین انگلیوں سے اشارہ کرے لیکن یہ نہ کہے کہ 'اتنی' یا 'ایسی' اس سے ایک طلاق واقع ہوگی اگر چہ تین کی نیت کی ہو کیوں کہ جس طرح طلاق بغیر منہ سے کہے ثابت نہیں ہوتی اسی طرح طلاق کی تعداد بھی ایسا لفظ کہے بغیر جو اس پر دلالت کرتا ہو ثابت نہیں ہوتی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ تو 'ایسی' ہے اور اپنی انگلیوں سے اشارہ کرے لیکن طلاق کا لفظ استعمال نہ کرے۔ ایسی صورت میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ایسا کہنا لغو ہے اس سے کچھ نہ ہوگا اگر چہ تین طلاقوں کی نیت کی ہو۔ اور ایسا کہنے والے کی دلیل یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک کہ ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جس سے طلاق کا مفہوم نکلتا ہو۔ تین انگلیوں سے محض اشارہ بے معنے ہے۔ کیوں کہ اس سے نہ صراحۃً نہ کنایۃً طلاق کا مفہوم نہیں نکلتا۔ لہٰذا یہ کہنے سے کہ 'تو ایسی ہے' کچھ نہیں ہوتا اگر چہ نیت طلاق کی ہو۔ یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے 'کھا' 'پی' وغیرہ کہنا کہ اس سے کچھ نہیں ہوتا اگر چہ طلاق کی نیت کی جائے۔ یہ تو یہ وجہ درست معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ 'دوسری صورت' میں بتایا گیا ہے کہ جب تک کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جو طلاق پر دلالت کرتا ہو یا اس سے طلاق کا مفہوم نکلتا ہو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر ایسا کوئی لفظ استعمال میں نہیں آیا تو محض نیت سے یہ کام نہیں لیا جا سکتا۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ان الفاظ سے جو کچھ نیت کی ہے وہی واقع ہو جائے گا۔ اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی ان کی دلیل یہ ہے کہ تین انگلیوں سے اشارہ کرنا طلاق مقدر (دل میں مانے ہوئے طلاق) کی تعداد کے قائم مقام ہے۔ تو گویا اس نے منہ سے کہہ دیا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ قول دھاندلی اور مقررہ قاعدہ کے خلاف ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ طلاق ثابت نہ ہوگی جب تک کہ ایسا لفظ نہ بولا جائے جس سے یہ مفہوم نکلتا ہو۔ اور یہ کہیں کہ جس کی نیت کی ہے وہ لفظ مقدر ہے تو اس صورت میں تو کسی بھی لفظ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ مقدر ہے۔ غرض قاعدہ پہلی رائے کی تائید کرتا ہے۔

واضح ہو کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ صراحت ہو تو نیت سے کچھ نہیں ہوتا چنانچہ اگر کہا کہ تجھے طلاق ہے اور نیت تین یا دو طلاقوں کی تھی تو صرف ایک ہی طلاق ہوگی اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر لفظ طلاق سے قید وغیرہ سے چھٹکارا پانے کی نیت ہو تو قانوناً اس نیت کا کچھ اعتبار نہ کیا جائے گا' ہاں شرعاً اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

یہ مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ لفظ طالق (طلاقن) استعمال کیا جائے لیکن اس کی بجائے مصدر طلاق استعمال کیا اور بیوی کو کہا کہ انت الطلاق یا انت طلاق (یعنی تو الطلاق ہے یا تو طلاق ہے) تب بھی اسی طرح ایک طلاق رجعی واقع ہوگی' درآنحالیکہ کوئی نیت نہ کی ہو یا ایک طلاق یا دو طلاق کی نیت کی ہو۔ بخلاف اس کے اگر تین طلاق کی نیت کی تو نیت کے مطابق طلاق ہو جائے گی۔ کیوں کہ لفظ طلاق یا الطلاق مصدر ہے۔ جو ایک کے لئے وضع کیا گیا ہے یا پھر اسم جنس ہے جو کثیر و قلیل سب پر صادق آتا ہے لہٰذا تثنیہ کا مفہوم اس سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ 'دو' کا مفہوم ایک عدد

Marfat.com

مخصوص ہے جو ایک کے منافی ہے۔ پس اس سے تین طلاق مراد لینا تو صحیح ہے دو صحیح نہیں ہے۔

اب رہے کنایات سو کنایات کی اقسام اور ان کے متعلقہ احکامات سابقاً بتائے گئے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ حکم ہے کہ کنایہ کے ان تمام الفاظ سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ کنایہ کے جن الفاظ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ان کے علاوہ اور الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔ پھر ان میں بعض الفاظ ایسے ہیں جن سے بغیر نیت کے کچھ نہیں ہوتا۔ اب اگر ایسا کوئی لفظ بولا گیا اور طلاق کی نیت نہ کی گئی ہو پھر اس کے بعد دو یا تین کا عدد بولا جائے تو اس کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر اس لفظ (کنایہ) سے طلاق کی نیت کی اور پھر لفظوں میں اس طلاق کی صفت بتا دی گئی تو جو نیت تھی اور جو کہا گیا وہی واقع ہوگا۔ مثلاً کسی نے کہا کہ تو 'بائن' (جدا ہونے والی) ہے۔ ساتھ ہی دو کہہ دیا یا تین اور 'بائن' کے لفظ سے طلاقوں کی نیت کی تو جو کچھ بھی نیت کی ہے وہی عائد ہوگا لیکن اگر لفظ بائن سے طلاق مراد لی اور ایک سے زیادہ تعداد میں طلاق کی نیت کی تو یہ نیت اگر دو کی تھی تو ایک ہی طلاق عائد ہوگی۔ البتہ اگر تین کی نیت کی تو تین طلاق واقع ہوگی اس کا سبب کنایات کی تیسری قسم کے بیان میں بتایا جا چکا ہے۔ وہاں پر ملاحظہ ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر طلاق صریح کو کسی صریح تعداد کے ساتھ وابستہ کیا' مثلاً کسی شخص نے بیوی سے کہا کہ تجھے دو طلاقیں یا تین طلاقیں ہیں تو قدرتی طور پر اتنی ہی طلاقیں واقع ہوں گی جس کی صراحت کی گئی۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جبکہ اس کی نیت کی گئی ہو مثلاً یوں کہا کہ تجھے طلاق ہے اور دو یا تین طلاقوں کی نیت کی تو وہی کچھ عائد ہوگا جو اس نے بیان کیا۔ لیکن اگر کوئی نیت نہیں کی تو ایک طلاق عائد ہوگی جیسا کہ طلاق صریح کے بیان میں سابقاً بتایا گیا اگر طلاق کے لفظ کو مکرر ادا کیا تو اس کی دو حالتیں ہوں گی۔ پہلی حالت یہ ہے کہ اس لفظ کو بغیر حرف عطف کے مکرر استعمال کیا ہو۔ دوسری حالت یہ ہے کہ حرف عطف درمیان میں لایا گیا ہو۔ پہلی حالت میں اس کے استعمال کی تین شکلیں ہوں گی۔

پہلی شکل یہ ہے کہ بیوی سے کہے کہ انت طالق' طالق' طالق (یعنی تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے) اس میں نہ صرف حرف عطف ہے نہ حرف شرط ہے۔ ایسی صورت میں یہ حکم ہے کہ اس سے ایک طلاق واقع ہوگی' درآنحالیکہ دوسری اور تیسری بار کہنے کا مقصد محض تاکید ہو۔ خواہ بیوی سے مباشرت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ ایسی صورت میں قسم کھا لینے پر اس شخص کی بات کو قانوناً تسلیم کیا جائے گا۔ اور یہی فتوئ بغیر قسم کھائے دیا جائے گا۔ پھر اگر بیوی مباشرت شدہ ہے تو اس شخص کی بات مان لی جائے گی' اگرچہ پہلے قول اور دوسرے یا تیسرے قول میں لفظ 'طالق' کے درمیان فاصلہ ہو خواہ زیادہ فاصلہ ہو لیکن غیر مباشرت شدہ کی صورت میں دوسرا قول واقع ہوگا' سوا اس صورت کے جبکہ طلاق کا لفظ یکے بعد دیگرے بغیر فاصلہ کے ادا کیا ہو۔ اگر کھانسی وغیرہ کے آ جانے سے الفاظ طلاق کے درمیان فاصلہ ہو جائے تو اس سے کچھ حرج نہیں ہے۔ بعض مالکیہ کا مسلک یہی ہے۔ بعض اصحاب نے یہ شرط لگائی ہے کہ مباشرت شدہ اور غیر مباشرت شدہ کی صورت میں ''طلاق'' کے الفاظ پیوستہ یعنی یکے بعد دیگرے استعمال کئے جائیں اور ان کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو چنانچہ اگر کہا کہ تجھے طلاق ہے اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پھر کہا کہ تجھے طلاق ہے اور اس کا کہنا یہ ہے کہ میں نے دوسری بار یہ لفظ (پہلے قول کی) تائید کی نیت سے کہا تھا تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی اور اس صورت میں عورت اگر مباشرت شدہ ہے تو اس پر دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اگر تین بار کہے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر مباشرت نہ ہوئی ہو تو ایک طلاق بائن

Marfat.com

عائد ہوگی کیوں کہ (بائنہ پر) دوسری طلاق نہیں پڑ سکتی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس شخص نے (تکرار سے تاکید کی نیت نہ کی ہو۔ بلکہ ایک بار طلاق کی نیت کی ہو یا کچھ نیت نہ کی ہو۔ ایسی صورت میں مباشرت شدہ کو تین طلاق ہو جائے گی خواہ وہ لفظ تین بار پیہم کہا گیا ہو یا درمیان میں فاصلہ ہوا ہو۔ لیکن اگر بیوی غیر مباشرت شدہ ہے اور یہ الفاظ مسلسل یکے بعد دیگرے متصلا کہے ہوں تو تین طلاق واقع ہوگی اور اگر ان کے درمیان فاصلہ تھا تو ایک ہی طلاق عائد ہوگی کیوں یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ جب عورت بائنہ ہو جائے (یعنی زوجیت سے خارج ہو جائے) تو بعد کی شامل نہ ہوں گی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ لفظ طلاق بغیر کلمہ عطف کے مکرر لایا گیا ہو۔ اس کی بھی دو شکلیں ہیں۔ ایک شکل یہ ہے کہ (وقوع طلاق کو) ایک شرط کے ساتھ مشروط کیا ہو مثلاً بیوی سے کہا کہ ''اگر زید کے ساتھ ایک لفظ بھی بولی تو تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے'' ایسی صورت میں یہ حکم ہے کہ اگر اس تکرار سے نیت ایک ہی طلاق کی تھی تو ایک طلاق ہوگی۔ اگر ایک طلاق کو بار بار بتانے کی نیت نہ تھی بلکہ تین طلاق کی نیت کی یا کوئی نیت نہ تھی تو تین طلاق عائد ہوگی۔

دوسری شکل یہ ہے کہ طلاق کو متعدد اشیاء کے ساتھ مشروط کیا جائے مثلاً وہ کہے کہ اگر تو نے زید سے بات کی تو تجھ پر طلاق ہے۔ اس گھر میں گئی تو طلاق ہے۔ اپنے باپ کے ساتھ سفر میں گئی تو طلاق ہے۔ ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ (خلاف ورزی کی صورت میں) تین طلاق عائد ہو جائے گی۔ تاکید کی نیت بھی ہو تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس نے متعدد امور کا حلف اٹھایا ہے۔ دوسری حالت میں یعنی جبکہ طلاق کا تکرار حرف عطف کے ساتھ کیا ہو۔ خواہ وہ حرف واؤ (یا اور) یا فا (بمعنی پس) یا ثم (یعنی پھر) ہو۔ مثلاً کہا کہ انت طالق و طالق و طالق یا کہا ثم طالق و طالق (یعنی تجھے طلاق ہے طلاق ہے اور طلاق ہے یا طلاق ہے پھر طلاق ہے اور طلاق ہے) تو اس طرح تین طلاقیں لازم ہو جائیں گی اور اس شخص کا یہ کہنا کہ اس تکرار سے پہلے جو طلاق کہی اس کی محض تاکید کی نیت ہے' تسلیم نہ کیا جائے گا۔ خواہ لفظ طلاق کو مسلسل یکے بعد دیگرے ادا کیا ہو یا ایسا نہ کیا ہو اور خواہ لفظ انت (تو) بار بار نہ کہا ہو جیسا کہ مثال میں ہے یا (اس لفظ) 'تو' کو بار بار کہا ہو۔ مثلاً ''تجھے طلاق ہے اور تجھے طلاق ہے اور تجھے طلاق ہے'' تاہم اگر بیوی غیر مباشرت شدہ ہے تو اس پر تین طلاقیں اس صورت میں پڑیں گی جب کہ اس لفظ 'طلاق' کو پے در پے بغیر فاصلہ کے ادا کیا گیا ہو۔ ورنہ ایک طلاق واقع ہوگی۔

واضح ہو کہ اگر طلاق ٹکڑوں میں دی جائے مثلاً یوں کہا کہ تجھے آدھی طلاق ہے یا طلاق کا ایک حصہ ہے تو اس سے پوری طلاق واقع ہوگی اور اگر کہا کہ تجھ پر دو طلاقوں کا نصف ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی کیوں کہ دو طلاقوں کا آدھا ایک پوری طلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کہا کہ تجھ پر ایک طلاق کا نصف (یعنی آدھی طلاق) ہے تب بھی ایک طلاق واقع ہوگی لیکن اگر اجزائے طلاق کا مجموعہ ایک طلاق سے زیادہ ہو جائے تو اس زیادتی کے مطابق دو یا زیادہ طلاقیں پڑ جائیں گی۔ چنانچہ اگر کہا کہ تجھے آدھی طلاق ہے اور ایک طلاق کی دو تہائی طلاق ہے تو دو طلاقیں عائد ہوں گی کیوں کہ نصف اور دو ثلث کا مجموعہ ایک سے زیادہ ہوتا ہے اسی طرح اگر کہا کہ تجھ پر ایک طلاق کے تین نصف (یعنی تین آدھی طلاقیں ہیں تو دو طلاق عائد ہوگی کیوں کہ تین آدھی طلاقوں کا مجموعہ ایک پوری اور آدھی طلاق ہوتا ہے لہٰذا اس سے دو طلاق عائد ہوگی کیوں کہ

Marfat.com

طلاق کے جزو سے پوری طلاق عائد ہوتی ہے۔ یہی صورت اس طرح کہنے کی ہے کہ تجھ پر ایک طلاق کی چار تہائیاں ہیں' کیوں کہ چار تہائیوں کا مجموعہ ایک پوری طلاق اور ایک تہائی طلاق ہوتا ہے وعلی ہذا القیاس۔

اگر حرف عطف کے ساتھ ایک طلاق کے اجزاء کا ذکر کیا جن کا مجموعہ ایک سے کم ہوتا ہے تو اس سے ایک طلاق لازم ہوگی مثلاً یوں کہا ہو کہ تجھ پر آدھی اور ایک تہائی طلاق ہے۔ لیکن اگر ہر جزو کے ساتھ ایک طلاق کی نسبت کی۔ اور یوں کہا کہ تجھے آدھی طلاق اور تہائی طلاق ہے تو ہر لفظ سے ایک طلاق واقع ہوگی اور اس طرح دو طلاقیں عائد ہوں گی وعلی ہذا القیاس ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی عبارت میں دونوں کسور (اجزاء) کی اضافت ایک طلاق کی گئی ہے۔ لہٰذا ایک طلاق ہوئی اور دوسری عبارت میں ہر کسر کو مستقل طلاق سے نسبت کی گئی ہے۔ لہٰذا اس عبارت میں طلاق کا ہر لفظ مستقل طور پر آیا ہے۔ لہٰذا ہر لفظ سے ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر کوئی حساب دان بیوی سے کہے کہ انت طالق واحدة فی واحدة (یعنی تجھے یکے در یکے طلاق ہے) تو ایک طلاق عائد ہوگی کیوں کہ ایک کو ایک سے ضرب دینے سے حاصل ضرب ایک ہی ہوتا ہے۔ اگر ''انت طالق واحدة فی اثنتین'' (یعنی تجھے یکے در دو طلاق ہے) اور وہ شخص حساب کا قاعدہ جانتا ہو تو دو طلاق لازم ہوگی کیوں کہ ایک کو دو سے ضرب دیا جائے تو حاصل ضرب (دو) ہوتا ہے۔ اگر وہ شخص حساب سے ناواقف ہے تو اس طرح کہنے سے تین طلاقیں عائد ہو جائیں گی۔ گویا اس نے یہ کہا کہ تجھے ایک اور دو طلاق ہے۔ اگر کہا کہ انت طالق اثنتین فی اثنتین (یعنی تجھ پر دو در دو طلاق ہے) تو اس پر تین طلاقیں عائد ہوں گی خواہ وہ حساب دان ہو یا نہ ہو۔

باقی رہا الفاظ کنایہ کے ساتھ تعداد کی نیت کرنے کا حکم سو اس کا بیان مفصل پہلے ہو چکا ہے' وہاں پر ملاحظہ ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر طلاق کے صریح الفاظ کے ساتھ کوئی تعداد بھی بتا دی تو وہی عائد ہوگی۔ چنانچہ اگر کہا کہ تجھ پر تین طلاق یا دو طلاق ہے تو اتنی ہی طلاق لازم ہوگی۔ اور کنایہ کے باب میں سابقاً بتایا گیا ہے کہ اگر کہا کہ ''انت طالق اکثر من واحدة'' (یعنی تجھ پر ایک طلاق سے زیادہ ہے) تو اس صورت میں جو نیت کی ہے وہی لازم ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر کہا کہ تجھ پر ایک طلاق ہے اور دو یا تین طلاق کی نیت کی تو نیت کے مطابق طلاق عائد ہوگی۔ اسی طرح اگر کہا کہ تجھ پر دو طلاق ہے اور نیت تین طلاق کی ہے تو تین طلاق ہو جائے گی۔ بعض اصحاب کی رائے ہے کہ اگر لفظ طلاق کو ایک یا دو کی تعداد سے وابستہ کیا تو اس سے زیادہ کی نیت لغو ہے اور الفاظ ظاہر کے مفہوم کے پیش نظر اس پر عمل کیا جائے گا۔ اس کی تفصیل کنایہ کے بیان میں آ چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔

اگر (طلاق کے لئے) لفظ طلاق کی تکرار کی اور کہا کہ انت طالق' انت طالق' انت طالق (یعنی تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے) یا صرف یہ کہا کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے اور تجھے کا لفظ ہر بار نہیں کہا تو اس کی تین حالتیں ہوں گی:

پہلی حالت تو یہ ہے کہ ان ہی الفاظ کو پے در پے حرف عطف کے بغیر مکرر استعمال کیا جائے۔ بایں طور کہ دو عبارتوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو بلکہ کلام ایسا ہو جسے عرف عام میں متصل کہتے ہیں۔ یعنی اگر گلے میں پھندا پڑ جائے یا آواز رک جانے یا لکنت کے باعث فاصلہ ہو جائے تو اس کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ کیوں کہ اس قسم کا وقفہ عام طور پر

Marfat.com

کلام کے تسلسل کے منافی نہیں کہا جاتا۔لیکن وہ فیصلہ جس سے کلام مسلسل نہیں رہتا وہ یہ ہے کہ بولنے والا) کلام کے درمیان بالارادہ وقفہ کرے اور یہ سمجھا جائے کہ کلام منقطع ہوگیا ہے۔ایسی حالت کی چار توجیہیں ہوسکتی ہیں۔

ایک توجیہ یہ ہے کہ پہلی بار جوانت طالق (یعنی تجھے طلاق ہے) کہا اسی کی تائید اور توثیق کے لئے دوسری تیسری بار اس نے کہا کہ تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے ایسی صورت میں ایک طلاق ہوگی کیوں کہ دوسری اور تیسری بار کہنے سے پہلی بات کا کہنا مقصود ہے۔کوئی نئی طلاق نہیں دی۔اور اس طرح کی تاکید تمام زبانوں میں معتبر ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ صرف دوسری بار کہنے کو تاکید خیال کیا جائے اور تیسری بار جو کہا اس سے ایک اور طلاق کی نیت ہو۔یا کوئی نیت نہ ہو۔ایسی صورت میں دو طلاقیں عائد ہوں گی۔ایک طلاق پہلی بار کہنے سے اور دوسری طلاق تیسری بار کہنے سے، جس میں ایک اور طلاق کی نیت کی گئی یا کوئی نیت نہ تھی۔رہا دوسری بار کہنے کا سو اسے شمار میں نہیں لایا جائے گا کیوں کہ اس سے پہلی بار جو کہا اس کی تاکید پیش نظر تھی۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ تیسری بار کہنے سے دوسری بار کہنے کی تاکید کا ارادہ رہا ہو۔بایں طور کہ پہلی بار اور دوسری بار کی عبارت سے طلاق کی نیت ہو یا کوئی نیت نہ ہو اور تیسری بار جو کہا وہ دوسری بار کہنے کی توثیق کے لئے تھا ایسی صورت میں بھی پہلی اور دوسری عبارت کی بنا پر دو طلاقیں عائد ہوں گی اور تیسری بار کی عبارت لغو متصور ہوگی کیوں کہ وہ محض تاکید کی نیت سے کہی گئی۔

چوتھی توجیہ یہ ہے کہ پہلی بار جو کہا اس کی تائید تیسری بار کہنے سے کی گئی اور دوسری بار جو کہا وہ پہلے قول کی تاکید میں نہ تھا بلکہ طلاق کی نیت تھی یا کوئی نیت نہ تھی۔پھر پہلی بار کی توثیق اس نے صرف تیسری بار کہہ کر کی ایسی صورت میں تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔کیوں کہ پہلی عبارت جس کی تاکید پہلی بار کی عبارت سے کی گئی دونوں کے درمیان دوسری عبارت کا فاصلہ ہوگیا۔(لہٰذا تینوں عبارتیں تین طلاقوں کی حامل ہوں گی)۔

(تکرار طلاق کی) دوسری حالت یہ ہے کہ مکرر عبارتیں بغیر کلمہ عطف کے ہوں اور انہیں یکے بعد دیگرے (بلا فصل) نہ بولا گیا ہو۔بایں طور کہ پہلے اور بعد والے الفاظ کے درمیان کوئی فاصلہ (درمیان میں آنے والا لفظ یا وقفہ) آیا ہو۔اور بالعموم یہ خیال کیا جائے کہ یہ کلام مسلسل نہیں ہے۔اس کی دو صورتیں ہیں۔ایک صورت یہ ہے کہ ہر عبارت کے درمیان لفظ انت (یعنی تجھے) لا کر یوں کہا جائے کہ ''انت طالق انت طالق' انت طالق' '(یعنی تجھے طلاق۔تجھے طلاق۔تجھے طلاق ہے) اور ہر دو عبارتوں کے درمیان وقفہ خاموشی ہو جس سے بالعموم یہ خیال کیا جائے کہ اس نے ہر عبارت کو پہلی عبارت سے الگ کر کے ادا کیا ہے۔ایسی صورت میں تین طلاقیں عائد ہوں گی۔اگر وہ شخص کہے کہ باوجود فاصلہ اور توقف کے اس کا مقصد تاکید تھا تو یہ بات قانوناً تسلیم نہیں کی جائے گی۔باقی رہا اللہ اور اس کے درمیان کا معاملہ سو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ انت طالق (تجھے طلاق ہے) کی تکرار میں لفظ انت (یعنی تجھے) مکرر نہ کہا جائے۔چنانچہ اگر (کسی نے بیوی سے) کہا کہ انت طالق پھر بہت دیر خاموش رہا اس طرح کہ ایسی خاموشی کو بالعموم کلام کا منقطع ہو جانا کہا جاتا ہے اور پھر اس نے لفظ طالق (طلاق ہے) کہا اور تجھے نہیں کہا تو اس سے ایک طلاق ہوگی۔کیوں کہ شافعیہ کے

Marfat.com

نزدیک طالق (طلاق ہے) کہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ انت (تجھے) نہ کہا جائے جیسا کہ "لفظ طلاق کی اضافت عورت کی طرف کرنے" کے بیان میں بتایا جائے گا۔ پس ایسی صورت میں دوسری اور تیسری عبارت پہلی عبارت سے الگ ہوگئی اور لفظ 'انت' (تجھے) کو جو پہلی عبارت میں آیا ہے اس پر ٹھونسا ممکن نہیں ہے بخلاف اس صورت کے جب کہ تمام عبارت متصل ہو۔ ایسی حالت میں دوسری اور تیسری بار جو طلاق کا لفظ استعمال ہوا وہ پہلی بار کے استعمال کا دوبارہ ذکر متصور ہوگا۔

(تکرار طلاق کی) تیسری حالت یہ ہے کہ کلمہ طلاق کو حرف عطف کے ساتھ دہرایا جائے اس کی بھی دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص کہے انت طالق وطالق وطالق (یعنی تجھے طلاق ہے اور طلاق ہے اور طلاق ہے) ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر اس (قول) کے ساتھ کوئی نیت نہ ہو یا تین طلاق کی نیت ہو تو تین طلاقیں ہو جائیں گی اسی طرح اس صورت میں بھی جبکہ پہلی بار کے قول کی تاکید دوسرے اور تیسرے قول سے یا کسی ایک قول سے کی جائے تو اس سے تین طلاقیں عائد ہوں گی۔ تیسرے قول کو دوسرے قول کی تائید تصور کیا جائے تب بھی درست ہے اور دو طلاقیں عائد ہوں گی۔ ان دونوں حالتوں میں فرق یہ ہے کہ انت طالق (تجھے طلاق ہے) میں حرف عطف نہیں ہے اور دوسری اور تیسری بار (لفظ طلاق) حرف عطف کے ساتھ آیا ہے اور حرف عطف کے ساتھ آنے میں دونوں یکساں ہیں لہٰذا وہ پہلی عبارت سے جدا ہیں اور ان دونوں میں سے کسی کو بھی عبارت اول کی تاکید قرار دینا درست نہیں ہے۔ البتہ ان دونوں میں سے دوسرے لفظ سے پہلے قول کی تاکید ہوسکتی ہے بایں لحاظ کے اس کے ساتھ جو 'واؤ' آیا ہے اس نے اس دوسرے کو پہلے کا جزو بنا دیا پس تیسری بار جو طلاق کا لفظ آیا ہے وہ پورا مع 'واؤ' کے اس سے پہلے کے پورے لفظ طلاق کی یعنی طلاق مع واؤ کی تاکید ہے (گویا وطلاق وطلاق یعنی اور طلاق اور طلاق جو آیا ہے وہ ایک طلاق ہوئی۔ اور پہلی عبارت کی طلاق علیحدہ ہوئی۔ پس دو طلاق ہوگئی)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تکرار عبارت میں عطف بغیر واؤ کے ہو مثلاً یوں کہا جائے انت طالق فطالق یا (ف کی بجائے) ثم طالق وغیرہ کہا جائے (یعنی تجھے طلاق ہے' پس طلاق ہے' پس طلاق ہے یا پھر طلاق ہے وغیرہ)۔ اس صورت میں اگر وہ شخص کہے کہ اس تکرار سے نیت تاکید کی ہے تو اسے قانوناً تسلیم نہ کیا جائے گا۔ رہا شرعاً سو یہ معاملہ اس کا اللہ کے ساتھ ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر تاکید کی نیت کی تو ایک طلاق عائد ہوگی اور معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

واضح ہو کہ یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں کہ بیوی مباشرت شدہ ہو اگر مباشرت نہ ہوئی ہو تو ایک طلاق سے زیادہ عائد نہ ہوگی' کیوں کہ پہلی ہی طلاق میں وہ زوجیت سے خارج ہو جائے گی اور (جب بیوی نہ رہی تو) اب طلاق نہیں دی جاسکتی۔

اگر ٹکڑوں میں طلاق دی اور یوں کہا کہ تجھ پر تھوڑی سی طلاق۔ یا طلاق کا ایک حصہ ہے یا آدھی طلاق ہے تو اس سے پوری طلاق عائد ہوگی۔ کیوں کہ طلاق کے ٹکڑے نہیں کئے جاسکتے۔ اگر کہا کہ تجھ پر دو طلاقوں کی آدھی طلاق ہے تو ایک طلاق ہوگی۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ کہا کہ تجھ پر دو آدھی طلاقیں ہیں ایک طلاق ہوگی۔ اور اگر کہا کہ تجھ پر ایک طلاق کی آدھی اور اس کی تہائی طلاق ہے اور ضمیر (اس کی) کا مرجع لفظ طلاق ہے (تب بھی ایک طلاق ہوگی) اگر ہر

Marfat.com

ایک جزو سے جداگانہ طلاق مراد لیا تو اس صورت میں نیت کے مطابق عمل ہوگا۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ یوں کہے کہ تجھ پر ایک طلاق کا نصف اور ایک طلاق کی تہائی ہے تو اس صورت میں دو طلاقیں عائد ہوں گی۔ کیوں کہ کلمہ عطف کو لانے سے دونوں اجزاء کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا پایا جاتا ہے اور دونوں کی اضافت 'طلاق' کے ساتھ کرنے سے وہ دو مختلف طلاقوں کے اجزاء ہو جاتے ہیں۔

اگر کہا کہ انت طالق طلقة فی طلقة (یعنی تو طلاق در طلاق کی مطلقہ ہے) تو اس سے ایک طلاق واقع ہوگی خواہ حساب کے قاعدہ کو ملحوظ رکھ کر کہا ہو یا (لفظ فی سے) معنی ظرف مراد لیے ہوں۔ یا بولنے کے وقت کچھ ارادہ نہ رہا ہو۔ لیکن اگر لفظ 'فی' (یعنی در) کے معنے مع (یعنی ساتھ) کے لئے ہوں تو طلاق عائد ہوگی اور 'فی' کا لفظ (یعنی ساتھ) کے معنے سے استعمال ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وادخلو فی امم (یعنی امتوں میں داخل ہو جاؤ) یعنی امتوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔

اگر کہا کہ انت طالق فی ثنتین (یعنی تجھ پر یکے در دو طلاقیں ہیں اور اس سے ارادہ ایک کو دو کے ساتھ ملانے کا کیا تو تین طلاقیں ہوں گی اور یہ کہنا ایسا ہوگا جیسے یہ کہنا کہ ''انت طالق واحدة مع اثنتین'' (یعنی تجھ پر ایک کے ساتھ دو طلاقیں ہیں)۔ اور اگر اس سے حساب کی اصطلاح مدنظر تھی اور وہ حساب کے قاعدوں سے واقف ہے تو دو طلاقیں ہوں گی۔ کیوں کہ ایک کو دو سے ضرب دینے کا حاصل دو ہوتا ہے۔ اگر وہ شخص حساب کے قاعدہ سے نابلد ہے یا اس نے دو کو ایک کا ظرف قرار دینے کی نیت کی تھی یا کچھ نیت نہ تھی تو ایک طلاق ہوگی۔ اور اگر کہا کہ تجھ پر تین آدھی طلاقیں ہیں تو دو طلاقیں واقع ہوں گی کیوں کہ تین آدھی طلاقوں کا مجموعہ ایک پوری طلاق اور آدھی طلاق ہوتا ہے اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ آدھی طلاق کہنے سے پوری طلاق عائد ہوتی ہے۔ کیوں کہ طلاق کے اجزاء نہیں ہوتے۔

واضح ہوا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے ساتھ ہی اپنی دو یا تین انگلیوں سے اشارہ کیا۔ ایسی صورت میں (دو باتیں ہوں گی) یا تو اشارہ (کی تعین) کے لئے کوئی لفظ استعمال کیا ہوگا کہ انت طالق هکذا (یعنی تجھ پر اتنی طلاقیں ہیں) یا کوئی لفظ نہ کہا ہوگا۔ اب اگر یوں کہا ہے کہ تجھ پر اتنی طلاقیں ہیں یا ایسی بات کہی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا ارادہ طلاق کی جانب اشارہ کرنا ہے۔ مثلاً اپنی انگلیوں کی طرف التفات کیا ہو تو جتنی تعداد کی طرف اشارہ کیا ہے اتنی طاقتیں پڑ جائیں گی خواہ اشارہ ایک طلاق کا ہو یا زیادہ کا۔ اس حالت میں اس کی نیت کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ کیوں کہ ایسا اشارہ جس سے تعداد بتائی جائے وہ صراحت ہے اور اس میں نیت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کی عادت بھی یہ ہے کہ جب کلام کرتا ہے تو انگلیوں کو بلند کر لیتا ہے اور اسی عادت کی بنا پر اس نے انگلی کو کشادہ کیا تو یہ اشارہ واضح متصور نہ ہوگا۔ اگر ایک شخص نے اپنی دو انگلیوں کو بھینچ لیا اور تین انگلیاں کھول دیں اور کہنے لگا کہ اس کا ارادہ بند انگلیوں سے اشارہ کرنے کا تھا اور اس کے لئے قسم کھالی تو قانوناً اس کی بات کو تسلی کر لیا جائے گا۔ اگر انگلیوں کو بغیر کھولے ہتھیلی سے اشارہ کیا تو ایک طلاق لازم ہو جائے گی۔ اگر کہا انت طلاق (تو طلاق ہے) اور طالق (یعنی طلاق پانے والی) نہیں کہا تو اس سے کچھ نہ ہوگا اگرچہ طلاق کی نیت کی ہو کیوں کہ طلاق پر دلالت کرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ بیوی سے کہا کہ انت ثلاثاً (یعنی تجھ پر تین ہے) اور اس سے تین طلاقوں کی نیت کی تو تین طلاقیں لازم ہو

Marfat.com

جائیں گی' کیوں کہ تین کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ اس عبارت میں طلاق کا لفظ محذوف ہے اور گویا یوں کہا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں' لیکن اگر محض تین انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہا ھکذا (یعنی اتنی) اور طلاق کا لفظ نہیں کہا) تو محض لفظ ھکذا سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہاں پر کوئی لفظ محذوف ہے جسے مقدر ماننا ممکن ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر طلاق کی صفت صراحۃً کسی عدد سے بیان کر دی تو وہ تعداد عائد ہو جائے گی' چنانچہ اگر کہا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین طلاقیں ہو جائیں گی اسی طرح اگر تعداد کی نیت کی اور تعداد کی صراحت نہیں کی (تب بھی نیت کے مطابق طلاق ہو جائے گی)۔ اگر کہا کہ انت طالق یا انت الطلاق یا انت طالق الطلاق (یعنی تجھے طلاق ہے یا تو طالق ہے یا تو طلاق سے طلاق یافتہ ہے) اور اس سے دو طلاقوں یا تین کی نیت کی تو جو نیت کی وہی طلاق عائد ہو گی۔ یعنی اگر ایک کی نیت کی تو ایک ایک طلاق لازم ہو گی اور اگر کوئی نیت نہیں کی تب بھی ایک طلاق واقع ہو گی۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر کہا کہ انت طالق (تو طلاق یافتہ ہے) اور اس سے تین طلاقوں کی نیت کی تو اس سے ایک طلاق واقع ہو گی' کیوں کہ لفظ طلاق (طلاق یافتہ) کہنے سے نہ تعداد طلاق ظاہر ہوتی ہے اور نہ بائن (خارج از نکاح ہونا ثابت ہوتا ہے) لہٰذا اس سے ایک طلاق واقع ہو گی اور اس نے جو نیت کی اس کا یہ لفظ متحمل نہیں ہے اور فضول ہے۔ اسی طرح اگر کہا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں۔ اور نیت ایک طلاق کی کی ہو تو اس سے تین طلاقیں عائد ہوں گی کیوں یہ الفاظ اس نیت کے متحمل نہیں ہیں۔

اگر لفظ طلاق کا تکرار بغیر حرف عطف کے کیا مثلاً بیوی سے کہا کہ انت طالق طالق طالق (تو طلاق یافتہ طلاق یافتہ' طلاق یافتہ ہے) اور دوسرے قول سے پہلے قول کی اور تیسرے سے دوسرے اور پہلے قول کی تائید کا ارادہ کیا تو ایک طلاق واقع ہو گی بشرطیکہ یہ کلام متصل ہو یعنی طالق طالق طالق (یکے بعد دیگر) کہا اور درمیان میں توقف نہیں کیا۔ لیکن اگر اتنا توقف کیا کہ اس میں (اور کچھ کلام کرنا) ممکن تھا لیکن کلام نہیں کیا تو تاکید کی نیت سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ پس اگر کسی نے اپنی مباشرت شدہ بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے' اور پھر اتنی دیر خاموش رہا کہ دوسری بار پھر کہہ سکتا تھا لیکن نہیں کہا اور توقف کے بعد کہا کہ تجھے طلاق ہے' تو اس سے دو طلاقیں پڑ جائیں گی۔ اگر بیوی غیر مباشرت شدہ ہے تو اسے صرف ایک طلاق پڑے گی' کیوں کہ پہلی طلاق کے بعد ہی وہ زوجیت سے خارج ہو جائے گی اور اجنبی ہو گی تو اب اسے طلاق نہیں دی جا سکتی۔ اگر کہا کہ ''انت طالق انت طالق انت طالق'' (یعنی تو طلاق یافتہ ہے تو طلاق یافتہ ہے یا تو طلاق یافتہ ہے) اور تیسری بار کہنے سے صرف دوسری بار کہنے کی تاکید مقصود ہو تو یہ درست ہے اور پہلی اور دوسری بار کی عبارت کی بنا پر دو طلاقیں عائد ہوں گی۔ اگر تیسرے قول سے پہلے قول کی تاکید کا ارادہ کیا اور دوسرے قول کو نظر انداز کر دیا تو یہ درست نہ ہو گا۔ بلکہ تین طلاقیں عائد ہو جائیں گی۔ کیوں کہ تاکیدی قول جو تیسرا ہے اور جس قول کی تائید مقصود ہے وہ پہلا قول ہے ان دونوں کے درمیان دوسرے قول کا فاصلہ آ گیا ہے۔ البتہ اگر پہلے قول کی تاکید دوسرے قول اور پھر تیسرے قول سے کی جانے کی نیت ہو تو یہ تاکید صحیح ہے کیوں کہ درمیان میں کوئی غیر متعلقہ فاصلہ نہیں ہے اگر تاکید کی (فی الجملہ) نیت ہے لیکن دوسرے قول سے پہلے کی اور تیسرے قول سے دوسرے کی تاکید کا ارادہ نہیں ہے بلکہ بلا کسی ارادہ کے کہا ہے تو اس شخص کا یہ دعویٰ مان لیا جائے گا اور ایک طلاق واقع ہو گی اور اگر سرے سے تاکید کی نیت ہی نہیں کی اور دوسرے اور تیسرے قول سے طلاق کی نیت کی تو اب تین طلاقیں عائد ہوں گی اسی طرح اگر طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا بلکہ بغیر کسی نیت کے لفظ طلاق کی

Marfat.com

تکرار کی جو کچھ کہا ہے وہی عائد ہو جائے گا۔ (یعنی جتنی بار کہا اتنی طلاق پڑ جائے گی)۔
یہ مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ ایک قول کا تکرار حرف عطف کے بغیر کیا گیا ہو لیکن اگر حرف عطف کے ساتھ (لفظ طلاق کا) تکرار کیا اور یوں کہا کہ انت طالق، وطالق، وطالق (یعنی تو طلاق یافتہ اور طلاق یافتہ ہے) اور دوسرے اور تیسرے قول سے پہلے ہی قول کی تائید کا ارادہ کیا تو یہ درست نہ ہوگا۔ ہاں تیسرے قول سے دوسرے قول کی تاکید ہو تو درست ہے۔ کیوں کہ پہلا قول حرف عطف کے بغیر ہے بخلاف دوسرے اور تیسرے قول کے ان دونوں کے ساتھ حرف عطف ہے۔ لہٰذا دونوں اقوال مساوی ہیں اور ایک کی تائید دوسرے سے ہوسکتی ہے بایں لحاظ نمط کہ تیسرا قول پورا یعنی'' اور طلاق یافتہ'' تاکید ہو دوسرے قول پورے یعنی'' اور طلاق یافتہ'' کی۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ (حرف واؤ کی بجائے) حرف فا (یعنی پس) اور یا حرف ثم (یعنی پھر) کا استعمال کیا جائے مثلاً کہا انت طالق فطالق فطالق یا ثم طالق ثم طالق (یعنی تو طلاق یافتہ ہے پس طلاق یافتہ ہے۔ پس طلاق یافتہ ہے یا پھر طلاق یافتہ پھر طاہر طلاق یافتہ ہے کہ اس میں بھی اگر دوسرے قول سے یا تیسرے قول سے پہلے کی تاکید کا ارادہ کیا تو یہ نیت درست نہ ہوگی بلکہ تین طلاقیں عائد ہوں گی ہاں اگر تیسرے قول سے دوسرے کی تائید کا ارادہ ہو تو درست ہے اور دو طلاقیں عائد ہوں گی۔ کیوں کہ یہ دونوں یعنی دوسرا اور تیسرا قول بایں لحاظ کہ وہ (دونوں اقوال) حرف عطف پر مشتمل ہے مساوی ہیں بخلاف پہلے قول کے کہ اس میں حرف عطف نہیں ہے۔ لہٰذا اس قول کی تائید ایسے قول سے نہیں ہوسکتی جس کے ساتھ حرف عطف ہو۔ اب اگر حرف عطف کے لحاظ سے دونوں عبارتیں مختلف ہوں یعنی ایک کے ساتھ کلمہ عطف'' واؤ'' ہو اور دوسری کے ساتھ'' فا'' ہو اور یوں کہا جائے کہ انت طالق و طالق فطالق یا ثم طالق (یعنی تو طلاق یافتہ اور طلاق یافتہ پس طلاق یافتہ یا پھر طلاق یافتہ ہے) تو اس صورت میں دوسرے قول کی تاکید تیسرے قول سے درست نہ ہوگی، کیوں کہ دونوں کی عبارت مساوی نہیں ہے۔ یعنی دوسری عبارت میں حرف عطف 'واؤ' ہے اور تیسری میں 'فا' یا ثم (یعنی پس یا پھر)۔ حالانکہ تاکید پہلے جیسے الفاظ کے تکرار ہی سے ہوسکتی ہے۔
اگر جزوی طلاق دی مثلاً بیوی سے کہا کہ تجھے تھوڑی سی طلاق ہے یا ایک طلاق کے لاکھوں حصے کی طلاق ہے۔ یا آدھی طلاق ہے تو (بہرصورت) پوری طلاق واقع ہوگی۔ کیوں کہ طلاق کے ٹکڑے نہیں ہوسکتے۔ اور جزو کہنے سے کل عائد ہوتا ہے اگر کہا کہ تجھ پر ایک طلاق کی دو نصف طلاقیں ہیں تو یہ پوری طلاق ہوگی اور یہ کہنا ایسا ہے جیسے یہ کہنا کہ تجھے دو طلاقوں کی آدھی طلاق ہے (یعنی ایک طلاق) اور اگر کہا کہ تجھ پر دو طلاقوں کی آدھی آدھی طلاق ہے تو بایں جہت کہ ہر طلاق کا نصف پوری طلاق ہوتا ہے یوں کہنا گویا یہ کہنا ہے تو بدیں جہت کہ ہر طلاق کا نصف پوری طلاق ہوتا ہے یوں کہنا گویا یہ کہنا ہے کہ تجھ پر دو طلاقیں ہیں۔ اگر کہا کہ تجھ پر دو طلاقوں کی تین نصف طلاقیں ہیں تو اس سے تین طلاقیں عائد ہوں گی کیوں کہ دو طلاقوں کی تین نصف طلاقیں ہیں تو اس سے تین طلاقیں عائد ہوں گی کیوں کہ دو طلاقوں کا نصف ایک پوری طلاق ہے اور اس نے تین نصف طلاقیں کہیں تو گویا یوں کہا کہ تجھ پر تین طلاقیں ہیں۔
اگر طلاق کے اجزاء کے جدا جدا ذکر حرف عطف کے ساتھ کیا تو ہر جزو سے ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر حرف عطف کے بغیر اجزاء کا ذکر کیا تو ایک طلاق عائد ہوئی خواہ اجزاء کی اضافت ضمیر کی طرف کی ہو (جس کا مرجع لفظ طلاق

Marfat.com

طلاق کو کسی وقت یا جگہ کی طرف منسوب کرنے کا بیان

اگر کسی نے طلاق کی اضافت وقت کی طرف کی۔ مثلاً یوں کہا کہ تجھے تیرے شہر میں۔ یا مصر میں طلاق ہے۔ تو اس طرح کہنے سے طلاق پڑنے کے مسائل مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

ہے) یا خود لفظ طلاق کی طرف کی ہو۔ پس اگر کہا کہ تجھے آدھی طلاق' اس کی تہائی طلاق۔ اس کا چھٹا حصہ طلاق ہے تو ایک طلاق لازم ہوگی۔ اسی طرح اگر کہا کہ تجھے آدھی طلاق تہائی طلاق' چھٹا حصہ طلاق ہے تب بھی ایک طلاق لازم ہوگی۔ اگر بیوی سے کہا کہ تجھ پر ایک طلاق کی آدھی طلاق ہے تو اس سے ایک طلاق لازم ہوگی۔ کیوں کہ اگر عطف نہ ہو تو دوسرا قول عین پہلا قول یا اس پہلے قول کا ایک جزو ہوتا ہے اور اگر ان اجزاء سے متعدد طلاقوں کی نیت کی تو جو نیت ہو وہی طلاق عائد ہوگی اگر کہا کہ تو ایک طلاق کا آدھا ایک طلاق کا تہائی اور ایک طلاق کا چھوٹا حصہ طلاق یافتہ ہے تو اس سے تین طلاقیں پڑ جائیں گی کیوں کہ درمیان میں حرف عطف آ گیا ہے۔ جس سے مراد پہلے اور دوسرے میں مغایرت پائی جاتی ہے۔

اگر کہا کہ تجھ پر ایک سے تین طلاق ہے تو دو طلاقیں لازم ہوں گی کیوں کہ از روئے لغت غایت کے بعد جس چیز کا ذکر ہو وہ اس سے پہلے میں شامل نہیں ہوئی۔ سوا اس صورت کے جب کہ لفظ الٰی (یعنی تک) مع (یعنی ساتھ) کے معنوں میں مستعمل نہ ہو۔ اگر مع (ساتھ) کے معنے کا احتمال ہو تو شک پیدا ہوتا ہے' اور شک کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی اگر کہا کہ انت طالق مابین واحدة و ثلاث (یعنی تجھ پر ایک سے تین کے درمیان طلاق ہے) تو دو طلاقیں واقع ہوں گی کیوں کہ وہ ایک اور تین کے درمیان (کا عدد) ہے۔ اور اگر کہا انت طالق طلقة فی ثنتین (یعنی تو یکے در دو کی طلاق یافتہ ہے)۔ اس میں اگر لفظ فی (یعنی در بمعنیٰ' میں) سے مع (یعنی ساتھ) کے معنی مراد لئے ہیں تو تین طلاقیں عائد ہوں گی کیں کہ صرف 'فی' 'مع' کے معنوں میں بھی آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے فادخلی فی عبادی (میرے بندوں میں داخل ہو جا) یعنی میرے بندوں کے ساتھ شامل ہو جا۔ اگر لفظ فی (یا 'در') کے وہ معنے لئے جو اہل حساب میں معروف ہیں تو دو طلاقیں ہوں گی کیوں کہ (طلقة فی ثنتین یا یکے در دو کے معنے ایک کو دو سے ضرب دینے کے ہیں ایک کو دو سے ضرب دینے کا حاصل دو ہے۔ اب خواہ وہ شخص علم حساب کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو لیکن نیت یہی رہی ہو۔ اگر وہ شخص علم حساب سے واقف ہونے کے باوجود کہتا ہے کہ میرا ارادہ ایک طلاق کا ہے تو اس کی بات کو تسلیم کر لیا جائے گا۔ اگر کوئی نیت نہیں کی اور وہ شخص حساب دان ہے تو دو طلاقیں واقع ہوں گی ورنہ ایک طلاق واقع ہوگی۔

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے اتنی طلاق ہے۔ ساتھ ہی اس نے اپنے ہاتھ کی تین انگلیاں کھولیں اور دو کو بھینچ لیا تو اس پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی اگر وہ شخص کہے کہ میں نے اشارہ بند انگلیوں سے کیا ہے تو اس کی بات تسلیم کی جائے گی اور دو طلاقیں عائد ہوں گی اور اگر اس نے تمام پانچوں انگلیاں کھول کر اشارہ کیا تو ایک طلاق عائد ہوگی اور یہ اشارہ انگلیوں کا نہیں بلکہ ہاتھ کا متصور ہوگا۔ کیوں کہ طلاق کی زیادہ سے زیادہ تعداد تین ہے اگر اتنی کا لفظ نہیں کہا بلکہ انگلیوں سے صرف اشارہ کیا تو ایک طلاق عائد ہوگی۔

یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ کوئی نیت نہ رہی ہو۔ ورنہ جو نیت کی اسی کے مطابق طلاق عائد ہوگی۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ طلاق کو جس وقت سے منسوب کیا جائے یا تو زمانہ مستقبل ہوگا یا وہ زمانہ حال یا ماضی کا ہوگا۔

Marfat.com

اور وقت کے ساتھ طلاق کی نسبت کبھی ایک ہی زمانہ کے ساتھ ہوگی اور کبھی دو زمانوں کے ساتھ۔ زمانہ مستقبل سے طلاق کو منسوب کرنے کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص بیوی سے کہے کہ انت طالق غداً (تجھے کل (آئندہ) سے طلاق ہے) ایسی صورت میں کل کے دن کا کوئی حصہ آتے ہی یعنی طلوع صبح کے ساتھ ہی وہ عورت طلاق یافتہ ہوجائے گی۔ اب اگر وہ کہے کہ میں نے دن کے آخر ہونے کی نیت کی تھی تو قانوناً اسے تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ دینی اعتبار سے اس کی بات مانی جاسکتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر کسی نے کہا کہ انت طالق فی الغد (یعنی اگلے دن کے اندر تو طلاق یافتہ ہوگی) اور نیت دن کے آخری حصہ کی ہو تو قانوناً اور شرعاً اسے تسلیم کرلیا جائے گا۔ کیوں کہ اس میں لفظ ''فی'' (اندر) جو آیا ہے اس کے مفہوم میں اگلے دن کا کوئی بھی حصہ شامل ہے۔ لہٰذا دن کے آخری حصہ کی نیت بھی تسلیم کی جاسکتی ہے۔

طلاق کی نسبت دو زمانوں یعنی حاضر و مستقبل سے کرنے کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ انت طالق غدا الیوم (یعنی تو کل۔ آج طلاق یافتہ ہے) یعنی دونوں وقتوں کے درمیان حرف عطف نہیں ہے۔ ایسی حالت میں جو لفظ پہلے کہا اس کا اعتبار ہوگا اور دوسرا لفظ لغو متصور ہوگا۔ پس اگلے روز طلاق پڑے گی اگر (اس کے برعکس) کہا کہ انت طالق الیوم غداً (تجھے آج' کل طلاق ہے) تو اسی روز طلاق پڑ جائے گی۔ اگر حرف عطف کے ساتھ کہا کہ تجھے آج اور کل طلاق ہے تو اس سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی' کیوں کہ اگرچہ حرف عطف جدا جدا طلاقوں کا متقاضی ہے۔ لیکن اس عبارت کی رو سے اگر آج طلاق پڑگئی تو اسی طلاق کی بنا پر وہ کل بھی طلاق یافتہ متصور ہوگی اور اگلے روز طلاق ہونے کے کچھ معنے نہیں۔ اس کے برعکس اگر کہا کہ تجھے کل اور آج طلاق ہے تو دو طلاقیں عائد ہوں گی۔ کیوں کہ جو طلاق کل پڑنے والی ہے اس سے آج کی طلاق لازم نہیں ہوتی (آج والی طلاق دوسری طلاق ہے)۔ اسی طرح اگر کہا کہ تو رات اور دن طلاق یافتہ ہے تو اس سے ایک طلاق ہوگی' کیوں کہ جسے رات کو طلاق ہوئی اس سے اگلے روز بھی وہ طلاق یافتہ ہی ہوگی۔ لیکن اگر کسی نے رات کو کہا کہ تجھے دن اور رات کو طلاق ہے تو اس سے دو طلاقیں عائد ہوں گی۔ کیوں کہ دن کو جو طلاق ہوگی اس سے رات کی یہ طلاق عائد نہیں ہوتی۔ (بلکہ یہ دوسری طلاق ہے) کیوں کہ یہ طلاق کل والی طلاق سے پہلے دی گئی ہے۔ اسی طرح اگر کہا کہ تجھے آج اور مہینے کے شروع میں طلاق ہے تو اس سے ایک طلاق ہوگی کیوں کہ یہ پہلے بتایا گیا ہے کہ آج کی طلاق آج کے بعد کی بھی طلاق ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر طلاق کو دو اوقات زمانہ حاضر و مستقبل سے نسبت دی گئی اور زمانہ حاضر پہلے بولا گیا تو ایک ہی طلاق ہوگی کئی طلاقیں نہ ہوں گی جیسے آج اور کل' کہنے کی صورت میں۔ یا اس رات کا جس میں طلاق دی گئی اور اس کے بعد کا ذکر کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ لیکن اگر پہلے زمانہ مستقبل کا ذکر کیا تو دو طلاقیں ہوجائیں گی۔ کیوں کہ مستقبل کی طلاق سے آج کی طلاق لازم نہیں ہوتی (کیوں کہ آج کی طلاق یافتہ مستقبل کی طلاق یافتہ بھی ہوجاتی ہے) تاہم اگر کسی نے کہا کہ ''تجھے آج طلاق ہے اور جب اگلا دن آئے گا تب طلاق ہے'' تو دو طلاقیں عائد ہوں گی۔ ایک طلاق آج اور دوسری اگلا دن آنے پر کیوں کہ اس شخص نے لفظ 'جب' (حرف شرط) استعمال کرکے دوسرے طلاق کو اگلے دن کے آنے سے مشروط کیا اور پھر اسے ''آج طلاق ہے'' کے ساتھ عطف کیا۔ چونکہ معطوف' معطوف علیہ سے مختلف ہوتا ہے اس لئے دو طلاقیں ہوئیں ایک قطعی (اسی وقت) اور دوسری اگلا روز آنے کے ساتھ مشروط ہے۔ پس یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کو وہی

Marfat.com

ایک طلاق متصور کر لیا جائے جو اس نے آج دی ہے۔ کیوں کہ اس قطعی طلاق کو طلاق مشروط نہیں بنایا جا سکتا جو معطوف ہے۔ وہ معطوف علیہ سے مختلف ہے۔ پس دو طلاقیں متعین ہو گئیں۔ ایک قطعی اور دوسری کل کے آنے پر موقوف ہے۔

اگر کہا "تجھے طلاق ہے' نہیں بلکہ کل سے طلاق ہے" تب بھی دو طلاقیں ہوں گی: ایک زمانہ حال کی طلاق اور دوسری کل (آئندہ) کی طلاق کیوں کہ 'تجھے کہہ دینے سے ایک طلاق تو لازم ہو گئی اب 'نہیں' کہہ کر اسے باطل کرنا ممکن نہیں ہے اگلے روز اس پر ایک اور طلاق پڑ جائے گی۔

طلاق کو زمانہ ماضی سے منسوب کرنے کی مثال یہ ہے کہ بیوی سے کوئی کہے کہ "تو کل (گزشتہ) سے طلاق یافتہ ہے" یا یوں کہے کہ "قبل اس کے کہ میں تجھ سے شادی کروں تجھ پر طلاق ہے" اور اس شخص نے اسی روز شادی کی تو یہ کلام لغو متصور ہوگا اور اس سے کچھ نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس قول میں طلاق کو ایسے وقت سے منسوب کیا گیا ہے جبکہ وہ شخص اس کی عصمت کا مالک ہی نہ تھا۔ اس کے برخلاف اگر کہا کہ "میں نے تجھے کل ہی طلاق دے دی' اور گزشتہ کل ہی کو یا اس سے پہلے شادی ہو چکی ہے تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ یہ طلاق ایسے وقت پر دی گئی جب کہ وہ اس کی عصمت کا مالک ہو چکا تھا اور ماضی کی دی ہوئی طلاق حال پر بھی منطبق ہوتی ہے۔ لیکن اگر کہا کہ "تجھے کل اور آج طلاق ہے" تو اس سے قاعدہ مذکور کے مطابق دو طلاقیں لازم ہوں گی۔ وہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر طلاق کو دو زمانوں سے منسوب کیا جائے اور پہلے زمانہ حاضر کا ذکر نہ ہو تو طلاق کی تعداد دو ہو جائے گی اس کا ایک سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ جس طلاق کا وقوع زمانہ مستقبل میں ہو اس سے زمانہ حاضر میں وقوع طلاق لازم نہیں ہوتا۔ پس اگر کہا کہ تجھے کل آئندہ (یا اگلے روز) اور آج طلاق ہے' تو دو طلاقیں عائد ہوں گی کیوں کہ اگلے روز کی طلاق سے آج کی طلاق جدا ہے (لہٰذا دو طلاقیں ہو گئیں) برخلاف اس کے برعکس کے (کہ آج کی طلاق یافتہ آئندہ کل کی طلاق یافتہ متصور ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک ہی طلاق واقع ہوگی) یہاں پر وہ سبب منطبق نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر کہا کہ "تو گزشتہ کل کے روز اور آج طلاق یافتہ ہے" تو اس کی بابت کہا جائے گا کہ جو طلاق گزشتہ کل والی ہے وہی آج والی طلاق ہے اور اس طرح کہنے کے برعکس ہے کہ تجھے "کل آئندہ اور آج طلاق ہے" لہٰذا ایک طلاق ہوگی' لیکن اس کے برعکس اگر یوں کہا جائے کہ "تجھے آج اور کل گزشتہ یا (پچھلے روز) طلاق ہے" تو دو طلاقیں ہوں گی کیوں کہ آج کی دی ہوئی طلاق کل گزشتہ کی طلاق کو مستلزم نہیں ہے۔ حالانکہ گزشتہ کل کے دن سے آج کا دن نسبتاً زمانہ حاضر ہے۔ اور سابقۃ الذکر قاعدہ کی رو سے اگر زمانہ حاضر کا ذکر پہلے کیا تو طلاق کی تعداد ایک ہی رہتی ہے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ پس جو مثال پیش نظر ہے یعنی "تجھے آج اور آئندہ یا پچھلے روز طلاق ہے" کہنے میں ابتدا زمانہ حاضر سے کی گئی ہے۔ لہٰذا ایک سے زیادہ طلاق نہیں ہو سکتی۔ اب اگر کہا جائے کہ جو طلاق آج واقع ہوئی وہ گزشتہ دن کی طلاق نہیں ہو سکتی' تو دو طلاقیں لازم ہوئیں۔ ایک طلاق آج کے دن کی اور دوسری وہ جو گزشتہ کل کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں یوں کہنے میں کہ "تجھے گزشتہ روز اور آج طلاق ہے" اور "تجھے آج اور گزشتہ روز کی طلاق ہے کوئی فرق نہ رہے گا دونوں صورتوں میں آج کی طلاق سے گزشتہ روز کی طلاق لازم نہیں ہوتی۔ کیوں کہ اس قول میں زمانہ حاضر کا پہلے ذکر آیا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ تعداد طلاق زیادہ نہ ہو پس حق تو یہ ہے کہ کسی نے کہا کہ "تو گزشتہ روز اور آج طلاق یافتہ ہے" تو ایک طلاق واقع ہو' کیوں کہ جو گزشتہ دن کی طلاق یافتہ ہے وہ آج بھی طلاق یافتہ ہے۔ پس ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر کہا کہ

Marfat.com

''تجھے آج اور گزشتہ روز طلاق ہے'' تو دو طلاقیں پڑیں گی کیوں کہ گویا یوں کہا کہ تجھے ایک طلاق آج ہے اور ایک اس سے پہلے کل کی طلاق ہے لیکن قاعدہ مذکورہ میں حاضر اور مستقبل کی نسبت ایسی ہے جیسے آج اور آئندہ کل کی۔ پس اگر طلاق کو مبہم زمانہ ماضی کی طرف منسوب کیا مثلاً یوں کہا کہ ''تو میرے پیدا ہونے سے پہلے یا اپنے پیدا ہونے سے پہلے کی طلاق یافتہ ہے''۔ یا یہ کہ میں نے تجھے بچپن ہی میں طلاق دے دی۔ تو یہ سب لغو ہے اس سے کچھ نہ ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ 'میں نے تجھے سوتے میں طلاق دے دی' یا 'پاگل پنے میں طلاق دی'' تو یہ بھی لغو ہے اس سے کچھ نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس کے معنے طلاق سے انکار کرنے کے ہیں۔ لہٰذا یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کہا کہ میرے مرنے یا تیرے مرنے پر تجھے طلاق ہے تو یہ بھی لغو ہے اور اس سے کچھ نہ ہوگا کیوں کہ طلاق کے لئے وہ وقت بتایا گیا جب کہ عورت کو طلاق نہیں دی جا سکتی اور نہ کوئی شخص طلاق دینے کا اہل ہے۔

اگر کہا کہ ''تجھے مرنے سے دو ماہ پہلے یا اس سے زیادہ عرصہ پہلے طلاق ہے اور اس بات کے کہنے کے بعد دو ماہ گزرنے سے پہلے وفات پا گیا تو طلاق نہ ہوگی کیوں کہ (طلاق کے لئے) موت سے دو ماہ پہلے کی شرط تھی اور شرط کے پورا ہونے سے پہلے ہی وفات پا گیا۔ لیکن اگر دو ماہ گزرنے کے بعد وفات ہوئی تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں اس عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ لیکن وہ طلاق موت واقع ہو جانے پر ہی موقوف نہ رہے گی۔ یعنی وقوع طلاق اس کی موت ہی پر نہ ہوگا بلکہ طلاق کے وقوع کو اس مدت سے نسبت دی جائے گی جو موت سے پہلے اس نے مقرر کی تھی۔ پس اس عورت کے طلاق یافتہ ہونے کا فیصلہ اگرچہ (خاوند کی) موت پر ہوگا لیکن یہ طلاق اس وقت کے آغاز سے مانی جائے گی جو موت سے پہلے اپنے اس قول کے وقت متعین کیا تھا اہل اصول کی اصطلاح میں (طلاق کو وقت سے) منسوب کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکم تو فی الحال عائد کر دیا جاتا ہے لیکن اس کا نفاذ پہلے سے ہوتا ہے بشرطیکہ اس تمام عرصہ میں وہ حکم نافذ ہو سکتا ہو۔ نصاب زکوٰۃ اس کی نظیر ہے (یعنی مال زکوٰۃ کی وہ مقدار جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے) کہ نصاب پورا ہو جائے تو سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی لیکن سال گزرنے پر اس کا نفاذ اس امر پر منحصر ہے کہ وہ نصاب سال کے آغاز میں موجود ہو۔ یعنی اس نصاب پر زکوٰۃ کے واجب ہونے کا ثبوت اس امر پر منحصر ہے کہ سال بھر کی مدت گزر گئی ہو۔ اگر سال نہیں گزرا تو اس کی ادائیگی واجب نہ ہوگی۔ لیکن صاحبینؒ کا کہنا یہ ہے کہ وہ عورت (خاوند کی) موت پر ہی طلاق یافتہ متصور ہوگی۔ اس کے طلاق پانے کی نسبت اس وقت سے نہ کی جائے گی جو اس شخص نے متعین کیا ہے۔ پھر موت کے وقت وہ شخص چونکہ طلاق دینے کا اہل نہ ہوگا لہٰذا اس کا قول لغو ہوگا اور اس سے کچھ نہ ہوگا اور موقوف ہونے کو منسوب ہونے کے مقابلہ میں جو لائے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ زمانہ ماقبل سے قطع نظر حکم فی الحال ثابت ہوگا۔

واضح ہوا کہ (وقوع طلاق کے بارے میں) اس اختلاف سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا البتہ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے قول کے مطابق عورت وارث نہ ہوگی کیوں کہ اسے مدت مقررہ کے آغاز ہی سے طلاق یافتہ قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا خاوند کی وفات سے کم از کم دو ماہ پہلے وہ طلاق یافتہ متصور ہوگی اور اس کی عدت کے دن بھی ختم ہو گئے ہوں گے۔ کیوں کہ دو ماہ میں تین ایام ماہواری کا آ جانا ممکن ہے۔ پس گویا خاوند کی وفات عدت گزارنے کے بعد ہوئی لہٰذا میراث میں اس کا حق نہ ہوگا۔ لیکن یہ قول درست نہیں ہے کیوں کہ جو شخص اپنی بیوی کو اس طرح کی طلاق دیتا ہے وہ فراری ذہنیت کا

Marfat.com

مظاہرہ کرتا ہے اور طلاق دے کر بیوی کو ورثہ سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ خواہ یہ طلاق اس نے مرض کی حالت میں دی ہو یا صحت مندی کی حالت میں۔ پہلی صورت میں (اس کا درست نہ ہونا) ظاہر ہے کیوں کہ حالت مرض الموت میں طلاق دینے سے بیوی کا حق ورثہ ساقط نہیں ہوتا اور دوسری صورت میں (یہ قول نادرست اس لئے ہے کہ) اگر بالفرض خاوند نے اپنے قول میں اس وقت کا تعین کیا اور دو ماہ بعد ہی وفات پا گیا اور عدت کا آغاز اسی وقت متعینہ سے ہو تو اس کی وفات تک تو عورت کی عدت پوری نہیں ہوتی کیوں کہ یہ بات معلوم ہے کہ فراری ذہنیت والے کی بیوی کی عدت دونوں قسم کی عدتوں میں طویل ترین عدت ہوتی ہے لہٰذا وہ عورت وفات کی عدت گزارے گی یعنی چار مہینے دس دن۔ اس لحاظ سے اس کی وفات کے روز دو ماہ اور دس دن کی مدت عدت باقی رہے گی۔ علاوہ اس کے امام صاحبؒ کہتے ہیں کہ ایسی عورت کی عدت (خاوند کی) موت کے وقت سے شروع ہوگی اس وقت سے نہ ہوگی جو خاوند نے اپنے قول طلاق میں متعین کیا تھا۔ کیونکہ عدت کا موجب طلاق کا واقع ہونا ہے اور وقوع طلاق اس وقت مشکوک ہے کیوں کہ ممکن ہے وہ شخص دو ماہ گزرنے سے پہلے وفات پا جائے۔ لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی اور عدت کا موجب مشکوک ہو تو عدت ثابت نہیں ہوتی پس معلوم ہوا کہ وہ عورت بہر حال وارث متصور ہوگی۔

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''تجھے تمام روز طلاق ہے'' تو اس سے ایک طلاق پڑے گی بشرطیکہ اس شخص نے کوئی نیت نہ کی ہو لیکن اگر یہ نیت تھی کہ ہر روز ایک طلاق ہوگی تو اسے تین دنوں میں تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ اس کے برخلاف اگر کہا کہ تجھے ہر روز ایک طلاق ہے تو اس سے تین دنوں میں تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ دونوں (اقوال) میں فرق یہ ہے کہ ''تمام دنوں میں طلاق ہے'' بغیر کسی نیت کے کہنے کے یہ معنے ہیں کہ تمام دن وہ طلاق یافتہ ہونے کی صفت سے موصوف ہوگی۔ گویا کہ اس نے یہ کہا کہ تو آج طلاق یافتہ ہے اور اس کے بعد کے دونوں میں بھی طلاق یافتہ ہے وغیرہ پس تمام دنوں میں طلاق یافتہ ہونے کی صفت سے ہر روز طلاقوں کا ہونا لازم نہیں آتا۔ ہاں اگر ہر روز کے متعدد طلاقوں کی نیت کی تو یہ نیت درست ہے۔ لیکن یوں کہنا کہ تجھے ہر روز طلاق ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ ہر ایک دن طلاق پڑنے کے لئے ظرف (وقت) ہے۔ لہٰذا یہ قول ایسا ہے جیسے یہ کہنا کہ تجھ پر ہر دن ایک طلاق ہے تو اس طرح ہر روز کی طلاق پڑنے سے متعدد طلاقیں ہو جائیں گی۔

اگر کہا کہ ''تجھے ہر جمعہ کو طلاق ہے'' اور کوئی نیت نہیں کی تو ایک طلاق لازم ہوگی۔ اور اگر جمعہ سے پورا ہفتہ مراد لیا تب بھی ایک ہی طلاق ہوگی۔ لیکن اگر خاص جمعہ کے دن کی نیت کی تو اس سے تین جمعہ کے دن گزرنے پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ کیوں کہ ایام جمعہ کے درمیان جس میں اس نے طلاق کا ارادہ کیا فاصلہ واقع ہوا ہے۔ پس اس طرح کہنے سے پہلے جمعہ کو طلاق پڑ جائے گی پھر اس جمعہ اور اگلے جمعہ کے درمیان ہفتہ اتوار وغیرہ کا فیصلہ آ گیا اور جب فاصلہ آ جائے تو طلاق کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔ پس اگر کہا ''تجھے ہر جمعہ کو طلاق ہے'' تو تین طلاقیں تین ایام جمعہ میں واقع ہو جائیں گی خواہ اس کی نیت نہ کی ہو جیسا کہ اوپر تجھے ہر روز طلاق ہے کہنے کی صورت میں بتایا گیا۔ اگر کہا کہ ''تجھے کل مہینے طلاق ہے'' تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ بشرطیکہ ہر مہینے (طلاق کی) نیت نہ کی ہو۔ اگر یہ نیت کی تو تین مہینوں میں تین طلاقیں لازم ہو جائیں گی۔ لیکن اگر کہا کہ ''تجھے ہر مہینے میں ایک طلاق ہے'' تو تین طلاقیں ہو جائیں گی اگرچہ نیت نہ کی ہو اگر کہا کہ ''تجھے

Marfat.com

ہر ماہ کے سرے پر طلاق ہے'' تو اسے تین مہینوں کے آغاز پر تین طلاقیں ہو جائیں گی اگرچہ نیت نہ کی ہو اس لئے کہ مہینے کا سرا اس مہینے کے آغاز کو کہتے ہیں اور یہ وقت اس نے ان الفاظ میں متعین کیا ہے جو اس (مفہوم) پر دلالت کرتے ہیں یعنی سرے کا لفظ۔ پس پہلے مہینے کے سرے اور دوسرے مہینے کے سرے کے درمیان جو دن ہیں وہ (دو طلاقوں کے درمیان) فاصلہ ہے اور جہاں طلاقوں کے درمیان فاصلہ ہو تو طلاقیں متعدد ہو جاتی ہیں جیسا کہ بتایا گیا۔ اس کے برخلاف اگر کہا کہ ''تو کل مہینے طلاق یافتہ ہے'' تو چونکہ مہینہ ایک متصل وقت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ طلاق پورے مہینے سے متصف ہے اور جب تک اس کے خلاف نیت نہ ہو یہی مفہوم لیا جائے گا۔ جیسا کہ 'آج کا دن' کہنے کے بارے میں بتایا گیا۔

یہ مسائل اس صورت کے ہیں جب کہ طلاق کو وقت سے منسوب کیا جائے اگر جگہ سے منسوب کیا مثلاً بیوی سے کہا کہ ''تجھے مصر میں یا مکہ میں یا تیرے شہر یا گھر میں یا سائے میں یا دھوپ میں طلاق ہے'' تو فوراً طلاق پڑ جائے گی۔ اگر وہ شخص کہے کہ میں نے تو اس سے شرط کی نیت کی تھی' یعنی یہ کہ اگر تو مصر میں یا مکہ میں گئی تب تجھے طلاق ہو گی تو قانوناً اس کی یہ بات تسلیم نہ کی جائے گی ہاں دین کی رو سے اس کی بات مانی جا سکتی ہے اور اس کا معاملہ اس کے اور اللہ کے درمیان ہو گا۔

رہا طلاق کا گزشتہ زمانہ یا مستقبل سے وابستہ کرنا سو یہ کہاں تک عقل' شرع اور عادت کی رو سے ممکن یا واجب یا محال ہے؟ اس کی بابت جو حکم ہے اس کی تفصیل اصل کتاب الفقہ (عربی) حصہ دوم طبع سوم کے صفحہ 63 پر ملاحظہ ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ طلاق کو زمانہ یا وقت کے ساتھ وابستہ کرنے کی چند صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ طلاق کو زمانہ ماضی سے منسوب کیا جائے مثلاً کوئی شخص بیوی سے کہے کہ تجھے ''پچھلے دن (کل گزشتہ کے روز) طلاق ہے'' اور ارادہ طلاق ہی کا ہے تو یہ طلاق اسی وقت پڑ جائے گی۔ اگر وہ شخص کہے کہ میں نے تو یہ بات مذاق میں کہی تو تھی اور طلاق کی جھوٹی اطلاع دی تھی تو قانوناً اس کو تسلیم کیا جائے گا لیکن مفتی کی تصدیق ضروری ہے جو طلاق کا فتویٰ اس بناء پر دے گا کہ یہ معاملہ اسکے اور اللہ کے درمیان ہے۔

اگر طلاق کو اپنی یا بیوی کی موت پر منحصر کیا مثلاً یوں کہا کہ تجھے میری وفات یا تیری وفات کے دن طلاق ہے تو یہ طلاق اسی وقت پڑ جائے گی کیوں کہ اس نے طلاق کو ایک ایسے امر سے وابستہ کیا ہے جس کا ظہور میں آنا یقینی ہے یعنی اس شخص کی یا بیوی کی موت۔ اگر اسے اسی وقت طلاق یافتہ نہ قرار دیا جائے تو وہ بیوی اس پر ایک معینہ مدت کے لئے یا بیوی کی زندگی کے لئے حلال ہو گی اور یہ نکاح متعہ کی طرح مقررہ وقت تک کے لئے ہو گا جو امر باطل ہے۔ اور اگر کہا کہ تجھے میرے مرنے سے پہلے طلاق ہے تو یہ بدرجہ اولیٰ باطل ہو گا خواہ اس عرصہ کی کوئی مقدار مقرر کی ہو یا نہ کی ہو۔ بنا بریں (ایسا کہنے سے) فوری طور پر طلاق ہو جائے گی۔ اسی طرح کی ایک مثال یوں کہنا ہے کہ ''تجھے ایک سال یا ایک ماہ بعد یا جمعہ کے بعد طلاق ہے'' تب بھی اسی سبب سے طلاق پڑ جائے گی لیکن اگر بیوی سے کہا کہ تجھے میری موت کے یا تیری موت کے بعد طلاق ہے تو اس سے طلاق نہ پڑے گی اسی طرح اس صورت میں بھی جبکہ کہا کہ اگر میں مر جاؤں یا جب میں مر جاؤں یا جب کبھی میری موت آئے' یا تجھے یہ صورت پیش آئے تو اس سے کچھ نہ ہو گا۔ اس کے برخلاف اگر کہا کہ ''زید کے مرنے پر'' یا ''جس دن زید مرے تجھے طلاق ہے'' ایسی صورت میں اسی وقت طلاق پڑ جائے گی۔ اگر کہا ''میں نے بچپن ہی میں یا

Marfat.com

پاگل پن میں تجھے طلاق دے دی اور وہ شخص بیوی والا ہے اور فی الواقع وہ ایسا ہی تھا تو اس سے کچھ عائد نہ ہوگا۔ اگر طلاق کو ایسے امر سے مشروط کیا جس کا ہونا عقل، عادت یا شرع کی رو سے محال ہے تو طلاق اسی وقت پڑ جائے گی۔ مثلاً اگر یوں کہ "الطلاق یلزمنی لو جاء زید امس لجمعت بین وجودہ وعدمہ" (یعنی طلاق مجھ پر لازم ہے اگر پچھلے روز زید آتا تو یقیناً میں اس میں وجود اور عدم کو یکجا کر دیتا) پس وجود اور عدم کو یکجا کرنا عملاً محال ہے اور ایسا کرنا اگرچہ آمد زید کے ممتنع ہونے کے باعث ممتنع ہے۔ لیکن محض زید کا آنا ممتنع نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔ چونکہ ظاہر الفاظ کی رو سے طلاق کو وجود اور عدم کے جمع کرنے (یا اجتماع ضدین) سے وابستہ کیا ہے لہٰذا یہ طلاق اسی وقت پڑ جائے گی۔ اسی طرح طلاق کو کسی ایسے امر سے مشروط کیا جو عادتاً محال ہو مثلاً یوں کہا کہ مجھ پر لازم ہو گیا طلاق، اگر زید پچھلے روز آتا میں اسے آسمان دنیا پر پہنچا دیتا۔ یہ امر عادتاً محال ہے لہٰذا طلاق اسی وقت واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر طلاق کو کسی ایسے امر سے مشروط کیا جو شرعاً واجب ہے مثلاً یوں کہا کہ اگر زید پچھلے دنوں آتا تو میں اس کا قرض یقیناً ادا کر دیتا تو ان تمام صورتوں میں طلاق فوراً واقع ہو جائے گی۔ اگر طلاق کو ایسے امر سے مشروط کیا جو شرعاً جائز ہے مثلاً یہ کہنا کہ مجھ پر طلاق لازم ہے بشرطیکہ تو پچھلے دنوں آتا تو میں تیرے ساتھ رات کا کھانا کھاتا یا تجھے میوے کھلاتا۔ اس صورت میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ اس سے فوراً طلاق پڑ جائے گی لیکن یہ رائے کمزور ہے۔ قابل اعتماد رائے یہ ہے کہ اس سے کچھ نہ ہوگا بشرطیکہ فی الواقع اس کا یہی ارادہ رہا ہو کہ اس نے یہ عزم کر رکھا ہو کہ اگر زید آجاتا تو وہ اسے کھلاتا پلاتا۔ لیکن اگر وہ اپنے اس قول میں جھوٹا ہے اور اس کا یہ ارادہ نہ تھا تو طلاق پڑ جائے گی (کیوں کہ یہ بھی تعلیق بالمحال ہے)۔

اگر طلاق ایسے امر ماضی سے مشروط کی جو واجب ہے تو اس سے عقد نہیں ٹوٹے گا (یعنی طلاق واجب نہ ہوگی) خواہ وہ فعل عقل کی رو سے واجب ہو یا شرع اور یا عادت کی رو سے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ (مجھ پر طلاق لازم ہے) بشرطیکہ وہ پچھلے دنوں آجاتا تو میں اس کے وجود اور عدم کو یکجا نہ کرتا۔ (وجود وعدم کو یکجا نہ کرنا۔ یعنی اجتماع ضدین نہ کرنا عقلاً واجب ہے) دوسری صورت کی مثال یہ کہنا ہے کہ "بشرطیکہ میں کل نہ سو جاتا تو ظہر کی نماز پڑھتا۔ تیسری صورت کی مثال یہ ہے کہ اگر میں شیر کو دیکھتا تو بھاگ جاتا۔ شیر کو دیکھ کر بھاگنا عادتاً واجب ہے۔

اگر طلاق کو مستقبل کے ایسے کام سے مشروط کیا جو عقلاً، عادتاً یا شرعاً محال ہے تو اس سے بھی طلاق نہیں پڑے گی۔ پہلی صورت کی مثال یہ کہنا ہے کہ تجھے طلاق ہے بشرطیکہ میں اجتماع ضدین کروں۔ دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ اگر میں نے آسمان کو چھو لیا تو تجھے طلاق ہے اور تیسری صورت کی مثال یہ ہے کہ اگر تو نے بدکاری کی تو تجھے طلاق ہے۔ کیوں کہ (اس قول میں) طلاق کو مستقبل میں بدکاری سے مشروط کیا جو شرعاً ممنوع (یعنی محال) ہے۔ بخلاف اس کے اگر کہا کہ اگر میں اجتماع ضدین نہ کروں تو تجھے طلاق ہے۔ یا اگر میں آسمان کو نہ چھو سکوں تو تجھے طلاق ہے یا اگر تو نے بدکاری نہ کی تو تجھے طلاق ہے۔ تو نتیجتاً فوری طور پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ پہلی عبارت صیغہ بر (یعنی نیکی کی عبارت) اور دوسری کو صیغہ حنث (یعنی عہد ٹوٹنے) کی عبارت کہا جاتا ہے۔

اس مسئلہ کی وضاحت اصل کتاب الفقہ (عربی) جزو دوم طبع سوم کے صفحہ 3 اور اس کے آگے کے صفحات میں کی گئی ہے۔

Marfat.com

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر طلاق کو کسی زمانہ مستقبل سے منسوب کیا تو اس کے آغاز ہی سے وہ طلاق واقع ہو جائے گی مثلاً اگر ماہ شعبان میں کہا کہ تجھے ماہ رمضان میں طلاق ہے تو ماہ رمضان کی پہلی رات کے ابتدائی حصہ میں طلاق پڑ جائے گی۔ چنانچہ اگر رمضان کی یکم تاریخ جمعرات کو ہو تو اس سے پہلے بدھ کے روز سورج غروب ہوتے ہی طلاق پڑ جائے گی۔ اگرچہ ہلال رمضان غروب آفتاب سے پہلے ہی دیکھ لیا گیا ہو۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ کہا تجھے فلاں ماہ کی پہلی کو یا آغاز ماہ میں یا مہینے کے سرے پر طلاق ہے تو اس ماہ کی پہلی صبح کو طلاق ہو جائے گی۔ اگر کہا کہ اس ماہ کے اخیر میں تجھے طلاق ہے تو اس مہینے کے دنوں میں سے آخری دن کے آخری حصہ میں طلاق ہو جائے گی۔

یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ ماہ شعبان میں (طلاق کی بابت) کہا ہو لیکن اگر کہا کہ تجھے رمضان کے مہینے میں مثلاً پانچ دن گزرنے کے بعد طلاق ہے تو اگلے سال ماہ رمضان کے پہلے حصہ میں طلاق ہو گی۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اسی وقت طلاق ہو جائے گی۔ بخلاف اس کے اگر کہا کہ تجھے ماہ رمضان یا شعبان میں طلاق ہے تو اسی وقت طلاق ہو جائے گی خواہ یہ بات اسی ماہ میں کہی ہو جس کی تعیین طلاق کے لئے کی ہے یا اس ماہ میں نہ کہی ہو۔

اگر رات کے وقت بیوی سے کہا کہ دن ختم ہونے پر تجھے طلاق ہے تو اگلے روز سورج غروب ہوتے ہی طلاق ہو جائے گی۔ اگر یہی بات دن میں کہی تو اگلے روز سورج غروب ہونے پر طلاق ہو گی۔ اگر کہا کہ آج کا دن ختم ہونے پر تجھے طلاق ہے اور وہ وقت دوپہر سے پہلے کا ہے تو اس روز سورج غروب ہوتے ہی طلاق ہو جائے گی۔ لیکن اگر رات کے وقت کہا کہ آج کا دن گزرنے پر تجھے طلاق ہے تو یہ قول لغو ہے اور اس سے کچھ نہ ہوگا' کیوں کہ وہ دن نہیں تھا بلکہ رات تھی لہٰذا یہ کہنے کے کچھ معنے نہیں کہ آج کے دن تجھے طلاق ہے۔ بخلاف اس کے اگر کہا کہ تجھے آج طلاق ہے تو اسی وقت طلاق پڑ جائے گی خواہ وہ وقت رات کا ہو یا دن کا کیوں کہ جس وقت طلاق تھی اس وقت وہ موجود تھا اور رات کے وقت کسی نے 'آج کے دن' کہا تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر کہا کہ مہینہ گزرنے یا سال گزرنے پر طلاق ہے تو موجودہ مہینہ یا سال کے بعد جب ایک مہینہ پورا یا ایک سال کامل گزر جائے گا تو اسے طلاق ہو گی۔ لیکن اگر بیوی سے کہا کہ تجھے مہینہ گزرنے یا سال گزرنے پر طلاق ہے تو اس مہینہ کے بعد جب نیا مہینہ شروع ہوگا' یا اس سال کے بعد جب نئے سنہ کا آغاز ہوگا تو طلاق پڑ جائے گی۔ لہٰذا اگلے ماہ محرم کی یکم کو طلاق ہو گی۔

اگر طلاق کو زمانہ ماضی سے وابستہ کیا مثلاً یوں کہا کہ تجھے پچھلے دن یا پچھلے مہینے سے طلاق ہے تو اسی وقت طلاق پڑ جائے گی خواہ اسی وقت طلاق دینے کا ارادہ رہا ہو یا پچھلے دن سے طلاق کا ارادہ کیا ہو یا کوئی ارادہ نہ کیا ہو۔

واضح ہو کہ اس کتاب (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ) کی دوسری جلد کے بیان قسم میں یہ بات بتا دی گئی ہے کہ: ''(طلاق کے لئے جس بات کی قسم کھائی اگر وہ بات عقلاً اور عادتاً واجب اور ناگزیر ہے مثلاً یوں کہا کہ اگر مجھے مرنا ہی ہے یا میں آسمان پر نہیں چڑھ سکتا تو تجھے طلاق ہے تو یہ قول لغو ہے اور اس سے طلاق نہ ہو گی اور اگر وہ بات عقلاً اور عادتاً ممکن ہو تو طلاق ہو جائے گی مثلاً یوں کہا کہ 'اگر میں اس گھر میں جاؤں یا اس گھر میں نہیں جاؤں گا تو تجھے طلاق ہے'' کیوں کہ اس شخص کا گھر میں آنا یا نہ آنا عقلاً اور عادتاً ممکن ہے۔ اگر وہ کام عادتاً محال ہو تو تب بھی طلاق ہو جائے گی مثلاً یہ کہا کہ اگر آسمان پر چڑھ جاؤں یا پہاڑ کو اٹھا لوں تو تنبیہً اسی وقت اس پر طلاق عائد ہو جائے

Marfat.com

گی ۔ وغیرہ'' ملاحظہ ہو وہ کتاب ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر طلاق کو زمانہ ماضی سے وابستہ کیا اور کہا کہ تو پچھلے دن کی طلاق یافتہ ہے یا میری شادی سے پہلے کی طلاق یافتہ ہے تو اب اگر اس کا ارادہ اس وقت طلاق دینے کا تھا تو اسی وقت طلاق ہو جائے گی ۔ اگر اس وقت طلاق دینے کی نیت نہیں ہے کہ یونہی کہہ دیا اور کوئی ارادہ نہ تھا یا زمانہ ماضی میں طلاق کا ارادہ تھا تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی ۔ کیوں کہ طلاق کے معنے یہ ہیں کہ بیوی سے بہرہ اندوز ہونا حلال نہ رہے تو اب یہ ممکن ہی نہیں کہ زمانہ ماضی میں جو بیوی حلال تھی اس حلت کو اس وقت دور کیا جائے ۔ کیوں کہ جس وقت بیوی تمتع حلال تھا وہ وقت گزر گیا تو اس وقت اس حلال کو ناروا کرنا بے معنی ہے ۔ ہاں اگر صورت حال یہ ہو کہ اس سے پہلے وہ عورت کسی اور کی بیوی رہی ہو اور اس شخص نے بیوی کو طلاق دے دی اور اب یہ خاوند کہتا ہے کہ میں نے اس کے پہلے خاوند کے اسی طلاق کا ذکر کیا تھا جو اس کے پہلے خاوند نے دی تھی گویا کہ اس نے یوں کہا ''تو پہلے ہی خاوند کی طلاق یافتہ ہے'' تو خاوند کی اس بات کو تسلیم کیا جائے گا ۔ اسی طرح اگر اس عورت نے خود اس خاوند سے طلاق لے لی ہو اور اس نے طلاق دے دی ہو اور پھر دوبارہ شادی کر لی ہو اور اب وہ کہتا ہے کہ میں نے زمانہ ماضی میں طلاق کا جو ذکر کیا وہ اسی طلاق کی بابت تھا تو اس کی بات تسلیم کی جائے گی ۔ البتہ اگر قرینہ اس کے اس دعوے کے خلاف ہو مثلاً دونوں میاں بیوی غصہ میں ہوں یا بیوی نے طلاق کا مطالبہ کیا ہو (اور اس وقت یا اس کے جواب میں یہ بات کہی ہو تو اس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا) ۔

اگر کہا کہ زید کے شہر میں آنے سے ایک ماہ پہلے تجھے طلاق ہے' اور ہنوز وہ مہینہ گزرا نہ تھا کہ زید آ گیا تو طلاق نہ ہوگی بلکہ ضروری ہے کہ زید کے آنے سے پہلے ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا ہو ۔ یہاں تک کہ اگر ایک مہینہ ختم ہونے سے کچھ بھی پہلے زید آ گیا تو طلاق نہ ہوگی ۔ تاہم اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایسی بات کہہ بیٹھا ہے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس قول کے بعد اس سے مقاربت نہ کرے اگر ایسا کیا تو وہ فعل حرام ہوگا درآنحالیکہ وہ طلاق بائن (زوجیت کو ختم کرنے والی) ہو ۔ اور جب تک کہ طلاق کے پڑ جانے کا فیصلہ نہ ہو بیوی کا نفقہ خاوند پر لازم رہے گا ۔ اگر زید ایک ماہ گزرنے پر کسی قدر بعد میں آیا تو طلاق کا وقوع مہینے کے اس حصہ پر ہوگا اور مباشرت حرام رہے گی ۔ اگر طلاق بائن پڑی اور خاوند نے مباشرت کر لی تو عورت سے متمتع ہونے کی پاداش میں اس پر مہر مثل لازم ہوگا ۔ ہاں اگر طلاق رجعی تھی تو یہ فعل حرام نہ ہوگا اور اس کو رجوع قرار دیا جائے گا ۔

اگر طلاق کو زمانہ مستقبل سے وابستہ کیا اور بیوی سے کہا کہ تجھے اگلے روز طلاق ہے تو اگلے روز طلوع فجر کے وقت ہی طلاق ہو جائے گی ۔ اسی طرح اگر کہا کہ تجھے ہفتہ کے روز طلاق ہے یا ماہ رجب میں طلاق ہے تو اس (دن یا مہینہ) کے آغاز میں طلاق ہوگی اور اس حالت میں خاوند کو حق ہوگا کہ طلاق پڑنے کا وقت آنے سے پہلے وہ اپنی بیوی سے مباشرت کرے ۔ اگر وہ کہے کہ میرا ارادہ اگلے روز کے آخری حصہ یا ماہ رجب کے اخیر سے تھا تو قانوناً اور شرعاً اس کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی ۔

اگر کہا کہ تجھے آج طلاق ہے تو اسی وقت طلاق ہو جائے گی اور اگر کہا کہ تجھے اسی ماہ میں طلاق ہے تو فوراً طلاق پڑ جائے گی ۔ اور اگر وہ کہے کہ میرا ارادہ آج کے دن آخری وقت میں طلاق کا تھا تو شرعاً اور قانوناً اس کی بات کو تسلیم کیا

Marfat.com

جائے گا۔ اگر کہا کہ تجھے ماہ رمضان کے آغاز یا اس کے سرے پر طلاق ہے تو اس ماہ کے ابتدائی حصہ میں طلاق عائد ہوگی اور اس کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا جائے گا کہ اس کا ارادہ اس سے مراد اس کی مہینے کا درمیانی یا آخری حصہ تھا۔ اگر غرہ رمضان (یا رمضان کی ابتداء) کا لفظ کہا اور یہ بتایا کہ اس کا ارادہ پہلی یا دوسری یا تیسری تاریخ سے ہے تو اسے تسلیم کیا جائے گا کیوں کہ مہینے کی ابتدائی تین تاریخوں کو غرہ ماہ کہا جاتا ہے۔ اگر کہا کہ رمضان ختم ہونے یا رمضان کے آخر یا اس کے سلخ (یعنی بند مہینے) پر طلاق ہے۔ تو مہینے کے آخری حصہ میں طلاق واقع ہوگی۔ اگر کہا کہ تجھے آج یا کل طلاق ہے' تو اسی وقت طلاق ہو جائے گی۔ اگر کہا کہ تجھے اگلے روز یا آئندہ کل کے بعد طلاق ہے تو اگلے دن ہی طلاق ہوگی کیوں کہ وہ اس کے بعد بھی قائم رہتی ہے اور اگر کہا کہ "انت طالق الیوم وغداً و بعد غد" (یعنی تو آج اور کل اور کل کے بعد طلاق یافتہ ہے) تو آج طلاق یافتہ کہنے سے پہلی بار جو طلاق پڑی وہی ایک طلاق واقع ہوگی کیوں کہ جو طلاق آج واقع ہوئی وہی آئندہ کل کی اور کل کے بعد کی بھی طلاق ہے۔ بخلاف یوں کہنے کے کہ تجھے آج کے دن میں طلاق ہے اور کل کے دن میں طلاق اور کل کے بعد طلاق ہے۔ اس طرح کہنے سے تین طلاق پڑ جائے گی۔ کیوں کہ پہلی عبارت میں فی (میں) کا لفظ بار بار نہیں کہا گیا' لیکن دوسری عبارت میں اس لفظ کی تکرار کی گئی ہے اور بار بار کہنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا ارادہ بار بار طلاق دینے سے ہے۔ اگر کہا کہ تجھے کل دن کی طلاق ہے تو ایک طلاق لازم ہوگی بخلاف اس طرح کہنے کے تجھے ہر دن میں طلاق ہے تو اس سے بھی بوجہ حرف 'میں' کی تکرار کے تین دنوں میں تین طلاقیں عائد ہوں گی۔ اگر کہا کہ تجھے میری یا تیری موت سے ایک ماہ پہلے طلاق ہے تو اگر ایک ماہ سے پہلے کوئی مر گیا تو طلاق واقع نہ ہوگی' اگر اس طرح کہنے کے ایک ماہ اور گھڑی بھر بعد جس میں طلاق دی جا سکتی ہے وفات ہوگئی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اس صورت میں وہ عورت ورثہ کی حقدار نہ ہوگی درآنحالیکہ وہ طلاق بائن ہوئی ہو کیوں کہ اس طرح کی طلاق یمین میں میراث دینے سے گریز کرنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا بخلاف طلاق رجعی کے کہ طلاق رجعی میں ایام عدت کے ختم ہونے تک عورت ورثہ سے محروم نہیں ہوتی۔ اگر کہا کہ میری موت یا تیری موت یا زید کی موت سے پہلے تجھ پر طلاق ہے اور اس کے ساتھ کسی وقت کی قید نہیں ہے (کہ کتنے عرصہ پہلے) تو اسی وقت طلاق پڑ جائے گی اور اگر کہا کہ میری موت سے کسی قدر پہلے طلاق ہے تو اس شخص کی زندگی کے اخیر وقت میں طلاق ہو جائے گی۔ یعنی اس وقت جب کہ اگر طلاق دی جائے تو متصلاً اس کے بعد ہی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اگر یوں کہا کہ تجھے میری موت کے بعد یا میرے مرنے کے ساتھ ہی طلاق ہے تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیوں کہ ایسی حالت میں وہ وقت طلاق کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اگر کسی نے طلاق کو ایسے کام سے وابستہ کیا جو عقلاً اور عادتاً محال ہے مثلاً کہا کہ اگر میں اجتماع ضدین کروں تو تجھے طلاق ہے یا میں اگر آسمان پر اڑ جاؤں تو تجھے طلاق ہے یا کہا کہ اگر میں (سارا) پانی پی جاؤں تو تجھے طلاق ہے تو اس سے طلاق نہ ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر طلاق کو کسی امر محال کے نہ کر سکنے سے مشروط کیا مثلاً یوں کہا کہ اگر میں اس کوزے کا پانی نہ پیوں' حالانکہ کوزے میں پانی ہی نہیں ہے تو اسی وقت طلاق پڑ جائے گی۔ یا یوں کہا کہ اگر میں آسمان پر نہ چڑھ جاؤں یا اگر میں اجتماع ضدین نہ کروں (تب بھی طلاق ہو جائے گی) اندریں باب اصل کتاب (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ) کے حصہ دوم کی بحث یمین میں بہت کچھ بتایا جا چکا ہے۔ اسے وہاں پر ملاحظہ کیا جائے۔

Marfat.com

لفظ طلاق یا اسی جیسے کسی لفظ کے ساتھ کوئی صفت لانے کا بیان

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے سخت طلاق ہے یا لمبی چوڑی طلاق ہے یا تجھے پہاڑ جیسی طلاق ہے وغیرہ تو اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کی تفصیل چند امور پر مشتمل ہے:

ایک امر یہ ہے کہ طلاق کی ایسی صفت لائی جائے جیسی کہ مذکورہ مثالوں میں بتائی گئی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے ایک طلاق بائن (یعنی زوجیت سے علیحدہ کرنے کے لئے طلاق) پڑ جائے گی۔ کیوں کہ صفت کے اضافہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ طلاق کے مفہوم میں مبالغہ پیش نظر ہے۔ ایسی صورت میں عورت کا بائن ہو جانا لازم ہے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ انت طالق طلقة شديدة. او تطليقة شديدة (یعنی تو شدید طلاق کی طلاق یافتہ ہے یا تجھ پر طلاق ہے طلاق شدید)۔ لیکن اگر صفت کے ساتھ طلاق کا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ تو شدید طلاق یافتہ ہے یا پکی طلاق یافتہ یا لمبی طلاق یافتہ ہے تو اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی (جس سے بلا تجدید نکاح رجوع ہو سکتا ہے) یہ طلاق بائن نہ ہوگی (جس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے) کیوں کہ اس میں جو صفت بیان کی گئی ہے وہ طلاق کی نہیں بلکہ عورت کی ہے۔ لیکن اگر کہا کہ تجھے پہاڑ جیسی لمبی طلاق ہے یا زمین جیسی چوڑی طلاق ہے وغیرہ تو اس سے طلاق بائن واقع ہوگی۔

دوسرا امر یہ ہے کہ طلاق کی صفت میں تفصیل کل لائی جائے۔ جیسے بدترین یا خراب ترین طلاق یا سب سے بڑی یا سب سے لمبی چوڑی یا سب سے غلیظ یا سب سے عظیم طلاق۔ تو اس سے بھی پہلی مثالوں کی طرح طلاق بائن واقع ہوگی۔ کیوں کہ صیغہ مبالغہ اس طلاق کا عام طلاق سے مختلف (اس سے بڑھ کر ہونا) ظاہر کرتا ہے۔ پس صیغہ مبالغہ سے متصف طلاق قوی تر ہوگی۔ اور یہی مقصد طلاق بائن کا ہے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ طلاق کو کسی عظیم شے سے تشبیہ دی جائے مثلاً تجھے پہاڑ کی مانند طلاق ہے تو اس سے مثال اول کی طرح طلاق بائن واقع ہوگی کیوں کہ تشبیہ اضافہ کی متقاضی ہے یہی طلاق کا بائن ہونا ہے (جس سے رشتہ زوجیت ٹوٹ جاتا ہے) بعض اصحاب کہتے ہیں کہ طلاق بائن واقع نہ ہوگی جب تک کہ لفظ "عظیم" (یعنی بڑا) استعمال نہ کیا جائے بایں طور کہ وہ کہے کہ تجھے پہاڑ جیسی بڑی طلاق ہے یہ قول امام ابو یوسفؒ کا ہے۔

چوتھا امر یہ ہے کہ طلاق کو کسی معمولی شے سے تشبیہ دی جائے اور بڑائی کا اضافہ نہ کیا جائے۔ مثلاً یوں کہے کہ تجھے سوئی کی نوک جیسی طلاق ہے۔ ایسی صورت میں (وقوع طلاق کی کیفیت کے بارے میں) اختلاف ہے اور قابل اعتماد بات یہ ہے کہ اس سے بھی طلاق بائن پڑ جائے گی۔ امام صاحبؒ کی یہی رائے ہے کہ اگر اس کے ساتھ بڑی کا لفظ بھی لایا جائے کہ تجھے اتنی بڑی طلاق ہے جتنی سوئی کی نوک تو اس صورت میں بعض اصحاب کہتے ہیں کہ طلاق بائن پڑنے کے لئے یہ کافی ہے۔ اور بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ کافی نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر کہا کہ تجھے طلاق ہے اتنی بڑی طلاق جیسے پہاڑ تو بالاتفاق اس سے طلاق بائن پڑ جائے گی اگر "پہاڑ جیسی طلاق" کہا اور یہ نہ کہا کہ اتنی بڑی جتنا کہ پہاڑ ہے تب بھی امام ابو حنیفہؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک طلاق بائن

Marfat.com

ہو جائے گی۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک طلاق رجعی واقع ہوگی کیوں کہ ان کے نزدیک طلاق کے بائن ہونے کے عظیم (بڑائی) کا لفظ شرط ہے اگر کہا کہ تجھے سوئی کی نوک کی مانند طلاق ہے تو صرف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے طلاق بائن پڑے گی۔ اگر اس کے ساتھ عظیم (بڑی) کی صفت بھی بڑھادی مثلاً کہا کہ سوئی کے ناکے کے برابر عظیم (یا بڑی) طلاق تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی یہ طلاق بائن ہوگی۔ کیوں کہ ابو یوسفؒ 'بڑائی' کے لفظ کو بیان کرنا کافی سمجھتے ہیں خواہ مشبہ بہ (جس سے تشبیہ دی جائے) کوئی حقیر سی شے ہو۔ لیکن امام زفرؒ کا کہنا ہے کہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مشبہ بہ بذات خود عظیم (یا بڑی) شے ہو خواہ اس کے ساتھ بڑائی کی صفت بڑھائی جائے یا نہ بڑھائی جائے لہٰذا ان کے نزدیک اس صورت میں طلاق بائن نہیں پڑے گی (جس میں طلاق کو سوئی کی نوک سے تشبیہ دی گئی ہو)۔

اگر کسی نے کہا کہ تجھے ایک ہزار کی مانند طلاق ہے اور اس تشبیہ سے طلاق کی نیت ہے تو تین طلاقیں لازم ہو جائیں گی۔ اگر اس تشبیہ سے صرف یہ نیت تھی کہ بڑی طلاق ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

واضح ہو کہ اگر الفاظ مذکورہ میں سے کوئی لفظ تین طلاق کی نیت سے کہا تو جو نیت کی وہی طلاق ہوگی کیوں کہ یہ بات بتائی گئی ہے کہ تین طلاق کی نیت کرنا درست ہے۔ دو کی نیت درست نہیں ہے۔

اگر کہا کہ تجھے طلاق بدعی ہے اور کوئی نیت نہ تھی تو اس سے ایک طلاق بائنہ پڑے گی۔ تاہم کہا جاتا ہے کہ جب تک ایک طلاق بائن کی نیت نہ کی جائے تو کچھ نہ ہوگا۔ اگر تین طلاق کی نیت کی تو تین طاق واقع ہوگی اگر کوئی نیت نہ تھی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی درآنحالیکہ وہ عورت حالت ایام یا نفاس میں ہو یا حالت پاکی میں ہو جس میں مباشرت ہو چکی ہو۔ ایسی صورت نہ ہو تو طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ اسے ایام آجائیں یا حالت طہر میں مباشرت کی گئی ہو۔ کیوں کہ طلاق بدعی وہ ہے جو ایام ماہواری یا نفاس کے دوران یا ایسے طہر میں دی جائے جس میں مباشرت ہوئی ہو جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

اگر کہا کہ تجھے 'طلاق شیطان والی طلاق ہے' تو اس سے طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور اگر کہا کہ گھر بھر کر تجھے طلاق ہے اور اس سے مقصد تعداد کی کثرت ہے تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی اگر اس سے غرض عظیم (بڑی سی) طلاق ہے یعنی گھر بھر کر' سے مراد کوئی عظیم شے ہو جو اتنی بڑی ہو کہ اس سے گھر بھر جائے تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

اگر کہا کہ تجھے ایک طلاق بائن یا طلاق بتہ ہے (یعنی طلاق قطعی) تو اس سے ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔ اگر ایک طلاق' طلاق بائن کہنے سے ارادہ دو طلاق کا تھا تو اس سے دو طلاقیں لازم ہوں گی کیوں کہ گو ایک طلاق کہنے سے طلاق رجعی ہوتی ہے لیکن اس کی صفت بائن سے جو کی تو وہ طلاق بائن ہوگئی لہٰذا اب اس سے رجوع کرنا ممکن نہیں ہے۔ اگر درمیان میں واو عطف یا حرف عطف ثم (یعنی پھر) لایا اور کہا کہ تو طلاق یافتہ اور بائن ہے یا پھر بائن ہے اور اس سے (تعداد کی) کوئی نیت نہ تھی تو ایک طلاق رجعی لازم ہوگی اگر زیادہ کی نیت ہو تو نیت کے بموجب طلاق واقع ہوگی۔ اگر حرف 'فا' (پس) کے ساتھ عطف کیا اور کہا کہ تجھے طلاق ہے پس تو بائن ہے تو اس سے دو طلاق واقع ہوگی اگرچہ اس کی نیت نہ کی ہو دونوں میں فرق یہ ہے کہ حرف فا تعقیب بلا مہلت کے لئے آتا ہے (یعنی دوسری بات پہلی بات کے متصلاً واقع ہو تو حرف ف (یا پس) سے عطف کیا جاتا ہے اور بائن ہونا طلاق کے بعد بلا توقف ہوتا ہے پس گویا اس نے یہ کہا کہ تجھے طلاق بائن ہے۔ اس کے برخلاف حرف 'ثم' یعنی پھر کے ساتھ عطف کرنے میں تاخیر پیش نظر ہوتی ہے۔ اور جس

Marfat.com

طلاق کے ساتھ بائن ہونے کا ذکر تاخیر کے ساتھ ہو وہ لغو ہے رہا حرف واؤ کے ساتھ عطف کرنا سو اس میں دونوں احتمال ہوتے ہیں یعنی تعقیب (بلامہلت) یا بتراخی (یعنی تاخیر کے ساتھ)۔ لہٰذا تراخی یا تاخیر کو پیش نظر رکھ کر عمل کیا جائے گا۔ اگر کہا جائے کہ تو ایک طلاق کی طلاق یافتہ ہے۔ تجھے اختیار ہے' تو طلاق بائن پڑے گی کیوں وہ صرف طلاق بائن کا احتیا ر رکھتی ہے۔ اگر کہا کہ تجھے زیادہ سے زیادہ طلاق یا ڈھیری طلاق ہے تو اس سے تین طلاقیں لازم ہوں گی۔ اب اگر وہ شخص کہے کہ میں نے دو طلاقوں کا ارادہ کیا تو اس کا قول شرعاً اور قانوناً نہیں مانا جائے گا۔ کیوں کہ زیادہ سے زیادہ یا ڈھیری طلاق بقول راجح تین طلاق ہے۔ اسی طرح اگر کہا کہ تجھ پر اسی طلاقیں یا ایک ہزار یا بھرپور یا بار بار طلاق ہے تو اس سے تین طلاق لازم ہوگی۔ اگر کہا کہ ''تجھے طلاق ہے نہ کم نہ زیادہ'' تو تین طلاق ہوگی کیوں کہ کم کی نفی کرنے کا مطلب ہے زیادہ لہٰذا تین طلاق ہوگی اب اس کے بعد جو 'زیادہ' کی نفی کی تو اس سے کچھ حاصل نہیں۔ تاہم کہا جاتا ہے کہ اس سے دو طلاق عائد ہوگی کیوں کہ مزید طلاق دو طلاقیں ہوئیں یہ دونوں اقوال قابل ترجیح ہیں۔ اگر اس عبارت کو پلٹ کر کہا کہ ''تجھے طلاق ہے' نہ زیادہ نہ کم'' تو اس سے ایک طلاق واقع ہوگی۔ کیوں کہ زیادتی کی نفی سے کمی کا اثبات ہوتا ہے جس سے مراد ایک ہے۔ اس کے بعد اس کا کم کی نفی کرنا لغو ہے۔ کیوں کہ جو طلاق پڑ چکی اس کی نفی نہیں کی جا سکتی تاہم اس میں بھی کہا جاتا ہے کہ دو طلاقیں ہوں گی کیوں کہ اس میں زیادہ اور کم دونوں کی نفی کی گئی ہے لہٰذا دونوں کے درمیان کی جو طلاق ہے وہ واقع ہوگی۔ یعنی دو طلاقیں۔

اگر تعداد طلاق کو ایسے شے سے تشبیہ دی جس کی کوئی گنتی نہیں ہے' اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی مثلاً کہا کہ تجھے مٹی کی تعداد میں یا سورج کی تعداد میں یا اتنے بالوں کی تعداد میں جو میری ہتھیلی میں ہیں یا اس حوض میں جتنی مچھلیاں ہیں اتنی تعداد میں طلاق ہے درآنحالیکہ اس میں کوئی مچھلی نہیں ہے ان تمام صورتوں میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اگر طلاق کو ایسی شے سے تشبیہ دی جس کی گنتی ہوسکتی ہے' مثلاً کہا کہ میرے ہاتھ میں یا پنڈلی پر جتنے بال ہیں (اتنی طلاقیں) تو اس سے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ درآنحالیکہ مشبہ بہ (جس سے تشبیہ دی ہے) کی تعداد (طلاقوں سے) کم نہ ہو۔ اگر کہا کہ تجھے ریت کی تعداد کے برابر طلاق ہے تو تین طلاقیں ہوں گی۔ اور ریت اور مٹی میں فرق یہ ہے کہ مٹی اسم جنس افرادی ہے جو تھوڑی یا بہت (ہر مقدار) پر صادق آتا ہے۔ جیسے پانی' شہد اور گارا لیکن ریت اسم جنس جمعی ہے جس کا اطلاق تین سے کم پر نہیں ہوتا اور واحد کا امتیاز تائے وحدت (اور اردو میں لفظ ایک) سے ہوتا ہے (یعنی رملۃ کے معنے ایک دانہ ریت کے ہوتے ہیں) اسی طرح تمر اور تمرۃ اور رمل یا رملۃ (یعنی کھجور اور ایک کھجور یا ریت اور ایک ریت) یہی صورت حال وہ ہے جب کہ طلاق کو کسی تعداد غیر معین کی طرف منسوب کیا جائے۔ مثلاً کہا جائے کہ تجھے اتنی طلاق ہے جتنے شیطان کے بال تو اس سے ایک طلاق واقع ہوگی۔

بالآخر معلوم ہونا چاہئے کہ اگر کسی نے بیوی سے یہ کہا کہ تیرا کوئی خاوند نہیں یا میری کوئی بیوی نہیں تو اسے کہا جاتا ہے کہ کنایہ ہے اور اس سے طلاق ہو جائے گی۔ بشرطیکہ طلاق کی نیت ہو۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی کیوں کہ یہ الفاظ کنایہ میں سے نہیں ہے تاہم وہ اصحاب جو اس سے طلاق ہو جانے کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ اس سے طلاق رجعی ہوگی طلاق بائن نہ ہوگی۔

Marfat.com

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر طلاق کی ایسی کوئی صفت بتائی گئی جس سے شدت کا اظہار نہ ہوتا ہو مثلاً کہا کہ "تجھے خوب ترین یا بہترین یا اچھی سی طلاق ہے" وغیرہ تو اس سے ایک طلاق واقع ہوگی۔ بجز اس صورت کے جب کہ ایک سے زیادہ کی نیت ہو کہ اس حال میں وہی واقع ہوگی جو نیت تھی۔ اگر طلاق کی صفت بصیغہ تفصیل ہو مثلاً یوں کہا کہ تجھے زبوں ترین۔ بدترین یا شدید ترین طلاق ہے یا سب سے گندی یا سب سے ناگوار یا سب سے بڑھ کر طلاق ہے۔ تو اس سے پوری تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ خواہ بیوی مباشرت شدہ ہو یا نہ ہو۔

اگر کہا کہ تجھے تین طلاق سنی ہے تو بالاتفاق مباشرت شدہ بیوی پر تین طلاق پڑ جائے گی اور غیر مباشرت شدہ ہو تو کہا جاتا ہے کہ ایک طلاق واقع ہوگی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ تین طلاقیں ہوں گی اور اسی قول کو ترجیح حاصل ہے۔ اگر کہا تجھے تین طلاقیں بدعی ہیں یا تین میں سے بعض سنی اور بعض بدعی طلاق ہے تو مباشرت شدہ اور غیر مباشرت شدہ دونوں صورتوں میں تین طلاقیں لازم ہو جائیں گی۔ اگر کہا کہ تجھے ایک طلاق بدعی اور ایک طلاق سنی ہے یا یہ کہا کہ تجھے ایک طلاق ہے نہ بدعی نہ سنی تو اس سے ایک طلاق عائد ہوگی۔ اسی طرح اگر کہا کہ تجھے طلاق ہے بدعی ہو یا سنی اور کسی ایک کی تعین نہیں کی تو ایک طلاق عائد ہوگی بشرطیکہ ایک سے زیادہ کی نیت نہ ہو۔ اگر زیادہ کی نیت ہو تو جو نیت ہو وہی واقع ہوگا۔

اگر طلاق کو کسی بڑی یا عظیم شے سے تشبیہ دی مثلاً کہا کہ تجھے پہاڑ کی مانند یا اونٹ کی مانند یا محل کی مانند ایک طلاق ہے اور نیت تعداد کی نہیں کی تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر طلاق کو کسی صفت سے متصف کیا خواہ وہ صفت بہ صیغہ تفصیل ہو یا نہ ہو تو اس سے وہی واقع ہوگا جو کہا یا جو نیت کی۔ چنانچہ اگر کہا کہ تجھ پر ایک طلاق ہے یا بڑی طلاق یا عظیم طلاق ہے یا عظیم ترین یا کبیر ترین طلاق ہے سب سے بڑی یا سب سے لمبی یا سب سے چوڑی یا سخت ترین یا پہاڑ کے برابر یا زمین آسمان بھر کر طلاق ہے تو اس سے ایک ہی طلاق ہوگی بشرطیکہ زیادہ کی نیت نہ ہو ورنہ جو نیت ہو وہی واقع ہوگا۔

اگر کسی نے کہا کہ تجھے دو طلاقوں میں سے کمترین طلاق یا ایک سے زیادہ طلاق ہے تو دو طلاقیں ہوں گی' اگر کہا کہ تجھے طلاق ہے نہ زیادہ نہ کم تو ایک طلاق ہوگی' لیکن اگر کہا کہ تجھے طلاق ہے نہ کم سے کم نہ زیادہ سے زیادہ تو اس سے تین طلاقیں لازم ہوں گی' کیوں کہ کم سے کم طلاق کی نفی کے معنے زیادہ سے زیادہ طلاق کے ہیں جن کی تعداد تین ہے اس کے بعد زیادہ سے زیادہ کی نفی لغو ہے۔ کیوں کہ جب طلاق ہوگئی تو اب اسے روکنا ممکن نہیں ہے۔ اگر کم سے کم طلاق کی نفی سے مراد دو طلاقیں ہیں تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

اگر کہا کہ تجھے طلاق سنی یا طلاق حسنہ ہے یا تجھے بہترین یا خوب ترین طلاق ہے۔ یا یوں کہا کہ تجھے طلاق بدعی یا بری طلاق ہے یا بدترین یا فحش ترین طلاق ہے اب اگر اس شخص کی مراد طلاق سنی سے اچھی صفات والی اور طلاق بدعی سے بری صفات والی طلاق ہے اور عورت حالت طہر میں ہے جس میں مباشرت نہیں ہوئی تو اسی وقت اچھی صفت والی طلاق ہو جائے گی کیوں کہ وہ طلاق طریق سنت سے متصف ہے۔ اگر عورت ایام ناپاکی میں ہو یا حالت طہر میں اس سے مباشرت ہو چکی ہے تو اسی وقت بری صفات والی طلاق پڑ جائے گی۔ بصورت دیگر (اچھی یا بری طلاق) اس وقت عائد ہوگی جب اس میں یہ وصف پایا جائے' چنانچہ اگر پاکی کی حالت میں ہے اور اس میں مباشرت بھی نہیں ہوئی اور خاوند کہتا ہے کہ تجھے

Marfat.com

'طلاق بدعی ہے' تو طلاق نہ ہوگی جب تک کہ وہ عورت ایام سے نہ ہو۔ ورنہ اسی وقت طلاق ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کہا کہ تجھے طلاق سنی ہے حالانکہ عورت ایام ناپاکی میں ہے تو جب تک پاک نہ ہو جائے اور اس حالت پاکی میں مباشرت نہ ہوئی ہو' طلاق نہ ہوگی۔

اگر طلاق کو خوبی سے متصف کیا بایں لحاظ کہ اس کی بیوی بری اور بداطوار ہے بایں لحاظ اس کی طلاق خوب اور مستحسن ہے لیکن حالت ناپاکی میں ہے تو طلاق اسی وقت واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر طلاق کو قبح سے متصف کیا بایں لحاظ کہ بیوی خوش اطوار اور اسے طلاق دینا امر قبیح ہے تو اسے فوری طلاق ہو جائے گی۔ درآنحالیکہ وہ حالت پاکی میں ہو اور اس دوران اس سے مباشرت نہ ہوئی ہو اس کی طلاق کے لئے ایام ناپاکی کا انتظار نہ کیا جائے گا کہ اسے قبیح ٹھہرایا جا سکے۔

یہ مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ طلاق کو سنت یا بدعت سے متصف کیا جائے۔ اگر بیوی غیر مباشرت شدہ ہو تو اس کے طلاق کو نہ سنی کہا جائے گا نہ بدعی جیسا کہ سابقاً بتایا گیا تاہم اگر ان صفات سے متصف طلاق دی جائے تو طلاق اسی وقت واقع ہو جائے گی۔ اگر طلاق کو کسی عدد سے تشبیہ دی تو اتنی ہی طلاق ہو جائے گی۔ چنانچہ اگر کہا کہ تجھے ہزار طلاق کی مانند طلاق ہے تو تین طلاقیں ہوں گی۔ اسی طرح اگر کہا کہ تجھے ریت کی تعداد کے برابر طلاق ہے (تب بھی تین طلاقیں ہو جائیں گی) اس کے برخلاف اگر کہا کہ تجھے ''مٹی کی تعداد کے برابر طلاق ہے'' تو اس سے ایک طلاق ہوگی جیسا کہ ابوحنیفہؒ کہتے ہیں۔ اگر کہا کہ ''تو سوطلاق یافتہ کی مانند ہے'' تو اس سے ایک طلاق لازم ہوگی کیوں کہ اس میں عورت کو سوطلاق یافتہ عورتوں کی مانند بتایا گیا ہے' طلاق کو سوطلاقوں کی مانند نہیں کہا گیا۔ بخلاف اس کے اگر کہا کہ تجھے اتنی طلاقیں ہیں جتنے شیطان کے بال ہیں تو اس سے ایک طلاق ہوگی کیوں کہ شیطان کے بالوں کی تعداد معلوم نہیں ہے۔ لہٰذا یہ تعداد لغو ہے۔ اگر کہا کہ جتنی بار بجلی چمکتی ہے تجھے اتنی طلاق یا جتنی بار کتا اپنے پنجے اٹھا کر چلتا ہے جتنی بار وہ دم ہلاتا ہے اتنی بار طلاق ہے تو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

بالآخر جاننا چاہئے کہ اگر کسی نے بیوی سے کہا کہ ''تجھ پر تین طلاقیں لازم ہیں' اگر تو اپنے باپ کے گھر گئی تو تجھے طلاق ہے'' تو کہا جاتا ہے کہ اس سے ایک طلاق واقع ہوگی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ تین طلاقیں ہوں گی' پہلا خیال زیادہ قوی ہے کیوں کہ ابتداء کی عبارت مشروط نہیں ہے لہٰذا وہ لغو ہے اور اس سے کچھ نہیں ہوتا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر طلاق کو کسی اچھی صفت سے متصف کیا گیا' مثلاً کہا کہ ''تجھے طلاق فاضلہ ہے'' (یعنی عمدہ قسم کی طلاق) یا کہا کہ تجھے منصفانہ یا کامل یا جلیل (بزرگی والی) طلاق ہے یا یوں کہا کہ تجھے بہترین طلاق یا خوب ترین یا نہایت عادلانہ یا کامل یا ذی مرتبہ طلاق ہے یا یوں کہا کہ تجھے بہترین طلاق یا خوب ترین یا قوی ترین یا سب سے زیادہ عادلانہ یا کامل ترین یا فاصل ترین یا مکمل ترین طلاق ہے تو ان تمام عبارتوں کا مفہوم طلاق سنی تصور کیا جائے گا۔ اگر حالت طہر میں جس میں مباشرت نہ ہوئی اس طرح طلاق دی جائے تو یہ طلاق حسن اور جمیل (یعنی اچھی اور پسندیدہ) متصور ہوگی اور اسی وقت واقع ہو جائے گی۔ اگر بیوی حالت ناپاکی یا نفاس میں ہو تو یا پاکی کی حالت میں ہو جس میں مباشرت ہو چکی ہے تو (ان الفاظ سے) طلاق واقع نہ ہوگی تاآنکہ ایام ماہواری آجائیں یا حالت طہر میں ہو لیکن اس میں مباشرت ہو چکی ہو۔ تاہم اگر وہ شخص کہتا ہے کہ اس طرح کہنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ بیوی کے لئے بہتر یہی ہے کہ اسے طلاق ہو جائے تو

Marfat.com

اس وقت طلاق پڑ جائے گی اور اگر اس شخص کا دعویٰ یہ ہے کہ اس نے اپنی طلاق کی صفت جو اچھی بتائی ہے وہ بیوی کی بداطواری کی وجہ سے ہے کہ اگر وہ بداطوار ہے تو اس کے لئے طلاق امر خوب و پسندیدہ ہے' تو اس شخص کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ تاوقتیکہ اس کے لئے کوئی قرینہ موجود نہ ہو' کیوں کہ یہ (توجیہ) ظاہر الفاظ کے خلاف ہے۔ اس کے برعکس اگر اس شخص نے طلاق کو کسی بری صفت سے متصف کیا مثلاً کہا کہ تجھے بدترین یا قبیح ترین یا ناخوشگوار ترین طلاق ہے وغیرہ تو یہ طلاق بدعی ہوگی' یعنی اس صورت میں جب کہ عورت ایام ماہواری یا حالت نفاس میں ہو یا پاک ہو لیکن اس حال میں مباشرت ہو چکی ہو تب اسے طلاق ہوگی۔ لیکن اگر وہ شخص کہے کہ طلاق کو برائی سے متصف کرنے میں اس کی نیت یہ تھی کہ اس کی طلاق کو بیوی کی خوش اطواری کے پیش نظر برا کہا جائے گویا یہ کہا کہ ''تجھے طلاق ملنا بری بات ہے' کیوں کہ تو خوش اطوار ہے'' تو یہ بات جب تک کہ اس کا قرینہ موجود نہ ہو تسلیم نہیں کی جائے گی جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

واضح ہو کہ یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ بیوی مباشرت شدہ اور حاملہ نہ ہو۔ بصورت دیگر اسی وقت طلاق ہو جائے گی۔ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ پر ایک طلاق بائن ہے یا ایک طلاق بتہ (قطعی) ہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی کیوں کہ اس عبارت میں طلاق کی صفت ایسی بتائی گئی ہے جو اس کی صفت نہیں ہو سکتی) یعنی ایک طلاق ہو تو بائن نہیں ہو سکتی) لہٰذا یہ صفت لغو ہے۔

اگر کہا کہ تجھے کل (پوری) یا زیادہ سے زیادہ طلاق ہے یا یہ کہ تجھے تمام طلاقیں یا انتہائی یا آخری طلاق ہے تو اس طرح تین طلاقیں ہوں گی' اگر چہ ایک طلاق کی نیت کی ہو۔ اسی طرح اگر کہا کہ ''تو سو طلاق یافتہ ہے'' یا ''اے سو طلاقوں والی!'' تو تین طلاقیں لازم ہوں گی۔ اگر طلاق کو ایسی شے سے تشبیہ دی جو متعدد ہوتی ہے۔ مثلاً کنکریوں سے یا مٹی سے یا ریت سے یا اطراف یا ہوا یا پانی یا ستاروں یا پہاڑوں یا کشتیوں یا شہروں سے تو ان میں سے کسی شے سے بھی تشبیہ دینے میں تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اسی طرح اگر کہا کہ تجھے ہزار کی مانند یا سو کی مانند طلاق ہے اور اس سے مراد شدید (یا سخت ہونے میں) ان اشیاء سے تشبیہ دینا ہے اور تعداد پیش نظر نہیں ہے تو قانوناً اس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا۔

اگر کہا کہ تجھے شدید ترین یا غلیظ ترین یا کبیر ترین یا طویل ترین یا عریض ترین یا ساری دنیا کے برابر یا گھر بھر کر یا پہاڑ کی مانند یا طویل ترین یا پہاڑ کی مانند یا پہاڑ جیسی عظیم طلاق ہے تو ان تمام صورتوں میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ بشرطیکہ زیادہ کی نیت نہ ہو۔

Marfat.com

بیوی کو یا کسی اور کو طلاق کے لئے نائب بنانے کا بیان

یہ تو معلوم ہے کہ طلاق کا مالک مرد ہے عورت نہیں ہے۔اس کے دو سبب ہیں: ایک سبب یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے مرد کو اس بات کا ذمہ دار بنایا ہے کہ جب تک کوئی عورت اس کی زوجیت میں رہے اور اس کے بعد بھی ایک مقررہ مدت کے لئے اور اس کی اولاد کے لئے جو اس شخص سے ہو خرچ برچ کا کفیل رہے نیز اس بات کا بھی شریعت نے ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ اس کا حق مہر ادا کرے جس کا کچھ حصہ طلاق کے بعد واجب الادا ہوتا ہے اور یہ کہ اس کی اولاد جو اس عورت کے بطن سے ہے اس کی پرورش کرنے اور دودھ پلانے کا معاوضہ ادا کرے۔علیحدگی کے بعد ان تمام اخراجات کا محاسبہ واجب ہو جاتا ہے لہٰذا انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ طلاق دینے کا اختیار مرد کو ہو عورت کو نہ ہو کیوں کہ یہ تمام مال مرد ہی کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ بسا اوقات مرد اپنی مطلقہ بیوی وغیرہ پر اس خرچ کا متحمل نہیں ہوسکتا اس لئے طلاق دینے سے باز رہتا ہے جس کے باعث وہ خاندان نفرت اور انتشار سے بچ جاتا ہے۔اگر طلاق کا اختیار بیوی کو دیا جاتا تو وہ غصہ میں آکر طلاق دینے میں تامل نہ کرتی' کیوں کہ اس کے پیش نظر وہ ذمہ داریاں نہیں ہیں جو اس کے اور طلاق کے درمیان حائل ہوں۔ بلکہ بسا اوقات وہ غصہ میں آکر طلاق دینا پسند کرے گی تاکہ مرد کو اپنے حقوق کی ادائیگی پر مجبور کرے اور انتقامی جذبہ کے ساتھ اسے مشکلات میں ڈال دے۔ یہ کھلی بے انصافی ہوتی جس سے اس شریعت اسلامیہ کا دامن پاک ہے جو خدائے دانا و باخبر کی طرف سے آئی ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ عورت کی طبیعت میں بتقاضائے حکمت (ازلی) زود اثر پذیری کی خاصیت ہے۔اور وہ مردانہ صبر و استقلال سے عاری ہوتی ہے۔اگر طلاق کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ اس اختیار کو بری طرح استعمال کرتی۔کیوں کہ اسے مردوں کی طرح اپنے نفس پر قابو نہیں رہتا۔پس انصاف اسی امر کا متقاضی ہے کہ رشتہ زوجیت کے استحکام اور اس کی بقاء کے لئے اس کا اختیار مرد ہی کو ہو عورت کو نہ ہو۔

بعض اصحاب یہ کہتے ہیں کہ بعض مرد بھی ایسے ہوتے ہیں کہ ادنیٰ سی بات اور معمولی سے معاملہ پر طلاق دینے میں عہد کی پروا نہیں کرتے۔ بلکہ بعض اشخاص موقع مناسب ہو یا نہ ہو طلاق کی قسم کھا لیتے ہیں۔گویا ان کے نزدیک طلاق تفریح یا کھیل ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ ایسے جاہلوں اور بداخلاقوں کے لئے نہیں ہے جو محض نام کے مسلمان ہیں یہ شریعت ان کے لئے ہے جو سچے معنوں میں مسلمان ہیں۔خدا اور رسولؐ کے احکامات کو سنتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔لہٰذا جب تک حاجت متقاضی نہ

Marfat.com

ہو وہ طلاق کا لفظ زبان پر نہیں لاتے۔ رہے وہ احمق جو اللہ کے حکم کی پروا اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل درآمد نہیں کرتے اللہ کو بھی ان کی پروا نہیں ہوتی۔ اب اگر طلاق کا اختیار مرد کو ہے تو اسے یہ حق بھی ہے کہ وہ اپنی طرف سے (طلاق کے لئے) کسی کو اپنا نائب بنا دے خواہ وہ نائب اس کی بیوی ہو یا کوئی اور شخص اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مرد کو اختیار ہے کہ وہ اپنی طرف سے اپنی بیوی کو اپنا نائب بنا دے کہ وہ خاوند کی طرف سے اپنے آپ کو طلاق دے لے اسی طرح اسے یہ بھی اختیار ہے کہ اپنی طرف سے کسی اور کو اپنا نائب بنا دے۔ نائب بنانے کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت (نیابت) بذریعہ رسالت (یعنی فرستادہ کو نائب بنانا) اس کی صورت یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے پاس کوئی رسول (فرستادہ) بھیجے جو اسے جا کر کہے کہ تمہارا خاوند کہتا ہے کہ تمہیں اپنے بارے میں اختیار ہے (کہ خود کو طلاق دے لو)۔ اس صورت میں وہ فرستادہ‘ خاوند کا قول بعینہ اس کی بیوی سے بیان کرے گا اور اپنی طرف سے کوئی عبارت نہ ملائے گا۔ پس جب وہ خاوند کا قول نقل کر دے اور بیوی اپنے اختیار کو شرائط آئندہ کے مطابق استعمال کرے تو خاوند کی طرف سے اسے طلاق ہو جائے گی۔

دوسری صورت (نیابت) بذریعہ توکیل ہے (یعنی طلاق کے لئے اپنا وکیل بنانا) اس کی صورت یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے کسی کو اپنا قائم مقام بنا دے‘ خواہ وہ قائم مقام خود اس کی بیوی ہو یا کوئی اور ہو۔ لیکن عورت وکیل نہیں بن سکتی کیوں کہ وکیل دوسرے کے حق میں کارروائی کرتا ہے لیکن (اس صورت میں) خود اپنے آپ کو طلاق دیتی ہے۔ اس لئے وہ دوسرے کے لئے کارروائی نہیں کرتی۔ لہٰذا اس کی توکیل (یعنی اس کا وکیل بنایا جانا) تفویض ہوگا (بعض اختیار کی سپردگی نہ کہ وکالت) گو صراحت وکیل بنانے کی‘ کی گئی ہو۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ رسول (فرستادہ) اور وکیل (گماشتہ) میں فرق یہ ہے کہ فرستادہ خاوند کی عبارت کو بعینہ نقل کرتا ہے اور اپنی طرف سے کوئی عبارت نہیں بتاتا‘ لیکن وکیل اپنی عبارت (یا اپنے الفاظ) میں بیان کرتا ہے۔ محض اپنے موکل کی عبارت کو نقل نہیں کرتا۔

تیسری صورت (نیابت بذریعہ) تفویض (یعنی کوئی کام کسی کے سپرد کرنا) یہاں پر کسی دوسرے کو طلاق دینے کا کام سونپنا مراد ہے۔ وکالت اور تفویض میں فرق یہ ہے کہ تفویض اولاد (جسے کام سپرد کر دیا گیا) اپنی مرضی کے مطابق کام کرتا ہے۔ بخلاف وکیل کے جو اپنے موکل کی مرضی پر عمل کرتا ہے۔ پس توکیل اور تفویض کے درمیان متعدد باتوں میں اختلاف ہے۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ سپرد کر دینے والا‘ خاوند‘ کام سپرد کر دینے کے بعد اپنی بات سے پھر نہیں سکتا۔ چنانچہ اگر اس نے اپنی بیوی (کو طلاق سپرد کر دی اور اس) سے کہا کہ ”تو اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے“ خاوند کے اس طرح کہنے کے ساتھ ہی وہ عورت اپنے طلاق کی مالک ہو جائے گی گو اس نے یہ نہ کہا ہو کہ ”میں نے قبول کیا“ اب خاوند کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کہے‘ کہ میں اپنی بات واپس لیتا ہوں اور تجھے اس اختیار سے برطرف کرتا ہوں۔ بخلاف توکیل (وکیل بنانے) کے کہ اس صورت میں اسے اختیار ہے کہ وہ اپنے وکیل کو (وکالت سے) برطرف کر دے۔ پس اگر کسی نے

Marfat.com

ایک غیر متعلقہ شخص سے کہا کہ ''میری بیوی کو تم طلاق دے دو'' تو خاوند کو یہ حق ہے کہ اس کے بعد وہ کہے کہ میں نے تم کو اس اختیار سے ہٹا دیا' کیوں کہ یہ عبارت وکیل بنانے کی ہے اور خاوند کو حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کر کے اس وکالت کو باطل کر دے۔ ایک فرق یہ ہے کہ 'تفویض' خاوند کے جنون زدہ ہو جانے سے ختم نہیں ہو جاتی بخلاف توکیل کے (کہ اس صورت میں اس کی وکالت جاتی رہے گی)۔ ایک اور فرق یہ ہے کہ جسے تفویض ہوئی ہے' اس کا عاقل (ذی شعور) ہونا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے اپنی جنوں زدہ عورت کو (اختیار طلاق) سپرد کر دیا یا کسی کم عمر کو جو ذی عقل نہیں ہے سپرد کیا اور اس نے اس کی بیوی کو طلاق دے دی یا بیوی نے خود اپنے نفس کو طلاق دے لی تو طلاق ہو جائے گی۔ اس کے برخلاف وکیل بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ شروع سے صاحب عقل ہو۔ ان دونوں حالتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں خاوند جس طلاق کا مالک تھا اس نے خود ہی اپنی بجائے اس کا مالک ایک پاگل شخص کو بنا دیا اور اس پاگل کو جس طلاق کا مالک بنایا تھا اس نے وہ طلاق دے دی۔ لیکن اگر ایک شخص نے حق طلاق کی تفویض کسی ذی عقل کو کی اور بعد میں وہ پاگل ہو گیا تو یہ تفویض باطل ہو جائے گی کیوں کہ جب وہ طلاق کا مالک ہوا تھا اس وقت وہ صاحب عقل تھا۔ ایک اور فرق یہ ہے کہ تفویض کے لئے اسی جگہ (کار مفوضہ پر) عمل درآمد شرط ہے۔ پس جسے اختیار طلاق سپرد کیا گیا اگر طلاق دینے یا اپنے اختیار کو کام میں لانے سے پہلے وہاں سے اٹھ کھڑا ہو تو عمل تفویض باطل ہو جائے گا۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

اب جاننا چاہیئے کہ تفویض کی دو قسمیں ہیں: تفویض صریح اور تفویض بالکنایہ صراحۃً تفویض کے الفاظ مثلاً یہ ہیں کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے لے یا یہ کہ ''اگر تو چاہے تو جب بھی تو چاہے طلاق دے سکتی ہے'' وغیرہ۔ اس طرح عورت کو طلاق (کا اختیار) سپرد کر دینا اس کو طلاق کا مالک بنا دینا ہے۔ پس وہ اپنے آپ کو اسی جگہ طلاق دے سکتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر یوں کہا کہ میں تجھے وکیل بناتا ہوں کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے دے۔ اس عبارت میں اگر صریحاً وکیل بنانے کا ذکر ہے' لیکن عورت پر اس حالت میں وکالت عائد نہیں ہوتی کیوں کہ وکیل دوسرے کے حق میں کارروائی کرتا ہے اور اس میں عورت اور یہاں عورت خود اپنے لئے (طلاق کی) کارروائی کر رہی ہے اور اپنے آپ کو طلاق دے رہی ہے۔ پس یہ کارروائی دوسرے کے لئے نہ ہوئی۔ لہٰذا وکالت کا لفظ محض استعمال کرنے سے یہ عبارت تفویض سے جدا متصور نہ ہو گی۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور سے کہا کہ جس وقت یا جب کبھی چاہو میری بیوی کو طلاق دے دو یا اسی طرح اپنی بیوی سے یہ کہنا ہے کہ اگر تو چاہے تو یا جب تو چاہے اپنی سوکن کو طلاق دے دے وغیرہ یا بیوی سے محض یہ کہا کہ تو اپنی سوکن کو طلاق دے دے اور اس کے ساتھ یہ نہیں کہ ''اگر جی چاہے'' تو یہ وکیل بنانا ہے تفویض (سپردگی کار) نہیں ہے۔

تفویض بالکنایہ کے لئے دو الفاظ ہیں ایک یہ ہے کہ وہ کہے ''اختاری'' (یعنی اپنے اختیار کو کام میں لا) اور دوسرے یہ کہ ''امرک بیدک'' (یعنی تیرا معاملہ تیرے اپنے ہاتھ میں ہے)۔

اس سے ظاہر ہوا کہ تفویض کے الفاظ تین ہیں' ایک صریح خواہ اس کے ساتھ مشیت (جی چاہیے) کی قید لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔ دوسرے تجھے اختیار ہے (یا تو اپنے اختیار کو کام میں لا سکتی ہے اور تیسرے تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے موخر الذکر دونوں الفاظ کنایہ کے ہیں لہٰذا ان سے طلاق نہ ہو گی جب تک کہ یہ تین شرطیں نہ پائی جائیں:

Marfat.com

ایک یہ کہ خاوند نے طلاق کی نیت کی ہو دوسرے یہ کہ بیوی نے بھی اسی طرح نیت کی ہو تیسرے یہ کہ بیوی نے طلاق کی نسبت خود اپنی طرف یا اپنے خاوند کی طرف کی ہو۔ جیسا کہ اضافت طلاق (طلاق کے منسوب کرنے) کے بیان میں بتایا گیا ہے۔ تاہم خاوند کا یہ دعویٰ کہ اس نے طلاق کی نیت نہیں کی تھی۔ قانوناً تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ درآنحالیکہ وہ غصہ میں ہو یا طلاق کی بات ہو رہی ہو۔ البتہ یہ معاملہ اگر اس کے اور اللہ کے درمیان چھوڑ دیا جائے تو اس سے خاوند فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

ان تینوں الفاظ سے تفویض کے درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ طلاق اسی جگہ ہو جائے۔ لہٰذا اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کے روبرو اس سے کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے۔ تو لازم ہے کہ اسی جگہ پر جہاں وہ بیٹھی ہو اور اس شخص نے یہ بات کہی تھی وہ اپنے آپ کو طلاق دے لے۔ اسی طرح اگر عورت وہاں موجود نہیں ہے اور اسے معلوم ہوا کہ طلاق کا حق اسے تفویض کیا گیا ہے' تو لازم ہے کہ جس مقام پر اسے اس بارے میں علم ہوا (اپنے اوپر) طلاق وارد کر لے۔ اگر وہاں سے ہٹ گئی تو یہ سپردگی اختیار باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح اس صورت میں جبکہ بیوی کے علاوہ کسی اور کو تفویض طلاق ہوئی ہو تو لازم ہے کہ اسی جگہ اس شخص کی بیوی کو طلاق دے۔ تاہم یہ شرط نہیں ہے کہ اسی وقت طلاق دے بلکہ اگر وہ اپنی جگہ پر ایک دن یا اس سے زیادہ ٹھہری رہی۔ بغیر اس کے کہ وہ وہاں سے اٹھی ہو تب بھی وہ اس دوران ایسا کر سکتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی شرط نہیں ہے کہ اس وقت طلاق سونپنے والا اس کا خاوند وہاں موجود ہو۔ شرط بس یہ ہے کہ بوقت تفویض جہاں پر وہ عورت ہو وہاں سے نہ ہٹے۔ اور نہ کوئی ایسا کام کرے جس سے یہ پایا جاتا ہو کہ وہ خود کو طلاق دینے سے بچانا چاہتی ہے گو اس جگہ سے ہٹی نہ ہو۔ مثلاً (بوقت تفویض) بیٹھی ہوئی تھی اور پھر کھڑی ہو گئی یا ایسی غیر متعلقہ باتیں کرنے لگی جس سے پایا جاتا ہے کہ وہ اس موضوع سے ہٹنا چاہتی ہے مثلاً (تفویض کی بات سن کر) وہ کپڑے سینے پرونے میں لگ گئی یا کوئی اور دھندا کرنے لگی جس سے اس کا اس ارادہ سے ہٹنا اور پرہیز کرنا ظاہر نہ ہوتا ہو۔ مثلاً کوئی کپڑا پہننے لگے یا پانی پئے یا کھڑی ہو بیٹھ جائے یا بیٹھی ہو اور ٹیک لگا لے۔ یا بیٹھی بیٹھی سو جائے یا اپنے باپ کو مشورے کے لئے بلائے۔ یا گواہوں کو طلب کرے' تو ان تمام باتوں سے تفویض باطل نہ ہوگی۔ کیوں کہ ان باتوں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ اس ارادے سے باز رہنا چاہتی ہے۔

اگر بیوی کسی تیرتی ہوئی کشتی میں ہو اور وہاں اسے تفویض طلاق کی گئی تو اس کشتی کا اپنی جگہ سے منتقل ہوتے رہنا تفویض کے نفاذ میں حارج نہیں ہے کیوں کہ وہ کشتی اس عورت کے لئے بطور گھر کے ہے۔ سوا اس کے کہ وہ (کشتی میں) اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہو یا ایسا کام کرے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ (اپنے اختیار کو کام میں لانے سے) بچنا چاہتی ہے۔

اگر وہ کسی جانور پر سوار ہے اور وہ جانور حرکت کر رہا ہے اور اس نے جانور (یا سواری) کو ٹھہرا لیا تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ اگر جانور کھڑا ہوا ہو اور الفاظ تفویض کو سن کر اس نے سواری کو ہنکا دیا تو یہ امر نفاذ تفویض کے خلاف ہوگا' کیوں کہ اس نے سواری کو اپنے اختیار سے چلایا ہے۔ لیکن اگر تفویض کی بات سن کر وہ خاموش رہی اور خاوند کے اس قول کو سن کر کہ ''تو اپنے آپ کو طلاق دے لے'' اس نے پلٹ کر یہ کہا کہ میں نے خود کو طلاق دے لی تو جانور کو ہنکانے کے باوجود یہ تفویض صحیح ہوگی (اور طلاق ہو جائے گی)۔

Marfat.com

اگر دونوں میاں بیوی ایک ہی کجاوے میں ہوں اور شتربان اونٹ لے جا رہا ہو تو اس کو بھی کشتی یا گھر کی مانند تصور کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ تفویض (کو کام میں لانے) کے لئے کوئی میعاد وقت مقرر نہ ہو۔ اگر وقت کی تعین کر دی جائے مثلاً ایک شخص نے (اپنی بیوی سے) کہا کہ تجھے دو ماہ کے اندر یا کسی اور مقررہ وقت میں اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار ہے تو اب اس عورت کو اختیار ہوگا کہ اس مدت میں وہ خود کو طلاق دے لے۔ اگر یوں کہا کہ جب تو چاہے یا اگر تو چاہے یا جب کبھی بھی تو چاہے تو تجھے حق ہے کہ اپنے آپ کو کسی وقت بھی جب تیری مرضی ہو طلاق دے سکتی ہے تو اب خاوند کسی صورت میں بھی اس قول سے پھر نہیں سکتا کیوں کہ اس نے بیوی کو طلاق کا مالک بنا دیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

واضح ہو کہ تفویض کے مذکورہ الفاظ سہ گانہ کے بارے میں کچھ اور بھی احکامات ہیں۔ اب ذیل میں اس کے ضروری مسائل بتائے جاتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ تفویض صریح کے متعلق چند احکام ہیں: منجملہ ان کے یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''تو اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے'' اور اس نے کہا کہ میں نے طلاق دے لی تو اس طرح ایک طلاق رجعی واقع ہو گی۔ خواہ ایک طلاق کی نیت کی ہو یا کوئی نیت نہ ہو۔ اگر دو طلاقوں کی نیت کی تب بھی صرف ایک طلاق واقع ہو گی جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ طلاق صریح سے ایک طلاق ہوتی ہے۔ لہٰذا اس میں دو طلاقوں کی نیت کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں اگر خاوند نے یہ کہا ہو کہ تو اپنے تئیں طلاق دے لے اور اس نے طلاق دے دی تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی' جیسا کہ طلاق صریح کی بابت سابقاً بتایا گیا۔ اگر کسی نے صرف یہ کہا کہ تو خود کو طلاق دے لے اور بیوی نے کہا کہ میں نے طلاق بائن لے لی تب بھی ایک طلاق رجعی واقع ہو گی کیوں کہ خاوند نے جب کہا تھا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے تو اس نے بیوی کو صرف بنیادی طلاق کا مالک بنایا تھا۔ اب اس پر اگر بیوی اس طلاق پر بائن کی صفت کا اضافہ کرتی ہے تو یہ زائد وصف لغو متصور ہوگا اور بنیادی امر برقرار رہے گا۔ اور اگر بیوی نے کہا کہ میں نے خود کو بائن کر لیا (تو طلاق ہو جائے گی) اس کے لئے اس کا نیت کرنا شرط نہیں ہے کہ (اپنے تئیں طلاق دینے کے لئے) وہ خاوند سے اجازت لے۔ اس کے برخلاف اگر خاوند نے ہنوز یہ نہ کہا ہو کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے اور اس سے پہلے ہی اس نے کہا کہ میں نے خود کو طلاق بائن دے لی تو اس سے طلاق نہ ہو گی۔ سوا اس صورت کے جب کہ بیوی نے طلاق کی نیت کی ہو اور خاوند نے بہ نیت طلاق اسے اس کی اجازت دے دی ہو۔ اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ 'تو خود کو طلاق دے لے اور بیوی کہے کہ ''میں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا'' تو اصولی طور پر اس سے کچھ نہ ہوگا۔ کیوں کہ بیوی کا یہ کہنا کہ ''میں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا'' الفاظ تفویض (کے جواب) میں سے نہیں ہے' نہ صراحۃً نہ کنایۃً۔ لہٰذا یہ لغو ہے' البتہ کنایہ یہ ہے کہ خاوند بیوی سے کہے کہ اختاری (یعنی تجھے خود کو طلاق دینے کا اختیار ہے) اور بیوی کہے کہ اخترت نفسی (کہ میں نے خود کو اختیار کر لیا) تو اس سے طلاق بائن پڑ جائے گی بشرطیکہ خاوند نے (اختیار دینے میں) طلاق کی نیت کی ہو اور بیوی بہ نیت طلاق اس اختیار کو کام میں لائی ہو۔

اگر ایک شخص نے بیوی سے کہا کہ تو اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دے اور بیوی نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی تو

Marfat.com

ایک ہی طلاق ہوگی لیکن اگر خاوند نے کہا کہ "تو خود کو ایک طلاق دے دے" اور اس نے خود کو تین طلاقیں دیں تو بقول راجح اس سے کچھ واقع نہ ہوگا تاہم کہتے ہیں کہ ایک طلاق واقع ہوگی۔

اگر کہا کہ اگر تو چاہے تو خود کو تین طلاقیں دے دے اور اس نے کہا کہ میں طلاق یافتہ ہوں تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔ کیوں کہ خاوند نے تین طلاقوں کو اس کی اس مرضی پر موقوف رکھا تھا کہ وہ تین طلاقیں چاہے تب استعمال کر سکتی ہے۔ لہٰذا اس کے محض طلاق یافتہ کہنے سے وہ طلاق واقع نہ ہوئی لہٰذا اس سے کچھ واقع نہ ہوگا کیوں وہ شرط جس پر طلاق موقوف تھی وہ پوری نہیں ہوئی۔ ہاں اگر بیوی نے کہا کہ میں نے تین طاقیں خود کو دے دیں تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اگر خاوند نے کہا تو اپنے آپ کو طلاق دے دے اور بیوی نے کہا کہ مجھے طلاق ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے دے اور اس عورت نے کہا کہ میں طلاق دیتی ہوں تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔ البتہ اگر بالعموم طلاق کے لئے صیغہ مضارع کا استعمال ہوتا ہو یا اس عورت نے خود کو طلاق دینے کی نیت سے کہا اور مستقبل میں محض طلاق دینے کا وعدہ نہ ہو طلاق ہو جائے گی۔

لفظ اختیاری (یعنی تجھے اختیار ہے) کے ساتھ تفویض طلاق کی بابت یہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ کنایہ تفویض ہے اور اگر اس کے ساتھ طلاق کی نیت نہ ہو تو کچھ واقع نہ ہوگا۔ پھر عورت کا اس سے تین طلاقوں کی نیت کر لینا درست نہیں ہے۔ کیوں کہ اس طرح عورت کو اپنے بارے میں طلاق کا اختیار دینے کے معنے عقد زوجیت سے خارج ہو جانے کا اختیار دینے کے ہیں۔ اور عورت کا زوجیت سے خارج کر دینے والا امر بینونۃ ہے پس لفظ اختیار جس مفہوم کو مستلزم ہے وہ زوجیت سے علیحدگی ہے اور لفظ اسی کا تقاضا کرتا ہے۔ اور جس معنے کا لفظ متقاضی ہو اس معنے میں عمومیت ملحوظ نہیں ہوتی بلکہ ضرورت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور بقدر ضرورت اس کا مفہوم لیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں پر بینونۃ صغریٰ مراد ہے (یا کم سے کم وہ امر جس سے عقد زوجیت جاتا رہے) یعنی طلاق بائن اس سے بینونۃ کبریٰ (یعنی بڑی علیحدگی یا طلاق مغلظہ) کی نیت کرنا درست نہ ہوگا کیوں کہ لفظ میں اس مفہوم کی گنجائش نہیں ہے بخلاف اس کے اگر بیوی سے کہا کہ تو 'بائن' ہے اور نیت طلاق ثلاثہ کی ہے تو درست ہے اور جو نیت کی وہی واقع ہوگا۔ جیسا کہ کنایات کے بارے میں بتایا گیا۔

اگر بیوی سے کہا کہ "تجھے اختیار ہے" اور اس سے نیت طلاق کی ہے۔ اس پر بیوی نے کہا کہ 'میں نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا' تو اس سے ایک طلاق بائنہ پڑ جائے گی' کیوں کہ یہ کنایہ ہے۔ اگر (خاوند کے) اس قول کے جواب میں بیوی نے بصیغہ مضارع کہا کہ 'میں اپنے آپ کو اختیار کرتی ہوں' تو اس سے بھی طلاق بائنہ پڑے گی بخلاف انا اطلق نفسی کہنے کے (یعنی میں اپنے آپ کو طلاق دیتی ہوں) تو اس سے طلاق نہیں پڑے گی بجز اس صورت کے جبکہ اس سے طلاق کی نیت کی ہو یا بالعموم طلاق کے لئے صیغہ مضارع استعمال کیا جاتا ہو۔ جیسا کہ ابھی بتایا گیا۔ اور لفظ اختاری (یعنی تجھے اختیار ہے) کہنے سے طلاق واقع ہونے کی شرط یہ ہے کہ خاوند یا بیوی ان دو الفاظ میں سے کوئی لفظ استعمال کرے یا تو نفس (یعنی اپنا آپا) یا اختیارہ (یعنی مرضی) بایں طور کہ خاوند بیوی سے کہے کہ 'تجھے اپنی بابت اختیار ہے' یا تجھے اختیار ہے' اور بیوی کہے کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا' یا خاوند کہے اختاری اختیارۃً (یعنی تو اپنی مرضی کر لے اور بیوی کہے کہ میں نے کر لی یا خاوند کہے کہ تجھے اختیار ہے اور بیوی کہے "اخترت اختیارۃً" (کہ میں نے اپنی مرضی کر لی) یہاں پر اختیارۃ

Marfat.com

(مرضی) کا لفظ نفس (اپنے آپ) کا قائم مقام ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی ہے کہ تو اپنی ماں کو اختیار کر یا کہا کہ طلاق اختیار کر اور وہ کہے کہ میں نے اختیار کر لیا' اور اگر کہا کہ تو اپنے اختیار کو کام میں لا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنے باپ یا ماں کو یا اپنے کنبہ کو یا خاندان کو اختیار کیا تو یہ الفاظ بھی 'نفس' کے قائم مقام ہیں لہٰذا اس سے طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔

اگر خاوند نے کہا کہ تجھے اختیار ہے اور بیوی نے کہا کہ میں نے اختیار کر لیا اور 'نفس' (یعنی اپنی جان یا اپنے آپ) یا اختیارۃً (یعنی مرضی یا پسند) یا اپنے باپ یا ماں وغیرہ الفاظ مذکورہ سابقہ کا ذکر نہیں کیا تو اس سے کچھ نہ ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کے قول میں اس کا ذکر آیا ہو۔ خاوند کے قول میں اس کا ذکر آنے کی خصوصیت نہیں ہے۔ چنانچہ اگر بیوی نے کہا کہ میں نے اپنے خاوند کو اختیار کیا تو اس سے کچھ نہ ہوگا لیکن اگر کہا کہ میں نے اپنے خاوند اور اپنے نفس کو اختیار کیا تب بھی اس سے کچھ نہ ہوگا کیوں کہ پہلے خاوند کا ذکر آ جانے سے بیوی کو اپنے نفس کے اختیار کرنے کا حق جاتا رہا۔ اگر اس کے برعکس یوں کہا کہ میں نے اپنے نفس کو اور خاوند کو اختیار کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی کیوں کہ اپنے نفس کو اختیار کرنے کے بعد خاوند کو اختیار کرنے کا حق جاتا رہا اور اگر کہا کہ میں نے اپنی جان یا اپنے خاوند کو اختیار کیا تو اس سے کچھ واقع نہ ہوگا' کیوں کہ 'یا' کا لفظ دو امور میں سے ایک کے لئے ہوتا ہے اور یہ متعین نہیں ہوتا کہ اس نے اپنی جان کو اختیار کیا یا اپنے خاوند کو تو یہ قول بے معنی ہو جائے گا اور اسے بیوی کا انکار شمار کیا جائے گا۔ اگر کہا کہ 'تو اپنی جان کو اختیار کر لے (تو اپنے بارے میں اختیار طلاق کو کام میں لا) پھر کہا کہ اگر تو مجھے اختیار کرے تو میں اس قدر مال تجھے دوں گا۔ اب اگر اس عورت نے (طلاق لینے کی بجائے) خاوند کو اختیار کیا تو اس کا اختیار باطل ہوگا اس عورت نے (طلاق لینے کی بجائے) خاوند کو اختیار کیا تو اس کا اختیار باطل ہوگا اور خاوند پر اس مال کی ادائیگی لازم نہ ہوگی جو اس نے دینا کیا تھا۔ اور نفس یا جو اشیاء اس کی قائم مقام ہیں مثلاً اپنی مرضی یا باپ یا ماں وغیرہ کے اختیار کرنے کی شرط یہ ہے کہ اختیار (طلاق) ملنے کے ساتھ ہی عورت اپنے اختیار کو کام میں لائے پس اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے اختیار ہے اور اس نے کہا کہ "میں نے اختیار کر لیا" اور (یہ کہہ کر کچھ عرصہ خاموش رہی پھر اس کے بعد اس نے کہا کہ "اپنے نفس کو' تو اگر یہ بات اسی جگہ اس نے کہہ دی تب تو یہ قول اس کا درست متصور ہوگا لیکن اگر "میں نے اختیار کر لیا" کہنے کے بعد وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی ہو اور اس کے بعد "اپنے نفس کو" کہا تو یہ قول درست نہیں ہے۔ عورت کا اختیار باطل ہو جائے گا۔ اگر خاوند نے لفظ 'تجھے اختیار ہے' کو مکرر 'تجھے اختیار ہے' 'تجھے اختیار ہے' کہا اور بیوی نے کہا میں نے اختیار کر لیا یا یہ کہا کہ میں نے اپنی مرضی اختیار کر لی تو اس سے تین طلاقیں پڑ جائیں گی بشرطیکہ ہر بار طلاق کی نیت کی ہو۔ لیکن اگر خاوند کہتا ہے کہ اس نے ایک لفظ سے طلاق اور بقیہ دو سے گھر مراد لیا ہے تو قانوناً اس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر تین بار یوں کہا کہ تجھے اپنے نفس کے بارے میں اختیار ہے اور پھر اس کا کہنا ہے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی تو قانوناً اس کی بات نہیں مانی جائے گی کیوں کہ نفس کی بار بار تکرار اس امر پر دلیل ہے کہ اس کا ارادہ طلاق کا تھا اور حاکم شرع کے نزدیک ظاہر الفاظ کو نیت کی بہ نسبت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ تاہم اگر وہ اپنے قول میں سچا ہو تو شرعاً اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے وہ اس نیت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کنایہ میں (نفاذ حکم کے لئے) ضروری ہے کہ نیت ہو یا ایسے حالات ہوں جو اس حکم کے

Marfat.com

متقاضی ہوں یا بار بار کی تاکید سے اس کے ارادہ کی تکمیل ہوتی ہو۔

اگر ایک شخص نے کہا کہ تجھے اپنے نفس کا اختیار ہے اور اس کو تین بار دہرایا اور بیوی نے کہا کہ میں نے پہلی یا درمیان کی بات اختیار کی تو ایسی صورت میں بقول ضعیف تین طلاقیں لازم ہوں گی۔ کیوں کہ وہ عورت یک بارگی بغیر ترتیب کے کل طلاقوں کی مالک بنائی گئی ہے لہٰذا اس میں پہلی یا دوسری کے تصور کو دخل نہیں ہے اور یہ کہنا کہ میں نے پہلے قول کو اختیار کیا لغو ہے۔ تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے ایک طلاق عائد ہوگی اور یہی درست ہے۔

اگر ایک شخص نے بیوی سے کہا کہ تجھے اپنے نفس کا اختیار ہے اور اسے تین بار دہرایا اور بیوی نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کو طلاق دی یا اپنے نفس کو ایک طلاق کے لئے اختیار کیا یا پہلی طلاق کو اختیار کیا تو اس سے ایک طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ کیوں کہ اسے طلاق بائن کا اختیار سونپا گیا ہے۔ لہٰذا وہ طلاق رجعی کی مالک نہ ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر خاوند نے کہا کہ تجھے ایک طلاق کا اختیار ہے اور اس نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی کیوں کہ اسے طلاق رجعی کا اختیار تفویض ہوا تھا۔

واضح ہو کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کے پاس کسی فرستادہ کو یہ کہہ کر بھیجا کہ تم میری بیوی کو اختیار طلاق تفویض کر دو اس بات کی خبر اس عورت کو ہو جائے تاہم 'فرستادہ' کے پہنچنے اور تفویض اختیار سے پہلے اس کو اپنا اختیار کام میں لانے کا حق نہ ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر اس شخص نے فرستادہ سے یوں کہا کہ میری بیوی کو اس امر کی اطلاع دے دو کہ میں نے اسے خود کو طلاق دینے کا اختیار دے دیا ہے۔ اور قبل اس کے کہ یہ اطلاع وہ شخص اس کے پاس پہنچاتا۔ عورت کو اختیار طلاق پانے کا علم ہو گیا اور وہ اپنے اختیار کو کام میں لائی تو درست ہے۔

اب رہا سپردگی اختیار کا تیسرا لفظ (یعنی امرک بیدک کہنا) یعنی تیرا معاملہ تیرے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ایسی صورت میں طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اس میں تین طلاقوں کی نیت کرنا بھی درست ہے۔ بخلاف لفظ 'اختیار' کے کہ اس میں تین طلاقوں کی نیت کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔ پس اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور اس سے تین طلاقوں کی نیت کی اور وہ عورت کہے کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا۔ یا میں نے ایک طلاق کی حد تک اختیار کیا یا میں نے اپنی بابت قبول کر لیا یا اپنے معاملہ میں اختیار کو کام میں لائی یا یوں کہا کہ 'تو مجھ پر حرام ہے یا تو مجھ سے جدا ہے یا میں تیری طرف سے بائنہ یا طلاق یافتہ ہوں تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی جیسا کہ خاوند نے نیت کی تھی' اگر کچھ نیت نہ تھی تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ اور ''تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے'' کہنے سے طلاق عائد ہونے کی شرط وہی ہے۔ جو تفویض اختیار کی صورت میں 'نفس' یا اس کی قائم مقام شے کے ذکر کرنے کی ہے۔ پس (وقوع طلاق کے لئے) ضروری ہے کہ وہ عورت یوں کہے کہ 'میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا' یا 'اپنی بات اختیار کر لی'۔ تفویض کے بعد خاوند کو اپنی بات واپس لینے کا اختیار نہ رہے گا اور عورت کے لئے لازم ہوگا کہ وہ اسی جگہ اپنے اختیار کو کام میں لائے۔ اس کے علاوہ ان باتوں کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہوگا جو تفویض صریح اور اختیار سپرد کرنے کے بارے میں پہلے بتائی گئیں۔

واضح ہو کہ یہ الفاظ کہ ''امرک بشما لک اور انفک اولسانک'' (یعنی تیرا معاملہ تیرے بائیں ہاتھ میں ہے یا تیری ناک یا زبان میں ہے) کہنا بھی ایسا ہی ہے جیسے امرک بیدک (یعنی تیرا معاملہ تیرے اپنے ہاتھ میں ہے) کہنا۔ نیز

Marfat.com

(تفویض طلاق کے لئے) یہ بھی شرط نہیں ہے کہ یہ تفویض کسی بڑے آدمی کی ہو بلکہ اگر کم عمری میں بھی تفویض کو اختیار کیا جائے تب بھی درست ہے جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے۔اور یہی حکم خاوند کے اس طرح کہنے کا ہے کہ میں نے طلاق کا معاملہ عاریۃً تجھے سونپ دیا۔یا تیرا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں دے دیا' یا میرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ان تمام عبارتوں کا وہی حکم ہے جو امرک بیدک کہنے کا ہے۔واضح ہو کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اگر ایک شخص نے اس شرط پر شادی کی اس کی بیوی کا معاملہ اس کے اپنے ہاتھ میں رہے گا (یعنی جب چاہے علیحدگی اختیار کرلے) تو ایسا کرنا درست ہوگا بشرطیکہ یہ بات عورت کی جانب سے پیش کی گئی ہو اور وہ کہے کہ میں تمہارے ساتھ اس شرط پر شادی کرتی ہوں کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا میں جب چاہوں خود کو طلاق دے دوں اور خاوند کہے کہ مجھے یہ شرط منظور ہے۔اگر یہ شرط خاوند نے پیش کی تھی تو عورت اپنے آپ کو طلاق دے تو وہ طلاق نہیں ہوگی۔اس کا سبب سابقاً اسی حصہ میں شرط نکاح کے بیان میں بتایا گیا ہے' وہاں پر ملاحظہ ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ خاوند کو حق ہے کہ وہ طلاق کے لئے اپنی بیوی یا کسی اور کو اپنا نائب بنا دے۔طلاق کے لئے نائب بنانے کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم (نیابت بذریعہ) رسالت ہے (یعنی کسی فرستادہ کی معرفت نائب بنانا) اور اس کی صورت یہ ہے کہ خاوند کسی رسول (فرستادہ) کو اپنی بیوی کے پاس بھیج کر اسے طلاق کی خبر دے دے۔اس صورت میں خاوند فرستادہ کو طلاق دینے کا اختیار نہیں دیتا۔بلکہ اسے اس مقصد کے لئے (بیوی کے پاس) بھیجتا ہے کہ وہ ان ہی الفاظ میں جو ثبوت طلاق کے لئے خاوند نے کہے بیوی کو اطلاع دے دے۔پس فرستادہ کو اس کے سوا حق نہیں ہے کہ وہ خاوند کے بیان کو اس کی بیوی تک پہنچا دے تا کہ اسے طلاق یافتہ ہو جانے کی اطلاع مل جائے۔غرض خاوند کا فرستادہ کو اپنا نائب بنانا صرف ثبوت طلاق کے لئے ہوتا ہے۔پس درحقیقت اس کا پیغام رسانی میں خاوند فرستادہ سے یوں کہے گا کہ میری بیوی کو یہ بات پہنچا دو کہ میں نے اسے طلاق دے دی ہے۔اس حالت میں طلاق کا واقع ہونا' اس امر پر موقوف نہ ہوگا کہ فرستادہ بیوی کو اس کا پیغام پہنچا دے۔اور اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ تم میری بیوی کو طلاق دے دو' تو اس قول پر پیغام رسانی کا اطلاق مجازی طور پر ہوگا۔

(نیابت برائے طلاق کی) دوسری قسم تفویض طلاق (یعنی طلاق دینے کا اختیار سپرد کرنا) ہے۔اس کی تین قسمیں ہیں: توکیل' تخییر اور تملیک (یعنی وکیل بنانا۔اختیار دینا اور مالک بنا دینا)۔ان تینوں میں فرق یہ ہے کہ 'توکیل' میں طلاق دینے کا اختیار خود بیوی کو یا کسی اور کو دیا جاتا ہے لیکن طلاق سے باز رکھنے کا حق اسے رہتا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو وکیل بنا دینے سے موکل (یعنی وکیل بنانے والے) کا حق (تنسیخ) معدوم نہیں ہوتا' چنانچہ امر وکالت کی تکمیل سے پہلے اسے اختیار ہوتا ہے' کہ وہ اپنے وکیل کو برطرف کردے یا اس کی وکالت کو واپس لے لے۔پس اگر کسی نے خود بیوی کو وکیل بنایا کہ وہ خود کو طلاق دے لے اور اس نے اپنے آپ کو طلاق دے دی تو وہ طلاق ہو جائے گی اور خاوند کو اس سے پھرنے کا حق نہیں رہے گا۔کیوں کہ بیوی نے وہ کام جس کے لئے اسے وکیل بنایا گیا تھا پورا کر دیا۔خاوند کو اپنے ارادہ سے پھر جانے یا وکیل کو وکالت سے ہٹا دینے کا حق اسی وقت تک تھا جب تک کہ اسے طلاق نہ دی ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ توکیل کی صورت میں وکیل کو بطور خود طلاق دینے کا حق نہیں ہے' بلکہ اسے طلاق دینے کی

Marfat.com

اجازت موکل کے نائب کی حیثیت سے دی جاتی ہے۔ لہٰذا موکل جب چاہے وکیل کو وکالت سے ہٹا سکتا ہے۔ تاہم اگر بیوی کو طلاق کی وکالت دینے کے ساتھ وکالت کے علاوہ کسی اور حق کو بھی وابستہ کیا گیا ہو مثلاً بیوی سے کہا کہ اگر میں تیرے ہوتے ہوئے کسی اور سے شادی کروں تو تیرا معاملہ یا اس عورت کا معاملہ جس سے میں شادی کروں تیرے ہاتھ میں ہوگا اس بارے میں تجھے اپنا وکیل بناتا ہوں۔ ایسی صورت میں اس عورت کو یا اس مرد کو جسے وکیل بنایا وکالت سے برطرف کرنے کا حق نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس توکیل کو بیوی کے ایک حق یعنی دوسری شادی کے ضرر سے محفوظ رکھنے سے جو وابستہ کیا تو اب اس وکالت سے برطرف کرنے کا اختیار نہ رہا۔

اگر خاوند نے کسی غیر شخص کو وکیل بنایا کہ تم میری طرف سے میری بیوی کا معاملہ اسے سونپ دو اختیار دے کر یا مالک (طلاق) بنا کر یا یوں کہا کہ میں تم کو اس امر کا وکیل بناتا ہوں کہ تم میری بیوی کو اس کے اپنے معاملہ کا اختیار سونپ دو یا اس کا مالک بناؤ (یعنی تم کو تخیر یا تملیک کے لئے اپنا وکیل بناتا ہوں) تو یہ قدم درست ہوگا۔ رہا یہ امر کہ آیا اس صورت میں وہ شخص وکیل متصور ہوگا کہ اسے وکالت سے برطرف کیا جاسکے یا بیوی کو تفویض طلاق کرنے والا متصور ہوگا کہ اسے وکالت سے ہٹانا درست نہ ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وکیل نے اسی وقت بیوی کو تفویض طلاق کر دی تو وہ طلاق کی مالک ہو جائے گی اور اب خاوند کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ اگر تفویض نہیں ہوئی تو اسے وکیل تصور کیا جائے گا اور اسے ہٹانا درست نہ ہوگا۔ جیسے وکالت طلاق میں ہوتا ہے کہ ایک شخص کے وکیل نے اگر اس کی بیوی کو ہنوز طلاق نہ دی ہو تو اسے وکالت سے ہٹایا جاسکتا ہے۔ اگر اس نے طلاق دے دی ہے تو طلاق پڑ جائے گی اور اگر خاوند کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہی امر قرین عقل بھی ہے کیوں کہ جب کسی کو اختیار سونپنے یا مالک بنانے کے لئے وکیل بنایا جائے وہ بطور خود اختیار دینے یا مالک بنانے والا نہیں بن جاتا۔ اس کی حیثیت بہر حال ایک وکیل (یا گماشتہ) کی ہوگی اور جو شخص یہ کہے کہ وہ (گماشتہ) اختیار دینے یا مالک بنانے (یعنی تخییر و تملیک) کا حق دار ہو جاتا ہے اور اس کا برطرف کرنا صحیح ہے اس نے اس امر کو فراموش کر دیا ہے کہ وہ بیوی کو مالک (یا مختار) طلاق بنانے کے لئے وکیل ہی کی حیثیت رکھتا ہے خود اختیار دینے یا مالک بنانے والا نہیں بن جاتا البتہ اگر ایک شخص نے کسی کو اپنی بیوی کی زوجیت کے بارے میں اختیار دیا یا اس کام کا اسے مالک بنا دیا مثلاً یوں کہا کہ تم کو میری بیوی کے طلاق کا اختیار ہے یا اس کی زوجیت کی بقاء تمہارے ہاتھ میں ہے تو اب اسے وکالت سے ہٹانا درست نہ ہوگا اور وہ خود ہی تخییر و تملیک کا مالک متصور ہوگا۔

تملیک سے مراد یہ ہے کہ کسی غیر شخص کو طلاق کا مالک بنا دیا جائے۔ اس میں اسے تین طلاق کا مالک قرار دینے کی ترجیح دی جائے گی۔ لیکن تین کی صراحت الفاظ یا حکم میں نہیں ہے لہٰذا اسے تین سے کم کے لئے مخصوص کرنے کا انحصار نیت پر ہوگا۔

اس تعریف میں 'کسی غیر شخص کو طلاق دینے کا حق' کے الفاظ جو آئے ہیں ان سے رسالت اور توکیل کی صورت خارج ہوگئی کیوں کہ اس میں کسی دوسرے کو طلاق کا حق نہیں دیا جاتا اور تین طلاق کو ترجیح حاصل ہونے کے الفاظ سے تخییر کی صورت نکل گئی۔ کیوں کہ تخییر میں دوسرے شخص کو تین طلاقوں دینے کا صراحۃً یا حکماً اختیار ہوتا ہے۔ اس کی حیثیت ترجیحی نہیں ہوتی۔

Marfat.com

توکیل اور تخییر و تملیک کے درمیان فرق یہ ہے کہ وکیل اپنے موکل کا نائب ہونے کی حیثیت سے کام کرتا ہے اور (تخییر و تملیک کی صورت میں) اختیار پانے یا مالک ہونے والے خود اپنی طرف سے کام کرتے ہیں کیوں کہ اس صورت میں خاوند جس امر کا خود مالک ہوتا ہے اس کا مالک دوسرے کو بنا دیتا ہے اور تخییر و تملیک میں فرق یہ ہے کہ تخییر میں اختیار پانے والے کو خود وہ بیوی ہو یا کوئی اور یہ حق ہوتا ہے کہ وہ تین طلاق دے دے اگر چہ خاوند نے تین طلاقوں کی نیت نہ کی ہو۔ لیکن تملیک میں دوسرے شخص کو تین طلاقیں دینے کا حق ترجیحی طور پر حاصل ہوتا ہے۔ وہ تین طلاق سے کم کی نیت بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ اگر خاوند اپنے بیوی کو طلاق کا مالک بنا دے اور بیوی کو دو طلاقیں دے یا تین دے لیکن خاوند کہے کہ میں نے صرف ایک طلاق (کا مالک بنانے) کی نیت کی تھی تو اس کا بیان شرائط آئندہ کے ساتھ تسلیم کیا جائے گا۔ لیکن اگر ایک شخص نے اپنی مباشرت شدہ بیوی کو تین طلاقوں کا اختیار دیا اس نے تین طلاقیں اپنے آپ کو دے دی اور خاوند کہے کہ میں نے ایک یا دو طلاق کی نیت کی تھی تو اس کی بات نہیں سنی جائے گی۔

اس فرق کا خلاصہ یہ ہے کہ اختیار پانے والی بیوی اگر مباشرت شدہ ہے اور اس نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دیں تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور خاوند کا یہ دعویٰ نہیں سنا جائے گا کہ اس نے اس سے کم کی نیت کی تھی' لیکن جس عورت کو مالک بنایا گیا ہے اگر ایک سے زیادہ طلاق دے تو خاوند اس پر اعتراض کر سکتا یہ وہ قرارداد ہے جو امام مالکؒ سے منقول ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ اندریں باب فتویٰ عرف عام کی اتباع پر موقوف ہے۔ اگر بالعموم تخییر کو تین طلاقوں کا مالک بنا دینے کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے تو اسی پر عمل ہوگا قطع نظر اس کے کہ اختیار دینے والے کی نیت کی تھی۔ ورنہ پھر جیسا رواج ہے اس کے مطابق عمل ہوگا اور امام مالکؒ سے جو یہ منقول ہے کہ اگر بیوی کو جس سے مباشرت ہو چکی ہو بغیر تعین نیت کے مختار بنا دیا جائے تو وہ تین طلاقوں کی مالک ہو جاتی ہے۔ ان کا یہ قول بظاہر عوام کی دانست پر مبنی ہے۔ ورنہ واقعہ یہی ہے کہ تخییر طلاق میں صراحت نہیں ہوتی بلکہ وہ کنایہ ہے اور از روئے لغت اس سے کچھ لازم نہیں آتا جیسا کہ باقی تین امامؒ فرماتے ہیں۔ لیکن مالکیہ عرف عام کا اعتبار کرتے ہیں اور اس کو لغت پر مقدم رکھتے ہیں۔ پس در آنحالیکہ ایک لفظ اپنے لغوی معنیٰ سے ہٹ کر عرف عام میں کوئی اور معنیٰ اختیار کر لے تو اسی معنے میں اسے صریح تصور کیا جائے گا۔ عہد امام مالکؒ میں عورت کو مختار طلاق بنانے کا مطلب یہی ہوتا تھا لیکن چونکہ عہد حاضر میں بالعموم یہی سمجھا جاتا ہے کہ محض تخییر سے طلاق نہیں ہوتی جب تک کہ نیت نہ ہو۔ لہٰذا اسی پر عمل ہوگا' کیوں کہ دستور عام کے بدل جانے سے حکم بھی بدل جاتا ہے۔

یہاں تک توکیل اور تخییر و تملیک کے باہمی فرق کی وضاحت تھی۔ اب رہے وہ الفاظ جو تخییر پر دلالت کرتے ہیں' سو ہر ایسا لفظ تخییر (اختیار دینے والا) ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خاوند نے خود اپنی بیوی کو زوجیت میں رہنے یا نہ رہنے کا معاملہ سپرد کر دیا ہے۔ ایسے الفاظ کے منجملہ یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے کہے کہ "تجھے اپنے نفس کا اختیار ہے" یا یہ کہ (تجھے اختیار ہے) تو مجھے اختیار کر یا اپنے معاملہ کو' اور وہ الفاظ جو تملیک پر دلالت کرتے ہیں سو وہ الفاظ تخییر کے علاوہ ہر ایسا لفظ تملیک ہے جس سے ظاہر ہو کہ خاوند نے طلاق کا معاملہ اپنی بیوی یا کسی اور کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ ایسے الفاظ کے منجملہ یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے کہے کہ 'تو اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے یا میں نے تجھے تیرے معاملہ کا مالک بنا دیا یا تجھے اپنے معاملہ کا والی یا (مختار) بنا دیا یا تیرا معاملہ تیرے اپنے ہاتھ میں ہے۔ یا تیری طلاق تیرے ہاتھ میں ہے وغیرہ۔

Marfat.com

رہ گئے وہ الفاظ جو توکیل (وکیل بنانے) پر دلالت کرتے ہیں سوان کی تفصیل اس کتاب کے تیسرے حصہ میں بیان وکالت کے سلسلہ میں آچکی ہے وہاں پر ملاحظہ کیا جائے۔

تفصیل بالا سے رسالت، تملیک، تخیر اور توکیل کے درمیان جو فرق ہے وہ معلوم ہو گیا۔ اور وہ الفاظ بھی بتا دیئے گئے ہیں جو ان امور پر دلالت کرتے ہیں۔ اب معلوم ہونا چاہئے کہ ان کے متعلقہ احکام میں سے بعض احکام تو سب میں مشترک ہیں اور بعض مخصوص ہیں جن کا تعلق ایک سے ہے، دوسرے سے نہیں ہے۔ وہ احکام جو ان سب میں مشترک ہیں ان کے منجملہ یہ ہے کہ جب تملیک، تخیر یا ایسی توکیل ہو جائے جس کے ساتھ بیوی کے حق کا تعلق ہو تو میاں بیوی کے درمیان حیلولہ (طریق احتراز) واجب ہے چنانچہ اگر خاوند نے بیوی سے یہ کہہ دیا کہ تیرا معاملہ تیرے اپنے ہاتھ میں ہے یا تجھے اپنے نفس کا اختیار ہے۔ یا یوں کہا کہ اگر میں تیرے ہوتے ہوئے شادی کروں تو تجھے اپنا معاملہ اپنا ہاتھ میں لینے کا اختیار ہوگا جس کے لئے میں تجھے وکیل بناتا ہوں۔ اور پھر اس بیوی کے موجود ہوتے ہوئے اس نے دوسری شادی کر لی تو ان صورتوں میں خاوند پر واجب ہوگا کہ وہ بیوی سے الگ رہے اور اس سے مقاربت نہ کرے یہاں تک کہ یہ فیصلہ ہو جائے کہ بیوی نے طلاق اختیار کی یا اختیار طلاق کو رد کر دیا۔ یہ حکم اس لئے ہیں کہ ایسی حالت میں عورت کو زوجیت کا باقی رہنا مشکوک ہے۔ کیوں کہ عورت (مختار) کو یہ حق ہے کہ وہ کسی وقت بھی اپنے آپ کو طلاق دے لے اور جس عورت کا دائرہ زوجیت میں رہنا مشکوک ہو گیا ہو اس سے بہرہ مند ہونا حلال نہیں ہے اور بدوران حیلولہ (یعنی احتراز کے دوران) عورت نفقہ پانے کی حق دار نہ ہوگی۔ جس کا سبب بھی یہی (حیلولہ) ہے۔ لیکن اگر دونوں میں سے کوئی بدوران حیلولہ وفات پا جائے تو وہ وارث ہوگا لیکن ایسی توکیل کی صورت میں جس کے ساتھ بیوی کا حق وابستہ نہ ہو۔ مثلاً بیوی سے صرف یہ کہا ہو کہ "میں نے تجھے خود کو طلاق دینے کے لئے اپنا وکیل بنایا" تو اس صورت میں مقاربت ممنوع نہیں ہے۔ چنانچہ اگر وکیل بنانے کے بعد بیوی سے متمتع ہوا خواہ جبراً ایسا ہوا ہو تو یہ متمتع ہونا وکالت سے ہٹایا جانا متصور ہوگا۔ اگرچہ خاوند توکیل کو بحال رکھنا چاہتا ہو۔

تخیر یا تملیک کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کرنا بھی درست ہے۔ مثلاً ایک شخص بیوی سے کہے کہ اگر تیرا باپ آ جائے تو تجھے اپنے نفس کا اختیار حاصل ہو جائے گا، یا یوں کہے کہ تیرا بھائی آ جائے تب تو خود اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے۔ اس طرح کہنے کے بعد جب تک اس کا باپ نہ آ جائے یا بھائی نہ آ جائے ان میں علیحدگی واجب نہیں ہے۔

اسی طرح تملیک یا تخیر میں ایک مقررہ مدت تک کی قید لگانا بھی درست ہے۔ مثلاً خاوند بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے ایک سال تک کے لئے اختیار طلاق دیا سال بھر تک تجھے یہ اختیار ہے کہ میرے ساتھ رہنے یا علیحدہ ہو جانے کا فیصلہ کر لے یا اتنے عرصے تک کی قید لگائی جس میں بظاہر ان کی عمر باقی رہ سکے۔ غرض اس طرح اختیار دینا درست ہے لیکن حاکم کو اس تخیر یا تملیک کی اطلاع پہنچے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ بلا تاخیر اس کا جواب اس عورت سے طلب کرے اور ان عورت پر لازم ہے کہ اسی وقت خود کو طلاق دے یا اس تخیر یا تملیک سے جو اختیار اسے ہاتھ آیا ہے اس کو رد کر دے۔ اب اگر اس نے کوئی فیصلہ کر لیا تو اسی کے مطابق عمل ہو بصورت دیگر حاکم اس تخیر یا تملیک کو ختم کر دے گا۔ ہر چند کہ خاوند مہلت دینے پر راضی ہو، کیوں کہ یہ معاملہ حق اللہ کا ہے یعنی جس صورت میں کہ عورت کا مرد پر حلال ہونا امر مشتبہ ہو تو اس کی

Marfat.com

عصمت (تحفظ) کو باقی رکھنے کے لئے اس سے متمتع ہونے کی مدت کو طول دینا حرام ہے منجملہ ان احکام کے جو تملیک و تخییر میں مشترک ہیں یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں عورت کے فیصلہ پر عمل کیا جائے گا۔ اگر اس نے اپنے آپ کو طلاق صریح یا کنایہ ظاہر کے ذریعہ طلاق دے لی تو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ صریح طلاق کی مثال یہ ہے کہ (طلاق کی مختار جواب میں) کہے کہ میں نے تمہاری طرف سے اپنے آپ کو طلاق دے دی یا تمہاری طرف سے طلاق یافتہ ہو گئی۔ یا تم میری طرف سے طلاق یافتہ یا جدا ہو گئے۔ کنایہ ظاہری کی مثال یہ ہے کہ وہ کہے کہ میں تم سے منقطع یا بائن ہو گئی یا تم پر حرام ہو گئی اور ان الفاظ کے ساتھ یہ بھی شامل کرے کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا۔ لیکن اگر اس نے کنایہ خفی کی صورت میں جواب دیا تو اختیار طلاق اس کے ہاتھ سے جاتا رہے گا' اور اس کا یہ قول تسلیم نہیں کیا جائے گا کہ اس نے طلاق کے ارادہ سے وہ بات کہی تھی۔ پس اگر اس نے کہا کہ میں تمہاری طرف سے مطلقہ بفتح لام خفیف (آزاد) ہوں تو اس کا اختیار جاتا رہے گا اور یہ کہنے سے کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگرچہ یہ الفاظ نہ تو طلاق صریح میں سے ہیں اور نہ الفاظ کنایہ میں سے لیکن اس کو تخییر کا جواب تصور کیا جائے گا لہٰذا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

کنایہ ظاہر اور کنایہ خفی کی تفصیل کنایات طلاق کے بیان میں آ چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔

اگر بیوی نے اختیار طلاق کو رد کر دیا' مثلاً اس نے کہا کہ جس امر کا تم نے مجھے مالک بنایا ہے میں اسے رد کرتی ہوں یا یہ کہا کہ میں اس تخییر (اختیار دینے) کو منظور نہیں کرتی تو اس اختیار کے باطل ہو جانے پر عمل کیا جائے گا اور خاوند سے اس کی زوجیت بحال رہے گی یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کوئی ایسا عمل کرے جو تملیک کو رد کرنے والا ہو' اس کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنی مرضی سے اپنے نفس کو خاوند کے سپرد کر دے گو مباشرت نہ ہو پس اگر بیوی خاوند کو اپنا نفس سپرد کر دے درآنحالیکہ اسے یہ معلوم ہو کہ خاوند نے اسے اختیار طلاق دیا ہے یا طلاق کا مالک بنا دیا ہے (یعنی تخییر یا تملیک کی ہے) تو اس کے بعد اس کا حق اختیار باطل ہو جائے گا۔ اگرچہ وہ اس مسئلہ سے ناواقف ہو کہ اس حال میں خود سپردگی سے اس کا حق اختیار ساقط ہو جائے گا' اور عورت کی خود سپردگی کی ایک صورت یہ ہے کہ خاوند نے بیوی کا معاملہ کسی اور کے سپرد کر دیا اور اس شخص نے بیوی کی رضامندی سے خاوند کے سپرد کر دیا۔ بایں طور کہ ان دونوں کو تخلیہ میں رکھ کر خود درمیان سے ہٹ گیا تو جب بھی اس شخص نے ایسا کیا اس کا حق تملیک و تخییر ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح بیوی اپنے آپ کو طلاق دینے کے اختیار سے محروم ہو جائے گی جبکہ (اختیار کو کام میں لانے کے لئے) کوئی میعاد مدت مقرر کی ہو اور وہ مدت گزر گئی ہو اور حاکم کو یہ معلوم نہ ہو کہ خاوند نے اسے اختیار دیا ہے۔ پس اگر خاوند بیوی سے کہے کہ "آج یا اس مہینے میں تو مجھے اختیار کر یا اپنے نفس کو اختیار کر"۔ یہ بات حاکم شرع کے علم میں نہیں آئی اور مقررہ مدت گزر گئی اور بیوی نے اپنے اختیار سے کام نہیں لیا تو اس کا حق اختیار طلاق ساقط ہو جائے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اختیار کے باقی رہنے کے دو امور ہیں' ایک یہ ہے کہ بیوی تخییر یا تملیک کی اطلاق پانے کے بعد اپنی مرضی سے خاوند کو اپنے نفس پر قابو پانے کی اجازت نہ دے گو مباشرت نہ ہو اگر اس کی اجازت دی تو حق امتیاز ساقط ہو جائے گا اگرچہ بیوی اس بات سے ناواقف ہو کہ خاوند کو اپنے نفس پر قابو دینا اختیار طلاق کو باطل کر دے گا۔ دوسرے یہ کہ اختیار کو کام میں لانے کے لئے کوئی میعاد مقرر کی ہے تو وہ میعاد نہ گزری ہو۔ مدت مقرر کرنے کی دو حالتیں

Marfat.com

ہیں:

پہلی حالت یہ ہے کہ اس بات کا علم حاکم کو ہو' ایسی صورت میں حاکم پر یا حاکم کے قائم مقام پر واجب ہے کہ ان دونوں کے درمیان اس وقت تک حائل رہے (یعنی باہم ملنے کا موقع نہ دے (جب تک کہ وہ عورت اپنے اختیار کو کام میں لا کر بلا توقف طلاق دے دے یا پھر اس تملیک یا تخییر کو رد کر دے' اگر وہ ایسا نہ کرے تو حاکم اختیار طلاق کے حق کو ساقط ہو جانے کا فیصلہ کر دے گا تاکہ تھوڑی دیر کے لئے بھی اس کی زوجیت مشکوک نہ رہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ حاکم کو اس کا علم نہ ہو اور وہ عورت پر کوئی پابندی عائد نہ کر سکے وغیرہ ایسی حالت میں میعاد اختیار گزرنے کے ساتھ ہی بیوی کا اختیار طلاق ختم ہو جائے گا۔ دونوں حالتوں میں (یعنی حاکم کو خبر ہو یا نہ ہو) خاوند پر واجب ہے کہ وہ بیوی سے مقاربت نہ کرے کیوں کہ ایسی عورت جس کی عصمت (یعنی زوجیت) مشکوک ہو جائے متمتع ہونا حلال نہیں ہے۔ اس بارے میں کہ اگر وہ عورت اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہو تو اس کا حق (یا اختیار) ختم ہو جائے گا یا نہ ہوگا اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر عورت کو طلاق کا مختار بنایا ہو لیکن اس کے لئے کوئی میعاد مقرر نہ کی ہو۔ یا غیر مشروط تخییر یا تملیک طلاق ہو تو بیوی کو اس جگہ کے علاوہ جہاں اسے اختیار دیا گیا ہے (کسی اور جگہ اپنے اختیار کو کام میں لانے کا حق نہ رہے گا۔ چنانچہ اگر وہ وہاں سے ہٹ گئی تو یہ اختیار باطل ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ دونوں وہاں سے نہیں ہٹے' لیکن اتنا وقت گزر گیا جس میں وہ اپنے اختیار کو کام میں لا سکتی تھی لیکن کام میں نہیں لائی تو وہ اختیار ختم ہو جائے گا۔ نیز اگر وہ دونوں اسی جگہ رہے اور کوئی ایسا عمل کیا جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ اس سے بچنا چاہتی ہے' تب بھی اختیار جاتا رہے گا۔ اس قول کو ترجیح حاصل ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ تخییر یا تملیک باطل نہ ہوگی اگرچہ زیادہ عرصہ گزر جائے یا دونوں اس جگہ سے ہٹ جائیں۔ منجملہ ان احکام کے جو تخییر و تملیک میں مشترک ہیں ایک یہ بھی ہے کہ جب ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق کا مختار یا مالک بنا دیا پھر اس کے بعد بذریعہ خلع یا طلاق ان میں علیحدگی ہو گئی اور دوبارہ پھر خاوند نے اس کو اپنی زوجیت میں لے لیا تو وہ تخییر یا تملیک باطل ہو جائے گی' کیوں کہ خاوند نے بیوی کی مرضی سے رجوع کیا لہٰذا بیوی کو اولاً جس امر کا مالک بنایا تھا وہ ملکیت باطل ہو گئی۔ لیکن اگر طلاق رجعی دے کر رجوع کیا تو وہ تخییر باطل نہ ہو گی کیوں کہ رجعت بیوی کی رضامندی سے نہیں ہوتی۔

ایک امر مشترک کہ دونوں میں یہ ہے کہ اگر بیوی کو مختار یا مالک بنایا۔ اور بیوی نے اپنا گھریلو سامان باپ کے گھر پہنچا دیا تو دیکھنا چاہئے کہ آیا وہ سامان ایسا ہے جو طلاق کے بعد لے جایا جاتا ہے تو یہ طلاق ہوگی ورنہ نہیں بشرطیکہ اس سے طلاق کی نیت نہ کی ہو۔ اگر طلاق کی نیت سے منتقلی سامان کی ہے (تو خواہ کیسا ہی سامان ہو) بلا اختلاف طلاق پڑ جائے گی اور ہر چند کہ یہ ایک فعل ہے لیکن چونکہ تملیک یا تخییر (اس کے طلاق ہونے کا) قرینہ موجود ہے لہٰذا یہ طلاق صریح متصور ہوگی۔ اور منجملہ امور مشترکہ کے یہ ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو مختار یا مالک بنا دیا اور بیوی نے اس کے جواب میں ایسی بات کی جس سے خاوند کی زوجیت میں رہنے کا احتمال بھی نکلتا ہو تو اسے کہا جائے گا کہ وہ اپنے اس فعل کی وضاحت کرے اور اس کی جو وضاحت بھی وہ کرے اسے تسلیم کیا جائے گا مثلاً خاوند نے بیوی سے کہا کہ تجھے (طلاق کے بارے میں) اختیار ہے اور اس نے کہا کہ میں نے منظور کر لیا یا یہ کہا کہ میں نے اختیار کر لیا یا ایسی صورت ہو کہ خاوند نے کہا کہ تیرا معاملہ تیرے اپنے

Marfat.com

ہاتھ میں ہے اور بیوی نے کہا کہ میں نے اپنے معاملہ کو منظور کر لیا یا کہا کہ جس چیز کا تم نے مالک بنایا میں نے اسے قبول کر لیا۔ ایسی صورت میں لازم ہے کہ وہ اس کا مقصد بیان کرے۔ اگر وہ عورت کہتی ہے کہ میں نے جو یہ کہا کہ میں نے قبول کیا اس سے میری مراد خاوند کی زوجیت کو قبول کرنا ہے یا میں نے اس کے زیر تحفظ رہنا منظور کر لیا تو وہ بدستور اس کی زوجیت میں رہے گی اور اگر کہا کہ میرا ارادہ طلاق کا ہے یا میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا (یعنی خود مختاری اختیار کر لی) تو طلاق پڑ جائے گی اگر وہ کہتی ہے کہ (ان الفاظ سے) میرا ارادہ یہ تھا کہ میں نے تملیک یا تخیر کو منظور کر لیا۔ اور طلاق کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا تو تملیک ہو یا تخیر جو صورت تھی وہ قائم رہے گی اور ان دونوں کے درمیان عورت کے اپنا فیصلہ کرنے تک مغایرت رہے گی جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ دونوں میں ایک امر مشترک یہ ہے کہ اختیار دینے یا مالک بنانے والے خاوند نے کہا کہ اس تخیر یا تملیک سے میرا ارادہ قطعاً طلاق دینے کا نہیں ہے تو بیوی نے اپنے اختیار کو کام میں لاتے ہوئے جو کچھ کر دیا وہی لازم ہو جائے گا اور خاوند کو اس پر اعتراض کا حق نہ رہے گا خواہ اختیار یافتہ بیوی سے مباشرت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو تاہم اختیار یافتہ غیر مباشرت شدہ بیوی پر خاوند کو اعتراض ہو سکتا ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

اگر خاوند تخیر یا تملیک کے بعد کہے کہ یہ بات اس سے سہواً صادر ہو گئی اور اس کا ارادہ ایک طلاق کی نیت کا تھا تو اس کی بات مان لی جائے گی اور اس صورت میں بقول معتمد خاوند کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا نیز کہا جاتا ہے کہ اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔ عمل در آمد اسی پر ہوگا جو بیوی نے عائد کیا۔ اس قول کو درست مانا گیا ہے۔

امور مشترکہ (تخیر وتملیک) میں یہ بھی ہے کہ اگر عورت غیر مباشرت شدہ ہے اور اسے مختار یا مالک طلاق بنایا گیا اور اس کے اختیار میں ایک یا دو یا تین طلاق کی کوئی تعین نہیں کی مثلاً بیوی سے کہا کہ تجھے اپنے نفس کا اختیار ہے یا اسے غیر مشروط طور پر مالک بنا دیا مثلاً اسے کہا کہ 'تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے' اور بیوی نے خود کو تین طلاقیں دیں تو مختار یا مالک بنانے والے خاوند کو اس پر اعتراض کرنے اور جو نیت اس نے کی تھی اس سے زیادہ کو نہ ماننے کا حق ہے فقہائے مالکیہ اس عمل کو 'مناکرہ' (باہمی انکار) کہتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ خاوند کو (بیوی کے فیصلہ سے) انکار کرنے یعنی بیوی نے جو زیادہ طلاقیں دیں ہیں ان کو نہ ماننے کا حق ہے فقہائے مالکیہ اس عمل کو 'مناکرہ' (باہمی انکار) کہتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ خاوند کو (بیوی کے فیصلہ سے) انکار کرنے یعنی بیوی نے جو زیادہ طلاقیں دی ہیں ان کو نہ ماننے کا حق ہے لیکن اگر بیوی مباشرت شدہ ہے تو خاوند کو مناکرہ کا (یعنی مختار بیوی کے فیصلہ سے انکار کرنے کا) مطلقاً حق نہیں ہے۔ البتہ تملک کی صورت میں یہ حق رہے گا۔ مسئلہ کی صرف اس شق میں تخیر اور تملیک کے مابین فرق ہے جیسا کہ آئندہ بتایا جائے گا۔

اگر بیوی (اختیار یافتہ) کہے کہ میں نے اپنے نفس کو طلاق دی یا میں نے اپنے خاوند کو طلاق دی (یعنی چھوڑ دیا) اور تین (کا عدد) نہیں کہا تو اس عورت سے ان الفاظ کی وضاحت کرنے کو کہا جائے گا کہ اس قول سے اس کا کیا مقصد ہے خواہ اسی جگہ وہ موجود ہو یا وہاں سے ہٹ گئی ہو اور خواہ اس کو زیادہ عرصہ مثلاً دو ماہ کا ہو گیا ہو یا نہ ہوا ہو۔ کیوں کہ عورت کے جواب میں تین طلاقوں کی یا اور کچھ نیت کرنے کا احتمال ہے۔ اگر عورت کہے کہ میں نے تین طلاقوں کی نیت کی تھی اور اسے طلاق کا مالک بنا دیا گیا تھا (یعنی تملیک کی صورت تھی تو خاوند کو حق ہے کہ اس کی بات نہ مانے اور ایک طلاق سے زیادہ کو تسلیم نہ کرے۔ خواہ بیوی مباشرت شدہ ہو یا نہ ہو۔ یہی حال مختار بیوی کا ہے (یعنی تخیر کی صورت میں) بشرطیکہ وہ بیوی

Marfat.com

مباشرت شدہ نہ ہو۔ خاونداس کے فیصلہ کو نہ ماننے کا حق رکھتا ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ لیکن اگر بیوی سے مباشرت ہو چکی ہو تو اس صورت میں جو فیصلہ اس نے کیا وہی لاگو ہوگا کیوں کہ خاونداس کو نہ ماننے کا حق نہیں رکھتا۔ اگر بیوی اختیار یافتہ اور مباشرت شدہ ہے اور وہ کہتی ہے کہ میں نے ایک طلاق کی نیت سے خود کو طلاق دی تھی تو یہ تخییر باطل متصور ہوگی اور خاوند پر کچھ عائد نہ ہوگا۔ کیوں کہ تخییر بائن ہو جانے کے ارادہ سے ہوتی ہے اور خاوند نے اسے اپنے نفس کو طلاق بائن دینے کا اختیار دیا تھا اور اس عورت نے بائنہ ہونے کے خلاف زوجیت کو برقرار رکھنا اختیار کیا۔ لہٰذا یہ اختیار باطل ہو جائے گا چونکہ اختیار یافتہ مباشرت شدہ عورت کو تین طلاقوں کے سوا اور کسی قسم کی طلاق عائد کرنے کا اختیار نہیں ہے لہٰذا اگر تین سے کم طلاقیں دیں تو اس کا اختیار باطل ہو جائے گا۔ ہاں اگر اختیار یافتہ عورت مباشرت شدہ نہیں ہے تو اس نے ایک طلاق کی نیت کی ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی اسی طرح مالک بنائی ہوئی عورت کو بھی اس کی نیت کے مطابق ایک طلاق واقع ہوگی خواہ وہ مباشرت شدہ ہو یا نہ ہو۔

اگر عورت کہتی ہے کہ میں نے جو یہ کہا کہ میں نے اپنے نفس کو طلاق دی اور نیت کسی تعداد کی نہ تھی۔ اس صورت میں اختلاف ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس کے اس قول سے تین طلاقوں کا ارادہ سمجھا جائے گا اور اگر وہ اختیار یافتہ عورت مباشرت شدہ ہے تو تین طلاقیں عائد ہو جائیں گی اور خاوند کو مناکرہ (نہ ماننے) کا اختیار نہ ہوگا اور اگر غیر مباشرت شدہ ہے تو خاونداس کے فیصلے کو نہ ماننے کا حق رکھتا ہے اگر خاوند انکار نہ کرے تو تین طلاق ہو جائے گی اور (تملیک کی صورت میں) جب کہ عورت کو طلاق کا مالک بنایا گیا ہو تو تین طلاقیں لازم ہو جائیں گی درآنحالیکہ خاونداس کے ماننے سے انکار نہ کرے۔ خاوند کو اس صورت میں (بیوی کا فیصلہ نہ ماننے کا حق ہے خواہ بیوی مباشرت شدہ ہو یا نہ ہو اسی قول کو ترجیح حاصل ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ بیوی کے اس قول سے ایک طلاق سمجھی جائے گی اور مالک بنائی ہوئی عورت کو بھی ایک طلاق لازم ہوگی خواہ وہ مباشرت شدہ ہو یا نہ ہو۔ اس کی پانچ شرطیں ہیں: ایک شرط یہ ہے کہ خاوند نے عورت کو مختار بنانے کے وقت ایک یا دو طلاق کی نیت کی ہو۔ اگر ایک طلاق کی نیت کی ہے تو اسے حق ہے کہ دو طلاق کے دعوے کو نہ مانے اور اگر دو کی نیت کی ہے تو تین کو نہ مانے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ (بیوی کی بات کو) تسلیم نہ کرنے میں عجلت سے کام لیا جائے۔ اگر اتنی دیر توقف کیا جس میں وہ انکار کر سکتا تھا تو انکار کا حق جاتا رہے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ خاوند قسم کھائے کہ اختیار دینے کے وقت اس نے ایک یا دو طلاق کی نیت کی تھی۔ اگر وہ حلف اٹھانے سے انکار کرے تب بھی یہ حق جاتا رہے گا اور عورت سے قسم نہیں لے جائے گی۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ خاوند نے "تجھے اختیار ہے" وغیرہ الفاظ کو مکررہ نہ کہا ہو اگر یہ الفاظ خاوند نے بار بار کہے اور بیوی نے اپنے نفس کو تین طلاقیں دیں تو اتنی ہی طلاقیں ہو جائیں گی۔ تاہم اگر خاوند یہ کہے کہ اس کا مقصد ان الفاظ کی تکرار سے پہلے قول کی محض تاکید تھا تو اسے حق ہے کہ جتنی طلاقوں کی نیت تھی اس سے زیادہ کو نہ مانے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ عقد کے وقت نہ اختیار طلاق کی شرط رکھی گئی ہو اور نہ خاوند نے اپنی طرف سے یہ پیش کش کی ہو۔ اگر خاوند کو عقد کے وقت اس شرط کا پابند بنا دیا گیا تھا کہ بیوی کو اختیار طلاق ہوگا۔ یا یہ طے ہوا ہو کہ بیوی کا معاملہ اس کے اپنے ہاتھ میں ہوگا یا خاوند نے بوقت نکاح خود اپنی طرف سے پیشکش کی ہو اور پھر بیوی نے اپنے آپ کو تین طلاقیں

Marfat.com

دے دیں تو جتنی طلاق اس نے دی وہ عائد ہو جائے گی۔ لیکن اگر خاوند نے عقد کے بعد بیوی کو (طلاق کا) مختار یا مالک بنایا تو اسے حق ہے کہ بیوی کی دی ہوئی طلاقوں کو نہ مانے۔

اگر دستاویز نکاح میں یہ درج کیا گیا کہ خاوند نے اس بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کی تو بیوی کا معاملہ اس کے اپنے ہاتھ میں ہوگا۔

لیکن اس میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ یہ شرط بیوی کی طرف سے بوقت عقد عائد کی گئی تھی یا خاوند کی اپنی پیشکش تھی تو اس بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس صورت میں یہ گمان کیا جائے گا کہ عقد نکاح کے وقت یہ طے ہو گیا تھا کہ بیوی جو فیصلہ کرے خاوند کو ماننا پڑے گا۔ تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو خاوند کی طرف سے پیشکش تصور کیا جائے گا اور اسے حق ہوگا کہ وہ نہ مانے۔

ایسے احکام کے بارے میں جو تخییر کے لئے مخصوص ہیں۔ اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تخییر (بیوی کو اختیار دینا) مکروہ ہے۔ کیوں کہ اس میں تین طلاقوں کا بیوی کو مختار بنایا جاتا ہے اور تین طلاقوں کا لاگو کرنا فعل مکروہ ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ جائز ہے۔ کیوں کہ تخییر میں تین طلاق کی قید غیر مباشرت شدہ عورت کی صورت میں ہے۔ لیکن تین طلاقوں کا عائد کرنا امر قطعی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ عورت خاوند کی زوجیت ہی میں رہنا اختیار (پسند) کر لے۔ لہٰذا صحیح یہی ہے کہ تخییر امر جائز ہے لیکن تملیک کی صورت میں اگر تین طلاقوں کی قید لگا دی ہو تو مکروہ ہے۔ بصورت دیگر تملیک بالاتفاق روا ہے۔

تخییر کے متعلق ایک حکم یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے خواہ وہ مباشرت شدہ ہو یا نہ ہو یہ کہا کہ "اختاری فی واحدۃ" (یعنی تو خود کو ایک بار طلاق دے لینے میں مختار ہے) تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تجھے ایک بار علیحدگی کا اختیار ہے۔ اور یک بارگی علیحدگی تین طلاقوں ہی سے ہو سکتی ہے۔ پس اس میں یہ احتمال ہے کہ لفظ 'ایک بار' کے کہنے سے خاوند کی نیت یک بارگی زوجیت سے علیحدگی کی ہے یا ایک طلاق دے کر علیحدگی کی نیت ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس عبارت میں لفظ 'فی' (یعنی میں) زائد ہو اور اس عبارت کا مطلب یہ ہو کہ تجھے ایک طلاق کا اختیار ہے۔ اب اگر بیوی نے تین طلاقیں دیں اور خاوند کہتا ہے کہ میں نے ایک طلاق کی نیت سے یہ کہا تھا تو اس پر اس سے حلف لیا جائے گا کیوں کہ ان الفاظ میں تین طلاق کی نیت کا احتمال ہے۔ اگر خاوند حلف اٹھائے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی بشرطیکہ بیوی سے مباشرت ہو چکی ہو۔ اگر خاوند حلف سے انکار کرے تو جتنی طلاقیں بیوی نے دیں وہ عائد ہوں گی اور بیوی سے حلف نہیں لیا جائے گا کیوں کہ یہ حلف تہمت (یا الزامی) ہے یعنی خاوند پر یہ الزام ہے کہ اس نے تین طلاق کی نیت سے اختیار دیا ہے اور الزامی عہد مخالف (مدعی) سے نہیں لیا جاتا (بلکہ الزام سے انکار کرنے والے سے لیا جاتا ہے)۔

اسی طرح اگر خاوند نے (بیوی سے) کہا کہ تجھے اختیار ہے کہ اپنے نفس کو طلاق دے دے یا زوجیت کو بحال رکھ بیوی کہے کہ میں نے تین طلاقیں اختیار کیں اور خاوند کہے کہ اس نے ایک طلاق کی نیت کی ہے تو خاوند سے حلف لیا جائے اگر وہ حلف اٹھا لے تو بیوی پر ایک طلاق عائد ہوگی ورنہ اتنی طلاقیں واقع ہوں گی جتنی بیوی نے دیں۔ اس واسطے کہ زوجیت کو بحال رکھنا بائن ہو کر اس سے علیحدہ ہو جانے کے برعکس ہے' پس جب کہ خاوند نے کہا کہ 'یا زوجیت کو بحال رکھ' تو اس قول میں یہ احتمال ہے کہ اس نے حقیقی معنوں میں طلاق کی وہ نیت نہیں کی تھی جو بیوی کہتی ہے۔ لہٰذا اس پر خاوند سے

Marfat.com

حلف لیا جائے گا۔ لیکن اگر خاوند نے کہا کہ تو اپنے نفس کو طلاق دے اور یہ نہیں کہا کہ ''یا بدستور زوجیت میں رہ'' تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ اگر اس کا یہ دعویٰ ہے کہ اس نے ایک طلاق کا اختیار دینے کی نیت کی تھی تو بغیر حلف کے اس کی بات کو تسلیم کر لیا جائے گا اور اگر بیوی سے کہا کہ تجھے ایک طلاق کے بارے میں اختیار ہے اور بیوی نے تین طلاقیں اختیار کیں تو ایک سے زیادہ طلاق لازم نہ ہوگی۔ اور ایک سے زیادہ طلاق باطل متصور ہوگی۔ اگر کہا کہ تجھے دو طلاقوں کا اختیار ہے اور بیوی نے ایک طلاق اختیار کی تو اس کا یہ فیصلہ باطل ہوگا اور ایک طلاق عائد نہ ہوگی۔ کیوں کہ اس نے دو طلاق کا اختیار دیا تھا تاہم اختیار طلاق باطل نہ ہوگا اور بیوی کو حق ہوگا کہ اس کے بعد وہ دو طلاقیں اختیار کرے یا خاوند کی زوجیت میں رہنا پسند کرے بخلاف تملیک کے کہ اس صورت میں اگر کہا کہ میں نے تجھے دو طلاقوں یا تین طلاقوں کا مالک بنا دیا اور اس نے ایک کا فیصلہ کیا تو ایک ہی طلاق عائد ہوگی اور اگر کہا کہ تجھے دو طلاقوں کے بارے میں اختیار ہے اور بیوی نے اس سے زیادہ طلاقیں اختیار کیں تو ایک ہی طلاق عائد ہوگی۔

احکام تخییر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر بیوی کو غیر مشروط طور پر مختار بنا دیا اور اس نے ایک طلاق اختیار کی تو تخییر ختم ہو جائے گی' بشرطیکہ وہ عورت مباشرت شدہ ہو جیسا کہ ابھی بتایا گیا۔ یہ حکم مشہور ہے تاہم بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس کی تخییر باطل نہ ہوگی۔ اسی طرح وہ صورت ہے جب کہ بیوی کو تعداد کے ساتھ مشروط طلاق کا مالک بنایا ہو۔ مثلاً کہا کہ تجھے اختیار ہے کہ اپنے نفس کو تین طلاقیں دے اور اس عورت نے اپنے نفس کو ایک یا دو طلاقیں دیں تو اس صورت میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی تملیک باطل ہو جائے گی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تملیک باطل نہ ہوگی بلکہ وہ طلاق جو بیوی نے دی تھی وہ باطل ہو جائے گی اور اسے اختیار ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو تین طلاقیں دے اور اس بات کو پہلے کے برعکس ترجیح حاصل ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ خاوند کو حق ہے کہ وہ اپنا حق طلاق بیوی کو تفویض کر دے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیوی کو طلاق کا مالک بنا دے مثلاً یہ کہنا کہ تو اپنے نفس کو طلاق دے سکتی ہے' اور تفویض کی صورت میں طلاق واقع ہونے کی دو شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ طلاق غیر مشروط ہو۔ اگر طلاق مشروط ہوئی' مثلاً یہ کہا کہ جب رمضان آئے تو تجھے اختیار ہے کہ اپنے آپ کو طلاق دے تو یہ درست نہیں ہے اس طرح کہنے سے بیوی طلاق کی مالک نہ ہوگی۔ یہ تملیک طلاق خواہ الفاظ صریح سے ہو یا کنایہ سے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پہلی صورت کی مثال وہ ہے جو اوپر بتائی گئی اور دوسری صورت کی مثال یوں کہنا ہے کہ تو اگر چاہے تو اپنے نفس کو طلاق بائن دے دے۔ اس میں شرط یہ ہے کہ خاوند نے ان الفاظ سے تفویض طلاق کی نیت کی ہو اور بیوی نے بھی خود کو طلاق دینے کی نیت کی ہو۔ کیوں کہ یہ کنایہ ہے' جس سے بغیر نیت کے کچھ لاگو نہیں ہوتا۔ اسی طرح بیوی سے یہ کہنا ہے کہ تجھے اپنے نفس کا اختیار ہے۔ اسے طلاق کا اختیار دینے کے لئے کنایہ قرار دینا درست ہے۔ گویا یوں کہا کہ تجھے اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ عورت مختار اپنے نفس کو فوراً طلاق دے اگر اس میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ ایجاب وقبول کے درمیان رابطہ منقطع ہو گیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر ایجاب وقبول (یعنی تخییر اور اختیار) کے

Marfat.com

درمیان معمولی سی بات کا فاصلہ ہو جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ پس اگر خاوند نے کہا کہ تجھے اختیار ہے کہ اپنے نفس کو طلاق دے اور بیوی نے کہا میں اپنے نفس کو کس طرح طلاق دوں۔ خاوند نے کہا یوں کہہ کہ میں اپنے آپ کو طلاق دیتی ہوں اور بیوی نے اس طرح کہا تو طلاق پڑ جائے گی اور بقول معتمد یہ فاصلہ (طلاق میں) حارج نہ ہوگا۔ اور فوری طور پر عورت کا اپنے اختیار کو کام لانا اس حال میں ہے جب کہ خاوند نے یہ نہ کہا ہو کہ جب جی چاہے اپنے آپ کو طلاق دے۔ اگر خاوند نے اس طرح کہا ہے تو بیوی کو یہ حق ہو گیا کہ وہ جس وقت بھی چاہے خود کو طلاق دے۔

عورت کو تفویض اختیار کرنا ایسا ہی ہے جیسے توکیل (وکیل بنانا)۔ پس خاوند کو حق ہے کہ بیوی کے طلاق دینے سے پہلے پہلے وہ اپنے قول سے پھر جائے۔

اگر خاوند نے کہا کہ ایک ہزار کے عوض اپنے آپ کو طلاق دے اور بیوی نے ایک ہزار کے عوض طلاق دی تو بائنہ (زوجیت سے علیحدہ) ہو جائے گی اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے ساتھ ہی اس نے تعداد طلاق کی نیت کی تو جس تعداد پر دونوں کا اتفاق ہو جائے اتنی ہی طلاق پڑے گی۔ اگر کہا کہ تو اپنے نفس کو طلاق دے اور تین طلاقوں کی نیت کی اور بیوی کہتی ہے کہ میں نے اپنے نفس کو طلاق دی اور دو کی نیت کی تو دو طلاقیں لاگو ہوں گی کیوں کہ ان دونوں کے اقوال میں دو کی نیت مضمر ہے۔ جس نے تین طلاق کی اختیار کی نیت کی وہ ضمناً دو طلاقوں کی نیت بھی ہو گئی۔ لیکن اگر خاوند نے کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے اور ایک طلاق کی نیت کی لیکن بیوی نے دو طلاقوں کی نیت سے طلاق دی تو ایک طلاق واقع ہو گی۔ کیوں کہ اس میں بھی دونوں کی نیتوں میں اتفاق ہے۔ اگر ان دونوں نے کوئی نیت نہیں کی یا دونوں میں سے ایک نے کوئی نیت نہیں کی تو ایک طلاق واقع ہو گی۔

اگر بیوی سے کہا کہ 'تو اپنے آپ کو تین طلاقیں دے سکتی ہے اور بیوی نے ایک ہی طلاق خود کو دی تو ایک طلاق واقع ہو گی۔ لیکن اسے حق ہوگا کہ وہ فوری طور پر دوسری اور تیسری طلاق بھی دے دے۔ اگرچہ (ایک طلاق کے بعد) خاوند نے رجوع کر لیا ہو۔

اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے اور بیوی نے تین طلاقیں دیں تو ایک طلاق واقع ہو گی اور دو طلاقیں لغو متصور ہوں گی اور اگر کہا کہ تو اپنے آپ کو تین طلاقیں دے اور اس نے کہا کہ میں نے طلاق دے دی اور تعداد کا ذکر نہیں کیا لیکن نیت تین طلاقوں کی تھی تو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

واضح ہو کہ خاوند کو یہ بھی حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے کسی غیر شخص کو اپنا نائب بنائے جیسا کہ (اس کتاب کے) حصہ سوم میں وکالت کے بیان میں بتایا گیا۔ نیز خاوند کو خلع کے بارے میں بھی وکیل بنانے کا حق ہے۔ اگر وکیل کو مال خلع کی مقدار بتا دی تھی اور وکیل نے اس سے کم پر خلع کیا تو بیوی کو طلاق نہ ہو گی جیسا کہ اس صورت میں نہیں ہوتی جب کہ بتائی ہوئی جنس کے علاوہ کسی اور جنس پر (وکیل نے) خلع کیا۔ اگر ایک شخص نے کسی کو غیر مشروط طور پر خلع کا وکیل بنایا اور وکیل نے مہر مثل سے کم پر خلع کر لیا تو مہر مثل پر بیوی کو طلاق ہو گی یہی حکم بیوی کے معاملہ میں ہے' جب کہ اس نے اپنی طرف سے کسی کو خلع کے لئے وکیل بنایا اور مال خلع کی مقدار کا تعین کر دیا اور وکیل نے مال کی مقدار اس سے زیادہ کر دی اور خلع کی نسبت بیوی کی طرف کی مثلاً خاوند نے کہا کہ میری وکالت میں فلاں کے ساتھ اس کے مال کے عوض خلع

Marfat.com

کر لو تو وہ عورت اس مہر مثل کے عوض زوجیت سے خارج ہو جائے گی جو وہ عورت خاوند کو دے گی۔ اگر اس زیادتی کو بیوی کی طرف منسوب نہیں کیا تو اس کی ذمہ داری وکیل پر ہو گی کیوں کہ یہ جائز ہے کہ مال خلع میں وکیل اپنی طرف سے زیادتی کر دے۔

واضح ہو کہ مسلمان عورت کا اپنے خلع کے لئے کسی غیر مسلم کو وکیل بنانا درست ہے اور اگر خاوند کسی ایسے شخص کو وکیل (خلع) بنائے جو کم عقلی کے باعث نااہل معاملہ قرار دیا گیا ہو تو یہ درست ہوگا اگر چہ اس کم عقل کے ولی نے اسے (وکیل بنانے کی) اجازت نہ دی ہو بخلاف بیوی کے (کہ وہ ایسا نہیں کر سکتی)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ خاوند کو حق ہے کہ وہ اپنی طرف سے طلاق کے لئے کسی کو اپنا نائب (قائم مقام) بنائے' خواہ یہ نائب اس کی بیوی ہو یا کوئی اور شخص ہو۔ اور طلاق کے لئے نائب بنانا بہر حال وکیل بنانا ہے' خواہ یہ توکیل ایسے الفاظ میں ہوں جو طلاق کا مالک بنانے پر دلالت کرتے ہوں' مثلاً خاوند کا یہ کہنا کہ ''تو اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے'' یا تیرا معاملہ تیرے اپنے ہاتھ میں ہے۔ یا ایسے الفاظ میں نائب بنایا جائے جو اختیار دینے کے معنوں میں مستعمل ہوتے ہیں۔ پس خاوند کو یہ حق ہے کہ قبل اس کے کہ عورت اپنے آپ کو طلاق دے اس نیابت کو واپس لے لے اور اس عورت کو یا اس غیر شخص کو جسے اس نے نائب بنایا ہے' فرائض نیابت سے ہٹا دے یا کوئی ایسا کام کرے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ اس نے وہ نیابت (یا وکالت) واپس لے لی۔ مثلاً نائب بنانے والا خاوند اپنی بیوی سے مباشرت کر لے تاہم الفاظ تملیک میں سے ہر ایک کے متعلق جدا جدا احکام ہیں:

چنانچہ امر بالید (یعنی معاملہ دوسرے کے ہاتھ میں دینا) یہ ہے کہ خاوند بیوی سے کہے کہ امرک بیدک (یعنی تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے) یا کسی اجنبی سے کہے کہ میری بیوی کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو یہ (تملیک کے لئے) کنایہ ظاہر ہے اور اگر خاوند کی نیت اس قول سے طلاق دینے کی ہے تو فوراً طلاق پڑ جائے گی' اگر چہ بیوی اسے منظور نہ کرے۔ اگر فوری طلاق کی نیت نہیں کی بلکہ صرف اختیار طلاق بیوی کو سونپا ہے اور اس کی بیوی نے بالفاظ کنایہ قبول کر لیا کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو جب تک اس سے طلاق کی نیت نہ ہو طلاق واقع نہ ہو گی۔ اور اگر صریح الفاظ میں قبول کیا مثلاً اس نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو طلاق دے لی تو بلا نیت کئے بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔ پھر یہ ہے کہ بیوی کے معاملہ کو اس کے ہاتھ میں دینے سے بیوی کو یہ حق ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اسی جگہ تین طلاقیں دے اور وہاں سے ہٹ کر بھی دے سکتی ہے' اگر چہ لمبی مدت گزر گئی ہو بشرطیکہ بیوی کے طلاق دینے سے پہلے خاوند نے اس قول کو واپس نہ لے لیا ہو۔ غرض خاوند کا اس طرح بیوی سے کہنا ایسا ہے جیسے یہ کہنا کہ تو اپنے آپ کو جب چاہے طلاق دے دے اگر خاوند کہے کہ میں نے اس طرح کہہ کر ایک طلاق کی نیت کی ہے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ خاوند نے بیوی کے علاوہ کسی اور سے کہا کہ ''میری بیوی کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے'' لیکن اگر بیوی سے کہا کہ تو خود کو طلاق دے سکتی ہے اور یہ نہیں کہا کہ ''جب چاہے'' تو بیوی کو یہ حق ہے کہ جب چاہے اپنے آپ کو طلاق دے' کیوں کہ اس میں فوری طور پر طلاق دینے کی شرط نہیں ہے جیسا کہ اس قول میں کہ ''تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے'' اس قول میں کوئی شرط نہیں ہے اور یہی خاوند کی طرف سے وکیل بنانا ہے اس میں خاوند کو حق ہے کہ اس سے رجوع کرے (یعنی اس بات کو واپس لے لے)

Marfat.com

خواہ لفظی طور پر) اس کی تنسیخ کر کے یا بیوی کے ساتھ مباشرت کر کے۔ جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ اور اس طرح کہنے سے بیوی خود کو ایک طلاق دینے کی مالک ہوگی نہ کہ تین طلاق کی۔ اور یہ اس طرح کہنے کے برعکس ہے کہ تیرا معاملہ تیرے اپنے ہاتھ میں ہے۔ سوا اس صورت کے جب کہ خاوند نے ایک سے زیادہ طلاق کی نیت کی ہو۔ اگر ایسی نیت کی ہے تو نیت کے بموجب طلاق واقع ہوگی۔ اگر خاوند نے کہا کہ تو اپنے آپ کو تین طلاق دے اور بیوی نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کو طلاق دی اور تین کا لفظ نہیں کہا تو تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی تا آنکہ بیوی نے تین کی نیت نہ کی ہو جیسا کہ اس صورت میں جب کہ خاوند بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی اور تین طلاق کی نیت کی (تو تین طلاق ہوگی) اگر تین کی نیت نہیں کی تو ایک ہی طلاق ہوگی۔ اگر کہا کہ تیری طلاق تیرے اپنے ہاتھ میں ہے یا یہ کہا کہ میں نے طلاق کے لئے تجھ کو اپنا وکیل بنایا تو اس سے بیوی کو حق ہو جائے گا کہ وہ اپنے آپ کو تین طلاق دے' کیوں کہ قول ایسا ہی ہے جیسے یہ کہنا کہ ''تیرا معاملہ تیرے اپنے ہاتھ میں ہے''۔

(اختیار یافتہ) بیوی پر طلاق واقع ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو طلاق دی یا یہ کہے کہ میں تیری طرف سے طلاق یافتہ ہوگئی اگر یوں کہا کہ میں طلاق یافتہ ہوں تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر بیوی خاوند سے کہے کہ تو طلاق یافتہ ہے (یعنی آزاد ہے) یا تو میری طرف سے طلاق یافتہ (آزاد) ہے تو اس سے طلاق نہ ہوگی بلکہ ضروری ہے کہ وہ طلاق کی نسبت اپنی طرف کرے یا بیک وقت دونوں کی طرف نسبت کی جائے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔

اگر خاوند بیویؔ سے کہے کہ تجھے حق ہے کہ تو اپنے نفس کو اختیار کر لے تو بیوی کو یہ حق نہیں ہے کہ ایک طلاق کے سوا دے جیسے کہ یوں کہنے سے ہوتا ہے کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے۔ لیکن اگر کہا کہ بیوی جو چاہے اپنے لئے اختیار کر لے یا یہ کہا کہ اگر تو چاہے اپنے لئے تین طلاقیں اختیار کر لے۔ اس طرح کہنے سے وہ عورت تین طلاق کی مالک ہو جائے گی اسی طرح اگر دو یا تین طلاقوں کی نیت کی تو نیت کے بموجب بیوی طلاق کی مالک ہو جائے گی۔ اگر خاوند نے تین یا ایک یا دو طلاقوں کی نیت کی تو اتنی ہی طلاقیں واقع ہوں گی جتنی کہ بیوی اپنے اوپر عائد کرے۔ اس میں خاوند کی نیت کو نہیں دیکھا جائے گا۔ اگر الفاظ 'اختیار کر لے' کی تکرار کی اور کہا کہ 'اختیار کر لے اختیار کر لے' اور اس سے متعدد طلاقوں کی نیت کی تو نیت کے مطابق طلاقیں واقع ہوں گی ورنہ ایک طلاق واقع ہوگی۔ عورت کو طلاق کا مختار بنانے کی صورت میں طلاق واقع ہونے کی چند شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ خاوند نے ان الفاظ سے طلاق کی نیت یا بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنے کی نیت کی ہو۔ اگر طلاق دینے کی نیت سے کہا تو فوراً طلاق پڑ جائے گی خواہ عورت نے (اس اختیار کو) منظور کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ کیوں کہ یہ (طلاق کے لئے) مخفی کنایہ ہے اور خاوند نے طلاق کی نیت کی ہے۔ اگر اس سے محض تفویض (یعنی سپردگی اختیار) کی نیت کی تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی تا آنکہ 'بیوی' اس تفویض کو منظور نہ کرے۔ اگر بالفاظ کنایہ منظور کیا مثلاً یوں کہا کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو اس سے بغیر نیت کئے طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر بیوی نے صراحۃً اپنے ردعمل کا اظہار کیا مثلاً یوں کہا کہ میں نے اپنے نفس کو طلاق دی تو عورت کی نیت نہ کرنے پر بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔ جیسے کہ بیوی کے معاملہ کو اس کے ہاتھ میں دینے کی صورت میں پہلے بتایا گیا۔

Marfat.com

خلع کا بیان۔ خلع کی تعریف

خلع بفتح خا۔ فعل خلع کا مصدر ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ''خلع الرجل ثوبہ خَلعاً'' (یعنی اس نے اپنا کپڑا اتار دیا یا اسے اپنے سے جدا کر دیا) یا کہتے ہیں ''خلعت النعل خلعا'' (یعنی میں نے جوتی اتار دی یا پیر سے نکال دی) اسی طرح کہتے ہیں ''خلع الرجل امراتہ یا خلعت المراۃ زوجھا مخالعۃ'' (یعنی مرد نے اپنی عورت کو علیحدہ کر دیا یا عورت نے اپنے خاوند سے علیحدگی اختیار کر لی) یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ زرفدیہ دے کر چھٹکارا حاصل کیا جائے اور لفظ خلع بضم خا سماعی (یا غیر قیاسی مصدر ہے اور لفظ خلع بفتح خاء کا حاصل مصدر کیوں کہ حاصل مصدر کے حروف اس مصدر کے فعل سے کم ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ لفظ خلع بالضم کے حروف فعل خلع بالفتح کے برابر ہیں اور جو لوگ اسے حاصل مصدر قرار دیتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ یہ جو خلع بالفتح ہے وہ اس فعل کا اسم مصدری ہے جو خلع سے بنا ہے نہ کہ خلع سے۔

اس سے معلوم ہوا کہ لفظ خَلع بالفتح فعل خَلع کا مصدر قیاسی (یعنی صرفی قاعدہ کے مطابق) ہے اور لغت میں اس کا استعمال کپڑا اتارنے یا زوجیت کو ختم کرنے کے مفہوم میں ہوتا ہے اور اس کا اسم مصدری (یا حاصل مصدر) خلع یا ضم ہے جو ان دونوں معنوں میں اسی طرح استعمال ہوتا ہے البتہ لغت کی رو سے

دوسری شرط یہ ہے کہ عورت اپنے نفس کو اسی جگہ (جہاں مختار بنائی گئی) اپنے نفس کو طلاق دے اگر وہ اپنے اختیار کو کام میں نہ لائی تھی کہ دونوں وہاں سے ہٹ گئے تو یہ تخییر باطل ہو جائے گی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہاں پر ایسی کوئی بات یا ایسا کوئی کام نہ کیا جائے جس سے اختیار جاتا رہے۔ ہاں اگر خاوند نے بیوی کو اپنا اختیار طلاق کام میں لانے کے لئے زیادہ وقت دے دیا ہو مثلاً بیوی سے یوں کہا ہو کہ تو ایک دن' ایک ہفتہ یا ایک مہینے وغیرہ کے اندر اپنا فیصلہ کر لے۔ ایسی صورت میں بیوی وقت مقررہ تک اپنا اختیار کام میں لانے کی مجاز ہو گی اور اسی جگہ پر اختیار کو کام میں لانے کا حق ختم ہو جائے گا اگر دونوں یا ان میں سے کوئی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو یا یہ کہ وہ ایسی غیر متعلقہ گفتگو میں لگ جائیں جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ اس سے کنارہ کش ہونا چاہتے ہیں۔ یا ایسا ہو کہ ان میں سے کوئی کھڑا ہو اور (سواری پر) سوار ہو جائے یا چل پڑے۔ لیکن اگر اس وقت کھڑا ہو اور بیٹھ جائے تو اس سے اختیار سلب نہ ہو گا۔ یا کوئی عورت سوئی ہوئی ہو اور ٹیک لگا لے تو یہ اختیار باطل نہ ہو گا۔ اگر کوئی سواری پر ہو اور چل پڑے تو اختیار باطل ہو جائے گا اور کوئی معمولی سی چیز کھا لینے یا معمولی وظیفہ پڑھنے لگے سے یا گواہ کو طلب کرنے سے یہ حق باطل نہ ہو گا۔ اگر خاوند نے بیوی کو یہ اختیار دیا کہ وہ اپنے اختیار کو تاخیر سے کام میں لا سکتی ہے بایں طور کہ اسے کہا جائے کہ تو جب چاہے اپنے اختیار کو کام میں لا سکتی ہے یا یوں کہے کہ اگر تو چاہے تو یوں کہنا درست ہے۔

Marfat.com

زوجیت کے ختم کرنے کے معنوں میں خاص طور پر استعمال ہوتا ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ لفظ خلع بالفتح مصدر قیاسی ہے جس کے لغوی معنے اتار دینے کے ہیں اسی طرح خُلع بالضم مصدر سماعی (یعنی غیر قیاسی) ہے یا فعل خالع کا حاصل مصدر ہے اس کے لغوی معنے بھی اتارنے کے ہیں لیکن یہ دوسرا لفظ مجازی طور پر زوجیت کے ختم کر دینے کے معنے میں استعمال ہوتا ہے کیوں کہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے لباس ہیں پس ایسا عمل کرنا جن سے زوجیت کا تعلق ختم ہو جائے گویا دونوں کا لباس ازدواج کو اتار دینا ہے۔ بناء بریں زوجیت کو ختم کرنے کے معنے میں لفظ خلع کا استعمال اس کے اصل لغوی معنے کے پیش نظر از قبیل مجاز ہے لیکن بعد میں زوجیت کے ختم کرنے کے معنوں میں اس کا استعمال لغوی حقیقی ہو گیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ لفظ خلع بالفتح فعل خلع کا مصدر قیاسی ہے جس کے معنے حسی کپڑے کو ہٹانا یا اتارنا ہے اور خُلع بالضم کے معنے وہی ہیں۔ جو اس کے مصدر قیاسی کے ہیں لیکن اہل لغت اس کو اس کے معنوی معنی زوجیت کے ختم کرنے میں استعمال کرتے ہیں لہٰذا یہ لفظ بنیادی لغوی طور پر حسی اور معنوی دونوں لحاظ سے زائل کرنے کے معنے میں استعمال ہوتا ہے پھر اسے معنوی علیحدگی کے معنوں میں خاص کر لیا گیا جس طرح کہ لفظ طلاق اور اطلاق ہے کہ یہ دونوں الفاظ اصل لغت کی رو سے قید کو دور کرنے کے معنے میں مخصوص کر لیا گیا اور اطلاق کا لفظ حسی قید کو ہٹانے کے لئے پھر شارع نے اس کے معنے قید معنوی سے آزادی کے قرار دیا۔ اس لحاظ سے لفظ خُلع بالضم کا استعمال زوجیت کی معنوی قید دور کرنے کے معنوں میں حقیقت بن گیا اور یہ ظاہر ہے کہ میاں بیوی معنوی اعتبار سے ایک دوسرے کا لباس ہیں، لہٰذا خلع اس معنوی لباس کو اتار دینا ہے۔ یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ لفظ خُلع بالضم کے لغوی معنی محض حسی طور پر اتار دینے یا ہٹا دینے کے ہیں پھر زوجین کی علیحدگی کو لباس اتارنے سے مشابہ قرار دیا گیا اور وجہ شبہ دونوں کا لباس ہونا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ھُن لباس لکم" (یعنی بیویاں تمہارا لباس ہیں اس لئے خُلع بالضم کا استعمال علاقہ زوجیت کو دور کرنے کے معنوں میں مجاز لغوی ہوگا۔

رہے اس کے اصطلاحی معنے سو اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خلع ملکیت نکاح کو ختم کرنا ہے (اس پر عمل درآمد) لفظ خلع یا اس کے ہم معنے لفظ کے ذریعہ بیوی کے قبول کرنے پر موقوف ہے۔

اس تعریف میں ملکیت نکاح کو دور کرنے کا جو لفظ آیا ہے اس سے تین امور خارج ہو گئے۔ پہلا امر یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بیوی کو بائنہ (زوجیت سے خارج) کرنے کے بعد خلع کیا تو یہ خلع درست نہ ہوگا کیوں کہ ملکیت نکاح تو بیوی

Marfat.com

کے خارج از زوجیت ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو چکی۔اور اگر مال کے عوض اس سے خلع کر لیا تھا تو اب مزید مال پر خلع کرنا درست نہیں ہے۔ہاں اگر مال کے عوض خلع کیا تھا اور پھر عدت کے دوران مال لے کر طلاق دے دی تو یہ طلاق پڑ جائے گی۔ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ دوسری صورت میں خاوند نے بیوی کو مال کے عوض طلاق صریح دی تو یہ طلاق صریح خلع کے ساتھ شامل ہو جائے گی جس کی رو سے بیوی بائنہ ہوئی تھی۔خواہ وہ طلاق رجعی ہو یا بائنہ۔لیکن پہلی صورت میں یہ دوسرا خلع کیا اور یہ خلع صریح نہیں ہے لہٰذا وہ اس خلع بائن کے ساتھ شامل نہ ہو گا تاہم اگر خاوند نے خلع کے بعد بیوی کو مال کے عوض طلاق دی ہے تو یہ مال بیوی پر واجب الادا نہ ہو گا کیوں کہ بیوی نے جو مال ادا کیا وہ اپنے نفس کی مالک ہونے کی غرض سے ہوتا ہے اور وہ پہلے ہی خلع سے اپنے نفس کی مالک ہو گئی ہے پس وہ طلاق عدت کے دوران طلاق بائنہ ہو گی اور اس خلع کے ساتھ شامل ہو جائے گی جو طلاق بائن ہے۔لیکن اگر (پہلے) طلاق رجعی دی پھر عدت کے دوران مال کے عوض خلع کر لیا تو یہ درست ہے اور ادائے مال خلع بیوی پر لازم ہو گا' کیوں کہ طلاق رجعی سے ملکیت نکاح ختم نہیں ہو جاتی۔اور عورت عدت کے دوران اپنے نفس کی مالک نہیں ہوتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ طلاق صریح (خلع سے) بائن ہونے کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے بشرطیکہ طلاق عدت کے دوران ہو۔خواہ وہ طلاق صریح بائنہ ہو یا رجعیہ۔اگر وہ طلاق صریح نہ ہو یعنی طلاق کنائی ہو تو اس کی دو قسمیں ہوں گی ایک تو وہ طلاق کنایہ جو (حکماً) طلاق صریح کے برابر ہے۔اس کے لئے تین الفاظ ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا یعنی (مثلاً بیوی سے یوں کہنا) کہ تو اپنی عدت گزار وغیرہ۔اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہو گی اور یہ طلاق (خلع) بائن کے ساتھ ہو جائے گی۔ رہے وہ کنایات جو کنایہ صریح کی مانند نہیں ہیں اس میں تمام باقی کنایات شامل ہیں ان سے طلاق بائن پڑ جائے گی اور یہ صریح کے ساتھ شامل ہو جائے گی لیکن خلع بائن کے ساتھ شامل نہ ہو گی لہٰذا اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ مال کے عوض خلع کر لیا اور بدوران عدت طلاق کنائی دے دی اور وہ کنایہ ایسا ہے جس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے تو وہ صریح کی مانند ہے اور بدوران عدت دی جائے تو وہ خلع میں شامل ہو جائے گی اور اگر وہ کنایہ ایسا ہے جس سے طلاق بائن پڑتی ہے تو وہ خلع کے ساتھ شامل نہ ہو گی۔

دوسرا امر یہ ہے کہ مرتدہ عورت اگر اپنے خاوند سے حالت ارتداد میں خلع کرے تو یہ خلع درست نہیں ہے۔کیوں کہ مرتد ہونے سے خاوند جو ملکیت نکاح رکھتا تھا وہ پہلے ہی زائل ہو گئی اور خلع زوال ملکیت کو کہتے ہیں لہٰذا یہ صورت پیدا ہی نہیں ہوتی۔پس اگر اس عورت نے واپسی مہر کے عوض خلع کیا تو مہر (واجب الاداء) ساقط نہ ہو گا اور خاوند کو اس کے لئے مجبور کرنے کا حق باقی رہے گا۔

تیسرا امر نکاح فاسد ہے کہ اگر کسی عورت سے نکاح فاسد کیا اور اس سے مباشرت ہو گئی تو اس مباشرت کی بناء پر مہر قرار پا جائے گا جیسا کہ پہلے بتایا گیا اب اگر اس مہر کے عوض خلع کیا تو خلع صحیح نہ ہو گا۔لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مہر ساقط ہے کیوں کہ یہ خلع ہی فاسد ہے اس لئے خلع ملکیت کو زائل کرنا ہوتا ہے اور عقد فاسد میں نکاح ہوتا ہی نہیں (تو نہ ملکیت ہوتی ہے نہ زوال ملکیت) لہٰذا مہر ساقط نہ ہو گا اور تعریف میں جو یہ الفاظ ہیں کہ "بیوی کے قبول کرنے پر موقوف ہو گا" اس سے مراد یہ ہے کہ بیوی خلع قبول کر کے ملکیت نکاح کو اسی جگہ پر جہاں اسے خلع کے لئے کہا گیا

Marfat.com

یا اگر وہ عورت وہاں موجود نہ ہو تو جہاں پر اسے اپنے خلع کی بابت معلوم ہو اسی جگہ ملکیت نکاح کو ختم کر دے' اگر وہ خلع کو قبول نہیں کرتی تو اس خلع سے ملکیت نکاح زائل نہ ہو گی۔ لیکن اس کے لئے دو باتیں شرط ہیں: ایک یہ کہ مال کا ذکر صراحت سے کیا گیا ہو بایں طور کہ مثلاً بیوی سے کہا کہ میں نے ایک سو ریال کے عوض یا تیرے مہر کے عوض تجھ سے خلع کیا۔ اگر بیوی یہ کہے کہ میں خلع کو منظور نہیں کرتی تو طلاق واقع نہ ہو گی اگرچہ خاوند نے (اپنے قول میں) طلاق کی نیت کی ہو۔ کیوں کہ اس قول میں طلاق کو ادائیگی مال کے قبول کرنے پر موقوف رکھا ہے اگر وہ ادائیگی مال منظور نہیں کرتی تو وہ شرط پوری نہ ہوئی' لہٰذا اس سے کچھ نہ ہو گا۔

دوسرے یہ کہ اس قول میں مال کا ذکر ہو یعنی خاوند بیوی سے کہے کہ میں تجھ سے باہمی طور پر خلع کرتا ہوں یا مجھ سے خلع کر لے یا اپنے آپ کو خلع کر لے۔ اگر بیوی اس بات کو قبول نہیں کرتی تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ کیوں کہ اگرچہ اس قول میں مال کا ذکر نہیں کیا گیا لیکن باب مفاعلہ کا صیغہ استعمال کرنے سے مال کا ذکر اس میں شامل ہو گیا (کیوں کہ باب مفاعلہ شرکت طرفین کو متقاضی ہوتا ہے) یا اگر بیوی سے کہا خالعتک اور معاوضہ کا ذکر نہیں کیا تو اس سے طلاق بائن پڑ جائے گی خواہ بیوی قبول کرے یا نہ کرے کیوں کہ اس میں مال کا ذکر شامل نہیں (یعنی مال کا ذکر نہ ہو تو خلع نہیں ہے اور خلع نہیں تو طلاق بالکنایہ ہے) اور اگر کہا کہ میں بیس اشرفیوں کے عوض تجھ سے خلع کرتا ہوں اور بیوی اسے منظور کر لے تو طلاق بائن ہو جائے گی اور یہ خلع بیوی پر لازم ہو جائے گا۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ جہاں تک وقوع طلاق کا تعلق ہے یوں کہنے میں کہ خالعتک (یعنی میں نے تیرے ساتھ باہمی طور پر خلع کیا یا اختلعی (تو میرے ساتھ خلع کر لے اور اس کہنے میں کہ خلعتک (میں نے تجھ سے خلع کیا) کوئی فرق نہیں ہے درآنحالیکہ مال کا ذکر نہ آیا ہو۔ پس اگر مال کا ذکر نہیں آیا تو ان الفاظ سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ اگرچہ وہ قبول نہ کرے لیکن ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ اگر بیوی سے کہا کہ خلعتک (میں نے تجھ سے خلع کیا) اور مال کا ذکر نہیں کیا اور بیوی نے کہا کہ میں نے منظور کر لیا تو طلاق ہو جائے گی اور بیوی کے ذمہ کچھ لازم نہ ہو گا لیکن اگر کہا کہ خالعتک (یعنی میں نے تیرے ساتھ باہمی طور پر خلع کر لیا) اور مال کا ذکر نہیں کیا اور بیوی نے اسے منظور کر لیا تو بغیر ذکر کئے ہی بیوی کے حقوق مہر وغیرہ ساقط ہو جائیں گے جیسا کہ آگے بتایا گیا ہے۔

اب رہا کہ یہ آیا (مصدر) خلع سے مشتق الفاظ استعمال کرنے کی صورت میں وقوع طلاق کے لئے نیت شرط ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مال کا ذکر کیا تو یہ ارادہ طلاق کا ایک ایسا ہی قرینہ ہے جیسے کہ غصہ کی حالت میں یا مطالبہ طلاق کے جواب میں وہ الفاظ کہے گئے ہوں۔ پس (بغرض طلاق) الفاظ خلع کے استعمال کرنے میں بالاتفاق نیت شرط نہیں ہے خواہ خلع سے مشتق لفظ استعمال کیا گیا ہو یا الفاظ مذکورہ آئندہ میں سے کوئی اور لفظ استعمال کیا گیا ہو۔ اب اگر اس کے بعد وہ شخص یہ دعویٰ کرے کہ ان الفاظ سے اس کا ارادہ طلاق کا نہیں تھا بلکہ اس کا مقصد مثلاً کپڑے اتار دینے سے تھا تو قانوناً اس کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی البتہ اگر اس کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے تو وہ شرعاً اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ تاہم عورت کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ اس کے ساتھ رہے کیوں کہ عورت بھی قاضی کی طرح اس کی نیت سے بے خبر ہے۔ لیکن اگر مال کا ذکر نہیں کیا اور غصہ وغیرہ بھی نہیں تھا تو اس لفظ پر غور کیا جائے گا جو خلع کے لئے اس نے استعمال کیا۔ اگر اس

Marfat.com

لفظ کو بالعموم بلا معاوضہ طلاق کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا استعمال اس مفہوم میں مشہور ہے تو اسے طلاق صریح تصور کیا جائے گا۔ ورنہ وہ کنایہ ہے اور (وقوع طلاق کے لئے) نیت لازمی ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خلع کے الفاظ پانچ قسم کے ہیں:

ایک قسم میں وہ الفاظ ہیں جو مصدر خلع سے نکلے ہیں مثلاً بیوی سے کہا کہ خالعتک۔ اختلعی۔ اخلعی نفسک اور اختلعتک (یعنی میں نے تیرے ساتھ باہمی طور پر خلع کیا۔ تو مجھ سے خلع کر لے تو اپنے نفس کا خلع کر لے (یعنی چھڑا لے) اور میں نے تجھ پر خلع عائد کر لیا) حنفیہ کہتے ہیں کہ ان الفاظ سے بغیر نیت کئے طلاق ہو جاتی ہے' کیوں کہ لوگ اسے طلاق کے مفہوم میں بکثرت استعمال کرتے ہیں لہٰذا یہ صریح کی مانند ہے۔ پس اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ خالعتک (میں نے تجھ سے باہمی طور پر خلع کیا) اور مال کا ذکر کیا تو نتیجہ ظاہر ہے (کہ یہ خلع ہے) اور اگر مال کا ذکر نہیں کیا تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی' خواہ نیت کی ہو یا نہ کی ہو اور بیوی نے اسے قبول کیا ہو یا نہ کیا ہو اور حقیقت یہ ہے کہ باقی دوسرے الفاظ مذکورہ بھی ''خالعتک'' کی مانند ہیں اگر خالعتک یا اختلعی کے جواب میں بیوی نے منظوری دے دی تو بیوی کا حق مہر وغیرہ ساقط ہو جائے گا۔ اگر بیوی سے کہا کہ تو اپنے آپ سے خلع کر لے اور اس نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کے ساتھ خلع کر لیا لیکن میاں اور بیوی دونوں میں سے کسی نے معاوضہ کا ذکر نہیں کیا تو خلع ہو جائے گا اور بیوی کے حقوق ساقط ہو جائیں گے اور بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور اس کا کوئی معاوضہ نہ ہوگا۔ اکثر علماء نے اس رائے کو اختیار کیا ہے اگر لفظ 'خلعتک' یعنی میں نے تیرے ساتھ خلع کیا) وغیرہ کو وقوع طلاق کی حلت قرار دیا جائے اور اس کے ساتھ کوئی نیت نہ ہو تو اس میں عام رواج کو دیکھا جائے گا۔ ہمارے زمانے میں (طلاق کے لئے) یہ عام رواج نہیں ہے بلکہ ان الفاظ کا استعمال بالعموم (بیوی کا) حق ساقط کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس میں معاوضہ کا ذکر یا تو خاوند کی طرف ہوگا یعنی بیوی کہے گی کہ تم اتنا معاوضہ لے کر مجھ سے خلع کر لو یا خاوند کہے گا کہ میں اتنے (مال) کے عوض تجھ سے خلع کرتا ہوں اور یا پھر معاوضہ کا کوئی ذکر نہ ہوگا۔ اگر معاوضہ کا ذکر نہ ہو تو اس کا مقصد یہ ہے کہ بیوی کا حق مہر وغیرہ ساقط متصور ہوگا اور ایسی صورت میں طلاق نہ ہوگی تا آنکہ اس کی نیت کی جائے۔

دوسری قسم کا لفظ بارأتک ہے (یعنی میں نے تجھے بری کر دیا) پس اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ میں نے تجھے بیس اشرفیوں کے عوض بری کر دیا اور بیوی نے اسے منظور کر لیا تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور بیوی کے ذمہ بیس اشرفی لازم ہوگی اور مہر بالاتفاق ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر بیوی نے اسے قبول نہ کیا تو بالاتفاق نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ بیوی کے ذمہ کچھ عائد ہوگا۔ اگر معاوضہ کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف یہ کہا کہ میں نے تجھے بری کر دیا اور بیوی نے کہا مجھے منظور ہے تو طلاق بائن پڑ جائے گی اور مہر وغیرہ کے حقوق ساقط ہو جائیں گے۔ اسی طرح کی یہ صورت ہے کہ بیوی کہے بارئنی (تو مجھے بری کر دے) اور خاوند کہے ابرأتک (میں نے تجھے بری کر دیا)۔ رہا یہ کہ آیا اس طرح کہنے سے طلاق کا واقع ہونا نیت پر موقوف ہوگا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر طلاق کے معنوں میں لفظ خلع کی کثرت سے استعمال ہوتا ہے تو نیت کے بغیر طلاق ہو جائے گی باوجودیکہ بالعموم ہمارے زمانے میں' خلع کے لئے لفظ بارأتک استعمال نہیں ہوتا بلکہ عام استعمال یہ ہے کہ خاوند بیوی سے کہے کہ تو مجھے (مطالبہ مہر سے) بری کر دے' میں تجھے طلاق دے دوں اور بیوی کہے کہ میں نے تجھے بری کر دیا اور

Marfat.com

تب خاوند اسے کہے کہ میں نے اس بات پر تجھے طلاق دے دی تو اس سے طلاق بائن پڑ جائے گی۔ کیوں کہ اگر چہ یہ صریح (طلاق) ہے۔ لیکن چونکہ یہ مال کے معاوضہ میں ہے لہٰذا بیوی کا حق ساقط ہو جائے گا اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ میں نے تجھے بری کر دیا اور مال کا ذکر نہیں کیا اور بیوی نے کہا میں نے قبول کیا تو بغیر نیت کئے طلاق بائن واقع نہ ہوگی۔ لہٰذا اگر خاوند کہے کہ میں نے اس سے طلاق کی نیت نہیں کی تو اس کی بات قانوناً تسلیم کی جائے گی سوا اس صورت کے جب کہ وہ غصہ کی حالت میں یا طلاق کا مطالبہ ہو' کیوں کہ یہ یقینی طور پر کنایہ ہے (لہٰذا نیت لازمی ہوگی) اور اگر خاوند نے کہا کہ میں نے طلاق کی نیت کی تھی تو بیوی کے وہ حقوق جو خلع میں ساقط ہوتے ہیں وہ ساقط ہو جائیں گے اور اگر بیوی خاوند سے کہے کہ میں تم کو اپنے تمام حقوق سے بری کرتی ہوں اور خاوند بیوی سے کہے کہ میں اس کے معاوضہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں تو اس سے طلاق بائن پڑ جائے گی' اگر چہ یہ طلاق صریح ہے کیوں کہ یہ طلاق معاوضہ میں دی گئی ہے جیسا کہ بتایا گیا۔ ایسی صورت میں بیوی کا نفقہ بدوران عدت ساقط ہو جائے گا۔

تیسری قسم کا لفظ "بـاینتک' ' ہے (یعنی میں نے تجھے بائن کر دیا) یہ لفظ خلع کے لئے وضع کیا گیا ہے اگر کوئی اور ذکر نہیں ہوا اور عورت نے اسے قبول کر لیا تو بیوی کے حقوق مہر ساقط ہو جائیں گے درآنحالیکہ اس سے طلاق کی نیت کی ہو۔ اگر بیوی قبول نہ کرے لیکن خاوند نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق پڑ جائے گی ورنہ طلاق نہیں پڑے گی۔ کیوں کہ یہ بائنہ ہونے کی صورت ہے۔ اور نیت طلاق نہ ہو تو اس سے طلاق نہیں پڑتی۔ لیکن اگر بیوی سے کہا کہ میں نے بیس ریال کے عوض تجھے بائنہ کر دیا۔ بیوی نے اسے منظور نہ کیا تو ایک قول کے مطابق اس سے طلاق نہ ہوگی اور نہ معاوضہ کی ادائیگی لازم ہوگی کیوں کہ اس قول میں مال کے عوض بائن کرنے کا ذکر ہے جیسا کہ بتایا گیا۔

چوتھی قسم کا لفظ "فارقتک" ہے (یعنی میں نے تجھے جدا کر دیا) اگر اس کے ساتھ مالی معاوضہ کا ذکر کیا اور یوں کہا کہ میں نے تجھے ایک سو کے عوض جدا کیا اور بیوی نے اس کو منظور کر لیا تو وہ بائنہ ہو جائے گی اور ایک سو اس کے ذمہ لازم ہو جائیں گے اور اس کے حقوق از قبیل مہر وغیرہ' جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے ساقط ہو جائیں گے۔ اگر بیوی نے اسے منظور نہ کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی اور نہ مال اس پر لازم ہوگا۔ اگر مال کا ذکر نہیں کیا اور بیوی نے اس کی بات کو منظور کر لیا تو اس کے وہ حقوق ساقط ہو جائیں گے جو خلع سے ساقط ہوتے ہیں بشرطیکہ اس قول سے طلاق کی نیت کی ہو یا ارادہ طلاق کا قرینہ موجود ہو۔ اگر بیوی نے منظور نہیں کیا اور خاوند نے اس سے طلاق کی نیت کی ہے تو اس سے طلاق بائنہ پڑ جائے گی کیوں کہ یہ کنایہ ہے۔ بصورت دیگر کچھ لازم نہ ہوگا۔

پانچویں قسم لفظ طلاق بعوض مال کا استعمال ہے۔ لہٰذا اگر ایک شخص نے بیوی سے کہا کہ تو بیس اشرفی کے عوض اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے' اور بیوی نے کہا کہ مجھے منظور ہے یا بیوی نے کہا کہ میں نے اس کے عوض اپنے نفس کو طلاق دی تو یہ طلاق بائن پڑ جائے گی اور بیس اشرفی کی ادائیگی اس پر لازم ہوگی۔ اب رہا یہ سوال کہ آیا ادا کردہ بیس اشرفی سے زیادہ جو مہر ہے وہ ساقط ہو جائے گا۔ صحیح یہ ہے کہ وہ ساقط نہ ہوگا البتہ اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ خواہ وہ نفقہ مقرر ہو یا نہ ہو۔ اگر خاوند کو نفقہ زوجیت کے ادا کرنے کا حکم رہا ہو تو مال عوض طلاق کی صورت میں وہ ساقط ہو جائے گا' اگر چہ اس کے ساقط ہونے کی صراحت نہ کی گئی ہو۔ لیکن دوران عدت کا نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ اس کی بحث آگے آ رہی ہے۔ اگر خاوند نے کہا کہ

Marfat.com

ہیں کے عوض تجھے خود کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا لیکن بیوی نے اسے منظور نہ کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی اور مال خاوند کے ذمہ لازم ہوگا اور اس کا مہر اور نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ تو اپنے نفس کو طلاق دے سکتی ہے اور مال کا ذکر نہیں کیا تو یہ تملیک طلاق ہے، خلع نہیں ہے اس کی تفصیل طلاق کے لئے نائب بنانے کے بیان میں سابقاً ہو چکی ہے علاوہ اس کے بعض اصحاب نے مال کے عوض طلاق دینے کو خلع میں شمار نہیں کیا کیوں کہ اس سے بقول معتمد بیوی کے حقوق ساقط نہیں ہوتے حالانکہ شرعاً خلع سے حقوق ساقط ہو جاتے ہیں۔ البتہ اس سے طلاق بائن پڑ جاتی ہے اور جو مال طے کیا ہے (بیوی پر) اس کی ادائیگی لازم ہوگی لہٰذا یہ خلع کے حکم میں ہے۔

الفاظ خلع کی یہ پانچ قسمیں مشہور ہیں اس پر دو کا اور اضافہ کیا گیا ہے ان میں سے ایک وہ الفاظ ہیں جو مصدر بیع (یعنی فروخت) سے مشتق ہوں چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تیرا نفس تیرے ہاتھ سو اشرفی میں بیع کر دیا اور بیوی نے کہا کہ میں نے خرید لیا یا منظور کر لیا تو اس سے طلاق بائن پڑ جائے گی اور سو اشرفی بیوی کے ذمہ لازم ہو جائے گی اور اس کے حقوق جو خلع میں ساقط ہوتے ہیں وہ ساقط ہو جائیں گے۔ اگر بیوی نے قبول نہ کیا تو طلاق واقع ہوگی اور نہ اس سے عورت پر کچھ لازم ہوگا۔ اگر خاوند نے کہا کہ میں نے تیرا نفس تجھے فروخت کر دیا اور مال کا ذکر نہیں کیا اور بیوی نے کہا میں نے قبول کر لیا تو اس سے طلاق بائن پڑ جائے گی اور اس کے وہ حقوق ساقط ہو جائیں گے جو خلع سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اگر کہا کہ میں نے تیرا نفس تیرے ہاتھ فروخت کر دیا اور مال کا ذکر نہیں کیا اور بیوی نے اسے قبول نہیں کیا تو اس سے قانوناً طلاق بائن پڑ جائے گی اگرچہ خاوند نے اس سے طلاق کی نیت نہ کی ہو۔ کیوں کہ بیع (فروخت) کے معنے ہیں اپنی ملکیت کو ختم کر دینا۔ خاوند بیوی سے تمتع کا مالک ہوتا ہے اور اس ملکیت کو فروخت کر دینا (یعنی اس کا مالک نہ رہنا) طلاق ہے لہٰذا یہ شرعاً طلاق ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ معاوضہ کا ذکر کیا جائے خواہ عورت قبول کرے یا نہ کرے۔ لہٰذا اس شخص کا یہ دعویٰ کہ یہ طلاق نہیں ہے قانوناً تسلیم نہ کیا جائے گا۔ اس کی مثالیں پہلے بیان کر دی گئی ہیں۔ اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ میں نے ایک طلاق تیرے ہاتھ بیع کر دی اور مال کا ذکر نہیں کیا اور بیوی نے کہا میں نے قبول کر لیا تو ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی کیوں کہ معاوضہ کا ذکر نہ ہونے کے باعث یہ قول طلاق صریح ہو گیا۔ لیکن اگر کہا کہ میں نے تیرے مہر کے عوض ایک طلاق تجھے بیع کر دی اور عورت نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کو طلاق دے دی گو یہ نہیں کہا کہ میں نے خرید لیا تو ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور مہر ساقط ہو جائے گا۔

دوسرا وہ لفظ جو مصدر شراء سے مشتق ہو پس اگر بیوی سے کہا کہ تو اپنی طلاق ایک ہزار میں خرید لے اور بیوی نے کہا میں نے منظور کیا یا یہ کہ میں نے خرید لیا تو طلاق بائن پڑ جائے گی اور ایک ہزار واجب الادا ہو جائیں گے اسی طرح کے وہ مسائل ہیں جو بیع کے بیان میں بتائے گئے۔ پس اس طرح خلع کے الفاظ کی سات قسمیں ہوئیں ان سب کے متعلق احکام کی تفصیل بتائی جا چکی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ شرع (کی اصطلاح) میں معاوضہ پر طلاق دینے کو خلع کہتے ہیں۔ طلاق کی تعریف پہلے آ چکی ہے۔ اس تعریف میں لفظ طلاق میں وہ تمام اقسام شامل ہیں جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ یعنی طلاق صریح یا طلاق کنایہ ظاہری یا کوئی اور لفظ جو طلاق کے ارادے سے ادا کیا جائے۔ اب اگر بیوی نے خاوند سے کہا کہ مجھے میرے مہر کے معاوضہ میں

Marfat.com

طلاق دے دے یا مثلاً (یوں کہا کہ) سو ریال کے عوض طلاق دے دے اور خاوند کہے کہ میں نے اس کے عوض تجھے طلاق دے دی تو طلاق بائن پڑ جائے گی اور معاوضہ طلاق بیوی کو دینا ہوگا۔ اسی طرح اگر خاوند نے کنایہ ظاہری سے بہ نیت طلاق بیوی کی بات کو قبول کر لیا تو اس پر طلاق بائن پڑ جائے گی۔ جیسے طلاق صریح کے الفاظ میں سے کوئی لفظ ادا کیا ہو پس اگر خاوند نے بیوی کی پیشکش کا جواب یہ کہہ کر دیا کہ میں نے تجھ سے خلع کر لیا یا تجھ پر خلع عائد کیا تو یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے یہ کہنا کہ تجھے طلاق ہے اور اگر کہا کہ میں نے تیرے ساتھ باہمی طور پر خلع کر لیا یا تجھ پر خلع عائد کیا اور معاوضہ کا ذکر نہیں کیا تو ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔

واضح ہو کہ خلع کی تعریف بعض لوگوں نے اس طرح کی ہے کہ خلع مالی معاوضہ کا ایک معاملہ ہے جس سے عورت اپنے نفس کی مالک ہو جاتی ہے اور خاوند اس معاوضہ کا حق دار ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تعریف خلع کی حقیقت کو اچھی طرح ظاہر کرتی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شریعت کی اصطلاح میں خلع ایسے قول کو کہتے ہیں جس سے میاں بیوی کے درمیان معاوضہ پر علیحدگی ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے ان شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے جن کی تفصیل معاوضہ کی شرائط میں آ رہی ہے۔ پس ہر وہ لفظ جو صراحتہً یا کنایۃً طلاق کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے خلع ہے۔ اس سے طلاق بائن پڑ جاتی ہے۔ الفاظ طلاق کا بیان صیغہ طلاق اور اس کی شرائط کے بیان میں ملاحظہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ خلع یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی یا کسی اور سے معاوضہ لے کر مخصوص الفاظ کے ذریعہ بیوی سے جدا ہو جائے، خلع کے مخصوص الفاظ کی دو قسمیں ہیں: خلع کے الفاظ صریح اور الفاظ کنایہ۔ صریح الفاظ یہ ہیں: خلعت و فسخت و فادیت (یعنی میں نے تجھ سے خلع کر لیا۔ اور تجھے فسخ کر دیا اور تجھے چھوڑ دیا) اگر خاوند ایسے الفاظ استعمال کرے اور ان شرائط کو ملحوظ رکھے جو معاوضہ کے بیان میں بتائے گئے ہیں گو معاوضہ (کی نوعیت) معلوم نہ ہو لیکن بیوی قبول کر لے تو خلع درست ہو جائے گا اور اس کے بعد دونوں میں علیحدگی ہو جائے گی، اگرچہ خلع کی نیت نہ کی گئی ہو، کیوں کہ یہ الفاظ خلع کے مفہوم میں صریح ہیں اور نیت کے محتاج نہیں ہیں پس اگر معاوضہ کا ذکر نہیں آیا یا ذکر آیا لیکن عورت نے اسی جگہ اسے منظور نہیں کیا تو خلع درست نہ ہوگا اور یہ قول لغو متصور ہوگا اس سے کچھ نہ ہوگا اگر معاوضہ کا ذکر آیا اور بیوی نے اسے قبول کر لیا تو یہ فسخ نکاح ہوگا اور اس سے علیحدگی ہو جائے گی۔ ان الفاظ سے عورت اپنے نفس کی مالک ہو جاتی ہے لیکن طلاق کی تعداد تین سے کم نہ ہوگی۔ البتہ اگر خاوند نے طلاق کی نیت کی، فسخ نکاح کی نیت نہیں کی تو یہ طلاق ہوگی اور طلاق کی تعداد تین سے کم ہوگی۔ خلع کے لئے کنایہ کے الفاظ بھی تین ہیں یعنی میں نے تجھے بری کر دیا۔ تیری بریت کر دی یا تجھے بائن کر دیا' ان تین الفاظ سے خلع ہو جاتا ہے بشرطیکہ نیت خلع کی ہو یا صورت حال سے نیت ثابت ہوتی ہو اور صورت حال سے مراد یہ ہے کہ معاوضہ کا ذکر کیا جائے اور بیوی کے مطالبہ خلع کے جواب میں ہو۔ پس اگر بیوی نے خاوند سے کہا کہ مجھ سے خلع کر و اور خاوند کہے کہ میں تجھ سے مثلاً سو ریال کے عوض خلع کرتا ہوں اور اس بات کو بیوی قبول کر لے تو خلع ہو جائے گا اور بغیر فسخ نکاح کی نیت کے نکاح فسخ ہو جائے گا۔ لیکن اگر بیوی نے خلع کی خواہش نہیں کی یا معاوضہ کا ذکر نہیں آیا تو زوجین کی نیت کے بغیر خلع درست نہ ہوگا چنانچہ اگر بیوی نے خاوند سے کہا کہ میں نے تم کو بری کیا اور معاوضہ کا ذکر نہیں کیا لیکن فسخ نکاح

Marfat.com

خلع کے جائز یا ممنوع ہونے کا بیان اور اس کے دلائل

خُلع ایک قسم کی طلاق ہے' طلاق بلا معاوضہ ہوتی ہے اور معاوضہ لے کر طلاق دی جاتی ہے۔اس دوسری صورت کو خلع کہتے ہیں۔ یہ بات بتائی جاچکی ہے کہ اگر صورت حال میاں بیوی میں علیحدگی کی متقاضی ہو تو اس صورت میں طلاق کو جائز کہا جائے گا اور اگر خاوند بیوی کا بار اٹھانے اور حقوق زوجیت پورا کرنے سے عاجز ہو تو یہ طلاق واجب ہو جاتی ہے۔اگر اس طلاق سے بیوی اور اولاد پر ظلم ہوتا ہو تو حرام ہے۔ان احکام کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہوا طلاق پر اور احکام کا اطلاق بھی ہوتا ہے ان کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔تاہم بنیادی طور پر طلاق ممنوع ہے اور بعض کے نزدیک امر مکروہ ہے اور اگر علیحدگی ضروری نہ ہو جائے تو طلاق فعل حرام ہے۔

کی نیت کی اور خاوند نے کہا کہ میں نے قبول کیا اور نیت بھی کی تو فسخ نکاح لازم ہو جائے گا۔بصورت دیگر کچھ لازم نہ ہوگا۔

بہر حال وہ طلاق جو معاوضہ کے مقابلہ میں ہو اس سے طلاق بائن پڑ جائے گی اگر بیوی نے خاوند سے کہا کہ مجھے مثلاً ایک سو بکروں کے عوض طلاق دے دو اور خاوند نے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دے دی تو وہ ایک سو کا حق دار ہو جائے گا اور بیوی کو طلاق بائنہ ہو جائے گی بشرطیکہ طلاق کی نیت کی ہو کیوں کہ ایسی صورت میں یہ طلاق کنائی ہے اگر بیوی سے خاوند نے کہا کہ میرے ساتھ باہمی طور پر خلع کر لے یا ایک ہزار کے عوض خلع کر لے اور خاوند نے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور بیوی پر ہزار کی رقم عائد نہ ہوگی۔ کیوں کہ خاوند نے اسے وہ طلاق دی جس کا بیوی نے مطالبہ نہیں کیا تھا۔اسی طرح اگر بیوی نے خاوند سے کہا کہ مجھے طلاق دے دے معاوضہ کا ذکر نہیں کیا اور خاوند نے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی تو اس سے ایک طلاق رجعی پڑے گی۔لیکن اگر تین طلاق کا مطالبہ کیا تو اب رجوع نہیں ہو سکتا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر خلع کے مخصوص الفاظ میں خلع کیا خواہ وہ الفاظ صریح ہوں یا کنایہ' تو اس سے فسخ نکاح ہو جائے گا اور طلاق کی تعداد کم نہ ہوگی سوا اس صورت کے جب کہ ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی ہو اس صورت میں طلاق بائنہ پڑے گی اور طلاق کی تعداد کم ہو بخلاف اس صورت کے جب کہ معاوضہ پر طلاق دی ہو اور طلاق کا لفظ استعمال کیا ہو تو طلاق کی تعداد کم ہوگی بشرطیکہ خاوند نے (کم کی) نیت کی ہو اور عورت نے قبول کر لیا ہو۔اگر بیوی نے بلا معاوضہ یا معاوضہ فاسد پر خلع کا مطالبہ کیا اور خاوند نے کہا کہ تجھے طلاق ہے تو اس سے طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اور اگر کہا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین طلاق لازم ہوگی اس طرح اگر بیوی نے خلع کا یا مال کے عوض طلاق کا مطالبہ کیا اور اس کے جواب میں خاوند نے کنایات طلاق میں سے کوئی کنایہ استعمال کیا اور نیت طلاق کی تھی تو اس سے طلاق بائن پڑ جائے گی اور بیوی پر معاوضہ کی ادائیگی لازم ہوگی۔

غرض خلع صریح الفاظ خلع سے ہو یا الفاظ کنایہ سے تو فسخ نکاح (طلاق) بائن پڑ جائے گی۔اور اگر بالفاظ صریح طلاق یا بالفاظ کنایہ خلع کیا جائے تو طلاق بائن پڑ جائے گی لیکن اگر کم طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق کی تعداد کم ہو جائے گی۔

Marfat.com

واضح ہو کہ یہ احکام جس طرح طلاق پر عائد ہوتے ہیں اسی طرح خلع پر بھی ہوتے ہیں [1] البتہ (اتنا فرق ہے کہ) خلع اس وقت بھی روا ہے جبکہ طلاق ناجائز ہے۔ [2] مثلاً ایام ماہواری یا حالت نفاس کے دوران یا اس طہر میں جس میں کہ بیوی کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہو خلع درست ہے لیکن طلاق درست نہیں ہے۔

رہی اس کی دلیل سو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**فان خفتم ان لا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ**'' (یعنی اگر یہ اندیشہ ہو کہ میاں بیوی اللہ کی مقرر کردہ حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ بیوی فدیہ دے کر علیحدگی اختیار کر لے) اللہ کی مقرر کردہ حدود سے مراد وہ امور ہیں جن کی حد بندی اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے۔ اور دونوں میاں بیوی کو بہ پاسداری حقوق اس پر عمل کرنا فرض قرار دیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ وہ ان حدود پر قائم رہیں اور ان سے تجاوز نہ کریں۔ پس ان حقوق کے منجملہ جن کی پاسداری کا بیوی کو حکم ہے یہ ہے کہ بیوی سے متمتع ہونے کے سلسلہ میں وہ خاوند کی مکمل فرمانبرداری کرے۔ سوا اس صورت کے جب کہ ضرر کا اندیشہ ہو اور یہ کہ پورے طور پر خاوند کے ساتھ رفاقت رکھے (یعنی شریک حیات بن کر رہے) یہ حلال نہیں ہے کہ بظاہر خاوند کے ساتھ ہو لیکن دل کا تعلق دوسروں سے ہو۔ اگر وہ اندر ایسی لاعلاج کیفیت محسوس کرتی ہو تو واجب ہے کہ وہ اپنے نفس سے جنگ کرے اور ہر ایسی خواہش سے پرہیز کرے جو اسے خاوند کی عزت میں خیانت پر آمادہ کرے یا ایسی بات کرے جسے خاوند ناپسند کرتا ہو۔ مثلاً کسی اجنبی شخص سے جسے خاوند ناپسند کرتا ہو بات چیت کرے یا خاوند کی اجازت کے بغیر اسے گھر میں بلائے وغیرہ اور یہ (لازم ہے) کہ ایسی تمام باتوں پر عمل پیرا ہو جس میں خاوند کی بہتری ہو لہٰذا یہ حلال نہیں ہے کہ خاوند کو اتنا زیادہ خرچ پر آمادہ کرے جس سے معاشرتی نظام میں خلل اور معاشی حالت خراب ہو جائے۔ اسی طرح یہ بھی حلال نہیں ہے اپنے بیٹے بیٹیوں کی تربیت میں کوتاہی کرے یا ان کے لئے برا نمونہ ثابت ہو اور یہ کہ خاوند کے مال وغیرہ کی حفاظت اور ان حقوق کی مراعات میں جن کا خاوند نے حکم دیا ہے خیانت نہ کرے۔ مناسب طور پر اسے خرچ میں لائے اور پاک

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ بنیادی طور پر خلع مکروہ ہے۔ لیکن اگر عورت ساتھ رہنے کو برا سمجھتی ہے تو خلع مستحب ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ خلع نہ حرام نہ واجب ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اوقات ممنوعہ میں طلاق کی طرح خلع بھی ممنوع ہے جیسا کہ طلاق بدعی کے بیان میں بتایا گیا۔

Marfat.com

دامن رہتے ہوئے خاوند کی عزت کی حفاظت کرے اور اس میں خیانت نہ کرے۔ ان کے علاوہ اور دوسرے حقوق بھی ہیں جن کی تفصیل مولف نے اپنی تالیف ’کتاب الاخلاق‘ کے جزودوم میں بیان کی ہے۔

اگر میاں بیوی کے درمیان مخالفت پیدا ہو جائے تو طریق سُنت یہ ہے کہ کنبہ کا کوئی شخص جس کا اثر دونوں پر ہو بیچ میں پڑ کر ان میں تصفیہ کرادے۔ اگر وہ اپنی اصلاح نہ کرسکیں اور باہمی مخالفت اتنی شدید ہو جائے کہ احکام الٰہی تک کا پاس نہ رہے تو ایسی صورت میں معاوضہ لے کر یا بغیر معاوضہ کے ان میں علیحدگی کرادینا درست ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اسی کی طرف اشارہ ہے: ”فابعثوا حکماً من اھلہ و حکماً من اھلھا (الایہ)“ (یعنی ایسے ناسازگار حالات میں خاوند کے کنبہ والوں یا بیوی کے کنبہ والوں میں سے تصفیہ کرنے والوں کو طلب کرلیا جائے۔۔۔) آیت میں لفظ ”حکم“ (تصفیہ کرنے والا) سے مراد ایسا شخص ہے جو ان میں تصفیہ کرانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور طرفین سے ان کے کنبہ والوں میں دو اشخاص کے ان کے مزاجوں میں زیادہ اثر ہے۔ کیوں کہ کنبہ والے ہی ان کے اندرونی معاملات سے باخبر ہوتے ہیں اور وہی جان سکتے ہیں کہ ان کی صلاح کا کون سا طریقہ ہے علاوہ اس کے باہمی مخالفت کے اسباب کا تعلق ان کے داخلی معاملات سے ہوتا ہے اور میاں بیوی یہ پسند نہ کریں گے کہ ان باتوں کو غیروں پر افشاء کیا جائے۔ پس کنبہ والوں کو فیصلہ کنندہ مقرر کرنے میں جو حکمت ہے وہ ظاہر ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ آیا تصفیہ کنندگان کو یہ حق ہے کہ اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو وہ طلاق کرادیں اس کا جواب اثبات میں ہے[1] پھر یہ سوال ہے کہ آیا مرد کے لئے یہ درست ہے کہ وہ اپنی بیوی پر تشدد کرکے اس کی زندگی تلخ کردے اور اس کا چھٹکارا ہونے کے لئے اس سے مال فدیہ وصول کرے اور بیوی کو (اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے) مال ادا کرنا پڑے تو اس سنگدلی سے نجات پائے جو خاوند کے ساتھ رہ کر اسے جھیلنی پڑے گی اور اسی بناء پر اس کا مطالبہ خلع درست ہو اور خاوند کو اس سے مہر مثل وصول کرنے کا حق ہو۔ اس باب میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[2]

۱۔ حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ تصفیہ کنندگان کو یہ حق نہیں ہے کہ بیوی کو طلاق دیں۔ کیونکہ طلاق کا اختیار خاص خاوند کو ہے یا پھر انہیں ہے جن کو وہ اپنا نائب بنائیں اور مال مہر خلع کے معاملہ میں بیوی کا حق ہوتا ہے۔ البتہ اگر خاوند تصفیہ کنندگان کو طلاق کے لئے اپنا نائب بنادے تو اس صورت میں ان کو اس کا حق ہو جائے گا جیسا کہ طلاق کے لئے نائب بنانے کے بیان میں سابقاً بتایا گیا ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند اپنی بیوی پر معاملہ خلع کے لئے تشدد کرے اور اسے دکھ پہنچائے تاکہ اس سے فدیہ

Marfat.com

وصول کر لے تو اس طرح پر کوئی مال اس سے وصول کرنا خاوند کے لئے حرام ہے۔ خواہ وہ مال مہر ہو یا کوئی اور مال ہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ "فلا تاخذوا منه شيئا" (یعنی بیوی کو جو کچھ دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس نہ لو) پس مہر واپس لینے کی ممانعت ہے خواہ کتنا ہی زیادہ ہو۔ لیکن اگر بیوی کا برتاو اپنے خاوند کے ساتھ برا ہو اور وہ حقوق خاوندی ادا نہ کرتی ہو یا خاوند کے ناموس میں خیانت کرتی ہو تو ایسی بیوی سے طلاق کا معاوضہ لینا مکروہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اسی کی طرف اشارہ ہے: "فان خفتم ان لايقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به" (یعنی اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کے مقرر کردہ حدود پر قائم نہیں رہ سکیں گے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ بیوی مال دے کر اپنا پیچھا چھڑا لے) پس پہلی آیت میں خاوند کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ اسے دو حالتوں میں بیوی کے مہر سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ ایک تو اس حالت میں جبکہ اختلاف کی بناء خاوند ہو دوسرے اس حالت میں جبکہ زوجین کو حدود اللہ سے تجاوز کا اندیشہ نہ ہو اور دوسری آیت خاوند کے لئے روا قرار دیتی ہے کہ وہ طلاق کا معاوضہ لے درآنحالیکہ انہیں حدود اللہ سے تجاوز کرنے کا اندیشہ ہو اس میں خاوند کے ساتھ برا برتاؤ کرنا اور اسے دکھ دینا بھی ہے۔ پس دونوں آیتوں میں اختلاف نہ رہا۔ لہٰذا وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ دوسری آیت پہلی آیت کو منسوخ کرتی ہے اس کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور بہر حال اگر عورت مال کے عوض خلع کو قبول کر لے تو ادائیگی مال اس پر لازم ہو جائے گی اور خلع عائد ہو جائے گا اور اس کے معاوضہ میں جو مال وہ شخص وصول کرے گا وہ اس مال کا مالک ہوگا۔ لیکن اگر بیوی کا معاوضہ کو منظور کر لینا خاوند کی ضرر رسانی اور بدسلوکی پر مبنی ہو تو اس مال خلع پر خاوند کی ملکیت مذموم ہوگی ہاں خاوند کے لئے مال خلع کا مالک ہونا اس صورت میں روا ہوگا جب کہ خلع خاوند سے بیوی کی نفرت اور کراہیت کی بناء پر ہوا ہو۔ اگر خاوند نے بیوی کو خلع کے قبول کرنے پر مجبور کیا ہو اور خلع کا مطالبہ پہلے خاوند کی طرف سے ہوا ہو بایں طور کہ اس نے بیوی سے کہا ہو کہ میں نے تیرے ساتھ خلع کیا اور بیوی نے مجبور ہو کر اسے منظور کر لیا۔ اب اگر خاوند نے لفظ خلع استعمال کیا ہے تو طلاق بائن پڑ جائے گی لیکن خاوند کو مال کا کوئی حق نہ ہوگا' کیوں کہ بیوی کے ذمہ مال واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ (ادائے مال پر) راضی ہو۔ اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ میں نے تجھے ایک سو کے عوض طلاق دی اور اسے ادائیگی مال پر مجبور کیا تو ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی اور زر فدیہ کا حقدار نہ ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر خاوند نے خلع کا لفظ استعمال کیا ہے تو طلاق بائن پڑ جائے گی اور معاوضہ ساقط ہو جائے گا اور اگر مال کے عوض طلاق کو کہا ہو تو طلاق رجعی پڑے گی اور معاوضہ اس صورت میں بھی ساقط ہوگا۔ اب رہ گئی یہ بات کہ آیا خاوند کو یہ حق ہے کہ وہ (خلع میں) عورت سے مال کا مطالبہ اس سے زیادہ کرے جو اس نے دیا ہو۔ اگرچہ بیوی نافرمانبردار ہو اس کے جواب میں بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ خاوند نے دیا ہے اس سے زیادہ کا مطالبہ اچھا نہیں ہے درآنحالیکہ زیادتی بیوی کی طرف سے ہوئی ہو۔ اگر زیادتی خاوند کی طرف سے ہوئی ہو تو یہ بات بتائی گئی ہے کہ اسے ہرگز اجازت نہیں ہے کہ بیوی سے کچھ لے۔ بظاہر آیت سے اس کا مباح ہونا ظاہر ہوتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لا جناح عليهما" (یعنی دونوں پر اس مال کے لینے دینے میں کوئی گناہ نہیں ہے) درآنحالیکہ زیادتی دونوں طرف سے ہو۔ اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہو تو بدرجہ اولیٰ (مال کے زیادہ لینے میں) کوئی گناہ نہ ہوگا' واللہ اعلم۔ لیکن یہ کہا جا سکتا

Marfat.com

ہے کہ آیت میں نفسی لفظ جناح سے مقصد گناہ کا نہ ہونا ہے۔تو یہ امر اس خیال کے منافی نہیں ہے کہ جو کچھ دیا ہے اس سے زیادہ نہ لینا ہی بہتر ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند بیوی کے ساتھ بدسلوکی کرے اور اس کے اوپر سوکن ڈالے تاکہ وہ بیوی مال کے عوض اس سے چھٹکارا حاصل کرلے لیکن یہ بدسلوکی اس لئے ہو کہ وہ نماز نہیں پڑھتی یا اس لئے ہو کہ اسے ناپاکی سے غسل کرنے پر مجبور کرے تو ایسا کرنا جائز ہے اور ایسی صورت میں خاوند چاہے تو اسے روک رکھے اور اس کی تادیب کرے تاکہ وہ اپنے فرائض کو جو اس پر عائد ہوتے ہیں انجام دے یا پھر مال کے عوض اس سے خلع کرلے اور اپنا جو مال اس نے لیا ہے وہ سب اس کا ہے لیکن اگر خاوند نے بیوی کے ساتھ بدسلوکی اور ناحق مار پیٹ کی یا گالی دی یا اس کا مال چھین لیا یا اس کی سوکن کو ایک ہی گھر میں رکھ کر شب گزاری میں اس سے امتیازی سلوک کیا۔قلبی لگاؤ کا امتیاز اس سے مستثنیٰ ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

اگر پہلی بیوی کے ساتھ خاوند نے ایسا برتاؤ کیا اور مال دے کر بیوی نے چھٹکارا حاصل کیا تو یہ طلاق بائن ہوگی اور جو مال اس نے لیا ہے وہ واپس کرنا ہوگا اگر خلع کا معاوضہ (خاوند کے بچے) کو دودھ پلانا یا حمل کے اخراجات کا برداشت کرنا یا اولاد کی پرورش کی ذمہ داری سے (خاوند کو) بے نیاز کردینا قرار پائے تو بیوی کے ذمہ جو مطالبہ اس سلسلہ میں تھا وہ ساقط ہوجائے گا اور اس بیوی کے حقوق اسے پھر حاصل ہوجائیں گے۔

واضح ہو کہ بیوی کو دکھ پہنچانے کا ثبوت ایک شخص کی اپنی چشم دید شہادت سے یا کسی کی سمعی شہادت سے بھی ہوسکتا ہے۔اس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ گواہی دینے والا معتبر شخص ہو بلکہ پڑوسیوں میں سے کسی کا بھی بیان کرنا کافی ہے۔ بشرطیکہ بیوی خاوند کی ایذادہی کا جو الزام لگا رہی ہے اس کے لئے حلف اٹھالے۔رہا یہ کہ آیا گواہ کو بھی قسم دلائی جائے گی یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ان سے حلف لینا بہتر ہے۔اگر دو عورتیں گواہی دیں اور بیوی قسم کھالے تو بیوی کے ساتھ بدسلوکی کا یہ کافی ثبوت ہوگا۔ بشرطیکہ وہ شہادت قطعی (اور چشم دید) ہو سماعی نہ ہو یعنی دونوں عورتیں کہیں کہ خاوند نے ان کے سامنے بیوی کے ساتھ بدسلوکی کی۔اور اگر یہ شہادت ایک مرد کی یا دو عورتوں کی ہو اور بیوی حلف اٹھا کر کہہ دے تو مالی معاوضہ (زر خلع) ساقط ہوجائے گا لیکن اگر اس معاملہ میں مال کا ذکر نہ ہو تو مطالبہ (عوض خلع) ساقط نہ ہوگا مثلاً اولاد کی تربیت کے معاوضہ میں خلع کیا جائے (تو تربیت اولاد کی ذمہ داری ساقط ہوگی)۔

اگر خاوند نے بیوی کو اس لئے ایذا دی کہ اس کی بناء پر اسے طلاق ہوجائے لیکن صورت حال یہ ہے کہ بیوی خاوند کے قبضہ میں ہے اور اس وقت تک اسے چھٹکارا ممکن نہیں ہے جب تک وہ یہ بیان نہ دے کہ اسے ایذا رسانی کے دعوے کا حق نہیں ہے اور نہ ایسا گواہ پیش کرسکتی ہے جو خاوند کی ایذادہی کی شہادت دے سکے۔ناچار مال دے کر اس نے خلع کرلیا اور اس کی توثیق بیوی کے مذکورہ اعتراف سے ہوگئی۔تو بیوی کے اس اقرار پر عمل نہیں کیا جائے گا۔کیونکہ یہ مجبوری کا اقرار تھا۔اور اس اقرار کے ثابت کرنے کا طریقہ گواہی ہے کہ کوئی ایسا گواہ موجود ہو جو یہ بیان کرے کہ خلع سے پہلے ہی اس عورت نے کہہ دیا تھا کہ میں اپنے خاوند کے شر سے نجات پانے کے لئے یہ کہہ دوں گی کہ وہ نہ خاوند کی ایذادہی کا دعویٰ کرے گی اور نہ اس کے لئے کوئی شہادت پیش کرے گی۔ایسا گواہ پیش ہوجائے تو ایسی صورت میں بالاتفاق بیوی کو حق ہوگا کہ وہ اپنے اقرار سے پھر جائے۔ایسی ہی صورت وہ بھی ہے جب کہ ایسا گواہ موجود ہو جسے وہ نہ جانتی ہو لیکن وہ گواہی

Marfat.com

دے کہ بیوی نے محض خاوند کے شر سے نجات پانے کے لئے مجبوراً وہ اقرار کرلیا تھا۔ پہلی قسم کے گواہ کو گواہ استرعاء (پیش بندی کا گواہ) کہا جاتا ہے یعنی ایسا گواہ جو خلع سے پہلے ہی اس امر کی شہادت دے کہ بیوی نے جو شرط خلع منظور کی وہ محض خاوند کی ایذا رسانی کی بناء پر تھی۔

یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ بیوی کے ساتھ بدسلوکی خاوند نے کی ہو لیکن اگر بیوی نافرمان ہو اور اس نے اپنی بدزبانی وغیرہ سے خاوند کو دکھ پہنچایا ہو تو خاوند بلا کراہت اپنے مال کا مطالبہ پورا کرے گا۔

اب رہ گئی یہ بات کہ اگر خاوند کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ عورت بدکار ہے تو کیا اسے حق ہے کہ بیوی کے ساتھ بدسلوکی کر کے اسے مجبور کرے کہ وہ مال دے کر خاوند سے چھٹکارا حاصل کرے اور یہ کہ آیا وہ مال خاوند کے لئے روا ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا ٹھیک نہیں ہے کیوں کہ جب خاوند کو بیوی کی بدکرداری کا علم ہو اور وہ بیوی سے زر خلع وصول کرنے کے لئے خاوند بنا رہا تو یہ دیوثی (یا سخت کمینہ پن) ہے لہٰذا اسے چاہئے کہ بغیر مطالبہ مال کے اسے طلاق دینے کے سوا اور کچھ نہ کرے۔ یا پھر اسے بغرض تادیب روک رکھے جیسا کہ طلاق کے بیان میں پہلے بتایا گیا۔ اگر خاوند نے اسے مار پیٹ یا گالی گلوچ سے تنگ کیا اور آخر مال لے کر اسے چھوڑ دیا اور یہ بات ثابت ہوگئی تو بیوی وہ مال اس سے واپس لے سکتی ہے اور بلا معاوضہ مال وہ زوجیت سے خارج ہو جائے گی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ بدسلوکی کرے۔ مارے پیٹے' گالی دے' تنگ کرے اور سوکن کی باری کو اس کی باری پر ترجیح دے اور اس کا خرچ برچ بند کر دے اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے تاکہ بیوی مال دے کر اس سے چھٹکارا پائے۔ اور وہ عورت ایسا ہی کرے تو یہ خلع باطل ہوگا۔ اس صورت میں جو معاوضہ لیا ہے لازم ہے کہ اسے واپس کر دے۔ وہ عورت بدستور اس کی بیوی رہے گی جس طرح کہ خلع سے پہلے تھی۔ کیوں کہ یہ معاوضہ جبراً وصول کیا گیا ہے۔ خاوند کو اس مال کے لینے کا حق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے "**لا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما آتیتموھن**" (یعنی بیویوں کو اس ارادے سے تنگ نہ کرو کہ جو کچھ تم نے دیا ہے اس میں سے کچھ واپس لے لو) حنابلہ کے نزدیک یہ ممانعت (معاملہ کے) فاسد ہونے کی وجہ سے ہے۔ البتہ اگر یہ خلع لفظ طلاق کے ساتھ ہو یا خلع ہی کا لفظ ہو لیکن بہ نیت طلاق استعمال کیا گیا ہو تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ لیکن اگر خاوند نے اس ارادہ سے بدسلوکی نہ کی ہو کہ بیوی سے معاوضہ طلاق میں مال وصول کرے' بلکہ وہ بدخلقی کی بناء پر ایسا کرتا ہے۔ ایسی صورت میں بیوی مال کے عوض میں اس سے پیچھا چھڑا لے تو یہ خلع درست ہوگا اور خاوند کو اس کا معاوضہ لینا روا ہوگا تاہم بیوی کو تنگ کرنے اور دکھ دینے کا گناہ ہوگا۔ پس خاوندوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کریں کہ "**و عاشروھن بمعروف او فارقوھن بمعروف**" (یعنی خوش اسلوبی سے ان کے ساتھ بسر کرو یا پھر خوش اسلوبی کے ساتھ انہیں چھوڑ دو)۔

یہ مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ تشدد خاوند کی طرف سے ہو لیکن اگر زیادتی بیوی کی طرف سے ہو اور وہ اللہ کے فرائض میں سے کسی فرض کی تارک یا بداخلاقی کی مرتکب' بدکار ہو تو خاوند کو اسے بعوض مال چھوڑ دینے کے لئے ستانے کا حق ہے اور جو مال طلاق کے معاوضہ میں بیوی دے اس کا لینا حلال اور خلع درست ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

Marfat.com

''ولا تعضلوهن لتذهبو ببعض ما آتيتموهن الا ان ياتين بفاحشة مبينة '' (یعنی اپنی بیویوں کو اس غرض سے مت ستاؤ کہ اپنے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ واپس لو سوا اس صورت کے جب کہ وہ کھلی بدکاری کے مرتکب ہوں)۔ پس اگر بیوی گناہ فاحش کی مرتکب ہو تو خاوند کو اس کے ساتھ بدسلوکی کرنے اور سزا دینے کا حق ہے یہاں تک کہ وہ بدی سے باز آ جائے یا مال دے کر اس خاوند سے اپنا پیچھا چھڑا لے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ زیادتی دونوں طرف سے ہو۔ اس کا ذکر آیت ''الا ان يخافا ان لا يقيما حدود الله '' میں ہے (یعنی ایسا اقدام اس وقت کرنا چاہئے جب کہ یہ اندیشہ ہو کہ دونوں اللہ کی مقرر کردہ حدود پر قائم نہ رہیں گے)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ خلع کے بارے میں بنیادی بات یہ ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے۔ اسی طرح عورت کے لئے بھی مکرو ہے کہ وہ عورت خلع حاصل کرنے کے لئے بلاوجہ اپنا مال خاوند پر خرچ کرے تاہم دو صورتیں ایسی ہیں جن میں یہ فعل مکروہ نہیں ہے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ دونوں میں مخالفت ہو جائے اور یہ اندیشہ ہو کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی حق تلفی کریں گے جس کی ادائیگی اللہ نے ان پر عائد کی ہے۔ مثلاً یہ کہ بیوی خاوند کی فرمانبرداری ترک کردے اور اس کی زندگی تلخ کردے اور حاکم کی طرف سے ان پر کوئی سختی ہو اور نہ کنبہ والوں میں سے کوئی ان میں باہم مصالحت کرا سکے۔ ایسی صورت میں خلع کر لینا مستحب ہوگا اور اگر عورت خلع منظور کرلے تو مال کی ادائیگی اس پر لازم ہو جائے گی اور اب اسے یہ حق نہ ہوگا وہ خاوند کی بدسلوکی کی بنا پر اپنے مال کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ تاہم مرد کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ عورت کے خلع پر مجبور کرنے کے لئے اسے ستائے لیکن اگر یہ بات مذکورہ آئندہ شرائط کے ساتھ عمل میں آئے تو یہ خلع لاگو ہو جائے گا اور دونوں میں سے کسی کو بھی اس سے پھرنے کا حق نہ ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خاوند مشروط بہ طلاق کی قسم کھالے کہ وہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا یہ قسم کھائے کہ موجودہ سال میں وہ گھر میں نہیں جائے گا تو ایسی حالت میں اسے حق ہے کہ بغیر کسی کراہت کے بیوی سے خلع کرلے ایسی صورت میں طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور وہ گھر میں داخل ہو جائے گا لیکن وہ عورت اس کی بیوی نہ رہے گی اور اس پر تین طلاق کی قسم عائد نہ ہوگی اور بقول صحیح خاوند جب گھر میں داخل ہوگا تو وہ ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی۔ کیوں کہ خلع طلاق ہوتا ہے فسخ نکاح نہیں ہوتا اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس سے فسخ نکاح ہو جاتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اس سے عورت بائنہ ہو جائے گی لیکن طلاق کی تعداد کم نہ ہوگی بشرطیکہ وہ طلاق خلع یا فدیہ کے الفاظ میں دی گئی ہو۔ اور طلاق کی نیت نہ کی گئی ہو (بلکہ خلع کی نیت ہو) اسی طرح کی وہ صورت ہے جب کہ ایک شخص قسم کھالے کہ وہ فلاں کام ضرور کرے گا۔ مثلاً کسی نے تین کی شرط کے ساتھ قسم کھائی کہ اس بیوی پر وہ شادی ضرور کرے گا تو اس صورت میں وہ اس سے خلع کر سکتا ہے۔ اب اگر وہ دوسری بیوی نہ بھی کرے تو اس عورت کو تین طلاق نہ ہوگی لیکن اگر تین طلاق کی شرط کے ساتھ یہ قسم کھائی کہ وہ اس بیوی پر اسی مہینے میں ایک اور شادی کرلے گا تو ایسی صورت میں جو حکم ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے اور قابل اعتماد بات یہ ہے کہ اگر بیوی سے خلع کرلیا اور مہینہ ختم ہونے میں اتنا عرصہ باقی تھا جس میں وہ شادی کر سکتا تھا تو اس خلع کرنے سے اس شخص کو تین طلاق کی شرط سے چھٹکارا ہو جائے گا۔ بصورت دیگر نہ ہوگا۔

Marfat.com

خلع کے ارکان (اجزائے لازمی) اوراس کی شرطیں

خلع کے پانچ ارکان ہیں [1] اول مستلزم العوض (معاوضہ کا ذمہ دار) اس سے مراد وہ شخص ہے جو ادائیگی زر خلع کا ذمہ دار ہو خواہ اس کی ذمہ دار خود بیوی ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور ہو دوسرا رکن بُضع (نسوانی خصوصیت) ہے۔ جس سے بہرہ مند ہونے کا خاوند مالک ہوتا ہے۔ یعنی بیوی کی وہ نسوانی خصوصیت کہ اگر خاوند طلاق بائن دے دے تو اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی اور اب خلع کرنا درست نہ ہوگا۔ تیسرا رکن وہ معاوضہ (یا مال) ہے جو بیوی اپنی عصمت (یا ازدواجی حیثیت) کے عوض خاوند کو ادا کرتی ہے۔ چوتھا رکن خاوند ہے اور پانچواں رکن وہی عصمت (یا ازدواجی حیثیت) ہے۔ خلع کے ارکان (لازمی اجزاء) یہی پانچ ہیں، یعنی ان کی موجودگی کے بغیر خلع نہیں ہو سکتا۔ اور ان ارکان میں سے ہر رکن کی متعلقہ شرائط ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ادائے معاملہ کے ذمہ دار شخص اور خاوند سے متعلقہ شرائط

اس بیان میں صغیر سن، بے عقل یا مریض عورت کے خُلع کرنے کا ذکر شامل ہے

ادائے معاوضہ کے ذمہ دار شخص اور خاوند کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ معاملہ کرنے کا اہل ہو۔ پس معاملہ کا ذمہ دار وہ شخص ہو سکتا ہے جو مال میں تصرف کی صلاحیت رکھتا ہو اور خاوند کے لئے (شرط) واجب ہے کہ وہ طلاق دینے کا مجاز ہو عاقل مکلّف اور رشید ہو (یعنی ذی عقل احکام شرع کا پابند اور سمجھدار ہو) لہٰذا صغیر سن (نابالغہ) جنون زدہ یا حواس باختہ عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ خلع کرنا درست نہیں ہے اور اسے امور مالی کا سپرد کرنا صحیح نہیں ہے جس طرح کہ صغیر سن (نابالغ) یا جنون زدہ مرد کا طلاق دینا بخلاف بے عقل کے کہ وہ طلاق کو تو دے سکتا ہے لیکن اسے مال کا ذمہ دار قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ ان تمام امور کے

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر خلع کسی معاوضہ کے مقابلہ میں ہو تو اس کے ارکان ایجاب وقبول (یعنی قول وقرار) ہیں۔ پس اگر خلع کی تحریک خاوند کی طرف سے ہو مثلاً خاوند (بیوی سے) کہے کہ میں تمہارے ساتھ اتنے پر خلع کرتا ہوں تو عورت کی حیثیت قبول کرنے والی کی ہوگی۔ لیکن اگر خلع کی تحریک عورت کی طرف سے ہوئی تو قبول کرنے والا خاوند قرار پائے گا۔ اگر خلع معاوضہ کے مقابلہ میں نہ ہو بلکہ طلاق کی صورت میں ہو تو اس کے ارکان وہیں ہوں گے جو طلاق کے ہیں اس سے مراد وہ کیفیت ہے جس کی بنیاد پر حکم عائد کیا جائے اور لفظ اس حکم پر دلالت کرتے ہوں جیسا کہ ارکان طلاق کے بیان میں بتایا گیا۔ وہاں پر ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

بارے میں مسالک مختلف تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ صغیر سن لڑکی پر مالی معاوضہ کی ذمہ داری عائد کرنا درست نہیں ہے۔ پس اگر خاوند نے اپنی (صغیر سن بیوی سے) کہا کہ میں تیرے ساتھ بیس اشرفیوں پر خلع کرتا ہوں اور وہ کہے کہ مجھے منظور ہے اور اس کو اتنی تمیز ہے کہ طلاق سے دونوں میں علیحدگی ہو جاتی ہے اور وہ اپنے خاوند پر حرام ہو جائے گی' تو اس پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ لیکن مالی معاوضہ کی ادائیگی لازم نہ ہوگی۔ کیوں کہ مالی معاملات کی ذمہ داری کی صلاحیت وہ نہیں رکھتی۔ اسی طرح اگر خاوند کہے کہ میں اتنے پر خلع کرتا ہوں اور وہ منظور کر لے تو اس پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور ادائیگی مال اس پر لازم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تبرع (یعنی عطیہ) ہے اور صغیر سن (نابالغ) عطیوں کا اہل نہیں ہوتا۔

یہ مسائل اس صورت کے ہیں جب کہ خلع کے لئے لفظ خلع یا مذکورہ سابقہ کنایات خلع کا استعمال کیا جائے۔ لیکن اگر خاوند (بیوی سے) کہے کہ میں نے بیس اشرفیوں کے عوض تجھے طلاق دی اور (نابالغ) عورت نے منظور کر لیا یا نابالغہ نے خاوند سے کہا کہ مجھے بیس کے عوض طلاق دے دو اور خاوند کہے میں نے طلاق دے دی تو اس سے طلاق رجعی پڑ جائے گی۔ کیوں کہ یہ واضح طور پر طلاق ہے معاوضہ کے مقابلہ میں نہیں ہے کیوں کہ صغیرہ (چھوٹی عمر والی) پر معاوضہ کی ادائیگی لازم نہیں ہوتی جیسا کہ بتایا گیا۔ لہٰذا طلاق رجعی واقع ہوگی۔ ایسی ہی صورت وہ ہے جبکہ خاوند (صغیر سن) بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے تیرے مہر کے عوض طلاق دی اور بیوی نے منظور کر لیا تب بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی لیکن مہر ساقط نہ ہوگا۔

اب رہا یہ کہ آیا باپ کو حق ہے کہ وہ اپنی نابالغ لڑکی کی طرف سے خلع کر سکے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر باپ نے لڑکی کے مال کے عوض یا اس کے مہر کے عوض خلع کیا تو بقول صحیح نہ بیٹی کے ذمہ کچھ عائد ہوگا اور نہ باپ کے کیوں کہ طلاق کا واقع ہونا باپ کی منظوری پر موقوف تھا اور اس نے منظوری دے دی۔ بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ وہ طلاق مشروط تھی مال کے لازم ہونے پر اب اگر مال لازم نہیں ہوا تو طلاق بھی عائد نہ ہوگی۔

واضح ہو کہ باپ نے اپنی صغیر سن بچی کی طرف سے اس کے مال کے عوض خلع کیا اور پھر وہ بالغ ہو گئی اور اس نے اس خلع کو روا رکھا تو خلع لاگو ہو جائے گا۔ اور معاوضہ اس کے ذمہ رہے گا۔ لیکن اگر باپ نے اپنے مال کے عوض اس لڑکی کی طرف سے خلع کر لیا تو درست ہوگا اور باپ اس مال کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔ اسی طرح اگر باپ نے کسی مقدار مال پر بیٹی کی طرف سے خلع کیا اور ادائیگی مال کا ضامن بن گیا تو اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا اور باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنی بالغ لڑکی کی طرف سے خلع کرے۔ خواہ وہ باکرہ ہو یا شوہر دیدہ اگر باپ نے ایسا کیا تو وہ خلع عورت کی منظوری پر موقوف رہے گا۔ اس نے اجازت دے دی تو درست ہوگا اور مال کی ادائیگی لازم ہو جائے گی۔ اگر اجازت نہ دی تو خلع لاگو نہ ہوگا اور مال بھی لازم الادا نہ ہوگا۔

اگر باپ یا کوئی اور شخص ادائیگی مال خلع کی ضمانت لے لے۔ مثلاً ایک شخص خاوند سے کہے کہ میری بیٹی یا فلاں عورت کے ساتھ ایک ہزار عوض خلع کر لو اور اس مال کی ادائیگی کا میں ضامن ہوں یا یوں کہے کہ تم فلاں عورت کے ساتھ ایک ہزار کے عوض خلع کر لو زر خلع کی ادائیگی کا میں ضامن ہوں۔ یا یوں کہے کہ تم فلاں عورت سے میرے اس اونٹ کے عوض خلع کر لو اور خاوند کہے کہ میں نے یہ خلع منظور کر لیا تو خلع صحیح ہو جائے گا اور باپ پر لازم ہوگا کہ وہ معاوضہ خلع ادا

Marfat.com

کرے۔ اگر وہ شخص اس اونٹ کا مالک نہ ہو تو اس کی قیمت ادا کرے گا اور یہ خلع عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہ ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر (خاوند سے) یوں کہا کہ میں اس عورت کی طرف سے ایک ہزار میں خلع کرتا ہوں یا اس اونٹ کے عوض خلع کرتا ہوں تو یہ درست نہ ہوگا تا آنکہ وہ عورت اس کو منظور نہ کرے اگر منظور کر لے تو معاوضہ اس پر واجب الادا ہو جائے گا اگر عورت اس اونٹ کے دینے سے عاجز ہو تو اس کی قیمت واجب الادا ہوگی۔ اگر عورت اسے منظور نہ کرے تو بالاتفاق اس کے ذمہ معاوضہ عائد نہ ہوگا۔ رہا یہ کہ طلاق ہوگی یا نہیں؟ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس سے طلاق پڑ جائے گی کیوں کہ طلاق کا واقع ہونا منظوری پر موقوف ہے اور اس کے باپ یا اجنبی شخص نے منظور کر لیا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ طلاق نہ ہوگی کیوں کہ طلاق بیوی کے منظور کر لینے اور مال کے لازم الادا ہونے پر موقوف تھی اول الذکر خیال کی توجیہ اس طرح کی جا سکتی ہے کہ طلاق کا اختیار خاوند کو ہوتا ہے اور اس نے طلاق کو اس امر پر موقوف رکھا کہ باپ یا کوئی اور شخص معاوضہ (زر خلع کی ادائیگی) منظور کر لے۔ اور یہ منظوری حاصل ہوگئی لہٰذا چاہئے کہ طلاق واقع ہو جائے۔ رہا معاوضہ کا لازم ہونا درست ہے یا نہیں؟ سو یہ مالی لین دین کا معاملہ ہے اور خلع کی ماہیت سے خارج ہے۔ اگر عورت اسے قبول کر لیتی ہے تو مال اس کے ذمہ واجب الادا ہوگا۔ اگر قبول نہیں کرتی تو مال لازم نہ ہوگا لیکن طلاق پڑ جائے گی یہ توجیہ معقول ہے اور حنفیہ کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس خیال کو ترجیح دیتے ہیں۔

واضح ہو کہ جس طرح صغیر سن لڑکی کا مال کے عوض خاوند سے خلع کرنا صحیح نہیں ہے اسی طرح بے عقل لڑکی کا خلع کرنا بھی درست نہیں ہے اور بے عقل سے مراد وہ لڑکی ہے جو فضول خرچ ہو اور اپنا مال تلف کرتی ہو اور غیر شرعی امور میں اسے ضائع کرتی ہو۔ پس اگر بے عقل لڑکی نے مال کے عوض اپنے خاوند سے خلع کر لیا تو طلاق پڑ جائے گی۔ لیکن مال اس کے ذمہ واجب نہ ہوگا۔ پھر اگر وہ خلع لفظ خلع یا اسی جیسے دوسرے الفاظ کنایہ سے ہوا ہو تو عورت پر طلاق بائن پڑ جائے گی اور اگر خلع میں طلاق کا لفظ استعمال کیا ہو تو طلاق رجعی واقع ہوگی۔ پھر یہ سوال ہے کہ آیا کسی کو بے عقل قرار دینے کے لئے حاکم کا فیصلہ ضروری ہے کہ اسے مجور (یا نااہل معاملہ) ٹھہرایا گیا ہو یا ایسی کوئی شرط نہیں ہے؟ اور اس کے لئے صرف یہ امر کافی ہو کہ عورت فضول خرچ ہو اور اپنا مال غیر شرعی امور میں ضائع کرتی ہو۔ اس باب میں اختلاف ہے۔ دوسرے خیال کو قابل اعتبار مانا گیا ہے۔ یعنی اگر عورت کا بے جا طور پر مال خرچ کرنا ثابت ہو جائے تو اس کا خلع کرنا درست نہیں ہے۔ اگرچہ حاکم سے اسے بے عقل قرار دینے کا فیصلہ ثابت نہ ہو۔

اگر باپ نے اپنی لڑکی کی طرف سے خلع کیا اور ادائیگی مال کا ضامن ہوا تو خلع لاگو ہوگا اور مال کی ادائیگی لازمی ہو جائے گی ورنہ نہ ہوگی۔ جیسا کہ ذی شعور لڑکی کے بارے میں مفصل بتایا گیا۔

ان تمام باتوں کا حاصل یہ ہے کہ خلع کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ معاوضہ کا ذمہ دار شخص بالغ اور صاحب شعور ہو۔ پس اگر صغیر سن بیوی نے خلع کیا اور معاوضہ کی ذمہ داری قبول کر لی تو ادائیگی معاوضہ اس پر لازم نہ ہوگی اور اگر عورت صاحب تمیز (یا باشعور) ہے اور طلاق کے نتائج سے آگاہ ہے اور خلع کو قبول کر لیتی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر نہیں قبول کرتی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر لڑکی صغیر سن ہے اور باشعور نہیں ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی لیکن اگر اس نے منظور کیا اور (خلع کے لئے) طلاق کا لفظ استعمال ہوا ہے تو طلاق رجعی پڑے گی اور اگر لفظ خلع یا کنایات خلع میں سے کوئی

Marfat.com

لفظ استعمال کیا ہے تو طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اگر معاوضہ کا ذکر آیا ہے اور خاوند کہتا ہے کہ اس نے طلاق کی نیت نہیں کی تھی تو قانوناً اس کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی۔

رہا یہ سوال کہ آیا باپ' بیٹی کی طرف سے خلع کر سکتا ہے یا نہیں؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر باپ نے بیٹی کے مال کے عوض اس کی طرف سے خلع کیا تو طلاق پڑ جائے گی لیکن زر خلع واجب الادا نہ ہوگا۔ ہاں اگر باپ نے اپنے مال کے عوض بیٹی کا خلع کیا تو یہ درست ہے اور اس پر طلاق بائن پڑ جائے گی۔ ایسی ہی صورت یہ ہے کہ باپ مال خلع کا ضامن ہو جائے اور بالغ بے عقل (یا بے شعور) عورت بھی صغیر سن یا جنون زدہ کی مانند ہے کہ اگر اس نے خلع کر لیا تو طلاق پڑ جائے گی لیکن اس کے ذمہ کچھ واجب الادا نہ ہوگا اور باپ ایسی عورت کی طرف سے خلع نہیں کر سکتا ہاں اگر وہ اپنے مال کے عوض بیٹی کا خلع کرے تو درست ہے اور یہ خلع اس کے قبول کرنے پر موقوف نہ رہے گا۔ اس بارے میں اجنبی شخص بھی باپ کی مانند ہے اور بالغ باشعور لڑکی کی طرف سے لڑکی کے مال کے عوض کسی شخص کا خلع کرنا درست نہیں ہے۔ درآنحالیکہ اس عورت نے اجازت نہ دی ہو۔ ہاں اگر باپ اپنے مال کے عوض بیٹی کی طرف سے خلع کرے تو درست ہے۔ اور معاوضہ کی ادائیگی کا وہ ذمہ دار ہوگا اور خلع کا لاگو ہونا بیوی کے قبول کرنے پر موقوف نہ ہوگا۔ اس بارے میں غیر شخص بھی باپ کی مانند ہے۔

یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ عورت بالغ اور باشعور ہو۔ اگر وہ ایسے مرض میں مبتلا ہے جس میں اس کی وفات ہوئی اور اسی مرض کے درمیان جس میں اس کی وفات ہوئی مال کے عوض خلع کر لیا تو درست ہے بشرطیکہ مال خلع اس کے مملوکہ مال کا ایک تہائی حصہ ہو۔ کیوں کہ یہ مال عطیہ کی مانند ہے اور کسی کو حق نہیں ہے کہ اپنے مال کا ایک تہائی سے زیادہ حصہ عطیہ میں دے دے۔ اب اگر ایسی حالت میں اس نے مالی معاوضہ پر خلع کیا تو دیکھا جائے گا کہ اس کے مال کا ایک تہائی حصہ کس قدر ہے پھر یہ دیکھا جائے گا کہ وہ شخص بیوی کے ورثہ میں سے کتنے مال کا مستحق ہے درآنحالیکہ وہ عدت کے دوران وفات پا جائے۔ اب اگر اس کا تہائی مال' مال خلع سے زیادہ ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس کے ورثہ میں سے خاوند کا کس قدر حق ہے اگر میراث میں سے اس کا حق جس قدر ہے وہ مال خلع سے زیادہ ہے تو اسی قدر مال ملے گا جس پر خلع ہوا ہے کیوں کہ مال خلع اس کے مال کی ایک تہائی سے اور اس کے حق ورثہ سے کم ہے اور اگر اس کے مال کا تہائی اس سے کم ہو جس پر خلع ہوا تو یہ دیکھا جائے گا کہ آیا مال کا تہائی حصہ اس سے بھی کم ہے جتنا اسے ورثہ میں حق ہے۔ اگر ایسا ہو تو وہ ایک تہائی مال لے گا۔ اگر اس کا حق میراث (تہائی مال سے) کم ہے تو اپنا حق میراث لے گا یعنی بہر صورت وہ سب میں کمتر کا حق دار ہوگا۔ خواہ مال کا تہائی حصہ اس کے حق میراث سے کم ہو یا وہ مال جس پر خلع ہوا یا اس کا حصہ میراث مثلاً ایک عورت نے ساٹھ پر خلع کیا اور ورثہ میں سے اسے پچاس کا حق ہے اور اس کے مجموعی مال کا تہائی حصہ چالیس ہے تو وہ صرف چالیس لے گا و علیٰ ہذا القیاس۔

یہ مسائل اس صورت میں ہیں کہ جب کہ عورت مباشرت شدہ ہو اور عدت کے دوران اس کی وفات ہو گئی ہو۔ لیکن اگر مباشرت شدہ نہ ہو تو وہ طلاق کے ساتھ ہی بائنہ ہو جائے گی اور اس کے خاوند کو ورثہ میں کوئی حق نہ ہوگا لہٰذا یہ نہ دیکھا جائے گا کہ وہ کس قدر ورثہ کا حق دار ہے بلکہ صرف اس مال کا جس پر خلع ہوا اور اس کے مجموعی مال میں سے ایک تہائی

Marfat.com

حصہ کو دیکھا جائے گا اور ان دونوں میں جس کی مقدار کم ہوگی اسی قدر وہ لے گا۔ پس اگر ساٹھ پر خلع ہوا اور بیوی کے مجموعی مال کی تہائی سو ہوتی ہے تو وہ صرف ساٹھ لے گا اگر تہائی مال کی مقدار پچاس یا چالیس ہو تو یہی تہائی لے گا یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ بیوی مباشرت شدہ ہو لیکن اس کی وفات انقضائے عدت کے بعد ہوئی کیوں کہ اس صورت میں خاوند کو اس کے ورثہ میں کوئی حق نہ ہوگا۔ اگر بیوی کو اس مرض سے آرام ہو جائے تو خاوند کو اس مال کے وصول کرنے کا حق ہے جس پر خلع ہوا۔ لیکن اگر خاوند نے حالت مرض میں بیوی سے خلع کیا اور اسی مرض کے دوران جس میں اس نے بیوی کو طلاق دی وفات پا گیا تو بیوی وارث ہوگی کیوں کہ جو شخص اپنی بیوی کو مرض الموت میں طلاق دیتا ہے اسے ورثہ دینے سے فرار تصور کیا جاتا ہے۔ لہٰذا بیوی کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ اگر خاوند نے حالت صحت میں بیوی کو طلاق دی اور ہنوز وہ عدت میں تھی کہ خاوند کی وفات ہوگئی تو وہ وارث متصور ہوگی بصورت دیگر نہ ہوگی۔

یہ ہے صغیرہ، سفیہہ، ناسمجھ اور مریضہ عورتوں کے احکامات متعلقہ خلع۔ ان سے معلوم ہوا کہ ایسی عورتیں خلع کریں تو ان پر معاوضہ خلع کی ادائیگی لازم نہیں ہے۔ اور وہ مسائل بتائے گئے جن کا تعلق باپ یا کسی اور شخص کے خلع کرنے سے ہے جو ایسی عورتوں کی طرف سے انجام پائے نیز ادائیگی معاوضہ کے ذمہ دار اشخاص کی شرائط اہلیت کی وضاحت کی گئی۔ اب یہاں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خلع کرنے والے یا طلاق دینے والے کی اہلیت کے لئے کیا شرطیں ہیں۔ یہ شرطیں لازمی ہیں یعنی صغیر سن، جنون زدہ اور مخبوط الحواس شخص کا طلاق دینا درست نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اگر سفیہہ (یعنی احمق شخص) طلاق دے تو وہ طلاق پڑ جاتی ہے۔ کیوں کہ ایسے شخص کو صرف مالی معاملات کی انجام دہی کا نااہل قرار دیا گیا ہے۔ رہا یہ کہ آیا باپ اپنے صغیر سن بچے کی طرف سے معاملہ خلع کر سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے پس اگر کم عمر (نابالغ) لڑکے کی بیوی نے لڑکے کے باپ سے کہا کہ بیس اشرفیوں کے عوض یا میرے مہر کے عوض اپنے بیٹے کی طرف سے میرا خلع کر دیجئے اور وہ شخص کہے کہ میں نے اس مال پر تیرا خلع کر دیا تو یہ قول لغو متصور ہوگا جس کا کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ اور اگر نابالغ بچے نے اپنی بیوی سے خلع کیا یا اسے طلاق دی تو وہ خلع یا طلاق باطل ہے اور درست نہیں ہے اور اس کا درست ہونا قطعاً ولی کی اجازت پر موقوف نہ ہوگا۔ یہی حال جنون زدہ اور خبطی کا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ صغیر سن یا بے عقل عورت یا مملوکہ (لونڈی) مال کے عوض خلع کر لے تو درست نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی اور بھی جو ایسا ہی ہو یہ معاملہ کرے تو درست نہ ہوگا۔ پس اگر خاوند نے ایسی کسی عورت سے مال کے عوض خلع کیا اور مال وصول کر لیا تو یہ خلع صحیح نہ ہوگا اور مال جو لیا ہے اس کا واپس کرنا واجب ہے۔ سوا اس کے کہ ولی یا آقا خلع کی اجازت دے دے۔ اگر اس نے اجازت دے دی تو خلع ہو جائے گا اور معاوضہ لازم ہوگا اگر عورت بے عقل ہے اور اس کا کوئی ولی بھی نہیں جسے مہملہ (یالا وارث) کہتے ہیں اور اس نے معاوضہ اوٹ لیا تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی لڑکی کا ولی ہو اور اس نے اجازت نہ دی ہو۔ یہی قول قابل اعتماد ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر ایسی عورت اپنے خاوند کے پاس ایک سال رہ چکی ہو تو ایسا کرنا صحیح ہے۔ لیکن یہ رائے کمزور ہے۔ پس اگر خاوند نے اپنی نابالغ بیوی کے ساتھ مال کے عوض بغیر ولی کی اجازت کے خلع کر لیا تو اس پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور خاوند کو وصولی معاوضہ کا حق نہ ہوگا۔ اگر لے لیا ہے تو واپس کرنا واجب ہوگا یہی حکم سفیہہ (بے عقل عورت) کا ہے جب کہ اس کا ولی ہو اور اس نے خلع کی اجازت نہ دی ہو

Marfat.com

یا مہملہ (لاوارث عورت) ہو جس کا کوئی ولی نہیں، خواہ وہ اپنے خاوند کے پاس ایک سال یا سالہا سال رہ چکی ہو یا نہ رہی ہو، یہی حکم رقیقہ (مملوکہ) لونڈی کا ہے جو اپنے آقا کی اجازت کے بغیر خلع کرے۔ ایسی حالت میں اگر خاوند نے قرض یا مرض سے خلاصی پانے یا مال خلع کے وصول ہو جانے کی شرط لگا دی مثلاً صغیرہ (نابالغہ) وغیرہ سے کہا کہ اگر تو اس قدر مال ادا کر دے تو تجھے طلاق ہے یا یہ کہا کہ اگر تجھے قرض یا مرض سے خلاصی ہو گئی تو تجھے طلاق ہے تو اس سے نہ طلاق واقع ہو گی اور نہ ادائیگی مال اس پر لازم ہو گی۔ اور خاوند نے وصول کر لیا ہے تو واپسی واجب ہے۔ بشرطیکہ شرط کا ذکر لفظ طلاق استعمال کرنے سے پہلے کیا ہو۔ اور یوں کہا ہو کہ اگر تجھے خلاصی ہو گئی تو تجھے طلاق ہے۔ لیکن اگر طلاق کا لفظ پہلے بولا گیا۔ مثلاً بیوی خاوند سے کہے کہ میں تمہارے ساتھ خلع کرتی ہوں بعوض بیس اشرفیوں کے اور خاوند کہے کہ تجھے طلاق ہے بشرطیکہ یہ مال پورا مجھے ادا کر دیا تو طلاق ہو جائے گی اور یہ شرط لغو ہو گی۔ اسی قول پر عمل درآمد ہے۔

ولی مجبر (یعنی وہ ولی جو مختار مطلق ہو) اس سے مراد باپ اور اس کی موت کے بعد اس کا وصی اور یا آقا (لونڈی کا مالک) ہے اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کی طرف سے خلع کرے جسے وہ مجبور کر سکتا ہے۔ مثلاً باکرہ لڑکی ہو جسے مباشرت سے پہلے طلاق دی جائے یا شادی شدہ لیکن کم عمر لڑکی ہو یا وہ لڑکی جو کسی عارضہ سے محروم البکارت ہو گئی ہو۔ پس اگر ایسی لڑکی مال کی مالک ہے تو ولی اس کے مال کے عوض اس کی اجازت کے بغیر بھی خلع کر سکتا ہے لیکن اگر ولی کو اختیار جبر حاصل نہ ہو تو اس کی اجازت سے خلع کر سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ عورت ایسی ہو جسے مجبور کرنے کا اختیار ولی کو نہ ہو مثلاً وہ مباشرت شدہ ہو لیکن بے عقل ہو تو ایسی عورت کا آیا اس عورت کے مال کے عوض اس کی اجازت کے بغیر اس عورت کی طرف سے وہ شخص (ولی) خلع کر سکتا ہے؟ اس بارے میں اختلاف ہے، لیکن مشہور یہی ہے کہ اس عورت کی اجازت کے بغیر خلع درست نہیں ہے ہاں اس کی اجازت سے ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح اگر عورت کے مال کے معاوضہ میں نہ ہو تو خلع درست ہے۔ تاہم پہلی صورت میں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ سفیہہ (بے عقل عورت) کی اجازت کوئی حقیقت نہیں رکھتی تو اس کی اجازت پر خلع کا موقوف رکھنا کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ اعتراض معقول ہے اس کا کوئی جواب نہیں ہے یہ سوال کہ اگر کوئی عورت خطرناک مرض میں مبتلا ہو جائے تو آیا اپنے مال کے عوض خاوند سے خلع کر سکتی ہے اور اگر خلع کرے تو کیا طلاق ہو جائے گی اور معاوضہ لازم ہو جائے گا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں پر حرام ہے کہ مرض کے دوران خلع کریں لیکن اگر حالت مرض میں خلع کر ہی لیا تو طلاق بائن پڑ جائے گی لیکن انہیں باہم ایک دوسرے کے ورثہ کا حق نہ ہو گا اگرچہ بیوی کی وفات بدوران عدت ہو جائے۔ کیوں کہ طلاق بائن زوجیت کے رشتہ کو منقطع کر دیتی ہے۔ رہا زر خلع جس کی ذمہ دار بیوی ہے اس کی بابت دیکھا جائے گا کہ وہ مال اگر اس قدر ورثہ کے برابر یا کم ہے جس کا حق دار خاوند اس کی وفات کے روز نہ کہ خلع کے روز ہوا تھا تو مال خلع واجب الادا ہو گا اور خاوند اس کا مالک ہو جائے گا اس کے علاوہ وہ باہم وارث نہ ہوں گے جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ لیکن اگر زر خلع حق ورثہ کی مقدار سے زائد ہو تو زائد مقدار پر خاوند کا حق نہ ہو گا۔ اگر لے لیا ہے تو اسے واپس کرنا لازم ہے۔ نیز خاوند پر واجب ہے کہ بیوی کی وفات سے پہلے اس کے مال میں تصرف نہ کرے کیوں کہ مال (میں اس کے حق) کی مقدار کا تعین وفات کے دن سے کیا جائے گا خلع کے دن سے نہیں۔ ایسی صورت میں زر خلع کو بیوی کے وفات پانے تک کے لئے کسی امانت دار کی تحویل میں رکھ دیا جائے اور اس کی وفات کے بعد دیکھا جائے گا اگر زر خلع خاوند کے حق

Marfat.com

میراث کے مساوی ہے یا کم ہے تب تو وہ معاوضہ خلع لے لے گا ورنہ صرف اس قدر لے گا جتنا کہ اسے (ورثہ میں) حق ہے اور زائد مال واپس کر دیا جائے گا۔ کیوں کہ (دراصل) صرف اس قدر مال جس کا خاوند کو خلع کے وقت ورثہ میں حق پہنچتا ہے امانتی کے پاس رکھنا لازم ہے اس سے زیادہ نہیں رکھا جائے گا۔ مثلاً اگر بیوی کا ترکہ خلع کے روز آٹھ سو اشرفی تھا اور بیوی نے تین سو اشرفی کے عوض خلع کیا اور خاوند اس کی میراث میں سے چوتھائی یعنی دو سو کا حق دار تھا تو امانت دار کے پاس صرف دو سو امانتاً رکھا جائے گا اور زر خلع جو اس سے ایک سو زائد ہے وہ نہیں رکھا جائے گا یہاں تک کہ بیوی کی وفات ہو جائے اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ بیوی کے مجموعی مال میں سے خاوند دو سو کا مستحق ہے یا اس سے کم کا ہے۔ اگر دو سو ہی کا حق دار ہے تو اسی قدر اگر اس سے کم کا حق دار ہے تو اس سے کم لے گا اور جس قدر مال زیادہ ہے وہ واپس ہو جائے گا۔ اسی تفصیل کو قابل اعتماد قرار دیا گیا ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ خاوند کو معاوضہ (خلع) لینے کا کوئی حق نہیں ہے اور واجب یہ ہے کہ اگر وہ مال لے لیا ہے تو بیوی کو یا اس کی وفات ہوگئی ہے تو اس کے وارثوں کو واپس کر دے۔ لیکن یہ رائے قابل اعتماد نہیں ہے جیسا کہ بتایا گیا۔

اگر خاوند خطرناک مرض میں مبتلا ہو اور وہ اپنی مرضی سے خلع کرے تو یہ خلع نافذ ہوگا لیکن ایسا کرنا حرام ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔ اگر خاوند کی وفات ہو جائے تو بیوی اس کی وارث ہوگی خواہ اس شخص کی وفات بیوی کی عدت کے دوران ہوئی ہو یا عدت گزرنے کے بعد ہوئی اور خواہ بیوی نے اس کے بعد (یکے بعد دیگر) کئی خاوندوں سے شادی کی ہو۔ لیکن اگر بیوی خاوند سے پہلے وفات پا جائے تو خاوند اس کا وارث نہ ہوگا۔ کیوں کہ وہ اپنے تمام حقوق ختم کر چکا ہے۔

یہ مسائل ان امور کی تفصیل پر مشتمل ہیں جن کا تعلق ملتزم العوض (معاوضہ کی ادائیگی کے ذمہ دار شخص) سے ہے۔ اور وہ شرائط جن کا تعلق خلع کرنے والے خاوند سے ہے وہی ہیں جن کا ذکر طلاق کے بیان میں آ چکا ہے۔ مثلاً یہ کہ خاوند مسلمان ہو کافر کا خلع کرنا درست نہیں ہے اور یہ کہ وہ مکلّف (بجا آوری احکام شرع کا ذمہ دار) ہو لہٰذا بچے (نابالغ) یا جنون زدہ کا خلع کرنا درست نہیں ہے رہا یہ کہ آیا صغیر سن (نابالغ بچے) یا جنون زدہ شخص کے باپ کو یہ حق ہے کہ وہ ان بیویوں کی طرف سے خلع کرے۔ اس کا جواب اثبات میں ہے کہ ایسا کرنا درست ہے بشرطیکہ خلع میں دونوں کے لئے مصلحت ہو۔ یہی حکم آقاء وصی حاکم یا اس کے نائب کے متعلق ہے کہ وہ بھی ایسی عورتوں کی طرف سے خلع کر سکتے ہیں بشرطیکہ اس میں بہتری ہو۔ پھر یہ سوال ہے کہ آیا نابالغ یا جنون زدہ کے باپ کو یہ حق ہے کہ ان کی طرف سے بغیر کسی معاوضہ کے طلاق دے دے۔ اس بارے میں اختلاف ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اگر طلاق دینے ہی میں مصلحت ہے تو یہ درست ہے۔ مثلاً اس صورت میں جب کہ عورت بدکردار ہو جائے۔ اور یہ ظاہر ہے۔

بالغ شخص جو بے عقل ہے وہ خلع میں خود مختار ہو تو درست ہے۔ پس اگر وہ مال جس کے عوض اس نے خلع کیا ہے اتنا ہی ہے جتنا اس جیسے معاملات میں خلع ہوتا ہے تب تو وہ نافذ العمل ہوگا اگر اس سے کم میں خلع ہوا تو معاوضہ کے ذمہ دار پر واجب ہے کہ اس کمی کو پورا کرے۔ لیکن مال خلع اس کم عقل شخص کے حوالے نہیں کیا جائے گا اگر وہ مال اسے دے دیا جائے تو بیوی یا ملتزم العوض (جو معاوضہ کا ذمہ دار ہے) بری الذمہ نہ ہوگا بلکہ لازم ہے کہ مال خلع خاوند کے ولی کو ادا کیا

Marfat.com

جائے۔

سفیہ (بے عقل شخص) کے باپ کو اس شخص کی طرف سے خلع کرنے کا حق نہیں ہے کیوں کہ بالغ انسان جو بے عقل ہو اسے خود طلاق دینے کا اختیار ہے اس طرح بالغ غلام کو بھی طلاق کا اختیار ہے لہٰذا اس کے آقا کو اپنے غلام کی طرف سے خلع کا حق نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ملتزم العوض المالی (یعنی جو شخص مالی معاوضہ کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے) کے لئے یہ شرط ہے کہ اسے مال میں تصرف کا پورا اختیار ہو۔ اور اس کے نااہل معاملہ قرار دیئے جانے کا سبب بے عقلی نہ ہو۔ خواہ معاوضہ کی ذمہ دار بیوی ہو یا کوئی اور ہو اور خواہ ایجاب کرنے والا ہو یا قبول کرنے والا۔ پس اگر بیوی اپنے خاوند سے کہے کہ بیس کے عوض مجھ سے خلع کر لے تو وہ ایجاب کرنے والی ملتزمہ (ذمہ دار معاوضہ) ہوگی کیوں کہ اس نے خود معاوضہ کو قبول کرنے کے لئے کہا اور اگر خاوند کہے کہ میں نے اتنے معاوضہ میں تجھ سے خلع کر لیا تو وہ قبول کرنے والا متصور ہوگا۔ اگر خاوند نے کسی اجنبی شخص سے کہا کہ میں اپنی بیوی سے اتنے میں خلع کرتا ہوں جس کے معاوضہ کی ادائیگی تم پر ہوگی۔ اور وہ شخص کہے کہ مجھے منظور ہے تو خاوند کی طرف سے ایجاب اور اس شخص کی جانب سے قبول ہوگا اس کے برعکس اگر ایک شخص کسی سے کہے کہ تو اپنی بیوی سے ایک سو اشرفی کے عوض خلع کر لے جس کی ادائیگی کا میں ذمہ دار ہوں اور خاوند کہے کہ میں نے اس بات پر خلع کر لیا تو وہ شخص ایجاب کرنے والا اور خاوند قبول کرنے والا متصور ہوگا۔ بہرحال عوض مال کے ذمہ دار کے لئے خواہ وہ بیوی ہو یا کوئی شخص اور خواہ وہ ایجاب کرنے والا ہو یا قبول کرنے والا یہ شرط ہے کہ وہ مال پر تصرف کرنے کی پوری اہلیت رکھتا ہو۔ اگر بے عقلی کی بنا پر کسی کو نااہل معاملہ قرار دیا گیا ہو تو اسے معاوضہ خلع کا ذمہ دار بنانا درست نہیں ہے۔ خواہ اس کے ولی نے اجازت دے دی ہو۔ پس اگر بے عقلی کی بناء پر نااہل معاملہ قرار یافتہ بیوی کو اس کے ولی نے اجازت دے دی کہ مال کے عوض اپنے خاوند سے خلع کر لے اور اس نے خلع کر لیا تو ادائیگی مال اس پر لازم نہ ہوگی کیوں کہ وہ ملتزم العوض (معاوضہ کی ذمہ دار) نہیں اور اس کے ولی کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ معاوضہ خلع جیسے مصارف میں اس کا مال صرف کر دے۔

البتہ اگر ولی کو اندیشہ ہو کہ وہ عورت اپنے خاوند پر مال ضائع کرے گی اور اس کے مال کی حفاظت ہی کے خیال سے اس نے خلع کی اجازت دی ہو تو ایسی حالت میں اس کا خلع کر لینا درست ہے اس سے معلوم ہوا کہ بے عقلی کی بناء پر جسے نااہل معاملہ قرار دیا جائے اگر وہ خلع کرے تو اس پر مال کی ادائیگی تو لازم نہ ہوگی لیکن طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔ اس میں ایک صورت مستثنیٰ ہے جس میں طلاق بائن پڑ جاتی ہے۔ اور معاوضہ لازم ہوتا ہے۔ وہ صورت یہ ہے کہ اس کے خاوند کی بابت اندیشہ ہو کہ اس کے مال میں من مانا تصرف کرے گا اور اسی بناء پر ولی نے اجازت دے دی ہو کہ وہ ایک مقررہ مال کے عوض اس سے خلع کر لے۔

واضح ہو کہ مندرجہ بالا مسائل اس حالت میں ہیں جب کہ بیوی سے مباشرت ہو چکی ہو اگر مباشرت نہیں ہوئی تو ایسی صورت میں بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے گی کیوں کہ مباشرت سے پہلے جو طلاق بھی ہو وہ بائن (یعنی رشتہ زوجیت کو ختم کرنے والی) ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا اگر بیوی کو افلاس کی وجہ سے نہ کہ بے عقلی کی بناء پر نااہل معاملہ قرار دیا گیا ہو تو خلع واقع ہو جائے گا اور اس سے طلاق بائن پڑ جائے گی۔ رہا زر خلع کا لازم ہونا' سو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت

Marfat.com

یہ ہے کہ بیوی غیر مخصوص مال کی ذمہ داری اوٹ لے مثلاً خاوند سے کہے کہ تم بیس اشرفی کے عوض مجھ سے خلع کرلو ایسی صورت میں بیس کی رقم اس پر لازم ہوجائے گی جو بیوی کے ذمہ قرض رہے گی اور جب نااہلیت کی پابندی ہٹالی جائے گی تو اس وقت اس رقم کا ادا کرنا لازم ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس بیوی نے ایک مخصوص شے کے عوض جس پر تصرف کرنے کی سردست وہ اہل نہیں ہے خلع کرے اور یوں کہے کہ میں اس گھوڑے کے عوض تم سے خلع کرتی ہوں ایسی صورت میں وہ بائنہ ہوجائے گی اور مہر مثل اس کے ذمہ (واجب الاداء) رہے گا (اور تصرف کا اہل قرار دیئے جانے کے بعد ادا کرنا ہوگا)۔

رہا یہ مسئلہ کہ آیا مرض الموت کی مریضہ جو اپنے مال کے تصرف میں مختار مطلق ہے اسے اپنے خاوند سے حسب دل خواہ مال کے عوض خلع کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مرض الموت کے مریض کو اپنے مال میں عطیات (عطائے بلا معاوضہ) کے علاوہ ہر طرح کے تصرف کا حق ہے۔ اسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے مال کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ کا عطیہ دے۔ اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر معاوضہ خلع اس کے مہر مثل کے مساوی ہے تب تو یہ خلع لاکلام لاگو ہو جائے گا کیوں کہ مہر مثل عصمت (یعنی حق تحفظ جس کا خاوند ملک ہوتا ہے) کے ختم کرنے کے معاوضہ میں ہے لہٰذا یہ عطیہ (بلا معاوضہ) نہ ہوا البتہ اگر معاوضہ خلع مہر مثل سے زیادہ ہو تو یہ زیادتی عطیہ ہوگی۔ ایسی صورت میں دیکھا جائے گا اگر زیادہ رقم (عورت کے مجموعی مال کی) ایک تہائی سے کم ہے تو اس کو لے لینے میں خاوند پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر وہ رقم مزید کے لینے کی ورثاء اجازت دے دیں تو خاوند اسے لے سکتا ہے۔ اگر ورثاء اجازت نہ دیں یا بیوی کے مال کا ایک تہائی زر خلع سے کم ہو تو معاوضہ طے شدہ فسخ ہوجائے گا اور صرف مہر مثل خاوند کا حق ہوگا۔ اسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ مرض الموت کی مریضہ کو معاوضہ خلع پر رقم صرف کرنے کا اسی حد تک اختیار ہے کہ وہ رقم مہر مثل کے مساوی ہو۔ لیکن یہ معاوضہ وصیت کی حیثیت رکھتا ہے اور اس پر وصیت کے احکام ہوتے ہیں۔

لونڈی (مملوکہ) کی بابت یہ ہے کہ اگرچہ لونڈی تصرف مال کی مختار مطلق نہیں ہوتی لیکن (خلع کے معاملہ میں) وہ بے عقل لڑکی کی مانند تصور نہیں کی جاتی کیوں کہ اس نے اپنے آقا کی اجازت سے اس مال کے عوض خاوند کے ساتھ خلع کیا جس کا تعین آقا نے کیا تھا لہٰذا خلع سے اس پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور اس کے ذمہ وہ مال جو آقا نے اپنے مال سے معاوضہ خلع کے لئے متعین کیا ہے اس پر لازم الاداء ہوگا اور اگر خلع کی رقم اس مقدار سے زیادہ ہو جو آقا نے متعین کی تو خلع درست ہے اور جو زیادہ رقم ہے وہ اس عورت کی کمائی پر موقوف رہے گی۔ اگر آقا نے اجازت خلع نہیں دی تب بھی خلع واقع ہوجائے گا اور مہر مثل کے معاوضہ میں طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور اس عورت کے ذمہ وہ مال بطریق سابقہ واجب الاداء ہوگا۔

مندرجہ بالا شرائط وہ ہیں جن کا تعلق ملتزم عقد (یعنی معاوضہ کے ذمہ دار شخص) سے ہے۔ رہا خلع کرنے والا خاوند سو اس کے بارے میں وہی شرائط ہیں جو طلاق کے بارے میں پہلے بتائی گئیں۔ یعنی یہ کہ وہ شخص مکلف ہو (جس پر احکام شرعیہ عائد ہوتے ہیں)۔ لہٰذا نابالغ بچے جنون زدہ اور مخبوط الحواس شخص کا خلع کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ مخمور شخص (جو نشہ میں ہو) اس کا خلع کرنا درست ہے۔ اس کو درست اس لئے کہا گیا ہے تاکہ وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچے یا سختی میں پڑے۔

Marfat.com

بے عقل شخص جسے بے عقلی کی بناء پر نااہل معاملہ قرار دیا گیا ہو یا کوئی مملوک (غلام ہو) اس کا معاملہ خلع کرنا درست ہے' لیکن اگر ملتزم عوض (جو زر خلع کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے) مال خلع ولی (بے عقل) یا آقائے غلام کو دے دے تو وہ ادائیگی سے بری الذمہ نہ ہوگا بجز اس صورت کے جب کہ دونوں میں سے کسی نے یہ شرط نہ لگا دی ہو کہ عوض خلع ان کو دے دیا جائے مثلاً ولی یا آقا نے عورت سے یوں کہا ہو کہ اگر تم مجھے اس قدر دے دو تو تم پر طلاق ہے اور وہ عورت (مال خلع) ان کو دے دے تو عورت بری الذمہ ہو جائے گی۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ ملتزم العوض کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ مال تصرف کا اہل ہو' لہذا چھوٹی عمر کی لڑکی یا دیوانی یا بے عقلی کی بناء پر نااہل معاملہ قرار پایا ہوا شخص کسی معاوضہ پر خلع کرے تو درست نہ ہوگا اگر چہ اس نے ولی کی اجازت سے ایسا کیا ہو۔ کیوں کہ مال خلع عطیہ ہوتا ہے۔ اور ولی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ عطیات کی اجازت دے۔ یہ مسئلہ اسی طرح مشہور ہے۔ تاہم بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر ولی نے مصلحت کی بناء پر اس کی اجازت دے دی ہو تو اس کا صحیح ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔ پس اگر صغیر سن لڑکی یا بے عقل یا دیوانی عورت نے اپنے خاوند سے خلع کر لیا اور اس خلع میں طلاق کا ذکر تھا مثلاً عورت نے یوں کہا ہو کہ مجھے اتنے معاوضہ پر طلاق دے دو اور خاوند جواباً کہے کہ میں نے دے دی تو طلاق رجعی پڑ جائے گی اور اگر لفظ طلاق استعمال نہیں کیا بلکہ خلع کا لفظ یا کنایہ کا کوئی ایسا لفظ جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے اور طلاق کی نیت کی تو طلاق ہو جائے گی ورنہ نہ ہوگی۔ اگر تین طلاق کا لفظ استعمال کیا تو اب رجوع نہیں ہو سکتا جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

لونڈی کا اپنے آقا کی اجازت سے خلع کرنا درست ہے اور اس کا معاوضہ جس قدر آقا نے اجازت دی ہے اس (آقا) کے ذمہ ہوگا۔

باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی نابالغ بیٹی کے مال کے معاوضہ میں بیٹی کی طرف سے خلع کرے۔ اسی طرح وہ جنون زدہ یا بے عقل کی طرف سے نہ خلع کر سکتا ہے نہ طلاق دے سکتا ہے۔ اگر باپ ایسا کرے بھی تو اس سے نہ خلع ہوگا نہ طلاق ہوگی بجز اس صورت کے جب کہ خاوند نے وہ خلع طلاق کے ارادہ سے کیا ہو یا طلاق کا لفظ استعمال کیا ہو تو اس صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی جیسا کہ ذکر کیا گیا۔

باپ ہو یا کوئی اور شخص اس کو یہ حق ہے کہ خلع کا معاوضہ وہ اپنے مال سے ادا کرنے کی ذمہ داری لے۔ بایں طور کہ وہ خاوند سے کہے کہ تم اپنی بیوی سے ایک ہزار کی شرط پر خلع کر لو یا فلاں شخص کے عوض اسے طلاق دے دو یا ایک ہزار میں یا فلاں شے پر طلاق دے دو اور خاوند اسے قبول کر لے تو خلع ہو جائے گا اور باپ کو یا اس شخص کو چاہئے۔۔ بیوی کو نہیں۔۔ کہ وہ رقم خاوند کو دے دے۔

اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ تم اپنی بیوی سے اس کے مہر کے عوض یا اس کے فلاں مال کے عوض خلع کر لو میں اس کی ادائیگی کا ضامن ہوں تو یہ خلع درست ہے اور زر خلع بیوی پر نہیں بلکہ اس پر واجب الاداء ہوگا۔ کیوں کہ ضمانت اس نے بیوی کی اجازت کے بغیر لی تھی۔

اگر یوں کہا کہ اپنی بیوی سے اس کے فلاں اونٹ کے عوض یا اس کے مال میں سے ایک ہزار پر خلع کر لو اور اس کی ضمانت اس نے نہیں لی اور خاوند نے منظور کر لیا تو خلع درست نہ ہوگا۔ کیوں یہ دوسرے کے مال میں اس کی اجازت کے

Marfat.com

شرائط متعلقہ معاوضہ خلع کا بیان

(اس میں معاوضہ بہ شکل نفقہ و پرورش اولاد و بشکل مال وغیرہ شامل ہیں)

معاوضۂ خلع کی چند شرطیں ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ معاوضہ ایسی شے کی شکل میں ہونا چاہئے جس کی کوئی قیمت ہو۔ لہٰذا کوئی معمولی سی چیز جس کی کوئی قیمت نہیں ہے' مثلاً گندم کا ایک دانہ۔ اسے خلع کا معاوضہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایک شرط یہ ہے کہ وہ مال پاکیزہ (یا حلال) ہو جس کا استعمال میں لانا درست ہے۔ پس شراب، سور، مردار یا خون کو خلع کا معاوضہ نہیں بنایا جا سکتا۔ شریعت اسلامیہ کی نگاہوں میں ایسی اشیاء کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ ہر چند کہ ان میں سے کچھ ایسی اشیاء ہیں جن کی غیر مسلموں کے نزدیک قیمت ہے۔ یہ مسئلہ مہر کے بیان میں بتایا گیا ہے۔ پھر یہ بھی شرط ہے کہ وہ شے غصب کی ہوئی نہ ہو وغیرہ۔

بغیر تصرف کرنا ہے۔ لہٰذا خلع باطل ہے۔

اگر بیوی خاوند سے کہے کہ آپ میرے بھائی کے فلاں اونٹ کے عوض مجھ سے خلع کر لیجئے اور اس اونٹ کے حوالہ کرنے کی میں ضامن ہوں تو خلع درست ہوگا اور وہ معاوضہ اسے ادا کرنا ہوگا۔ اگر اونٹ کے حوالہ کرنے سے قاصر رہے تو اس کی قیمت ادا کرے گی۔ اگر بیوی نے یہ نہیں کہا کہ میں اس کی ضامن ہوں تو خاوند معاوضہ میں صرف اس قدر مال کا حق دار ہوگا جتنا ورثہ میں اس کا حق ہے۔ اگر مال خلع اس سے زیادہ ہے تو وہ زائد وارثوں کا حق ہے یہ حکم اس لئے ہے کیوں کہ (زائد معاوضہ کی صورت میں) بیوی پر یہ الزام عائد ہو سکتا ہے کہ بیوی خاوند کو حق میراث سے زیادہ دے کر اس کے ساتھ بے جا رعایت کرنا چاہتی ہے۔ پس اگر مال خلع خاوند کے حق میراث سے کم ہو تو وہ اسی قدر لے گا زیادہ نہیں لے سکتا کیوں کہ اس نے زیادتی کو خود اپنے اختیار سے ساقط کر دیا ہے۔ (کہ اس سے کم پر خلع منظور کیا) لہٰذا وہ اس کا مستحق نہیں رہا اور کم تر مقدار کا حق دار ہوگا۔ اگر عورت نے بحالت مرض خلع کیا اور مرض سے نجات پا گئی تو خاوند کو اس پورے مال کا حق ہوگا۔ جس پر بیوی نے خلع کیا اور اگر خاوند نے مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دی تو بیوی اس کے ورثہ کی حق دار ہوگی اگر خاوند نے بیوی کے حق میں اس کے حق وراثت سے زیادہ کی وصیت کی تو وہ اس کی حق دار نہ ہوگی۔

مندرجہ بالا شرائط کا تعلق ملتزم عوض سے ہے (جو مال خلع کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے) باقی اور شرائط جن کا تعلق طلاق دینے والے خاوند سے ہے' وہی ہیں جو طلاق کی شرائط ہیں ان کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ پس ہر ایسے خاوند کے ساتھ جسے طلاق دینے کا حق ہے خلع کرنا درست ہے یعنی مسلمان' ذمی (غیر مسلم رعایا) بالغ شخص باشعور نابالغ جو طلاق کے مفہوم اور اس کے نتیجے سے واقف ہو۔ سمجھدار لڑکا' بے عقل آدمی' آزاد اور غلام ان سب کا معاملہ خلع کرنا درست ہے اسی طرح خاوند یا اس کے نائب کا خلع کرنا جیسے نائب بنانے کے حق دار نے نائب بنایا ہو' درست ہے جیسا کہ تنازعات میں فیصلہ کنندہ کو ایلاء یا خاوند کی نامردی کی صورت میں حاکم کو حق ہے۔ اگر خاوند افلاس کی بناء پر نااہل معاملہ قرار دیا گیا ہو تو اسے بھی مال خلع لینے کا حق ہے لیکن اگر کوئی بے عقلی کے باعث نااہل معاملہ قرار دیا گیا ہو یا صاحب تمیز (لڑکا) ہو تو یہ دونوں معاوضہ کی

Marfat.com

مال کے عوض خلع کرنا درست ہے۔ خواہ مال نقدی کی شکل میں ہو یا مال تجارت ہو۔ یا مہر ہو یا ایام عدت کا نفقہ ہو یا دودھ پلانے اور پرورش کرنے کی اجرت وغیرہ ہو۔ اندریں باب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں (۱)

رقم وصول کرنے کے مجاز نہیں بلکہ جو شخص معاملہ کی رقم وصول کرسکتا ہے وہ صرف ولی ہے۔ اگر کوئی غلام ہے تو اس کی بجائے اس کا آقا معاوضہ کی رقم وصول کرسکتا ہے کیوں کہ وہ اس غلام کا مالک ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جو اشیاء مہر مقرر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں ان اشیاء کو خلع کا معاوضہ بنانا جائز ہے۔ اس کی تفصیل شرائط مہر کے بیان میں آچکی ہے وہاں ملاحظہ ہو۔

اگر کسی عورت نے شراب یا سور کے عوض اپنے خاوند سے خلع کیا اور خاوند نے اسے قبول کرلیا تو اب اگر وہ خلع لفظ خلع وغیرہ کے ساتھ ہوا ہے تو اس عورت پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی لیکن اس کا بیوی سے کوئی مطالبہ نہ ہوگا اور بیوی کا مہر (خاوند کے ذمہ) باقی رہے گا۔ اگر خلع لفظ طلاق کے ساتھ ہوا ہے تو طلاق رجعی پڑ جائے گی۔ درآنحالیکہ بیوی سے مباشرت ہو چکی ہو اگر اس سے پہلے مباشرت نہیں ہوئی تو طلاق بائن پڑ جائے گی۔

اگر کسی عورت نے مال مغصوب (ناجائز کئے ہوئے مال) پر خلع کیا جس کی بیوی مالک نہ تھی تو یہ خلع اور اس مال کا تعین درست ہے۔ اب اگر مالک مال نے اس کی اجازت دے دی تو خاوند وہ مال لے گا اگر (مالک مال نے) اجازت نہ دی تو اس مال کی قیمت ادا کرنا لازم ہوگا اگر کسی عورت نے ایسی شے کے عوض خلع کیا جس کا وجود محتمل ہے مثلاً بیوی نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ اس شے کے عوض جو گھر میں ہے یا اس بکری کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کے عوض خلع کیا تو یہ خلع درست ہے۔ ایسی صورت میں اگر گھر کے اندر (کوئی سامان) یا بکری کے پیٹ میں (کوئی بچہ) ہے تو وہ خاوند کا حق ہے اگر اس میں کچھ نہ ہو تو خاوند کو کچھ نہ ملے گا کیوں کہ اس نے ایسی شے کے عوض خلع کیا جس کا مال ہونا بھی ممکن ہے اور نہ ہونا بھی ممکن ہے۔

اگر بیوی نے معاوضہ کی ایسی چیز بتائی جو سر دست دستیاب نہیں ہے لیکن بعد میں ہو جائے گی مثلاً اس نے خاوند سے کہا کہ آپ میرے ساتھ ان کھجوروں کے عوض خلع کر لیجئے جو اس سال میرے درخت میں لگیں یا اس مہینے جو کچھ میری آمدنی ہو اس پر خلع کر لیجئے تو یہ خلع درست ہے اور بیوی پر لازم ہوگا کہ اس وقت تک جو مہر اس نے خاوند سے لیا ہے واپس کردے خواہ پھل لگیں یا نہ لگیں اور خواہ وہ کچھ کمائے یا نہ کمائے۔ پھر اگر پھل اترے تو خاوند اس کا حق دار ہوگا۔

اگر بیوی نے معاوضہ کے لئے ایسی شے بتائی جو فی الحال موجود ہے مثلاً اس نے سامان خانہ کے عوض جو گھر میں موجود ہے یا جو پھل اس کے باغ میں ہیں یا جو بچہ اس کی اونٹنی کے پیٹ میں ہے یا جو دودھ اس کی بھیڑ بکریوں کے تھن میں ہے اس کے عوض خلع کیا تو خلع درست ہوگا۔ اور جس چیز کا اس نے نام لیا ہے اگر وہ دستیاب ہو جائے تو وہ خاوند کا حق ہے۔ اگر دستیاب نہ ہو تو جو مہر اس نے لیا ہے اس کا واپس کرنا لازم ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر بیوی نے غیر متعین مال پر خلع کیا تو اس کی تین صورتیں ہوں گی: پہلی صورت یہ ہے کہ مال کا مطلق ذکر نہ ہو لیکن عبارت ایسی ہو جس میں مال کے موجود ہونے یا نہ ہونے دونوں کا احتمال ہو مثلاً بیوی نے کہا کہ آپ

Marfat.com

اس کے عوض جو میری مٹھی میں ہے یا اس کے عوض جو میرے گھر میں ہے مجھ سے خلع کر لیجئے۔ اس میں احتمال ہے کہ (مٹھی یا گھر میں) کوئی شے ہو یا کچھ نہ ہو' ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ وہ خلع صحیح ہوگا۔ اگر کوئی چیز دستیاب ہو تو خاوند اسے لے لے گا ورنہ اسے کچھ نہ ملے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مال کا ذکر کیا جائے لیکن وہ مال بعد میں دستیاب ہو سر دست موجود نہ ہو۔ مثلاً بیوی کہے کہ میرے ساتھ ان کھجوروں کے عوض خلع کر لیجئے جو میرے باغ میں اس سال پیدا ہوں اس کا حکم بھی یہی ہے کہ خلع صحیح ہے اور بیوی کو چاہئے کہ جو مہر لیا ہے' واپس کر دے۔ اگر مہر نہیں لیا تو حق مہر ساقط ہو جائے گا۔ خواہ پھل لگیں یا نہ لگیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مال کا ذکر ہے اور وہ موجود ہو مگر اس کا علم نہ ہو مثلاً وہ کہے کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں جو بچہ ہے یا ان کھجوروں کے عوض جو درخت میں لگے ہوئے ہیں یا اس سامان کے عوض جو اس گھر میں ہے خلع کر لیجئے' پھر اگر وہ شے دستیاب ہو جائے تو وہ خاوند کا حق ہوگا اگر دستیاب نہ ہو تو بیوی پر لازم ہے جو مہر لیا ہے اسے واپس کر دے۔

اگر بیوی نے خاوند سے بھاگے ہوئے اونٹ یا سرکش گھوڑے کے عوض خلع کیا تو خلع درست ہوگا اور بیوی پر لازم ہوگا کہ متعینہ شے خاوند کے حوالے کر دے۔ اگر بیوی اس سے عاجز ہو تو اس کی قیمت کا ادا کرنا واجب ہوگا۔ اگر بیوی نے (حوالہ کرنے کی) ذمہ داری سے بری ہونے کی شرط بھی لگا دی ہو تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ بہر صورت بیوی پر لازم ہوگا کہ وہ جانور حوالہ کرے یا پھر اس کی قیمت ادا کرے۔

اگر خاص صفت رکھنے والے جانور کے عوض خلع کیا مثلاً سمجھدار گھوڑا یا بار بردار اونٹ وغیرہ (پر خلع کرنا) یہ خلع درست ہے اور بیوی پر لازم ہوگا کہ اس صفت کا مالک اوسط درجہ کا جانور مہیا کرے یا اوسط درجے کے جانور کی قیمت ادا کرے اگر ایسے جانور کے عوض خلع کیا جس کی کوئی خصوصیت نہیں بتائی گئی تو طلاق ہو جائے گی اور بیوی پر لازم ہوگا کہ وہ مہر اور نفقہ کو جس کی وہ عقد نکاح کی بناء پر مستحق تھی واپس کر دے۔

عدت اور متعہ (بیوگی کے جوڑے) کے اخراجات کے عوض خلع کرنا بھی درست ہے لیکن خلع کے وقت ہی یہ طے ہو جانا چاہئے کہ نفقہ (خاوند کے ذمہ سے) ساقط ہو جائے گا کیوں کہ خلع ہونے پر وہ تمام حقوق جو زوجین پر ہوتے ہیں۔ ساقط ہو جاتے ہیں خواہ ان کی وضاحت نہ کی گئی ہو چنانچہ بیوی نے اگر اپنے پورے مہر کے عوض خلع کیا ہے تو اس پر لازم ہے کہ جو کچھ خاوند سے لے چکی ہے وہ سب واپس کر دے۔ خلع کر لینے سے وہ اس سے سبکدوش نہیں ہو جاتی کیوں کہ خلع اس کے معاوضہ میں ہوتا ہے۔ البتہ عدت کا نفقہ (خاوند سے) ساقط نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی صراحت نے کی گئی ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مصارف نفقہ روز کے روز عائد ہوتے ہیں لہٰذا یہ عورت کا ایسا حق نہیں ہے جو خاوند پر واجب شدہ ہو۔ چنانچہ اگر بیوی نے خاوند سے کہا بھی کہ جب تک میں تمہاری بیوی ہوں تم میرے نفقہ سے بری الذمہ ہو تب بھی خاوند نفقہ سے بری الذمہ نہ ہوگا کیوں کہ کسی شخص کو ایسے حق واجب الاداء سے بری کر دینا جو پہلے سے واجب الاداء نہ ہو (بلکہ بعد میں ہونے والا ہو) درست نہیں ہے۔ نفقہ بیوی کا ایسا حق ہے جو مستقبل میں عائد ہوتا ہے سر دست عائد نہیں ہوتا کیوں کہ نفقہ خاوند کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے باہر نہ جانے کا عوض ہے اور یہ موجب دن کے دن پیدا ہوتا ہے برخلاف اس صورت کے جب کہ اس کو خلع کا معاوضہ قرار دیا جائے۔ ایسی صورت میں اسے معاوضہ خلع قرار دینا درست ہے۔ اس لئے کہ خلع ایک سبب ہے جس سے عدت واجب ہو جاتی ہے اور جس کا معاوضہ خاوند وصول کرتا ہے اس معاوضہ کا بیک وقت

Marfat.com

وصول کرنا لازم نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خلع سے پہلے یا خلع کے بعد خاوند کا نفقہ سے بری الذمہ ہو جانا درست نہیں ہے کیوں کہ وہ اس وقت واجب نہیں ہوتا لہٰذا اس سے بری الذمہ ہونے کے کچھ معنی نہیں البتہ نفقہ کو خلع کا معاوضہ قرار دینا درست ہے کیوں کہ خلع عدت کے واجب ہونے کا سبب ہے اور نفقہ وہ معاوضہ ہے جو تھوڑا تھوڑا خاوند وصول کرتا ہے رہا لباس متعہ سو وہ ذکر نہ کیا جائے تو ساقط ہو جائے گا۔

اگر ایک شخص نے اپنی غیر مباشرت شدہ بیوی سے جس کا کوئی مہر مقرر نہ ہوا ہو یوں کہا کہ میں نے تیرے ساتھ خلع کیا اور بیوی نے کہا میں نے منظور کر لیا تو لباس متعہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

اگر بیوی نے رہائش گاہ (سے دست برداری) کے عوض خاوند سے خلع کیا تو بیوی کا حق رہائش ساقط نہ ہوگا' کیوں کہ بیوی پر شرعاً لازم ہے کہ جس گھر میں اسے طلاق ہوئی ہے وہیں رہائش رکھے' اگر وہاں سے کسی اور جگہ سکونت اختیار کرے تو گنہگار ہوگی پس رہائش گاہ بیوی کا شرعی حق ہوا البتہ اگر بیوی اپنے گھر میں رہتی ہو یا مکان کا کرایہ وہ اپنے پاس سے دیتی ہو اور رقم کرایہ کے عوض اس سے خلع کر لیا تو خاوند کے ذمہ سے کرایہ ساقط ہو جائے گا اور (چونکہ اب خاوند اس کو ادا نہ کرے گا اس لئے) یہ خلع مال کے عوض متصور ہوگا رہائش گاہ کے عوض نہ ہوگا۔ اس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ رہائش گاہ کے کرایوں کی وضاحت کی جائے۔ چنانچہ اگر بیوی نے خاوند سے کہا کہ میں رہائش گاہ کے عوض تم سے خلع کرتی ہوں تو یہ درست نہیں ہے۔ اس معاملہ کو کرایہ کی رقم پر محمول کیا جائے گا پس اگر بالفرض وہ عورت طلاق کے وقت خاوند کے مکان میں رہتی ہو اور رہائش گاہ کے عوض وہاں سے نکل جانے کی شرط پر خلع کیا تو اس کا حق سکونت ساقط نہ ہوگا۔

معلوم ہو کہ خلع کی بناء پر زوجین کے حقوق ساقط ہونے کی تین صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ معاوضہ کی شے کا ذکر نہ کیا جائے مثلاً خاوند بیوی سے کہے کہ میں نے تجھ سے خلع کیا اور طلاق کی نیت کی اور کسی معاوضہ کا ذکر نہیں کیا اور بیوی نے کہا کہ میں نے منظور کیا تو اس پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی کیوں کہ ایجاب وقبول دونوں باتیں پوری ہو گئیں اور بقول معتمدان میں سے ہر ایک کے حقوق جو دوسرے پر تھے ختم ہو گئے۔ پس اگر کوئی مہر معجّل (فوری طور پر واجب الاداء) تھا وہ تو ساقط ہو جائے گا اور اگر پورا مہر لے چکی ہے اور مباشرت کے بعد خلع ہوا تو بدرجہ اولیٰ اس میں سے کچھ بھی حق دار نہ رہے گی۔ اسی طرح اگر اس نے مہر کچھ بھی وصول نہیں کیا تو خلع کے بعد مہر کا حق ساقط ہو جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ معاوضہ لینے سے انکار کر دیا ہو' مثلاً بیوی خاوند سے کہے کہ میرے ساتھ بغیر کسی معاوضہ کے خلع کر لے اور بیوی کہے کہ میں نے بلا معاوضہ خلع منظور کر لیا تو بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور دونوں کے حقوق جو ایک دوسرے پر ہیں باقی رہیں گے۔ لہٰذا اگر بیوی کا مہر معجّل یا بیوی کا نفقہ زوجیت خاوند کے ذمہ ہے تو وہ باقی رہے گا۔ اور اگر خاوند کو بیوی کے نصف مہر کا حق ہے بایں جہت کہ مباشرت سے پہلے خلع ہو گیا تو حق باقی رہے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ معاوضہ خلع خاص اور معین شے ہو' مثلاً خاوند سے بیس اشرفیوں پر خلع اور مہر کا ذکر نہیں کیا ایسی حالت میں اگر بیوی سے مباشرت ہو چکی ہے اور وہ پورا مہر لے چکی ہے تو اس کے ذمہ صرف بیس اشرفیاں واجب الاداء ہوں گی اور خاوند اس کے سوا کچھ اور مطالبہ نہیں کر سکتا جس طرح کہ بیوی طلاق کے بعد خاوند سے کوئی مطالبہ نہیں کر

Marfat.com

سکتی۔ اگر اس نے مہر وصول نہیں کیا تو اس کا مہر ضائع ہو گیا ادائیگی معاوضہ بیوی پر لازم ہے اور وہ خاوند سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر بیوی کے ساتھ مباشرت نہیں ہوئی اور مہر ادا ہو چکا ہے تو اب خاوند کو اس میں کوئی حق نہ رہے گا وہ صرف معاوضہ خلع وصول کرے گا اور نصف مہر ضائع شدہ متصور ہوگا۔ اگر مہر ادا نہ ہوا ہو تو اب بیوی کو اس کا کوئی حق نہ ہوگا بلکہ اس کا نصف مہر ضائع شدہ متصور ہوگا جب کہ وہ مقرر شدہ معاوضہ خلع سے زیادہ ہو۔ اس طرح وہ مال بھی ضائع شدہ ہوگا جو مہر کے علاوہ خاوند نے اسے عطا کیا اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اگر خاوند نے بیوی سے مہر کے عوض خلع کیا اور بیوی سے مباشرت ہو چکی ہے اور وہ مہر لے چکی ہے تو اسے واپس کر دینا واجب ہے۔ اگر اس نے وصول نہیں کیا تو خاوند کے ذمہ سے پورا مہر ساقط ہو جائے گا اور دونوں کو ایک دوسرے سے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔ غیر مباشرت شدہ بیوی کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔

اب ایک سوال یہ ہے کہ اگر معاملہ خلع میں خاوند اپنے اوپر کچھ لازم کر لے تو صحیح ہے یا نہیں؟ مثلاً بیوی خاوند سے کہے میں آپ سے اپنے مہر اور عدت کے اخراجات کے عوض خلع کرتی ہوں بشرطیکہ آپ مجھے دس اشرفیاں دیں اور خاوند کہے کہ مجھے منظور ہے تو آیا اس پر لازم ہوگا کہ وہ دس اشرفیاں بیوی کو واپس کر دے یا نہیں؟ اس کا جواب اثبات میں ہے کہ اس پر لازم ہے کہ واپس کرے لیکن اس کو ایسا مال تصور کرنا درست نہیں کہ خاوند نے خلع کے عوض بیوی کو دیا ہے۔ کیوں کہ معاوضہ خلع دینا خاص بیوی کا کام ہے جس کے بدلے میں وہ اپنے نفس کی مالک ہو جاتی ہے بلکہ اس رقم کو معاوضہ خلع سے مستثنیٰ تصور کیا جائے گا۔ مثلاً اگر بیوی کا مہر بیس اشرفیاں ہے اور عدت کا نفقہ پانچ ہے اور اس سے دس نکال دیا جائے تو خلع کا معاوضہ صرف پندرہ رہ جائے گا اگر بیوی نے جو رقم طلب کی ہے وہ معاوضہ خلع سے زیادہ ہو تو اس مزید رقم کو خلع سے پہلے کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے گا تاکہ خلع کا قاعدہ بحال رہے۔

اگر ایک مقررہ عرصہ تک خاوند کی اولاد پر بیوی جو کچھ خرچ کرے اس کو معاوضہ قرار دے کر خلع کیا جائے تو بقول معتمد درست ہے خواہ بیوی دودھ پلا رہی ہو یا نہ پلاتی ہو اور خواہ وہ حاملہ ہو۔ چنانچہ اگر بیوی خاوند سے کہے کہ میں اپنے بیٹے کے بچے کے اخراجات دوران شیر خوارگی کے عوض تمہارے ساتھ خلع کرتی ہوں تو اب دودھ پلانے کی اجرت (کے مطالبہ) کا حق اسے نہ رہے گا اور اس پر لازم ہوگا کہ ولادت کے بعد دو سال تک وہ بچے کو دودھ پلائے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ دودھ پلانے کی مدت مقرر کرنا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا اگر بیوی نے خاوند سے کہا کہ میں اولاد کے اخراجات کے عوض تم سے خلع کرتی ہوں اور وہ بچے کو دودھ پلاتی ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دوران شیر خوارگی میں دودھ پلانے کی اجرت کا کوئی حق اسے نہ رہے گا اور ظاہر ہے کہ نزاع کی بیخ کنی کے لئے پہلی صورت زیادہ قرین قیاس ہے۔ لہٰذا اگر وہ دودھ نہ پلاتی ہو تو مدت کا تعین کر دینا چاہئے۔ کیوں کہ بچے کے اخراجات اس کے کھانے پینے کے ہیں اور یہ زندگی بھر کی بات ہے لہٰذا جب تک کہ وقت کا تعین نہ کیا جائے ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ پس اگر بیوی نے یوں کہا کہ میں اپنے حسن حیات کے لئے تمہارے بچے کے اخراجات پر خلع کرتی ہوں تو یہ درست نہ ہوگا اور اس طرح کہنے سے اس کا مہر ساقط ہو جائے گا اور اگر وہ مہر لے چکی ہے تو اس پر واجب ہے کہ اسے واپس کر دے۔ پھر اگر ایک مقررہ مدت تک کے اخراجات پر خلع کیا ہے تو وہ اخراجات اس پر لازم ہوں گے۔ اگر بچہ مر جائے یا بھاگ جائے تو لازم ہوگا کہ جس قدر اخراجات باقی ہیں وہ

Marfat.com

خاوند کو ادا کرے بجز اس کے کہ پہلے ہی طے ہو گیا ہو کہ اگر بچے کو موت آ جائے تو اس کے بعد وہ اخراجات سے بری الذمہ ہو جائے گی بایں طور کہ خاوند نے بیوی سے یوں کہا ہو کہ میں اپنی اولاد کے نفقہ سے تین سال تک بے نیاز رہوں گا۔ اگر اس سے پہلے بچہ وفات پا جائے تو میرا کوئی مطالبہ تجھ سے نہ ہوگا اور بیوی کہے کہ میں نے منظور کر لیا تو یہ خلع درست ہوگا۔ اب اگر اس میعاد سے پہلے ہی بچہ وفات پا جائے تو خاوند کو مطالبہ کا کچھ حق نہ رہے گا اور نفقہ اولاد کے معاوضہ میں جو خلع ہوا اس میں لباس کا خرچ بیوی پر لازم نہیں ہوتا۔ لباس نفقہ میں داخل نہیں ہے تا آنکہ اس کی صراحت نہ کر دی گئی ہے۔

اگر بیوی نے اس شرط پر خلع کیا کہ لڑکی کے بالغ ہونے تک وہ اسے اپنے پاس رکھے گی تو یہ خلع درست ہوگا۔ لیکن لڑکے کے بارے میں یہ (شرط) درست نہیں ہے کیوں کہ لڑکا اس امر کا محتاج ہے کہ وہ اپنے باپ ہی کے ساتھ رہ کر مردانہ خصائل سیکھے۔ پس بیوی کا اس شرط پر خلع کرنا درست نہیں ہے کہ وہ لڑکے کے بالغ ہونے تک اسے اپنے پاس رکھے گی۔ جس طرح مدت حضانت (یعنی اولاد کے عرصہ) میں جو سات سال ہے اسے بچہ کے رکھنے کا حق ہے۔ تاہم بیوی کو حق ہے کہ وہ بچے کو دس سال تک اپنے پاس رکھنے کی شرط پر خلع کرے کیوں کہ بالغ ہونے سے پہلے لڑکے کو اپنے باپ کے پاس آ جانا چاہیے تا کہ اس کے پاس رہ کر مردانہ اخلاق سیکھے۔

واضح ہو کہ اولاد نرینہ و مادینہ کے احکام میں یہی فرق بیان کیا گیا ہے۔ لیکن زیادہ قوی بات یہ ہے کہ اگر ماں جہاں رہتی ہے وہ تربیت کے اعتبار سے بہتر جگہ ہو تو لڑکے کا بیٹیوں کی طرح ماں کے پاس رہنا درست ہے۔ لیکن اگر ماں شادی کرلے تو خاوند کو چاہیے کہ اپنے بیٹے کو لے لے اگرچہ دونوں ماں کے پاس چھوڑنے پر متفق ہوں۔ کیوں کہ اس کی تربیت باپ کا حق ہے۔ خاوند باقی مدت کے اخراجات بیوی سے واپس لے سکتا ہے بشرطیکہ پہلی صورت کی طرح اس میں سے بھی بیوی کے بری الذمہ ہو جانے کی شرط نہ رکھی گئی ہو۔

اگر کسی عورت نے خاص عرصہ تک اولاد کے نفقہ پر بیوی سے خلع کر لیا اور پھر تنگدست ہو گئی تو اسے حق ہے کہ بچہ کے باپ سے نفقہ کا مطالبہ کرے اور اس کے لئے مجبور کرے لیکن جب بیوی صاحب توفیق ہو جائے تو خاوند کو مطالبہ کا حق ہو جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ معاوضہ (خلع) کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ شے حلال ہو۔ لہٰذا شراب' سور یا غصب کردہ مال کے عوض جس کی بابت خاوند کو علم ہو جائے کہ وہ غصب کردہ مال ہے' خلع درست نہیں ہے۔ یہی حکم مال مسروقہ کا ہے' اگر بیوی نے ان اشیاء میں سے کسی شے کے عوض خلع کیا تو بیوی پر طلاق پڑ جائے گی لیکن معاوضہ باطل ہوگا۔ اگر مال خلع غصب کردہ مال ہو تو خاوند پر واجب ہے کہ اس مال کے مالک کو واپس کر دے۔ اگر شراب ہو تو بقول معتمد اسے لنڈھا دے اور اگر سور ہو تو اسے مار ڈالے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ خاوند ان اشیاء کے معاوضہ میں بیوی سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ بیوی نے ایسی اشیاء پر خلع کیا ہو جن میں کچھ حلال ہوں اور کچھ حرام ہوں مثلاً شراب اور کپڑے کے معاوضہ پر خلع کیا' ایسی صورت میں خلع نافذ ہوگا اور معاوضہ باطل ہوگا اور خاوند کو کچھ نہ ملے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر معاوضہ میں شراب ہو تو مسلمان خاوند پر واجب ہے کہ اسے پھینک دے لیکن برتن کو

Marfat.com

توڑنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ خشک ہو جانے پر وہ پاک ہو جائے گا۔ اگر معاوضہ میں سور ہو تو اسے مار ڈالے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے چھوڑ دے کہ جدھر چاہے چلا جائے اگر غصب شدہ اور چوری کا مال ہو تو خاوند پر واجب ہے کہ اس کے مالک کو واپس کر دے۔ اس سے بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے گی اور ان اشیاء کے عوض خاوند کو کچھ نہیں ملے گا۔

معاوضہ کی شے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ چیز اس وقت موجود ہو۔ پس اگر غیر موجود شے کے عوض خلع کیا تو درست ہے۔ مثلاً جانور کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کے عوض خلع کرنا پس اگر ایک عورت نے اپنی مملوکہ اونٹنی کے حمل کے عوض خلع کیا اور کہا گیا ہے کہ اس سے عورت پر طلاق بائن پڑ جائے گی اور جب اونٹنی بچہ دے تو بچہ خاوند کا ہوگا اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو خاوند کا مال ضائع ہوا۔ بیوی سے اس کا مطالبہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر عورت اس اونٹنی کی مالک نہیں ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور خاوند کو کچھ نہ ملے گا۔ کیوں کہ خاوند نے خود ہی ایسی شے پر خلع منظور کیا جس کی حقیقت معلوم نہیں ہے۔ اب جائز ہے کہ وہ اسے لے یا نہ لے۔ اسی طرح یہ بھی شرط نہیں ہے کہ معاوضہ شے غیر معین ہی ہو (یعنی مقامی غلہ یا نقدی وغیرہ) پس ایسے مال تجارت کے عوض خلع درست ہے جس کی صفت نہ بتائی گئی ہو۔ مثلاً کپڑے کا تھان ایک اونٹ یا ایک بھینس پر جس کی خصوصیات نہ بتائی گئی ہوں خلع ہو۔ لہٰذا اگر بیوی نے خاوند سے کہا کہ تم ایک بھینس کے عوض مجھ سے خلع کر لو تو یہ درست ہے۔ بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور اس پر لازم ہوگا کہ وہ اوسط درجہ کی بھینس جو نہ چھوٹی ہو نہ بڑی ہو دے۔ کپڑے کے تھان پر خلع ہوا ہو تو خاوند کو اوسط درجہ کے کپڑے کا تھان لینے کا حق ہے وغیرہ۔

اسی طرح یہ بھی شرط نہیں ہے کہ (بیوی مال خلع کے) حوالہ کرنے پر قادر ہو۔ لہٰذا بھاگے ہوئے اونٹ یا نارسیدہ کھجوروں کے عوض خلع کیا تو درست ہے۔ پھر بعد میں جب اونٹ مل جائے یا پھل تیار ہو جائیں تو ان پر خاوند کا حق ہوگا۔ ورنہ کوئی حق نہ ہوگا۔ مگر طلاق بائن پڑ جائے گی۔

وضع حمل تک کے لئے بیوی کے نفقہ کے عوض خلع کرنا درست ہے۔ پس اگر بیوی کا حمل ظاہر ہوا یا اس کے ہونے کا گمان غالب ہوا اور بیوی نے اپنے نفقہ کے عوض جو عدت کے دوران یعنی وضع حمل تک (خاوند کی بجائے) خود برداشت کرنے کے عوض خلع کیا تو درست ہے لیکن اگر اس عرصہ میں بیوی تنگدست ہو جائے تو خاوند پر واجب ہوگا کہ وہ اس کا نفقہ برداشت کرے جو بیوی کے ذمہ بطور قرض کے ہوگا۔ جب بیوی کو فراخی حاصل ہو خاوند اس سے وصول کر سکتا ہے۔ اسی طرح (مصارف) پرورش اولاد کے عوض (یعنی خاوند کو اس کے اخراجات سے بری الذمہ کر کے) خلع کرنا بھی درست ہے پس اگر بیوی نے خاوند سے کہا کہ تم اس معاوضہ کے بدلے جو تمہاری اولاد کی پرورش کے لئے مجھے لینے کا حق ہے میرے ساتھ خلع کر لو اور خاوند کہے کہ اس شرط پر خلع مجھے منظور ہے تو یہ خلع درست ہوگا۔ اس سے عورت پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور بچے کی پرورش کے معاوضہ کا جو حق بیوی کو ہوتا ہے وہ (خاوند سے) ساقط ہو جائے گا اور وہ حق باپ کی طرف یا باپ کے سوا کسی اور کی طرف جو بچے کے مصارف پرورش کا حق دار ہے منتقل ہو جائے گا بشرطیکہ زیر پرورش بچے کو ماں سے جدا کرنے میں کسی ضرر کا اندیشہ نہ ہو یا باپ اس کی پرورش نہ کر سکتا ہو۔ بصورت دیگر طلاق تو واقع ہو جائے گی لیکن بیوی کا حق اجرت پرورش ساقط نہ ہوگا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر مصارف حق حضانت سے دستبردار ہونے کے عوض بیوی نے خلع کیا تو یہ حق باپ کی طرف منتقل نہ ہوگا بلکہ ایسے شخص کی طرف منتقل ہوگا جو ماں کے بعد مصارف پرورش کا حق رکھتا ہو۔ اسی

Marfat.com

قول پر عملدرآمد اور فتویٰ ہے اگرچہ مشہور پہلی صورت یعنی حق حضانت کا باپ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

اگر بیوی نے اپنے حق حضانت کے ساقط کر دینے پر خلع کیا اور بچے کے باپ کا انتقال ہو گیا تو اب سوال یہ ہے کہ آیا بیوی پھر مصارف پرورش کی حق دار ہو گی یا نہ ہو گی۔ اس کا جواب اثبات میں ہے کہ وہ پھر حق دار ہو جائے گی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ (اس صورت میں) ماں کا حق ساقط ہو جائے گا اور بچے کے باپ کے انتقال کے بعد پرورش کا حق اس کی طرف منتقل ہو جائے گا جو ماں کے بعد اس حق کی مستحق ہے اور گمان غالب یہی ہے کہ ماں کا حق حضانت باپ کو منتقل ہو جائے گا یعنی باپ کی وفات کے بعد ماں پھر مصارف پرورش کی حق دار ہو جائے گی اور فوقیت اسی بات کو حاصل ہے کہ اس صورت میں ماں ہی حق دار ہو۔ اگر ماں کا انتقال ہو جائے اور باپ موجود ہو تو کیا حضانت اس کی طرف منتقل ہو گا جو ماں کے بعد اس کا حق دار ہے یا بقول مشہور اس کا حق دار باپ ہی رہے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ باپ کو اس بارے میں فوقیت حاصل ہے کیوں کہ یہ حق بطریق جواز اسے منتقل ہو جائے گا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ حق اسے منتقل ہو گا جسے ماں کے بعد پرورش اولاد کا حق ہے جس طرح کہ ایک شخص جب مال وقف میں سے اپنا حق کسی غیر شخص کو منتقل کرے اور پھر وہ شخص وفات پا جائے تو وہ حق اس ترتیب سے منتقل ہو گا جو وقف کرنے والے نے رکھی ہے۔

یہ سوال کہ آیا یہ درست ہے کہ بچے کی پیدائش سے پہلے اس کے مصارف پرورش کا حق ساقط کر دیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں یہ درست ہے۔ اس پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حق ثابت ہونے سے پہلے ہی اسے ساقط کیا گیا (جو درست نہیں ہے) کیوں کہ اس حق کے ثابت ہونے کا سبب یعنی حمل موجود ہے (لہٰذا یہ اعتراض پیدا نہیں ہوتا)۔

بیوی کا اپنے پیٹ کے بچے کو ایام شیر خوارگی تک دودھ پلانے کی اجرت پر خلع کرنا درست ہے۔ مثلاً بیوی کہے کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے اسے دودھ پلانے کی اجرت کے عوض تم مجھ سے خلع کر لو اور خاوند کہے کہ اس شرط پر مجھے خلع کرنا منظور ہے اور بیوی بھی اسے قبول کر لے تو بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور بیوی کو پورے ایام شیر خوارگی تک اسے بلا معاوضہ دودھ پلانا ہو گا۔ اگر بچہ دو سال سے پہلے وفات پا جائے تو دودھ پلانے کی اجرت جو رہ گئی ہے وہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی اور بچہ کے باپ کو اس عورت سے کچھ مطالبہ کرنے کا حق نہ ہو گا بجز اس صورت کے جب کہ عوام میں یہ طریقہ جاری ہو۔ ایسی صورت میں باقی ایام کی اجرت رضاعت کا مطالبہ خاوند کر سکتا ہے لیکن اگر بیوی وفات پا جائے یا اس کا دودھ خشک ہو جائے تو باقی اجرت کی وہ ذمہ دار ہو گی۔ اور اس کی وفات کے بعد خاوند اس کے ترکہ سے وصول کرے گا۔

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ آیا خاوند کے ذمہ سے دودھ پلانے کی اجرت ساقط ہو جانے سے بیوی کا نفقہ دوران حمل بھی ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟ قطع نظر اس کے کہ اس کی صراحت کی گئی ہو۔ یا نہ کی گئی ہو اس بارے میں اس رائے کو ترجیح حاصل ہے کہ نفقہ ساقط نہ ہو گا کیوں کہ بیوی دونوں کی حق دار ہے ایک حق ساقط ہو گیا دوسرا ساقط نہیں ہوا۔

اگر خاوند نے اپنے بیٹے کو تا ایام شیر خوارگی دودھ پلانے کی اجرت اور اس امر پر کہ وہ عورت اتنے عرصہ تک اس کی اولاد کا خرچ اٹھاتی رہے گی یا یہ کہ اس کے بڑے لڑکے کا خرچ اتنے عرصہ تک اٹھائے گی، خلع کر لیا تو اس کے بارے میں اختلاف ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مدت شیر خوارگی کے زیادہ عرصہ کے اخراجات بیوی کے ذمہ سے ساقط ہو جائیں گے خواہ خاوند نے ایام شیر خوارگی کی مدت مقرر کی ہو یا اس سے زیادہ کی مدت بتائی ہو یا ایک مقررہ مدت تک اس کا خرچ

Marfat.com

اٹھانے کی شرط رکھی ہو یا ایام شیر خوارگی سے ہٹ کر کوئی اور مدت مقرر کی ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ مصارف (بیوی کے ذمہ سے) بالکل ساقط نہ ہوں گے (یعنی جو عرصہ مقرر کیا ہے بیوی کو اتنے عرصہ تک ذمہ داری نبھانا ہوگی)۔

اگر خلع کے لئے یہ شرط رکھی کہ وہ اس بچے کا یا اس کے بڑے لڑکے کا ایام شیر خوارگی تک خرچ اٹھائے گی تو یہ عورت پر لازم ہو جائے گا۔ اگر بچہ وفات پا جائے تو باپ کو حق ہوگا کہ وہ اس نفقہ کو جو روزانہ کے حساب سے یا ماہانہ کے حساب سے لگایا گیا ہے باقی عرصہ تک کا عورت سے وصول کر لے اور اگر کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی تھی تو بیوی پر اس وقت تک کے اخراجات لازم ہوں گے جب کہ وہ بچہ موجود ہو۔ اگر معاوضہ کی شے اس وقت موجود نہ ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ اسی قول کو ترجیح حاصل ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر مدت کا تعین کر دیا گیا ہے تو ایسا کرنا درست ہے ورنہ بیوی کے ذمہ سے نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

معاملہ خرید و فروخت کے ساتھ بھی (معاملہ کو شامل کر کے) خلع کرنا درست ہے مثلاً بیوی خاوند سے ایک گھوڑے کے عوض خلع کرے اور یہ شرط لگا دے کہ وہ پانچ اشرفیاں پہلے لے لے گی' ایسی صورت میں نصف گھوڑا تو عصمت (یعنی پابندی زوجیت واپس لینے) کا معاوضہ ہوگا۔ اور دوسرا نصف پانچ اشرفیوں میں فروخت شدہ متصور ہوگا ایسا کرنا صحیح ہے اور اگر بالفرض اس گھوڑے کی قیمت پانچ اشرفیوں کے برابر ہو جو خاوند نے بیوی کو دیا تب بھی خلع درست ہوگا کیوں کہ اصل گھوڑا معاوضہ خلع ہو گیا۔ قطع نظر ان پانچ اشرفیوں کے جو خاوند نے بیوی کو دیں۔ پس بقول راجع طلاق بائن پڑ جائے گی۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس حالت میں طلاق رجعی واقع ہوگی کیوں کہ بیوی نے خلع کا کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا رہا گھوڑا سو بیوی نے اس کا معاوضہ (یا بدل) جو رقم خلع کے برابر ہے وصول کر لیا اگر اس طرح بیوی نے خاوند سے بھاگے ہوئے اونٹ کے عوض خلع کیا تو بیع فاسد ہوگی اور خلع صحیح ہوگا۔ بناء بریں بیوی پر واجب ہوگا کہ وہ پانچ جو اس نے لئے ہیں واپس کر دے کیوں کہ بیع فاسد ہے اور خاوند پر واجب ہے کہ وہ نصف اونٹ جو اس نے پانچ میں خریدا بیوی کو واپس کر دے اور باقی نصف اونٹ زوجیت ختم کر دینے کے معاوضہ میں خاوند کی ملکیت ہوگا۔

اگر بیوی نے اس شے کے معاوضہ میں جو اس کی بند مٹھی میں ہے یا اس کے سربند صندوق میں ہے خلع کیا تو اگر اس میں کوئی بھی شے خواہ کتنی ہی حقیر ہو موجود ہے۔ مثلاً کشمش کا دانہ تو خاوند کی ملکیت ہو جائے گی اور خلع درست ہوگا۔ اسی طرح اگر اس میں کچھ بھی نہیں ہے یا مال کی قسم کی کوئی شے نہیں ہے مثلاً اس میں مٹی ہے تو خلع درست ہوگا اور بموجب قیاس قوی و قول مستحسن وہ عورت بائنہ ہو جائے گی۔

اگر عورت نے کسی معین شے کے عوض خلع کیا اور یہ پتہ چلا کہ وہ عورت اس کی مالک نہیں ہے تو خلع درست نہ ہوگا اگرچہ اس کا مالک اس کی اجازت دے دے۔ اس کے برخلاف اگر غیر معین شے کے عوض خلع کیا مثلاً مقامی اناج کی ایک مقدار پر خلع کیا اور جب وہ اناج آیا تو معلوم ہوا کہ اس کا مالک اس عورت کے علاوہ کوئی اور شخص ہے تو خلع ہو جائے گا اور عورت پر لازم ہوگا کہ اسی مقدار میں وہ چیز مہیا کرے۔

اگر خاوند نے کہا کہ اگر معاوضہ خلع تو میرے حوالے کر دے تو تجھے طلاق ہے اس پر اگر وہ عورت معاوضہ خلع میں کوئی معمولی چیز جس پر بالعموم خلع نہیں ہوا کرتا پیش کرے تو اس پر طلاق نہ ہوگا۔

Marfat.com

شافعیہ کہتے ہیں کہ معاوضہ خلع کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مقصود ہو یعنی اس کی کوئی مالی قیمت ہو اور یہ کہ وہ شے خاوند کو ملے اور یہ کہ وہ معلوم ہو۔ نیز یہ کہ بیوی کو اس کے ادا کرنے کا اختیار ہو اور حلال شے ہو فاسد (خراب شے) نہ ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ معاوضہ خلع میں وہی شرائط ملحوظ رہیں گی جو سابقاً مہر کے بارے میں بتائی گئیں۔ پس جو چیز مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ معاوضہ خلع بھی ہو سکتی ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ مہر تو کسی قدر قرآن کی تعلیم بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ معاوضہ خلع نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس امر پر خلع ہوا کہ بیوی خود اس شخص کو قرآن کی اس قدر تعلیم دے تو سرے سے درست نہیں ہے کیوں کہ وہ عورت خلع کے بعد غیر محرم ہو جائے گی اور قرآن کی تعلیم دینا اس کے لئے جائز نہ رہے گا۔ پس معاوضہ خلع کے لئے تعلیم قرآن کے صحیح نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ غیر عورت کو خود تعلیم دینا شرعاً دشوار ہے ورنہ فی نفسہ یہ (معاوضہ) صحیح ہے۔

(خلع کی تفصیل مندرجہ بالا میں) معاوضہ کی قید لگانے سے بلا معاوضہ طلاق (تعریف خلع سے) خارج ہو گئی۔ تاہم یہ امر تفصیل طلب ہے: مال کا ذکر نہ کئے جانے کا سبب یا تو یہ ہو گا کہ (معاوضہ کی) نیت ہی نہ رہی ہو یا اس کا مقصد معاوضہ سے انکار کرنا ہو یا نہ نیت ہو نہ انکار۔ ان تمام صورتوں کی تفصیل صیغہ (الفاظ خلع) کے ضمن میں آئے گی اور یہ جو کہا گیا کہ وہ شے مقصود (یعنی مالی قیمت رکھنے والی) ہو اس قید سے اسی شے معاوضہ بننے کی صلاحیت سے خارج ہو گئی جو مالی قیمت نہ رکھتی ہو مثلاً کیڑے مکوڑے کے عوض یا خون کے بدلے طلاق دی تو اس سے صرف طلاق رجعی واقع ہو گی (یعنی بائنہ نہ ہو گی جو خلع میں ہوتا ہے) اور اس قید سے کہ وہ مال خاوند کو ملے (یا اس کے کارآمد ہو) وہ صورت نکل گئی کہ بیوی کا کوئی مال خاوند کے علاوہ کسی اور شخص کے ذمہ ہے اور خاوند نے اس شرط پر طلاق دی کہ بیوی اس شخص کے ذمہ جو قرض ہے اسے درگزر کرے۔ تب بھی طلاق رجعی واقع ہو گی البتہ خاوند اور اس کا بھائی بیوی کے مقروض ہیں اور اس شرط پر طلاق ہوئی کہ دونوں (طلاق کے معاوضہ میں) قرض سے سبکدوش ہو جائیں گے تب خاوند کے قرضہ کے عوض طلاق بائن پڑ جائے گی۔ بھائی کو اس کے اپنے قرض (واجب الاداء) کے ساتھ شامل کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے پس اگر اس طرح دونوں کو قرض سے سبکدوش کر دیا جائے تو صحیح ہے۔ اس کے بعد عورت پر مہر مثل کی ادائیگی واجب نہیں ہے۔ اگر بیوی کو خاوند سے قصاص (یعنی تاوان جرم) لینا ہو اور بیوی اس مطالبہ سے خاوند کو بری کر دینے کے عوض طلاق لے تو درست ہے اور طلاق بائن پڑ جائے گی اور بیوی کو حق ہے کہ اس کے اوپر تہمت لگانے کی پاداش میں خاوند کو حد (سزائے شرعی) یا کسی اور تعزیر کا مستوجب قرار دے لیکن بیوی اس شخص کو اس سے بری کرنے کے معاوضہ میں طلاق لے تو اس سے طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور بیوی پر واجب ہو گا کہ وہ اپنا مہر مثل خاوند کو واپس کر دے۔

واضح ہو کہ معاوضہ خلع کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ ایسی شے ہو کہ جسے مہر قرار دیا جانا درست ہو اور تہمت کی حد یا کسی اور سزا کو اگرچہ مہر قرار دینا درست نہیں ہے۔ لیکن چونکہ یہ دونوں امور مال مقصود کی مانند ہیں کیوں کہ بذاتہ ان کی مالی قیمت ہے اور مقصود ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ شے ایسی ہو جس کی قیمت لگائی جا سکے گو وہ قیمت کسی مال کے بدلے میں نہ ہو۔ پس اگر اس کے عوض خلع کیا جائے تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور بیوی پر لازم ہو گا کہ وہ مہر مثل واپس کر دے اور (یاد رہے کہ) حد (سزائے شرعی) ساقط نہیں ہوا کرتی نیز کہا جاتا ہے کہ دونوں سزائیں ساقط ہو جائیں گی کیوں کہ ان کے

Marfat.com

معاوضہ میں خلع ہونا ان کے معافی پر مشتمل ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے کیوں کہ اگر یہ درست ہوتا تو بیوی پر مہر مثل کی ادائیگی واجب نہ ہوتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر معاوضہ خلع مال مقصود ہو (جس کی قیمت لگائی جا سکے) تو وہ مال واجب الادا ہوگا اگر معاوضہ کی کوئی مالی قیمت نہ ہو تو خاوند کی طرف سے طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔ اگر مال مقصود ہو (یعنی اس کی مالی قیمت ہو) لیکن خراب شے ہو جیسے شراب اور سور تو طلاق بائن مہر مثل کے عوض پڑے گی۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ امر معاوضہ مقصود ہو (یعنی مالی قیمت رکھتا ہو) لیکن کسی مال کا بدل نہ ہو جیسے تہمت کی حد اور تعزیر (تو اس صورت میں بھی طلاق بائن بعوض مہر پڑے گی نہ کہ بعوض مال) لیکن ایسا معاوضہ خلع جس کے مقابلہ میں مال ہو مثلاً قصاص (یعنی تاوان) خلع درست ہے اور قصاص ختم ہو جائے گا۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ ایام عدت کا نفقہ اور پرورش اولاد وغیرہ کو مال مقصود (یعنی ایسا امر جس کی قیمت مالی ہو سکتی ہے) قرار دے کر اس کے عوض خلع کرنا درست ہے۔

(معاوضہ خلع کی تفصیل میں) یہ قید جو لگائی گئی ہے کہ وہ معاوضہ معلوم ہو اس قید سے وہ صورت نکل گئی جب کہ شے غیر معلوم کے عوض خلع کیا جائے۔ لہٰذا اگر بیوی نے کہا کہ ایک مویشی یا ایک اونٹنی یا ایک کپڑے کے عوض خلع کر لو لیکن متعین نہیں کیا (کہ کونسا جانور یا کیسی اونٹنی یا کیسا کپڑا) اور خاوند نے یہ خلع منظور کر لیا تو طلاق بائن پڑ جائے گی اور بیوی پر مہر مثل کی واپسی لازم ہوگی اور یہ جو کہا گیا ہے کہ وہ مال فاسد (یعنی خراب مال) نہ ہو جیسے شراب اور سور تو اس سے بھی طلاق بائن پڑ جائے گی اور بیوی پر لازم ہوگا کہ خاوند کو اپنا مہر مثل واپس کر دے۔ اگر معاوضہ خلع کی اشیاء میں کچھ معلوم اور کچھ نامعلوم ہیں مثلاً بیوی نے معاوضہ خلع میں اپنا ذاتی گھوڑا اور ایک مویشی رکھا تو یہ معاوضہ فاسد ہوگا اور (خلع کے عوض) بیوی اپنا مہر مثل واپس کرے گی اور اگر معاوضہ خلع میں اچھی اور بری دونوں طرح کی اشیاء ہوں مثلاً بیوی کہے کہ میں تمہارے ساتھ بیس اشرفیوں اور اس شراب کے مٹکے کے عوض خلع کرتی ہوں تو بقول صحیح خلع درست ہوگا اور خراب شے کے عوض مہر مثل واجب ہوگا۔

اگر بیوی ایسی شے کے عوض خلع کرے جو موجود نہیں ہے مثلاً وہ خاوند سے کہے کہ میرے گھر میں جو کچھ ہے یا میری مٹھی میں جو کچھ ہے اس کے عوض خلع کر لو حالانکہ گھر میں یا ہتھیلی میں کچھ نہیں ہے تو مہر مثل کے عوض طلاق بائنہ پڑ جائے گی اگرچہ خاوند جانتا ہو کہ اس میں کچھ نہیں ہے اس طرح اگر غصب کردہ مال یا ایسے مال کے عوض جس کا حوالہ کرنا اس کے اختیار میں نہ ہو خلع کیا اسی طرح ایسی شے کے عوض خلع کرنا ہے جس کی بابت معلوم نہ ہو۔ مثلاً خاوند بیوی سے کہے کہ میں نے اس کپڑے کے عوض جو تیرے ذمہ ہے خلع کیا تو وہ عورت مہر مثل کے عوض بائنہ ہو جائے گی۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ خلع ایسی شے کے عوض ہو جس کی کیفیت کا علم نہ ہو تو اس میں تفصیل ہے کہ اگر معاوضہ کی شے کا جس پر خلع کیا ہے مہیا کرنا ممکن ہے تو اس صورت میں بھی وہ عورت مہر مثل کے عوض بائنہ ہو جائے گی اس کی صورت یہ ہے کہ خاوند نے بیوی سے کہا کہ اگر تو مجھے ایک کپڑا ادا دے تو تجھے طلاق ہے اور اس نے ایک کپڑا ادا دے دیا تو اس عورت پر مہر مثل کے عوض طلاق بائنہ پڑ جائے گی اگر وہ شے ایسی ہے جس کا مہیا کرنا عورت کے لئے ممکن نہ ہو تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ اس کی صورت

Marfat.com

یہ ہے کہ خاوند بیوی سے کہے کہ اگر وہ چیز جو تیری مٹھی میں ہے مجھے دے دے تو تجھے طلاق ہے اور بیوی کی مٹھی میں کچھ نہیں ہے کہ اس کا دینا ممکن ہو ایسی حالت میں بیوی کو طلاق نہ ہوگی۔ اگر خاوند نے بیوی کے طلاق کی یہ شرط رکھی کہ بیوی اس شے معلومہ کے مطالبہ سے خاوند کو بری کردے جو اسے خاوند سے لینی ہے تو خلع درست ہو جائے گا اور وہ معاوضہ لازم ہوگا۔ مثلاً خاوند نے بیوی سے کہا کہ اگر تو اس مقرر شدہ مہر سے جو دونوں کو معلوم ہے مجھ کو (خاوند کو) بری کردے تو تجھے طلاق ہے اور بیوی نے جواباً کہا کہ میں نے بری کردیا تو خلع درست ہوگا۔ لیکن اگر بیوی نے اس طرح کہا کہ تو مجھے طلاق دے دے تو میرے مہر کی ادائیگی سے تو بری ہو جائے گا اور اسے علم نہیں ہے کہ اس کا مہر کتنا ہے تو اب اگر بیوی کو یہ گمان تھا کہ اس کا مہر مال مقصود ہے (یعنی جس کی قیمت ہوسکتی ہے) اور وہ بری شے نہیں ہے تو اس پر مہر مثل کے عوض طلاق پڑ جائے گی اور اگر وہ جانتی تھی کہ اس کا مہر خراب چیز کا ہے تو اسے طلاق رجعی پڑ جائے گی۔ لیکن اگر بیوی نے یہ کہہ دیا کہ میں نے تم کو بری کیا۔ مال کا ذکر نہیں کیا اور خاوند نے جواباً کہا کہ اگر تیرا بری کردینا صحیح ہے تو تجھے طلاق ہے اس صورت میں اگر خاوند کو معلوم ہے کہ کس شے سے اسے بری الذمہ کیا ہے تو طلاق رجعی واقع ہوگی کیوں کہ یہ طلاق معاوضہ میں نہیں ہوئی۔ کیوں کہ خاوند نے خلع کو بریت کے درست ہونے پر مشروط کیا اور بریت کا درست ہونا طلاق سے پہلے ہوگیا کیوں کہ اس نے خاوند کو اس کے حق سے بری کیا اور اگر ایسی شے سے بری کیا جس کا علم خاوند کو نہیں ہے تو اس سے کچھ واقع نہ ہوگا۔

اگر خاوند نے بیوی سے یوں کہا کہ تو اپنا قرضہ جو میرے ذمہ ہے معاف کردے تو تجھے طلاق ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ قرضہ کیا ہے؟ اور بیوی کہے کہ میں نے معاف کردیا تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔ کیوں کہ جب قرضے کی چیز کا علم ہی نہیں تو اس سے بریت بھی ثابت نہ ہوئی اور شرط نہیں پائی گئی (تو مشروط بھی فوت ہوگیا)۔

اگر بیوی کی طرف سے کسی غیر شخص نے' خراب مال کے عوض خلع کیا اور اس خراب مال کو بتادیا۔ مثلاً اس شخص نے خاوند سے کہا کہ تم اس غصب کردہ مال کے عوض یا اس شراب کے معاوضہ میں اپنی بیوی سے خلع کرلو تو اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی (خلع نہ ہوگا) اس لئے کہ اس اجنبی شخص کی اس معاملہ میں کوئی ذاتی مصلحت جس سے اسے فائدہ پہنچے نہیں ہے بلکہ بھلائی کے خیال سے اس نے ایسا کیا اور اگر اس نے خاوند کو معاوضہ کے فاسد ہونے سے آگاہ کردیا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس نے بھلائی کرنے کے جذبہ سے تجاوز کیا برخلاف اس کے بیوی کو اس میں فائدہ تھا کہ وہ اس طرح (خلع ہو جانے پر) اپنے نفس کی مالک ہو جائے گی' پس اگر اس شخص نے مال کے فاسد ہونے کی صراحت کردی ہے یا بتادیا ہے کہ وہ مال مقصود برا ہے تو بیوی مہر مثل کی حقدار رہے گی لیکن اگر اس شخص نے مال کی برائی نہیں بتائی مثلاً خاوند سے یوں کہا کہ آپ اس اونٹ کے عوض اپنی بیوی سے خلع کرلیجئے اور وہ اونٹ دراصل مال مغصوب (ناجائز قبضہ کیا ہوا) ہے تو خلع ہو جائے گا اور بیوی کو مہر مثل ادا کرنا ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ معاوضہ خلع کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مال حلال ہو پس اگر خاوند نے شراب یا سور وغیرہ پر بیوی سے خلع کیا اور انہیں معلوم ہے کہ یہ چیزیں حرام ہیں تو اس صورت میں خلع فاسد ہوگا' کیوں کہ ایسی (ناجائز) شے کے معاوضہ پر (خلع کے لئے) راضی ہو جانا' گویا بلا معاوضہ خلع پر راضی ہونا ہے۔ حالانکہ خلع کے لئے معاوضہ لازمی ہے کیوں کہ معاوضہ خلع کا ایک رکن ہے۔ اس کے بغیر خلع نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر انہیں معاوضہ کے حرام ہونے کا علم نہ ہو تو خلع

Marfat.com

درست ہوگا اور بیوی پر اس معاوضہ کی قیمت یا ایسی ہی کوئی اور شے جو حلال ہو واجب الادا ہوگی۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ خلع، بضع (یعنی نسوانی خصوصیت) کا معاوضہ ہے اور معاوضہ (خواہ کچھ ہو) عقد نکاح کی طرح فاسد نہیں ہوتا۔ پس اگر خاوند بیوی سے کہے کہ اگر تو مجھے (اتنی) شراب یا سور حوالہ کر دے تو تجھے طلاق ہے اور بیوی دے دے تو طلاق ہو جائے گی کیوں کہ حوالہ کرنے کی شرط پوری ہوگئی۔ لیکن اس سے طلاق رجعی ہوگی۔ کیوں کہ معاوضہ کی چیز ٹھیک نہیں تھی۔ اگر بغیر معاوضہ کے خاوند طلاق پر راضی ہو تو بیوی پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ نکاح میں تو اگر مہر میں بری چیز رکھی گئی تو عقد ہو جاتا ہے۔ اور عورت مہر مثل کی حقدار ہو جاتی ہے اسی طرح خلع کے معاملہ میں کیونکہ نہیں ہوتا کہ اگر مال فاسد (بری چیز) کے عوض خلع کیا جائے تو خلع صحیح ہو اور بیوی مہر مثل کی حقدار رہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ (بیوی کی بضع) نسوانی خصوصیت خاوند کی ملکیت سے خارج ہو جانے کا کوئی مالی معاوضہ نہیں ہوتا۔ معاوضہ ملکیت میں آنے کا ہوتا ہے۔ چنانچہ نسوانی خصوصیت کی قیمت مہر ہوتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا کہ خلع فاسد ہو جاتا ہے اور نکاح مہر مثل کے عوض برقرار رہتا ہے۔

معاوضہ خلع کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ معاوضہ معلوم ہو لہٰذا نامعلوم شے کے معاوضہ پر خلع ہو سکتا ہے۔ پس اگر بیوی نے گھر کے اندر جو سامان ہے اس کے عوض خلع کیا تو خلع درست ہے اور گھر میں جو کچھ بھی ہے تھوڑا یا بہت وہ خاوند کا ہو جائے گا اگر گھر میں کچھ نہ ہو تو خاوند کو حق ہے کہ اس کے معاوضہ میں کم سے کم شے کا جس پر سامان کا مطالبہ کرے۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ بیوی اس شے کے عوض جو اس کی مٹھی کے اندر ہے خلع کرے اور اس کی مٹھی کے اندر کچھ نہ ہو تو کم سے کم ایسی شے جس کا مٹھی میں ہونا صحیح ہو خاوند کا حق ہے اس کی مقدار تین درہم ہے اگر اس کی مٹھی میں کوئی شے ہے تو خواہ وہ زیادہ ہو یا کم وہی شے خاوند کی ہوگی۔

معاوضہ خلع کے لئے یہ بھی شرط نہیں ہے کہ (بوقت خلع) معاوضہ کی شے موجود ہو۔ پس ایسی شے پر خلع ہو سکتا ہے جس کے پائے جانے کی امید ہو۔ مثلاً ایک شخص نے بیوی کی اونٹنی کے حمل یا اس کی بھیڑ بکریوں یا گائے کے حمل کے عوض خلع کیا اور اس وقت کوئی بچہ جانور کے پیٹ میں ہے تو وہ خاوند کا ہوگا۔ اگر نہیں ہے تو بیوی پر واجب ہوگا کہ وہ خاوند کو (کسی معاوضہ پر) راضی کرلے ورنہ لازم ہے کہ وہ خاوند کو ایسی شے دے جس پر حمل کا نام عائد ہوتا ہو۔ اسی طرح وہ صورت ہے جب کہ بیوی ان پھلوں کے عوض خلع کرے جو اس کے درختوں میں لگنے والے ہیں یا اس دودھ کے عوض خلع کرے جو اس کے مویشی، بھیڑ بکریوں کے تھن میں ہے۔ ان تمام صورتوں میں اسی طرح جیسا کہ اوپر مذکور ہوا خلع درست ہے۔

اگر معاوضہ میں کوئی عام شے رکھی گئی اور اس کی خصوصیت نہیں بتائی مثلاً بیوی نے کہا کہ ایک اونٹنی یا ایک گائے یا ایک کپڑے یا ایک بکرے کے عوض خلع کرلو اور کسی جانور کا تعین نہیں کیا کہ (کون سا یا کیسا اونٹ یا گائے وغیرہ) تو خلع ہو جائے گی اور اس عورت پر لازم ہوگا کہ کم سے کم درجہ کا اونٹ یا گائے یا بکری دے۔ اگر بیوی کہے کہ اس اونٹ کے عوض مجھ سے خلع کرو اور خاوند نے وہ خلع منظور کرلیا اور پھر پتہ چلا کہ وہ اونٹ مال مغصوبہ ہے تو بیوی کو طلاق نہ ہوگی۔ اسی طرح اس صورت میں بھی طلاق نہ ہوگی جب کہ وہ مال (معاوضہ) کسی کے پاس رہن ہو۔

ایک گھر میں کسی خاص مدت تک رہائش رکھنے کے عوض بھی خلع کرنا درست ہے مثلاً بیوی نے خاوند سے کہا کہ اس معاوضہ میں کہ تم فلاں مکان میں دو سال رہو یا اس سے کم یا زیادہ وقت مقرر کیا اور خاوند کہے کہ مجھے اس بات پر خلع منظور

Marfat.com

صیغۂ خلع (الفاظ خلع) کی شرائط کا بیان

خلع کے لئے ضروری ہے کہ اس کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ لہٰذا ایک دوسرے کو محض (مال) عطا کردینے سے خلع درست ہوگا۔ مثلاً بیوی کو مال دے کر اس کے گھر سے نکل جائے بغیر اس کے کہ خاوند نے اس سے یہ کہا ہو کہ تو مجھ سے اتنے کے عوض خلع کرلے اور وہ کہے کہ میں نے خلع کرلیا' یا یہ ہو کہ عورت خاوند سے کہے کہ تم میرے ساتھ اس قدر معاوضہ پر خلع کرلو خاوند کہے کہ میں نے اتنے پر خلع (منظور) کرلیا۔

ہے تو یہ درست ہے اور اسے رہائش کا حق حاصل ہوگا۔ اگر وہ مکان گر جائے تو اسی جیسے مکان کے کرایہ کا مطالبہ وہ عورت سے کرے گا۔ اس طرح خاوند کی اس اولاد کو جو اسی بیوی سے ہے یا کسی اور بیوی سے ہو ایک خاص مدت تک دودھ پلانے کے معاوضہ میں خلع کرنا درست ہے۔ اگر وہ بچہ اس مدت کے ختم ہونے سے پہلے وفات پا جائے تو خاوند کو حق ہوگا کہ باقی عرصہ کے لئے اسی جیسے بچے کے دودھ پلانے کی جو اجرت ہوتی ہے اس کا مطالبہ عورت سے کرے یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ عورت وفات پا جائے یا اس کا دودھ خشک ہو جائے۔

اگر بیوی نے اس شرط پر خلع کیا کہ وہ خاوند کے بچے کو دودھ پلائے گی اور مدت کا ذکر نہیں آیا تو بیوی پر لازم ہوگا کہ شرعاً جو مدت شیر خوارگی یعنی دو سال تک بچے کو دودھ پلائے۔ خواہ خلع وضع حمل سے پہلے یا وضع حمل کے ساتھ ہی ہوا ہو۔ یا اس مدت کے دوران ہوا ہے۔ پس اگر بچے کی پیدائش کو ایک سال ہو چکا ہے تو باقی ایک سال وہ عورت دودھ پلائے گی۔

خاوند کی اولاد کو مقررہ عرصہ تک پرورش کرنے کے معاوضہ پر خلع ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ایک مقررہ عرصہ تک مثلاً دس سال تک اس کا بار نفقہ اٹھانے پر بھی خلع ہوسکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ایسی صورت میں اگر بچہ دودھ پیتا ہے تو مدت (شیر خوارگی) کا تعین کردیا جائے اور خوراک کی تفصیل جو وہ عورت بچے کو دے گی بتادی جائے بایں طور کہ خاوند بیوی سے کہے کہ میں تیرے ساتھ اپنی اولاد کا خرچ دس سال تک اٹھانے کے عوض خلع کرتا ہوں' پس تو اسے دو سال یا کم عرصے تک جیسا کہ باہمی طور پر طے ہو جائے دودھ پلائے گی اور اسے مثلاً گندم کی روٹی دن بھر میں دو یا تین چپاتی اور سالن وغیرہ کھلانا ہوگا۔ اگر ان باتوں کا ذکر نہیں کیا گیا تو خلع ہو جائے گا اور دودھ پلانے کی مدت شرعی قرار پائے گی اور (گزارے کا) خرچ وہ سمجھا جائے گا جو طریق معروف اور رواج کے مطابق ہو۔ والد کو یہ بھی حق ہے کہ وہ اس عورت سے نفقہ کے دام وصول کرے اور بطور خود اس پر خرچ کرے۔ اگر بچہ وفات پا جائے تو خاوند باقی ایام کے نفقہ کی رقم عورت سے وصول کرلینے کا حق رکھتا ہے۔

حاملہ عورت کے لئے روا ہے کہ وہ اخراجات دوران حمل کے معاوضہ میں خاوند سے خلع کرے۔ یہ (اخراجات نفقہ) خاوند پر واجب ہیں کیوں کہ اس کا سبب یعنی حمل موجود ہے اگر مدت نامعلوم ہو (تو خلع میں) اس سے کوئی حرج نہ ہوگا اور بیوی اور بچے کا نفقہ دودھ چھڑا دینے پر ساقط ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کے لئے بیوی بچے کے نفقہ کا

Marfat.com

غرض لفظوں میں خلع کے لئے ایجاب وقبول کا ہونا ضروری ہے۔ مذکورہ بالا عمل سے خلع نہیں ہوتا' اگر چہ یہ عمل بہ نیت طلاق کیا گیا ہو یا (خلع کا) یہ طریقہ رائج ہو۔ (۱)
اور خلع کے الفاظ اور اس کی شرائط کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۲)

مطالبہ کرنے کی حقدار ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا کوئی عمل کیا گیا جو بالعموم طلاق پر دلالت کرتا ہو تو اس سے طلاق پڑ جائے گی۔ مثلاً بیوی نے اگر اپنے خاوند کو مال (معاوضہ خلع) دے دیا اور دونوں ایک رسی کو پکڑ لیں پھر اسی رسی کو خاوند کاٹ دے اور یہ فعل ان لوگوں میں طلاق سمجھا جاتا ہے تو اس طرح کرنے سے اس معاوضہ میں طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ اگر بیوی نے کوئی معاوضہ نہیں دیا اور ان لوگوں میں رواج یہ ہے کہ اس طرح رسی کو کاٹ دینا طلاق سمجھا جاتا ہے' تو اس سے طلاق رجعی پڑ جائے گی اگر ایسا کوئی رواج مشہور نہ ہو اور کوئی شخص بہ نیت طلاق کرے اور ایسا کوئی قرینہ بھی موجود ہے جس سے یہ فعل طلاق قرار دیا جا سکے۔ مثلاً خاوند کا اپنی سسرال والوں سے جھگڑا ہو اور وہ لوگ کہیں کہ ہم نے جو کچھ تم سے لیا ہے واپس کرتے ہیں' تم ہماری بیٹی کو واپس کر دو تو اس فعل سے طلاق بائن پڑ جائے گی' اگر چہ طلاق کا لفظ نہ بولا گیا ہو اور نہ اس طرح طلاق کا رواج ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس عمل سے طلاق کا واقع ہونا دو باتوں پر موقوف ہے ایک تو یہ ہے کہ ان لوگوں میں اس قسم کے عمل سے طلاق دینے کا رواج ہو دوسرے یہ کہ ایسا قرینہ موجود ہو جو اس فعل کو طلاق قرار دیتا ہو تو طلاق ہو جائے گی جیسا کہ بتایا گیا۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خلع کی تعریف میں بتایا جا چکا ہے کہ خلع کے ساتھ الفاظ ہیں۔ ان میں سے ہر لفظ کی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔ باقی رہا وہ حکم جس کا تعلق الفاظ خلع سے ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کی طرف سے خلع کو قبول کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ خلع کا مطلب جانتی ہو اگر بیوی عجمیہ ہے (یعنی عرب کی رہنے والی نہیں ہے) اور خاوند نے اسے عربی زبان کے یہ الفاظ سکھا دیئے کہ "اختلعت منک بالمهر و نفقة العدة" (یعنی میں نے تمہارے ساتھ مہر اور نفقہ عدت کے عوض خلع کر لیا) اور عورت نے یہ الفاظ (منہ سے) ادا کر دیئے حالانکہ وہ اس کے معنی نہیں جانتی اور خاوند نے اسے قبول کر لیا تو بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی لیکن بیوی پر اس شخص کا کوئی حق نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ خلع مرد کے لئے قسم کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا اگر اس نے (بیوی سے) اس طرح کہہ کر خلع کیا کہ میں نے تجھ سے مثلاً ایک سو پر خلع کیا تو اب وہ اس بات سے پھر نہیں سکتا اور نہ اس کو فسخ کر سکتا ہے اور نہ عورت کو اس کے قبول کرنے سے باز رکھتا ہے۔ خاوند کا یہ حق ہے کہ خلع کو کسی شرط سے مشروط کرے یا کسی وقت سے منسوب کرے۔ پس اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ مثلاً زید کے آنے پر میں نے ایک ہزار کے عوض تجھ سے خلع کرتا ہوں اور زید کے آنے پر بیوی نے اس کو قبول کر لیا تو خلع ہو گیا۔ اگر زید کے آنے سے پہلے اس نے قبول کیا تو خلع نہ ہوگا اسی طرح اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ تیرے گھر میں داخل ہونے پر ایک ہزار کے عوض تجھ سے خلع کرتا ہوں پھر وہ گھر میں داخل ہوئی اور اس نے کہا کہ میں گھر میں داخل ہو گئی اور خلع کو قبول کر لیا تو درست ہے بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے گی اور معاوضہ لازم ہو جائے گا۔ لیکن

Marfat.com

اگر بیوی نے صرف یہ کہا کہ میں نے گھر میں داخل ہونا قبول کرلیا تو خلع نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر خلع کے لئے کوئی وقت مقرر کر دیا مثلاً بیوی سے کہا کہ میں نے کل سے یا اس ماہ کے اخیر سے بعوض ایک ہزار کے تجھ سے خلع کرلیا تو یہ درست ہوگا بشرطیکہ اگلا دن آنے پر یا مہینے کے آخر میں بیوی نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ اگر اس سے پہلے ہی اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو خلع نہ ہوگا۔

بیوی کے لحاظ سے خلع کا مطلب (قسم نہیں بلکہ) مالی معاوضہ ہے۔ کیوں کہ بیوی ایک شخص کو اپنا مال طلاق کے معاوضہ میں ادا کرتی ہے اور ان دونوں کے درمیان معاوضہ کے یہ معنے ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کو مال کا مالک بنا دیتا ہے اور اس مال کا مالک بننے کا معاوضہ دوسرا شخص ادا کرتا ہے۔ ایسی صورت میں خاوند کے قبول کرنے سے پہلے بیوی کا اپنے قول سے رجوع کرنا درست ہے۔ پس اگر بیوی نے خلع کا ذکر پہلے کیا اور اس نے خاوند سے کہا کہ میں نے ایک ہزار کے عوض تم سے خلع کیا' یا یوں کہا کہ تم میرے مہر اور نفقہ عدت کے عوض مجھ سے خلع کرلو تو بیوی کو حق ہے کہ خاوند کے یہ کہنے سے پہلے کہ میں نے اس بات پر تجھ سے خلع قبول کرلیا اپنے قول سے رجوع کرلے۔ اگر عورت خاوند کے قبول کرنے سے پہلے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہو تو یہ حق رجوع جاتا رہے گا۔ اسی طرح اگر خاوند اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تو اس کا حق قبول جاتا رہے گا۔ اگر خاوند موجود نہ ہو اور اسے بیوی کی یہ بات بتائی گئی اور اس نے قبول کیا تو یہ درست نہیں ہے اور بیوی کے لئے (خلع کو) کسی شرط سے مشروط یا کسی وقت سے وابستہ کرنا درست نہیں ہے۔

رہا یہ کہ آیا بیوی کو شرط خیار (یعنی قبولیت وعدم قبولیت کا حق) حاصل ہے یا نہیں؟ اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے چنانچہ اگر خاوند بیوی سے کہے کہ "میں تیرے ساتھ تیرے مہر اور نفقہ عدت کے عوض خلع کرتا ہوں تجھے تین دن کے اندر یا زیادہ عرصہ کے اندر (اس کے منظور کرنے یا نہ کرنے کا) اختیار ہے" امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا درست ہے اور عورت کو حق ہے کہ مدت خیار کے اندر اسے قبول کرے جس سے طلاق بائن پڑ جائے گی اور معاوضہ لازم ہو جائے گا نیز اسے حق ہے کہ اسے رد کردے۔ ایسی صورت میں نہ طلاق ہوگی نہ معاوضہ عائد ہوگا۔ لیکن صاحبینؒ کا کہنا ہے کہ (اس بارے میں) اختیار دینا باطل ہے' (خاوند کے اس طرح کہنے سے) طلاق اسی وقت پڑ جائے گی اگر عورت قبول کرلے تو مال کی ادائیگی (اس کے ذمہ) لازم ہو جائے گی۔

خاوند اگر معاوضہ خلع کی چیز میں کوئی نمایاں عیب پائے جو شے معاوضہ کو اعلیٰ درجہ سے اوسط درجہ کی یا اوسط درجہ سے گھٹیا درجہ کی چیز بنا دے تو خاوند کو اختیار ہے کہ اسے نامنظور کردے۔ ہاں کوئی معمولی سا عیب ہو تو اسے یہ اختیار نہ رہے گا۔ چنانچہ اگر عورت نے بیس بوری اعلیٰ درجہ کی گندم کے عوض خلع کیا اور وہ اوسط درجہ کی نکلی تو خاوند کو اسے رد کر دینے کا اختیار ہے اگر متوسط درجہ کی گیہوں قرار پائی تھی اور وہ گھٹیا قسم کی نکلی تو وہ اسے واپس کرسکتا ہے لیکن اگر اس گندم میں معمولی سا کوڑا کرکٹ ہے تو اس سے کوئی مضائقہ نہیں ہے پھر یہ شرط ہے کہ (معاملہ خلع میں) قبول ایجاب کے مطابق ہونا چاہئے۔ پس اگر خاوند نے کہا کہ تین سو کے عوض تجھے چار طلاقیں ہیں اور بیوی کہے کہ میں تین طلاقیں قبول کرتی ہوں تو اس طرح طلاق واقع نہ ہوگی کیوں کہ خاوند نے وقوع طلاق کے لئے چار طلاق قبول کرنے کی شرط رکھی تھی اور بیوی نے تین طلاق قبول کی تو وہ شرط یعنی چار طلاقوں کا قبول کرنا پورا نہ ہوا (لہٰذا طلاق نہ پڑے گی)۔

Marfat.com

اگر خاوند نے کہا کہ میں نے ایک ہزار کے عوض تجھے طلاق دی اور بیوی نے کہا میں نے قبول کیا اور پھر اس نے کہا کہ میں نے تجھے ایک ہزار کے عوض طلاق دی اور بیوی نے کہا کہ میں نے قبول کیا پھر خاوند نے کہا کہ میں نے تجھے ایک ہزار کے عوض طلاق دی اور بیوی نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو اس طرح تین ہزار کے عوض تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ بخلاف اس کے اگر ایک شخص نے بیوی سے کہا کہ میں نے تجھ سے خلع کیا اور معاوضہ کا ذکر نہیں کیا۔ بیوی نے کہا کہ میں نے قبول کرلیا اس کے بعد پھر خاوند نے یہی لفظ دہرایا اور بیوی نے کہا میں نے قبول کیا تو دوسری بار کا کہنا لاگو نہ ہوگا کیوں کہ پہلی بار کہنے پر طلاق بائن پڑ گئی تو اب اس کے ساتھ دوسری طلاق شامل نہیں ہوسکتی۔ ان دونوں عبارتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی عبارت میں معاوضہ کا ذکر ہے لہٰذا وہ لاگو نہ ہوگا تا آنکہ بیوی قبول کرلے۔ اب چونکہ خاوند نے معاوضہ کے ذکر کے ساتھ ایک عبارت کو دہرایا اور ہر بار بیوی نے قبول کرلیا تو یہ تمام تین طلاقیں معاوضہ کے ساتھ واقع ہوگئیں۔ دوسری عبارت میں معاوضہ کا ذکر نہیں ہے لہٰذا طلاق کا واقع ہونا بیوی کے قبول کرنے پر موقوف نہ ہوگا' درآنحالیکہ خاوند نے طلاق کی نیت کی ہو یا پھر لفظ خلع استعمال کیا ہو۔ اس صورت میں ایک قول کے مطابق نیت ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا اور وہ معاوضہ جو بیوی کے قبول کرنے پر موقوف ہوتا ہے اس سے بیوی کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اس صورت میں الفاظ ہی سے بغیر اس کے کہ بیوی قبول کرے طلاق واقع ہوجائے گی اور بیوی مطلقہ بائنہ ہوجائے گی۔ پس اگر وہ یہی الفاظ مکرر کہے تو دوسرا قول اس کے ساتھ شامل نہ ہوگا۔

یہ مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ معاوضہ کا ذکر پہلے خاوند نے کیا ہو۔ اگر بیوی کی طرف سے ابتداء ہوئی بایں طور کہ وہ کہے کہ میں نے ایک ہزار کے عوض تجھ سے خلع کیا اور وہ تین بار اس قول کو دہرائے اور خاوند کہے میں نے قبول کیا تو بقول صحیح ایک ہزار کے عوض ایک طلاق واقع ہوگی۔ ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے جیسا کہ بتایا گیا ہے خلع خاوند کے لئے ایک قسم کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ قسم بیوی کے قبول کرنے پر موقوف رہتی ہے بلکہ یہ (قبولیت) ایک معاوضہ ہے اور اس کے پورا ہونے سے پہلے بیوی کو رجوع کا اختیار ہے۔ اب اگر بیوی نے اس (قبولیت) کو دوبارہ کہا تو یہ دوسری بات قبولیت متصور ہوگی اور پہلی بات لغو ہوگی۔ اسی طرح تیسری بار کہا تو دوسری لغو ہوگی (لہٰذا ایک طلاق واقع ہوگی)۔

اگر بیوی نے کہا کہ مجھے چار طلاقیں دے دو اور خاوند نے تین طلاقیں دیں تو ہزار کے عوض تین طلاقیں واقع ہوں گی اور یہاں طلاق کی تعداد میں جو اختلاف ہے اس سے کوئی حرج نہیں۔

اگر بیوی نے کہا کہ **طلقنی ثلاثاً بالف** (یعنی ہزار کے عوض مجھے تین طلاق دے دو) اور خاوند نے ایک طلاق دی تو ایک ہزار کے تہائی حصہ کے عوض بیوی ایک طلاق سے بائنہ ہوجائے گی بشرطیکہ خاوند نے اسی جگہ طلاق دے دی ہو۔ اگر وہ شخص اٹھ کھڑا ہوا اور طلاق نہیں دی تو کچھ واجب نہیں ہوگا کیوں یہ رقم بیوی کی طرف سے طلاق کے معاوضہ کے طور پر ہے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ معاوضہ اسی جگہ قبول کیا جائے۔ اگر خاوند نے دو طلاقیں دیں تب بھی وہ پورے ہزار کا حق دار ہوگا جس طرح کہ ایک ہی لفظ سے یا متفرق طور سے تین طلاقیں دینے سے ہوتا ہے بشرطیکہ اسی جگہ طلاق دے دی ہو۔ اگر بیوی نے کہا کہ ایک ہزار کے عوض مجھے ایک طلاق دے دو۔ خاوند نے تین طلاقیں دے دیں اور کہا کہ ایک ہزار کے عوض تجھے تین طلاقیں ہے اور بیوی نے کہا کہ مجھے منظور ہے تو ایک ہزار کے معاوضہ میں اسے تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ اگر

Marfat.com

بیوی نے منظور نہ کیا تو کچھ واقع نہ ہوگا۔ اگر خاوند نے کہا کہ تجھے تین طلاقیں ہے اور ہزار کے معاوضہ کا ذکر نہیں کیا تو کہا جاتا ہے کہ بیوی پر تین طلاق بلا معاوضہ پڑ جائے گی۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ بیوی پر ایک ہزار کے عوض تین طلاقیں پڑیں گی اور دو طلاقیں بلا معاوضہ ہوں گی۔

اگر بیوی نے کہا کہ طلقنی ثلاثا علی الف (کہ مجھے ایک ہزار کی شرط پر تین طلاق دے دو) اور خاوند نے ایک طلاق دی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور بیوی کے ذمہ کچھ عائد نہ ہوگا کیوں کہ حرف جر "علیٰ" اور حرف جر "با" (کے مفہوم) میں فرق ہے (یعنی طلاقنی بالف اور طلقنی علی الف کہنے میں فرق ہے) حرف 'علیٰ' شرط کے لئے آتا ہے (یہاں پر) اس کا مشروط الف (ہزار) ہے' اس کو شرط کے دوسرے اجزاء یعنی ثلاثا (تین) تک نہیں پھیلایا جائے گا' چنانچہ اگر خاوند نے تین طلاقیں متفرق طور پر لیکن اسی جگہ دے دیں تو بیوی پر ایک ہزار لازم ہو جائیں گے۔ کیوں کہ پہلی اور دوسری طلاق رجعی ہوگی اور تیسری طلاق لاگو ہو جائے گی جو اس کی عصمت (یا زوجیت) ختم کرنے کے لئے ہے اور خاوند ہزار کا حق دار ہو جائے گا' لیکن اگر خاوند نے بیوی کو تین طلاقیں مختلف جلسوں میں دیں (یعنی اسی جگہ نہیں دیں) تو امام صاحبؒ کے نزدیک خاوند کو کچھ نہ ملے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک خاوند ایک ہزار کے تہائی کا حق دار ہوگا۔ اور حرف جار 'با' معاوضہ کے ساتھ وابستگی رکھتا ہے اور (اس کے لانے سے) معاوضہ اس تمام شے پر تقسیم ہو جاتا ہے جس کا معاوضہ ہو (پس اگر معاوضہ ایک ہزار تین طلاقوں کا ہے اور ایک طلاق واقع ہو تو وہ طلاق معاوضہ ہزار کے ایک تہائی کے عوض ہوگی)۔

یہ مسائل اس حال کے ہیں جبکہ خلع کی تحریک بیوی کی طرف سے ہو۔ اگر تحریک خاوند کی طرف سے ہو اور وہ بیوی سے کہے کہ ایک ہزار میں یا ایک ہزار ہو تو اپنے آپ کو تین طلاقیں دے اور اس نے ایک طلاق دی تو اس سے کچھ نہ ہوگا' اس لئے کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ خلع کی تحریک اگر خاوند کی طرف سے ہو تو اس کی حیثیت قسم کی ہوتی ہے اور وہ قسم عورت کے قبول کرنے پر موقوف رہتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں بیوی کے قبول کرنے پر جو امر موقوف ہے' وہ تین طلاقوں کا واقع ہونا ہے پس اگر اس نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی تو گویا اس نے اس قسم کو جو بیوی کے منظور کرنے پر مشروط تھی قبول نہیں کیا لہٰذا اس سے کچھ نہ ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر بیوی کی طرف سے تحریک خلع کی ابتداء ہوئی تو اس کی طرف سے ایک معاوضہ ہے۔ پس اگر اس نے خاوند کو تین طلاقوں کے لئے ایک ہزار کی پیشکش کی اور خاوند نے ایک طلاق دی تو وہ ایک ہزار کی تہائی کے عوض بائنہ ہو جائے گی۔

اگر بیوی نے خاوند سے کہا کہ تو مجھے ایک ہزار کے عوض ایک طلاق دے دے اور خاوند نے کہا کہ تجھے ایک اور ایک اور ایک۔ طلاق ہے تو اس پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی' پہلی طلاق ایک ہزار کے عوض اور دو طلاقیں بلا معاوضہ۔

اگر خاوند نے بیوی سے اس شرط پر خلع کیا کہ بیوی اپنا مہر خاوند کے بیٹے کو یا کسی اور کو دے گی یا اس شرط پر خلع کیا کہ وہ خاوند کے بیٹے کو اپنے پاس رکھے تو اس طرح خلع ہو جائے گا لیکن یہ شرط باطل ہوگی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ صیغہ (یا الفاظ خلع) کی تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ خلع کی عبارت لفظوں میں ادا کی جائے بایں طور کہ خاوند ایسے الفاظ استعمال کرے جس کا مطلب طلاق ہو خواہ یہ مفہوم (ان الفاظ سے صراحۃً نکلتا ہو یا کنایۃً۔ پس اگر کوئی ایسا عمل کیا جو طلاق پر دلالت کرتا ہو اور

Marfat.com

زبان سے کچھ نہ کہا ہو تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی سوائے اس صورت کے جب کہ ویسا فعل طلاق کے لئے بالعموم رائج ہو۔ یا پھر طلاق کا قرینہ موجود ہو جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ (فریق ثانی) اسی جگہ قبول کرلے سوائے اس کے کہ خاوند نے قبولیت کو معاوضہ کی ادائیگی یا اسے پالینے کی شرط سے مشروط رکھا ہو۔ ایسی صورت میں یہ شرط نہیں ہے کہ اسی جگہ قبولیت ہو۔ چنانچہ اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ اگر تو تین اشرفی میرے حوالے کردے یا اس قدر مجھے دے دے تو تجھے طلاق ہے تو خاوند کو معاوضہ کی ادائیگی وہاں کے علاوہ کسی اور جگہ بھی کی جاسکتی ہے اور جب بھی وہ ادا کرے اس پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ سوائے اس کے کہ بیوی کے وہاں سے چلے جانے کے بعد ادائیگی میں زیادہ عرصہ گزر جائے اور اتنی دیر ہو جائے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ خاوند کا ارادہ اتنی مہلت دینے کا نہیں تھا۔ باوجود اس کے اگر ایسا کوئی قرینہ موجود ہو کہ خاوند (زرِ خلع) اسی جگہ لینا چاہتا ہے تو اسی پر عمل کیا جائے گا' بایں طور کہ اگر عورت اس جگہ سے اٹھ کھڑی ہو تو خلع باطل ہو جائے گا اور بیوی کو یہ حق نہ رہے گا کہ معاوضہ خلع کے بدلے خود کو طلاق دے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مال خلع کے بارے میں ایجاب وقبول کے الفاظ ایک دوسرے کے موافق ہوں۔ چنانچہ اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ میں نے تجھے ایک ہزار کے عوض تین طلاقیں دیں اور بیوی نے کہا کہ میں ایک ہزار کی تہائی کے عوض ایک طلاق منظور کرتی ہوں تو اس سے طلاق عائد نہ ہوگی۔ ایسی صورت میں چاہئے کہ خاوند کہے کہ میں ہزار کے بغیر اسے طلاق دینے پر راضی نہیں ہوں۔ بخلاف اس کے اگر بیوی نے خاوند سے کہا کہ تم مجھے ایک ہزار کے عوض تین طلاقیں دے دو اور خاوند نے ہزار کے عوض ایک طلاق دی تو یہ طلاق لاگو ہوگی۔ اور معاوضہ لازم الاداء ہوگا' کیوں کہ اس طرح عورت اپنے نفس کی مالک ہو جائے گی۔ اسے طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ اور اس سے زیادہ جو طلاق ہے اس سے احکام شریعت کا کوئی واسطہ نہیں ہے اور اس سے عورت کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر بیوی خاوند سے کہے کہ تم مجھے ہزار کے عوض ایک طلاق دے دو اور خاوند نے تین طلاقیں دے دیں تو یہ صحیح ہوگا کیوں کہ اس سے بیوی کی جو غرض تھی اس سے زیادہ حاصل ہوگی۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ الفاظ طلاق میں سے ہر لفظ خواہ وہ صریح ہو یا کنایہ ہو وہ خلع کا لفظ اور الفاظ بیع وفسخ بھی اس کے لئے کنایہ ہیں۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے بیوی سے کہا کہ میں نے تیرا نفس ایک ہزار میں تیرے ہاتھ فروخت کیا اور طلاق کی نیت کی اور بیوی نے کہا کہ میں نے قبول کر لیا تو یہ خلع صحیح ہوگا اور اس طرح اس پر طلاق بائن پڑ جائے گی اور معاوضہ بیوی کے ذمہ لازم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر خاوند نے کہا کہ میں نے ایک ہزار کے عوض تیرا نکاح فسخ کر دیا تو اس صورت میں لفظ فسخ طلاق قرار پائے گا جس کے استعمال سے طلاق کی تعداد کم ہو جائے گی۔ خلع کے صریح الفاظ کی مثال یہ ہے کہ بیوی خاوند سے کہے کہ بیس کے عوض مجھے طلاق دے دو اور خاوند کہے کہ میں نے اتنے کے عوض تجھے طلاق دی تو اس سے بغیر نیت کے طلاق بائن صریح پڑ جائے گی اگر ایک سے زیادہ طلاق کی نیت کی تو جو نیت ہو وہی کچھ عائد ہوگا۔ اگر بیوی نے خاوند سے کہا کہ بیس کے عوض مجھے جدا کر دو اور خاوند نے کہا کہ میں نے تجھے جدا کر دیا تو اس صورت میں بغیر نیت کے طلاق واقع نہ ہوگی۔ یہی صورت ان تمام الفاظ کنایہ کی ہے جن کا ذکر سابقاً کیا گیا۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا ہر وہ لفظ جو مصدر 'خلع' سے یا مصدر 'افتداء' (بمعنی تاوان یا فدیہ) سے مشتق ہے

Marfat.com

وہ صریح ہے یا کنایہ۔ (اس سلسلہ میں) قابل اعتماد امر یہ ہے کہ اگر ان الفاظ کے ساتھ معاوضہ کا ذکر صراحۃً کر دیا جائے یا معاوضہ کا ذکر نہ ہو لیکن اس کی نیت ہو تو وہ الفاظ (خلع کے لئے) صریح متصور ہوں گے ورنہ وہ کنایہ ہے۔ مثلاً خاوند نے بیوی سے کہا کہ میں نے تجھ سے خلع کیا یا تیرے ساتھ خلع کیا۔ یا یہ کہا کہ بیس اشرفی پر مجھ سے خلع کر لے اور بیوی نے اسے قبول کر لیا تو اس سے طلاق بائن صریحاً پڑ جائے گی۔ اس کے لئے نیت ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح اگر خاوند بیوی سے کہے کہ اپنے نفس کے لئے بیس اشرفی دے دے اور بیوی کہے کہ یہ فدیہ میں دے رہی ہوں (یعنی قبول کر لیا) تو طلاق بائن بغیر نیت کے پڑ جائے گی۔ اگر بیوی نے قبول نہ کیا تو نہ طلاق پڑے گی اور نہ معاوضہ کا مال لازم الاداء ہوگا۔ اسی طرح اگر مال کا ذکر نہیں کیا لیکن اس کی نیت کی بایں طور کہا کہ میں نے تجھ سے خلع کیا اور نیت یہ کی کہ یہ بیس اشرفی پر خلع ہے اور بیوی نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو یوں کہنا (خلع کے لئے) صراحت ہے' کیوں کہ بیس کی نیت کر لینا کہنے کے برابر ہے۔ اگر معاوضہ مال کی نیت نہیں کی اور نہ زبان سے کہا تو اس کی تین صورتیں ہوں گی:

پہلی صورت یہ ہے کہ طلاق کی نیت ہو اور ساتھ ہی بیوی کی پیشکش کو قبول کرنے کی نیت بھی ہو یعنی خاوند کو توقع ہو کہ بیوی اس کا مطالبہ منظور کر لے گی۔ اب اگر بیوی نے منظور کر لیا اور وہ عورت رشیدہ (سمجھدار) ہے تو مہر مثل کے عوض طلاق بائنہ پڑ جائے گی لیکن اگر وہ سمجھدار نہیں ہے تو طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر اس نے منظور نہ کیا تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خاوند نے طلاق کی نیت کی لیکن بیوی کی پیشکش کو قبول کرنے کی نیت نہیں کی تو اس حالت میں طلاق رجعی پڑ جائے گی اگر چہ بیوی منظور نہ کرے کیوں کہ طلاق کی نیت تو کی لیکن اسے بیوی کے منظور کرنے پر موقوف نہیں رکھا اور اگر قبول کرنے کی نیت نہیں تھی اور طلاق کا ارادہ نہیں کیا تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔ مثلاً ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھ سے خلع کیا اور معاوضہ کا ذکر نہیں کیا اور نہ بیوی کی پیشکش قبول کرنے کی نیت تھی تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔ اگر چہ وہ قبول کر لے۔ اگر بیوی سے کہا کہ میں نے تجھ سے خلع کیا جس سے طلاق کی نیت تھی اور بیوی کے منظور کرنے کی نیت نہیں تو طلاق رجعی واقع ہوگی خواہ بیوی قبول کرے یا نہ کرے۔ اگر بیوی کے قبول کرنے اور طلاق کی نیت سے کہا تھا اور بیوی نے قبول کر لیا تو مہر مثل کے عوض طلاق بائنہ پڑ جائے گی بشرطیکہ بیوی سمجھدار ہو۔ اگر بیوی نے قبول نہیں کیا تو اس سے کچھ واقع نہ ہوگا۔ یہ دو صورتیں ہوئیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ طلاق کی نیت نہیں کی تو اس سے کچھ نہ ہوگا' خواہ بیوی کے قول کو قبول کرنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو اور خواہ بیوی قبول کرلے یا نہ کرے کیوں کہ یہ کنایہ ہے اور کنایہ سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ نیت نہ کی جائے۔

واضح ہو کہ اگر مال کے عوض طلاق دینے کی تحریک پہلے خاوند کرے اور معاوضہ کا ذکر کیا ہو تو یہ خلع' معاوضہ کا ایک معاملہ ہے جس میں ایک طرح کا شائبہ شرط ہے' لہٰذا اس سے طلاق نہ ہوگی تا آنکہ بیوی قبول نہ کرے۔ گویا خاوند نے یوں کہا کہ اگر تو معاوضہ کی ادائیگی منظور کر لے تو تجھے طلاق ہے۔ بناء بریں خاوند کو اختیار ہے کہ معاوضہ کے پیش نظر بیوی کے قبول کرنے سے پہلے وہ اپنے قول سے رجوع کر لے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بیع کا معاملہ قبول کرنے پر اسی طرح موقوف ہوتا ہے جیسے مال کے عوض طلاق کا معاملہ ہے۔ اب درآنحالیکہ مال کے عوض طلاق دینے والے کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ بیوی کے قبول کرنے سے پہلے وہ اپنے قول سے پھر جائے تو اس سے یہ بھی لازم ہوتا ہے کہ فروخت کنندہ کو یہ اختیار ہو کہ خریدار کے

Marfat.com

قبول کرنے سے پہلے اپنے قول سے پھر جائے کیوں کہ بیع کا صحیح ہونا بھی خریدار کی قبولیت پر موقوف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ فروخت اگرچہ خریدار کے قبول کرنے پر موقوف ہوتی ہے لیکن فروخت کنندہ کو یہ حق نہیں ہے کہ کسی حال میں بھی وہ خود ہی اس فروخت کو قبول کر لے کیوں کہ جب تک خریدار قبول نہ کرے فروخت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس طلاق دینے والے کو یہ حق ہے کہ عورت کی منظوری کے بغیر بھی اسے طلاق دے سکے خواہ معاوضہ کے بغیر ہو۔ پس یہاں جو شے منظوری پر موقوف ہے وہ معاوضہ ہے۔ اس میں خاوند نے طلاق کو اس کی مستقل حیثیت سے ہٹا کر دوسرے کی منظوری پر موقوف کر دیا ہے لیکن فروخت کنندہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ بیع کو اس کی بنیادی حیثیت سے جدا رکھے کیوں کہ خریدار کی منظوری کے بغیر فروخت نہیں ہو سکتی لیکن طلاق دینے والا اگر معاوضہ کے بغیر طلاق دینا چاہے تو عورت کے قبول کرنے سے پہلے ہی طلاق دے دے۔ پس جو امر قبولیت پر موقوف ہے وہ معاوضہ ہے۔ لہٰذا (خلع کی صورت میں) مرد طلاق کی مستقل حیثیت سے ہٹ کر اسے دوسرے شخص کی منظوری پر مشروط رکھتا ہے۔ لیکن فروخت کنندہ بیع کے غیر مشروط طور پر لاگو کرنے کا اختیار نہیں رکھتا کہ کہا جا سکے کہ اس نے فروخت کی مستقل حیثیت سے ہٹ کر اسے دوسرے شخص کی منظوری پر موقوف رکھا ہے۔ بخلاف اس کے اگر شرط کے ساتھ بصورت اثبات کلام کی ابتداء کی جائے مثلاً خاوند یوں کہے کہ جب تو مجھے بیس اشرفیاں دے دے تو تجھے طلاق ہے تو خاوند کو اس قول سے رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہے اور بیوی سے کبھی یہ رقم ادا کر دے تو اسے طلاق ہو جائے گی اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ بیوی کہے کہ میں نے قبول کیا اور یہ بھی لازم نہیں ہے کہ وہ فوری طور پر زر خلع ادا کر دے' بجز اس صورت کے کہ جب خاوند نے کہا کہ "ان اعطیتنی او اذا اعطیتنی" (یعنی اگر تو نے زر خلع ادا کر دیا یا کہ جونہی ادا کر دیا) تجھے طلاق ہے۔ اس صورت میں یہ لازم ہے کہ بیوی فوراً معاوضہ ادا کر دے کیوں کہ الفاظ 'اذا' (یعنی جونہی کہ) یا 'ان' (یعنی اگر) بصورت اثبات فوری عمل درآمد کے متقاضی ہیں بخلاف لفظ 'متیٰ' (یعنی جب کبھی) کے یہ تاخیر کے جائز ہونے کے بارے میں صریح ہے۔ پس درآنحالیکہ لفظ 'اگر' یا 'جونہی' کہا اور ادائیگی معاوضہ میں اتنی دیر ہو گئی جس میں ادائیگی کی جا سکتی تھی اور نہیں کی تو طلاق نہ ہوگی۔

واضح ہو کہ الفاظ خلع کی شرائط وہی ہیں جو معاملہ بیع کے بیان میں اس کتاب کے حصہ دوم میں بتائے گئے۔ ان کے منجملہ ایک یہ بھی ہے کہ الفاظ خلع فریقین میں سے ہر ایک کو اور قریب کے حاضرین کو سنائی دیں۔ ایک شرط یہ ہے کہ اولین مخاطب اسے منظور کر لے اور یہ کہ دونوں میں سے ہر ایک نے جو کچھ کہا ہے اس کا ارادہ بھی رکھتے ہوں۔ پس اگر زبان سے تو الفاظ ادا ہوئے لیکن اس کے مفہوم کا ارادہ نہ تھا تو معاملہ خلع درست نہ ہوگا' پس اگر خاوند کا ارادہ ہو تو یہ ہو کہ وہ بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے ایک ہزار عطا کیا اور زبان سے یہ کہا کہ میں نے تجھے ہزار پر چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے کچھ نہ ہوگا۔ ایک شرط یہ ہے کہ ایجاب و قبول کے درمیان کوئی غیر متعلقہ گفتگو نہ ہو۔ معاملہ بیع میں تو کلام خواہ کتنا ہی مختصر ہو معاملہ کے لئے نقصان دہ ہے۔ لیکن معاملہ خلع میں مختصر سی کوئی بات ایجاب و قبول کے درمیان ہو جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ اس میں مداخلت سے حرج اس صورت میں ہوگا جس سے اصل موضوع سے احتراز عیاں ہوتا ہو۔ ایک اور شرط یہ ہے کہ ایجاب کے الفاظ قبول کے مطابق ہوں۔ پس اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ میں نے تجھے ایک ہزار کے عوض طلاق دی اور بیوی کہے کہ میں دو ہزار قبول کرتی ہوں تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔ اگر خاوند نے کہا کہ میں نے تجھے ایک ہزار کے عوض

Marfat.com

تین طلاقیں دیں اور بیوی کہے کہ میں نے ایک ہزار کے عوض ایک طلاق قبول کی تو ایک ہزار کے عوض تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اس لئے کہ گو اس صورت میں قبول وایجاب کے موافق نہیں ہے لیکن مال معاوضہ میں موافقت ہے۔ بیوی مال کی مالک ہوتی ہے۔ اور خاوند طلاق کا مالک ہوتا ہے اور چونکہ وہ اس امر میں بیوی کے موافق ہے جس کی وہ مالک ہے لہٰذا وہ مال اس کا حق ہوگا اور تین طلاقوں کا وہ مالک ہے جسے دینے کا اسے اختیار ہے۔

ان شرائط کے علاوہ اور شرطیں وہ ہیں جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ وہاں پر ملاحظہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ الفاظ خلع کے لئے چند شرطیں ہیں۔ ایک شرط یہ ہے کہ خلع کے لئے زبان سے الفاظ ادا کئے جائیں۔ باہمی لین دین سے خلع نہیں ہوتا اگرچہ اس عمل سے طلاق کی نیت ہو۔ اس میں ایجاب وقبول لازم ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ایجاب وقبول اسی جگہ ہو جائے۔ چنانچہ اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ میں نے تیرے ساتھ اتنے پر خلع کیا اور قبل اس کے کہ عورت اسے منظور کرے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا تو خلع درست نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر بیوی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہو اور خاوند نے ہنوز قبول نہیں کیا (تب بھی خلع نہ ہوگا)۔ تیسری شرط یہ ہے کہ خلع بیوی کے کسی جزو (بدن) سے نہ ہو چنانچہ اگر کہا کہ میں نے تمہارے ہاتھ یا تمہارے پاؤں سے خلع کیا اور بیوی قبول کر لے تو یہ لغو ہے کیوں کہ خلع فسخ نکاح ہے طلاق نہیں ہے اگر عورت کے کسی جزو کے فسخ کے لئے کہا جائے تو اس قول کا مفہوم متعین کرنا ہوگا بخلاف طلاق کے کہ اگر عورت کے وجود سے وابستہ کسی شے سے لفظ طلاق کو منسوب کیا گیا تو طلاق ہو جائے گی جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ البتہ اگر خاوند نے بیوی سے یوں کہا کہ میں نے اس قدر معاوضہ پر تمہارے پیروں سے خلع کیا اور اس سے طلاق کی نیت کی تو اب یہ طلاق ہے جیسا کہ اس کی وضاحت تعریف طلاق کے بیان میں ہو چکی ہے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ خلع کرنے کو کسی امر سے مشروط نہ کیا جائے۔ لہٰذا اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ اگر تو میرے لئے اس قدر خرچ کرے تو تجھے طلاق ہے تو خلع نہ ہوگا اگرچہ بیوی اس قدر خاوند کو عطا کر دے بخلاف طلاق کے اسے مشروط کرنا درست ہے۔ چنانچہ اگر بیوی سے کہا کہ تو یہ اونٹ مجھے عطا کر دے تو تجھے طلاق ہے۔ اگر بیوی وہ اونٹ اسے عطا کر دے تو بیوی پر طلاق پڑ جائے گی لیکن اگر اونٹ عیب دار ہو تو خاوند کو اسے واپس کرنے کا حق نہ ہوگا البتہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اونٹ غصب کردہ ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی اور عطا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اونٹ اور اس شخص کے درمیان مالک ہونے (یا قبضہ کرنے) میں کوئی امر حائل نہ ہو۔ بعض اصحاب نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ (لفظوں میں) یوں کہا جائے کہ میں نے تم کو اس اونٹ کا مالک بنا دیا۔ کیوں کہ بیوی کا کوئی عملی اقدام ثبوت ملکیت کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس سوال کا جواب کہ آیا مشروط خلع درست ہے یا نہیں؟ یہ ہے کہ ہاں درست ہے اور معاوضہ لازم الاداء ہوگا۔ چنانچہ اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ میں تمہارے ساتھ اتنے پر خلع کرتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ مجھے اس سے پھر جانے کا حق ہوگا اور بیوی اس بات کو مان جائے تو خلع ہو جائے گا اور یہ شرط باطل ہوگی۔ یعنی خاوند کو رجوع کا حق نہ ہوگا۔ اسی طرح کی شرط خیار ہے (جس میں معاملہ سے پھر جانے کا اختیار ہوتا ہے) مثلاً خاوند نے بیوی سے کہا کہ میں تمہارے ساتھ اتنے معاوضہ پر خلع کرتا ہوں لیکن تین دن یا اس سے کم عرصہ تک مجھے یا تم کو (اسے تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا) اختیار ہوگا تو اس طرح خلع ہو جائے گا لیکن (تنسیخ کا) اختیار نہ ہوگا۔ چنانچہ خلع فوری طور پر لاگو ہو جائے گا اور خاوند معاوضہ کا حق دار ہوگا۔

Marfat.com

خلع طلاق بائن ہے فسخ عقد نہیں ہے

فسخ اور طلاق میں فرق کا بیان

تفصیلات بالا سے واضح ہے کہ الفاظ خلع کی دو قسمیں ہیں: صریح اور کنایہ' صریح الفاظ وہ ہیں جن سے نیت کے بغیر ہی طلاق بائنہ پڑ جاتی ہے اور کنایہ کے الفاظ وہ ہیں جن سے طلاق نہیں پڑتی تا آنکہ نیت نہ ہو۔ الفاظ کنایہ سے طلاق پڑ جانے کی وضاحت از روئے مسالک مختلفہ پہلے ہو چکی ہے۔ الفاظ کنایہ سے

خلع کے ساتھ معاملہ فروخت کو وابستہ کرنا بھی درست ہے۔ چنانچہ اگر بیوی نے خاوند سے کہا کہ آپ یہ اونٹ میرے ہاتھ فروخت کر دیجئے اور ایک سو لے کر مجھے طلاق دے دیجئے تو اس طرح خلع درست ہوگا بشرطیکہ خاوند اسی جگہ پر کہہ دے کہ میں نے منظور کیا۔ اس معاملہ میں فروخت بھی ہے اور خلع بھی۔ چونکہ یہ معاملات جدا جدا درست ہیں اس لئے اکٹھے بھی درست ہیں۔ اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ رقم معاوضہ اور مقرر شدہ مہر میں باہم کیا نسبت ہے؟ اگر مہر پچاس تھا تو زر خلع پچاس اور اونٹ کی قیمت پچاس قرار پا جائے گی۔ اور اگر اونٹ میں عیب نکلا اور بیوی کو واپس کر دیا گیا تو عورت پچاس (رقم مہر) جو خاوند کو ملے تھے واپس لے لے گی اگر مہر کی رقم زیادہ ہو تو بقدر زیادتی کے اونٹ کی قیمت کم ہو جائے گی وعلی ہذا القیاس۔

(خلع میں) ضروری ہے جس امر سے موجب (ایجاب یا درخواست کرنے والے) کو غرض ہے اس کی منظوری (یا قبولیت) اس غرض کے موافق ہو۔ چنانچہ اگر بیوی نے خاوند سے کہا کہ تم ایک ہزار کے عوض مجھ سے خلع کر لو اور خاوند نے کہا کہ میں نے تم کو طلاق دی تو اب وہ ہزار کا مستحق نہ رہے گا کیوں کہ بیوی نے طلاق کا مطالبہ نہیں کیا تھا اس کی غرض خلع تھی۔ پس جس غرض سے بیوی نے معاوضہ پیش کیا وہ غرض پوری نہ ہوئی۔ اس کے برخلاف اگر بیوی نے خاوند سے یوں کہا کہ تم مجھے ایک ہزار میں یا ایک ہزار پر وغیرہ ایک طلاق دے دو اور خاوند نے دو یا تین طلاقیں دے دیں تو وہ ہزار کا مستحق ہو جائے گا کیوں کہ بیوی کی جو غرض تھی وہ بلکہ زیادہ پوری ہو گئی۔ اگر بیوی نے کہا خاوند سے کہ مجھے ایک ہزار کے عوض ایک طلاق دے دو اور خاوند نے کہا کہ تجھے طلاق اور طلاق اور طلاق ہے تو پہلے بار کی الفاظ طلاق ہی سے بیوی بائنہ ہو جائے گی کیونکہ یہ طلاق معاوضہ کے مقابلہ میں ہوئی اور طلاق بالعوض طلاق بائنہ ہوئی ہے پس اس کے بعد کی طلاقیں اس میں شامل نہ ہوں گی۔ لیکن اگر خاوند نے کہا کہ تجھے طلاق اور طلاق اور طلاق ہے تو اس کا معاوضہ ایک ہزار ہے تو پہلے طلاق رجعی ہو گی جس کے ساتھ دوسری طلاق شامل ہو جائے گی (یہ طلاق بائنہ ہو گی) اور طلاق بائنہ رجعی کے ساتھ شامل ہو جائے گی اور تیسری طلاق لغو ہو گی لیکن اگر معاوضہ ہزار کا ذکر کر دیا تو صرف تیسری طلاق واقع ہو گی تو بیوی پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔

اگر بیوی نے کہا کہ مجھے ایک ہزار کے عوض تین طلاقیں دے دو اور خاوند نے ایک یا دو طلاقیں قبول کیں تو خاوند کسی معاوضہ کا مستحق نہ ہو گا اور طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اگر خاوند کہے کہ تجھے ایک ہزار کے عوض تین طلاقیں ہیں اور بیوی کہے کہ میں ایک ہزار کے عوض ایک طلاق قبول کرتی ہوں تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ لیکن اگر کہے کہ میں پانچ سو کے عوض

Marfat.com

اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو وہی لاگو ہوگی۔ اسی طرح دو طلاقوں کی نیت کی تو دو طلاقیں لازم ہوں گی (۱)
بہر حال خلع سے جو طلاق عائد ہوتی ہے وہ ان تین طلاقوں میں شمار ہوتی ہے جن کا خاوند مالک ہوتا ہے لہٰذا
یہ محض فسخ عقد نہیں ہے۔ (۲) کیوں کہ میاں بیوی میں علیحدگی کبھی طلاق سے ہوتی ہے اور کبھی فسخ عقد سے۔
طلاق سے علیحدگی کی صورت یہ ہے کہ طلاق کے لفظ صریح یا کنایہ سے زوجیت کی عصمت (یا حفاظت) ختم
کر دی جائے اسی میں خلع بھی داخل ہے کہ اگر طلاق کے لئے خلع کا لفظ استعمال کیا جائے تو وہ طلاق صریح
ہوگی۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ مال کے عوض طلاق دی جائے۔ معاوضہ نہ ہو تو وہ کنایہ ہوگا جیسا
کہ اس سے پہلے وضاحت کی گئی ہے۔ ایلاء کے ذریعہ علیحدگی کی بھی یہی صورت ہے۔ پس اگر ایک شخص
نے قسم کھائی کہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جائے گا تو چار ماہ تک انتظار کیا جائے گا اگر اس نے اپنی قسم نہیں
توڑی یعنی بیوی کے پاس نہیں گیا تو قاضی اسے بیوی سے مقاربت کا حکم دے گا اگر اس نے ایسا نہ کیا تو
اسے طلاق ہو جائے گی۔ اس کی تفصیل 'ایلاء' کے بیان میں آ رہی ہے اس کے علاوہ اور بھی صورتیں ہیں جن
کی تفصیل مختلف مسالک کے بیان میں آ رہی ہے۔ (۳)

ایک طلاق قبول کرتی ہوں یا پانچ سو کے عوض تین طلاقیں منظور کرتی ہوں تو اس سے کچھ نہ ہوگا کیوں کہ ایجاب وقبول کے باہم موافق ہونے کی شرط نہیں پائی گئی۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر خلع میں تین طلاقوں کی نیت کی تو تین طلاقیں عائد ہوں گی اور اگر دو کی نیت کی تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ اس کا سبب کنایہ کے بیان میں بتایا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ خلع فسخ عقد ہوتا ہے یہ طلاق نہیں ہے۔ لہٰذا خلع سے طلاق کی تعداد کم نہیں ہوتی جب تک کہ طلاق کا لفظ استعمال نہ کیا جائے یا طلاق کی نیت کی جائے جیسا کہ مسلک حنابلہ کے بیان میں وضاحت کی گئی ہے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ ایلاء کا معاملہ حاکم سے تعلق رکھتا ہے کہ چاہے اسے طلاق قرار دے یا فسخ قرار دے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ میاں بیوی کی علیحدگی کبھی فسخ عقد کی صورت میں ہوتی ہے اور کبھی طلاق کی صورت میں فسخ عقد چند صورتوں میں ہوتا ہے ایک صورت یہ ہے کہ میاں بیوی کی قومیت مختلف ہو جائے۔ خواہ یہ تبدیلی حقیقی ہو یا قانونی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دار الحرب (غیر مسلم حکومت) میں رہنے والے زوجین میں سے کوئی دار الحرب کی رہائش ترک کر کے دار الاسلام میں آ جائے خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی۔ میاں بیوی میں سے کوئی بھی ایسا کرے تو بیوی بائنہ ہو جائے گی (یعنی رشتہ ازدواج ختم ہو جائے گا) اور مستامن یعنی وہ شخص جو دار الاسلام (اسلامی ملک) میں تجارت وغیرہ کے لئے امن سے رہتا ہو اور اس کا ارادہ ہو کہ وہ اپنے شہر میں واپس چلا جائے گا تو ایسی صورت میں اس کی بیوی بائنہ نہ ہوگی (یعنی اس کی زوجیت بحال رہے گی اس کی تفصیل اس کتاب میں پہلے آ چکی ہے فسخ کا ایک اور سبب یہ ہے کہ عقد فاسد ہوا ہو خواہ کسی سبب سے ہو۔ مثلاً گواہوں کے بغیر شادی کی یا ایک مقررہ مدت کے لئے شادی کی وغیرہ۔ ایسے امور کی تفصیل نکاح فاسد

Marfat.com

کے بیان میں ہو چکی ہے۔ ایسی صورت میں علیحدگی واجب ہوگی اور اسے فسخ عقد کہا جائے گا۔ یہ طلاق نہیں ہے۔ ایک سبب یہ ہے کہ مرد کوئی ایسی حرکت کرے جس سے حرمت مصاہرہ عائد ہو جائے اس عورت کی نسل میں اوپر یا نیچے کی جو عورتیں ہیں وہ حرام ہو جائیں۔ مثلاً کوئی شخص شہوت سے (جنسی خواہش کے تحت) اپنی بیوی کی بیٹی یا بیوی کی ماں کا بوسہ وغیرہ لے۔ ایسی حرکتوں کی تفصیل جن سے حرمت مصاہرہ عائد ہو جاتی ہے۔ اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں موجبات حرمت مصاہرہ کے بیان میں ہو چکی ہے۔ اسی طرح اگر بیوی کوئی ایسی حرکت کرے جس کے نتیجہ خاوند کے اصول وفروع (یعنی اوپر اور نیچے کے مرد نسلی رشتہ دار اس پر حرام ہو جائیں) یہی حرمت مصاہرہ کا عائد ہونا ہے مثلاً بری خواہش کے ساتھ خاوند کے بیٹے کو پیار کرنا وغیرہ (فسخ نکاح کا) ایک اور سبب دارالحرب کے کافر میاں بیوی میں سے کسی کا مسلمان ہو جانا ہے۔ پس اگر بیوی دارالحرب میں ہو اور مسلمان ہو جائے تو اس کا رشتہ ازدواج تین ایام ماہواری گزرنے پر منقطع ہو جائے گا اس کی تفصیل بھی آگے کتاب کے ابتدائی ثلث میں ہو چکی ہے۔ ایک سبب یہ ہے کہ بیوی اپنی صغیر سن (شیر خوار) سوکن کو اپنا دودھ پلا دے۔ ایسی صورت میں اس کی بیوی اپنی شیر خوار سوکن کی ماں بن جائے گی۔ لہٰذا خاوند کا رشتہ زوجیت اس بیوی سے اور جس بیوی کو اس نے دودھ پلا دیا دونوں سے ٹوٹ جائے گا۔ علیحدگی کی یہ تمام صورتیں فسخ ہیں طلاق نہیں ہیں کیوں کہ اس سے وہ تمام عورتیں ہمیشہ کے لئے اس شخص پر حرام ہو جائیں گی۔

اسباب فسخ میں سے یہ بھی ہے کہ زوجین میں سے کوئی مرتد ہو جائے (یعنی اسلام سے خارج ہو جائے) اگر ایسی صورت ہو تو بیوی کا عقد فسخ ہو جائے گا اور وہ فسخ عقد کی بنا پر بائن (خارج از زوجیت) ہو جائے گی۔ طلاق کی بنا پر بائن نہ ہوگی جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

طلاق کے ذریعہ علیحدگی کی ایک صورت یہ ہے کہ خاوند کی نامردی یا مخنث ہونے کی وجہ سے طلاق ہو جائے اس کا ذکر عیوب (ازواج) کے بیان میں آچکا ہے دوسری صورت ایلاء کی بناء پر علیحدگی کی ہے۔ یعنی خاوند بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھالی، تیسری صورت لعن کی بناء پر علیحدگی کی ہے۔ (یعنی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائی جائے اور دونوں اپنے اپنے دعوؤں کی صداقت کے بارے میں لعنت پر مشتمل حلف اٹھالیں) چوتھی صورت صراحتہً یا کنایۃً طلاق دینے کی ہے اس کی وضاحت بھی پہلے ہو چکی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ زندگی کی حالت میں نکاح سے علیحدگی کی دو قسمیں ہیں: طلاق اور فسخ۔ پھر طلاق کی چار صورتیں ہیں: اول الفاظ طلاق کا استعمال خواہ وہ صریح ہو یا کنایہ۔ دوسرے خلع تیسرے ایلاء چوتھے منصفوں کا فیصلہ کہ اگر خاوند نے دو تصفیہ کنندگان کو وکیل بنایا کہ وہ اس کے طلاق کا فیصلہ کر دیں یا بیوی نے مالی معاوضہ پر حصول طلاق کے لئے دو اشخاص کو وکیل بنایا اور انہوں نے میاں بیوی میں علیحدگی کرادی تو یہ طلاق ہے فسخ نہیں ہے۔

رہا فسخ کے ذریعہ علیحدگی۔ سو اس کے چند اسباب ہیں۔ ایک سبب خاوند کا افلاس ہے کہ وہ بیوی کو مہر نفقہ لباس یا گھر مہیا نہ کر سکے اور اسی حال میں تین دن گزر جائیں۔ اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ عدم ادائیگی مہر کی وجہ سے فسخ عقد مباشرت سے پہلے پہلے ہو سکتا ہے جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ فسخ کا ایک سبب 'لعان' ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ ایک اور سبب 'عیب دار ہونا ہے۔ جس کی تفصیل عیب کے بیان میں ہو چکی ہے۔ ایک اور سبب (بیوی کے) شبہ میں (غیر عورت

Marfat.com

رجعت (رجوع کرنے) کا بیان

رجعت کی تعریف

لفظ رجعت "بفتح" را ہے اور بالکسر بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن بعض اہل لغات نے بالکسر ہونے سے انکار کیا ہے۔ یہ لفظ مصدر رجوع سے اسم مرہ (اسم نوع) ہے۔ غالباً اسی وجہ سے (اہلِ لغت نے) اس کے بالکسر ہونے سے انکار کیا ہے۔ کیوں کہ بقول ابن مالک زیر کے ساتھ یہ لفظ ہیئت (یعنی کیفیت عمل) کے لئے آتا ہے۔ چنانچہ فعلہ (بالفتح کے وزن پر جو لفظ ہو) وہ اسم مرہ ہے جیسے جلسۃ (یعنی ایک بار بیٹھنا) اور فلعہ (بالکسر کے وزن پر ہو تو) اظہار ہیئت کے لئے ہوتا ہے جیسے جلسۃ (یعنی بیٹھنے کی کیفیت میں ہونا)۔ یہ امر خلاف عقل ہے کہ یہاں پر لفظ رجعۃ ہیئت رجوع کے لئے استعمال ہوا ہو۔ تاہم اس بارے میں دارومدار (اہل زبان کے) محاورہ پر ہے۔ پس اگر اس لفظ کا استعمال زیر کے ساتھ بطور اسم مرہ (یعنی اسم نوع) کے ہو تو لغتۂ وہی صحیح ہوگا۔ اگرچہ قاعدہ مذکورہ کے خلاف ہو اور بعض ائمہ لغت سے منقول ہے اس لفظ کا استعمال زیر کے ساتھ بطور اسم مرہ کے بہ نسبت بالفتح کے زیادہ ہے۔ اس کا فعل رجع ہے جو لازم اور متعدی دونوں طرح سے آتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ رجع الشی الی اھلہ (یعنی فلاں شے اس کے حق دار کو واپس ہوگئی) اور رجعتہ الیھم (یعنی میں نے فلاں شے انہیں واپس کردی) پہلی صورت جلس (بالفتح) کے وزن پر ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے رجع زید الی اھلہ یرجع رجوعاً (یعنی زید اپنے کنبہ کی طرف رجوع کر کے مڑ گیا) اور لفظ رجعی (بالضم) رجوع کے معنی میں آتا ہے۔ رجعی (بالکسر) بیوی کے واپس آنے کے لئے

سے) مباشرت ہو جانا ہے۔ اس کا ذکر بھی شبہ کی مباشرت کے بیان میں آ چکا ہے۔ ایک اور سبب زوجین میں سے کسی کا قیدی بن جانا ہے۔ اس کا ذکر بھی پہلے آ چکا ہے۔ ایک سبب کافر میاں بیوی میں سے کسی کا مسلمان ہو جانا ہے۔ اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ ایک سبب ان میں سے کسی کا مرتد ہو جانا ہے یہ بھی پہلے بتایا گیا ہے۔ ایک سبب ایسے کافر کا مسلمان ہو جانا ہے جس نے دو بہنوں سے شادی کر رکھی ہو۔ اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ ایک سبب کفو کا نہ ہونا ہے جس کا ذکر کفو کے بیان میں ہو چکا ہے۔ ایک سبب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی اپنا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لے مثلاً یہودی عیسائی بن جائے یا بالعکس ایک سبب رضاعت ہے (یعنی دودھ پینے کے باعث حرمت کا عائد ہو جانا) بشرطیکہ سابقہ شرائط پائی جائیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کبھی طلاق سے ہوتی ہے اور کبھی فسخ سے۔ طلاق کی صورتیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ہر ایسا عقد جس کے فاسد ہونے میں اختلاف ہو مثلاً نکاح شغار (یعنی بٹے سٹے کا نکاح کہ ایک شخص اپنی بہن یا بیٹی کی شادی دوسرے شخص سے اس شرط پر کرے کہ وہ بھی اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس شخص سے بغیر کسی مہر کے کر دے) یا

Marfat.com

نکاح خفیہ طور پر (بغیر گواہ کے) کیا جائے یا بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کیا جائے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ نکاح کی یہ تمام اقسام مالکیہ کے نزدیک فاسد ہیں اور دوسرے اماموں کے نزدیک درست ہیں۔ پس ایسے تمام نکاح طلاق کی تعداد کے مطابق فسخ ہو جائیں گے' لیکن اگر اس نکاح کے فاسد ہونے پر سب کا اتفاق ہو تو طلاق کے بغیر ہی نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اسی طرح وہ عقد ہے جو کسی اور خاوند کی عدت کے دوران کیا جائے۔ یا محرمات میں سے (جن کے ساتھ نکاح حرام ہے) کسی شخص کا عقد ہو جائے یا چار بیویوں کے ہوتے پانچویں بیوی سے نکاح ہو وغیرہ۔ ایسے تمام نکاح جن کے فاسد ہونے پر سب کا اتفاق ہے طلاق کے بغیر ہی فسخ ہو جائیں گے ان تمام امور کی تفصیل اس کتاب کے ربع اول میں آ چکی ہے۔

۲۔ حاکم جب مفقود الخبر خاوند کا نکاح فسخ کر دے تو وہ طلاق بائن ہو گی' خواہ حاکم خود طلاق دے دے یا بیوی کو حکم دے کہ اپنے تئیں طلاق دے۔ لیکن اگر حاکم بحیثیت ولی طلاق دے تو حاکم کی یہ طلاق رجعی ہو گی۔ اسی طرح اگر حاکم نے ادائیگی نفقہ وغیرہ سے عاجز ہونے کے باعث خاوند سے طلاق دلوائی تو وہ طلاق بھی رجعی ہو گی اس کی تفصیل ربع اول میں آ چکی ہے۔

۳۔ ارتداد بھی بقول مشہور طلاق بائن ہے ارتداد کے بیان میں اس کی تفصیل آ چکی ہے۔

۴۔ خلع بھی طلاق صریح ہے جیسا کہ اس کے بیان میں بتایا گیا۔

۵۔ الفاظ صریح یا کنایہ سے طلاق دینا۔ نیز

۶۔ ایلاء کے سبب جو علیحدگی ہوتی ہے وہ بھی اسی طرح طلاق ہے جس طرح عیب کی بناء پر طلاق کا ہونا۔ ایسے شخص کو قاضی (حاکم شرع) طلاق دینے کا حکم دے گا یا وہ خود طلاق عائد کرے گا یا پھر مسلمانوں کی جماعت کی طرف سے طلاق عائد کی جائے گی اور قاضی اس کے بموجب فیصلہ کرے گا یا بموجب اس اختلاف کے جو عیب کے باعث طلاق کے بارے میں سابقاً مذکور ہوا اسے طلاق قرار دے گا۔ لیکن عیب کی بنا پر جو طلاق ہو گی وہ بائنہ ہو گی اور ایلاء کی بناء پر جو طلاق ہو گی وہ رجعی ہو گی۔ (سوا اس کے کہ خاوند خود طلاق رجعی دے تو بہر دو صورت طلاق رجعی ہو گی)۔

۷۔ وہ علیحدگی جو مہر یا نفقہ کی ادائیگی سے معذور ہونے کی بناء پر کرائی جائے (وہ بھی طلاق ہے) ایسی صورت میں اگر خاوند طلاق دینے سے انکار کرے تو حاکم خود ایک طلاق رجعی عائد کر دے گا یا بیوی کو حکم دے گا کہ وہ خود اپنے تئیں طلاق دے اس کے بعد حاکم طلاق عائد کر دے گا جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

علیحدگی زوجین کی مندرجہ ذیل صورتیں فسخ کی ہیں:

پہلی صورت وہ ہے جو عقد فاسد ہے جس کے فاسد ہونے پر سب کا اتفاق ہو۔ اس میں بقول معتمد نکاح متعہ (یعنی وقتی نکاح) ہے۔ ائمہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے اور اگر بطریق شاذ کسی نے اسے جائز قرار دیا ہے کہ تو وہ نا قابل توجہ ہے۔ لیکن جس نے اس قول کو پیش نظر رکھا ان کا کہنا ہے کہ اس بارے میں اختلاف ہے' لہٰذا اس صورت میں جو علیحدگی ہو گی وہ طلاق۔ سے فسخ نہیں ہے۔

دوسری صورت علیحدگی بر بنائے رضاعت۔ اس صورت میں یہ علیحدگی بغیر طلاق کے ہو گی اور یہ فسخ ہے۔

تیسری صورت لعان کی بناء پر علیحدگی ہے۔ اس سے ہمیشہ کے لئے حرمت عائد ہو جاتی ہے' چنانچہ لعان کے بعد

Marfat.com

بولا جاتا ہے اور لفظ مرجع کے معنی بھی رجوع کرنے کے ہیں۔ اس میں حرف میم مصدری ہے (جو مصدر کے معنی دیتا ہے) لیکن اس معنی میں اس کا استعمال بہت کم ہوتا ہے کیوں کہ یہ بات فتح یفتح جس سے قطع یقطع آتا ہے' کا مصدر ہے۔ اس میں عین کلمہ (یعنی مادہ کا حرف اوسط) مفتوح ہوتا ہے۔ اب رہی دوسری صورت یعنی لفظ رجع کے بطور متعدی استعمال ہونے کی صورت میں یہ لفظ قطع کے وزن پر ہوگا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ رجع زید الشی الی اھله اویرجع رجعا (یعنی زید نے فلاں شے اس کے حق دار کو لوٹا کر

خاوند کسی حالت میں بھی اس عورت سے نکاح نہیں کر سکتا' لہٰذا اسے طلاق نہیں کہا جائے گا۔

چوتھی صورت قید کی بناء پر علیحدگی ہے۔ اس سے میاں بیوی کے درمیان زوجیت کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ پس اگر حربیہ عورت حالت کفر میں قید ہو جائے اور اس کا خاوند کافر ہو تو وہ عورت اس شخص کی بیوی نہ رہے گی اور ایک بار ایام ماہواری آ جائیں تو اس کے بعد ہی وہ دوسروں پر حلال ہو جائے گی۔ اس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ میاں بیوی دونوں کافر ہوں اور ان میں سے کوئی مسلمان ہو جائے تو ان میں بغیر طلاق کے علیحدگی ہو جائے گی اس کی وضاحت بھی اس کتاب کے ثلث اول کے آخر میں ہو چکی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کبھی تو فسخ عقد سے ہوتی ہے اور کبھی طلاق سے۔ فسخ سے علیحدگی کی چند صورتیں ہیں: ایک صورت خلع ہے درآنحالیکہ (خلع کے لئے نہ طلاق کا لفظ استعمال کیا گیا ہو اور نہ طلاق کی نیت کی گئی ہو۔ ایک صورت دونوں (میاں بیوی) میں سے کسی کا مرتد ہو جانا ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی میں عیوب متذکرہ سابقہ میں سے ایسا کوئی عیب ظاہر ہو جس کے باعث علیحدگی کرائی جائے۔ اس صورت میں جو فسخ ہوگا وہ حاکم کے فیصلہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ علیحدگی کی ایک صورت وہ ہے جو بیوی کے مہر اور نان نفقہ کی ادائیگی سے خاوند کے معذور ہونے کے باعث کرا دی جائے اور یہ فسخ بھی حاکم کے فیصلہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح دونوں میاں بیوی میں سے کسی کے مسلمان ہو جانے کے بعد ایام عدت گزر جانے پر عقد فسخ ہو جائے گا۔ لیکن اگر بیوی پہلے مسلمان ہو اور ہنوز عدت میں جو کہ خاوند بھی مسلمان ہو جائے تو ان کا نکاح باقی رہے گا۔ اس کی تفصیل اس کتاب کے ثلث ثانی کے آغاز میں آ چکی ہے اور ایلاء کی صورت میں علیحدگی کا انحصار حاکم کے فیصلہ پر ہوگا۔ چنانچہ جب ایلاء کی میعاد جو کہ چار ماہ ہوتی ہے ختم ہو جائے۔ نہ خاوند مباشرت کرے اور نہ بیوی ہی توجہ کرے اور بیوی اپنی طلاق کے لئے حاکم سے درخواست کرے۔ تو حاکم خاوند کو حکم دے گا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ اگر وہ اس سے انکار کرے تو حاکم اس کی طرف سے ایک یا تین طلاقیں اسے دے دے گا یا بغیر طلاق کے عقد فسخ کر دے۔ اس مسئلہ کی مزید وضاحت اپنی جگہ پر آئے گی۔ علیحدگی کی ایک صورت لعان ہے۔ لعان کے بعد زوجین پر ہمیشہ کے لئے حرمت عائد ہو جاتی ہے۔ اگرچہ قاضی (حاکم شرع) اس کا فیصلہ نہ کرے۔ اس لئے کہ لعان کے بعد عورت اپنے خاوند پر حلال نہیں ہوتی۔

رہا طلاق کے ذریعہ علیحدگی نہ ہو وہ طلاق صریح یا طلاق بالکنایہ سے ہوتی ہے۔ اس کی صورت طلاق کے بیان میں بتائی جا چکی ہے۔

Marfat.com

واپس کردی۔ یا وہ واپس کر دیتا ہے) یہ ایسا ہی ہے جیسے یہ کہنا کہ قطع الشی یقطعه قطعاً (یعنی فلاں شے کو قطعی طور پر اس نے منقطع کر دیا)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ لفظ رجع (واپسی) بصورت لازم رجوع (پھر جانا) ہے اور الفاظ رجعی بالضم اور بالکسر بھی یہی معنے رکھتے ہیں اس کا مصدر میمی مرجع ہے اور رجع (واپس کرنا) بصورت متعدی 'زبر' سے ہے جیسے لفظ قطع اور لفظ رجعت زبر یا زیر کے ساتھ مصدر ''رجوع'' سے اسم نکرہ ہے خواہ رجوع طلاق سے ہو یا راستے وغیرہ سے' لیکن اصطلاح فقہ میں اس کے معنی مسالک مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ''رجعت'' ملکیت قائم (موجودہ ملکیت) کو بحال کرنا ہے جو بغیر کسی معاوضہ کے اور دوران عدت ہوتی ہے۔ رجعت کی اس تعریف میں' ملکیت قائم کو بحال رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خاوند جو اپنی بیوی کا بحیثیت خاوند مالک ہوتا ہے۔ طلاق رجعی کے بعد عدت گزارنے پر اس ملکیت کے ختم ہو جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ رجوع کر لینے کا مقصد یہ ہے کہ وہ احتمال جاتا رہے اور ملکیت بدستور باقی رہے۔ اسی لئے ملکیت قائم کہا گیا ہے۔ کیوں کہ بیوی کی زوجیت کی ملکیت طلاق رجعی کے بعد (عدت کے ختم ہونے سے پہلے) باقی رہتی ہے' ختم نہیں ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کہ ''بعولتهن احق بردهن'' کے معنی یہ ہیں کہ بیویوں کے شوہر انہیں واپس لینے کا پورا حق رکھتے ہیں یہاں پر لفظ رد کے معنی رجوع کرنے کے ہیں' یہی ملکیت قائم (موجودہ ملکیت) کو بحال رکھنا ہے۔ اس کے معنی زائل شدہ ملکیت کو واپس لینے کے نہیں ہیں۔ چنانچہ لفظ رد بیشتر ایسی شے (کی واپسی) کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کی ملکیت ختم ہونے کا معاملہ ہوا ہو گو سردست وہ ملکیت ختم نہ ہوئی ہو۔ غرض طلاق رجعی ملکیت کے ختم ہونے کے سبب ہے لیکن فوری طور پر نہیں بلکہ عدت گزر جانے کے بعد' پس رد (واپس لینا) اسی ملکیت کو جاری رکھنا ہے یعنی اب وہ زائل نہ ہوگی۔ پس ردالملک القائم (موجودہ ملکیت کو واپس لینے) اور ابقاء الملک القائم (موجودہ ملکیت کو بحال رکھنے) میں کوئی فرق نہیں ہے اور تعریف میں بدوران عدت کی جو قید آئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عدت کے دوران جب کہ عدت کے ایام ختم نہ ہوئے ہوں رجوع نہ کیا جائے تو رجوع نہ ہوگا اور یہاں عدت سے مراد ایسی عورت کی عدت ہے جس کے ساتھ حقیقی معنوں میں مباشرت ہو چکی ہو۔ پس اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو جس کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہو طلاق رجعی دی تو جب تک وہ عورت عدت میں ہے اس عرصہ کے اندر وہ رجوع کر سکتا ہے (یعنی طلاق کو واپس لے سکتا ہے) اگر عورت سے صرف تخلیہ ہوا ہے اور مباشرت نہیں ہوئی اور طلاق رجعی دی تو وہ بھی عدت گزارے گی لیکن خاوند کو رجوع کا حق نہ ہوگا بلکہ وہ قطعی طور پر بائنہ (خارج از زوجیت) ہو جائے گی جس طرح کہ غیر مباشرت شدہ عورت کو طلاق میں ہوتا ہے۔ اگرچہ خاوند نے بیوی کو ہاتھ لگایا ہو یا بوسہ لیا ہو یا خواہش نفسانی کے ساتھ اس کے ستر پر نظر ڈالی ہو۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ تخلیہ کی صورت میں شریعت نے عدت کا حکم احتیاطاً دیا ہے لیکن اس احتیاط کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ ایسی عورت کو جس کے ساتھ حقیقی معنوں میں مباشرت نہیں ہوئی طلاق رجعی کی صورت میں' مباشرت شدہ عورت قرار دیا جائے۔ بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اسے غیر مباشرت شدہ تصور کیا جائے اور اس کی طلاق کو طلاق بائنہ قرار دیا جائے۔

Marfat.com

تفصیل بالا سے عیاں ہے کہ طلاق رجعی ملکیت زائل ہونے کا سبب ہے لیکن عدت گزرنے کے بعد بنا بریں خاوند دوران عدت پورے طور پر بیوی کا مالک ہوتا ہے اور رجوع کی نیت کے بغیر ہی بیوی سے متمتع ہونے کا اسے حق ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے (یعنی بہتر یہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے) اگر اس حالت میں بیوی کے ساتھ خاوند نے کوئی ایسا عمل کیا جس سے حرمت مصاہرہ عائد ہوتی ہے مثلاً جنسی خواہش کے ساتھ ہاتھ لگایا' پیار کیا یا اسے بے ستر دیکھا وغیرہ جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے' ایسی باتوں سے رجوع ہو جاتا ہے گو رجوع کی نیت نہ ہو۔ اسی طرح اگر بیوی خاوند کے ساتھ کوئی ایسی حرکت کرے مثلاً اسے جنسی خواہش کے ساتھ پیار کرے یا دیکھے اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ 'رجعت' بغیر تجدید عقد کے بیوی کو زوجیت میں واپس لینا ہے اس تعریف میں ''تجدید عقد کے بغیر'' کی قید سے طلاق بائن کے بعد عورت کا دوبارہ عقد کر کے نکاح میں لانا خارج ہو گیا۔ کیوں کہ اسے رجعت نہیں کہیں گے بلکہ اسے مراجعت (یعنی رجوع باہمی) کہا جائے گا' کیوں کہ یہ (عقد) میاں بیوی (طرفین) کی رضامندی سے ہوتا ہے۔ بعض اصحاب نے رجعت کی تعریف اس طرح کی ہے کہ 'رجعت' خاوند یا حاکم شرع کا اس حرمت کو دور کر دینا ہے جو بیوی کو طلاق دینے سے عائد ہوتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی تو رجوع کی نیت کے بغیر بیوی سے متمتع ہونا حرام ہے۔ اگر اس کی نیت کر لی تو رجوع ہو گیا اور یہ حرمت دور ہو گئی۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بدعی دے دی اور اس سے رجوع کرنے پر آمادہ نہ ہوا تو حاکم اسے حکماً رجوع پر مجبور کرے گا اور اس طرح عورت سے متمتع ہونا جو حرام ہو گیا تھا وہ حرمت ختم ہو جائے گی۔ بعض اصحاب نے رجوع کی تعریف یوں کی ہے کہ رجوع کرنا بیوی سے متمتع ہونے کی اس حرمت کو ختم کرنا ہے جو طلاق دینے سے انقضائے عدت کے بعد عائد ہوتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ طلاق رجعی سے عدت کے بعد بیوی سے متمتع ہونا حرام ہے اور رجوع کرنے سے وہ حرمت جو ایام عدت گزرنے کے بعد نہ کہ اس سے پہلے عائد ہوتی ہے دور ہو جاتی ہے۔ اس تعریف کی رو سے روا ہے کہ خاوند انقضائے عدت سے پہلے رجوع کی نیت کئے بغیر متمتع ہو۔ یہ قول شاذ ہے۔ قول مشہور وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا یعنی رجوع کی نیت کئے بغیر بیوی سے متمتع ہونا حلال نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ رجعت یہ ہے کہ ایک شخص طلاق یافتہ بیوی کو عدت کے اندر پھر اپنی منکوحہ بنا لے درآنحالیکہ وہ طلاق بائنہ نہ ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ طلاق رجعی سے بیوی اجنبی عورت کی طرح حرام ہو جاتی ہے اور اس سے متمتع ہونا حلال نہیں رہتا۔ اگرچہ خاوند کو بیوی کی رضامندی کے بغیر رجوع کا حق ہے۔ بنا بریں خاوند کی ملکیت جو طلاق کے بعد ناقص ہو گئی رجوع کے بعد وہ ملکیت پورے طور پر خاوند کی طرف عود کر آتی ہے۔ اور بیوی سے متمتع ہونا مباح ہو جاتا ہے۔ اب یہاں پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ طلاق رجعی سے بیوی نکاح سے باہر ہو جاتی ہے تو پھر اسے نکاح میں واپس آ جانے کے کیا معنی؟ اس کے جواب میں وہی بات کہی جا سکتی ہے کہ جو اوپر مذکور ہوئی کہ یعنی طلاق سے نکاح ناقص ہو جاتا ہے اور رجعت سے وہ نکاح پھر کامل ہو جاتا ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ بیوی کے پھر نکاح میں آ جانے کے معنی یہ ہیں کہ نکاح سے جو

Marfat.com

رجعت (رجوع کرنے کا) ثبوت

اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی اور طلاق کا سبب کوئی امر شرعی تھا تو اس شخص کو اس سے رجوع نہ کرنا چاہئے۔ خاص کر ایسی صورت میں جب کہ طلاق واجب ہو اور اب اس عورت کو بیوی کے طور پر رکھنا حرام ہو۔ ایسی صورت میں (طلاق کے بعد) پھر رجوع کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر طلاق دینا حرام تھا۔ مثلاً وہ طلاق بدعی تھی تو کہا جاتا ہے کہ اس سے رجوع کے بارے میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے۔ یہ معلوم ہے کہ بعض ائمہ نے اس طلاق سے رجوع کرنا واجب بتایا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو حاکم اس پر دباؤ ڈالے گا۔ وہ انکار کرے تو حاکم خود اس کی طرف رجوع کرے گا۔ لیکن اگر وہ طلاق مباح تھی' مثلاً اس سے معاشرہ میں فی الوقت خرابی پیدا ہوتی ہو اور کوئی شخص اصلاح نہ کر سکے لیکن طلاق کے بعد وہ شدت مخالفت جاری رہے اور دلوں میں صفائی ہو جائے تو اس حال میں رجوع کر لینا امر مستحب ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی احکام ہیں جن کا ذکر طلاق سنی کے بیان میں ہو چکا ہے۔

واضح ہو کہ رجوع کی بابت حکم قرآن' سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن حکیم کا اس بارے میں ارشاد ہے ''وبعولتھن احق بردھن فی ذالک ان ارادوا اصلاحا'' (یعنی خاوندوں کو سب

امور واجب ہوتے ہیں وہ پھر واجب ہو جاتے ہیں اس سے مراد بیوی سے متمتع ہونا ہے۔ پس (رجوع کرنا) گویا یہ کہنا ہے کہ عورت سے تمتع پھر حلال ہو گیا یہ توجیہ بہتر ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ طلاق رجعی دینے والے پر حرام ہے کہ زبان سے رجوع کا اظہار کئے بغیر یا رجوع کی نیت کئے بغیر طلاق یافتہ بیوی سے مباشرت کرے حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ ایسی بیوی سے مباشرت حلال ہے نیز ان کا کہنا ہے کہ اگر خاوند جنسی خواہش کے ساتھ بیوی سے محظوظ ہو تو وہ رجوع ہے اگرچہ رجوع کی نیت نہ کی ہو۔ لیکن ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے جو کہتے ہیں کہ بیوی سے بہ نیت رجوع متمتع ہونا تو صحیح ہے لیکن ایسا کرنا حرام ہے۔ حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے ان کا کہنا ہے کہ مباشرت کر لینے سے بغیر کسی کراہت کے رجوع ہو جاتا ہے اگرچہ نیت نہ کی ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ رجوع یہ ہے کہ ایسی عورت کو جسے طلاق غیر بائنہ ہوئی ہو اس کی سابقہ حالت میں واپس لانا رجوع ہے۔ یہ ایک ایسی تعریف ہے رجوع کی تمام صورتوں کو شامل ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ پھر حنابلہ کہتے ہیں کہ جس عورت کو طلاق رجعی ملی ہو اسے پھر زوجیت میں لانا کبھی تو خاص الفاظ رجوع کے ذریعہ ہوتا ہے اور کبھی مباشرت کر لینے سے رجوع ہو جاتا ہے۔ خواہ یہ مباشرت رجوع کی نیت سے ہو یا بغیر نیت کے ہو۔ اس کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔

Marfat.com

سے زیادہ حق ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو پھر اپنے پاس رکھ لیں بشرطیکہ بہتری پیش نظر ہو) اور حدیث کی رو سے اس کا ثبوت حدیث مذکورہ ہے جو ابن عمرؓ سے مروی ہے جب کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا کہ اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ رجوع کرلے۔ یہ حدیث رجوع کی دلیل ہے۔ علاوہ اس کے آنحضرت ﷺ نے بھی حضرت حفصہؓ کو طلاق دی اور پھر رجوع فرمالیا تھا۔ رہا اجماع سو تمام ائمہ دین کا اس پر اتفاق ہے کہ آزاد شخص جب اپنی بیوی کو تین طلاق سے کم دے اور غلام دو طلاق سے کم دے تو انہیں حق ہے کہ عدت کے ایام میں اس سے رجوع کرلیں۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

رجعت کے ارکان اور شرائط کا بیان

رجعت کے تین ارکان (اجزائے لازمی) ہیں۔ عبارت رجوع۔ محل (جس کے ساتھ رجوع کیا جائے اور مرتجع (رجوع کرنے والا) ان میں سے ہر ایک کی متعلقہ شرائط مسالکِ مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں رجعت کا صرف ایک رکن ہے یعنی صیغہ (یعنی عبارت یا الفاظ رجوع) باقی محل اور مرتجع رجوع کی ماہیت سے خارج ہیں پھر ان کے نزدیک عبارت رجوع کی دو قسمیں ہیں: رجوع قولی اور رجوع فعلی، قولی رجوع یا تو صریح الفاظ میں ہوگا یا کنایہ میں۔ صریح عبارت سے مراد ہر وہ قول ہے جو رجوع کرنے (واپس لینے اور بیوی کو اپنی زوجیت میں بحال رکھنے کا مفہوم رکھتا ہو۔ مثلاً خاوند کا بیوی سے مخاطب ہو کر یوں کہنا کہ "راجعتک" (یعنی میں نے تیرے ساتھ باہمی طور پر رجوع کرلیا) یا "ارتجعک" (یعنی میں تجھے واپس لے رہا ہوں) یا رجعتک (یعنی میں تجھ سے رجوع کرلیا) اگر خاوند بیوی سے مخاطب نہ ہو خواہ بیوی موجود ہو یا موجود نہ ہو اور کہے کہ میں نے اپنی بیوی یا اپنی عورت سے رجوع کرلیا (تو یہ بھی صریح ہے) اسی طرح الفاظ رددتک و مسکتک وامسکتک (یعنی میں نے تجھے لوٹا لیا یا تجھے رکھ لیا یا تجھے روک لیا) کہنا بھی صراحت ہے۔ ان الفاظ سے بھی رجوع ہو جاتا ہے اگرچہ رجوع کی نیت نہ۔ لیکن الفاظ رددتک سے رجوع واقع ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ الی یا الی نکاحی یا الی عصمتی (یعنی اپنی جانب سے اپنے نکاح یا اپنی زوجیت میں) کے الفاظ بھی استعمال کئے ہوں۔ اگر (رددتک کے ساتھ) یہ نہیں کہا تو یہ الفاظ رجعت کے لئے صریح نہ ہوں گے بلکہ یہ کنایہ متصور ہوگا اور اس صورت میں رجوع کا ہونا نیت پر موقوف رہے گا۔ کیوں کہ لفظ رددت (میں نے لوٹایا) کا مفہوم بیوی کی زوجیت کو واپس کردینا بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا (اس مقصد کے لئے) اسے تسلیم نہ کیا جائے گا اور اس بیوی کو اپنی جانب لوٹانے کا مفہوم مشتبہ رہے گا۔ لیکن اگر صراحتہً اس کے ساتھ اپنی طرف یا اپنی زوجیت کی طرف' کے الفاظ بھی کہے جائیں تو یہ اشتباہ جاتا رہے گا۔ الفاظ صریح میں یہ بھی داخل ہے کہ خاوند بیوی سے کہے کہ میں نے تجھ سے نکاح کر

Marfat.com

لیایا بیوی بنالیا۔

الفاظ کنایہ کی مثال یہ ہے کہ خاوند بیوی سے کہے کہ ''تو میرے لئے ایسی ہی ہے جیسی کہ تھی۔ یا یوں کہا کہ تو میری بیوی ہے یا یہ کہ اب ہم ایسے ہی ہو گئے جیسے کہ تھے'' یا اسی طرح کے دوسرے الفاظ بشرطیکہ ان سے رجوع کی نیت ہو تب ہی رجوع درست ہوگا ورنہ نہ ہوگا۔ رہا عمل سے رجوع کرنا سو اس میں خاوند یا بیوی پر وہ فعل ہے جس سے حرمت مصاہرہ (یعنی ازدواجی رشتہ سے عائد ہونے والی حرمت) عائد ہو جائے جیسا کہ پہلے بتایا گیا مثلاً ہاتھ لگانا' بوسہ لینا یا ستر پر نظر کرنا۔ جس کے ساتھ جنسی خواہش بھی ہو۔ پس اگر ایسی کوئی حرکت جنسی تحریک کے بغیر عمل میں آئے تو رجوع متصور نہ ہوگا۔ اگر عورت خاوند کا بوسہ لے یا اس کے ستر وغیرہ کو دیکھے لیکن خاوند میں کوئی جنسی تحریک پیدا نہ ہو تو اسے رجوع قرار دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ بیوی کہے کہ میں نے یہ حرکت جنسی تقاضے سے کی تھی۔ ایسی صورت میں اس کی بات کو تسلیم کرنا لازم ہوگا لیکن اگر خاوند کہے کہ یہ حرکت بیوی نے جنسی تقاضے سے نہیں کی تو رجعت درست نہ ہوگی تا آنکہ ایسا کوئی قرینہ نہ ہو جس سے خاوند کی غلط بیانی اور بیوی کی صداقت ظاہر ہوتی ہو۔ ہاں اگر بیوی کے بوس و کنار سے' خاوند میں انتشار پیدا ہو یا بیوی کے ساتھ وہ بھی بوس و کنار کرے یا اس کے سینے پر ہاتھ رکھے جس سے خاوند کی لذت اندوزی عیاں ہو تو یہ رجعت ہوگی۔ اگر (بیوی کی طرف سے) ایسی کوئی بات ہوئی ہو اور خاوند وفات پا جائے اور خاوند کے ورثاء یہ کہیں کہ بیوی کی وہ حرکت جنسی تقاضے سے نہیں تھی تو بیوی کے ساتھ رجوع ثابت نہ ہوگا اگرچہ بیوی کا کہنا یہ ہو کہ اس نے یہ حرکت جنسی تقاضے سی کی تھی۔ تاہم اگر بیوی کا یہ دعویٰ ہو کہ خاوند کو جنسی تحریک ہوئی تھی اور شہادت مہیا کر دے تو بیوی کی بات سنی جائے گی۔

بری خواہش کے ساتھ مقعد پر نظر کرنے سے رجعت نہیں ہوتی اس پر سب کا اتفاق ہے۔ کیوں کہ اس سے حرمت مصاہرہ عائد نہیں ہوتی۔ رہا یہ سوال کہ آیا امر غیر فطری کے ارتکاب سے رجعت ہوتی ہے یا نہیں؟ سو بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ اس سے رجعت نہیں ہوتی لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے رجعت ہو جاتی ہے۔ یوں کہ اس میں نفسانی خواہش کے ساتھ ہاتھ لگانا تو ہوتا ہی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ لیکن اس سے حرمت مصاہرہ باوجود لمس بالشہوت کے نہیں ہوتی' کیوں کہ حرمت مصاہرہ کے بیان میں یہ بتایا گیا ہے کہ حرمت مصاہرہ مباشرت سے یا ایسی خوش فعلیوں سے جو مباشرت کا پیش خیمہ ہوتی ہیں عائد ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ امر غیر فطری کے ارتکاب سے خاوند کا مقصد مباشرت فطری نہیں ہے اور اس کے ساتھ ایسے امور جو حرکت غیر فطری کے لوازمات میں سے ہیں ان کی کوئی حقیقت (حرمت مصاہرہ کے باب میں) نہیں ہے تاہم اس کے برخلاف (خلع کے باب میں) محض نفسانی خواہش کے ساتھ ہاتھ لگانا مذکور ہے جو اس صورت میں تحقق ہے (لہٰذا اس سے رجوع ہو جائے گا) اور محض تخلیہ سے جس میں لذت اندوزی نہ ہو رجعت درست نہیں ہے لیکن درآنحالیکہ مباشرت کے لوازمات مذکورہ کے اقدام سے رجوع ثابت ہوتا ہے مباشرت (غیر فطری) سے بدرجہ اولیٰ رجعت ہو جائے گی۔

طلاق رجعی دینے والے کو روا ہے کہ وہ مباشرت یا اس کے مبادیات (لوازمات) کا اقدام کرے خواہ اس سے رجعت کی نیت ہو یا نہ ہو تاہم بہتر یہی ہے کہ زبان سے کہہ کر رجوع کرے اور چاہئے کہ اپنے رجوع پر دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنالے خواہ عملی طور پر رجوع کیا ہو۔ اگر ایک شخص نے ایسی عورت سے رجوع کیا جو موجود نہیں ہے تو اس امر سے اسے آگاہ کر دینا مستحب ہے۔ سنت کے مطابق رجوع کرنے کا یہی طریقہ ہے اور مباشرت یا لوازمات مباشرت بجالا کر رجوع کرنا

Marfat.com

بدعت ہے۔ اگر اس طرح عملی رجوع کیا ہو تو مستحب یہ ہے کہ اس کے بعد زبان سے کہہ کر رجوع کر لیا اور اپنے قول سے رجوع کا گواہ بنا لے ورنہ یہ رجعت مکروہ تنزیہی ہوگی جیسا کہ بتایا گیا۔ طلاق رجعی پانے والی بیوی سے مباشرت کرنا اس سے لذت ہونا حلال ہے کیوں کہ (طلاق رجعی کے بعد بھی) خاوند کو جو حقوق زوجیت حاصل ہوئے ہیں وہ ہر لحاظ سے باقی ہیں اور ایام عدت گزرے بغیر زائل نہیں ہوتے جیسا کہ بیان کیا گیا۔ یہاں پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر (طلاق رجعی کے بعد بیوی کی زوجیت ہر طرح سے بحال رہتی ہے تو یہ کیوں کہتے ہیں کہ طلاق رجعی پانے والی عورت کے ساتھ خاوند کو سفر کرنا درست نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سفر کی ممانعت اس حکم صریح کے پیش نظر ہے جس میں طلاق یافتہ عورت کا اپنے گھر سے نکلنا قطعاً ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لاتخرجوهن من بيوتهن" (یعنی انہیں ان کے گھروں سے نکلنے نہ دو) اور گھر سے نکلنے کی مطلقاً ممانعت میں سفر کے لئے نکلنا بھی شامل ہے۔

صحت رجوع کے لئے ایک اور شرط یہ ہے کہ وہ بیوی جس کے ساتھ رجوع کرنا ہے اسے طلاق رجعی دی گئی ہو یعنی عورت آزاد ہو اسے تین طلاقیں اور لونڈی ہو تو دو طلاقیں نہ دی گئی ہوں یا ایک ہی طلاق ہو مگر خلع کی صورت مال کے عوض میں نہ ہو یا طلاق کی صفت ایسی بتائی گئی ہو جس سے اس (ایک) طلاق کا طلاق بائنہ ہونا ظاہر ہوتا ہو مثلاً طلاق کو شدید طلاق کہا جائے یا اس کو ایسی شے سے تشبیہ دی جائے جس کا مفہوم اس کا بائن ہونا نکلتا ہو۔ مثلاً پہاڑ جیسی طلاق کہا یا طلاق کے لئے کنایہ کا لفظ استعمال کیا جائے جس سے طلاق بائن پڑ جاتی ہے یا وہ طلاق مباشرت سے پہلے دے دی جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ (اس طلاق سے رجوع ہو سکتا ہے جو طلاق بائن نہ ہو) طلاق بائن تین طلاقیں ہوتی ہیں یا ایک طلاق جو مال کے معاوضہ میں دی جائے یا وہ طلاق جسے ایسی صفت سے موصوف کیا جائے یا ایسے شے سے تشبیہ دی جائے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ طلاق (بڑی یا) بائن (یعنی رشتہ زوجیت کو ختم کرنے والی) ہے جیسا کہ طلاق کی اقسام کے بیان میں سابقاً بتایا گیا اور کنائے کے وہ الفاظ جن سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے اور جن الفاظ کنایہ سے طلاق رجعی پڑتی ہے ان کی تفصیل کنایات کے بیان میں پوری وضاحت کے ساتھ آ چکی ہے۔ نیز وہ (ایک) طلاق بھی طلاق بائنہ ہے جو غیر مباشرت شدہ بیوی کو دی جائے اور طلاق رجعی وہ ہے جو ان کے علاوہ ہے ایسی ہی طلاق سے رجوع کرنا درست ہے (منہ سے کہنے کے علاوہ) عمل سے بھی رجوع ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی اور اس وقت وہ صحیح الدماغ ہے پھر اسے جنون لاحق ہو گیا۔ ایسا شخص اگر مباشرت کرے یا جنسی خواہش کے ساتھ بوسہ وغیرہ لے تو اس سے رجوع ہو جائے گا۔ نیند کی حالت میں یا بھول کر یا جبراً بھی ایسا اقدام کیا تو یہ رجعت متصور ہوگا۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ بیوی اس طرح اپڑ لگائے بیٹھی ہو کہ مرد جنسی خواہش کے ساتھ قصداً اس کے اندام نہانی کو دیکھے تو اس سے بھی رجوع ہو جائے گا۔ اگرچہ خود بیوی کو اس کا علم نہ ہو۔ اس طرح اگر عورت خاوند کے عضو مخصوص کو خاوند کی بے خبری میں جنسی خواہش کے ساتھ دیکھے تو یہ بھی رجوع ہوگا اور مذاق یا خوش فعلی کے طور پر ایسا کرنا بھی رجوع ہے اور غلطی سے (الفاظ رجوع زبان سے نکل جائیں) تب بھی رجوع ہو جائے گا مثلاً ایک شخص اپنی بہن سے یہ کہنا چاہتا ہو کہ مجھے پانی پلا دو اور منہ سے یہ نکل جائے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا (تب بھی رجوع ہو گیا) البتہ رجعت کے درست ہونے کی یہ شرط ہے کہ رجوع کو مشروط نہ رکھا جائے۔ مثلاً یوں کہنا کہ اگر تو گھر میں آئی تو میں نے رجوع کر لیا۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ رجوع کے

Marfat.com

لئے کوئی آئندہ کا وقت نہ مقرر کیا جائے۔ مثلاً یوں کہنا کہ میں نے اگلا دن آنے پر تجھ سے رجوع کیا۔ اس طرح کہنے سے بالاتفاق رجوع نہ ہوگا تاہم فقہاء نے اس مسئلہ کو احکام رجوع میں شمار کیا ہے اور اس کا شمار شرائط رجعت میں کیا جانا ممکن ہے۔ اسی طرح رجعت کے بارے میں شرط خیار (یعنی رجوع سے پھر جانے کے اختیار کے ساتھ رجوع کرنا) درست نہیں ہے چنانچہ اگر خاوند نے کہا کہ میں رجوع تو کرتا ہوں لیکن (اس سے) پھر جانے کا اختیار (اتنے عرصہ کے اندر) مجھے حاصل ہوگا تو یہ رجعت درست نہ ہوگی بنا بریں یہ کہا جا سکتا ہے کہ رجوع کی چار شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ طلاق رجعی ہو طلاق بائن کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا دوسرے یہ کہ اس میں شرط خیار نہیں ہو سکتی تیسرے یہ کہ رجوع کے لئے کسی آئندہ وقت کی قید نہ ہو چوتھے یہ کہ رجوع کسی امر سے مشروط نہ ہو۔ پھر معلوم ہو کہ طلاق رجعی کی حسب ذیل پانچ شرطیں ہیں:

(1) یہ کہ تین طلاقیں نہ ہوں۔

(2) یہ کہ ایک طلاق بھی (خلع کی طرح) معاوضہ میں نہ ہو۔ خواہ وہ طلاق بلفظ خلع ہو یا بلفظ طلاق۔

(3) یہ کہ ایک طلاق ہو لیکن مباشرت سے پہلے نہ ہو۔

(4) یہ کہ اس طلاق کو ایسی صفت سے موصوف یا ایسے شے کے مشابہ نہ بنایا گیا ہو جس کا مفہوم بائن ہونا (یعنی خارج از زوجیت ہونا) نکلتا ہو۔

(5) یہ کہ وہ طلاق ان الفاظ کنایات سے نہ ہو جس سے بشرط نیت یا بقیام قرینہ طلاق بائن پڑ جاتی ہے پس طلاق رجعی وہ ہے جس میں شرائط مندرجہ بالا پوری ہوتی ہوں۔ ان شرائط کو اگر سابقہ شرائط کے ساتھ ملا دیا جائے تو رجوع کی مجموعی شرائط نو ہو جائیں گی۔

یہاں پر یہ ضروری نہیں ہے کہ رجوع کرنے والے کی شرائط یعنی اس کا عاقل و بالغ ہونا بھی بیان کیا جائے کیوں کہ رجعت نکاح صحیح سے طلاق دینے کی صورت ہی میں ہو سکتی ہے۔ نابالغ بچے یا جنون زدہ کی طلاق ہی صحیح نہیں تو رجعت بھی نہیں ہو سکتی۔ نکاح فاسد ہو تو نہ اس کی طلاق صحیح ہے نہ رجعت درست ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ رجعت کا رکن صرف ایک شے ہے یعنی قول یا عمل رجوع۔ اول الذکر کی دو قسمیں ہیں: قول صریح اور قول کنایہ اسی طرح ثانی الذکر (عمل رجوع) کی بھی دو صورتیں ہیں: مباشرت اور ایسا کوئی عمل جس سے حرمت مصاہرہ عائد ہوتی ہے جسے مباشرت کے مبادیات (لوازمات) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں باتیں مطلقہ رجعیہ کے ساتھ خاوند کو حلال ہیں اور عورت کے لئے بھی حلال ہیں لیکن ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور بطریق سنت رجوع کرنا وہی ہے جس میں کوئی امر مکروہ نہ ہو اور وہ طریقہ یہ ہے کہ زبان سے کہہ کر رجوع کیا جائے اور اگر بیوی کی عدم موجودگی میں رجوع کیا ہو تو اس کی اطلاع اسے دے دی جائے اور بیوی کی اجازت کے بغیر اس کے پاس نہ جائے تا کہ وہ خاوند سے ملنے کے لئے تیار ہو۔ امور بالا کے پیش نظر فقہاء نے رجوع کی دو قسمیں بتائی ہیں: رجعت سنی اور رجعت بدعی۔ ان کی شرائط بیان ہو چکی ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ رجوع کرنے والے میں دو باتیں ہونی چاہئیں۔ ایک یہ کہ وہ بالغ ہو۔ (نابالغ) بچے کی دی ہوئی طلاق عائد نہیں ہوتی اور اس کی طرف سے اس کے ولی کا طلاق دینا اگر معاوضہ کی بنا پر ہو تو وہ طلاق بائنہ ہوگی جس سے قطعاً رجوع نہیں ہو سکتا اور اگر بلا معاوضہ ہوئی تو وہ بھی بائنہ ہی ہوگی جیسے غیر مباشرت شدہ عورت کی طلاق ہوتی ہے

Marfat.com

کیوں کہ بچے کی مباشرت نا قابل اعتبار ہے گویا کہ مباشرت ہوئی ہی نہیں اس کے برخلاف نابالغ (بچے) کا نکاح درست ہے لیکن ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا دوسری بات یہ ہے کہ رجوع کرنے والا ذی عقل ہو۔ لہٰذا اگر جنون زدہ رجوع کرے تو درست نہ ہوگا۔ یہی صورت حال مخمور شخص کی ہے کہ اس کا رجوع کرنا درست نہیں ہے۔ اگر چہ اس کو کسی حلال شے کے استعمال سے نشہ ہو گیا ہو۔ رجوع کرنے والے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ آزاد ہو۔ کیوں کہ آقا کی اجازت سے وہ شادی کر سکتا ہے اور جب نکاح شادی کی اجازت سے ہوا ہو تو یہ نکاح کے ساتھ لوازم نکاح کی اجازت متصور ہوگی۔ لہٰذا (نکاح کی اجازت کے بعد) طلاق سے رجوع کرنا بھی آقا کی اجازت پر موقوف نہ ہوگا اور اس کی حیثیت ایسی ہوگی جو کم عقلی یا افلاس کے باعث مجور (نااہل معاملہ) کی ہوتی ہے۔ اسی طرح مرتجع (رجوع کرنے والے) کے لئے مریض نہ ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ پس مریض شخص کا اپنی بیوی سے رجوع کرنا درست ہے اور یہ رجعت نئے وارث کا اضافہ نہیں ہے جو امر ناجائز ہے۔ کیوں کہ طلاق رجعی پانے والی عورت تا انقضائے مدت عدت بہر حال وارث متصور ہوگی اگر چہ خاوند نے اس سے رجوع نہ کیا ہو۔ اسی طرح یہ بھی شرط نہیں ہے کہ زوجین حالت احرام حج میں نہ ہوں لہٰذا حالت احرام میں بھی خاوند کو اپنی بیوی سے رجوع کرنے کا حق ہے۔ خواہ بیوی بھی حالت احرام ہو یا نہ ہو غرض ان پانچوں قسم کے اشخاص کا رجوع کرنا درست ہے۔ اگر چہ بطور خود انہیں نکاح کر لینا درست نہیں ہے۔ حسب ذیل اشخاص یعنی: غلام' بے عقل' مریض' محرم اور نابالغ بچہ کا نکاح کر لینا جائز ہے۔ لیکن یہ نکاح ان کے ولیوں کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ لیکن ان کا طلاق دینا درست نہیں ہے اور اگر ان کے ولی ان کی طرف سے طلاق دیں تو وہ طلاق بائن ہوگی رجعی نہ ہوگی۔ ان میں سے جنون زدہ اور مخمور شخص کا نکاح سرے سے درست نہیں ہے لہٰذا رجوع کرنا کسی حال میں درست نہیں ہے۔

اب رہی مرتجعہ (وہ عورت جس کے ساتھ رجوع کیا گیا ہو)۔ یعنی بیوی سو اس کے لئے تین شرطیں ہیں' ایک یہ کہ اسے طلاق غیر بائنہ ہوئی ہو۔ طلاق بائنہ وہ ہوتی ہے جو تین ہو یا ایک طلاق معاوضہ کے بدلے میں ہوئی ہو یا طلاق سے طلاق بائن کی نیت ہو یا حاکم نے 'عیب' نافرمانی یا ضرر رسانی کی بناء پر یا خاوند کی مفقود الخبری یا مسلمان ہو جانے یا بیوی کی (ملک یمین سے) مکمل آزادی کی بناء پر طلاق کا فیصلہ کیا ہو تو یہ سب طلاق بائنہ ہوگی۔ لیکن اگر حاکم نے ''ایلاء'' کی بناء پر (طلاق) کا فیصلہ کیا تو وہ طلاق رجعی ہوگی اسی طرح اگر نان نفقہ سے معذوری کے باعث طلاق کا فیصلہ کیا گیا ہو تو وہ طلاق رجعی ہوگی اور ایام عدت کے اندر خاوند کو رجوع کرنے کا اختیار ہوگا۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ خاوند صاحب مقدور ہو لیکن بیوی سے کہیں دور جگہ پر ہو جہاں بیوی نہ پہنچ سکے اور بیوی جس جگہ پر ہے وہاں خاوند کا کوئی مال نہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر قاضی (حاکم شرع) خاوند کی طرف سے اسے طلاق دے دے بیوی ہنوز عدت میں ہو اور خاوند واپس آ جائے تو اسے رجوع کرنے کا حق ہوگا۔ اگر بیوی کو طلاق بائن نہ ہو تو خاوند بیوی کی رضامندی کے بغیر رجوع کر سکتا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ رجوع نکاح صحیح کی عدت میں ہو۔ اگر نکاح فاسد کی عدت میں ہو مثلاً ایک شخص نے (چار بیویوں کی موجودگی میں) پانچویں سے شادی کر لی اور اس کے ساتھ مباشرت ہوئی تو یہ نکاح فاسد ہے اور مباشرت ہوئی تو فسخ ہو جائے گا۔ لیکن اس عورت کو عدت گزارنا ہوگی اس عدت کے دوران رجوع درست نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس عورت سے مباشرت حلال رہی ہو اگر ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کر لی اور

Marfat.com

مباشرت ہوئی اور پھر وہ ایام سے ہوئی اور اسی حالت میں اس سے مباشرت کی یا بیوی حالت احرام میں تھی اور صرف اسی حالت میں اس سے مباشرت کی اس سے پہلے یا اس کے بعد مباشرت نہیں ہوئی اور پھر اسے طلاق رجعی دی تو اس سے رجوع کرنا حلال نہیں ہے کیوں کہ جو مباشرت شرعاً حرام ہو اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور جو امر شرعاً بے حقیقت ہو وہ حسی طور پر بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ پس یہ طلاق ایسی ہے جیسے مباشرت سے پہلے ہی طلاق دی جائے۔ لہٰذا وہ عورت (اس طلاق سے) بائنہ ہو جائے گی اور بائنہ سے رجوع نہیں ہو سکتا اور جب تک نکاح دو گواہوں کی موجودگی میں نہ کیا جائے اور خلوت صحیحہ ثابت نہ ہو خواہ دو عورتیں ہی اس کا ثبوت بہم پہنچائیں اور میاں بیوی مباشرت ہو جانے کی تصدیق نہ کر دیں رجعت درست نہ ہوگی اگر ان کی باہمی رجعت معلوم نہ ہو تو خاوند کا رجوع کرنا ممکن نہ ہوگا اگر چہ زوجین طلاق سے پہلے مباشرت ہونے کا اعتراف کر لیں یا اگر بعد میں مباشرت کا اعتراف کریں تو بدرجہ اولیٰ رجعت نہ ہوگی۔ غرض ان کے باہمی اعتراف مباشرت سے بہرحال کوئی فائدہ نہ ہوگا جب کہ خلوت کا علم نہ ہو۔ مباشرت کی بابت دونوں کی باہمی تصدیق سے رجعت پر عملدر آمد نہ ہوگا۔ تاہم رجعت کے علاوہ اور امور میں ان کے اعتراف پر عمل درآمد ہوگا' چنانچہ اگر خاوند اقرار کرے کہ اس نے اپنی بیوی سے مباشرت کر لی ہے تو عدت کے خاتمے تک اس کے نان نفقہ اور رہائش کا بندوبست خاوند کے ذمہ ہوگا۔ اگر بیوی یہ اقرار کرے کہ خاوند نے اس سے مباشرت کی تو (طلاق کے بعد) عدت لازم ہوگی اور یہ بھی کہ ایام عدت ختم ہو جانے تک وہ کسی اور سے شادی نہ کرے (لازم ہوگا) تاہم اگر خاوند مباشرت کا اقرار کرے اور بیوی اس کی تصدیق نہ کرے یا صورت اس کے برعکس ہو تو بیوی کے ذمہ کچھ عائد نہ ہوگا اور جن امور سے رجوع مستحق ہوتا ہے وہ دو باتیں ہیں۔

ایک بات قول (زبان سے کہنا) اس کی دو قسمیں ہیں صراحتہً رجوع کرنا جس میں اور کسی بات کا احتمال نہ ہو مثلاً یہ کہنا کہ میں نے اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں واپس لے لیا یا یہ کہ اس سے رجوع کر لیا۔ یا ردد تھا لنکا حی (یعنی پھر اپنے نکاح میں واپس لے لیا)۔ لیکن اگر لنکا حی (اپنے نکاح میں) نہیں کہا تو یہ عبارت (خلع کے لئے) صریح متصور نہ ہوگی' کیوں کہ 'رد' جس کے معنی واپس کرنے کے ہیں اس میں احتمال ہے کہ بیوی کو رد کر دینے کا مفہوم نکلنے جیسا کہ ایک شخص جو بات کو قبول نہ کرے تو کہتے ہیں کہ ردالامر (یعنی فلاں بات اس نے رد کر دی)۔

دوسری بات کنایہ ہے جس (مفہوم) میں رجوع کرنے اور رجوع نہ کرنے دونوں کا احتمال ہوتا ہے مثلاً خاوند کہے **امسکت زوجتی یا مسکتھا** (یعنی میں نے اپنی بیوی کو روک لیا یا اسے رکھ لیا) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیوی کو روکنا یا رکھنا سزا دینے کے لئے ہو اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ میں نے اسے بطور بیوی کے اپنے تحفظ میں لے لیا۔ اسی طرح یہ کہنا بھی ہے کہ میں نے اس کی حلت بحال کر دی اور حرمت دور کر دی جس طرح کہنے میں یہ احتمال ہے کہ اسے حلت اپنے لئے حاصل ہوئے یا غیر کے لئے اور حرمت اپنے سے دور کر دی یا غیر سے بایں جہت یہ کنایہ ہے۔ اگر رجوع الفاظ صریح سے ہو کہ کسی امر کا احتمال نہ ہو تو بغیر نیت کے بھی قانوناً رجوع درست ہوگا۔ شرعاً (بغیر نیت کے درست) نہ ہوگا لیکن خاوند پر بیوی کے حلال ہونے کے لئے نیت (رجوع) بہرحال ضروری ہے۔ لیکن یہ معاملہ اس کے اور خدا کے درمیان ہے لیکن الفاظ شکوک کے ساتھ بغیر نیت کے رجوع کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔ رہا یہ کہ اگر ایک شخص نے مذاق کے طور پر رجوع کے صریح

Marfat.com

الفاظ کہہ دیئے اور رجوع کی نیت نہیں تھی تو اس سے رجوع ہو جائے گا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بخیال قوی اس سے رجعت عائد ہو جائے گی اور بیوی کا نان نفقہ خاوند کے ذمہ عائد ہوگا اور اگر (اس دوران) خاوند کی وفات ہو جائے تو بیوی اس قول کی بنا پر جو اس نے مذاق کے طور پر کہا وارث ہوگی۔ لیکن یہ معاملہ اس شخص اور اللہ کے درمیان ہے۔

(واضح ہو کہ مذاق میں) رجوع کے الفاظ کہہ دینے کے بعد بیوی زوجیت سے باہر ہو جائے گی لہٰذا جب تک سنجیدہ طور پر عدت کے دوران رجوع نہ کیا جائے یا عدت گزرنے پر تجدید نکاح نہ کرے مباشرت حلال نہ ہوگی۔ یہ صورت ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص رجوع کے صریح الفاظ کہے لیکن اس کی نیت یا مذاق کا ارادہ نہ ہو۔ رہا یہ کہ آیا کلام نفسی سے (یعنی دل میں الفاظ رجوع کہہ لینے سے) جس کا تعلق کہنے والے اور خدا کے درمیان ہوتا ہے رجوع ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں اور دونوں کو صحیح مانا گیا ہے لیکن یہ قول قوی ہے کہ کلام نفسی سے قسم' طلاق یا رجعت نہیں ہوتی نہ ظاہری طور پر نہ باطنی طور پر تاہم اس میں اختلاف نہیں ہے کہ اس سے کوئی حکم لاگو نہیں ہوتا قاضی (حاکم شرع) ظاہر الفاظ پر ہی فیصلہ کرتا ہے۔

رجعت کی دوسری صورت 'فعلی رجعت' ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خاوند رجوع کی نیت سے اپنی بیوی سے مباشرت کرے۔ اگر خاوند نے ایسا کیا تو درست ہے اور بیوی کی زوجیت بحال ہو جائے گی۔ اگر بہ نیت رجوع مباشرت نہیں تو یہ مباشرت حرام ہے۔ تاہم اس سے نہ حد (سزائے شرعی) واجب ہوگی اور نہ مہر لازم ہوگا اور اگر اس مباشرت کے نتیجے میں بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا نسب اس شخص سے قائم ہو جائے گا اور اس شخص پر واجب ہوگا کہ بلا نیت مراجعت مباشرت کرنے کے بعد ایک ایام ماہواری کی مدت تک بیوی سے بے تعلق رہے۔ بایں طور کہ اس کو رجوع کی نیت سے مباشرت کرنا حلال نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ پہلی بار مباشرت کے بعد ایک ماہواری سے پاک نہ ہو جائے ہاں قولی مراجعت ہو سکتی ہے بشرطیکہ عدت کے دن باقی ہوں۔ اگر مباشرت کے بعد (طلاق ہو اور) عدت کے دن گزر جائیں اور خاوند نے قولی طور پر (یعنی زبان سے کہہ کر) رجوع نہ کیا ہو تو بیوی بائنہ (یعنی زوجیت سے خارج) ہو جائے گی اور اب اس شخص کے لئے یا کسی اور کے لئے حلال نہ ہوگا کہ ایام استبراء (یعنی حمل نہ ہونے کا اطمینان کرنے کے لئے بیوی سے بے تعلقی کے دن) گزارنے سے پہلے اس عورت سے نکاح کرے۔ اگر ایام استبراء ختم ہونے سے پہلے عقد کر لیا تو یہ عقد فاسد ہوگا اور فسخ کر دیا جائے گا۔ اگر ایام استبراء میں مباشرت کر لی تو ہمیشہ کے لئے وہ اس پر حرام نہ ہوگی۔

واضح ہو کہ اگر ایک شخص نے رجوع کی نیت کئے بغیر مباشرت کر لی پھر عدت کی مدت گزر گئی اور اس کے بعد اس نے طلاق دے دی تو آیا اسے طلاق قرار دیا جائے گا۔ اور پہلی طلاق کے ساتھ اسے شامل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں دو اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ طلاق پہلی طلاق کے ساتھ شامل نہ ہوگی' اس واسطے کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ رجعت کی نیت کے بغیر مطلقہ رجعیہ سے رجوع کرنا حلال نہیں ہے اور اگر اس طرح (بغیر نیت کے) رجوع کیا تو اسے رجوع قرار نہیں دیا جائے گا لہٰذا ایام عدت گزرنے پر وہ عورت اس کی بیوی نہ رہے گی اور اس کے بعد وہ طلاق برمحل نہ ہوگی۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ دوسری طلاق پہلی طلاق کے ساتھ شامل ہوگی کیوں کہ بعض اصحاب نیت مراجعت کے بغیر مباشرت کرنے کو رجوع قرار دیتے ہیں اس خیال کے پیش نظر احتیاطاً اس عورت کو زوجیت میں شمار کیا جائے گا۔ لہٰذا

Marfat.com

انقضائے عدت کے بعد بیوی کو طلاق دی تو اسے طلاق (ثانی) تصور کیا جائے گا یہی قول مشہور ہے اور مالکیہ کے نزدیک اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ قول مشہور کی بنیاد قول ضعیف پر رکھی جائے (یعنی قول ضعیف ہی کو قول مشہور قرار دے لیا جائے)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر رجعت کی نیت سے الفاظ رجوع استعمال کئے جائیں تو رجوع ہو جائے گا۔ خواہ وہ قول صریح ہو یا مشتبہ۔ اگر قول صریح ہے جس میں کوئی اور احتمال نہیں ہو سکتا تو قوی تر خیال یہ ہے کہ اس سے رجوع ہو جائے گا۔ اگرچہ نیت رجوع نہ ہو اور خواہ سنجیدگی سے کیا ہو یا مذاق کے طور پر لیکن یہ معاملہ اس شخص اور خدا کے درمیان ہے۔ پس عورت حلال نہ ہوگی تا آنکہ رجوع کی نیت سے رجوع کا لفظ نہ استعمال کیا ہو اور سنجیدہ ہو مذاق سے نہ کہا ہو۔ اگر غیر واضح بات کہی ہے تو اس سے رجوع نہ ہوگا نہ قانوناً نہ مذہباً تاوقتیکہ رجوع کی نیت نہ ہو۔

واضح ہو کہ جس طرح کہنے سے رجوع ہوتا ہے اسی طرح عمل سے بھی بشرط نیت رجوع ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اگر رجوع کی نیت سے مباشرت کی تو یہ رجوع صحیح ہوگا ورنہ نہ ہوگا اور جیسا کہ ذکر کیا گیا یہ (بلانیت) مباشرت حرام ہوگی اور کلام نفسی (یعنی دل میں رجوع کر لینے) کے بارے میں دو مختلف رائیں ہیں لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر رجوع کی نیت ہو لیکن کچھ کہا نہ جائے اور نہ (بہ نیت رجوع) مباشرت کی جائے تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عبارت خلع الفاظ صریح میں ہو یا کنایہ کے الفاظ میں تو (رجوع لاگو ہونے کے لئے) نیت کی شرط ہے۔ نیز فعلی رجوع یعنی مباشرت میں نیت شرط ہے۔ اسی طرح بقول امام احمد یہ بھی شرط ہے کہ قول کے ساتھ رجوع قطعی (غیر مشروط) ہو اور اسے کسی شرط سے وابستہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اگر کہا کہ اگلا دن آنے پر تجھ سے رجوع ہو گیا۔ تو یہ قطعاً رجعت نہ ہوگی نہ اس روز اور نہ اگلے روز۔ اس کا سبب یہ ہے کہ رجعت از دواج کی ایک قسم ہے۔ رجوع کرنا گویا شادی کرنا ہے اور جس طرح نکاح کے بارے میں کوئی شرط تاخیر جائز نہیں ہے مثلاً ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ آپ اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے ابھی کر دیجئے اس شرط پر کہ اگلے روز مجھے اس کے پاس جانا حلال ہوگا (یعنی اس نکاح کے بعد وہ کل تک حرام رہے گی) اسی طرح رجوع میں بھی تاخیر کی شرط روا نہیں ہے۔ بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ بالا شرط رجوع کے بارے میں درست نہیں ہے۔ چنانچہ اگر خاوند بیوی سے کہے کہ اگلا روز آنے پر تجھ سے رجوع ہے تو یہ رجوع درست ہے اور اس طرح کہنے سے اگلا دن آنے پر رجعت ہو جائے گی فی الحال نہ ہوگی اور یہ رجعت اگلے روز از سرنو رجوع کے بغیر ہوگی اور فی الحال بیوی کی حیثیت ایسی ہی ہوگی جیسے کہ رجوع نہیں ہوا۔ یعنی خاوند کو حلال نہ ہوگا کہ رجوع کی نیت کئے بغیر مباشرت کرے۔ بنابریں اگر بیوی کی عدت اگلا دن آنے سے پہلے ہی ختم ہو جائے تو رجعت درست نہ ہوگی اور عورت پر طلاق بائن پڑ جائے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ رجوع کرنے والا خاوند ہو سکتا ہے یا اس کا وکیل جیسے خاوند نے اپنی طرف سے رجوع کرنے کے لئے وکیل بنایا ہو یا پھر اس خاوند کا ولی ہو سکتا ہے جس نے ہوش پر ہونے کی حالت میں بیوی کو طلاق دی پھر اس پر جنون طاری ہو گیا ہو۔

رجوع کرنے والے شخص کے لئے خواہ خاوند ہو یا اس کا وکیل یا ولی تین شرطیں ہیں:

Marfat.com

ایک یہ کہ وہ صاحب عقل ہو پس جنون زدہ شخص اور بے شعور لڑکے کا رجوع کرنا درست نہیں ہے' اسی طرح ان کا طلاق دینا بھی درست نہیں ہے۔ اگر جنون زدہ شخص نے بقائم عقل و ہوش طلاق دی اور پھر اس کو جنون لاحق ہو گیا تو اس کے ولی کو حق ہے کہ خاوند کی طرف سے رجوع کر لے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ ایک شخص نے بقائم عقل و ہوش طلاق مشروط دی اور پھر جنون لاحق ہونے کے بعد وہ شرط پوری ہوئی مثلاً خاوند نے کہا کہ اگر تو اپنے باپ کے گھر میں گئی تو تجھے طلاق ہے' پھر اسے جنون لاحق ہو گیا اور بیوی گھر میں داخل ہوئی تو طلاق پڑ جائے گی کیوں کہ وہ طلاق اس نے عقل ہونے کے وقت دی تھی لیکن حالت جنون میں اس سے رجوع کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ اس کے ولی کو حق ہے کہ اس کی طرف سے رجوع کرے لیکن ولی کے رجوع کا صحیح ہونا ان ہی شرائط پر موقوف ہے جن شرائط کی بناء پر ایک ولی کا اپنی زیر ولایت عورت کی شادی کسی جنون زدہ سے کر دینا صحیح ہے۔ اس کا بیان کتاب کے ابتدائی عنوانات میں ہو چکا ہے۔ اگر وہ ولی مجبر (جسے جبراً شادی کر دینے کا حق ہے) نہ ہو تو اس کا اپنی زیر ولایت عورت کی جنون زدہ شخص سے شادی کر دینا درست نہیں ہے۔ اس کا ذکر بھی اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں ہو چکا ہے۔ اگر اس کا ولی مجبر نہ ہو تو بغیر سخت ضرورت کے وہ جنون زدہ سے اس کی شادی نہیں کر سکتا۔ رجوع کے بارے میں اس شخص کا جو نیند کی حالت میں ہو یا ہوش باختہ ہو وہی حکم ہے جو جنون زدہ کا ہے کہ ایسے اشخاص کا رجوع کرنا افاقہ پانے کے بعد ہی درست ہوگا۔

صحت رجوع کی دوسری شرط یہ ہے کہ رجوع کرنے والا شخص بالغ ہو لہٰذا لڑکے کا رجوع کرنا گو باشعور ہو درست نہیں ہے۔ یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ صاحب شعور لڑکے کی طلاق ہی قطعاً واجب التسلیم نہیں ہوتی تو رجوع کا تصور کیسے ہو سکتا ہے۔ رجعت تو جب ہوتی ہے کہ بیوی کو طلاق رجعی دی گئی ہو اور وہ نکاح صحیح تھا یا فاسد۔ لیکن اگر بیوی کو طلاق ہی نہ ہوئی ہو تو رجعت کے صحیح یا فاسد ہونے کے کیا معنے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بقول حنابلہ باشعور بچے کی طلاق عائد ہوتی ہے اور حکم حنبلی اس بچے کی طلاق کو نافذ قرار دے تو۔ شافعیہ کے نزدیک اس کا رجوع کرنا درست نہیں ہے۔ نیز رجوع کا تصور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بالغ شخص اپنی بیوی کو طلاق رجعی دے اور ایک باشعور لڑکے کو اس طلاق سے رجوع کرنے کے لئے وکیل بنائے تو آیا اس لڑکے کا رجوع کرنا درست ہوگا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہوگا کہ درست نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتیں فرضی ہیں جو فی زمانہ پیش نہیں آتیں۔ تاہم اس مسئلہ کو اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ پورے طور پر اس بارے میں علمی تحقیق ہو جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر باشعور بچہ طلاق دے اور حنبلی اس طلاق کو صحیح قرار دیں تو آیا اس کے ولی کو رجوع کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے ولی کو یہ حق حاصل ہے لیکن اس کی دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ولی وہ ہو جس کو اس عورت کی شادی کر دینے کا حق ہے یعنی ولی باپ ہو یا دادا ہو اور وہ شرطیں پوری کرتا ہو جن کا ذکر اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں آ چکا ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ حنبلی نے اس طلاق کو (جس سے رجوع کرنا ہے) طلاق بائنہ قرار نہ دیا ہو اگر اس طلاق پر بائن ہونے کا حکم عائد ہو تو ولی کو اس سے رجوع کرنے کا حق نہیں ہے۔ ہاں تجدید عقد ہو سکتا ہے۔

واضح ہو کہ بعض علمائے شافعیہ نے اس مسئلہ کے سلسلہ میں ایک اور مسئلے کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک صاحب شعور لڑکا جو دس سال کا نہ ہو لیکن اس کے عضو میں استادگی ہوتی ہو اور جنسی تعلقات کو سمجھتا ہو اور تین طلاق یافتہ عورت سے

Marfat.com

شادی کرے اور عمل مباشرت کر لے پھر طلاق دے دے تو یہ طلاق ولی کی وساطت کے بغیر درست ہوگی اور وہ عورت اپنے سابقہ خاوند پر حلال ہو جائے گی۔ اس صورت میں عدت گزارنے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ اس کے لئے دس سال کی عمر میں مباشرت ہونی چاہئے اور وہ لڑکا دس سال کا نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جب تک لڑکا کم از کم دس سال کا اور عورت نو سال کی نہ ہو طلاق کی عدت واجب نہیں ہوتی۔ وجہ یہ ہے کہ دس سال کے لڑکے میں مادہ تولید کا پیدا ہو جانا درست ہے اور نو سال کی لڑکی سے مباشرت کو تسلیم کیا جائے گا کیوں کہ شریعت نے عدت کا حکم احتمال حمل کی بناء پر دیا ہے۔ اگر لڑکا دس سے کم ہوا اور لڑکی کی عمر نو سے کم ہو تو ان سے حمل اور اولاد کا خیال نہیں ہو سکتا۔ پس اگر دس سال سے کم عمر کا لڑکا عمل مباشرت کر لے تو (طلاق کے بعد) اس کی عدت بھی نہ ہوگی۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر دونوں میاں بیوی حلالہ کے ارادہ سے عقد کر لیں تو بہر حال وہ عقد باطل ہوگا خواہ مباشرت نابالغ سے کی ہو یا بالغ سے۔ اب سوال یہ ہے کہ شافعیہ جو کہتے ہیں کہ حلالہ کی نیت سے عقد کرنا جائز ہے اور اس سے عقد فاسد نہ ہوگا بشرطیکہ عقد کے ساتھ حلالہ کی شرط کہہ کر نہ لگائی گئی ہو تو آیا اس بارے میں لوگ حنابلہ کی تقلید کر سکتے ہیں؟ مثلاً ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی اور اس کی عدت ختم ہوگئی اور پھر اس نے دس سال سے کم عمر لڑکے کے ساتھ شادی کر لی اور اس لڑکے نے اس کے ساتھ عمل مباشرت کیا جس سے قدرتی طور پر انزال نہیں ہوا اور اس کے بعد اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو حنبلی مسلک کی رو سے اس کی طلاق درست ہوگی اور عدت واجب نہ ہوگی بناء بریں بیوی نے اپنے خاوند (اول) سے گواہوں اور ولی کی موجودگی میں نکاح کر لیا تو کیا یہ درست ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی صحت کے بارے میں اختلاف ہے اور صحیح جواب وہی ہے جو حلالہ کرنے والے کے متعلق اس کتاب کے ابتدائی حصے میں بتایا گیا ہے کہ یہ (نیت کا) معاملہ مذہبی حیثیت سے اس شخص اور اللہ کے درمیان کا ہے قانوناً ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ اگر قاضی (حاکم شرع) کو اس کا علم ہو جائے تو وہ ان میں علیحدگی کرا دے گا۔

علامہ مؤلف کی رائے اس بارے میں یہ ہے کہ امام احمدؒ کی پیروی کرتے ہوئے لوگوں کے لئے ممکن ہے کہ وہ ایسا کر سکیں بشرطیکہ امام شافعیؒ کے مسلک سے قطع نظر حتی الامکان حلالہ کے ارادہ سے پرہیز کیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ جب تین طلاق پانے والی عورت سے اس کا خاوند محروم ہو جائے اور عورت اپنا الگ راستہ اختیار کر لے تو وہ یہ کر سکتی ہے کہ وہ ایک ذی شعور لڑکے کی طرف مائل ہو جو شادی اور طلاق کی باتوں سے واقف ہو اور اگر اس کا کوئی ولی ہو تو اس سے اپنی شادی کی اجازت لے کر ایجاب وقبول کے ساتھ گواہوں اور ولی کی موجودگی میں شادی کر لے اور پھر اپنے خاوند کو ایسا موقع دے کہ وہ اس کے ساتھ مباشرت کر لے جس میں کم سے کم غیاب حشفہ ہو گیا ہو۔ اس کے بعد وہ لڑکا طلاق دے دے۔ لیکن یہ باتیں اس کے سابقہ خاوند کو نہ بتائی گئی ہوں نیز بیوی نے اس لڑکے یا اس کے ولی سے طلاق کی بابت یہ معاملہ طے نہ کیا ہو۔ غرض حلالہ کی طرف کوئی اشارہ نہ ہو تو صرف ایسی ہی صورت میں انقضائے عدت کے بغیر ہی وہ عورت سابقہ خاوند پر حلال ہو سکتی ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ صورت تو عورت کے ارادہ حلالہ سے خالی نہیں ہے حالانکہ حنابلہ کے نزدیک حلالہ کے ارادہ سے عقد ہو تو وہ فاسد ہو جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ درست ہے لیکن اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس عورت نے امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی پیروی کی ہے کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک حلالہ کرنے

Marfat.com

والے کا اس ارادہ سے عقد کرنا مضر نہیں ہے بلکہ اگر اس میں مصلحت ہو تو امر پسندیدہ ہے۔ مثلاً اولاد کی بربادی سے بچنے کے لئے یا ایک دوسرے سے محبت کرنے والے زوجین کو باہم ملانے کے لئے ایسا کیا ہو یا ایسی ہی کوئی اور مصلحت ہو۔ لیکن یہ جو لوگ کرتے ہیں کہ خاوند حلالہ کرنے والے کو اس مقصد کے لئے رقم دیتا ہے اور اس کی مطلقہ بیوی کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ ایسی حرکات شنیعہ کے ساتھ حنابلہ کی پیروی درست نہیں ہے۔ اس کی تفصیل حلالہ کرنے والے کے بیان میں آ چکی ہے وہاں پر ملاحظہ ہو۔

(رجوع کے لئے) تیسری شرط یہ ہے کہ رجوع کرنے والے کو اس پر مجبور نہ کیا گیا ہو بلکہ اس نے برضائے خود رجوع کیا ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص فی الجملہ شادی کرنے کا اہل ہے۔ اگر چہ وہ شادی (ولی وغیرہ کی) اجازت پر موقوف ہو اس کا طلاق دینا اور رجوع کرنا درست ہے۔ اور ہر ایسا شخص جو عاقل و بالغ ہو شادی کا اہل ہے۔ اگر عارضی طور پر کسی شخص کو امر مانع از دواج مثلاً نشہ وغیرہ لاحق ہو جائے تو یہ امر مانع رجعت نہیں ہے۔ پس مخمور شخص اگر رجعت کر لے تو درست ہے کیوں کہ نشہ کے باعث عقل پر جو پردہ پڑ جاتا ہے اس سے وہ شخص جنون زدہ (یا پاگل) نہیں ہو جاتا اور اس امر عارضی کے باعث ختم نہیں ہو جاتی کیوں کہ وہ شخص فی الجملہ یعنی نشہ دور ہو جانے کے بعد شادی کا معاملہ انجام دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو حج کے لئے حالت احرام میں ہو کہ ایسے شخص کو اگر چہ عقد از دواج کرنا درست نہیں ہے اور حالت احرام میں عقد حرام ہے۔ لیکن احرام کی حالت وقتی اور عارضی ہے جس سے اس شخص کی صلاحیت از دواج مفقود نہیں ہو جاتی لہٰذا حالت احرام میں اس کا رجوع کرنا درست ہے۔ کیوں کہ اگر (عارضی طور پر) حالت احرام میں نہ ہو تو وہ شادی کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہی صورت سفیہ (بے عقل یا احمق شخص) کی ہے کہ اگر چہ اسے بہ سبب بے عقلی کی شادی کا معاملہ انجام دینے کا نا اہل قرار دیا گیا ہے کیوں کہ شادی کا انحصار مالی معاملہ پر ہے۔ لیکن یہ نا اہلیت عارضی ہے۔ چنانچہ اگر وہ شادی شدہ ہے اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی ہے تو ولی کی اجازت کے بغیر وہ رجوع کر سکتا ہے۔ اور غلام (مملوک) بھی بے عقل شخص کی مانند ہے کہ اگر چہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر بطور خود شادی کر لینے کا اہل نہیں ہے لیکن اگر ولی بے عقل شخص کو اور (آقا) غلام کو شادی کی اجازت دے دے تو وہ شادی کرنے کا اہل ہو جاتا ہے اور اسے شادی کرنا صحیح ہے۔ رہا مکرہ (یعنی مجبور شخص) اگر چہ فی الجملہ یعنی مجبوری دور ہو جانے پر عقد از دواج کا اہل ہو جاتا ہے لیکن شریعت کے نقطہ نظر سے جو عمل جبراً کرایا جائے وہ قابلِ عمل اعتبار نہیں ہوتا۔ لہٰذا رجوع بھی اگر جبراً ہو تو فقہاء اس رجوع کو بے فائدہ قرار دیتے ہیں۔ پس اگر کسی شخص کو رجوع کرنے پر مجبور کیا گیا اور وہ شخص بیوی کے پاس نہ جا سکا یہاں تک کہ عدت کے دن پورے ہو گئے اور وہ شخص وفات پا گیا تو وہ عورت (بحیثیت بیوی کے) اس کی وارث نہ ہو گی۔

رہا یہ کہ آیا مرتد ہو جانا بھی نشہ کی مانند عارضی شے قرار دیا جا سکتا ہے اس کا جواب نفی میں ہے' کیوں کہ مرتد ہو جانے سے نکاح کا تمام اثر ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا سرے سے رجوع کا موقع ہی جاتا رہتا ہے۔

یہاں تک رجوع کرنے والے کی متعلقہ شرائط کی تفصیل۔ رہا محل رجوع (جس کے ساتھ رجوع کرنا ہے) یعنی بیوی سو اس کی بھی چند شرائط ہیں:

Marfat.com

ایک شرط یہ ہے کہ وہ بیوی عقد صحیح کے ساتھ اس کی زوجیت میں آئی ہو۔اس شرط سے اجنبی عورت خارج ہوگئی۔ لہٰذا اجنبی عورت سے رجوع کیا جائے تو قدرتی طور پر وہ حلال نہ ہوگی۔اب یہ (اجنبی عورت) خواہ ایسی عورت جس سے قطعاً عقد ہوا ہی نہیں یا عقد ہوا ہے اور اسے طلاق بائن مثلاً تین طلاق ہوگئی یا مباشرت سے پہلے طلاق ہوگئی ہو اور یہ مباشرت خواہ حقیقی ہو یا غیر فطری مباشرت ہو جیسا کہ اپنی جگہ پر بیان کیا گیا' نیز مادۂ تولید کو نلکی وغیرہ سے اندام نہانی یا سرین میں داخل کرنا بھی مباشرت ہے یا ایسی طلاق ہو جو معاوضہ میں (بشکل خلع) دی گئی ہو یا طلاق رجعی کے بعد عدت گزر گئی ہو۔ان تمام حالات میں عورت اجنبیہ متصور ہوگی جو رجوع کرنے سے حلال نہ ہوگی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عورت (جس سے رجوع کیا گیا) متعین ہو۔پس اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور خاوند کہے کہ میں نے دونوں میں سے ایک کو طلاق دی اور پھر کہا کہ میں اپنی طلاق یافتہ کو اپنی زوجیت میں واپس لیتا ہوں (یعنی رجوع کرتا ہوں) تو یہ رجوع درست نہ ہوگا۔اور (صحت رجوع کے لئے) یوں کہنا کہ میں نے اپنی فلاں بیوی کو طلاق دی پھر رجعت کے لئے کہا میں نے فلاں بیوی سے رجوع کر لیا یا بیوی کو خطاب کر کے یا اس کی طرف اشارہ کر کے الفاظ (رجوع) ادا کرے جیسا کہ الفاظ رجعت کے بیان میں آ رہا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ عورت (رجوع کے بعد) اس پر حلال ہونے کے قابل ہو۔پس اگر وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی جیسے مرتدہ عورت جب کہ وہ حالت ارتداد میں ہے کہ اس حالت میں وہ کسی کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔وہ حلال ہونے کے قابل نہیں ہے۔پس اگر مرتدہ عورت کے خاوند نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی تو اب رجوع نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔اسی طرح اگر خاوند مرتد ہو جائے یا دونوں میاں بیوی ایک ساتھ مرتد ہو جائیں تو اس حالت میں رجوع درست نہیں ہے کیوں کہ مرتد ہو جانے سے حلال ہونے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔پس مرتد ہونے کی حالت میں اس کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرنا حلال نہیں ہے۔

(رجوع کی) چوتھی شرط یہ ہے کہ اس عورت کو طلاق ہوئی فسخ عقد نہ ہوا ہو کیوں کہ اگر نکاح فسخ ہوا ہے تو رجوع کرنے سے وہ عورت حلال نہ ہوگی بلکہ وہ طلاق بائنہ پانے والی عورت کی طرح عقد کے بعد ہی حلال ہو سکتی ہے۔

بعض اصحاب نے مرجوعہ عورت کے لئے (صحت رجوع کی) سات شرطیں بیان کی ہیں: ایک یہ کہ وہ عورت بیوی ہو اس سے مراد ایسی عورت کو خارج کر دینا ہے جس سے عقد قطعاً نہ ہوا ہو دوسرے یہ کہ اس عورت سے مباشرت ہو چکی ہے۔خواہ حقیقی طور پر یا غیر فطری طور پر۔اس شرط سے ایسی عورت خارج ہوگئی جس کو مباشرت سے پہلے طلاق ملی ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ عورت متشخص ہو اس شرط سے مبہم (غیر متعین) عورت کو خارج کرنا مقصود ہے۔چوتھے یہ کہ وہ عورت حلال ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو اس شرط سے مرتدہ عورت خارج ہوگئی۔پانچویں یہ کہ اس عورت کو طلاق ہوئی ہو اس سے وہ عورت نکل گئی جس کا عقد فسخ ہوا ہو۔ایسی عورت رجوع کرنے سے حلال نہیں ہو سکتی بلکہ عقد سے حلال ہوگی جیسا کہ ذکر کیا گیا۔چھٹی یہ کہ طلاق مفت بلا معاوضہ ہوئی ہو اس شرط سے وہ عورت خارج ہوگئی جس نے معاوضہ دے کر طلاق لی ہو اور بایں نہج وہ بائنہ (زوجیت سے خارج) ہوگئی ہو۔ساتویں یہ کہ خاوند نے طلاق کی تعداد پوری نہ کر لی ہو۔یعنی تین طلاقیں نہ دے چکا ہو۔پس اگر اسے تین طلاق مل چکی ہیں تو وہ خاوند پر حلال نہ ہوگی تا آنکہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کر لے۔

Marfat.com

ظاہر ہے کہ صحت رجوع کے دونوں اقوال نتیجۃً ایک ہی جیسے ہیں۔ اختصار پیش نظر ہو تو پہلی تفصیل کا طریقہ اختیار کیا جائے اور اختصار مقصود ہو تو دوسرے قول کو لیا جائے۔

صیغہ (یعنی عبارت رجوع) کے متعلق بھی چند شرائط ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ خلع کے لئے الفاظ کا استعمال کیا جائے: الفاظ خلع کی دو قسمیں ہیں الفاظ صریح اور الفاظ کنایہ صریح الفاظ یہ ہیں: رددتک الی، رجعتک ارتجعتک، انت مراجعة، مسکتک (یعنی میں نے تجھے اپنی طرف لوٹا لیا۔ تجھ سے رجوع کر لیا۔ تیرے ساتھ مراجعت کر لی۔ تجھے موڑ لیا۔ تو رجوع شدہ ہوگئی اور میں نے تجھے رکھ لیا) لیکن رددتک کی صورت میں الی یا الی نکاحی (یعنی اپنی طرف یا اپنے نکاح میں) کے الفاظ کا اضافہ ضروری ہے۔ یعنی یوں کہنا ہوگا کہ رددتک الی یا الی نکاحی (یعنی میں نے تجھے اپنی طرف یا اپنے نکاح میں واپس لے لیا) اگر یہ الفاظ ساتھ نہ لگائے گئے تو یہ الفاظ (رجوع کے لئے) صریح نہ ہوں گے کیوں کہ محض رددتک (یعنی میں نے تجھے واپس کیا) کہنے میں اس مفہوم کا احتمال ہے کہ میں نے تجھے تیرے کنبے میں واپس کر دیا اور الفاظ رجعت اور امسکت نیز ان کے مشتقات کو (بغرض رجوع) استعمال کرنے کی صورت میں یہ شرط ہے کہ اس کا مفعول عورت ہو خواہ ضمیر مخاطب مونث کے (یعنی تجھے) لائی جائے بایں طور کہ رجعتک وغیرہ کہا جائے یا عورت کا نام یا اسم ظاہر لایا جائے بایں طور کہے کہ رجعت زوجتی (میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا) یا رجعت فلانة یعنی میں نے فلانہ عورت سے رجوع کر لیا۔ یا اسم اشارہ کے ساتھ ہوں کہے کہ رجعت هذه (یعنی میں نے اس عورت سے رجوع کیا) ساتھ ہی اس عورت کی طرف اشارہ بھی کرے۔ اگر یوں نہ کہا بلکہ صرف یہ کہا کہ میں نے رجوع کیا یا واپس لیا بغیر اس کے کہ ضمیر وغیرہ سے عورت کا مفہوم نہ نکلے تو یہ قول لغو ہوگا اور اس سے رجوع ثابت نہ ہوگا سوا اس صورت کے جب کہ اس طرح کے سوال کے جواب میں کہ آیا آپ نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا اور وہ شخص جواب میں کہے کہ ہاں میں نے رجوع کر لیا تو اگر چہ اس جواب میں عورت کا ذکر نہیں ہے یہ رجوع درست ہوگا۔ کیوں کہ سوال میں بیوی کا ذکر آ چکا ہے۔ تاہم طریق سنت یہی ہے کہ بیوی سے یوں کہا جائے کہ میں نے تجھے پھر اپنے نکاح میں واپس لے لیا یا تجھے اپنی جانب لوٹا لیا یا اپنے نکاح میں بحال رکھا۔ الغرض لفظ رددت (یعنی واپسی) کا لفظ استعمال کرنے میں (مقصد رجوع کے لئے) دو باتیں واجب ہیں ایک تو یہ کہ اس سے عورت کا واپس لینا ظاہر ہوتا ہے مثلاً ضمیر مونث حاضر (ک) استعمال کی جائے یا اس عورت کا نام لیا جائے یا اسم اشارہ سے کام لیا جائے مثلاً بیوی سے کہا کہ رددتک (میں نے تجھے واپس لے لیا) یا اپنی بیوی کو یا فلانی عورت کو یا (اشارہ کرتے ہوئے) کہے کہ اس عورت کو واپس لے لیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس رجوع کرنے کو اپنی جانب یا اپنے نکاح کی جانب نسبت دی جائے اور یوں کہے کہ میں نے اپنی بیوی کو اپنی جانب یا اپنی زوجیت یا اپنے نکاح میں واپس لے لیا۔ اگر اس طرح نہیں کہا تو یہ رجوع بالفاظ صریح متصور نہ ہوگا۔ کیوں کہ محض واپسی کا ذکر کرنے میں یہ احتمال ہے کہ بیوی کو اس کے کنبے میں واپس کر دیا۔ یا یہ کہ اسے رد کر دیا (یعنی قبول نہیں کیا) اور الفاظ صریح میں سے لفظ رد (واپسی) کے علاوہ (اور الفاظ سے رجوع کرنے کی) یہ شرط ہے کہ اس لفظ کو بیوی کے ساتھ وابستہ کیا جائے۔ اور طریق سنت یہ ہے کہ رجوع کو خاوند اپنی جانب یا اپنے عقد نکاح سے وابستہ کرے۔ اسی طرح یہ بھی سنت ہے کہ رجوع کا گواہ بنا لے۔ ان الفاظ (مذکورہ بالا) کا رجوع کے لئے صریح ہونا اس لحاظ

Marfat.com

سے ہے کہ وہ اس مفہوم (یعنی رجوع) کے لئے مشہور ہیں۔ ان الفاظ کے منجملہ بعض الفاظ قرآن حکیم میں بھی آئے ہیں۔ مثلاً ''رد'' ہے وبعولتھن احق بردھن (یعنی مطلقہ رجعیہ عورتوں کے خاوند انہیں واپس لینے کے لئے سب سے زیادہ حق دار ہیں) مصدر رد کا (قرآن حکیم میں) آنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس مصدر کے افعال اور مشتقات کا استعمال (مقصد رجوع کے لئے) درست ہے مثلاً رددت زوجتی الی یا انت مردودة الی (یعنی میں نے اپنی بیوی کو اپنی طرف لوٹا لیا یا تو میرے طرف واپس لے لی گئی) اسی طرح لفظ امساک ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''فامساک بمعروف'' (یعنی طلاق رجعی کے بعد حسن سلوک کے ساتھ بیوی کو بحال رکھا جا سکتا ہے) اس کا حکم بھی لفظ رد کی مانند ہے۔ ایسے الفاظ کے منجملہ لفظ 'رجعت' ہے کہ اللہ کا ارشاد ہے ''فلا جناح علیھما ان یتراجعا'' (یعنی طلاق رجعی کے بعد اگر دونوں باہم مراجعت کر لیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے) اسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ رجعت کے صریح الفاظ کا انحصار ان ہی الفاظ پر ہے جن کا ذکر کیا گیا۔ ان الفاظ سے بغیر نیت کے بھی رجوع ہو جاتا ہے۔ رہے وہ الفاظ جو رجعت کے لئے بطور کنایہ کے استعمال ہوتے ہیں ان کی مثال یہ ہے کہ خاوند بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے زوجیت میں لے لیا تجھ سے نکاح کر لیا۔ یہ الفاظ عقد کے مفہوم میں تو صریح ہیں لیکن رجعت کے معنوں میں اس کا استعمال ممکن نہیں ہے' کیوں کہ طلاق رجعی پانے والی عورت بیوی رہتی ہے لہٰذا خاوند کا یہ کہنا کہ میں نے تجھ سے شادی کر لی یا نکاح کر لیا بے معنی ہے۔ پس ہر وہ لفظ جو اپنے مفہوم میں صریح ہو اور اسے معنیٰ 'موضوع لہٗ' میں نہ لایا گیا ہو بلکہ کسی اور مفہوم میں استعمال کیا جائے تو وہ کنایہ ہے۔ تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شادی اور نکاح کے الفاظ کو اس قاعدہ کی رو سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کہ جو لفظ ایک خاص مفہوم میں صریح ہو اور اسے معنیٰ 'موضع لہٗ' میں استعمال کیا گیا ہو تو اس کا استعمال کنایہ نہ ہوگا اس قول کے قائل نے اس امر کو ملحوظ رکھا ہے کہ لفظ تزویج اور نکاح کا استعمال رجعت کے مفہوم میں اس لئے درست ہے کہ اس امر سے مراد شادی کی تکمیل کرنا ہے گو وہ اس کی بیوی ہوتی ہے۔ اس قاعدہ سے اس لفظ کو کنایہ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ لیکن شافعیہ نے لفظ نکاح اور تزویج کو اس قاعدہ سے الگ رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ کنایہ ہیں پس ان سے رجعت نہیں ہوگی جب تک کہ رجوع کی نیت نہ ہو۔ غرض رجعت لفظ کے (منہ سے کہے) بغیر نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ لفظ (رجعت کے مفہوم میں) صریح ہو یا کنایہ ہو۔ لکھ کر رجوع کرنا بھی صراحت میں داخل ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے یہ تحریر لکھ دی کہ میں نے اپنی بیوی کو زوجیت میں واپس لے لیا وغیرہ تو یہ درست ہے۔ اور اس طرح لکھ دینے سے وہ عورت پھر اس کی بیوی ہو جائے گی کیوں کہ لکھنا بھی بولنے کے برابر ہے۔ نیز گونگے کا اشارہ بھی جس سے رجعت کا مفہوم سمجھا جا سکے تحریر کی مانند ہے۔ رہا مباشرت کرنے یا لوازمات مباشرت کے اقدام سے رجوع نہیں ہو سکتا خواہ رجوع کی نیت سے ایسا کیا ہو یا ایسی کوئی نیت نہ ہو۔ کیوں کہ فعل رجوع کرنے پر دلالت نہیں کرتا۔ ہاں اگر کافر (طلاق کے بعد) مباشرت کرلے اور ایسا کرنا ان کے نزدیک رجوع قرار دیا جاتا ہو تو اس کو تسلیم کر لیا جائے گا۔

طلاق رجعی دینے کے بعد خاوند کو بیوی سے متمتع ہونا حرام ہے جب تک کہ وہ لفظوں میں رجوع نہ کرے یعنی مباشرت وغیرہ کرنے سے رجوع متصور نہ ہوگا لیکن اگر کسی نے مباشرت کر لی تو مہر مثل لازم ہو جائے گا کیوں کہ یہ مباشرت شبہ میں (یعنی غلط فہمی کی بناء پر) مباشرت کر لینے کی مانند ہے اگرچہ بعد میں وہ رجوع کر لے شبہ کی بناء پر یہ ہے کہ حنفیہ مباشرت کرنے کو رجوع کے لئے جائز قرار دیتے ہیں لیکن اس حالت میں مباشرت اسی طرح حرام ہے جس طرح

Marfat.com

بائنہ عورت سے حرام ہے۔ یہی حکم مہر کے بارے میں بھی ہے۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ ایک شخص مرتد ہو جائے اور اپنی بیوی سے مباشرت کرے اور پھر مسلمان ہو جائے تو مہر لازم نہ ہوگا' کیوں کہ دوبارہ اسلام لانے سے ارتداد کا تمام اثر زائل ہو جاتا ہے (گویا وہ مرتد ہوا ہی نہ تھا) لیکن رجوع کی صورت میں طلاق کا اثر باقی رہتا ہے (ایسا نہیں ہوتا کہ گویا اسے طلاق ملی ہی نہیں)۔

اگر کوئی شخص عدت کے دوران بیوی سے مباشرت کرے تو ایام عدت کی ابتداء اس مباشرت کے بعد سے ہوگی کہ اگر اس شخص نے رجوع نہیں کیا تو وہ عورت کسی اور شخص کے لئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس مباشرت کے بعد تین ایام ماہواری سے فارغ نہ ہو یا اگر اسے ایام نہیں آتے تو مباشرت کے بعد چار ماہ نہ گزر جائیں اور وہ دن جو مباشرت سے پہلے (طلاق رجعی کے بعد بطور عدت) گزرے ہیں ان کو شمار میں نہیں لایا جائے گا البتہ اگر خاوند رجوع کرنا چاہے تو وہ اسی مدت کے اندر کر سکتا ہے جو ابتدائی عدت کے دن ہیں مثلاً ایک عورت کو اس کے خاوند نے طلاق رجعی دی' اس کے بعد اس پر دو ایام ماہواری گزر چکے اور اس کے خاوند نے بغیر رجوع کئے اس سے مباشرت کر لی تو اب اس مباشرت کے بعد اس کی عدت کے دن شروع ہوں گے اور وہ کسی اور کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک کہ ان دو ایام ماہواری کے علاوہ مزید تین ایام ماہواری نہ گزر چکے ہوں۔ لیکن اس کا خاوند ان دنوں کے اندر رجوع کر سکتا ہے جو پہلی عدت یعنی آخری ایام ماہواری سے باقی ہیں۔

یہ احکام اس حالت میں ہیں جب کہ بیوی حاملہ نہ ہو اگر حاملہ ہے یا مباشرت سے حاملہ ہوگئی ہے تو اس کی عدت بہر حال وضع حمل تک ہوگی اور ولادت سے پہلے پہلے خاوند رجوع کر سکتا ہے۔ الفاظ رجوع کی شرائط میں سے دوسری شرط یہ ہے کہ یہ رجوع بلا معاوضہ ہو۔ اگر رجوع کو کسی امر سے مشروط کیا اور وہ شرط پوری ہوگئی تو اس سے رجوع نہ ہوگا۔ مثلاً اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو چاہے تو میں رجوع کرتا ہوں اور بیوی نے کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ تو اس سے رجعت صحیح نہ ہوگی۔ تیسری شرط یہ ہے کہ رجوع کے لئے کوئی میعاد مقرر نہ کی جائے چنانچہ اگر کہا کہ میں نے ایک ماہ کے لئے رجوع کیا تو یہ رجعت متصور نہ ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ رجوع کرنے والے کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ عاقل ہو۔ خواہ وہ نابالغ ہو لیکن باشعور ہو اور خواہ وہ آزاد ہو یا غلام ہو۔ پس اگر کسی نے بقائمی عقل و ہوش طلاق دی بعد میں اسے جنون لاحق ہو گیا تو اس کے ولی کو اس شخص کی طرف سے رجوع کر لینے کا حق ہے۔

مرتد شخص کا توبہ کرنے سے پہلے رجوع کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح شادی کرنا بھی درست نہیں ہے۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔ اگر اس شخص نے مرتد ہونے کے دوران طلاق دی تو وہ طلاق التواء میں رہے گی اگر مسلمان ہو گیا تو طلاق ہو جائے گی اگر مسلمان نہ ہوا تو وہ طلاق (موثر) نہ ہوگی کیوں کہ یہ طلاق بے محل ہے۔ جب کہ مرتد ہونے سے نکاح ہی ختم ہو جاتا ہے (تو طلاق کیا معنی؟)۔

محل رجوع (جس سے رجوع کیا جائے) یعنی بیوی کے بارے میں شرط یہ ہے کہ وہ عقد صحیح کے ذریعہ بیوی بنی ہو۔ لہٰذا وہ عورت جو اجنبی ہو یا اس کا عقد فسخ ہو چکا ہو اس سے رجوع نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ عقد ہی فاسد ہے

Marfat.com

مدت عدت کے بارے میں زوجین کے اختلاف اور متعلقہ امور کا بیان

عدت کی میعاد گزر جانے پر (مطلقہ رجعیہ) کے خاوند کو رجوع کا حق نہیں رہتا۔ یہ مدت تین ایام ماہواری کے آنے تک ہے۔ درآنحالیکہ عورت کو ایام آتے ہوں یا (حاملہ ہونے کی صورت میں) وضع حمل کامل یا اسقاط حمل تک ہے۔ اگر عورت کو بڑی عمر ہو جانے یا نابالغ ہونے کے باعث ایام نہ آتے ہوں تو طلاق کی تاریخ سے تین ماہ تک عدت کے دن شمار ہوتے ہیں۔ ایام عدت کے پورے ہو جانے کی صورت بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہے۔ (۱)

(تو رجوع کیسا؟) مرجوعہ بیوی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اس سے مباشرت ہوئی ہو یا تخلیہ ہوا ہو۔ تخلیہ سے حنابلہ کے نزدیک عدت واجب ہو جاتی ہے۔ اگر غیر مباشرت شدہ سے (طلاق کے بعد) رجوع کیا تو وہ رجوع نہ ہوگا کیوں کہ مباشرت سے پہلے بیوی کو طلاق ہو تو وہ بائن (زوجیت سے خارج) ہو جاتی ہے اور اس کی عدت نہیں ہوتی۔ ایک شرط یہ ہے کہ وہ طلاق رجعی ہو (جس سے رجوع کرنا ہے) لہٰذا مال کے معاوضہ میں جو طلاق دی جائے یا تین طلاق دی گئی ہو یا مباشرت سے پہلے طلاق ملی ہو اس سے رجوع نہیں ہو سکتا۔ ایک شرط یہ ہے کہ رجوع عدت کے دوران ہو۔ عدت گزر جانے پر رجوع نہیں ہو سکتا۔

رہا صیغہ رجوع سو اس کی دو صورتیں ہیں 'لفظ' اور 'فعل' (یعنی قولی رجوع یا فعلی رجوع) لفظی رجوع کی دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ لفظ (مفہوم رجعت میں) صریح ہو۔ ایسے الفاظ یہ ہیں: میں نے تجھ سے رجوع کیا۔ اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔ اپنی بیوی کے ساتھ مراجعت کر لی۔ اپنی بیوی کو میں نے واپس لے لیا۔ اپنی بیوی کو لوٹا لیا۔ یا روک لیا اور یہ کہنے سے رجوع نہیں ہوتا کہ میں نے اس سے نکاح کر لیا یا شادی کر لی۔ کیوں کہ یہ الفاظ کنایہ کے ہیں اور کنایہ الفاظ میں رجوع کرنا درست نہیں ہے دوسری شرط یہ ہے کہ رجوع کسی بات سے مشروط نہ ہو۔ مثلاً یوں کہا کہ جب مہینہ شروع ہوا تو میں نے تجھ سے رجوع کر لیا۔ تو یہ رجعت نہیں ہے۔ رہا عملی رجعت سو اس سے مطلب مباشرت کر لینا ہے پس طلاق رجعی دینے والے کو اپنی بیوی سے مباشرت کرنا حلال ہے اور اگر وہ ایسا کر لے تو اس سے رجوع ہو جاتا ہے اگرچہ رجوع کی نیت نہ کی ہو۔ مباشرت کے علاوہ کسی اور عمل سے رجوع نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر بیوی کو پیار کیا یا ہاتھ لگایا یا ہم آغوش ہوا یا نفسانی خواہش کے ساتھ اس کے اندام کو دیکھا وغیرہ ان باتوں سے رجوع نہ ہوگا نیز اگر اس کے ساتھ تخلیہ میں رہا تو محض خلوت سے بھی رجوع نہ ہوگا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ میعاد عدت گزر جانے پر خاوند کا حق رجوع باطل ہو جاتا ہے۔ میعاد کا گزرنا تین امور متذکرہ سابقہ کی پیش آمدہ پر موقوف ہے: ایک ایام ماہواری ہے کہ اگر طلاق رجعی کے دو ماہ گزر جانے کے بعد کہے کہ اسے ایام ماہواری آ چکے ہیں تو اب رجوع کا حق باطل ہو جائے گا۔ کیوں کہ امام صاحبؒ کے نزدیک تکمیل عدت کی میعاد کم سے کم دو ماہ ہے۔ پس (طلاق کے بعد) دو ماہ گزر جانے سے پہلے ہی یہ کہے کہ تین ایام ماہواری گزر چکے ہیں تو اسے تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ اگر خاوند نے ابتدائے طہر (ایام پاکی) جب کہ ہنوز مباشرت نہ کی ہو بیوی کو طلاق دی تو ضروری ہے

Marfat.com

اگر میاں بیوی کے درمیان عدت کی میعاد ختم ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہو کہ خاوند کہے کہ ہنوز عدت کے دن باقی ہیں اور بیوی کہے کہ وہ مدت ختم ہو چکی ہے اور اب خاوند کو رجوع کرنے کا حق نہیں ہے اور خاوند کہتا ہے کہ میں نے انقضائے عدت سے پہلے ہی رجوع کر لیا ہے اور بیوی کو اس کی اطلاع عدت کے ختم ہونے سے پہلے نہیں ہوئی لیکن بیوی خاوند کی اس بات سے انکار کرتی ہے۔ ایسی صورت کے مسائل بھی تفصیل طلب ہیں۔ انہیں ذیلی حاشیہ میں بیان کیا گیا ہے۔

کہ وہ عورت تین ایام ماہواری اور تین ایام پاکی گزارے: ایک تو پاکی کے وہ دن جس میں طلاق ہوئی اور دو پاکی کے وہ دن جو دو بار ایام ماہواری کے بعد آئے یہاں تک کہ دوسرے طہر (ایام پاکی) میں ایام ماہواری کی علامت ظاہر ہو۔ پاکی کے ایام کی تعداد کم از کم پندرہ ہے اس طرح کل تعداد پینتالیس ہوئی۔ اس طرح تین ایام ماہواری کا گزرنا ضروری ہے اور ایام ناپاکی کی تعداد اوسطاً پانچ مانی گئی ہے۔ اس طرح ایام ناپاکی کی تعداد پندرہ ہوئی اس تعداد کو (ایام طہر کے) پینتالیس دنوں کے ساتھ ملایا جائے تو سب ملا کر ساٹھ دن ہوتے ہیں (یعنی دو ماہ جو امام صاحبؒ کے نزدیک کم سے کم میعاد عدت ہے) اس مسئلہ میں ایام ماہواری کی تعداد جو کم سے کم تین دن ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ پاکی اور ناپاکی کے کم سے کم ایام کا ایک مدت میں جمع ہونا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا (بلکہ اوسط ایام کو پیش نظر رکھا جائے گا) بعض اصحاب نے اس مسئلہ کو ایک اور طریقہ سے بیان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ فرض کر لیا جائے کہ خاوند نے اپنی بیوی کو ایام پاکی کے اخیر دنوں میں طلاق دی درآنحالیکہ اس طہر میں مباشرت نہیں ہوئی تا کہ عدت کی مدت زیادہ طویل نہ ہو کہ ایام ماہواری لاحق ہوں اور اس سے پاک ہو اسی طرح پھر وہ ایام آئیں اور اس سے پاک ہو اس کے بعد پھر ایام ماہواری کے بعد پاک ہو اس طرح اس کے دو ایام پاکی اور تین ایام ناپاکی کی تعداد پوری ہو اور پاکی کے وہ دن جس میں طلاق ہوئی شمار میں نہ آئیں گے کیوں کہ ان ایام کے آخر میں طلاق ہوئی ہے۔ پاکی کے کم از کم ایام چونکہ پندرہ دن ہوتے ہیں لہٰذا دونوں طہر (ایام پاکی) کی تعداد تیس دن ہوگی اور ایام ناپاکی کے زیادہ سے زیادہ دس دن ہوتے ہیں لہٰذا تین ایام ناپاکی کے تیس دن ہوئے اور اس طرح (ساٹھ دن یعنی) دو مہینے ہوگئے اور ایام ناپاکی کے زیادہ سے زیادہ دنوں کو اس لئے پیش نظر رکھا گیا ہے تا کہ پاکی کے کم سے کم دنوں کے برابر ہو جائے ظاہر ہے کہ یہ دونوں طریقے نتیجۃً ایک ہیں اور دو ماہ کی مدت شمار میں لانے کے لئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ خاوند نے ایام پاکی کی ابتداء میں طلاق دی ہو یا آخری حصہ میں۔ غرض یہ ہے کہ طلاق کی تاریخ کے بعد (حق رجوع کے فسخ ہونے کے لئے) دو ماہ کا عرصہ گزرنا ضروری ہے ایام ماہواری کی بناء پر عدت گزارنے کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ پس اگر دو ماہ گزرنے کے بعد بیوی کہے کہ میں نے تین ایام ماہواری گزار لئے ہیں تو ایام ماہواری کے ختم ہو جانے پر جب کہ عدت کے دن پورے ہو جاتے ہیں خاوند کو حق رجوع باقی نہیں رہتا۔ اگر بیوی آزاد عورت ہے تو تیسرے ایام ماہواری کے ختم ہونے پر اور اگر وہ لونڈی (مملوکہ) ہے تو دوسرے ایام کے خاتمہ پر رجوع کا حق ختم ہو جائے گا۔ کیوں کہ لونڈی کی عدت کے لئے عدت کی میعاد دو ایام ماہواری تک ہے۔
معلوم ہونا چاہئے کہ ایام ناپاکی کی زیادہ سے زیادہ تعداد دس دن ہے۔ اس کے بعد عدت ختم ہو جائے گی اگرچہ

Marfat.com

عورت غسل نہ کرے۔ اگر دس روز تک ایام جاری رہے اور بند نہیں ہوئے تو دیکھنا ہوگا کہ اگر عورت کے ایام کی کوئی خاص عادت ہے کہ اتنے دنوں میں وہ ختم ہوتے ہیں تو اس کی عادت کے مطابق ان ایام کے خاتمہ تک خاوند کو رجوع کا حق ہوگا اگر کوئی عادت نہ ہو تو (دس دن کے بعد) حق رجوع ختم ہو جائے گا اگر چہ ادرار بند نہ ہوا ہو۔ کیوں کہ ایام ماہواری کی مدت زیادہ سے زیادہ دس روز ہے۔ پس اگر کوئی عادت نہ ہو تو دس دن گزر جانے کے بعد رجعت باطل ہے۔ اور اگر ادرار دس دن سے کم عرصہ میں بند ہو جائے تو خاوند کا حق رجوع باطل نہ ہوگا۔ بشرطیکہ یہ دو باتیں پیش نہ آئیں:

اول یہ کہ وہ عورت پاک پانی سے' گو وہ پانی مشکوک ہو' غسل کرلے۔ البتہ اگر پانی دستیاب ہوتے ہوئے عورت نے ناپاک پانی سے غسل کیا تو اس سے نہ نماز درست ہوگی اور نہ شادی کر لینا درست ہوگا البتہ صرف خاوند کا حق رجوع ختم ہو جائے گا۔

دوسرے یہ کہ ادوار بند ہو جانے کے بعد ایک نماز کا پورا وقت گزر جانے اور نماز کی قضا اس پر واجب رہے مثلاً ظہر کا وقت آ جانے پر ادرار بند ہوا اور ہنوز اس نے غسل نہیں کیا تو عصر کا وقت آنے تک خاوند کو رجوع کا حق رہے گا اسی طرح اگر طلوع آفتاب کے وقت وقت ادرار بند ہوا تو عصر کا وقت آنے تک رجوع ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ آفتاب طلوع ہونے کے وقت تک 'ظہر' کا وقت آنے تک کوئی نماز واجب نہیں ہے۔ یعنی سورج طلوع ہونے سے عصر کے وقت تک کوئی نماز بجز نماز ظہر کے واجب نہیں ہوتی پس اگر ظہر کے اخیر وقت میں یعنی عصر کا وقت آنے سے مثلاً نصف ساعت پہلے ادرار بند ہوا اور اتنا وقت تھا کہ نماز ظہر کا وقت گزرنے سے پہلے وہ عورت نہا کر تکبیر تحریمہ کر لیتی تو اسے پورا وقت تصور کر لیا جائے گا' کیوں کہ اتنا وقت مل جانے کے باعث عورت پر ادائے نماز واجب ہو جائے گی۔ لیکن اگر صرف اتنا وقت تھا کہ اس میں غسل اور تکبیر تحریمہ ممکن نہ ہو تو حق رجعت باطل نہ ہوگا حتی کہ ظہر کا بقیہ وقت اور عصر کا پورا وقت گزر جائے اور مغرب کا وقت آ جائے وعلیٰ ہذا القیاس۔ (اس مسئلہ میں) تیمّم کو غسل کا قائم مقام تصور کیا جائے گا' درآنحالیکہ پانی دستیاب نہ ہو (یعنی غسل کرنے کی مہلت کی بجائے تیمم کی مہلت کا اعتبار ہوگا)۔ تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں محض تیمم کی مہلت کافی نہیں ہے بلکہ تیمم کے بعد ایک پوری نماز' خواہ وہ نفلی نماز ہو' کی مہلت کو دیکھا جائے گا۔ لیکن اس بارے میں پہلے قول کو ترجیح حاصل ہے کیوں کہ فقہاء کے نزدیک پانی دستیاب نہ ہونے کی صورت میں تیمم کر لینے سے کامل طہارت متصور ہوتی ہے۔

یہ مسائل مسلمان عورت سے تعلق رکھتے' اگر بیوی کتابیہ ہو تو ادرار بند ہونے کے بعد ہی نہانے اور اور نماز کا وقت گزارنے کے بغیر ہی رجوع کا حق باطل ہو جاتا ہے پھر یہ سوال ہے کہ اگر مقررہ مدت سے کم عرصہ میں ادرار بند ہو جائے اور عورت غیر مشکوک پانی سے غسل کر لے اور (بایں جہت کہ عدت ختم ہو گئی ہے) وہ عورت کسی اور سے شادی کر لے اور اس کے بعد پھر ادرار ہو جائے تو ایسی حالت میں آیا یہ شادی باطل ہو جائے گی اور سابقہ خاوند کو پھر حق رجعت ہو جائے گا یا رجعت کا حق ختم ہو جائے گا اور شادی بحال رہے گی۔ اس بارے میں اختلاف ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ رجعت کا باطل ہونا ادرار کے بند ہو جانے پر موقوف ہے۔ اگر مقررہ مدت سے کم عرصہ میں بند ہوا تو اسے حقیقتاً بند ہونا تصور نہ کیا جائے گا لہٰذا حق رجعت بھی لوٹ آئے گا اور وہ عقد باطل ہو جائے گا۔ غسل کرنے کی جو شرط لگائی گئی ہے وہ اس لئے ہے کہ ادرار کا کم سے کم مدت میں بند ہو جانا قطعی ہو جائے۔ بایں طور کہ ادرار بند ہو جائے اور غسل کر لے تو شرعاً اس کے پاک

Marfat.com

ہونے قطعی طور پر فیصلہ ہو جائے گا اگر دوبارہ ادرار ہو جائے تو اسے پھر طہارت سے عاری تصور کیا جائے گا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ حق رجعت کا خاتمہ ادرار کے بند ہو جانے کے بعد غسل کر لینے پر موقوف ہے۔ لہٰذا عورت نے (ناپاکی) سے غسل کر لیا تو اسے شادی کر لینا حلال ہو گیا اور (سابقہ خاوند کا) حق رجوع باطل ہو جائے گا اور اگر ادرار پھر ہو جائے تو اس صورت میں پھر وہی استلاف مذکورہ پیدا ہو جائے گا۔ کیوں کہ رجعت کے باطل ہونے کا انحصار ادرار کے بند ہو جانے پر ہے۔ اگر وہ پھر ہو جائے تو اس سے عیاں ہے کہ ادرار بند نہیں ہوا تھا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وہ شادی باطل نہ ہوگی اور رجوع کا حق واپس نہ آئے گا کیوں کہ رجوع کا باطل ہونے کا انحصار ادرار بند ہونے کے بعد نماز کا وقت گزر جانے پر ہے اور احکام منضبط کی رو سے قرین عقل امر یہ ہے کہ رجعت کا حق جاتا رہے اور شادی درست اور بحال رہے۔ اگرچہ ادرار پھر سے ہو جائے اور نماز کا وقت گزر جائے۔ بصورت دیگر اس حالت میں شادی صحیح ہونے کے کچھ معنے ہی نہیں ہیں۔ پس اگر عورت نے شادی کر لی اور حالیہ خاوند نے مباشرت کی اس کے بعد ادرار ہو گیا تو کیا یہ درست ہوگا کہ خاوند سے کہا جائے کہ یہ تیری بیوی نہیں رہی اور اس کا سابقہ خاوند رجوع کرلے۔ یہ ایسی اہانت آمیز بات ہے جسے انسانی طبائع بہ آسانی روا نہیں رکھ سکتیں۔ پس درآنحالیکہ شریعت نے اس (ادرار کے بعد غسل کر لینے) کو بیوی کے پاک ہو جانے کی دلیل قرار دیا ہے اور کسی دوسرے شخص سے شادی کر لینا اس کے لئے روا ہو گیا ہے تو اس کے بعد یہ کہنا درست نہیں ہے کہ شریعت نے ان تمام باتوں کو باطل قرار دیا اور بیوی کو موجودہ ٹھکانے سے ہٹا کر پرانے ٹھکانے پر پہنچا دیا۔ علاوہ اس کے یہ صورت حال بیوی کو جھوٹ بولنے اور سچائی سے انحراف پر آمادہ کرتی ہے کہ جب عورت نے ایک شخص سے شادی کر لی اور اسے معلوم ہوا ہے کہ اس خاوند سے اسے چھین لیا جائے گا تو ضرور وہ اپنے ادرار کو چھپائے گی۔ غرض یہ بے مصرف باتیں ہیں یہی وجہ ہے کہ مختلف مسالک کی تحریروں میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی دوسری شادی درست ہے اور دوبارہ ادرار ہونے سے (اس کے پہلے خاوند کو) رجوع کا حق حاصل نہ ہوگا البتہ اگر یوں کہا جائے تو بہتر ہے کہ بیوی کے لئے کسی اور سے شادی کر لینا اس وقت تک درست نہیں ہے جب تک کہ (یقینی طور پر) ادرار بند نہ ہو جائے۔ اس کے لئے ادرار کے زیادہ سے زیادہ ایام کو یا اگر اس سے زیادہ ایام آتے ہیں تو اس کی عادت کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں کہا گیا۔

واضح ہو کہ وضع حمل سے حق رجوع ختم ہو جاتا ہے۔ اگر پورا بچہ ہے تو بیشتر حصہ کے برآمد ہونے کے بعد عدت ختم ہو جاتی ہے۔ کیوں (انقضائے عدت کے لئے) یہ شرط نہیں ہے کہ پورے بچے کی ولادت ہو جائے۔ تاہم جب تک کہ پورے طور پر بچہ پیدا نہ ہو جائے احتیاطاً وہ عورت حلال متصور نہ ہوگی۔ اگر عورت کے پیٹ میں دو بچے ہوں تو دوسرے بچے کی پیدائش پر عدت ختم ہوگی۔ لیکن رجوع کا حق بچہ کے بیشتر حصہ کے برآمد ہونے پر ختم ہو جاتا ہے اور انقضائے عدت اور حق رجوع ختم ہونے کے لئے اس سے فرق نہیں پڑتا وہ حمل طلاق دینے والے خاوند کا ہو یا کسی اور کا۔ چنانچہ اگر ناجائز حمل والی عورت سے شادی ہوئی ہو اور خاوند کا یہ معلوم ہوا ہو پھر اس نے طلاق دے دی اور طلاق کے بعد بچہ پیدا ہوا تو اس خاوند سے اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔

اگر عورت کا یہ دعویٰ ہے کہ وضع حمل ہو چکا ہے اور خاوند ولادت سے انکار کرے تو بہر حال یا تو حمل ظاہر ہوگا بایں طور کہ پیٹ بڑھا ہوا تھا اور پچک گیا تو اس عورت کی بات کو دائی کی شہادت پر تسلیم کر لیا جائے گا کیوں کہ حمل کا ظاہر ہونا دائی

Marfat.com

کی شہادت کی تائید کرتا ہے۔ لیکن اگر حمل ظاہر نہ ہوا ہو تو بچہ کی ولادت دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کے بغیر ثابت نہ ہوگی جیسا کہ اگلے مسئلہ میں بتایا گیا ہے واضح ہو کہ اس مسئلہ سے چند اور مسائل کا تعلق ہے جو حسب ذیل ہیں:

مسئلہ اول یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی حاملہ بیوی کو طلاق دے دی اور اس کا کہنا ہے کہ اس نے نہ تو اس بیوی سے مباشرت کی ہے اور نہ وہ حاملہ ہوئی ہے تو آیا وضع حمل سے پہلے اس کا رجوع کر لینا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ رجوع کر لے تو وضع حمل سے پہلے اس کے رجوع کو صحیح مانا جائے گا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وضع حمل سے پہلے رجوع کر لینا درست ہے لیکن وہ عورت اس کی بیوی قرار نہ پائے گی بجز اس صورت کے جب کہ تاریخ طلاق سے چھ ماہ کے اندر اور تاریخ عقد سے چھ مہینے یا اس سے زیادہ عرصہ میں بچہ پیدا ہوا ہو۔ کیوں کہ خاوند کا دعویٰ یہ ہے کہ اس نے بیوی سے مباشرت نہیں کی جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس نے مباشرت سے پہلے طلاق دی ہے لہٰذا بیوی پر عدت عائد نہیں ہوتی اور (چونکہ وہ عورت بائنہ ہوگئی اس لئے) رجوع کا حق نہ رہا۔ اگر خاوند نے وضع حمل سے پہلے جس سے بہر حال عدت ختم ہو جاتی ہے رجوع کیا تو خود اس کے اپنے قول کے خلاف (جھوٹ) ہوگا (کیوں کہ اس نے کہا تھا کہ اس نے مباشرت نہیں کی) تاہم شریعت اس کو جھوٹ نہیں قرار دے سکتی جب تک یہ جھوٹ پایہ ثبوت کو نہ پہنچے اور اس کا ثبوت اس طرح ہوگا کہ وہ بچہ تاریخ طلاق سے چھ ماہ سے کم عرصہ میں پیدا ہو جائے۔ کیوں کہ وہ بچہ جو تاریخ طلاق سے چھ ماہ گزرنے کے بعد پیدا ہوا اس کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ وہ بچہ اس مباشرت سے ہوا ہو جو طلاق کے بعد ہوئی۔ کیوں کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ اس کا بچہ نہ ہو اسی طرح یہ بھی ہونا چاہئے کہ وہ شادی کی تاریخ سے چھ مہینے میں یا اس سے زیادہ مدت میں پیدا ہوا ہو۔ کیوں کہ اگر اس مدت سے کم میں پیدا ہوا تو اس خاوند سے نہیں ہے بلکہ کسی اور شخص سے ہوگا' کیوں کہ شادی کی تاریخ سے چھ ماہ گزرنے کے بعد بچہ پیدا ہوا ہے۔ اگر مدت مذکورہ میں پیدا ہوا تو وہ بچہ اس کے خاوند کا ہوگا اور اس شخص کا یہ کہنا کہ اس نے بیوی سے مباشرت نہیں کی واضح دروغ بیانی ہے۔ ہاں اگر اس مدت میں بچہ نہیں ہوا تو اس شخص کا یہ کہنا درست ہوگا کہ اس نے مباشرت نہیں کی تھی اور فی الواقع مباشرت سے پہلے ہی اسے طلاق ہوگئی لہٰذا حق رجعت باطل ہوگیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر خاوند مباشرت سے انکاری ہوا لیکن پتہ یہ چلا کہ عورت حمل سے ہے اور خاوند یہ چاہتا ہے کہ اپنے بیان کو جھٹلا کر بیوی سے رجوع کرلے تو اسے حق ہے کہ وضع حمل سے پہلے رجوع کرلے کیوں کہ اگر ولادت ہو گئی تو اب کسی حال میں رجوع نہیں ہو سکے گا' کیوں کہ یہ بات بتائی گئی ہے کہ وضع حمل کے بعد عدت ختم ہو جاتی ہے خواہ وہ حمل کسی اور کا ہو۔ پھر چاہئے کہ رجوع کرنے کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ اگر بچہ اتنے عرصہ میں پیدا ہو جائے جس سے اس کا نسب بچے کے ساتھ قائم ہو سکے تب تو رجوع کرنا درست ہوگا ورنہ نہ ہوگا۔ تاہم ائمہ مشائخ کا اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا حمل سے پہلے مدت مذکورہ کے اندر رجوع کر لینا درست ہے یا نہیں؟ ساتھ ہی اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ جب تک رجوع کا صحیح ہونا ثابت نہ ہو محض رجوع کر لینے سے اس عورت کو بیوی تصور کر لینا درست نہیں ہے۔ پھر بعض اصحاب کہتے ہیں کہ رجوع کو صحیح نہیں کہنا چاہئے۔ جو اصحاب اس کے قائل ہیں کہ اس رجوع کو صحیح مانا جائے وہ دو دلیلیں پیش کرتے ہیں: ایک دلیل یہ ہے کہ اگر ایک شخص لونڈی کا مالک ہے اور اس نے لونڈی کو فروخت کر دیا۔ خریدار کہتا ہے کہ اس کو حمل ہے۔ چونکہ لونڈی کا حاملہ ہونا عیب ہے۔ اس لئے خریدار کو اختیار ہے کہ اسے واپس کر دے اور حمل کا ثبوت اس امر پر

Marfat.com

موقوف ہے کہ حمل کی پہچان رکھنے والی عورتیں حمل کے ظاہر ہونے کی شہادت دیں۔ اگر واقف کار عورت یہ کہہ دے کہ وہ حاملہ ہے تو حمل ثابت ہوگا اور اس لونڈی کا واپس کرنا درست ہوگا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ فقہاء نے ثبوت نسب کے بارے میں یہ تصریح کر دی ہے کہ حمل ظاہر ہو تو نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ پس درآنحالیکہ نسب کا ثبوت محض حمل کے ظاہر ہو جانے پر ولادت سے پہلے ہی ثابت ہو جاتا ہے اور ولادت سے پہلے ہی حمل کے ظاہر ہونے پر نسب کا ثبوت درست ہے تو ولادت سے پہلے رجوع کرنا بھی درست ہے پھر جب ولادت ہو جائے تو رجوع کا صحیح ہونا یقینی ہو جائے گا۔

پہلی دلیل کی تردید اس طرح کی گئی ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ایک عورت کے یہ کہہ دینے سے کہ وہ لونڈی حاملہ ہے اسے (خریدار) واپس کر سکتا ہے' یہ قوم امام محمدؒ کے نزدیک ضعیف ہے۔ امام یوسفؒ سے اس بارے میں دو اقوال مروی ہیں اور قوی تر قول یہ ہے کہ جب ایک عورت یہ بتائے کہ وہ لونڈی حاملہ ہے تو خریدار کو یہ حق ہے کہ فروخت کنندہ کے خلاف نالش کرے اور فروخت کنندہ حلف اٹھائے کہ فروخت کے وقت وہ حاملہ نہیں تھی۔ اگر وہ اس بات پر حلف اٹھائے تو لونڈی کو واپس نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر خاوند حلف اٹھانے سے انکار کرے تو اس کے انکار کی بناء پر اسے واپس کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر حمل ظاہر نہیں ہوا اور نہ کسی عورت نے بتایا کہ وہ لونڈی حاملہ ہے تو خریدار کو فروخت کنندہ پر دعویٰ کا حق نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ایسی عورت کو فروخت کنندہ پر دعویٰ کا حق نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ایسی عورت کی گواہی جو واقف کار ہو خریدار کو صرف دعوے کرنے کا حق دیتی ہے۔ لیکن اس سے خریدار کو واپس کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ پس حمل کے ظاہر ہونے سے حق واپسی کا حکم عائد نہ ہوگا جس کی بنا پر رجوع کے صحیح ہونے کا قیاس کیا جا سکے۔ رہی دوسری دلیل' سو اس دلیل کی تردید بھی اس طرح کی گئی ہے کہ فقہاء یہ نہیں کہتے کہ محض حمل کے ظاہر ہونے سے نسب ثابت ہو جاتا ہے' ان کا کہنا ہے کہ نسب ہم بستر ہونے سے ثابت ہوتا ہے درآنحالیکہ بیوی کو طلاق نہ ہوئی ہو۔ اگر بیوی طلاق یافتہ ہو تو بچہ کی پیدائش سے نسب ثابت ہوگا اور ولادت کا ثبوت قابلہ یعنی دائی کے کہنے سے ہوتا ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص نے اپنی حاملہ بیوی کو طلاق رجعی دی اور پھر رجوع کر لیا لیکن بیوی کہتی ہے کہ اس نے بچہ پیدا ہونے کے بعد رجوع کیا ہے اور خاوند بچہ کی ولادت سے انکار کرتا ہے تو ولادت ثابت نہ ہوگی جب تک کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شہادت نہ دیں البتہ اگر حمل ظاہر ہوا ہو تو اس صورت میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ثبوت ولادت کے لئے دائی کی گواہی کافی ہے کیوں کہ حمل کے نمایاں ہونے سے عورت کی گواہی کی تائید ہوتی ہے۔ محض حمل کے ظاہر ہو جانے سے ولادت اور نسب ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا ثبوت دائی کی گواہی سے ہوتا ہے جس کی تائید حمل کے ظاہر ہونے سے ہوتی ہو اور دائی کی شہادت ولادت کے بارے میں ہوتی ہے۔ پس نسب ثابت ہونے کے لئے بہر حال ولادت کا ہونا ضروری ہے کیوں کہ یقین کی یہی صورت ہے۔ اور کتاب مبسوط (زمخشری) سے ثابت ہے' جس میں بتایا گیا ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تجھے حمل ہو جائے تو تجھے طلاق ہے تو اسے طلاق نہ ہوگی جب تک کہ اس کے ہاں دو سال سے زیادہ عرصہ میں بچہ پیدا نہ ہو۔ پس اگر ایک بار مباشرت ہو جائے تو یہ احتمال ہے کہ یہ حمل اسی وجہ سے ہوا۔ لہٰذا خاوند کے لئے بہتر یہی ہے کہ احتیاطاً بیوی سے مقاربت نہ کرے۔ تاہم اگر بعد میں مباشرت کر لی تو جائز ہے۔ اگر حمل ظاہر ہو جائے تو محض بظاہر حمل ہونے سے طلاق نہ پڑے گی' کیوں کہ

Marfat.com

یہ احتمال ہے کہ وہ حمل نہ ہو۔ طلاق اس وقت ہوگی جب کہ بچہ پیدا ہو کر حمل کا یقین ہو جائے۔ اور بچہ پیدا ہونے کے بعد ظاہر ہے کہ طلاق اس وقت سے عائد ہوگی جب کہ اسے حمل ہوا تھا۔ اور اب کہ وضع حمل ہو چکا ہے عدت بھی پوری ہو گئی۔ بشرطیکہ طلاق کے وقت سے حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت یعنی دو سال ہو چکے ہوں جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ دو سال سے پہلے اگر چہ بچہ پیدا ہو جائے تو یہ احتمال ہے کہ اس عورت کو جو حمل ہوا وہ طلاق مشروط سے پہلے کا ہو لہٰذا یہ شرط اس پر عائد نہ ہوگی کیوں کہ جس امر پر طلاق کو مشروط کیا گیا ہے یعنی حمل کا ہو جانا وہ امر طلاق سے پہلے موجود تھا۔ ان تمام باتوں سے بصراحت واضح ہے کہ حمل کے ظاہر ہونے سے نہ تو نسب ثابت ہوتا ہے اور نہ عیب حمل کی بناء پر لونڈی کو واپس کیا جا سکتا ہے اور نہ اس سے طلاق (مشروط) عائد ہوتی ہے۔ پس رجعت کے بارے میں بھی اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ پس اگر بچہ کی ولادت سے پہلے رجوع کیا تو وہ رجعت حالت التواء میں رہے گی اور اسے صحیح قرار نہ دیا جائے گا تا آنکہ مقررہ مدت کے اندر بچہ پیدا ہو جائے بصورت دیگر اس (رجعت) کا فاسد ہونا ظاہر ہے۔

خلاصہ اختلاف یہ ہے کہ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وہ شخص جو بیوی کے ساتھ مباشرت کرنے سے انکاری ہے اسے وضع حمل سے پہلے رجوع کرنے کا حق نہ ہوگا کیوں کہ مباشرت سے انکار کا مقتضا یہ ہے کہ مباشرت سے پہلے اسے طلاق ہوئی ہو اور رجعت کا تقاضا یہ ہے کہ مباشرت ہو چکی ہو (کیوں کہ بلا مباشرت طلاق ہو جائے تو رجوع نہیں ہو سکتا) ایسی صورت میں خاوند کا عمل خود اپنے دعوے کے خلاف ہوگا۔ لیکن اس کا جھوٹ ثابت کرنے کے لئے شرعی یقینی ثبوت درکار ہے۔ اور یہ ثبوت یوں ہوگا کہ بچے کی ولادت اس عرصہ میں ہو جائے جس میں اولاد کا نسب باپ سے ثابت ہو سکتا ہے اور چونکہ ولادت کے بعد رجعت ممکن نہیں ہے (کیوں کہ عدت گزر جائے تو رجوع نہیں ہو سکتا) لہٰذا خاوند ولادت سے پہلے رجوع کر سکتا ہے اور (ولادت کے وقت تک) وہ رجعت معرض التوا میں رہے گی۔ تاہم اس رجوع کے بعد ولادت سے پہلے بیوی سے متمتع ہونا حلال نہ ہوگا کیوں کہ بصورت مذکورہ ولادت سے پہلے رجوع کو درست نہیں مانا جائے گا۔ حمل کا ظاہر ہونا کافی نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ (مباشرت کا) ظنی نشان ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ حمل ظاہر ہونے پر بھی رجوع کرنا درست ہے لیکن اس رجوع کو اس صورت میں صحیح تصور کیا جائے گا جب کہ وقت مقررہ کے اندر وضع حمل ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ (رجوع کے بعد) وہ عورت اس کی بیوی متصور نہ ہوگی جب تک کہ مدت مذکورہ میں بچہ نہ پیدا ہو جائے ایسی صورت میں اس اختلاف رائے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیوں دونوں آراء اس امر پر متفق ہیں کہ رجوع کا صحیح ہونا بچہ کی ولادت پر منحصر ہے۔ فریق اول کا کہنا ہے کہ ولادت سے پہلے رجوع درست ہے۔ فریق ثانی بھی اس کو درست مانتا ہے لیکن اس رجوع کی صحت بچے کی ولادت پر ملتوی رہے گی۔ اور ولادت پر رجوع کا منحصر ہونا ولادت سے پہلے رجوع کو درست تسلیم کرنے کے منافی نہیں ہے۔ اب اگر کہا جائے کہ ایسی صورت میں اس گفتگو سے کیا حاصل ہے؟ اور کیا ان تمام صورتوں میں دونوں میاں بیوی کے لئے اس امر کی گنجائش ہے کہ وہ نیا عقد کر سکیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس اختلاف کا نتیجہ نزاع باہمی کی صورت میں ہوگا کہ اگر ایک شخص نے وضع حمل سے پہلے رجوع کر لیا اور رجوع کرنے پر گواہی کر لی پھر اس عورت کے ہاں طلاق سے چھ ماہ کے اندر اور وہاں تاریخ شادی سے چھ ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ میں بچہ پیدا ہوا تو وہ شخص اس بچہ کا باپ قرار پائے گا اور اس شخص کا دعویٰ کہ اس نے مباشرت نہیں کی دروغ بیانی متصور ہوگا۔ اور رجوع کرنا

Marfat.com

درست ہوگا اور وہ عورت اس کی بیوی متصور ہوگی۔ اگرچہ عورت نہ چاہتی ہو۔ غرض اس عورت کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ کسی اور سے شادی کرلے تاہم بیوی کے حقوق زوجیت خاوند پر برقرار رہیں گے۔ غرض رجوع کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں دونوں فریقوں کے درمیان نتیجۃً اتفاق ہے۔ لیکن دونوں مختلف آراء کا ذکر اس لئے کردیا گیا ہے کہ اس مسئلہ کی تحقیق مکمل طور پر ہوجائے۔ ظاہر ہے کہ دونوں فریقوں کے دلائل (علمی حیثیت سے) مفید ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی اور اس کا کہنا ہے کہ اس نے قطعاً مباشرت نہیں کی۔ اب اس عورت کے ہاں تاریخ شادی کے چھ ماہ بعد یا اس سے زائد عرصہ میں بچہ پیدا ہوگیا اور ہنوز وہ اس کی بیوی ہے۔ پھر ولادت کے بعد اس شخص نے طلاق دے دی تو آیا خاوند کا انقضائے عدت سے پہلے رجوع کرنا درست ہے یا بایں جہت کہ خاوند اس کے ساتھ مباشرت سے انکاری ہے اور مباشرت سے پہلے طلاق ہوجائے تو رجعت نہیں ہوسکتی۔ اس کا رجوع کرنا درست نہ ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رجوع ہوسکتا ہے' کیوں کہ اس عورت کے ہاں جو بچہ پیدا ہوا وہ اس کی بیوی سے اور اس کے گھر میں ہوا اور شرعی مدت کے اندر یعنی شادی کی تاریخ سے چھ ماہ بعد ہوا۔ اور مباشرت نہ کرنے کا دعویٰ شرعاً جھوٹا تھا لہٰذا وہ عورت اس کی بیوی رہے گی۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ تخلیہ کیا لیکن مباشرت سے انکار کرتا ہے اور پھر اس نے ایک طلاق رجعی دے دی تو آیا اب رجوع کرنا درست ہوگا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اب خاوند کو رجوع کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ یہ طلاق مباشرت سے پہلے ہوئی (اور مباشرت سے پہلے طلاق بائنہ ہوجاتی ہے) لیکن جیسا بتایا جاچکا ہے۔ تخلیہ (کے بعد طلاق) ہو تو عدت واجب ہوجاتی ہے لیکن اس میں رجوع درست نہیں ہے۔ اگر ایسی صورت ہو اور خاوند رجوع کرلے اور عورت یہ نہیں کہتی کہ عدت کے دن ختم ہوگئے ہیں پھر معلوم ہوا کہ وہ عورت حاملہ ہے اور دو سال سے زیادہ عرصہ میں جو حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے بچہ پیدا ہوگیا تو اس بچہ کا نسب طلاق دینے والے سے ثابت ہوگا۔ اور جب بچہ پیدا ہوجائے تو اس نے جو رجوع کیا تھا وہ درست قرار پائے گا۔ لیکن اگر دو سال سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو اس کا رجوع تسلیم نہیں کیا جائے گا کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ وہ حمل طلاق سے پہلے کا ہو لیکن اس شخص کا نسب بچے کے ساتھ ثابت ہوجائے گا بشرطیکہ وہ بچہ تاریخ شادی سے چھ ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ میں ہوا ہو۔ یہ صورت پہلے مسئلہ کے خلاف ہے۔ اس صورت میں خاوند مباشرت سے انکار کرتا ہے اور تخلیہ کا اقرار نہیں کرتا اور اس نے طلاق دے دی تو اس عورت کی طلاق مباشرت اور خلوت سے پہلے ہوئی تو اس صورت میں اس پر عدت عائد نہ ہوگی اور ان میں باہم رشتہ ازدواج باقی رہے گا۔ بجز اس صورت کے جب کہ تاریخ طلاق سے چھ ماہ کے اندر اور تاریخ شادی سے چھ مہینے یا اس سے زیادہ عرصہ میں بچہ پیدا ہوا ہو لیکن مسئلہ کی اس صورت میں چونکہ یہ مان لیا گیا ہے کہ خاوند نے تخلیہ کا اقرار کیا' لہٰذا عورت کا عدت گزارنا واجب ہے اور وہ رجعی طلاق پانے والی عورت قرار پائے گی جب تک کہ عدت کے مکمل ہوجانے کا اعتراف نہ کرے پھر جب بچہ پیدا ہوجائے تو اس بچے کا نسب طلاق دینے والے شخص کے ساتھ ثابت ہوگا۔ پھر اگر اس شخص نے بچہ کی ولادت سے پہلے رجوع کرلیا اور وہ بچہ دو سال سے زیادہ گزرنے کے بعد ہوا تب تو وہ رجعت عائد ہوگی ورنہ نہ ہوگی جیسا کہ بتایا گیا ہے اور مہینوں کے اعتبار سے عدت کا مکمل ہونا ان عورتوں کے لئے ہے جنہیں عمر رسیدہ ہوجانے یا نابالغ ہونے کے باعث ایام

Marfat.com

ماہواری نہ آتے ہوں یا ایسی عورت ہو جس کا خاوند وفات پا چکا ہو۔اس کی تفصیل عدت کے بیان میں آئے گی۔

واضح ہو کہ اگر زوجین کے درمیان نزاع ہو خاوند کہے کہ میں نے عدت کے ایام ختم ہونے سے پہلے رجوع کیا اور بیوی اس سے انکار کرے تو اس کی چند صورتیں ہوں گی:

پہلی صورت یہ ہے کہ خاوند کا دعویٰ ہے کہ اس نے عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کیا لیکن اس کی اطلاع بیوی کو عدت گزرنے کے بعد دی وہ بیوی سے کہتا ہے کہ میں نے عدت پوری ہونے سے پہلے ہی تجھ سے رجوع کیا لیکن اس کی اطلاع بیوی کو عدت گزرنے کے بعد دی لیکن (رجوع کا کوئی) گواہ نہیں ہے۔ایسی صورت میں جب تک بیوی اس کے دعویٰ کی تصدیق نہ کرے اس کا رجوع نہیں مانا جائے گا۔اگر بیوی اس کی تصدیق کر دے تو قانوناً اس کی بات تسلیم کر لی جائے گی لیکن اگر بیوی اس کی بات کو جھٹلا دے تو اسے رجوع کا حق نہ رہے گا۔کیوں کہ شادی کا ثبوت جب کہ باہمی تصدیق سے ہو جاتا ہے تو رجوع کرنے کا ثبوت بدرجہ اولیٰ باہمی تصدیق سے ہوگا۔کیوں کہ (ہنوز) رشتہ زوجیت ختم نہیں ہوا۔لیکن اگر وہ شخص جھوٹا ہے تو شرعاً اس کا رجوع کرنا درست نہ ہوگا۔اگرچہ بیوی اس کی تصدیق کرے۔ایک مسلمان کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ جھوٹ موٹ بیوی سے کہہ دے کہ میں نے تجھ سے رجوع کر لیا ہے اور اس (جھوٹی) رجعت کو انقضائے عدت کے بعد اس کے حلال ہو جانے کے لئے کافی تصور کرے۔اگر اس نے جھوٹ بولا ہے تو اس بیوی سے مباشرت کرنا اس پر حرام ہے۔یہاں پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر دونوں میاں بیوی دوبارہ رشتہ ازدواج میں آنا چاہتے ہیں تو رجوع کرنے اور پھر بیوی کی تصدیق سے کیا مقصد ہے۔کیا یہ امر واضح طور پر قرین عقل نہیں ہے کہ ایسی صورت میں از سر نو عقد کر لینا زیادہ بہتر اور زیادہ پسندیدہ ہے اور اس میں شک وشبہ کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔علاوہ اس کے تعداد طلاق کے لحاظ سے رجوع کرنے اور تجدید نکاح میں کوئی فرق نہیں ہے۔قطع نظر اس کے اگر باہمی اتفاق ہو تو یہ کوئی قابل قدر بات نہیں ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ تجدید عقد کبھی ناممکن ہوتا ہے مثلاً یہ کہ دونوں میاں بیوی کسی بیابان میں سفر کر رہے ہوں اور وہاں کوئی گواہ نہ ہو اور نہ دو گواہوں کا بآسانی حاضر کرنا ممکن ہے اور خاوند کو حق ہے عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لے۔ایسی صورت میں رجوع کے بارے میں باہم تصدیق کر لینا عقد نکاح سے زیادہ آسان ہے اور ممکن ہے کہ وہ طلاق آخری ہو اور میعاد عدت گزر جانے کے بعد بیوی ہمیشہ کے لئے اس شخص پر حرام ہو جائے وغیرہ قضائے ارباب فکر مسئلہ کی ہر ایسی صورت کو جس کے واقع ہونے کا امکان ہو بطور مفروضہ کے اس کے احکام بیان کر دیتے ہیں۔پس اگر ایک شخص نے رجوع کرنے کا دعویٰ کیا اور بیوی نے اس کی تصدیق نہیں کی اور نہ اس کا کوئی گواہ ہے تو خاوند کو رجوع کا حق نہ ہوگا اور بیوی کا قول مانا جائے گا اب سوال یہ ہے کہ آیا خاوند کو اس بات کے لئے بیوی سے حلف لینے کا حق ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ قول مفتیٰ بہ کے مطابق خاوند بیوی سے حلف لے سکتا ہے۔بعض اصحاب کہتے ہیں کہ خاوند کو (اس باب میں) بیوی سے حلف لینے کا حق نہیں ہے۔کیوں کہ رجوع کے معاملہ میں بھی دوسری بعض باتوں کی طرح حلف نہیں لیا جا سکتا۔مثلاً ایلاء (یعنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لینے) نسب' نکاح' حدود (یعنی شرعی سزاؤں کے عائد کرنے) اور لعان (یعنی لعنت پر مشتمل بریت کی قسم کھانے کے معاملہ) میں' لیکن اس بارے میں فتویٰ یہ ہے کہ حدود اور لعان کے علاوہ رجوع کے معاملہ میں حلف لیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

دوسری صورت یہ ہے کہ خاوند عدت گزرنے کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ اس نے عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لیا تھا اور اس بات کی شہادت پیش کر دے کہ اس نے گواہ کے سامنے یہ کہا تھا کہ فلاں عورت سے میں نے رجوع کر لیا تو ایسی حالت میں وہ رجوع درست ہوگا۔ اسی طرح اگر خاوند' گواہوں کے سامنے یہ اقرار کرے کہ اس نے ایام عدت گزرنے سے پہلے اپنی بیوی سے مباشرت کر لی ہے یا اسے جنسی خواہش کے ساتھ ہاتھ لگایا ہے یا جنسی خواہش کے ساتھ بیوی کے اعضائے نسوانی کو دیکھا ہے اور گواہوں نے بھی یہ شہادت دی کہ اس شخص نے عدت گزرنے سے پہلے ان کے روبرو اس کا اقرار کر لیا تھا تو اس کے رجوع کرنے کو تسلیم کر لیا جائے گا۔ لیکن عدت گزرنے کے بعد اس اقرار کی کوئی حقیقت نہیں کیوں کہ اس طرح کہنا (رجوع کا اقرار نہیں بلکہ) محض دعویٰ رجوع ہے بخلاف اس صورت کے جب کہ وہ عدت گزرنے سے پہلے رجوع کا اقرار کرے تب وہ رجوع کا اقرار ہوگا اور جب یہ اقرار ثابت ہو جائے تو رجوع عائد ہو جائے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ شخص عدت کے دوران رجوع کا دعویٰ کرے بایں طور کہ وہ (بیوی سے) کہے کہ میں نے تجھ سے کل ہی رجوع کر لیا تھا۔ ایسی صورت میں اس کا رجوع تسلیم کر لیا جائے گا اور رجعت کا حکم عائد ہو جائے گا۔ اگرچہ از سر نو رجعت نہ کی جائے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ خاوند بیوی سے پھر کہے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا۔ کیوں کہ خاوند زمانہ حال میں جو بات کہہ سکتا ہے زمانہ ماضی میں اس کے کہنے کی بابت اطلاع دے سکتا ہے اور یہ اطلاع دینا اس کا درست مانا جائے گا بشرطیکہ خاوند نے جو یہ کہا کہ میں نے تجھ سے کل ہی رجوع کر لیا تھا اس کا مقصد یہ بتانا ہو کہ میں نے تجھ سے رجوع کر لیا ہے اگر محض یہ اطلاع دینا مقصود ہو کہ میں نے کل رجوع کیا تھا تو یہ رجوع بیوی کے تصدیق کرنے پر موقوف رہے گا اگر بیوی تصدیق کر دے (کہ واقعی رجوع کر لیا تھا) تو رجوع ہو گیا۔ اس پر شاید کوئی شخص یہ کہے کہ اس سے فائدہ بھی کیا ہوگا گزشتہ دن کے رجوع کو بیان کرنے کے ساتھ قصد رجوع کی شرط لگانے کے کیا معنے؟ جب کہ خاوند بغیر کسی جوڑ توڑ کے یہ کہہ سکتا تھا کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا تو یہ حکم کس لئے ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ کبھی تو اس طرح پیش آتا ہے اور کبھی اس کے خلاف نتیجہ برآمد ہوتا ہے کیوں کہ یہ بہت ممکن ہے کہ ایک شخص اپنی طلاق یافتہ بیوی سے کہے کہ میں نے تجھ سے کل رجوع کر لیا تھا جب کہ اس کے آخری ایام ماہواری کا آخری لمحہ تھا اور اس کے بعد ہی ادرار بند ہو گیا اور عدت کے دن ختم ہو گئے اب عورت کہتی ہے کہ یہ رجوع نہیں ہے لہٰذا مجھ سے تمہارا رجوع نہیں ہوا تو کیا صورت حال ہوگی؟ ایسی صورت حال میں شریعت کہتی ہے کہ یہ رجوع ہے درآنحالیکہ خاوند کا دعویٰ یہ ہے کہ اس وقت خاوند کے پیش نظر رجوع کرنا ہی تھا تو اس رجوع کو تسلیم کیا جائے گا اور خاوند رجوع کرنے والا متصور ہوگا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ خاوند بیوی سے کہے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا اور اسے یہ علم نہ ہو کہ اس کی عدت گزر چکی ہے۔ اس کی دو حالتیں ہوں گی: ایک حالت یہ کہ بیوی خاوند کے اس طرح کہنے کے ساتھ ہی فوراً جواب میں کہے کہ میری عدت کے دن تو ختم ہو گئے ہیں اور اس کا یہ کہنا معاً خاوند کے جواب میں ہو۔ ایسی حالت میں رجعت باطل ہو جائے گی بشرطیکہ بیوی نے جب یہ بات کہی اس وقت عدت کا پورا ہو جانا صحیح ہو بایں طور کہ اس وقت اس عورت کو طلاق ملے دو مہینے ہو چکے ہوں اور اسے ایام آتے ہوں اور وہ حمل سے نہ ہو یا پورے طور پر وضع حمل ہو چکا ہو اور اس کا ثبوت موجود ہو۔

Marfat.com

بصورت دیگر اس عورت کی بات کو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور رجوع درست ہوگا۔ (اس مسئلہ میں) صاحبین کا کہنا یہ ہے کہ رجعت درست ہے اگر چہ بیوی نے اس طرح کہا ہو (کہ میری عدت پوری ہو چکی ہے) کیوں کہ بیوی کے کہنے سے پہلے بظاہر عدت کے دن باقی تھے۔ لہٰذا خاوند کا یہ کہنا کہ ''میں نے رجوع کیا قیام عدت کے دوران متصور ہوگا لیکن امام صاحب کا کہنا یہ ہے کہ بیوی کی بات اپنی ذات کے متعلق قابل قبول ہے۔ پس اگر اس نے خاوند سے کہا کہ میری عدت تو پوری ہو چکی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خاوند کے یہ کہنے سے پہلے کہ ''میں نے تجھ سے رجوع کر لیا'' عدت پوری ہو چکی ہے اب اگر وہ وقت بھی عدت کے پورا ہو جانے کی تائید کرتا ہے تو بیوی کی بات تسلیم کر لی جائے گی اور بیوی نے (پہلے ہی) یہ کہہ دیا ہو کہ ''عدت کے دن پورے ہو چکے ہیں'' اور اس کے کہنے کے بعد خاوند یہ کہتا ہے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا تو یہ بالاتفاق رجوع نہ ہوگا اور خاوند کو یہ حق ہے کہ اس کے لئے بیوی سے حلف لے کہ فی الواقع عدت پوری ہو چکی ہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ خاوند بیوی سے کہے کہ میں نے تجھ سے رجوع کر لیا اور بیوی پہلے تو خاموش رہی پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا کہ میری تو عدت گزر چکی ہے ایسی حالت میں خاوند کا رجوع کرنا صحیح ہوگا کیوں کہ بیوی نے پہلے خاموشی اختیار کی۔

(میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہونے کی) پانچویں صورت یہ ہے کہ بیوی نے (پہلے تو) یہ دعویٰ کیا کہ اس کی عدت پوری ہو چکی ہے پھر خود اپنے قول کو جھٹلایا اور کہا کہ میری عدت ہنوز پوری نہیں ہوئی۔ ایسی صورت میں خاوند کا رجوع کر لینا درست ہے کیوں کہ بیوی نے خاوند کے حق رجوع کے لئے اپنی بات کو جھٹلایا لہٰذا خاوند کا حق برقرار رہا۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ وہ اپنے حق کے لئے اپنی بات کو جھٹلاتی۔ اس صورت میں اس کا اپنے قول سے پھرنا قابل اعتبار نہیں ہے۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ خاوند بیوی سے تخلیہ کرے اور پھر یہ دعویٰ کرے کہ اس نے مباشرت کر لی ہے اور بیوی اس کے قول کی تکذیب کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اس نے مباشرت نہیں کی اور طلاق دے دی ہے۔ لہٰذا وہ بائنہ ہو گئی ہے اور اسے رجوع کا حق نہیں ہے۔ اس صورت میں حکم یہ ہے کہ رجوع کرنا درست ہے اور خاوند کی بات بغیر حلف اٹھائے سچ مان لی جائے گی کیوں کہ تخلیہ کرنا تو ظاہر ہے اس تخلیہ سے خاوند کی سچائی اور بیوی کے جھوٹ کی تائید ہوتی ہے۔

ساتویں صورت یہ ہے کہ تخلیہ ثابت نہ کرے بلکہ اس کا دعویٰ ہو کہ اس نے مباشرت کی ہے اور بیوی اس کی تکذیب کرے تو اسے رجوع کرنے کا حق نہ رہے گا کیوں کہ ظاہر ہے کہ (تخلیہ کے انکار اور مباشرت کے اقرار سے) خاوند کے جھوٹ کی تائید ہوتی ہے جو پہلی صورت کے برعکس ہے۔

اب اس بحث کے خاتمہ میں چند امور قابل ذکر ہیں: ایک یہ کہ اگر کسی عورت کا مہر مؤجل طلاق پر واجب الاداء ہے اور خاوند نے اسے طلاق رجعی دے دی تو آیا بائنہ ہونے (یعنی زوجیت سے خارج ہونے) سے پہلے مہر مؤجل کا مطالبہ کر سکتی ہے؟ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ جب تک عدت گزرنے کے بعد بیوی بائنہ نہ ہو جائے اسے مہر کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی (مطلقہ رجعیہ) بیوی سے کہے کہ مثلاً بیس اشرفیوں پر میں تجھ سے رجوع کرتا ہوں' اس پر وہ اس کا مطالبہ کرتی ہے تو آیا خاوند پر اس رقم کا ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے بعض

Marfat.com

اصحاب کہتے ہیں کہ اس صورت میں رقم واجب الاداء ہوگی اور اسے مہر میں شامل کرلیا جائے گا بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ادا کرنا لازم نہیں ہے کیوں کہ طلاق رجعی سے ملکیت ختم نہیں ہوتی لہٰذا ملکیت کے لئے ادائیگی رقم واجب نہ ہوگی۔ قوی تر قول یہی ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر طلاق رجعی دینے والا خاوند (بیوی سے) کہے کہ میں نے اپنا حق رجوع باطل کردیا یا مجھے رجوع کا حق نہیں رہا۔ میں اپنا حق رجوع چھوڑتا ہوں۔ اس کے باوجود اس نے رجوع کرلیا تو اب کیا بیوی یہ کہہ سکتی ہے کہ تم نے اپنا حق رجوع ختم کردیا ہے اب رجوع نہیں کرسکتے؟ اس کا جواب نفی میں ہے کیونکہ خاوند کو رجوع کرنے کا جو حق شرعاً حاصل ہے نہ اس سے وہ ہٹ سکتا ہے نہ اسے ختم کرسکتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مفصلہ ذیل امور سے رجعت کا حق ختم ہوجاتا ہے: مثلاً ایام ماہواری کا آنا۔ لیکن بیوی کی عدت تین ایام ماہواری کے گزرنے پر نہیں بلکہ تین طہر (تین بار پاک ہونے) پر ختم ہوتی ہے اور کم سے کم یہ مدت جس سے عدت ختم ہوتی ہے ایک مہینہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو آغاز ماہ میں جب کہ وہ پاک تھی طلاق دی ایک ہفتہ کے بعد ہی وہ ناپاک ہوگئی تو وہ ایک طہر شمار میں آجائے گا۔ اگر یہ کیفیت رات کو ہوئی اور فجر تک جاری رہی تو اس کے بعد ادرار بند ہوگیا تو اسے ایک بار ایام کا آنا سمجھا جائے گا کیوں کہ عدت کے بارے میں کم سے کم مدت ایام کی ایک دن یا دن کے کچھ حصہ میں ادرار کا ہونا عورتیں یہ بتائیں کہ وہ 'ایام' کی حالت تھی۔ پھر اگر وہ عورت پندرہ تاریخ ختم ہونے تک پاک رہی تو یہ طہر شمار ہوگا' کیوں کہ طہر کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے اور اس مدت کے شمار میں صرف دن کا وقت آئے گا۔ رات شمار میں نہیں آئے گی چنانچہ اگر رات کو ادرار ہوا اور طلوع فجر سے پہلے تک رہا تو اسے ایک حیض شمار کیا جائے گا اس کے دوران اگر ادرار بند ہوگیا اور اگلے پندرہ دن حالت طہر میں گزرے تو وہ تیسرا طہر شمار ہوگا اور اس طرح تین طہر ہوجائیں گے: ایک تو وہ طہر جس میں طلاق ہوئی اس سے وہ لحظہ بھر وقت مراد ہے جس کے بعد اسے ادرار لاحق ہوا۔ پھر دوسرا طہر اور تیسرا طہر یہ سب ملا کر تیس دن اور مزید ایک لحظہ ہوئے۔ پس اگر بالفرض یہ کیفیت ماہ رمضان میں ہوئی اور اس میں حیض اور طہر دونوں اسی طرح ہوئے تو مہینے کے خاتمہ تک عدت پوری ہوجائے گی اور ایک دن بھی اسے روزہ توڑنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔

اگر بیوی خاوند سے کہے کہ طلاق کے بعد تین بار وہ پاک ہوچکی ہے اور عدت پوری ہوگئی ہے تو اس بات میں تین احتمال ہیں۔ ایک تو یہ کہ عورت نے عدت کے پورا ہوجانے کا دعویٰ ایسے وقت میں کیا جس میں عدت کا پورا ہونا قطعاً ممکن نہیں ہے یعنی (طلاق کو) ایک ماہ سے کم مدت گزری ہے تو ایسی صورت میں اس کی بات کو نہیں مانا جائے گا اور اس کے بارے میں عورتوں سے دریافت کرنا بھی فضول ہے۔ دوسرے یہ کہ عورت کا یہ دعویٰ ایسے وقت میں ہو جب کہ اس وقت کے اندر عدت کا پورا ہوجانا ممکن ہو مثلاً ایک ماہ کی مدت۔ ایک ماہ میں عدت کا مکمل ہوجانا ممکن تو ہے لیکن بہت کم ایسا ہوتا لہٰذا اس صورت میں واقف کار عورتوں سے اس کے دعویٰ کی تصدیق کرالی جائے گی۔ اگر عورتیں یہ کہہ دیں کہ اس عرصہ میں عورتیں تین بار ادرار سے دوچار ہوکر پاک ہوسکتی ہیں جیسا کہ پہلے بتایا گیا تو اس صورت میں اس عورت کا دعویٰ اس کی قسم کے بغیر ہی مان لیا جائے گا۔ تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بیوی کا قول اس حالت میں مانا جائے گا جب کہ وہ قسم کھا کر کہہ دے کہ اس کی عدت پوری ہوگئی ہے۔ اگر قسم کھانے سے انکار کرے تو رجوع کرنا درست مانا جائے گا۔ تیسرے یہ کہ بیوی

Marfat.com

انقضائے عدت کا دعویٰ اتنے عرصہ میں کرے جس میں اکثر عدت پوری ہو جایا کرتی ہے۔ اس حالت میں عورت کی بات بغیر قسم کھائے اور عورتوں کی تصدیق تسلیم کر لی جائے گی۔

اگر ایک شخص نے رجوع کرنے کا ارادہ کیا اور بیوی کہتی ہے کہ اس کی عدت پوری ہو چکی ہے اور طلاق کو اتنا عرصہ گزر چکا ہے جس میں عدت کا پورا ہو جانا ممکن تھا۔ لیکن بیوی بعد میں اپنے قول سے پھر گئی اور کہنے لگی کہ اسے ایام ماہواری نہیں آئے اور یا (اگر حاملہ تھی) ولادت نہیں ہوئی تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ یہاں تک کہ اگر عورتیں بھی یہ بتائیں کہ ایام ماہواری یا ولادت کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی (تب بھی بیوی کا قول ناقابل تسلیم ہے) کیوں کہ بیوی کے یہ کہنے کے ساتھ ہی کہ تین بار اسے ایام آ چکے ہیں یا وضع حمل ہو چکا ہے اس پر طلاق بائنہ پڑ چکی ہے (اور اب رجوع نہیں ہو سکتا)۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ بیوی صریحاً یہ کہے کہ اسے تین بار ایام آ چکے ہیں۔ لیکن اگر اس نے اس طرح کہا تھا کہ تین بار اس نے ادرار کی علامت دیکھی ہے اور پھر اس قول سے پھر کر یوں کہے کہ میں نے ادرار تو دیکھا لیکن وہ کیفیت ایک دن یا دن کے کچھ حصہ میں جاری نہیں رہی تو اسے ایسا حیض تصور نہ کیا جائے گا جس سے عدت پوری ہو جائے تاہم اس مسئلہ میں اختلاف ہے' بعض اصحاب کہتے ہیں کہ (اس صورت میں بھی) پہلی صورت کی طرح عورت کی بات نہیں سنی جائے گی اور بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس کی بات سنی جائے گی بشرطیکہ وہ کہے کہ اس نے ادرار دیکھا لیکن بند ہو گیا لیکن ایام طہر ختم ہونے سے پہلے پھر آ گیا تو اسے حیض شمار کیا جائے گا اور عدت ختم ہو جائے گی۔ اسی قول کو ترجیح حاصل ہے۔

اگر ایک عورت کو اس کے خاوند نے طلاق رجعی دی پھر وہ خاوند ایک سال یا اس سے زیادہ عرصہ میں وفات پا گیا اور بیوی کہتی ہے کہ اس دوران اسے مطلق ایام ماہواری نہیں آئے یا وہ کہتی ہے کہ اسے صرف ایک بار یا دو بار ادرار ہوا (لیکن تین بار نہیں ہوا) اور عدت پوری نہیں ہوئی' لہٰذا وہ خاوند کے ورثہ کی حق دار ہے۔ ایسی صورت میں اس کی کیفیت دو حال سے خالی نہ ہو گی ایک تو یہ کہ اسے احتباس دم (یا ادرار کے رک جانے) کی عادت ہو اور ایسا ہوتا ہے کہ کم و بیش اتنے عرصے تک اس کا ادرار بند ہو جاتا ہو اور اس کے بعد پھر جاری ہو جاتا ہے اور یہ صورت حال اس میں بھی جب کہ اس کی زوجیت بحال تھی پیش آتی رہی ہے اور لوگ بھی اس کے متعلق یہی بتاتے ہوں اور یہ بات عام طور پر معلوم ہو۔ ایسی حالت میں بیوی کا دعویٰ سنا جائے گا اور قسم کھا کر کہے تو اسے مان لیا جائے گا اور وہ خاوند کے ورثہ میں حق دار ہو جائے گی۔ دوسری حالت یہ ہے کہ یہ کیفیت خاوند کی زندگی میں کبھی نہ ہوئی ہو۔ ایسی صورت میں بیوی کی بات نہیں مانی جائے گی اور وہ وارث قرار نہ پائے گی۔ کیوں کہ اس کا یہ دعویٰ ایک امر نادر الوقوع امر کی بابت ہے۔ اگر خاوند نے طلاق کے چھ مہینے یا اس کے بعد ایک سال سے کم عرصہ میں وفات پائی اور بیوی حلف سے کہتی ہے کہ اس کی عدت ختم نہیں ہوئی تو وہ وارث قرار پائے گی۔ بشرطیکہ خاوند کی زندگی میں کبھی اس طرح ادرار ختم یا بند نہ ہوا ہو۔ اگر ایسی کیفیت خاوند کی زندگی میں بھی پیش آتی رہی ہے تو بغیر حلف اٹھائے بیوی کی بات کو مان لیا جائے گا۔ اگر طلاق کے بعد چار ماہ سے چھ ماہ کے اندر خاوند وفات پا جائے تو بیوی کا قول بغیر قسم کے قطعی طور پر تسلیم کر لیا جائے گا۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ بیوی دودھ پلا رہی ہو اس کی

Marfat.com

تصدیق کی جائے گی۔اس سے حلف نہیں لیا جائے گا اور وہ ورثہ کی حقدار ہوگی۔اگرچہ خاوند کی وفات ایک سال یا اس سے زیادہ عرصہ میں ہو۔ یہی حکم اس صورت میں جب کہ بیوی مریض ہو' کیوں کہ دودھ پلانا اور مریض ہونا دونوں باتیں بالعموم ایام ماہواری میں خلل انداز ہوتی ہیں۔

(انقضائے عدت کے بارے میں) مندرجہ بالا مسائل وہ ہیں جن کا تعلق ایام ماہواری یا فروہ سے ہے۔لیکن اگر حمل ہو تو پورے طور پر وضع حمل کے بعد عدت پوری ہوگی چنانچہ اگر پورے طور پر بچہ کی ولادت نہ ہوئی ہو تو پیدائش کے وقت بھی خاوند رجوع کرسکتا ہے۔اس سے فرق نہیں پڑتا کہ بچہ پورا ہوگیا ہو یا نامکمل (یا کچا) بچہ کا اسقاط ہوگیا ہو۔

اگر خاوند کہے کہ اس نے عدت کے دوران رجوع کرلیا۔لیکن اس کا کوئی گواہ نہ ہو اور بیوی اس کی تکذیب کر کے اور کسی سے شادی کرلے۔پھر چھ ماہ کے اندر پورا بچہ پیدا ہو جائے درآنحالیکہ دوسرے خاوند سے مباشرت ہوچکی ہو تو وہ بچہ پہلے خاوند کا قرار پائے گا۔ظاہر ہے کہ حمل پہلے ہی خاوند کا ہوسکتا ہے دوسرے کا نہیں ہے۔دوسرا نکاح فسخ ہو جائے گا اور پہلے خاوند کے اس دعویٰ کی بناء پر کہ اس نے عدت ختم ہونے سے پہلے ہی رجوع کرلیا تھا وہ عورت پھر اس کی بیوی قرار پائے گی۔اب سوال یہ ہے کہ آیا وہ عورت دوسرے خاوند پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی کہ اگر پہلا خاوند وفات پاجائے یا اس سے طلاق ہو جائے تو اب اس عورت کا اس شخص سے شادی کرنا حلال ہوگا یا نہ ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ یہ عورت دوسرے شخص پر حلال ہوگی کیوں کہ وہ شادی عدت میں نہیں ہوئی تھی۔جس کی بناء پر کہا جائے کہ جو عورت اپنی عدت کے دوران کسی سے شادی کرلے تو وہ عورت ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہوگی' کیوں کہ یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ اس عورت کے پہلے خاوند نے اس سے رجوع کرلیا تھا چنانچہ وہ بچہ اسی کی اولاد قرار پایا ہے۔لہٰذا وہ عورت خاوند والی متصور ہوگی اور دوسرے شخص سے جو نکاح ہوا وہ فاسد ہے۔علاوہ اس کے بعض اصحاب یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے طلاق رجعی پانے والی عورت سے عدت کے دوران نکاح کرلیا تو وہ عورت ہمیشہ کے لئے اس پر حرام نہ ہوگی۔

اگر خاوند یہ دعویٰ کرے کہ اس نے بہ دوران عدت اپنی (مطلقہ رجعیہ) بیوی سے بہ نیت رجوع مباشرت کر کے رجوع کرلیا ہے یا اس سے لذت اندوز ہوا ہے اور اس بات کا اقرار اس نے عدت پوری ہو جانے سے پہلے گواہوں کے سامنے کرلیا ہے بایں طور کہ ان کے روبرو اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی سے بہ نیت رجوع مباشرت کی یا کسی اور طرح سے لذت اندوز ہو چکا ہوں بیوی اس سے انکار کرتی ہے لیکن گواہ خاوند کے حق میں گواہ دیتے ہیں تو اس کا دعویٰ رجوع درست ہے بشرطیکہ بیوی سے تخلیہ ثابت ہو۔خواہ دو عورتیں ہی اس کی شہادت دیں' جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ خاوند رجوع کا دعویٰ کرے اور اس امر کے گواہ پیش کردے جو یہ بتائیں کہ انہوں نے یہ دیکھا کہ اس شخص نے رات اپنی بیوی کے پاس گزاری یا اسے دیکھا کہ بیوی کے لئے کچھ اشیاء خرید کر اس نے بیوی کے پاس بھیجی ہیں تو رجوع کرنا درست مانا جائے گا' بشرطیکہ گواہوں کی یہ شہادت ان کی چشم دید ہو لیکن اگر گواہوں نے محض یہ بتایا کہ ں شخص نے عدت پوری ہونے سے پہلے ان کے سامنے رجوع کا اقرار کیا تھا تو اس سے رجوع نہ ہوگا۔

اگر خاوند رجوع کرتا ہے اور بیوی کہتی ہے کہ مجھے تین بار ایام آچکے ہیں۔لہٰذا اب تم مجھ سے رجوع نہیں کرسکتے۔ ادھر خاوند نے ایسے گواہ پیش کئے جنہوں نے یہ بیان کیا کہ اس عورت نے خود ان سے کہا تھا کہ ابھی تک اسے تین بار حیض

Marfat.com

نہیں آئے اور اس بات کو اتنا عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اس میں وہ حیض سے ہو جاتی تو خاوند کا رجوع کرنا درست ہوگا۔ لیکن اگر اس کا کوئی گواہ نہ ہو تو رجعت درست نہ ہوگی۔

تیسری شے جس سے عدت پوری ہوتی ہے۔ (یعنی ایام اور حمل کے علاوہ) وہ مہینوں کی تعداد ہے۔ اس کی تفصیل عدت کے بیان میں آئے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ عدت پوری ہو جانے پر رجوع کرنا باطل ہے اور عدت کا پورا نہ ہونا تین باتوں پر منحصر ہے۔

اول 'وضع حمل' ہے۔ اگر بیوی کہے کہ اسے وضع حمل ہو چکا ہے لہٰذا اب اسے رجوع کا حق نہیں ہے۔ لیکن خاوند کو بیوی کے قول سے انکار ہے تو بیوی کی بات اس کے قسم کھا لینے پر مان لی جائے گی۔ اس میں شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔ بشرطیکہ طلاق کے بعد اتنا عرصہ گزر چکا ہو کہ اس میں وضع حمل ممکن ہو۔

معلوم ہونا چاہئے کہ وہ حمل جس کے نکلنے کے بعد عدت پوری ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں: ایک یہ کہ حمل پورا ہو گیا ہو پس اگر پورا بچہ چھ مہینے اور دو لمحوں میں پیدا ہوا یعنی ایک لحہ وہ جس میں مباشرت ہوئی اور دوسرا لحہ وہ جس میں عقد نکاح کے بعد میاں بیوی کا اکٹھا ہونا ممکن ہوا (یعنی ان دونوں اوقات کے علاوہ چھ ماہ گزرنے پر بچہ پیدا ہو) تو عدت پوری ہوگئی۔ لیکن اگر دونوں کے اکٹھے ہونے کے ممکنہ وقت سے چھ ماہ کے اندر بچہ پیدا ہو گیا تو عدت پوری نہ سمجھی جائے گی اور اس کی طرف توجہ نہ دی جائے گی۔ کیوں کہ وہ بچہ کسی اور شخص کا متصور ہوگا اور اس بچہ کی ولادت کے بعد ایام عدت کے اندر خاوند کو رجوع کا حق ہوگا۔ اور اس کی عدت نفاس (یعنی ولادت کے بعد کا دور) ختم ہونے کے بعد تین قروء یعنی تین بار پاک ہونے پر پوری ہوگی کیوں کہ نفاس کے دنوں کا شمار ایام ماہواری کی طرح عدت میں نہیں ہوتا۔ دوسری قسم (حمل کی) یہ ہے کہ بچہ کی صرف شکل بنی ہو اور حمل ساقط ہو جائے۔ ایسی صورت میں عدت ختم ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس حمل کے نکلنے کے بعد دو سو بیس دن اور دو لحظے اس وقت سے جب کہ شادی کے بعد دونوں کا ملنا ممکن ہوا ہو' گزر چکے ہوں۔ اگر اس سے کم عرصہ میں ایسا بچہ پیدا ہوا جس کی شکل بن گئی تھی تو عدت ختم نہ ہوگی۔ کیوں کہ یہ بچہ اس کے خاوند کا نہیں ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ بچہ لوتھڑے کی شکل میں ہو اور اس میں عدت پوری ہونے کی شرط یہ ہے کہ اسی دن اور دو لحظے اس وقت سے جب کہ زوجین کی باہمی ملاقات ممکن تھی' گزر چکے ہوں۔ اس کے لئے ایک اور شرط یہ بھی ہے کہ دائیاں اس بات کی گواہیں دیں کہ یہ لوتھڑا انسانی بچہ کا ہے۔ بصورت دیگر اس سے عدت کی تکمیل نہ ہوگی۔

اس امر کی دلیل کو پورا حمل کی مدت چھ مہینے ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ''حملہ و فصالہ ثلاثون شھرا'' (یعنی حمل سے دودھ چھڑانے تک کی مدت تیس مہینے ہے) شیر خوارگی کا زمانہ دو سال ہے۔ باقی عرصہ چھ مہینے حمل کا زمانہ ہے۔ یہی دلیل اس امر کی بتائی گئی ہے کہ بچے کے شکل اختیار کرنے کی مدت ایک سو بیس دن ہے اور مضغہ (لوتھڑے) کی مدت اسی دن ہے جیسا کہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے۔

(انقضائے عدت کے) دوسرے ثبوت کا تعلق اقراء سے ہے۔ قرء کہتے ہیں ایام سے پاک ہونے کو' اور عدت تین پاکیوں کے گزرنے پر پوری ہوتی ہے پس اگر بیوی یہ کہتی ہے کہ وہ تین بار پاک ہو چکی ہے اور اتنا عرصہ گزر چکا ہے جس میں ایسا ہونا ممکن ہے تو عورت کے قسم کھا لینے پر اس کی بات تسلیم کی جائے گی۔ گواہ کی حاجت نہیں ہے۔ اور بیوی کے

Marfat.com

آزاد (یعنی غیر مملوکہ) ہونے کی صورت میں ایام عدت کی ممکنہ مدت تیس دن اور دو ہفتے ہیں۔ایک ہفتہ اس پاکی کا (جس میں طلاق ہوئی) اور ایک ہفتہ وہ جس میں تیسرا حیض آیا۔اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو پاکی کی حالت میں جب کہ اس پاکی کا (جس میں طلاق ہوئی) اور ایک ہفتہ بھی وہ جس میں تیسرا حیض آیا۔اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو پاکی کی حالت میں جب کہ اس طہر کا آخری لمحہ تھا طلاق دی درآنحالیکہ وہ طہر ایام آنے کے بعد کا ہو اس کے بعد ہی فوراً اسے حیض آ گیا اور ایام ماہواری کی کم سے کم مدت میں جو ایک دن اور ایک رات ہوتی ہے بند ہو گیا۔پھر وہ طہر (پاکی) کی کم سے کم مدت یعنی پندرہ دن پاک رہی۔اس کے بعد پھر ایک دن اور ایک رات کے لئے ناپاک ہوگئی اور اس کے بعد پھر پندرہ دن پاک رہنے کے بعد ناپاک ہوئی تو اس طرح اس کے تیس روز اور دو ہفتے پورے ہوئے یعنی ایک ہفتہ اس پاکی کا جس میں اسے طلاق ہوئی پھر پہلی ناپاکی جو ایک دن اور ایک رات رہی۔یعنی چوبیس گھنٹے پھر دوسرے طہر کی مدت جو پہلی ناپاکی کے بعد کی ہے یعنی پندرہ دن اور پندرہ راتیں پھر ناپاکی کی وہ مدت جو دوسری بار ہوئی اور وہ بھی ایک دن اور ایک رات رہی۔پھر تیسری بار کی پاکی جو دوسرے حیض کے بعد کی ہے اور اس کے بھی پندرہ دن ہیں پھر تیسری ناپاکی کا وقت جس کے آنے پر تیسرا طہر پورا ہوا ان سب کا مجموعہ تیس دن اور دو ہفتے ہوتے ہیں۔

یہ مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ حیض سے پہلے طہر کی حالت میں طلاق ہوئی لیکن اگر طلاق طہر کی حالت میں ہوئی ہو لیکن اس سے پہلے حیض کبھی نہ آیا ہو تو یہ طہر عدت میں شمار نہ ہوگا کیوں کہ عدت میں وہ طہر شمار ہوتا ہے جو آگے پیچھے دو حیض کے درمیان ہو۔اس صورت میں عدت کا پورا ہونا (کم از کم) اڑتالیس دن میں ممکن ہوگا۔اس طرح پر کہ خاوند نے اس طہر کے اخیر میں طلاق دی جس کا شمار عدت کے طہر میں نہیں ہوتا۔اس کے بعد ناپاکی ہوئی جس کی مدت (کم از کم) ایک دن اور ایک رات ہے پھر پاک ہوئی اور پاکی کی مدت میں کم از کم پندرہ دن گزرے اور پھر کم از کم ناپاکی کی مدت ایک دن اور ایک رات گزری۔پھر پندرہ دن طہر کے گزرے پھر چوتھی بار ناپاکی کا لحظہ آیا اس طرح تین طہر کے پینتالیس دن ہوئے اور تین حیض کے تین دن ہوئے۔پس کل مدت اڑتالیس دن اور ایک لحظہ ہوئی۔

یہ مسائل اس حالت کے ہیں جب کہ طہر میں طلاق ہوئی ہو۔لیکن اگر ایام ناپاکی کے آخری لحظہ میں طلاق ہوئی تو اس صورت میں (کم از کم) ستالیس دن اور چوتھے حیض کے ایک لحظہ میں عدت کا پورا ہونا ممکن ہے۔اس طرح پر کہ حالت ناپاکی میں طلاق ہوئی اس کے بعد پندرہ دن تک پاک رہی پھر ایک دن اور ایک رات ناپاکی کے۔اس کے بعد پھر پندرہ دن پاکی کے۔یہ اس کا تیسرا طہر ہوگا اس کے بعد چوتھی بار ناپاکی ظاہر ہوئی جس کے ظاہر ہوتے ہی عدت ختم ہو جائے گی یہ تین طہر ہوئے۔ہر طہر پندرہ دن کا' پس پینتالیس دن طہر کے ہوئے اس کے ساتھ دو دن ایام ناپاکی کے اور ایک لحظہ چوتھے حیض کا یہ سب ملا کر اتنے دن ہوئے جتنے کہ بتائے گئے۔

یہ مسائل آزاد (غیر مملوکہ) عورت سے تعلق رکھتے ہیں۔لیکن اگر (بیوی) لونڈی ہے اور اسے پاکی کے آخری لحظہ میں طلاق ہوئی تو اس کی عدت سولہ دن اور دو لحظوں میں پوری ہوگی اگر حیض کے اندر طلاق دی تو عدت (کم از کم) اکتیس دن اور ایک لحظہ میں پوری ہوگی جیسا کہ ظاہر ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ آخری حیض کا ابتدائی) لحظہ عدت میں شامل نہ ہوگا۔لہٰذا اس میں رجوع کرنا درست نہیں

Marfat.com

ہے۔لیکن اس لئے اسے ملحوظ رکھنا ہوگا کہ آخری طہر کا مکمل ہونا پایہ ثبوت کو پہنچ جائے۔

تیسرا امر جس پر انقضائے عدت کا انحصار ہے مہینوں کی تعداد ہے۔ چنانچہ آئسہ من الحیض عورتیں جو ہوں (یعنی جن عورتوں کو ادراک نہیں ہوتا) ان کی میعاد عدت تین ماہ ہے۔اس کی تفصیل عدت کے بیان میں آ رہی ہے۔اس بارے میں زوجین کا اختلاف متصور نہیں ہے۔چنانچہ اگر آئسہ عورت کہے کہ اس کی عدت طہر کی تعداد کے لحاظ سے پوری ہو گئی ہے اور خاوند اس کی تکذیب کرے تو خاوند کی بات قسم کھا لینے پر تسلیم کر لی جائے گی اسی طرح اگر بیوی نابالغ ہو (جسے ایام نہ آتے) اور وہ دعویٰ کرے کہ اسے ایام آئے اور طہر کی تعداد پوری ہونے کے باعث عدت ختم ہو چکی ہے لیکن فی الواقع ایسی (عمر کی) عورتوں کو ایام نہیں آتے تو اس صورت میں خاوند کا قول مانا جائے گا اور قسم کھا لینے پر اس کی تصدیق کی جائے گی۔ایک قول یہ بھی ہے کہ قسم کے بغیر ہی اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی۔

واضح ہو کہ اگر خاوند کا دعویٰ ہو کہ اس نے رجوع کر لیا ہے اور بیوی اس سے انکار کرے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ بات چیت عدت کے دوران ہوئی ہے یا اس کے بعد ہوئی ہے اگر عدت کے دوران ہوئی تو خاوند کے قسم کھا لینے پر اس کی بات مان لی جائے گی اب اگر کہا جائے کہ اگر عدت باقی تھی تو خاوند کے لئے ممکن تھا کہ وہ کہہ دیتا کہ میں نے رجوع کر لیا تا کہ بات ختم ہو جاتی اور دعویٰ کرنے اور قسم کھانے کا قصہ ہی نہ رہتا۔سو (اس کے جواب میں) کہا جائے گا کہ اس مسئلہ میں اس صورت کو پیش نظر رکھا گیا ہے جب کہ ایک شخص نے عدت کے دوران مباشرت کی ہو اور اس کا دعویٰ یہ ہو کہ اس نے مباشرت سے پہلے رجوع کر لیا ہے لیکن اس کا کوئی گواہ نہیں (جو خاوند کے رجوع کی شہادت دے) اور بیوی خاوند کے دعویٰ سے انکار کرتی ہے کیوں کہ اگر رجوع سے پہلے مباشرت ہوئی ہو تو بیوی کو مطالبہ مہر کا حق حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔لہٰذا خاوند کی بات تسلیم کرنے کے لئے اس سے حلف لیا گا کہ مباشرت سے پہلے اس نے رجوع کیا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں آیا خاوند کے دعوے کو رجوع کرنا قرار دیا جائے گا یا یہ رجعت کا اقرار ہوگا۔اس بارے دو اقوال ہیں اور دونوں قابل ترجیح ہیں۔تاہم دونوں میں زیادہ قرین قیاس امر یہ ہے کہ اس کو رجوع کا اقرار تصور کیا جائے کیوں کہ دعویٰ کرنے کو رجوع قرار دینے کے کچھ معنے نہیں ہیں لیکن اگر عدت گزرنے کے بعد رجوع کا دعویٰ کیا تو اس کی چند صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ دونوں (میاں بیوی) انقضائے عدت کے وقت کے بارے میں متفق ہوں لیکن رجوع کرنے کے وقت کے بارے میں اختلاف ہو مثلاً بیوی کہے کہ اس کی عدت جمعہ کے روز پوری ہو گئی اور خاوند بھی اس سے متفق ہے لیکن خاوند کہتا ہے کہ میں نے جمعرات کو عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کیا اور بیوی کہتی ہے کہ اس نے ہفتہ کے روز عدت پوری ہو جانے کے بعد رجوع کیا۔لیکن ہنوز اس عورت نے کسی اور سے شادی نہیں کی اور خاوند رجوع کا کوئی گواہ نہیں رکھتا۔ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ عورت کے قسم کھانے پر اس کی بات کو تسلیم کر لیا جائے گا۔اور اس کی قسم لاعلمی کی بابت ہوگی۔یعنی وہ کہے گی کہ ''بخدا مجھے معلوم نہیں کہ اس نے جمعرات کے روز رجوع کر لیا تھا'' اس پر اس عورت کی بات مانی جائے گی اور خاوند کو رجوع کا حق نہ رہے گا۔

دوسری صورت پہلی صورت کے برعکس ہے کہ زوجین رجوع کے وقت پر تو متفق ہوں لیکن انقضائے عدت کے

Marfat.com

تعین وقت میں اختلاف ہو۔ اس صورت میں مسئلہ کی وہی حالت ہوگی۔ مثلاً خاوند کہتا ہے کہ اس نے جمعہ کے دن رجوع کیا اور ہفتہ کے روز۔ رجوع کے بعد۔ اس عورت کے بچہ پیدا ہوا۔ بیوی کو اس سے تو اتفاق ہے کہ خاوند نے جمعہ کے دن رجوع کیا لیکن وہ کہتی ہے کہ بچہ جمعرات کو۔ رجوع کرنے سے پہلے۔ پیدا ہوا' ایسی صورت میں خاوند کی بات قسم کھا لینے پر تسلیم کی جائے گی اور اس سے حلف لیا جائے گا کہ جمعرات کے روز بیوی کی عدت ختم نہیں ہوئی تھی۔ پس اس کی رجعت درست ہوگی۔ اس لئے کہ بیوی نے خاوند سے رجوع کر لیا اور اصل بات رجوع ہونا اور رجوع کے وقت عدت کا ختم نہ ہونا ہے اسی بناء پر عمل کیا جائے گا اور پہلی صورت کے برعکس خاوند کی بات مانی جائے گی۔ وہاں عدت کا زمانہ پورا ہو جانے میں دونوں کا اتفاق تھا۔ خاوند بھی عدت کے پوری ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ ایسی صورت میں بنائے امر اس پر ہے کہ عدت گزر گئی ہے اور عدت کے دوران رجوع نہیں ہوا۔ اسی بنیاد پر عمل کیا جائے گا اور بیوی کے قسم کھانے پر اس کی بات مانی جائے گی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ بیوی کا دعویٰ یہ ہے کہ خاوند کے رجوع کرنے سے پہلے اس کے بچہ پیدا ہوا اور خاوند کہتا ہے کہ بچے کی پیدائش سے پہلے اس نے رجوع کیا۔ لیکن وقت کی تعین کسی نے نہیں کی۔ ایسی صورت میں ان دونوں میں سے جس بات کا دعویٰ پہلے جس نے کیا اس کی بات مانی جائے گی۔ خواہ یہ معاملہ حاکم کے سامنے پیش ہوا یا کسی فیصلہ کنندہ کے سامنے۔ چنانچہ اگر پہلے بیوی نے دعویٰ کیا کہ اس کی عدت پوری ہو چکی ہے اور خاوند نے عدت کے دوران رجوع نہیں کیا۔ اس کے بعد خاوند آتا ہے اور عدت پوری ہو جانے سے تو اتفاق کرتا ہے لیکن اس کا دعویٰ یہ ہے کہ اس نے عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کیا ہے۔ اب عدت پوری ہو جانے پر تو دونوں کا اتفاق ہے لیکن رجوع کے بارے میں باہم اختلاف ہے۔ ایسی صورت میں اصل بات رجوع کا نہ ہونا ہوگا اور اگر پہلے خاوند نے دعویٰ کیا کہ اس نے رجوع کر لیا ہے تو اصل بات رجعت ہوئی کیوں کہ خاوند نے پہلے اس کا ذکر کیا اور عورت نے عدت کے پوری ہونے کا دعویٰ بعد میں کیا۔ لہٰذا اس کو رجوع قرار دیا جائے گا۔ اور یہ بیوی کے موافق ہے۔ سوا اس صورت کے جب کہ رجوع (کا دعویٰ) عدت پوری ہونے کے بعد ہوا ہو۔ ایسی حالت میں اصل چیز عدت کا پورا نہ ہونا ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر بیوی بلا توقف حاکم کے سامنے پیش ہو کر دعویٰ کرے کہ خاوند نے عدت پوری ہونے کے بعد رجوع کیا ہے تو بیوی کی بات تسلیم کی جائے گی۔ تاہم قول اول کو ترجیح حاصل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر بیوی حاکم یا فیصلہ کنندہ کے سامنے پہلے حاضر ہوئی اور اس نے دعویٰ کیا کہ اس کی عدت رجوع سے پہلے پوری ہو چکی ہے تو اس کا قول ثابت ہوگا کیوں کہ بیوی ہی کو اس بات کے کہنے کا حق ہے بشرطیکہ اتنا زمانہ ہو چکا ہو کہ اس میں عدت پوری ہو جانے کی گنجائش ہو اور حاکم کے سامنے اس نے یہ بیان دیا ہو۔ اگر خاوند بیوی کے بعد حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر چکا ہے لیکن اس کا کوئی گواہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں خاوند کی بات مانی جائے گی اور خاوند کو بیوی سے حلف لینے کا حق ہوگا۔ اگر بیوی قسم کھا لے کہ اس کی عدت گزر چکی ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی اور جب یہ طے ہو جائے تو بیوی پر لازم ہوگا کہ وہ اپنے پہلے خاوند کو مہر مثل واپس کر دے اور دوسرے خاوند سے جو نکاح ہوا ہے وہ فسخ نہ ہوگا۔ کیوں کہ نکاح صحیح ہے اور اس امر میں احتمال ہے کہ اس نے پہلے خاوند سے چھٹکارا حاصل

Marfat.com

کرنے کے لئے غلط بیانی کی ہو۔ البتہ اگر دوسرا خاوند وفات پا جائے یا اس عورت کو طلاق دے دے تو وہ پھر سابقہ خاوند کے اقرار کی بناء پر اسی کی بیوی ہو جائے گی۔ اس کے لئے تجدید نکاح کی حاجت نہیں ہے اور اگر پہلا خاوند اس کی شہادت پیش کر دے کہ اس نے عدت کے اندر اس سے رجوع کر لیا تھا تو وہ مہر جو خاوند کے ذمہ تھا وصول کر سکے گی اور دوسرا عقد فسخ ہو جائے گا۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ بیوی کا یہ کہنا کہ اس نے انقضائے عدت سے پہلے شادی کر لی تھی قابل اعتبار نہ ہوگا کیوں کہ یہ خود اس کے اپنے قول کی تردید ہے یعنی شادی کا جو اقدام اس نے کیا وہ عدت کے ختم ہونے کا اقرار ہے اور شادی کے بعد یہ جو کہتی ہے کہ عدت پوری نہیں ہوئی تھی اس میں احتمال ہے کہ دوسرے خاوند سے چھٹکارا پانے کے لئے غلط بیانی کی ہے۔ لہٰذا اس کی بات پر عمل نہیں کیا جائے گا لیکن دوسری طرف اس امر کا بھی احتمال ہے کہ وہ سچ کہہ رہی ہو اور پہلے خاوند کا دعویٰ ہو کہ اس نے بیوی سے رجوع کر لیا تو اس جہت سے اس کے قول پر عمل کیا جائے گا درآنحالیکہ دوسرے خاوند سے اس کو طلاق مل گئی ہو اس تجدید عقد کے بغیر پھر اپنے پہلے خاوند کی بیوی قرار پائے گی۔ رہا شہادت کا معاملہ سو وہ خاوند کے صادق ہونے کا ثبوت ہے۔ اگر ایسی شہادت موجود ہو کہ خاوند نے عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لیا ہے تو دوسرا عقد باطل ہوگا اور فسخ ہو جائے گا۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ خاوند کہتا ہے کہ اس نے بیوی کو مباشرت کے بعد طلاق دی ہے لہٰذا اسے رجوع کا حق ہے۔ اور بیوی مباشرت ہونے سے انکار کرتی ہے۔ ایسی صورت میں بیوی کے قسم کھا لینے پر اس کی بات تسلیم کر لی جائے گی۔ کیوں کہ (اس صورت میں) بنیادی شے مباشرت کا نہ ہونا ہے پس خاوند بیوی کے حق میں پورے مہر کا اقرار کرتا ہے اور بیوی نصف مہر کا مطالبہ کرتی ہے۔ اب اگر بیوی مہر وصول کر چکی ہے تو خاوند کے اپنے اقرار کے بموجب اسے مہر کی واپسی کے مطالبہ کا حق نہیں ہے اور اگر بیوی نے ہنوز مہر وصول نہیں کیا تو وہ اپنے اقرار کی بناء پر مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور اگر وہ نصف مہر لے چکی ہے اور اس کے بعد وہ کہتی ہے کہ اس سے مباشرت ہو چکی ہے تو آیا اب خاوند کے اقرار کی بناء پر وہ بقیہ نصف مہر کے مطالبہ کا حق رکھتی ہے یا اس کے لئے ضروری ہوگا کہ خاوند از سر نو اعتراف کرے؟ اس میں قابل اعتبار قول یہ ہے کہ خاوند کا از سر نو اقرار ضروری ہے۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ بیوی اس بات سے انکار کرے کہ خاوند نے اس سے رجوع کر لیا لیکن بعد میں اس کا اعتراف کر لے تو اس کا اعتراف تسلیم کیا جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ (بیوی کی عدت طلاق رجعی) پوری ہو جانے پر خاوند کا حق رجوع ختم ہو جاتا ہے اور اب وہ رجوع نہیں کر سکتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وبعولتھن احق بردھن" (یعنی ایسی بیویوں کے خاوندوں کو رجوع کرنے کا سب سے زیادہ حق ہے) کا یہی مفہوم ہے کہ اس آیت میں رجوع کرنے والے کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ وہ شخص بیوی والا یعنی اس کا شوہر ہو۔ اب اگر عدت پوری ہو چکی ہے تو وہ شخص اس کا شوہر نہیں رہا (لہٰذا حق رجوع بھی نہیں رہا)۔

واضح ہو کہ حسب ذیل امور سے عدت پوری ہو جاتی ہے:

ایک یہ کہ آزاد عورت تین بار ناپاکی سے پاک ہو چکی ہو۔ اگر وہ امت (یعنی مملوکہ لونڈی) ہے تو دو بار پاک ہوئی

Marfat.com

ہو اور پاک ہونے کے معنے یہ ہیں کہ ادرار بند ہونے کے بعد اس نے غسل کر لیا ہو۔ اگر غسل نہیں کیا تو عدت پوری نہ ہوگی اور خاوند کو رجوع کرنے کا حق رہے گا۔ اگر چہ دس سال تک غسل نہ کرے۔ کیوں کہ جب تک بیوی ناپاکی کا غسل نہ کر لے اس کے مباشرت کرنا حالت ادرار کی طرح حرام ہوگا لیکن خاوند کو رجوع کا حق جس طرح حالت حیض میں حاصل ہوتا ہے اسی طرح غسل نہ کرنے کی حالت میں بھی حلال ہے اور جس طرح حالت حیض میں مباشرت منع ہے اسی طرح غسل نہ کرنے کی حالت میں بھی ممنوع ہے۔ خاوند کے لئے بیوی کے ساتھ غسل سے پہلے مباشرت کرنا کسی صورت بھی حلال نہیں ہے۔ لیکن اگر غسل کرنے سے پہلے خاوند وفات پا جائے تو بیوی ورثہ کی حق دار نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر بیوی وفات پا جائے تو خاوند اس کا وارث نہ ہوگا کیوں کہ جہاں تک وراثت کا تعلق ہے محض ادرار بند ہو جانا عدت کے ختم ہو جانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ یہی حالت طلاق کی ہے کہ اگر آخری بار ادرار بند ہونے پر خاوند نے بیوی کو دوسری طلاق دی تو وہ طلاق عائد نہ ہوگی کیوں کہ وہ بائنہ ہو چکی ہوگی یہی حکم نفقہ اور دوسرے حقوق زوجیت کا ہے کہ آخری بار ادرار بند ہو جانے پر تمام حقوق ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر چہ ہنوز بیوی نے غسل نہ کیا ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ (بدوران عدت) آخری بار کا ادرار بند ہونے سے حق رجوع اور بیوی کے حلال متصور ہونے کے علاوہ تمام حقوق ختم ہو جاتے ہیں یہ دونوں حقوق ختم نہیں ہوتے تا آنکہ بیوی غسل نہ کرے۔

جاننا چاہئے کہ حنابلہ کے نزدیک لفظ قروء (جو قرآن میں آیا ہے) کے معنے حیض کے ہیں بناء بریں (تکمیل طلاق کیلئے) لازم ہے کہ تین حیض پورے ہو جائیں اس کے لئے کم سے کم مدت انتیس دن اور ایک لحظہ ہے۔ بایں طور کہ ایام حیض کی کم سے کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور دو حیضوں کے درمیان طہر کا زمانہ کم سے کم تیرہ دن ہے۔ پس اگر بالفرض طہر کے اخیر لحظہ میں خاوند نے طلاق دی جس کے بعد ایک دن اور ایک رات حیض آیا تو اسے ایک حیض شمار کیا جائے گا اور پھر تیرہ دن پاک رہنے کے بعد ایک دن اور ایک رات حیض آیا تو یہ دوسرا شمار ہوگا اس طرح پندرہ دن ہوئے اس کے بعد تیرہ دن پاکی کے گزرے تو اسے طہر کہا جائے گا اس کے بعد ایک دن اور ایک رات حیض آیا جو تیسرا حیض شمار کیا جائے گا۔ یہ چودہ دن ہوئے۔ اس کے ساتھ سابقہ پندرہ دن شامل کئے جائیں تو کل انتیس دن ہوتے ہیں اس کے بعد طہر کا جو لحظہ آیا یہ تیسرے حیض کے بعد کا ہے اور اسی لحظہ کے آنے سے یہ معلوم ہوگا کہ تیسرا حیض ختم ہو گیا۔ تاہم اس لحظہ کا شمار عدت میں نہیں ہے۔ اب اگر عورت (عدت کی) اس مدت سے کم میں انقضائے عدت کا دعویٰ کرتی ہے تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔

لونڈی (مملوکہ) کی صورت میں عدت کی (کم سے کم) ممکنہ مدت پندرہ دن اور ایک لحظہ ہے۔

دوسری بات (جس سے حق رجوع ختم ہو جاتا ہے) پورے طور پر وضع حمل کا ہو جانا ہے جب تک پورے طور پر ولادت نہ ہو جائے خاوند کو حق رجوع باقی رہتا ہے اگر کسی عورت کے پیٹ میں دو بچے ہوں تو جب تک دوسرا بچہ پیدا نہ ہو جائے عدت پوری نہ ہوگی اور خاوند کو رجوع کرنے کا حق رہے گا۔ اگر خاوند نے رجوع نہ کیا اور وضع حمل مکمل ہو گیا تو رجوع کا حق جاتا رہے گا لیکن عورت خاوند پر حلال رہے گی اگر چہ نفاس بند نہ ہوا ہو۔ کیوں کہ عدت وضع حمل سے پوری ہوتی ہے۔ نفاس کے بند ہونے یا غسل کرنے سے نہیں ہوتی۔ اگر 'طلاق رجعی یافتہ' عورت عدت ختم ہونے سے پہلے

Marfat.com

شادی کر لے تب بھی وہ پہلے خاوند کی عدت میں شمار کی جائے گی۔ تا آنکہ دوسرا خاوند مباشرت نہ کر لے۔ مثلاً کسی عورت پر ہنوز دو حیض گزرے تھے کہ اس نے کسی اور سے شادی کر لی تو اس عقد کے بعد بھی وہ پہلے خاوند کی عدت میں شمار کی جائے گی بایں طور کہ اگر عقد کے بعد اسے تیسرا حیض آیا اور اس کے بعد پاک ہوئی کہ انقطاع ادرار کے بعد اس نے غسل کر لیا اور ہنوز دوسرے خاوند نے مباشرت نہیں کی تھی تب ہی اس کے پہلے خاوند کی عدت پوری ہوگی۔ کیوں کہ دوسرے عقد کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر (اب بھی) خاوند نے رجوع کر لیا تو یہ رجوع حلال ہوگا اور اگر دوسرے خاوند سے حمل ہو جائے تو ایام حمل میں اور اس کے بعد بھی پہلے خاوند کو رجوع کا حق رہے گا کیوں کہ یہ حمل اس کے پہلے خاوند کا نہیں تھا اس وضع حمل سے دوسرے خاوند کی عدت ختم ہوگئی' پہلے خاوند کی عدت باقی رہے گی۔ اس سے بظاہر صرف دوسرے خاوند کے مباشرت کی عدت ختم ہوئی ہے اور اب اگر وہ عورت پھر پہلے خاوند کی بیوی قرار دی جائے تو پہلے خاوند کو اس سے مباشرت حلال نہ ہوگی تا آنکہ وہ عورت وضع حمل کے بعد ادرار نفاس سے پاک نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا ہو کہ اس عورت کو پہلے خاوند سے حمل ہو اور دوسرے خاوند نے اس سے مباشرت کر لی اور وہ حمل مکمل ہو گیا تو پہلے خاوند کو بچہ کی ولادت سے پہلے پہلے رجوع کا حق ہوگا۔ کیوں کہ اگر وہ حمل پہلے خاوند سے ہے تو وضع حمل سے پہلے یہ رجوع صحیح ہے اور اگر دوسرے کا ہے تب تو ظاہر ہے کہ رجوع درست ہے لیکن اگر خاوند نے وضع حمل کے بعد رجوع کیا تو یہ رجوع درست نہ ہوگا۔ البتہ اگر وہ حمل دوسرے خاوند کا ہے (تو وضع حمل کے بعد بھی) رجوع درست ہے جیسا کہ بتایا گیا۔ پہلے خاوند سے حمل ہو تو رجوع باطل ہے کیوں کہ عدت وضع حمل کے بعد ہی ختم ہوگئی ہے۔

واضح رہے کہ اگر عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس کا مکمل حمل ساقط ہو چکا ہے تو اس کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا جائے گا درآنحالیکہ اس کا یہ دعویٰ اس وقت سے جب کہ عقد کے بعد مباشرت ممکن تھی اس وقت تک چھ ماہ سے کم کا عرصہ گزرا ہو کیوں کہ یہ حمل کی کم سے کم مدت ہے۔ اگر بیوی کہے کہ اس کا حمل ساقط ہو گیا ہے اور عقد کے بعد مباشرت کے ممکنہ وقت سے اس وقت تک اسی دن سے کم مدت گزری ہے تو اس کی یہ بات نہیں مانی جائے گی۔ کیوں کہ جب تک بچے کی شکل بننے کے بعد اسقاط نہ ہو عدت ختم نہیں ہوتی اور پیٹ کے بچے کی شکل اس عرصہ سے پہلے نہیں بنتی۔

تیسری بات (جس سے حق رجوع باطل ہو جاتا ہے) آئسہ عورت پر یا ایسی عورتوں پر جنہیں حمل نہیں ہے (طلاق کے بعد) مہینوں کا گزر جانا ہے۔

واضح رہے کہ اگر عورت کہتی ہے کہ میری عدت گزر چکی ہے اور خاوند کہے کہ میں رجوع کر چکا ہوں' لیکن اس کا کوئی گواہ نہیں ہے تو عورت کی بات تسلیم کی جائے گی۔ کیوں کہ اس معاملہ میں عورت کو یہ کہنے کا حق ہے بشرطیکہ اس نے یہ دعویٰ (انقضائے عدت کے) ممکنہ وقت کے اندر کیا ہو۔ اگر رجوع کی بابت خاوند نے (بیوی کے کہنے سے) پہلے کہا کہ میں نے تجھ سے رجوع کر لیا ہے اور بیوی کہے کہ میری عدت ختم ہو چکی ہے تو بیوی کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی بلکہ خاوند کا قول مانا جائے گا' کیوں کہ اسے بیوی کے اقبال سے پہلے رجوع کا اختیار حاصل ہے اور بظاہر اس کی بات صحیح ہے لہٰذا رجوع کے باطل ہونے کے بارے میں بیوی کا قول نہیں مانا جائے گا۔ اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ میں نے تجھ سے کل رجوع کر لیا اور ہنوز وہ عدت میں ہے تو اس کا رجوع درست ہے۔ لیکن اگر یہ بات اس نے عدت پوری ہونے کے بعد کسی

Marfat.com

خاتمہ ان دو مسئلوں کے بیان میں

ایک یہ کہ اگر بیوی کسی اور شخص سے شادی کے بعد پہلے خاوند کی زوجیت میں آجائے تو آیا خاوند کو تین طلاقوں کا اختیار ہوگا؟ دوسرے یہ کہ آیا طلاق رجعی پانے والی عورت بیوی متصور ہوگی یا نہ ہوگی؟ (اس کی تفصیل یہ ہے)

(ا) اگر خاوند نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دیں اور اس کی عدت گزرنے پر کسی اور سے شادی کر لی اور مباشرت کے بعد دوسرے شخص نے طلاق دے دی اور وہ پھر پہلے خاوند کی بیوی بن گئی تو آیا خاوند تین طلاقوں کا اسی طرح مالک ہوگا جس طرح تین طلاقیں پانے والی عورت سے دوبارہ شادی کی صورت میں ہوتا ہے جب کہ وہ دوسرے خاوند سے عقدِ مباشرت اور طلاق کے بعد پہلے خاوند کے عقد ازدواج میں آجائے یا اس خاوند کو صرف ایک یا دو طلاقوں کا حق رہے گا جو ہنوز اس نے نہیں دی تھی۔

آیا طلاق رجعی پانے والی عورت کی حیثیت رجوع سے پہلے بیوی کی سی رہتی ہے کہ اس کے ساتھ بطور خاوند کے سلوک کیا جا سکے یا نہیں؟

پہلے مسئلہ کی صورت میں جواب یہ ہے کہ (پہلے خاوند کی) زوجیت میں واپس کے بعد خاوند صرف باقی ماندہ ایک یا دو طلاقوں کا مالک ہوگا۔ خواہ دوسرے خاوند سے مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ کیوں کہ تین طلاقوں کا حق تین طلاقوں دینے کے بعد ہی ختم ہوتا ہے۔ اگر ایک شخص نے تین طلاقیں دیں اور بیوی نے (انقضائے عدت کے بعد) دوسرے شخص سے شادی کر لی اور اس سے مباشرت ہوئی اور اس نے بھی طلاق دے دی اور پھر پہلے خاوند کی زوجیت میں آ گئی تب تو خاوند تین طلاقوں کا مالک ہوگا۔ لیکن اگر خاوند نے ایک یا دو طلاقیں دیں تھی اور وہ دوبارہ زوجیت میں آئی تو صرف بقیہ (ایک یا دو) طلاقوں کا مالک ہوگا۔ خواہ

اور بیوی نے اس کی تصدیق کر دی تو اس پر عملدرآمد ہوگا۔ اگر تصدیق نہ کی تو بیوی کی بات مانی جائے گی۔

اگر زوجین میں طلاق سے پہلے مباشرت ہونے کے بارے میں اختلاف ہو اور خاوند کہے کہ میں اس کے پاس گیا یا اس سے تخلیہ کیا کہ تو اسے رجوع کا حق حاصل ہوگا۔ لیکن اگر بیوی اس سے انکار کرے تو بیوی کا قول مانا جائے گا کیوں کہ بنیادی امر مباشرت کا نہ ہونا ہے۔ اگر بیوی نے طلاق کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ خاوند اس کے پاس آیا یا اس سے تخلیہ ہوا ہے تا کہ وہ پوری مہر کی حق دار ہو جائے لیکن خاوند اس سے انکاری ہے تو خاوند کی بات مانی جائے گی کیوں کہ فیصلہ انکار کرنے والے کا حق ہے۔ بیوی ان دونوں صورتوں میں نصف مہر کی حق دار ہوگی خواہ وہ مباشرت سے انکار کرتی ہو یا اقرار کرتی ہو لیکن اگر خاوند کہتا ہے کہ مباشرت ہو چکی ہے۔ بیوی اس سے انکار کرتی ہے اور مہر وصول کر چکی ہے تو اب خاوند کو اس مہر

Marfat.com

دوسرے خاوند سے مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ یہ امر قرین قیاس ہے کہ اس میں سب کا اتفاق ہو[1] حضرت عمرؓ، علیؓ، ابن ابی کعبؓ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔

دوسرے مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ طلاق رجعی پانے والی عورت کا خاوند استمتاع (جنسی استفادہ) کے علاوہ ہر معاملہ میں اس کا خاوند متصور ہوگا چنانچہ وہ عورت خاوند کی وارث اور اس کی مورث تصور ہوگی اور اس کے ساتھ ایلاء کرنا (عدم مقاربت کی قسم کھانا) درست ہے (جیسا کہ عام بیویوں کے ساتھ ہوسکتا ہے) پس اگر ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں نے اپنی بیوی سے جسے طلاق رجعی دی گئی ہے چار ماہ تک مقاربت نہ کروں گا تو اسے ایلاء تصور کیا جائے گا اور اس پر ایلاء کے احکام، جس کی تفصیل 'ایلاء' کے بیان میں آ رہی ہے عائد ہوجائیں گے۔ نیز مطلقہ رجعیہ کے ساتھ لعان) یعنی لعنت پر مبنی' الزام کے ثبوت یا اس سے بری ہونے کی قسم کھانا) درست ہے۔ پس اگر ایک شخص نے اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی پر بدکاری کا الزام لگایا اور چار گواہ پیش نہ کرسکا تو دونوں (میاں بیوی) لعنت پر مبنی قسم کھائیں گے۔ (اگر میں دروغ گوئی سے کام لوں تو مجھ پر لعنت ہے) جیسا کہ غیر مطلقہ رجعیہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسی طرح مطلقہ رجعیہ کے ساتھ ظہار

کے واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ لیکن اگر ہنوز بیوی نے مہر وصول نہیں کیا تو وہ صرف نصف مہر کی مستحق ہوگی اور اس حالت میں جب کہ دعویٰ بیوی کی طرف سے ہو کہ خاوند اس کے پاس آ چکا ہے اور خاوند انکاری ہے اور مہر ادا کر چکا ہے تو خاوند نصف مہر کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

ا۔ حنفیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کو اس سے اختلاف ہے کہ اگر دوسرے شخص نے اس عورت سے باقاعدہ نکاح کرلیا اور مباشرت ہوئی پھر وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے پاس لوٹ کر آ گئی تو خاوند تین طلاقوں کا مالک ہوجائے گا۔ دونوں صورتوں (یعنی مطلقہ رجعیہ اور مطلقہ مغلظہ) میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے اسی طرح مروی ہے لیکن محققین حنفیہ کا کہنا ہے کہ اس مسئلہ میں امام محمدؒ کا ارشاد درست ہے جیسا کہ باقی ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کبار صحابہؓ سے یوں ہی مروی ہے اور ان کے خلاف کرنا آسان نہیں ہے۔ تاہم بعض اصحاب نے صاحبین (ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ) کے قول کو ترجیح دی ہے اور بظاہر اسی خیال کو فوقیت حاصل ہے۔ کیوں کہ اگر اس قول کی فوقیت میں محض روایت پیش نظر ہو تو صاحبینؒ (اپنی تائید میں) فقہاء صحابہؓ میں سے دو عظیم شخصیتوں کی روایت بیان کرتے۔ فقہی مسائل (کی صحت) میں حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کا ارشاد کافی ہے اور اگر وجہ ترجیح دلیل (عقلی) کے پیش نظر ہو تو یہی خیال قرین عقل بھی ہے کہ اگر دوسرے خاوند کی مباشرت سے تین طلاقیں کالعدم ہوجاتی ہیں تو ان سے کم طلاقیں بدرجہ اولیٰ کالعدم ہوجائیں گی اور امام محمدؒ کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد حتی تنکح زوجا غیرہ حرمت کبیرہ کا موجب ہے لہٰذا وہ ان (تین طلاقوں) کو کالعدم کرتا ہے کمزور دلیل ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں تعداد کا کوئی ذکر نہیں ہے اس میں تو صرف یہ بتایا گیا ہے کہ (طلاق مغلظہ پانے والی عورت) دوسرے شخص سے نکاح کے بعد ہی حلال ہوسکتی ہے۔ اس

Marfat.com

کرنے (یعنی اسے ماں کے برابر کہہ دینے) سے بھی خاوند پر ظہار کے متعلقہ احکام عائد ہو جائیں گے پس اگر ایک شخص نے بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر پشت مادر کی مانند ہے تو خاوند پر کفارہ ظہار عائد ہو جائے گا۔ جس کی تفصیل آگے (ظہار کے بیان میں) بتائی جائے گی اسی طرح مطلقہ رجعیہ کو مزید طلاق دی جائے گی تو طلاق عائد ہو جائے گی اور اگر مطلقہ رجعیہ کے ساتھ خلع کیا جائے (یعنی معاوضہ لے کر زوجیت سے علیحدہ کیا جائے) تو صحیح ہے۔

باقی رہا (مطلقہ رجعیہ کا) خاوند کے لئے بناؤ سنگھار کرنا خاوند کا اس متمتع ہونا سو اس بارے میں مسالک مختلف تفصیل طلب ہیں۔[1]

حکم کو تین طلاقوں کے کالعدم ہونے پر منحصر نہیں رکھا گیا بلکہ اس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اس سے تین طلاقیں کالعدم ہو جائیں گی لہٰذا اسکے علاوہ دوسری طلاقیں بدرجہ اولیٰ کالعدم ہوں گی۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مطلقہ رجعیہ کے لئے فطرتاً جائز ہے کہ وہ موجودہ خاوند کے لئے سنگھار کرے۔ غیر موجودہ خاوند کے لئے نہیں۔ طلاق بائنہ پانے والی اور وفات یافتہ شوہر کی بیوی کے لئے ایسا کرنا حرام ہے۔ لیکن سنگھار کے لئے یہ شرط ہے کہ خاوند کے رجوع کرنے کی توقع ہو۔ وہ خیال کرتی ہو کہ بناؤ سنگھار کرنے سے خاوند کو بھلی لگے گی اور وہ رجوع کر لے گا تو سنگھار کر سکتی ہے لیکن اگر اسے یہ یقین ہے کہ بناؤ سنگھار سے کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ طلاق کا سبب کچھ اور ہی ہے تو وہ سنگھار نہ کرے تاہم جائز ہے کہ خاوند کے ساتھ تخلیہ میں رہے اور اجازت لئے بغیر اس کے پاس چلی جائے۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ خاوند کو اس سے آگاہ کر دے۔ بایں طور کہ خاوند کے پاس جانے سے پہلے اسے مطلع کر دے۔ ایسا نہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ رجوع کی خواہش دل میں ہو۔ اگر خاوند رجوع نہ کرنے پر تلا ہوا ہو تو بیوی سے تخلیہ کرنا مکروہ ہے۔ کیوں کہ بہت ممکن ہے کہ خواہش نفسانی کے ساتھ وہ بیوی کو ہاتھ لگائے ایسی صورت میں یہ رجوع ہوگا حالانکہ اس کا ارادہ نہیں ہے۔ اس طرح خاوند کو دوبارہ طلاق دینی ہوگی اور (نتیجۃً) بیوی کی میعاد عدت طویل ہو جائے گی جو امر ناپسندیدہ ہے۔

غرض رجوع کرنے کا قصد نہ ہو تو بیوی سے تخلیہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور یہ (صرف) مکروہ تنزیہی اس لئے ہے کہ وہ عورت اس کی بیوی ہے اور رجوع کی نیت کے بغیر بھی اس سے مباشرت حلال ہے۔ تاہم خاوند کو چاہئے کہ رجوع کا ارادہ نہ ہو تو مباشرت کر کے عدت کی مدت کو طویل نہ کرے۔ اگر رجوع کرنے کا ارادہ ہے تو اس میں مطلقاً کراہت نہیں ہے۔ اگر مطلقہ رجعیہ کا ارادہ رجوع کرنے کا ہے اور اس کی کوئی سوکن ہے تو وہ خاوند سے اپنی باری کے مطالبہ کا حق رکھتی ہے۔ بصورت دیگر یہ حق نہ ہوگا۔

رہا یہ سوال کہ اگر رجوع کا ارادہ ہے تو آیا مطلقہ رجعیہ کے ساتھ خاوند سفر کر سکتا ہے اور اس گھر سے جہاں اسے طلاق ہوئی باہر لے جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ رجوع کئے بغیر بیوی کو اس گھر سے اس وقت باہر لانا بالکل درست نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لاتخرجوھن من بیوتھن الآیہ" (یعنی ان عورتوں کو گھر سے باہر

Marfat.com

نہ لائیں) جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر رجوع کا ارادہ ہو تو یہ ہوسکتا ہے۔
واضح ہو کہ خاوند کے لئے مستحب یہ ہے کہ دو معتبر آدمیوں کو رجوع کا گواہ بنالے خواہ سر دست رجوع کرنے کے بعد ہو مالکیہ کہتے ہیں اگر رجوع کی نیت ہو تو خاوند کو (مطلقہ رجعیہ) بیوی سے متمتع ہونا حلال ہے۔ اسے ہاتھ لگا سکتا ہے اور ستر کو دیکھ سکتا ہے اور اس سے خلوت اور مباشرت کرسکتا ہے۔ اگر ان باتوں میں کوئی بات بہ نیت رجوع کی تو رجوع متصور ہوگی اور وہ امر جائز ہوگا' بصورت دیگر حرام ہے۔ اگر بیوی کو دوبارہ زوجیت میں لانے کا ارادہ نہ ہو تو اس کے ساتھ تخلیہ کرنا اس کے سنگھار کو دیکھنا یا اس سے مستفید ہونا خاوند پر حرام ہے۔ بلکہ وہ ایک اجنبی عورت متصور ہوگی۔ ہاں اگر رجوع کا ارادہ ہے تو وہ عورت تمتع وغیرہ کے لئے اس کی بیوی متصور ہوگی۔
شافعیہ کہتے ہیں کہ مطلقہ رجعیہ بیوی سے قولی رجوع کرنے سے پہلے تخلیہ کرنے اور متمتع ہونے کے بارے میں اس کی بیوی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ صرف پانچ باتوں میں جن کا ذکر قرآن حکیم کی پانچ آیتوں میں ہے اسے بیوی شمار کیا جائے گا۔
ایک آیت ''والذین یولون من نسائھم'' ہے (جس میں ایلاء کا ذکر ہے) مطلقہ رجعیہ سے ایلاء ہوسکتا ہے۔
دوسری آیت ''ولکم نصف ماترک ازواجکم'' ہے (جس میں ورثہ کا ذکر ہے) مطلقہ رجعیہ وارث بھی ہوسکتی ہے اور مورث بھی۔
تیسری آیت ''والذین یرمون ازواجھم'' الخ ہے (جس میں بیوی پر الزام لگانے کا ذکر ہے) مطلقہ رجعیہ جس پر خاوند بدکاری کا الزام لگائے۔ اس کو بیویوں میں شمار کیا جائے گا جیسا کہ سابقاً بتایا گیا ہے۔
چوتھی آیت ''والذین یظاھرون من نسائھم'' (جس میں ظہار کا ذکر ہے) مطلقہ رجعیہ سے ظہار کیا جائے تو وہ ظہار بحیثیت بیوی کے ہوگا۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔
پانچویں آیت ''واذا طلقتم النساء'' (جس میں طلاق کا ذکر ہے) مطلقہ رجعیہ کو بھی بحیثیت بیوی کے (مزید) طلاق دی جاسکتی ہے۔
حنابلہ کہتے ہیں کہ طلاق رجعی پانے والی عورت طلاق دینے والے خاوند کے لئے بہر حال سنگھار کرسکتی ہے اور خاوند کے ساتھ تخلیہ' مباشرت' جنسی استفادہ اور سفر بغیر کسی کراہت کے ہوسکتا ہے۔ خواہ رجوع کی نیت ہو یا نہ ہو۔ لیکن مباشرت کے علاوہ اور کسی طرح کے استفادہ کو رجعت قرار نہیں دیا جائے گا۔ غرض تمتع دوسرے امور مذکورہ میں اس کی حیثیت بیوی کی ہے۔

Marfat.com

ایلاء کا بیان

ایلاء کی تعریف

لفظ ایلاء کے لغوی معنے صرف قسم کھا لینے کے ہیں یہ قسم اپنی بیوی سے مقاربت نہ کرنے کی ہو یا کسی اور بات کی۔ واضح ہو کہ بیوی سے ترک مقاربت کی قسم کھا لینے کا رواج عہد جاہلیت (قبل از اسلام) میں بھی تھا اور اس کا خاص حکم تھا۔ یعنی ایلاء سے مراد ہمیشہ کے لئے بیوی کو حرام کر لینا تھا۔ چنانچہ اگر شخص نے کہا کہ قسم خدا کی میں اپنی بیوی سے مباشرت نہ کروں گا تو عہد جاہلیت میں اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے ہمیشہ کے لئے بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ پس ایلاء کے لغوی معنے اس کے شرعی معنے سے زیادہ عام (وسیع) ہیں کیوں کہ اصطلاح شرع میں ایلاء کے معنے خصوصیت کے ساتھ بیوی سے ترک مباشرت کی قسم کھالینا لہٰذا فقہاء کے نزدیک لفظ ایلاء کا اطلاق کھانے پینے کی اشیاء کے بارے میں قسم کھانے پر نہ ہوگا۔

شرع اسلام میں ایلاء کے متعلقہ احکام عہد جاہلیت کے ایلاء سے مختلف ہیں کیوں کہ شرع میں بیوی کے ساتھ ایلاء کرنے سے ہمیشہ کے لئے بیوی حرام نہیں ہو جاتی جیسا کہ بتایا جائے گا۔

جاننا چاہئے کہ لفظ ایلاء افعال آلی یولی ایلاءً کا مصدر ہے جیسے فعل اعطیٰ کا مصدر اعطاء ہے اور لفظ الیۃٌ اسم ہے جس کے معنے قسم کے ہیں اس کی جمع الایا آتی ہے جیسے خطیۃ کی جمع خطایا ہے۔ اسی طرح لفظ ''الوۃ'' بہ حرکت ثلاثہ و سکون لام ہے الوۃ کا لفظ اسم ہے بمعنی یمین (قسم)۔ اور (اس کے معنے میں) تالی یتالی بمعینی 'اقسم یقسم' (یعنی اس نے قسم کھائی اور وہ قسم کھاتا ہے) آتا ہے اسی طرح افعال ائتلی یاتلی بھی ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' ولا یاتل اولو الفضل منکم الایہ '' (یعنی تم میں سے جو اہل فضل یعنی صاحب مال ہیں وہ قسم نہ کھالیں)۔

اصطلاح شرع میں اس لفظ (ایلاء) کے معنے اس بات کی قسم کھانے کے ہیں کہ وہ شخص اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کرے گا۔ یہ قسم غیر مشروط بھی ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہنا کہ خدا کی قسم میں اپنی بیوی سے مباشرت نہیں کروں گا اور اس کے ساتھ ''ہمیشہ'' کی قید بھی لگائی جا سکتی ہے کہ میں ہمیشہ کے لئے مقاربت نہ کرنے کی قسم کھاتا ہوں۔ یا چار ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ کی قید بھی لگائی جا سکتی ہوں مثلاً یوں کہا کہ اللہ کی قسم میں پانچ ماہ یا سال بھر تک یا عمر بھر یا جب تک آسمان و زمین قائم ہیں اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا وغیرہ اس طرح کہنے سے وہ شخص مولی (یعنی ایلاء کرنے والا) قرار پائے گا۔ لیکن اگر دو، تین یا چار

Marfat.com

ماہ [1] کے لئے قسم کھائی یعنی چار ماہ سے زیادہ کی قسم نہ ہو خواہ ایک ہی دن زیادہ ہو اسے ایلاء قرار نہیں دیا جائے گا۔

(ایلاء کرنے والے نے) اگر اللہ کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھائی مثلاً کہا کہ قسم ہے اللہ کی قدرت یا اللہ کے علم کی وغیرہ تو اس کو بھی اللہ کی قسم تصور کیا جائے گا۔ اگر اللہ یا اس کی صفات کے علاوہ کیسی اور طرح کی قسم کھائی مثلاً قسم میں طلاق' ظہار' بردہ کو آزاد کرنے یا کوئی نذر پوری کرنے کا عہد کیا اور یوں کہا کہ میں مباشرت کروں تو میری بیوی پر طلاق ہے۔ یا وہ میری پشت مادر کے برابر ہو یا یوں کہا کہ اگر (بیوی سے) مباشرت کروں تو مجھ پر خانہ کعبہ کا حج لازم ہو جائے گا یا میرا غلام آزاد ہو جائے گا۔ ان الفاظ سے وہ شخص 'مولیٰ' (ایلاء کرنے والا) متصور ہوگا [2] نیز واضح رہے کہ اصطلاح شرح میں ایلاء کی تعریف کے بارے میں مسالکِ مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ [3]

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ایلاء کی کم سے کم مدت صرف چار ماہ ہے۔ ایلاء اس سے زیادہ عرصہ کے لئے نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ احکام ایلاء کے بیان میں بتایا جائے گا۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ جب تک اللہ یا اس کی صفات میں سے کسی کی قسم نہ کھائی جائے۔ اس شخص کو مولی (ایلاء کرنے والا) قرار نہیں دیا جائے گا جیسا کہ آئندہ حنابلہ کی تعریف ایلاء میں وضاحت کی گئی ہے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ایلاء یہ ہے کہ بیوی سے ترک مقاربت کے بارے میں اللہ کی قسم کھائی جائے۔ یہ قسم غیر مشروط ہو یا چار ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ کے لئے ہو یا بیوی سے مقاربت کا انحصار کسی دشوار کام پر رکھا گیا ہو (اس تعریف میں) اللہ کی قسم میں اللہ کے نام یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم بھی شامل ہے۔ ترک مقاربت سے مراد فطری مباشرت سے باز رہنا ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ دشوار کام پر مقاربت کو منحصر رکھنا مثلاً یہ ہے کہ بیوی سے مقاربت کو طلاق سے وابستہ کیا جائے مثلاً بیوی سے یہ کہنا کہ اگر میں تجھ سے مقاربت کروں تو تجھے طلاق ہے یا بردہ آزاد کرنے سے وابستہ کیا مثلاً یہ کہا کہ اگر میں مقاربت کروں تو میرا غلام آزاد ہے یا نذر سے وابستہ کیا۔ مثلاً یہ کہا کہ اگر مقاربت کروں تو مجھ پر حج یا روزہ خواہ ایک ہی دن کا ہو لازم ہوگا۔ یہ تمام صورتیں مقاربت کو امر دشوار سے وابستہ کرنے کی ہیں۔ بخلاف اس کے اگر یہ کہا کہ اگر تجھ سے مقاربت کروں تو مجھ پر ماہ رواں کا یا ماہ گزشتہ کا روزہ لازم ہوگا (اس سے کچھ نہ ہوگا) کیوں کہ وقت ماضی کی نذر درست نہیں ہے اور ماہ رواں کے روزے کی شرط بے معنی ہے کہ اس ماہ کے ختم ہونے کے بعد مباشرت کی تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا کیوں کہ وہ ایام جن میں روز رکھنا تھا وہ گزر چکے ہوں گے۔ اور یوں کہنا بھی ایلاء ہے کہ (اگر مقاربت کروں) تو مجھ پر قربانی یا اعتکاف یا کفارہ یمین لازم ہوگا یا یہ کہا کہ مجھ پر ایک بردہ کا بلاتعین آزاد کرنا لازم ہوگا۔ یا سو رکعت نماز ادا کروں گا وغیرہ۔ ایسی تمام باتیں جن کے بجالانے میں جان کو مشقت ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے اگر کہا کہ چند رکعت نماز ادا کروں گا یا جنازے کے ساتھ جاؤں گا یا تسبیح پڑھوں گا وغیرہ ایسی باتیں جن میں مشقت نہیں ہے تو اس

Marfat.com

سے ایلاء نہ ہوگا۔ اب اگر (ترک مقاربت پر) اللہ کی قسم کھانے کے بعد مقاربت کی' تو قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور اگر طلاق پر قسم کھائی تھی تو طلاق پڑ جائے گی خواہ اسی بیوی پر طلاق کی قسم کھائی ہو یا کسی اور بیوی کے طلاق کی۔ اگر غیر متعین بردے کی آزادی پر قسم کھائی کھائی تو غلام کو آزاد کرنا لازم ہوگا۔ اس کے علاوہ کسی اور بات کی قسم کھائی تو اس کا پورا کرنا لازم ہے۔ اور ایلاء کا حکم ساقط ہو جائے گا۔ اگر بیوی سے مباشرت نہ کی گئی تو بطریق تفصیل آئندہ زوجین میں علیحدگی کرا دی جائے گی۔

تفصیل بالا سے یہ معلوم ہوا کہ ایلاء میں طلاق دینے' غلام آزاد کرنے' کفارہ دینے' قربانی دینے' حج کرنے اور روزہ وغیرہ کی شرط رکھی جا سکتی ہے کیوں کہ ان باتوں سے جان کو مشقت ہوتی ہے۔ نذر (یا منت ماننے) میں بھی اگر مشقت ہو تو اس پر ایلاء کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ مثلاً اگر بیوی سے یہ کہا کہ تجھ پر بیس رکعت نماز لازم ہو جائے گی۔ اب ظاہر ہے بیس رکعت نماز پڑھنا بذات خود کچھ دشوار نہیں ہے' گو بعض کمزور اشخاص پر سہولت پسندی کے باعث یہ دشوار ہو لہٰذا اگر اس پر ایلاء کیا تو ایسے شخص کو مولی (ایلاء کرنے والا) قرار نہ دیا جائے گا بخلاف اس کے اگر سو رکعت نماز کی قسم کھائی تو یہ امر بنفسہ مشقت طلب ہے لہٰذا ایسا نذر پر ایلاء ہو سکتا ہے۔

یہاں پر کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ اللہ کی قسم میں اپنی بیوی سے مباشرت نہیں کروں گا تو اسے ایلاء قرار دیا جائے گا بلکہ اصل ایلاء یہی ہے اور پھر خاوند نے بیوی سے مباشرت کر لی تو اس میں کوئی امر مشقت طلب نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اُس شخص کو قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا ظاہر ہے کہ کفارہ بھی امر مشقت طلب ہے۔

یہاں پھر دو سوال پیدا ہوتے ہیں ایک یہ کہ اگر کوئی ذمی شخص ایلاء کرے جس میں کفارہ لازم ہوتا ہے مثلاً وہ یوں کہے کہ بخدا میں اپنی بیوی سے مباشرت نہیں کروں گا تو اس کو امام صاحبؒ کے نزدیک ایلاء قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ اگر یہ معاملہ حاکم شرع کے سامنے پیش ہو تو حاکم شرع اس کو 'مولی' قرار دے گا لیکن اگر وہ مباشرت کر لے تو اس پر کفارہ عائد نہ ہوگا' کیوں کہ ذمی شخص حکم کفارہ کا پابند نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ذمی پر ایلاء تو اس لئے عائد ہوتا ہے کہ یہ معاملہ ہے' عبادت نہیں ہے اور کفارہ اس لئے عائد نہیں ہوتا کہ یہ عبادت ہے اور ذمی ان لوگوں میں نہیں جن پر عبادت کا حکم عائد ہوتا ہے لہٰذا ذمی شخص کا فر ہونے کے باعث اس حکم سے مستثنٰی ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر ایک شخص کہتا ہے کہ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اپنی چاروں بیویوں سے مباشرت نہ کروں گا تو وہ شخص اپنی تین بیویوں سے کفارہ ادا کئے بغیر مباشرت کر سکتا ہے اور اس طرح کسی مشقت طلب شرط کے بغیر اسے ایلاء قرار دیا جائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ایک شخص اپنی چار بیویوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھاتا ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ اس نے چاروں بیویوں سے ترک مقاربت کی قسم کھائی ہے لہٰذا اگر کسی ایک کے ساتھ مباشرت کی تو قسم نہیں ٹوٹی۔ قسم اس صورت میں ٹوٹے گی جبکہ چاروں بیویوں سے مباشرت کرے پس اگر تین عورتوں سے مقاربت کر لی اور ایک کو چھوڑ دیا تو صرف ایک کے ساتھ ایلاء رہ جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے جیسے ایک شخص قسم کھائے کہ میں زید اور عمر سے کلام نہ کروں گا اور صرف زید سے کلام کیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹی۔ ہاں اگر زید کے بعد عمر سے بھی کلام کر لیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ گویا دونوں سے ایک ساتھ کلام کیا۔ اسی طرح اگر اپنی بیوی اور لونڈی سے کہا کہ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ تم سے مقاربت نہ کروں گا۔ پھر صرف بیوی سے مقاربت کی تو یہ ایلاء نہ ہوگا' ہاں اگر لونڈی سے بھی مقاربت کر لی تو بیوی

Marfat.com

کے ساتھ ایلاء قرار پائے گا کیوں کہ اس قسم کا انحصار دونوں کے ساتھ مقاربت پر تھا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ایلاء یہ ہے کہ ایسا خاوند جو مباشرت کرنے کے قابل ہو اپنی بیوی سے مباشرت نہ کرنے کی بابت اللہ تعالیٰ یا اس کی کسی صفت کی قسم کھائے خواہ وہ بیوی غیر مباشرت شدہ ہو۔ ایلاء کی اس تعریف میں لفظ 'خاوند' جو کہا اس سے لونڈی کا آقا خارج ہو گیا۔ پس اگر لونڈی کا مالک قسم کھائے کہ میں اپنی لونڈی سے مباشرت نہ کروں گا تو وہ ایلاء نہیں ہے۔ خاوند کے قابل مباشرت ہونے کی قید لگانے سے کم سن خاوند جو مباشرت کے قابل نہ ہو نکل گیا۔ نامرد اور مقطوع العضو خاوند بھی اسی زمرہ میں ہے۔ پس ایسے شخص کا شرعی نقطہ نظر سے ایلاء نہیں ہے۔ اور قسم کے لئے اللہ یا اللہ کی کسی صفت کی قید سے کعبہ یا نبی کی قسم یا ظہار کرنے اور بردہ آزاد کرنے وغیرہ کی شرط خارج ہو گئی۔ اگر ایک شخص نے ان میں سے کسی بات کی قسم کھائی تو اس شخص کو ایلاء کنندہ قرار نہ دیا جائے گا اور مباشرت فطری کی قید سے تمام قسم کی غیر فطری مباشرت خارج ہو گئی۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

اس بارے میں کہ آیا نذر (یا منت) کی قسم بھی اللہ کی قسم کھانے کی مانند ہے؟ اختلاف ہے۔ اب اگر بیوی سے کہا کہ میں تجھ سے مباشرت کروں تو مجھ پر بیس رکعت پڑھنا فریضہ الٰہی عائد ہو جائے گا۔ ایسے شخص کو ایلاء کنندہ قرار دیا جائے گا اور چار ماہ کا انتظار کرنے کے بعد وہی عمل درآمد ہو گا جو ایلاء کرنے والے کے ساتھ ہوتا ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس شخص کو ایلاء کنندہ قرار نہ دیا جائے گا۔ کیوں کہ نذر ماننا ایک ایسا عہد ہے جو قسم نہیں ہے' جیسا کہ ظاہر ہے کہ حنابلہ کے نزدیک 'ایلاء' قسم ہے اور قسم یا تو اللہ (کی ذات) کی ہوتی ہے یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی۔ پس اگر مباشرت نہ کرنے کی قسم کو طلاق سے وابستہ کر دیا مثلاً (بیوی سے) یوں کہا کہ اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو تجھے طلاق ہے۔ یا (غلام) آزاد کرنے سے وابستہ کیا مثلاً کہا کہ اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو میرا غلام آزاد ہے یا ظہار سے مشروط کیا کہ اگر مباشرت کروں تو تو میری پشت مادر کی مانند ہو گی یا نذر مان لی کہ اگر مباشرت کروں تو مجھ پر حج یا صدقہ لازم ہو جائے گا وغیرہ تو ان باتوں سے اس شخص کو ایلاء کنندہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ کیوں (کسی امر کو) شرط سے وابستہ کرنے کا مطلب قسم کھانا نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں قسم کے الفاظ نہیں آتے۔ زیادہ سے زیادہ یہ امر قسم کی طرح کس کام سے باز رہنے یا ترک کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ لہٰذا مجازاً اسے بھی حلف کہا جاتا ہے۔ غرض قسم مشروط ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کعبہ کی قسم کھائی تھی۔ یعنی اس سے طلاق پڑ جائے گی۔ بردہ آزاد کرنا ہو گا اور منت کو پورا کرنا' نماز روزہ کا ادا کرنا لازم ہو گا۔ لیکن مباشرت نہیں کی تو ایلاء کے احکام عائد نہ ہوں گے البتہ بیوی کو حق ہو گا کہ اگر خاوند چار ماہ تک اپنی بیوی سے الگ رہے گو بغیر ایلاء کے الگ رہا ہو تو وہ اس معاملہ کو حاکم شرع کے سامنے پیش کرے اور حاکم خاوند کو بیوی کے پاس جانے کا یا طلاق دے دینے کا حکم دے جیسا کہ احکام ایلاء کے بیان میں بتایا جائے گا۔

اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ میں تجھ سے مباشرت کروں تو مجھ پر صوم دھر لازم ہے اور مباشرت کر لے تو اس سے کچھ نہ ہو گا کیوں کہ زمانہ ماضی کے متعلق منت مانی جائے تو وہ عائد نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر کہا کہ 'مباشرت کروں تو ماہ رواں کا روزہ مجھ پر فرض ہو گا'' پھر اس ماہ کے گزر جانے پر مباشرت کی تو اس سے کچھ لازم نہ ہو گا کیوں کہ وہ زمانہ گزر چکا (جس میں روزہ مانا تھا) ہاں اگر (بیوی سے) یوں کہا کہ جس ماہ میں تجھ سے مباشرت کروں اس کا روزہ مجھ پر لازم ہو گا تو لازم

Marfat.com

ہوگا کہ اگر جس ماہ میں مباشرت کی اس کے باقی ایام میں روزہ رکھے۔

اگر (بیوی سے) کہا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ انشاء اللہ تجھ سے مباشرت کروں گا اور پھر مباشرت کر لی تو اس سے کچھ نہ ہوگا کیوں کہ اس میں (شرط کی) استثناء سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

تفصیلات بالا سے واضح ہے کہ حنابلہ کو حنفیہ اور دوسرے ائمہ سے اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک تعلیقات (یعنی شرائط) حقیقی معنوں میں قسم نہیں ہیں لہٰذا وہ ان کو ایلاء قرار نہیں دیتے تاہم وہ امر مشروط کے اقدام پر ان کی شرائط کے پورا کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں۔ نتیجۃً ان میں اور دوسرے مسالک میں کوئی فرق نہیں رہتا کیوں کہ اس بات پر سب کو اتفاق ہے کہ اگر اس طرح کی (مشروط) قسم کوئی شخص کھالے تو اسے چاہئے کہ وہ چار ماہ کے بعد اپنی بیوی سے مقاربت کرے یا اسے طلاق دے دے اگرچہ ایلاء نہ ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ شرع کی رو سے ایلاء یہ ہے کہ ایک مسلمان اور مکلف خاوند جو عورتوں سے مباشرت کی صلاحیت رکھتا ہو اپنی آزاد (غیر مملوکہ) بیوی سے جو دودھ نہ پلاتی ہو چار ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ کے لئے ترک مباشرت کی قسم کھالے یا اگر وہ بیوی لونڈی (یعنی مملوکہ) ہو تو دو ماہ سے زیادہ عرصہ کے لئے قسم کھائے۔ ایلاء کی اس تعریف میں خاوند کے قسم کھانے کی تین صورتیں ہیں: ایک صورت اللہ تعالیٰ یا اس کی کسی صفت کی قسم ہے۔ مثلاً (بیوی) سے یوں کہنا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ تجھ سے کبھی مباشرت نہ کروں گا۔ یا پانچ ماہ تک نہ کروں گا۔ اسی طرح اللہ کے علم یا اس کی قدرت وغیرہ کی قسم ہے۔ دوسری صورت ایسی خاص شے کو اپنے اوپر لازم کر لینا ہے جس کا لازم کر لینا جائز ہے۔ مثلاً طلاق دینا' آزاد کرنا' صدقہ دینا یا روزہ' نماز اور حج وغیرہ کو لازم کر لینا۔ بایں طور کہ ایک شخص (بیوی سے) کہے کہ اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو تجھے طلاق ہے یا فلاں غلام کا آزاد کرنا مجھ پر لازم ہوگا یا اتنی اشرفیوں کا صدقہ یا سو رکعتیں یا ایک مہینے کا روزہ یا مکہ معظمہ کی زیارت اپنے اوپر لازم کرتا ہوں۔ اس کو نذر معین (یعنی مقررہ شے کی منت مان لینا یا ارادہ کر لینا) کہتے ہیں۔ تیسری صورت غیر معین امر کو لازم کر لینا ہے۔ مثلاً یوں کہا کہ اگر مباشرت کروں تو اپنی نذر پوری کروں گا یا صدقہ دوں گا۔ (یہ سب صورتیں ایلاء کی ہیں) لیکن اگر (بیوی سے) یوں کہا کہ "علی نذر ان لا اطماک" (یعنی میں نے نذر مان لی ہے کہ تجھ سے مباشرت یا مقاربت نہ کروں گا) تو اس میں اختلاف ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اسطرح سے بھی ایلاء ہو جائے گا اور بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو ایلاء کنندہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ اول الذکر خیال کی توجیہ یہ ہے کہ ایک شخص کے اس طرح کہنے سے کہ میں نے نذر مانی ہے کہ تجھ سے مباشرت نہ کروں' یہ مطلب ہے کہ اگر مباشرت نہ کروں تو اپنی نذر پوری کروں گا۔ گویا اس نذر کو مباشرت نہ ہونے کی صورت میں پورا کرنا ہوگا اگر بیوی سے ترک مباشرت کرنا گناہ ہے اور نذر مشروط بالمعصیت عائد ہو جاتی ہے۔ دوسرے خیال کی توجیہ یہ ہے کہ تعلقین (یعنی شرط) ہے ہی نہیں بلکہ یہاں معنی مصدری مراد ہیں جو لفظ "ان" (بمعنی کہ) اور فعل (مابعد) سے ماخوذ ہیں گویا اس شخص نے یہ کہا کہ تجھ سے مباشرت نہ کرنا میری نذر (یعنی منت) ہے۔ پس یہ گناہ کا ارادہ کرنا ہوا۔ اس نذر کو گناہ کی شرط نہیں کہا گیا اور گناہ کے لئے نذر (یا ارادہ) کرنا صحیح نہیں ہے۔

تفصیل بالا سے واضح ہوا کہ اختلاف کی بنا اس پر ہے کہ اس قسم میں شرط ہے یا نہیں؟ اب جو اصحاب کہتے ہیں کہ

Marfat.com

اس قول میں نذر کے پورا کرنے کو مباشرت نہ کرنے پر مشروط کیا گیا ہے وہ تو اس صورت میں ایلاء کا حکم عائد کرتے ہیں۔ کیوں کہ نذر کی شرط اگر معصیت ہو تو وہ شرط عائد ہو جاتی ہے اور جو اصحاب یہ کہتے ہیں کہ اس میں شرط نہیں ہے بلکہ یہ جملہ مبتدا اور خبر پر مشتمل (ایک جملہ اسمیہ) ہے اور اس طرح کہنا گویا (بیوی کو) یہ بتانا ہے کہ تجھ سے مباشرت نہ کرنا میری منت ہے ان کے نزدیک اس سے قسم (ایلاء) عائد نہیں ہے کیوں یہ معصیت کی ایک منت (یا ارادہ) ہے۔ معصیت نذر (پورا کرنا) کی شرط نہیں ہے لہٰذا یہ قسم (یا ایلاء) نہیں ہے۔ البتہ جس قسم میں صراحۃً شرط ہو اس ایلاء کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے خواہ اس میں نذر کسی معین شے کی مانی گئی ہو یا مبہم (غیر معین) شے کی جیسا کہ متذکرہ صدر صورت میں بتایا گیا۔ یعنی یوں کہنا کہ اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو اپنی نذر پوری کروں گا۔ اس قول سے مباشرت کو (نذر کی) شرط قرار دیا گیا ہے لہٰذا وہ (شرط) بہر حال عائد ہوگی اور (مالکیہ کی تعریف ایلاء میں) جو مسلمان کا لفظ آیا ہے اس سے کافر خارج ہو گیا۔ یعنی کافر کو اس حلف سے ایلاء کنندہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ ائمہ ثلاثہ کو اس سے اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کافر کا ایلاء کرنا درست ہے جیسا کہ شرائط ایلاء میں بتایا جائے گا۔

واضح ہو کہ ائمہ ثلاثہ نے اپنے خیال کی دلیل میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''الذین یولون من نسائھم الآیۃ'' کو (یعنی جو لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ ایلاء کرتے ہیں ان کو۔۔۔) پیش کرتے ہیں کہ اس میں جو صیغہ اسم موصول (یعنی الذین) ہے اس میں مسلمان' کافر' آزاد اور غلام سب شامل ہیں۔ مالکیہ کا جواب یہ ہے کہ اسم موصول میں عمومیت کا مفہوم لینا اسی صورت میں صحیح ہے جب کہ اس کی عمومیت کو برقرار رکھا جائے۔ لیکن یہاں پر اس آیت کے آگے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے **فان فاء وا فان اللہ غفور رحیم** (پھر اگر وہ رجوع کرلیں تو اللہ بڑا مغفرت کرنے اور رحم کرنے والا ہے)۔ یہ ارشاد لفظ الذین (یعنی جو لوگ) کی عمومیت سے مسلمانوں کو مخصوص کرتا ہے کہ وہ اشخاص جو اپنی بیویوں سے مباشرت کر کے ایلاء سے رجوع کرلیں اللہ ان کی مغفرت فرمائے گا۔ پس وہ مسلمان ہی ہو سکتے ہیں کافر بہر حال اللہ کی رحمت (کے دائرہ) سے خارج ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک یہ امر مسلمہ ہے کہ کافر کو کفر اور معصیت کی بناء پر عذاب ہوتا ہے۔ اگر اس خیال کو صحیح مان لیا جائے تو یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ کافر اپنی بیوی سے رجوع کرلے تو اللہ اس کی معصیت کو معاف کردے گا اور اس پر عذاب نہ ہوگا۔ (حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔ یہ جواب درست معلوم ہوتا ہے)۔

(مالکیہ کی تعریف ایلاء میں) لفظ مکلف (یعنی جو اسلامی احکام کا پابند قرار دیا جائے) جو آیا ہے اس سے بچے اور جنون زدہ کا ایلاء (اس حکم سے) خارج ہو گیا۔ لہٰذا ان کا ایلاء بھی کافر کے ایلاء کی طرح نافذ نہ ہوگا اور یہ جو قید لگائی کہ وہ شخص (مولی) ایسا ہو جو مباشرت کر سکتا ہو اس سے نامرد' خصی اور ضعیف العمر اشخاص جو عورتوں سے مقاربت نہ کر سکتے ہوں نکل گئے۔ البتہ ایسا بیمار شخص جو بحالت بیماری عورتوں سے مباشرت نہ کر سکتا ہو اس کا ایلاء کرنا صحیح ہوگا درآنحالیکہ ایلاء کی مدت کو دوران مرض سے وابستہ نہ کیا گیا ہو۔ ایسی حالت میں وہ ایلاء نہ ہوگا۔ کیوں کہ ایسا شخص قدرتی طور پر مباشرت کا نااہل ہے۔

(تعریف ایلاء میں) بیوی سے مباشرت ترک کرنا جو آیا ہے۔ اس میں مشروط اور غیر مشروط (قطعی) دونوں طرح کی مباشرت شامل ہے۔ قطعی مباشرت (کی قسم کھانے) کی مثال یہ ہے کہ خاوند بیوی سے کہے کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں

Marfat.com

کہ چار ماہ سے زیادہ عرصہ تک تجھ سے مقاربت نہیں کروں گا اور مشروط ترک مباشرت (کی قسم) یہ ہے کہ قسم اللہ کی جب تک اس گھر یا اس شہر میں ہوں تجھ سے مباشرت نہ کروں گا۔ پس جس طرح قسم قطعی بھی ہوتی ہے اور مشروط بھی اسی طرح ترک مباشرت بھی قطعی اور مشروط دونوں طرح ہوسکتا ہے نیز زوجہ (بیوی) بھی کبھی قطعی اور کبھی مشروط ہوتی ہے۔ قطعی زوجہ کی مثال یونہی ظاہری زوجیت ہے اور مشروط (طور پر) زوجہ (بننے) کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کہے کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر میں نے فلاں عورت سے شادی کرلی تو مثلاً پانچ ماہ تک اس سے مباشرت نہ کروں گا یا کسی اجنبی عورت کے بارے میں یوں کہے کہ بخدا میں فلاں عورت سے مباشرت نہ کروں گا اور پھر اسی عورت سے شادی ہوجائے تو اب اس عورت کے ساتھ اس شخص کا ایلاء ہوجائے گا اور یہی حکم مشہور ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ زوجہ مشروط کے ساتھ ایلاء نہیں ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''للذین یولون من نسائهم'' میں ایلاء کو اپنی بیوی کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ اجنبی عورت کو بیوی نہیں کہا جاسکتا تاہم مشہور حکم وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قسم کبھی تو قطعی ہوتی ہے اور کبھی مشروط ہوتی ہے اور محلوف علیہ (یعنی جس بات کی قسم کھائی جائے وہ) بھی یعنی ترک مباشرت کبھی قطعی ہوگا اور کبھی مشروط ہوگا نیز جس کے بارے میں قسم کھائی گئی یعنی بیوی کو وہ بھی قطعی ہوسکتی ہے اور مشروط بھی۔ ان سب کی مثالیں بتائی جاچکی ہیں۔

اور (ایلاء کی تعریف میں) یہ جو آیا ہے کہ وہ عورت دودھ پلانے والی نہ ہو اس قید سے دودھ پلانے والی بیوی اس زمرہ سے خارج ہوگئی۔ پس اگر کسی نے قسم کھائی کہ جب تک بیوی (بچہ کو) دودھ پلاتی رہے گی میں اس سے مباشرت نہ کروں گا تو یہ ایلاء نہ ہوگا بشرطیکہ قسم کا مقصد بچے کی بہتری ہو یا کوئی مقصد نہ ہو (بلکہ صرف دودھ پلانے کی وجہ سے ترک مباشرت کی ہو) تب بھی ایلاء ہوگا۔ لیکن کسی سبب کو ذہن میں رکھے بغیر ترک مباشرت کی قسم کھائی تو یہ ایلاء ہوجائے گا۔

ایلاء کے لئے چار ماہ سے زیادہ جو قید لگائی گئی ہے۔ اس سے چار ماہ یا کم کے لئے قسم کھانے کی صورت (ایلاء سے) خارج ہوگئی۔ ایسی قسم کو ایلاء قرار نہیں دیا جائے گا۔ ایلاء کے چار ماہ سے زیادہ عرصہ کے لئے ترک مباشرت کی قسم ضروری ہے۔ خواہ یہ زیادتی صرف ایک ہی دن کی ہو۔ تین اماموں کی یہی رائے ہے۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ چار ماہ (کے عرصے) کے لئے قسم کھائی جائے تب بھی ایلاء ہے اس کے لئے زیادہ عرصہ ضروری نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ایلاء یہ ہے کہ خاوند جس کا مباشرت کرنا متوقع ہو اور جس کا (قابل مباشرت بیوی سے) بطریق فطری مباشرت نہ کرنا موجب طلاق ہوجائے ترک مباشرت کی قسم کھائے یہ قسم (مطلق (یعنی غیر مشروط) ہو یا چار ماہ سے زیادہ عرصہ کے لئے ہو۔

اس تعریف میں لفظ حلف (یا قسم) میں یہ تینوں صورتیں شامل ہیں ایک یہ کہ وہ قسم اللہ تعالیٰ کے ناموں یا اس کی صفات میں سے کسی کی قسم کھائی جائے مثلاً یوں کہا جائے کہ میں اللہ کی یا قدرت الٰہی کی قسم کھاتا ہوں کہ اپنی بیوی سے مباشرت نہ کروں گا۔

دوسرے یہ کہ مباشرت کو طلاق ہوجائے یا بردہ آزاد کرنے کی شرط سے وابستہ کیا گیا ہو مثلاً (بیوی سے) یوں کہا کہ اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو تجھے یا تیری سوکن کو طلاق ہے یا میرا غلام آزاد ہے۔ ان صورتوں میں بیوی یا اس کی

Marfat.com

سوکن کی طلاق کو یا غلام کو آزاد کردینے کو مباشرت سے مشروط کیا گیا ہے۔

تیسرے یہ کہ منت (یا نذر) ماننے سے جو نیک کام لازم ہوتے ہیں مثلاً نماز روزہ وغیرہ کو ایلاء (یعنی ترک مباشرت کی قسم) سے اپنے اوپر لازم کر لینا جیسے (بیوی سے) یوں کہا کہ اگر تجھ سے مباشرت کروں تو اللہ کی طرف سے مجھ پر اتنی نماز یا روزہ یا غلام کا آزاد کرنا یا صدقہ وغیرہ مجھ پر لازم ہوگا۔ بیوی سے ترک مباشرت کے قسم (یا ایلاء) ان ہی تین صورتوں میں عائد ہوتا ہے ان سب کے متعلقہ امور کی تفصیل احکام ایلاء کے بیان میں آگے آئے گی۔

اس تعریف میں لفظ 'زوج' جو آیا ہے اس میں مسلمان' کافر' چھوٹا' بڑا' آزاد' غلام سب شامل ہیں اور اسی زمرہ میں مخمور انسان بھی ہے۔ پس اگر نشے کی حالت میں کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ اپنی بیوی سے مباشرت نہ کروں گا تو وہ بھی ایلاء ہے اسی طرح مریض اور خصی انسان جس کے خصیتین مقطوع ہوں لیکن مباشرت کی قوت رکھتا ہو اور وہ نامرد جو ایلاء کے وقت مباشرت کرنے کے قابل ہو شامل ہیں۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ وہ شخص (ایلاء کرنے والا) ایسا ہو جس سے مباشرت کی توقع ہو سکے اس سے وہ بچہ خارج ہو گیا جو فعل مباشرت سے ناواقف ہو۔ اسی طرح وہ شخص بھی جس کا عضو مخصوص شل ہو گیا اور مباشرت نہ کر سکتا ہو یا اس کا عضو مخصوص اس قدر مقطوع ہو کہ مباشرت کی صلاحیت ختم ہو گئی ہو۔ ایسے اشخاص کا ترک مباشرت کی قسم کھانا بے معنی ہے وہ تو قدرتی طور پر اس حالت میں مباشرت سے عاجز ہیں بخلاف ایسے شخص کے جو صحت یاب ہونے کی امید رکھتا ہو۔ اس کا ایلاء درست ہے بشرطیکہ ایام ایلاء کے لئے مرض کے دنوں کی قید نہ ہو اس حال میں بھی ایلاء کے کچھ معنی نہیں کیوں کہ طبعاً وہ مباشرت سے عاجز ہے اور ایلاء کی قسم سے عورت کو کوئی دکھ نہیں ہو سکتا۔

یہ شرط کہ ایلاء کرنے والا ایسا شخص ہو جس کے ایلاء کی بناء پر بیوی کو طلاق ہو سکتی ہے پس جو شخص طلاق نہیں دے سکتا جیسے بچہ' جنون زدہ' جبر کیا گیا اس کا ایلاء درست نہیں ہے۔

تعریف میں لفظ خاوند جو آیا ہے اس سے خاوند کے علاوہ اور شخص کا ایلاء خارج ہو گیا ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں ہندہ سے (جو اس کی بیوی نہیں ہے) مباشرت نہیں کروں گا پھر اسی عورت (ہندہ) سے شادی ہو گئی تو یہ قول اس کا ایلاء قرار نہ دیا جائے گا۔ ہاں قسم کھانے والا مانا جائے گا کہ اگر اس سے مباشرت کر لی تو قسم توڑنے کا کفارہ لازم ہوگا۔ یہ بات سابقاً بتائی جا چکی ہے کہ غیر عورت کے طلاق کی قسم کھائی تو وہ قسم عائد نہ ہوگی۔

بیوی سے ترک مباشرت کی جو قید ہے اس سے لونڈی سے ترک مباشرت کی قسم نکل گئی۔ کہ اس سے ایلاء درست نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ لونڈی اس کی بیوی ہو تو اس صورت میں آزاد عورت کی طرف اس سے بھی ایلاء درست ہے۔

یہ قید کہ وہ عورت بھی ایسی ہو جس کے ساتھ مباشرت ہو سکتی ہو۔ اس قید سے وہ صغیر سن بچی جو قابل مباشرت نہ ہو خارج ہو گئی۔ پس اگر ایک شخص قسم کھائے کہ ایک سال تک اس سے مباشرت نہ کرے گا اور وہ لڑکی چھ ماہ سے کچھ کم عرصہ میں قابل مباشرت ہو جائے تو اس شخص کو ایلاء کنندہ قرار دیا جائے گا۔ کیوں کہ اس سال کے اندر اتنے عرصہ تک جو ایلاء کی مدت ہے (یعنی چار ماہ سے کچھ زیادہ عرصہ تک) وہ لڑکی قابل مباشرت رہی۔ صغیر سن لڑکی ہی کی طرح وہ عورت بھی ہے جو ایسے مرض میں مبتلا ہو جو مانع مباشرت ہے۔ مثلاً رتقا میں مبتلا عورت (رتقا عورت کا ایک مخصوص مرض ہے جس سے وہ

Marfat.com

ایلاء کے ارکان (اجزائے لازمی) اور اس کی شرطوں کا بیان

ایلاء کے ارکان چھ ہیں[1] محلوف بہ' محلوف علیہ' صیغہ (الفاظ حلف) مدت (میعاد ایلاء) اور میاں بیوی۔ محلوف بہ وہ ہے جس کی قسم کھائی جائے' اس کی تفصیل ایلاء کی تعریف میں آ چکی ہے۔ محلوف علیہ (جس بات پر قسم کھائی جائے یعنی ترک مباشرت' پس اگر کسی نے کہا کہ قسم اللہ کی میں اپنی بیوی سے مباشرت نہ کروں گا۔ اس میں مباشرت محلوف علیہ ہے اور اللہ محلوف بہ ہے۔ اور اگر کہا کہ مجھ پر طلاق لازم ہوگی بخدا میں مباشرت نہ کروں گا۔ اس قول میں طلاق محلوف بہ ہے اور مباشرت محلوف علیہ ہے۔ اور بعض اوقات بیوی ہی کو محلوف علیہ کہا جاتا ہے کیوں کہ مباشرت کا مفہوم اس کی ذات سے وابستہ ہے اور صیغہ قسم میں تمام وہ اقسام مذکورہ شامل ہیں۔ مدت سے مراد وہ عرصہ جس کے لئے قسم کھائی گئی ہے یعنی چار ماہ سے

عورت مباشرت کے قابل نہیں رہتی) بخلاف ایسے مرض کے جو مانع مباشرت نہ ہو یا عارضی طور پر مانع ہو۔ ایسی عورتوں سے ایلاء درست ہے۔

تعریف ایلاء میں فطری مباشرت کی جو قید لگائی گئی ہے اس سے بیوی کے ساتھ غیر فطری مباشرت کے ترک کرنے کی قسم خارج ہوگئی کیوں کہ یہ فعل پہلے ہی ممنوع ہے۔ اس کے برعکس اگر یہ قسم کھائی کہ میں غیر فطری مباشرت کے علاوہ اور کوئی مباشرت نہ کروں گا تو یہ ایلاء ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی مباشرت فطری کے ترک کرنے کی قسم ہے۔ لیکن اگر قسم کھائی کہ ایام ماہواری کے دوران یا بحالت روزہ رمضان یا مسجد کے علاوہ مباشرت نہ کروں گا تو یہ ایلاء ہوگا گو یہ قسم بھی ایسے حال میں مباشرت کی قسم ہے جس میں مباشرت حرام ہے تاہم یہ قسم فطری مباشرت کے ترک کرنے کی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ممانعت امر عارضی حالت ناپاکی کے پیش آجانے وغیرہ کی وجہ سے ہے۔ اس کے برخلاف غیر فطری مباشرت بنیادی طور پر حرام ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور طرح کی مباشرت ترک کرنے کی قسم کھائی تو ایلاء نہ ہوگا۔

(تعریف ایلاء میں) قسم کے بارے میں مطلق (یا غیر مشروط) ہونے کی جو شرط ہے اس سے مراد وہ قسم ہے جس میں کسی وقت کی شرط نہ ہو مثلاً (بیوی سے) یوں کہنا کہ اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو تجھے طلاق ہے یا پھر ترک دائمی کی شرط لگائی مثلاً یوں کہنا کہ میں تیرے جیتے جی کبھی یا نزول مسیح کے وقت تک یا قیامت تک تجھ سے مباشرت نہ کروں گا یا پھر چار ماہ سے زیادہ عرصہ کی قید لگائی خواہ یہ زیادتی لحظہ بھر کی ہو مثلاً یہ کہا کہ چار مہینے اور پندرہ منٹ تک مباشرت نہ کروں گا لیکن اگر چار ماہ سے یا اس سے کم عرصہ تک مباشرت نہ کرنے کی قسم کھائی تو وہ ایلاء نہ ہوگا۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ایلاء کا رکن بناء بر تفصیل سابقہ صرف ایک امر ہے یعنی صیغہ (یعنی الفاظ قسم) کیوں کہ رکن (یا جزو لازم) وہ امر ہوتا ہے جو کسی شے کی ماہیت میں داخل ہو اور ایلاء کی ماہیت کا تحقق صرف الفاظ قسم سے ہوتا ہے۔ اور یہ بات بتائی گئی ہے کہ جو لوگ ان شرائط کو ان ارکان میں شمار کرتے ہیں ان کے نزدیک رکن سے مراد وہ شے ہے جس کے بغیر کسی شے کی ماہیت کا تحقق نہ ہو' خواہ وہ شے ماہیت میں داخل ہو یا نہ ہو۔

Marfat.com

کچھ زیادہ عرصہ کے لئے[1] مسالک مختلفہ کی رو سے ہر ایک کی شرائط تفصیل طلب ہیں۔[2]

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ایلاء کی میعاد چار ماہ بغیر زیادتی کے ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ الفاظ قسم (کے صحیح ہونے کی) چند شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ (ایلاء میں) اپنی بیوی کے ساتھ کسی اور عورت کو شامل کیا جائے پس اگر ایک شخص نے کہا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنی بیوی اور لونڈی سے مباشرت نہ کروں گا' یا میں اپنی بیوی اور فلاں اجنبی عورت سے مباشرت نہ کروں گا تو یہ بیوی سے ایلاء متصور نہ ہوگا کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ اپنی بیوی سے مباشرت کرے۔ اس پر کفارہ عائد نہ ہوگا جیسا کہ تعریف ایلاء میں بتایا گیا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ایلاء کی مدت میں سے کوئی وقت مستثنیٰ نہ کیا جائے ایسا کیا تو سردست وہ قسم ایلاء نہ ہوگی مثلاً اگر بیوی سے کہا کہ میں ایک دن کے سوا سال بھر تک تجھ سے مباشرت نہ کروں گا تو اسے ایلاء کنندہ قرار نہ دیا جائے گا۔ پھر اگر سال بھر تک اس نے بیوی سے مباشرت نہ کی یہاں تک کہ اس دن بھی نہ کی جس دن کو اس نے مستثنیٰ کیا تھا' تو قسم نہیں ٹوٹے گی کیوں کہ قسم میں اس دن کی تعین نہیں تھی جس دن کو مستثنیٰ کیا تھا بلکہ (قسم) سال کے ممنوعہ ایام میں بھی مقاربت کو مباح کر لیا تھا اور اسے اختیار تھا کہ سال بھر کے تمام دنوں میں جس دن بھی چاہے مقاربت کر سکتا۔ اس طرح کی قسم کھانے کے بعد اگر کسی روز مباشرت کر لی تو دیکھا جائے گا کہ اس مقاربت کے بعد اگر سال میں سے چار ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ باقی ہے تو اس شخص کو مقاربت والے دن کا آفتاب غروب ہوتے ہی ایلاء کنندہ قرار دیا جائے گا اگر اس کے بعد اس نے مباشرت کی تو اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ اگر مباشرت نہیں کی اور اس روز کا سورج غروب ہونے کے بعد پورے چار ماہ تک وہ بیوی سے علیحدہ رہا اور مباشرت نہیں ہوئی تو بیوی پر ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ لیکن اگر قسم کھانے کے بعد کسی دن مباشرت کی اور سال کے پورا ہونے میں چار ماہ سے کم عرصہ باقی ہے تو اسے ایلاء قرار نہ دیا جائے گا۔ پس اگر سال کے آغاز میں ایک شخص نے قسم کھائی کہ ایک دن کے سوا سال بھر تک مباشرت نہ کروں گا تو ایک دن کے سوا اس کی قسم تمام سال کے لئے مشروط ہوگی لہٰذا ممکن ہے کہ چار ماہ گزرنے سے پہلے مباشرت کر لے تو یہ ایلاء ہوگا البتہ اگر اس نے ایک دن جس کی اس نے استثناء کی تھی مباشرت کر لی اور سال کے پورا ہونے کے چار ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ باقی ہے تب ہی اس شخص کو ایلاء کنندہ قرار دیا جائے گا۔ بصورت دیگر اسے ایلاء نہ کہیں گے۔ ایسی ہی وہ صورت بھی ہے جبکہ ایک شخص بیوی سے کہے کہ بخدا گھڑی بھر کے سوا سال بھر تک تجھ سے مباشرت نہ کروں گا تو اس گھڑی کے آنے سے وہ شخص سردست ایلاء کنندہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر یوں کہا کہ ایک دن کے سوا جس میں مباشرت کروں تمام سال ترک مباشرت کی قسم کھاتا ہوں تو اس صورت میں کبھی ایلاء کنندہ متصور نہ ہوگا۔ خواہ مقاربت کرے یا نہ کرے کیوں کہ اس نے صریحاً بتا دیا ہے کہ سال بھر کے دنوں میں سے ایک دن مباشرت کرے گا۔ اس صراحت سے قسم ختم ہو جائے گی اور ایلاء نہ ہوگا اور اگر کہا کہ ایک دن کے علاوہ مباشرت نہ کروں گا اور سال کا ذکر نہیں کیا تو اسے ایلاء قرار نہ دیا جائے گا البتہ اگر مقاربت کر لی تو وہ شخص ہمیشہ کے لئے ایلاء کنندہ قرار پائے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ قسم میں کسی خاص جگہ کی قید نہ ہو۔ چنانچہ اگر قسم کھا کر یہ کہا کہ میں اپنی بیوی سے اس کے باپ

Marfat.com

کے گھر میں مباشرت نہ کروں گا تو یہ ایلاء نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس میں دوسرے مقام پر مباشرت کرنے کو روا رکھا گیا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ قسم مقاربت سے باز رکھنے والی رکاوٹ پر مشتمل نہ ہو۔ پس اگر یہ کہا کہ اگر میں تجھے بستر پر بلاؤں تو تجھے طلاق ہے۔ ایسی صورت میں یہ ایلاء نہ ہوگا' کیوں کہ ممکن ہے بستر پر بلانے سے اس کی قسم ٹوٹ جائے اور جب بستر پر بلائے تو اسے طلاق ہو جائے۔ پھر اس کے بعد اسے حق ہے کہ کسی بھی وقت وہ اپنی بیوی کے پاس جائے تو اس پر کوئی حکم عائد نہ ہوگا (ایلاء کی) وہ شرطیں جن کا تعلق خاوند سے ہے یہ ہیں کہ خاوند طلاق دینے کا اہل ہو یعنی عاقل و بالغ ہو نابالغ بچے اور جنون زدہ کا ایلاء درست نہیں ہے۔ البتہ مسلمان ہونے کی شرط نہیں ہے۔ ذمی (اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا) بھی ایلاء کر سکتا ہے البتہ اگر وہ اپنی قسم کو کسی دینی عمل سے مشروط کرے مثلاً (بیوی سے) یوں کہے کہ اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو مجھ پر حج لازم ہوگا تو وہ بالاتفاق ایلاء کنندہ قرار نہ دیا جائے گا۔ ہاں بردہ آزاد کرنے کی شرط ہو تو غلام کا آزاد کرنا بالاتفاق لازم ہوگا۔ اگر خدا کی قسم کھا کر کہا کہ بیوی سے مباشرت نہیں کرے گا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا ایلاء درست ہوگا لیکن صاحبینؒ کے نزدیک درست نہیں ہے۔ اس کی تفصیل تعریف ایلاء کے بیان میں آ چکی ہے۔ اسی طرح اگر غلام ایسی بات پر قسم کھائے جس کا تعلق مال سے نہ ہو تو درست ہے۔ کیوں کہ غلام مالی تصرفات کا اہل نہیں ہے۔ پس اگر اس نے (بیوی سے) کہا کہ اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو ایک غلام کا آزاد کرنا یا صدقہ دینا لازم ہوگا تو یہ ایلاء درست نہیں ہے۔

ایلاء کی میعاد کے بارے میں یہ شرط ہے کہ آزاد عورت سے پورے چار ماہ کی مدت کے لئے (زیادتی ضروری نہیں) ایلاء کیا جائے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اگر بیوی لونڈی (مملوکہ) ہے تو اس کے لئے ایلاء کی مدت دو ماہ ہے۔ خاوند خواہ آزاد ہو یا غلام۔

تفصیل بالا سے واضح ہے کہ مباشرت سے روکنے والی شے کے ہوتے ہوئے بھی ایلاء درست ہے۔ اگرچہ وہ رکاوٹ فطری ہو مثلاً نامردی اور صغیر سنی وغیرہ جیسا کہ احکام ایلاء کے بیان میں بتایا جائے گا۔

واضح ہو کہ الفاظ ایلاء کی دو قسمیں ہیں ایک قسم صریح ہے جس میں ہر ایسا لفظ داخل ہے جس کا یہ مطلب سننے کے ساتھ ہی ذہن میں آ جائے مثلاً (ترک) جماع۔ مباشرت۔ مقاربت۔ یا جنسی عمل یا شرمگاہوں کا انضمام۔ پس اگر ان میں سے کسی کو ترک کرنے کی قسم کھائی اور پھر بعد میں کہا کہ اس سے ارادہ ترک مباشرت کا نہ تھا تو قانوناً اس کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی۔ ہاں دیانتاً اسے مانا جا سکتا ہے۔ رہا الفاظ کنایہ کا استعمال جس سے مراد یہ ہے کہ مباشرت کا مفہوم اس سے نکلتا ہو لیکن اس کے علاوہ کوئی اور مفہوم بھی نکلتا ہو گو فوری طور پر ذہن ادھر منتقل نہ ہوتا ہو مثلاً قسم کھا کر یہ کہنا کہ میں اس عورت کو ہاتھ نہ لگاؤں گا یا اس کے پاس نہ جاؤں گا اس سے تخلیہ نہ کروں گا۔ ہم آغوش نہ ہوں گا۔ میرا اور اس کا سر ایک ہی تکیہ پر نہ ہوگا اس سے ہم صحبت نہ ہوں گا۔ یا یہ کہ بخدا میں اسے تنگ کر دوں گا۔ ان الفاظ سے اگر ایلاء کی نیت نہ ہو تو ایلاء نہ ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ صیغہ (الفاظ ایلاء) کی چند شرطیں ہیں۔ ایک شرط یہ ہے کہ وہ الفاظ قطعی یا مشروط طور پر ترک ایلاء کا مفہوم نہ رکھتے ہوں جیسا کہ ایلاء کی تعریف کے بیان میں پہلے بتایا گیا۔ چنانچہ اگر قسم کھائی کہ میں اپنی بیوی کو چھوڑ

Marfat.com

دوں گا یا اس سے کلام نہ کروں گا تو یہ ایلاء قرار نہ پائے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ایلاء کو کسی خاص زمانہ سے مشروط نہ کیا جائے مثلاً یوں کہنا کہ بخدا اس رات کو یا دن کے وقت (بیوی سے) مباشرت نہ کروں گا بخلاف اس کے اگر بیوی سے کہا کہ قسم ہے اللہ کی جب تک تو شہر سے باہر نہ جائے میں تجھ سے مباشرت نہ کروں گا۔ اس طرح کہنے سے ایلاء ہو جائے گا بشرطیکہ شہر سے باہر جانا بیوی کے لئے باعث عار ہو۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ گھر کے بارے میں اسی طرح کہا جائے (یعنی جب تک تو اس گھر سے باہر نہیں نکلے گی میں تجھ سے مباشرت نہیں کروں گا)۔

اگر خاوند بغیر قسم کھائے ایسی مباشرت ترک کر دے جس میں انزال نہ ہو تو بیوی کو یہ معاملہ حاکم شرع کے سامنے پیش کرنے کا حق ہے تاکہ وہ خاوند کی طرف سے اسے طلاق دے دے۔ اس بارے میں حاکم شرع کو اختیار ہے کہ بغیر کوئی مدت مقرر کئے طلاق دے دے یا اس کے لئے کوئی مدت مقرر کر دے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ قسم میں کوئی استثناء نہ رکھی گئی ہو۔ چنانچہ اگر قسم کھائی کہ اس سال میں دو بار سے زیادہ مباشرت نہ کروں گا تو اس سے ایلاء عائد نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس میں ممکن ہے کہ وہ چار ماہ تک مباشرت ترک کر دے پھر مباشرت کرے اس کے بعد پھر چار ماہ کے لئے ترک کرے اور پھر ایسے وقت میں مباشرت کرے کہ ایلاء کی مدت (یعنی چار ماہ) سے کم عرصہ باقی رہا تو ایسی صورت میں قسم نہیں ٹوٹے گی اور اس سے اس شخص کو ایلاء کنندہ شمار نہ کیا جائے گا۔ اگر کہا کہ بخدا اس سال ایک بار کے سوا مباشرت نہ کروں گا تو ایلاء نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ مباشرت کرے اور ہنوز سال میں سے چار ماہ سے زیادہ عرصہ آزاد عورت کی صورت میں دو ماہ سے زیادہ غلام عورت کی صورت میں باقی ہو تب یہ ایلاء ہوگا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ اس قسم کے ساتھ اس پر کوئی فریضہ عائد نہ ہو جائے مثلاً (بیوی سے) یوں کہا کہ اگر تجھ سے مباشرت کروں تو میرا ایک ایک پیسہ صدقہ شمار ہوگا۔ اس قسم میں دشواری اور زحمت عائد ہوتی ہے لیکن کوئی امر واجب نہیں ہوتا لہٰذا اس شخص کو ایلاء کنندہ قرار نہیں دیا جائے گا۔

ایلاء کرنے والے خاوند کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ مسلمان ہو خواہ غلام ہو اور یہ کہ وہ مکلف (احکام شرعیہ کی بجا آوری کا ذمہ دار) ہو لہٰذا بچے اور جنون زدہ کا ایلاء کرنا صحیح نہیں ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ ایلاء (یعنی ترک مباشرت) کا تصور اس شخص سے کیا جا سکے۔ اس شرط سے نامرد شخص، صغیر سن بچہ، خصی اور نہایت ضعیف العمر انسان خارج ہو گئے۔

(ایلاء کے بارے میں) بیوی کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ دودھ پلانے والی ہو ان جملہ شرائط کی وضاحت تعریف ایلاء کے بیان میں ہو چکی ہے وہاں پر ملاحظہ ہو۔

(ایلاء کی) میعاد کے بارے میں یہ شرط ہے کہ بقول معتمد چار ماہ سے زیادہ عرصہ کے لئے ہو خواہ یہ زیادتی صرف ایک دن کی ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ آزاد اشخاص کی صورت میں یہ زیادتی دس دن کی ہونی چاہئے۔ غلام کی صورت میں ایلاء کی میعاد دو ماہ سے زیادہ ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شرائط ایلاء میں زوجین کے لئے یہ شرط ہے کہ دونوں میں مباشرت کی صلاحیت موجود ہو بس اگر خاوند صغیر سن یا نامرد وغیرہ ہو تو ایلاء درست نہیں ہے۔ الفاظ قسم کی بابت یہ شرط ہے کہ اللہ کے ناموں یا اس کی صفات

Marfat.com

میں سے کسی کی قسم کھائی جائے۔ یا اسے کسی شرط یا نذر سے وابستہ کیا جائے جیسا کہ تعریف ایلاء میں سابقاً بتایا گیا اور محلوف علیہ (یعنی جس بات پر قسم کھائی ہے) وہ صرف مباشرت کا ترک کرنا ہو۔ پس اگر اس کے علاوہ کسی اور طرح بیوی سے متمتع نہ ہونے کی قسم کھائی تو وہ درست نہیں ہے ایلاء کی میعاد کے بارے میں یہ شرط ہے کہ چار ماہ سے زیادہ عرصہ کے لئے ہو خواہ لحظہ بھر کی زیادتی ہو اور الفاظ خلع کے بارے میں یہ شرط ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن کا مفہوم ترک مباشرت ہو' اس کی تفصیل تعریف ایلاء کے بیان میں پہلے ہو چکی ہے۔

صیغہ ایلاء (یعنی جن الفاظ میں ایلاء کیا جائے) کی دو قسمیں ہیں: ایک ایلائے صریح مثلاً بیوی سے قسم کھا کر صراحتہً کہنا کہ میں تجھ سے مباشرت یا جماع نہیں کروں گا۔ صراحت کے باوجود اگر وہ شخص کہے کہ لفظ مباشرت یا جماع سے میری مراد کچھ اور تھی تو دینی اعتبار سے تو اس کی بات مان لی جائے گی لیکن قانوناً نہیں مانی جائے گی۔ اسی طرح اگر خاوند نے کہا کہ میں نے غیر فطری مباشرت کے ترک کرنے کی قسم کھائی تھی تب بھی دیانتاً مان لیا جائے گا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ کنایۃً کہا جائے مثلاً اللہ کی قسم میں تجھے ہاتھ نہ لگاؤں گا تجھ سے جفت نہ ہوں گا تیرے ساتھ مباشرت نہ کروں گا۔ تیرے پاس نہ آؤں گا۔ تجھ سے ہم آغوش نہ ہوں گا تو اس سے ایلاء نہ ہو گا جب تک کہ ان الفاظ سے جماع کرنے کی نیت نہ ہو۔ کیوں کہ یہ الفاظ ان معنوں کے لئے مشہور نہیں ہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ایلاء کی چار شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ خاوند خصوصیت کے ساتھ فطری جماع نہ کرنے کی قسم کھائے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اللہ یا اس کی صفات میں سے کسی کی قسم کھائے اگر الفاظ صریح میں قسم کھائے تو قانوناً اور شرعاً اس کے مطابق عمل کیا جائے گا صریح سے مراد ہر وہ لفظ ہے جو صریحاً عورت کے ساتھ مباشرت کرنے کا مفہوم رکھتا ہو مثلاً فطری جماع وغیرہ عبارت صریح کا استعمال کرنا جس کے معنے (مجامعت کے سوا) اور کچھ نہ ہو سکتے ہوں۔ کبھی ایسے الفاظ ہوں گے جنہیں صرف قانون کی رو سے صریح مانا جائے گا' اس سے وہ الفاظ مراد ہیں جن کا مفہوم بالعموم یہی لیا جاتا ہے۔ ان میں یہ الفاظ ہیں کہ بخدا میں تجھ سے وطی یا جماع نہ کروں گا یا تجھ سے نہ لگوں گا وغیرہ ایسی صورت میں قانونی فیصلہ پر عمل کیا جائے گا۔ اگر وہ شخص کہے کہ اس سے مراد کچھ اور تھی اور اس کی بات نہیں سنی جائے گی۔ تاہم اگر اپنے میں قول میں وہ سچا ہے تو اس کا معاملہ اللہ اور اس کے درمیان ہے۔ یہ الفاظ کبھی ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ بغیر نیت کے اسے ایلاء قرار نہ دیا جائے گا۔ مثلاً یہ کہنا کہ بخدا میں تیرے ساتھ ہم بستر نہ ہوں گا وغیرہ۔ اس صورت میں اگر ترک جماع کی نیت نہیں کی تو ایلاء نہ ہو گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ چار ماہ سے زیادہ عرصہ کے لئے قسم کھائی جائے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ خاوند مباشرت کرنے کے قابل ہو۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ ہر شخص کافر' مسلمان' آزاد' غلام' بالغ' باشعور مغلوب الغضب یا مخمور اور ایسا مریض جس کے صحت یاب ہونے کی امید ہو ایلاء کر سکتا ہے اسی طرح عورت کے لئے بھی شرط ہے کہ وہ ایسی ہو جس سے مباشرت ممکن ہے خواہ مباشرت فاحشہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ جنون زدہ شخص اور ایسے شخص کا ایلاء کرنا جو عضو مخصوص کے شل ہو جانے یا اس کے مقطوع ہو جانے کے باعث یا کسی اور طرح سے مباشرت سے عاجز ہو درست نہیں ہے۔

Marfat.com

احکام متعلقہ ایلاء کا بیان

اس کا ثبوت

جن احکام کا تعلق ایلاء سے ہے وہ دو طرح کے ہیں۔ حکم اخروی یعنی وہ حکم کہ اگر اسے پورا نہ کیا جائے تو گناہ ہوگا اور حکم دنیوی یہ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد قاعدہ کے مطابق بیوی کو طلاق دے دے۔ یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہے ''للذین یؤلون من نسائھم تربص اربعة اشھر فان فاء وا فان اللہ غفور رحیم و ان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم '' (یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں انہیں چار ماہ تک انتظار کرنا چاہئے اگر وہ رجوع کرلیں تو اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اگر طلاق ہی کا ارادہ ہو تو اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے) اس آیت میں لفظ 'یولون' کے معنے یقسمون کے ہیں (یعنی قسم کھا لیتے ہیں اور 'من نسائھم' متعلق ہے فعل یولون کا کیوں کہ اس کا مفہوم بیوی سے دور رہنے پر مشتمل ہے۔ اسی لئے یہ حرف 'من' کے ساتھ آیا ہے اگر فعل 'آلیٰ' میں بیوی سے دور رہنے کا مفہوم ملحوظ نہ ہوتا تو علی کے ساتھ آتا' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ آلیٰ علی امراتہ (یعنی اس نے اپنی بیوی کی قسم کھائی) من امراتہ نہیں کہا جائے گا۔

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ عورت سے ترک مباشرت کے لئے ایلاء کرنا اہلِ عرب میں رائج تھا۔ ان کے نزدیک ایسا کرنے سے ہمیشہ کے لئے بیوی مرد پر حرام ہو جاتی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''للذین یؤلون من نسائھم '' کے معنے یہ ہیں کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ترک مباشرت کی قسم کھا لیتے ہیں انہیں چار مہینے تک انتظار کرنا چاہئے۔ پس اگر وہ (اپنی قسم سے) رجوع کر کے مباشرت کرلیں جس کے ترک کرنے کی قسم کھائی ہے تو یہ رجوع اس گناہ سے توبہ کرنے کے مترادف ہے۔ اب اس قسم کا کفارہ ادا کر دیا جائے تو اللہ ان کی مغفرت کرے گا۔ اس سے واضح ہوا کہ ایلاء (بذات خود) امر حرام ہے کیوں کہ اس میں خاوند سے مفارقت کے باعث عورت کو ایذا ہوتی ہے اور بشریت کے فطری تقاضے کو ترک کرنا پڑتا ہے جو بقائے نوع انسانی کے لئے ضروری ہے اور عورت اس لطف سے جو اس میں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے محروم رہتی ہے۔ (اس لطف کی خاطر) وہ تربیت اولاد کی سختیاں اور مشقتیں جھیلتی ہے۔ نیز اسے خاوند کی ناپسندیدگی اور بے رخی کی کوفت ہوتی ہے یہ تمام باتیں اس کے لئے باعث اذیت ہیں۔

اب اگر کہا جائے کہ اس حالت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خاوند کو چار ماہ کے عرصہ کی مہلت نہ

Marfat.com

دیتا۔اس کا جواب یہ ہے کہ اتنے عرصے کی مہلت دینے میں یہ حکمت ہے کہ خاوند علاقہ زوجیت کے تحفظ اور فطرت بشری کے تقاضے کو بحال رکھنے کی تدبیر کرے۔اتنے عرصہ تک بیوی سے دور رہنے میں خاوند کا اشتیاق بیوی کے لئے پیدا ہوگا اور وہ اپنی حالت سے بیوی کی حالت کا صحیح موازنہ کر سکے گا۔اب اگر اس مفارقت کا خاوند پر کچھ اثر نہ ہوا اور بیوی کی پروانہ رہی تو اس سے جدا ہونا آسان ہوگا یا اپنے کئے پر پشیمان ہو کہ بیوی کی جانب رجوع کرے گا اور اس کے ساتھ خوش گزرانی کا عزم کر لے گا۔یہی صورت حال عورت کی بھی ہے کہ بیوی سے مفارقت بیوی کی اصلاح کا ایک وسیلہ ہے۔بعض اوقات خاوند کی بے رخی کا سبب بیوی کا بناؤ سنگھار ترک کرنا اور ایسا رویہ اختیار کرنا ہوتا ہے جو خاوند کی بے زاری کا موجب ہو۔اتنے عرصہ تک بیوی کا خاوند سے جدا رہنا ایسے اقدامات سے مانع ہوگا جو خاوند کی زیادتی کا موجب ہو سکتے ہیں۔ غرض اتنے عرصہ تک توقف کرنا علاقہ عزوجیت کی بحالی کے لئے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وان عزموا الطلاق فان الله سمیع علیم" کے مفہوم میں دو احتمال ہیں۔ایک معنے یہ ہیں کہ اگر لوگ (یعنی ایلاء کرنے والے) اپنی قسم پر جمے رہنے اور اپنی عورتوں کو چھوڑ دینے ہی کا عزم کر چکے ہیں تو بیوی کے پاس نہ جائیں یہاں تک کہ (ایلاء کی) مدت چار ماہ پوری ہو جائے اس سے ظاہر ہوگا کہ انہیں اس بات پر اصرار ہے لہٰذا اس کے بعد بیوی کو از خود طلاق ہو جائے گی خواہ خاوند طلاق نہ دے یا عورت طلاق کا مطالبہ نہ کرے[1] اس مدت (ایلاء) کا گزر جانا بذات خود ایک طلاق ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "للذین یولون من نسائھم" الخ کی تفصیل اگلی آیت فان فاؤا فان الله غفور رحیم و ان عزموا الآیہ میں ہے۔کلام کا تقاضا یہ ہے کہ مفصل (بکسر صاد) یعنی تفصیل کرنے والی آیت متصلاً اس کے بعد آئے جس کی تفصیل مقصود ہے پس لازم ہے کہ فیئہ یعنی مباشرت کی طرف رجوع کیا جائے یا پھر چار ماہ کی مدت گزرنے پر بیوی کے مطالبہ یا خاوند کے طلاق دیئے بغیر از خود طلاق ہو جائے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی سے کہے کہ میں تمہارے پڑوس میں فروکش ہو گیا ہوں اب اگر تم پسند کرو تو میں ٹھہروں ورنہ چلا جاؤں۔اس کے معنے یہ ہیں کہ اگر انہوں نے پسند نہ کیا تو وہ شخص چلا جائے گا۔بغیر اس کے کہ روانگی کے سوا (اس سلسلہ میں) کچھ اور کیا جائے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس بات پر عمل کرنا واجب ہے کہ جب ایلاء کی مدت ختم ہو جائے تو بغیر کسی اور اقدام کے بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ان کے مسلک کی وضاحت کی تفصیلات آئندہ سے ہو جائے گی۔ائمہ ثلاثہ کو ان سے اختلاف ہے۔

Marfat.com

دوسرے معنے ارشاد باری تعالیٰ ''و ان عزموا الطلاق'' کے یہ ہیں کہ مدت ایلاء گزر جانے کے بعد اگر خاوند طلاق کا ارادہ کرے یعنی جب تک کہ ایلاء کی مدت نہ گزر جائے ارادہ طلاق کا تحقق نہیں ہو سکتا بایں طور کہ خاوند (اس کے بعد) بطور خود طلاق دے دے یا پھر اس معاملہ کو باقاعدہ حاکم شرع کے پیش کرے جس طرح کہ آگے بتایا جائے گا۔ غرض اللہ تعالیٰ کے ارشاد فان فاؤا میں حرف 'فا' تعقیب کے معنوں میں ہے (یعنی امر اول کے پیچھے دوسرے امر کا معرض وجود میں آنا)۔

معنی اول کی رُو سے یہ مطلب ہوگا کہ مدت ایلاء گزر جانے کے بعد ایلاء کرنے والے مباشرت کی طرف مائل ہوں اور اپنی قسموں کا کفارہ ادا کر دیں تو اللہ مغفرت کرنے اور رحم کرنے والا ہے اور اگر مدت ایلاء ختم ہونے کے بعد طلاق ہی دینے کا ارادہ کر لیں تو اللہ سب سننے اور جاننے والا ہے ان کی قسموں کا اور جاننے والا ہے اس ظلم واذیت کو جو رجوع نہ کرنے کی صورت میں بیوی پر ہوا جس میں ان کو سزا دی جائے گی۔ ان الفاظ میں ایام ایلاء تک بیویوں کو چھوڑ رکھنے پر جس کے بعد طلاق ہو جاتی ہے خاوند کو تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسرے معنوں کی رو سے اس شخص کو تنبیہ ہے جو ایلاء کی مدت گزر جانے پر خود بیوی کو طلاق دے یا حاکم اس کی طرف سے طلاق دے دے مسالک مختلفہ کی رُو سے اس آیت کے مسائل (مستنبطہ) تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قسم کھانے کے بعد جب ایلاء کی مدت یعنی چار ماہ گزر جائیں اور بیوی سے مباشرت نہ ہوئی ہو تو بیوی پر ایک طلاق پڑ جائے گی بغیر اس کے کہ یہ معاملہ حاکم شرع کے پاس لایا جائے یا خاوند خود طلاق دے۔ اگر خاوند نے مدت ایلاء کے ختم ہونے سے پہلے گواہوں کے سامنے یہ اعتراف کیا ہو کہ اس نے بیوی سے مباشرت کر لی ہے اور اس کے بعد ایلاء کی مدت گزر جانے پر بیوی کہے کہ بدوران عدت خاوند کے مباشرت نہ کرنے کے باعث وہ بائنہ (زوجیت سے خارج) ہو چکی ہے ادھر خاوند کا یہ کہنا ہے کہ اس نے مباشرت کر لی ہے۔ گواہوں کے سامنے اس کا اقرار کر چکا ہے اور گواہوں نے بھی اس کی گواہی دے دی ہے تو اس کا قول درست مانا جائے گا اور بیوی کو طلاق بائن نہ ہوگی پھر اگر ایلاء مہینے کے آغاز میں ہو یعنی مہینے کی پہلی رات میں تو چار مہینوں کا حساب قمری تاریخوں سے لگایا جائے گا۔ اگر ایلاء مہینے کے وسط میں ہوا تو اس (کے متعلقہ مسائل) میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس مدت کا حساب دنوں سے لگایا جائے گا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ پہلا مہینہ دنوں کے حساب سے شمار کیا جائے گا اور دوسرے' تیسرے اور چوتھے مہینے کا حساب چاند کے مطابق ہوگا۔ اسی طرح پہلے مہینے کے جو دن کم رہیں گے وہ پانچویں مہینے سے پورے کئے جائیں گے۔ مثلاً ماہ شعبان کے وسط میں ایک شخص نے ایلاء کیا تو شعبان کے اگلے پندرہ یوم شمار میں لائے جائیں گے پھر رمضان' شوال اور ذیقعد کے مہینوں کا شمار چاند کے اعتبار سے ہوگا اور ذی الحجہ کے مہینے سے پندرہ یوم لے کر شعبان کا مہینہ پورا کیا جائے گا یہ دوسری رائے زیادہ قرین احتیاط ہے جیسا کہ ظاہر ہے پھر اگر ایلاء کی مدت گزر جائے اور خاوند مباشرت نہ کرے تو طلاق

Marfat.com

بائنہ پڑ جائے گی اور اس کی تین صورتیں ہوں گی۔
پہلی صورت یہ ہے کہ خاوند نے ایلاء کی ایک مدت مقرر کر دی مثلاً وہ تین طلاقوں پر قسم کھائے کہ آٹھ ماہ تک بیوی سے مباشرت نہ کرے گا ایسی صورت میں اگر مدت مقررہ سے پہلے مباشرت کر لی تو تین طلاقیں عائد ہو جائیں گی لیکن اگر بیوی سے علیحدہ رہا اور چار مہینے گزر گئے تو بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی پھر اس نے دوبارہ عقد کر لیا اور وہ عورت اس کی بیوی ہو گئی اور چار ماہ گزرنے سے پہلے اس شخص نے مباشرت کر لی تو اس پر تین طلاق عائد ہو جائیں گی لیکن اگر بیوی سے علیحدہ رہا اور بقیہ چار مہینے جس میں ترک مباشرت کی قسم کھائی تھی وہ بھی گزر گئے تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور وہ دوسری بار بائنہ ہو جائے گی اور قسم ختم ہو جائے گی اس کے بعد دوسری بار پھر شادی کر لی اور اب اس کے ساتھ جب کبھی خاوند چاہے مباشرت ہو سکتی ہے۔ اگر یوں کہا کہ سال بھر کے دوران مباشرت کی تو بیوی پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور اس کے بعد مدت ایلاء (چار ماہ) تک پہلی بار توقف کیا تو بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی پھر اس نے تجدید عقد کیا اور دوسری مدت (چار ماہ) گزر جانے تک بیوی سے بے تعلق رہا یعنی آٹھ مہینے پورے ہو گئے تو اب دوسری بار بیوی کو طلاق بائنہ پڑ جائے گی اس دوسری مدت کے گزر جانے پر خواہ تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہو اس نے پھر عقد کر لیا تو اس بقیہ عرصہ کے لئے اس شخص کو ایلاء کنندہ قرار نہیں دیا جائے گا' کیوں کہ باقی مدت چار ماہ سے کم ہو گی اس لئے کہ اس چار ماہ کے عرصہ میں کچھ وقت ایسا گزرا ہے جس میں وہ عورت اس کی بیوی نہیں تھی حالانکہ مدت ایلاء کے لئے پورے چار مہینے کی شرط ہے۔ اس سے زیادہ کی شرط نہیں ہے۔
تیسری صورت یہ ہے کہ مدت ایلاء کی کوئی حد مقرر نہ کی ہو۔ خواہ لفظ دائمی کے ساتھ ایلاء کیا ہو مثلاً تین طلاقوں پر قسم کھائی کہ میں کبھی بیوی سے مباشرت نہیں کروں گا یا یوں کہا کہ میں ہمیشہ ہمیشہ یا جب تک بیوی زندہ ہے اس سے مباشرت نہیں کروں گا یا ایسی کوئی قید نہیں لگائی بلکہ یہ کہا کہ میں بیوی سے مباشرت نہیں کروں گا تو اس میں چار شکلیں پیش آ سکتی ہیں۔
پہلی شکل یہ کہ چار ماہ گزرنے سے پہلے بیوی سے مباشرت کر لی تو اس صورت میں تین طلاقیں عائد ہو جائیں گی۔
دوسری شکل یہ کہ چار ماہ تک مباشرت نہیں کی ایسی صورت میں چار مہینے گزر گئے تو بیوی پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور اگر وہ پھر اس سے عقد کر لے تو ایلاء کنندہ رہے گا اور دوسری بار چار ماہ کی مدت گزرنے پر بیوی بھی بائنہ ہو جائے گی۔ اگر تیسری بار پھر اس نے بیوی سے عقد کر لیا تو وہ پھر ایلاء کنندہ قرار پائے گا اور مزید چار ماہ گزرنے پر بیوی بائنہ ہو جائے گی۔ اس کے بعد کسی اور سے شادی کیے بغیر وہ پہلے خاوند پر حلالہ نہ ہو گی۔ اگر اس نے کسی اور شخص سے شادی کر لی اور اس سے بھی طلاق ہو گئی اور پھر پہلے خاوند کے پاس آ گئی تو اب اسے ایلاء کنندہ قرار نہیں دیا جائے گا اور مباشرت کرنے سے پہلے طلاق نہ ہو گی۔ کیوں پہلے خاوند کا حق تین طلاقوں کے بعد ختم ہو گیا اور اب نئے حق (طلاق) کے ساتھ خاوند کے پاس آئی ہے اور اس ایلاء سے کوئی تعلق نہیں رہا۔
تیسری شکل یہ ہے کہ تین طلاق پر قسم کھائی کہ کبھی (یا دائمی طور پر) بیوی سے مباشرت نہ کرے گا اور بلا مباشرت چار ماہ گزر گئے تو بیوی ایک بار بائنہ ہو گئی اور اُس نے کسی اور اس سے شادی کر لی جس نے اسے طلاق دے دی اور وہ پھر

Marfat.com

سابقہ خاوند کے پاس آ گئی ایسی حالت میں وہ ایلاء ختم نہ ہوگا لہٰذا اگر خاوند نے مباشرت کر لی تو وہ تین طلاق جس پر اس عورت کی دوسری شادی سے پہلے قسم کھائی تھی پڑ جائے گی۔ لیکن اگر مباشرت نہیں کی تو چار ماہ گزر جانے پر وہ عورت بائنہ ہو جائے گی پس یہ عقد دوسری بار ہوا در آنحالیکہ اس کا ایلاء بدستور بحال رہا اور دوسری بار ایلاء کی مدت گزر جانے پر وہ عورت بائنہ ہو جائے گی اور اگر مباشرت کی تو تین طلاقیں عائد ہو جائیں گی۔ اگر مباشرت نہ ہوئی تو تیسری مدت گزرنے پر وہ بائنہ ہو جائے گی اور اس کے بعد وہ اس شخص پر حلال نہ ہوگی تا آنکہ وہ کسی اور خاوند سے شادی نہ کرے۔ کیوں کہ دوسرا خاوند پہلے خاوند کے حق کو ختم کر دیتا ہے۔ خواہ اسے تین طلاقوں کا حق رہا ہو خواہ کم کا۔ یہ احکام امام صاحبؒ کے نزدیک ہیں۔ بایں جہت بیوی پہلے خاوند کے پاس تین طلاقوں کے حق کے ساتھ واپس آئے گی۔ چونکہ اس عورت نے پہلے خاوند کا حق ختم ہونے سے پہلے شادی کی کیوں کہ یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ایک بار یا دو بار بائنہ ہونے کے بعد اس نے دوسرے شخص سے شادی کی اس لئے وہ ایلاء جو ہمیشہ کے لئے ہوا تھا وہ ختم نہیں ہوا اور وہ اس خاوند کے پاس آ گئی جو تین طلاق کا مالک تھا اور چونکہ اس نے ایلاء دوامی کر رکھا تھا اس عورت پر طلاق ثلاثہ عائد نہ ہوگی تا آنکہ ایلاء کی مزید مدت چار مہینے نہ گزر جائیں۔ غرض ہر چار ماہ کے گزرنے پر ایک طلاق بائنہ پڑے گی۔ لیکن یہ بتا دیا گیا ہے کہ عملدر آمد اس پر ہے کہ وہ عورت خاوند کے صرف بقیہ حقوق کے ساتھ واپس آئے گی۔ چنانچہ اگر وہ ایک بار ایلاء کی بناء پر بائنہ ہوئی اور اس نے کسی اور سے شادی کر لی اور دوسری بار خاوند کی زوجیت میں آئی تو وہ صرف دو طلاقوں کا مالک ہوگا۔ اسی بناء پر اگر وہ دوسری بار پہلے خاوند کی زوجیت میں واپس آ گئی اور اس نے مباشرت نہیں کی اور اس پر وہ شمار میں آ جائے گی اور اگر کسی اور سے اس نے شادی کی اور دوسری بار پھر وہ پہلے خاوند کے پاس آ گئی تو اب ایلاء ختم ہو جائے گا۔

چوتھی شکل یہ ہے کہ تین طلاقوں پر ہمیشہ کے لئے قسم کھائی کہ بیوی سے مباشرت نہیں کرے گا۔ لیکن قبل اس کے کہ اس سے مباشرت ہو یا چار ماہ گزرنے پر طلاق بائنہ ہو جائے خاوند نے اسے تین طلاقیں دے دیں اور عدت گزار کر اس عورت نے کسی اور سے شادی کر لی اور (اس سے طلاق پانے کے بعد) دوسری بار پھر پہلے خاوند کے پاس آ گئی تو اب اس کا خاوند تین طلاقوں کا مالک ہوگا اور ایلاء ختم ہو جائے گا۔ اگر مباشرت کی تو کچھ عائد نہ ہوگا۔ کیوں کہ تین طلاق دینے سے ایلاء ختم ہو گیا اور بیوی پر اس کا کوئی (رجوع وغیرہ) نہ رہا۔ اس کی نظیر بیوی سے یوں کہنا ہے کہ اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو تجھے تین طلاق ہے۔ بعد میں اس شخص نے (بدون مباشرت) اسے باقاعدہ تین طلاقیں دے دیں اور اس عورت نے کسی اور سے شادی کر لی۔ اس سے بھی طلاق ہو گئی اور وہ پھر اپنے (سابقہ) خاوند کی زوجیت میں آ گئی اور اس سے مباشرت ہوئی تو اب وہ طلاق واقع نہ ہوگی جو مباشرت پر مشروط تھی کیوں کہ تین غیر مشروط (قطعی) طلاقوں نے تین مشروط طلاقوں کو باطل کر دیا۔ اسی پر عملدر آمد ہے بخلاف اس کے جو کہتے ہیں کہ تین قطعی طلاقیں ایلاء کو اور مشروط طلاقوں کو باطل نہیں کرتیں۔ اس کے خلاف اگر ایک شخص نے تین طلاقوں پر قسم کھائی کہ بیوی سے مباشرت نہیں کرے گا پھر مدت ایلاء چار ماہ گزرنے سے پہلے بیوی کو ایک طلاق بائنہ یا دو طلاق دے دی اور بیوی نے عدت گزار کر کسی اور سے شادی کر لی اور اس شخص نے بھی طلاق دے دی اور پہلے خاوند نے دوسری بار اس سے عقد کر لیا تو اس صورت میں ایلاء ختم نہ ہوگا۔ کیوں کہ ایلاء صرف تین طلاقوں سے ختم ہوتا ہے ایک یا دو طلاقوں سے ختم نہیں ہوتا اس مسئلہ کی رو سے اگر بیوی پہلے خاوند کی

Marfat.com

زوجیت میں دوبارہ آ جاتی ہے اور خاوند مباشرت کر لیتا ہے تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ اگر مباشرت نہیں کی تو اس بیوی کے معاملہ میں امام محمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام محمدؒ کا کہنا ہے کہ اس صورت میں بیوی صرف بقیہ طلاقوں کے حق کے ساتھ خاوند اول کے پاس واپس آئے گی چنانچہ اگر دوبارہ پہلے بائنہ ہو چکی ہے تو اب خاوند صرف ایک طلاق کا مالک ہے اگر ایک بار بائنہ ہوئی ہے تو دو طلاقوں کا مالک ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ عورت خاوند کے تین طلاقوں کے حق کے ساتھ واپس آئے گی کیوں کہ دوسرے خاوند نے سابق (خاوند) کے طلاقوں کو خواہ وہ تین ہوں یا کم نابود کر دیا۔ اس کی تفصیل تیسری شکل میں پہلے ہو چکی ہے' تاہم اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ ہر مدت ایلاء کے خاتمہ پر تجدید عقد ضروری ہے۔ پس اگر (ایلاء کو) چار ماہ گزر گئے اور بیوی بائنہ ہو گئی اور تجدید عقد نہیں کیا' یہاں تک کہ مزید چار ماہ گزر گئے اور تب عقد کیا تو پہلی مدت محسوب نہ ہو گی اور طلاق دوبارہ نہیں پڑے گی جب تک کہ تجدید عقد نہ ہو۔ اسی پر عملدرآمد ہے۔ موجودہ مدت کا حساب عقد کے وقت سے لگایا جائے گا خواہ وہ عقد عدت گزرنے کے بعد ہوا ہو۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اگر ایک شخص نے اللہ کی قسم کھالی کہ بیوی سے مباشرت نہیں کرے گا پھر ایلاء کی مدت گزر گئی اور بیوی بائنہ ہو گئی اور عدت پوری کرنے کے بعد اس نے کسی اور سے شادی کر لی اور اس سے طلاق پا کر دوسری بار پھر سابقہ خاوند کی زوجیت میں آ گئی اور اس نے مباشرت کی تو قسم ٹوٹ گئی اور خاوند پر کفارہ لازم ہو گا' کیوں کہ اس عورت کا کسی اور سے شادی کر لینا اللہ کی قسم پوری ہونے کا جو اس نے کھائی ہے موجب نہیں ہو سکتا ہاں اگر خاوند طلاق دے دے تو قسم پوری ہو جائے گی۔

اگر ایک شخص نے اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی سے ایلاء کیا تو ایلاء درست ہو گا اور مدت ایلاء کا حساب ایلاء کے وقت سے لگایا جائے گا (یعنی طلاق کے وقت سے نہیں لگایا جائے گا) اگر (طلاق کی) عدت' مدت ایلاء چار ماہ گزرنے سے پہلے ختم ہو گئی تو عدت گزرنے پر وہ بائنہ ہو جائے گی اور ایلاء بھی ساتھ ہی ختم ہو جائے گا لہٰذا ایلاء کی مدت گزرنے پر وہ دوبارہ بائنہ ہو گی۔ لیکن اگر مدت ایلاء سے پہلے طلاق کی عدت ختم نہیں ہوئی مثلاً طہر کا زمانہ طویل ہو گیا تو مدت ایلاء کے گزرنے پر بیوی بائنہ (خارج از زوجیت) ہو جائے گی۔

اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا اور مدت ایلاء ختم ہونے سے پہلے ہی اسے طلاق دے دی تو اس مسئلہ کی تفصیل یوں ہے کہ اگر ایلاء کی مدت (طلاق کی) عدت گزرنے سے پہلے ختم ہو گئی تو ایلاء کی بناء پر اسے ایک طلاق بائنہ ہو جائے گی کیوں کہ مدت ایلاء کے دوران طلاق بائنہ پڑنے سے بدوران عدت ایلاء کا حکم ختم نہیں ہو جاتا۔ پھر جب عدت ختم ہو جائے تو وہ عورت دوسری بار بائنہ ہو جائے گی۔ لیکن اگر عدت طلاق کے دن مدت ایلاء پوری ہونے سے پہلے ختم ہو گئے تو ایلاء کا حکم ساقط ہو جائے گا اور انقضائے عدت کی بناء پر ایک طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلاں اجنبی عورت سے مباشرت نہیں کرے گا تو اسے ایلاء کنندہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ لیکن اگر اسی عورت سے شادی کی اور مباشرت کر لی تو قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ لازم ہو گا اور اگر یہ قسم کھائی تھی کہ اس عورت سے شادی ہوئی تو میں مباشرت نہیں کروں گا تو اسے ایلاء قرار نہ دیا جائے گا۔

واضح ہو کہ ایلاء سے رجوع مباشرت فطری ہی سے ہوتا ہے۔ خواہ جبراً ایسا کرنا پڑا ہو یا وہ شخص جنون زدہ ہو

Marfat.com

بشرطیکہ اس نے عقل برجا ہونے کی حالت میں ایلاء کیا ہو اور جنون بعد میں لاحق ہوا ہو۔ ایلاء سے پہلے ہی وہ شخص مجنون ہو تو وہ ایلاء صغیر سن بچے کے ایلاء کی طرح لاگو نہ ہوگا۔

یہ ضروری ہے کہ ایلاء کنندہ اس کی اہلیت رکھتا ہو جیسا کہ شروط ایلاء کے بیان میں بتایا گیا ہے۔ اہلیت و قابل اعتبار ہے جو قسم کھانے کے وقت ہو۔ اس کے بعد اہل ہونا معتبر نہیں ہے۔ پس اگر مدت ایلاء کے دوران کوئی امر طبعی مباشرت سے مانع رہا مثلاً صغر سنی یا اندرونی خرابی یا کوئی ایسا مرض جس میں مباشرت ممکن نہ ہو یا بیوی مفقود الخبر ہو جائے اور اس کا ٹھکانا معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں زبان سے کہہ کر رجوع کیا جا سکتا ہے یعنی یوں کہے کہ میں نے بیوی سے رجوع کر لیا یا اپنا ایلاء ختم کر دیا یا جو کچھ میں نے کہا تھا اس سے باز آیا وغیرہ۔ اگر اس طرح کہا تو مدت (ایلاء) مذکورہ گزر جانے پر بیوی کو طلاق نہ ہوگی لیکن اگر قسم مشروط تھی بایں طور کہ مباشرت کو طلاق، عتق یا نذر سے مشروط کیا تھا تو ایلاء بحال رہے گا کہ اگر مانع (مباشرت) دور ہو جائے اور خاوند مباشرت کر لے تو طلاق یا عتق یا نذر وغیرہ پورا کرنا ہوگا اور اگر قسم بھی کھائی تھی تو کفارہ لازم ہوگا۔ یہ مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ ایلاء کے لئے مدت مقرر نہ کی گئی ہو اگر مدت مقرر کی گئی تھی مثلاً یوں کہا کہ میں چار ماہ تک مباشرت نہ کروں گا۔ یہ مدت گزر گئی اور اس دوران عورت مباشرت سے معذور رہی تو وہ بائنہ نہ ہوگی اور اس کے بعد مباشرت ہوئی تو کچھ لازم نہ ہوگا۔ کیوں کہ مقررہ مدت ختم ہو جانے کے باعث قسم پوری ہو گئی بخلاف اس کے اگر قسم غیر مشروط تھی یا ہمیشہ کے لئے تھی اور مباشرت کی تو کفارہ یا معاوضہ لازم ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ امر مانع مباشرت خاوند کو لاحق ہو جائے مثلاً وہ امر خود خاوند کے اپنے کسی اقدام میں لاحق ہوا ہو یا ایسی جگہ قید کر دیا گیا ہو جہاں اس کی بیوی نہ پہنچ سکے یا خاوند اتنی دور سفر میں ہو کہ چار ماہ کے عرصہ میں وہاں تک پہنچنا ممکن نہ ہو وغیرہ ایسی تمام صورتوں میں رجوع زبانی ہو سکتا ہے لیکن قید کی صورت میں یہ ضروری ہے کہ اسے بے قصور قید کیا گیا ہو اگر قیدی قصوروار تھا تو زبانی رجوع کافی نہ ہوگا بلکہ ایلاء کی مدت گزر جانے پر اس پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ اگر کوئی ایسا مرض لاحق ہو جس کے دور ہو جانے کی توقع ہے مگر مدت ایلاء کے ختم ہونے تک وہ مباشرت کے قابل نہیں ہو سکتا تو وہ زبانی رجوع کر سکتا ہے تاہم اس کی تین شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عورت رجوع کے وقت تک اس شخص کی زوجیت میں رہے اگر پورے چار مہینے گزر گئے اور خاوند نے یہ نہیں کہا کہ میں نے رجوع کر لیا وغیرہ تو بیوی بائنہ ہو جائے گی مدت گزر جانے کے بعد کہنا بے فائدہ ہوگا۔ اگر بدوران مرض خاوند نے تجدید عقد کر لیا تو ایلاء بحال ہو جائے گا پس اگر مزید چار ماہ گزر گئے اور مباشرت نہیں ہوئی تو دوسری بار وہ عورت بائنہ ہو جائے گی اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اگر خاوند مباشرت کے قابل ہو گیا تو کفارہ قسم یا بدل ایلاء بہر حال لازم ہوگا بخلاف اس کے اگر ایک شخص صحت مند ہے اور اس نے بیوی سے ایلاء کیا اور چار ماہ کی مدت گزرنے پر بیوی بائنہ ہو گئی اور بائنہ ہونے کے بعد اس سے مباشرت کی تو ایلاء ختم ہو جائے گا اور کفارہ یا بدل لازم ہوگا اور اس کے بعد اس سے عقد کر لیا تو اب وہ ایلاء کنندہ نہ رہے گا۔ لہٰذا اگر چار ماہ گزر گئے اور مباشرت نہیں ہوئی تو بیوی بائنہ نہ ہوگی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مرض ایسا ہو جس کے باعث خاوند مباشرت سے عاجز ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مدت ایلاء کے دوران اس کی مجبوری بدستور رہے بایں طور کہ حالت مرض میں جب کہ

Marfat.com

مباشرت سے معذور تھا اس شخص نے قسم کھائی اور وہ معذوری باقی رہی۔ اگر بحالت صحت قسم کھائی ہو اور ایک عرصہ تک صحت مند رہا ہو جس میں وہ مباشرت کرنے کے قابل تھا اس کے بعد مرض لاحق ہو گیا اور چار مہینہ کے خاتمہ تک مسلسل مباشرت سے عاجز رہا اور مباشرت نہیں ہوئی تو بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور زبانی رجوع کرنا سود مند نہ ہوگا' کیوں کہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ معذوری پوری مدت ایلاء میں باقی رہے کہ کسی وقت بھی مرض دور نہ ہوا ہو کہ مباشرت کر سکے۔

اگر ایک شخص نے حالت مرض میں ایلاء کیا اور بیوی بھی مریض ہو گئی لیکن خاوند تو ایلاء کی مدت ختم ہونے سے پہلے صحت یاب ہو گیا مگر بیوی مدت ایلاء کے اخیر تک مرض میں مبتلا رہی تو ایسی حالت میں کہا جاتا ہے کہ وہ عورت بائنہ ہو جائے گی اور زبانی رجوع سے کچھ نہ ہوگا۔ کیوں زبانی رجوع کا ایک سبب خاوند کی بیماری ہے اور دوسرا سبب بیوی کی بیماری اور قائدہ یہ ہے کہ اگر جواز رجوع زبانی میں سے ایک سبب پہلے اور دوسرا سبب بعد میں پیش آئے تو پہلے سبب پر عمل ہوگا اور دوسرے سبب کو لغو تصور کیا جائے گا اور یہاں یہ صورت ہے کہ خاوند پہلے بیمار ہوا اور بیوی بعد میں بیمار ہوئی لہٰذا سبب جواز خاوند کا مرض ہوا (اسی پر فیصلہ ہوگا) اور بیوی کی بیماری کو نظر انداز کر دیا جائے گا اور جس صورت میں کہ خاوند صحت مند ہو گیا تو موجب جواز جاتا رہا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں زبانی رجوع ہو سکتا ہے کیوں کہ بیوی کی بیماری بھی مانع رجوع ہے اور یہ سمجھا جائے گا کہ ایک ہی وقت میں دو اسباب زبانی رجوع کے جائز ہونے کے پیش آئے۔ اگر دونوں اسباب مختلف زمانوں میں پیش آئیں تو ان دونوں کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص نے بیوی سے قسم کھا کر کہا کہ میں کبھی تجھ سے مباشرت نہ کروں گا اور پھر بیمار ہو گیا اور ایلاء کی مدت گزر جانے پر وہ عورت بائنہ ہو گئی بعد میں خاوند صحت مند ہو گیا اور اس سے دوبارہ نکاح کر لیا تو وہ ایلاء بحال ہو جائے گا۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے۔ اس کے بعد پھر دوسری بار بیمار ہوا تو وہ زبانی رجوع کر سکتا ہے اور اس صورت میں اسے جو صحت ہو گئی تھی اس کا لحاظ نہیں کیا جائے گا اس مثال میں زبانی رجوع کی اجازت کا سبب یعنی بیماری دو اوقات میں لاحق ہوئی ایک وقت میں نہیں ہوئی اور دوسرا سبب پہلا سبب ختم ہو جانے کے بعد لاحق ہوا ہے لہٰذا دوسرے سبب کو رائیگاں قرار نہیں دیا جائے گا۔ یہی قول قابل عمل ہے۔

واضح ہو کہ بیوی یا خاوند کو جب کوئی امر مانع مباشرت لاحق ہو جائے مثلاً بیوی ایام ناپاکی کی حالت میں ہو یا دونوں میں سے کوئی احرام باندھ لے اور احرام کے حلال ہونے (احرام کی مدت ختم ہونے) میں چار ماہ سے زیادہ عرصہ ہو وغیرہ تو مباشرت کے بغیر رجوع نہیں ہو سکتا زبانی رجوع کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس صورت میں بھی مباشرت تو ہو سکتی ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ امر گناہ ہے اور ایسی صورت میں جب کہ اس شخص نے (ترک مباشرت کی) قسم کھا کر پہلے ہی معصیت کا ارتکاب کیا ہے تو اب اس گناہ کا خمیازہ بھی بھگتے کہ اگر اس حال میں مباشرت کی تو گنہگار ہوا اور اگر مباشرت نہ کی تو بیوی زوجیت سے خارج ہو گئی دونوں حالتوں میں خاوند کو سختی کا بھگتنا ہے اس سے عیاں ہے کہ اگر ایک شخص نے ایام ماہواری یا نفاس کی حالت میں بیوی سے مباشرت کی تو گناہ ہوگا لیکن ایلاء ختم ہو جائے گا اور کفارہ قسم یا بدل ایلاء لازم ہوگا۔

واضح ہو کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا اور پھر مرتد ہو کر دارالحرب (دشمن ملک) میں چلا گیا تو بیوی کو طلاق بائنہ ہو جائے اور ایلاء ختم ہو جائے گا۔ کیوں کہ خاوند کے مرتد ہو کر دارالحرب میں چلے جانے کے باعث خاوند کا حق

Marfat.com

بیوی پر ختم ہو جائے گا لہٰذا بقول صحیح ایلاء بھی باطل ہو جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ حق ختم نہ ہوگا' چنانچہ اگر وہ شخص پھر مسلمان ہو جائے اور دوبارہ بیوی سے شادی کرلے تو ایلاء بحال ہو جائے گا لیکن صحیح بات یہی ہے کہ رجوع نہیں ہو سکتا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اس طرح پر جیسا کہ پہلے بتایا گیا قسم کھائی کہ اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کرے گا اور چار ماہ گزرنے سے پہلے بیوی سے مباشرت کرلی تو ایلاء ختم ہو جائے گا اور قسم کا جو حکم ہے وہ عائد ہو جائے گا چنانچہ اگر اللہ کی قسم کھائی تو کفارہ لازم ہوگا۔ اگر طلاق کی شرط تھی تو بیوی پر طلاق پڑ جائے گی اور اگر عتاق (بردہ آزاد کرنے) کی شرط تھی تو آزاد کرنا لازم ہوگا وغیرہ اور اگر بیوی سے مباشرت نہیں ہوئی تو چار ماہ اور ایک دن تک توقف کرنا ہوگا کیوں کہ ایلاء کی مدت کے لئے ضروری ہے کہ یہ مدت چار مہینے سے زیادہ ہو۔ یہ عرصہ گزرنے کے بعد بیوی کو حق ہے کہ وہ اس معاملہ کو حاکم شرع کے سامنے پیش کرے اگرچہ وہ بیوی صغیر سن ہو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مباشرت کے قابل ہو۔

اگر بیوی کو مذکورہ امراض نسواں میں سے کوئی ایسا مرض لاحق ہو جس کا ذکر عورتوں کے نقائص کے بیان میں بتایا جا چکا ہے تو اس کو حاکم کے پاس شکایت پیش کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اگر وہ لونڈی (مملوکہ) ہو تو اسے اپنا آقا یا حاکم شرع کے سامنے شکایت کا حق ہے تاکہ وہ رجوع کرنے کا حکم دے یعنی بیوی کے ساتھ پوری طرح سے مباشرت فطری کرے۔ اگر عورت باکرہ ہو تو رجوع کرنا صرف ازالت بکارت پر منحصر ہوگا۔ پس جب (مباشرت کے بعد) یہ ہو جائے تو ایلاء ختم ہو جائے گا اور قسم ٹوٹ جائے گی۔ پھر اگر حاکم شرع رجوع کرنے کا حکم دے اور خاوند اس کی تعمیل نہ کرے تو وہ طلاق دینے کا حکم دے گا اور اگر وہ طلاق نہ دے تو اس کی طرف سے حاکم ایک طلاق رجعی دے دے گا اور کہا جاتا ہے کہ حاکم خود طلاق نہیں دے سکتا بلکہ بیوی کو حکم دے گا کہ وہ اپنے آپ کو طلاق دے پھر اسی کے مطابق عمل درآمد ہوگا یعنی اسی فیصلہ کے مطابق فرمان نافذ ہوگا جیسا کہ نامرد شخص کے مسائل میں پہلے بتایا گیا اس کی تفصیل اس کتاب کی پہلی تہائی کے اواخر میں ملاحظہ ہو۔ پھر اگر کوئی حاکم شرع دستیاب نہ ہو تو مسلمانوں کی ایک جماعت خاوند کی طرف سے اسے طلاق دے دیگی۔ اگر خاوند حاکم شرع کے حکم کے مطابق خود تعمیل نہ کرے (یعنی طلاق نہ دے یا مباشرت نہ کرے) اور صاف انکار کردے تو (فیصلہ میں) مہلت کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ تعمیل حکم سے انکار نہ کرے اور مباشرت (کرکے رجوع) کا وعدہ کرے اور پھر وہ وعدہ پورا کرے تو فبہا ورنہ اسے دوبارہ یہی حکم دیا جائے گا اگر اب بھی عمل نہ کرے تو حاکم شرع اس کی طرف سے بیوی کو طلاق دے دے گا تاہم اگر وہ پھر رجوع کرنے کا وعدہ کرے تو اسے چھوڑ دیا جائے گا غرض اس طرح تین بار کیا جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ تین کا یہ موقع ایک ہی دن میں دیا جائے اس کے بعد طلاق دینے کے لئے کہا جائے گا یا پھر قاضی خود طلاق دے دے گا یا بیوی کو خود اپنے تئیں طلاق دینے کا حکم دے گا جیسا کہ دونوں اقوال مذکورہ سابقہ کا تقاضا ہے۔ اگر خاوند یہ کہے کہ میں نے مباشرت کرلی ہے اور بیوی اس سے انکار کرتی ہے تو خاوند کے قسم کھالینے پر اس کی بات مان لی جائے گی۔ اگر خاوند حلف سے انکار کرے تو بیوی سے قسم لی جائے گی اگر بیوی حلف اٹھالے تو بیوی کا حق بحال ہو جائے گا جس کا ذکر اوپر ہوا۔ اگر بیوی حلف سے انکار کرے تو وہ بدستور اس کی بیوی قرار دی جائے گی اور ایلاء ختم ہو جائے گا اس میں بیوی کے باکرہ ہونے یا شوہر دیدہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اگر خاوند نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا درآنحالیکہ وہ مریض تھا اور مدت ایلاء کے دوران وہ مباشرت کے قابل نہ ہوا

Marfat.com

اور مدت گزر گئی یا اگر ایلاء کیا اور خاوند قید میں رہا' یہاں تک کہ مدت ایلاء ختم ہوگئی اور قید سے رہائی نہ ہوئی تو اس کی دو حالتیں ہوں گی۔

ایک حالت یہ کہ اس کی قسم ایسی ہو جسے ٹوٹنے سے پہلے پورا کیا جا سکے۔ مثلاً وہ قسم اللہ کی ہو یا مبہم (غیر معینہ) نذر پر مشروط ہو جس میں کفارہ قسم لازم ہوتا ہے' ان دونوں صورتوں میں قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا درست ہے۔ پس اگر ایک شخص نے بیوی سے کہا کہ واللہ میں تجھ سے مباشرت نہیں کروں گا۔ پھر اس قسم کو چار مہینے اور ایک دن کا عرصہ گزر گیا تو بیوی کو حق ہے کہ وہ خاوند سے قسم کا کفارہ ادا کرنے کا مطالبہ کرے اگر وہ انکار کرے تو اسے طلاق لینے کا حق ہے جس کی صورت اوپر بتائی گئی ہے یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ (مباشرت مبہم نذر پر مشروط ہو اور) یوں کہے کہ اگر میں نے مباشرت کی تو مجھ پر نذر کا پورا کرنا لازم ہوگا یہ نذر مبہم ہے اور اس پر کفارہ قسم ادا کرنا لازم ہے اگر اس کے بعد خاوند بیمار رہا اور ایلاء کی مدت (بلا مباشرت) ختم ہوگئی تو بیوی کو حق ہے کہ وہ خاوند سے کفارہ قسم ادا کرنے کا مطالبہ کرے اور دونوں صورتوں میں کفارہ ادا کرنے کے بعد ایلاء ختم ہو جائے گا اور جو حکم معذور مریض کا ہے وہی حکم ایسے قیدی کا ہے جو قید میں ہو اور رہائی نہ پا سکتا ہو۔ لیکن اگر مریض آدمی مباشرت پر قادر ہو یا قیدی کو چھٹکارا ہو سکتا ہو تو ان دونوں حالتوں میں رجوع کا طریقہ صرف فطری طور پر مباشرت کرنا ہے اور اس میں وہ امور شامل ہیں جن سے مباشرت سے عاجز شخص کی قسم ختم ہو جاتی ہے۔

ان کے منجملہ یہ ہے کہ ایک شخص نے بیوی سے مباشرت کے لئے اپنا غلام آزاد کرنے کی شرط رکھی ہو اور پھر وہ شخص اس غلام کا مالک نہ رہا ہو مثلاً اس نے بیوی سے کہا کہ اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو میرا یہ غلام آزاد ہے تو اسی وقت سے وہ شخص ایلاء کنندہ قرار دیا جائے گا کہ اگر بیوی سے مباشرت کر لی تو غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر مباشرت نہیں کی لیکن غلام کا مالک نہ رہا' اسے فروخت کر دیا یا وہ غلام مر گیا یا اسے کسی کو ہبہ کر دیا یا صدقہ میں دے دیا تو ایلاء ختم ہو جائے گا اور بیوی سے مباشرت کر سکے گا اور اس پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ اگر باوجود قادر ہونے کے مباشرت سے محترز رہا تو یہ بیوی کو ایذا دینا ہے۔ اگر بیوی اس حالت کو ناپسند کرے تو وہ بہ طریق مذکورہ سابقہ مباشرت کے ذریعہ رجوع کے مطالبہ کا حق رکھتی ہے۔ کیوں کہ یہ بیوی کے ساتھ بدسلوکی ہے۔ ہاں اگر خاوند بیمار ہو یا قید میں ہو اور غلام جس کے آزاد کرنے پر شرط مباشرت رکھی تھی خاوند کی ملکیت میں نہ رہا تو ایلاء ختم ہو جائے گا لیکن (اس حالت میں رجوع کے لئے) مباشرت کا مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔ یہ حق اسی صورت میں ہے جب کہ خاوند مباشرت پر قادر ہو۔ کیوں کہ خاوند مباشرت سے معذور ہے یہ بیوی کو ایذا دینا نہیں ہے۔ تاہم اگر خاوند دوبارہ اس غلام کا مالک ہو جائے کہ اسے پھر خرید لے یا جس نے خریدا ہے وہ ہبہ کر دے تو وہ ایلاء پھر عائد ہو جائے گا بشرطیکہ اس ایلاء کے لئے کوئی وقت مقرر نہ کیا ہو یا اگر وقت کے ساتھ مشروط تھا تو اس وقت میں ہنوز چار ماہ سے زیادہ کا عرصہ باقی ہو چنانچہ اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو میرا غلام آزاد ہے پھر اس غلام کو فروخت کر دیا تو قسم ختم ہو جائے گی اور اسے بیوی سے مباشرت کا حق ہو جائے گا۔ تاہم اگر اس غلام کو دوبارہ خرید لیا تو وہ پھر ایلاء کنندہ قرار پائے گا اور مباشرت کی تو (سابقہ شرط ایلاء کے بموجب) غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر خاوند اعمال رجوع سے باز رہے تو اس کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کیا جائے گا جس کا ذکر پہلے کیا گیا اور اگر خاوند نے بیوی سے یوں کہا کہ اگر

Marfat.com

میں سال بھر کے عرصہ میں تجھ سے مباشرت کروں تو میرا غلام آزاد ہے اس کے غلام کو فروخت کر دیا تو قسم ختم ہو جائے گی اور اگر پھر اس غلام کو خرید لیا یا اسے دے دیا گیا اور یہ تاریخ قسم سے سات ماہ گزرنے کے بعد ہو تو ایلاء دوبارہ عائد ہو جائے گا کیوں کہ اس صورت میں سال میں سے اتنے باقی ہیں جو ایلاء کی مدت سے زیادہ ہیں۔ لیکن اگر قسم کھانے کے آٹھ ماہ بعد غلام کا پھر مالک ہوا تو ایلاء پھر عائد نہ ہوگا کیوں کہ اس صورت میں سال کی جو مدت باقی رہ گئی ہے وہ ایلاء کی مدت یعنی چار ماہ اور ایک دن سے کم ہے۔ تاہم اگر وہ شخص بطور وراثت کے اس غلام کا (دوبارہ) مالک ہوا تو ایلاء عائد نہ ہوگا۔ کیوں کہ یہ ملکیت ناگزیر طور پر ہوئی ہے خاوند کو اس میں کوئی اختیار نہیں تھا۔

قسم کے ختم ہو جانے کی ایک اور صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے طلاق کو اس کی سوکن سے مباشرت کے ساتھ مشروط کیا ہو مثلاً بیوی سے یوں کہا کہ اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو تیری سوکن ہندہ کو طلاق ہے۔ پھر اس خوف سے کہ مبادا مباشرت کرنے ہندہ کو طلاق ہو جائے (اپنی بیوی) فاطمہ سے مباشرت کی) سوکن ہندہ کو طلاق بائن دی (لیکن تین طلاق والی نہیں) تو ایلاء ختم ہو جائے گا اور وہ چاہے تو اپنی بیوی فاطمہ سے مباشرت کر سکتا ہے لیکن اگر ہندہ تجدید عقد کر کے پھر خاوند کی زوجیت میں آ جائے تو سابقہ ایلاء بحال ہو جائے گا۔ بجز اس صورت کہ جب کہ ایلاء کے لئے کوئی مدت مقرر کر دی ہو اور وہ مدت اس عورت کے دوبارہ زوجیت میں آنے سے پہلے ختم ہو جائے۔ لیکن اگر ہندہ کو طلاق دی اور اس نے کسی اور شخص سے شادی کر لی پھر اس شخص نے بھی طلاق دی اور دوبارہ پہلے خاوند کی زوجیت میں آ گئی تو ایسی صورت میں ایلاء عود نہ کرے گا۔ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ ہندہ کو جس کے طلاق پر قسم کھائی تھی طلاق دے دی' لیکن اگر فاطمہ کو جس کی مباشرت پر قسم کھائی تھی طلاق دے تو اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس کا بھی وہی حکم ہے جو ہندہ کے لئے ہے کہ اگر اسے تین طلاق دی اور اس نے کسی اور سے شادی کر لی اور اس کے بعد پھر وہ پہلے خاوند کی زوجیت میں آ گئی تو ایلاء ختم ہو جائے گا اور اب وہ چاہے تو مباشرت کر سکتا ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر وہ تین طلاق پانے کے بعد پہلے خاوند کی زوجیت میں آ جائے تو سابقہ ایلاء عائد ہو جائے گا جیسا کہ اس صورت میں تھا جب کہ ہندہ کو طلاق نہیں ہوئی تھی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر دو سوکنوں میں سے ایک کی مباشرت پر دوسری کے طلاق کو مشروط رکھا مثلاً یوں کہا کہ اگر فاطمہ سے مباشرت کروں تو ہندہ کو طلاق ہے تو اس میں دو صورتیں پیش آ سکتی ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ ہندہ کو تین طلاق سے کم دی ہو۔ ایسی صورت میں ایلاء ختم ہو جائے گا۔ اور فاطمہ کے ساتھ مباشرت ہو سکے گی بشرطیکہ ہندہ سے دوبارہ شادی نہ کر لی ہو۔ اگر اس سے پھر شادی کر لی ہے تو فاطمہ سے جو ایلاء ہوئی ہے وہ پھر عائد ہو جائے گی۔ لیکن اگر ہندہ کو تین طلاقیں ہوئی اس نے کسی اور سے شادی کر لی اور دوسرے خاوند نے بھی طلاق دے دی جس کے بعد وہ پھر پہلے خاوند کی زوجیت میں آ گئی تو ایلاء عود نہ کرے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فاطمہ کو جس کی مباشرت پر قسم کھائی تھی طلاق دی اور اس سے دوسری بار شادی کر لی تو اس حالت میں دیکھا جائے گا کہ آیا اسے تین طلاقیں ملی تھی اور اس نے کسی اور سے شادی کرنے کے بعد پھر پہلے خاوند کی زوجیت میں آئی یا تین طلاقیں نہیں ہوئی تھیں۔ پہلی صورت میں ایلاء ختم ہو جائے گا اور اب وہ اس سے مباشرت کر سکتا ہے۔ لہٰذا بقول معتمد (اس سے) اس کی سوکن کو طلاق

Marfat.com

نہ ہوگی۔اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایلاء ختم نہ ہوگا دوسری حالت میں (یعنی اگر تین طلاق نہیں ہوئی تھی) تو بالاتفاق ایلاء ختم نہ ہوگا۔

اگر ایلاء کنندہ (خاوند) بیمار ہوا اور مدت ایلاء ختم ہونے تک وہ مباشرت سے معذور رہا اور اس کی سوکن ہندہ کو اس نے طلاق دے دی تو اسے ایلاء سے رجوع تصور کیا جائے گا اور ایلاء ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد بیوی کو (مباشرت کر کے) رجوع یا طلاق کے مطالبہ کا حق نہیں رہے گا۔

دوسری حالت بیمار یا قیدی شخص کی ہے جو مباشرت سے معذور ہو وہ ایلاء کرے اور ترک مباشرت کی قسم کھائے تو یہ قسم ٹوٹنے سے پہلے پوری نہ ہوگی۔مثلاً ایک شخص (معذور) اپنی بیوی سے کہے کہ اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو تجھے ایک یا دو طلاق ہے اور حالت مرض میں ایک عرصہ گزر جائے تو ایسی صورت میں ایک یا دو طلاق دینے سے ایلاء ختم نہ ہوگا۔ کیوں کہ اگر قسم پوری کرنے کے لئے ایک طلاق دی اور پھر مباشرت کر لی تو اس پر دو طلاقیں پڑ جائیں گی۔ایک قسم والی طلاق جو اس نے کھائی تھی کہ بیوی سے مباشرت نہ کروں گا اور یہ دوسری طلاق ہوگی کیوں کہ طلاق رجعی پانے والی عورت بیوی ہی رہتی ہے اور ایک طلاق رجعی اسے زوجیت سے خارج نہیں کرے گی۔پس اگر طلاق دی اور مباشرت نہیں ہوئی تو ایک طلاق ہوگی اور اگر بیوی سے رجوع کر لیا اور مباشرت کی تو پہلی طلاق واقع ہوگی ایسی صورت میں (طلاق دے کر) ایلاء کے پورا کرنے سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے کہ (حق) طلاق کی تعداد کم ہو جائے گی۔اگر بیوی کو طلاق بائن دے دی تو قسم پوری ہو جائے گی۔لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں ہے کیوں کہ (ایلاء کر کے) ترک مباشرت کر دینے سے ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی اور یہ طلاق بائن ہے۔پس اس کا نہ دینا بہتر ہے۔ایسی حالت میں مباشرت سے معذور یا قیدی شخص کا رجوع کرنا یوں ہوگا کہ وہ وعدہ کرے کہ صحت یاب ہونے یا قید سے نجات پانے کے بعد مباشرت کر کے رجوع کر لے گا۔اور جب خاوند یہ وعدہ کر لے تو بیوی کو مطالبہ (رجوع بطریق مذکور) کا حق نہیں رہتا۔یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ مباشرت کے لئے کوئی نذر پوری کرنے کی شرط قرار دیا جائے مثلاً بیوی سے یوں کہے کہ اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو ماہ شعبان کا روزہ مجھ پر لازم ہو جائے گا' اس کے بعد اگر ایلاء کی مدت بیماری کی حالت میں ختم ہوگئی اور ماہ شعبان نہیں آیا تو اب نذر کا پورا کرنا ممکن نہ رہا۔لہٰذا قسم پوری نہ ہوگی اور خاوند کا رجوع کرنا وعدہ پر موقوف ہوگا۔

اس سے واضح ہوا کہ جو شخص وقتی بیماری یا قید ہو جانے کے باعث مباشرت سے عاجز ہو اس کا رجوع کرنا قسم پوری کر کے ہوگا بشرطیکہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی ممکن ہو اگر یہ ممکن نہ ہو تو وعدہ کے ذریعہ رجوع کیا جا سکتا ہے۔

یاد رہے کہ ایلاء سے رجوع کرنا غیر فطری مباشرت کی کسی صورت سے بھی ممکن نہیں ہے تاہم اگر کوئی شخص کرے تو قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ لازم ہوگا۔لیکن اگر فطری مباشرت (سے رجوع کرنے) کا ارادہ ہو تو غیر فطری مباشرت کے اقدام سے نہ قسم ٹوٹے گی اور نہ کفارہ لازم ہوگا۔تاہم بیوی کا حق مطالبہ رجوع بطریق مباشرت یا مطالبہ طلاق بہر حال ساقط نہ ہوگا۔اسی طرح حرام مباشرت سے مثلاً ایام ماہواری یا حالت نفاس میں مباشرت کرنے سے بھی رجوع (ایلاء سے) نہ ہوگا لیکن اس سے قسم ٹوٹ جائے گی اور بیوی کو مطالبہ رجوع کا حق قائم رہے گا۔جب تک کہ کفارہ ادا نہ کیا جائے۔

اگر ایک شخص (خاوند) مباشرت کرنے کے قابل نہیں ہے مثلاً صغیر سن ہے یا رتق (مرض مانع مباشرت) لاحق ہے

Marfat.com

تو بیوی کو یہ حق ہے کہ وہ خاوند سے یہ وعدہ کرنے کا مطالبہ کرے کہ وہ امر مانع مباشرت کے دور ہو جانے کے بعد مباشرت کر کے رجوع کرے گا۔

واضح ہو کہ باکرہ عورت سے (ایلاء کے بعد) رجوع نہیں ہو سکتا جب تک کہ خاوند بکارت کو زائل نہ کر دے۔

اگر ایک شخص نے بیوی سے بقائمی عقل و ہوش ایلاء کیا اور پھر اسے جنون لاحق ہو گیا اور اس نے مباشرت کر لی تو بیوی کا حق مطالبہ (رجوع) ساقط ہو جائے گا۔ اور کفارہ واجب الاداء رہے گا جو صحت یاب ہونے کے بعد پورا کیا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ایلاء کی تعریف کے بیان میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ جب تک یہ تین امور ملحوظ نہ ہوں ایلاء نہیں ہو سکتا۔

پہلا امر یہ ہے کہ اللہ یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھائی جائے۔ دوسرا امر یہ ہے کہ مباشرت کو طلاق یا عتاق سے مشروط کیا جائے۔ تیسرا امر یہ ہے کہ ایسی بات کی نذر مانی جائے جس کا ماننا درست ہو۔ پہلی صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر اللہ یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھائی ہے اور مباشرت کر لی ہے تو اس قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے اس کے بعد ایلاء ختم ہو جائے گا۔ دوسری صورت میں جب کہ طلاق یا عتاق (بردہ کو آزاد کرنا) کے ساتھ مباشرت کو مشروط کیا ہے مثلاً یوں کہا ہے کہ اگر میں بیوی سے مباشرت کروں تو اسے طلاق ہے یا یوں کہا کہ اگر میں اس سے مباشرت کروں تو میرا فلاں غلام آزاد ہے اس کے بعد اگر مباشرت کی تو طلاق پڑ جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا کیوں کہ خاوند نے طلاق اور عتاق کو بیوی سے مباشرت کے ساتھ مشروط کیا تھا۔ پس مباشرت شرط ہے اور طلاق یا عتاق امر مشروط ہے اور جب شرط پوری ہو جائے تو مشروط واقع ہو جاتا ہے۔ پس جب کہ بیوی سے کہا کہ اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو میرا فلاں غلام آزاد ہے اس کے بعد وہ غلام مر گیا یا اسے فروخت کر دیا یا کسی کو بخش دیا اور پھر مباشرت کی تو کچھ عائد نہ ہو گا کیوں کہ غلام کی ملکیت ختم ہو جانے پر ایلاء ساقط ہو گیا۔ اب اگر وہ غلام دوبارہ خاوند کی ملکیت میں آ جائے تو ایلاء عود نہیں کرے گا۔ تیسری صورت میں خاوند کو اس بات کا اختیار ہو گا کہ جو منت مانی ہے اسے پورا کرے یا قسم کا کفارہ دے۔

اگر بیوی سے کہا کہ میں تجھ سے مباشرت کروں تو مجھ پر اللہ کی طرف سے حج، صدقہ، نماز، روزہ یا غلام آزاد کرنا لازم ہو گا اور پھر مباشرت کر لی تو اسے اختیار ہے کہ اپنی نذر پوری کرے یا قسم کا کفارہ دے۔ یہاں پر جس بات کا خاص طور پر جاننا ضروری ہے وہ شرط محض اور نذر لازم کا فرق ہے۔ چنانچہ قول مذکورہ میں جب کہ بیوی سے کوئی کہے کہ اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو میرا غلام آزاد ہے یا تجھے طلاق ہے نذر کو شرط (ایلاء) قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اگر میاں بیوی میں سے کوئی مرض میں مبتلا ہو جائے اور خاوند بیوی سے کہا ہے اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو مجھ پر اللہ کی طرف سے نماز اور روزہ عائد ہو گا تو اس طرح کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی اور مباشرت کے قابل ہوا تو میں اتنی نماز ادا کروں گا یا اتنے روزے رکھوں گا تو یہ ایلاء نہ ہو گا بلکہ منت ماننا ہے جس کا پورا کرنا مباشرت کرنے پر لازم ہو گا:

اگر ایک شخص نے یوں کہا کہ اگر میں بیوی سے مباشرت کروں تو مجھ پر مثلاً ماہ شعبان کا روزہ لازم ہو جائے گا اور ایلاء کی مدت چار ماہ گزرنے سے پہلے شعبان کا مہینہ نکل گیا تو ایلاء ساقط ہو جائے گا اور کچھ لازم نہ ہو گا۔

ایلاء کے بارے میں یہ حکم اس حال میں ہے جبکہ بیوی سے مباشرت ہوئی ہو۔ لیکن اگر خاوند اپنی قسم پر اڑا رہا اور

Marfat.com

مباشرت نہ کی تو بیوی پر لازم ہے کہ وہ چار ماہ سے کچھ زیادہ عرصہ تک خواہ صرف اتنی ہی دیر مزید لگائے کہ اتنی دیر میں یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش نہ کیا جا سکے۔ اور خواہ خاوند غلام ہو یا آزاد۔ اگر یہ مدت گزر جائے اور خاوند رجوع کے لئے مباشرت نہ کرنے پر اڑا رہے تو بیوی کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ رجوع کے مطالبہ کو حاکم شرع کے سامنے پیش کرے۔ قاضی خاوند کو فوری طور پر رجوع کرنے کا حکم دے گا اور اس کے لئے کوئی مہلت منظور نہ کرے گا۔ ہاں اگر خاوند صرف اتنی مہلت مانگے کہ رجوع کے لئے مباشرت پر قادر ہو سکے درآنحالیکہ مثلاً بھوک یا شکم سیری کے باعث مباشرت نہ کر سکتا ہو یا صرف اتنی مہلت مانگے کہ کھانا کھا لے یا کھایا ہوا ہضم کر لے تو اس کی یہ درخواست قبول کر لی جائے گی۔ اسی طرح اگر خاوند رمضان کے روزے سے ہوا اور اتنی مہلت مانگے کہ روزہ کھول سکے تو اتنی مہلت منظور کی جائے گی۔ اس کے بعد اگر خاوند نے مباشرت کر کے حسب وعدہ رجوع کر لیا تو ایلاء ختم ہو جائے گا اور کفارہ وغیرہ پورا کرنا ہوگا۔ اگر (مہلت ملنے کے بعد بھی) خاوند نے وعدہ پورا نہ کیا اور باقاعدہ رجوع نہ کیا تو قاضی (حاکم شرع) اس کی طرف سے بیوی کو طلاق دے دے گا۔

قاضی کے طلاق دینے کی صورت یہ ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں نے فلاں عورت پر اس کے خاوند کی طلاق عائد کر دی یا فلاں عورت کو فلاں مرد کی جانب سے طلاق دے دی۔ یا اس عورت سے کہے کہ تجھ پر فلاں شخص کی طرف سے طلاق ہے۔ اگر قاضی نے صرف یہ کہا کہ میں نے فلاں عورت پر طلاق عائد کر دی یا فلاں عورت کو طلاق دے دی۔ یا عورت سے کہا کہ تجھے طلاق ہے اور یہ نہ کہا کہ فلاں شخص کی طرف سے تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیوں کہ قاضی جو طلاق دیتا ہے وہ خاوند کی طرف سے ہوتی ہے پس اگر وہ یہ نہ کہے کہ فلاں شخص کی طرف سے (طلاق دے رہا ہوں) تو وہ طلاق درست نہ ہوگی۔ یہ کہنا لازمی ہے کہ میں نے فلاں شخص کی طرف سے تجھے طلاق دی' فلاں کی طرف سے تجھ پر طلاق عائد کی یا فلاں کی طرف سے تیرے طلاق کا میں نے فیصلہ کر دیا۔ اگر قاضی کے سامنے خاوند کا موجود ہونا ممکن ہو تو اس کی حاضری لازمی ہے۔ لہٰذا اگر دو معتبر اشخاص خاوند کی غیر موجودگی میں مدت ایلاء گزرنے کے بعد یہ شہادت دیں کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا اور پھر مباشرت نہیں کی۔ اس شہادت کی بناء پر اگر قاضی خاوند کی طرف سے طلاق دے تو وہ طلاق درست نہ ہوگی۔ ہاں اگر خاوند حاضر ہونے سے معذور ہو تو قاضی کا خاوند کی عدم موجودگی میں طلاق دینا درست ہوگا۔ پھر یہ ہے کہ قاضی نے جو طلاق دی وہ طلاق رجعی ہوگی۔ اگر ایک طلاق سے زیادہ طلاقیں دیں تو وہ طلاق نہیں پڑے گی۔ اگر وہ عورت مباشرت شدہ ہے اور اس سے پہلے دو طلاقیں اسے نہیں مل چکیں تو اس پر ایک ہی طلاق رجعی واقع ہوگی لیکن اگر وہ عورت غیر مباشرت شدہ ہے تو قاضی کی دی ہوئی طلاق خود خاوند کی دی ہوئی طلاق کی طرح بائنہ ہو جائے گی۔ کیوں کہ غیر مباشرت شدہ عورت کی (طلاق کے بعد) کوئی عدت نہیں ہوتی' لہٰذا اس کی ایک طلاق بھی طلاق بائنہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں بھی جب کہ عورت مباشرت شدہ ہو اور اب اسے صرف ایک طلاق ملنی باقی ہے (یعنی دو طلاق مل چکی ہے) تو ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی۔

اگر خاوند کی غیر موجودگی میں قاضی نے اس کی طرف سے طلاق دے دی اور خاوند نے اس سے بے خبر ہونے کے باعث (کہ قاضی نے اس کی طرف سے طلاق دے دی ہے) خود بھی طلاق دے دی تو خاوند اور قاضی دونوں کی دی ہوئی طلاقیں پڑ جائیں گی۔ اسی طرح اگر دونوں نے بیک وقت طلاق دی تو دونوں کی دی ہوئی طلاقیں پڑ جائیں گی لیکن اگر خاوند نے پہلے طلاق دی اور قاضی نے بعد میں تو قاضی کی دی ہوئی طلاق نہیں پڑے گی۔ اسی طرح اگر یہ ثابت ہو جائے کہ

Marfat.com

قاضی کی طلاق سے پہلے خاوند نے مباشرت کر لی ہے تب بھی قاضی کی طلاق واقع نہ ہو گی اور وہ مباشرت جس سے شوہر دیدہ عورت سے رجوع مانا جائے گا کہ مباشرت میں حشفہ مرد داخل ہو جائے اور اگر خاوند ناقص العضو ہے تو بمقدار حشفہ دخول سے رجوع ہو گا۔ باکرہ عورت سے رجوع یہ ہے کہ اس کی بکارت زائل ہو جائے۔ مباشرت کے صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں ایک شرط یہ ہے کہ مباشرت فطری ہو غیر فطری نہ ہو غیر فطری مباشرت سے شرعاً رجوع نہ ہو گا تاہم قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ لازم ہو گا اور اگر بیوی نے خاوند کو ایسے غیر فطری اقدام کا موقع دے دیا تو (بذریعہ مباشرت) رجوع کے مطالبہ کا حق جاتا رہے گا۔ لیکن خاوند بہرحال ایلاء کرنے کا گنہگار رہے گا تاآنکہ وہ فطری مباشرت (سے رجوع) نہ کرے اس طرح تین باتیں ہوئی ایک تو 'رجوع شرعی' یعنی بیوی سے اس طرح مباشرت کی کہ بیوی کو ایذا اور خاوند کو گناہ نہ ہو اور یہ فطری مباشرت ہی کی صورت میں ہو سکتا ہے یعنی ادخال حشفہ یا زوال بکارت دوسرے یہ کہ قسم ٹوٹ جائے اور کفارہ لازم ہو۔ یہ بات غیر فطری مباشرت سے بھی ہو جائے گی بشرطیکہ قسم میں غیر فطری مباشرت ہی کی قید نہ ہو۔ مثلاً یہ قسم کھائی ہو کہ وہ فطری مباشرت نہ کرے گا۔ لہٰذا اگر اس نے غیر فطری مباشرت کی تو قسم ٹوٹے گی اور کفارہ لازم نہ ہو گا' تیسرے بیوی کا مطالبہ رجوع (باقاعدہ مباشرت سے) یا مطالبہ طلاق۔ بیوی کا یہ حق مطالبہ خاوند کے غیر فطری مباشرت سے جاتا رہے گا۔ پس شافعیہ کا جو یہ کہنا ہے کہ غیر فطری مباشرت سے رجوع نہیں ہوتا اس سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ قسم نہ ٹوٹے اور بیوی کا حق مطالبہ (رجوع یا طلاق) زائل نہ ہو۔ کیونکہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اس سے رجوع شرعی نہیں ہوتا لیکن (خاوند کی) قسم ٹوٹ جائے گی اور بیوی کا حق مطالبہ جاتا رہتا ہے۔ پس دونوں (صورتوں کے) مسائل میں تضاد نہیں ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مباشرت غیر فطری سے قسم نہیں ٹوٹتی چنانچہ اگر بیوی سے کہا کہ بخدا میں تجھ سے مباشرت نہیں کروں گا اور مباشرت غیر فطری کر لی تو کفارہ لازم نہ ہو گا لیکن خلاف ظاہر ہے کیوں کہ غیر فطری مباشرت بھی مباشرت ہے جیسا کہ عیاں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ (رجوع کرنے والے نے) اپنے اختیار سے رجوع کیا ہو۔ اگر رجوع پر مجبور کیا گیا تو وہ رجوع نہ ہو گا۔ چنانچہ اگر ایک شخص کو مار پیٹ کر یا کسی اور طرح بیوی سے مباشرت پر مجبور کیا تو اس سے شرعاً رجوع نہ ہو گا لیکن ایلاء کے گناہ سے بری قرار نہیں دیا جائے گا اور اس میں کلام نہیں کہ بیوی کا حق مطالبہ ختم ہو جائے گا۔ اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ قسم نہیں ٹوٹے گی اور کفارہ لازم نہ ہو گا اس مباشرت کو کالعدم قرار دیا جائے گا۔ غرض جبراً مباشرت سے بیوی کا صرف حق مطالبہ زائل ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں ہوتا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ رجوع بھولے سے نہ ہوا ہو۔ پس اگر بھولے سے مباشرت کر لی تو بیوی کا حق مطالبہ تو جاتا رہے گا لیکن کفارہ لازم نہ ہو گا تاہم گناہ ایلاء کا رہے گا جیسا کہ مجبوری کی حالت میں بتایا گیا۔

اس بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شرعی رجوع وہ ہے جس میں نہ گناہ ہو اور نہ بیوی کو ایذا دہی ہو۔ اس سے کفارہ وغیرہ یعنی طلاق عتاق اور نذر واجب الاداء ہو گا۔ لیکن بیوی کا حق مطالبہ بالاتفاق ساقط ہو جائے گا۔ شرعی رجوع سے مراد وہ مباشرت ہے جو فطری ہو اور اپنے اختیار سے بخوشی خاطر کی جائے۔ غیر فطری مباشرت سے بیوی کا حق (مطالبہ رجوع یا طلاق) زائل ہو جائے گا اور کفارہ وغیرہ واجب ہو گا لیکن خاوند گناہ سے بری متصور نہ ہو گا اور جبری یا بھول چوک کی

Marfat.com

مباشرت سے نہ گناہ سے بریت ہوگی نہ کفارہ واجب ہوگا لیکن اس سے بیوی کا حق مطالبہ ساقط ہو جائے گا۔

واضح ہو کہ اگر عورت کو کوئی امر مانع مباشرت لاحق ہو تو جب تک کہ وہ رکاوٹ دور نہ ہو جائے اسے (رجوع یا طلاق کے) مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ امر مانع کی صورت یہ ہے کہ بیوی حیض ونفاس کی حالت میں ہو یا بیمار ہو یا اتنی صغیر سن ہو کہ اس سے مباشرت نہ کی جا سکے۔ اگر ایسی (مانع مباشرت) رکاوٹ خاوند کو لاحق ہو تو اس کی دو صورتیں ہوں گی یا تو وہ رکاوٹ طبعی (جسمانی) ہوگی جیسے کوئی مرض قابل ازالہ لاحق ہو گیا یا پھر وہ رکاوٹ شرعی ہوگی۔ اگر جسمانی رکاوٹ جیسے بیماری کہ مباشرت سے معذور ہو تو ایسی صورت میں اس کا رجوع کرنا 'وعدہ' ہے مثلاً وہ کہے کہ جونہی میں اس قابل ہو جاؤں گا (رجوع کے لئے) مباشرت کروں گا۔ اور اگر وہ رکاوٹ شرعی ہے مثلاً حج کے لئے حالت احرام میں لیکن حلت (احرام ختم ہونے) کا وقت قریب ہے یعنی تین دن یا اس سے کم عرصہ تو حالت احرام ختم ہونے تک کی مہلت ہے۔ اس سے زیادہ وقت باقی ہو تو مہلت نہیں دی جائے گی اور بیوی کو مطالبہ طلاق کا حق ہوگا۔ اسی طرح اگر صوم فرض مانع مباشرت ہو تو بیوی مطالبہ طلاق کر سکتی ہے خاوند کا روزہ اس مطالبہ سے باز نہیں رکھ سکتا اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اگر خاوند رجوع کے لئے بھوک' گرانی شکم یا روزہ کے باعث (رجوع کے لئے) مہلت طلب کرے تو یہ مہلت دی جائے گی۔ اگر خاوند وعدہ کرے کہ روزہ افطار کرنے کے بعد رجوع کر لوں گا تو یہ وعدہ درست ہے۔

مدت ایلاء کا حساب ایلاء کی تاریخ سے لگایا جائے گا۔ جس کے لئے تین شرطیں ہیں: پہلی شرط کا تعلق ارتداد سے ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا اور دونوں میں سے کوئی مرتد ہو گیا اور ان میں مباشرت ہنوز نہیں ہوئی نہ فطری مباشرت ہوئی ہو اور نہ غیر فطری تو مرتد ہونے کے ساتھ ہی نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اور اب ایلاء نہ رہے گا اور اگر مباشرت ہو چکی ہے تو ان کا نکاح نہیں ٹوٹے گا بلکہ ملتوی رہے گا اگر عدت گزرنے سے پہلے وہ مرتد مسلمان ہو جائے تو سابقہ نکاح بحال رہے گا اور ایلاء قابل تسلیم ہوگا چنانچہ اگر ایلاء کرنے والا خاوند مرتد ہوا اور بیوی کی عدت ختم ہونے سے پہلے مسلمان ہو گیا اور ان کا نکاح بحال رہے گا' کیوں کہ عدت گزرنے سے پہلے وہ عورت نکاح سے باہر نہیں ہوئی لہٰذا ان کا باہمی نکاح نہیں ٹوٹا۔ ایسی صورت میں حالت ارتداد کے زمانہ کو ایلاء کی مدت میں محسوس نہیں کیا جائے گا۔ خواہ یہ زمانہ تھوڑا ہو یا زیادہ' یہاں تک کہ اگر (ایام عدت میں) پوری مدت ایلاء گزر جائے تب بھی۔ پس اگر ایک شخص نے اپنی حاملہ بیوی سے ایلاء کیا اور مرتد ہو گیا اور چار ماہ سے کچھ زیادہ عرصہ تک توقف کیا اور بدستور مرتد رہا تاہم بیوی کے وضع حمل سے پہلے اس نے توبہ کر لی تو ان کا نکاح بحال رہے گا اور ایلاء قائم رہے گا اور جو عرصہ حالت ارتداد میں گزرا یعنی چار ماہ سے کچھ زیادہ وہ نابود متصور ہوگا اور ایلاء کا زمانہ اس وقت سے شمار میں آئے گا۔ جب کہ اس نے توبہ کی کیوں کہ مرتد ہو جانے سے نکاح میں خلل پڑ گیا تھا۔ (یعنی نکاح نہ رہا تو ایلاء بھی نہ رہا)۔

دوسری شرط یہ ہے کہ عورت کو کوئی امر مانع مباشرت لاحق نہ ہو خواہ وہ امر مانع (یا رکاوٹ) حسی ہو مثلاً مرض' صغیر سنی یا جنون یا امر مانع شرعی ہو جیسے بیوی کی بے زاری (قادر نہ ہونے دینا) یا صوم رمضان یا حالت احرام میں ہونا۔ ایام ماہواری کو اس حالت میں شرعاً رکاوٹ قرار نہیں دیا گیا۔ کیوں کہ ایلاء کی مدت اس سے آگے نہیں بڑھتی۔ نفاس کا شمار بھی اسی میں ہے کہ اسے (مدت ایلاء میں) مانع مباشرت قرار نہیں دیا گیا۔ پس درآنحالیکہ بیوی کو جسمانی رکاوٹ یا حیض و

Marfat.com

نفاس کے علاوہ کوئی اور شرعی رکاوٹ لاحق ہو تو اس سے پہلے کی مدت نکال دی جائے گی اور مدت ایلاء کا حساب امر مانع مباشرت کے دور ہو جانے کے بعد سے ہوگا۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا اور مثلاً ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ اس کے بعد بیوی کو کوئی بیماری لاحق ہوئی جس میں مباشرت ممکن نہیں تو ایلاء کا وہ مہینہ اور بیماری کا زمانہ مدت ایلاء میں محسوب نہ ہوگا۔ بلکہ مدت ایلاء کا آغاز صحت یاب ہونے کے وقت سے ہوگا۔ لیکن اگر بیوی سے ایلاء ہونے کے بعد ایلاء کی پوری مدت گزر گئی اور اس کے مابعد بیماری لاحق ہوئی اور ہنوز یہ معاملہ حاکم شرع کے سامنے پیش نہ ہوا تھا تو اس بیماری کے لاحق ہونے کے باعث ایلاء کی وہ تمام مدت رائیگاں متصور نہ ہوگی۔ بخلاف اس کے مرتد ہونے کی صورت میں وہ تمام مدت خارج از شمار ہو جائے گی (یعنی ایلاء کی مدت پھر مسلمان ہونے کے بعد سے شروع ہو گی)۔

واضح ہو کہ اگر خاوند کو مانع شرعی لاحق ہو تو (ایلاء کے باب میں) وہ نا قابل توجہ ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ یہی حکم مانع طبیعی (یا مانع حسی) کا ہے۔ لیکن اس صورت میں رجوع کا طریقہ وعدہ کر لینا ہے۔ اگر بیوی نفلی روزے سے ہو یا عمرہ کا احرام ہو تو اسے امر مانع نہیں مانا جائے گا کیوں کہ اس حالت میں خاوند کو حق ہے کہ بیوی کو نوافل سے روک دے۔

تیسری شرط کا تعلق مطلقہ رجعیہ کے ساتھ ایلاء کرنے سے ہے۔ کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے جسے طلاق رجعی دے رکھی ہے۔ ایلاء کیا تو ایلاء کی مدت طلاق رجعی سے رجوع کرنے کے بعد سے شروع ہو گی۔ قسم کھانے کے وقت سے مدت ایلاء کا شمار نہ ہو گا کیوں کہ رجوع طلاق سے پہلے بیوی سے مباشرت حلال ہی نہیں ہے لہٰذا ایلاء (یعنی ترک مباشرت کی قسم) متصور نہیں ہے ہاں طلاق رجعی سے رجوع کرنے کے بعد جب کہ مباشرت حلال ہو جاتی ہے ایلاء کا آغاز ہو سکتا ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ ایلاء یہ ہے کہ ایک شخص اللہ کی ذات یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھائے کہ اپنی بیوی سے مباشرت نہ کرے گا۔ اب اگر مباشرت کی قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ لازم ہوگا بصورت دیگر چار ماہ تک بیوی اس کے (رجوع کا) انتظار کرے اگر چار ماہ گزرنے تک خاوند بیوی سے کنارہ کش رہا تو بیوی کو حق ہے کہ وہ اپنا معاملہ حاکم شرع کے سامنے پیش کرے کہ وہ فیئۃ بکسر فا یعنی (رجوع کے لئے) مباشرت کا حکم دے اس مباشرت کو فیئۃ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا مطلب اس فعل کا کر گزرنا ہے جس کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ یہ لفظ فی سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں وہ سایہ جو زوال کے بعد ہوتا ہے۔ سایہ کو فی اس لئے کہتے ہیں کہ اس وقت سایہ مغرب کی طرف سے مشرق کی جانب پڑتا ہے۔

(جاننا چاہئے کہ) اگر خاوند (حکم حاکم کو نظر انداز کرتے ہوئے) مباشرت سے انکار کرے تو حاکم اسے حکم دے گا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے۔ اگر طلاق نہ دے تو حاکم شرع اس کی طرف سے ایک یا دو یا تین دے دے گا۔ کیوں کہ اس باب میں حاکم، خاوند کا قائم مقام ہے، جو تین طلاقوں کا مالک ہوتا ہے، لیکن ایک دم تین طلاقوں کا دینا حرام ہے لہٰذا حاکم کو ایسا کرنا حلال نہیں ہے جیسا کہ خاوند کو حلال نہیں ہے اور حاکم شرع کو یوں کہنا درست ہے ''کہ میں نے دونوں کا نکاح فسخ کر دیا'' اس سے نکاح فسخ ہو جائے گا لیکن یہ طلاق درست نہیں ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی (فسخ نکاح) ہے کہ ''میں نے تم دونوں میں علیحدگی کرادی'' اور حاکم کو یہ حق نہیں ہے کہ خاوند کو طلاق دینے کا حکم دے سوا اس کے کہ بیوی خود اس کا مطالبہ کرے۔ پس اگر بیوی قاضی سے کہے کہ آپ اس شخص کو حکم دیجئے کہ مجھے طلاق دے دے تو حاکم اسے طلاق دینے کا حکم دے سکتا ہے۔ اگر وہ طلاق دے تو حاکم کو خود طلاق دینے کا حق نہ رہے گا۔ تا آنکہ بیوی خود نہ کہے کہ مجھے آپ (خاوند کی

Marfat.com

طرف سے) طلاق دے دیجئے۔ اگر خاوند یا حاکم شرع طلاق رجعی دے دے اور بیوی مباشرت شدہ ہو تو خاوند کو عدت کے دوران رجوع کرنے کا حق ہے اور مباشرت کی کم سے کم صورت یہ ہے کہ حشفہ یا اگر حشفہ مقطوع ہے تو عضو مخصوص کا اسی قدر حصہ اندام نہانی میں، دبر میں نہیں، داخل ہو جائے۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مباشرت قصداً اور اپنی مرضی سے کی جائے۔ چنانچہ اگر جبراً یا بھول کر یا نیند کی حالت میں ایسا کر لیا یا حالت جنون میں تھا اور مباشرت کر لی تو پھر بیوی کو مطالبہ رجوع وطلاق کا حق نہ رہے گا۔ اگر چہ اس کے بعد خاوند مباشرت نہ کرے اور ایلاء کی مدت گزر جائے تب بھی اسے طلاق کے مطالبہ کا حق نہیں رہے گا۔ لیکن خاوند کی قسم اس سے نہیں ٹوٹے گی اور کفارہ لازم نہ ہوگا کیوں جبراً یا سہواً یا حالت جنون میں قسم ٹوٹنے سے کچھ نہ ہوگا اور غیر فطری مباشرت سے بیوی کا حق مطالبہ ساقط نہیں ہوتا اور نہ کفارہ واجب ہوتا ہے کیوں کہ ایلاء کی تعریف یہ ہے کہ خصوصیت کے ساتھ فطری مباشرت کے ترک کرنے کی قسم کھائی جائے۔ ایلاء سے رجوع فطری مباشرت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اگر بیوی حیض یا نفاس کی حالت میں تھی یا رمضان کے روزہ سے تھی اور اسی حالت میں مباشرت کی تو قسم پوری ہو جائے گی اور بیوی کا حق مطالبہ ساقط ہو جائے گا' اگر چہ خاوند گنہگار ہوگا اگر خاوند کو جبراً مباشرت کرنی پڑی ہو تو اس سے بیوی کا حق مطالبہ ساقط نہ ہوگا نیز اگر ایلاء کی مدت گزر گئی اور بیوی نے حاکم کے پاس شکایت کرنے سے گریز کیا تب بھی حق مطالبہ جاتا رہے گا۔ کیوں کہ جس شے کا اسے اختیار تھا وہ خود اس سے محترز رہی۔ اگر ایلاء کنندہ شخص مدت ایلاء گزرنے تک (مباشرت سے) معذور رہے بایں طور کہ بیمار ہو جائے یا قید میں پڑ جائے تو ایسی صورت میں رجوع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وعدہ رجوع کر لے اور یوں کہے کہ جب بھی مجھے ممکن ہو سکا میں (مباشرت کر کے) رجوع کر لوں گا۔

اگر بیوی مدت ایلاء کے ختم ہو جانے کا دعویٰ کرے اور خاوند کہے کہ وہ مدت نہیں گزری تو خاوند کے قسم کھا لینے پر اس کی بات مان لی جائے گی۔ اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اسکے کہنے پر فیصلہ نہ ہوگا۔ اگر خاوند کا دعویٰ ہو کہ اس نے بیوی سے مباشرت کی ہے اور بیوی انکار کرے اور وہ شوہر دیدہ ہے تو خاوند کی بات قسم کھا لینے پر مان لی جائے گی اور اگر بیوی باکرہ ہے اور واقف کار عورت اس امر کی شہادت دے کہ بیوی کی بکارت زائل ہو چکی ہے تو خاوند کا دعویٰ قسم کھا لینے پر مان لیا جائے گا کیوں کہ قسم سے اس کے قول کی تائید ہو جائے گی۔ بصورت دیگر عورت کا قول اس کے قسم کھانے پر مان لیا جائے گا کیوں کہ اگر فی الواقع بکارت زائل ہو چکی ہے تو مباشرت ہوئی ہے۔ اگر بکارت کے زائل ہونے یا نہ ہونے کی بابت کوئی شہادت موجود نہ ہو تو خاوند کی بات اس کے قسم کھا لینے پر مانی جائے گی۔

واضح ہو کہ یہ مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ ایلاء کنندہ نے اللہ کی ذات یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھائی ہو اگر طلاق یا عتاق کو مباشرت سے مشروط کیا یا نذر مان رکھی ہے تو ایسی صورت میں اس شخص کو ایلاء کنندہ قرار نہ دیا جائے گا۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے لیکن اگر اس نے باقاعدہ طور پر مباشرت کر لی تو غلام کو آزاد کرنا یا نذر جو مانی ہے اسے پورا کرنا لازم ہوگا جیسا کہ کھانا پینا چھوڑ دینے پر ترک مباشرت کی قسم کھائی اور پھر مباشرت نہیں کی بلکہ اپنی قسم پر جما رہا تو بیوی کو حق ہے کہ وہ اپنا معاملہ حاکم شرع کے سامنے پیش کر کے طلاق کا مطالبہ کرے یا پھر حاکم خود ہی اس کی طرف سے بیوی کو طلاق دے لیکن یہ طلاق ایلاء کی بناء پر نہ ہوگا تا کہ بیوی کے لئے دشواری نہ ہو جیسا کہ پہلے بتایا گیا اور مدت ایلاء کا

Marfat.com

حساب ایلاء کے وقت سے لگایا جائے گا اس کے لئے دو شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ بیوی کو کوئی امر مانع مباشرت لاحق نہ ہو خواہ یہ مانع طبعی ہو مثلاً یہ کہ وہ صغیر سن ہو کہ مباشرت کے قابل نہ ہو یا بیمار ہو یا جنون زدہ ہو کہ خاوند کی بات نہ مانے یا پھر یہ کہ ہوش میں نہ ہو یا اس کو مانع شرعی لاحق ہو مثلاً فرض روزہ رکھا ہوا ہے یا فریضہ اعتکاف میں ہو یا حج کا احرام باندھ رکھا ہو یا بیوی کنارہ کشی پر آمادہ ہو یا حالت نفاس میں ہو۔ اس میں وہ صورت بھی شامل ہے جب کہ وہ قید میں ہو۔ اب اگر ان رکاوٹوں میں سے کوئی رکاوٹ ترک مباشرت کی قسم کھانے کے وقت موجود تھی تو ایلاء کی مدت اس وقت سے شروع ہوگی جب یہ رکاوٹ دور ہو جائے۔ اگر یہ رکاوٹ قسم کھانے کے بعد لاحق ہوئی تو اس صورت میں اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر مثلاً یہ قسم کھائی تھی کہ چھ ماہ تک بیوی سے مباشرت نہ کرے گا۔ اس کے ڈیڑھ ماہ بعد بیوی نے وضع حمل کیا اور حالت نفاس میں رہی تو اس نفاس سے پہلے جو مدت گزری یعنی ڈیڑھ ماہ کا عرصہ وہ خارج از حساب ہوگا اور مدت ایلاء کا آغاز از سر نو ایام نفاس کے ختم ہونے کے بعد سے ہوگا۔ کیوں کہ خاوند نے جس عرص کے لئے ایلاء کیا تھا اس کا بیشتر حصہ یعنی ساڑھے چار ماہ باقی ہیں تو ایلاء ختم نہ ہوگا لیکن اگر تین ماہ گزرنے کے بعد بیوی نفاس کی حالت میں ہو جائے تو ایلاء باطل نہ ہوگا کیوں کہ اس صورت میں (خاوند کی) مقررہ مدت میں سے صرف تین ماہ باقی رہے۔ جو مدت ایلاء سے کم ہیں۔ کیوں کہ اگر بالفرض وہ شخص نفاس کے ختم ہونے پر قسم کھایا تا کہ بیوی سے اس عرصہ میں یعنی تین ماہ تک مقاربت نہیں کرے گا تو وہ ایلاء نہ ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ ایام ماہواری کو ایسا امر مانع مباشرت نہیں قرار دیا گیا جو مدت ایلاء سے ساقط کیا جائے۔ خواہ یہ ایام ایلاء کے آغاز میں آئیں یا اس کے درمیان میں آئیں۔ (اس کے برعکس) اگر امر مانع مباشرت خاوند کو لاحق ہو خواہ وہ جسمانی ہو یا شرعی۔ مثلاً مرض اور قید یا احرام اور روزہ رمضان تو اسے مدت ایلاء میں شمار کیا جائے گا اور مدت ایلاء سے خارج نہ کیا جائے گا خواہ یہ مانع قسم کھانے (ایلاء کرنے) کے وقت رہی ہو یا بعد میں لاحق ہوئی ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ زوجین یا ان میں سے کوئی ایک مرتد نہ ہو جائے اگر مباشرت سے پہلے خاوند یا بیوی مرتد ہو جائے تو ان کا نکاح ٹوٹ جائے گا اور ایلاء سے خارج متصور ہوگی مثلاً ایک شخص نے بیوی سے ایلاء کیا اور مرتد ہو گیا اس کے بعد پھر مسلمان ہو گیا اور ہنوز بیوی عدت میں ہے اور وہ بائنہ (خارج از نکاح نہیں ہوئی تو وہ مدت جس میں وہ شخص مرتد رہا ایلاء میں شمار نہ ہوگی بلکہ ایلاء کی مدت مسلمان ہونے کی تاریخ سے محسوب ہوگی، یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ عورت مرتد ہو جائے۔

جن امور سے ایلاء ٹوٹ جاتا ہے وہ یہ ہیں:

ایک امر یہ ہے کہ خاوند بدوران ایلاء معاوضہ لے کر طلاق دے دے چنانچہ اگر قسم کھائی کہ پانچ ماہ تک بیوی سے مقاربت نہ کرے گا۔ پھر اس نے بیوی سے مالی معاوضہ لے کر اسے طلاق دی یا طلاق ثلاثہ دے دی تو ایلاء ساقط ہو جائے گا اور اگر پھر اس نے شادی کر لی تو ایلاء بحال نہ ہوگا تا آنکہ مقررہ مدت میں سے جو عرصہ باقی رہ گیا ہے وہ چار ماہ سے زیادہ ہو۔ اگر پورے چار ماہ یا اس سے کم کی مدت باقی رہی تو ایلاء بحال نہ ہوگا۔ بنا بریں اگر ایک شخص نے قسم کھا کہ وہ اپنی مباشرت شدہ عورت سے چھ ماہ تک مباشرت نہیں کرے گا اور دو ماہ گزرنے پر اس نے بطور خلع اسے زوجیت سے خارج

Marfat.com

ظہار کا بیان

ظہار کی تعریف۔ اس کے متعلقہ احکام اور اس کی دلیل

ظہار کے معنے از روئے لغت یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لفظ ظہر (بمعنی پشت) سے بنا ہے بیوی کو سواری سے مشابہت ہے جس کی پشت پر سوار ہوتے ہیں۔ کیوں کہ بیوی سے مقاربت گویا اس پر سوار ہونا ہے۔ اگر اس کا طریقہ مختلف ہے لیکن یہاں پر وجہ شبہ صرف سواری ہے (سواری کی کیفیت سے غرض نہیں ہے) بہر حال ظہار کی لغوی حیثیت یہ ہے کہ ایک شخص بیوی سے کہے کہ تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے اس طرح کہہ دینے سے بیوی اس پر

کر دیا اور بیوی کے بائنہ ہونے کے ایک ماہ بعد پھر اسے زوجیت میں لے لیا تو اب وہ ایلاء بحال نہ ہوگا۔

دوسرا امر یہ ہے کہ بیوی سے ایلاء ہونے کے ایک ماہ بعد وہ عورت مرتد ہو جائے۔ یہاں تک کہ (حالت ارتداد میں) عدت ختم ہو جائے اور بیوی بائنہ ہو جائے تو بائنہ ہونے کے بعد ہی ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ اس کے بعد اگر خاوند پھر اسے زوجیت میں لے لے تو ایلاء دوبارہ بحال نہ ہوگا۔ بجز اس صورت کے جب کہ چار ماہ سے زیادہ عرصہ ایلاء کی مدت مقررہ میں باقی ہو۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ فسخ نکاح سے بیوی بائنہ ہو جائے یا زوجین غیر مسلم ہوں اور ان میں سے کوئی مسلمان ہو جائے۔ مثلاً ایک یہودی نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا تو اس کا ایلاء درست ہے۔ اب اگر وہ یہودی مدت ایلاء کے اندر مسلمان ہو جائے تو اس کی بیوی بائنہ ہو جائے گی اور ایلاء ٹوٹ جائے گا اور اگر عدت ختم ہونے سے پہلے بیوی مسلمان ہو جائے تو وہ پھر اس کی زوجیت میں آ جائے گی۔ اگر ایلاء کی مقررہ کردہ مدت میں چار مہینے سے زیادہ عرصہ باقی ہو تو ایلاء بحال ہو جائے گا ورنہ ساقط ہو جائے گا۔

تیسرا امر یہ ہے کہ اگر خاوند قسم کھالے کہ وہ اپنی بیوی سے مثلاً پانچ ماہ تک مباشرت نہیں کرے گا اور ایک ماہ بعد اس نے بیوی کو طلاق رجعی دے دی اور ڈیڑھ ماہ بعد عدت ختم ہو گئی تو وہ عورت عدت پوری ہونے پر بائنہ ہو جائے گی اور ایلاء ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد خاوند نے پھر اسے زوجیت میں لے لیا تو ایلاء بحال نہ ہوگا۔ کیوں اس صورت میں صرف ڈھائی ماہ باقی رہ گئے۔ حالانکہ ایلاء بحال نہیں ہوتا جب تک چار ماہ سے زیادہ عرصہ ایلاء کی مقررہ مدت میں باقی نہ رہے۔ وعلی ہذا القیاس۔ اگر قسم کھائی کہ بیوی سے مباشرت نہیں کرے گا اور پانچ ماہ سے تین ماہ گزرنے پر اس نے ایک طلاق رجعی دے دی جس کی مدت عدت چوتھے ماہ کے آخر میں جس میں ایلاء کی مدت ختم ہو جاتی ہے پوری نہیں ہوی تو بیوی کو حق ہے کہ بطریق بالا مباشرت کے ذریعہ رجوع کا یا طلاق کا اسی طرح بغیر کسی فرق کے مطالبہ کرے جس طرح کہ وہ عورت اس کی زوجیت میں ہو۔ کیوں کہ مطلقہ رجعیہ بیوی ہوتی ہے۔

Marfat.com

بھی اسی طرح حرام ہو جاتی ہے۔ جس طرح کسی اور پر حرام ہے۔ مذہب اسلام کے آنے پر تمام امور جس طرح لوگ انجام دیتے تھے وہ بدستور باقی رہے۔ بجز ان امور کے جن کی بابت وحی (الٰہی) نازل ہوئی۔ پس ان لوگوں کے جو اقوال وافعال (یا طور طریقے) پسندیدہ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں بدستور باقی رکھا اور جو امور ناپسندیدہ تھے ان سے منع فرمایا اور جن امور میں اصلاح کی ضرورت تھی ان کی اصلاح فرمائی۔

عہد جاہلیت میں ظہار کرنے سے بیوی کے ساتھ مباشرت حرام ہو جاتی تھی اور وہ ہمیشہ کے لئے خاوند پر اور دوسروں پر حرام ہو جاتی تھی۔ لیکن شریعت اسلامیہ نے اس کے متعلق احکام آخرت اور احکام دنیا متعین فرمائے۔ آخرت سے متعلق حکم تو اس کا گناہ ہونا ہے یعنی جو شخص یہ کہے وہ گنہگار رہوا اور دنیا میں اس کی بابت یہ حکم ہے کہ عورت کے ساتھ مباشرت اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ تادیب اور سرزنش کے طور پر کفارہ نہ ادا کرے۔ کفارہ کا بیان آگے آ رہا ہے۔ ہر مسلمان کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا لازم ہے کہ ایسی بات کہنی کس قدر بے باکی ہے تاکہ ایسا اقدام نہ کریں۔ کیوں کہ یہ امر دین کے قطعاً خلاف ہے کہ انسان غصہ میں آ کر اپنی بیوی سے کہے کہ تو میرے لئے پشتِ مادر کی مانند ہے یا تو میری ماں یا بہن کے برابر ہے وغیرہ بموجب تفصیل آئندہ۔ ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی ہے اور آخرت کے عذاب کا موجب ہے۔ چنانچہ اس خطا سے ندامت کے خمیازے میں کفارہ عائد ہوتا ہے۔ اس کا شرعی مفہوم مسالکِ مختلفہ کی رُو سے تفصیل طلب ہے۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ 'ظہار' یہ ہے کہ ایک مسلمان مرد اپنی بیوی کو یا بیوی کے کسی عضو کو یا جزو کو جس سے بالعموم بیوی مراد ہوتی ہے ایسی شے سے جو ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہے اور کبھی حلال نہیں ہو سکتی تشبیہ دے اور فی الجملہ شرعی ظہار سے مراد ظہار کے وہ الفاظ ہیں جو بیوی کو ماں وغیرہ دوسری محرمات ابدیہ سے تشبیہ دینے پر مشتمل ہوں یا بیوی کے کسی عضو بدن مثلاً یا سر گردن یا اس کے کسی جزو مقداری مثلاً نصف یا تہائی کو تشبیہ دی جائے۔

اس تعریف میں لفظ تشبیہ سے ایسی عبارت خارج ہوگئی جو مشابہت کے لئے نہ ہو۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو میری ماں ہے یا میری بہن ہے اور تشبیہ کا لفظ استعمال نہیں کیا تو یہ ظہار نہ ہوگا اگرچہ نیت ظہار کی ہو۔ لفظ تشبیہ میں عمومیت ہے جو تشبیہ صریح اور تشبیہ ضمنی دونوں کو شامل ہے تشبیہ صریح کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کہے کہ تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے یا میری ماں کی مانند ہے وغیرہ اور تشبیہ ضمنی یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایسی عورت سے تشبیہ دے جس کے ساتھ اس کا خاوند نے ظہار کیا ہو مثلاً یوں کہے کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے فلاں عورت (اپنے خاوند کے لئے) اور اس سے مراد ظہار ہو۔ اس میں اگرچہ ظہار کا ذکر صریحاً نہیں ہے لیکن ضمنی طور پر آ گیا ہے۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ ایک شخص کی دو بیویاں ہوں اور ان میں سے ایک کے ساتھ ظہار کیا پھر دوسری سے کہا کہ تو بھی میرے لئے ویسی ہے

Marfat.com

جیسے میری فلاں بیوی یا یوں کہا کہ میں نے تجھے بھی اس کے ساتھ شامل کر لیا اور نیت ظہار کی تھی تو یہ بھی ظہار ہوگا کیوں کہ یہ کہنا ضمناً یہ کہنا ہے کہ تو مجھ پر میری پشت مادر کی مانند ہے۔ اس میں تشبیہ قطعی ہو یا مشروط گو اسے بیوی کی مرضی پر مشروط رکھا ہو شامل ہے۔ مثلاً بیوی سے کہا کہ اگر تو چاہتی ہے تو میرے لئے تو پشت مادر کی مانند ہے۔ ظہار کے وقت سے مشروط کرنا بھی ایسا ہی ہے مثلاً بیوی سے یوں کہنا بھی کہ تو ایک ماہ یا ہفتہ بھر کے لئے مجھ پر پشت مادر کی مانند ہے ظہار ہے اور اس وقت کے اندر اگر مباشرت کا ارادہ کرے تو کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا اگر کہا کہ پورے ماہ رجب اور پورے ماہ رمضان تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے تو درست ہے پس اگر ماہ رجب میں مباشرت کا ارادہ کیا تو لازم ہے کہ پہلے کفارہ ادا کرے۔ کفارہ ادا کرنے کے بعد یہ کفارہ ماہ رمضان میں بھی مباشرت کے لئے کافی ہوگا۔ لیکن اگر ماہ رجب میں مباشرت کا قصد نہیں کیا بلکہ ماہ شعبان میں مباشرت کا ارادہ کیا تھا تو یہ کفارہ کافی نہیں ہے کیوں کہ ظہار ماہ شعبان کی بابت نہیں تھا۔ جس میں بغیر ادائے کفارہ مباشرت کر سکتا ہے کفارہ اس مباشرت کو جائز کرنے کے لئے ہوتا ہے جو شرعاً ممنوع ہوگئی ہو اور اس کا ارادہ کیا جائے۔ ارادہ مباشرت سے پہلے کفارہ ادا کرنا درست نہیں ہے اور یہ معلوم ہے کہ ماہ شعبان میں مباشرت روا تھی ممنوع نہیں تھی لہٰذا اس کا کفارہ نہیں ہے۔ لیکن اگر ماہ رمضان میں مباشرت کے ارادہ سے (ماہ رجب سے پہلے ہی) کفارہ ادا کر دیا تو ماہ رجب کی مباشرت کے لئے بھی اور ماہ رمضان کے لئے بدرجہ اولیٰ کافی ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ ایک شخص نے بیوی سے کہا کہ روز جمعہ کے علاوہ ہر روز تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے اور جمعہ کے علاوہ کسی روز بھی مباشرت کا ارادہ کیا تو اس کے لئے ادائے کفارہ لازم ہوگا اگر جمعہ کے روز کفارہ ادا کیا تو وہ کافی نہ ہوگا کیوں کہ جمعہ کے دن کفارہ کے بغیر ہی اسے مباشرت حلال ہے۔ اگر (بیوی سے) کہا کہ میں تیرے باپ کے گھر روانہ ہوں تو تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے اور اس گھر کے لئے سفر کیا اور مباشرت کا ارادہ ہوا تو کفارہ لازم ہوگا۔ اگر یوں کہا تھا کہ جب بھی میں (ادھر کا) سفر کروں (تو تو میری پشت مادر کی مانند ہے) تو جتنی بار اس طرف روانہ ہوگا اتنی ہی بار (مباشرت کے لئے) کفارہ لازم ہوگا۔ اگر یوں کہا کہ ہر اتوار کو تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے تو اس کے لئے صرف ایک کفارہ کافی ہے۔ اگر یوں کہا کہ ہر دن تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے' تو جس روز بھی مباشرت کا ارادہ ہو کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ لیکن اگر رات کو مباشرت کی تو جائز ہے اس کے لئے کفارہ لازم نہ ہوگا کیوں کہ شرعاً دن سے دن کا وقت مراد ہوتا ہے رات مراد نہیں ہوتی۔

تعریف ظہار میں جو 'مسلمان' کا لفظ آیا ہے اس سے 'ذمی' خارج ہوگیا۔ یعنی ذمی (غیر مسلم رعایا) کا ظہار درست نہیں ہے۔ ہر چند کہ اس کا طلاق دینا اور ایلاء کرنا درست ہے۔ ظہار کے درست نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ ظہار میں بیوی کفارہ ادا کرنے سے پہلے حرام ہوتی ہے اور ذمی پر کفارہ عائد نہیں ہوتا۔ کیوں کہ غیر مسلم ادائے کفارہ کا اہل نہیں ہے۔ اس پر کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ ایلاء میں اگر کوئی ذمی اللہ کی قسم کھائے تو یہ درست ہے لیکن اس پر کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس پر ظہار کیوں نہیں عائد ہو سکتا درآنحالیکہ کفارہ ساقط کر دیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایلاء کی حالت میں ایک شخص ترک مباشرت کے لئے قسم کھاتا ہے اور اگر مدت ایلاء کے ختم ہونے تک وہ بیوی سے مقاربت نہ کرے تو بیوی کو ضرر سے بچانے کے لئے زوجیت سے خارج کر دیا جاتا ہے پھر وہ شخص اگر قسم کھانے کے بعد

Marfat.com

بیوی سے مباشرت کر لے تو اس پر کوئی تاوان عائد نہیں ہوتا۔ لیکن ظہار میں شرع اسلام نے ادائے کفارہ کے بغیر بیوی سے مباشرت ممنوع قرار دی ہے (اس کے لئے کفارہ لازم ہے) لہٰذا غیر مسلم کا ظہار درست ہونے کے کچھ معنے نہیں۔

تعریف میں جو بیوی کی قید آئی ہے اس سے وہ لونڈی بھی حکم میں شامل ہوگئی جو بیوی بن گئی ہو۔ مملوکہ لونڈی کے ساتھ (جو عقد میں نہیں ہے) ظہار درست نہیں ہے۔ اسی طرح اجنبی عورت سے ظہار کرنا بھی درست نہیں ہے۔ البتہ اس صورت میں جب کہ ظہار کو ملکیت یا سبب ملکیت سے مشروط کیا جائے تو درست ہوگا' اول الذکر صورت مثلاً یہ ہے کہ ایک شخص (کسی غیر عورت سے) کہے کہ اگر تو میری بیوی ہوگئی یا بن گئی تو تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے ثانی الذکر صورت یوں ہے کہ کوئی شخص اجنبی عورت سے کہے کہ میں تجھ سے شادی کرلوں تو تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہوگی۔ اس قول میں شادی کا ذکر ہے جو مالک ہونے کا سبب ہے۔ (پس یہ بھی ظہار ہے)۔

اگر ایک شخص نے کسی عورت سے یوں کہا کہ اگر میں تجھ سے شادی کروں تو میرے لئے تو سو بار پشت مادر کی طرح ہے۔ اس کے بعد جتنی بار بھی وہ شخص بیوی سے مباشرت کا ارادہ کرے گا ہر بار کفارہ دینا لازم ہوگا یہاں تک کہ ایک سو بار کفاروں کی تعداد پوری ہو جائے۔ اسی طرح اگر مباشرت کے لئے سو بار کی تعین کردی تو بدرجہ اولیٰ اس پر سو کفارے عائد ہوں گے اور تعریف میں مسلمان مرد کے تشبیہ دینے کا جو ذکر ہے اس سے مسلمان عورت کا اپنے خاوند کو تشبیہ دینا خارج ہو گیا۔ چنانچہ اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے کہے کہ تو میرے لئے پشت پدر یا پشت مادر کی مانند ہے یا یہ کہ میں تجھ پر تیری پشت مادر کی مانند ہوں تو یہ سب اقوال لغو ہیں جن سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیوں کہ بیوی کو خاوند کے حرام کر لینے کا اختیار نہیں ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ بیوی کا ظہار کرنا درست ہے۔ اور مقدور ہو تو اسے اپنی طرف سے کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔ لیکن پہلی بات قابل اعتماد ہے۔

مسلمان بیوی کی طرح کتابیہ' صغیر سن (نابالغ)' جنون زدہ عیب رتق میں مبتلاء' مباشرت شدہ اور غیر مباشرت شدہ عورت ان سب سے ظہار درست ہے اور اس عورت سے بھی درست ہے جسے طلاق رجعی دی گئی ہو کیوں کہ (طلاق رجعی کے بعد بھی) وہ عورت زوجیت میں رہتی ہے۔ ہاں بائنہ عورت سے (یعنی جو خارج از زوجیت ہو جائے) ظہار کرنا درست نہیں ہے۔ اگرچہ وہ ہنوز عدت میں ہو۔

اور یہ جو کہا کہ (مشبہ بہ) ایسی شے ہو جو خاوند پر حرام ہے اس سے مراد ایسا جزو بدن جس پر نظر کرنا حرام ہو جیسے ماں کی پیٹھ یا پیٹ وغیرہ۔ اس میں وہ عورتیں داخل ہیں جو دودھ' خاندان یا شادی کے رشتہ سے حرام ہوں۔ پس اگر بیوی سے کہا کہ تو میرے لئے میری ساس کی یا سوتیلی بیٹی یا میری فلاں دودھ شریک بہن کی پشت کی مانند ہے تو یہ ظہار ہو جائے گا اور جس طرح کہ عورت کے ایسے عضو بدن سے جس پر نظر ڈالنا حرام ہے بیوی کو تشبیہ دینا ظہار ہے۔ اسی طرح محرم عورت سے تشبیہ دینا بھی ظہار ہو جاتا ہے مثلاً بیوی سے یوں کہنا کہ تو میرے لئے میری ماں یا بہن کی مانند ہے۔ کیوں کہ اس میں پیٹھ کے علاوہ دوسرے اعضاء بھی شامل ہیں۔ لیکن اس طرح کہنے سے ظہار اسی صورت میں ہوگا جبکہ ظہار کی نیت ہو کیوں کہ یہ قول ظہار کے لئے صراحت نہیں بلکہ کنایہ ہے (اور الفاظ کنائی میں نیت لازم ہے)۔

محرم عورت کے جزو سے تشبیہ دینے کا جو ذکر ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ (ظہار میں) لازم ہے کہ عورت کے ایسے

Marfat.com

جز و بدن سے تشبیہ دی جائے جس پر نظر کرنا حرام ہے۔ پس اگر بیوی سے یوں کہا کہ تو مجھ پر سر مادر یا پائے مادر کی مانند ہے تو یہ ظہار نہ ہوگا۔ لیکن اس صورت میں ظہار ہو جائے گا جب کہ بیوی کے ایسے جز و بدن کو مشبہ بنایا گیا ہو جس پر نظر کرنا حرام نہ ہو۔ مثلاً (بیوی سے) کہا کہ تیرا سر میری ماں کی پیٹھ کی مانند ہے۔ غرض تشبیہ دینے کے لئے ضروری ہے کہ کسی عورت کے عضو بدن جس کا دیکھنا حرام ہو یا ایسی عورت سے جو ہمیشہ کے لئے اس شخص پر حرام ہے جیسے ماں اور بہن خواہ حقیقی ماں بہن ہو یا دودھ کے رشتے سے یا شادی کے رشتہ سے ہوں جیسے ساس یا بیوی کی بیٹی۔ پس اگر بیوی سے کہا کہ تو میرے لئے تیری بہن (یعنی میری سالی) کی مانند ہے تو ظہار درست نہ ہوگا کیوں کہ بیوی کی بہن (یعنی سالی) خاوند پر بذات خود حرام نہیں ہوتی۔ بیوی کو طلاق دینے کے بعد اس سے شادی کر سکتا ہے۔

تشبیہ کے لئے عورت کا جز و بدن مخصوص کرنے سے مقصد مرد کے جز و بدن سے تشبیہ دینا خارج ہو گیا۔ چنانچہ اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ تو میرے لئے میرے باپ یا بھائی کے عضو مخصوص کی مانند ہے تو بقول معتمد یہ ظہار متصور نہ ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ظہار یہ ہے کہ ایک مسلمان مکلف مرد اس عورت کو جو اس پر حلال ہے یا اس کے جز و بدن کو محرم عورت کی پیٹھ یا اس کے جزو سے یا اجنبی عورت کی پشت سے تشبیہ دے۔

اس تعریف میں لفظ تشبیہ سے مراد ایسا لفظ ہے جو مشابہت دینے کا مفہوم رکھتا ہو خواہ (وہ لفظ) مذکورہ آداۃ تشبیہ (یعنی حروف تشبیہ) میں سے ہو یا نہ ہو۔ پہلی صورت کی مثال (بیوی سے) یوں کہنا ہے کہ تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ تو میرے لئے میری ماں کی مانند ہے۔

اگر بیوی سے حرف تشبیہ کے بغیر یوں کہا کہ میری ماں ہے' تب بھی ظہار ہو جائے گا۔ البتہ اگر اس سے قصد طلاق کا تھا تو اس سے طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ اگر بیوی کو اس لحاظ سے پکارا مثلاً یوں کہا کہ اے میری ماں یا اے میری بہن تو اس سے ظہار نہ ہوگا لیکن اس سے طلاق کا قصد کیا تو اسے طلاق شمار کیا جائے گا۔

تعریف میں لفظ مسلمان جو آیا ہے اس سے مراد مسلمان خاوند یا آقا ہے جو اپنے غلام کی طرف سے ظہار کر سکتا ہے۔ اس لفظ سے کافر خارج ہو گیا۔ تاہم کافر اگر ظہار کرے پھر مسلمان ہو جائے تو ظہار عائد نہ ہوگا جیسے کہ عتاق یا صدقہ یا نذر عائد نہ ہوگا۔

اس تعریف میں مسلمان مرد کہا گیا ہے اور مسلمان عورت نہیں کہا گیا کیوں کہ مسلمان عورت اگر اپنے خاوند کو اس طرح کی تشبیہ دے تو وہ ظہار نہ ہوگا چنانچہ اگر بیوی خاوند سے کہے کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے پشت پدر یا پشت مادر تو یہ قول لغو ہے اس سے نہ کفارہ ظہار لازم ہوگا نہ کفارہ یمین۔ اگر خاوند بیوی کو (اختیار) خلع دے دے اور تب بیوی کہے کہ میں تیرے لئے ایسی ہوں جیسے میری پشت مادر تو اس سے بھی ظہار عائد نہ ہوگا کیوں کہ کفارہ ایک امر واجب الاداء ہے جس کے لئے بیوی کو نائب نہیں بنایا گیا۔

تعریف میں جو لفظ مکلف (یعنی احکام شریعت کا ذمہ دار) آیا ہے اس سے صغیر سن (نابالغ بچہ) جنون زدہ' مجبور اور حلال شے کے نشہ میں مخمور اس زمرہ سے خارج ہوگا۔ البتہ اگر کوئی شخص حرام شے کے استعمال سے مدہوش ہو تو ظہار عائد ہو جائیگا۔ اسی طرح طلاق بھی عائد ہو جائے گی۔

Marfat.com

تعریف میں یہ قید جو ہے کہ (ظہار اس سے ہوسکتا ہے) جو عورت خاوند پر حلال ہو۔ اس میں بیوی اور لونڈی شامل ہوگی۔ کیوں کہ لونڈی سے ظہار کیا جائے تو وہ عائد ہو جاتا ہے جیسے (مخمور کی) طلاق کہ وہ بھی عائد ہو جاتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس قید سے (کہ وہ عورت جو حلال ہو اسی سے ظہار ہوسکتا ہے) یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حالت حیض ونفاس یا حالت احرام میں ظہار صحیح نہیں ہے کیوں کہ عورت ان حالات میں خاوند پر حلال نہیں ہوتی' اس کا جواب یہ ہے کہ (حلال ہونے سے) مقصد یہ ہے کہ عورت بنیادی طور پر حلال ہو (حرام نہ ہو) اور یہ امور تو عارضی طور پر حرمت کا موجب ہیں جو زائل ہو جاتا ہے' چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے جو ایام ماہواری کی حالت میں ہو یوں کہا کہ تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے تو اس پر ظہار کا حکم عائد ہو جائے گا۔

تعریف میں عورت کے اجزاء کا جو ذکر ہے اس میں عورت کے حقیقی اجزاء ہاتھ اور سر وغیرہ اور حکمی اجزاء بال اور تھوک شامل ہیں کیوں کہ جسم سے وابستہ ہیں۔ پس اگر بیوی سے کہا کہ تیرا سر' یا یوں کہا کہ تیرا بال میرے لئے سر مادر یا قد مادر کی مانند ہے تو یہ بھی ظہار متصور ہوگا۔

تعریف میں لفظ محرم بفتح میم ورائے غیر مشدد آیا ہے (یعنی ایسی عورت جو بنیادی طور پر حرام ہے) اس کے جزو سے مراد یہ ہے کہ ظہار جس طرح بیوی یا اس کے جزو بدن کو کسی محرم سے تشبیہ دینے سے ہوتا ہے اسی طرح محرم کے جزو بدن سے تشبیہ دینے سے ہو جاتا ہے اور اجنبی عورت کی پشت سے مشابہت دینے کا جو ذکر ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ بیوی یا لونڈی یا اس کے جزو بدن کو کسی خاص عورت کی پشت سے تشبیہ دینا بھی ظہار ہے مثلاً ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے فلاں اجنبی عورت کی پشت تو یہ ظہار ہے۔ لیکن اگر (پشت کی بجائے) سر یا ہاتھ وغیرہ کسی عضو بدن سے تشبیہ دی تو یہ ظہار نہ ہوگا۔

اس بیان سے ظہار کی چار صورتیں نکلتی ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی یا لونڈی کو اپنی محارم میں سے کسی سے تشبیہ دے مثلاً بیوی سے یوں کہے کہ تو میرے لئے میری ماں یا میری بہن کی مانند ہے اور یا کہے کہ تو میری بہن ہے بشرطیکہ اس کی نیت طلاق کی نہ ہو (تو یہ ظہار ہوگا)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی یا لونڈی کو اپنی محرمات میں سے کسی کے جزو بدن سے تشبیہ دے' مثلاً یوں کہے کہ تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے یا محرم کے سر وغیرہ کسی جزو بدن سے تشبیہ دے (تو یہ ظہار ہوگا)۔

تیسری صورت یہ ہے کہ بیوی یا لونڈی کے جزو بدن کو اپنی محرم سے تشبیہ دے مثلاً (بیوی سے) یوں کہے کہ تیری پیٹھ مجھ پر میری ماں کی مانند ہے (تو یہ ظہار ہوگا) اسی طرح تیرا سر یا تیرا تھوک وغیرہ کہنا بھی ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ اپنی لونڈی کے جزو بدن کو اپنی محرم کے جزو بدن سے تشبیہ دے مثلاً یوں کہے کہ تیرا سر یا تیری پشت میری ماں کے سر کی مانند ہے لیکن اس صورت میں اگر کسی اجنبی عورت سے جو اس پر حرام ہے تشبیہ دی تو ظہار نہ ہوگا۔ ہاں اجنبی عورت کی پشت سے تشبیہ دی تو ظہار درست ہے۔ مثلاً یوں کہا کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے فلاں عورت کی پشت' اس صورت میں ضروری ہے کہ جس سے تشبیہ دی جائے وہ بنیادی طور پر اس کے لئے حرام ہو۔ چنانچہ اگر یوں کہا

Marfat.com

کہ تو مجھ پر اسی طرح حرام ہے جیسے تیری سوکن جو حالت نفاس میں ہے تو ظہار نہ ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ظہار یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو حرام ہو جانے میں اپنی کسی محرم سے تشبیہ دے: اس تعریف میں خاوند سے مراد وہ شخص ہے جو طلاق دینے کا حق رکھتا ہو۔ اس میں غلام اور کافر شامل ہیں کہ ان کا ظہار کرنا درست ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے جیسا کہ سابقاً ان کے مسالک کے بیان میں تفصیلاً بتایا گیا ہے۔ حنابلہ کو اس سے اتفاق ہے ان کا کہنا ہے کہ غیر مسلم کا ظہار درست ہے جیسا کہ ان کے مسلک کے بیان میں بتایا جائے گا۔ اسی طرح خصی' نامرد یا مدہوش شخص کا ظہار کرنا بھی درست ہے۔

اس تعریف میں لفظ خاوند کے لانے سے وہ شخص خارج ہو گیا جو خاوند نہیں ہے چنانچہ اگر ایک غیر شخص نے اجنبی عورت سے یوں کہا کہ میں تجھ سے شادی کرلوں تو تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہوگی تو یہ ظہار نہ ہوگا حتیٰ کہ شادی کے بعد یہ ظہار متصور نہ ہوگا۔

یہ جو کہا گیا کہ (خاوند وہ ہے) جو طلاق دینے کا اہل ہو اس سے صغیر سن بچہ اور جنون زدہ اور مجبور شخص خارج ہو گیا کہ ان کا ظہار کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ ان کا طلاق دینا درست نہیں ہے۔

تعریف میں لفظ زوجہ (بیوی) سے مراد وہ عورت ہے جس کے ساتھ باقاعدہ نکاح ہوا ہو۔ خواہ بالغ ہو یا صغیر سن لڑکی یا جنون زدہ یا مریضہ یا رتق اور قرن والی عورت ہو۔ (یہ دونوں عورتوں کے اعضائے جنسی کے عیوب ہیں جو مانع مباشرت ہوتے ہیں)۔ یا وہ عورت کافرہ ہو یا مطلقہ رجعیہ ہو (مطلقہ بائنہ نہ ہو)۔ ان تمام اقسام کی عورت سے ظہار کرنا درست ہے۔ اجنبی عورت اس زمرہ سے خارج ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اسی طرح لونڈی بھی ہے کہ اس سے ظہار کرنا درست نہیں ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے۔

تعریف میں لفظ محرم سے مراد ہر ایسی عورت ہے جس سے شادی کرنا' نسل' دودھ یا شادی کے رشتہ سے حلال نہ ہو۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ ان عورتوں سے تشبیہ دی جائے یا ان کے کسی عضو بدن سے۔ اگر محرم مرد کے کسی عضو سے یا پورے مرد سے تشبیہ دی جائے تو ظہار نہ ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ خنثیٰ مشکل سے (جس کی جنسیت متعین نہ کی جاسکے) تشبیہ دی جائے۔ اور (ظہار کے لئے) یہ شرط ہے کہ وہ عورت بنیادی طور پر حرام ہو عارضی حرمت نہ ہو۔ پس اگر بیوی سے کہا کہ "تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری بہو (زن پسر) یا بہو کی پیٹھ تو یہ ظہار نہ ہوگا۔ کیوں کہ بیٹے کی بیوی شادی ہونے سے پہلے حلال تھی۔ اسی طرح اگر یوں کہا کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری وہ بیوی جو لعان کے بعد مجھ پر حرام ہو گئی ہے۔ یہ حرمت بھی عارضی ہے (یعنی لعان سے پہلے نہ تھی) لہٰذا یہ ظہار نہ ہوگا۔

پوری عورت کو تشبیہ دینے کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بیوی سے کہے کہ تو یا یہ کہے کہ 'میری بیوی' یا (بیوی کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ) یہ عورت میرے لئے ایسی ہے جیسے میری پشت مادر یا اس کا جسم یا اس کا ہاتھ یا بال یا ناخن وغیرہ اعضاء جو نظر آتے ہوں۔ اندرونی اجزاء: جگر دل وغیرہ کو ظہار میں نہ مشبہ بنایا جا سکتا ہے نہ مشبہ بہ۔ یہی حال جسم کے فضلات کا ہے کہ ظہار میں ان کی یا ان کے ساتھ مشابہت درست نہیں ہے۔ پس مادہ تولید' دودھ یا تھوک کو ظہار میں استعمال کرنے سے نہ ظہار صراحۃً ہو سکتا ہے نہ کنایۃً ہوگا۔

Marfat.com

الفاظ مندرجہ بالا ظہار کے الفاظ صریح ہیں' کنایہ کی مثال یہ ہے کہ خاوند بیوی سے کہے کہ تو میری ماں یا میری ماں کی آنکھوں کی مانند ہے وغیرہ تو اس سے بھی ظہار ہو جائے گا بشرطیکہ ظہار کی نیت سے کہا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ظہار یہ ہے کہ ایک خاوند اپنی بیوی کو ایسی عورت سے تشبیہ دے جو اس پر ہمیشہ کے لئے یا وقتی طور پر حرام ہو یا اپنی بیوی کے کسی عضو کو ایسی عورت کی پشت سے یا پشت کے علاوہ کسی اور ثابت عضو سے تشبیہ دے جو اس شخص پر ہمیشہ کے لئے یا وقتی طور پر حرام ہو۔ یا خاوند اپنی بیوی یا اس کے کسی عضو کو غیر مرد یا اس کے عضو سے تشبیہ دے وہ مرد خواہ قرابت دار ہو یا اجنبی ہو۔

اس تعریف میں لفظ خاوند سے مراد ایسا شخص ہے جو طلاق دینے کا حق رکھتا ہو خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر' آزاد ہو یا غلام' بالغ ہو یا نابالغ بشرطیکہ نابالغ باشعور ہو جو ظہار کو سمجھتا ہو۔ بعض اصحاب کی رائے ہے کہ نابالغ کا ظہار کرنا گو باشعور ہو درست نہیں ہے۔ جیسے کہ ایلاء درست نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں باتیں قسم کے زمرہ میں ہیں اور ان سے صغیر سن پر کفارہ لازم ہوتا ہے۔ لیکن ظہار کا کفارہ فعل ناپسندیدہ کے اقدام اور الزام تراشی کی پاداش میں ہوتا ہے اور نابالغ کا قول ناقابل مواخذہ ہے۔ یہ قول قرین قیاس ہے۔

جو شخص جنون زدہ' ہوش باختہ یا نیند میں ہو اس کا ظہار درست نہیں ہے اور حرام نشہ کی چیز استعمال کرنے سے جو شخص مدہوش ہو وہ ظہار کرے تو درست ہے کیوں کہ اس کی دی ہوئی طلاق بھی درست ہے۔ ہاں اگر کسی دوا وغیرہ کے استعمال سے وہ مدہوش ہوا ہو تو نہ اس کا ظہار لاگو ہوگا نہ اس کی طلاق لاگو ہوگی۔

تعریف میں بیوی کا جو لفظ ہے اس سے مراد وہ عورت ہے جو باقاعدہ عقد سے اس پر حلال ہوئی ہو اور اس سے مباشرت کی جا سکے خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ' آزاد ہو یا لونڈی مسلمان ہو یا ذمیہ اس سے لونڈی اور ام ولد (وہ لونڈی جس سے اولاد ہو گئی ہو) خارج ہو گئی کیوں کہ وہ بیوی نہیں ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنی لونڈی سے کہا کہ تو میرے لئے میری پشت مادر کی مانند ہے تو اس قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔

تعریف میں خاوند کا بیوی کو تشبیہ دینا جو آیا ہے اس سے بیوی کا خاوند کو تشبیہ دینا خارج ہو گیا۔ چنانچہ اگر بیوی خاوند سے کہے کہ تو میرے لئے پشت پشت کی مانند ہے یا کوئی عورت یہ کہے کہ اگر میں فلاں شخص سے شادی کروں تو یہ مجھ پر میرے باپ یا بھائی وغیرہ کی پشت کی مانند ہے تو یہ ظہار نہ ہوگا۔ لیکن اس طرح کہنے سے اس عورت پر کفارہ لازم ہو جائے گا۔ تاہم اسے خاوند سے الگ تھلگ رہنا نہیں چاہئے بلکہ اس پر واجب ہے کہ ادائے کفارہ کے بغیر بھی خاوند کو اپنے نفس پر قادر ہونے کا موقع دے کیوں کہ خاوند کو اس سے مباشرت کا حق ہے اور خاوند کا یہ حق اس کے قسم کھا لینے سے ساقط نہ ہوگا۔ کفارہ اس پر بطور سرزنش کے واجب ہوا ہے۔

تعریف میں عضو کو تشبیہ دینے کا جو ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں پورے عضو ہوں جیسے ہاتھ' سر' پیٹ یا پیٹھ۔ لیکن ایسے اجزائے بدن جو زائل ہونے یا پیدا ہوتے رہتے ہوں جیسے دانت' ناخن' تھوک' آنسو' خون یا پسینہ سو ان کی تشبیہ دینے سے ظہار نہیں ہوتا۔

بیوی کو ایسی عورت سے تشبیہ دینے کی مثال جو دائمی طور پر خاوند کے لئے حرام ہے یہ ہے کہ خاوند بیوی سے کہے کہ تو

Marfat.com

میرے لئے میری ماں، بہن یا پھوپھی کی مانند ہے' اور بیوی کو ایسی عورت سے تشبیہ دینے کی مثال جو وقتی طور پر حرام ہے' یہ قول ہے کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے تیری بہن یا تیری پھوپھی کی پیٹھ۔ اور ظہار میں 'پشت' کے ساتھ تشبیہ دینا بیوی سے یوں کہنا ہے کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے تیری ماں یا بہن کی پیٹھ۔ پیٹھ کے علاوہ کسی اور عضو بدن سے تشبیہ دینا یہ کہنا ہے کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں کا سر یا تیری بہن کا سر یا اس کا پیٹ یا یوں کہا جائے کہ تیرا سر یا تیرا ہاتھ یا تیری شرمگاہ میرے لئے میری ماں کے سر یا تیری بہن کے سر یا اس کے ہاتھ کی مانند ہے وغیرہ لیکن اگر ماں کے بال اور یا اس کے دانت سے تشبیہ دی یا (بیوی سے) یوں کہا کہ تیرے بال میری ماں کے بال کی مانند ہیں وغیرہ تو یہ ظہار نہ ہوگا۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ بیوی سے کہا کہ تیری جان میری ماں کی روح کی مانند ہے (ظہار نہ ہوگا)۔

تعریف میں اپنی بیوی یا اس کے کسی عضو کو غیر مرد سے تشبیہ دینے کا جو ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ (بیوی یا اس کے کسی عضو کو) غیر مرد یا قریبی رشتہ دار سے تشبیہ دینا بھی ظہار ہے کیوں کہ وہ شخص اس مرد پر حرام ہے۔ پس اگر بیوی سے کہا کہ تو میرے لئے زید کی مانند یا اس کے سر یا پیٹھ کی مانند ہے تو یہ بھی ظہار ہو جائے گا۔ حنفیہ اور شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے اور مالکیہ کو اتفاق ہے جو اسے ظہار کہتے ہیں بشرطیکہ اس کی نیت کی جائے اور تشبیہ میں خصوصیت کے ساتھ پیٹھ کا ذکر ہو۔

ظہار کا ثبوت اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے' **للـذین یظاهرون منکم من نسائهم ماهن امهاتهم ان امهاتهم الا اللائی ولدنهم و انهم لیقولون منکراً من القول وزورا** '' (یعنی تم میں سے جو لوگ اپنی بیوی سے ظہار کرتے ہیں۔ بیویوں کو پشت مادر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ بیوی ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو ان کے سوا نہیں ہیں جنہوں نے ان کو جنا۔ بلاشبہ یہ لوگ ناپسندیدہ بات کہتے ہیں اور غلط بیانی کرتے ہیں) اللہ کے اس ارشاد سے ظہار کے متعلق احکام آخرت کا ثبوت ملتا ہے کہ اللہ نے ظہار کرنے کو امر ناپسندیدہ اور غلط بیانی قرار دیا ہے۔ رہا اس کی بابت دنیا کا حکم سو اس کا ذکر اس آیت سے اگلی آیت میں ہے' **والـذین یظاهرون منکم من نسائهم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل ان یتماسا الآیه** '' (یعنی تم سے جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کریں اور پھر اس بات کی طرف واپس آئیں جس کی بابت ایسی نارواہات کہی تھی تو لازم ہے کہ اپنی عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام کو آزاد کریں۔۔۔ وغیرہ) اس آیت میں ظہار کی بابت دنیوی حکم کو بتایا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس فعل کے ناپسندیدہ ہونے اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے عارضی طور پر بیوی کے حرام ہونے میں کوئی تضاد نہیں ہے کیوں کہ کفارہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی سزا ہے اور بیوی کا عارضی طور پر حرام ہو جانا خاوند کی سرزنش کے لئے ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو سخت تنبیہ ہے کہ ارشاد باری کو سنیں اور جو باتیں بہتر ہیں ان پر عمل کریں۔

واضح ہو کہ ظہار کے متعلق ان احکام شرعیہ کا پس منظر یہ ہے کہ اوس بن صامت کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ جو نماز پڑھتی تھیں ان کے خاوند نے ان کو دیکھا اور جب انہوں نے سلام پھیرا تو اوس نے ان سے رغبت ظاہر کی' بیوی نے انکار کیا خاوند کو غصہ آ گیا اور بیوی سے ظہار کیا (یعنی یہ کہہ دیا تو میرے لئے میری پشت مادر کی مانند ہے) حضرت خولہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اوس نے میرے ساتھ جب شادی کی میں نوجوان تھی اور مجھ میں جاذبیت تھی پھر جب

Marfat.com

ظہار کے ارکان اور اس کی شرائط کا بیان

ظہار کے ارکان (اجزائے لازمی) چار ہیں: ظہار کرنے والا یعنی خاوند۔ جس سے ظہار کیا جائے یعنی بیوی اور مشبہ بہ جس سے تشبیہ دی جائے اور صیغہ (جن الفاظ میں تشبیہ دی جائے) ان میں سے ہر ایک کے لوازمات مسالکِ مختلفہ کی رُو سے تفصیل طلب ہیں (۱)

میں عمر رسیدہ ہوگئی اور میری کوکھ پھیل گئی یعنی کثرت سے میرے ہاں اولاد ہوئی۔ تو اب وہ مجھے اپنی ماں کی مانند کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تیرے معاملہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ظہار کے بارے میں اس وقت جو طریق عمل تھا اس کے متعلق کوئی وحی ہنوز نازل نہیں فرمائی تھی۔ حضور ﷺ کا ارشاد سن کر حضرت خولہؓ نے اللہ سے فریاد کی اور کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر میں انہیں خاوند کے سپرد کروں تو تباہی ہے اور اپنے پاس رکھوں تو بھوکے مریں گے۔ حضورؐ نے پھر وہی بات فرمائی۔ یہ سن کر وہ رونے لگیں اور یہ کہنے لگیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنی فاقہ کشی اور بے کسی کی شکوہ طراز ہوں اس وقت اللہ تعالیٰ کی یہ وحی نازل ہوئی 'قد سمع الله قول التی تجادلک فی زوجها و تشتکی الی الله والله یسمع تحاور کما ان الله سمیع بصیر الذین یظاهرون منکم من نسائهم الآیه '' (یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو اپنے خاوند کے بارے میں تم سے کلام کر رہی تھی اور اللہ سے شکوہ طراز تھی۔ اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ اب سنو کہ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں۔۔۔ وغیرہ)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ظہار کا ایک ہی رکن ہے یعنی صیغہ (یا الفاظ تشبیہ) جیسا کہ ایک سے زیادہ بار بتایا جا چکا ہے۔ رہیں شرطیں سو جن شرطوں کا تعلق خاوند سے ہے وہ یہ ہیں کہ:

وہ شخص مسلمان ہو۔ ذمی (غیر مسلم رعایا) کا ظہار درست نہیں ہے اس کا سبب ظہار کی تعریف میں بتایا گیا ہے۔ اور یہ کہ وہ شخص عاقل ہو۔ پس جنون زدہ حواس باختہ مدہوش اور خوابیدہ کا ظہار درست نہیں ہے اور یہ کہ وہ بالغ ہو لہٰذا بچے (نابالغ) کا ظہار کرنا ہر چند کہ صاحب تمیز (یا باشعور) ہو درست نہیں ہے۔

بیوی کے لئے ان میں سے کوئی شرط نہیں ہے۔ یعنی جنون زدہ ہو یا ذی عقل چھوٹی عمر کی ہو یا بڑی عمر کی سب سے ظہار ہو سکتا ہے۔ صرف یہ شرط ہے کہ وہ بیوی ہو۔ خواہ وہ کسی کی لونڈی ہو۔ اگر وہ لونڈی خود اس شخص کی مملوکہ ہو تو اس سے ظہار نہیں ہو سکتا۔ ظہار جبری ہو یا بھولے چوکے میں یا ہنسی مذاق میں ہو ہر طرح لاگو ہوگا۔ گونگا آدمی لکھ کر ظہار کر سکتا ہے بشرطیکہ لکھنا جانتا ہو۔ ورنہ اس کے لئے مقررہ اشارے سے کام لے سکتا ہے جیسا کہ طلاق کے بارے میں بتایا گیا یہ شرائط وہ ہیں جن کا تعلق ظہار کرنے والے سے ہے اور اس سے جس کے ساتھ ظہار کیا جائے (یعنی میاں اور بیوی)

مشبہ بہا (جس عورت سے تشبیہ دی جائے) کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ عورت خاوند پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو۔ پس اگر بیوی کو کسی مرد سے تشبیہ دی تو خاوند ظہار کنندہ متصور نہ ہوگا۔ خواہ وہ شخص قرابت دار ہو یا اجنبی ہو۔ اگر بیوی کو ایسی عورت سے تشبیہ دی جو اس شخص پر حرام نہیں ہے یا حرام ہے مگر عارضی طور پر جیسے بیوی کی بہن یا اس کی پھوپھی یا اس

Marfat.com

شخص کی طلاق یافتہ بیوی ہو یا کسی مجوسی عورت سے تشبیہ دی ہو۔ یہ اگر چہ اس شخص پر حرام ہے لیکن اس کی حرمت دائمی نہیں ہوتی کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے تو وہ حلال ہو جائے گی۔ دائمی طور پر حرام ہونے والی عورتوں میں بیٹے کی بیوی (بہو) اور باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) داخل ہیں۔ پس اگر ان میں سے کسی سے تشبیہ دی تو ظہار ہو جائے گا۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ اسی طرح اگر اس شخص نے بیوی کو ایسی عورت کی ماں سے تشبیہ دی جس عورت سے وہ آلودہ ہو چکا ہے۔ تب بھی ظہار ہو جائے گا۔ نیز بقول صحیح اس عورت سے تشبیہ کی صورت میں بھی (ظہار ہو جائے گا) جس کے ساتھ باپ یا بیٹا آلودہ ہو چکا ہو۔ اگر بیوی کو عورت کے علاوہ کسی حرام شے سے تشبیہ دی مثلاً بیوی سے کہا کہ تو میرے لئے شراب یا سور کی مانند یا چغلی یا رشوت کی طرح ہے تو اس سے ظہار عائد نہ ہوگا اگر چہ ظہار کی نیت کی ہو۔ ہاں اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق پڑ جائے گی یہی حکم ایلاء کا ہے کہ اگر ایلاء کی نیت سے یہ کہا تو ایلاء ہو جائے گا۔

صیغہ ظہار (یعنی عبارت ظہار) کی دو قسمیں ہیں: صریح اور کنایۃً ظہار صریح کے الفاظ کی بابت یہ شرط ہے کہ وہ الفاظ بیوی کو یا اس کے ایسے عضو بدن کو جس سے بالعموم اس کی پوری ہستی مراد ہوتی ہے مثلاً سر یا گردن وغیرہ جس کی تفصیل طلاق کو عورت کے کسی جز و بدن سے منسوب کرنے کے بیان میں آ چکی ہے۔ تشبیہ دینے پر مشتمل ہوں۔ یا بیوی کے بدن کے اجزائے مقداری مثلاً آدھی یا تہائی یا چوتھائی بیوی کو ایسی عورت کے پوشیدہ اعضاء سے تشبیہ دی جائے جو نسب دودھ یا شادی کے رشتہ سے حرام ہو اور عضو مشبہ بہ کا دیکھنا حرام ہو۔ مثلاً ایک شخص اپنی بیوی سے کہے کہ جیسے میری ماں یا تیری ماں کی پیٹھ یا پیٹ یا شرمگاہ۔ اگر بیوی کی ماں کے سر سے تشبیہ دی تو ظہار لاگو نہ ہوگا۔ کیوں کہ عضو مشبہ بہ کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ عضو ایسا ہو جس پر نظر ڈالنا حلال نہیں ہے۔ اگر یوں کہا کہ تیرا عضو مخصوص میری ماں یا بہن یا پھوپھی کی پیٹھ یا ماں یا بہن کے ستر یا اس کے پیٹ کی مانند ہے وغیرہ تو ان تمام صورتوں میں ظہار ہو جائے گا' خواہ ظہار کی نیت نہ ہو کیوں کہ یہ ظہار کے صریح الفاظ ہیں۔ پس اگر ظہار کے علاوہ کچھ اور نیت کی تو قانوناً اسے تسلیم نہیں کیا جائے گا ہاں دیانتاً مانا جا سکتا ہے۔

بیان بالا سے معلوم ہوا کہ ظہار صریح کے لئے یہ شرط ہے کہ جس عضو سے تشبیہ دی جائے اس پر نظر کرنا حلال ہو۔ لیکن ظہار کنائی میں یہ شرط نہیں ہے۔ اس کی مثال بیوی سے یوں کہنا ہے کہ تو میرے لئے میری ماں کی مانند ہے۔ یا میری ماں جیسی ہے۔ یا میری بہن کی طرح ہے وغیرہ اس طرح کہنے سے ظہار نہ ہوگا تا آنکہ ظہار کی نیت نہ ہو لیکن اگر بیوی کو اس کی مہر و محبت میں ماں یا بہن سے تشبیہ دینے کی نیت سے یہ کہا تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔ اس طرح اس صورت میں بھی جب کہ کوئی نیت نہ تھی یا حرف تشبیہ استعمال نہیں کیا اور بیوی سے یوں کہا کہ تو میری ماں ہے۔ تو یہ کلام لغو ہے اس سے کچھ نہ ہوگا جیسا کہ تعریف ظہار کے بیان میں بتایا گیا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ظہار کنندہ (خاوند) کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مسلمان ہو پس ذمی کا ظہار کرنا درست نہیں ہے۔ اگر ذمی (مظاہر) ظہار کرنے کے بعد مسلمان ہو جائے تب بھی اس ظہار پر عمل درآمد نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اسلامی حاکم کے سامنے یہ معاملہ پیش ہو تو ظہار کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور اس کے دوسرے تصرفات پر بھی جن کا ذکر ظہار کی تعریف میں آ چکا ہے ظہار کی طرح عملدرآمد نہ ہوگا۔

ایک اور شرط یہ ہے کہ (مظاہر) مکلف ہو (یعنی احکام شرعیہ کی بجا آوری کا ذمہ دار ہو) پس بچہ (نابالغ) جنون

Marfat.com

زدہ، ہوش باختہ، خوابیدہ اور حلال شے کے استعمال سے نشہ میں ہونے والے شخص کا ظہار کرنا درست نہیں ہے۔ لیکن اگر حرام شے کے استعمال سے کوئی شخص مدہوش ہو تو اس کا کیا ہوا ظہار اس کی دی ہوئی طلاق کی طرح لاگو ہوگا۔

ایک اور شرط یہ ہے کہ (خاوند) ظہار کے بارے میں خود مختار ہو۔ پس جبری ظہار درست نہیں ہے اور بقول معتمد مخنث مقطوع العضو (جزء) اور نامرد کا ظہار کرنا درست ہے کیوں کہ ایسا شخص مباشرت کے علاوہ دوسری باتوں میں بیوی سے متمتع ہوسکتا ہے۔

جس عورت سے ظہار کیا جائے اس کی بابت شرط یہ ہے کہ وہ عورت اس شخص پر حلال ہو۔ خواہ وہ بیوی ہو یا لونڈی ہو اور خواہ نابالغ ہو اور ذی عقل ہو یا جنون زدہ ہو یا اس میں رتق اور قرن کا عیب ہو یا کوئی اور عیب ہو۔

مشبہ بہ (یعنی جس سے تشبیہ دی جائے) اس کی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم یہ ہے کہ وہ عورت اس شخص (مظاہر) کی محرمات میں سے ہو۔ یعنی اس کے ساتھ نسبی شیرخوارگی یا ازدواجی رشتہ سے نکاح حلال نہیں ہے ایسی عورت سے بیوی کو تشبیہ دی جائے تو بہرحال ظہار ہوگا خواہ پوری عورت سے تشبیہ دی جائے یا اس عورت کی پشت سے یا اس کے کسی عضو بدن سے خواہ وہ جزو بدن سے وابستہ رہنے والا نہ ہو مثلاً بال، ناخن یا تھوک۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ظہار صریح ہو اگر ظہار کنائی ہے تو وہ نیت کے بغیر عائد نہ ہوگا۔ جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ مشبہ بہ کوئی اجنبی عورت ہو۔ اس میں یہ شرط ہے کہ وہ عورت مخصوص (یا متعین) کر دی گئی ہو اور ظہار کی نیت بھی ہو۔ ورنہ اس سے ظہار نہ ہوگا جیسا کہ ابھی بتایا جائے گا۔ وہ عورت بھی اجنبی عورت کی مانند ہے جو لعان کے بعد ہمیشہ کے لئے اس شخص پر حرام ہو چکی ہو یا اسے تین طلاقیں مل چکی ہیں۔

تیسری قسم مرد کی پشت سے تشبیہ دینا ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے۔ قول مشہور یہ ہے کہ یہ بھی ظہار ہے اور اس میں لازم ہے کہ خصوصیت کے ساتھ اس شخص کی پیٹھ سے تشبیہ دی جائے اور نیت ظہار کی ہو۔

صیغہ ظہار (یعنی ظہار کے لئے الفاظ تشبیہ) کو چار قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلی قسم ظہار صریح کی ہے اس میں شرط یہ ہے کہ مشبہ بہ محرمات میں سے کوئی محرم ہو اور وہ صیغہ (یعنی الفاظ) ظہار کے لئے مخصوص ہو۔ مثلاً بیوی سے یہ کہنا کہ تو میرے لئے پشت مادر یا پشت خواہر کی مانند ہے یا میری پھوپھی یا خالہ کی پیٹھ کی مانند ہے۔ یا یوں کہے کہ تیری ماں یا تیری بہن کی پشت کی مانند ہے یا کسی اور عورت کی پیٹھ سے تشبیہ دی جائے جو نسبی، شیرخوارگی یا ازدواجی رشتہ سے حرام ہو۔ اس بارے میں کہ آیا ایسی عورت کی پشت سے تشبیہ دینا جو لعان کے بعد یا تین طلاق سے حرام ہو چکی ہو، نسب وغیرہ سے حرام ہونے والی عورت سے تشبیہ کی مانند ہے یا نہیں ہے؟ اختلاف ہے اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ ایسی عورتوں سے تشبیہ دینا ایسا ہی ہے جیسے اجنبی عورت کی پشت سے تشبیہ دینا۔ مثلاً اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو میرے لئے فلاں عورت کی پیٹھ کی مانند ہے جسے میں نے تین طلاق دے دی ہے یا جو لعان کے بعد میری زوجیت سے خارج ہو چکی ہے۔ لیکن اس طرح کہنا ظہار صریح نہیں ہے بلکہ یہ ظہار کنایہ متصور ہوگا۔ پھر اگر کسی شخص نے ظہار صریح سے طلاق کی نیت کی تو آیا یہ نیت درست ہوگی یا نہیں؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس سے طلاق کی نیت درست نہیں ہے۔ یہ قول لغو ہے۔ قانون اور فتوے کی رو سے ظہار پر عمل ہوگا۔ اس قول کو ترجیح

Marfat.com

حاصل ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ صرف فتوی شریعت میں اسے ظہار قرار دیا جائے گا اور قانوناً دونوں طرح عملدرآمد ہوگا' بایں طور کہ لفظ کے پیش نظر تو ظہار قرار دیا جائے گا اور نیت کے لحاظ سے یہ طلاق ثلاثہ ہوگا کہ اگر (اس کے بعد) وہ عورت کسی اور سے شادی کر لے اور پھر پہلے خاوند کے پاس آ جائے تو ظہار کا کفارہ ادا کرنے سے پہلے وہ عورت اس شخص پر حلال نہ ہوگی اس قول کو ترجیح حاصل ہے۔ کیوں کہ صریح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صراحت کا حکم متعین ہو گیا اب اس کے علاوہ کوئی اور نیت کرنا درست نہیں ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ ظہار کنائی خفیہ ہو (یعنی ظہار کے لئے غیر واضح کنایہ استعمال کیا جائے) اس میں اس قسم کے اقوال آتے ہیں کہ تو چلی جا۔ کھڑی ہو جا۔ کھالے۔ پی لے وغیرہ۔ ایسی صورت میں ظہار کے صحیح ہونے کے لئے دو باتیں درکار ہیں: ایک تو یہ ظہار کی نیت ہو کیوں کہ اگر ظہار کی نیت نہیں ہے تو ان الفاظ کے وہی معنے کھانا' پینا اور سونا وغیرہ ہوں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں نہ طلاق کی صراحت ہو اور نہ اللہ کی قسم کھائی گئی ہو۔ کیوں کہ اگر بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے اور نیت ظہار کی ہے تو اس سے ظہار درست نہ ہوگا بلکہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر مثلاً کہا کہ بخدا میں نہیں کھاؤں گا اور اس سے ظہار کی نیت ہو تو یہ بھی درست نہیں ہے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ وہ (الفاظ) ظہار کے لئے کنایہ واضح ہوں اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ تشبیہ میں پشت کا لفظ استعمال نہ ہو اور مشبہ بہ محارم میں سے کوئی محرم ہو۔ مثلاً ایک شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی مانند ہے یا تو میری ماں ہے۔ اس کی دوسری قسم صیغہ ظہار کی چوتھی قسم ہے اور وہ یہ ہے کہ (ظہار میں) پشت سے تشبیہ دی جائے لیکن جس عورت کی پشت پر تشبیہ دی جائے وہ اجنبی ہو۔ مثلاً ایک شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے فلاں عورت (اجنبیہ) کی پیٹھ اس صورت میں ظہار کے صحیح ہونے کی دو شرطیں ہیں: یعنی ظہار کی نیت کا ہونا چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو شفقت و محبت میں یا بزرگی و برتری میں ماں سے تشبیہ دی یا کسی اجنبی عورت کی پشت سے خوبی و درستی میں مشابہ بتایا وغیرہ تو یہ ظہار نہ ہوگا۔ تاہم اگر ظہار کی نیت سے کہا تو ظہار ہو جائے گا۔ اگر طلاق کی نیت سے کہا اور بیوی سے مباشرت ہو چکی ہے تو تین طلاقیں لازم ہو جائیں گی اگر چہ اس تعداد کی نیت نہ ہو یا تین سے کم تعداد کی نیت ہو۔ اگر بیوی غیر مباشرت شدہ ہو تو اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی بشرطیکہ اس سے کم کی نیت نہ ہو۔ ورنہ جتنی طلاقوں کی نیت ہوگی اتنی طلاقیں عائد ہو جائیں گی اگر پشت کا لفظ یا ماں وغیرہ محرمات میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ تو فلاں غیر عورت کی مانند ہے اور اس سے طلاق کی نیت کی تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ عورت مباشرت شدہ ہو یا غیر مباشرت شدہ' تاہم غیر مباشرت شدہ کی صورت میں تین طلاقوں سے کم کی نیت کی تو اسے تسلیم کر لیا جائے گا۔ اگر ایک شخص نے بیوی سے کہا کہ تو (میرے لئے) فلاں اجنبی عورت کی مانند ہے اور اس کا دعویٰ یہ ہے کہ اس نے ظہار کی نیت سے یہ کہا ہے تو دیانتاً اس کی بات مان لی جائے گی اور اس کے صرف ظہار ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا لیکن (قانوناً) مباشرت شدہ بیوی کی صورت میں ظہار اور طلاق ثلاثہ کا فیصلہ دیا جائے گا اور غیر مباشرت شدہ کی صورت میں بھی یہی فیصلہ ہے لیکن اس صورت میں اگر خاوند نے تین طلاقوں سے کم کی نیت کا دعویٰ کیا تو نیت کے مطابق عمل درآمد ہوگا۔ اگر حاکم شرع نے تین طلاق کا فیصلہ کر دیا اور اس عورت نے کسی اور سے شادی کر لی اس کے بعد وہ پھر پہلے خاوند کی زوجیت میں واپس آ گئی تو اس سے مباشرت حلال نہ ہوگی تا آنکہ

Marfat.com

کفارہ ظہار ادا نہ کرے۔ اگر ایک شخص نے بیوی سے کہا کہ تو میرے لئے میرے بیٹے یا غلام کی مانند ہے اور ظہار کی نیت ہے تو اس عورت پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور بقول معتمد یہ ظہار متصور نہ ہوگا۔ لیکن اگر اس شخص نے یہ کہا کہ تو میرے لئے میرے بیٹے کی پشت کی مانند ہے اور ظہار کی نیت تھی تو یہ ظہار ہوگا۔ اگر بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر ایسی شے کی مانند ہے جسے قرآن نے حرام کیا ہے تو چونکہ قرآن میں مردار' خون اور سور کے گوشت کو حرام بتایا گیا ہے۔ اس سے مباشرت شدہ بیوی پر تین طلاق عائد ہو جائے گی اور غیر مباشرت شدہ بیوی کا بھی یہی حکم ہے' سوا اس کے کہ تین طلاق سے کم کی نیت ہو۔

جاننا چاہئے کہ الفاظ ظہار یا تو قطعی ہوں گے یا مشروط۔ پس اگر ایک شخص نے ظہار کو بیوی یا کسی اور شخص کی مرضی پر موقوف رکھا اور یوں کہا کہ تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے بشرطیکہ تو چاہے یا اس پر راضی ہو تو یوں کہنا درست ہے لیکن وقوع ظہار اسی صورت میں ہوگا جب کہ بیوی چاہے یا اس پر راضی ہو۔ بیوی کا حق (رد و اختیار) ساقط نہ ہوگا البتہ اگر بیوی نے یہ سن کر توقف کیا اور ظہار کے رد کرنے یا نافذ کرنے کی بابت فیصلہ نہ کیا تو حاکم شرع کو اختیار ہوگا کہ اس حالت میں اس کا اختیار ختم کر دے۔ اگر ایک شخص نے ظہار کو کسی امر ناگزیر سے مشروط کیا مثلاً بیوی سے یوں کہا کہ تو ایک سال کے بعد یا ماہ رمضان میں ایسی ہے جیسے میری پشت مادر تو یہ قسم اسی وقت عائد ہو جائے گی۔ اگر کہا کہ تو اس مہینے میری پشت مادر کی مانند ہے تو یہ ظہار دائمی ہوگا اور کفارہ دیئے بغیر ختم نہ ہوگا۔ اگر بیوی سے کہا کہ ''میں تیرے اوپر فلاں عورت سے شادی نہ کروں تو تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے'' تو یہ ظہار اس وقت سے لاگو ہوگا جب شادی سے مایوسی ہو جائے کہ وہ عورت جس کا تعین کیا تھا وفات پا جائے یا وہ شخص مباشرت کرنے سے معذور ہو جائے یا شادی نہ کرنے کا تہیہ کر لے۔ اگر بیوی سے کہا'' کہ تو اپنے باپ کے گھر میں گئی تو میرے لئے تو پشت مادر کی مانند ہوگی''۔ اب اگر بیوی نے (باپ کے گھر میں) جانے کا ارادہ کیا تو اس میں داخل ہونے سے پہلے' خاوند کے لئے کفارہ ادا کرنا درست نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مظاہر (ظہار کرنے والے) کے لئے لازم ہے کہ وہ خاوند ہو' قطع نظر اس کے کہ وہ مخنث' نامرد یا خصی وغیرہ ہو۔ پس مملوکہ لونڈی سے ظہار درست نہیں ہے اور نہ ایسی عورت سے ظہار درست ہے جو اس کی زوجیت میں نہ آئی ہو اگر وہ عورت اس سے شادی بھی کر لے تو وہ ظہار لاگو نہ ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ ظہار کرنے والا ذی عقل ہو پس جنون زدہ اور اس طرح کے اشخاص کا ظہار درست نہیں ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ شخص (مظاہر) با اختیار ہو (یعنی اپنی مرضی سے ظہار کر رہا ہو) جبری ظہار درست نہ ہوگا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص طلاق دے سکتا ہے وہی ظہار بھی کر سکتا ہے۔ اس کی تفصیل سابقاً طلاق کے بیان میں آ چکی ہے۔

جس سے ظہار کیا جائے اس کی بابت شرط یہ ہے کہ وہ بیوی ہو' قطع نظر اس سے کہ وہ لونڈی (منکوحہ) ہو یا صغیر سن ہو یا دیوانی ہو یا مریضہ ہو یا رتق و قرن کا عیب رکھتی ہو یا کافرہ ہو یا طلاق رجعی یافتہ ہو۔ اس سے ہر وہ عورت خارج ہو گئی جو بیوی نہ ہو گو اس شخص کی طلاق بائن یافتہ عورت ہو۔ پس اگر کسی اجنبی عورت سے یوں کہا کہ اگر میں تجھ سے شادی کر لوں تو میرے لئے تو پشت مادر کی طرح ہوگی بعد میں اس عورت سے شادی ہو گئی تو ظہار نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اپنی لونڈی سے کہا کہ تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے تو ظہار نہ ہوگا۔ سوا اس کے کہ (آزاد کر کے) اس سے عقد کر لیا ہو۔

ظہار میں جس سے تشبیہ دی جائے اس کے لئے حسب ذیل شرائط ہیں:

Marfat.com

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مونث (عورت ہو)۔ پس اگر (بیوی کو) کسی رشتہ دار قریبی سے یا بعید کے قرابت دار سے ظہار کے طور پر تشبیہ دی تو وہ قول لغو ہوگا کیوں کہ اس سے تمتع نہیں کیا جا سکتا (تو ترک تمتع کی قسم کیا معنے؟) یہی حکم مخنث سے تشبیہ دینے کا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عورت اس سے پہلے اس شخص پر حلال نہ رہی ہو۔ مثلاً اس کے باپ کی بیوی جس کے ساتھ اس شخص کی ولادت سے پہلے یا ولادت کے موقع پر شادی ہوئی لیکن وہ عورت جس کے ساتھ اس کے باپ نے اس شخص کی پیدائش کے بعد شادی کی وہ اس سے پہلے اس شخص پر حلال تھی (لہٰذا وہ اس زمرہ میں نہیں آتی) اس طرح بیٹے کی بیوی بھی ہے کہ وہ بیٹے سے شادی کے پہلے اس پر حلال تھی اسی میں خاوند کی تین طلاق یافتہ بیوی اور وہ بیوی بھی جو لعان کے بعد ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو چکی ہے داخل ہیں۔ ان عورتوں سے تشبیہ دی جائے تو وہ ظہار نہ ہوگا۔ کیوں کہ یہ عورتیں پہلے حلال تھیں بعد میں حرام ہوئیں اسی طرح قابل تشبیہ عورتوں سے اجنبی عورت خارج ہے اگر ظہار میں ایسی عورت سے یا اس کی پشت سے (بیوی کو) تشبیہ دی جائے تو وہ ظہار نہ ہوگا۔

صیغہ (یا الفاظ) ظہار کے بارے میں یہ شرط ہے کہ اس لفظ سے ظہار کا مطلب نکلتا ہو اس کی دو قسمیں ہیں: ایک 'صریح' یعنی وہ لفظ جس کا استعمال مقصد ظہار کے معنوں میں مشہور ہو مثلاً بیوی سے یہ کہنا کہ تو میرے لئے پشت مادر یا جسم مادر کی مانند ہے یا یوں کہے کہ تیرا سر مجھ پر ایسا ہے جیسے پشت مادر یا ماں کا سر یا اس کا ہاتھ دوسری قسم کنایہ ہے جو اس سے مختلف (یعنی اس مقصد کے معروف و مشہور نہ ہو) مثلاً خاوند کا (بیوی سے) کہنا کہ تو میری ماں یا میری ماں کی آنکھ کی مانند ہے یا ایسے ہی اور الفاظ جن کو ظہار میں بھی اور عزت و اکرام کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ان الفاظ سے بھی ظہار ہو جائے گا' بشرطیکہ ظہار کی نیت ہو۔ ان الفاظ کو طلاق کنائی قرار دینا درست ہے درآنحالیکہ طلاق کی نیت ہو۔

ظہار میں تشبیہ کبھی پوری عورت سے دی جاتی ہے اور کبھی اس کے کسی جزو بدن سے۔ جزو بدن سے تشبیہ میں یہ شرط ہے کہ وہ جزو ظاہری اعضائے بدن میں سے ہو مثلاً ہاتھ' سر اور آنکھ وغیرہ۔ باطنی اجزاء جن سے تمتع ممکن نہیں ہے مثلاً دل اور جگر وغیرہ سے تشبیہ دینا ظہار نہ ہوگا۔ ان کو ظہار کے لئے نہ مشبہ قرار دینا صحیح ہے نہ مشبہ بہ۔ پس اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرا جگر مجھ پر پشت مادر کی مانند ہے یا تیرا سر میری ماں کے دل کی طرح ہے تو اس سے ظہار نہ ہوگا۔ ایک شرط یہ ہے کہ وہ جزو فضلہ نہ ہو جیسے دودھ' تھوک اور مادہ تولید وغیرہ۔ پس اگر بیوی کے تھوک کو ماں کی پشت سے تشبیہ دی تو یہ ظہار نہ ہوگا۔ نیز اجزائے زائد (فالتو اجزائے بدن) مثلاً ناخن' بال اور دانت کو تشبیہ دینے یا ان کے ساتھ تشبیہ دینے سے (یعنی ان کو مشبہ یا مشبہ بہ بنانے سے) ظہار درست نہ ہوگا۔ غرض تمام ظاہری اعضائے بدن کو تشبیہ دینا درست ہے اور باطنی اجزائے بدن کو جن سے تمتع ممکن نہیں ہے تشبیہ دینا ظہار نہیں ہے۔

واضح ہو کہ ظہار کے لئے مدت کا مقرر کرنا خواہ وہ مدت تھوڑی ہو یا بہت درست ہے۔ پس اگر خاوند بیوی سے کہے کہ تو میرے لئے ایک دن یا ایک ماہ کے لئے پشت مادر کی مانند ہے تو وہ عورت ان اوقات مقررہ میں اس شخص پر حرام ہوگی۔ اگر اس وقت ظہار میں پورے طور پر مباشرت کر لی تو کفارہ واجب الاداء ہو جائے گا۔ یہ بات آگے بتائی جائے گی کہ مشروط الوقت ظہار سے رجوع کا طریقہ یہ ہے کہ عضو مخصوص کے بالائی حصہ کو یا اگر بالائی حصہ مفقود ہو تو اتنے میں مقدار

Marfat.com

عضو داخل کیا جائے۔ اگر اتنا اقدام کوئی شخص کر لے تو لازم ہے کہ اس سے آگے مباشرت سے باز رہے تا آنکہ کفارہ نہ ادا کر لے۔ غرض یہ ہے کہ کفارہ واجب ہونے کے لئے سر ذکر کا داخل ہونا ضروری ہے۔ لیکن ادائے کفارہ سے پہلے مباشرت کا جاری رکھنا حرام ہے۔ اگر ایک شخص نے بیوی سے کہا کہ پانچ ماہ کے لئے تو مجھ پر پشت مادر کی مانند ہے تو یہ ظہار ایلاء ہو جائے گا اگر اس عرصہ میں بیوی کے ساتھ مباشرت کر لی تو کفارہ ظہار ادا کرنا ہوگا اور اگر خاوند مدت ایلاء کے ختم ہو جانے تک مباشرت نہ کی تو بیوی کو حق ہوگا کہ وہ طلاق کا مطالبہ کرے۔ جس پر بموجب تفصیل سابقہ عمل درآمد ہوگا۔ اگر ایک شخص نے کہا کہ اللہ کی قسم ہے تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے اور مقررہ مدت کے اندر بیوی سے مباشرت کر لی تو اسے دونوں کفارے یعنی کفارہ ظہار اور کفارہ قسم ادا کرنے ہوں گے۔

ظہار کو کسی شے سے مشروط کرنا درست ہے چنانچہ اگر بیوی سے کہا کہ اگر میں تیری سوکن سے ظہار کروں تو میرے لئے تو پشت مادر کی مانند ہے پھر اس شخص نے اس کی سوکن سے ظہار کر لیا تو بیک وقت دونوں سے ظہار ہو جائے گا۔ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کرنے کو غیر عورت کے ساتھ مباشرت سے مشروط کیا تو اس میں دو حالتوں کا احتمال ہے۔

پہلا احتمال یہ ہے کہ خاوند بیوی سے کہے کہ اگر میں فلاں عورت سے ظہار کروں تو میرے لئے تو پشت مادر کی مانند ہے۔ اس قول میں (عورت کے ساتھ) اجنبی (یا غیر) نہیں کہا تو اس کی دو صورتیں ہوں گی۔

ایک صورت یہ ہے کہ اس شخص نے ظہار کے لفظ سے اس کے معنے شرعی مراد نہ لئے ہوں بلکہ اس عورت سے ظہار کرنے کا صرف لفظ استعمال پیش نظر ہو اب اگر اس عورت سے شادی نہیں ہوئی اور اجنبی عورت سے کہا کہ تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے (ظاہر ہے کہ غیر عورت سے ظہار شرعی تو ہو نہیں سکتا) لیکن چونکہ الفاظ ظہار کے استعمال کی شرط تھی اور یہ شرط پوری ہو گئی اس لئے اس کی بیوی پر ظہار عائد ہو جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس شخص نے 'ظہار' کے لفظ سے اس کا شرعی مفہوم مراد لیا ہو ایسی صورت میں اگر (اجنبی عورت سے) شادی سے پہلے یہ الفاظ کہے تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے تو اس سے بیوی پر ظہار عائد نہ ہوگا' کیوں کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اجنبی عورت سے شرعی مفہوم میں ظہار نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر شادی کے بعد ظہار کیلئے یہ لفظ استعمال کئے تو پہلی بیوی سے ظہار ہو جائے گا اس لئے اس شخص نے یہ کہا تھا کہ "اگر میں فلاں عورت سے ظہار کروں" اور یہ نہیں کہا تھا کہ فلاں اجنبی عورت سے' لہٰذا اس شرط میں ظہار شرعی پیش نظر مانا جائے گا (کیوں کہ ظہار اجنبی عورت سے نہیں ہو سکتا) پس فلاں عورت سے ظہار کی یہ پیشکش پوری ہو گئی۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ شخص (شرط کے الفاظ) اس طرح کہے کہ "اگر میں فلاں اجنبی عورت سے ظہار کروں" یعنی شرط میں لفظ اجنبی کا استعمال کیا ہو تو اس کی بھی دو صورتیں ہوں گی۔

پہلی صورت یہ ہے کہ اس طرح کہنے سے اس کا مطلب صرف عبارت ظہار کا استعمال کرنا ہے۔ ایسی حالت میں اس عبارت کے ادا کرنے پر ظہار عائد ہو جائے گا خواہ یہ الفاظ اس نے شادی کرنے سے پہلے کہے ہوں یا بعد میں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے الفاظ ظہار سے شرعی مراد لیا ہو۔ ایسی صورت میں پہلی بیوی سے ظہار عائد نہ ہوگا

Marfat.com

خواہ (اجنبی عورت سے) اس شخص شادی سے پہلے الفاظ ظہار ادا کیا ہو یا بعد میں کیوں کہ اس کے لفظ اجنبی کی صراحت کر دینے سے شرعی ظہار متحقق ہونا ممکن ہی نہ تھا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مظاہر (ظہار کرنے والے) کا مرد ہونا لازم ہے لہٰذا عورت کے ظہار کرنے کا اعتبار نہیں ہے۔ تاہم تعریف ظہار کے بیان میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی عورت ایسا کرے تو حتی الامکان اپنی طرف سے ظہار کا کفارہ ادا کردے جو اس پر واجب ہے۔ تاہم اسے خاوند کی مقاربت سے گریز کرنا حلال نہیں ہے۔ ایک اور شرط مظاہر کے باب میں یہ ہے کہ وہ بالغ ہو۔ بچے (نابالغ) کا ظہار کرنا درست نہیں ہے خواہ وہ بچہ ذی شعور ہو یا نہ ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ایسے باشعور لڑکے کا ظہار کرنا درست ہے جو ظہار کا مطلب جانتا ہو۔ اسی طرح اس کی طلاق بھی درست ہے۔ ایک شرط یہ ہے کہ وہ عاقل ہو، پس جو شخص جنون، بے ہوشی، نیند یا نشہ آور دوائی کے استعمال سے فاتر العقل ہو اس کا ظہار درست نہیں ہے ہاں اگر حرام شراب پی کر مدہوشی کے عالم میں ظہار کرے تو وہ لاگو ہو جائے گا۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا اور یہ شرط ہے کہ وہ مختار ہو لہٰذا جبری ظہار لاگو نہ ہوگا۔ ظہار کرنے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے لہٰذا کافر کا ظہار کرنا درست ہے۔ کیوں کہ کافر پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ مریض شخص ظہار کرے تو وہ بھی درست ہے۔

جس سے ظہار کیا جائے یا جسے (ظہار میں) تشبیہ دی جائے اس کے بارے میں شرط یہ ہے کہ وہ بیوی ہو۔ پس اجنبی عورت سے ظہار کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ اگر ظہار کو شادی پر مشروط رکھا تو درست ہے۔ مثلاً وہ شخص اجنبی عورت سے یوں کہے کہ اگر میں تجھ سے شادی کروں تو میرے لئے تو پشت مادر کی مانند ہوگی اب اگر اس عورت سے شادی کر لی تو ظہار لاگو ہو جائے گا اور کفارہ دینے سے پہلے اس کے ساتھ مباشرت درست نہیں ہے۔ برخلاف طلاق کے کہ اجنبی عورت کو طلاق دینا درست نہیں ہے اگرچہ اس طلاق کو شادی سے مشروط کیا ہو۔ جیسے کہ پہلے بتایا گیا۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ طلاق رشتہ ازدواج کو توڑنا ہے اور اجنبی عورت سے رشتہ ازدواج ہوتا ہی نہیں تو اس کا توڑنا بے معنی ہے۔ لہٰذا وہ طلاق لغو ہوگی لیکن ظہار نام ہے قسم کھانے کا جس کا کفارہ لازم ہوتا ہے۔ پس جب یہ شرط ظہار پائی جائے مثلاً اللہ تعالیٰ کی قسم تو وہ لاگو ہو جائے گا چنانچہ اگر کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ اگر میں فلاں عورت سے شادی کروں تو اس سے مباشرت نہ کروں گا۔ اب اگر مباشرت کی تو کفارہ لازم ہوگا۔ اسی طرح ایسی لونڈی سے بھی ظہار کرنا درست نہیں ہے جس کے ساتھ بحیثیت مالک ہونے کے مباشرت ہو چکی ہو۔ ہاں اگر کسی لونڈی سے عقد ازدواج ہوا ہے تو وہ بیوی متصور ہوگی (اور ظہار ہو سکے گا) اگر کسی نے اپنی مملوکہ لونڈی سے ظہار کیا تو صرف قسم کھانے کا کفارہ لازم ہوگا۔ کفارہ ظہار لازم نہ ہوگا۔ جیسا کہ تعریف ظہار کے بیان میں بتایا گیا۔

ظہار صرف بیوی سے ہو سکتا ہے خواہ چھوٹی عمر کی (نابالغ) ہو یا بڑی عمر کی (بالغ) ہو۔ آزاد ہو یا لونڈی (منکوحہ)، مسلمان ہو یا ذمیہ (غیر مسلم) خواہ مباشرت ممکن ہو یا ناممکن ہو وغیرہ جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

مشبہ بہ کے لئے (جس سے ظہار میں) تشبیہ دی جائے یہ شرط ہے کہ تشبیہ اس کے پورے وجود سے ہو یا اس کے بنیادی اعضائے جسم میں سے کسی عضو سے۔ زائد اعضائے جسم مثلاً بال، دانت، تھوک، مادہ تولید، ناخن، خون، پسینہ، آنسو اور جان وغیرہ سے تشبیہ دی جائے تو ظہار نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر بیوی سے کہا کہ تیرے بال مجھے پشت مادر کی مانند ہے وغیرہ تو یہ

Marfat.com

ظہار نہ ہوگا۔ اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ مشبہ بہ عورت ہی ہو۔ پس اگر وہ مرد ہو تب بھی ظہار درست ہے۔ کیوں کہ غرض یہ ہے کہ (ظہار میں) جس سے (بیوی کو) تشبیہ دی جائے اس سے مباشرت حلال نہ ہو۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت پس اگر بیوی کو کسی مونث ہستی سے تشبیہ دی جائے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہستی اس شخص کی دائمی محرمات میں سے ہو لہٰذا جس طرح ماں یا بہن سے تشبیہ دے کر ظہار ہو سکتا ہے اسی طرح بیوی کی بہن اور اس کی پھوپھی اور خالہ سے تشبیہ دینا بھی (ظہار کے لئے) درست ہے اسی طرح اجنبی عورت سے تشبیہ دینا بھی درست ہے۔

الفاظ ظہار (یا عبارت ظہار) کے بارے میں یہ شرط ہے کہ اس عبارت کے الفاظ سے ظہار کا مفہوم نکلتا ہو اور وہ الفاظ ان ہی معنوں میں استعمال ہوتے ہوں۔ پس اگر یوں کہا کہ میں مظاہر (ظہار کرنے والا) ہوں تو (ظہار کے مقصد کے لئے) یہ قول لغو ہوگا کیوں کہ ظہار کے لئے یہ عبارت نہیں ہے اسی طرح اگر کہا کہ میری صورت تیری صورت کے لئے حرام ہے تو یہ بھی ظہار نہ ہوگا۔

الفاظ ظہار کی دو قسمیں ہیں صریح اور کنایہ صریح الفاظ ظہار وہ ہیں جو مفہوم ظہار میں ظاہر ہوں۔ مثلاً بیوی سے یوں کہنا کہ تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے یا تو میرے لئے میری ماں کی طرح ہے یا تو مجھ پر میری ماں جیسی ہے۔ کیوں کہ ماں سے تشبیہ دینا اس کے عضو سے تشبیہ دینے کی مانند ہے۔ بلکہ یہ تشبیہ عضو کی تشبیہ سے کچھ زائد ہے۔ اگر مظاہر کا یہ دعویٰ ہے کہ اس نے یہ تشبیہ بیوی کی کرامت کے پیش نظر دی تھی (ظہار کے لئے نہیں تھی) تو قانوناً اس کی بات قابل تسلیم ہوگی کیوں کہ اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ ان الفاظ سے ظہار کے معنی نکلتے ہیں تاہم اس کے معنی کا امکان ہے جس کا خاوند نے دعویٰ کیا۔

صیغہ کنایہ سے مراد یہ ہے کہ وہ الفاظ (یا عبارت) ظہار کے معنوں میں واضح نہ ہو مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تو میری ماں ہے اور یہ نہیں کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی مانند ہے یا یوں کہا کہ تو میری ماں کی مانند ہے اور مجھ پر یا میری طرف سے کے الفاظ استعمال نہیں کئے گئے۔ یا یوں کہا کہ تو میری ماں کی مانند ہے اور یہ نہیں کہ مجھ پر اور یا (اس عبارت میں) تو کی بجائے میری بیوی کہا تو ان تمام صورتوں میں ظہار واقع نہ ہوگا۔ تا آنکہ ظہار کی نیت نہ کی جائے یا کوئی قرینہ ایسا ہو کہ جس سے ظہار کا ارادہ پایا جاتا ہو اگر کہا کہ میری ماں میری بیوی ہے یا میری بیوی کی مانند ہے تو اس سے بھی ظہار نہ ہوگا کیوں کہ یہ بحال ظہار کی عبارت نہیں ہے۔

اگر کہا کہ مجھ پر ظہار لازم ہے یا میرے لئے حرام ہے یا میرے لئے اس کا حرام ہونا لازم ہے یا میں مجھ پر حرام ہوں یا میں تیرے لئے ایک شخص کی پشت کی مانند ہوں یہ تمام الفاظ ظہار کے لئے کنایہ ہیں ان سے ظہار اسی صورت میں لاگو ہوگا جب کہ ظہار کی نیت سے یہ الفاظ کہے جائیں۔

ظہار قطعی ہو یا مشروط دونوں طرح درست ہے۔ مشروط کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً بیوی سے یوں کہے کہ اگر تو اپنے باپ کے گھر میں گئی تو میرے لئے تو پشت مادر کی مانند ہوگی۔ اب اگر بیوی باپ کے گھر میں گئی تو خاوند مظاہر (ظہار کنندہ) ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر (بیوی سے) کہا کہ تیری مرضی ہو یا زید چاہے تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہو جا تو (بیوی یا) زید جب چاہے وہ شخص ظہار کنندہ ہو جائے گا۔ اسی طرح ظہار بغیر کسی قید کے ہو یا وقت کی قید کے ساتھ لاگو

Marfat.com

کفارۂ ظہار کے واجب ہونے کا بیان اور اس کا وقت

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ظہار کے باب میں دو حکم ہیں۔ایک کا تعلق آخرت سے ہے کہ ظہار ایسا فعل ہے جو موجب عذاب آخرت ہے۔پس واجب ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والا توبہ کرے اور آئندہ کے لئے عزم کرے کہ بار دگر اس کا مرتکب نہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا اور اس کے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔(ظہار کی بابت) دوسرا حکم دنیا سے تعلق رکھتا ہے کہ کفارہ ظہار ادا کرے۔ یہ کفارہ کب ادا کرنا چاہئے اس کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

ہو جائے گا مثلاً ایک شخص بیوی سے کہے کہ تو ایک ماہ کے لئے یا ماہ رمضان میں میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے تو مقررہ وقت گزر جانے پر بغیر کفارہ کے بیوی حلال ہو جائے گی۔اگر اس مدت کے دوران مباشرت کی تو کفارہ لازم ہوگا۔اگر (ظہار کے ساتھ) انشاء اللہ (یعنی اگر اللہ نے چاہا) کہہ دیا تو ظہار نہ ہوگا کیوں کہ یہ قسم ہے (ظہار نہیں ہے) جیسا کہ اس کتاب کی جلد دوم میں قسموں کے بیان میں بتایا گیا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ بقول غالب کفارہ ظہار کا ادا کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب (مظاہر) ہمیشہ کے لئے اپنی بیوی سے مباشرت کو مباح کرنے کا نہ کہ اپنے قول سے رجوع کرنے کا عزم کرے۔کیوں کہ جب ایک شخص ظہار کر کے اپنی بیوی سے مباشرت کرنے کو اپنے لئے حرام کرلے تو اس کا کفارہ اسی حالت میں واجب ہوگا جب کہ وہ دوبارہ مباشرت کو حلال کرنے کی جانب قصد کرے۔اللہ تعالیٰ کا (ظہار کرنے والوں کی بابت) ارشاد ہے **ثم یعودون لما قالوا** (یعنی پھر اسی امر کو اختیار کرنے کی طرف لوٹیں جسے نہ کرنے کے لئے کہا تھا) مطلب یہ ہے کہ جس فعل کو اپنے اوپر حرام کیا تھا یا پھر یہ کہ جو کہا تھا اس کے برعکس کرنے پر آمادہ ہوں۔۔بناء بریں اس آیت میں لفظ یعودون کے معنے یصیرون کے ہیں کیوں کہ لفظ عود کے معنے ''مثل سابق ہو جانے'' کے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں (چاند کے مناظر کے باب میں) ہے کہ **حتی عاد کالعرجون القدیم** (یعنی یہاں تک کہ چاند پھر پرانی ٹہنی کی مانند ہو جاتا ہے)۔یہاں لفظ عاد کے معنے ہو جانے کے ہیں۔اور یہ بھی درست ہے کہ (عود کے معنے) اس بات سے پلٹ جانے کے ہوں جو پہلے کہی تھی اس صورت میں (لفظ ''لما قالوا'' میں) حرف ''لام'' ''عن'' (یعنی سے) کے معنوں میں لیا جائے گا'' کی طرف'' معنے نہ ہوں گے جیسا کہ ترجمہ میں کہا گیا) اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ پھر وہ اپنے سابقہ قول سے پھر جائیں۔اب خواہ مطلب اپنی بات سے پھر جانا ہو یا وہ جو بیوی کو اپنے اوپر حرام کیا تھا اسے پھر حلال کر لینا ہو یا اپنے قول و قرار کو توڑ دینا ہو۔ بہر حال یہ بیوی کو پہلے کی طرح ہمیشہ کے لئے مباح کر لینے کا عزم ہے (اور اس کے بعد کفارہ لازم ہو جاتا ہے) چنانچہ ایسا عزم کرنے کے بعد اگر پھر مباشرت نہ کرنے کا ارادہ کیا تو کفارہ واجب نہ ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کر کے چھوڑ دیا' نہ مباشرت کا ارادہ کیا نہ کفارہ ظہار دیا یہاں تک کہ چار ماہ کی مدت گزر گئی تو آیا وہ عورت نکاح سے اسی طرح خارج ہو جائے گی جس طرح کہ ایلاء میں چار ماہ گزر جانے پر ہوتا ہے یا خارج نہ ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بائنہ نہ ہوگی کیوں کہ ایلاء میں (مباشرت نہ کرنے کی قسم) کھائی

Marfat.com

جاتی ہے یا اس میں مباشرت کو کسی مشکل کام سے مشروط کیا جاتا ہے لیکن ظہار میں قسم نہیں ہوتی بلکہ اس فعل کو ناپسندیدہ امر اور غلط بیانی قرار دیا گیا ہے اور نہ وہ مشروط ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خاوند کبھی بیوی سے نفرت کی بناء پر ظہار کر لیتا ہے اور اسے ادھر میں لٹکائے رکھتا ہے کہ نہ اس کے ساتھ مقاربت کرتا ہے اور کفارہ ظہار ادا کرتا ہے ایسی صورت میں تو اس ظہار کی اذیت ترک مباشرت سے زیادہ شدید ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی حالت میں حنفیہ کی دو رائیں ہیں۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مذہب کا قانون اگرچہ خاوند کو عمر بھر میں ایک بار سے زیادہ مباشرت کا پابند نہیں کرتا لہٰذا ظہار کرنے والے کو بھی کفارہ دینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بیوی سے مقاربت کر کے اس کی اذیت کو دور کرے تاہم اس لحاظ سے کہ ظہار کرنا (بجائے خود) گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو حرام قرار دیا ہے اور اس گناہ سے بچنے کے لئے اس کی ایک سزا دنیا میں رکھ دی ہے اور قاضی (حاکم شرع) پر واجب ہو جاتا ہے کہ ایسے شخص کو پہلے کفارہ ظہار ادا کرنے کے لئے قید کی سزا دے۔ اگر وہ باز نہ آئے تو اسے سزائے ضرب دے یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کرے یا طلاق دے دے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ہر شخص اس امر کا ذمہ دار ہے کہ عورت کو پاک دامن رکھے اور اسے خرابی سے بچائے۔ اب درآنحالیکہ خاوند اس سے علیحدگی اختیار کر لے اور وہ عورت رجوع کا مطالبہ کرے تو یہ اس کا حق ہے۔ اس کے مطالبہ پر دین یہ نہیں کہتا کہ اسے یوں ٹال دیا جائے کہ چونکہ خاوند ایک بار تجھ سے مباشرت کر چکا ہے لہٰذا اب تیرا حق مطالبہ ختم ہو گیا ہے۔ کیوں کہ اس سے بیوی کو آزار پہنچے گا۔ ایسی حالت میں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ خاوند کو مجبور کیا جائے کہ (ظہار سے رجوع کے لئے) بیوی سے مباشرت کرے یا پھر اسے طلاق دے دے۔ یہی رائے مناسب اور معقول ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ خاوند مضرت رسانی اور ایذا دہی کے لئے ظہار نہیں کرتا بلکہ مثلاً اس شخص کو کوئی ایسا مرض لاحق ہو جو اسے مباشرت سے باز رکھے یا مباشرت کرنا اس کے لئے مضر صحت ہو۔ ایسی صورت میں خاوند کو کسی بات پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور اسی صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خاوند چونکہ ایک بار مباشرت کر چکا ہے تو اب اسے مطالبہ (مباشرت) کا حق نہیں ہے کیوں کہ ایسی حالت میں یہ ٹھیک نہیں ہے کہ عورت مرد پر دباؤ ڈالے اور خاوند کی معذوری کے باوجود اپنا مطالبہ جاری رکھے۔ تاہم اگر خاوند کی معذوری طویل ہو جائے اور وہ دیکھے کہ بیوی مرد کی خواہش مند ہے تو اسے روک رکھنا حرام ہے۔ جیسا کہ طلاق سنت اور طلاق بدعت کے بیان میں بتایا گیا۔

اگر ظہار میں کوئی خاص مدت مقرر کی گئی ہو تو اس مدت کے پورا ہو جانے پر ظہار بھی ختم ہو جائے گا۔

اگر ظہار کو اللہ کی مشیت سے مشروط کیا جائے تو ظہار باطل ہو جائے گا لیکن اگر ظہار کو بیوی کی مرضی یا (کسی اور شخص مثلاً) زید کی مرضی پر موقوف رکھا اور بیوی یا اس شخص نے اسی جگہ اپنی مرضی کا اظہار کر دیا تو ظہار لاگو ہو جائے گا ورنہ نہ ہو گا۔

(مظاہر) خاوند کے لئے ادائے کفارہ سے پہلے بیوی سے مباشرت کرنا یا اس کے ساتھ بوس و کنار سے متمتع ہونا حرام ہے۔ بیوی کو بھی یہ حق ہے کہ خاوند کو ادائے کفارہ سے پہلے خاوند کو اپنے سے متمتع ہونے سے باز رکھے۔ اگر کسی شخص نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے مباشرت کر لی تو گناہ ہو گا اور بار دگر مباشرت کے لئے کفارہ لازم نہ ہو گا۔ البتہ یہ لازم ہے کہ توبہ کرے اور اس گناہ کا مرتکب ہونے پر اللہ سے معافی کا درخواستگار ہو۔

بر ن سابقہ سے عیاں ہے کہ غیر مشروط ظہار یا ظہار موقت یا طلاق رجعیہ یافتہ عورت کے ظہار سے رجوع کرنے

Marfat.com

میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیوں کہ جب بھی مباشرت کا عزم کرلیا اور اس ارادہ سے پھرنے کا ارادہ نہ ہو تو کفارہ واجب الاداء ہوجائے گا۔ اگر ادائے کفارہ سے پہلے بیوی کو طلاق بائن دے دی اور دوبارہ اس سے شادی کرلی اور مباشرت کا ارادہ کیا تو کفارہ لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر اسے تین طلاقیں دیں اور اس عورت نے کسی اور سے شادی کرلی اس کے بعد پھر خاوند کی زوجیت میں آ گئی تب بھی کفارہ ساقط نہ ہوگا اور مباشرت کا عزم راسخ کرنے کے ساتھ ہی اس پر کفارہ عائد ہوجائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ عود کرنے (یعنی سابقہ حالت کی طرف مڑ جانے) پر کفارہ واجب ہوجاتا ہے۔ کفارہ کے واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ادائے کفارہ صحیح ہو۔ اور 'عودٗ کے واجب ہونے کے معنیٰ' دوبارہ قصد مباشرت کرنا ہے۔ پس اگر ایک شخص نے بیوی سے مباشرت کا ارادہ کرلیا تو ادائے کفارہ درست ہوگا اور ارادہ مباشرت کرنے سے پہلے بھی کفارہ ادا کیا تو درست ہے اور قصد مباشرت پر کفارہ کے واجب ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کفارہ دائمی طور پر فرض ہوجائے گا اور کبھی اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ کیوں کہ اگر اس عورت کو طلاق ہوجائے اور وہ زوجیت سے خارج ہوجائے تو کفارہ کی فرضیت بھی ختم ہوجائے گی اور اگر مباشرت ہوجائے خواہ بھولے سے کی ہو تو کفارہ کی ادائیگی حتمی طور پر لازم ہوجائے گی جو ساقط نہ ہوگی بایں طور کہ اگر اسے طلاق ہوگئی یا وفات پا جائے تو خاوند پر لازم ہوگا کہ کفارہ ادا کرے کیوں کہ مباشرت کے بعد ادائیگی کفارہ فرض الٰہی ہوجاتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ آیا عود (یا رجوع) کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ ایک خاص مدت تک خواہ وہ مدت ایک سال سے کم ہو بیوی کو روک رکھنے کی نیت کرے یا محض عود کرنے کا عزم کافی ہے۔ اس بارے میں دونوں طرح کی باتیں مشہور ہیں۔ دوسرے قول کی رو سے اگر بیوی کو طلاق دے دی جائے تو کفارہ ختم نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس شخص نے بیوی کے ساتھ مباشرت کرنے اور ایک مدت تک رکھنے کا ارادہ کیا۔ پس اگر اس مدت مقررہ سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی تو کفارہ ظہار لازم ہوگا' کیوں کہ اس مدت تک بیوی کو رکھ لینے کی شرط کے ساتھ اس کی عصمت (یا زوجیت) کو برقرار رکھنے کی شرط نہیں ہے۔ لیکن پہلے قول کی رو سے اگر مباشرت کا عزم کیا اور پھر طلاق دے دی تو کفارہ ساقط ہوجائے گا۔ کیوں کہ اس صورت میں کفارہ کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ عورت اس کی زوجیت میں رہے پس اگر طلاق بائن ہوجائے تو یہ شرط ساقط ہوجائے گی۔ طلاق رجعی سے ساقط نہ ہوگی۔ پس اگر خاوند نے بیوی کو طلاق بائنہ دے دی تو جب تک کہ دوسری بار اس سے شادی نہ ہو کفارہ واجب الاداء نہ رہے گا۔ اور جب دوبارہ اسی عورت سے شادی ہوجائے تو ظہار بھی عائد ہو جائے گا۔ غرض خاوند کے لئے کفارہ ظہار ادا کئے بغیر بیوی سے مباشرت حلال نہیں ہے یہ کفارہ بیوی یا خاوند کی وفات پر ساقط ہوجاتا ہے لہٰذا اس کی طرف سے وارثوں کو کفارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے جس طرح خاوند پر حرام ہے کہ کفارہ ادا کئے بغیر بیوی سے مباشرت کرے یا اس کے علاوہ کسی اور طرح سے متمتع ہو اسی طرح بیوی پر بھی واجب ہے کہ وہ خاوند کو اپنے اوپر قادر نہ ہونے دے۔ اگر خاوند کے جبر سے ڈر ہو تو وہ اپنا معاملہ حاکم کے سامنے پیش کرے تا کہ وہ دونوں میاں بیوی کے درمیان حائل ہو اگر بیوی کو خاوند کی طرف سے اطمینان ہو تو خاوند بیوی کے چہرے اور ہاتھ کو دیکھ سکتا ہے اور دونوں ایک گھر میں ساتھ رہ سکتے ہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ (ظہار کے بعد) مباشرت کی طرف عود (بازگشت) کرنے پر کفارہ واجب ہوجاتا ہے۔

Marfat.com

عود کرنے کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے جو مطلقہ رجعیہ نہ ہو ایک مقررہ وقت تک کے لئے ظہار کرے اور پھر اس سے عود کرے۔ ایسی صورت میں ظہار کے بعد بغیر طلاق دینے بیوی کو روکے رکھے تو اس سے عود (ظہار سے رجوع) ہو جاتا ہے۔ پس اگر کسی عورت سے ظہار کیا اور اس کے بعد اتنے عرصہ تک اسے اپنے پاس رکھے جتنے عرصہ میں بغیر کسی مانع شرعی کے اسے طلاق دینا ممکن تھا تو اس پر کفارہ واجب ہو جائے گا۔ پس اگر ایام ماہواری میں بیوی سے ظہار کیا اور اسے طلاق نہیں دی تو اسے ظہار سے عود کرنا نہیں کہا جائے گا۔ کیوں کہ ایام حیض میں شرعاً طلاق ممنوع ہے۔ پس جب ادرار بند ہو جائے اور اس کے بعد اتنا وقت گزر جائے جس میں وہ طلاق دے سکتا اور طلاق نہیں دی تو یہ ظہار سے عود قرار دیا جائے گا۔ اور کفارہ واجب الاداء ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا کفارہ کے واجب ہونے کا سبب عود ہے یا خود ظہار اس کا موجب ہے اور عود ظہار کے لاگو ہونے کی شرط ہے' یا ان دونوں باتوں کے ایک ساتھ ہونے سے کفارہ واجب ہوتا ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے اور صحیح امر یہ ہے کہ کفارہ قسم کی طرح جو قسم کھانے اور اسے توڑنے پر واجب ہوتا ہے ظہار کا کفارہ بھی ظہار کرنے اور عود کرنے پر واجب ہوتا ہے۔ بناء بریں اگر ایک شخص نے ظہار کیا اور عود سے پہلے کفارہ ادا کر دیا تو یہ درست ہوگا' کیوں کہ کفارہ کا موجب ظہار ہے اور اگر ظہار سے پہلے کفارہ ادا کر کے ظہار کیا تو وہ کافی نہ ہوگا کیوں کہ وہ کفارہ اس کے واجب ہونے کے سبب سے پہلے ادا کیا گیا اور اس قول کی رو سے کہ ظہار اور عود دونوں معاً کفارہ کے واجب ہونے کا سبب ہیں اگر عود سے پہلے کفارہ ادا کر دیا تو وہ جائز نہ ہوگا کیوں کہ سبب وجوب سے پہلے ادا کیا گیا' اور اگر اس قول کو اختیار کیا جائے کہ کفارہ صرف عود سے واجب ہوتا ہے' تب تو ظاہر ہے کہ کفارہ کی ادائیگی ظہار کرنے اور پھر عود کرنے سے پہلے درست نہیں ہے۔ جیسا کہ واضح ہے۔

اگر ایک شخص نے بیوی سے ظہار کیا پھر ظہار کے بعد ہی بیوی کو طلاق دے دی اور وہ طلاق بائن ہے بایں طور کہ اس نے کہا کہ تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے' تجھے طلاق ہے۔ اور طلاق کے لفظ کو الفاظ ظہار کے ساتھ ہی ادا کر دیا تو اب ظہار سے عود کرنا بیکار ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر ظہار کے بعد اتنا وقفہ گزر جائے جس میں بیوی سے کہا جا سکتا ہے کہ تجھے طلاق ہے اور نہیں کہا گیا تو یہ عود متصور ہوگا' اگر وہ عورت ایام ماہواری کی حالت میں ہے تو کفارہ واجب نہ ہوگا جیسا کہ ذکر کیا گیا۔

دوسری صورت ظہار موقت سے عود کرنے کی ہے' مثلاً بیوی سے کہا کہ ماہ رمضان میں تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے تو بیوی اس ماہ کے اندر اس شخص پر حرام ہو جائے گی اور ماہ رمضان کے بعد بغیر کفارہ دیئے وہ حلال ہو جائے گی اگر خاوند اس مہینے کے اندر بیوی کے پاس جانا چاہے تو یہ (ظہار سے) عود ہے اور کفارہ لازم الاداء ہو جائے گا۔

کفارہ جس مباشرت سے واجب ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ حشفہ (عضو مخصوص کا سر) یا اگر خاوند مقطوع الحشفہ ہے تو اسی قدر حصہ عضو داخل ہو جائے۔ اس سے کفارہ کا ادا کرنا واجب ہوگا جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ اس کے بعد خاوند کے لئے مباشرت مکمل حلال نہیں ہے۔ بلکہ لازم ہے کہ ادخال حشفہ کے بعد جب کہ کفارہ واجب ہو جاتا ہے فوراً ہٹ جائے اگر مباشرت میں لگا رہا تو گناہ ہوگا۔

Marfat.com

تیسری صورت مطلقہ رجعیہ سے ظہار کے بعد عود کرنے کی ہے کہ اگر طلاق رجعی پانے والی بیوی سے کہا کہ تو میرے لئے پشت مادر کی مانند ہے تو یہ ظہار کرنا ہے اب اگر اس ظہار سے عود کرنا ہے تو اس پر واجب ہوگا کہ پہلے بیوی سے رجوع کر لے جیسا کہ رجعت کے بیان میں بتایا گیا اور جب (طلاق سے) رجوع ہو گیا تو یہ ظہار سے عود کرنا ہے لہٰذا ادائے کفارہ واجب ہوگا۔

واضح ہو کہ ادائے کفارہ سے پہلے مباشرت کرنا حرام ہے نیز صرف ناف کے نیچے سے گھٹنے تک اس عورت سے کسی طرح کا نفع اٹھانا بھی حرام ہے۔ اس کے علاوہ اور تمتع جائز ہے۔ کیوں کہ زوجیت کی ملکیت حاصل ہو جانے سے ظہار ختم نہیں ہو جاتا جیسا کہ حیض کی حالت میں ہوتا ہے۔ پس ظہار میں بھی وہی امور حرام ہیں جو حالت حیض میں حرام ہیں۔ اب اگر کوئی شخص گناہ بدکاری سے بچنے کے لئے مباشرت پر مجبور ہو جائے بایں طور کہ ظہار کرنے والا بغیر مباشرت کئے اپنے نفس کو بدکاری سے باز نہ رکھ سکتا ہو تو ایسے شخص کے لئے اسی حد تک مباشرت کی اجازت ہے کہ وہ بدکاری کے گناہ سے خود کو بچا سکے جیسا کہ ایسی صورت میں ایام ماہواری کے اندر مباشرت حلال ہو جاتی ہے۔ اور ایسے حالات میں اجازت دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ کفارہ ظہار جب تک کہ مباشرت نہ ہو واجب نہیں ہوتا لیکن کفارہ ادا کرنے سے پہلے مباشرت حرام ہے۔ لہٰذا اس کے واجب ہونے سے پہلے کفارہ ادا کیا جائے کیوں کہ کفارہ ادا کرنے کے لئے وجوب کفارہ کے سبب یعنی مباشرت کا پایا جانا ضروری ہے۔ پس جو شخص ظہار کو ختم کرنا چاہئے اسے مباشرت کا حکم دیا جائے گا جس طرح کہ مباشرت کے خواہش مند شخص کو عقد ازدواج کا حکم دیا جاتا ہے۔ آیت میں جو لفظ عود آیا ہے اس کے معنی خاص فطری طریقہ سے مباشرت کرنا ہے جو کفارہ کے واجب ہونے کا سبب ہے۔ لیکن ادائیگی کفارہ سے پہلے مباشرت کرنا حرام ہے۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ کفارہ واجب ہونے سے پہلے اس کا ادا کرنا درست ہے۔ اسی طرح جیسے قسم کا کفارہ قسم ٹوٹنے سے پہلے دیا جا سکتا ہے۔

اگر زوجین میں سے کوئی وفات پا جائے تو کفارہ ساقط ہو جائے گا کیوں کہ وہ ہنوز واجب نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ بیوی کو طلاق بائنہ دی ہو۔ لیکن اگر اس کے بعد وہ عورت پھر اس کی بیوی بن جائے تو کفارہ پھر عائد ہو جائے گا اور کفارہ دینے سے بیوی اس پر حلال نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی اور سے شادی کر لے اور پھر وہ پہلے خاوند کی زوجیت میں آ جائے تب بھی ادائے کفارہ سے پہلے اس سے مباشرت اور اس کے اعضائے بدن میں سے کسی حصہ سے نفع حلال نہ ہوگا۔ اگر مباشرت ہو گئی تو کفارہ اس پر عائد رہے گا اور موت یا طلاق سے وہ ساقط نہ ہوگا اور ان میں سے ایک ہی کفارہ کافی ہے۔

Marfat.com

کفارۂ ظہار ادا کرنے کے طریقوں کا بیان

کفارۂ ظہار ادا کرنے کے بموجب ترتیب مندرجہ ذیل تین طریقے ہیں ایک طریقہ مسلمان مملوک (یعنی غلام یا لونڈی) کا آزاد کرنا ہے [۱] اور ایسے شخص کے لئے جسے مقدور ہو یہی کفارہ لازم ہے۔ پھر اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو ماہ کے متواتر ساٹھ دن تک روزہ رکھنا یا قمری کے حساب سے دو مہینے پورے روزہ رکھنا بغیر اس کے کہ درمیان میں ایک دن بھی روزہ نہ چھوڑے۔ اگر کوئی شخص دو ماہ تک متواتر روزے رکھنے سے معذور ہو تو ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلائے۔ روزے سے معذوری کے ثبوت کے طریقے مسالک مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہیں۔ [۲]

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کفارہ ظہار کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ غلام یا لونڈی جسے آزاد کیا جائے وہ مسلمان ہو بلکہ کافر کا غلامی سے آزاد کرنا بھی جائز ہے۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ روزے سے معذوری کا ثبوت پانچ باتوں سے ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ شخص مریض ہو گو وہ مرض شدید نہ ہو اور دو ماہ تک جاری نہ رہے۔ دوسرا یہ کہ وہ شخص بہت ضعیف العمر ہو کہ روزہ نہ رکھ سکتا ہو تیسرا یہ کہ اس کے موجودہ مرض کے بڑھ جانے یا اس کے طول پکڑ جانے کا اندیشہ ہو چوتھا یہ کہ وہ شخص مغلوب الشہوت اور مباشرت کا حریص ہو کہ بیوی سے مباشرت کے بغیر نہ رہ سکتا ہو اور ایک کے سوا دوسری بیوی نہ ہو جس سے مقاربت کر سکے۔ پانچویں یہ کہ روزہ رکھنے سے ایسی کمزوری لاحق ہو جائے کہ اندیشہ ہو کہ وہ حصول معاش کے ذرائع اختیار نہ کر سکے اگر کوئی شخص ان حالات میں سے کسی حالت سے دوچار ہو اور ظہار سے عود کرے تو اسے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ روزہ رکھنے سے معذوری کا ثبوت ان چار باتوں سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ معالج کی رائے میں بگمان غالب وہ مرض دو ماہ تک جاری رہے گا یا پھر یہ کہ وہ مرض بالعموم اس عرصہ سے پہلے دور نہ ہوتا ہو اس میں سب سے بہتر بات یہ ہے کہ دیکھ لیا جائے کہ وہ مرض ایسا شدید ہے کہ جس سے شفایابی کی امید نہ ہو ہے۔ دوسرا یہ کہ روزہ رکھنے سے مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔ تیسرا یہ کہ روزہ رکھنے یا ساٹھ دن تک متواتر روزے سے سخت مشقت کا سامنا کرنا پڑے کہ بالعموم اس مشقت کا متحمل نہ ہو سکے چوتھا یہ کہ شہوت کا اس قدر غلبہ ہو کہ اتنے عرصہ تک مباشرت کے بغیر نہ رہ سکتا ہو پس جب ان باتوں میں سے کوئی بات درپیش ہو تو (روزے کی بجائے) ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلانا چاہئے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ روزے سے معذوری اس کے سوا نہیں کہ وہ شخص ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے شفایابی کی توقع نہ ہو یا ایسا مرض ہو کہ روزہ نہ رکھ سکتا ہو اگر کوئی مریض کفارہ ظہار دینے کے بعد مرض سے شفا پا جائے تو اس پر روزہ رکھنا واجب ہو جائے گا۔ موت کے واقع ہو جانے یا طلاق بائن سے جب کہ رجوع نہ کیا جائے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ روزے سے معذوری کا ثبوت ایسا مرض ہے جس کے بعد مریض میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ رہے اور جب تک کہ مرض ایسا نہ ہو کہ اس سے شفا پانے کی توقع نہ رہے اور آئندہ بھی روزہ رکھنے پر قادر ہونے سے مایوسی

Marfat.com

پھر کفارہ ظہار کے ان تینوں اقسام کی شرائط بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

ہو (روزہ رکھنے کی بجائے) مسکینوں کو کھانا کھلانے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ (معذوری کی صورت یہ ہے کہ مرض طویل ہو جائے اور یہ نہ کہا جا سکے کہ اس سے نجات ہو گی یا نہ ہو گی۔ بہت ممکن ہے کہ خاوند کو بیوی (کی خدمت) کی ضرورت ہو۔ ایسی صورت میں لازم ہے کہ (مسکینوں کو) کھانا کھلائے اور بیوی کو پاس رکھے۔ اس کے بعد (جب کہ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا ہو) اگر مرض سے آرام آ جائے تو وہ کھانا جو کھلا دیا (کفارہ کے لئے) کافی ہے۔ یہاں تک کہ گو وہ مرض ایسا ہو جس سے نجات کی امید کی جا سکے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ (کفارے کے) غلام کی بابت یہ شرط ہے کہ (جسے کفارہ میں آزاد کرنا ہے) اس کی غلامی کامل ہو اور یہ کہ اس شخص کی ملکیت میں ہو۔ نیز یہ کہ کفارہ کی نیت ہو اور وہ غلام ان عیوب سے خالی ہو جو اس کی افادیت کو ختم کر دیں مثلاً بالکل گونگا اور بہرا ہونا۔ کیوں کہ غلام کی جن باتوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے وہ اس کے سننے اور بولنے کی قوت ہے اور وہ معدوم ہے البتہ اگر وہ غلام کسی قدر سن سکتا اور بمشکل بول سکتا ہو تب بھی کفارہ کے طور پر اس کا آزاد کرنا درست ہے کیوں کہ شرط یہ ہے کہ اس میں حصول منفعت کی صلاحیت ہو۔ علی ہذا القیاس اگر مثلاً وہ غلام بھینگا ہے تو بھینگا پن کوئی ایسا عیب نہیں ہے بخلاف اندھا ہونے کے کہ اس کی بینائی سے جو کار برآری ہوتی وہ صلاحیت موجود نہیں ہے۔ اسی طرح وہ غلام جس کا ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کٹا ہوا ہو اور کامل غلامی کی جو شرط ہے اس سے مکاتب غلام خارج ہو گیا (مکاتب وہ غلام ہے جس کو ایک خاص رقم کی ادائیگی کی شرط پر آزادی کی تحریر دی گئی ہو) ایسے غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا درست نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ کتابت کی واجب الادا رقم ادا نہ کر سکتا ہو اور اب تک اس نے قرض کا کچھ حصہ بھی ادا نہ کیا ہو (تو درست ہے) اگر غلام دستیاب نہ ہو تو کفارہ کے لئے دو ماہ کے متواتر روزے رکھنے ہوں گے اس میں ماہ رمضان کے روزے اور یوم فطر یا یوم نحر اور ایام تشریق کے روزے بہ نیت کفارہ شامل نہیں کئے جا سکتے۔ ایسے شخص کے لئے ماہ رمضان میں مباشرت کرنا حلال نہیں ہے نہ رات کے وقت کے نہ دن میں۔ اگر دیدہ و دانستہ یا بھولے سے مباشرت کر لی تو یہ روزہ باطل ہو جائے گا اور اس پر لازم ہو گا کہ از سر نو پوری مدت کا روزہ رکھے یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ دن کے وقت قصداً مباشرت کی ہو۔ بھولے سے نہ کی ہو۔ اس فرق کا سبب یہ ہے کہ جو شخص ماہ رمضان میں دن کے وقت میں بھولے سے مباشرت کر لے تو اس کا روزہ باطل نہیں ہوتا اور اس صورت میں کفارہ منقطع نہیں ہوتا۔ اس بارے میں ایک قول ضعیف یہ ہے کہ دن کے وقت مباشرت کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے رات کے وقت مباشرت کرنا کہ اس سے کفارہ کا تسلسل ٹوٹ جائے گا خواہ یہ مباشرت قصداً ہوئی ہو یا سہواً البتہ اگر کسی اور عورت سے شادی کر کے رات کو مباشرت کر لی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر روزے کی حالت میں مباشرت کی تو اس کے روزے باطل ہو جائیں گے اور از سر نو کفارے کی مدت پوری کرنا ہو گی لیکن اگر دن کے وقت بھول سے مباشرت کر لی تو مضائقہ نہیں۔ اگر کسی معذوری مثلاً سفر کے باعث روزہ نہ رکھا تو سب روزے باطل ہو گئے۔ اگر ظہار کے روزوں کے درمیان یوم فطر، یوم نحر یا تشریق کے دن آ گئے تو سابقہ روزے باطل ہو جائیں گے اور از سر نو پوری مدت کفارہ کے روزے رکھنے ہوں گے اور چاند کے مہینوں کے اعتبار سے (دو ماہ کا) روزہ رکھنا درست ہے اگر چہ وہ مہینہ انتیس دن کے ہوں۔ اگر دونوں کی تعداد کے لحاظ سے روزے رکھے اور مہینوں کے اعتبار:

Marfat.com

سے نہیں رکھا یہاں تک کہ انسٹھ دن ہو گئے اور صرف ایک دن روزہ نہیں رکھا تو صوم (کفارہ) باطل ہو جائے گا اور از سر نو دو ماہ کا روزہ رکھنا ہوگا۔ اگر کوئی شخص روزے کی حالت میں بھول سے کھالے تو اس سے کوئی حرج نہ ہوگا۔ اگر کسی نے ایک دن کم دو مہینے تک روز رکھا اور آخری روز آفتاب غروب ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنے کے قابل ہو گیا تو وہ سب روزے باطل ہو جائیں گے اور (کفارہ میں) غلام کا آزاد کرنا لازم ہوگا لیکن اگر ساٹھویں روز (غروب آفتاب سے پہلے) غلام دستیاب ہو گیا اور اسے آزاد کرنے کے قابل ہو گیا تو اب اس غلام کا آزاد کرنا واجب نہ ہوگا۔ ان روزوں سے کفارہ پورا ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو ساٹھ محتاجوں کو بحساب ایک قدح اور ایک تہائی قدح کے برابر خوراک دے جیسا کہ اس کتاب کے حصہ دوم میں کفارہ قسم کے بیان میں بتایا جا چکا ہے۔ اگر کھانا کھلانے کے ایام میں بیوی سے مباشرت کر لی تو از سر نو کھانا کھلانا ضروری نہیں ہے چنانچہ اگر بیس مسکینوں اور فقیروں کو کھانا دینے کے بعد بیوی سے مباشرت کی تو گناہ ہوا لیکن بیس آدمیوں کا کھلانا رائیگاں نہ جائے گا۔ بلکہ اب صرف باقی ماندہ چالیس افراد کو کھلانا ہوگا۔ اگر کوئی شخص کھانا کھلانے سے معذور ہو تو کفارہ اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔

کفارہ ظہار کے متعلق تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کفارہ کے مسائل میں اس کا رکن۔ اس کے واجب ہونے کی شرط اور اس کا وقت اور اس کے صحیح ہونے کی شرط اور اس کے مصارف اور مصارف کی خصوصیات پھر ان کے متعلقہ احکام آتے ہیں۔ اب رکن (یعنی عمل کفارہ) تو وہ مقررہ افعال ہیں یعنی غلام کا آزاد کرنا۔ روزے رکھنا اور کھانا کھلانا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے اس کا واجب ہونا اس امر پر موقوف ہے کہ وہ شخص ادائے کفارہ پر قادر ہو اور کفارہ واجب اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ شخص مباشرت کا عزم دائمی کرلے۔ اگر قصد مباشرت کے بعد اس سے رجوع کر لیا تو کفارہ واجب نہ ہوگا اور اس کے درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ ادائیگی کے وقت کفارہ کی نیت ہو۔ اگر بغیر نیت کے کفارہ ادا کیا اور بعد میں ادائیگی کی نیت کی تو یہ جائز نہ ہوگا اور اگر کھانا کھلانے کی صورت میں کفارہ ادا کرنا ہو تو اس کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے۔ البتہ کفارہ ذمی پر خرچ کیا جا سکتا ہے حربی کو نہیں دیا جا سکتا (حربی وہ شخص ہے جو مسلمانوں سے برسر جنگ ہو) اور کفارہ کی صفت (یا خصوصیت) یہ ہے کہ یہ ایک سزا ہے جو ظہار کرنے پر جو آئد ہوتی ہے۔ تاہم کفارہ (بجائے خود) ایک عبادت ہے کیونکہ کہ یہ صاحب شریعت علیہ السلام کے حکم کی بجا آوری کا نام ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس شخص پر جو امر واجب ہوتا ہے وہ ادا ہو جاتا ہے اور اس میں جو ثواب ہوتا ہے وہ اس امر کا متقاضی ہے کہ سرزد خطا کی تلافی ہو جائے۔

اب رہا یہ امر کہ آیا کفارہ کی ادائیگی بتاخیر ہو سکتی ہے یا فوری طور پر ادا کرنا واجب ہے؟ اس بارے میں دو مختلف رائیں ہیں۔ لیکن یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ خاوند کو ادائیگی کفارہ پر مجبور کیا جانا چاہئے تاکہ خاوند کی مفارقت سے بیوی مشکل میں نہ پڑ جائے۔ پس دونوں میں سے صحیح رائے یہی ہے کہ ادائے کفارہ فوری طور پر واجب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ کفارہ کے تمام طریقوں میں نیت ادائے کفارہ شرط ہے۔ خواہ غلام کا آزاد کرنا ہو یا روزہ رکھنا یا کھانا کھلانا۔ تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ ادائے کفارہ کے وقت نیت کی جائے۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے یہ نیت کر لی کہ وہ اس غلام کو کفارہ ظہار میں آزاد کر دے گا لیکن اس کے آزاد کرنے میں عرصہ گزر گیا اور آزاد کرنے کے وقت خالی الذہن تھا تو یہ کفارہ درست ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ادائے کفارہ کی نیت بر وقت واجب ہے۔ ہاں روزہ کفارہ کی نیت رات کو کی جا سکتی

Marfat.com

ہے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ کفارہ کو ظہار کے ساتھ وابستہ کیا جائے' چنانچہ اگر ایک شخص ہر ماہ رمضان کے روزوں کا اور ظہار کے روزوں کا کفارہ لازم ہو اور بغیر کسی تعین کے کفارہ ادا کر دیا گیا تو دونوں کفاروں میں سے صرف ایک کفارہ ادا ہو جائے گا اور بقیہ صرف ایک کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ لیکن تعین کفارہ میں غلطی ہوئی بایں طور کہ کفارہ ظہار ادا کرنا تھا اور روزہ کے کفارہ کی نیت سے کفارہ ادا کیا تو یہ درست نہ ہوگا۔ کفارہ ظہار میں آزاد کئے جانے والے غلام کا مسلمان ہونا شرط ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ غلام ایسے عیوب سے خالی ہو جو واضح طور پر خدمت کی انجام دہی میں خلل انداز ہو اگر غلام کم عمر ہو یا عمر رسیدہ ہو یا گنجا یا کانا یا بہرا یا گونگا ہو جو اشارہ کو سمجھ سکے تو اسے کفارہ میں آزاد کیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ ایسے اشخاص سے امور معاش میں کام لینا ممکن ہے اور کفارہ میں غلام کا آزاد کرنا اس صورت میں واجب ہے جب کہ وہ شخص کسی غلام کا مالک ہو یا اتنے مال کا مالک ہو کہ اپنے اور اپنے متعلقین کے روٹی کپڑا کے علاوہ' جس کی عمر کے بیشتر حصہ میں ضرورت پڑتی ہے' غلام کی قیمت ادا کر سکے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شرط نہیں بلکہ یہ شرط ہے کہ وہ شخص اتنے مال کا مالک ہو کہ وہ اپنے اور اپنے زیر کفالت افراد کے سال بھر تک خرچ برچ کا کفیل ہو سکے۔ بایں طور کہ اگر وہ کوئی غلام خریدے تو اسے یا اس کے متعلقین کو مشکل پیش نہ آئے۔ گو بعض دوسرے فوائد سے محروم ہونا پڑے۔ ایسے شخص کو کفارہ عتاق لازم ہے۔ اگر ایک شخص غلام کا مالک تو ہے لیکن مریض یا عمر رسیدہ ہونے کے باعث یا کسی اور وجہ سے اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تو اس پر غلام ہی کا آزاد کرنا واجب نہیں ہے اور یہ بھی لازم نہیں ہے کہ وہ کفارہ کے لئے غلام خریدنے پر گھر کا سامان یا تجارت کا سرمایہ یا ایسے مویشی جن کی ضرورت پڑتی ہے فروخت کر دے۔ غرض جو شخص غلام آزاد کرنے کا مقدور نہ رکھتا ہو وہ اس کی بجائے روزے رکھ کر کفارہ ادا کرے۔ ادائے کفارہ سے معذوری اس وقت کی معتبر ہے جب کفارہ دینا ہو نہ کہ اس وقت جب کہ کفارہ واجب ہوا کیونکہ کفارہ تو ظہار کرنے کے ساتھ ہی واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن فوراً واجب الاداء نہیں ہوتا۔ تاہم ادائے کفارہ میں تاخیر کرنا حرام ہے۔ کفارہ کے روزے متواتر دو ماہ کے ہیں لیکن دو ماہ کے متواتر روزہ کی نیت ضروری نہیں صرف کفارہ کی نیت سے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اگر ایک دن کا روزہ بھی (دو ماہ کے دوران) چھوٹ جائے خواہ مرض (لاحق ہو جانے) سے ہو یا سفر (درپیش آنے سے) تو تسلسل جاتا رہے گا (اور نئے سرے سے دو ماہ کا روزہ رکھنا ہوگا) خواہ روزے کے ساٹھ دنوں میں سے صرف آخری دن کا روزہ رہ گیا ہو۔ ہاں اگر کوئی شخص (روزوں کے دوران) پورا ایک دن بے ہوشی کی حالت میں رہا ہو تو اس سے تسلسل نہیں ٹوٹے گا۔ اگر کوئی شخص بطریق بالا روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو اس کی بجائے ساٹھ غریبوں کو اسی طرح کھانا کھلائے جس طرح کہ کتاب کے دوسرے حصہ کے ربع اول کے اواخر میں بتایا گیا۔ اگر کوئی شخص ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے معذور ہو تو یہ کفارہ اس کے ذمہ قرض رہے گا کہ جب کبھی بن پڑے اسے ادا کرے۔ لیکن روزوں اور یا غلام آزاد کرنے کے کفارہ کو اجزاء میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ پھر جو شخص کھلانے کا کفارہ بھی ادا کرنے سے قاصر ہو اسے بیوی سے مباشرت جائز ہے' اگرچہ ترک مباشرت میں دشواری نہ ہو اور جب کوئی شخص کفارہ کا کھانا کھلانے کے دوران روزہ رکھنے یا غلام آزاد کرنے کے قابل ہو جائے تو کھانا کھلانے کو چھوڑ کر روزہ یا عتق رقبہ سے (غلام آزاد کر کے) کفارہ دے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ (کفارہ عتق کی صورت میں) یہ شرط ہے کہ وہ غلام (جسے آزاد کرنا ہے) مسلمان ہو اور جرم کا

Marfat.com

مرتکب نہ ہوا ہو اور یہ کہ عیوب سے خالی ہو لہٰذا اندھے' گونگے یا قریب المرگ غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔
البتہ کانا' غصب کردہ یا رہن شدہ غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس پر جو قرضہ ہے وہ ادا کر دیا گیا ہو اور ایسا غلام ہو جو مرض خفیف میں مبتلا ہو یا معمولی یا عیب رکھتا ہو مثلاً کسی قدر لنگ کرتا ہو تو مضائقہ نہیں۔ اگر وہ شخص غلام کا مالک نہ ہو اور تنگدست ہو کہ غلام خرید نہ سکے یا اس کا کوئی غلام اس کے لئے ناگزیر ہو اور اس کے سوا کوئی اور غلام نہ ہو تو ایسے شخص کو جائز ہے کہ روزہ رکھ کر کفارہ ادا کرے اور اس پر لازم ہے کہ کفارہ ظہار کی نیت سے دو ماہ قمری حساب سے مسلسل روزہ رکھے اس کے لئے مہینے کی پہلی تاریخ کو ایک بار نیت کر لینا کافی ہے۔ اگر روزے کا آغاز مہینے کے درمیان کسی تاریخ سے کیا ہے تو اس مہینے کے تیس دن پورے کرے اگر ایک شخص نے (کفارہ کے) تین روزے رکھے اور چوتھے روز وہ اس قابل ہو گیا کہ غلام (خرید کر) آزاد کر سکے تو اس پر واجب ہے کہ کفارہ کے روزے جاری رکھے اور غلام آزاد کرنے کا ارادہ نہ کرے۔ البتہ اگر وہ روزہ کسی وجہ سے ٹوٹ جائے تو لازم ہو جائے گا کہ کفارہ میں غلام آزاد کرے۔ اگر (روزے کے دوران) چار دن سے کم عرصہ میں غلام آزاد کرنے کے قابل ہو جائے اور وہ روزے کا پہلا دن ہے دوسرے دن کا روزہ شروع نہیں ہوا تو غلام کا آزاد کرنا اور اس روزہ کو پورا کرنا واجب ہوگا۔ بصورت دیگر (اس روزے کی تکمیل) فعل مستحب ہے۔

ظہار کنندہ اگر کفارے کی حالت میں اپنی بیوی سے مباشرت کرلے تو روزے کا تسلسل ٹوٹ جائے گا۔ خواہ یہ اقدام اس شخص نے دن کے اخیر حصہ میں کیا ہو اس کے بعد کفارے کی مدت کا آغاز ازسرنو ہوگا خواہ وہ مباشرت قصداً کی ہو یا بھولے سے اور رات کے وقت ہو یا دن میں۔ ہاں اگر اس شخص نے اپنی ایسی بیوی سے مباشرت کی جس سے ظہار نہیں کیا تھا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر دن میں قصداً مباشرت کی تو تسلسل ٹوٹ جائے گا۔ ہاں اگر بھولے سے مباشرت کر لی تو بقول مشہور تسلسل منقطع نہ ہوگا۔ اگر سفر پیش آ جانے کے باعث یا اس مرض کی وجہ سے جو سفر کرنے سے لاحق ہوا یا ایسے مرض کا اندیشہ ہو اور اس لئے روزہ ترک کیا تو تسلسل منقطع ہو جائے گا۔ اگر ایسا مرض لاحق ہو جس کا سفر سے کوئی تعلق نہیں اور اس کی وجہ سے روزہ چھوٹ گیا تو اس سے تسلسل منقطع نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حالت اقامت میں بیمار ہو کہ روزہ چھوڑ دے تو روزے کا تسلسل نہیں ٹوٹے گا اور کفارہ کے روز کے ساتھ ملا کر قضا شدہ روزہ رکھنا ہوگا اگر کوئی شخص کفارہ کا روزہ رکھنے لگے اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ عید کا دن آ جائے گا جو اس کے کفارہ کے روزوں میں خلل انداز ہوگا' یہاں تک کہ عید کا دن آ گیا اور اس نے روزہ نہ رکھا تو صیام کفارہ کا تسلسل منقطع نہ ہوگا لیکن اگر وہ جانتا تھا اور عید کا دن آ گیا اور اس دن بھی اس نے روزہ رکھ لیا تو تسلسل ٹوٹ جائے گا اگرچہ اسے یہ معلوم ہو کہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔

اس طرح اس صورت میں بھی جب کہ رمضان کا علم نہ ہو (یہی حکم ہے) اگر کوئی شخص بطریق مذکورہ روز رکھنے سے معذور ہو تو بموجب ان شرائط کے جو اس کتاب کے دوسرے حصہ میں ربع اول کے اخیر میں بتائے گئے ہیں (مسکینوں کو) کھانا کھلا کر کفارہ ادا کرے اور کفارہ ساقط نہ ہوگا بجز اس صورت کے کہ (مظاہر کی) وفات ہو جائے یا یہ کہ طلاق بائن (زوجیت کو ختم کرنے والی طلاق) ہو جائے۔ یاد رہے کہ کھانا کھلانے سے عاجز ہونے کی صورت میں کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ بجز ایسے شخص کے جو غلام کا مالک ہو یا جسے مناسب قیمت پر یا اتنی گراں قیمت پر جو خریدار کی

Marfat.com

عدت کا بیان اور اس کی تعریف

عدت کا لفظ از روئے لغت مادہ 'عدۃ' سے بنا ہے۔ یہ لفظ تعداد کے معنوں میں مصدر خلاف قیاس ہے۔ عد کے معنے شمار کرنے کے ہیں چنانچہ کسی شے کا شمار کر لیا جائے تو کہتے ہیں کہ عددت الشی عدا (یعنی فلاں شے کی گنتی گن لی گئی) اس کا مصدر قیاسی عد (بمعنی شمار) ہے بولنے میں کہ عدالشی عدا (یعنی اس چیز کی تعداد اس نے گن لی)۔ اسی طرح رُدردًا بھی ہے (یعنی اسے واپس دے کر رد کر دیا)۔ لغۃً اس کا اطلاق عورت کے ایام حیض وطہر پر ہوتا ہے۔ لیکن اصطلاحِ شرع میں اس لفظ کے یہ معنے نہیں ہیں کیوں کہ اس کے شرعی معنے محض ایام ماہواری کے نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب (دوسری) شادی کے لئے ان ایام کے پورا ہو جانے کا انتظار کرنا ہے۔ مزید برآں اس کے شرعی مفہوم میں زیادہ وسعت ہے۔ محض مدت حیض و مدت طہر کے انتظار کے علاوہ کبھی کچھ مہینوں کے گزرنے کا انتظار کرنا اور وضع حمل کا انتظار کرنا بھی عدت کہلاتا ہے

تباہی کا موجب نہ ہو غلام کا خرید لینا ممکن ہو' غلام آزاد کر کے کفارہ دینا لازم نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ایسے مال کا مالک ہو جو سر دست اس کے پاس موجود نہیں ہے اس پر بھی کفارہ میں غلام کا آزاد کرنا لازم ہے۔ بشرطیکہ اس غلام کی قیمت خود اس شخص (مظاہر) کی ضروریات اور اس کے زیر کفالت افراد مثلاً بیوی' بچے' اولاد' ملازم اور قرابت داروں کے خرچ برچ' مکان' نوکری' سواری اور حسب حیثیت لباس' علمی کتابوں اور رقم قرض واجب الاداء وغیرہ سے فالتو ہو۔ پھر یہ بھی شرط ہے کہ وہ غلام مسلمان ہو اور یہ کہ اس میں کوئی ایسا عیب نہ ہو جس کے باعث وہ نمایاں طور پر ناکارہ ہو گیا ہو مثلاً اندھا یا گنجا ہو ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے شفایاب ہونے کی توقع نہ ہو۔ اگر غلام دستیاب نہ ہو تو کفارہ گزار کو مسلسل دو ماہ کا روزہ رکھنا واجب ہے۔

اگر کفارہ کے روزوں کے دوران رمضان کا مہینہ یا عید اور ایام تشریق آ جائیں یا جنون لاحق ہو جائے یا کوئی اور خطرناک مرض یا بے ہوشی لاحق ہو جائے یا بھولنے سے مجبوراً روزہ ٹوٹ جائے یا کوئی ایسا عذر درپیش ہو جس میں روزہ نہ رکھنا روا ہے مثلاً سفر وغیرہ تو تسلسل نہیں ٹوٹتا۔ اگر ظہار کنندہ رات کو یا دن کے وقت مباشرت کر لے خواہ قصداً کی ہو یا بھولے میں ہو تو تسلسل ٹوٹ جائے گا۔ البتہ کسی اور بیوی سے جس سے ظہار نہ کیا ہو رات کے وقت یا دن میں بھولے سے مباشرت کی گئی تو تسلسل نہیں ٹوٹے گا۔ اگر ظہار کنندہ روزہ رکھنے سے معذور ہو تو اس پر واجب ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے جیسا کہ اس کتاب کے حصہ دوم کے ابتدائی ربع کے اواخر میں بتایا گیا ہے۔ اگر ایک شخص نے ظہار کے کفارہ کا کھانا کھلانے کے دوران اپنی اس بیوی سے جس سے ظہار ہوا ہو مباشرت کر لی تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

Marfat.com

بہرحال عدت کے شرعی معنے بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اصطلاح عدت کی دو تعریفیں مشہور ہیں ایک یہ ہے کہ عدت وہ مدت مقرر ہے جو نکاح یا ہم بستری کے آثار ختم ہو جانے کے لئے رکھی گئی ہے۔ اس تعریف میں الفاظ ''مدت مقررہ'' میں حسب ذیل صورتیں شامل ہیں۔ حیض والی عورتوں کی عدت تین قروء (یعنی تین بار ایام ماہواری کا آنا) ہے اور ایسی عورتیں جنہیں عمر رسیدہ ہو جانے یا کم عمر ہونے کے باعث ایام ماہواری نہیں آتے ان کی مدت عدت تین ماہ ہے۔ حاملہ عورت کی وضع حمل تک ہے۔ اور ایسی عورت جس کے خاوند کی وفات ہو چکی ہے اور حاملہ نہیں ہے اس کے عدت کی مدت چار ماہ دس روز ہے اور تعریف میں جو آیا ہے کہ عدت آثار نکاح سے جو کچھ باقی ہے اسے ختم ہو جانے کے لئے ہوتی ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کے کچھ مادی آثار ہوتے ہیں جیسے حمل کا ہو جانا اور کچھ اخلاقی جیسے خاوند کا احترام۔

یہ مدت اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ یہ آثار ختم ہو جائے (یعنی نہ خاوند کا حمل رہے نہ احترام خاوندی رہے تا کہ عورت نکاح ثانی کے لائق ہو جائے) اور لفظ نکاح میں نکاح صحیح نکاح فاسد اور نکاح مشتبہ سب شامل ہیں۔ نکاح صحیح کی صورت میں یہ دو باتیں ہو چکی ہیں تو (طلاق کے بعد) عدت واجب ہوگی: (وہ دو باتیں) مباشرت اور خلوت (ہیں) پس اگر ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کر لی اور مباشرت ہوئی تو اس پر عدت واجب ہوگی۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ بیوی سے تخلیہ ہوا ہو گو مباشرت نہیں کی تب بھی عدت واجب ہوگی۔ لیکن اگر نکاح فاسد کے بعد تخلیہ ہوا ہو تو تخلیہ ہونے سے عدت واجب نہ ہوگی کیوں کہ اس طرح کے نکاح سے احترام خاوند عائد نہیں ہوتا بخلاف نکاح صحیح کے کہ اس صورت میں میاں بیوی کا تخلیہ ایک خاص مقام رکھتا ہے جس کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ کیوں کہ بسا اوقات ان میں باہم ایسی وابستگی ہو جاتی ہے کہ اگر ان میں مفارقت ہو جائے تو انہیں پچھتانا پڑتا ہے اور عدت کے دوران مرد کو رجوع کرنے کا موقع حاصل ہوتا ہے پس اگر کسی شخص نے گواہوں کے بغیر کسی عورت سے شادی کر لی اور مباشرت ہوگئی پھر علیحدگی ہوئی تو علیحدگی کے وقت سے عدت کا آغاز ہوگا۔ خواہ یہ علیحدگی حاکم کے فیصلہ سے ہوئی ہو یا کسی اور طرح۔ لیکن اگر محض تخلیہ ہوا اور مباشرت نہیں ہوئی تو (تفریق کے بعد) کوئی عدت نہیں ہے۔

اور یہی کیفیت اس عورت کی ہے جسے طلاق رجعی ملی ہو۔ کیوں کہ اس طلاق میں شریعت نے (طلاق کے بعد) ایک خاص مدت ایسی قرار دی ہے جس میں نکاح باقی رہتا ہے اور وہ مدت ایام عدت ہیں۔

تعریف میں 'ہم بستری' کا جو لفظ آیا ہے اس سے تعریف میں وہ لونڈی بھی آ گئی جو نکاح سے نہیں بلکہ کسی اور طرح ایک شخص کی جائز ملکیت میں آئی ہو اور اس سے مباشرت ہو چکی ہو۔

پس (عدت کی) یہ تعریف جامع بھی ہے مانع بھی (جامع وہ تعریف ہے جو کسی شے کے جملہ افراد پر منطبق ہو اور مانع وہ تعریف ہے جو اس شے کے علاوہ اور کسی پر منطبق نہ ہو) لہٰذا شریعت کی اصطلاحی عدت کی یہ سب سے بہتر تعریف ہے۔

Marfat.com

عدت کی دوسری تعریف یہ کی جاتی ہے کہ عدت وہ مقررہ مدت ہے جس میں نکاح ختم ہو جانے کے بعد عورت کو بے نکاحی حالت میں ٹھہرنا پڑتا ہے' خواہ وہ نکاح صحیح ہوا ہو یا مشکوک نکاح ہو' لیکن مباشرت ہو چکی ہو یا ناکح وفات پا گیا ہو۔ اس تعریف میں ٹھہرے رہنے کا جو لفظ ہے اس کے معنے انتظار کرنے کے ہیں اور مقررہ مدت سے مراد شریعت کا مقرر کردہ وقت ہے۔ جیسا کہ بتایا گیا۔ اس عرصہ میں عورت کے انتظار کے یہ معنے ہیں کہ اس مدت کے گزر جانے کا انتظار کرے تا کہ اس کے بعد اسے شادی کرنا اور بناؤ سنگھار کرنا حلال ہو جائے۔ اس عرصہ کے اندر (یعنی عدت کے دوران) اسے اس کی اجازت نہیں ہے۔ تعریف کے باقی الفاظ کا مطلب ظاہر ہے۔ اس تعریف پر تین اعتراضات ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس تعریف میں طلاق رجعی یافتہ عورت کی عدت نہیں آتی کیوں کہ اس میں کہا گیا ہے کہ نکاح ختم ہونے کے بعد عدت ہو گی اور طلاق رجعی کے بعد مطلقہ رجعیہ کا نکاح باقی رہتا ہے (حالانکہ اس کی بھی عدت ہوتی ہے)۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ تعریف میں کہا گیا ہے کہ (ایام عدت میں) عورت پر لازم ہے کہ وہ ان ایام کے خاتمہ کا انتظار کرے۔ اس تعریف سے کم عمر (نابالغ لڑکی) کی عدت خارج ہو گئی' کیوں کہ اس پر لزوم کا حکم عائد نہیں ہوتا۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس تعریف میں لونڈی کی عدت نہیں آتی۔ کیوں کہ تعریف میں یہ بتایا گیا ہے کہ نکاح ختم ہونے کے بعد عدت لازم ہوتی ہے (حالانکہ لونڈی کا نکاح ہی نہیں ہوتا)۔

غرض یہ ہے کہ پہلی تعریف زیادہ واضح اور (سب صورتوں پر) حاوی ہے پہلی تعریف میں یہ بات نہیں آئی کہ یہ (عدت) ایسا سبب ہے کہ ایسی عورت کے ساتھ شادی نہیں ہو سکتی جب تک کہ سبب (مانع) دور نہ ہو جائے۔ ذکر تعریف میں اس لئے نہیں آیا کہ عدت کے اوقات مقررہ میں شادی کرنے کی جو ممانعت آئی ہے وہ اس بناء پر ہے کہ سابقہ شادی کا اثر ختم ہو جائے اور ظاہر ہے کہ اس کا تعلق مرد سے نہیں ہے بلکہ عورت سے ہے چنانچہ اگر مثلاً ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی اور اسے طلاق دے دی۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی بہن سے شادی کرے تو اسے ایسا کرنے سے منع کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کی مطلقہ بیوی کی عدت پوری ہو جائے لیکن اس مدت کو مرد کے لئے عدت قرار نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ یہ اس عورت کی عدت ہے رہی شادی سے ممانعت جو اس شخص کو کی گئی ہے وہ اس لئے ہے کہ طلاق یافتہ بیوی کی غیرت متاثر نہ ہو اور وہ خاوند کی طرف سے مایوس ہو جائے۔ مبادا اسے اپنی بہن سے شدید قسم کے حسد میں مبتلا ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شخص بیوی کی وفات پر اس کی بہن سے بغیر کسی مزید انتظار کے شادی کر سکتا ہے۔ اس طرح اگر بیوی مرتد ہو کر دارالحرب میں چلی جائے تب بھی وہ بیوی کی عدت کا انتظار کئے بغیر اسی طرح اس کی بہن سے شادی کر سکتا ہے جیسے کہ وہ مر گئی ہو۔

چنانچہ دوسری تعریف میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ عدت گزارنا عورت کے لئے خاص ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ مدت عدت کے پوری ہو جانے کا انتظار عورت پر لازم ہے مرد پر نہیں ہے بناء بریں مرد کے لئے بغیر شادی کئے بیوی کی عدت پوری ہو جانے کا انتظار کرنا کوئی شرعی عدت نہیں ہے پھر جاننا چاہئے کہ مرد کو کبھی تو اپنی بیوی کی عدت پوری ہونے کا انتظار کرنا پڑتا ہے اور کبھی اس کا کوئی اور سبب ہوتا ہے۔ پہلی صورت تو یہی ہے کہ ایک شخص اپنی مطلقہ بیوی کی بہن سے شادی کرنا

Marfat.com

چاہتا ہو جیسا کہ اوپر ذکر اس میں بیوی کی پھوپھی اس کی خالہ اس کی بھتیجی اور اس کی بھانجی بھی ہیں کہ ان عورتوں میں سے وہ کسی سے شادی نہیں کر سکتا جب تک کہ طلاق بائنہ کے بعد بیوی کی عدت نہ ختم ہو جائے۔ اسی طرح اگر ایک شخص کی چار بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے کسی کو طلاق دے دے تو جب تک کہ اس طلاق بائنہ بیوی کی عدت پوری نہ ہو جائے وہ پانچویں بیوی سے شادی نہ کرے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ اس عورت سے نکاح صحیح کے بعد مباشرت ہوئی ہو یا نکاح فاسد کے بعد یا شبہ کا نکاح ہوا ہو اور ان میں تفریق کرا دی گئی ہو بہر حال اس عورت کی عدت گزارنا لازم ہے اور جب تک کہ اس کی عدت پوری نہ ہو جائے وہ شخص پانچویں عورت سے شادی نہ کرے۔ یہی صورت اس عورت کی ہے جسے اجنبی شخص نے طلاق دی ہو اور وہ عدت میں ہو۔ عدت گزارنے سے پہلے اس کے ساتھ شادی کرنا حلال نہیں ہے غرض جب تک وہ عورت عدت میں ہے اس کے ساتھ شادی ممنوع ہے لیکن اگر اس شخص نے طلاق دے دی اور وہ مقررہ عدت میں ہے تو دوران عدت دوبارہ اس سے شادی کر سکتا ہے۔

(مرد کے لئے عدت پوری ہونے کا انتظار کرنے کے) دوسرے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے اور پھر اس سے دوبارہ شادی کرنا چاہے تو اب وہ اس شخص پر حلال نہ ہوگی تا آنکہ وہ عورت کسی اور سے شادی کرے اور پھر دوسرا شخص بھی طلاق دے دے اور دوسرے شخص کی طلاق کے بعد عدت گزر جائے۔

ایک اور صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ناجائز حمل والی عورت سے شادی کرے تو یہ نکاح ہو جائے گا لیکن جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے اس عورت سے مباشرت حلال نہیں ہے تاہم اس وضع حمل (ناجائز) کو عدت کا پورا ہونا قرار نہیں دیا جائے گا کیوں کہ اگر اسے عدت مان لیا جائے تو اس حالت میں اس کے ساتھ عقد ہی درست نہ ہوتا۔ ایسی ہی مثال اس حربیہ (کافرہ) کی ہے جو حمل سے ہو اور دارالاسلام میں آ کر مسلمان ہو جائے اور اس سے کوئی شخص شادی کر لے۔ اس کے ساتھ بھی نکاح تو درست ہے لیکن وضع حمل سے پہلے مباشرت حلال نہیں ہے۔ اسی طرح قید میں آئی ہوئی عورت کو اگر حیض آتے ہیں تو اس سے مباشرت حلال نہ ہوگی جب تک کہ ایک بار اسے ایام ماہواری نہ آ جائے بصورت دیگر ایک ماہ انتظار کرنا ہوگا۔ بت پرست' مرتدہ اور مجوسی (آتش پرست) عورت بھی حلال نہیں ہے جب تک کہ مسلمان نہ ہو جائے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ عقد ازدواج ممنوع ہے اور حاصل کلام یہ ہے کہ اسباب مانع عقد کی موجودگی میں شادی کرنا منع ہے اور جب ممانعت کا سبب دور ہو جائے تو ممانعت بھی ختم ہو جائے گی۔ پھر جاننا چاہئے کہ جس عرصہ میں مباشرت ممنوع ہے وہ کبھی تو عورت کے ایام عدت ہوتے ہیں اور کبھی استبراء (یعنی حمل سے سبکدوشی) کا زمانہ اور کبھی کفر کی حالت وغیرہ ان اوقات سے جو انتظار (یا توقف و تعطل) اختیار کیا جاتا ہے اسے عدت نہیں کہتے۔

تفصیل بالا سے واضح ہے کہ عدت کا رکن (یا جزو لازم) وہ امر ہے جو ایک خاص وقت میں عورت پر عائد ہوتا ہے جس سے تجاوز کرنا حرام ہے۔ یعنی ان اوقات میں عورت پر لازم ہوا ہے کہ کسی کے ساتھ شادی نہ کرے اور ایسے بناؤ سنگھار سے جو بالعموم خاوند کے لئے کیا جاتا ہے۔ دوران عدت جب کہ اس کا سبب اور اس کی شرط (لوازم) موجود ہوں' باز

Marfat.com

رہے۔ عدت کے واجب ہونے کے تین اسباب ہیں۔ ایک سبب عقد صحیح ہے کہ اگر (باقاعدہ نکاح میں آئی ہوئی بیوی کا) خاوند وفات پا جائے تو بیوی پر عدت واجب ہوتی ہے اگرچہ خاوند سے مباشرت نہ ہوئی ہو اور خواہ بیوی کم عمر (نابالغ) ہو یا بڑی ہو اس صورت میں عدت کے دو سبب ہیں: عقد صحیح اور خاوند کی وفات' پس خاوند کا محض وفات کو عدت کا موجب قرار دینا بے معنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عدت کا موجب باقاعدہ عقد ازدواج میں آئی ہوئی بیوی کے خاوند کی وفات ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔

دوسرا سبب مباشرت ہے خواہ یہ مباشرت نکاح صحیح (یعنی باقاعدہ نکاح) کے بعد ہوئی ہو یا نکاح فاسد کے بعد یا (بیوی کے) شبہ میں (غیر عورت سے) مباشرت ہوگئی ہو۔ عقد باطل کی مباشرت یا زنا کی عدت نہیں ہوتی۔ عقد فاسد اور عقد باطل کا فرق اس کتاب کے سُدس ثانی کے اوائل میں بیان ہو چکا ہے اور شبہ میں مباشرت ہو جانے کا بیان بھی آ چکا ہے وہاں پر ملاحظہ ہو۔ عقد فاسد میں مباشرت ہونے سے عدت واجب نہیں ہوتی جیسا کہ پہلے بتایا گیا اور عقد باطل ہو تو بدرجہ اولیٰ عدت واجب نہ ہوگی۔

تیسرا سبب بقول معتبر خلوت (میاں بیوی کا تنہائی میں رہنا) ہے خواہ یہ خلوت صحیحہ ہو یا خلوت فاسدہ جیسا کہ اس کتاب کے سُدس ثانی کے اوائل میں بتایا گیا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ عدت اس مدت کا نام ہے جس میں طلاق پانے' خاوند کی وفات ہو جانے یا فسخ نکاح کے بعد کسی عورت کا شادی کرنا منع ہے۔ اس تعریف میں شادی کے منع ہونے کا جو ذکر ہے اس میں وہ مدت شامل ہے جس میں مرد کو شادی کرنے کی ممانعت ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص چار بیویوں کا خاوند ہے اور ایک بیوی کو طلاق دے دے۔ یا کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس کی بہن سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے بھی عدت ہے۔ ان صورتوں میں مرد کا بقول بعض اصحاب (بیوی کی عدت پوری ہونے تک) توقف کرنا خاوند کی عدت کہا جاتا ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مرد کے شادی سے باز رہنے کی مدت کو عدت نہیں کہا جاتا۔ بناء بریں عدت کی تعریف میں عورت کی تخصیص ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ عدت وہ مدت ہے جس میں عورت کو شادی کرنے کی ممانعت ہے۔ بعض اصحاب یوں کہتے ہیں کہ عدت نام ہے اس مدت کا جس میں فسخ نکاح یا خاوند کی موت یا طلاق کے بعد عورت کا حمل سے پاک ہونا ثابت ہو۔ اس تعریف کی رو سے مدت (عدت کے مفہوم سے خارج ہوگئی) جس میں مرد کو (شادی کے لئے) توقف کرنا پڑتا ہے۔ اس تعریف پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ عدت تو اس عورت کی بھی ہوتی ہے جس کا حمل سے پاک ہونا ثابت ہوتا ہے مثلاً کم عمر (نابالغ) لڑکی (اس کی عدت سے کیا فائدہ؟) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عدت کی بنیادی غرض برات رحم ہے (یعنی عورت کا حمل سے پاک ہونا) لیکن یہ جواب قوی نہیں ہے کیوں کہ اس امر کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ عدت کی بنیادی غرض یہی ہے۔ اگر بالفرض اسی کو بنیادی غرض مان لیا جائے تب بھی یہ تعریف بہرحال ناقص ہی ہے۔ پس وہی تعریف جو پہلے بتائی گئی صحیح ہے کیوں کہ شریعت نے ایک خاص مدت کے لئے عورت پر پابندی لازم کردی ہے کہ وہ اس کے دوران شادی نہ کرے۔ اب خواہ اس

Marfat.com

کا مقصد استبراء ہو یا محض حکم الٰہی کی بجا آوری جیسا کہ فقہاء کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مباشرت نکاح فاسد یا شبہ کی بناء پر ہوئی یا زنا کیا تو اس کے لئے عدت واجب نہیں ہے۔ حالانکہ ان تمام صورتوں (کی مباشرت) میں عدت واجب ہے۔ خواہ وہ مباشرت فعل حرام کے طور پر (بیوی کے شبہ میں) ہوئی یا نکاح فاسد کی بناء پر یا جبراً کرائی گئی بہر حال بلا تفریق لازم ہے کہ ایام عدت پورے کر کے استبراء یا (رحم کو پاک) کر لیا جائے۔ البتہ زنا کی صورت میں اس مقصد کے لئے استبراء ہو کہ اس کے بعد حد (سزائے شرعی) نافذ کی جائے نہ کہ اس لئے کہ وہ شادی کرے۔ ایسی عورت کے لئے استبراء کی مدت صرف ایک حیض رکھی گئی ہے۔ اس سے پہلے اسے قتل نہ کیا جائے گا کہ مبادا وہ حاملہ ہو یہی حکم مرتدہ (اسلام سے پھر جانے والی عورت) کا ہے کہ ایک حیض کے عرصہ تک استبراء سے پہلے اسے قتل نہ کیا جائے گا اور ایسا ہی لعان کی صورت میں (جبکہ زوجین میں تفریق کرادی جائے) عمل ہوگا۔ اس کی تفصیل لعان کے بیان میں آ رہی ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ لونڈی کی عدت آزاد عورت (کی مدت عدت) سے نصف ہے لیکن اگر اسے حیض آتے ہوں تو دو بار ایام ماہواری کا آنا اس کی عدت ہے اور زنا یا شبہ میں مباشرت ہو تو اس کی عدت ایک بار حیض کا آنا کافی ہے۔

اسباب عدت میں طلاق یا فسخ نکاح کے ذکر سے یہ بات واضح ہے کہ موجبات عدت کی صرف دو باتیں ہیں ایک تو طلاق یا فسخ نکاح سے بیوی اور خاوند میں علیحدگی ہونا' دوسرے خاوند کا وفات پا جانا۔ اس کے علاوہ زنا اور شبہ وغیرہ کی مباشرت کے نتیجہ میں جو مدت انتظار ہوتی ہے اسے عدت نہیں بلکہ استبراء کہتے ہیں اگر چہ وہ مدت عدت کے برابر ہو۔ عورت کے ساتھ تخلیہ بھی مباشرت کا قائم مقام ہے خواہ وہ تخلیہ شب عروسی کا ہو یا ملاقات کے لئے ہو جیسا کہ اس کتاب کے سدس ثانی کے اوائل میں بتایا گیا ہے' لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مرد بالغ اور مباشرت کے قابل ہو' مقطوع العضو نہ ہو لیکن شہواتی حرکات سے انزال کر سکتا ہو عورت کے باب میں یہ شرط ہے کہ وہ مباشرت کے لائق ہو۔ گو حالت حیض میں ہو اور یہ کہ وہ مرد کے پاس اتنی دیر (تخلیہ میں) رہی ہو جس میں مباشرت ہو سکتی ہے۔ اگر دونوں یہ کہیں کہ مباشرت نہیں ہوئی تو ان کی بات قابل سماعت نہ ہوگی' کیوں کہ عدت اللہ کا عائد کردہ فریضہ ہے۔ ان کے اقرار پر صرف اس امر میں عمل درآمد ہوگا جو ان کے حق سے تعلق رکھتا ہو۔ لہٰذا (اس اقرار سے) اس عورت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اور پورا مہر بھی واجب الاداء نہ ہوگا کیوں کہ مباشرت سے پہلے ہی اسے طلاق ہوگئی۔ نیز اگر وہ شخص اس عورت کو طلاق رجعی دے دے تو رجوع کا حق نہ ہوگا۔ اگر زوجین میں سے ایک (مباشرت کا) اقرار کرے اور فریق ثانی انکاری ہو تو خاوند کی بات پر عمل درآمد ہوگا۔

بغیر تخلیہ کے بوس و کنار وغیرہ ہوا ہو تو عدت عائد نہ ہوگی۔ اگر عورت یہ کہے کہ اس شخص نے مباشرت کی ہے' لیکن ان کا باہم تخلیہ معلوم نہیں ہے تو خاوند کا کہنا تسلیم کیا جائے گا اور عورت پر عدت لازم ہوگی خواہ خاوند نے صحیح کہا ہو یا غلط۔ اگر خاوند کہے کہ اس نے مباشرت کی ہے مگر تخلیہ کا وقت معلوم نہیں ہے اور عورت اس سے انکاری ہے تو اس پر عدت لازم نہ ہوگی۔ لیکن اس شخص کے اقرار کے بموجب اسے مہر' نفقہ اور مکان مہیا کرنا ہوگا۔

اگر ایک شخص مباشرت سے انکار کرتا ہو اور عورت حاملہ پائی جائے اور تخلیہ کی بابت علم نہ ہو تو وہ عورت وضع حمل تک

Marfat.com

عدت میں رہے گی بشرطیکہ اس شخص نے بذریعہ لعان (یعنی مشروط بہ لعنت قسم کھا کر) اس بچہ (کا باپ ہونے) سے انکار نہ کیا ہو۔ اگر لعان کر کے انکار کیا ہے تب بھی عورت کو وضع حمل تک توقف کرنا ہوگا لیکن اس حالت میں جو توقف وہ کرے گی اسے عدت نہیں کہیں گے۔ بلکہ اسے استبراء کہا جائے گا۔ اور یہ عدت خاوند کی طرف سے اس عورت پر عائد نہ ہوگی اور خاوند پر اسے دوبارہ حلال ہونے کے لئے وضع حمل کا ہو جانا ضروری ہے۔ البتہ پہلے صورت میں وہ عورت عدت گزارے گی اور دوران حمل عدت کے جملہ احکام از قسم وراثت وحق رجوع ونفقہ نافذ ہوں گے۔ دوسری صورت میں وہ عورت مدت استبراء پوری کرے گی' اس پر عدت کے احکام مذکورہ نافذ نہ ہوں گے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اس مدت کا نام جس میں ایک عورت اس بات کو جاننے کے لئے اس کا رحم (حمل سے) فارغ ہے یا بتقاضائے تعبد (یعنی حکم الٰہی کی بجا آوری کے لئے) یا خاوند سے علیحدگی کے غم میں' بحالت تعطل پڑی رہے' یہاں پر پڑی رہنے کے معنے منتظر رہنے کے ہیں (اس وقت تک جب کہ یہ تعطل دور ہو جائے) تعریف میں عورت کے ذکر سے وہ مدت خارج ہو گئی جس میں مرد کو (دوسری شادی کے لئے) انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اسے عدت نہیں کہتے۔ اور برائت رحم (یعنی فارغ از حمل ہونے) کا جاننا' گمان غالب اور یقین دونوں کو شامل ہے۔ یقین کی صورت وضع حمل ہے اس کے علاوہ اور صورتوں میں گمان غالب حاصل ہو جاتا ہے جس کے لئے یہ (مدت عدت) کافی ہے کیوں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ عورت اس امر کا پورا یقین حاصل کرنے کے لئے کہ اس کا رحم خالی ہے جستجو میں پڑی رہے بلکہ اس کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ ایام ماہواری آ جائیں۔ اور تعبد (محض طاعت الٰہی) کے پیش نظر عدت گزارنے کی صورت صغیرسن (نابالغ) لڑکی کی عدت یا ایسی ہی کوئی اور صورت ہے جس میں رحم کا خالی ہونا ایک ثابت شدہ (یا یقینی) امر ہو (اس صورت میں حکم الٰہی کی بجا آوری کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا) اور اس حالت میں عدت کا سبب باہمی علاقہ زوجیت کا احترام بھی بتایا گیا ہے کہ میاں بیوی بسا اوقات آپس میں جدائی ہو جانے پر پچھتاتے ہیں۔ عدت کے دوران انہیں رجوع کا موقع مل جاتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر عدت نہ ہو اور عورت کسی اور سے شادی کر لے تو رجوع کرنے کا موقع جاتا رہتا ہے۔ حالانکہ دوسرے شخص کی بہ نسبت اس عورت کو (زوجیت میں لانے کا) زیادہ حق دار ہے۔ غیر مباشرت شدہ عورت کے لئے عدت نہیں ہے کیوں کہ اس کے ساتھ مباشرت نہ ہونے کے باعث خاوند کے نزدیک اس کا کوئی مقام نہیں ہے (وہ ایک اجنبی عورت ہے) اسی لئے اس پر عدت عائد نہیں کی گئی۔

مباشرت شدہ عورت سے مراد یہ ہے کہ اس عورت سے مباشرت ہو چکی ہو خواہ باقاعدہ نکاح کر کے یا عقد فاسد سے یا بیوی کے شبہ میں۔ ایسی عورتوں کی عدت کا مقصد یہ اطمینان کر لینا ہے کہ اس کو حمل نہیں ہے۔ ایسی عورت جس کے ساتھ زنا کیا گیا ہو یا عقد باطل کی بناء پر مباشرت ہوئی ہو اس کے لئے عدت نہیں ہے۔ عقد فاسد اور عقد باطل کا فرق اس کتاب کے دوسرے سدس کے آغاز میں بیان کیا جا چکا ہے اور (عدت کے اغراض میں) خاوند سے علیحدگی کا غم' اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کبھی عدت محض عقد صحیح کی بناء پر ہوتی ہے جس کے بعد مباشرت نہ ہوئی ہو۔ یہ عدت خاوند کے

Marfat.com

وفات پا جانے پر ہوتی ہے۔ الغرض عدت کا موجب عقد صحیح کے بعد خاوند کا وفات پا جانا ہے۔ اور مباشرت بھی ایک سبب ہے خواہ وہ عقد صحیح ہو یا عقد فاسد سے ہو یا شبہ کی بناء پر ہوئی ہو اور مادہ تولید کا اندام نہانی میں کسی نلکی وغیرہ سے داخل کرنا بھی مباشرت کا قائم مقام ہے۔ محض تخلیہ سے عدت واجب نہیں ہوتی اسی طرح عقد باطل کے بعد جو مباشرت ہو یا زنا سے عدت واجب نہیں ہوتی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ از روئے شرعت ایک خاص مدت تک منتظر رہنا عدت ہے اور یہاں مدت سے مراد وہ وقت ہے جو عورتوں کے لئے شریعت نے مقرر فرمایا ہے کہ اس مدت کے دوران طلاق پانے یا خاوند کی موت کے بعد عورت کے لئے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔ اس کے لئے شرائط کی تفصیل آگے آ رہی ہے اور بظاہر یہی تعریف درست ہے کیوں کہ اس میں رحم کے فارغ ہونے یا کسی اور بات کا ذکر نہیں ہے اور عدت کے لئے اس قسم کا کوئی قصد قرار دینے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ پھر جاننا چاہئے کہ عدت کی مدت بیوی کے لئے شریعت کی مقرر کردہ ہے جو کبھی تو اس خاوند کی وفات پر عائد ہوتی ہے جس کے ساتھ باقاعدہ نکاح ہوا ہو۔ خواہ اس سے مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور کبھی یہ عدت عقد فاسد' عقد مشتبہ یا زنا کے باعث عائد ہوتی ہے۔ غرض حنابلہ کے نزدیک زنا بھی موجبات عدت میں سے ہے اور عقد باطل کے بعد مباشرت کی صورت میں بھی یہی حکم ہے لیکن زنا اور عقد باطل کی صورت میں عدت کی میعاد مباشرت کے وقت سے تین قروء (حیض یا طہر) کا عرصہ ہے۔ اگر چہ وہ شخص وفات پا جائے اور مادۂ تولید کا کسی نلکی وغیرہ کے ذریعے اندام نہانی میں داخل کرنا بھی مباشرت ہے۔ اگر یہ مادۂ تولید کسی اجنبی شخص کا ہو تو اس کی بابت تو مختلف اقوال ہیں اور دونوں صحیح ہیں یعنی ایک قول عدت کا واجب ہونا ہے اور دوسرا قول نہ ہونا ہے۔

کبھی عدت خلوت ہونے سے عائد ہوتی ہے خواہ یہ خلوت صحیح ہو یا فاسد اور خواہ عقد صحیح ہو یا فاسد ہو۔ پس اگر ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ قصداً تخلیہ کیا تو عدت واجب ہو جائے گی۔ اگر چہ اس عورت کو ہاتھ نہ لگایا ہو اور چھوا تک نہ ہو۔ البتہ اگر اس عورت کی خواہش کے خلاف اس نے تخلیہ کیا یا وہ اتنی کم عمر ہے کہ اس جیسی لڑکی سے مباشرت نہیں ہو سکتی یا وہ شخص اتنا کم عمر ہو کہ اس جیسے کم عمر لڑکے مباشرت نہیں کر سکتے تو بہر حال ان صورتوں میں عدت نہ ہو گی یہاں تک کہ اگر (کم عمر کے ساتھ) مباشرت کر بھی لی (تب بھی عدت نہ ہو گی) اور کم عمر لڑکا وہ ہے جو دس سال سے کم عمر کا ہو اور کم عمر لڑکی وہ ہے جو نو سال سے کم کی ہو۔ اور عقد باطل کی بناء پر تخلیہ ہو تو عدت واجب نہ ہو گی اور عقد باطل وہ ہے جس کے باطل ہونے پر سب کا اتفاق ہو جیسے پانچویں بیوی سے یا عدت گزارنے والی عورت سے' عقد نکاح کرنا۔ غرض حنابلہ کے نزدیک محض خلوت یا محض مباشرت یا عقد باطل کے بعد کا حرام ہونا یا زنا تمام امور اسباب عدت میں سے ہیں۔

Marfat.com

عدت کی صورتوں اور ان کی اقسام کا بیان

عدت کی تین صورتیں ہیں: حمل کی عدت۔ مہینوں کی عدت اور قروء (یعنی حیض یا طہر) کی عدت۔ معتدہ، وہ عورت ہے جس پر عدت واجب ہو جائے۔ پھر عدت خاوند سے علیحدگی پر واجب ہوتی ہے۔ یہ علیحدگی یا تو خاوند کی وفات سے ہوتی ہے جس کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ وفات کے وقت بیوی حاملہ ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ حاملہ نہ ہو۔ پہلی صورت میں وضع حمل سے عدت پوری ہوگی اور دوسری صورت میں عدت کی مدت چار مہینے اور دس دن ہے اس کی شرائط کا بیان آگے آ رہا ہے۔ یا پھر خاوند کی زندگی ہی میں بوجہ طلاق یا فسخ نکاح کے علیحدگی ہو جائے تو عدت واجب ہوگی۔ اس حالت میں عدت کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم یہ ہے کہ بیوی حمل سے ہو اور زوجیت سے علیحدہ ہو جائے تو اس کی عدت وضع حمل سے پوری ہوگی۔ دوسری قسم یہ ہے کہ وہ حمل سے نہ ہو اور علیحدگی ہو جائے لیکن وہ عدت حیض والی ہو (یعنی جسے ایام ماہواری آتے ہیں) تو اس کی عدت تین قروء (یعنی حیض یا طہر) کے آنے پر پوری ہوگی۔ تیسری قسم یہ ہے کہ وہ عورت ''آئسہ'' ہو (یعنی جسے ایام ماہواری نہیں آتے اس کی عدت کی مدت پورے تین ماہ ہے۔ پس معتدہ (عدت گزارنے والی عورت) کی پانچ قسمیں ہوئیں۔

(1) وہ جس کا خاوند وفات پا جائے اور وہ حاملہ ہو (2) وہ جس کا خاوند وفات پا جائے اور وہ حاملہ نہ ہو۔ (3) وہ جسے طلاق مل جائے اور حاملہ ہو (4) وہ جسے طلاق مل جائے اور حاملہ نہ ہو لیکن حیض والی ہو (5) وہ جسے طلاق مل جائے اور 'آئسہ' ہو (یعنی اسے ایام نہ آتے ہوں)۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ عدت تین حالتوں سے باہر نہیں ہے ایک تو حمل کی عدت ہے جو وضع حمل سے پوری ہوتی ہے خواہ خاوند سے علیحدگی وفات کے باعث ہوئی ہو یا طلاق کے باعث دوسرے مہینوں کی عدت ہے جو آئسہ اور وفاۃ الزوج کی عدت ہے تیسرے عدت اقراء ہے کہ تین بار قروء کے وقوع پذیر ہونے سے پوری ہوتی ہے اور یہ ان عورتوں کی عدت ہے جنہیں ایام آتے ہیں:

اب ان تمام اقسام عدت کے متعلقہ احکام کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ اس کا آغاز حاملہ عورتوں کی عدت سے ہوتا ہے۔

Marfat.com

وضع حمل سے عدت پوری ہونے کا بیان

اس عنوان کے تحت حسب ذیل امور آتے ہیں۔

عدت کی شرطیں ...... کم عمر حاملہ بیوی کی عدت ...... شبہ میں مباشرت سے حاملہ ہو جانے والی عورت کی عدت ...... نکاح فاسد سے حاملہ ہونے والی عورت کی عدت ...... زنا سے حاملہ ہونے کی عدت ...... دو عدتوں کے جمع ہو جانے کی صورتیں ...... حمل کی زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم مدت۔

حمل سے فارغ ہونے کے بعد عدت پوری ہو جاتی ہے۔ خواہ بیوی طلاق یافتہ ہو یا اس کا خاوند وفات پا گیا ہو۔ یہ مسئلہ مسالک مختلفہ کی رُو سے تفصیل طلب ہے۔ (۱)

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ طلاق یافتہ عورت ایسی عورت جس کا خاوند وفات پا چکا ہے اور وہ حاملہ ہے' ان کی مدت وضع حمل سے پوری ہوتی ہے۔ لیکن اس کی تین شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ اس کا حمل پوری طور پر وضع ہو چکا ہو اگر ہنوز وقت پر پیدائش نہیں ہوئی گو تہائی حمل باہر آ چکا ہو تو ابھی عدت پوری نہیں ہوئی' اس شرط کا نتیجہ عملی طور پر اس وقت ظاہر ہوگا جب کہ بچہ پیٹ میں مر جائے اور اسے کاٹ کر نکالنا پڑے۔ اگر بیشتر حصہ نکالنے کے بعد بھی کچھ حصہ رہ جائے جس کا نکلنا متوقع نہ ہو تو اسے پوری مدت عدت تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ بچہ کی شکل بن گئی ہو۔ اگر ایک گوشت کے ٹکڑے کی طرح حمل ساقط ہو جائے جس کے انسانی اعضاء بنے نہ ہوں تو عدت کا پورا ہونا نہیں مانا جائے گا بلکہ ضروری ہوگا کہ تین بار ایام حیض پورے کرے۔ پھر اگر یہ ممکن ہو کہ اسقاط کے ادرار کو حیض کا ادرار کیا جا سکے بایں طور کہ اس ادرار کی مدت ایام حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت جو دس دن ہے اسے زیادہ نہ ہو یا کم سے کم مدت حیض جو تین دن اور تین رات ہے' سے کم نہ ہو تو اس ادرار کو حیض تصور کیا جا سکتا ہے بصورت دیگر وہ استحاضہ ہے جسے عدت کے لئے شمار میں نہیں لایا جائے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اگر حمل میں دو بچے یا زیادہ ہوں تو جب تک کہ آخری بچہ پورے طور پر پیدا نہ ہو جائے عدت کی مدت پوری نہ ہوگی۔ ایک بچے کا پیدا ہو جانا کافی نہیں ہے۔

حاملہ عورت کے حمل سے فارغ ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ خاوند بالغ ہو۔ ایسی صورت میں جب کہ خاوند کم عمر ہو جس کی بالعموم اولاد نہیں ہوا کرتی اور اس کی زندگی ہی میں بیوی زوجیت سے باہر ہو جائے تو اس کی عدت بھی وضع حمل سے پوری ہوگی۔ لیکن قدرتی طور پر اس بچے کا نسب اس لڑکے سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ یہ صورت 'زنا' کی ہے۔

نابالغ بیوی کے ساتھ تخلیہ ہو جانے سے بھی مباشرت کی طرح عدت عائد ہو جاتی ہے گو مباشرت نہ ہوئی ہو۔ اور اگر عورت کو کسی اور کا حمل ہو تو اس کی عدت بھی وضع حمل سے پوری ہوگی۔ یہاں پر اگر کہا جائے کہ حنفیہ کے نزدیک صغیر سن (نابالغ) لڑکے کی طلاق درست نہیں ہے اس کی مطلقہ بیوی کی عدت کس طرح درست مانی جائے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دو حالتوں میں ایسا ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ لڑکے نے چھوٹی عمر میں بیوی کے ساتھ تخلیہ کیا ہو۔ اس کے بعد چھوڑ دیا ہو اور بالغ ہونے پر طلاق دے دی ہو دوسری حالت یہ ہے کہ لڑکی ذمیہ بالغ ہو اور کسی ذمی کم عمر سے بیاہ دی گئی ہو پر وہ عورت

Marfat.com

مسلمان ہو جائے اور نابالغ لڑکے کا باپ اس لڑکے کے مسلمان ہونے سے انکار کر دے تو وہ عورت اس لڑکے کی زوجیت سے باہر ہو جائے گی اور خلوت صحیحہ کی بنا پر عدت گزارے گی۔ اس مسئلہ میں صغیر سن لڑکے سے مراد ایسا لڑکا ہے جو مراہق نہ ہو (یعنی اس میں قرب جوانی کے آثار نہ پائے جاتے ہوں)۔ ایسا لڑکا وہ ہوتا ہے جو بارہ سال کا نہ ہوا ہو۔ ایسے کم عمر خاوند کے ساتھ تخلیہ ہو یا مباشرت ہو جائے تو عدت واجب ہو جاتی ہے۔ مہر واجب نہیں ہوتا۔

یہ مسائل اس صورت میں جب کہ کم عمر لڑکے کی بیوی حاملہ ہو اور اسے طلاق مل جائے لیکن اگر حالت حمل میں بیوی کی وفات ہو جائے یا یہ صورت ہو کہ وہ لڑکا وفات پا جائے اور دوران عدت بیوی حاملہ ہو جائے۔ تو اس کی مدت عدت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس کی عدت بھی مطلقہ (حاملہ) کی طرح وضع حمل سے پوری ہوگی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی جو خاوند کی وفات کی عدت ہے۔ پس اگر مثلاً خاوند کی وفات کے دو ماہ بعد (بچہ کی) ولادت ہوئی تو اس عورت پر واجب ہوگا کہ وضع حمل کے بعد مزید دو مہینے اور دس دن عدت میں رہے اگر وضع حمل کو چار ماہ اور دس دن کا عرصہ گزر چکا ہے تو اس کی عدت وضع حمل سے پہلے ہی پوری ہو جائے گی اور اس کے ساتھ عقد کرنا درست ہوگا تاہم مباشرت کرنا درست نہیں تا آنکہ وضع حمل نہ ہو جائے۔ اور بہر حال کم عمر خاوند کے ساتھ اس بچے کا نسب نہیں جوڑا جا سکتا خواہ ولادت تاریخ عقد کے چھ ماہ سے کم عرصہ میں ہوئی ہو۔ اس مسئلہ میں یہ دوسرا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے جیسا کہ ان کے مسالک کے بیان میں بتایا گیا ہے۔

جاننا چاہئے کہ طلاق یافتہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے خواہ طلاق دینے والا کم عمر (نابالغ) ہو یا بڑا (بالغ) ہو۔

اگر ایک شخص نے بیوی کے شبہ میں کسی غیر عورت سے مباشرت کر لی مثلاً کسی کی دلہن ایک اور شخص کے زفاف میں چلی گئی اور اس نے مباشرت کر لی اور حمل ہو گیا تو اب وہ اس کے خاوند پر اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ شبہ کی مباشرت سے ہونے والا حمل ختم نہیں ہو جاتا۔ اگر اس دوران خاوند نے اسے طلاق دے دی تب بھی اس کی عدت وضع حمل ہی ہوگی اور اس طرح دو عدتیں باہم مل جائیں گی اور اس عورت کو مباشرت کنندہ سے بھی جس کا حمل رہا ہے شادی کرنا حلال نہ ہوگا تا آنکہ وضع حمل نہ ہو جائے کیوں کہ وہ اپنی طلاق کی عدت میں تصور کی جائے گی۔ اسی طرح کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اس پر طلاق بائن دی اور پھر بایں گمان اس سے مباشرت کر لی کہ بدوران عدت وہ بیوی اس پر حلال ہے ایسی حالت میں بیوی پر دو عدتیں واجب ہوں گی ایک عدت طلاق اور دوسری عدت شبہ کی مباشرت والی لیکن دونوں عدتیں متداخل ہوں گی (یعنی ایک ساتھ گزاری جائیں گی) کیوں کہ دوسری عدت پہلی عدت کے ساتھ ساتھ گزاری جائے گی۔ پس اگر عورت اس (طلاق بائنہ کے بعد والی) مباشرت سے پوری حاملہ ہو جائے تو اس کی عدت بغیر وضع حمل پوری نہ ہوگی۔ لیکن اگر وہ حاملہ نہیں ہوئی تو اس مباشرت کی عدت کا شمار اس حیض سے ہوگا جو پچھلی بار دونوں عدتوں کے درمیان آیا۔ مثلاً اس شخص نے (طلاق بائنہ کے بعد) ایک حیض آ جانے پر مباشرت کی تو اب واجب ہوگا کہ اس مباشرت سے از سر نو تین حیض کی مدت پوری کرے۔ ان میں سے دو حیض جو پہلی عدت کے باقی تھے دوسری عدت کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ تداخل کا مطلب یہی ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے کسی کی بیوی کے ساتھ (اپنی بیوی کے شبہ میں) مباشرت کر لی اس پر اس عورت کے خاوند نے اسے طلاق دے دی۔ یا یہ ہوا کہ ایک عورت سے جو عدت میں ہے

Marfat.com

کسی شخص نے شبہ میں مباشرت کرلی یا عقد فاسد کر کے مباشرت کی تو ان صورتوں میں اس عورت پر دو عدتیں واجب ہوں گی ایک عدت مباشرت فاسدہ کی اور دوسری اس کے خاوند کے طلاق کی۔ یہ دونوں عدتیں متداخل ہوں گی اور ان کا آغاز حیض سے ہوگا لہٰذا اگر عورت کو تین بار حیض آ گئے تو دونوں عدتیں ایک ساتھ پوری ہو جائیں گی اور خاوند کے طلاق دینے کے بعد ایک حیض آ چکا ہے تو اب تین میں سے دو حیض جو باقی ہیں خاوند کی عدت ان دونوں کے ساتھ پوری ہوگی۔ اس کے بعد تاریخ مباشرت سے تین حیضوں کی گنتی پوری کر کے دوسری عدت مکمل کی جائے گی۔ اس طرح مباشرت کے بعد جو دو حیض آئے انہیں ایک بار پہلی عدت میں اور پھر دوسری عدت میں شمار کیا جائے گا۔ اگر بیوی سے مباشرت فاسدہ دو حیض گزرنے کے بعد ہوئی تو اس تاریخ سے تین بار حیض آنے کا شمار واجب ہوگا ان میں سے پہلا حیض خاوند (کے طلاق) کی عدت میں شامل ہوگا اور وہی حیض دوسری عدت (یعنی عدت مباشرت) میں داخل ہوگا۔ گویا دہ ایام حیض کے کبھی اس عدت میں اور کبھی اس عدت میں داخل سمجھے جائیں گے وعلیٰ ہذا القیاس۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی عورت باقاعدہ نکاح کے بعد یا عقد فاسد کے بعد یا شبہ میں مباشرت ہو جانے کے بعد حاملہ ہو جائے تو ان سب کی عدت وضع حمل سے پوری ہوگی اور بچے کا نسب اس شخص سے وابستہ کیا جائے گا جس کی مباشرت سے وہ حمل ہوا۔ رہا زنا سے حاملہ ہونے والی عورت سو اس کی کوئی عدت نہیں ہے۔ بلکہ ایسی عورت کے ساتھ عقد جائز ہے تاہم وضع حمل تک مباشرت حلال نہیں ہے۔ اگر (نکاح کے بعد) مباشرت یا خلوت سے پہلے اسے طلاق ہوگئی تو اس کی کوئی عدت نہیں ہے اگر اس خیال سے کہ وہ بیوی اس پر حلال ہے اس کے ساتھ مباشرت کرلی اور وضع حمل سے پہلے طلاق دے دی تو اب اس کی عدت ناجائز حمل سے فارغ ہونے کے بعد ہوگی اور خاوند (کے طلاق کی) کوئی عدت نہیں ہے۔

واضح ہو کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ اس سے تمام ائمہ کو اتفاق ہے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ مدت حنفیہ کے نزدیک دو سال ہے اس سے دوسرے ائمہ کو اختلاف ہے اس کی نوعیت ان کے مسلکوں کے بیان میں بتائی جائے گی۔

اگر طلاق یافتہ عورت یا وفات خاوند کی بیوی عدت کے دوران کسی اور سے شادی کرلے اور پھر اس کے ہاں خاوند کے طلاق دینے یا وفات پا جانے کی تاریخ سے دو سال کے اندر بچہ پیدا ہو جائے تو دیکھا جائے گا کہ آیا وہ بچہ دوسرے شخص سے شادی کرنے کے بعد چھ ماہ کے اندر پیدا ہوا یا اس تاریخ سے چھ ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ میں پیدا ہوا۔ پہلی صورت میں یہ بچہ طلاق دینے یا وفات پا جانے والے خاوند کا قرار پائے گا۔ مثلاً اگر اس شخص نے بیوی کو ماہ محرم میں طلاق دی اور اسے ڈیڑھ سال گزر گئے کہ اس دوران اس عورت کو حیض نہیں آیا حالانکہ اسے آیا کرتا تھا پھر اس نے کسی اور سے شادی کرلی اور پانچ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو گیا تو یہ بچہ پہلے خاوند کا متصور ہوگا کیوں کہ یہ بچہ تاریخ طلاق (یا وفات) سے دو سال کے اندر اور تاریخ ازدواج ثانی کے بعد چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا۔ لیکن اگر وہ بچہ دوسری شادی سے چھ ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ میں پیدا ہوا تو یہ دوسرے خاوند کا بچہ قرار پائے گا' کیوں کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اور یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ یہ دوسرے خاوند کا بچہ ہے۔ اور حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے چونکہ یہ بچہ اس کے بعد پیدا ہوا اور خاوند اول کے طلاق دینے

Marfat.com

کی تاریخ کے بعد دو سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے تو اس بچہ کو خاوند اول کی اولاد قرار دینا ممکن نہیں ہے اور جو نکاح دوسرے شخص سے ہوا اس حالت میں صحیح مانا جائے گا کیوں کہ ظاہر ہے کہ اس عورت کی عدت دوسرے خاوند کا حمل ہو جانے سے پوری ہو گئی اگر پہلے خاوند کے طلاق دینے کے بعد دو سال سے زیادہ عرصہ میں اور دوسرے خاوند کے ساتھ شادی کے بعد چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا مثلاً اس عورت نے پہلے خاوند کی تاریخ طلاق سے بیس ماہ کے بعد شادی کی اور شادی کی تاریخ سے چار ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ نہ پہلے خاوند کا قرار پائے گا اور نہ دوسرے خاوند کا۔ اس سے فرق نہیں پڑتا۔ کہ دوسرے خاوند کو یہ علم رہا ہو کہ وہ عورت عدت میں ہے یا نہیں ہے۔ کیوں کہ جہاں تک اس بچے کا ان دونوں میں سے کسی کا (باپ) قرار دینا ممکن ہے بصورت مذکورہ اس سے منسوب کیا جائے گا' خواہ عقد صحیح ہوا ہو یا عقد فاسد ہو کیوں کہ بچے کو ان دونوں خاوندوں میں سے کسی ایک کا قرار دینا اس سے بہتر ہے کہ اس کو ضائع اور ناجائز اولاد قرار دیا جائے تاہم اگر خاوند ثانی کو یہ علم نہ ہوا ہو کہ وہ عورت عدت میں تھی تو اس کا نکاح درست مانا جائے گا۔ اس مسئلہ کی مزید وضاحت نسب کے بیان میں آئے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ وضع حمل سے عدت پوری ہو جانے کی چار شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ اس بچے کو اس کے خاوند کی اولاد قرار دیا جائے' بایں طور کہ اس کا نسب خاوند سے جوڑا جائے بشرطیکہ ان کا تخلیہ کرنا ثابت ہو اگر چہ خاوند بذریعہ لعان (یعنی بقید لعنت قسم کھا کر) اس سے لاتعلقی کا اظہار کرے کیوں کہ گو ظاہراً انکار کر رہا ہو لیکن یہ احتمال ہے کہ درحقیقت وہ بچہ اسی کا ہو۔ غرض وضع حمل سے عدت پوری ہو جائے گی اگر بچے کا نسب اس عورت کے متوفی خاوند سے نہ جوڑا جائے تو وضع حمل سے عدت پوری نہ ہو گی۔ مثلاً ایک شخص نے حالت حیض میں اپنی بیوی سے مباشرت کی اور بیوی کے پاک ہو جانے پر اس سے مقاربت نہیں کی اس کے بعد بدکاری سے اسے حمل رہ گیا اور حمل ظاہر ہو گیا اور تب خاوند کی وفات ہو گئی تو وضع حمل سے عدت پوری نہ ہو گی بلکہ اس کی عدت متوفی خاوند کی طرح چار مہینے اور دس دن ہو گی۔ پس اگر خاوند کی وفات کے بعد مثلاً تین مہینے میں بچہ پیدا ہو گیا تو وہ عدت پوری نہ مانی جائے گی بلکہ لازم ہو گا کہ وضع حمل کے بعد ایک مہینے اور دس دن مزید انتظار کرے تا کہ چار مہینے اور دس دن کی عدت پوری ہو جائے۔ لیکن اگر خاوند کی (وفات کے بعد) چار مہینے دس دن گزر جائیں تو وضع حمل کے بغیر عدت پوری نہ ہو گی۔

یہ مسائل اس صورت کے ہیں جب کہ خاوند کی وفات ہو جائے لیکن اگر مطلقہ بیوی کو ناجائز حمل ہو جائے اور وہ عورت بدستور زوجیت میں رہے تو اس صورت میں عدت نہ ہو گی جب تک کہ وضع حمل کے بعد تین طہر نہ آ جائیں بایں طور کہ وضع حمل کے بعد تین حیض اور تین طہر آ ئیں اور چوتھی بار حیض کی علامت ظاہر ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ خاوند کے ساتھ بیوی کا اتنی دیر تک تخلیہ ثابت ہو جس میں مباشرت ممکن ہو اور اس تخلیہ میں اس کے پاس خدا پرست اور پاکدامن عورتیں نہ ہوں بلکہ ایسی ایک بھی عورت موجود نہ ہو پس اگر وہ تخلیہ بہت تھوڑی دیر کے لئے ہوا یا اس وقت کوئی ایک بھی خدا پرست اور پاکدامن عورت موجود ہو تو اسے تخلیہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ ہاں اگر اس تخلیہ میں بے پردہ اور حیا باختہ بدنام عورتیں ہوں تو ان کی موجودگی کو تخلیہ کے لئے امر مانع تصور نہیں کیا جائے گا۔ پس اگر تخلیہ ثابت نہ ہوا اور حمل ظاہر ہو جائے تو اس کی عدت وضع حمل سے ہو گی بشرطیکہ خاوند نے حلف لعان کے ساتھ اس حمل سے لاتعلقی کا

Marfat.com

اظہار نہ کیا ہو۔ اگر لعان کر کے خاوند نے بے تعلقی کا اظہار کیا ہے تو وضع حمل کو عدت نہیں استبراء قرار دیا جائے گا اور بیوی نفقہ کی حقدار ہوگی اور نہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ لیکن اگر دونوں کا تخلیہ ثابت ہو جائے اور بذریعہ لعان اس حمل کے بچے سے لاتعلقی کا اظہار کرے تو وضع حمل کو عدت کا پورا ہونا قرار دیا جائے گا کیوں کہ خاوند گو بہ ظاہر اس بچے سے بے تعلقی کا اظہار کرتا ہے تاہم یہ احتمال رہتا ہے کہ فی الواقع وہ بچہ اسی شخص کا ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ طلاق کے بعد والی عدت میں حمل کا بچہ پورا پیدا ہوا گر بچہ ہنوز پورا پیدا نہ ہوا ہو بلکہ کچھ حصہ برآمد نہیں ہوا تو عدت پوری نہیں ہوئی ہاں دو تہائی بچہ پیدا ہو جانے کی صورت میں اسی طرح کا اختلاف ہے جیسا کہ حاملہ بیوی کے فوت شدہ خاوند کی عدت کے بارے میں اوپر بیان کیا گیا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ حمل کا سقوط ہوا ہو خواہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہی ہو اور یہ بات معلوم ہے کہ گرم پانی ڈالنے سے اگر وہ ٹکڑا بکھر نہ جائے تو وہ حمل ہے۔

واضح ہو کہ مالکیہ کہتے ہیں کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہے اور زیادہ سے زیادہ پانچ سال یہی قول مشہور ہے جس کے مطابق ان کے ہاں فیصلے کئے جاتے ہیں۔ پس اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور وہ حیض کے حساب سے عدت گزارے یا خاوند کے وفات پا جانے کی عدت گزارے اور پہلی حالت میں تین حیض پورے ہو چکے ہوں یا دوسری حالت میں چار مہینے دس دن ہو چکے ہوں اور پھر آخری بار مباشرت کے بعد پانچ سال سے کم عرصہ میں بچہ پیدا ہو جائے تو اس بچے کا نسب لاکلام وفات یافتہ خاوند سے جوڑا جائے گا اور اگر خاوند زندہ ہے اور اس نے بذریعہ لعان بچے سے لاتعلقی کا اظہار کیا تو اس سے بچے کا نسب جوڑا جائے گا۔ لعان کی شکل یہ ہے کہ وہ شخص دعویٰ کرے کہ وہ بچہ ناجائز حمل کا ہے اور پھر اس بارے میں قرآن کی بیان کردہ کیفیت سے دونوں بقید لعنت قسم کھائیں جیسا کہ لعان کے بیان میں بتایا جائے گا۔

واضح ہو کہ وہ عورت جس کے خاوند کی وفات ہو جائے یا جسے طلاق مل گئی ہو اور مہینوں میں یا حیض کے اعتبار سے عدت گزاری ہو اور شادی نہیں کی اگر اس کا حمل معلوم ہو جائے تو ایسی عورت کو حیض آ جانا اس کی عدت پوری ہونے کی دلیل نہیں ہے کیوں کہ مالکیہ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ حاملہ عورت کو بھی حیض آ جائے لیکن اگر حیض آنے سے پہلے یا اس کے بعد وہ عورت کسی اور شخص سے شادی کر لے اور دوسری شادی کے بعد چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ پیدا ہو جائے تو یہ بچہ پہلے خاوند کا قرار پائے گا اور دوسرا نکاح فاسد ہو جائے گا کیوں کہ ان حالات سے ظاہر ہے کہ وہ عورت ابھی عدت میں تھی کہ اس نے شادی کر لی اس کی عدت دو طرح سے پوری ہو سکتی ہے' یا تو یہ کہ دوسرے خاوند سے مباشرت کے چھ مہینے یا زیادہ عرصہ گزرنے پر بچہ پیدا ہو تو وہ بچہ دوسرے خاوند کا متصور ہوگا۔ اگر چہ یہ بچہ پہلے خاوند سے قطع تعلق کے بعد زیادہ سے زیادہ مدت حمل یعنی پانچ سال سے کم میں پیدا ہوا ہو۔ اس سے دوسرا نکاح فسخ نہ ہوگا۔

اگر عورت کو عدت گزر جانے کے بعد حمل کے موجود ہونے کا شبہ ہو تو جب تک یہ شبہ دور نہ ہو جائے اسے دوسری شادی کرنا حلال نہیں ہے۔ اگر زیادہ سے زیادہ مدت حمل یعنی (تقریباً) پانچ سال تک توقف کے بعد بھی شک باقی رہا اور پانچ سال کی مدت گزرنے سے چار ماہ پہلے شادی کر لی اور دوسرے خاوند سے مباشرت کے بعد پانچ سال میں بچہ پیدا ہو گیا تو اس بچہ کا نسب دونوں خاوندوں سے کسی کے ساتھ نہیں جوڑا جا سکتا۔ پہلے خاوند سے تو اس لئے نہیں کہ یہ بچہ پانچ

Marfat.com

سال سے (ایک ماہ) زیادہ عرصہ میں پیدا ہوا اور دوسرے خاوند سے اس لئے نہیں کہ مدت حمل کی کم سے کم مدت یعنی چھ مہینے سے کم میں پیدا ہوا ہو۔ پس اس عورت کو زنا کی پاداش میں حد لگائی جائے گی۔ بعض علماء نے اس مسئلہ پر اعتراض کیا ہے کہ پانچ سال کی زیادہ سے زیادہ مدت حمل جو بتائی گئی ہے یہ قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ پھر بعض اصحاب کہتے ہیں کہ حمل کی مدت سات سال تک بھی ہو سکتی ہے بناء بریں مناسب یہ ہے کہ اس بچے کا نسب پہلے خاوند سے جوڑا جائے اور عورت کو حد نہ لگائی جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ وضع حمل سے عدت پوری ہونے کی تین شرطیں ہیں' پہلی شرط یہ ہے کہ وہ حمل اس شخص کا مانا جائے جس کا حق عدت میں ہو۔ گو یہ حق محض احتمال کے درجہ میں ہو اس میں باقاعدہ نکاح سے یا عقد فاسد یا شبہ میں مباشرت سے خواہ کسی طرح کا حمل ہو' اس میں داخل ہے۔ ان اسباب میں سے کسی سبب سے بھی حمل ہوا ہو وہ حمل مباشرت کنندہ سے منسوب کیا جائے گا اور عدت واجب ہوگی۔ لیکن حمل زنا کی عدت نہیں ہے۔ لہٰذا ناجائز حمل والی عورت سے بقول صحیح شادی کر لینا درست ہے اور حالت حمل میں مباشرت حلال ہے اگر چہ یہ معلوم ہو کہ وہ حمل زنا کا ہے یا شبہ میں مباشرت ہو جانے کا نتیجہ ہے پس اسے شبہ کی مباشرت قرار دیا جائے گا اور حد نہیں لگائی جائے گی۔ البتہ عدت کے بارے میں اس کو زنا کا نتیجہ قرار دیا جائے گا اور تعریف میں جو یہ کہا گیا ہے کہ گو محض احتمال کے درجہ میں ہو' وہ اس لئے ہے کہ اس میں وہ بچہ شامل ہو جائے جس سے (خاوند نے) لعان کی قسم کھا کر لاتعلقی کا اظہار کیا ہو۔ اس صورت میں اگر چہ اس بچے کو مباشرت کنندہ سے منسوب نہیں کیا جائے گا کیوں کہ گو یہ خیال کیا گیا ہے کہ وہ بچہ والدالزنا (حرامی) ہے تاہم یہ احتمال ہے کہ خاوند غلط بیانی کر رہا ہو لہٰذا اس عورت کی عدت وضع حمل سے ہوگی اور اگر خاوند لاتعلقی ظاہر کرنے کے بعد پھر اسے بچے کو اپنانا چاہے تو یہ اس کا بچہ قرار دیا جائے گا اور اس کی طرف منسوب ہوگا۔

اگر ایک شخص کی بیوی زنا سے یا کسی مباشرت سے حاملہ ہو جائے اور ہنوز وہ عورت اس کی زوجیت میں تھی کہ خاوند وفات پا گیا تو وہ عورت وفات کی عدت گزارے گی لہٰذا جب تک چار مہینے اور دس دن کی مدت پوری نہ ہو جائے۔ عدت پوری نہ ہوگی' مثلاً اگر بیوی اتنی کم عمر ہے کہ اس عمر میں بچہ پیدا نہیں ہوا کرتا۔ یعنی وہ نو سال سے کم عمر کی لڑکی ہو یا ایسے خاندان سے کسی عورت کی شادی ہو جائے جو قطعاً خصی اور مقطوع الذکر ہو اور پھر وہ خاوند وفات پا جائے لیکن عورت حاملہ ہو یا ہو جائے تو اس کی عدت چار مہینے دس دن گزارے بغیر ختم نہیں ہوگی۔ چنانچہ اگر اس سے پہلے بچہ پیدا ہو جائے تو اس کی عدت (بچہ کی پیدائش سے) پوری نہ ہوگی۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ اس حالت میں اس بچہ کا نسب نہ حقیقی طور پر اس خاوند کے ساتھ وابستہ کیا جا سکتا ہے نہ احتمالاً ایسا کرنا ممکن ہے۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ خاوند محض خصی ہو اور مقطوع الذکر نہ ہو یا اس کے برعکس ہو۔ پہلی صورت میں یہ احتمال ہے کہ ایسے کے شخص مادۂ تولید سے حمل ہو سکے اور دوسری صورت میں یہ احتمال ہے کہ مقطوع العضو شخص کسی حرکت متواتر مادۂ تولید ایسا کر سکے پس بہر حال وضع حمل کے بغیر عدت پوری نہ ہوگی تا کہ وہ اولاد متوفی خاوند کی طرف منسوب ہو سکے۔

اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اس کے بعد کسی شخص نے اس عورت سے مباشرت کر لی اور عقد فاسد کی بناء پر عدت عائد ہوگی یا ایسا ہوا کہ شبہ میں کسی نے اس عورت سے مباشرت کر لی اور حمل رہ گیا تو وہ عورت ایسی حالت

Marfat.com

میں دو عدتیں گزارے گی یعنی شبہ میں مباشرت ہو جانے کی عدت اور طلاق کی عدت۔ ابتدا پہلی عدت سے کی جائے گی۔ پس جب وضع حمل ہو جائے تو مباشرت فاحشہ کی عدت پوری ہوگی پھر ادرار نفاس کے بند ہو جانے کے بعد مزید تین کامل طہر آنے پر دوسری عدت پوری ہوگی۔ اگر وہ عورت مباشرت فاسدہ سے حاملہ نہیں ہوئی تو عدت کا آغاز طلاق کی عدت سے ہوگا اور طلاق کے وقت سے تین مکمل طہر پورے کرے گی بایں طور کہ اگر وہ عورت خاوند کے الفاظ طلاق ادا ہونے پر حالت طہر میں تھی اور پھر حیض آیا تو وہ ایک کامل طہر محسوب ہوگا اور جب طلاق کی عدت ختم ہو جائے گی اس کے بعد دوسری عدت مباشرت فاسدہ کی مزید تین قروء (طہر) سے پوری کرے گی۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اگر مباشرت فاسدہ سے حمل ہو گیا تو اس کی عدت بہر حال پہلے ہوگی۔ اگر حمل نہیں ہوا تو پہلے طلاق کی عدت کا آغاز ہوگا گو مباشرت فاسدہ طلاق سے پہلے ہوئی مثلاً ایک شخص نے کسی کی بیوی سے شبہ میں مباشرت کر لی اور ہنوز وہ اس شخص کی زوجیت میں ہے لیکن اس مباشرت سے حمل نہیں ہوا اس کے بعد خاوند نے طلاق دے دی تو پہلے خاوند کی عدت پوری کی جائے گی۔

واضح ہو کہ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ اس عورت سے خاوند کے علاوہ کسی اور شخص نے اس سے مباشرت کی لیکن اگر خود خاوند نے طلاق رجعی دینے کے بعد رجوع سے پہلے اس عورت سے مباشرت کر لی تو اس کا حکم رجوع کے بیان میں ہو چکا ہے کہ اگر وہ عورت حیض والی ہے تو اس کی عدت کا آغاز مباشرت ہو جانے کے بعد ہوگا اور جو عدت گزر چکی ہے وہ ساقط ہو جائے گی اور جو باقی ہے وہ نئی (عائد ہونے والی) عدت کے ساتھ شامل ہو کر ادا ہوگی۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ اس مباشرت سے عورت کو حمل ہو گیا ہو یا نہ ہوا ہو۔ مثلاً خاوند نے بیوی کو جب طلاق دی تو اسے حمل نہیں تھا پھر عدت کا ایک طہر گزر جانے پر اس نے مباشرت کی اور حمل رہ گیا تو اب اس کی عدت وضع حمل سے پوری ہوگی اور دو طہر جو عدت کے باقی تھے وہ حمل کی عدت میں شامل ہو کر پورے ہوں گے حمل سے فارغ ہونے کے بعد اس عدت کے پورا کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہی حکم اس حالت میں ہے جب کہ ایک شخص نے بیوی کو طلاق دی درآنحالیکہ وہ حاملہ تھی پھر وضع حمل سے پہلے اس کے ساتھ مباشرت کر لی تو اب اس کی عدت وضع حمل سے پوری ہوگی اور وضع حمل کے بعد اقرار (یعنی طہر) کی بناء پر عدت پوری کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ عدت گزارنے کا مقصد یہ ہے کہ بیوی کے رحم کی بابت حمل سے پاک ہونے کا اطمینان ہو جائے سو ایسی صورت میں (کہ وضع حمل ہو چکا ہے) عدت کی حاجت نہیں ہے بلکہ (طلاق کی) وہ عدت حمل کی عدت میں شامل ہو جائے گی کیوں کہ وہی خاوند اس عدت کا موجب ہے۔ اگر وہ عدت مہینوں میں پوری کی جانے والی ہے تو وہ بھی اسی طرح مباشرت کے وقت سے شروع کی جائے گی اور جو مہینے باقی رہ جائیں گے وہ (حمل کی) عدت میں شامل ہو جائیں گے۔

(اس مسئلہ میں) خاوند کے طلاق کی بابت جو رجعی ہونے کی قید لگائی گئی اس سے غرض یہ ہے کہ وہ طلاق بائن نہ ہو کیوں کہ اگر طلاق بائن (جس سے زوجیت ختم ہو جاتی ہے) کے بعد خاوند مباشرت کرے اور جانتا ہو کہ یہ فعل حرام ہے تو یہ زنا ہے۔ جس کی کوئی عدت مالکیہ کے نزدیک نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے بیوی کو طلاق رجعی دی اور رجوع کرنے سے پہلے مباشرت کر لی تو اس

Marfat.com

مباشرت کو شبہ میں کرنا تصور کیا جائے گا جس کی عدت ہوتی ہے (اس مباشرت کو شبہ کی مباشرت قرار دیا گیا ہے) کیوں کہ بعض ائمہ نے اس مباشرت کو جائز قرار دیا ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ خاوند اسے فعل حرام جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ لیکن اس صورت میں جب کہ بیوی کو طلاق بائنہ دی اور پھر مباشرت کر لی تو ظاہر ہے کہ وہ یقینی طور پر جانتا تھا کہ یہ مباشرت حرام ہے لہٰذا یہ زنا متصور ہوگا۔ اگر کوئی نومسلم ہونے کی وجہ سے ابتداءً اس سے ناواقف ہو یا حرام ہونا جانتا ہو لیکن اس بیوی کو اپنی کوئی اور بیوی سمجھ کر مباشرت کر لی تو اسے شبہ کی مباشرت تصور کیا جائے گا اور عدت واجب ہوگی۔

واضح ہو کہ اگر طلاق کے بعد حاملہ عورت سے مباشرت کی تو وہ شبہ کی مباشرت نہیں مانی جائے گی اگرچہ وضع حمل سے پہلے رجوع کر لیا ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بچہ پیٹ سے باہر آ جائے۔ پس اگر بچہ پیٹ سے سالہا سال تک رہا اور پیدا نہ ہوا تو عدت پوری نہ ہوگی۔ اگر حمل میں دو بچے ہوں اور ایک بچہ پیدا ہو جائے تو جب تک دوسرا بچہ بھی پیدا نہ ہو جائے عدت پوری نہ ہوگی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ بچہ بن گیا ہو کہ دائیاں یہ کہہ دیں کہ یہ حمل تھا کیوں کہ اس کے ہاتھ، انگلیاں یا ناخن بن گئے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر اس میں شبہ ہو کہ آیا یہ انسانی وجود ہے یا نہیں تو اس (اسقاط) سے عدت پوری نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ خون منجمد ہے جس نے کوئی صورت نہ پکڑی ہو تو اس کے سقوط سے عدت پوری نہ ہوگی۔

جاننا چاہیے کہ شافعیہ کے نزدیک بھی دوسرے ائمہ کی طرح کم سے کم مدت حمل چھ مہینے ہے اور زیادہ سے زیادہ چار سال۔ پس اگر بیوی طلاق بائنہ یا طلاق رجعی یا فسخ عقد یہ کے باعث خاوند سے علیحدہ ہو جائے اور اس سے چار سال کے بعد بچہ پیدا ہو۔ یہ چار سال کی مدت اس وقت سے شمار ہوگی جب خاوند نے مباشرت کی اور حمل قرار پایا۔ کیوں کہ معقول بات یہی ہے کہ حمل کی مدت استقرار حمل کے وقت سے شمار کی جائے گی۔ نہ کہ عورت کو طلاق ملنے کے وقت سے۔ پس یہ مدت زیادہ سے زیادہ چار سال ہے۔ اگر طلاق وغیرہ کے بعد جدائی کی تاریخ سے عدت کی مدت کا حساب لگایا جائے تو مدت حمل چار سال سے زیادہ ہو جائے گی۔ غرض مدت عدت استقرار حمل کے وقت سے چار سال قرار دی جائے یا پھر یوں کہا جائے کہ علیحدگی سے چار سال تک جس میں سے علیحدگی سے پہلے کا وہ زمانہ جس میں مباشرت ہوئی اور حمل قرار پایا نکال دیا جائے۔ بہر حال اگر چار سال میں اس عورت کے بچہ پیدا ہو جائے تو وہ طلاق دینے والے کا بچہ قرار پائے گا درآنحالیکہ اس عورت نے (اس دوران) کسی ایسے شخص سے شادی نہ کر لی ہو جو مباشرت کے قابل ہو۔ اگر ایسے سے شادی کی جو بوجہ کم عمری وغیرہ کے مباشرت نہیں کر سکتا تب بھی بچہ طلاق دینے والے سے منسوب ہوگا۔ کیوں کہ اس حالت میں دوسرا خاوند نفی کے برابر ہے۔ اگر دوسرے خاوند کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ عورت طلاق یافتہ ہے اور عدت میں ہے اور پہلے خاوند کے طلاق دینے کے چار سال بعد بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ دوسرے خاوند کا ہے بشرطیکہ وہ (دوسرے خاوند کی) مباشرت کے بعد چھ ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ میں پیدا ہوا ہو۔ مثلاً ایک عورت کو طلاق ہوئی اور وہ عورت ذات الحیض ہے (یعنی اسے ایام آیا کرتے ہیں) اور اس کے طلاق کو تین سال اور چار ماہ گزر گئے اور اس دوران اسے حیض نہیں آیا پھر اس نے کسی اور سے شادی کر لی اور مباشرت ہوئی جس کے آٹھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو بقول معتمد یہ بچہ دوسرے خاوند کا قرار پائے گا اگرچہ پہلے خاوند نے طلاق رجعی دی ہو کیوں کہ (پیدائش کے وقت) حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت جو چار سال تھی وہ گزر گئی اور بچہ چھ

Marfat.com

ماہ سے زیادہ عرصہ میں پیدا ہوا لیکن اگر وہ بچہ دوسرے خاوند سے مباشرت کے بعد چھ ماہ سے کم میں یا پہلے خاوند کے طلاق دینے کے بعد چار سال سے کم میں پیدا ہوا تو اس بچہ کو پہلے خاوند کا قرار دیا جائے گا اور اس حمل سے فارغ ہونے کے بعد پہلے خاوند کے طلاق دینے کی عدت پوری ہو گی اور اس عورت کو دوسری عدت گزارنا ہو گی جو دوسرے خاوند سے نکاح شبہ کی بناء پر مباشرت کرنے سے عائد ہوئی۔

واضح ہو کہ اگر صورت حال ایسی ہو کہ اس بچے کو دونوں خاوندوں سے منسوب کیا جانا ممکن ہے۔ مثلاً دوسرے خاوند سے مباشرت ہونے کے بعد چھ ماہ یا زیادہ عرصہ میں بچہ پیدا ہوا اور پہلے خاوند کی طلاق کو ہنوز چار سال نہ ہوئے تھے تو یہ معاملہ قیافہ شناسوں کے سپرد کیا جائے گا یعنی ایسے شخص کی رائے لی جائے گی جو مشابہت (کے قاعدوں) کا ماہر ہو اور یہ بتا سکے کہ اس بچے کی صورت فلاں شخص سے ملتی ہے یا اس کے ہاتھ' پاؤں یا انگلیاں اس کی مانند ہیں وغیرہ۔ اب یہ قیافہ شناس جو فیصلہ کریں اسی کے مطابق عملدرآمد کیا جائے گا اگر ایسا (واقف کار) شخص دستیاب نہ ہو یا اس کے فیصلہ میں قیافہ شناسوں کے درمیان اختلاف رائے ہو تو لڑکے کے بالغ ہونے تک اسی حال میں رہنے دیا جائے گا بالغ ہونے کے بعد وہ خود جسے چاہے اپنا باپ قرار دے۔

سابقہ عبارت میں جو کہا گیا ہے کہ اگر دوسرے خاوند کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ عورت عدت میں ہے' تو یہ اس زمرہ میں نہیں آئے گا جو یہ جانتا ہو کہ عورت عدت میں ہے اور شادی کر لے تو وہ بدکار متصور ہو گا اور اس مباشرت کی بناء پر نہ بچہ کا نسب اس کے ساتھ جوڑا جا سکے گا اور نہ عدت عائد ہو گی جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ وضع حمل سے عدت پوری ہونے کی تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ اس بچے کا نسب خاوند کے ساتھ وابستہ کیا جائے اگر اس کے ساتھ وابستہ نہ کیا جا سکے مثلاً خاوند کم عمر یعنی دس سال سے کم کا ہو یعنی قطعاً ناکارہ خصی اور عضو مخصوص بریدہ ہو یا محض خصی یا محض عضو بریدہ ہو کہ اس کے اولاد نہ ہو سکے اور وہ وفات پا جائے اور پھر پتہ چلے کہ بیوی حاملہ ہے تو وضع حمل سے اس کی عدت پوری نہ ہو گی کیوں کہ ظاہر ہے کہ یہ بچہ اس کے خاوند کا نہیں ہے لہٰذا اس کا نسب خاوند سے نہیں جوڑا جا سکتا۔ اسی طرح وہ صورت ہے جب کہ ایک شخص کو عقد نکاح کے بعد اتنا موقع نہیں ملا کہ اس عورت سے مباشرت یا اس کے ساتھ تخلیہ ہو سکتا اور خاوند کی وفات ہو گئی اور اس عقد کے بعد چھ مہینے سے کم عرصہ میں بچہ پیدا ہو گیا تو اس وضع حمل سے عدت پوری نہ ہو گی بلکہ ضروری ہے کہ اگر وہ بیوی آزاد ہو (یعنی لونڈی نہ ہو) تو چار ماہ دس دن اور لونڈی ہو تو اس سے نصف مدت عدت گزارے اور اس عدت کا آغاز وضع حمل کے بعد سے ہو گا۔ اسی طرح اس عورت کو دو عدتیں گزارنی ہوں گی ایک تو مباشرت فاسدہ کی عدت جو وضع حمل سے پوری ہو گی۔ لیکن اگر وہ عدت عقد فاسد (کے حمل) کی ہو مثلاً ولی یا شاہدوں کی موجودگی کے بغیر شادی ہوئی اور اس کے بعد مباشرت سے بیوی حاملہ ہو گئی اور خاوند وفات پا گیا تو اس صورت میں وضع حمل سے عدت پوری ہو جائے گی۔ اگر (اس مباشرت سے) حمل نہیں ہوا تو چار ماہ دس دن تک عدت گزارنا ہو گی جس طرح باقاعدہ نکاح کے بعد خاوند کی وفات پر لازم ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ اس صورت کے برخلاف ہے جب کہ اس عورت سے جو عقد نکاح کیا گیا ہے اس کے باطل ہونے پر سب کا اتفاق ہو مثلاً ایسی عورت سے شادی کی گئی جو کسی اور شخص کی عدت میں ہو اور پھر اس سے مباشرت ہوئی اور

Marfat.com

پھر وہ خاوند وفات پا گیا لیکن بیوی حاملہ نہیں ہے تو اس کی عدت تین بار حیض آنے سے پوری ہوگی کیوں کہ یہ عقد نفی کے برابر ہے۔ اس لئے عدت گزارنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ حیض کے آنے سے یہ ثابت ہو جائے کہ عورت کا رحم حمل سے خالی ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے کسی عورت سے بدفعلی کی ہے تو اسے بھی تین بار حیض آنے کی عدت گزارنی پڑے گی۔ اگر ایسے عقد باطل کے بعد جس کے باطل ہونے پر سب کا اتفاق ہے محض تخلیہ ہوا تو عدت واجب نہ ہوگی۔ ہاں عقد فاسد کے بعد تخلیہ ہوا ہو تو عدت ہوگی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عدت مباشرت ہونے سے واجب ہوتی ہے' خواہ یہ مباشرت با قاعدہ عقد نکاح کے بعد ہوئی ہو یا عقد فاسد یا زنا کے بعد اور خواہ (وہ مباشرت) عورت کی مرضی سے ہوئی ہو یا بالجبر ہوئی ہو۔ لیکن اگر خاوند وفات پا جائے اور عورت حاملہ نہ ہو تو وہ با قاعدہ عقد کی صورت میں چار ماہ دس دن کی عدت گزارے گی خواہ کم عمر ہو یا بالغ ہو اور خواہ اس سے مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ لیکن اگر وہ حمل سے ہو اور اس کا خاوند اتنا بڑا ہو اجس سے اولاد ہو سکتی ہو تو اس عورت کی عدت وضع حمل سے ہوگی۔ اگر خاوند اتنا کم عمر ہو کہ اس جیسے لڑکے کی اولاد نہیں ہو سکتی یا یہ ثابت ہو جائے کہ وہ حمل متوفی خاوند کا نہیں ہے تو وضع حمل اس کی عدت نہ ہوگی بلکہ چار مہینے اور دس دن کی مدت عدت گزارنا ہوگی' جس کا حساب بچے کی ولادت کے بعد سے شروع ہوگا۔ اس معاملہ میں عقد فاسد بھی عقد صحیح کی مانند ہے۔ عقد فاسد سے مراد وہ عقد ہے جو حنابلہ کے نزدیک درست نہیں ہے گو ان کے علاوہ دوسرے ائمہ اس کے درست ہونے کے قائل ہوں مثلاً ولی یا شاہدوں کی غیر موجودگی میں عقد نکاح کر لینا۔ اگر ایسا عقد ہے جس کے باطل ہونے پر سب کا اتفاق ہے پھر اس کے بعد مباشرت ہو اور حمل قرار نہ پائے اور وہ شخص وفات پا جائے تو اس کی عدت تین بار حیض آنے سے پوری ہوگی۔ یہی حکم زنا کا ہے (کہ اگر عورت حاملہ نہیں ہوئی تو تین حیض کی عدت پوری کرے گی) اگر حمل ہو گیا تو اس کا حکم بتایا جا چکا ہے۔ اگر خاوند زندہ ہے اور اس نے طلاق دے دی تو اس کا حکم آگے آ رہا ہے لیکن یہ حکم اس حالت کے خلاف ہے جب کہ خاوند اتنا کم عمر ہو کہ اس جیسے لڑکوں کی اولاد نہیں ہوتی تو اس صورت میں قطعاً کوئی عدت نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وضع حمل پورے طور پر ہوا ہو۔ اگر حمل کا ایک حصہ ساقط ہوا خواہ بیشتر حصہ ہوا ہو یا کم تر تو اس کی عدت (سقوط کامل کے بغیر) ختم نہ ہوگی۔ چنانچہ اگر کسی عورت کے پیٹ میں دو بچے ہوں تو اس کی عدت پوری نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے بچے کی پیدائش پورے طور پر نہ ہو جائے اور وضع حمل کے بعد ہی سے عقد نکاح درست ہے لیکن نفاس سے فارغ ہو جانے تک' مباشرت حرام ہے۔ اگر کسی عورت کا ادرار بند ہو جائے اور دوسرے بچے کی موجودگی کا شک ہو تو جب تک یہ شک رفع نہ ہو جائے عدت ختم نہ ہوگی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ بچے کی شکل بن گئی ہو۔ اگر محض ایک مچۂ گوشت ساقط ہو گیا تو اس سے عدت پوری نہ ہوگی تا آنکہ واقف کار بیویاں یہ نہ بتائیں کہ یہ مچۂ انسان کا ہے۔ ایسا ہو تو عدت پوری ہو جائے گی۔ اس کے برخلاف اگر واقف کار عورتیں یہ کہیں کہ ہنوز انسانی ڈھانچ کا آغاز ہی تھا تب بھی عدت پوری نہ ہوگی بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت یہ شہادت دے کہ فی الواقع یہ انسان ہی کی ہلکی سی صورت ہے۔ اگر خون یا خون ہی کا لوتھڑا ساقط ہو تو اس سے بدرجہ اولیٰ عدت پوری نہ ہوگی۔

Marfat.com

جاننا چاہئے کہ دوسرے اماموں کی طرح حنابلہ کے نزدیک بھی حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ مدت چار سال ہے جس سے شافعیہ کو اتفاق ہے لیکن حنفیہ کو اختلاف ہے وہ دو سال کہتے ہیں اور مالکیہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت پانچ سال بتاتے ہیں۔

اگر طلاق یافتہ عورت یا وہ عورت جس کا خاوند وفات پا چکا ہے دوران عدت نکاح کرے تو بہرحال وہ نکاح باطل ہوگا اور اس کی عدت ختم نہ ہوگی تا آنکہ خاوند سے مباشرت ہو جائے۔ خواہ وہ خاوند جانتا ہو کہ (دوران عدت) نکاح حرام ہے یا نہ جانتا ہو۔ اگر دوسرا خاوند بیوی کو چھوڑ دے تو عورت پہلے خاوند کی عدت پوری کرے گی۔ مثلاً ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے بعد ایک بار حیض آیا پھر اس نے کسی اور شخص سے نکاح باطل کر لیا تو اسے پہلے خاوند کی عدت گزارنا ہوگی جب تک کہ دوسرے خاوند سے مباشرت نہ ہوا گر اس سے مباشرت ہو جائے تو پہلے خاوند کی عدت ختم ہو جائے گی۔ اگر دوسرا خاوند بھی اسے چھوڑ دے تو پہلے وہ خاوند اول کی عدت پوری کرے گی پھر دوسرے خاوند کی عدت شروع کرے گی۔ ان دونوں عدتوں میں تداخل نہ ہوگا (یعنی دونوں عدتیں ایک ساتھ نہیں گزاری جائیں گی) اور لازم ہوگا کہ پہلے خاوند کی عدت پوری کرے جس کا صرف ایک حیض گزرا ہے اور دو حیض باقی ہیں اس کو پورا کرنے کے بعد ناجائز مباشرت کی عدت پوری کرنا بھی لازم ہوگا۔ جو پہلے خاوند کی عدت کے بعد شروع ہوگی۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ پہلی عدت حیض کے اعتبار سے گزاری ہو یا مہینوں کے اعتبار سے۔ اب اگر اس دوران اس کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے اور یہ دوسرے شخص کی مباشرت کے بعد چھ مہینے سے کم میں پیدا ہوا تو یہ بچہ پہلے خاوند کا قرار پائے گا بشرطیکہ اسے قابل نفرت نہ سمجھا جائے بلکہ حقیقی اولاد کی طرح رکھا جائے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اس کی پیدائش کے بعد پہلے خاوند کی عدت پوری ہو جائے گی اور پھر مباشرت کی عدت تین حیض سے پوری کرنا ہوگی۔ اگر بچہ چھ مہینے کے بعد یا اس سے زیادہ عرصہ میں پیدا ہوا تو وہ دوسرے خاوند سے منسوب ہوگا ساتھ ہی دوسرے خاوند کی مباشرت کی عدت پوری ہو جائے گی اور پہلے خاوند کی پوری عدت باقی رہے گی جسے وہ ولادت کے بعد تین حیض سے پورا کرے گی۔

یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ اس بچے کو صرف دوسرے شخص سے ہی منسوب کرنا ممکن ہو بایں لحاظ کہ اس شخص کی مباشرت کی تاریخ سے چھ ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ میں اور پہلے خاوند کی طلاق سے چار سال یا زیادہ مدت میں بچہ پیدا ہوا' مثلاً پورے ساڑھے تین سال تک حیض آتے رہے یا (حمل کی وجہ سے نہیں بلکہ) کسی اور سبب سے حیض کے آنے میں تاخیر ہوئی اور اتنے عرصہ کے بعد حیض آ گیا لیکن قبل اس کے کہ بقیہ دو حیض آتے اس عورت نے کسی اور سے شادی کر لی اور اس شخص نے مباشرت کی' اس مباشرت کے بعد چھ ماہ یا زیادہ عرصہ میں بچہ پیدا ہوا تو بغیر کسی شبہ کے یہ بچہ دوسرے خاوند سے منسوب کیا جائے گا کیوں کہ اس کی پیدائش' (پہلے خاوند سے) علیحدگی کے بعد زیادہ سے زیادہ مدت حمل گزرنے پر اور دوسرے خاوند کی مباشرت سے کم سے کم مدت حمل میں ہوئی لہٰذا بلاشبہ وہ دوسرے خاوند کی اولاد ہے۔ لیکن اگر یہ صورت ہو کہ اس بچے کو دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ منسوب کرنا ممکن ہو بایں طور کہ وہ بچہ دوسرے خاوند کی مباشرت کے چھ مہینے یا زیادہ عرصہ بعد اور پہلے خاوند کے چھوڑنے کے چار سال سے کم مدت میں پیدا ہوا تو اس صورت میں قیافہ شناسوں سے اس کی تفتیش کرائی جائے گی' قیافہ شناس مباشرت کرنے والوں کے ساتھ اس بچہ کا مقابلہ کریں گے اگر وہ لوگ

Marfat.com

اس بچہ کو کسی کے ساتھ وابستہ کریں تو وہ بچہ اس شخص کا قرار پائے گا اور اس کی ولادت سے اس شخص کی عدت پوری ہو جائے گی۔ اس کے بعد دوسرے شخص کی عدت تین حیض سے پوری کی جائے گی اور قیافہ شناسوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو باپ کے ساتھ بچے کی مشابہت سے نتیجہ اخذ کرنا جانتے ہوں۔

واضح ہو کہ اس مسئلہ کو فقہاء نے اس طرح بیان کیا ہے۔ عجب نہیں کہ موجودہ عہد میں (اس کا فیصلہ) خون کے تجزیہ سے کیا جائے۔ اگر یہ ممکن ہو کہ بچے کے خون کو باپ کے خون سے ملا کر کوئی فیصلہ کیا جا سکے تو بڑی اچھی بات ہوگی۔ اگر یہ ممکن نہ ہو کہ دونوں خاوندوں میں سے کسی کے ساتھ مشابہت کی بناء پر فیصلہ کیا جا سکے یا قیافہ شناسوں کا اس بارے میں اختلاف ہو تو بیوی پر لازم ہوگا کہ ولادت کے بعد بہر حال تین حیض کی عدت گزارے۔ خواہ اسے پہلے خاوند کی عدت قرار دیا جائے یا دوسرے کی یا تین حیض کے بعد باقاعدہ شادی کر لے۔

جاننا چاہئے کہ اگر ایک شخص نے کسی ایسی عورت سے شادی کر لی جو عدت میں تھی اور دونوں کو یہ معلوم تھا' وہ جانتے تھے کہ یہ اقدام حرام ہے' باوجود اس کے انہوں نے مباشرت کی تو وہ زنا کے مرتکب ہوئے اور مستوجب حد قرار پائیں گے اور عورت مہر کی مستحق نہ ہوگی۔ کیوں کہ اس نے جان بوجھ کر بدکاری کا ارتکاب کیا ہے یہاں شبہ کا سوال نہیں پیدا ہوتا کیوں کہ اس باطل عمل کے باطل ہونے پر سب کا اتفاق ہے البتہ اگر وہ عورت زنا کی عدت گزار رہی ہو تو حنابلہ کے نزدیک اسے تین حیض کی عدت گزارنا ہوگی بشرطیکہ اس عورت کو ایام آتے ہوں۔ اگر (آئسہ ہو جسے حیض نہیں آتا) تو وہ عدت کے تین مہینے پورے کرے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ پس اگر ایک شخص کسی عورت کے ساتھ بدکاری کا مرتکب ہوا اور وہ حاملہ ہوگئی اور پھر اس سے کسی اور شخص نے شادی کر لی اور ہنوز وہ عدت میں تھی کہ اس شخص نے مباشرت کر لی تو یہ دونوں زانی متصور نہ ہوں گے بلکہ اسے شبہ کی مباشرت تصور کیا جائے گا' کیوں کہ حنفیہ اور شافعیہ اس حالت میں نکاح کر لینا جائز قرار دیتے ہیں۔ اگر چہ وہ حاملہ ہو۔ لیکن اگر ان دونوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ عورت عدت میں تھی تو بچہ کا نسب اس شخص سے ثابت ہو جائے گا اور حد جاری نہ کی جائے گی اور نہ مہر کی حق دار ہوگی۔ اگر خاوند کو اس عورت کا عدت میں ہونا معلوم تھا اور بیوی کو علم نہ تھا تو خاوند پر حد عائد ہوگی۔ لیکن عدت پر حد عائد نہ ہوگی اس کے برعکس اگر عورت کو معلوم ہو (کہ وہ عدت میں ہے) اور خاوند نہ جانتا ہو تو بیوی پر حد نافذ ہوگی اور مہر کی حق دار نہ ہوگی۔

Marfat.com

عدت حمل کا ثبوت اور اس کے شرعی حکم ہونے کی حکمت

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس عورت کا خاوند وفات پا جائے اس کی عدت وضع حمل سے پوری ہوتی ہے۔ خواہ خاوند کی وفات کے لحظہ بھر بعد ہی بچہ پیدا ہو جائے۔ یعنی جونہی کہ پیٹ کا بچہ پورے طور پر پیدا ہو جائے اور عورت حمل سے فارغ ہو جائے تو اس کے لئے کسی سے بھی شادی کر لینا حلال ہے خواہ خاوند کے دفن ہونے سے پہلے کر لے۔ اس کے ثبوت میں ائمہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں: ''و اولات الحمال اجلهن ان یضعن حملهن'' (یعنی حاملہ عورتوں کی مدت عدت یہ ہے کہ وہ حمل سے فارغ ہو جائیں) یہ حکم عام ہے جو وفات یافتہ خاوند اور غیر وفات یافتہ خاوند کی عدت کے لئے ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ اور ائمہ اربعہ میں سے جنہوں نے ان کی پیروی کی ہے یہی رائے رکھتے ہیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اور ان کے ہم خیالوں کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ جس حاملہ عورت کا خاوند وفات پا جائے اگر چار ماہ دس دن گزرنے سے پہلے اس کا بچہ پیدا ہو جائے تو اس وضع حمل سے اس کی عدت پوری نہ ہوگی بلکہ لازم ہے کہ اس پوری مدت کے گزر جانے کا انتظار کرے لیکن اگر حمل سے پہلے چار ماہ اور دس دن گزر چکے ہوں تو اب اس کی عدت وضعِ حمل سے پوری ہوگی کیوں کہ وہ حمل وفات یافتہ خاوند کا ہے جس کی حفاظت عورت پر لازم ہے۔ اول اصحاب کی دلیل (اپنی رائے کے حق میں) اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''والذین یتوفون منکم و یذرون ازوجاً تربصن بانفسهن اربعة اشهر و عشرا'' (یعنی تم میں سے جن کی وفات ہو جائے اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے تئیں چار مہینے اور دس دن تک تھام رکھیں) یہ ارشاد عام ہے جو حاملہ اور غیر حاملہ تمام عورتوں کو شامل ہے۔ اور حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے نظریہ کی توجیہ یوں کی جاتی ہے کہ وفات یافتہ خاوند کی عدت کے بارے میں دو امور ملحوظ ہوتے ہیں یعنی رحم کا فارغ از حمل ہونا اور وفات یافتہ خاوند کا احترام اور اس کے زندہ رشتہ داروں کا پاس خاطر۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو جس کا خاوند وفات پا گیا ہے اس امر سے باز رہنے کا حکم دیا ہے کہ وہ مرنے والے کے رشتہ داروں کو جو غم میں مبتلا ہیں اچانک متوفی کے بعد کسی اور سے شادی کرنے کے چکر میں ڈال دے اور اس طرح ان کو شرمساری کے دکھ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرے۔ اس خیال سے (وفات کے بعد شادی کے لئے) ایک کم سے کم مدت مقرر کر دی گئی ہے تا کہ اہل میت کی طبیعت اپنی خاتون کو کسی اور کی زوجیت میں دینا گراں نہ گزرے۔ ساتھ ہی (یہ بھی مقصد ہے) کہ عہدِ جاہلیت (قبل از

Marfat.com

سلام) کے رواج کی اصلاح ہو جائے۔ کہ وہ لوگ فوت شدہ خاوندوں کو قید میں ڈال رکھتے تھے زیب و زینت' شادی اور زندگی کی دوسری سہولتوں سے عمر بھر کے لئے انہیں محروم کر دیا جاتا تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نازل فرمائے کہ شریعت اسلامیہ کے عام احکام کی طرح بتدریج ان کے رسم و رواج سے ہٹایا جائے۔ لہٰذا عورت پر فرض عائد کر دیا کہ اپنے خاوند کی وفات کے بعد ایک سال تک انتظار کرے۔ پھر جب یہ حکم ان کی طبیعتوں پر جم گیا تو پھر چار ماہ دس دن تک عدت گزارنے کا حکم ہوا جو امکانی طور پر کم سے کم مدت ہے اور یہی ہمیشہ کے لئے نافذ فرما دیا اور یہ مدت خصوصیت سے مقرر فرمائی گئی کیوں کہ جیسا کہ معلوم ہے شریعت اسلامیہ میں عدت کا حکم اس غرض سے دیا گیا ہے کہ ایک طرف تو رحم کے فارغ از حمل ہونے کا اطمینان ہو جائے اور دوسری طرف خاوند کے حقِ خاوندی کا لحاظ رکھا جائے' بچہ پیٹ میں چالیس روز تک نطفہ کی حالت میں رہتا ہے اور پھر چالیس دن تک علقہ (خون منجمد) کی حالت میں اور اس کے بعد مُضغہ گوشت کی حالت میں رہتا ہے۔ اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے جس سے بچہ میں زندگی' حس اور حرکت آ جاتی ہے۔ غرض یہ چار مہینے رحم کے فارغ از حمل ہونے (کا اطمینان حاصل کرنے) کی خاطر رکھے گئے ہیں اور اس پر دس دن کا اضافہ کیا گیا ہے تا کہ بچہ کی حرکت نمایاں ہو جائے۔ اس عرصہ کے بعد ہی پیٹ میں حمل کے موجود ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق ہو سکتی ہے اور خاوند اور اہل خاوند کے حقوق ادا ہو جاتے ہیں اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ تمام اس صورت میں درست ہے جب کہ عورت کو ایام ماہواری آتے ہوں اور وہ حاملہ ہونے کے قابل ہو۔ اگر وہ صغیر سن ہو جیسے حیض نہ آتا یا آئسہ ہو جو ایام کے آنے سے محروم ہو یا ایسی عورت سے جس سے ہنوز مباشرت نہ ہوئی ہو ان پر یہ توجیہ منطبق نہیں ہوتی۔ یہ اعتراض اس لئے نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مدت گو ایسی عورتوں ہی کے لئے ہے جنہیں ایام آتے ہیں لیکن اس پر عام عورتوں کو قیاس کر کے یہ حکم دیا گیا تا کہ اس کے لئے ایک ہی طرز عمل نافذ کیا جا سکے۔ اس توجیہ کی خوبی اور عمدگی مخفی نہیں ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ عقل کی رو سے وہی رائے غالب ہے جو حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے۔ پس اگر کسی (حاملہ) عورت کے خاوند کی وفات کے پہلے ہی ہفتہ میں بچہ پیدا ہو جائے اور اسے کسی اور سے شادی کی اجازت ہو تو چار ماہ اور دس دن کی مدت عدت جو مقرر کی گئی ہے اس سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا حالانکہ (اس مدت کے مقرر کرنے میں) فائدہ ظاہر ہے۔ یعنی تعلق زوجیت کا احترام۔ اور عظمت خاوند کا اظہار اور وفات یافتہ خاوند کے رشتہ داروں کی دل جوئی کی خواہش۔ یہاں پر یہ خیال نہیں ہونا چاہئے کہ بعض اوقات اسے بے رحم حالات سے سابقہ پڑتا ہے جو اس عورت پر رحم کرنے اور شفقت کے متقاضی

Marfat.com

ہوتے ہیں اوراس کوزندہ رکھنے کی خاطر ضروری ہوتا ہے کہ اس کی شادی کردی جائے۔خاص کر اس صورت میں جب کہ خاندان میں کوئی اچھا رشتہ ملتا ہو جو زیادہ توقف نہ کرسکے اور یہ اندیشہ ہو کہ وہ رشتہ ہاتھ سے جاتا رہے' کیوں کہ یہ صورت حال تو اس صورت میں بھی پیش آسکتی ہے جب کہ وہ عورت جس کا خاوند وفات پا گیا ہے حاملہ نہ ہو اور اس کی شادی فوری طور پر ضروری ہو باوجود اس کے جب تک چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں اسے شادی کرنا حلال نہیں ہے گو خاندانی اور یا صاحب مال رشتہ ملتا ہو اور جس پر زندگی کا انحصار ہو۔ چاروں ائمہ فقہاء ان باتوں سے قطع نظر فرماتے ہیں اور اسی لئے کہتے ہیں کہ عدت گزارنا ایک امر تعبدی ہے جس پر بے چون وچرا عمل کرنا لازم ہے کوئی مصلحت پیش نظر نہیں ہے۔تاہم چونکہ شریعت اسلامیہ مصالح پر مبنی شریعت ہے لہٰذا عقدیہ رکھنا چاہئے کہ اس کے احکامات کی دوقسمیں ہیں۔منجملہ ان کے ایک قسم کا تعلق عبادات سے ہے۔جن کی بابت یہ خیال درست ہے کہ یہ تمام امور تعبدیہ ہیں (یعنی مصالح سے قطع نظر ان کی بجاآوری لازمی ہے) کیوں کہ ان سب کی غرض عاجزی اور نیازمندی کا اظہار ہے۔چنانچہ بادشاہ (حقیقی) کو یہ حق ہے وہ جو کچھ بھی چاہے اس کی بجاآوری کا حکم دے۔اس کی بابت یہ سوال نہیں کیا جاسکتا کہ ایسا کیوں ہے؟ اور ویسا کیوں نہیں؟ دوسری قسم کے احکام کا تعلق انسان کے باہمی معاملات' خرید وفروخت اور شخصی (ذاتی) حالات سے ہے۔اس میں ضرور ہے کہ وہ احکام عقل میں آنے والی مصلحت پر مبنی ہوں جو انسان کے ذاتی حالات اور ان کی بہبود سے نسبت رکھتے ہوں۔یوں تو شریعت کے احکام عبادت میں بھی بہت سی نمایاں خوبیاں اور عجیب اسرار ہیں جیسا کہ ہر اس شخص پر عیاں ہے جو شرعی احکام طہارت' نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ پر غور وفکر کرے۔اس کے مادی اور اخلاقی فائدے بنی نوع انسان پر اظہر من الشمس ہیں۔

یہاں تک جو کچھ کہا گیا اس کا تعلق حکمت تشریعی سے ہے لیکن جہاں تک دونوں (مندرجۂ بالا) آیات شریفہ کے فہم مطالب سے تعلق ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت ''والذین یتوفون منکم'' میں وفات یافتہ خاوند کی عدت کی مدت جو چار ماہ رکھی گئی ہے وہ عام ہے خواہ عورت حاملہ ہو یا حمل سے خالی ہو' لیکن ایک لحاظ سے آیت کا مفہوم خاص ہے اس عورت کے لئے جس کا خاوند وفات پا گیا ہو کیوں کہ اس میں یہ الفاظ ہیں ''والذین یتوفون منکم'' رہی دوسری آیت یعنی ''واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن'' (یعنی حاملہ عورتوں کی مدت عدت یہ ہے کہ وہ حمل سے فارغ ہوجائیں) یہ آیت بھی ایک لحاظ سے عام ہے کہ وضع حمل سے عدت مطلقاً پوری ہوجاتی ہے خواہ وہ عورت طلاق یافتہ ہو یا اس کا

Marfat.com

خاوند وفات پا گیا ہو اور ایک لحاظ سے خاص ہے کہ یہ حکم خصوصیت کے ساتھ حاملہ عورتوں کے بارے میں ہے۔ ایسی عورتوں کے لئے نہیں جن کے خاوند وفات پا گئے ہوں۔ ایسی آیتوں میں اجتہاد (ذہنی کاوش) سے کام لینا لازم ہے تاکہ دونوں آیتوں میں جو مفہوم بٹ گیا ہے اس تقسیم کو دور کیا جا سکے بناء بریں حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اجتہاد کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں اصحاب نے پہلی آیت کا مطلب جیسا کہ ظاہر ہے یہ لیا کہ یہ آیت اس عورت کے بارے میں مخصوص ہے جس کا خاوند وفات پا چکا ہو خواہ وہ عورت حمل سے ہو یا نہ ہو۔ ان دونوں اصحاب نے عدت کے لئے چار ماہ مدت حاملہ اور غیر حاملہ دونوں کے لئے لازم قرار دی۔ دوسری آیت کو بھی دنوں اصحاب نے اسی طرح سمجھا اور اس پر اتفاق کیا کہ زوجیت سے علیحدگی کی مدت وضع حمل ہے' خاوند کی زندگی میں بھی اور بعد میں بھی۔ البتہ موت سے جدائی کی صورت میں چار مہینے اور دس دن کی میعاد خاص کر دی۔ لہٰذا اگر بچہ اس میعاد سے پہلے پیدا ہو جائے تو اتنے عرصہ تک مزید اسے انتظار کرنا پڑے گا۔ اسی طرح دوسری آیت کی رو سے ایسی عورت کی عدت جس کا خاوند وفات پا گیا چار مہینے اور دس دن مخصوص کر دی جیسا کہ پہلی آیت میں وضاحت کی گئی ہے۔ اس (مدت کے تعین) میں وہی حکمت تشریعی پیش نظر ہے جس کا ذکر کیا گیا۔ لیکن حضرت ابن مسعودؓ ان چاروں اماموں سے جنہوں نے ان کی پیروی کی وہ یہ فرماتے ہیں کہ حاملہ عورت کے باب میں دوسری آیت پہلی آیت کی ناسخ ہے کہ (اس کی رُو سے) وضع حمل کے بعد ہی ایک لحظہ توقف کئے بغیر اس عورت کے لئے شادی کر لینا حلال ہے۔ گو ہنوز اس کے خاوند کو دفن نہ کیا گیا ہو۔ بناء بریں چار مہینے دس دن کی جو مدت عدت تھی وہ حکم وفات یافتہ خاوند کی بیوی کے لئے ایک خاص وقت تک رہا جو بعد میں منسوخ ہو گیا۔

صاحب اعلان الموقعین نے یہ روایت بیان کی ہے کہ بعد میں صحابہ رضوان اللہ علیہم کا اس پر اتفاق ہو گیا تھا کہ وضع حمل کے بعد بہرحال عدت ختم ہو جاتی ہے تاکہ عورتوں کو سہولت ہو۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اسلام میں وفات یافتہ خاوند کی بیوی کے بارے میں یہ امر باعث بحث تھا کہ دونوں مدتوں میں سے جو زیادہ لمبی ہو اتنے عرصے تک عورت عدت میں رہے۔ اس کے بعد اس پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ اس کی عدت وضع حمل کے ساتھ ہی پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن (مؤلف کتاب موصوف نے) اس اتفاق کے دعوے کی کوئی سند پیش نہیں فرمائی اور مفسرین نے بھی اس بات پر سب کے متفق ہو جانے کا ذکر نہیں کیا۔ علاوہ اس کے یہ بات ناقابل فہم ہے کہ اس کے چند سطروں کے بعد کی جو تحریر ہے اسے سابقہ تحریر سے کس طرح مطابقت دی جا سکتی ہے کہ یہاں پر عدت کی غرض محض استبراء (رحم کے خالی ہونے کا اطمینان) نہیں ہے

Marfat.com

جیسا کہ بعض فقہاء خیال کرتے ہیں کیوں کہ استبراء مباشرت سے پہلے واجب ہوتا ہے۔ نیز استبراء (یعنی رحم کے فارغ از حمل ہونے کا اطمینان) تو ایک ہی حیض سے ہو جاتا ہے (اتنا عرصہ لگانے کی کیا ضرورت ہے؟) پھر یہی مدت عدت، صغیر سن لڑکی، محرم الحیض عورت اور حیض والی سب کے لئے یکساں رکھ گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حالات کے پیش نظر کچھ اصحاب نے یہ فرمایا ہے کہ یہ حکم تعبدی ہے یعنی طاعت الٰہی کے لئے ہے۔ عقلی مقصد پیش نظر نہیں ہوتا' ان کا یہ خیال بوجوہ چند باطل ہے کیوں کہ اول تو شریعت میں کوئی بھی حکم ایسا نہیں ہے جس میں کوئی حکمت یا مصلحت نہ ہو۔ اس کو انسان اپنی عقل سے سمجھ سکتا ہے۔ ہاں کوئی سمجھنا ہی نہ چاہے تو اس کا فائدہ نظر سے اوجھل رہتا ہے۔ پھر یہ کہ عدت محض عبادت نہیں ہے کیوں کہ یہ صغیر سن لڑکی' بڑی عمر کی عورت' ذی عقل' جنون زدہ مسلمان اور ذمی عورت سب پر عدت یکساں واجب ہوتی ہے اور اس کے لئے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ نیز یہ بھی ہے کہ عدت میں خاوند' بچے اور دوسرے خاوند کے حقوق کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ پس بہتر یہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ (قبل از انقضائے میعاد عدت) شادی حرام ہے تا آنکہ نکاح کا اثر ختم ہو جائے۔ اسی طرح خاوند کے حق کا لحاظ ہو سکتا ہے۔ غرض یہ ظاہر ہے کہ عدت کی بدین گونہ تعبیر بعض فقہاء کے قول کے مطابق نہیں جو یہ فرماتے ہیں کہ شریعت میں عدت کی بدین گونہ تعبیر بعض فقہاء کے قول کے مطابق نہیں ہے جو فرماتے ہیں کہ شریعت میں عدت کا حکم حیض والی عورتوں کے لئے تو رحم کے فارغ ہو جانے کا اطمینان ہو جائے اور ان عورتوں کے لئے جنہیں ایام نہیں آتے یہ حکم تعبدی ہے' پس ان کے پیش نظر وہی بات ہے جو بتائی گئی کہ شریعت کے ایسے احکام جن کا تعلق حقوق باہمی سے ہے۔ ان میں انسانی مصلحتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ علاوہ اس کے اس عبارت سے بظاہر یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جملہ احکام الٰہی میں حتیٰ کہ عبادت میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت موجود ہے گو (اس کا پیش نظر رکھنا) ضروری نہیں جیسا کہ بتایا گیا ہے کیوں کہ عبادتیں عجز و نیاز کی علامتیں ہیں اور بادشاہ سے اس کے احکام کی وجہ نہیں پوچھی جا سکتی۔ اگر یہی بات ہے تو یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر خاوند کی وفات کے ایک دن بعد ہی وضع حمل ہوا اور اس عورت نے اسی دن کسی اور سے شادی کر لی تو وفات یافتہ خاوند کے حق کا لحاظ کہاں رہا؟ اور اگر وفات یافتہ خاوند اور اس کے رشتہ داروں کا حق ملحوظ نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے وفات یافتہ خاوند کی عدت کے لئے چار ماہ دس دن کی عدت جو مقرر فرمائی ہے اس میں کیا حکمت ہے۔ اس کی عدت بھی دوسروں کی عدت کی طرح یکساں کیوں نہیں رکھی؟ چنانچہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ اور وہ عورت جسے ایام آتے ہوں اس کی عدت تین حیض یا تین طہر ہے اور وہ عورت جو محروم الحیض ہو تو

Marfat.com

اس کی کوئی عدت نہیں ہے۔ نیز غیر مباشرت شدہ عورت کی بھی عدت نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کے رحم کا فارغ ہونا امر ثابت شدہ ہے اور اس کے واضح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور جو اصحاب اس بات کے قائل ہیں کہ عدت کے شرعی حکم میں مصلحت ہے انہیں حضرت علی اور حضرت ابن عباس کی پیروی ناگزیر ہے۔ باقی چاروں ائمہ فقہاء جو یہ کہتے ہیں کہ حاملہ عورت کی عدت بچے کے پیدا ہوتے ہی پوری ہو جاتی ہے۔ اور اس عورت کو حق ہو جاتا ہے کہ وہ کسی سے شادی کر لے اگر چہ ہنوز اس کے خاوند کو دفن نہ کیا گیا ہو۔ ان اصحاب کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن" نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "والذين يتوفون منكم الآيه" کی عمومیت کو منسوخ کر دیا ہے اور یہ عدت خواہ رحم کے فارغ ہونے کی غرض سے ہو خواہ یہ ایک حکم تعبدی ہو جو محض اللہ کی عبادت کے لئے بلا لحاظ کسی مصلحت کے ہو ائمہ پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو مولف اعلام الموقعین پر وارد ہوتا ہے۔

وفات یافتہ خاوند کی بیوی کی عدت کا بیان درآنحالیکہ وہ حاملہ نہ ہو

بیان سابقہ سے معلوم ہوا کہ وفات یافتہ خاوند کی بیوی اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل سے پوری ہوگی اگر چہ وفا کو ایک لحظہ ہی گزرا ہو اس پر تمام مسالک کا اتفاق ہے۔ (اس سلسلہ میں) وضع حمل سے عدت پوری ہونے کی شرائط کا بیان اور بعض صورتوں میں اختلاف کرنے والوں کی رائے اور اس کی دلیل بتائی جا چکی ہے۔ اب ایسی عورت کی عدت کا ذکر کیا جاتا ہے جس کا خاوند وفات پا جائے اور بیوی کو حمل نہ ہو۔ اگر وہ حاملہ نہیں ہے تو اس کی عدت آزاد عورت (جو لونڈی نہیں ہے) کے لئے چار مہینے دس دن ہے اور لونڈی کے لئے نصف یعنی دو ماہ پانچ دن کی عدت ہے۔ عورت خواہ چھوٹی عمر کی ہو یا بڑی عمر کی۔ مباشرت شدہ ہو یا نہ ہو محروم الحیض ہو یا حیض آتے ہوں۔ اس عدت کے پورا ہونے کے شرائط بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ وفات یافتہ خاوند کی عدت چار ماہ دس دن ہیں اس کی چند شرطیں ہیں:
ایک شرط یہ ہے کہ اگر وفات مہینے کے آغاز میں یعنی اس وقت جب کہ اس مہینے کا چاند نکلا واقع ہوئی تو ضروری ہوگا کہ قمری اعتبار سے چار مہینے اور دس دن اور رات عدت میں گزارے جائیں۔ اگر خاوند کی وفات طلوع فجر کے بعد واقع ہوئی تو وفات پانے والے دن کو مزید نو دن ملا کر دس دن پورے کیئے جائیں گے اس طرح دس دن اور نو راتیں ہوئیں لہٰذا بقول معتمد (تکمیل عدت کے لئے) پوری دسویں رات کا گزارنا ضروری ہوگا۔ اور اگر خاوند کی وفات مہینے کے دوران واقع

Marfat.com

ہوئی تو عدت کی مدت دنوں میں شمار ہوگی لہٰذا جب تک ایک سوتیس دن اور رات نہ گزر جائیں عدت پوری نہ ہوگی اور یوں بھی کہا جاتا ہے کہ اگر کسی شخص نے مہینے کے دوران وفات پائی تو جتنے دن اس مہینے کے باقی ہیں انہیں (عدت میں) محسوب کیا جائے گا اس کے بعد جب چار مہینے قمری حساب سے گزر جائیں تو پانچویں مہینے سے اتنے دن ملا کر دس دن پورے کئے جائیں گے جو باقی رہ گئے اس کی مزید توضیح اور ایلاء اور عنین (خاوند کے نامرد ہونے) کے بیان میں کی گئی ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ شادی باقاعدہ عقد کے مطابق ہوئی ہو۔ اگر عقد فاسد تھا تو مباشرت کے بعد خاوند کی وفات ہوگئی تو حیض والی عورت تین حیض تک عدت میں رہے گی اور اگر ایسی عورت ہے جسے ایام نہیں آتے یا وہ حاملہ ہے تو اس کی مدت عدت تین ماہ یا وضع حمل ہے۔ غرض وہ عورت جس سے عقد فاسد کے بعد یا شبہ میں مباشرت ہوگئی ہو اس کی عدت اگر وہ عورت آزاد ہے تو تین حیض اور محروم الحیض ہو تو تین ماہ کی مدت یا وضع حمل ہے خواہ یہ عدت طلاق کی ہو یا خاوند کے وفات کی اور اگر وہ عورت لونڈی ہے تو اس کی عدت دو بار حیض کا آجانا ہے اور بصورت آئسہ ہونے کے ڈیڑھ ماہ اور بصورت حاملہ ہونے کے وضع حمل ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ خاوند کا نکاح صحیح وفات کے وقت تک باقی رہا ہو۔ اگر وفات سے پہلے نکاح فاسد ہو جائے تو وہ عدت عائد ہوگی جو نکاح فاسد کی حالت میں ہوتی ہے۔ مثلاً ایک غلام مکاتب نے کسی کی مملوکہ لونڈی سے شادی کر لی اور پھر اس نے اس لونڈی کو خرید لیا اور پھر وفات پا گیا لیکن اتنا مال چھوڑا جو رقم کتابت کے مطالبہ اور لونڈی کی قیمت ادا کرنے کو کافی ہو تو اس صورت میں وہ عقد فاسد ہو جائے گا کیوں کہ اب وہ شخص آزاد ہے اور آزاد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی (خرید کردہ) لونڈی کے ساتھ عقد ازدواج کرے۔ ایسی صورت میں وہ عورت وہی عدت گزارے گی جو نکاح فاسد کی عدت ہوتی ہے۔ یعنی اگر مباشرت ہو چکی ہے تو دو حیض ورنہ مطلقاً کوئی عدت نہ ہوگی' نکاح فاسد کی عدت نہیں ہوتی اگر اس شخص نے اتنا مال نہیں چھوڑا جو اس کے ذمہ کے قرض (یا مطالبہ) کے لئے کافی ہو تو وہ عقد بحال رہے گا۔ کیوں کہ دونوں (میاں بیوی) مملوکہ (یعنی غلام لونڈی) ہیں اور وہ عدت گزاریں گے جو لونڈی کے وفات یافتہ خاوند کی ہوتی ہے یعنی دو ماہ پانچ دن۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ اس خاوند نے مرض الموت میں طلاق بائن نہ دی ہو۔ ایسا طلاق' طلاق فار (یعنی ادائیگی حق سے فرار کرنے والا) کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خاوند بیوی کی مرضی کے خلاف اپنے مرض الموت کی حالت میں اسے طلاق دے دے پھر عدت پوری ہو جانے سے پہلے وفات پا جائے۔ ایسی صورت' میں یہ حکم ہے کہ وہ عورت دو عدتیں گزارے۔ ایک عدت طلاق کی اور دوسری وفات خاوند کی بایں طور کہ ان دونوں عدتوں میں سے ایک عدت میں دوسری عدت محسوب ہو جائے گی مثلاً ایک عورت صاحب ایام ہے اور طلاق کے بعد اسے حیض آ گیا اور پھر خاوند کی وفات ہوگئی تو اس کی مدت عدت وفات کے وقت سے چار ماہ اور دس دن ہوگی بشرطیکہ طلاق کے بعد اسے تین حیض آ چکے ہوں یعنی وفات سے پہلے جو حیض آیا وہ عدت طلاق میں محسوب ہوگا۔ اور وفات کی عدت میں دو حیض کا آنا ضروری ہے اگر اس مدت میں دو بار حیض نہیں آیا تو جب تک کہ بقیہ دو حیض نہ آ جائیں عدت پوری نہ ہوگی۔ اگر اسے حیض نہیں آیا تو اس کی عدت پوری نہ ہوگی جب تک کہ وہ عمرِ یاس تک نہ پہنچ جائے (یعنی وہ عمر جس میں ایام حیض کا آنا بند ہو جاتا ہے۔ پس اگر ایسی

Marfat.com

عورت کو طلاق ملی جسے ایام آتے ہیں اور طلاق کے بعد وفات کے وقت تک اسے حیض نہیں آیا اور پھر وفات ہوگئی تو وفات کی عدت پوری کرے گا اور جب تین حیض آ چکیں تو عدت پوری ہو جائے گی بصورت دیگر عورت پر لازم ہے کہ تین حیض کا انتظار کرے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عورت کے خاوند کی وفات کے بعد چار مہینے اور دس دن عدت کی مدت ہے اور طلاق کے بعد تین حیض عدت کے ہیں۔ اگر اس میں سے کچھ حیض (عدت وفات کی) مدت سے باہر اور کچھ اس مدت کے اندر آ گئے تو ان کو عدت (طلاق) میں محسوب کر لیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کل حیض اسی مدت میں گزرے تو وہ بھی عدت میں محسوب ہو جائیں گے اگر کل حیض یا کچھ حیض اس مدت میں نہیں گزرے تو لازم ہوگا کہ وہ عورت عدت وفات کی مدت ختم ہونے کے بعد مزید تین حیض کا انتظار کرے۔ اگر حیض نہ آئے تو یہ عدت پوری نہ ہوگی۔

یہ مسائل وہ ہیں جن کا تعلق عدت سے ہے۔ رہا میراث کا معاملہ سو اس صورت میں حق میراث ساقط نہ ہوگا اور جہاں تک حق وراثت کا تعلق ہے۔ اس بارے میں عورت کی زوجیت برقرار متصور ہوگی۔

چوتھی شرط میں طلاق بائن نہ دینے کی جو شرط لگائی ہے اس سے وہ صورت نکل گئی جب کہ خاوند نے بیوی کو طلاق رجعی دی ہو اس صورت میں اگر خاوند نے بیوی کو طلاق رجعی دی ہو اور خاوند کی وفات اس طلاق کی عدت گزرنے کے بعد ہوئی تب ان کا رشتہ ازدواج منقطع ہوگا اور ورثہ کا حق ساقط ہوگا اور اس کے بعد وہ عورت وفات کی عدت نہیں گزارے گی۔ ہاں اگر خاوند کی وفات عدت کے دوران ہوئی تو بے شک وہ عورت بیوی کی طرح وفات کی عدت پوری کرے گی۔ اور اس سے فرق نہیں پڑتا کہ طلاق مرض موت میں دے دی گئی ہو یا صحت مندی کی حالت میں۔ اور عدت گزرنے سے پہلے خاوند کی وفات ہو جائے کیوں کہ (طلاق رجعی) میں عدت پوری ہونے سے پہلے وہ عورت اس کی بیوی متصور ہوگی اور اس کے ورثہ کی حق دار ہوگی اور یہ جو کہا گیا کہ وہ طلاق بیوی کی مرضی کے بغیر ہوئی ہو اس سے وہ صورت نکل گئی جب کہ اس نے بیوی کی مرضی سے طلاق بائن دی ہو۔ ایسی صورت میں بیوی طلاق کی عدت گزارے گی اور ورثہ کی حق دار نہ ہوگی اور اس کی عدت طلاق عدت وفات میں منتقل نہ ہوگی۔

جاننا چاہئے کہ خاوند کی وفات کے بعد عدت کی مدت چار مہینے اور دس دن ہوتی ہے بشرطیکہ وہ عدت فار نہ ہو (یعنی ایسے شخص کی عدت نہ ہو جس نے ورثہ سے محروم کرنے کے لئے مرض موت میں طلاق دے دی) خواہ وفات یافتہ خاوند کی بیوی حیض والی عورت ہو یا نہ ہو جیسا کہ بیان کیا گیا۔ اور خواہ اس عدت کے دوران اسے ایام آئے ہوں یا نہ آئے ہوں جیسا کہ اس حالت میں ہوتا ہے جب کہ وہ عورت دودھ پلاتی ہو اور اس کے حیض میں تاخیر ہوگئی ہو یا عمر بھر میں ایک ہی بار اسے حیض آیا ہو اور طہر کی مدت طویل ہوگئی ہو۔ کیوں کہ وفات کی عدت میں حیض کو کوئی دخل نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت پوری نہ ہوگی تا آنکہ وضع حمل نہ کرے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ وفات یافتہ خاوند کی بیوی جو حاملہ نہ ہو اس کی صورت چار ماہ دس دن ہے لیکن اس بارے میں چند شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ اس عورت کے ساتھ عقد صحیح ہوا ہو جس کے صحیح ہونے پر سب کا اتفاق ہو یا ائمہ فقہاء میں اس

Marfat.com

کے صحیح ہونے کے بارے میں اختلاف ہو۔ مثلاً حالت احرام میں عقد ہوا تو اس کے صحیح ہونے کے باب میں اختلاف ہے حنفیہ اس عقد کو درست بتاتے ہیں (دونوں صورتوں میں عدت مذکورہ عائد ہوگی) اگر نکاح فاسد ہوا جس کے فاسد ہونے پر سب کا اتفاق ہو جیسے چار بیویوں کے ہوتے پانچویں بیوی سے یا محرم سے (جس کے ساتھ نکاح حرام ہے) شادی کرنا۔ ایسی صورت میں عورت کو طلاق یافتہ بیوی کی طرح عدت گزارنا ہوگی۔ یعنی اگر وہ عورت حیض والی ہے تو اس کی عدت تین طہر اور اگر محروم الحیض ہے تو تین ماہ ہے۔ پس اگر کسی نے ایسا عقد کیا جس کے فاسد ہونے پر سب کو اتفاق ہے اور اس سے مباشرت ہوگئی پھر وفات پا گیا تو اس کی عدت طلاق یافتہ بیوی کی عدت کی طرح پوری کی جائے ایسے عقد کا بیان جس کے فاسد ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور جس پر اتفاق نہیں ہے اس کتاب کے ربع اول کے آغاز میں ہو چکا ہے۔ عقد فاسد کے بعد مباشرت ہوئی ہو تو اس کی عدت نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ خاوند مسلمان ہو پس اگر ایک ذمی شخص ہے جس کی بیوی بھی ذمیہ ہے اور اس شخص کی وفات ہوگئی پھر کسی مسلمان نے اس ذمیہ سے شادی کا ارادہ کیا تو اس کی عدت تین ماہ ہوگی درآنحالیکہ اسے ایام نہ آتے ہوں اگر آتے ہوں تو مدت عدت تین طہر ہوگی۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ ایک غیر مسلم مرد اس عورت سے شادی کرنے کا ارادہ کرے اور پھر دونوں یہ چاہیں کہ اس کا فیصلہ حاکم شرع سے کرایا جائے۔ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ اس عورت سے مباشرت ہو چکی ہو۔ اگر نہ ہوئی ہو تو اس کی عدت ہی نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ چار ماہ اور دس دن اور رات مدت کی عدت میں گزار دی جائے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ خاوند نے اسے طلاق بائن نہ دی ہو اور طلاق رجعی دی ہو تو ہنوز اس کی عدت پوری نہ ہوئی ہو کہ خاوند وفات پا جائے اس صورت میں طلاق کی عدت وفات کی عدت میں منتقل نہ ہوگی بلکہ وہ طلاق کی مدت بھی گزارے گی اور وفات کی عدت بھی برقرار رہے گی۔ یہ حکم اس صورت کے خلاف ہے جب کہ بیوی کو طلاق رجعی دی اور اس کی عدت پوری نہ ہوئی تھی کہ خاوند وفات پا گیا تو طلاق کی عدت وفات کی عدت میں منتقل ہو جائے گی بایں طور کہ وفات کے وقت سے چار ماہ اور دس دن کی مدت عدت پوری کرے۔ اگرچہ خاوند کی وفات تیسرے طہر کے پورا ہونے سے صرف ایک دن پہلے ہوئی ہو۔ اگر وہ لونڈی ہو تو اس کی عدت آزاد عورت کی نصف مدت ہوگی۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ مباشرت شدہ عورت کی صورت میں حیض آنے سے پہلے چار ماہ اور دس دن کا عرصہ (عدت) پورا ہو چکا ہو اور عورتیں یہ بتائیں کہ اس کے حاملہ نہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً اس عورت کے خاوند کی وفات ہو جائے اور وہ ایسی عورت ہے جسے دودھ پلانے کے درمیان حیض نہ آتے اور (وفات خاوند کے بعد) حیض آنے سے پہلے چار ماہ دس دن کی مدت گزر چکی ہے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی بشرطیکہ عورتیں اس عورت کی بابت یہ بتائیں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس عورت کو حمل نہیں ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ ایک عورت ہر پانچ ماہ کے بعد ایک بار ایام سے ہوتی ہے۔ ایسی عورت کے آغاز طہر میں خاوند کی وفات ہوگی تو لازم ہے کہ اس کے حیض کا وقت آنے سے پہلے چار ماہ دس دن حالت طہر میں گزرے اور عورتیں یقین دلائیں کہ اس عورت کے خالی از حمل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی لیکن اگر عورتوں کو یا خود اس عورت کو حمل کے موجود

Marfat.com

ہونے کا شبہ ہو تو نو مہینے تک انتظار کرنا واجب ہے۔ اگر اس وقت یہ شبہ دور ہو جائے تو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا یا حیض کے آنے تک انتظار کرنا ہوگا۔ یا پھر زیادہ سے زیادہ مدت حمل گزارنا ہوگا' جس کی تعداد بقول راجح پانچ سال ہے نیز چار سال ہے بھی۔ یا کوئی اور مدت بھی بتائی جاتی ہے۔ اگر اس مدت کے دوران حیض آ جائے تو مدت عدت کے ختم ہونے پر عدت پوری ہو جائے گی۔ اگر حیض نہیں آیا اور اس عورت کی عادت کے خلاف حیض میں تاخیر ہو جائے تو عدت پوری نہ ہوگی تا آنکہ حیض نہ آ جائے۔ محض عادت کے اعتبار سے عدت پوری نہ ہوگی۔ تا آنکہ حیض نہ آ جائے۔ غرض حیض آ جائے تب ہی عدت کی مدت پوری کی جا سکتی ہے۔ اگر نہ آئے تو نو ماہ تک انتظار کرے اگر نو مہینے گزر جائیں تو اسے خود کو حمل ہونے کا شبہ ہو یا عورتیں اس بارے میں شبہ کریں تو جب تک شبہ زائل نہ ہو جائے اسے انتظار کرنا چاہئے یا پھر حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت جو بتائی گئی ہے گزر جائے (تب عدت پوری ہوگی)۔

ظاہر ہے کہ مالکیہ عورتوں بالخصوص واقف کار عورتوں کے فیصلہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس نظریہ کے پیش نظر عصر حاضر میں حمل کے بارے میں قطعی طور پر شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کیوں کہ تعلیم یافتہ طبیبہ عورتوں کے لئے حمل کے موجود ہونے یا نہ ہونے کے متعلق یقینی فیصلہ کرنا ممکن ہے۔ چار ماہ دس دن کا انتظار کرنا ضروری نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر مباشرت شدہ عورت کا خاوند وفات پا جائے تو پہلے اس عورت کے ایام ماہواری کی عادت کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ اگر اسے چار ماہ دس دن تک حیض نہیں آتا یعنی ہر پانچ ماہ کے ایک بار آتا ہے اور اس خاوند کی وفات آغاز طہر میں واقع ہوئی اور چار ماہ دس دن گزر گئے تو اس کی عدت پوری ہو گئی بشرطیکہ اس میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ اسے حمل نہیں ہے یعنی ہوتا تو اسے خود کو یا دیکھنے والی عورتوں کو بھی حمل کا احتمال ہوتا۔ اگر اس کا کچھ بھی شک ہو تو (اس میعاد کے گزرنے پر) اس کی عدت پوری نہ ہوگی بلکہ بصورت مذکورہ سابقہ اسے انتظار کرنا چاہئے۔ لیکن اگر اس چار مہینے اور دس دن کے اندر حیض آ جائے اگر ایک ہی بار آئے تو چار ماہ دس دن گزر جانے پر اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔ اگر اس دوران حیض نہیں آیا خواہ کسی مرض کی وجہ سے یا کسی اور نامعلوم سبب سے تو بقول راجح حیض کے آنے تک عدت پوری نہ ہوگی یا پھر اسے نو مہینے تک انتظار کرنا ہوگا۔ اگر اس عرصہ میں حیض نہیں آیا اور حمل کا شبہ ہے یا عورتوں کو اس کا شبہ ہے تو یہ شبہ دور ہونے تک انتظار کرے یا پھر پانچ سال تک جو حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے انتظار کرنا ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ وفات یافتہ خاوند کی بیوی کو اگر حمل نہ ہو تو مہینوں میں عدت گزارنے کی چند شرائط ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ خاوند نے بیوی کو طلاق بائنہ نہ دی ہو۔ اگر طلاق بائنہ دے دی اور دوران عدت وفات پا گیا تو اس کی عدت طلاق برقرار رہے گی اور وہ وفات کی عدت میں منتقل نہ ہوگی۔ پس اگر وہ عورت حمل سے ہو اور اسے طلاق بائن ملی ہے تو وضع حمل کے وقت ایام عدت کے نفقہ کی حق دار ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر خاوند نے طلاق رجعی دی اور دوران عدت وفات پا گیا تو وہ عدت طلاق وفات کی عدت میں منتقل ہو جائے گی اور اگر طلاق کی عدت باقی رہ گئی ہے تو وہ ساقط ہو جائے گی اسی طرح بیوی کا نفقہ بھی (خاوند کے ذمہ سے) ساقط ہو جائے گا۔ کیوں کہ جس عدت کے دوران وہ عورت نفقہ کی حق دار تھی وہ عدت نئی عدت سے بدل گئی اس لئے اب بیوی کو سوگ منانا یعنی بناؤ سنگھار سے کنارہ کش ہونا واجب ہوگا۔ طلاق بائنہ پانے والی عورت پر واجب نہیں ہے کیوں کہ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے اس کی پہلی عدت برقرار ہے

Marfat.com

اور وہ وفات کی عدت میں منتقل نہیں ہوئی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس کے حاملہ نہ ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو اگر اس کا احتمال ہو مثلاً پیٹ بھاری ہو جائے یا پیٹ میں بچہ کی حرکت محسوس ہو تو دیکھنا چاہئے کہ آیا یہ شبہ عدت طلاق پوری ہونے سے پہلے لاحق ہوا یا بعد میں۔ اگر طلاق کی مدت عدت پوری ہونے سے پہلے یہ شبہ لاحق ہوا تو عورت پر واجب ہوگا کہ اتنی دیر تک توقف کرے کہ یہ شک دور ہو جائے۔ لہٰذا اگر ایام عدت گزرنے کے بعد (اسی حالت میں) اس عورت نے کسی اور سے شادی کر لی تو یہ نکاح باطل ہوگا یہاں تک کہ اگر یہ تحقیق ہو جائے کہ فی الواقع اسے حمل نہیں ہے' تب بھی (وہ نکاح باطل ہوگا) اور از سر نو عقد کرنا ہوگا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس کا پہلا نکاح بدستور بحال رہے گا کیوں کہ امر واقع سے یہ ثابت ہے کہ وہ نکاح درست تھا۔ اگر اس نکاح باطل کی بناء پر وہ عورت دوسرے خاوند کے ساتھ رہی اور چھ ماہ سے زیادہ عرصہ میں بچہ پیدا ہو گیا تو یہ بچہ اسی شخص کا ہوگا۔ اگر چہ یہ ممکن ہو کہ اس بچہ کو پہلے خاوند کا قرار دیا جا سکے۔ بایں لحاظ کہ وہ تاریخ طلاق سے چار سال کے اندر پیدا ہوا ہے اور چونکہ زیادہ سے زیادہ مدت حمل سے کم میں پیدا ہوا ہے اس لئے ممکن ہے کہ اسے پہلے خاوند سے منسوب کیا جا سکے۔ لیکن اگر چہ اسے دوسرے خاوند کی طرف منسوب کرنا ممکن ہے بایں لحاظ کہ وہ چار سال سے زیادہ عرصہ میں پیدا ہوا۔

اگر بیوی کی عدت پوری کرنے کے بعد (حمل کا شبہ) ہوا تو سنت یہ ہے کہ وہ عورت شادی کرنے سے باز رہے' یہاں تک کہ (حمل کا) شبہ دور ہو جائے اگر سنت کے خلاف اس نے کسی اور سے شادی کر لی تو بظاہر عدت پوری ہو جانے کی بناء پر نکاح باطل نہ ہوگا۔ بجز اس صورت کے جب کہ کوئی قطعی قرینہ اس نکاح کے باطل ہونے کا موجود ہو' مثلاً یہ کہ اس تاریخ سے جب کہ خاوند اول کو بیوی سے مباشرت کا موقع ملا ہو اور حمل کا قرار پانا ممکن رہا ہو' چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ پیدا ہو جائے۔ اگر چھ ماہ سے کم میں ولادت ہوگئی تو دوسرے عقد کا باطل ہونا واضح ہے اور پہلے خاوند کی عدت برقرار رہے گی اور بچہ کو اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس کی طرف منسوب کرنا ممکن ہو' یعنی وہ بچہ چار سال سے کم میں پیدا ہوا ہو جو حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔ لیکن اگر چار سال سے زیادہ عرصہ میں بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کو خاوند اول کی طرف منسوب کرنا ممکن نہ ہوگا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ لیکن اگر وہ بچہ چھ ماہ سے زیادہ عرصہ میں پیدا ہوا تو دوسرا عقد درست متصور ہوگا اور بچہ دوسرے خاوند کا قرار پائے گا۔

شافعیہ نے اس حالت میں طبی ذرائع سے حمل کے شبہ کو دور کئے جانے کے امکان اور واقف کار عورتوں کی پہچان کا ذکر نہیں کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ ساقط شدہ حمل کی بابت دائیوں کی رائے پر عمل کیا جائے گا۔ وہی بتا سکتی ہیں کہ ساقط شدہ' انسانی جسم کا لوتھڑا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگر چار دائیاں یعنی جنائیاں یہی کہیں تو اس عورت کو حق ہوگا کہ وہ عورت عقد ظاہر اور عقد باطن دونوں کرلے۔ اس بارے میں دو واقف کار مردوں کی رائے بھی چار دائیوں کی رائے کی بجائے تسلیم کی جائے گی۔ اگر ایک دائی بھی یہ بات کہے تو عورت کو عقد باطن کر لینے کا حق ہے۔ بناء بریں شافعیہ کے نزدیک قابل اعتبار اور واقف کار عورت کے قول پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ جس کا ایک ہی مقصد ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ رحم حمل سے فارغ ہے ان حالات میں جس عورت کو اپنے بارے میں شبہ ہو کہ اسے حمل ہے وہ خود اپنے تئیں ایسی طبیبہ عورتوں کو دکھائے جو اشتباہ حمل کے معاملہ سے واقف ہو تا کہ یہ اطمینان ہو جائے کہ حمل نہیں ہے اور اس غیر یقینی صورت حال کو تکلیف سے نجات ہو۔

Marfat.com

معلوم ہونا چاہئے کہ یہ شرط وفات یافتہ خاوند کی بیوی کی عدت پوری ہونے کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ طلاق کی عدت گزارنے والی اور ایسی عورت کے لئے بھی ہے جس کا عقد نکاح فسخ کر دیا گیا ہو۔

وضع حمل سے عدت پوری ہونے کی اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ نابالغ بچہ یا ممسوح مرد (جو اعضائے مخصوصہ سے کلیتاً محروم ہو) اگر بیوی کو چھوڑ کر وفات پا جائے تو اس کی عدت بھی تاریخ وفات سے چار ماہ اور دس دن کی مدت ہے اگر یہ پتہ چلے کہ اس عورت کو حمل ہے جو بیوی کے شبہ میں مباشرت ہو جانے سے ہوا ہے تو اس پر دو عدتیں لازم ہیں کہ وہ انتظار کرے گی کہ وضع حمل اور شبہ کی مباشرت کی عدت پوری ہو جائے یعنی وضع حمل کے بعد وفات خاوند کی عدت شروع کرے گی اور چار مہینے دس دن تک انتظار کرے گی۔ اگر کسی عورت کا خاوند وفات پا جائے اور اسے حمل نہ ہو پھر عدت کے دوران بیوی کے شبہ میں اس کے ساتھ کسی نے مباشرت کر لی اور حمل رہ گیا۔ اس صورت میں وضع حمل سے شبہ کی مباشرت کی عدت پوری ہو جائے گی اور مباشرت کے پہلے کا حصہ وفات کی عدت میں محسوب ہوگا اور وضع حمل کے بعد عدت وفات قائم رکھی جائے گی۔ لیکن اگر وہ حمل (شبہ کی مباشرت سے نہیں بلکہ) بدفعلی کا نتیجہ ہو مثلاً کسی شخص نے عورت سے بدکاری کی درآنحالیکہ وہ ہنوز اس شخص کی زوجیت سے خارج نہیں ہوئی اور اس سے حمل رہ گیا پھر خاوند کی وفات ہو گئی تو عورت صرف وفات کی عدت یعنی چار ماہ دس دن پورے کرے اس کے بعد عدت پوری ہو جائے گی۔ خواہ وضع حمل ہو یا نہ ہو' پھر بقول اصح اس حمل کی حالت میں اس سے شادی اور مباشرت کرنا حلال ہوگا کیوں کہ جو بچہ بدفعلی کا نتیجہ ہو اس کے پاس احترام ضروری نہیں ہے چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے حالت حمل میں شادی کی درآنحالیکہ وہ اس کے حال سے ناواقف تھا وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا حمل بدکاری کا نتیجہ ہے یا بیوی کے شبہ میں مباشرت ہو جانے کا تو اس بارے میں دو رائیں ہیں اور دونوں درست ہیں۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ اس حمل کو زنا کا قرار دیا جائے ایسی صورت میں اس شخص کو عقد اور مباشرت دونوں کا اختیار ہے دوسرے یہ کہ اس حمل کو شبہ کی مباشرت تصور کیا جائے ایسی صورت میں لازم ہے کہ عدت پوری ہونے تک توقف کرے اور صحیح طریق کار یہ ہے کہ اس حمل کو شبہ میں مباشرت کا نتیجہ گمان کیا جائے تا کہ عورت کو حد (سزائے زنا) کا مستوجب ہونے سے بچایا جا سکے۔ لیکن جواز عقد مباشرت کے لئے اسے زنا قرار دیا جائے۔ پس اس سے شادی کرنا اور مباشرت کرنا بغیر انقضائے عدت کے حلال ہوگا۔

بیان سابقہ سے معلوم ہوا کہ اگر عورت خاوند کی وفات کے بعد عدت کے دوران زنا سے حاملہ ہو جائے تو خاوند کی وفات کی عدت منقطع نہ ہوگی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ (وفات کی عدت) قمری مہینوں کے حساب سے چار مہینے اور دس دن رات گزارے جائیں اس کے لئے شرط یہ ہے کہ حتی الامکان عدت کی مدت قمری تاریخوں کے حساب سے لگائی جائے۔ چنانچہ اگر خاوند کی وفات مہینے کے آغاز میں یعنی مہینے کا چاند ہوتے ہی واقع ہو تو ضروری ہے کہ عدت کے چار قمری مہینے اور دس دن رات عدت کے پورے کرے جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے لیکن اگر وفات مہینے کے درمیان واقع ہوئی اس مہینے کے باقی دنوں کی گنتی کی جائے گی' جتنے دن عدت کے باقی رہے ان کو پانچویں مہینے کی تاریخوں سے پورا کیا جائے گا اور درمیانی عرصے کا شمار قمری مہینوں کے لحاظ سے ہوگا مثلاً ماہ شعبان کے وسط میں خاوند کی وفات ہوئی تو وہ ماہ شعبان کے پندرہ یوم (عدت میں) محسوب ہوں

Marfat.com

گے پھر تین قمری مہینے یعنی رمضان، شوال اور ذیقعدہ کو عدت میں محسوب کر کے ماہ ذی الحجہ سے جو وفات کا پانچواں مہینہ ہے پندرہ دن لے کر ماہ شعبان کو پورا کیا جائے گا تا کہ چار مہینے کامل ہو جائیں پھر اس میں (ماہ ذی الحجہ سے) دس دن اور راتیں مزید شامل کی جائیں اس طرح عدت کی مدت چھبیس ذی الحجہ کو پوری ہو گی وعلی ہذا القیاس۔ اگر رویت ہلال دشوار ہو اور مہینے کا ناقص یا کامل ہونا معلوم نہ ہو تو اسے کامل (یعنی تیس دن کا) مہینہ قرار دیا جائے گا۔

حنبلی کہتے ہیں کہ وفات یافتہ خاوند کی بیوی جو حاملہ نہ ہو اس کی عدت کا حساب مذکورہ طریقہ سے لگایا جائے گا۔ لیکن اس کے لئے چند شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ بیوی کے حاملہ نہ ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو لہٰذا اگر خاوند کی وفات سے چار ماہ دس دن گزرنے سے پہلے یہ شبہ ہو جائے کہ اس عورت کو حمل ہے مثلاً پیٹ میں (بچہ کی) حرکت محسوس ہو یا پیٹ بھاری ہو جائے یا حیض کا آنا بند ہو جائے یا پستانوں میں دودھ اتر آئے وغیرہ تو اب اس کی عدت پوری نہ ہو گی تا آنکہ حمل کے موجود ہونے کا شبہ دور نہ ہو جائے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ بیوی حمل سے ہے تو اس کی عدت وضع حمل سے پوری ہو گی اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حمل نہیں تھا تو مدت مذکورہ پہلی ہونے کے بعد ختم ہو جائے گی اور اس کے ساتھ عقد کرنا حلال ہو جائے گا۔ اگر اس شبہ کے موجود ہوتے ہوئے بھی اس عورت سے کسی نے شادی کر لی تو یہ نکاح باطل متصور ہو گا خواہ بعد میں یہ ثابت ہو جائے کہ اسے حمل نہیں تھا۔ نیز اگر (وفات سے) چار ماہ دس دن گزرنے کے بعد بھی حمل کا شبہ ہو جائے تو اس شبہ کے دور ہونے تک انتظار کرنا واجب ہے۔ اگر شادی کی تو وہ شادی باطل ہے۔ کیوں کہ اس حال میں وہ عدت میں ہو گی لیکن اگر عدت گزرنے کے بعد حمل کا کوئی شبہ نہ تھا اور اس عورت نے شادی کر لی اور مباشرت ہو گئی اس کے بعد حمل کا شبہ لاحق ہوا تو یہ نکاح فاسد متصور نہ ہو گا کیوں کہ یہ حمل عدت گزرنے کے بعد ظاہر ہوا، تاہم جب تک کہ یہ شبہ دور نہ ہو جائے اور حمل کا نہ ہونا ثابت نہ ہو جائے مباشرت کرنا حرام ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اسے حمل تھا بایں طور کہ عقد کے بعد چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہو جائے تو اب وہ نکاح باطل ہو جائے گا۔ کیوں کہ وہ عقد عدت کے دوران واقع ہوا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ عقد ہوا ہو لیکن مباشرت نہ ہوئی ہو اور حمل کا شبہ ہو جائے تو اس شبہ کے دور ہونے تک اس کے ساتھ مباشرت حرام ہے۔ پھر اگر عقد کے بعد چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو عقد کا باطل ہونا ظاہر ہے، جیسا کہ بتایا گیا لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ بچہ ساقط شدہ حمل نہ ہو۔ یعنی وہ بچہ اور بچوں کی طرح زندہ ہو ورنہ یہ عقد باطل متصور نہ ہو گا کیوں کہ ایسی حالت میں یہ احتمال ہے کہ اسقاط شدہ حمل خاوند کی وفات کے بعد قرار پایا ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ خاوند کی وفات ایسی حالت میں نہ ہوئی ہو کہ اس کی بیوی کو کسی اور کا حمل ہو اس کی صورت یہ ہے کہ خاوند اتنا کم سن ہو کہ اس جیسے لڑکوں سے اولاد نہیں ہو سکتی یا وہ شخص خصی یعنی مقطوع الخصیتین ہو یا مجبوب یعنی مفقود العضو المخصوص ہو کہ اس سے اولاد نہیں ہو سکتی یا عقد کے بعد مباشرت نہیں ہوئی اور خاوند کی وفات ہو جائے۔ ایسی صورت میں دو عدتیں لازم ہوں گی ایک عدت حمل جو وضع حمل سے پوری ہو گی اور دوسری عدت وفات جس کا آغاز وضع حمل کے بعد ہو گا۔ پس وضع حمل کے بعد چار ماہ اور دس دن تک انتظار کرنا واجب ہو گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ بحالت صحت بیوی کو طلاق بائن نہ دی گئی ہو۔ اگر کسی شخص نے ایسا کیا اور بیوی عدت میں تھی

Marfat.com

کہ خاوند وفات پا گیا تو وہ عدت وفات کی عدت میں منتقل نہ ہوگی بلکہ پہلی عدت برقرار رہے گی۔ کیوں کہ (باقاعدہ طلاق بائن کے بعد) وہ عورت خاوند کے لئے اجنبی عورت متصور ہوگی۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ خاوند نے خطرناک مرض کی حالت میں طلاق بائن دی اور عدت کے دوران وفات پا گیا۔ ایسی صورت میں وہ عدت (طلاق بائن والی) وفات کی عدت میں منتقل ہو جائے گی۔ البتہ اگر عدت طلاق کی مدت زیادہ لمبی ہو تو اس عدت کو پورا کیا جائے گا مثلاً وہ عورت ایسی عورتوں میں سے ہو۔ جسے ہر تین ماہ کے بعد ایک بار حیض آتا ہو اور خاوند نے اسے طلاق بائنہ دی پھر طلاق کے بعد ہنوز ایک بار ہی اسے حیض آیا تھا کہ خاوند وفات پا گیا تو عورت پر لازم ہوگا کہ چار ماہ دس دن عدت وفات گزارے جو باقی ماندہ دو مزید حیضوں کی بجائے کافی نہیں ہے لہٰذا عدت وفات کی مدت گزر جانے کے بعد اس وقت تک انتظار کرنا ہوگا جب تک کہ باقی ماندہ حیض نہ آ جائیں۔ غرض عدت طلاق اور عدت وفات دونوں میں سے جس کی مدت زیادہ طویل ہوگی اتنے عرصہ تک انتظار کرنا ہوگا کیوں کہ بحالت موجودہ خاوند کی وارث ہے لیکن اگر بیوی کو طلاق رجعی دی اور عدت کے دوران اس کی وفات ہوگئی تو اس کی یہ عدت وفات کی عدت میں منتقل ہو جائے گی کیوں کہ ایسی حالت میں وہ عورت اس کی بیوی متصور ہوگی اور میراث وغیرہ کے معاملات میں اس پر احکام زوجیت عائد ہوں گی۔ اگر ایک شخص نے حالت مرض میں بیوی کو طلاق دی اور وہ بیوی اس کی وارث نہیں ہے مثلاً خاوند غلام ہے اور اس نے اپنی آزاد بیوی کو طلاق دی یا لونڈی کو مرض موت میں طلاق دی اور پھر بدوران عدت وفات پا گیا تو بیوی عدت طلاق گزارے گی کیوں کہ وہ وارث نہیں ہے۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ ایک ذمیہ عورت کسی مسلمان کی بیوی ہو اور اس شخص نے مرض موت میں اسے طلاق دے دی تو وہ بھی طلاق کی عدت پوری کرے گی۔ کیوں کہ وہ عورت اس کی وارث نہیں ہے۔ اسی طرح اگر عورت مسلمان ہے اور اس کے خاوند نے بیوی کی مرضی سے اسے طلاق بائنہ دے دی' مثلاً بیوی نے طلاق کا مطالبہ کیا اور خاوند نے منظور کر لیا تو وہ عورت عدت طلاق گزارے گی کیوں کہ اس صورت میں وہ وارث نہیں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور بیوی نے حیض کے اعتبار سے یا کسی اور طرح عدت پوری کر لی اور اس کے بعد وہ شخص وفات پا گیا تو عورت پر کوئی عدت لازم نہ ہوگی خواہ طلاق رجعی ہو یا طلاق بائنہ۔

واضح ہو کہ وفات کی عدت حیض کے اعتبار سے نہیں ہوا کرتی۔ بجز اس صورت کے جب کہ حمل کا شبہ ہو۔

Marfat.com

طلاق یافتہ بیوی کی عدت کا بیان جسے ایام آتے ہوں

حیض کا مفہوم اور اس کی شرطیں

اگر ایک شخص اپنی بیوی کو اپنی زندگی ہی میں چھوڑ دے خواہ طلاق دے کر یا فسخ نکاح کی بناء پر اور اس عورت کو ایام آتے ہوں تو اس کی عدت تین قروء ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء'' (یعنی طلاق یافتہ عورتیں اپنے تئیں تین قروء تک روک رکھیں) اس آیت میں طلاق یافتہ عورتوں سے مراد وہی عورتیں ہو سکتی ہیں جو حاملہ نہ ہوں اس لئے کہ دوسری عورتوں کا ذکر (جداگانہ) اس آیت میں ہے: ''واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن'' (یعنی حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ حمل سے فارغ ہو جائیں) ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''والمطلقت یتربصن'' غیر حاملہ عورتوں کے لئے مخصوص ہے۔

یہ عدت آزاد عورتوں کی ہے۔ لونڈیوں کی میعاد عدت آزاد عورتوں کی میعاد سے نصف ہے لیکن چونکہ قرء کی تنصیف نہیں ہو سکتی اس لئے لونڈی کی عدت دو کامل قروء رکھی گئی ہے۔ اندریں باب چند امور قابلِ ذکر ہیں۔

ایک یہ کہ ''قرء'' سے کیا مراد ہے؟ دوسرے یہ کہ آیا دودھ پلانے والی عورت جس کا حیض دودھ پلانے کے باعث بند ہو وہ بچے کو دودھ چھڑانے کی مدت کے بعد عدت گزارے یا مہینوں کے اعتبار سے گزارے؟ تیسرے ایسی عورت کی عدت کیا ہوگی جس کے ایام ماہواری کسی مرض کے باعث بند ہو گئے ہوں۔ چوتھے یہ کہ وہ عورت جسے مسلسل ادرار ہوتا رہتا ہے کس طرح عدت پوری کرے؟ ایسی عورتوں کو مستحاضہ (استحاضہ کی مریض) کہا جاتا ہے۔ پانچویں ایسی عورت کی عدت کیا ہوگی جسے سال دو سال یا پانچ سال میں ایک بار ہر دس سال کے بعد بار بار حیض آتا ہو؟ چھٹے یہ کہ جس عورت کو بالغ ہو جانے پر بھی حیض نہیں آتا اور جوان ہو جانے پر علامت حیض ظاہر نہیں ہوتی تو اس کی عدت کیا ہوگی۔ ان تمام مسائل کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ لفظ 'قروء' کے معنی میں اختلاف ہے اس کے معنی مشہور طہر یعنی حیض سے پاک ہونے کے ہیں۔ پس اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو حالت طہر (پاکی) کے اخیر لحظہ میں طلاق دی اور لفظ طلاق ادا کرنے کے لحظہ بھر بعد ہی حیض آ گیا تو وہ عرصہ 'ایک طہر' متصور ہوگا اس کے بعد حیض آنے اور پاک ہو جانے پر دو طہر ہو جائیں گے اس کے بعد پھر حیض آئے اور پاک ہو تو یہ تیسرا طہر ہو جائے گا اس تیسرے طہر کے پورا ہو جانے اور

Marfat.com

چوتھے حیض کے آتے ہی عدت پوری ہو جائے گی۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ قروء کے معنی حیض کے ہیں جیسا کہ حنفیہ اور حنابلہ کا قول ہے اور مالکیہ مسلک کا پیرو بھی مالکیہ کو یہ لفظ حیض ہی کے معنوں میں استعمال کرتے ہوئے پاتا ہے۔ لہٰذا اس خیال کو ترجیح حاصل ہے کہ لفظ قروء کے معنی حیض کے ہوں نہ کہ طہر کے۔ بعض اصحاب مالکیہ نے پہلے خیال کی تائید کی اس طرح فرمائی ہے کہ لفظ قرء کے مجازی معنی حیض کے ہیں اور حقیقی معنی طہر کے ہیں اور جب تک کہ حقیقی معنی مراد لئے جا سکتے ہوں مجازی معنی پر عمل کرنا درست نہیں ہے۔ لیکن یہ تائید درست نہیں ہے کیوں کہ درحقیقت لفظ قروء حیض اور طہر دونوں معنوں میں مشترک ہے۔ لہٰذا یہ لفظ یکساں طور پر دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور لغت کے اعتبار سے دونوں میں کسی ایک معنی کو ترجیح حاصل نہیں ہے۔ پس ایسی صورت میں جب کہ حقیقی معنوں میں رحم کے حمل سے خالی ہونے کا نام حیض ہے نہ کہ طہر اور بعض مالکیہ اہل تحقیق اسی خیال پر قائم ہیں اور کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالکیہ بھی لفظ قروء حیض کے معنوں میں ہونا قابل ترجیح سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ اگر ایک شخص بدوران حیض اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو آیا اس ناقص حیض کی عدت میں محسوب کیا جائے گا یا نہیں؟ حالانکہ ان کے مسلک کا اصول متقاضی ہے کہ جس طرح وہ طہر (کی ناقص مدت کو) ناقص طہر تصور کرتے ہیں اسی طرح حیض (کی ناقص مدت کو بھی) کامل حیض قرار دیں اور حیض جس کا لحاظ عدت میں کیا جاتا ہے اس سے مراد وہ خون ہے جو عورت کے اندام نہانی سے عادتاً (مقررہ اوقات پر) اپنے آپ خارج ہوتا ہے۔ بچہ کی ولادت یا بکارت کے ٹوٹنے یا کسی اور سبب سے خارج نہ ہوا ہو۔ اس خون کے نکلنے پر عدت پوری ہو جاتی ہے جب کہ یہ شرطیں پوری ہوتی ہوں۔

ایک شرط یہ ہے کہ کم سے کم ایک دن یا دن کے کچھ حصہ میں ادرار جاری رہے۔ اگر تھوڑی دیر مثلاً لحظہ بھر جاری رہا تو اسے حیض قرار نہیں دیا جائے گا جس کے بعد والے طہر کو عدت میں محسوب کیا جا سکے۔ اگرچہ اس کیفیت کو عبادت کے معاملہ میں حیض قرار دیا گیا ہے کہ اس کے بعد غسل کئے بغیر نماز حلال نہیں ہے اور روزہ ہو تو اس سے ٹوٹ جائے گا۔ اگر بدوران عدت دو دن سے کم میں ادرار بند ہو جائے تو اس بارے میں واقف کار عورتوں سے دریافت کیا جائے گا اگر ایک عورت بھی جو بظاہر قابل اعتماد ہو یہ کہہ دے کہ وہ حیض تھا تو اسی پر عمل ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عورت نو سال سے کم کی نہ ہو۔ اگر اس عمر میں حیض کی علامت ظاہر ہو تو اسے حیض قرار نہیں دیا جائے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ عورت عمر یاس کو پہنچ جائے یعنی ستر سال کی ہو جائے۔ اگر نو سال سے تیرہ سال کی عمر تک کی لڑکی کو ادرار ہو جائے تو اس کی بابت عورتوں سے دریافت کیا جائے اگر وہ اسے حیض قرار دے تو اس پر عمل ہوگا۔ اگر اس میں شک وشبہ کا اظہار کریں یا اس کے حیض ہونے سے قطعاً انکار کریں تو اسی کے مطابق عمل درآمد ہوگا۔ اسی طرح پچاس سال سے بہتر سال تک کی عورتوں کے بارے میں کیا جائے گا کہ عورتوں سے رائے دریافت کر کے اس پر عمل ہوگا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ ادرار کی رنگت سرخ یا پیلی یا مٹیالی ہو۔ مٹیالی سے مراد سیاہ وسفید کا درمیانی رنگ ہے۔ یہی مشہور ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر اس کی رنت سرخ نہ ہو تو وہ حیض نہیں ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ ادرار کسی علاج وغیرہ سے نہ ہوا ہو چنانچہ اگر کسی عورت نے وقت مقررہ سے پہلے حیض

Marfat.com

آجانے کے لئے کوئی تدبیر کی اور حیض آ گیا تو اس سے عدت کی تکمیل نہ ہوگی اور نہ ایسے ادرار کو اس طرح کا حیض قرار دیا جائے گا جس میں نماز روز منع ہے۔ تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ روزوں کی قضا رکھے۔ کیوں کہ اس امر کا امکان ہے کہ وہ حیض ہی ہو۔ اگر کسی عورت نے حیض کے بند ہوجانے کے علاج کرایا اور وہ بند ہوگیا تو پھر اسے طہر قرار دیا جائے گا۔

ایسی عورت جسے پہلے پہل حیض آیا ہوا سے مبتداۃ (یعنی پہلی بار حیض سے دوچار ہونے والی) کہا جاتا ہے۔ حیض کی مدت زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے۔ اگر عورت کے ایام کی میعاد مقرر ہے تو اس کے حیض کے ایام اسی عادت کے مطابق ہوں گے۔ اگر ایام مقررہ پر جس کی عورت عادی ہے حیض بند نہ ہوں تو تین دن تک ادرار جاری رہے۔ اس کے بعد انتظار نہ کیا جائے۔ اور (خلاف عادت انقطاع کی صورت میں) تین دن تک انتظار اسی حالت میں ہوگا جب کہ پندرہ دن کے حیض کی عادی نہ ہو۔ اگر اس کی عادی ہے تو پندرہ دن کے بعد جو ادرار ہوا سے حیض تصور نہ کیا جائے۔ اور طہر کی مدت کم سے کم پندرہ یوم ہے۔ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ کبھی کبھی عورت کو حالت حمل میں بھی حیض آ جاتا ہے۔

دوسرے سوال (جس کا تعلق دودھ پلانے والی عورت کی عدت سے ہے) کا جواب یہ ہے کہ دودھ پلانے والی عورت اقراء کے حساب سے عدت گزارے گی۔ خواہ لفظ قروء کے معنے حیض کے لئے جائیں یا طہر کے اور خواہ وہ کئی سال تک دودھ پلاتی رہے اسے لازم ہے کہ دودھ چھڑانے کے بعد عدت میں رہے یہاں تک کہ حیض آ جائے۔ اگر دودھ چھڑانے کے بعد سال بھر تک حیض نہ آیا تو اب اسے شادی کر لینا حلال ہے۔ اس مسئلہ میں آزاد اور لونڈی کے درمیان حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی دودھ پلانے والی بیوی اگر لونڈی ہے تو اس کی عدت بھی حیض کے آنے پر مقوف ہے اور خاوند کو یہ حق ہے کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو لونڈی کا دودھ چھوڑا کر بچہ کو کسی اور دودھ پلانے والی کے سپرد کر دے تا کہ عدت جلد پوری ہو جائے۔ مثلاً خاوند اگرچہ مریض نہ ہو لیکن اس کو اندیشہ ہو کہ اگر احیاناً وہ عدت کے دوران وفات پا گیا تو وہ لونڈی اس کی وارث قرار پائی گی۔ کیوں کہ موت ناگہانی بھی واقع ہو جاتی ہے۔ یا وہ شخص جانتا ہو کہ اپنی (طلاق دادہ) بیوی کی بہن سے شادی کرے اور بیوی (دودھ پلاتی رہے تا کہ) عدت کی مدت کو طول دے اور اس شخص کے لئے اپنی بہن سے شادی کرنے میں رکاوٹ بنی رہے۔ یا یہ صورت ہو کہ خاوند چوتھی بیوی سے شادی کرنا چاہتا ہو یا یہ چاہتا ہو کہ عدت کے دوران بیوی کا نفقہ (جلدی) ختم ہو جائے (تو وہ بچے کا دودھ چھڑوا سکتا ہے) لیکن اس کے لئے خاوند کو چند شرائط کا لحاظ رکھنا ہوگا۔

پہلی شرط یہ ہے کہ بچہ دوسری عورت کی چھاتیوں سے دودھ پینا قبول کر لے یعنی ایسی دائی دستیاب ہو جائے جس کا دودھ بچے کو گوارا ہو اور اپنی ماں سے جدا ہونے میں اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس عورت کے حیض دودھ پلانے کے دوران بند ہو جاتے ہوں۔ اگر اس عورت کو ہر دو سال کے بعد حیض آتا ہو یعنی دودھ چھڑانے کے بعد بھی اسے حیض نہ آئے تو ایسی صورت میں خاوند کو یہ حق نہیں ہے کہ بچہ کا دودھ چھڑوا دے۔

تیسرے سوال (جس کا تعلق ایسی مریض عورت کی عدت سے ہے جس کا حیض بند ہو گیا ہو) کا جواب یہ ہے کہ جس عورت کے ایام بہ سبب مرض کے بند ہو گئے ہوں اسے بطور استبراء کے نو مہینے تک توقف کرنا چاہیئے تا کہ یہ اطمینان ہو

Marfat.com

جائے کہ اسے حمل نہیں ہے۔ حمل کی مدت بیشتر یہی ہے۔ اس مدت کا حساب طلاق کے وقت سے لگایا جائے یا اس وقت سے جب کہ حیض بند ہوا ہے؟ اس بارے میں دو رائیں ہیں۔ بہرحال مدت استبراء نو مہینے گزر جانے کے بعد تین مہینے کی عدت ہوگی۔ خواہ وہ عورت آزاد ہو یا لونڈی؟ بعض اصحاب نے اس پورے سال کو عدت کی مدت قرار دیا ہے۔ اور یہ آسان سی بات ہے کیوں کہ بہرحال عورت کو عدت پوری کرنے کے لئے ایک سال تک انتظار کرنا ہوگا۔ اگر سال ختم ہونے سے پہلے حیض آجائے تو مزید دو حیض کے آنے تک انتظار کرنا ہوگا۔ اگر اس کے بعد ایک سال تک حیض نہ آئے تو اب اسے شادی کرنا روا ہے لیکن اگر سال کے آخری دن بھی حیض آجائے تو تین حیض پورے کرے گی۔ اگر حیض آجائیں تو فبہا ورنہ پھر سال بھر تک توقف کرے یہاں تک کہ تیسرا سال گزر جائے۔ اس کے بعد یا تو حیض آجائے گا (تب تو اس کے مطابق عدت پوری کی جائے گی) یا پھر بغیر اس کے ہی اس عورت سے شادی کرنا روا ہو جائے گا۔

یہ مسائل آزاد عورت سے متعلق تھے اگر لونڈی کا معاملہ ہو تو دوسرا حیض آجانے پر یا پورا سال حالت پاکی میں گزر جانے پر اس عورت سے شادی روا ہو جائے گی۔ اگر پورا سال بغیر حیض کے گزر جائے اور کوئی دوسرا شخص اس سے شادی کر لے اور پھر طلاق دے دے اور اس کے بعد حیض نہیں آیا تو تین ماہ کی عدت پوری کرنا ہوگی۔ کیوں کہ ایسی صورت میں اس عورت کو آئسہ (محروم الحیض) قرار دیا جائے گا خواہ وہ آزاد ہو یا لونڈی ہو۔

چوتھے سوال (جس کا تعلق ایسی عورت کی عدت سے ہے جس کا ادرار بند نہیں ہوتا) کا جواب وہی ہے جو تیسرے سوال کا جواب ہے یعنی استحاضہ کی مریضہ نو مہینے تک استبراء کے طور پر انتظار کرے کیوں کہ بیشتر حالات میں حمل کی مدت اتنی ہی ہوتی ہے۔ اس کے بعد اسے تین ماہ کی عدت گزارنا ہوگی۔ اس طرح عدت کی مدت پورے ایک سال میں ختم ہوگی۔

پانچویں سوال (جس کا تعلق ایسی عورت سے ہے جسے سال بھر میں یا چند سال کے بعد حیض آتے ہیں) کا جواب یہ ہے کہ اگر اس عورت کو سال میں ایک بار حیض آنے کی عادت ہے اس کی مدت بھی وہی ہے جو پانچ سال میں ایک بار حیض دوچار ہونے والی عورت کی ہے۔ یعنی وہ حیض کے لحاظ سے عدت پوری کرے اور اپنی عادت کا انتظار کرے۔ پس اگر ایک سال یا دو سال یا پانچ سال ختم ہونے والے آخری دن بھی حیض آجائے تو (عدت کے لئے) دوسرے حیض کا انتظار کرنا ہوگا۔ اگر حیض نہ بھی آئے تو اس عورت سے شادی کرنا حلال ہو جائے گا لیکن اگر عادت کے مطابق اسے پانچ سال بعد حیض آتا ہے یعنی مثلاً چھ سال، سات سال سے دس سال تک کے وقفہ سے آتا ہے تو اندریں صورت کہا جاتا ہے کہ وہ قروء کے اعتبار سے عدت گزارے۔ بایں طور کہ وہ اپنی عدت کے دنوں کا انتظار کرے۔ اگر (عادت کے مطابق) اسے ایام نہ آئیں تو وہ شادی کر سکے گی۔ بصورت دیگر وہ دوسرے حیض کا انتظار کرے گی اور اسی طرح ہوتا رہے۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایسی عورت کا ایک سال سادگی سے گزر جائے یعنی اس دوران حیض نہ آئے تو عدت پوری ہو جائے گی اور ایک سال خالی گزر جانے کے بعد اس کے ساتھ شادی روا ہے اور یہی رائے بہتر ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ایسی عورت کو 'آئسہ' (محروم الحیض) تصور کیا جائے گا اور تین مہینے کی عدت پوری کرے گی۔ لیکن اس خیال کو بعید از قیاس خیال کیا گیا ہے۔

چھٹے سوال (جس کا تعلق ایسی عورت سے ہے جو بالغ ہونے کے بعد بھی حیض سے دوچار نہ ہوئی ہو) کا جواب یہ

Marfat.com

ہے کہ اس کی میعاد عدت اصولی طور پر تین ماہ ہے جیسے صغیر سن لڑکی جسے کم عمر ہونے کے باعث حیض نہیں آتا یا وہ عورت جو عمر رسیدہ ہونے کے باعث محروم الحیض ہو چکی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ان کے ہاں قروء سے مراد بالاتفاق حیض ہے۔ کیوں کہ یہی وہ امر ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ عورت کا رحم حمل سے فارغ ہے۔ جیسا کہ مالکیہ کے خیالات کا تشریح میں بتایا گیا۔ پس آزاد عورت کی عدت پوری نہ ہوگی جب تک کہ تین بار کامل حیض نہ آ جائے۔ اگر کسی عورت کو حیض آنے سے لحظہ بھر پہلے طلاق ہوئی اور طلاق ملتے ہی اسے حیض آ گیا تو اسے ایک حیض تصور کیا جائے گا لیکن اگر طلاق دینے سے لحظہ بھر پہلے حیض آیا اور اس کے بعد ہی اسے طلاق ہو گئی تو وہ حیض عدت میں شمار نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ (منکوحہ) لونڈی کی عدت دو کامل حیض سے پوری ہوتی ہے۔ اور وہ حیض جسے عدت کی تکمیل میں دخل ہے اس سے مراد وہ خون ہے جو مخصوص شرائط کے ساتھ رحم سے خارج ہو اگر دوسرے راستے سے خارج ہو تو اسے حیض نہیں کہیں گے۔ خون کو حیض قرار دینا چند امور پر موقوف ہے:

ایک یہ کہ بقول مختار عورت نو سال سے پندرہ سال تک کی ہو۔ اگر نو سال سے کم عمر کی لڑکی حیض کی علامت دیکھے تو وہ حیض نہیں ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ پچپن سال سے زیادہ کی عمر یاس کو پہنچ گئی ہو۔ اسی قول پر فتویٰ ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ادرار اندام نہانی سے باہر آ گیا ہو۔ خواہ روئی وغیرہ (یعنی لتہ حیض) کے ساقط ہو جانے سے ہوا ہو۔ اگر اس ادرار کو روئی وغیرہ سے روک دیا گیا ہو کہ اندام نہانی کے بیرونی حصہ تک نہ آئے تو اسے حیض قرار نہیں دیا جائے گا۔ تاہم اس کا بہنا شرائط حیض میں سے نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ خون ادرار کے ان چھ مخصوص رنگوں میں سے کسی رنگ کا ہو یعنی سیاہ، سرخ، زرد، مٹیالا، ہرا اور خاکی یعنی مٹی کا ہم رنگ۔ چوتھے یہ کہ وہ تین دن اور تین رات آئے۔ اگر صرف ایک دن یا دن کے کسی حصہ میں آیا، یا تین دن رات سے کم مدت تک آیا تو وہ حیض نہیں ہے۔ ایام کی زیادہ سے زیادہ میعاد دس دن اور دس رات ہے۔ پانچویں یہ کہ اس کے پہلے طہر کے کم سے کم ایام، یعنی پندرہ دن گزر گئے ہوں اگر تین دن خون آنے کے بعد کوئی عورت چودہ دن تک حالت طہر میں رہی اور پھر خون آ گیا تو وہ حیض (ثانی) قرار نہیں دیا جائے گا۔ اگر چہ وہ تین دن یا اس سے زیادہ عرصہ تک آتا رہے۔ چھٹے یہ کہ عورت کا رحم حمل سے خالی ہو۔ چنانچہ حاملہ عورت اگر خون مشاہدہ کرے تو حیض نہیں ہے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ خون جو بہت چھوٹی عمر کی لڑکی یا حاملہ عورت کو آ جائے اسے حیض قرار نہ دیا جائے گا اور اسے استحاضہ کہیں گے۔ اسی طرح وہ خون بھی جو تین دن اور تین رات تک نہ آئے حیض نہیں ہے۔ نیز طہر کی (کم سے کم) مدت ختم ہونے سے پہلے یا ولادت بچہ کے بعد جو خون آتا ہے جسے نفاس کہتے ہیں وہ بھی حیض میں شمار نہیں ہوگا۔ اور وہ خون جو بکارت کے ٹوٹنے سے خارج ہوتا ہے وہ رحم (بچہ دانی) سے نہیں آتا (لہٰذا وہ حیض نہیں ہے) جیسا کہ ظاہر ہے۔

دوسرے سوال کا جواب حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر ایک عورت کو کم سے کم مدت حیض یعنی تین دن اور تین رات آ جائے تو ایسی عورت کو ذات الحیض یعنی (حیض والی عورت) کہا جاتا ہے۔ اگر ایسی عورت کے ایام ماہواری دودھ پلانے یا کسی اور وجہ سے بند ہو جائے تو اس کی عدت عمر یاس کو پہنچنے سے پہلے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے، پوری نہ ہوگی۔ اور (تحقق حیض کے لئے) تین دن کی قید جو رکھی گئی ہے اس سے وہ صورت خارج ہو گئی جبکہ کوئی عورت بالغ ہو جائے اور اسے

Marfat.com

حیض نہ آئے یا صرف دو ایک دن ادرار ہو کر بند ہو جائے پھر سال بھر تک نہ تو اسے حیض آئے اور نہ کوئی بچہ پیدا ہو اور اسی حالت میں خاوند اسے طلاق دے دے تو وہ تین ماہ عدت میں گزارے اور اگر اسی حال میں وہ تیس سال کی ہو جائے تو اسے 'آئسہ' (یعنی محروم الحیض) قرار دیا جائے گا۔

تیسرے سوال کا جواب وہی ہے جو دوسرے سوال کا جواب ہے کہ اگر عورت حیض والی ہے جسے ایک بار حیض آ چکا ہے اگرچہ کم سے کم مدت حیض میں آیا ہو تو اس عورت کو حیض کے اعتبار سے عدت گزارنا ہوگی اگر تین بار حیض نہیں آیا تو عدت پوری نہ ہوگی تا آنکہ وہ عورت عمر یاس کو نہ پہنچ جائے۔ اور یہ مفہوم ہی ہے کہ عورت کو حیض کے باقاعدہ آنے کی خاطر علاج معالجہ کرانے کا اختیار ہے گو وقت مقررہ پر نہ آئے اگر (علاج معالجہ سے بھی) حیض آ جائے تو اس سے عدت کی تکمیل ہو سکتی ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ حنفیہ اس مسئلہ میں مالکیہ کی پیروی کو جائز رکھنے کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں چنانچہ بعض اصحاب حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں مذہب مالکیہ کے مطابق فتوے دینا جائز ہے کہ ایسی عورت اس عورت کی طرح عدت پوری کرے جس طرح حیض والی عورت کرتی ہے۔ پھر اس کے طہر کا خالی زمانہ ایک سال گزرنے تک جاری رہے گا جس میں کوئی علامت حیض ظاہر نہ ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مفتی کو اس طرح (مسلک مالکیہ کے مطابق) فتوے دینا جائز نہیں ہے البتہ اگر کسی کا ذاتی معاملہ ہو تو مسلک مالکیہ کی تقلید کر سکتا ہے۔ تاہم اگر مالکی مسلک رکھنے والا مفتی ایسا فتویٰ دے دے تو حنفی کے لئے بلاشبہ اس کا نفاذ درست ہے اور یہی رائے زیادہ معقول معلوم ہوتی ہے نہ کہ دوسری رائے کیوں کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی جو (بعض) حنفیہ کہتے ہیں کہ مفتی کے لئے جائز ہے کہ ان کے قول پر عمل کرے لیکن اس کے بموجب فتویٰ دینا درست نہیں ہے۔ کیوں کہ ایسا کرنا دو باتوں سے خالی نہیں ہے۔ اگر (مالکیہ کا) یہ خیال ضعیف ہے تو دینیات میں ایسی کوئی اجازت نہیں ہے کہ ایک مفتی قول ضعیف یا قول فاسد پر عمل کرے یا یہ کہ ایک فعل اس کے لئے جائز ہو اور دوسروں کے لئے ناجائز ہو۔ اور اگر وہ قول قوی ہے اس صورت میں صرف مفتی کو اس پر عمل کرنے کی اجازت دینا اور دوسروں کو منع کرنا بے معنی بات ہے۔ بظاہر یہی مناسب ہے کہ اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔

چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ استحاضہ کی مریض عورت جس کا ادرار جاری رہے اگر اس سے پہلے وہ باقاعدہ حیض کی عادی تھی مثلاً یہ کہ وہ ہمیشہ مہینے کے آغاز یا وسط میں چھ دن حیض سے رہتی تھی لیکن پھر اسے حیض متواتر جاری رہا تو ہر مہینے کے آغاز یا درمیان میں چھ دن حیض کے دن شمار کئے جائیں گے اور باقی ایام طہر میں محسوب ہوں گے اس طرح اس کی عدت تین ماہ میں پوری ہو جائے گی۔ لیکن اگر اس کی عادت مقررہ کا علم نہ ہو تو اس کی عدت بقول مفتی بہ سات مہینے میں پوری ہوگی بایں طور کہ دس دن حیض کے ایام مان لئے جائیں گے۔ جو اس کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔ اس کے بعد طہر کی مدت دو ماہ فرض کر لی جائے اور یہ سمجھا جائے گا کہ طہر کے ہر دو ماہ بعد ایک بار زیادہ سے زیادہ مدت حیض گزاری پس تین حیض کی مجموعی مدت ایک ماہ ہوئی اور تین طہر کی مجموعی مدت چھ مہینے ہوئی اور اس طرح سات مہینے میں عدت پوری ہو جائے گی۔

پانچویں سوال کا جواب ظاہر ہے کہ عورت اگر حیض والی ہے مگر اسے ہر پندرہ سال کے بعد ایک بار حیض آتا ہے

Marfat.com

حنفیہ کے نزدیک اس کی عدت حیض کے بغیر پوری نہ ہوگی۔ اگر حیض نہ آئے تو جب تک کہ وہ عمر یاس کو نہ پہنچ جائے اس کی عدت پوری نہ ہوگی۔ اس سلسلہ میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ تکمیل عدت کے لئے مسلک مالکیہ کی پیروی جائز ہے۔

چھٹے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر عورت بالغ ہوگئی اور علامت حیض قطعاً ظاہر نہ ہوئی نیز ایک سال تک ازدواجی زندگی بسر کرنے کے باوجود اسے حمل نہیں ہوا اور خاوند نے اسے طلاق دے دی تو اس کی عدت تین ماہ ہوگی کیوں کہ اسے آئسہ عورتوں میں شمار کیا جائے گا۔ جنہیں صغیر سن ہونے یا عمر رسیدہ ہونے کے باعث حیض نہیں آتے۔ اگر ایسی عورت تیس سال کی ہو جائے تو اسے آئسہ (محروم الحیض) قرار دیا جائے گا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ لیکن اگر اسے حمل اور پھر بچہ پیدا ہوگیا اور اسے طلاق ہوگئی اسے سات ماہ گزر گئے اور کوئی علامت حیض ظاہر نہ ہوئی تو ان مہینوں کے گزرنے سے اس کی عدت پوری نہ ہوگی' کیوں کہ جس عورت کو حمل ہو گیا اسے آئسہ قرار نہیں دیا جا سکتا خواہ ولادت سے پہلے یا بعد میں علامت حیض ظاہر نہ ہوئی ہو۔ اس صورت میں بھی مسلک مالکیہ کی تقلید کی جا سکتی ہے تاکہ اللہ کے بندوں سے دشواریاں دور کی جا سکیں۔

شافعیہ پہلے سوال کی بابت یہ کہتے ہیں کہ "قروء" کے معنے ایک قول کے مطابق طہر کے ہیں لہٰذا جب تک کہ تین طہر نہ گزر جائیں عدت نہ پوری ہوگی اور جس طہر میں طلاق ہوئی ہے اگر اس کا ایک لمحہ بھی طلاق کے وقت باقی تھا تو اسے (عدت کے بارے میں) پورا طہر قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے بیوی سے حالت طہر میں کہا کہ تجھے طلاق ہے اور اس کے ساتھ ہی معاً بعد اسے حیض آ گیا تو یہ ایک طہر (عدت میں) تصور کیا جائے گا اس کے بعد مزید دو طہر جس کے درمیان دو حیض آ جائیں تو عدت پوری ہو جائے گی۔ بایں طور کہ اس طہر کے بعد جس میں طلاق ہوئی اس میں تین حیض آ جائیں۔ یعنی طہر میں طلاق ہوئی اس کے بعد والا حیض پھر اس سے پاک ہونے کے بعد حیض آیا اور پاک ہوئی تو یہ دوسرا طہر ہے اس کے بعد دوبارہ حیض آیا اور پاک ہوئی اور اس کے بعد تیسرا حیض شروع ہوا تو وہ تیسرا طہر متصور ہوگا۔ غرض جب تک کہ طہر دو حیضوں کے درمیان نہ ہو اسے طہر نہیں مانا جائے گا۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا اور دو حیضوں کے درمیان کا وہ طہر جو (عدت کے بارے میں معتبر ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی میعاد کم سے کم تیرہ روزہ ہو۔

انقضائے عدت کا دعویٰ دائر کرنے کے لئے جو میعاد مقرر کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل رجوع کے بیان میں ہو چکی ہے۔ رہا لونڈی کی عدت کا مسئلہ سو اس کی تکمیل کے لئے بھی تقریباً یہی طریقہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ عدت کے بارے جس حیض کا اعتبار ہے اس سے مراد وہ خون ہے جو اندام نہانی سے عورت کی کم از کم نو سال کی عمر کے بعد خارج ہو۔ وہ خون حیض نہیں ہے جو کسی مرض کے باعث یا ولادت کے بعد خارج ہوتا ہے۔ اور نو سال کی عمر تخمیناً رکھی گئی ہے۔ اگر اس سے کسی قدر کم ہو تو مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ عرصہ اتنا ہو کہ اس میں حیض اور طہر کی مدت پوری نہ ہو سکے۔ اگر وہ لڑکی جو ہنوز نو سال کی نہیں ہوئی علامت حیض مشاہدہ کرے تو اسے حیض تصور نہ کیا جائے گا بلکہ وہ کسی مرض اور کسی خرابی کا نتیجہ ہوگا یہی حکم آئسہ' عورت کی بھی ہے جس سے مراد وہ عورت ہے جو بقول صحیح باسٹھ سال کی ہو جائے۔ ایسی عورت کی عدت تین ماہ ہے۔ جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

خون حیض کی تعریف میں اندام نہانی سے خارج ہونے کی جو قید ہے اس سے وہ خون خارج متصور ہوگا جو پیچھے کی راہ سے خارج ہو کہ وہ قدرتی حیض نہیں ہے اور یہ جو کہا گیا کہ وہ خون مرض کے باعث نکلنے والا نہ ہو اس سے استحاضہ کا

Marfat.com

اور ارخارج ہو گیا جو مرض کی وجہ سے خارج ہوتا ہے اور اس قید سے کہ وہ ولادت کا نہ ہونفاس کا خون نکل گیا۔ اسے خون حیض نہیں کہا جا سکتا اور عدت کی تکمیل کے لئے طہر کی جو شرط ہے اس سے مراد وہ طہر (پاکی) ہے جو شرائط ذیل کے مطابق حیض آنے کے بعد ہو۔ (اس کی شرطیں یہ ہیں)۔

(1) حیض کا خون پانچ رنگوں میں سے کسی ایک رنگ کا ہو یعنی 'کالا' جو سب سے قوی رنگ ہے۔ پھر سرخ' پھر تیز زعفرانی۔ پھر پیلا۔ پھر مٹیالا۔

(2) ایک دن اور ایک رات یعنی چوبیس گھنٹے تک آیا ہو۔ یہ حیض کی کم سے کم مدت ہے۔ اس سے کم عرصہ تک اور ارہوا ہو تو وہ حیض نہیں ہے۔

(3) دو حیضوں کے درمیان کم سے کم مدت طہر کا فاصلہ ہو جس کی میعاد پندرہ یوم ہے۔ کیوں کہ حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ یوم ہے۔ پس اگر بالفرض کوئی عورت پندرہ دن کے حیض کی عادی ہے تو باقی دن طہر کے ہوں گے جو کم سے کم میعاد ہے۔ زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔

واضح ہو کہ بقول معتمد حاملہ عورت حیض سے ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اگر عورت بدوران حمل علامت حیض دیکھے اور پھر خون بند ہو جائے اور اس کے دس دن بعد ولادت ہو جائے تو دس دن کی یہ مدت حیض و نفاس کے درمیان طہر متصور ہو گا۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ (دونا پاکیوں کے) درمیان میں آنے والے طہر کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے کیوں کہ درمیانی طہر سے ان کی مراد وہ طہر ہے جو دو حیضوں کے درمیان ہو۔ رہا حاملہ کے حیض اور نفاس کے درمیان جو طہر ہے وہ ضروری نہیں کہ اس کی مدت بھی پندرہ دن ہو۔ اسی طرح اگر نفاس پہلے آئے اور پھر حیض آ جائے مثلاً ولادت کے بعد نفاس آئے اور نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت گزر جانے کے بعد خون بند ہو جائے اس کے بعد پھر ایک دن کے لئے پاک ہو گئی اور اب حیض آ گیا تو اسے بھی حیض و نفاس کا درمیانی طہر قرار دیا جائے گا۔ اگر چہ اس کی میعاد پندرہ دن نہ ہو۔ اگر حالت نفاس میں اسے طلاق ہو گئی۔ پھر نفاس کے بعد دو ایک روز طہر میں گزرے اور پھر حیض آیا تو اس طہر گزشتہ کو (عدت کا) طہر تصور کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ حالت حمل میں اگر حیض آ جائے اور وہ روزے سے ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور حالت حیض میں جو باتیں حرام ہیں وہ سب حرام ہوں گی۔

دوسرے سوال کا جواب شافعیہ کے نزدیک وہی ہے جو حنفیہ دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ عورت اگر حیض والی ہے یعنی ایک بار پھر اسے حیض آ چکا ہے تو اس کی عدت پوری نہ ہو گی جب کہ تین طہر نہ آ جائیں۔ بایں طور کہ اگر حیض منقطع ہو گیا تو اس کی عدت عمر یاس کے پہنچنے تک پوری نہ ہو گی۔ پس اگر ایک عورت کے ایام میں دودھ پلانے یا مرض کے باعث تاخیر ہو جائے تو لازم ہے کہ بچے کی مدت شیر خوارگی کے ختم ہو جانے یا مرض سے نجات ہونے کے بعد حیض کے آنے تک توقف کرے۔ اس دوران عورت کو حق ہے کہ حیض کے باقاعدہ آنے کے لئے علاج وغیرہ کرائے۔ اگر اس سے حیض آ جائے۔ گو مقررہ میعاد سے پہلے آ جائے تو اسے حیض تسلیم کیا جائے گا۔ اور خاوند کو یہ حق نہیں ہے کہ بیوی کے نفقہ اور رہائش کی ذمہ داری سے بری ہو جائے۔ درآنحالیکہ بقول معتمد اس سے بیوی کو نقصان پہنچے۔

تیسرے سوال کا جواب بھی یہی ہے کیوں کہ (اس معاملہ میں) دودھ پلانے والی اور مریض عورت کے درمیان

Marfat.com

کوئی فرق نہیں ہے۔

چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ جس عورت کو برابر خون آتا ہے خواہ وقفوں کے بعد ہی ہو اور وہ مقررہ اوقات میں حیض کی عادی ہو مثلاً یہ کہ اسے ہر مہینے کے آغاز میں سات دن حیض آجاتا ہوں تو (عدت کے معاملہ میں) اس کی عادت پر فیصلہ کیا جائے گا جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔ اگر عورت (ایام کے بارے میں) اوقات مقررہ کی عادت نہیں ہے۔ تو اس کی عدت کی میعاد تین قمری مہینے ہیں درآنحالیکہ مہینے کے شروع میں طلاق ہوئی ہو کیوں کہ ہر مہینہ کی مدت ایک حیض اور ایک طہر کی مدت پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ یوم ہے پھر (مہینے میں سے) جو دن باقی رہے وہ طہر کی کم سے کم مدت یعنی پندرہ یوم ہے لیکن اگر مہینے کے وسط میں طلاق ہوئی اور ابھی مہینہ ختم ہونے میں پندرہ دن سے زیادہ ایام باقی تھے تو اس کو ایک طہر شمار کیا جائے گا کیوں کہ ہر حال وہ مہینہ طہر پر مشتمل ہے۔ اگر مہینے کے پورا ہونے میں پندرہ دن یا اس سے کم عرصہ باقی تھا تو اسے (عدت میں) محسوب نہ کیا جائے گا۔ لہٰذا اس کے بعد اسے تین قمری مہینے عدت میں گزارنے ہوں گے۔

بعض حنفیوں کا قول ہے کہ استحاضہ کی مریض عورت کی میعاد عدت تین مہینے ہے ایسی صورت میں مسئلہ شافعیہ کے مسلک کے مطابق ہوگا۔

پانچویں سوال کا جواب وہی ہے جو تیسرے سوال کا جواب ہے کیوں کہ یہ بات بتائی گئی ہے کہ جس عورت کو عمر بھر میں ایک بار بھی حیض آجائے اسے حیض والی عورت تصور کیا جائے گا۔ خواہ اسے دس سال یا ہر پانچ کے بعد مطلق ایک بار حیض آتا ہو یا ایک بار کے بعد حیض نہ آیا ہو تو ایسی عورت کی عدت پوری نہ ہوگی جب تک کہ وہ عمر یاس کو نہ پہنچ جائے۔

چھٹے سوال کا جواب یہ ہے کہ جو عورت بالغ ہو جائے لیکن حیض کی علامت ظاہر نہ ہو اسے آئسہ (محروم الحیض) تصور کیا جائے گا اور اس کی مدت عدت تین ماہ ہوگی۔ اب اگر مہینوں کے اعتبار سے عدت شروع کر دی اور حیض آگیا تو اب اس کی (مہینوں والی) حیض کی عدت میں منتقل ہو جائے گی جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

حنابلہ پہلے سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ قروء کے معنے ایک قول کے مطابق حیض کے ہیں جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ معنے کبار صحابہ سے منقول ہے جن میں حضرات عمرؓ علیؓ ابن عباسؓ ابوبکرؓ عثمانؓ ابوموسیٰؓ عبادہؓ اور ابوالدرداؓ شامل ہیں۔ ان سب کا ارشاد یہ ہے کہ قروء کے معنے حیض کے ہیں۔ پھر جاننا چاہئے کہ عدت کے بارے میں جس حیض کا اعتبار ہے اس سے وہ خون مراد ہے جو رحم کے اندر سے خارج ہو۔ لیکن مرض یا بچے کی ولادت سے نہ ہو۔ بالغ ہو جانے کے بعد عورت اس کی عادی ہوتی ہے حیض کا تحقق حسب ذیل چند امور پر موقوف ہے:

ایک یہ کہ اس کا رنگ خون حیض کے مخصوص رنگوں میں کسی رنگ کا ہو۔ یعنی سرخ، زرد یا مٹیالا اور یہ کہ ایک دن اور ایک رات تک آئے' جو حیض کی کم سے کم مدت ہے۔ اگر اس سے کم مدت میں ادرار بند ہو جائے تو وہ حیض نہیں ہے بلکہ وہ مادہ فاسد ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے اور یہ کہ دو حیضوں کے درمیان طہر کا زمانہ ہو جس کی کم سے کم مدت تیرہ دن ہے اور یہ کہ عورت کی عمر کم سے کم نو سال ہو۔ اگر اس سے کم عمر کی عورت حیض کی علامت دیکھے تو وہ حیض نہیں ہے اور اس کو عدت کے مسائل میں کوئی دخل نہیں ہے اور یہ کہ وہ عورت آئسہ (محروم الحیض) نہ ہو۔ اس سے مراد وہ عورت

Marfat.com

ہے جو پچاس سال کی عمر کو پہنچ گئی ہو۔اس عمر کی عورت کی عدت مہینوں کے اعتبار سے ہوگی اگر اس عمر کو پہنچ کر علامت حیض مشاہدہ کرے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

حنابلہ کے نزدیک حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔ پس اگر کوئی حاملہ عورت علامت حیض مشاہدہ کرے تو وہ مادۂ فاسد ہے۔اس حالت میں نماز' روزہ اور بشرط ضرورت مباشرت منع نہیں ہے۔تاہم بلا ضرورت مباشرت نہ کرے۔اگر حاملہ عورت علامت ناپا کی مشاہدہ کرے اور پھر وہ بند ہو جائے تو مستحب یہ ہے کہ غسل کر لے جیسا کہ حیض کے بیان میں بتایا گیا۔

آزاد عورت جسے ایک بار بھی حیض آ چکا ہو۔اس کی عدت پوری نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ پورے تین حیض آ جائیں۔اگر حیض کے دوران طلاق دی گئی تو وہ حیض عدت میں شمار نہ ہوگا۔البتہ اگر حیض آنے سے لحہ بھر ہی پہلے طلاق دی تو وہ حیض عدت میں شمار ہوگا جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں اور حیض والی لونڈی کی عدت اسی طرح دو حیض کے آجانے سے پوری ہوگی۔

آزاد عورت کی عدت تین حیض آ جانے کے بعد پوری ہو جائے تو بغیر غسل کئے خاوند سے مقاربت حلال نہیں ہے۔اگر غسل نہیں کیا تو خاوند پر حلال نہیں ہے خواہ حیض بند ہوئے طویل عرصہ گزر گیا ہو۔یہی حکم عدت ختم ہونے کے بعد لونڈی کے بارے میں ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جس عورت کو عمر بھر میں ایک بار بھی حیض آ جائے اور پھر بند ہو جائے خواہ اس کا سبب معلوم ہو مثلاً دودھ پلانا یا مریض ہونا تو اس عورت کی عدت پوری نہ ہوگی یہاں تک کہ اسے حیض آئے اور تین بار حیض سے عدت مکمل کرے۔اگر اسے حیض نہ آئے تو اس کی عدت پوری نہ ہوگی جب تک کہ عمر یاس کو نہ پہنچ جائے۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر حیض نہ آئے تو عدت کی مدت ایک سال ہوگی اول الذکر رائے شافعیہ اور حنفیہ کی رائے کے موافق ہے اور دوسری رائے مالکیہ کی رائے کے مطابق ہے اور حنابلہ نے اپنی رائے کے ثبوت میں وہ روایت بیان کی ہے جو امام شافعیہ نے سعید بن سالم سے' انہوں نے ابن جریج سے انہوں نے عبداللہ بن ابی بکر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ حبان بن منقذ نے اپنی بیوی کو بحالت صحت طلاق دی، ان کی بیوی دودھ پلاتی تھی اور سات ماہ سے اسے حیض نہیں آیا تھا۔ کیوں کہ دودھ پلانے سے حیض بند تھا۔اس کے بعد حبان مریض ہو گئے لوگوں نے ان سے کہا کہ اگر تم وفات پا گئے تو یہ عورت تمہارے مال کی وارث ہو جائے۔تب وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور بیوی کی حالت سے انہیں آگاہ کیا۔لیکن ان کے پاس اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت زیدؓ موجود تھے حضرت عثمانؓ نے اس مسئلہ کی بابت ان دونوں اصحاب سے دریافت کیا کہ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہماری رائے تو یہ ہے کہ اگر یہ وفات پا جائیں تو وہ عورت وارث ہوگی اور اگر وہ عورت وفات پا جائے تو یہ اس کے وارث ہوں گے۔ کیوں کہ وہ عورت نہ تو ان عورتوں میں سے ہے جنہیں حیض آنا بند ہو چکا ہو اور نہ ان میں سے ہے جنہیں مطلق حیض آتا ہی نہیں۔ پس بہر حال وہ عورت عدت حیض میں ہے خواہ حیض کم ہو یا زیادہ۔ پس حبانؓ اپنے گھر آ گئے اور لڑکی کا دودھ چھڑا دیا اور جب دودھ پلانا بند ہوا تو اسے ایک حیض آیا اور پھر دوسرا حیض آیا اس کے بعد ہنوز تیسرا حیض نہ آیا تھا کہ حبانؓ وفات پا گئے

Marfat.com

طلاق یافتہ آئسہ عورت (یعنی محروم الحیض) کی عدت کا بیان اور اس کا ثبوت

آئسہ عورت کو (جسے حیض نہ آتا ہو) طلاق مل جائے تو اس کی عدت تاریخ طلاق سے تین ماہ ہے اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ وہ عورتیں جنہیں حیض نہیں آتے ان کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ صغیر سن لڑکی جس کی عمر نو سال سے کم ہو۔ اس عمر کی لڑکی اگر خون (علامتِ حیض) مشاہدہ کرے تو وہ فاسد ہے

تب اس عورت نے وفات کی عدت پوری کی اور ان کی وارث قرار پائی۔

اس جواب میں تیسرے سوال کا جواب بھی آ گیا کہ حنابلہ کے نزدیک (عدت کے بارے میں) مریض عورت اور دودھ پلانے والی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جیسا کہ شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں۔ ان دونوں کے احکام میں صرف مالکیہ فرق کرتے ہیں کیوں کہ دودھ پلانا انقطاع حیض کا ایسا سبب ہے جس کا دور کرنا ممکن ہے لیکن مرض کا دور کرنا امر اختیاری نہیں ہے۔

چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ استحاضہ کی مریض عورت جس کا ادرار جاری ہو۔ اگر حیض کے بارے میں اس کی مخصوص عادت ہے اور اس کے لئے ممکن ہے کہ خون صحیح اور خون فاسد میں امتیاز کر سکے تو وہ ایسا کر سکتی ہے۔ بایں طور کہ اگر ادرار کے مسلسل جاری ہو جانے سے پہلے اسے ہر مہینے کے وسط میں پانچ دن حیض آنے کی عادت تھی تو وہ ان ایام کو حیض میں محسوب کر سکتی ہے۔ اگر ایسی کوئی عادت نہ تھی بلکہ اس کے بالغ ہونے کے بعد ہی اسے حیض آ گیا اور پھر وہ بند نہیں ہوا۔ ایسی صورت میں آزاد عورت کی عدت تین مہینے تک (مکمل عدت کا) انتظار کرنا ہے۔ لونڈی کی عدت دو ماہ میں پوری ہوگی۔

پانچویں سوال کے جواب میں حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی عورت کو ایک بار حیض آ کر بند ہو جائے اور اس کا سبب مثلاً مرض یا دودھ پلانا معلوم نہ ہو تو اس کی عدت طلاق کے بعد حیض بند ہو جانے پر ایک سال میں پوری ہوگی اگر خون طلاق سے پہلے بند ہو گیا ہو تب بھی وہ عورت سال بھر تک توقف کرے لیکن اس مدت میں سے نو مہینے اس غرض سے کہ حمل نہ ہونے کی بابت اطمینان ہو جائے اس کے بعد تین ماہ عدت کے طور پر۔

یہ مسائل آزاد عورت کے متعلق ہیں لیکن اگر منکوحہ لونڈی ہو تو اس کی عدت گیارہ مہینے پوری ہوگی۔ من جملہ ان کے نو مہینے حمل کی بابت اطمینان کے لئے اور دو مہینے عدت کے لئے ہیں۔ اگر اس مدت کے دوران حیض آ جائے تو اب اسے حیض کے اعتبار سے عدت گزارنا ہوگی' لیکن اگر اس مدت کے گزر جانے کے بعد حیض آیا اور اس عورت نے کسی سے شادی نہیں کی تو اس کی عدت (مہینہ سے) حیض میں منتقل ہو جائے گی۔ لیکن اگر اسے ایک سال' دو سال' تین سال یا پانچ سال یا دس سال وغیرہ کے بعد ایک بار حیض آنے لگا اور وہی اس کی عادت ہوگئی تو اس کی عدت حیض کے علاوہ کسی اور طرح پوری نہ ہوگی خواہ اسے کتنی ہی مدت گزر جائے کیوں کہ اس حیض کے بعد اس کا شمار حیض والی عورتوں میں ہوگا۔

چھٹے سوال کا جواب یہ ہے کہ جس عورت کو مطلق حیض نہیں آیا اس کی عدت آئسہ عورتوں کی طرح تین ماہ ہے۔

Marfat.com

(حیض نہیں ہے) اور ایسی صغیرسن لڑکی جسے عدت گزارنا واجب ہے اس کا بیان مسالک مختلفہ کی رُو سے تفصیل طلب ہے۔(۱)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ صغیرسن لڑکی اگر قابل مباشرت ہو گو نو سال سے کم عمر کی ہو تو عدت اس پر واجب ہوگی۔ اگر مباشرت کے قابل نہ ہو تو عدت واجب نہیں ہے' اگرچہ نو سال سے زیادہ کی ہو۔ اور بہرصورت اس کی عدت مہینوں کے اعتبار سے ہوگی' بشرطیکہ اسے حیض نہ آتا ہوں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ چھوٹی عمر کی لڑکی اگر اتنی کم عمر ہے کہ اس جیسی کے ساتھ مباشرت نہیں ہو سکتی اور نو سال سے کم کی ہے اور خاوند نے اسے طلاق دے دی تو اس پر کوئی عدت نہیں ہے۔ گو اس سے مباشرت فاحشہ کر لی ہو اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ اگر ایسی عورت کے ساتھ نابالغ لڑکے نے جو دس سال سے کم کا ہے مباشرت کر لے تب بھی اس پر عدت واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر لڑکی نو سال کی ہے اور دس سال کے لڑکے نے اس سے مباشرت کر لی تو عدت واجب ہوگی۔ کیوں کہ اس حال میں لذت اندوزی اور اخراج مادہ تولید کا امکان ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ صغیرسن لڑکی جو مباشرت کے لائق نہیں ہے۔ اس پر عدت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر خاوند لڑکا ہو تو اس کی مباشرت سے بھی عدت واجب نہیں۔ جیسے مثلاً نو سال کا بچہ ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ چھوٹی عمر کی عورت خواہ بچہ ہو اس پر عدت واجب ہے اگر ایک شخص نے اپنی کم عمر بیوی کو جو نو سال سے کم کی ہے اور اسے حیض نہیں آتا طلاق دے دی تو ایک قول کے مطابق وہ مہینوں میں عدت گزارے گی۔ اگرچہ بقول معتمد اس نے علامت حیض کا مشاہدہ کیا ہو۔ کیوں کہ وہ حیض نہیں ہے لیکن اگر نو سال یا زیادہ عمر کی لڑکی ہو اور اسے حیض نہیں آیا تو اس صورت میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس کی عدت کی میعاد تین ماہ ہے۔ اس کے علاوہ نہیں ہے۔ اگر عدت کے دوران اسے حیض آ جائے تو اس کی عدت (مہینے کی بجائے) حیض کی بناء پر منتقل ہو جائے گی ورنہ نہ ہوگی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی عدت تین ماہ گزرنے سے پوری نہ ہوگی' بلکہ اسے چاہیے کہ توقف کرے یہاں تک کہ چار ماہ اور دس دن گزرنے کے بعد یہ ثابت ہو جائے کہ اسے حمل نہیں ہے۔ کیوں کہ اتنے عرصہ میں حمل ظاہر ہو جاتا ہے اور (بچہ میں) حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ غرض عدت کے علاوہ اسے ایک ماہ اور دس دن مزید انتظار کرنا پڑے گا۔ اگر اس کے بعد بھی حمل ظاہر نہ ہو تو یہ سمجھ لیا جائے گا کہ اس کی عدت تین ماہ گزرنے پر ختم ہو گئی اگر کوئی صغیرسن عورت پندرہ سال کی مدت کے بعد دعویٰ کرے کہ وہ بالغ ہو گئی تو اس کی بات مان لی جائے گی اور اگر کوئی عورت احتلام یا انزال کی بناء پر بالغ ہو جانے کا دعویٰ کرے درآنحالیکہ وہ پندرہ سال کی نہیں ہوئی تو اس کی بات بھی تسلیم کی جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی بڑی عمر کی عورت دعویٰ کرے کہ وہ عمر یاس کو پہنچ گئی ہے تو بقول مختار تعین مدت کے بارے میں اس کی بات پر اعتبار کیا جائے گا اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ اگر صغیرسن خاوند نے اپنی بیوی سے محض تخلیہ کیا ہو خواہ کسی طرح کا تخلیہ ہو اور اس کے بعد بیوی کو چھوڑ دیا تو بیوی کو عدت گزارنا ہوگی۔ یہی حکم نامرد شخص کی بابت ہے۔ رہا یہ سوال کہ آیا بغیر مباشرت کے مادہ تولید کے اندام نہانی میں کسی اور طرح داخل کرنے پر (طلاق کی) عدت واجب ہوگی جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں یا نہ ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ ہاں واجب ہوگی۔ لیکن کتب حنفیہ میں اس مسئلہ کا بیان کرنا عملی حیثیت سے بیکار ہے۔ کیوں کہ حنفیہ کا کہنا ہے کہ محض تخلیہ سے عدت

Marfat.com

دوسری قسم (محروم الحیض ہونے کی) عمر رسیدہ ہونا ہے۔ عمر رسیدگی کی تفصیل حائضہ عورتوں کی عدت کے سلسلہ میں پہلے بیان ہو چکی ہے۔ ایسی عورتوں میں وہ عورتیں شامل ہیں جو حیض آئے بغیر بالغ ہو جائیں اور بالغ ہونے کے بعد بھی انہیں حیض نہ آئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''والائی یئسن من المحیض فعدتھن ثلاثة اشھر واللائی لم یحضن'' (یعنی وہ عورتیں جو حیض سے محروم ہو چکی ہیں ان کی عدت تین مہینے ہے اور یہی حکم ان عورتوں کے بارے میں ہے جنہیں نہیں آیا) اس آیت نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد یعنی والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثة قروء (طلاق یافتہ عورتیں اپنے تئیں تین قروء تک روک رکھیں) کی عمومی حیثیت کو مخصوص کر دیا ہے۔ کیوں کہ لفظ ''مطلقات'' عام ہے جس میں 'آئستا' (یعنی محروم الحیض عورتیں) شامل ہیں۔ پھر جاننا چاہئے کہ عمر رسیدہ محروم الحیض عورت اگر مہینوں کے اعتبار سے عدت گزار لے اور عدت پوری ہونے کے بعد اسے باقاعدہ حیض آ جائے تو اسے باقاعدہ حیض آ جائے تو اب اس پر کچھ عائد نہ ہوگا۔ خواہ وہ عدت پوری کرنے کے بعد شادی کر لے یا شادی نہ کرے۔ اگر عدت پوری کرنے کے بعد شادی کی تو وہ شادی درست ہوگی اگرچہ شادی کے بعد حیض آ جائے۔ لیکن اگر مہینے کے اعتبار سے عدت گزارنا شروع کیا تھا اور عدت کے دوران باقاعدہ حیض آ گیا' مرض کا خون یا خونِ فاسد نہیں تھا تو ایسی صورت میں اس کی مہینے والی عدت حیض کی عدت میں منتقل ہو جائے گی۔ (۱) اور دوسری عدت کا آغاز نئے سرے سے واجب ہوگا' یہی حکم صغیر سن لڑکی کا ہے جو نو سال کی ہو اور

واجب ہو جاتی ہے اور مباشرت کے عام طریقہ کے علاوہ کسی بھی طرح سے خاوند کے مادہ تولید کو بیوی کے اندام نہانی تک پہنچانا ممکن ہی نہیں جب تک کہ تخلیہ نہ ہو۔ ہر چند کہ عورت سے دور رہ کر خاوند کا مادہ تولید کو خارج کرنا اور پھر اسے محفوظ رکھنا اور بیوی کے پاس بطور خود یا کسی اور کے ذریعہ پہنچانا تا کہ وہ اسے اپنے اندام نہانی میں رکھ لے' ممکن ہے لیکن فقہاء نے صراحت کر دی ہے کہ اس طرح حمل قرار نہیں پا سکتا۔ ہاں شافعیہ اس مسئلہ کا ذکر کر سکتے ہیں کیوں کہ ان کا کہنا ہے کہ یہ محض تخلیہ سے عدت واجب نہیں ہوتی' لہٰذا مباشرت کے بغیر مادہ تولید کا اس طرح داخل کرنے کو عدت کے مسئلہ میں دخل ہے۔

رہا مباشرت غیر فطری کا مسئلہ سو اس بارے میں شافعیہ کہتے ہیں کہ اس فعل سے عدت واجب ہوتی ہے۔ حنفیہ کو اصولی طور پر اس سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اس سے عدت واجب نہ ہوگی لیکن ایک دوسری حیثیت سے ان کو بھی اتفاق ہے۔ یعنی یہ فعل خلوت کے بغیر نہیں ہو سکے گا اور خلوت سے عدت واجب ہو جاتی ہے۔ اگر بالفرض بغیر خلوت کے یہ فعل ممکن ہو تو عدت واجب نہ ہوگی۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر آئسہ عورت کو مہینوں میں عدت گزارنے کے دوران (احیاناً) حیض آ جائے تو اس کی یہ عدت حیض کی عدت میں منتقل ہو جائے گی اور جو عدت مہینے کے اعتبار سے گزار رہی ہے وہ باطل ہو جائے گی اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔ ہاں اگر عدت پوری ہونے کے بعد حیض آیا تو اس مسئلہ میں تفصیل ہے کہ اگر مہینوں کی عدت پوری ہو جانے

Marfat.com

مہینے والی عدت گزار رہی ہو کہ عدت کے دوران اسے حیض آ جائے تو اس کی یہ عدت حیض کی عدت میں منتقل ہو جائے گی اور جب تک کہ تین حیض پورے نہ ہو جائیں اس کی عدت ختم نہ ہوگی۔ ہاں اگر عدت پوری ہو جانے کے بعد اسے حیض آیا تو اب اس پر کچھ عائد نہ ہوگا۔

اگر حیض والی عورت حیض کے اعتبار سے عدت شروع کرے اور ایک بار یا دو بار اسے حیض آ جائے اور پھر عمر یاس کو پہنچ جانے کے باعث حیض بند ہو جائے تو اب وہ عدت مہینوں کی عدت میں منتقل ہو جائے گی اور حیض کے اعتبار سے جو عدت گزاری ہے وہ رائیگاں ہو جائے گی۔ اسے عدت میں محسوب نہیں کیا جائے گا۔

کے بعد اس عورت نے شادی کر لی اور شادی کے بعد حیض آ گیا تو اب کوئی عدت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عقد درست ہے اور شریعت کے مطابق عدت گزارنے کے بعد ہوا ہے لہٰذا اب اس عورت پر دوسرے خاوند کا حق ہو گیا ہے۔ لیکن اگر شادی نہیں ہوئی اور صرف ایک بار حیض آیا تب بھی اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس کے بعد بھی وہ عورت شادی کر سکتی ہے۔ لیکن اگر شادی سے پہلے دوسری بار حیض آ گیا تو وہ عدت حیض کی عدت میں منتقل ہو جائے گی اور اسے شادی کرنا حلال نہ ہوگا جب تک کہ تیسرا حیض نہ آ جائے۔ اگر دوسرے حیض کے بعد ادرار بند ہو گیا اور پھر حیض نہ آیا تو اب عمر یاس والی مزید تین ماہ کی عدت از سر نو گزارے گی۔ نو مہینے کی ایسی صغیر سن لڑکی کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ جسے عدت کے دوران یا اس کے بعد حیض لڑکی کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ جسے عدت کے دوران یا اس کے بعد حیض آ جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ عورت جب عمر یاس کو جو اہل تحقیق کے نزدیک ستر سال ہے پہنچ جائے اور طلاق کے بعد مہینوں کے اعتبار سے اس کی عدت شروع ہو جائے اور اس حال میں اسے ادرار ہو جائے تو اسے حیض قرار نہیں دیا جائے گا اور وہ بدستور مہینوں کے اعتبار سے عدت گزارے گی اور جو خون مشاہدہ میں آیا ہے اس کا موجب کوئی خرابی یا مرض ہوگا۔ لیکن اگر عورت کے آئسہ ہونے میں شبہ ہو بایں لحاظ کہ وہ پچاس یا تقریباً ساٹھ سال کی ہو اور علامت حیض مشاہدہ میں آئے تو اس بارے میں واقف کار عورتوں سے دریافت کرنا ہوگا۔ اگر کوئی ایک واقف کار عورت بھی یہ کہے کہ یہ حیض ہے تو اس کی عدت حیض کی عدت میں منتقل ہو جائے گی اگر واقف کار عورتیں یہ بتائیں کہ وہ حیض نہیں ہے تو مہینوں کے اعتبار سے گزاری جانے والی عدت بدستور جاری رہے گی۔ اس بارے میں ایک ہی واقف کار عورت کا کہنا کافی ہے بشرطیکہ وہ عورت دروغ بیانی کے الزام سے بری ہو۔

نیز مالکیہ کہتے ہیں کہ واقف کار عورتوں کی رائے اس صورت میں لی جا سکتی ہے جبکہ ایک دن یا دو دن یا اس سے کم عرصہ تک ادرار ہو کر بند ہو جائے۔ صرف اسی صورت میں واقف کار عورتوں سے رجوع کرنا چاہئے۔ اگر ایک واقف کار عورت بھی یہ کہہ دے کہ وہ خون حیض ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ نہیں جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی عورتوں سے رجوع کیا جائے گا جبکہ عمل جراحی کے ذریعہ ایک شخص کے دونوں خصیتیں یا ایک کاٹ دیا گیا ہو یا دونوں خصیوں اور یا ایک خصیہ کے علاوہ عضو مخصوص بھی مقطوع ہو یا ان میں سے کوئی جز و مرض کے باعث بیکار ہو گیا ہو تو واقف

Marfat.com

جاننا چاہئے کہ تین ماہ کی عدت آزاد آئسہ عورت کی عدت ہے۔لونڈی کی عدت کی میعاد آزاد عورت کی میعاد سے نصف یعنی ڈیڑھ مہینہ ہے۔[1] کیونکہ مدت کی تنصیف ہوسکتی ہے اور مہینوں کا شمار قمری تاریخوں سے ہوگا درآنحالیکہ طلاق مہینے کے آغاز میں ہوئی ہو۔اگر مہینے کے درمیان طلاق ہوئی تو جس ماہ میں طلاق ہوئی اس کے دن محسوب ہوں گے۔اس کے بعد مہینوں کا شمار قمری تاریخ سے ہوگا اور جتنے دن پہلے مہینے سے کم ہوں ان کو چوتھے مہینے کے دنوں سے پورا کیا جائے۔

کار عورتوں سے یہ دریافت کیا جاسکتا ہے کہ ایسے اشخاص کے اولاد ہوسکتی ہے یا نہیں۔پھر یہ کہ آیا اس بارے میں واقف کار عورتوں سے رجوع کرنا ہی شرط ہے یا مقصد یہ ہے کہ اس باب میں واقف کار اشخاص سے تحقیق کی جائے خواہ وہ عورتیں ہوں یا مرد طبیب ہو؟ اس معاملہ میں اختلاف ہے۔بعض اصحاب کہتے ہیں کہ کسی مرد کے ناقابل اولاد ہونے کے مسئلہ میں صرف علم طب اور علم تشریح (یا علوم جراحی) کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔اس کا فیصلہ کرنے کے لئے محض تجربہ جو عورتوں کو حاصل ہو کافی نہیں ہے۔بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس بارے میں فیصلہ کے لئے واقف کار عورتوں کی رائے کافی ہے۔ بہرحال اگر عورتیں طب سے بھی واقف ہوں تو یہ دونوں خوبیاں جمع ہوجائیں گی اور (ان کا فیصلہ) ہر لحاظ سے بہتر ہوگا۔

یہ تمام مسئل آئسہ عورت (کی عدت) کے متعلق ہیں۔لیکن وہ کم عمر لڑکی جسے حیض آجانا متوقع ہے اگر مہینوں میں عدت گزارنا شروع کرے اور اسے حیض آجائے تو اب اسے مہینے کی بجائے حیض کے اعتبار سے عدت گزارنا ہوگا۔اگرچہ مہینے کی عدت پوری ہونے میں صرف ایک دن رہ گیا ہو۔لیکن اگر عدت پوری ہوجانے کے بعد حیض آئے تو اب اس پر کچھ عائد نہ ہوگا اور اس کی بابت عورتوں کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ آئسہ یا محروم الحیض لونڈی کی عدت کے بارے میں تین اقوال ہیں: ایک یہ کہ اس لونڈی کی عدت بھی آزاد عورت کی عدت کی طرح ہے یعنی تین مہینے اور یہی قول مشہور ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ اگر اسے حمل ہوا تو اکثر حالات میں اس کا پتہ نہیں چلتا جب تک کہ تین ماہ نہ ہوجائیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ دو ماہ کی عدت گزارے جیسا کہ حنابلہ کہتے ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ڈیڑھ ماہ کی عدت گزارے جیسا کہ حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں اور جو متن کتاب میں مذکور ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ آئسہ لونڈی کی عدت کی مدت پورے دو مہینے ہے' کیونکہ اگر وہ عورت حیض والی ہوتی تو اس کی عدت دو قروء ہوتی۔لہٰذا چاہئے کہ ہر حیض کے مقابلہ میں عدت کے لئے ایک مہینہ رکھ دیا جائے۔

Marfat.com

نفقہ کا بیان

(نفقہ کی تعریف' اس کی حیثیت' اس کا موجب' اس کے حق دار اور اس کا ثبوت)

نفقہ کے لغوی معنی خرچ کرنے اور نکال دینے (یا چالو کر دینے) کے ہیں چنانچہ جب جانور کو بذریعہ خرید و فروخت یا اسے ہلاک کر کے مالک کے قبضہ سے نکال دیا جائے تو کہتے ہیں "نفقت الدابة" (یعنی میں نے جانور کو نکال دیا یا چالو کر دیا) اسی طرح "نفقت السلعة" (یعنی میں نے مال کو چالو کر دیا) یہ اس وقت کہتے ہیں جب مال کی خرید و فروخت چل پڑے (یا رائج ہو جائے) یہ لفظ باب دخل یدخل سے آیا ہے اس کا مصدر نفوق بروزن دخول ہے۔ قواعد کی رو سے یہ لفظ اسم مصدر ہے اور اس کی جمع نفقات اور نفاق' بکسر نون' آتی ہے جیسے ثمرہ کی جمع ثمار۔

نفقہ کی اصطلاح میں نفقہ کے معنی اس خرچ کی ذمہ داری جو کسی پر عائد ہوتی ہے اسے پورا کرنے کے لئے ضروریات کا مہیا کرنا ہے۔ اس میں روٹی' سالن' لباس' گھر اور دوسری متعلقہ اشیاء مثلاً پانی' تیل' روشنی وغیرہ شامل ہیں تفصیل آئندہ آ رہی ہے۔

اس کی شرعی حیثیت "امر واجب" کی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ نفقہ کا مہیا کرنا' خاوند' باپ یا آقا پر واجب ہوتا ہے۔

اس کے موجبات تین ہیں شادی' قرابت داری اور ملکیت ان تینوں صورتوں میں نفقہ کی ادائیگی کا واجب ہونا قرآن' سنت (حدیث) اور اجماع سے ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "الرجال قوامون على النساء بما فضل الله به بعضهم على بعض و بما انفقوا من اموالهم" (یعنی مرد عورتوں کے نگہبان ہیں۔ اس فضیلت کی بنا پر جو اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر دی ہے اور اس مال کے ذریعہ جو مرد عورتوں پر خرچ کرتے ہیں) نیز ارشاد باری ہے "و على المولود له رزقهن و كسوتهن" (صاحب اولاد کے ذمہ ان کا کھانا کپڑا ہے) ان کے علاوہ اور بھی آیات ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان پر بیوی' اولاد' ماں باپ اور قرابت داروں کا نفقہ واجب ہے اور احادیث تو اہل وعیال' قرابت داروں اور غلاموں پر خرچ کرنے کے فضائل سے بھری پڑی ہیں۔ منجملہ ان کے وہ حدیث ہے جو بخاری نے روایت کی ہے..... "تقول المراة اما ان تطعمنى و اما ان تطلقنى و يقول العبد اطعمنى و استعملنى و يقول الابن اطعمنى الى من تدعنى" (یعنی عورت کہتی ہے کہ یا

Marfat.com

تو میرا نفقہ دو یا مجھے طلاق دے دؤ اور غلام کہتا ہے کہ مجھے خوراک دو اور مجھ سے کام لو اور بیٹا کہتا ہے مجھے کھانا کھلاؤ) ایک دوسری روایت میں اطعمنی کی بجائے انفق علی (یعنی مجھ پر خرچ کرو) آیا ہے۔

مستحقوں کے نفقات مہیا کرنے کی جو تاکید احادیث میں آئی ہے وہ امر مخفی نہیں ہے اور ان سب کی خبرگیری واجب ہونے کے بارے میں تمام علماء کا اتفاق ہے اور جس طرح بیوی کے زوجیت میں آ جانے کے بعد خاوند پر اس کا نان نفقہ واجب ہو جاتا ہے اسی طرح کبھی زوجیت سے علیحدگی بھی نان نفقہ کی ادائیگی کا موجب ہوتی ہے۔ مثلاً وہ عورت جسے طلاق رجعی دی گئی ہو وغیرہ اس مسئلہ کی تفصیل بدورانِ عدت نفقہ واجب ہونے کے بیان میں آئے گی۔

بیوی کے نان نفقہ اور اس کے متعلقہ مسائل کا بیان

بیوی کے نفقہ سے متعلق چند مسائل ہیں: ایک تو نفقہ کی قسمیں۔ دوسرے یہ کہ آیا نفقہ خاوند کی حیثیت کے پیش نظر ہوگا یا بیوی کی حیثیت کے پیشِ نظر یا اس بارے میں دونوں کی حیثیت کو پیشِ نظر رکھا جائے گا۔ تیسرے یہ کہ آیا نفقہ نقدی کی شکل میں ہو یا کھانے کپڑے کی صورت میں؟ چوتھے یہ کہ بیوی کا نفقہ واجب ہونے کی کیا شرط ہے؟ پانچویں یہ کہ کیا نفقہ مطالبہ اور یا فرض ہونے سے پہلے قرار پا سکتا ہے؟ چھٹے یہ کہ نفقہ فرض ہو جانے کے بعد بند ہو سکتا ہے یا اس کا ساقط ہو جانا ممکن ہے۔ نیز یہ کہ وہ کن صورتوں میں ساقط ہوتا ہے؟

نفقہ زوجیت کی اقسام کا بیان

نفقہ زوجیت تین اقسام پر مشتمل ہے: (۱) بیوی کو نان و نفقہ اور اس کے لوازمات' آٹا' چولہا اور پانی وغیرہ کا مہیا کرنا' (۲) بیوی کا کپڑا' (۳) گھر' ان میں سے ہر ایک کے متعلقہ مسائل مسالک مختلفہ کی رُو سے تفصیل طلب ہیں۔[1]

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ بیوی کا نان نفقہ خاوند پر واجب ہے اور یہ آگے بتایا جائے گا کہ اس کے لئے دونوں (زوجین) کی حیثیت کو پیش نظر رکھا جائے گا پھر یہ کہ آیا خاوند پر غلہ' سبزی' گوشت کا مہیا کرنا واجب ہے اور پکانا گوندھنا بیوی کے ذمہ ہے یا یہ ضروری ہے کہ اسے پکی پکائی روٹی اور تیار کھانا دیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں بیوی کی حالت کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ اگر بیوی ناز پروردہ کہ خدمت نہیں کر سکتی تو لازم ہے کہ اسے تیار کھانا دیا جائے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ وہ مرض میں مبتلا ہو اور کام کاج نہ کر سکتی ہو۔ اگر عورت خود پیسنے' گوندھنے اور پکانے کے قابل ہے تو اس پر واجب ہے کہ خود یہ کام کرے اور اس کام کی اجرت کا مطالبہ حلال نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ عام دستور کے مطابق

Marfat.com

کیا جائے گا۔ اگر عام طور پر اس جیسی حیثیت کی عورت کو کام کاج' پکانے گوندھنے اور خدمت کے قابل نہیں سمجھا جاتا تو ویسا ہی سلوک کیا جائے گا ورنہ نہیں بلکہ اس پر واجب ہوگا کہ وہ تمام کام جو اس جیسی عورتیں کرتی ہیں خود انجام دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف (عورتیں بھی اس حسن سلوک کی حقدار ہیں جو ان پر عائد ہوتا ہے) یعنی حقوق واجبات جو ان پر عائد ہوتے ہیں عام دستور کے مطابق ان (حقوق واجبات) (کی وہ بھی حق دار ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرائض حیات کی جو تقسیم حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان فرمائی اس سے اسی خیال کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے خارجی معاملات کی انجام دہی کا ذمہ دار حضرت علیؓ کو اور داخلی امور کی انجام دہی کی ذمہ داری حضرت فاطمہؓ کو قرار دیا۔ ان دنوں میں خانگی امور انجام دینا سخت تھا۔ کیونکہ لوگ چکی پیستے تھے۔ حنفیہ اصحاب' جو یہ کہتے ہیں کہ یہ (تقسیم فرائض کی) کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ حضورؐ کا گھر زہد و تواضع کا ایسا نمونہ تھا جس پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا' یہ خیال نا قابل تسلیم ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل خانہ تمام انسانوں کے لئے راہ نما ہیں اور ان کے افعال واقوال دائمی شریعت (دستور العمل) کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی پیروی ہر شخص پر فرض ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر فعل ایک ہمہ گیر دستور العمل ہے جس میں واضح فرما دیا گیا ہے کہ عورت جسے امور خانہ کی انجام دہی سپرد کی گئی ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھریلو کام کو انجام دے قطع نظر اس کے کہ اس کی جاہ ومنزلت کیا ہے؟

مولف کتاب الفقہ کا کہنا ہے کہ ان کے نزدیک یہی اصول عہد حاضر کی تمام عورتوں کو اپنانا چاہئے۔ کیونکہ اسی طرح گھر کی مالکہ کو امور خانہ داری کی مہارت حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے بیٹے بیٹیوں کو درس عمل دے سکتی ہے اور اسی طرح وہ راستوں پر اتراتے پھرنے۔ گھر گھر کے چکر کاٹنے' طرح طرح کے کھیل تماشوں میں مشغول ہو جائے' برائیوں میں پڑ جانے سے بچتی ہے اور اپنی اولاد کو خراب عادتوں اور فضولیات وخرافات سے محفوظ رکھتی ہے اور وہ عورت جو گھریلو کام کاج' ذاتی اصلاح اور اولاد کی دیکھ بھال میں مسلسل لگی رہتی ہے وہی دراصل اپنے فرائض کو بخوبی انجام دیتی ہے اور معاشرہ کی بہترین خدمت بجالاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اور ایماندار عورتوں کے لئے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت میں جو تمام جہان کی عورتوں کی سردار اور تمام مخلوقات کے سردار کی صاحبزادی ہیں بہترین دستور العمل ہے' علیها الصلوۃ والسلام اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت کو اس کی بساط سے زیادہ تکلیف میں ڈالا جائے اور وہ اپنے کام کاج میں کسی خادم یا ہاتھ بٹانے والے کی مدد نہ لے۔ حالانکہ وہ ایسا کر سکتی ہو۔ حاشا وکلا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ عورت اپنے گھریلو کام کاج میں خود شریک ہو اور جہاں تک بن پڑے عملاً شریک کار ہو کر اپنے کام اپنے ہاتھ سے انجام دے تا کہ مفید مطلب کاموں کی عادت رہے اور وقت واحوال پیش آمدہ کے مطابق عہدہ برآ ہو سکے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نوکر (احیاناً) غائب ہو جاتا ہے اور کبھی کنبہ کو ایسی جگہ رہنا پڑتا ہے جہاں کھانا (پکا پکایا) دستیاب نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ سارا کنبہ صرف اس لئے بھوکا رہے کہ خاتون خانہ امور خانہ داری سے ناواقف ہو۔ مزید براں اگر گھر والی کو کام کرنے کی عادت ہو تو وہ راستوں پر بھٹکتی پھرنے اور فضولیات کے چکر میں پڑنے سے بچ جاتی ہے۔ جیسا کہ بتایا گیا۔

Marfat.com

جاننا چاہئے کہ جہاں عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ پکانے' گوندھنے اور گھر کے کام کاج میں لگی رہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا' وہاں خاوند پر بھی واجب ہے کہ وہ بیوی کو کام کی نوعیت کے مطابق ضروری سامان مہیا کرے۔ چنانچہ اگر ایسی جگہ رہائش ہو جہاں چکی کے سوا اور کوئی ذریعہ آٹا پیسنے کا نہیں ہے تو لازم ہے کہ خاوند چکی کا بندوبست کرے اور اگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں چکی کے بغیر دخانی مشینوں میں آٹا پیسا جاتا ہے یا پسنہاریاں آٹا پیستی ہیں تو خاوند پر واجب ہے کہ وہ پسائی کی اجرت دے یا خود آٹا پسوا کر لائے اور جب لائے تو یہ بھی لازم ہے کہ چھلنی چھاج اور کونڈا وغیرہ جس میں آٹا گوندھا جاتا ہے لاکر دے اسی طرح پکانے کا سامان مثلاً انگیٹھی' ڈوئی اور چمچہ وغیرہ بھی حسب ضرورت مہیا کرے۔ نیز پانی لاکر دینا بھی اسی کا کام ہے۔ اگر ایسی بستی ہے جہاں عورتیں خود پانی بھر کر لاتی ہیں تو یہ کام عورتوں کے ذمہ ہوگا۔ جیسا کہ چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں ہوتا ہے کہ جہاں خود عورتیں پانی لاتی ہیں۔ تو بیوی کو پانی لانے کے لئے کہہ سکتا ہے ورنہ خاوند پر واجب ہے کہ وسائل بہم رسانی آب یعنی سقایا پنہاریوں کے ذریعہ پانی مہیا کرے اور یہ بھی لازم ہے کہ اس قدر پانی لائے جو غسل' وضو یا دھونے دھلانے کے لئے کافی ہو۔ نیز اس کے لئے دوسرے لوازمات مٹکا' کوزہ وغیرہ بھی فراہم کرے۔

لباس کے بارے میں خاوند پر فرض ہے کہ ہر چھ ماہ میں ایک بار لباس کا دینا فرض ہے۔ لیکن اگر کسی عورت سے شادی کی اور شب زفاف گزاری اور اسے لباس نہیں بہم پہنچایا تو چھ ماہ سے پہلے ہی لباس کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ لباس کی تیاری میں موسم کو ملحوظ رکھا جائے۔ لہٰذا موسم سرما میں زیادہ کپڑا دینا لازم ہے تاکہ سردی سے بچاؤ ہو اور موسم گرما میں ایسا لباس ہو جو گرمی کی شدت سے بچائے۔ نیز یہ بھی واجب ہے کہ لباس کی کیفیت کے بارے میں اس جیسی عورتوں کے لئے جس طرح کے کپڑوں کا رواج ہے اس کا لحاظ رکھے۔ لباس میں وہ کپڑا شامل ہے۔ جو عورت ٹانوں میں آگے سے لپیٹ لیتی اور سر پر ڈالتی جیسے ساڑھی وغیرہ۔

مکان کی بابت خاوند پر لازم ہے کہ اسے ایسے گھر میں رکھے جو میاں بیوی کے مناسب حال ہو اور جہاں اس کے دوسرے بچے اور بیوی نہ ہوں۔ ہاں اگر صغیرسن بچے ہوں جو تعلقات زناشوئی سے بے خبر ہوں۔ ایسے بچوں کی موجودگی میں مضائقہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ آیا اپنی بیوی کے ساتھ خاوند اپنی لونڈی کو رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اختلاف ہے اور اس قول کو ترجیح ہے کہ لونڈی بیوی کے ساتھ رہ سکتی ہے بشرطیکہ خاوند بیوی کے سامنے اس سے مباشرت نہ کرے۔ اگر لونڈی ام ولد ہو (جس سے اولاد پیدا ہو چکی ہے) تو صحیح قول (اس بارے میں) یہ ہے کہ اس (ام ولد) کو بیوی کے ساتھ رکھنا نہ چاہئے کیونکہ جس لونڈی سے کوئی بچہ پیدا ہو چکا ہو اس کا موجود ہونا سوکن بلکہ اس سے بھی زیادہ ناخوش گوار ہوتا ہے۔

یہ احکامات اس حالت میں ہیں جبکہ بیوی ان کے ساتھ رہنا نہ چاہے۔ اگر وہ خاوند کے کنبہ کے ساتھ رہنا پسند کرے اور ان کے ساتھ رہے تو درست ہے۔ اور خاوند کو بھی حق ہے کہ بیوی کے کنبہ والوں کو اپنے ساتھ رکھنے سے مانع ہو۔ اگرچہ بیوی کا اپنا بیٹا ہو جو دوسرے خاوند سے ہے۔ خواہ وہ بچہ اتنا چھوٹا ہو جیسے تعلقات زناشوئی کا مطلق علم نہ ہو۔ اسی طرح خاوند بیوی کے اس بچے کو دودھ پلانے اور پالنے پوسنے سے بھی منع کر سکتا ہے۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ وہ گھر خاوند کا ہو۔ خواہ وہ اس گھر کا مالک ہو یا کرایہ پر لیا ہوا ہو۔ لیکن اگر خاوند بیوی کے گھر میں رہتا ہو تو اسے حق نہیں ہے کہ بیوی کو اپنے کنبہ والوں کے ساتھ رکھنے سے مانع ہو۔ تاہم وہ بیوی کو اپنے بچے کے

Marfat.com

دودھ پلانے اور پالنے پوسنے سے منع کرسکتا ہے' کیونکہ اس سے خاوند کی طرف توجہ دینے میں خلل ہوتا ہے اور اس کی خوبصورتی اور صاف ستھرا رہنے میں خلل ہوگا حالانکہ صرف خاوند کو اس کا حق پہنچتا ہے۔

گھر کی بابت شرط یہ ہے کہ اس میں تمام ضروری اور کارآمد اشیاء موجود ہوں مثلاً پانی کی بالٹی' ہانڈی اور دھلے ہوئے کپڑے سکھانے کی الگنیاں اور دوسری اشیاء جن کا ذکر اس کتاب کے اندر پہلے آ چکا ہے۔ نیز خاوند پر واجب ہے کہ امیری یا غریبی کی صورت میں جو ضروریات خانگی درکار ہیں بموجب تفصیل آئندہ مہیا کرے۔ چنانچہ فرش' پردے' چوکیاں (کرسیاں) اور دوسری اشیاء جو بالعموم گھر چلانے کے لئے مطلوب ہیں وہ سب موجود ہوں۔ پس صابون وغیرہ جو صاف کرنے کے کام آتا ہے اور وہ اشیاء جو بالوں کا میل کچیل دور کرنے کے کام آتی ہیں مثلاً کنگھی تیل وغیرہ جو بالعموم بنانے سنوارنے میں استعمال ہوتی ہیں۔ ایسی اشیاء میں خوشبو اور عطریات بھی ہیں جن سے پسینے اور بغل کی بساند دور کی جاتی ہے۔ ان سب چیزوں کی فراہمی خاوند پر واجب ہے۔ ان کے علاوہ اور چیزیں مثلاً سرمہ' سفیدی' سرخی (Toilet) خضاب اور موباف وغیرہ کا مہیا کرنا خاوند پر واجب نہیں ہے۔ اسی طرح دوائیں اور میوہ جات کا مہیا کرنا بھی خاوند پر واجب نہیں ہے۔ اس پر بعض اصحاب کا اعتراض ہے کہ دوا تو انسانی زندگی کی ضروریات میں سے ہے اور فواکہ کا استعمال بھی ایسے خوشحال اشخاص کی ضروریات میں سے ہے۔ جو اس کے عادی ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ (ان کے واجب نہ ہونے کا یہ مطلب ہے) دوا اور فواکہ ایسی اشیاء نہیں ہیں کہ باہمی نزاع کی صورت میں جبکہ حاکم شرع کے سامنے اس کا دعویٰ کیا جائے تو عدالت اسے واجب قرار دے۔ پس ایسی حالت میں جن اشیاء کی فراہمی خاوند پر واجب قرار دی جاتی ہے۔ ان سے مراد وہ ضروری چیزیں ہیں جن پر اکثر حالات میں انسانی زندگی کا انحصار ہے۔ باقی رہا باہمی رضامندی کا معاملہ سو ہر شخص پر یہ ذمہ داری خدا کی طرف سے عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھے سے اچھا سلوک کرے۔ حنفیہ کے نزدیک یہی طریق کار درست ہے البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ بات اس صورت میں واضح ہے جبکہ میاں بیوی دونوں مالدار ہوں یا دونوں غریب ہوں یا خاوند امیر ہو اور بیوی غریب ہو۔ اگر دونوں مالدار ہیں یا بیوی مالدار ہے تب تو بیوی کے لئے ممکن ہے کہ وہ اپنے علاج معالجہ پر خرچ کرے اور بے غل وغش فواکہ کا استعمال کرے اور اگر دونوں غریب ہوں تو یہ بات ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں بیچارے خاوند کو جو بڑی جدوجہد کے ساتھ مشکل سے بسر اوقات کرتا ہے دواؤں اور میووں کے لئے مجبور کیا جانا خلاف عقل ہے۔ ہاں اگر بیوی غریب ہے اور خاوند امیر ہے تو اصول اسلام کا تقاضا ہے کہ خاوند کو علاج معالجہ کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔ مالداروں پر واجب ہے کہ وہ غمزدوں کا خیال کریں اور مریضوں کی مدد کریں کیونکہ اگر بیوی مریض ہو اور اس کا مالدار خاوند ہی اس کا علاج معالجہ نہ کرے اور اس کی تکلیف دور نہ کرے تو اور کون سا مالدار ہے جو اس کا علاج کرے گا کیا یہ امر ظاہر اور قرین عقل نہیں ہے کہ اس کا خاوند ہی اس کا علاج معالجہ کرے اور اس کی دواؤں کی قیمت ادا کرے۔ یہ قول اطمینان بخش ضرور ہے لیکن فقہائے حنفیہ کا اس پر اجماع ہے کہ یہ جو کچھ بتایا گیا وہ احکام شرعیہ کے نتائج میں سے ہے کیونکہ ایک بیوی کا بحیثیت بیوی کے خاوند پر جو حق ہے۔ اس کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ خاوند اس پر حیات عامہ کی بقاء کے لئے خرچ کرے۔ جس سے مراد ایک صحت مند زندگی ہے۔ مریض زندگی نہیں ہے۔ والا خاوند پر علاج معالجہ واجب نہیں ہے بلکہ بعض مسلکوں میں تو یہ ہے کہ بیوی کا نفقہ اس تمتع کا معاوضہ ہے جو خاوند اس سے حاصل کرتا ہے اور

Marfat.com

مریض عورت میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ اس سے خاوند متمتع ہو لہٰذا خاوند کا نفقہ اس پر واجب نہیں ہے۔ لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ بیوی کا نان نفقہ خاوند کے گھر کی پابندی رہنے کا معاوضہ ہے خواہ وہ متمتع ہونے کے قابل نہ ہو جیسا کہ شرائط نفقہ کے بیان میں بتایا گیا۔

واضح ہو کہ جس طرح دوا کی قیمت اور طبیب کی اجرت خاوند پر واجب نہیں ہے اسی طرح تمبا کو قہوہ اور چائے وغیرہ کے دام بھی واجب نہیں ہیں۔ اگر چہ اس کا ترک کرنا نقصان دہ ہو۔ جنائی یا دایہ کی اجرت کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اخراجات بیوی کے ذمہ ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں خاوند کے ذمہ ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ اس کے ذمہ ہے جس نے اسے بلایا ہو بعض اصحاب نے اس خیال کو قوی فرمایا ہے کہ اس کا بار خاوند پر ہے کیونکہ اس کا فائدہ اس کی اولاد کو پہنچتا ہے لہٰذا اس کا خرچ والد کے ذمہ ہونا چاہئے اور یہی بات معقول ہے۔

مالکیہ کہتے کہ خاوند پر بیوی کا نفقہ سہ گانہ فرض ہے:

طعام اور اس کے لوازمات کے بارے میں اس کی مقدار کے لئے عام دستور کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ روٹی ہو یا سالن یا گوشت اگر خاوند صاحب مقدور ہے اور لوگ روزانہ گوشت کھانے کے عادی ہیں تو اس کا مہیا کرنا فرض ہے۔ ساتھ ہی وہ اشیاء بھی ضروری ہیں جو مناسب طور پر بھوننے (یا پکانے) کے لئے لازم ہے اگر روزانہ گوشت کی عادت نہ ہو تو متوسط درجہ کے خاوند کو ہفتہ میں ایک بار (خوراک میں) گوشت کا بندوبست فرض ہے اور ہفتہ کے باقی دنوں میں اس جیسی حیثیت والی عورتیں جو سالن استعمال کرتی ہیں وہ مہیا کیا جائے۔ روٹی گندم کی ہو یا کسی اور اناج کی جس کا استعمال ان لوگوں میں عام طور پر ہوتا ہو۔ یہ بھی لازم ہے کہ خاوند پوری خوراک مہیا کرے اگر چہ بیوی کی خوراک زیادہ ہو۔ البتہ اگر عقد کے وقت یہ شرط رکھی گئی ہے کہ وہ عورت زیادہ کھانے والی نہ ہو تو خاوند کو حق ہے کہ وہ اوسط درجہ کی مقدار پر راضی نہ ہو تو (اس کا مطالبہ) رد کر دے۔ اگر بیوی کم خوراک ہو تو بقول معتمد اتنی خوراک مہیا کرنا لازم ہے جو اس کے لئے کافی ہو اور دودھ پلانے والی کی خوراک میں اضافہ کرنا چاہئے تاکہ بیوی کو دودھ پلانے کی قوت حاصل ہو۔ پھر خاوند پر پانی کا مہیا کرنا بھی فرض ہے۔ جو اتنا ہو کہ پینے، صفائی یا پاکی کے لئے غسل وغیرہ کرنے اور کپڑے اور برتن کو دھونے اور زمین پر چھڑکاؤ وغیرہ کے لئے کافی ہو۔ اسی طرح ضروری برتن اور سامان جو پکانے، گوندھنے اور پانی پینے کے لئے درکار ہیں نیز ایندھن، انگیٹھی، تنور، نمک اور کھانا پکانے کے لئے گھی بھی خاوند کے ذمہ ہے۔ ان کے علاوہ اور اشیاء کا مہیا کرنا خاوند پر فرض نہیں ہے چنانچہ حلوے کے لئے گھی کا لانا ضروری نہیں ہے۔ نیز مٹھائی اور فواکہ (میوہ) بھی فرض نہیں ہے۔ باقی دوائی اور طبیب کی فیس کے واجب ہونے کے بارے میں دو قول ہیں۔ متن کتاب میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ یہ اخراجات خاوند پر واجب نہیں ہیں لیکن وہ تفصیل جو (اندریں باب) مسلک حنفیہ کے بیان میں آئی ہے اس سے ان مصارف کے خاوند پر واجب ہونے کی تائید ہوتی ہے کیونکہ خاوند کے بارے میں یہ امر فرض کر لیا گیا ہے کہ وہ علاج معالجہ کا مقدور رکھتا ہے۔ بعض علمائے مالکیہ کہتے ہیں کہ خاوند پر فرض ہے کہ بیوی کا علاج ان پیسوں سے کرائے جو حالت صحت میں اس پر خرچ کرتا ہے۔ جنائی اور دائی کا معاملہ بھی طبیب کی مانند ہے کہ اس کی اجرت خاوند پر واجب ہونے کے بارے میں اختلاف ہے اور خیال غالب یہی ہے کہ اس کی اجرت خاوند کے ذمہ ہے اگر چہ بیوی کو طلاق دے چکا ہے۔

Marfat.com

لباس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ سال بھر میں دوبار زوجین کی حیثیت کے مطابق جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے مہیا کیا جائے اور موسم سرما کے لئے سرمائی اور موسم گرما کے لئے گرمائی لباس تیار کیا جائے بشرطیکہ سابقہ لباس بوسیدہ ہو گیا ہو۔ اگر وہ لباس ہنوز نئے کی مانند ہو اور استعمال میں آ سکتا ہو تو نیا لباس مہیا کرنا فرض نہیں ہے جب تک پہلا لباس پھٹ نہ جائے۔ خاوند پر یہ فرض نہیں ہے کہ قرابت داروں میں ملنے جلنے کے لئے جانے یا شادی (وغیرہ تقریبات) میں شریک ہونے کے لئے ریشمی لباس تیار کرائے۔ اسی طرح عورتوں کے مخصوص استعمال کا صوف اور چادر' تولیہ وغیرہ بھی خاوند پر فرض نہیں ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر خاوند مالدار ہے تو ان سب اشیاء کا فراہم کرنا لازم ہے اور اس پر فرض ہے کہ ایسی اشیاء جن کی عورتیں بناؤ سنگھار کے لئے عادی ہیں اور اس کا ترک کر دینا نقصان دہ ہوتا ہے۔ مثلاً سرمہ اور تیل جس کی عادت ہو اور مہندی کنگھی وغیرہ مہیا کرے۔ عطر وغیرہ کے اخراجات کے بارے میں اختلاف ہے۔ جہاں تک علمائے مالکیہ کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خاوند پر سامان زینت کا مہیا کرنا فرض نہیں ہے' سوا ایسی اشیاء کے جن کی بیوی عادی ہو اور اس کا ترک کرنا اسے نقصان دہ ہو جیسے سرمہ وغیرہ۔ تاہم مالکیہ کے اس نظریہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر عورت اس بات کی عادی ہو کہ وہ اپنی پلکوں کو خوبصورت بنانے اور چہرہ کو پاؤڈر وغیرہ (Toilet) سے آراستہ کرے اور اگر اس کا استعمال ترک کر دے تو اس کی خوبصورتی میں فرق آ جائے اور اسے چھوڑنا نقصان دہ ہو تو ان تمام اشیاء کا مہیا کرنا خاوند پر فرض ہے۔ درحقیقت بزرگان مسلک مالکیہ کے اقوال سے یہی مفہوم نکلتا ہے لیکن صاحب کتاب الفقہ فرماتے ہیں کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ سرمہ اور اسی طرح کی دوسری اشیاء زینت کا مہیا کرنا دراصل خاوند ہی کے ذمہ ہے' کیونکہ صرف وہی بیوی سے متمتع ہوتا ہے' کوئی اور نہیں ہوتا۔ اب اگر اس کو خاوند پسند کرتا ہے اور ازدیاد محبت کا موجب ہے کہ اگر بیوی اسے استعمال کرنا ترک کر دے۔ تو خاوند کا میلان بیوی کی جانب سے کم ہو جائے۔ ایسی صورت میں ان اشیاء کا مہیا کرنا خاوند پر لازم ہے لیکن اگر خاوند اس کے بغیر ہی بیوی کو پسند کرتا ہو اور ان کے استعمال کو برا سمجھتا ہو تو اس کا مہیا کرنا اس پر لازم نہیں ہے بلکہ بیوی کو چاہئے کہ وہ خود ہی اسے ترک کر دے' کیونکہ شریعت اسلامیہ میاں بیوی میں رابطہ الفت کو زیادہ مضبوط بنائے رکھنے کی تائید کرتی ہے لہٰذا جن باتوں سے باہمی نفرت پیدا ہو ان پر عمل پیرا ہونا حلال نہیں ہے۔ یقین ہے کہ یہ نظریہ آئمہ مسالک میں سے کسی کے خلاف نہیں ہے اور عجب نہیں ہے کہ خاوند پر ایسی چیزوں کا مہیا کرنا واجب ہو جس کا ترک کرنا بیوی کے لئے نقصان دہ ہو۔ بدیں لحاظ کہ اگر اسے چھوڑ دے تو اس کا حسن خاوند کی نگاہ میں ناقص ہو جائے اور بیوی کی طرف اس کی رغبت میں کمی آ جائے۔

واضح ہو کہ اگر بیوی مالدار ہو اور خود کام نہ کر سکتی ہو یا خاوند صاحب حیثیت اور معزز ہو کہ اس کی بیوی کے لئے خود کام کاج کرنا مناسب نہ ہو تو خاوند پر فرض ہے کہ بیوی کے لئے خادم (نوکر) رکھے۔ بشرطیکہ اس کا مقدور ہو اور یہ کر سکتا ہو۔ بصورت دیگر بیوی پر لازم ہو گا کہ گھر کے کام کاج' کھانا پکانا' آٹا گوندھنا اور جھاڑو بہار دو دینا خود انجام دے۔ ساتھ ہی خاوند پر بھی لازم ہے کہ فرصت پائے تو بیوی کے کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹائے۔ بیوی پر امور خانگی کے علاوہ دوسرے کام سلائی کڑائی وغیرہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ اگر خاوند کا نوکر ہے اور بیوی کا بھی نوکر ہے اور وہ اپنے نوکر کے علاوہ دوسرے سے خدمت نہ لینا چاہے اور اس سے انکار کرے تو خاوند اس کے لئے نوکر کو مخصوص کر دیں۔ بشرطیکہ اس میں

Marfat.com

شہادت کی بناء پر کسی شبہ کی گنجائش نہ ہو۔

گھر کے بارے میں یہ شرط ہے کہ اس میں ضروری کارآمد اشیاء موجود ہوں۔ پھر اگر بیوی ادنیٰ حیثیت کی ہو اور عالی قدر نہ ہو یعنی اس کا حق مہر بہت تھوڑا ہو تو وہ خاوند کے قرابت داروں کے ساتھ رہنے سے انکار کر سکتی ہے اور عالی قدر عورت جس کا مہر بھاری ہو اور شادی کے وقت پر یہ شرط رکھی گئی ہو کہ اسے خاوند کے رشتہ داروں کے ساتھ رہنا ہوگا تو وہ دو شرطوں پر ان کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ بیوی کے رہنے کے لئے تخلیہ کی مخصوص جگہ (یا کمرہ) ہو جہاں خاوند کے رشتہ داروں کو اس کے ذاتی معاملات کی خبر نہ ہو جنہیں وہ ان سے محفوظ رکھنا چاہتی ہو' دوسری شرط یہ ہے کہ گو ان لوگوں کو اس کے ذاتی حصے میں دخل نہ ہو لیکن ان کی بدخواہی سے انہیں نقصان نہ پہنچے۔ پس اگر ان دونوں میں سے کسی ایک شرط کو بھی پورا نہ کیا جائے تو عورت کو خواہ وہ ادنیٰ حیثیت کی ہو یا اعلیٰ حیثیت کی' خاوند کے رشتہ داروں کے ساتھ رہنے سے انکار کر دینے کا حق ہے اگرچہ شادی کے وقت ساتھ رہنے کی شرط ہو۔ لیکن اونچی حیثیت کی عورت جس کا مہر بھاری بندھا ہو اور خاوند کے کنبہ کے ساتھ رہنے کی شرط نہ کی گئی ہو وہ ان کے ساتھ رہنے سے غیر مشروط طور پر انکار کر سکتی ہے۔ اگرچہ شروع میں وہ ساتھ رہنے پر راضی رہی ہو اور کسی قسم کا جھگڑا وغیرہ نہ ہو جو اس کے لئے نقصان دہ ہو۔

اگر میاں بیوی دونوں میں اس کسی کا کوئی صغیرسن بچہ ہو تو فراق ثانی کو حق ہے کہ اسے ساتھ رکھنے سے باز رکھے۔ سوا اس صورت میں جب کہ بیوی کو اس بچے کا علم ہو اور دونوں میں مباشرت ہو جائے۔ چنانچہ اگر شب زفاف سے پہلے اس کا علم بیوی کو ہو اور پھر زفاف ہو' تو اب وہ اس بچے کے ساتھ رہنے سے انکار نہیں کر سکتی خواہ اس بچے کی پرورش کرنے والا کوئی اور ہو یا نہ ہو لیکن اگر مباشرت سے پہلے بیوی کو بچے کا علم نہیں تھا تو اس کے ساتھ رہنے سے انکار کر سکتی ہے بشرطیکہ اس کی پرورش کرنے والا کوئی اور شخص ہو۔ اگر نہ ہو تو انکار نہیں کر سکتی۔

معلوم ہو کہ اس کتاب کے اواخر ثلث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ مالکیہ کے نزدیک بیوی پر لازم ہے کہ وہ اپنے وصول کردہ مہر سے اپنی ایسی ضروریات مہیا کرے جو اس کے خاوند کی سی حیثیت والے کے مناسب حال ہو۔ بناء بریں اگر مفصلہ ذیل شراط کے ساتھ اپنا مہر وصول کرلے تو اسے اپنا جہیز (گھریلو سامان) اور لوازمات خانہ مہیا کر لینا چاہئے۔ خاوند کو ان اشیاء میں سے فرش (بستر) پردہ' لباس اور برتن کے استعمال کا حق ہے اور جن چیزوں کا استعمال جائز ہے انہیں اپنے کام میں لا سکتا ہے اگر بیوی اسے منع کرے تو فیصلہ خاوند کے حق میں ہوگا بیوی کو اپنا یہ سامان فروخت کرنے کا حق نہیں ہے۔ ہاں چار سال کے بعد وہ فروخت کر سکتی ہے۔ اگر خاوند اپنی بیوی کے گھر میں رہتا ہو اور اس کے سامان کو استعمال کرتا ہو اور استعمال سے وہ سامان خراب ہو جائے تو خاوند پر یہ لازم نہیں ہے کہ اس کے بدلے میں نیا سامان مہیا کرے۔ البتہ اگر پردہ اور فرش (بستر) اس کے استعمال سے بوسیدہ ہو جائے تو اس کا بدلنا خاوند پر لازم ہے۔ کیونکہ یہ ضروری اشیاء ہیں۔ پھر اگر خاوند پرانا سامان بدل کر نیا لائے اور بعد میں طلاق دیدے تو حاکم شرع بیوی کے حق میں فیصلہ نہیں دے گا کہ وہ اس سامان کو خود لے لے۔

یہ احکام اس صورت میں جبکہ بیوی نے مہر وصول کر لیا ہو' لیکن اگر ہنوز مہر وصول نہیں کیا اور اس نے اپنے مال سے سامان مہیا کیا ہے تب بھی خاوند کو اس کی چیزیں آخر تک کام میں لانے کا حق ہے۔ لیکن اگر بیوی اسے فروخت کرنا چاہے تو

Marfat.com

خاوند کو منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ تاہم خاوند کو چاہئے کہ بطور حسن سلوک کے ایک تہائی سے زیادہ جتنا سامان ہے وہ بیوی کے لئے چھوڑ دے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ تنگ دست خاوند پر فرض ہے کہ ہر روز صبح کو بقدر ایک مد کے بیوی کو خوراک مہیا کرے۔ شافعیہ کے نزدیک مد کا وزن پورے ایک سو اکہتر ۱۷۱ درہم اور ایک درہم کے سات حصوں میں سے تین حصے (یعنی 71/3/7 درہم) کے برابر ہے۔ لیکن (مصری پیانہ) قدح کی رو سے (مد کا وزن) نصف قدح سے دس درہم اور پانچ سدس درہم کم ہوتا ہے (یعنی پاکستانی پیانہ وزن میں کم وبیش ایک سیر کے برابر) کیونکہ مصری قدح دو مد سے بقدر ایک ثمن (مد) کم ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ایک مد کسی قدر کم نصف قدح ہوتا ہے۔ احتیاطاً اسے نصف قدح وزن کہنا چاہئے اور مصری ایک قدح ایک کیل کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے۔ غرض مصری بیوی کو نصف قدح خوراک کا حق ہے جو بیشتر اہل شہر کی خوراک ہے اور تنگ دست کی تعریف یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ مال نہ ہو یا کچھ مال ہو لیکن اتنا نہ ہو کہ اگر اس کے متعلقین میں اس عمر تک کے لئے جس میں اکثر حالات میں لوگ زندہ رہتے ہیں تقسیم کیا جائے تو کافی نہ ہو پس اگر ایک شخص کی عمر اتنی ہو جس میں بالعموم اس جیسے اشخاص زندہ رہتے ہیں۔ اور اس کے پاس سال بھر کے لئے کافی خوراک نہ ہو تو وہ تنگ دست ہے۔ مثلاً اس شخص کی املاک کو اس کی اپنی ذات پر اور ان لوگوں پر جن کا گزارہ اس کے ذمہ ہے (بطور روزینہ) تقسیم کیا جائے اور اس کے پاس بقدر ڈیڑھ مد کے بچ جائے تو اسے تنگدست نہیں کہیں گے بلکہ اوسط درجہ کی حیثیت کا مالک ہوگا۔ ایسی صورت میں وہ بیوی کو ڈیڑھ مد روزانہ دے گا۔ اسی طرح اگر ذمہ داریاں پوری کرنے کے بعد اس کے بعد دو مد بچ رہے تو اسے خوشحال تصور کیا جائے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ شافعیہ کے نزدیک تنگ دست وہ ہے جس کے پاس مال ہے لیکن اسے اپنا مال اپنی ذات پر اور ان لوگوں پر جن کا نفقہ اس شخص کے ذمہ ہے۔ خرچ کرنے کے بعد عمر کے بیشتر حصہ میں ایک مد سے زیادہ نہ بچتا ہو اور جس کے پاس مال نہ ہو وہ تنگ دست ہے' پس نفقہ کی کم سے کم مقدار ایک مد ہے جو تنگ دست خاوند پر واجب ہے۔ اگر خاوند کے پاس ایک مد سے زیادہ مال بچتا ہو لیکن دو مد سے زیادہ نہ ہو تو اسے اوسط درجہ کا آدمی تصور کیا جائے گا اور نفقہ میں ڈیڑھ مد دینے کو کہا جائے گا۔ اگر دو مد سے زیادہ بچتا ہو تو اسے فارغ البال قرار دیا جائے گا اور وہ دو مد یومیہ کے حساب سے نفقہ ادا کرے گا۔ یعنی ایک قدح مصری سے ایک مد کا تقریباً آٹھواں حصہ کم۔

شافعیہ کے نزدیک نفقہ کی مقدار اسی قدر مانی گئی ہے۔ اس امر کو ملحوظ نہیں رکھا گیا کہ وہ مقدار بیوی کے لئے کافی ہو۔ کیونکہ بیوی کبھی مریض ہوتی ہے یا کسی اور وجہ سے کچھ بھی نہیں کھاتی۔ پس یہ مقدار اس کا حق قرار دی گئی کہ جس طرح اس کا جی چاہے اس مقدار نفقہ کو اپنے کام میں لائے۔ لیکن اگر بیوی خاوند کے ساتھ کھانا کھائے تو نفقہ (طعام) ساقط ہو جائے گا۔ اگر بیوی کو اناج کی شکل میں نفقہ دینا لازم ہو تو آٹا یا قیمت یا روٹی کی شکل میں نفقہ دینا درست نہیں ہے اور جو اناج دیا جائے لازم ہے کہ وہ کرم خوردہ (گھن یا سرسری لگا ہوا) نہ ہو اگر (اس صورت میں) خاوند غلہ کے علاوہ کوئی اور شے نفقہ خوراک میں دے تو اسے قبول کر لینا بیوی پر لازم نہیں ہے۔ ہاں اگر نفقہ خاوند کے ذمے باقی رہ جائے تو اس کے عوض بیوی کو حق ہے کہ خاوند یا اس کے نائب سے نقدی یا کپڑے وغیرہ کی شکل میں اپنا نفقہ واجب وصول کر لے۔ لیکن یہ حق نہیں ہے

Marfat.com

کہ اگلے دنوں کا نفقہ رقم کی شکل میں خاوند سے یا کسی اور سے پیشگی وصول کر لے ہاں اس دن کا نفقہ نقدی کی شکل میں صرف خاوند سے وصول کر سکتی ہے خاوند کے علاوہ کسی اور شخص کی طرف سے اس کی ادائیگی درست نہیں ہے۔ اگر معاوضہ ربوی ہو تو وہ کسی حال میں درست نہیں ہے۔ مثلاً گندم کے عوض روٹی یا غلہ کے عوض آٹا وصول کرنا۔

واضح ہو کہ (نفقہ کی خوراک کا) پیسنا' گوندھنا اور پکانا خاوند کے ذمہ ہے اگر چہ بیوی کو اس کام کی عادت ہو۔ یہ کام بیوی پر لازم نہیں ہے۔ اس کے علاوہ حالات کے مطابق گوشت اور سالن معمول کے مطابق مہیا کرنا خاوند پر لازم ہے۔ اس میں سبزی' مکھن' شہد وغیرہ شامل ہیں۔ پھر اگر گوشت کافی مقدار میں ہو تو خیر' ورنہ کافی' سالن ضروری ہے۔ سالن کے علاوہ بیوی میوہ جات کی عادی ہو تو وہ بھی ضروری ہے۔ میوہ کی طرح وہ اشیاء بھی ضروری ہیں جن کی عادت موسم کے اعتبار سے بیوی کی ہو مثلاً کیک' مچھلی' نقل اور یوم عاشورہ میں شیرینی وغیرہ اسی طرح قہوہ اور تمباکو بھی واجب ہے درآنحالیکہ بیوی کو عادت ہے۔ نیز وہ اشیاء جو حاملہ عورتوں کو مرغوب ہوتی ہیں۔ جیسے حاملہ عورتوں کو بالعموم چٹ پٹی شے مرغوب ہوتی ہے۔ پھر یہ واجب ہے کہ خاوند بیوی کو ان اشیاء کا مالک بنا دے کہ اگر خاوند اسے ضائع کرے تو بیوی (قانوناً) اس کا مطالبہ کر سکے۔ خاوند پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ پینے' دھونے دھلانے اور نہانے کے لئے پانی فراہم کرے' لیکن حیض یا احتلام کے غسل کی خاطر پانی مہیا کرنا واجب نہیں ہے اور تقاضائے حال کے مطابق پکانے ریندھنے کا ضروری سامان ضروری ہے نیز خوبی وخوشنمائی کے لئے کنگھی' تیل اور صابن وغیرہ اور حمام کا خرچ جہاں اس جیسی عورتوں کا دستور ہے مہیا کرنا ضروری ہے۔ لیکن خضاب اور سنگھار کا سامان (Tolet) خاوند پر لازم نہیں ہے' کیونکہ یہ شئے خاوند کی اپنی مرضی کے تابع ہے۔ اگر اپنی بیوی کے بناؤ سنگھار کے لئے اس کی ضرورت دیکھتا ہے تو اسے مہیا کرنا لازم ہے۔ علاج معالجہ اور طبیب کی فیس یا ٹیکہ اور فصد وغیرہ کی اجرت خاوند پر لازم نہیں ہے۔

نفقات زوجہ کے منجملہ یہ اشیاء وہ ہیں جن کا تعلق خوراک اور اس کی متعلقہ اشیاء سے ہے۔ رہا لباس سو وہ اس قدر ضروری ہے جو سال کے موسموں کے اعتبار سے بیوی کے لئے کافی ہو۔ لباس کی کیفیت کپڑے کے طول وعرض خاوند کی حیثیت فراخی وتنگی' لوگوں کے طور طریقے اور (علاقہ یا موسم کی) سردی گرمی وغیرہ کے اعتبار سے مختلف ہوگی۔ گھر کا فرش فروش: جو بالعموم مطلوب ہوتا ہے مثلاً چٹائی' بچھونا اور پردہ اور ایسی چیزیں جن کی مقدار مقامی حالات کے پیش نظر حاکم شرع متعین کر دے لباس میں شامل ہیں۔ ہاں اگر ایسا گھر ہے جس میں فرش فروش نہیں ہوتے وہاں بیوی کے لئے فرش مہیا کرنا ضروری نہیں ہے۔ لباس ہر چھ ماہ میں ایک بار مہیا کیا جائے۔ اگر لباس تلف ہو جائے خواہ بیوی کی بے احتیاطی کی وجہ سے تلف نہ ہوا ہو تو بیوی کو مزید حق مطالبہ نہیں ہے۔

گھر کی بابت یہ ہے کہ بیوی کے لئے ایک گھر ہونا چاہئے خواہ وہ ذاتی مکان ہو یا کرایہ کا۔ لیکن خاوند سے قطع نظر بیوی کے لئے موزوں ہونا چاہئے۔ اگر چہ خاوند نادار ہو اور خاوند اگر چہ غریب آدمی ہو اس پر واجب ہے کہ بیوی کے لئے ایک خدمت گار رکھے بشرطیکہ بیوی آزاد خاتون ہو اور اس جیسی خواتین کے لئے خدمت گار ہوا کرتے ہیں۔ گو سردست کوئی خادم اس کے پاس نہ ہو۔ یہ صورت حال نہ ہو تو خاوند پر بیوی کے لئے خادم رکھنا واجب نہیں ہے۔ ہاں اگر بیوی مریض یا ضعیف ہو تو ایسی عورت کے لئے خدمت گار کا ہونا واجب ہے اگر چہ بالعموم اس کے پاس نوکر نہ ہوتا ہو (بیوی کے لئے)

Marfat.com

نوکری کی بابت یہ شرط ہے کہ نوکر ایسا ہو جسے دیکھنا بیوی کے لئے حلال ہو مثلاً وہ کنیز ہو یا بچہ ہو یا مکمل طور پر زنخہ ہو۔ بیوی کے نوکر کی مناسب خوراک بھی خاوند کے ذمہ ہے خاوند خوش حال ہو تو ایک پورا مد اور ایک تہائی مد (خوراک کے طور پر) ہے۔ اوسط درجہ کا یا تنگ دست شخص ایک مد (نوکر کو) دے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ کھانے پینے اور متعلقہ اشیاء کے بارے میں واجب یہ ہے کہ خاوند بیوی کو روٹی اور سالن جو اس جیسی حیثیت کی عورتوں کے لئے کافی ہو مہیا کرے۔ اس کے عوض اناج یا کوئی اور شے خاوند پر لازم نہیں ہے۔ ہاں اگر میاں بیوی کسی اور شے کے لین دین پر راضی ہو جائیں تو درست ہے اور نفقہ کی خوراک (یا روزینہ) ہر روز طلوع آفتاب پر واجب الادا ہے اگر اس سے آگے یا پیچھے کسی خاص وقت پر دونوں راضی ہو جائیں تو درست ہے۔ اگر میاں بیوی اکٹھا کھاتے ہوں تو نفقہ واجب ساقط ہو جائے گا۔ اگر میاں بیوی نفقہ کو اناج کی شکل میں لینے پر راضی ہو جائیں تو اس اناج کے پینے اور پکانے کی اجرت بھی خاوند پر لازم ہو گی۔ روٹی کے ساتھ سالن بھی جس سے روٹی کھائی جائے مثلاً کھیر اور دودھ وغیرہ بھی ضروری ہے۔ اگر ایک جیسا سالن کھانے سے جی اکتا جائے تو لازم ہے کہ خاوند اس کی بجائے کوئی اور شے مہیا کرے۔ پکانے کے لئے برتن اور ایندھن کا مہیا کرنا بھی ضروری ہے۔ ہفتہ میں دو بار گوشت ہونا چاہئے جس کا وزن ہر بار ایک رطل عراقی: تقریباً ایک سو انتیس درہم ہے (جو پاکستانی وزن نصف سیر) کے برابر ہوتا ہے۔ عراقی رطل، مصری رطل سے کم ہے۔ کیونکہ مصری رطل ایک سو چوالیس درہم کے برابر ہوتا ہے۔ ضرورت پڑنے پر تانبے کا اجالنا (قلعی کرانا) بھی خاوند کے ذمہ ہے۔

خاوند پر واجب ہے کہ صفائی ستھرائی، نہانے دھونے اور پینے کے لئے، پانی لائے اسی طرح دوسری اشیاء جس کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً آگ، تیل، گھی اور زیت (مٹی کا تیل) جس سے کھانا پکایا جاتا ہے، بھی درکار ہیں۔

اگر بیوی روٹی کی بجائے اناج یا نقدی کا مطالبہ کرے تو خاوند کے لئے اس کا مہیا کرنا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح خاوند اگر روٹی کے عوض یہ اشیاء پیش کرے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ بیوی اسے قبول کرے۔ ہاں اگر فریقین اس پر راضی ہو جائیں تو اور بات ہے تاہم فریقین میں سے ہر ایک کو راضی ہونے کے بعد اس سے پھر جانے کا حق ہے۔

سر کی صفائی ستھرائی اور بال سنوارنے کے لئے صابن، تیل اور کنگھی خاوند کے ذمہ ہے لیکن بناؤ سنگھار کا سامان مثلاً مہندی، خضاب، زیور (چوڑی وغیرہ) کا خرچ خاوند پر واجب نہیں ہے اسی طرح دوائی کی قیمت اور طبیب کی اجرت بھی اس پر واجب نہیں ہے ہاں! اگر خاوند خود چاہے کہ بیوی سنگھار کرے تو اس پر واجب ہے کہ اس کی زیب و زینت کا سامان مہیا کرے۔ اسی طرح اگر بیوی سے ناپسندیدہ شے، مثلاً (پسینے کی) بو وغیرہ دور کرنا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ اس کے لئے ایسی دوائیں لا دے جس کے استعمال سے یہ بات جاتی رہے۔ اگر بیوی ایسی خواتین میں سے ہو جو کام کاج نہیں کر سکتی تو خاوند پر لازم ہے کہ اس کے لئے خدمت گزار مہیا کرے خواہ خرید کردہ (غلام) ہو یا تنخواہ دار (نوکر) درآنحالیکہ بیوی آزاد ہو۔ کیونکہ کنیز ہو تو اس کے لئے نوکر نہیں ہو سکتا۔ یہ درست نہیں ہے کہ بیوی کا نوکر ایسا شخص ہو جسے بیوی کو دیکھنا حرام ہو۔ لہٰذا یہ حلال نہیں ہے کہ اس کے لئے جوان، بالغ خدمت گار رکھا جائے بلکہ چاہئے کہ خدمت گار صغیر سن لڑکا ہو۔ یا مقطوع العضو شخص ہو یا کوئی عورت (خادمہ) ہو اگر خاوند بیوی سے کہے کہ تیری خدمت میں خود کروں گا، تو عورت کو اس بات کا

Marfat.com

مقدار نفقہ کے تعین کا بیان

(آیا اس میں زوجین میں سے کسی ایک کی یا دونوں کی حیثیت ملحوظ رکھی جائے؟) اس بارے میں مسالکِ مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

قبول کر لینا ضروری نہیں ہے اور خاوند کو حق ہے کہ ایک خادم کی بجائے دوسرا خادم رکھ دے۔ اس پر بیوی کو اعتراض نہ ہونا چاہئے اگر چہ خادمہ کوئی عورت ہو جسے بیوی پسند کرتی ہو اور نوکر کا خرچ روٹی' کپڑا اس کی خدمت کے مطابق خاوند پر واجب ہے۔

نفقہ لباس کی بابت یہ ہے کہ یہ بھی بیوی کی حیثیت کے مطابق خاوند پر فرض ہے۔ پس اگر اس جیسی عورتیں ریشمی لباس پہنتی ہوں تو ریشمی لباس فرض ہے ورنہ بیوی کی حیثیت کے مطابق ٹسری یا سوتی کپڑا دینا فرض ہے اور وہ لباس ایسا ہونا چاہئے جیسا کہ لوگ پہننے کے عادی ہوں اور لباس میں موسم کا لحاظ رکھا جائے گا کہ اس موسم کے لئے کپڑا زیادہ ہو جو جسم کو ٹھنڈک سے بچا سکے اور گھر کا فرش' چٹائی' بچھونا' لحاف' تکیہ اور چادر وغیرہ لباس میں شامل ہیں۔ یہ تمام اشیاء جو بیوی کے لئے لازم ہیں وہ فرض ہیں اور اس میں اس امر کو ملحوظ رکھا جائے گا کہ وہ لباس اس جیسی عورتوں میں پہننے کا دستور ہو۔ خاوند کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ بیوی کے واسطے ایسا لباس مہیا کرے جو زیب و زینت کی غرض سے عید اور شادی کی تقریب میں پہنا جاتا ہے۔ وہ لباس ضروری ہے جس سے سر ڈھکا جائے یا ٹانگوں میں پہنا جائے۔ لیکن وہ لباس جسے پہن کر باہر نکلتے ہیں مثلاً نقشین چادر یا ساڑھی اس کا مہیا کرنا لازم نہیں ہے باقی رہا گھر سو بیوی کی حیثیت کے مطابق اس کا مہیا کرنا فرض ہے۔ جس میں تمام ضروریات برتن اور فرش فروش مہیا ہو جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر زوجین دونوں غنی ہیں یا دونوں محتاج ہیں تب ان کے (تقرر نفقہ) کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے یعنی اگر غنی ہیں تو امیرانہ نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اگر محتاج ہیں تو غریبانہ نفقہ ہوگا' لیکن اگر ان میں سے ایک خوش حال اور دوسرا فریق تنگ دست ہے تو اس میں دو رائیں ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ بیوی کا نفقہ دونوں کی حیثیت کے پیش نظر مقرر کیا جائے گا یعنی اوسط درجہ کا نفقہ مقرر ہو۔ اگر خاوند خوش حال ہے اور بیوی غریب ہے تو بیوی کا نفقہ اس کی حیثیت سے زیادہ اور خاوند کی حیثیت سے کم ہوگا۔ اس میں کوئی دشواری نہیں ہے اگر بیوی مالدار اور خاوند تنگ دست ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ خاوند اپنی حیثیت سے زیادہ نفقہ دینے سے عاجز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گو خاوند کو اوسط درجہ کا نفقہ دینا واجب ہوگا تاہم اس پر اسے مجبور نہ کیا جائے گا۔ اس سے (خاوند کی حیثیت کی مطابق) غریبانہ نفقہ کا مطالبہ کیا جائے گا باقی اس کے ذمہ بطور قرض واجب الادا رہے گا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ نفقہ کے تعین میں صرف خاوند کی حیثیت کو ملحوظ رکھا جائے کہ اگر خاوند مال دار ہے اور بیوی محتاج ہے تو خاوند پر فرض ہے کہ اسے امیرانہ نفقہ دے۔ اگر خاوند محتاج اور بیوی مالدار ہے تو خاوند پر غریبانہ نفقہ فرض ہے یہ دونوں خیالات صحیح ہیں اور ظاہر ہے کہ دوسرا قول ہی احکام نفقہ کے بارے میں قاعدے کے مطابق ہے اور جن صورتوں میں یہ صحیح ہو اسے اختیار کرنا چاہئے۔ اگر چہ استحکام پہلے قول کو حاصل ہے۔

Marfat.com

جنس نفقہ کا بیان

نفقہ میں اناج یا لباس دیا جائے یا اس کی قیمت

نقدی وغیرہ کی شکل میں نفقہ کا مقرر کرنا از روئے مسالکِ مختلفہ تفصیل طلب ہے۔ (۱)

مالکیہ کہتے ہیں کہ نفقہ کے مقرر کرنے میں دونوں (زوجین کی حالت کو ملحوظ رکھا جائے گا خواہ وہ دونوں مال دار ہوں یا دونوں محتاج ہوں یا ان میں سے ایک مال دار اور دوسرا احتاج ہو۔ اگر دونوں یکساں مال دار ہوں یا یکساں محتاج ہوں تو معاملہ ظاہر ہے۔ اگر دونوں مختلف حیثیتوں کے مالک ہوں یعنی دونوں میں سے کوئی مالدار ہو اور کوئی محتاج ہو تو دونوں کی حیثیت کے پیش نظر درمیانی حالت ملحوظ رہے گی۔ اگر خاوند محتاج ہو اور عورت مال دار ہو تو اس عورت کے لئے اس مقدار سے زیادہ نفقہ مقرر کیا جائے گا جو اس صورت میں ہوتا جبکہ دونوں محتاج ہوتے یہی قول قابل اعتماد ہے۔ محض خاوند کی حیثیت کو ملحوظ رکھنے سے مالکیہ کو اتفاق نہیں ہے غرض مالکیہ کو حنفیہ کی پہلی رائے سے اتفاق ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ تو معلوم ہے کہ نفقہ کی تین قسمیں ہیں: خوراک' لباس اور گھر پس خوراک اور لباس کا نفقہ تو امیری یا غریبی میں بہر حال خاوند کی حیثیت کے مطابق ہوگا۔ اس بارے میں بیوی کی حیثیت کو نہیں دیکھا جائے گا اور خاوند خوش حال ہو یا تنگ دست جو حق اس پر عائد ہوتا ہے (نفقہ کے تعین میں) اسی کو مدنظر رکھا جائے گا۔ رہا گھر کا معاملہ سو اس میں بیوی کی اپنی حیثیت کو ملحوظ رکھا جائے گا خاوند کی اپنی حیثیت کو نظر انداز کیا جائے گا۔ کیونکہ خوراک اور لباس کے نفقہ میں ''تملیک'' ہوتی ہے' یعنی خاوند بیوی کو ان اشیاء کا مالک بنا دیتا ہے اور وہ ان کا صرف اس قدر مالک ہوتا ہے جتنا کہ اسے اختیار دیا جاتا ہے۔ لیکن گھر کا مالک بیوی کو نہیں بنایا جاتا۔ بلکہ وہ اس سے صرف فائدہ اٹھا سکتی۔ اس لئے خاوند پر صرف یہ لازم ہے کہ بیوی کو خاطر خواہ اس سے مستفید ہونے کا موقع حاصل ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نفقہ کے تعین میں دونوں (میاں بیوی) کے حالات غریبی و امیری کو ملحوظ رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے جبکہ باہمی تنازعہ ہو نہ کہ عقد کے وقت پس اگر دونوں میں سے کوئی غنی ہو اور کوئی محتاج ہو تو اوسط درجہ کا نفقہ مقرر ہوگا اور اگر دونوں غنی ہوں تو امیرانہ نفقہ مقرر کیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مالکیہ' حنابلہ اور حنفیہ دو اقوال میں سے ایک قول میں متفق الرائے ہیں کہ دونوں (میاں بیوی) کی حیثیت کو ملحوظ رکھ کر نفقہ مقرر کیا جائے لیکن بتایا گیا ہے کہ حنفیہ کی ایک اور رائے ہے کہ اس کے لئے صرف خاوند کی حیثیت کو مدنظر رکھا جائے یہ خیال بھی درست ہے اور شافعیہ بھی اس رائے سے متفق ہیں لیکن گھر کے بارے میں نہیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں یہ معاملہ قاضی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس پر واجب ہے کہ وہ خاوند کی یا میاں بیوی دونوں کی حیثیت کو دیکھے جیسا کہ مفصل بیان ہوا پھر عورت کے حالات پر نظر کرے۔ اگر عورت کی بہتری اس میں ہو کہ اس کے لئے اناج' لباس اور برتن وغیرہ کی شکل میں نفقہ مقرر کیا جائے تو اسی پر عمل ہوگا اور اگر بیوی کی مصلحت نقد نفقہ میں ہو تو اس شہر میں اشیاء کے نرخ کو پیش نظر رکھتے ہوئے نقدی کی صورت میں نفقہ مقرر کیا جائے پھر یہ بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ زوجین کی عادت اور عام رواج کیا ہے؟ اور کس قسم کی اشیاء بیوی کو مطلوب ہیں۔ ایک مخصوص رقم نفقہ کے لئے مقرر کر دینا کہ اس سے کم نہ ہوگا

Marfat.com

وجوب نفقہ کی شرطوں کا بیان

وجوب نفقہ کی جو شرطیں خاوند پر عائد ہوتی ہیں وہ مسالک مختلفہ کی رُو سے تفصیل طلب ہیں۔[1]

درست نہیں ہے۔ کیونکہ ہر زمانے کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہ نفقہ روزینہ' ماہانہ یا سالانہ جس طرح بھی اسے استعمال کرنا مصالحت کے مطابق ہو ادا کیا جائے۔ اگر خاوند تنخواہ دار ہے جسے ماہانہ ملتا ہے تو بیوی کو بھی ماہواری نفقہ دیا جائے اور اگر خاوند کو ہفتہ وار اجرت ملتی ہے تو نفقہ بھی ہفتہ واری رکھا جائے اور اگر خاوند زراعت پیشہ ہے۔ جسے سالانہ پیداوار حاصل ہوتی ہے۔ تو بیوی کو بھی سالانہ نفقہ مقرر کرے کہ سال بھر کا خرچ خوراک وہ بیک وقت وصول کر لے۔ غرض اسی طرح حالات کے مطابق نفقہ ملنا چاہئے۔

واضح ہو کہ اگر خاوند نے عقد کے وقت یہ شرط رکھی کہ وہ حسب ضرورت بیوی پر خرچ کرتا رہے گا اور یا یہ کہ ایک بار سردی کے موسم میں اور ایک بار گرمیوں میں لباس دے گا تو اس شرط پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد بیوی کو حق ہے کہ وہ نفقہ کی مقدار متعین کرنے کا مطالبہ کرے۔ نفقہ خاوند کے ذمہ قرض ہوتا ہے لہٰذا بعد میں وہ اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ خوراک' لباس اور اس کے متعلقہ لوازمات میں سے ہر قسم کے نفقہ کا تقرر ہوتا ہے جیسا کہ سابقاً بتایا گیا اگر بیوی پسند کرے تو خاوند اشیاء نفقہ کے دام شہر کے مناسب نرخ کے مطابق ادا کر سکتا ہے۔ اگر بیوی نہ چاہے تو اس قسم کی اشیاء نفقہ میں وصول کرنے کا حق رکھتی ہے۔ نفقہ کی ادائیگی خاوند پر اسی طرح فرض ہے جس طرح خود اس کو ملتا ہے۔ اگر اسے ماہواری تنخواہ ملتی ہے تو نفقہ بھی ماہانہ مقرر ہوگا۔ اگر وہ ہفتہ واری یا روزینہ اجرت پر کام کرتا ہے تو نفقہ بھی اسی کے مطابق دیا جائے گا۔ اگر وہ زراعت پیشہ ہے اور سال یا چھ مہینے میں ایک بار پیداوار حاصل ہوتی ہے تو اسی طرح نفقہ بھی مقرر کیا جائے گا۔ اگر خاوند کا قرض بیوی پر ہو اور اس کا مطالبہ کرنا چاہے تو خاوند کو حق ہے کہ نفقہ کو اس میں محسوب کر لے بشرطیکہ اس میں بیوی کو نقصان نہ ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نفقہ کی مختلف اقسام کی مقدار کا تعین بطریق مذکورہ ہونا ضروری ہے۔ بیوی پر یہ لازم نہیں ہے کہ اشیائے نفقہ کے دام لے لے جیسا کہ بتایا گیا اور بیوی کو یہ حق نہیں ہے کہ آئندہ کے نفقہ کے دام پیشگی وصول کرے۔ کیونکہ مستقبل کا نفقہ ہنوز واجب نہیں ہوا۔ پیشگی نفقہ نہ تو وہ خاوند سے طلب کر سکتی ہے اور نہ کسی اور سے۔ ہاں وہ نفقہ جو خاوند کے ذمہ واجب الادا ہے۔ اس کے عوض خاوند سے یا کسی اور کی معرفت وصول کر سکتی ہے۔ البتہ یومیہ نفقہ کے بدلے میں نقدی یا کوئی اور شے صرف خاوند سے لے سکتی ہے بشرطیکہ اس میں ریا کا شائبہ نہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ہر قسم کے نفقہ کی مقدار کا بہتر طریق مذکورہ مقرر کرنا ضروری ہے۔ اگر خاوند چاہے کہ بیوی کے نفقہ کے دام نقدی یا کسی اور شکل میں ادا کرے تو بیوی کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اسے قبول کرے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ بیوی اشیائے نفقہ کی بجائے نقدی کا مطالبہ کرے اور خاوند اسے قبول کرے۔ البتہ اگر دونوں اس پر راضی ہوں تو درست ہے۔ تاہم ان میں سے دونوں کو حق ہے کہ راضی ہونے کے بعد بھی وہ اپنی بات سے رجوع کر لیں جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ (بیوی کا) نفقہ واجب ہونے کی چند شرطیں ہیں:

Marfat.com

—ایک شرط یہ کہ عقد ازدواج صحیح ہوا ہو۔ اگر عقد فاسد یا عقد باطل ہوا اور اس بناء پر بیوی کو نفقہ دیا گیا اور بعد میں اس عقد کا فساد یا باطل ہونا معلوم ہوا تو خاوند کو حق ہے کہ جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی واپسی کا مطالبہ کرے اس لئے کہ نفقہ زوجہ جو خاوند پر واجب ہوتا ہے وہ بیوی کو اپنا پابند اور اپنے لئے بیوی کو مخصوص کر لینے کا معاوضہ ہے۔ اب اگر عقد فاسد ہوا تو بیوی اس خاوند کی پابند نہیں رہتی۔ یہاں پر اگر یہ کہا جائے کہ اگر عقد فاسد کے بعد کوئی شخص مباشرت کر لے تو بیوی کو عدت میں رہنا پڑتا ہے اور وہ عورت بدوران عدت پابند ہوتی ہے (یعنی شادی نہیں کر سکتی تو) آیا اس پابندی کے عوض خاوند پر نفقہ واجب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں کیونکہ یہ پابندی عقد ازدواج کی بناء پر نہیں ہے بلکہ یہ پابندی نطفہ کے تحفظ اور اولاد کے تعین کے لئے ہے۔ لہٰذا وہ عورت کسی طرح نفقہ کی مستحق نہیں ہے۔ اسی طرح کی وہ صورت ہے جبکہ خاوند مفقود الخبر ہو اور اس کی غیر موجودگی میں بیوی کسی اور شخص سے شادی کر لے اور اس سے مباشرت بھی ہو جائے پھر مفقود الخبر خاوند آ جائے تو دوسرا نکاح فاسد متصور ہوگا اور حاکم شرع دونوں میں علیحدگی کرا دے گا اور بیوی کو مباشرت فاسدہ کی بناء پر عدت میں رہنا ہوگا۔ ایسی صورت میں دوسرے خاوند پر نفقہ عائد نہ ہوگا۔ اگر کوئی عورت عدت کے دوران کسی اور سے شادی کر لے اور اس سے مباشرت ہو جائے۔ پھر قاضی دونوں میں علیحدگی کرا دے تو خاوند اول پر لازم ہوگا کہ عدت کے دوران کا نفقہ ادا کرے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بیوی قابل مباشرت ہو۔ خاوند سے یا کسی اور سے اس کے لئے کوئی خاص عمر مقرر نہیں ہے بلکہ اس کا اندازہ بیوی کی انگلیٹ سے لگایا جائے گا کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کم عمر صحت ور بیوی قابل مباشرت ہو جاتی ہے اور کبھی بڑی ہو کر بھی ناتواں اور ناقابل مباشرت رہتی ہے۔ پس اگر صغیر سن بیوی قابل مباشرت ہو اور سلیم النفس ہو تو خاوند پر اس کا نفقہ واجب ہوگا۔ اگرچہ خاوند کم عمر اور مباشرت سے ناواقف ہو۔ ایسی حالت میں اس کا نفقہ صغیر سن لڑکے کے اپنے مال سے ادا ہوگا باپ کے مال سے ادا نہ ہوگا۔ اگر صغیر سن خاوند مال کا مالک نہیں ہے تو اس کے باپ پر واجب نہیں ہے کہ اس کی بیوی کا نفقہ ادا کرے۔ البتہ قرض لے کر یا اپنی طرف سے خرچ کرنا لازم ہے کہ جب وہ لڑکا بالغ ہو جائے۔ اور اسے سہولت میسر ہو تو جو کچھ خرچ کیا ہے اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ تاہم باپ کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ اپنے لڑکے کو جس میں جنسی تقاضوں کا شعور پیدا نہ ہوا ہو شادی کر دے درآنحالیکہ اس لڑکے کی بدکرداری معلوم ہو جیسا کہ اس کتاب کے ثلث اول کے آغاز میں بیان ولی کے تحت مذکور ہوا۔ وہاں ملاحظہ ہو۔ اگر لڑکا مباشرت کے علاوہ کسی اور طرح سے بیوی کے ساتھ جنسی موانست اور حصول لذت کرے تب بھی ادائے نفقہ واجب ہوگا۔ اگر بیوی مباشرت فاحشہ کے قابل نہیں ہے مثلاً امراض رتق وقرن کی مریضہ ہے اور یا مباشرت کی طاقت نہیں رکھتی اور نہ کوئی تمتع اس سے حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن خاوند کی خدمت اور موانست کے قابل ہے اور خاوند کے گھر میں ہے تو نفقہ واجب ہوگا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ بیوی خود سپردگی اور آمادگی پر آمادہ ہو۔ بصورت دیگر وہ ناشزہ (نافرمان) متصور ہوگی اور نفقہ واجب نہ ہوگا۔ ناشزہ وہ عورت ہے جو خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر اور ناحق یا بلا سبب چلی جائے یا خاوند کے پاس نہ آئے اور اس کے گھر میں داخل نہ ہو۔ لیکن اگر عورت مباشرت سے انکار کرے تو اگرچہ ایسا کرنا حرام ہے لیکن اس سے نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ امر جس سے بیوی نفقہ کی حق دار ہوتی ہے وہ خاوند کے گھر کی پابندی ہے جو موجود ہے

Marfat.com

اگر بیوی اپنے ذاتی مکان میں ہو اور خاوند کو وہاں آنے سے منع کرے تو اسے ناشزہ (نافرمان) قرار دیا جائے گا۔ اگر بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے چلی جائے یا اس کی اجازت کے بغیر سفر اختیار کرے اور دوبارہ پھر واپس آ جائے تو پھر نفقہ کی حق دار ہو جائے گی اور ناحق یا بے سبب گھر سے باہر جانے کا جو اوپر ذکر آیا ہے اس سے ایسی صورت خارج ہو گئی جبکہ بیوی کو گھر سے نکلنے یا اپنے نفس کو خاوند سے باز رکھنے کا حق رہا ہو اور اس کی صورت یہ ہے کہ بیوی نے اپنا پورا حق مہر (جو واجب الوصول ہے) نہ لیا ہو یا اپنے ماں باپ کو دیکھنے کے لئے گئی ہو اس کی وضاحت مہر کے بیان میں ہو چکی ہے۔ اس کتاب کے ربع اول کا اخیر حصہ ملاحظہ ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ بیوی مرتد نہ ہو گئی ہو (یعنی ترک اسلام نہ کیا ہو) اگر بیوی مرتد ہو جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا جیسا کہ اس کتاب کے ثلث ثانی کے آغاز اور بیان مرتد میں ذکر کیا گیا۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ خاوند مسلمان اور بیوی ذمیہ ہو کہ اس کا نفقہ حالت زوجیت میں اور بدوران عدت واجب ہے۔ پھر اگر مرتدہ عورت توبہ کر لے اور مسلمان جائے اور عدت میں ہو تو اب وہ نفقہ کی حق دار نہ ہوگی۔ بخلاف ناشزہ (نافرمان بیوی) کے اس واسطے کہ مرتد ہو جانے پر جو علیحدگی ہوتی ہے اس کی موجب خود بیوی ہے۔ لہٰذا اس کا نفقہ باطل ہو جائے گا اور جب علیحدگی کی بناء پر نفقہ باطل ہو جائے تو پھر یہ حق عود نہیں کرتا بخلاف نشوز (یعنی نافرمانی کی صورت کے۔ کیونکہ یہ ایک عارضی امر ہے اس سے نفقہ ملتوی ہو جاتا ہے باطل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر طلاق ہو جائے اور بیوی خاوند کے گھر سے بلا اجازت خاوند چلی جائے اور عدت میں ہو تو اس نافرمانی کی بنا پر اس کا نفقہ باطل نہ ہوگا۔ اگر وہ پھر فرماں برداری اختیار کر لے تو اسے نفقہ کا حق پھر حاصل ہو جائے گا۔ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے بعد وہ مرتد ہو گئی تو عدت کے دوران اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اور دوبارہ مسلمان ہو جائے تو بار دگر نفقہ کی حق دار نہ ہوگا۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ بیوی سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس سے حرمت مصاہرہ (یعنی وہ حرمت جو شادی سے پیدا ہوتی ہے) عائد ہو جائے۔ چنانچہ اگر اس نے اپنے خاوند کے بیٹے یا اس کے باپ (یعنی سوتیلے بیٹے یا خسر) سے ناجائز رابطہ رکھا یا اپنے نفس پر اسے قابو دیا یا نفسانی خواہشات کے ساتھ ہاتھ لگایا تو خاوند سے رشتہ زوجیت منقطع ہو جائے گا اور اس کے خاوند پر اس کا نفقہ واجب نہ رہے گا' کیونکہ وہ جانتی تھی کہ جو حرکت وہ کر رہی ہے اس سے علیحدگی زوجیت ہو جاتی ہے۔ پس اس کی طرف سے ایسی حرکت کا ارتکاب جو علیحدگی کا موجب ہو نفقہ کو باطل کر دیتا ہے۔ اگر رجعی طلاق یافتہ عورت سے بدوران عدت ایسی حرکت سرزد ہو تو نفقہ ساقط ہو جائے گا لیکن اگر طلاق بائن کے باعث یا بغیر طلاق کے فسخ عقد کے بعد عورت عدت میں ہو تو وہ نفقہ اور مکان کی حق دار ہوگی۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ عورت وفات کی عدت میں نہ ہو۔ جیسا کہ نفقہ عدت کے بیان میں بتایا جائے گا۔ ساتویں شرط کا تعلق ایسی بیوی سے ہے جو کنیز (یعنی باندی یا لونڈی) ہو کہ کنیز منکوحہ نفقہ کی حقدار اس حالت میں ہوگی جبکہ مبواۃ ہو (یعنی اسے اور اس کے خاوند کو رہنے کے لئے گھر دیا ہو) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص کسی کی مملوکہ کنیز سے شادی کرے تو اس کنیز منکوحہ کا نفقہ خاوند پر اس صورت میں واجب ہوگا جبکہ کنیز کے آقا نے اسے اور اس کے خاوند کو مخصوص مکان مہیا کیا ہوتا کہ اس میں وہ کنیز اور اس کا خاوند رہیں اور وہاں پر اس کنیز سے کوئی خدمت نہ لی جائے اگر اس کنیز کو خاوند نے طلاق دے دی اور وہ پھر اپنے آقا کے پاس آ گئی تو بدوران

Marfat.com

عدت اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ گیارہ عورتیں ایسی ہیں جنہیں نفقہ کا حق نہیں ہے۔

(۱) ناشزہ (نافرمان عورت)

(۲) مرتدہ (دین اسلام سے پھر جانے والی)

(۳) خاوند کے بیٹے یا اس کے باپ سے جنسی میلان رکھنے والی یا نفسانی خواہشات کے ساتھ پیار کرنے یا ایسی حرکت کرنے والی جس سے حرمت مصاہرہ عائد ہو جائے۔

(۴) معتدۃ الوفات (یعنی وفات یافتہ خاوند کی عدت گزارنے والی)

(۵) وہ عورت جس کے ساتھ عقد فاسد سے یا شبہ میں مباشرت ہوگئی ہو۔

(۶) صغیر سن لڑکی جو مباشرت کے قابل نہ ہو۔

(۷) وہ عورت جو قید میں ہو اور خاوند سے نہ مل سکتی ہو۔

(۸) مریضہ عورت جو زفاف سے پہلے بیمار ہوگئی ہو۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی اور ہنوز اس کے ساتھ مباشرت نہ ہوئی تھی کہ وہ بیمار ہوگئی اور اسے خاوند کے گھر نہیں لایا جا سکا اور اس حالت میں وہ اپنے آپ کو خاوند کے حوالے نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن اگر خاوند کے گھر میں آ کر شدید مرض میں مبتلا ہوگئی تو خاوند پر اس کا نفقہ واجب ہوگا۔

(۹) مغصوبہ عورت یعنی وہ بیوی جس پر کسی اور شخص نے ناجائز قبضہ کر لیا ہو از روئے تحقیق اس کا نفقہ خاوند پر واجب نہ ہوگا۔

(۱۰) حاجیہ (قصد حج کرنے والی) یعنی وہ عورت جو فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے کسی محرم کے ساتھ حج کو روانہ ہوئی تو یہ وہ کر سکتی ہے اگرچہ خاوند کی اجازت کے بغیر روانہ ہوئی ہو اس کا نفقہ خاوند پر واجب نہیں ہے کیونکہ وہ اس حالت میں خاوند کے گھر میں رہنے کی پابند نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ خاوند کے ساتھ حج کو روانہ ہوئی تو خاوند پر وہ نفقہ واجب ہے جو حالت قیام میں دیتا' نفقہ سفر واجب نہیں ہے۔ پس لازم ہے کہ بیوی خود سواری اور جہاز وغیرہ کے کرائے ادا کرے۔ خوراک' لباس اور متعلقہ اشیاء خاوند کے ذمہ ہیں۔ غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا حلال نہیں ہے۔

(۱۱) وہ کنیز منکوحہ جسے خاوند کے ساتھ رہنے کو مخصوص مکان نہ دیا گیا ہو۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوا ہے کہ نفقہ کے واجب ہونے کی شرط میں خاوند کے گھر کی پابندی ہے۔ یہ پابندی خواہ بالفعل ہو یا بالقوہ (یعنی سردست یا انجام کار)۔ پس فقہاء نے نفقہ کے واجب ہونے کے لئے مباشرت کی شرط نہیں رکھی اور نہ یہ شرط ہے کہ خاوند مباشرت کا مطالبہ کرے۔ بلکہ شرط صرف یہ ہے کہ بیوی خاوند کے مطالبہ پر خود سپاری سے انکاری نہ کرے۔ درآنحالیکہ اس نے اپنا پورا مہر واجب لے لیا ہو اور یہ بھی شرط نہیں ہے کہ بیوی خاوند کے مطالبہ پر خاوند کو اپنے اوپر قادر ہونے کا موقع دے۔ درآنحالیکہ وہ اس کے گھر کی پابند ہے اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جاتی اور یہ بھی شرط نہیں ہے کہ بیوی کو کوئی عارضہ مانع مباشرت مثلاً مرض' رتق' لاحق ہو۔ ایسی ہی وہ صورت ہے جب کہ عورت بالکل بوڑھی اور ناقابل مباشرت ہو یا جنون زدہ ہو جب کہ وہ اپنے نفس کو سپرد کر دے اور مباشرت سے انکار کرے۔ نیز خاوند کا

Marfat.com

بالغ ہونا بھی شرط نفقہ نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ بیوی کا نفقہ واجب ہونے کی شرائط دو گونہ ہیں:

پہلی قسم کی وہ شرطیں ہیں جن کا تعلق وجوب نفقہ قبل از مباشرت سے ہے اور دوسری قسم کی وہ شرطیں ہیں جن کا تعلق مباشرت کے بعد سے ہے: مباشرت سے پہلے نفقہ واجب ہونے کی چار شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ بیوی اور یا اس کا ولی مختار نکاح خاوند سے فرائض زوجیت کے بجالانے کا مطالبہ کریں اور خاوند گریز کرے۔ اگر اس کا مطالبہ نہیں کیا گیا تو بیوی نفقہ کی حق دار نہ ہوگی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ عورت مباشرت کے قابل ہو۔ اگر بیوی کم عمر ہے کہ قابل مباشرت نہیں ہے تو خاوند پر نفقہ واجب نہ ہوگا۔ بجز اس صورت کے جب کہ خاوند فی الواقع مباشرت کر لے۔ محض مطالبہ پر نہ تو مباشرت کرنا خاوند پر واجب ہے اور نہ اس کے لئے اسے مجبور کیا جا سکتا ہے ملاحظہ ہو کتاب ہذا کے ربع اول کا آخر اور مابعد۔

تیسری شرط یہ ہے کہ بیوی شدت مرض سے حالت نزع میں ہو یا خاوند ایسا ہی شدید مرض میں مبتلا ہو تو اس پر نفقہ واجب نہ ہوگا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ خاوند بالغ ہو اگر وہ کم عمر ہے تو بیوی کا نفقہ اس پر واجب نہیں ہے اگر چہ وہ مباشرت کر سکتا ہو۔

یہ شرائط وہ ہیں جو مباشرت سے پہلے خاوند پر نفقہ کی ادائیگی واجب کرتی ہیں لیکن مباشرت کے بعد بیوی کا نفقہ بہر صورت واجب ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ مباشرت کے قابل رہی ہو یا نہ رہی ہو اور خواہ وہ مرض الموت میں مبتلا ہو یا نہ ہو اور خاوند بالغ ہو یا نہ ہو۔ اس کا سبب ظاہر ہے۔ تاہم بعض اصحاب کہتے ہیں کہ نفقہ واجب ہونے کے لئے یہ شرائط بہرحال ضروری ہیں۔ چنانچہ کم عمر (نابالغ) ہر (بیوی کا) نفقہ واجب نہیں ہے اگر چہ اس کے ساتھ تخلیہ یا مباشرت ہو گئی ہو۔ اسی طرح بالغ شخص پر جب کہ بیوی صغیر سن ہو اور مباشرت کے قابل نہ ہو تو نفقہ واجب نہیں ہے یہی حکم ایسی مریض عورت کا ہے جو حالت نزع میں ہو کہ اس کا نفقہ واجب نہیں ہے۔

مباشرت کے بعد نفقہ واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ بیوی نے خاوند کو مباشرت کا موقع دیا ہو بایں طور کہ اگر خاوند نے خواہش ظاہر کی تو وہ انکار نہ کرے۔ بصورت دیگر بیوی کو نفقہ کا حق نہیں ہے اور یہ کہ وہ عورت مانع نکاح عیوب سے مبرا ہو مثلاً مرض 'رتق' وغیرہ سے۔ اگر ایسی حالت ہو تو اسے نفقہ کا حق نہ ہوگا لیکن اگر خاوند اس کیفیت کو جانتے ہوئے بھی بیوی کے ساتھ مباشرت کے علاوہ اور خوش فعلیوں سے لذت اندوز ہو تو نفقہ واجب ہو جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ خاوند پر بیوی کا نفقہ واجب ہونے کی چند شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ کہ بیوی خاوند کو اپنے اوپر قادر ہونے کا موقع دے بایں طور کہ وہ اپنے تئیں خاوند کے سپرد کر دے اور یا کہہ دے کہ میں نے خود کو تمہارے سپرد کر دیا اگر خاوند موجود نہ ہو تو اسے پیغام پہنچا دے کہ میں نے اپنا نفس تمہارے حوالہ کر دیا اب تمہیں اختیار ہے کہ وقت بتاؤ تو میں خود تمہارے پاس آ جاؤں یا تم میرے پاس آ جاؤ وغیرہ۔ اگر خاوند اس شہر میں نہ ہو تو حاکم کی معرفت خاوند کو اس سے آگاہ کر دے اگر اس کے بعد خاوند نہ آئے تو بیوی نفقہ کی حق دار ہو جائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بیوی خاوند کو جتا دے کہ خاوند جس طرح بھی چاہے وہ اس کے ساتھ رہنے اور فرائض

Marfat.com

زوجیت اداء کرنے کے لئے آمادہ ہے۔ اگر اس نے یہ بات خاوند کو نہیں کہی تو نفقہ کی حق دار نہ ہوگی۔ اگرچہ خاوند کے مطالبہ پر وہ انکار نہ کرتی۔ پس نفقہ کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ عورت خاوند کے دل نشین کر دے کہ وہ جب چاہے بیوی خود سپردگی کے لئے آمادہ ہے اور بیوی پر یہ امر واجب بھی ہے کہ خاوند جب چاہے بیوی اسے اپنے نفس پر اختیار دے دے۔ اگر بیوی دن میں کسی ایسے کام میں مصروف ہو کہ خاوند فریضۂ زوجیت کی بجا آوری سے قاصر ہو تو وہ نفقہ کی مستحق نہ ہوگی۔ اگر بیوی کم عمر یا جنون زدہ ہے تو ولی کو چاہئے کہ وہ اسے خاوند کے سپرد کر دے۔ غرض یہ ہے کہ محض عقد ہو جانے سے نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ عقد سے جو کچھ واجب ہوتا ہے۔ وہ مہر ہے اور نفقہ مباشرت یا مباشرت جیسی باتوں سے واجب ہوتا ہے مثلاً بیوی اگر بالغ ہے تو خود کو خاوند کے سپرد کر دے اور اگر نابالغ یا جنون زدہ ہے تو اس کا ولی اسے خاوند کے حوالے کر دے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بیوی مباشرت کے قابل ہو اگر وہ اتنی کم عمر ہے کہ مباشرت کے قابل نہیں ہے تو نفقہ کی مستحق نہ ہوگی خواہ خاوند بالغ ہو جو ارادہ مباشرت کر سکے یا کم عمر ہو کہ نہ کر سکے۔ پس اگر خاوند کم عمر ہے تو بیوی کا نفقہ اس پر واجب نہ ہوگا۔ بجز اس صورت کے جب کہ بیوی کو خاوند کے ولی کے سپرد نہ کر دیا جائے یہی حکم جنون زدہ خاوند کا ہے کہ اس پر بیوی کا نفقہ واجب نہ ہوگا تا آنکہ اس کی بیوی خاوند کے ولی کے حوالہ نہ کر دی جائے۔ پس اگر جنون زدہ شخص اپنی بیوی سے بہرہ اندوز ہو جائے اور بیوی اس شخص کے ولی کی تحویل میں نہ آئی ہو تو اس سے نفقہ واجب نہ ہوگا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر خاوند کم عمر ہو کہ اس عمر کے لڑکے مباشرت نہیں کر سکتے اور بیوی بھی صغیر سن ہو کہ جو مباشرت کے قابل نہیں تو اس صورت میں بیوی نفقہ کی حق دار ہوگی کیوں کہ امر مانع نفقہ دونوں میں موجود ہے صرف بیوی کی حالت مانع نفقہ نہیں ہے بخلاف اس صورت کے جب کہ خاوند بڑا ہو اور بیوی کم عمر نا قابل مباشرت ہو تو امر مانع نفقہ کا تعلق صرف بیوی سے ہے۔ لہٰذا وہ نفقہ کی حق دار نہ ہوگی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ بیوی 'ناشزہ' یعنی خاوند کے حکم سے باہر نہ ہو۔ نشوز کی چند صورتیں ہیں منجملہ ان کے یہ کہ خاوند کے بیوی سے متمتع ہونے' ہاتھ لگانے' پیار کرنے اور مباشرت کرنے سے بیوی انکار کرے۔ اور جس دن اس نے انکار کیا اس دن کا نان نفقہ ساقط ہو جائے گا کیوں کہ نفقہ دن کے دن عائد ہوتا ہے۔ اگر بیوی نے دن کے آغاز میں انکار کیا تو اس دن کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ اگر بیوی اپنی ہٹ سے باز آ جائے اور خاوند کو اپنے اوپر اختیار دے تو نفقہ کا حق اس وقت تک عائد نہ ہوگا جب تک کہ فی الواقع خاوند بیوی سے متمتع نہ ہو۔ پھر یہ ہے کہ ایک دن کی نافرمانی سے اس پورے موسم کا نفقہ لباس ساقط ہو جائے گا۔ کیوں کہ لباس کا نفقہ پورے موسم کے مناسب حال مقرر کیا جاتا ہے۔ پس اگر سردی کا موسم تھا اور اس موسم میں ایک دن بھی بیوی نے نافرمانی کا مظاہرہ کیا تو پوری فصل کا لباس ساقط ہو جائے گا۔ اگرچہ بیوی نے نافرمانی سے باز آ کر فرماں برداری اختیار کر لی ہو۔ اگر بیوی کسی عذر کے باعث مباشرت سے گریز کرے تو اسے نافرمان نہیں کہیں گے۔ مثلاً خاوند کے جنسی آلات اتنے بھاری ہوں کہ بیوی مباشرت کو نہ جھیل سکے۔ یا اسے کوئی ایسا مرض لاحق ہو جس میں مباشرت نقصان دہ ہو یا حیض و نفاس کی حالت میں ہو۔

ناشزہ ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ خاوند کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے چلی جائے تو اس کا نفقہ واجب نہ

Marfat.com

ہوگا۔ اگر کسی عذر سے باہر گئی مثلاً گھر کی حالت مخدوش تھی اور گرنے کا اندیشہ تھا یا قریبی رشتہ داروں میں سے کسی کی بیمار پرسی وغیرہ کے لئے جو ناراضگی کا موجب نہیں ہوا کرتا باہر گئی ہو۔ کسی اور شخص کے کام سے باہر جائے گو خاوند کی اجازت سے ہو نافرمانی ہے۔ اس سے نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ اگر خاوند کے کام سے اور اسی کے کام کے لئے اجازت سے باہر گئی تو نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ اگر بیوی نے خاوند کے ساتھ سفر کیا گو اس کی اجازت کے بغیر کیا ہو تو (نفقہ ساقط نہ ہوگا) کیوں کہ اس حالت میں بیوی خاوند کے اختیار سے باہر نہیں گئی۔ تاہم اجازت کے بغیر خاوند کے ساتھ جانا حلال نہیں ہے۔ اگر خاوند نے باہر جانے سے روکا اور بیوی نے انکار کیا اور ہٹ کی تو نفقہ کا حق ساقط ہو جائے گا۔ اگر بیوی نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا اور ہنوز خاوند کے گھر میں ہے تو اس کا نفقہ احرام باندھنے سے ساقط نہ ہوگا۔ کیوں کہ خاوند کی اجازت نہ دینے اور احرام کھلوا دینے کا حق ہے۔ غرض جب تک بیوی خاوند کے گھر میں ہے اور سفر کو روانہ نہیں ہوئی وہ خاوند کے اختیار میں ہے۔ ہاں اگر باہر چلی جائے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا کیوں کہ اس کا جانا اپنے کام سے ہے۔

واضح ہو کہ خاوند کو حق ہے کہ وہ بیوی کو نفلی روزہ رکھنے اور صاحب وسعت بیوی کو روزہ کی قضا رکھنے سے منع کرے۔ بیوی پر واجب ہے کہ وہ اس کی بات مانے۔ اگر اس سے انکار کرے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ خاوند پر زوجیت کا نفقہ واجب ہونے کی چند شرائط ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ بیوی اپنا نفس پورے طور پر ہر شہر میں اور ہر جگہ پر جہاں روا ہو خاوند کے سپرد کر دے۔ اگر وہ کہے کہ میں فلاں شہر میں تو یہ بات نہیں مانوں گی ہاں دوسرے شہر میں مانوں گی تب بھی نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بیوی (جسمانی لحاظ سے) مباشرت کے قابل ہو۔ بعض اصحاب نے اس کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ نو سال کی ہو گئی ہو۔ پس اگر وہ صحت مند اور توانا ہو کہ مباشرت کی جا سکے لیکن نو سال کی نہ ہو تو اس شرط کی رو سے اس کے خاوند پر نفقہ عائد نہ ہوگا۔ بیشتر کتب حنابلہ میں یہ ہے کہ اگر بیوی نو سال سے کم کی ہو تو کسی حال میں نفقہ کی حق دار نہیں ہے۔ تاہم اگر کم عمر بیوی قابل مباشرت ہے تو اس کا ولی اس کے خاوند سے کہہ سکتا ہے کہ تم اپنی بیوی کو اپنی تحویل میں لے لو۔ اب اگر بیوی نے خود ہی اپنا نفس خاوند کے حوالے کر دیا یا ولی نے سپرد کر دیا اور بیوی قابل مباشرت ہے تو خاوند پر نفقہ واجب ہو جائے گا' خواہ خاوند چھوٹا ہو یا بڑا اور خواہ مباشرت اس کے لئے ممکن ہو یا ناممکن ہو۔ مثلاً خصی ہو یا نامرد یا مقطوع العضو ہو۔ کیوں کہ نفقہ بیوی سے متمتع ہو سکنے کا معاوضہ ہے۔ پس جب کہ بیوی خاوند کے سپرد ہو گئی تو نفقہ واجب ہو گیا خواہ سردست وہ اس سے متمتع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ چنانچہ اگر بیوی سے کسی وجہ سے مباشرت نہ ہو سکے مثلاً وہ مریض ہو یا حالت حیض و نفاس میں ہو یا رتق' قرن اور یا ہرل میں (جو عورتوں کے مخصوص عیوب نہانی اور مانع مباشرت ہیں) مبتلا ہو تب بھی نفقہ بند نہ ہوگا۔ بہر حال نفقہ کا انحصار بیوی کی خود سپردگی پر نو سال کی عمر تک ہے خواہ وہ مرض (مانع مباشرت) اس کو مباشرت سے پہلے ہی لاحق ہوا اور خواہ خاوند کے پاس آ کر لاحق ہوا ہو۔ پس اگر بیوی صحت مند ہے اور وہ مباشرت کے علاوہ اور طرح سے خاوند کو متمتع ہونے کا موقع دے تو وہ نفقہ کی حق دار نہ ہوگی۔ اگر بیوی مباشرت کے لئے اپنے آپ کو خاوند کے حوالہ کرنے سے انکار کرے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ اس کے بعد اگر بیوی کو کوئی عارضہ مانع مباشرت لاحق ہو جائے اور وہ خود کو خاوند کے سپرد کر دے تو جب تک کہ وہ اس مرض میں مبتلا ہے نفقہ کی حق دار نہ ہوگی۔ یہ

Marfat.com

حکم سببا اس قصوری پاداش میں ہے کہ حالت صحت میں اس نے خود سپردگی سے انکار کیا تھا۔

اگر بیوی کو یہ شکایت ہو کہ خاوند کے جنسی آلات ایسے ہیں کہ وہ مباشرت کو برداشت نہیں کر سکتی یا اس کا کہنا یہ ہو کہ وہ ایسی تکلیف میں مبتلا ہے کہ مباشرت کے قابل نہیں ہے تو اس کی یہ بات مان لی جائے گی بشرطیکہ وہ اپنا معائنہ کسی معتبر عورت سے جو طب سے واقف ہو کرآئے اور وہ عورت اس کے دعویٰ کی تصدیق کر دے۔ ایسی صورت میں اس کا نفقہ ساقط نہ ہو گا۔

اگر خاوند کم عمر (نابالغ) ہے تو بیوی کا نفقہ بالغ آدمی کی طرح اس پر عائد ہو گا اور اس کے ولی کو مجبور کیا جائے گا کہ اس کے خاوند کے مال سے اس پر خرچ کرے۔ بے عقل اور جنون زدہ شخص کی صورت میں بھی یہی حکم ہے جو نابالغ لڑکے کے بارے میں ہے۔

اگر بیوی صغیر سن یعنی نو سال سے کم کی ہے تو اس کا کوئی نفقہ واجب نہیں ہے اگرچہ وہ آپ خود کو یا اس کا ولی اسے خاوند کی تحویل میں دے دے۔ اگر عقد کے وقت یہ شرط رکھی گئی کہ بیوی کو فلاں شہر یا فلاں جگہ کے علاوہ کہیں اور خاوند کے سپرد نہیں کیا جائے گا تو یہ شرط پوری کی جائے گی۔ پس اگر ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی اور اس عورت نے اپنا نفس خاوند کے حوالہ نہ کیا تو خاوند پر نفقہ واجب نہ ہو گا اگرچہ اسی حال میں کئی سال گزر جائیں۔ اگر خاوند غیر موجود ہو تو خود بیوی کے لئے یہ حاکم کی معرفت خاوند کو اس امر سے آگاہ کرنا ضروری ہے کہ بیوی تابع فرمان ہے اور جب بھی خاوند چاہے وہ خاوند کی سپردگی میں آجائے گی۔ اس کے بعد بیوی نفقہ کی حق دار ہو جائے گی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ بیوی 'ناشزہ' (نافرمان) نہ ہو۔ نافرمانی کی چند صورتیں ہیں: منجملہ ان کے یہ ہے کہ خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر باہر چلی جائے اور یہ کہ مباشرت سے انکار کرے اور یہ کہ خاوند کی اجازت کے بغیر سفر کرے اور یا یہ کہ نفلی حج یا نفلی روزہ رکھے یا منت مانے ہوئے حج کا' جو اس کے ذمہ ہے احرام باندھے اگرچہ اس کی اجازت سے ایسا کیا ہو۔ پس اگر بیوی نے ایسا کر لیا اور خاوند نے بستر پر آنے کو کہا اور اس نے انکار کیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ غرض خاوند کو یہ حق ہے کہ وہ نفلی روزہ وغیرہ سے مانع ہو اور یہ بھی نافرمانی ہے کہ خاوند کے ساتھ شب بسری سے انکار کرے اور یہ کہ مباشرت کے علاوہ اور خوش فعلیوں سے مانع ہو مثلاً پیار وغیرہ کرنا اور یہ کہ خاوند کی اجازت کے بغیر سفر کرے' اگرچہ یہ سفر خاوند کے کام ہی سے ہو' ہاں اگر خاوند کے کام سے اور اس کی اجازت سے سفر کرے تو نفقہ ساقط نہ ہو گا۔ لیکن حج کے لئے محرم کے ساتھ خاوند کی اجازت کے بغیر بھی جا سکتی ہے اسی طرح (بلا اجازت) ماہ رمضان کے روزے بھی رکھ سکتی ہے' اور نماز فرض کے ساتھ والی سنتیں بھی ادا کر سکتی ہے۔ اگر خاوند خود اسے گھر سے نکال دے تو نفقہ کی حق دار ہو گی۔ لیکن اگر اپنی ذاتی ضرورت یا نفلی حج کی غرض سے سفر کیا گو یا خاوند کی اجازت سے ہو تو نفقہ واجب نہ ہو گا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ عورت کو کسی اور کی عدت گزارنا لازم نہ ہو مثلاً ایک شخص نے شبہ میں اس سے مباشرت کر لی اور اس کی عدت میں ہو تو خاوند پر اس کا نفقہ واجب نہ ہو گا۔ بیوی پر نشوز (یا نافرمانی) کا الزام عائد کرنے کے بارے میں اس سے فرق نہیں پڑتا کہ خاوند بیوی کے انکار کو رد کر دینے کی قدرت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ اگر عورت نافرمانی سے باز آجائے اور اپنے نفس کو خاوند کے سپرد کر دے تو پھر نفقہ کی حق دار ہو جائے گی۔ نیز اگر مرتدہ بیوی پھر مسلمان ہو جائے تو نفقہ کا حق بھی

Marfat.com

نفقہ عائد ہونے کا بیان

واضح ہو کہ اگر بیوی خاوند کی تحویل میں آ جائے اور خاوند اس کا نان نفقہ ادا نہ کرے، تو آیا خاوند کے ذمہ اس کا نفقہ اس وقت سے عائد ہوگا جب کہ بیوی نے خود کو خاوند کے حوالہ کر دیا یا عقد ہونے کے بعد سے عائد ہوگا۔ پھر یہ کہ اگر نفقہ خاوند کے ذمہ لازم ہو تو آیا وہ اس پر بطور قرض کے ہوگا کہ بیوی اس کا مطالبہ کر سکے یا نہ ہوگا۔ یہ امور مسالک مختلفہ کی رُو سے تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

دوبارہ ہو جائے گا۔ اگر بیوی دن کے وقت فرمانبردار رہی اور رات کو نافرمانی کی تو وہ نصف نفقہ کی حق دار ہوگی۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ بیوی اور خاوند کے درمیان کوئی امر ملنے سے مانع نہ ہو، مثلاً بیوی قید میں ہو اور خاوند اس تک نہ پہنچ سکے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر خاوند کو بیوی کا نفقہ اور اس کے مہر کی عدم ادائیگی کی پاداش میں قید کیا جائے تو بیوی کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔ لیکن اگر خاوند مالدار ہے اور (نفقہ واجب کے اداء کرنے میں) ٹال مٹول کے باعث قید ہوا ہے تو بیوی کا نفقہ باطل نہ ہوگا۔ کیوں کہ ایسی صورت میں خاوند کو ظالم تصور کیا جائے گا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر نفقہ کی ادائیگی میں خاوند تاخیر کر دے تو حاکم شرع کے فیصلہ سے پہلے اس پر نفقہ واجب ہوگا۔ اس دوران اس نے بیوی سے ملاقات نہیں کی بایں طور کہ وہ وہاں موجود نہ تھا یا موجود تھا لیکن مل نہ سکا تو پچھلے دنوں کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔ بلکہ ایک عرصہ گزر جانے پر ساقط ہو جائے گا۔ ہاں اگر تھوڑا عرصہ یعنی ایک ماہ سے کم گزرا تو نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ لیکن اگر حاکم شرع کے فیصلہ کے بموجب کوئی نفقہ مقرر ہوا ہے تو وہ خاوند کے ذمہ بیوی کا قرض ہوگا اور وہ ساقط نہ ہوگا تا آنکہ دونوں میں سے کسی کی وفات نہ ہو جائے یا پھر یہ کہ بیوی کو طلاق ہو جائے یا ایسی کوئی بات ہو جس کا ذکر آگے آ رہا ہے کیوں کہ بیوی کو نفقہ کی ملکیت اس وقت ہوتی ہے جب کہ اس کے حق میں فیصلہ ہو اور بیوی کو یہ حق ہے کہ نفقہ کا استعمال اس طرح کرے کہ اس کی خوبصورتی یا صحت کو نقصان دہ نہ ہو۔ اگر وہ کھانا نہ کھائے اور ناتواں ہو جائے تو خاوند اسے اپنے اوپر خرچ کرنے کے لئے مجبور کر سکتا ہے تاکہ مبادا وہ دبلی ہو جائے اور جب کہ حاکم بیوی کے لئے نفقہ مقرر کر دے تو بیوی کو حق ہے کہ وہ اپنے مال میں سے یا کسی اور کے مال میں سے اپنے اوپر خرچ کرے گو خاوند کی اجازت کے بغیر کرے اور اس خرچ کو پورا کرنے کے لئے اس حد تک جتنا کہ حاکم نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا ہے خاوند سے مطالبہ کرے۔ یہی صورت وہ ہے جبکہ دونوں میاں بیوی نے خود ہی باہم کوئی مقدار نفقہ طے کر لی ہو تو وہی نفقہ خاوند پر لازم ہوگا اور (حاکم کے فیصلہ کی طرح) خاوند پر قرض ہوگا اور بیوی خاوند سے اس کا مطالبہ کر سکے گی۔ اگرچہ حاکم نے اس بارے میں فیصلہ نہ کیا ہو۔ کیوں کہ نفقہ کے مقرر کرنے کا مطالبہ اس حالت میں ہوتا ہے جبکہ بیوی کو ٹال مٹول کرنے کی شکایت ہو، خاوند اپنے ساتھ نہ کھلاتا ہو اور مطالبہ کے وقت غائب نہ ہو۔ پس اگر حاکم شرع کوئی نفقہ مقرر کر دے تو اسے حکم قرار دیا جائے گا اور اس کے بعد وہ نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ پھر جب روزانہ یا ماہواری نفقہ مقرر کر دیا گیا تو جب تک وہ عورت اس کی زوجیت میں ہے یہی فیصلہ قائم رہے گا۔ اگر حاکم شرع کے فیصلہ یا باہمی رضامندی سے نفقہ متعین نہیں ہوا اور بیوی نے خاوند کو ادائیگی نفقہ سے بری کر دیا تو یہ درست برداری (یا بریت) درست نہ ہوگی، کیوں کہ نفقہ جب تک مقرر نہ ہوا سے قرض تسلیم نہیں کیا جاتا تو

Marfat.com

نفقہ کو ساقط کرنے والی باتوں کا بیان

جن امور سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے وہ مسالکِ مختلفہ کی سے تفصیل طلب ہیں۔[1]

اس سے دست برداری کیا معنے؟ ہاں اگر نفقہ مقرر ہو گیا ہو تو اس سے دست برداری بھی درست ہے۔ اس سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جب کہ خاوند بیوی سے اس شرط پر خلع کرے کہ بیوی عدت کے دوران نفقہ سے دست بردار ہو جائے تو یہ درست ہے کیوں کہ یہ دست برداری معاوضہ (خلع) کی بجائے ہے جس کی مالک خود بیوی ہے اور یہ صورت واجب الاداء ہونے سے پہلے وصول کر لینے کی ہے جو درست ہے بخلاف اس صورت کے جب کہ معاوضہ کے بغیر دست برداری کی جائے یہ صورت واجب ہونے سے پہلے ساقط کر دینے کی ہے جو درست نہیں ہے۔ پس اگر نفقہ مقرر ہونے کے بعد بیوی اس سے دست بردار ہو جائے تو درست ہے۔ غرض پچھلے واجب الوصول نفقہ اور آئندہ ایک ماہ تک کے نفقہ سے بیوی کا دست بردار ہو جانا درست ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ صاحب توفیق خاوند پر بیوی کا نفقہ مذکورہ شرائط کے ساتھ واجب ہے اور بیوی کو حق ہے کہ بقایا نفقہ کا مطالبہ خاوند سے کرے، اگر چہ حاکم نے مقرر نہ کیا ہو۔ اگر خاوند صاحب توفیق تھا اور بعد میں تنگ دست ہو گیا تو صرف دوران تنگ دستی کا نفقہ واجب ساقط ہو جائے گا اور جب بھی خاوند کو توفیق ہو بیوی اس کا مطالبہ خاوند سے کر سکتی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر بیوی خود اپنے نفس کو خاوند کے سپرد کر دے یا نابالغ بیوی کا ولی خاوند کو اس کی بیوی کی رخصتی کے لئے طلب کر لے اور شرائط مذکورہ پوری ہوتی ہوں تو خاوند پر واجب ہو جاتا ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق ہر روز صبح کو بیوی کا نفقہ بموجب تفصیل مذکورہ سابقہ اس کو دیا کرے۔ اگر بیوی اس کا مطالبہ کرے اور خاوند ٹال مٹول سے کام لے تو گناہ ہوگا۔ کیوں کہ خاوند پر لازم ہے کہ حتی الوسع بیوی کو اس کا نفقہ ادا کر دیا کرے بصورت دیگر بیوی کو مطالبہ کرنے کا حق ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جب بیوی خاوند کی تحویل میں آ جائے اور شرائط نفقہ مذکورہ پوری ہوتی ہوں تو خاوند پر بیوی کا نفقہ واجب ہو جاتا ہے اور خاوند پر قرض رہتا ہے۔

اگر بیوی کہے کہ میں اپنا نفس تمہارے حوالے کر چکی ہوں اور خاوند اس سے انکار کرے تو خاوند کی بات قسم کھا لینے پر مانی جائے گی۔ اگر بیوی کہے کہ میں سال بھر سے اپنے تئیں تمہارے حوالے کر چکی ہوں اور خاوند کہے "نہیں' بلکہ اسے صرف ایک ماہ ہوا ہے" تب بھی خاوند کی بات اس کے قسم کھا لینے پر مان لی جائے گی۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ زوجین میں سے اگر کسی کی وفات ہو جائے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ بشرطیکہ حاکم شرع نے اس کو قرض قرار دیئے جانے کا فیصلہ نہ کر دیا ہو۔ اگر قاضی نے اسے خاوند کے ذمہ قرض قرار دیا ہے تو وہ نفقہ ایسا ہے جیسے خاوند نے قرض لیا ہو اور یہ یقینی بات ہے کہ دونوں میں سے کسی کی موت واقع ہو جائے تو قرض ساقط نہیں ہوتا کیوں کہ وہ کسی کام کا صلہ نہیں ہوتا۔

Marfat.com

رہا نفقہ سابقہ واجب الاداء کا طلاق سے ساقط ہونا سواس بارے میں اختلاف ہے اور صحیح قول یہی ہے کہ طلاق سے نفقہ ساقط نہیں ہوتا۔ طلاق رجعی سے ساقط نہ ہونا تو ظاہر ہے اور طلاق بائن سے بقیہ واجب الوصول نفقہ کو اگر ساقط کیا جانے لگے تو لوگ عورتوں کی حق تلفی کے لئے طلاق کو ایک ذریعہ بنالیں گے۔ بیشتر کتب حنفیہ میں یہ ہے کہ طلاق رجعی سے نفقہ کا ساقط نہ ہونا صحیح ہے۔ کیوں کہ ظاہر ہے کہ اگر اس سے نفقہ ساقط کیا جائے تو لوگ طلاق رجعی کو بیوی کی حق تلفی کا ایک ذریعہ بنالیں گے۔ اور اس کے بعد پھر رجوع کرلیا کریں گے اور طلاق بائن (یعنی زوجیت سے خارج کرنے والی طلاق) کی صورت میں حاکم شرع پر لازم ہوگا کہ مقرر شدہ نفقہ واجب کو ساقط کرنے سے پہلے غور وفکر سے کام لے۔ اگر قرائن حالات سے یہ ثابت ہو کہ اس طلاق کی غرض یہ تھی کہ نفقہ واجب خاوند کے ذمہ سے ساقط اور عورت کا حق تلف کیا جائے تو اسے اہمیت نہ دے۔ اگر قرینہ اس کے خلاف ہو تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

بیوی کے نافرمان ہو جانے سے پچھلا واجب الوصول نفقہ ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ اس نفقہ کو حاصل کردہ قرض قرار نہ دیا گیا ہو بصورت دیگر وہ نفقہ کسی طرح ساقط نہ ہوگا۔ اگر بیوی اس پر راضی ہو جائے کہ وہ حسب ضرورت کھایا پیا کرے گی تو مقرر شدہ نفقہ باطل ہو جائے گا اور وہ خاوند کی اجازت کے بغیر اس کی خوراک سے کھا سکتی ہے۔

بیوی کے مرتد ہو جانے سے بھی نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اسی طرح اگر بیوی خاوند کے بیٹے یا باپ سے جنسی رابطہ قائم کرے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا جیسا کہ شرائط (وجوب) نفقہ کے بیان میں بتایا گیا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ چند باتوں سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے: ایک تو خاوند کی تنگ دستی ہے' خواہ بیوی سے مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ بعد میں اگر خاوند خوشحال ہو جائے تو بیوی کو یہ حق نہ ہوگا کہ دوران تنگ دستی کے نفقہ کا مطالبہ کرے۔ اگرچہ وہ نفقہ مالکی مسلک کے حاکم شرع کے حکم سے مقرر ہوا ہو۔ پس جب تک خاوند تنگدستی کی حالت میں ہو' اسے نفقہ کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر بیوی خاوند کے ساتھ کھانا کھاتی ہے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا اگرچہ اس کی مقدار مقرر ہو چکی ہو۔ اس بارے میں خوراک اور لباس کے نفقوں کے درمیان فرق نہیں ہے درآنحالیکہ بیوی کو بھی خاوند کے ساتھ لباس ملتا ہے تو نفقہ لباس بھی ساقط ہو جائے گا۔ تیسرے یہ کہ بیوی اپنی ذات سے متمتع ہونے یا مباشرت سے انکار کرے۔ جس روز ایسا ہو اس روز کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ چوتھے یہ کہ خاوند کی اجازت کے بغیر اس کے پاس سے چلی جائے اور پھر خاوند خود یا اپنے فرستادہ کی معرفت یا حاکم کے ذریعہ واپس نہ لا سکے اور یا ابتداء ہی سے اسے باہر نکلنے سے نہ روک سکا ہو۔ لیکن اگر دوبارہ وہ اسے اپنا فرمانبردار بنانے پر قادر ہو جائے یا ابتداء ہی سے وہ فرمانبردار رہی اور پھر خاوند کی موجودگی میں وہ چلی جائے تو نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس کا یہ جانا اجازت سے جانے کی مانند ہے۔ اگر بیوی حاملہ ہو اور خاوند کے گھر سے چلی جائے تو اس کا نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس صورت میں وہ نفقہ بیوی کا نہیں بلکہ اس کے حمل کے لئے ہوگا۔ پانچویں یہ کہ وہ عورت طلاق بائن یا خلع یا طلاق بتہ (قطعی) سے خارج از زوجیت نہ ہوئی ہو اگر بیوی کو طلاق بائن ہو گئی ہے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ حاملہ نہ ہو۔ حمل کی صورت میں حمل کا نفقہ واجب ہوگا۔ اس کی تفصیل عدت کے بیان میں آرہی ہے۔ طلاق رجعی کی صورت میں بہر حال نفقہ ساقط نہ ہوگا اور اس صورت میں بھی جب کہ بیوی کو (عدم ادائیگی) قرض کی پاداش میں قید کیا گیا ہو یا بیوی نے اپنے قرض کے لئے خاوند کو قید کرایا ہو نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ کیوں کہ ممکن ہے کہ اس کے

Marfat.com

پاس مال ہو اور چھپالیا ہو۔ اسی طرح اگر بیوی حج کو روانہ ہو تو خاوند کی اجازت کے بغیر ایسا کرے تو اس کا نفقہ ساقط نہ ہوگا اور دوران سفر وہ اتنے ہی نفقہ کی حق دار ہوگی جتنا کہ حالت قیام میں ملتا بشرطیکہ دونوں نفقوں کی مقدار برابر ہو۔ اگر سفر کا نفقہ کم ہو تو جتنا ہے اس سے زیادہ کی حق دار نہ ہوگی۔

وفات سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے چنانچہ دونوں میں سے کسی کی وفات ہو جائے اس کی تفصیل دوران عدت کے نفقہ کے بیان میں آئے گی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ بیوی نافرمان ہو جائے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ پس جس روز وہ نشوز (نافرمانی) کا مظاہرہ کرے اس دن کے نفقہ کی حقدار نہ ہوگی۔ ہاں پھر اطاعت شعار ہو جائے تو نفقہ عائد ہو جائے گا۔ تاہم مقرر شدہ نفقہ (اس صورت میں بھی) ساقط نہ ہوگا۔

طلاق رجعی سے نفقہ بند نہیں ہوتا اور طلاق بائن سے بھی اگر بیوی حاملہ ہو نفقہ بند نہ ہوگا وہ گھر اور لباس کی بھی (بدستور) حق دار ہوگی۔ بصورت دیگر نفقہ بند ہو جائے گا۔ خاوند کی موت واقع ہو جانے سے بھی نفقہ ختم ہو جائے گا۔ اگرچہ بیوی حاملہ ہو۔ اس کی تفصیل عدت کے بیان میں آ رہی ہے۔

اگر خاوند نے بیوی کو ایک عرصہ تک نفقہ نہیں دیا خواہ کسی ہی عذر سے ہو یا بغیر عذر کے ہو تو بیوی کا نفقہ خاوند کے ذمہ قرض رہے گا جو ساقط نہ ہوگا کیوں کہ یہ قرض ہے اور سابقہ الذکر شرائط کی بنا پر عائد ہوا ہے۔ خواہ حاکم نے مقرر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اگر وجوب نفقہ کی شرطیں پائی جائیں گی تو نفقہ خاوند کے ذمہ قرض کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

Marfat.com

دوران عدت نفقہ کا بیان

جو عورت خاوند کے وفات کی عدت میں ہو اس کا کوئی نفقہ نہیں ہے خواہ وہ حمل سے ہو یا نہ ہو۔ لیکن وہ عورت جو طلاق یا فسخ نکاح کی عدت میں ہو اس کے نفقہ کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ میاں بیوی کے درمیان علیحدگی یا تو طلاق رجعی سے ہوتی ہے (جس میں نکاح باقی رہتا ہے یا طلاق بائن سے ہوتی ہے (جس میں بیوی زوجیت سے خارج ہو جاتی ہے) یا فسخ عقد سے خواہ وہ عقد فاسد ہو یا عقد صحیح۔ یا پھر موت کی وجہ سے علیحدگی ہوگی۔ اگر طلاق رجعی ہے تو بیوی ہر طرح کے نفقہ کی حق دار ہوگی' جیسا کہ بتایا گیا۔ اگر (اس دوران خاوند کی وفات ہو جائے تو اس کی عدت طلاق عدت وفات میں منتقل ہو جائے گی اور مقرر شدہ نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس نفقہ کو قرض قرار دے دیا گیا ہے اور عملاً خاوند نے اسے قرض مان لیا ہے تو وہ نفقہ ساقط نہ ہوگا اور ایسی صورت ہو تو طلاق بائنہ سے بھی اگرچہ وہ طلاق ثلثہ ہو نفقہ ساقط نہ ہوگا اور بیوی کی عدت تمام اقسام نفقہ کے ساتھ ہوگی خواہ وہ حاملہ ہو یا بے حمل ہو۔ بشرطیکہ بیوی اس گھر سے نہ نکلے جہاں ایام عدت گزارنے کے لئے اسے رکھا گیا ہے۔ اگر خاوند کی اجازت کے بغیر اس گھر سے چلی جائے تو وہ نافرمان قرار پائے گی اور اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ عقد صحیح کے فسخ ہو جانے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے جیسا کہ طلاق کے باعث علیحدگی کے بیان میں بتایا گیا۔ اگر علیحدگی طلاق فاسد کی بناء پر یا شبہ میں کسی کے ساتھ مباشرت ہو جانے کی بناء پر ہوئی مثلاً بالفرض ایک عورت نے جو عدت میں تھی' کسی اور سے شادی کر لی اور اس کے ساتھ مباشرت بھی ہوگئی' پھر اس عقد کے باطل ہونے کی بناء پر ان میں علیحدگی کرا دی گئی تو اس صورت میں یہ مسئلہ بتایا جا چکا ہے کہ اس عورت کو دو عدتیں گزارنا ہوں گی۔ ان کی ابتداء علیحدگی کی تاریخ سے ہوگا۔ اور اس میں وہ عرصہ داخل ہوگا جو (دوسرے خاوند کی) مباشرت سے پہلے گزرا ہے۔ پس اگر اس عورت کو حیض آتے ہیں تو اسے دوسرے خاوند کی مباشرت کی عدت' تین حیض تک انتظار کرنا ہوگا۔

اب اگر اس مباشرت سے پہلے بیوی کو ایک حیض آ چکا ہے تو وہ پہلے خاوند کی عدت میں محسوب ہوگا اور دوسرے خاوند کی مباشرت کی بناء پر تکمیل عدت کے لئے) مزید دو حیض کا انتظار کرنا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی (یعنی ایک ساتھ پوری ہوں گی) چنانچہ یہ دو حیض ایک بار دوسری عدت میں محسوب ہوئے اور دوسری بار پہلی عدت میں۔ جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ تاہم نفقہ کا ذمہ دار پہلا خاوند ہوگا۔ کیوں کہ نکاح فاسد کی بناء پر اگر مباشرت ہو جائے (تو علیحدگی کے بعد) گو عدت واجب ہوتی ہے لیکن اس عدت کے دوران نفقہ واجب نہ ہوگا۔ یہی صورت حال شبہ میں مباشرت کی ہے کہ مباشرت کرنے والے پر عدت کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔ بلکہ پہلے ہی خاوند پر نفقہ واجب ہوگا بشرطیکہ بیوی اس گھر سے باہر نہ جائے جہاں اسے عدت کے دن کاٹنے ہیں۔ ورنہ نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

اس بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند مفقود الخبر ہو جائے یا وفات پا جائے اور بیوی کسی اور سے شادی کر لے اور اس سے مباشرت ہو جائے اور پھر (مفقود الخبر) خاوند واپس آ جائے تو دونوں کے درمیان علیحدگی کرا دی

Marfat.com

جائے گی اور بدوران عدت نفقہ عائد نہ ہوگا' نہ پہلے خاوند پر اور نہ دوسرے خاوند پر۔ کیوں کہ پہلے خاوند نے طلاق نہیں دی لہٰذا اس کی عدت نہیں ہے اور دوسرا نکاح فاسد ہوا ہے جس میں (علیحدگی کے بعد) عدت تو واجب ہوتی ہے لیکن نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو۔ اس حکم سے 'بقول معتمد' ام ولد (وہ کنیز جس سے بچہ پیدا ہو گیا ہو) مستثنٰی نہیں ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص کنیز کا مالک ہے اور بحیثیت مالک ہونے کے اس نے کنیز سے مباشرت کی اور وہ حاملہ ہوگئی اور پھر خاوند وفات پا گیا تو وہ نفقہ کی حق دار نہ ہوگی' کیوں کہ خاوند نے عقد نکاح کے بغیر اس سے مباشرت کی لہٰذا یہ عقد فاسد کی مباشرت کی مانند ہے۔ علاوہ اس کے جب کہ عقد صحیح سے حاملہ ہونے والی بیوی عدت وفات خاوند کے دوران نفقہ کی حق دار نہیں ہوتی تو مملوکہ کنیز مباشرت کی بنا پر عدت میں ہو تو بدرجہ اولیٰ نفقہ کی حق دار نہ ہوگی۔

اگر طلاق یافتہ عورت کہے کہ اس کے طہر کا زمانہ طویل ہو گیا ہے اور اسے ایام نہیں آئے تو اس کی یہ بات قسم کھا لینے پر تسلیم کر لی جائے گی اور عدت جاری رہے گی یہاں تک کہ عدت کا پورا ہو جانا ثابت ہو جائے بایں طور کہ ایسی شہادت موجود ہو جو بتائے کہ بیوی نے عدت پوری ہونے کا اقرار کر لیا ہے۔ اگر بیوی اپنے حاملہ ہونے کا اظہار کرے تو اسے طلاق کے دن سے دو سال تک نفقہ حاصل کرنے کا حق ہوگا۔ جب دو سال گزر جائیں اور پتہ چلے کہ وہ حاملہ نہیں ہے تو خاوند کو حق ہے کہ اس دوران جو کچھ اس نے بیوی پر خرچ کیا ہے اس کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ ہاں اگر یہ مدت گزر جائے اور بیوی نے نفقہ کا مطالبہ نہیں کیا تو دوران عدت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اور اب وہ نفقہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی تاہم اگر نفقہ حاکم شرع کے حکم یا باہمی فیصلہ سے مقرر ہوا ہے تو اس صورت میں یہ قرار پایا ہے کہ نفقہ ساقط نہ ہوگا' اگرچہ عدت کی مدت پوری ہو گئی ہو۔ اگر اس نفقہ کو حاکم شرع کے حکم سے قرض قرار دے دیا گیا ہے تو بالاتفاق وہ نفقہ بحال رہے گا۔ اگر عدت کا حساب مہینوں کے اعتبار سے ہو' حیض کے اعتبار سے نہ ہو تو مطالبہ رقم نفقہ کے بارے میں آپس میں کیا جا سکتا ہے' کہ خاوند تین مہینے یا چار مہینے کا نفقہ ادا کر دے گا۔ یوں تصفیہ نہ ہوگا کہ تین حیض تک خاوند نفقہ ادا کرے گا۔ کیوں کہ ایام حیض کا تعین نہیں ہو سکتا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ طلاق رجعی یافتہ عورت ایام عدت کے نفقہ کی حق دار ہے' حاملہ ہو یا نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر وہ خاوند کی اجازت کے بغیر اس گھر سے جہاں عدت کے دن کاٹ رہی ہے باہر چلی جائے تب بھی اس کا نفقہ بند نہ ہوگا۔ خواہ خاوند اس کو باہر جانے سے باز رکھنے پر قادر ہو یا نہ ہو۔ اگر خاوند (عدت کے دوران) وفات پا جائے تو اس کی عدت طلاق وفات کی عدت میں تبدیل ہو جائے گی اور نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ جیسے وہ بیوی جو زوجیت میں ہے اور خاوند وفات پا جائے (تو نفقہ واجب نہیں ہوتا) تاہم بیوی کو خاوند کے گھر میں رہنے کا حق ہے۔ جب تک کہ عدت پوری نہ ہو جائے۔ اس کی میعاد چار مہینے دس دن ہے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ مکان جس میں بیوی رہائش رکھتی ہے خاوند کا ہو اگر وہ مکان کرایہ کا ہے تو اس میں رہنے کا حق اسے نہ رہے گا۔ اگر عورت کو طلاق بائنہ ملی ہے تو وہ مکان میں رہنے کے علاوہ اور کسی نفقہ کی حق دار نہ ہوگی اور رہائش کا حق عدت پوری ہو جانے تک ہے۔

واضح ہو کہ یہ حکم اس حالت میں ہے جب کہ بیوی حاملہ نہ ہو' اگر بیوی حاملہ ہے اور اسے طلاق بائنہ مل گئی تو نفقہ کے اقسام سہ گانہ: خوراک' لباس اور مکان کا مہیا کرنا خاوند پر واجب ہوگا۔ یہ نفقہ طلاق یافتہ بیوی کا نہیں بلکہ اس حمل کے لئے ہوگا اور اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ ولادت نہ ہو جائے۔ چنانچہ اگر بیوی عدت والے گھر سے باہر چلی

Marfat.com

جائے تب بھی وہ نفقہ بند نہ ہوگا کیوں کہ یہ نفقہ بیوی کا نہیں ہے اور ہر چند کہ خاوند نے حمل کے آغاز ہی میں یا دوران حمل میں طلاق بائن دے دی ہو لباس کا دینا واجب ہوگا۔ اگر بیوی کو حاملہ ہونے کے چار ماہ بعد طلاق ہوئی تو پوری عدت کے نفقہ کا حساب لگایا جائے گا اور جو مہینے گزر چکے ہیں اس قدر نفقہ نکال کر جو مہینے باقی رہ گئے ہیں اس عرصہ کے لباس کے دام نقد ادا کئے جائیں گے۔ اور نفقہ میں لباس کا دینا اس صورت میں واجب ہے جب کہ بیوی اس کی حق دار ہوگئی ہو یعنی وہ وقت آ گیا ہو جب کہ بیوی کے لئے لباس کا دیا جانا واجب ہے۔ بصورت دیگر بیوی لباس کی حق دار نہ ہوگی۔ اگر ولادت سے پہلے بیوی کا خاوند وفات پا جائے تو نفقہ بند ہو جائے گا لیکن وضع حمل تک اسے مکان میں رہنے کا حق ہوگا' خواہ خاوند خود اس مکان کا مالک ہو یا کرایہ پر رہتا ہو اور خواہ کرایہ ادا کر دیا ہو یا ادا نہ کیا گیا ہو۔ یہی حکم طلاق بائن یافتہ بیوی کا ہے جیسے حمل ہو کہ تا انقضائے عدت اسے مکان میں رہنے کا حق ہے جہاں اسے طلاق بائن ملی ہے خواہ وہ مکان خاوند کا مملوکہ ہو یا نہ ہو اور خواہ اس کا کرایہ دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ یہ کرایہ (متوفی خاوند کے) مال ترکہ سے ادا کیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ وفات یافتہ خاوند کی بیوی اگر زوجیت میں تھی تو وفات کی عدت کے دوران کوئی نفقہ نہ ہوگا خواہ حاملہ ہو یا حمل سے نہ ہو۔ تاہم اگر خاوند کی وفات ہو جائے اور بیوی عدت میں ہو تو اسے گھر میں رہائش کا قطعی حق حاصل ہے خواہ وہ خاوند کا اپنا گھر ہو یا کرایہ کا۔ دونوں نفقات (خوراک و مکان) میں فرق یہ ہے کہ طلاق بائن پانے والی عورت کو خاوند کے گھر میں رہنے کا حق اس کی وفات سے پہلے ہی حاصل تھا۔ پس خاوند پر اس حق کی ذمہ داری عائد ہو چکی ہے جو اس کی وفات سے ساقط نہ ہوگی لیکن (خوراک کا نفقہ) دن کے دن واجب ہوتا ہے۔ (یعنی خاوند کی موجودگی میں دن نہ آئے تو نفقہ بھی واجب نہ ہوگا)۔ اسی طرح لباس میں بھی جب موسم (گرما یا سرما) نہ آ جائے واجب نہیں ہوتا لہٰذا خاوند اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ لہٰذا اس کی وفات سے نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

طلاق بائنہ پانے والی عورت محض حمل کا اقرار کر لینے سے نفقہ کی حق دار نہیں ہوتی اس کے لئے ضروری ہے کہ پیٹ کے بچے میں حرکت پیدا ہو (کہ حمل کا قطعی ثبوت اسی سے ہوتا ہے لہٰذا) بچے کی حرکت پر ہی نفقہ واجب ہوتا ہے اور بچے کی حرکت چار ماہ سے پہلے نہیں ہوتی۔ پس نفقہ کا حساب حمل ظاہر ہونے پر ہی لگایا جائے گا۔

بعض اصحاب کی رائے ہے کہ بیوی کا نفقہ وضع حمل پر ہی ادا کیا جائے اور وضع حمل کے بعد نفقہ کا حساب آغاز حمل سے لگایا جائے گا۔

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ طلاق بائنہ پانے والی عورت نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر وہ مدت طہر کے طویل ہونے کا دعویٰ کرے تو اس سے کچھ حاصل نہیں ہے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں۔

طلاق رجعی کی عدت پوری ہونے کا ذکر عدت کے بیان میں ہو چکا ہے۔ علاوہ اس کے مطلقہ رجعیہ بیوی کی مانند ہوتی ہے' اگر عدت کے بارے میں وہ غلط بیانی سے کام لے تو خاوند کو حق ہے کہ اسے قطعی طور پر طلاق دے دے۔ بیوی کے اس کہنے سے اسے کچھ نقصان نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ طلاق رجعی یافتہ عورت عدت کے دوران نفقہ کی حق دار ہے۔ خواہ بیوی آزاد ہو یا کنیز ہو' اسے حمل ہو یا نہ ہو۔ اگر خاوند نے اس خیال سے کہ بیوی حاملہ ہے اسے نفقہ دیا پھر اس کے خلاف انکشاف ہوا تو خاوند کو حق ہے

Marfat.com

خاوند کی غیر موجودگی میں اس پر نفقہ عائد ہونے اور نفقہ کا ضامن ہونے کا بیان

(اس سلسلہ میں چند سوالات ہیں:)

(۱) آیا بیوی کو ایسے خاوند سے نفقہ کے مطالبہ کا حق ہے جو موجود نہیں ہے۔

(۲) اگر یہ حق ہے تو آیا وہ بغیر کسی شخص کی ذمہ داری اوٹے وہ خرچ برچ کر سکتی ہے یا ایسے ضامن کا ہونا ضروری ہے کہ اگر معلوم ہو کہ خاوند وفات پا گیا تو جو کچھ لیا ہے بیوی اسے واپس کر دے؟

کہ بیوی پر جو خرچ کیا ہے وہ واپس لے لے۔ لیکن طلاق بائن یافتہ عورت اگر حاملہ نہیں ہے تو وہ نفقہ کی حق دار نہیں ہے۔ کیوں کہ اب خاوند کو اس پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ حاملہ ہو تو وضع حمل تک اس کا نفقہ خاوند پر واجب ہے۔

اگر حاملہ عورت عدت والے گھر سے بلا ضرورت باہر جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح وفات یافتہ خاوند کی بیوی نفقہ کی حق دار نہیں ہے۔ اگر چہ حاملہ ہو' البتہ مکان اس کے لئے لازم ہے۔ اگر خاوند نے حاملہ ہونے کی حالت میں اسے طلاق بائن دی ہے اور طلاق کے بعد وفات پا گیا تو اس کی عدت جو بیوی گزار رہی ہے وہ بحال رہے گی اور نفقہ بند نہ ہوگا کیوں کہ طلاق بائنہ کی عدت' وفات کی عدت میں منتقل نہیں ہوتی۔ البتہ طلاق رجعی کی صورت میں ایسا ہو سکتا ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

واضح ہو کہ نفقہ کے مفہوم میں تمام وہ اشیاء شامل ہیں جو خوراک' لباس اور مکان سے متعلق ہیں۔ پس طلاق بائنہ پانے والی عورت کسی نفقہ کی حق دار نہیں ہے۔ لہٰذا اگر بیوی یہ دعویٰ کرے کہ اس کی مدت طہر طویل ہو گئی ہے اور حیض نہیں آیا تو اس سے کوئی مقصد حل نہ ہوگا۔ ہاں اگر حمل سے ہو تو اس حمل کے لئے وہ نفقہ کی حق دار ہوگی۔ پھر اگر وہ دعویٰ کرے کہ اسے حمل ہے اور بعد میں پتہ چلے کہ اسے حمل نہیں تھا تو خاوند نے جو کچھ اس پر خرچ کیا ہے اس کی واپسی کے مطالبہ کا حق رکھتا ہے۔ غرض جھوٹا دعویٰ کرنے سے اسے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ شبہ کی مباشرت یا نکاح فاسد کے بعد مباشرت کی عدت گزارنے والی عورت کا کوئی نفقہ نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ طلاق رجعی پانے والی عورت' بیوی کی طرح تینوں اقسام کے نفقہ کی حق دار ہے۔ سوا ان اشیاء کے جو ستھرائی کے لئے استعمال میں آتی ہیں۔ کیوں کہ بیوی متمتع ہونے کے قابل نہیں ہے۔ لیکن طلاق بائنہ پانے والی عورت اگر حاملہ ہو تو وہ نفقہ کی حق دار ہے۔ اگر حاملہ نہ ہو تو کسی نفقہ کی حق دار نہ ہوگی اور وضع حمل سے پہلے ہر روز اس کا نفقہ عائد ہوگا اور اگر نفقہ بند ہو جائے اور بعد میں پتہ چلے کہ وہ حمل سے تھی تو خاوند پر گزشتہ ایام کا نفقہ واجب ہوگا اگر اس خیال سے بیوی حاملہ ہے' خاوند اسے نفقہ دیتا رہا اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ حمل سے نہیں ہے تو خاوند کو حق ہے کہ جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ اگر بیوی کہے کہ اسے حمل ہے تو تین مہینے تک انتظار کیا جائے۔ اگر اس عرصہ میں حمل ظاہر نہ ہو تو اس کا نفقہ بند ہو جائے گا۔ اور اگر اس سے پہلے حیض آ جائے تو اسی وقت سے نفقہ بند ہو جائے گا۔ اگر چہ وہ نفقہ حاکم

Marfat.com

(۳) کیا بیوی کو یہ حق ہے کہ اپنے نفقہ کے لئے کسی ضامن کا مطالبہ کرے۔

ان تمام سوالات کے جواب از روئے مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

کے حکم سے مقرر ہوا ہو۔ لیکن وفات یافتہ خاوند کی بیوی کا کوئی نفقہ نہیں ہے خواہ بیوی حمل سے ہو یا حمل سے نہ ہو۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند غیر موجود ہو تو اس بارے میں دو آراء ہیں:

ایک رائے یہ ہے کہ اس صورت میں نفقہ عائد ہوگا۔ لیکن اس کی چند شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ اس عورت کے خاوند کا مال کسی شخص کی تحویل میں ہو یا اس سے قرض واجب الوصول ہو۔ اس حالت میں اس مال سے بیوی کو نفقہ دیا جائے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ادائے نفقہ کے لئے خاوند کے مال کو فروخت کرنا نہ پڑے مثلاً نقدی یا غذائی اشیاء یا غلہ وغیرہ ہو۔ اگر مال کو فروخت کرنا پڑے مثلاً مال تجارت ہو یا سامان خانہ وغیرہ تو اس مال سے بیوی کا نفقہ مقرر نہ ہوگا۔ کیوں کہ جس مال کا مالک موجود نہ ہو اسے فروخت کیا جانا درست نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ شخص تسلیم کرے کہ اس عورت کے خاوند کا قرضہ اس کے ذمہ ہے یا اس کا مال اس شخص کی تحویل میں ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ شخص مانتا ہو کہ وہ عورت غیر موجود فلاں خاوند کی بیوی ہے اگر وہ شخص مال کی موجودگی سے یا زوجیت کے تسلیم کرنے سے گریز کرے تو اس بارے میں کوئی شہادت بیوی کے حق میں تسلیم نہ کی جائے گی۔ مال کے بارے میں تو اس لئے کہ غیر حاضر شخص کی ملکیت ثابت کرنے کے لئے اسے فریق کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اور زوجیت کے بارے میں اس لئے کہ جو شخص انکار کر رہا ہے وہ غیر موجود شخص کا نکاح ثابت کرنے والا فریق نہیں ہے۔ اور ان دونوں کو قسم نہیں دلائی جائے گی' کیوں کہ فریق معاملہ کے علاوہ کسی سے حلف نہیں لیا جا سکتا اور یہاں کوئی نزاع نہیں ہے۔

اگر ایک شخص یہ تو اقرار کرے کہ اس کے پاس فلاں شخص (غیر موجود) کی امانت تھی یا وہ اس کا مقروض تھا لیکن وہ اس کے مالک کو دے چکا اور ادا کر چکا ہے تو اس کے خلاف بیوی سے حلف نہیں لیا جائے گا۔ کیوں کہ وہ فریق مقدمہ نہیں ہے۔

اسی طرح اگر وہ شخص یہ بیان دے کہ اس کے پاس امانت یا قرض ہے لیکن اس عورت کا نفقہ اس کا خاوند ادا کر چکا ہے۔ یا اسے طلاق ہو چکی ہے اور عدت پوری ہو گئی ہے اس لئے جو کچھ اس کے پاس ہے اسے دینے سے انکار کرے تو اس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا' سوا اس صورت کے جب کہ بیوی یہ ثابت کر دے کہ خاوند نے جو کچھ اسے دیا تھا وہ ضائع ہو گیا یا ناکافی تھا۔

اگر حکم شرع کو اس مال امانت یا قرض کا علم ہو اور اس عورت کا اس شخص کی بیوی ہونا معلوم ہو تو ان شرطوں کی حاجت نہیں ہے۔ اگر حاکم کو ان دو باتوں میں سے ایک بات معلوم ہو تو دوسری بات کے اقرار کی حاجت پڑے گی۔ لیکن اس کے لئے قسم یا شہادت کی ضروری نہیں ہے۔ یہاں پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ حاکم اپنے علم کی بناء پر فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ معاملہ امور فیصلہ طلب میں سے نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف امانت اور فتوے (حکم شرعی) کا اظہار ہے۔

Marfat.com

پانچویں شرط یہ ہے کہ (مال نفقہ کا) کوئی ضامن ہو جو بیوی کی طرف سے ضمانت دے کہ اگر (بعد میں) یہ پتہ چلے کہ خاوند نے بیوی کو طلاق دے دی ہے جس کی عدت گزر چکی ہے یا یہ کہ عورت نافرمان ہے (کہ نفقہ کی حق دار نہیں رہی) تو اس عورت اور اس کے ضامن سے (اداشدہ نفقہ کی) واپسی کا مطالبہ کیا جا سکے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ بیوی قسم کھائے کہ خاوند نے اسے نفقہ نہیں دیا اور یہ کہ وہ نافرمان نہیں ہے اور یہ کہ خاوند نے طلاق نہیں دی جس کی عدت پوری ہو چکی ہے۔

اگر یہ تمام شرطیں: کہ خاوند ایسا مال چھوڑ کر گیا ہے جسے (نفقہ کے لئے) بیچنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اور جس کے پاس وہ مال ہے' اس کی موجودگی کا اقرار کرے اور مانتا ہو کہ وہ عورت فلاں شخص کی بیوی ہے یا قاضی کو خود مال کے موجود ہونے کا علم ہو اور یہ جانتا ہو کہ وہ عورت اس شخص کی بیوی ہے' پوری نہ ہوں تو بیوی کے لئے کوئی نفقہ مقرر نہ کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی یہ ضروری ہے کہ کوئی ضامن ہو اور بیوی قسم کھائے جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

دوسری رائے اس بارے میں یہ ہے کہ اگر اس امر کی شہادت موجود ہو کہ وہ عورت فلاں شخص کی جو غیر حاضر ہے بیوی ہے تو حاکم شرع اس کے حق میں نفقہ کا فیصلہ کرے گا۔ نکاح کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ پس جب کہ اس شخص کا مال کسی شخص کی تحویل میں ہو جو اس کا اقرار کرتا ہو یا خود قاضی کو اس کا علم ہو تو بیوی کو اس میں سے نفقہ ملے گا۔ ورنہ اسے قرض لینے کا حکم دیا جائے گا۔ اسی قول پر فتویٰ ہے اور اسی پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ پہلی رائے کے مطابق عمل درآمد عورت اور اس کے تحفظ کو نقصان رساں ہے۔ کیوں کہ بہت سے اشخاص اپنی بیویوں کو بغیر نفقہ دیئے یا کسی کو کفیل بنائے انتقاماً چھوڑ دیتے ہیں اور (گاؤں سے) شہر میں یا (شہر سے) دور دراز گاؤں میں جا کر بیویوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ اگر ایسے شرپسند اشخاص کے ساتھ پہلی رائے پر عمل کیا جائے تو مردوں کی بدکرداری اور عورتوں کی اذیت میں سخت اضافہ ہو جائے گا۔ لہٰذا اس میں شک نہیں کہ دوسری رائے کا برحق ہونا ظاہر ہے۔

اور یہ سوال کہ آیا بیوی کو حق ہے کہ وہ خاوند کو مجبور کرے کہ وہ کسی شخص کو اس کے نفقہ کا ضامن بنا دے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر خاوند ایک ماہ کے لئے اس سے دور ہے تو اسے ضامن کے مطالبہ کا حق ہے۔ یہی قول قابل اعتماد ہے۔ اگر یہ قرار پائے کہ خاوند ایک ماہ سے زیادہ عرصہ کے لئے بیوی کے پاس نہ رہے گا تو بیوی کو حق ہے کہ خاوند کی عدم موجودگی کی پوری مدت کے لئے کسی کو ضامن بنانے کا مطالبہ کرے اور اگر زوجین اس بات پر راضی ہو جائیں کہ کسی کو اس امر کا ضامن بنا دیں گے کہ جب تک کہ خاوند بیوی سے دور رہے گا یا اس سے کم و بیش عرصہ تک وہ شخص بیوی کے نفقہ کا ذمہ دار ہوگا' تو درست ہے' بشرطیکہ مقدار نفقہ جس کا وہ شخص ضامن ہوگا تعین کر دیا جائے۔ مثلاً دونوں پانچ اشرفی ماہانہ پر متفق ہو جائیں۔ پھر وہ شخص اس قدر نفقہ کی ذمہ داری اس وقت تک کے لئے جب تک کہ دونوں میں رشتہ زوجیت باقی ہے' یا ہمیشہ کے لئے قبول کر لے۔ اگر لفظ ''ہمیشہ'' کے ساتھ صراحت نہ کی گئی اور نہ کوئی میعاد وقت مقرر کی گئی تو اس سے ایک ماہ کا عرصہ مراد ہوگا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (ایک ماہ) نہیں بلکہ ہمیشہ کیلئے یہ ضمانت ہوگی۔ یہی قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر میاں بیوی دونوں کسی خاص مقدار نفقہ پر راضی ہو جائیں اور کوئی شخص اس کی ضمانت اوٹ لے تو اس نفقہ کی ادائیگی اس پر لازم ہوگی۔ اگر دونوں کسی شے کی متعین مقدار پر متفق نہ ہوں اور خاوند کسی شخص کو کفیل

Marfat.com

بنائے اور کہے کہ یہ شخص نفقہ اداء کرنے کا ذمہ دار ہوگا تو کہا جاتا ہے کہ یہ کفالت درست ہوگی اور اس قدر نفقہ کی ذمہ داری مانی جائے گی جو بیوی کے لئے اس خاوند کے ذمہ ثابت ہے۔ کیوں کہ مقدار نفقہ کا تعین اگر سردست نہ کیا جائے تو بعد میں اس کا تعین واجب ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ اور قول مفتیٰ بہ یہ ہے کہ خاوند کی غیر حاضری میں ایسا کیا جائے تو درست ہے۔ لیکن یہ نفقہ (کفیل پر) لازم نہیں ہے سوا اس صورت کے جب کہ خاوند وہاں موجود نہ ہو۔ اسی طرح اس کی موجودگی میں بھی واجب نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نفقہ کی ادائیگی خاوند پر اس کی غیر موجودگی میں بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح موجودگی میں' بشرطیکہ بیوی خاوند کے سپرد کردی گئی ہو۔ بایں طور کہ بیوی خود یا اس کا ولی خاوند سے رخصتی کرانے کا مطالبہ کرے۔ اگرچہ یہ مطالبہ حاکم کے ذریعہ سے نہ ہو۔ خاوند کی موجودگی میں تو اس پر عمل درآمد ظاہر ہے اسی طرح اگر وہ قرب وجوار میں ہو تب بھی یہی حکم ہے لیکن اگر خاوند کہیں دور دراز مقام پر ہو تو اس صورت میں خاوند پر بیوی کا نفقہ عائد کرنے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ بیوی رخصتی سے انکار نہ کرے۔ مثلاً قاضی بیوی سے دریافت کرے کہ "اگر تیرا خاوند آ جائے تو آیا تیرے لئے ممکن ہے کہ تو اس کے پاس چلی جائے گی؟" اور بیوی کہہ دے کہ "ہاں" تو خاوند پر اس کا نفقہ واجب ہو جائے گا۔ اس کے بعد حاکم شرع اس کے لئے ایک مثالی نفقہ غیر موجودہ خاوند پر عائد کرنے کا فیصلہ کر دے گا۔ اگر قاضی نہ ہو تو مسلمانوں کی ایک جماعت اس بارے میں قاضی کی بجائے فیصلہ دے سکتی ہے۔ یہ نفقہ خاوند کے اس مال میں سے جو دوسرے اشخاص کی تحویل میں ہے یا ان پر قرض ہے' خواہ وہ قرضہ حالی ہو یا میعادی' وصول کیا جائے گا۔ اگر وہ قرضہ میعادی ہے تو بیوی قرض لے کر اپنا خرچ چلا سکتی ہے اور پھر یہ قرض اس واجب الوصول قرضہ سے اداء ہو سکتا ہے۔ اگر وہ شخص اس عورت کے خاوند کا مقروض ہونے یا اس کا امانت دار ہونے سے انکار کرے تو بیوی کو اپنا دعویٰ ثابت کرنے کا حق ہے۔ اس کا ثبوت صرف ایک شہادت سے ہو سکتا ہے اس کے ساتھ ہی بیوی بھی اپنے دعوے کے بارے میں قسم کھائے گی۔ نیز اس بات کا حلف اٹھائے گی کہ وہ اس نفقہ کی حق دار ہے جو اس کے غیر موجود خاوند کے ذمہ واجب ہے اور یہ کہ خاوند اس کے پاس نہ کوئی مال چھوڑ کر گیا ہے اور نہ ادائیگی نفقہ کے لئے کسی کو وکیل بنا کر گیا ہے اور نہ اس کا کوئی وکیل ہے جس سے وہ اپنے نفقہ کا مطالبہ کرے۔ تاہم خاوند کو حق ہے کہ وہ واپس آنے کے بعد بیوی کا نفقہ ساقط ہو جانے کا ثبوت دے۔ اگر وہ ثابت کر دے کہ بیوی نافرمان ہے یا نفقہ کی مستحق نہیں ہے تو وہ جو کچھ بیوی پر خرچ ہوا ہے اس کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس بارے میں یہ شرط نہیں ہے کہ (خاوند کا مال) نقدی کی شکل میں ہو یا اشیائے خوراک کی شکل میں بلکہ بیوی کا (حق) پورا کرنے کے لئے خاوند کا گھر اور سامان خانہ فروخت کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ خاوند کی ملکیت ثابت ہو اور بیوی خاوند کے دائرہ اختیار سے باہر نہ ہو۔

اگر خاوند یہ دعویٰ کرے کہ اس نے بیوی کا نفقہ بھیج دیا ہے یا یہ کہ وہ نفقہ دے کر گیا ہے۔ ادھر عورت کے دعویٰ پر حاکم نے عورت کو اس کا مال اپنے اوپر خرچ کرنے کی اجازت دے دی تو بیوی کا کہنا اس کے قسم کھا لینے پر تسلیم کر لیا جائے گا (اور وہ نفقہ کی حق دار ہوگی) اس وقت سے جب کہ اس نے حاکم کے سامنے استغاثہ کیا۔ خاوند کے سفر پر روانگی کے وقت سے حق دار نہ ہوگی۔

Marfat.com

بیوی کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے خاوند سے یہ مطالبہ کرے کہ سفر میں جانے سے پہلے واپسی کے وقت تک کا نفقہ دے کر جائے لیکن یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ خاوند مقررہ عرصہ کے لئے سفر میں جانے کا ارادہ کرے' لیکن اگر اس نے لمبی مدت کے لئے سفر کا ارادہ کیا اور کوئی مدت مقرر نہیں کی تو بیوی یہ کہہ سکتی ہے کہ سردست ایک خاص عرصہ کے لئے پیشگی نفقہ کا مطالبہ کرے اور بعد کے لئے خاوند سے مطالبہ کرے کہ وہ کسی کفیل کو ذمہ دار بنا کر جائے کہ وہ تمام خرچ جو دونوں کی حیثیت کے مطابق بیوی پر ہوتا رہا ہے' اس مقررہ عرصہ کے بعد' بیوی کو دیتا رہے گا۔ خواہ نفقہ کی ادائیگی ہر جمعہ کو یا ہر مہینے یا روزانہ یا سالانہ مقرر ہو۔

واضح ہو کہ ان حالات میں کفیل کی ذمہ داری کا مطالبہ کرنا بیوی کے حقوق میں سے ہے اس کے لئے خاوند کو مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اگر زوجین خاوند کی موجودگی میں بھی کسی کفیل کی ذمہ داری پر راضی ہو جائیں کہ وہ بیوی کو مقررہ نفقہ دیتا رہے گا تو درست ہے اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بیوی اگر باشعور ہے اور وہ خاوند کے پاس آ جائے یا نابالغ کی رخصتی اس کا ولی کر دے تو اس کا نفقہ شرائط مذکورہ کے ساتھ خاوند پر واجب ہو جائے گا۔ اگر خاوند بیوی کے شہر سے کہیں چلا جائے تو بیوی کو حق ہے کہ وہ اپنا معاملہ قاضی کے سامنے پیش کرے اور اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کر دینے کا ارادہ ظاہر کرے یعنی خاوند کو بتا دے کہ وہ جب چاہے اس کی رخصتی کرا کر اسے لے جا سکتا ہے۔ تو قاضی پر لازم ہوگا کہ اس کا خاوند جس شہر میں ہو وہاں اس بات کی اطلاع پہنچا دے پھر اتنے عرصہ تک اس بات کی اطلاع پہنچا دے پر اتنے عرصہ تک جس میں خاوند کا آنا ممکن ہو وہاں اس بات کی اطلاع پہنچا دے پھر اتنے عرصہ تک جس میں خاوند کا آنا ممکن ہو اس کا انتظار کرے۔ اور اگر اصالتاً آنے میں یا وکیل کے پیش کرنے میں کوئی عذر مانع ہو تو اس عذر کے دور ہو جانے تک توقف کرے۔ اگر عذر جاتا رہے اور خاوند نہ آئے تو اس کا نفقہ قاضی مقرر کر دے گا۔ اس کی بجائے عہد حاضر میں اعلان کا طریقہ یہ ہے کہ بیوی اعلان کر دے کہ وہ خاوند کی مطیع ہے اور خاوند کو اپنا نفس سپرد کر دینے (یا رخصتی) کے لئے تیار ہے پھر اتنی دیر انتظار کرے کہ یہ اعلان خاوند تک پہنچ جائے۔ اگر خاوند اس کا کوئی جواب نہ دے تو قاضی خاوند پر بیوی کا نفقہ عائد کر دے گا۔ اگر خاوند کا مال موجود ہے تو بیوی اس مال سے اپنا نفقہ وصول کرے گی اگر خاوند کا مال نہیں ہے تو حاکم بیوی کو قرض لے کر کام چلانے کی اجازت دے گا تاکہ جو کچھ اس پر خرچ ہوا ہے بعد میں اس کا مطالبہ خاوند سے کر سکے۔ اگر قاضی کو غیر حاضر خاوند کا ٹھکانا معلوم نہ ہو تو حتی الوسع اسے دریافت کرنے کی کوشش کرے تو بیوی کے لئے اپنے موجودہ مال میں سے نفقہ مقرر کر دے اور ان اخراجات جو بیوی پر ہوں ضامن لے لے' کیوں کہ ممکن ہے کہ خاوند وفات پا گیا ہو یا اس نے بیوی کو طلاق بائن دے دی ہو۔

ان حالات میں شافعیہ کفالت لینے کو جائز نہیں سمجھتے کیوں کہ کفالت (یعنی ادائیگی واجب کی ذمہ داری) لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ جس مال کی ذمہ داری لی جائے وہ قرض واجب الاداء ہو۔ یہاں یہ صورت ہے کہ ہنوز بیوی نے نفقہ لیا ہی نہیں جس کو (نا واجب ثابت ہونے کی صورت میں) واپس کرنا واجب ہو اور اس کے لئے ضامن لایا جائے جو اس کی ادائیگی کا ذمہ لے۔ پس ایسی صورت میں کسی کو اس کا ضامن کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ادائیگی قرض کی ضمانت نہیں ہے بلکہ یہ حاضری کی ضمانت ہے یعنی اگر بیوی بعد میں وصول کردہ نفقہ کی حقدار ثابت نہ ہوئی تو ضامن اس

Marfat.com

ادائے نفقہ سے خاوند کے عاجز ہونے کا بیان

اگر خاوند اپنی بیوی کا خرچ برچ سنبھالنے سے عاجز ہو تو بیوی کو حق ہے کہ وہ خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے۔ اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

عورت کو حاضر کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر بیوی اپنے بقایا نفقہ واجب الوصول کے لئے ضامن کا مطالبہ کرے تو درست ہے۔ لیکن آئندہ کے نفقہ کی کفالت کا مطالبہ درست نہیں ہے کیوں کہ وہ ہنوز واجب نہیں ہوا البتہ عورت کو حاضر کرنے کی ضمانت ہو سکتی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند موجود نہ ہو تو اس پر زوجیت کا نفقہ واجب نہیں ہوتا بجز اس صورت کے جب کہ حاکم شرع اس بات کا اعلان کر دے کہ بیوی خود کو خاوند کے سپرد کر دینے (یعنی رخصتی) کے لئے تیار ہے۔ اب اگر خاوند خود آ کر رخصتی کا مطالبہ کرے یا اپنا کوئی وکیل ایسا بھیجے جسے بیوی کو رخصتی کرانا حلال ہو اور وہ بیوی کو رخصتی کرا کے لے آئے تو ادائیگی نفقہ قرض ہو جائے گا لیکن اگر نہ خاوند خود آئے اور نہ اپنا کوئی وکیل بھیجے تو قاضی اس وقت سے بیوی کا نفقہ خاوند پر عائد کرے گا جب سے کہ خاوند کا بیوی کے پاس آنا اور رخصتی کرانا ممکن تھا۔ اگر بیوی نے خود کو خاوند کے حوالے کر دیا اور اس کے بعد خاوند کہیں چلا گیا تو بہر حال نفقہ اس پر لازم الاداء ہوگا اور پچھلے دنوں کے بقایا نفقہ کی ضمانت درست ہے۔ اسی طرح آئندہ کے نفقہ کی ضمانت بھی حنابلہ کے ہاں بالاتفاق درست ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص یہ ہے کہ جب تک یہ عورت فلاں شخص کی بیوی ہے میں اس کے نفقہ کا ضامن ہوں تو اس شخص پر مثالی نفقہ کی ادائیگی بطریق مذکورہ سابقہ لازم ہوگی۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند نفقہ کی اقسام سہ گانہ کے ادا کرنے سے عاجز ہو تو اس عجز کی بناء پر دونوں میں علیحدگی نہیں کرائی جائے گی۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ خاوند بیوی کا نفقہ دیئے بغیر سفر پر چلا جائے درآنحالیکہ وہ آسانی سے دے کر جا سکتا تھا تو قاضی بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ عائد کر دے گا اور بیوی کو قرض لینے کا حکم دے گا۔ قرض لینے کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کا نفقہ موت وغیرہ کے بغیر جب تک کہ وہ قرض لے سکتی ہے۔ خاوند کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا اور بیوی کو یہ حق ہے کہ جس سے اس نے قرض لیا ہے وہ قرض خاوند کے حوالے کر دے یعنی قرض لینے کے وقت وہ کہہ دے کہ یہ جو قرض میں لے رہی ہوں یہ قرض میرے خاوند کے ذمہ واجب الاداء ہوگا۔ پھر اگر خاوند صاحب حیثیت ہے تو بیوی کو حق ہے کہ وہ اپنے نفقہ کے لئے خاوند کے مال کو فروخت کر دے۔ اگر مال نہ ہو تو خاوند کو قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ وہ نفقہ ادا کر دے اور بیوی کو حق ہے وہ خاوند کی ہر ایسی شے کو فروخت کر دے جس سے اس کا نفقہ پورا ہو سکتا ہو۔ ماسوا اس کپڑے کے جسے پہن کر وہ اپنی ضروریات انجام دینے کے لئے نکل سکے۔

اگر خاوند تنگ دست ہے لیکن اس کی بیٹی جو اس بیوی سے نہیں ہے۔ مال دار ہو یا اس کا کوئی بھائی یا چچا خوش حال ہے یا خود بیوی کا خوشحال بھائی یا چچا ہے تب بھی بیوی کا نفقہ خاوند ہی کے ذمہ ہوگا۔ تاہم خاوند کے صاحب توفیق بیٹے بھائی یا چچا کو یا پھر بیوی کے بھائی یا چچا کو حکم دیا جائے گا کہ وہ نفقہ ادا کرے اگر انکار کرے تو جب تک کہ وہ نفقہ ادا نہ کرے

Marfat.com

قید میں رکھا جائے گا پھر جب خاوند کو سہولت میسر ہو تو جو کچھ بیوی پر خرچ ہوا ہے وہ ادا کر دے اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ ایک شخص کے صغیر سن بچے ہوں اور باپ نادار ہو لیکن اس کا بیٹا یا بھائی صاحب توفیق ہو تو ان میں سے کسی پر لازم ہو گا کہ وہ بچوں پر خرچ کرے پھر جب باپ کو فراغت حاصل ہو تو بیٹا اپنا خرچ کردہ نفقہ کی واپسی کا مطالبہ باپ سے کر سکتا ہے۔ جیسا کہ آگے بتایا گیا ہے۔

اگر بچہ (ماں کے سوا) کسی اور کا دودھ نہ پئے یا باپ دودھ پلانے والی کی اجرت دینے سے عاجز ہو تو اس کی ماں کو اپنا دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر خاوند صاحب حیثیت ہے تو بیوی اس سے بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند بیوی پر خرچ نہ کر سکے تو وہ عقد نکاح کے فسخ کرنے کا مطالبہ کر سکتی ہے اور حاکم حسب ذیل شرائط کے تحت خاوند کی طرف سے طلاق رجعی دے سکتا ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ خاوند فی الحال یا مستقبل میں بیوی کو خوراک اور لباس مہیا کرنے سے عاجز ہو۔ لیکن اگر سابقہ بقایا نفقہ کی ادائیگی سے عاجز ہو تو بیوی کو فسخ نکاح کے مطالبے کا حق نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ نفقہ خاوند کے ذمہ فرض واجب الاداء ہوتا ہے (اور عدم ادائیگی قرض کی بناء پر فسخ نکاح نہیں ہو سکتا)۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بیوی کو عقد کے وقت خاوند کے فقیر ہونے کا علم نہ ہو اور یہ نہ جانتی ہو کہ وہ نفقہ نہ دے سکے گا۔ اگر اس کا اسے علم ہو اور پھر بھی راضی ہو تو اسے فسخ نکاح کا حق نہ ہو گا۔ اگر خاوند گداگر ہو اور بیوی نے اسے قبول کر لیا پھر خاوند نے گداگری کا کام ترک کر دیا تب بھی فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے کیوں کہ وہ جس کاروبار پر راضی تھی اس نے وہ کام ترک کر دیا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ خاوند ادائے نفقہ سے عاجز ہونے کا دعویٰ کرے لیکن اس کی معذوری ثابت نہ ہو تو بقول معتمد قاضی خاوند کی طرف سے فوراً اسے طلاق دے دے گا۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو کہ خاوند فی الواقع نادار ہے اور ادائے نفقہ سے عاجز ہے تو خاوند ایک خاص مدت اپنی سمجھ کے مطابق ادائے نفقہ کے لئے متعین کر دے گا۔ بایں امید کہ اس عرصہ میں اس کی تنگی دور ہو جائے گی۔ اگر وہ مدت گزر جائے اور خاوند نفقہ نہ دے سکے تو اس کی طرف سے بیوی کو طلاق دے دی جائے گی۔ اگر میعاد مقررہ کے اندر خاوند بیمار ہو جائے یا قید میں چلا جائے تو قاضی اس مدت میں توسیع کر دے گا۔ اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ خاوند نفقہ ادا کر سکتا ہے۔ لیکن ادائیگی سے انکار کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس صورت میں اسے قید میں رکھا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ نفقہ ادا کر دے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کو طلاق دے دی جائے گی اور اگر اس پر کچھ واجب نہ ہو تو قاضی فوراً اس کی طرف سے طلاق دے دے گا۔

یہ تمام مسائل اس حالت میں ہیں جب کہ خاوند کے پاس بہ بظاہر کوئی مال نہ ہو بصورت دیگر خاوند کے مال سے جبراً نفقہ وصول کیا جائے گا۔ اگر خاوند اپنی محتاجی کا اظہار کرے لیکن صرف اس قدر اس کے پاس ہو کہ زندگی باقی رکھ سکے تو یہ (ادائے نفقہ کے لئے) کافی نہیں ہے اور اس کی طرف سے طلاق دے دی جائے گی لیکن اگر پوری خوراک کو بمشکل دے سکتا ہو اور صرف تن ڈھانپنے کے لئے لباس مہیا کر سکے تو طلاق نہیں دی جائے گی۔ اگرچہ بیوی مالدار ہو اور یہ جو پہلے کہا

Marfat.com

گیا ہے کہ نفقہ کے بارے میں میاں بیوی دونوں کی حیثیت کا لحاظ رکھا جائے گا اس قول کا تعلق نفقہ کی مقدار مقرر کرنے سے ہے اور یہاں ذکر عقد کے فسخ کرنے کا ہے۔ اگر خاوند بیوی کے ساتھ نہ ہو بلکہ کہیں نزدیک کسی مقام پر ہو اور وہ مقام معلوم ہو تو لازم ہے کہ پہلے اس سے (آئندہ کے اقدام کی) معذرت طلب کر لی جائے کہ اسے یہ اطلاع دے دی جائے کہ یا تو بیوی کا نفقہ ادا کرے یا پھر قاضی اس کی طرف سے طلاق دے دے گا۔ لیکن اگر اس کا اتا پتا معلوم نہ ہو اور نہ اس کے مال کا علم ہو بلکہ اس کی تنگدستی ثابت ہو تو قاضی اپنی سمجھ کے مطابق اس کے لئے ایک میعاد مہلت مقرر کرے گا کہ اتنے عرصہ میں اس کا خاوند آ جائے اور بیوی کا نفقہ ادا کرے اگر (اس عرصے کے بعد بھی) وہ شخص نہ آئے تو اس کی طرف سے بیوی کو طلاق دے دے گا۔ خواہ بقول معتمد اس سے مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور خواہ بیوی نے اسے اپنے پاس آنے کے لئے کہا ہو یا نہ کہا ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند نادار ہو اور نفقات سہ گانہ مذکورہ' یعنی خوراک' لباس اور مکان کی کم سے کم مقدار کو بیوی کی حیثیت کے لائق نہ ہو' مہیا نہ کر سکے اور بیوی اسی حال پر صبر کرے بایں طور کہ وہ اپنا خرچ خود اپنے پاس سے چلائے تو نفقہ مقرر شدہ خاوند پر قرض رہے گا اور جب بھی خاوند ادائیگی کے قابل ہو وہ تمام اشیاء بجز مکان اور خادم' کے خاوند سے وصول کرنے کی حق دار ہے۔ یہ دو چیزیں (یعنی مکان اور خادم) ساقط المطالبہ ہوں گی کیوں کہ بیوی ان کی مالک نہیں بنائی جاتی بلکہ یہ چیزیں عورتوں کے لئے بطور امتاع (عارضی اشیاء استفادہ) کے ہیں۔

نفقہ کا خاوند پر بطور قرض کے رہنے کی شرط یہ ہے کہ بیوی نے خود کو خاوند کے سپرد کر دیا ہو اور جائز طور پر اس کے متمتع ہونے سے انکار نہ کیا ہو۔ اگر بیوی (بغیر نفقہ کے) صبر نہ کر سکے تو اسے حق ہے کہ رشتہ ازدواج فسخ کرا دے' لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کرے اور قاضی کو چاہئے کہ وہ تین دن کی مہلت دے تا کہ خاوند کی مجبوری کے بارے میں (قرار واقعی) تحقیق کی جائے پھر چوتھے دن کی صبح کو عقد فسخ کر دے یا بیوی کو خود اپنا عقد فسخ کرنے کی اجازت دے۔ اس بارے میں کوئی اور فیصلہ کنندہ ہو تو وہ بھی قاضی کی مانند متصور ہو گا۔ اگر کوئی قاضی یا فیصلہ کنندہ بیوی کے معاملہ میں نہ پڑے تو بیوی خود خاوند کو تین دن کی مہلت دے' چوتھے روز صبح کو نکاح از خود فسخ ہو جائے گا اگر خاوند اس مدت کے ختم ہونے سے پہلے نفقہ ادا کر دے تو نکاح فسخ نہ ہو گا۔ اور فسخ نکاح کے لئے اس امر کا پایہ ثبوت کو پہنچنا شرط ہے کہ خاوند نفقہ کی کم سے کم مقدار یعنی ایک مد (تقریباً 13 تولہ) روزانہ مہیا کرنے سے عاجز ہے۔ اگر وہ روزانہ ایک مد اناج مہیا کر سکتا ہے لیکن اس کے علاوہ سالن اور گوشت مہیا کرنے سے عاجز ہو یا ایسی چیزیں جس پر بیوی بیٹھ سکے' سو سکے اور یا اوڑھ سکے نہ مہیا کر سکے یا کھانے پینے کے برتن اور پکانے یا دھونے مانجھنے کے سامان فراہم کرنے سے عاجز ہو یا کوئی خدمت گار نہ رکھ سکے تو ان میں سے کوئی وجہ فسخ نکاح کا موجب نہیں ہو سکتی۔ اس حالت میں (کہ خاوند مجبور ہے) صرف اس قدر واجب الطلب ہے جس سے زندگی باقی رہ سکے اور ایک مد کی مقدار خوراک سے عاجز ہونے کی طرح کم سے کم ٹھکانا مہیا کرنے سے عاجز ہونا بھی ہے۔ ٹھکانا ایسا ہونا چاہئے جس میں بیوی بسر اوقات کر سکے گو وہ اس کی حیثیت کے مطابق نہ ہو۔ اسی طرح کم سے کم لباس کے مہیا کرنے سے عاجز ہونا بھی معذوری ہے۔ بعض اصحاب نے ان امور میں سے بعض امر کی مزید تفصیل کی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ چٹیل فرش (سنگین) پر بغیر چادر کے سونا زندگی کے لئے نقصان دہ

Marfat.com

ہے لہٰذا کم سے کم اتنا (کپڑا) تو ہو کہ صحت باقی رہے۔ بصورت دیگر بیوی کو فسخ نکاح کا حق ہے۔ اگر خاوند کا معذور ہونا حکم کے سامنے شہادتوں سے یا خود خاوند کے اقرار سے ثابت نہ ہو تو نکاح فسخ نہیں ہو سکتا۔

خاوند خوش حال ہو یا اوسط درجہ کی حیثیت رکھتا ہو یا نادار ہو لیکن غریبانہ نفقہ ادا کرنے پر قادر ہو اور اس سے انکار کرے تو عقد فسخ نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس صورت میں بیوی کے لئے ممکن ہے کہ اپنا نفقہ حاکم کے ذریعہ (دعویٰ کر کے) جبراً وصول کر لے۔

اگر خاوند حاضر نہ ہو اور شہادتوں سے اس کی مجبوری ثابت نہ ہو تو بھی اس شخص کی مانند ہے جو موجود ہو لیکن ادائیگی نفقہ سے انکاری ہو تو بقول معتمد بیوی کو اس کا نکاح فسخ کرانے کا حق نہیں ہے خواہ اس کے خاوند کا پتہ نشان معلوم ہو یا مفقود الخبر ہو اور خواہ کچھ بھی چھوڑ کر نہ گیا ہو یا طویل مدت تک لاپتہ رہا ہو۔ کیوں کہ فسخ نکاح کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کا کم سے کم نفقہ کی ادائیگی سے عاجز ہونا پایہ ثبوت کو پہنچ جائے جیسا کہ بتایا گیا۔ بصورت دیگر اسے صاحب توفیق سمجھا جائے گا اور بیوی کا حق ہوگا کہ وہ اپنا نفقہ جبراً وصول کرے۔ وہ موجود ہو یا نہ ہو۔

اگر خاوند موجود ہو اور اس کا مال دور دراز مقام پر ہو لیکن وہ مقام قصر نماز کی مسافت سے کم ہو تو بیوی کو مطالبہ فسخ نکاح کا حق نہیں ہے بلکہ خاوند کو حکم دیا جائے گا کہ بیوی کو فوراً اس کا نفقہ مہیا کرے بشرطیکہ وہ مہیا کر سکتا ہے ورنہ بیوی کو فسخ عقد کا حق حاصل ہوگا اور اگر خاوند کا مال قصر نماز کی مسافت سے زیادہ فاصلہ پر ہے تو بیوی کو ایسی حالت میں کہ اسے نقصان دہ ہے فسخ نکاح کا حق ہے۔

واضح ہو کہ اس مسئلہ کا تعلق اسی زمانہ ماضی کے حالات سے ہے جب کہ یہ سرعت مواصلات کے وسائل موجود نہ تھے لیکن موجودہ زمانے میں تو اگر کوئی مال اسوان (علاقہ مصر) میں ہے تو اسے مسافت قصر سے بہت کم عرصہ میں لانا ممکن ہے ایسی صورت میں یوں کہنا صحیح ہوگا کہ خاوند کو صرف اس حالت میں معذور متصور کیا جائے جب کہ بسہولت اسے رہنا' مال حاصل کرنا ممکن نہ ہو۔ صرف ایسی ہی حالت میں اسے عاجز قرار دیا جائے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فسخ نکاح (بوجہ عدم ادائیگی نفقہ) کی چار شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ وہ شخص کم سے کم نفقہ یعنی غریبانہ نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو' اگر وہ اتنا نفقہ دے سکتا ہے تو اسے مجبور تصور نہ کیا جائے گا۔ اگر متوسط درجہ کا نفقہ ادا کر سکے تو بدرجہ اولیٰ اسے مجبور نہ کیا جائے گا۔

دوسرے یہ کہ وہ موجودہ نفقہ واجب یا آئندہ کا نفقہ ادا کرنے سے قاصر ہو۔ بقایا نفقہ ادا کرنے سے قاصر ہو تو فسخ نکاح نہ ہوگا۔

تیسرے یہ کہ وہ صرف بیوی کا نفقہ ادا کرنے سے قاصر ہو۔ اگر بیوی کے خادم کا نفقہ نہیں ادا کر سکتا تو فسخ نکاح نہ ہوگا۔

چوتھے یہ کہ وہ صرف خوراک' لباس یا مکان کے نفقہ کی ادائیگی سے عاجز ہو۔ اگر سالن یا دوسری متعلقہ اشیاء برتن' فرش' چادر وغیرہ کے فراہم کرنے سے قاصر ہو تو فسخ نکاح نہ ہوگا۔

فسخ نکاح کے بیان میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ ان حالات میں علیحدگی (زوجین) فسخ نکاح کہلائے گی یہ طلاق نہیں ہے۔ اس فسخ کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ عقد کے وقت بیوی کو خاوند کی ناداری کا علم نہ رہا ہو اگر وہ اس شخص کی فقیری سے آگاہ بھی تھی اور اس پر راضی ہوئی لیکن نکاح کے بعد خاوند اس کے نفقہ کی ادائیگی سے عاجز رہا تب بھی اسے فسخ

Marfat.com

نکاح کا حق ہے۔ کیوں کہ نفقہ زندگی کی ضروریات میں ہے اور بیوی کا اس امید پر راضی (بہ نکاح) ہو جانا کہ خاوند محنت مشقت سے بسر اوقات کے لئے کچھ کما ہی لیا کرے گا اس کے حق نفقہ کو ساقط نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ اگر وہ کہہ بھی دے کہ ''میں راضی ہوں'' کیوں کہ ان حالات میں رضامندی کا وعدہ اسی امید پر ہوتا ہے کہ وہ کم سے کم نفقہ تو مہیا کر ہی لے گا۔

واضح ہو کہ اگر خاوند ایسے مال اسباب کا مالک ہے جس کا بزودی فروخت کر دینا آسان نہیں ہے تو اس سے خاوند کی معذوری دور نہ ہو جائے گی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے وہ اراضی مربع کا مالک ہو جو اس نے بیوی کو نہیں دیا اور اس کی فروخت کا معاملہ تنازع ملکیت کی وجہ سے حاکم کے ہاں فیصلہ طلب ہو اور اس لئے اس کا فروخت کرنا طویل عرصہ تک ممکن نہیں بلکہ بسا اوقات اس کی ملکیت کا منتقل کرنا دشوار ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ صورت ہے کہ ایک شخص غلہ کا مالک ہے لیکن اس پر قبضہ کرنا یا مقامی حکام کے ذریعہ عام قاعدہ کے بموجب اس کا حاصل کرنا دشوار ہے۔ ان تمام صورتوں میں خاوند کو معذور تصور کیا جائے گا اور بیوی کو بطریق مذکور فسخ زوجیت کا حق ہے۔ فی زمانہ یہی رائے قابل قبول معلوم ہوتی ہے۔ بیوی کے نفقہ کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے والے خاوندوں کے ساتھ یہی طریق کار واجب ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نفقہ کی اقسام سہ گانہ' خوراک' لباس اور مکان کا کم سے کم نفقہ جس سے مراد غریبانہ نفقہ ہے کی ادائیگی سے عاجز ہے تو بیوی کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ اپنا نکاح فسخ کرا لے جس کے لئے تین دن کی مہلت وغیرہ ضروری نہیں ہے یا پھر اپنے خاوند کے نکاح میں رہے۔ تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس احتیاط کو فوری طور پر کام میں لائے۔ بلکہ وہ جب چاہے اپنا اختیار کام میں لا سکتی ہے۔ پس اسے اس اختیار کو بتاخیر کام میں لانے کی اجازت ہے فوری طور پر کام میں لانا ضروری نہیں ہے۔ پس اگر وہ یہ پسند کرے کہ خاوند کے ساتھ رہے گی تو وہ خاوند کو اپنے نفس پر اختیار دے سکتی ہے۔

(ادائے نفقہ سے) معذور انسان کے ذمہ بیوی کا نفقہ بطور قرض کے ہو جاتا ہے۔ لیکن اس صورت میں بیوی پر واجب نہیں ہے کہ وہ خاوند کو اپنے نفس پر قادر ہونے دے اس طرح اس پر یہ بھی واجب نہیں ہے کہ خود کو اس کا پابند بنا لے۔ چنانچہ اسے گھر سے نکلنا اور کمانا منع نہیں ہے اگر چہ وہ خوشحال ہو۔ اگر بیوی نے خاوند کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر لیا اور بعد میں اسے فسخ نکاح کرانا مناسب معلوم ہوا تو وہ ایسا کر سکتی ہے۔ اگر خاوند کوئی کاریگر یا تاجر ہے اور کچھ عرصہ کے لئے اس کو کمانا دشوار ہو جائے تو بیوی پر لازم ہے کہ انتظار کرے۔ فسخ نکاح کا حق اسے نہ ہوگا۔ بجز اس صورت کے جب کہ خاوند مریض ہو اور چند روز میں شفایاب ہو جانے کی امید ہو لیکن اگر مرض طویل ہو جائے تو بیوی کو حق فسخ حاصل ہوگا۔ اور (فسخ نکاح کے لئے) یہ شرط نہیں ہے کہ بیوی کو (عقد کے وقت) خاوند کی ناداری کا علم نہ ہو۔ لہٰذا اگر بیوی کو معلوم ہو کہ خاوند محتاج ہے اور پھر بھی عقد منظور کر لیا اور بعد میں خاوند نفقہ دینے سے عاجز رہا تو بیوی کو فسخ نکاح کا حق ہے۔ اگر خاوند غیر موجود ہو لیکن اس کا مال موجود ہو تو بیوی کا نفقہ اس میں سے ادا کیا جائے گا۔ اگر سامان قابل فروخت ہے تو حاکم اسے فروخت کر کے اس کی بیوی کو روزانہ نفقہ دیتا رہے گا۔ اگر موجود نہ ہو یا ہو لیکن اس کا فروخت کرنا دشوار ہو تو بیوی کو فسخ نکاح کا حق ہے۔ اگر فسخ نکاح کے بعد خاوند کے مال کا پتہ چلے تو اب بقول معتمد اس سے کچھ نہ ہوگا۔

اگر خاوند سابقہ بقایا نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو اور یہ قرار پائے کہ موجودہ وقت سے بیوی کا نفقہ دیا جائے گا تب

Marfat.com

اولاد کے نفقہ کا بیان

اولاد میں خواہ لڑکیاں ہوں یا لڑکے مگر بے روزگار ہوں، کم عمر ہوں یا بالغ ہوں۔ باپ پر ان کے نفقہ کی ذمہ داری کے بارے میں مسالکِ مختلفہ تفصیل طلب ہیں [1]

بھی فسخ نکاح کا حق نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر خاوند کے لئے روٹی کا مہیا کرنا تو ممکن ہو لیکن سالن کا خرچ نہیں اٹھا سکتا تو عقد کی تنسیخ نہیں ہوگی تاہم سالن کے دام خاوند کے ذمہ قرض رہیں گی۔ اگر خاوند کا قرض کسی پر واجب ہے اور اس کا وصول کرنا ممکن ہو تو خاوند صاحب توفیق متصور ہوگا اور عقد کی تنسیخ نہ ہوگی۔ لیکن اگر قرض کا وصول کرنا ممکن نہ ہو تو خاوند کو معذور تصور کیا جائے گا۔ اگر بیوی خاوند کی مقروض ہو اور خاوند اس قرض کو نفقہ میں محسوب کرنا چاہے تو درست ہے بشرطیکہ بیوی خوشحال ہو ورنہ درست نہیں ہے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اولاد میں یا تو بیٹے ہوتے ہیں یا بیٹیاں۔ اگر بیٹے ہیں تو ان کا نفقہ باپ پر ان تین شرائط کے تحت واجب الاداء ہوگا:

پہلی شرط یہ ہے کہ بیٹا محتاج جس کا کوئی مال نہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ عمر بلوغ کو نہ پہنچا ہو۔ اگر بالغ ہو اور کسی ایسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جو اسے روزی کمانے سے مانع ہو تو اسے لازم ہے کہ کمائے اور اپنے اوپر خرچ کرے، بصورت دیگر اس کا نفقہ باپ کے ذمہ رہے گا۔ تاہم باپ کو چاہئے کہ اپنے بیٹے کو جو بے روزگار ہے اور کوئی ہنر نہیں جانتا خود اجرت پر رکھے اور جہاں تک بن پڑے اس پر خرچ کرے۔ البتہ اگر وہ لڑکا باقاعدہ تعلیم حاصل کر رہا ہو تو اس صورت میں اس کا نفقہ باپ پر واجب ہوگا۔ اگرچہ لڑکا بالغ ہو گیا، باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ اسے حصول علم سے منع کرے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ بیٹا آزاد ہو اگر وہ کسی کا مملوک (غلام) ہے تو اس کا نفقہ باپ پر نہیں بلکہ اس کے آقا پر واجب ہے۔

اگر باپ کی اولاد میں بیٹی ہے تو خواہ وہ صغیر سن ہو یا بالغ ہو اس کا نفقہ ان دو شرائط کے تحت باپ پر واجب ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ لڑکی محتاج ہو اگر مال کی مالک ہے تو اس کے مال سے اس پر خرچ کرنا واجب ہے اور لڑکے کے برعکس جیسا کہ بتایا گیا باپ پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی حاجت مند بیٹی کو کمائی کے لئے اجرت کے کام پر لگائے۔ تاہم وہ یہ کر سکتا ہے کہ بیٹی کو کسی عورت کے پاس سینا پرونا، کاڑھنا، بننا وغیرہ سیکھنے کے لئے بھیجے اور جب وہ سیکھ جائے اور اس سے کمانے لگے تو اس کا خرچ اس کی کمائی سے پورا کیا جائے اور جو بات باپ کے لئے منع ہے وہ یہ ہے کہ اپنی بیٹی کو کسی کی خدمت پر رکھے۔ کیوں کہ خدمت پر لگانے والے کو اس کے ساتھ رہنا ہوتا ہے جو شرعاً ناجائز ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ لڑکی آزاد ہو اگر مملوکہ (کنیز) ہے تو اس کا نفقہ (باپ کے نہیں بلکہ) اس کے آقا کے ذمہ ہوگا۔ نفقہ کی مقدار اتنی ہونی چاہئے جو کافی ہو۔ مقدار کے کافی ہونے کا فیصلہ قاضی کرے گا۔ اگر ایک خاص مقدار نفقہ طے پا جائے لیکن وہ کافی سے زیادہ ہو تو باپ اس زیادتی کو کم کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اگر مقدار کافی سے کم ہو تو اولاد کافی

Marfat.com

مقدار کا مطالبہ کر سکتی ہے بہرحال تخمینہ کر کے ایک خاص مقدار پر فیصلہ کر لیا جائے مثلاً بعض لوگ کہیں کہ دس کافی ہیں اور بعض نو کافی بتائیں تو (بایں جہت کہ تفاوت زیادہ نہیں ہے) نو پر تصفیہ ہو جانا چاہئے۔ لیکن اگر (نو نہ دس بلکہ) پندرہ مقرر ہو تو اسے تخمینہ کے مطابق نہیں مانا جائے گا اور باپ کو حق ہوگا کہ وہ اس مقدار میں کمی کر دے۔ اسی طرح اگر سات قرار پائے تو 'ولا داس سے زیادہ کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

مالدار بچہ وہ ہے جس کے پاس سردست مال موجود ہو خواہ اسباب کی شکل میں ہو یا نقدی یا لباس کی شکل میں۔ پس باپ کو یہ حق ہے کہ اس کا مال بقدر لازم اس کی رہائش اور ضروریات پر خرچ کرے۔ اگر مال کسی اور جگہ پر ہو جہاں سے حاصل کرنا سردست ممکن نہیں تو اس مال کے حاصل ہونے تک باپ ادائیگی نفقہ کا ذمہ دار ہوگا۔ اگر اولاد کو کسی مال وقف میں حق پہنچتا ہے لیکن وہ سال گزرنے سے پہلے نہیں مل سکتا تو باپ ہی اولاد پر خرچ کرے گا کیوں کہ یہ مال ویسا ہی ہے جیسے کہیں دور جگہ پر ہو۔ باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ جو کچھ اس نے اپنی کمسن اولاد پر خرچ کیا ہے اس کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ تا آنکہ اس نے بطور قرض خرچ کرنے کا گواہ نہ بنا لیا ہو۔ یہ مطالبہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ اولاد کا مال اسے مل جائے اور باپ نے قاضی کے حکم سے خرچ کیا ہو۔ اگر باپ نے خرچ کا گواہ کسی کو نہیں بنایا یا قاضی نے خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ باپ نے خود ہی اس ارادے سے خرچ کیا تھا کہ (جب لڑکے کا مال ملے گا تو) واپس لے لوں گا تو قانوناً باپ کے حق میں فیصلہ نہ ہوگا ہاں شرعاً وہ واپس لے سکتا ہے۔ اگر باپ صاحب حیثیت ہو اور اپنی اولاد پر خرچ کرنے سے انکار کرے تو ان کے نفقہ کے لئے اسے قید کیا جا سکتا ہے۔ نفقہ کے علاوہ کسی اور مطالبہ قرض میں باپ کو قید نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اگر باپ ہے تو اسے کمائی کر کے اولاد پر خرچ کرنے کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ اگر باپ کما کر اولاد پر خرچ کرنے سے عاجز ہو تو اولاد کے قریبی رشتہ داروں پر واجب ہوگا کہ وہ خرچ کریں۔ ان میں سے ماں بچے کی قریب ترین رشتہ دار ہے۔ اگر وہ صاحب توفیق ہے تو اسے اولاد پر خرچ کرنے کا حکم دیا جائے گا تاہم جو کچھ خرچ کرے گی وہ (بچوں۔ ے) باپ پر قرض رہے گا کہ جب باپ اس قابل ہو تو بیوی نے جو کچھ خرچ کیا ہے اس کی واپسی کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اگر بچوں کی ماں صاحب توفیق نہ ہو اور دادا کو توفیق ہو تو اولاد کا نفقہ دادا کے ذمہ ہوگا پھر اگر باپ اپاہج (یا ناکارہ) ہو گیا ہو یا ایسی تکلیف ہو مبتلا ہو کہ کمانے کے قابل نہ رہا ہو تو نفقہ کا اس کے ذمہ سے ساقط ہو جانا قرین عقل ہے اور دادا نے جو کچھ خرچ کیا ہے اس کا مطالبہ لڑکوں کے باپ سے نہیں کر سکتا لیکن اگر باپ اپاہج ہو کر نہ رہ گیا ہو تو ان لڑکوں کا نفقہ اس کے ذمہ قرض رہے گا۔ اگر دادا بھی صاحب توفیق نہ ہو اور چچا یا بھائی صاحب حیثیت ہو تو ان میں سے کسی پر اولاد کا نفقہ واجب ہوگا اور بالاتفاق بچوں کی ماں کو حق ہے ان دونوں میں سے کسی سے بلا ترجیح احدے نفقہ اولاد کا مطالبہ کرے۔ اس طرح بالاتفاق ان پر بچوں کا نفقہ فرض (واجب الاداء) ہو جائے گا۔ اگر کوئی انکار کرے تو اسے قید ہو سکتی ہے۔ بصورت دیگر ان بچوں کا سب سے قریب ترین جو رشتہ دار ہو اس پر واجب ہوگا کہ ان کا خرچ برداشت کرے اور ہر صورت میں صحیح یہ ہے کہ جو کچھ کسی نے خرچ کیا ہے باپ سے جب بھی اسے توفیق ہو اپنا مطالبہ وصول کرنے کا حق ہے۔ البتہ ایک صورت ایسی ہے جس میں یہ حق (خرچ کرنے والے کو) نہ رہے گا' اور وہ صورت یہ ہے کہ دادا نے خرچ کیا ہو اور باپ اپاہج ہو۔ ایسی صورت میں سمجھا جائے گا کہ جیسے باپ وفات پا چکا ہے اس سے نفقہ ساقط ہو گیا ہے۔ اگر کوئی بھی قرابت دار ایسا نہ ہو جو ان بچوں کا نفقہ ادا کر

Marfat.com

سکے تو باپ اس قابل ہو کہ بھیک مانگ سکے تو اسے اپنے چھوٹے بچوں کی خوراک کے لئے ہاتھ پھیلانے کی اجازت دی جائے گی۔ اگر باپ سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کی اولاد کا نفقہ بیت المال سے ادا کیا جائے گا تا کہ انہیں ضائع ہونے سے بچایا جا سکے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اولاد کا نفقہ باپ پر عائد ہونے کی چند شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ اولاد محتاج ہو اور وہ مال کی مالک نہ ہو۔ اگر اولاد کو کوئی کار آمد ہنر آتا ہے جس سے وہ روزی کما سکے تو اس کا نفقہ باپ کے ذمہ نہ رہے گا۔ اگر اولاد مالدار رہی ہو لیکن بالغ ہونے سے پہلے وہ مال ختم ہو گیا تو اس کا نفقہ باپ کے ذمہ ہو گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اولاد بالغ' عاقل اور کمانے کے قابل نہ ہو اگر بالغ ہو جائے اور کما سکے تو اس کا نفقہ باپ کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اگر بعد میں اولاد کو جنون لاحق ہو جائے یا کمانے کے قابل نہ رہے تو پھر باپ پر نفقہ واجب نہ ہو گا لیکن اگر اولاد جنون زدہ ہے یا کسی ایسی اذیت میں مبتلا ہو جس کے باعث وہ کمانے سے معذور ہو اور بالغ ہو جائے تو اس کا نفقہ باپ کے ذمہ برقرار رہے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ باپ صاحب کو توفیق ہو۔ اگر وہ خود محتاج ہے تو بیٹے کا نفقہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اور نادار باپ کو اس بات پر مجبور نہیں کیا جائے کہ وہ کسی نہ کسی طرح کما کر لائے اور اپنے محتاج بیٹے پر خرچ کرے۔ گو باپ کو کوئی ہنر آتا ہو۔ اسی طرح بیٹے کو بھی اپنے باپ پر خرچ کرنیکے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا جیسا کہ آگے بتایا گیا ہے۔

اگر بیٹی آزاد ہو تو اس کا نفقہ اس کے باپ پر اس وقت تک واجب ہے کہ اس کا خاوند اس سے مباشرت کرلے یا مباشرت کا دعویٰ کرے اور وہ لڑکی قابل مباشرت ہے۔ اس کے بعد اس عورت کا نفقہ اس کے خاوند پر واجب ہو جائے گا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

اگر بیٹی اپاہج اور محتاج ہو اور اسی حالت میں خاوند اسے طلاق دے دے یا خاوند کی وفات ہو جائے تو اس کا نفقہ پھر اس کے باپ کے ذمہ عائد ہو جائے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ بیٹی صغیر سنی یا باکرہ ہونے کی حالت میں باپ کے پاس آ جائے۔ ہاں اگر وہ بالغ اور شوہر دیدہ ہے اور صحت مند ہو اور باپ کے ہاں آ جائے تو نفقہ کی ذمہ داری دوبارہ اس پر عائد نہ ہو گی۔ غرض یہ ہے کہ بیٹی کا نفقہ باپ پر عائد نہ ہو گا سوا اس کے کہ وہ بالغ اور صحت مند ہو اور باپ کے گھر واپس آ جائے۔ اگر بیٹی اپاہج ہے اور باپ کے پاس آ جائے تو از روئے تحقیق تو لامحالہ باپ پر نفقہ عائد ہو جائے گا خواہ وہ بالغ ہو یا نہ ہو اور خواہ خاوند ہی نے اس معذوری کی حالت میں اس سے مباشرت کی ہو یا صحت مندی کی حالت میں کی ہو اور بعد میں معذور ہو گئی۔

اگر نفقہ اولاد کی ادائیگی میں تاخیر ہو جائے اور مدت گزر جائے تو وہ نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ اگر ایک شخص کی اولاد کو اس کے باپ کے علاوہ کسی اور نے کھانا کھلایا تو باپ سے اس کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ اس کے برعکس بیوی کے نفقہ کو ادا کیے ہوئے مدت گزر جائے تب بھی وہ خاوند کے ذمہ سے ساقط نہ ہو گا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ البتہ اگر کسی نے حاکم شرع کے سامنے واپسی نفقہ کا دعویٰ کیا اور قاضی نے مدت گزر جانے کی بناء پر اسے ساقط قرار نہیں دیا اور بقایا نفقہ کی ادائیگی کا

Marfat.com

فیصلہ کیا تو اب یہ فیصلہ نافذ ہوگا اور نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے کسی کی اولاد پر بغیر اس خیال کے کہ اس کے ساتھ نیکی پیش نظر رہی ہو' خرچ کیا تو اس شخص کو ان صاحب توفیق باپ سے اپنے اخراجات کی واپسی کے مطالبہ کا حق ہے۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص نے کسی کے والدین پر نیکی کا ارادہ کئے بغیر خرچ کیا تو اسے واپسی کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ بشرطیکہ حاکم نے واپسی کا فیصلہ نہ کیا ہو۔

ماں باپ کا نفقہ بیٹے اور بہو کی حیثیت سے اس قدر زیادہ بھی مقرر کیا جا سکتا ہے جو ماں باپ کے لئے کافی ہو۔ ماں کو اپنی اولاد پر خرچ کرنا لازم نہیں ہے خواہ وہ صاحب حیثیت ہو۔ البتہ بغیر اجرت کے دودھ پلانا لازم ہے' بجز اس صورت کے جب کہ وہ عورت بڑی حیثیت کی مالک ہو کہ اس جیسی عورتیں بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں تو اس پر بھی لازم نہیں ہے کہ دودھ پلائے۔ البتہ اگر بچہ ماں کی چھاتی کے سوا کسی اور کا دودھ نہ پیئے تو بیوی پر دودھ پلانا لازم ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ باپ پر اولاد کا نفقہ واجب ہونے کے لئے حسب ذیل تین شرطیں ہیں:

اول یہ کہ بچہ صغیر سن ہو اگر بالغ ہو تو اس کا نفقہ باپ پر واجب نہیں ہے۔ سوا اس صورت کے جب کہ وہ جنون زدہ یا اپاہج ہو کہ روزی نہ کما سکے۔

دوم یہ کہ وہ محتاج ہو۔ اگر کم عمر بچہ مالدار ہو گو اپاہج ہو یا جنون زدہ ہو تو اس کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ مالدار ہونے سے مراد یہ ہے کہ بقدر کفایت مال کا مالک ہو۔

سوم یہ کہ آزاد ہو اگر کسی کا مملوک (غلام) ہو تو اس کا نفقہ آقا کے ذمہ ہوگا۔

اولاد مادینہ (بیٹی) کا نفقہ باپ پر اس وقت تک واجب ہے۔ جب تک کہ اس کی شادی ہو کر خاوند پر اس کا نفقہ واجب نہ ہو جائے۔ اس کی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔ اگر شادی کے بعد بیوی کا نفقہ مقرر ہو جائے اور وہ خاوند کے پاس نہ گئی تو تب بھی کہتے ہیں کہ اس کا نفقہ باپ کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ کیوں کہ شادی کر لینا بھی ایک قسم کی کمائی ہے۔ اور اولاد پر واجب ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو کمائی کرے۔ اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے نفقہ ساقط نہ ہوگا کیوں کہ اس کو کمائی کا ذریعہ بنانا عیب میں داخل ہے جو بیٹی کی شان کے شایاں نہیں ہے۔ یہی قول مشہور ہے۔

اولاد کے نفقہ کی مقدار اتنی ہونی چاہئے جو ان کے لئے کافی ہو۔ اس میں خوراک' لباس اور سالن شامل ہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قدر ہو جس سے پیٹ بھر جائے اور لباس ضرورت کے مطابق ان کے مناسب حال ہونا چاہئے۔ اگر وہ مریض اور معذور ہوں تو دواؤں کی قیمت' طبیب کی اجرت اور ملازم کی تنخواہ بھی باپ کے ذمہ لازم ہے۔ اگر اولاد کا نفقہ باپ کے ذمہ باقی ہو تو وہ قرض متصور نہ ہوگا۔ بجز اس صورت کے جب کہ قاضی نے خود نفقہ کے لئے قرض لیا ہو یا خرچ کرنے والے کو نفقہ کے لئے قرض کا حکم دیا ہو۔ محض قاضی کا نفقہ عائد کرنا نفقہ کے تقرر اور اسے قرض قرار دیئے جانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ تاہم بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ اگر قاضی نے نفقہ کا حکم عائد کر دیا اور ادھار لینے یعنی اسے قرض قرار دیئے جانے کا حکم نہیں دیا تو وہ باپ کے ذمہ قرض ہو جائے گا اور ساقط نہ ہوگا۔

ماں کے ذمہ نفقہ عائد نہیں ہوتا' البتہ اس پر لازم ہے کہ بچہ کی پیدائش کے ابتدائی ایام میں کچھ عرصہ تک وہ دودھ پلائے کیوں کہ جب تک کہ پہلے پہل بچہ ماں کا دودھ نہ پئے بالعموم وہ زندہ نہیں رہتا۔ لیکن بیوی کو حق ہے کہ وہ دودھ

Marfat.com

باپ دادا اور قرابت داروں کے نفقہ کا بیان

باپ دادا اور قرابت داروں کے نفقہ کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

پلانے کی اجرت کا مطالبہ بچہ کے باپ سے کرے بشرطیکہ اس کی اجرت ہوتی ہو۔ اگر کوئی اجنبی عورت ایسی ہو جو بچہ کو دودھ پلا دے تو ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اگر عورت خود دودھ پلانا چاہے تو اجنبی عورت سے بہتر ہے اگرچہ مثالی اجرت وصول کرے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ باپ پر اولاد کا نفقہ واجب ہونے کی چند شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ اولاد محتاج ہو۔ اگر اولاد صاحب توفیق ہو تو باپ کو اس پر خرچ کرنا واجب نہیں ہے۔ اولاد کا صاحب توفیق ہونا یہ ہے کہ وہ روزی کمانے اور اپنے اوپر خرچ کرنے کے لائق ہو یا اولاد مال کی مالک ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ باپ یا اس شخص کے پاس جس پر نفقہ کی ادائیگی واجب ہے' اپنی اور خادم کی ضروریات کے علاوہ اتنا کچھ ہو کہ وہ اولاد پر خرچ کر سکے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ باپ اور اولاد دونوں آزاد ہو۔ اگر باپ یا بیٹا غلام ہو تو ایک کا نفقہ دوسرے پر واجب نہیں۔

اگر باپ نادار ہو اور اس کا بیٹا خوشحال ہو تو بیٹے پر لازم ہے کہ وہ اپنے محتاج باپ اور چھوٹے بھائی بہنوں پر اور باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) پر خرچ کرے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ باپ دادا کو اوپر کی نسل میں ہوں' ان کا نفقہ ان کی اولاد پر واجب ہے۔ پس لازم ہے کہ بیٹا' اپنے باپ' دادا اور پڑدادا پر خرچ کرے اور نانا پر بھی درآنحالیکہ وہ محتاج ہوں اور باپ پر یہ لازم نہیں ہے وہ روزی کما کر لائے جب کہ بیٹے پر یہ لازم ہے۔ اس حکم میں ماں بھی باپ کی مانند ہے۔ اگر بیٹا (ماں باپ) دونوں میں سے صرف ایک کے لئے نفقہ فراہم کر سکتا ہے' تو ماں کو باپ پر فوقیت دی جائے گی۔ اگر بیٹا یہ کہتا ہے کہ باپ خوش حال ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس دعوے کو شہادت سے ثابت کرے۔ اگر کوئی گواہ نہ ہو تو باپ جو کچھ کہے اسے تسلیم کیا جائے گا۔ اگر بیٹا اور بیٹی دونوں خوشحال ہیں تو بقول معتمد دونوں کو بمقدار مساوی باپ کا نفقہ ادا کرنا ہوگا۔ اگرچہ ان دونوں میں سے ایک مالدار ہو۔ ہاں اگر دونوں میں بہت زیادہ فرق ہو تو چاہئے کہ باپ کے نفقہ میں اس بیٹے کا حصہ زیادہ ہو جو بہت خوشحال ہے اور صاحب توفیق بیٹے پر لازم ہے کہ اپنے باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) کو نفقہ دے اور سوتیلی ماں کا نکاح کر دینا بھی اس پر امر واجب ہے اگر باپ کی کئی بیویاں ہوں تو بیٹے پر صرف ایک بیوی کا نفقہ واجب ہے۔

قرابت داروں کے نفقہ میں حق وراثت کو ملحوظ نہیں رکھا جائے گا بلکہ قریب ترین رشتہ داری اور جزو خاندان ہونے (یعنی نسبی قرابت) کو دیکھا جائے گا۔ اگر ولادت کی بناء پر کوئی جزو ہے مثلاً پسری یا پدری حیثیت میں ہے اور محتاج ہے تو وہ نفقہ کا حقدار ہے اور اس کا نفقہ صاحب توفیق قرابت دار پر واجب ہے اور نسبی رشتہ کو دوسرے رشتوں پر فوقیت ہوگی۔ نسبی رشتہ کے بعد قریب ترین رشتہ دار کو مقدم رکھا جائے گا مثلاً اگر ایک شخص کی اولاد میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے تو دونوں باپ کا نفقہ نصف نصف ادا کریں گے کیوں کہ وہ دونوں باپ کے جزو ہیں اور رشتہ میں یکساں قریب ترین ہیں اگرچہ ورثہ

Marfat.com

میں ان کے حصے مختلف ہیں۔ اگر ایک بیٹا اور ایک پوتا ہے تو (ادائے نفقہ کے بارے میں) بیٹے کو پوتے پر فوقیت حاصل ہوگی کیوں کہ بیٹا رشتہ میں پوتے سے زیادہ قریب ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص کی بیٹی اور اس کا پوتا ہے تو بیٹی نفقہ کی ذمہ دار ہوگی کیوں کہ وہ رشتہ میں باپ سے قریب تر ہے۔ اگر بیٹی ہے اور حقیقی بھائی ہے تو صرف بیٹی کے ذمہ نفقہ ہوگا۔ کیوں کہ وہ باپ سے قریب تر ہے اور اس کا جز و بھی۔ اگر کسی کا بیٹا عیسائی ہے اور اس کی بہن بھی ہے تو اس کا نفقہ اس بیٹے کے ذمہ ہوگا اگر چہ وہ وارث نہیں ہے اسی طرح اگر نواسا اور حقیقی بھائی ہے تو نانا کا نفقہ نواسے کے ذمہ ہوگا حالانکہ حقیقی بھائی کی موجودگی میں نواسا وارث نہیں ہوتا۔

اگر ایک شخص کا باپ ہے اور بیٹا بھی' یہ دونوں قرابت نسبی اور جزو ہونے میں برابر ہیں۔ لہٰذا بیٹے کو ادائے نفقہ کے بارے میں اس حدیث کی بناء پر ترجیح حاصل ہوگی کہ ''انت و مالک لابیک'' (یعنی تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے)۔ یہی حیثیت ماں اور بیٹے کی ہے اگر ایک شخص کے دادا اور پوتا دونوں ہیں تو اس شخص کے نفقہ کے چھ حصوں میں سے چھٹا حصہ دادا کے ذمہ اور باقی پوتے کے ذمہ ہوگا۔ کیوں کہ قرابت کے اعتبار سے دونوں مساوی ہیں ان دونوں اور اس شخص کے درمیان ایک سا فاصلہ ہے چنانچہ اس کے اور دادا کے درمیان باپ ہے اور اس کے اور پوتے کے درمیان بیٹا ہے۔ اس لحاظ سے کوئی امر موجب ترجیح نہیں ہے تو اب مقدار نفقہ کی تقسیم ان دونوں میں ان کے حقوق وراثت کی بناء پر کی جائے گی۔ اگر ایک شخص کا بیٹا اور پوتا ہے تو بیٹے کے ذمہ نفقہ ہوگا کیوں کہ وہ پوتے سے زیادہ قریبی ہے غرض قرابت داری جڑ کی ہو یا شاخ کی' نفقہ پہلے قریب ترین رشتہ دار پر واجب ہوگا اس کے بعد دوسرے رشتہ داروں کو دیکھا جائے گا اور ان میں وارث کو مقدم رکھا جائے گا۔ تاہم یہ بتایا جا چکا ہے کہ قریب ترین رشتہ دار اگر خود محتاج ہو تو دوسرے صاحب توفیق قریب ترین پر نفقہ کی ذمہ داری ہوگی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ (مطالبہ نفقہ کے لئے) سب سے پہلے اصول وفروع (یعنی جڑ یا شاخ کے رشتہ داروں) کو دیکھا جائے گا۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس کو عمودی سلسلہ نسب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس میں پہلے قریب ترین کو اس کے بعد دوسرے قریب ترین کو مقدم رکھا جائے گا۔ جیسا کہ بیان کیا گیا۔ اگر قرابت کے مدارج میں سب برابر ہوں جیسے دادا اور پوتا تو ان دونوں میں نفقہ کی مقدار کو وراثت کے حساب سے تقسیم کر کے ادائیگی کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا اور اگر کوئی اور سبب وجہ ترجیح ہو تو ان میں سے جسے ترجیح حاصل ہے اس کو (ادائے نفقہ کے لئے) کہا جائے گا۔ مثلاً ایک محتاج شخص کا باپ بھی ہے اور بیٹا بھی تو قرابت کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں لیکن بیٹے کو حدیث مذکور ''انت و مالک لابیک'' کی رو سے ترجیح حاصل ہے پھر اگر قریب ترین رشتہ دار خود محتاج ہے (یعنی نفقہ نہیں دے سکتا) تو اس کے بعد ادائے نفقہ کی ذمہ داری اس کے قریب ترین (صاحب توفیق) رشتہ دار کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ چنانچہ یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ اگر خاوند محتاج ہو اور اس کی بیوی کے ماموں یا چچا ہوں یا اس کے خاوند کا کوئی بیٹا کسی اور بیوی سے ہو یا اس کا بھائی ہو تو بیوی کو حق ہے کہ اپنا نفقہ ان میں سے کسی سے وصول کر لے اور جب خاوند کو توفیق ہو تو جو کچھ اس نے لیا ہے' اس سے وصول کیا جائے۔ اسی طرح اگر بیوی کے لڑکے ہوں اور ان کا سوتیلا بھائی ہے یا چچا ہے تو بیوی کو حق ہے کہ ان میں سے جس سے بھی چاہے بلا امتیاز نفقہ وصول کر سکتی ہے کیوں کہ اس حالت میں اس کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہے اور بقول معتمدان سب کی حیثیت قرض دینے والوں

Marfat.com

کی سی ہے۔ یعنی ان میں سے جس سے چاہے بیوی (اپنا نفقہ) بطور قرض لے سکتی ہے۔ اس کا تعلق اس مسئلہ سے نہیں ہے جس کا یہاں پر ذکر ہے۔ یہاں پر ذکر یہ ہے کہ نفقہ کس پر فرض ہے۔ نفقہ بجز قرابت داروں کے اور کسی پر فرض نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ وہ صاحب توفیق ہوں اور ہر شخص پر بیوی اور اولاد کا نفقہ فرض ہوتا ہے۔ یعنی اگر باپ اور خاوند خود محتاج ہوں تو (وجوب نفقہ کے بارے میں ان) کا صاحب توفیق ہونا شرط نہیں ہے (یعنی بہر حال نفقہ اولاد و زوجہ ان کے ذمہ واجب ہوتا ہے) اور ائمہ احنف کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ صاحب توفیق ہونے کی تعریف کیا ہے جس سے والدین یا قرابت داروں کا نفقہ واجب ہوتا ہے؟ بعض اصحاب نے اس کی تعریف یہ بتائی ہے کہ لڑکا نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو (یعنی اس قدر مال رکھتا ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے) اور بعض اصحاب کہتے ہیں کہ صاحب توفیق ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ شخص اس قدر مال کا مالک ہو کہ اسے اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے بعد خیرات کا لینا حرام ہو۔ پس اگر کوئی شخص نصاب زکوٰۃ سے کم مال کا مالک ہے تب بھی صاحب توفیق قرار دیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ بعض اصحاب نے اس بارے میں تفصیل سے کام لیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر لڑکا کاشتکار یا تاجر ہے کہ مال کو جمع رکھ سکتا ہے تو اسے صاحب توفیق مانا جائے گا بایں طور کہ اس کے پاس اتنا کچھ ہو کہ اس کے اور اس کے بال بچوں کے ایک ماہ کا خرچ پورا ہو سکے۔ اگر اس سے زیادہ ہو تو وہ (نفقہ کے) حق دار کو دے سکتا ہے۔ اگر وہ ان لوگوں میں سے ہے جو یومیہ اجرت پر کام کرتے ہیں اس کا صاحب توفیق ہونا یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا ہو کہ اس کے اور اہل وعیال کے روزانہ خرچ سے کچھ بچ رہے تو وہ اپنے محتاج قرابت دار کو دے دے۔ مثلاً اگر شخص کی یومیہ اجرت دس ہے اور اس کے عیال کے لئے سات کافی ہیں تو بیٹے پر واجب ہوگا کہ تین اپنے (محتاج) ماں باپ پر خرچ کرے اہل تحقیق نے روزانہ کی کمائی کے بارے میں اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ اگر بیٹا محتاج اور عیالدار ہے اور اس کا باپ روزی کمانے کے قابل ہے تو اسے بیٹے کا خرچ اٹھانے کا حکم نہیں دیا جائے گا' لیکن اس کے برعکس اگر باپ معذور ہے تو اسے کہا جائے گا کہ وہ باپ کو اپنے عیال میں شامل کر لے تاکہ سب ایک ساتھ کھانا کھائیں اور باپ کوفت سے نجات پائے۔ اس بارے میں ماں کی بابت وہی حکم ہے جو روزی کمانے سے معذور باپ کا ہے۔

واضح ہو کہ جس طرح نیچے اور اوپر نسلی قرابت داروں کا نفقہ واجب ہے اسی طرح ازدواجی (سسرالی) رشتہ داروں کا نفقہ بھی واجب ہے۔ اس کے لئے دو شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ نفقہ کا حق دار اگر مرد ہے تو صغیر سن اور محتاج ہو۔ اگر عورت ہے تو محتاج ہو' اگرچہ بالغ ہو۔ اگر مرد بڑا ہے جو روزی کما سکتا ہے اس کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ ہاں اگر ایسا معذور ہو کہ روزی نہ کما سکے یا مستقل تعلیم حاصل کر رہا ہو تو وہ نفقہ کا مستحق ہے اگر عورت مال دار ہے یا ہنر مند ہے کہ روزی کما سکتی ہے۔ مثلاً استانی یا دائی تو وہ بھی نفقہ کی حق دار نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص روزی کمانا بالکل نہیں جانتا اور کوئی ہنر نہیں آتا یا اسے کوئی ایسی تکلیف لاحق ہے تو وہ نفقہ کا مستحق ہے۔ کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں میں وہ بھی شامل ہیں جو اعلیٰ خاندان کا فرد ہو جو نہ خدمت گاری کر سکتا ہے اور نہ کوئی گھٹیا قسم کا پیشہ اختیار کر سکتا ہے (تو وہ بھی نفقہ کا مستحق ہے) لیکن بعض فقہاء نے اس خیال کی تردید کی ہے۔ کیوں کہ انسان ہر بات سے قطع نظر خود روزی کمانے کا ذمہ دار ہے۔ بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ علیہم کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ وہ بازاروں میں

Marfat.com

پنیراور دودھ فروخت کرتے پھرتے تھے تاکہ اپنی روزی کمائیں۔ یہ کہنا بے معنی ہے کہ اس وقت ان کاموں کے کرنے میں کوئی عیب نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کام انسانی خوداعتمادی کی بقاء کے لئے باعث شرف ہے۔ یہ درست نہیں ہے کہ طاقت اور کمانے کی قدرت رکھنے والے کو دوسروں کی کمائی پر بسر کرنے کے لئے کہا جائے۔ بلکہ اسے کہا جائے کہ تازندگی کام کرے تاکہ اس میں قوت پیدا ہو۔ انسان بسااوقات اپنی جدوجہد کی بدولت ثروت حاصل کرلیتا ہے۔

حاجت مند معذور جسے نفقہ دینا واجب ہے اس کو کہتے ہیں جو خیرات کا مستحق ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ نفقہ دینے والا صاحب توفیق ہو۔ پس رشتہ داروں کو نفقہ دینا اس کے سوا کسی پر واجب نہیں جو صاحب توفیق ہو اور نفقہ دے سکتا ہو اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ماسوائے اولاد صغیر سن اور بیوی کے باقی تمام (محتاج) قرابت داروں کا نفقہ صرف اس پر واجب ہے جو صاحب توفیق ہے اور خرچ کرسکتا ہے۔ ایسے شخص کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ مستحق قرابت داروں پر خرچ کرے اور بقول معتمد اس کے لئے اسے قید میں رکھا جاسکتا ہے۔

اگر ایک محتاج شخص کے متعدد رشتہ دار ہیں تو انہیں حقوق وراثت کے مطابق اس شخص کے نفقہ کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص کی حقیقی بہن اور باپ شریک اور ماں شریک بہنیں ہیں تو اس شخص کے نفقہ کی ذمہ داری ان کے حقوق میراث کے مطابق جو اس شخص کی وفات کے بعد ہوتے' ڈالی جائے گی۔ اس طرح کہ حقیقی بہن کو نصف' باپ شریک بہن کو چھٹا حصہ اور ماں شریک بہن کو بھی چھٹا حصہ دینا ہوگا۔ پس نفقہ واجب کو چھ حصے کرکے سب پر ڈالا جائے گا کیونکہ دینے والوں میں چھٹے حصہ کے حق دار ورثاء ہیں۔ پس حقیقی بہن پر آدھا (یعنی تین حصے) اور باپ شریک بہن پر چھٹا حصہ اور ماں شریک بہن پر بھی چھٹا حصہ لازم ہوگا اور ایک حصہ جو باقی رہا وہ اس حساب سے انہیں واپس کردیا جائے گا۔ اس حساب سے حقیقی بہن کے ذمہ تین خمس ماں شریک بہن کے ذمہ ایک خمس باپ شریک بہن کے ذمہ بھی ایک خمس لازم ہوگا۔ اگر ایک (محتاج) شخص کے حقیقی بھائی' ماں شریک بھائی اور باپ شریک بھائی ہیں تو ماں شریک بھائی پر چھٹا حصہ اور باقی حقیقی بھائی پر عائد ہوگا۔ باپ شریک بھائی کے ذمہ کچھ نہ ہوگا کیوں کہ وہ وارث نہیں ہے اور حقیقی بھائی کی موجودگی میں ورثہ کا حق دار نہیں ہوتا۔ اگر ایک شخص کے بھائی بہنوں کے علاوہ ایک بیٹا بھی ہے جو محتاج ہے تو یہ بیٹا بحیثیت وارث ہونے کے ان بہنوں کو نفقہ کی ذمہ داری سے بری نہیں کرے گا۔ بلکہ (محتاج ہونے کے باعث) اسے متوفی (کالعدم) تصور کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ روزی کمانے کے لائق ہے تو اسے کمانے کھانے اور باپ پر خرچ کرنے کے لئے حکم دیا جائے گا۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اگر بیٹا معذور ہے تو باپ کا نفقہ اس کی حقیقی پھوپھی یا چچا کے ذمہ ہوگا۔ کیوں کہ محتاج باپ متوفی (کالعدم) کی مانند ہوتا ہے' لہٰذا اس کے چچا یا پھوپھی کو وارث تصور کیا جائے گا۔ اگر ایک محتاج شخص کی بہنوں یا اس کے بھائیوں کے ساتھ ایک بیٹی بھی ہے تو اسے باپ کے نفقہ کی ذمہ داری تمام حقیقی رشتہ داروں کے ذمہ ہوگی۔ کیوں کہ بیٹی حقیقی پھوپھی اور حقیقی چچا کی موجودگی میں بھی وارث ہوتی ہے اور اس کی موجودگی میں حقیقی رشتہ داروں کے علاوہ سب رشتے ساقط ہوجاتے ہیں۔ اس صورت میں بیٹی کو (وجوب نفقہ کے بارے میں) کالعدم تصور نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ کالعدم اس کو تصور کیا جاسکتا ہے جو پورے ورثہ کا حق دار ہوتا ہے جیسے بیٹا' پورا ورثہ بیٹی کو نہیں ملتا وہ دوسرے کے ساتھ شریک وارث ہوتی ہے۔

اگر ایک شخص نفقہ کا حق دار (محتاج) ہے اور اس کی ماں خوشحال اور بہن بھی خوشحال ہے لیکن اس کی باپ شریک

Marfat.com

بہن اور ماں شریک بہن محتاج ہیں تو اس کی میراث اس طرح تقسیم ہوگی کہ حقیقی بہن کو نصف' ماں کو چھٹا حصہ' باپ شریک بہن کو چھٹا حصہ اور ماں شریک بہن کو بھی چھٹا حصہ۔ اس طرح ماں اور سگی بہن کو چار حصے ملیں گے۔ پس اس محتاج شخص کے نفقہ کی ذمہ داری بھی ان دونوں کے درمیان چوتھائی حصوں میں تقسیم کی جائے یعنی ایک چوتھائی حصہ ماں کے ذمہ اور تین چوتھائی حقیقی بہن کے ذمہ۔ یہی عمل دوسری صورتوں میں بھی ہوگا۔

معلوم ہونا چاہئے جن رشتہ داروں پر نفقہ عائد ہوتا ہے ان کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ نسلی رشتہ دار اور محرم ہوں لہٰذا ایک شخص کا نفقہ چچا کی بیٹی (یعنی چچازاد بہن) پر واجب نہیں ہے کیوں کہ اگرچہ وہ نسلی رشتہ دار ہے لیکن غیر محرم ہے۔ (محرم وہ ہوتا ہے جس سے شادی حرام ہو) اور دودھ کے رشتہ والے قرابت دار (یا محرم) نہیں ہوتے لہٰذا ان پر (دودھ کے رشتہ داروں کا) نفقہ واجب ہے اور نہ وہ ان سے نفقہ لینے کے حق دار ہیں۔

واضح ہو کہ اگر رشتہ دار (محتاج) مختلف مذہب رکھتا ہو تو اس کا نفقہ مختلف مذہب رکھنے والے پر واجب نہیں ہے بجز اس صورت کے جب کہ وہ بیوی ہو یا اس کے اصول و فروع میں سے ہو۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی اہل کتاب عورت سے شادی کر لی تو اس عورت کا نفقہ اس شخص پر واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کا باپ مسلمان ہو اور وہ شخص ذمی (مسلمان حکومت کی کافر رعایا) ہو یا اس کے برعکس ایسی صورت میں ان میں سے ہر ایک کا نفقہ دوسرے پر واجب ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ والدین کا نفقہ ان کی اولاد پر واجب ہے۔ جس کے لئے حسب ذیل چند شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ لڑکا آزاد ہو۔ اولاد غلام ہو تو اس پر نفقہ واجب نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ماں باپ دونوں محتاج ہوں اور اس قدر روزی کمانے کے قابل نہ ہوں جو ان کے لئے کافی ہو سکے۔ اگر ان میں سے کچھ حصہ کمانے کے قابل ہوں تو بقیہ نفقہ کا پورا کرنا اولاد پر لازم ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ روزی کمانے سے عاجز ہوں۔ اگر وہ کما سکتے ہوں تو اولاد پر ان کا نفقہ واجب نہیں ہے اور انہیں خود اپنی روزی کمانے پر مجبور کیا جائے گا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ لڑکا عملاً صاحب توفیق ہو۔ اگر صاحب توفیق ہو سکتا ہو (سردست توفیق نہ ہو) یعنی روزی کمانے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اسے ماں باپ پر خرچ کرنے کے لئے کمانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح باپ کو بھی بیٹے کا نفقہ دینے کی خاطر کمانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ ان کے محتاج ہونے کا ثبوت دو معتبر گواہوں کی شہادت سے ہو گیا ہو ایک معتبر شخص کی گواہی اور یا قسم کافی نہیں ہے۔ اسی طرح ایک معتبر مرد اور دو عورتوں کی شہادت بھی کافی نہیں ہے۔ اگر بیٹا محتاج ہونے کا دعویٰ کرے تو آیا اسے خود کو لازم ہے کہ گواہوں سے ثابت کرے یا ان دونوں پر لازم ہے؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ثبوت بہم پہنچانا بیٹے کے ذمہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ماں باپ ہی کے ذمہ ہے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ بیٹے کے پاس اس کی اپنی' بال بچوں کی' مویشی کی اور خدمت گار کی جو فی الواقع اس کو درکار ہے' کی ضرورت سے زیادہ ہو۔ اگر ان کی ضروریات سے فاضل نہ ہو تو بیٹے پر ماں باپ کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ نفقہ واجب ہونے کے لئے مسلمان ہونا ضروری نہیں۔ پس کافر باپ کا نفقہ اس کے مسلمان بیٹے پر اور اس کے برعکس جواب ہے۔

Marfat.com

واضح ہو کہ صاحب توفیق بیٹے پر والدین کے ملازم کا خرچ بھی واجب ہے گو ماں باپ کو ان کی ضرورت نہ ہو۔ اس کے برعکس بیٹے کے خدمت گار کا نفقہ باپ پر واجب نہیں ہے۔ اسی طرح سوتیلی ماں کے نوکر کا خرچ بھی بیٹے پر واجب ہے (بشرطیکہ ماں خدمات گار کی) مستحق (یا محتاج) ہو۔ اسی طرح باپ کی سلامت روی کے لئے ضروری ہو تو ایک بیوی یا زیادہ بیویوں سے شادی کر دینا بھی واجب ہے شادی کے ضروری ہونے کے بارے میں باپ کی بات کو تسلیم کیا جائے گا۔ بیٹے پر واجب ہے کہ باپ کی ان تمام بیویوں کا نفقہ اٹھائے جو باپ کی سلامت روی کے لئے ضروری ہیں۔ خواہ کئی بیویاں ہوں اگر ایک ہی بیوی کافی ہو لیکن باپ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کر لے تو بیٹے پر صرف ایک بیوی کا خرچ واجب ہے اور اس بارے میں کہ بیٹا کون سی بیوی کا نفقہ برداشت کرے یا باپ کا کہنا مانا جائے گا در آنحالیکہ ان بیویوں میں سے کوئی اس لڑکے کی ماں نہ ہو۔ اگر ان میں سے کوئی اس کی ماں ہے تو صرف اس کے نفقہ کا ذمہ دار ہوگا' اگرچہ وہ بیوی مال دار ہو۔ والدین کے سوا دوسرے رشتہ داروں کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ دادا' دادی' نانا' نانی کا نفقہ واجب نہیں ہے اسی طرح دادا' نانا پر اپنے پوتے نواسے' وغیرہ کا نفقہ واجب نہیں ہے۔

اگر ایک شخص کی ماں کسی محتاج شخص سے شادی کر لے تو ماں کا نفقہ بیٹے کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ اگر ایک شخص کے کئی بیٹے ہوں اور سب خوشحال ہوں تو نفقہ کی ذمہ داری ان کی حیثیتوں کے مطابق ہر ایک پر تقسیم کر دی جائے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ والدین کا نفقہ ان کی اولاد پر واجب ہونے کی شرط حسب ذیل ہے:

پہلی شرط یہ ہے کہ ماں باپ محتاج ہوں یعنی ان کے پاس روٹی' سالن اور حیثیت کے لائق مکان نہ ہو۔ اس بارے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ ضرورت سے زیادہ شکم سیر کیا جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اولاد نرینہ نہ ہو یا دینہ وہ جس کمائی کے لائق ہے اس کے ذریعہ صاحب توفیق ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اولاد کے پاس اس کی بیوی بچوں کی ایک دن اور ایک رات کی ضروریات سے زیادہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس پر نفقہ واجب نہیں ہے۔ اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ والدین روزی کمانے سے عاجز ہوں۔ اسی طرح ان کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ اگر ماں باپ کافر ہوں اور اولاد مسلمان ہو یا صورت حال اس کے برعکس ہو تب بھی اولاد پر نفقہ واجب ہوگا۔ بیٹے پر یہ بھی واجب ہے کہ باپ کو پریشان خیالی سے بچانے کے لئے باپ کی شادی کر دے اور اس کی بیوی کا خرچ برداشت کرے۔ اس کے برعکس باپ پر یہ واجب نہیں ہے کہ بیٹے کی شادی کرے۔ تاہم باپ کی شادی کے لئے یہ ضروری ہے کہ اولاد آزاد اور خوشحال ہو اور باپ بھی آزاد ہو اور شادی ضروری ہو کہ شادی کے بغیر نہ رہ سکتا ہو۔ اس بارے میں باپ کا قول بغیر قسم کھائے تسلیم کر لیا جائے گا تاہم باپ کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی شادی کا مطالبہ کرے۔ جب تک کہ اسے حقیقی معنوں میں شادی کی ضرورت محسوس نہ ہو اور یہ کہ شادی کا نہ ہونا اس کے لئے ضرر رساں ہو۔ اگر باپ کی حالت اس کی ناتوانی (یا شادی کا نااہل ہونا) ظاہر ہو مثلاً یہ کہ اس کے اعضاء شل اور سست ہو گئے ہوں تو اس کا مطالبہ شادی تسلیم نہیں کیا جائے گا یا پھر اس سے قسم لی جائے کہ فی الواقع اسے بیوی کی ضرورت ہے اور بیٹی اسے کوئی کنیز خرید دے یا آزاد عورت کا مہر دے دے تو درست ہے۔ اگر باپ کی متعدد اولاد ہوں تو بقول معتمد اس کے تحفظ کردار اور اخراجات کی ذمہ داری اولاد کے حقوق وراثت کی نسبت سے اولاد پر ڈالی جائے گی۔ چنانچہ اگر اولاد میں

Marfat.com

حضانت (بچے کی پرورش) کا بیان

حضانت کی تعریف۔ حضانت کا حق دار

لفظ حضانت حرف حا کے زیر اور زبر کے ساتھ۔ دونوں طرح درست ہے۔ لیکن بالفتح زیادہ مشہور ہے لغت کی رُو سے یہ فعل ''حضنت الصغیر حضانةً'' (یعنی اس نے بچے کا خرچ برچ اور پرورش کا بار برداشت کیا) کا مصدر ہے۔ اس کا مادہ ''حضن'' بکسر 'حا' ہے جس کے معنے آغوش کے ہیں اور ''حاضنہ'' (پرورش کرنے والی) اس کو کہتے ہیں جو بچے کو اپنی آغوش میں پالتی ہے۔ اصطلاح شرع میں اس کے معنے صغیر سن بچے' عاجز' مجنون یا ہوش باختہ کو حتی المقدور مضرتوں سے بچانا اور اس کی اصلاح و تربیت مثلاً صاف ستھرا رکھنا' کھانا پلانا اور ضروریات راحت کا خیال رکھنا۔ ہے۔

بیٹے اور بیٹیاں ہوں تو باپ کے اخراجات اور تحفظ کردار پر بیٹوں کے خرچ کرنے کا حصہ بیٹیوں سے دگنا ہوگا اگر حقوق وراثت میں نفقہ دینے والے سب برابر ہیں تو باپ کے اخراجات کی مقدار ان سب پر یکساں عائد ہوگی۔ گو خوشحالی کے اعتبار سے ان میں فرق ہو ایک کے پاس دوسرے سے مال زیادہ ہو یا ایک کی کمائی دوسری سے بہت اچھی ہو۔ اگر ان اولاد میں سے کوئی موجود نہ ہو تو اس کے مال سے باپ کا خرچ پورا کیا جائے۔ اگر اس کا مال دستیاب نہ ہو تو اس کے حصہ کا مال نفقہ بشرط ممکن کسی سے قرض لے لیا جائے۔ اگر قرض لینا ممکن نہ ہو تو حاکم شرع موجود الوقت میں سے کسی کو حکم دے گا کہ وہ بعد میں غیر موجود اولاد سے یا اس کے مال سے وصول کرنے کے ارادہ سے سر دست باپ پر خرچ کرے۔

واضح ہو کہ نفقہ (خاندان کی) جڑ اور شاخ دونوں طرح کے قرابت داروں پر واجب ہے۔ مثلاً دادا پڑدادا ہوں یا بیٹا' پوتا وغیرہ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اولاد پر واجب ہے کہ وہ اپنے والدین پر خرچ کرے خواہ وہ اوپر کے درجہ کے ہوں (جیسے دادا پڑدادا وغیرہ) اسی طرح باپ پر واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد پر خرچ کرے خواہ وہ نیچے درجہ کے ہوں (جیسے پوتا پڑپوتا وغیرہ)۔ یہ خرچ (نفقہ) عام دستور کے مطابق ہوگا اس کے (واجب ہونے کی) تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ جن پر خرچ کیا جاتا ہے وہ محتاج ہوں یعنی نہ ان کے پاس مال ہو نہ اتنی روزی کما سکتے ہوں کہ خرچ کی طرف سے بے فکر ہو جائیں۔ اگر کافی مال کے مالک ہوں یا بقدر کفایت روزی کما سکتے ہوں تو انہیں نفقہ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔ اگر ان کے پاس اتنا ہو کہ ان کی کچھ ضروریات پوری ہو جائیں تو اس کی کو بقدر کفایت پورا کرنا واجب ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ خرچ کرنے والے کے پاس اتنا ہو کہ خرچ کر سکے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کے پاس اپنے اور اپنی بیوی کے اخراجات سے زیادہ ہو۔ یہ زیادتی اس کے مال میں ہو یا کمائی میں۔ جسے کچھ نہ بچتا ہو اس پر نفقہ دینا واجب نہیں ہے۔

Marfat.com

حق حضانت (بچے کی پرورش) کا حق دار ہونے کے بارے میں مسالکِ مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

تیسری شرط یہ ہے کہ خرچ کرنے والا اس شخص کا وارث ہو جس پر خرچ کیا جائے۔ خواہ وہ وراثت شرع کے مقرر کردہ حصہ کے مطابق حاصل ہو یا غیر نسبی رشتہ دار کی بناء پر۔ اگر نسبی رشتہ داری کی بناء پر ہو تو نفقہ بہر حال واجب ہوگا اگرچہ وارث نہ ہو۔ پس بیٹے پر واجب ہے کہ وہ اپنے محتاج باپ اور اپنے باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) پر اور اپنی صغیر سن بہنوں پر خرچ کرے اگر خرچ کے ذمہ دار کئی قرابت دار ہوں تو ان کے حقوق وراثت کے مطابق ان پر نفقہ کی ذمہ داری عائد ہوگی۔ چنانچہ اگر ایک شخص کی ماں ہو اور دادا ہو تو ماں پر ایک تہائی نفقہ کی ذمہ داری ہوگی اور باقی کا ذمہ دار دادا ہوگا۔ کیوں کہ اس حالت میں ماں تیسرے حصہ کی وارث ہے اور باقی ورثہ کا حق دار دادا ہے۔ اگر ایک شخص کی دادی اور حقیقی بھائی یا باپ شریک بھائی ہے تو اس شخص کا نفقہ دادی کے ذمہ چھٹا حصہ ہوگا اور باقی نفقہ بھائی کے ذمہ ہوگا۔ اگر اس شخص کی ماں اور بیٹی ہیں تو اس شخص کے ذمہ نفقہ کی ذمہ داری چوتھائی کے حساب سے ان میں تقسیم کی جائے گی۔ یعنی نفقہ کا ایک چوتھائی ماں کے ذمہ ہوگا اور باقی نفقہ کی ذمہ دار بیٹی ہوگی۔ کیوں کہ بیٹی کو بطور نصاب نصف اور ماں کو چھٹا ملتا ہے اور اس طرح جو نفقہ باقی بچے گا وہ انہیں لوٹا دیا جائے گا۔ اس میں سے ماں کا چوتھائی حصہ پورا کیا جائے گا اور باقی بیٹی لے لے گی۔ اسی طرح دوسری صورتوں میں بھی نفقہ کی ذمہ داری تقسیم کر دی جائے گا لیکن باپ اس سے مستثنیٰ ہے۔ وہ نفقہ کے بارے میں منفرد ہے۔ اور دوسرے رشتہ دار تو نفقہ کے مستحق ہیں اور نہ ادائے نفقہ کے ذمہ دار ہیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ بچے کی پرورش کرنے (یا پالنے) کا کام قرابت داروں کے لئے ثابت ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت ہوں۔ حق تربیت کے بارے میں حسب ذیل تربیت کو ملحوظ رکھا جائے گا:

تمام اشخاص میں سب سے زیادہ حضانت (پرورش) کا حق ماں کو ہے خواہ وہ ماں باپ کی زوجیت میں ہو یا طلاق یافتہ ہو۔ ماں کے بعد نانی اور اس کے آگے پڑنانی وغیرہ حق دار ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ نانی اس قابل ہو کہ بچہ کی پرورش کر سکے۔ مگر نانی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی نواسی کی پرورش اپنی اس بیٹی کے گھر میں کرے جس نے شادی کر لی ہو کیوں کہ اس کی بیٹی کا خاوند اس بچے کا دشمن ہوگا۔ ایسی صورت میں باپ کو حق ہے کہ وہ بچے کو اس کی نانی سے واپس لے لے۔ اگر نانی وفات پا جائے یا کسی ایسے شخص سے شادی کر لے جو بچے کا قرابت دار نہ ہو تو پرورش کا حق (نانی سے) منتقل ہو کر دادی کو حاصل ہو جائے گا خواہ وہ اوپر کی کڑی میں ہو یعنی پڑدادی وغیرہ ہو۔ لیکن اگر نانی نے کسی قرابت دار سے شادی کی ہے مثلاً نانی نے بچے کے دادا سے شادی کر لی تو وہ حق پرورش ساقط نہ ہوگا۔ پھر اگر دادی وفات پا جائے یا شادی کر لے تو حق پرورش سگی بہن کو منتقل ہو جائے گا۔ اس کے بعد حقیقی بھانجی۔ پھر ماں شریک بہن کی بیٹی کو اسی تربیت سے حاصل ہوگا' اس تربیت میں حنفیہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے ان کے علاوہ دوسرے حق داروں کی تربیت میں اختلاف ہے' مثلاً اگر خالہ اور باپ شریک بہن ہیں تو کہا جاتا ہے کہ باپ شریک بہن کو فوقیت حاصل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ خالہ کو فوقیت ہے لیکن باپ شریک بہن کی بیٹی اور خالہ کے درمیان صحیح قول یہ ہے کہ خالہ زیادہ بہتر ہے اور خالاؤں میں' باپ اور ماں شریک خالہ مقدم ہے جو ماں کی حقیقی رشتہ دار ہے پھر ماں شریک خالہ اس کے بعد باپ شریک خالہ کا حق ہے۔ اور بھتیجیوں کو

Marfat.com

پھوپھیوں پر فوقیت حاصل ہے۔ پھر حقیقی پھوپھی اس کے بعد ماں شریک پھوپھی۔ ان سب کے بچہ کو حقیقی ماں کی خالہ کے سپرد کیا جائے گا۔ پھر ماں کی ماں شریک خالہ پھر باپ شریک خالہ کا حق ہے۔ اس کے بعد ماں کی پھوپھی کو اسی ترتیب سے حق حضانت حاصل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مادری رشتہ داروں کو پدری رشتہ داروں پر فوقیت حاصل ہوگی۔ رہیں چچا کی بیٹیاں' ماموں کی بیٹیاں' پھوپھی کی بیٹیاں اور خالہ کی بیٹیاں سو ان کو حق حضانت نہیں ہے۔

اگر صغیر سن بچہ کے کنبہ میں مذکورہ عورتوں میں سے کوئی عورت حضانت کی حق دار نہ ہو تو حق حضانت اس کے مرد رشتہ داروں کی طرف منتقل ہو جائے گا جن میں سب سے مقدم باپ ہے پھر دادا خواہ اوپر کے سلسلہ میں ہو۔ پھر حقیقی بھائی پھر باپ شریک بھائی پھر حقیقی بھتیجا۔ پھر باپ شریک بھائی کا بیٹا۔ اسی ترتیب سے ان کے بیٹوں کے بیٹے خواہ نیچے کے سلسلہ میں ہوں۔ اس کے بعد حقیقی چچا پھر باپ شریک چچا پھر حقیقی چچازاد بھائی پھر باپ شریک چچا کا بیٹا۔ یہ سب اس صورت میں ہے جب کہ زیر تربیت اولاد نرینہ (لڑکا) ہو۔ اگر اولاد مادینہ (لڑکی) ہے تو اس کی پرورش بھتیجوں کے سپرد نہیں کی جائے گی کیوں کہ وہ اس لڑکی کے محرم نہیں ہیں۔ پھر اگر صغیر سن بچی کا پرورکنندہ بھتیجوں کے سوا کوئی نہ ہو تو اس بارے میں حاکم شرع کو غور کرنا ہوگا۔ اگر وہ مناسب سمجھے تو ان کے سپرد کر دے ورنہ کسی اور صاحب ایمان عورت کے سپرد کر دے۔

اگر کمسن بچی کی متعدد بہنیں ہوں تو بچی کو اس کی بہنوں میں جو سب سے زیادہ صلاحیت پرورش رکھتی ہے اس کے سپرد کیا جائے گا۔ اگر ان سب میں صلاحیت ہو تو جو عمر میں سب سے بڑی ہے اس کے حوالہ کی جائے۔ اسی طرح اس صورت میں جبکہ بچی کے متعدد چاچا ہوں (تو یہی عمل کیا جائے گا)۔ اگر بچی کا کوئی پدری قرابت دار نہیں ہے تو بچی کی پرورش ماں شریک بھائی کے سپرد ہوگی۔ اس کے بعد اس بھائی کا بیٹا پھر ماں شریک چچا پھر حقیقی ماموں۔ پھر باپ شریک ماموں پھر ماموں شریک ماموں کا حق ہے۔ اگر ماں شریک دادا ہو تو وہ ماموں اور ماموں شریک بھائی سے بہتر ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ کم سن بچہ لڑکا ہو یا لڑکی اس کی پرورش کا حق (رشتہ داروں کو) بموجب ترتیب ذیل حاصل ہوگا۔ ان میں سب سے زیادہ حق دار بچہ کی ماں ہے پھر نانی خواہ اوپر کے سلسلہ میں ہو (یعنی پڑنانی وغیرہ) پھر حقیقی خالہ۔ پھر ماں شریک خالہ۔ پھر ماں کی خالہ۔ پھر ماں کی پھوپھی۔ پھر باپ کی ماں۔ پھر دادی کی ماں۔ پھر دادا کی ماں۔ ان میں سے جو قریب تر ہے اسے بعید تر پر فوقیت ہوگی اور مادری رشتہ دار پدری رشتہ داروں پر مقدم ہوں گے۔ پھر باپ شریک دادی سے حق حضانت باپ کی طرف منتقل ہو جائے گا اس کے بعد بہن پھر بچہ کی پھوپھی یعنی باپ کی بہن پھر باپ کی پھوپھی یعنی دادا کی بہن پھر باپ کی خالہ پھر حقیقی بھتیجی پھر ماں شریک بھائی کی بیٹی پھر باپ شریک بھائی کی بیٹی پھر اسی ترتیب سے بھانجی حضانت کی حق دار ہوگی۔ پھر اگر یہ سب موجود ہو تو جس میں پرورش کرنے کی صلاحیت سب سے زیادہ ہو اس کو حق ہوگا۔ بعض اصحاب نے بھتیجیوں کو بھانجیوں پر ترجیح دی ہے۔ اس کے بعد حق حضانت وصی (وہ شخص جسے وصیت کی گئی ہو) کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ خواہ وصی مرد ہو یا عورت اس کے بعد حق بچے کے بھائی کی طرف منتقل ہوگا۔ پھر بھتیجا حق دار ہوگا' تاہم ماں شریک دادا کو اس پر فوقیت حاصل ہے۔ پھر چچا حق دار ہے اس کے بعد چچا کا بیٹا۔ اور قریبی رشتہ دار کو دور کے رشتہ دار پر مقدم رکھا جائے گا اس کے بعد آزاد کردہ غلام یا اس کا نسبی رشتہ دار حق دار ہے۔

Marfat.com

شافعیہ کہتے ہیں کہ پرورش اطفال کے بارے میں تین حالتیں پیش آسکتی ہیں:

پہلی حالت یہ ہے کہ قریبی رشتہ داروں میں مرد بھی ہوں اور عورتیں بھی۔ دوسری حالت یہ ہے کہ محض عورتیں ہوں۔ تیسری حالت یہ ہے کہ محض مرد ہوں۔

پہلی صورت میں ماں کو باپ پر فوقیت ہوگی پھر نانی کو اگرچہ اوپر کی کڑی میں ہو (یعنی پڑنانی وغیرہ) بشرطیکہ وہ ورثہ کی حق دار ہو۔ پس نانا کی ماں کو حق حضانت نہ ہوگا کیوں کہ وہ وارث نہیں ہوتی۔ ان کے بعد باپ کو حق ہے پھر دادی کو پھر باپ کی نانی کو خواہ اونچے درجہ میں ہو بشرطیکہ وارث ہو لہٰذا باپ کے نانا کی ماں کو حق حضانت نہیں ہے کیوں کہ وہ وارث نہیں ہوتی۔ پس اگر یہ چاروں قسم کے حق دار یعنی ماں اور نانیاں اور باپ اور دادیاں نہ ہوں اور دوسرے قرابت دار مرد و زن ہوں تو پہلے عورتوں میں سے قریب ترین پھر اس کے بعد کی قریب ترین عورت کو حق ہوگا۔ اس کے بعد قریب ترین مرد کو حق ہوگا مثلاً اگر بھائی' بہن' خالہ اور پھوپھی تو سب عورتوں میں بہن مقدم ہوگی' کیوں کہ یہی قریب ترین رشتہ دار اور مردوں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے۔ اس کے بعد مردوں میں بھائی حق دار ہے' کیوں کہ یہ خالہ اور پھوپھی سے زیادہ قریبی رشتہ رکھتے ہیں۔ اس کے بعد پھر خالہ اور پھر پھوپھی ہیں۔ اگر متعدد حق دار قرابت داری اور مرد یا عورت ہونے میں برابر ہیں۔ مثلاً عورتوں میں بہنیں اور مردوں میں کئی بھائی ہیں تو بہنوں میں قرعہ اندازی کی جائے گی جس کے نام قرعہ نکلے اسے دوسروں پر ترجیح دی جائے گی۔

دوسری حالت میں جب کہ جملہ حق دار صرف عورتیں ہوں۔ ان میں سب پر مقدم ماں ہے پھر نانیاں پھر دادیاں پھر بہنیں پھر خالہ پھر بھانجی پھر بھتیجی پھر پھوپھی پھر خالہ کی بیٹی پھر پھوپھی کی بیٹی پھر چچا کی بیٹی پھر ماموں کی پھر اور ان میں بھی حقیقی رشتوں کو غیر حقیقی رشتوں پر مقدم رکھا جائے گا۔ نیز پدری رشتہ کو مادری رشتہ پر فوقیت ہوگی۔

تیسری حالت میں جب کہ جملہ حق دار مرد ہوں۔ سب سے مقدم باپ ہے۔ پھر دادا پھر حقیقی بھائی' پھر ماں شریک بھائی۔ پھر حقیقی بھتیجا یا باپ شریک بھائی کا بیٹا۔ پھر حقیقی چچا' پھر باپ شریک چچا پھر اسی طرح چچا کے بیٹے۔ لیکن ایسی لڑکی اس کے سپرد نہ ہوگی جس سے جنسی تحریک کا امکان ہو کیوں کہ چچا کا بیٹا محرم نہیں ہے۔ پس لازم ہے کہ لڑکی کو قابل اعتبار شخص جسے چچازاد بھائی متعین کرے اس کی پرورش میں دیا جائے جیسے اس کی بیٹی۔ اگر جنون زدہ بڑی (بالغ) عورت کی کوئی بیٹی ہو تو ماں کے بعد دادیوں پر اسے فوقیت ہوگی۔ اگر لڑکی صغیر سن ہے اور اس کا خاوند ہے تو ان سب پر اس کو برتری حاصل ہے۔ بشرطیکہ وہ لڑکی مباشرت کے قابل ہوگئی ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ بچے کی پرورش کے لئے سب سے زیادہ حق دار ماں ہے پھر نانی پھر نانی کی ماں اور اس سے آگے بھی اسی طرح۔ اس کے بعد باپ پھر دادیاں خواہ اوپر کی کڑی میں ہوں پھر دادا۔ پھر دادا کی مائیں۔ پھر حقیقی بہن۔ پھر ماں شریک بہن۔ پھر باپ شریک بہن۔ پھر حقیقی خالہ۔ پھر ماں شریک خالہ۔ پھر باپ شریک خالہ۔ پھر حقیقی پھوپھی۔ پھر ماں شریک پھوپھی۔ پھر باپ شریک پھوپھی پھر ماں کی خالائیں۔ ان میں حقیقی رشتہ کو مقدم رکھا جائے گا۔ اس کے بعد ماں شریک پھر باپ شریک رشتے پھر اسی ترتیب سے باپ کی خالائیں پھر اسی ترتیب سے باپ کی پھوپھیاں پھر بھتیجیاں پھر بھانجیاں پھر چچی کی بیٹیاں پھر پھوپھیوں کی بیٹیاں پر ماں کے چچوں کی بیٹیاں پھر اسی ترتیب سے باپ کے چچوں کی

Marfat.com

پرورش کنندہ کے لئے شرطیں

حق حضانت (پرورش) کی چند شرائط ہیں۔ان کے منجملہ یہ کہ (پرورش کنندہ) عاقل ہو جنون زدہ یا خبط الحواس کو حق حضانت نہیں ہے۔اور یہ کہ وہ بالغ ہو لہٰذا اصغر سن کو حق حضانت نہیں ہے۔ان کے علاوہ اور بھی باتیں ہیں جو مسالک مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

بیٹیاں۔ان تمام رشتوں میں حقیقی رشتوں کو فوقیت ہوگی۔پھر ماں شریک رشتوں کو پھر باپ شریک رشتوں کو۔لیکن لڑکی کو غیر محروم کی پرورش میں نہیں دیا جا سکتا۔مثلاً چچا کا بیٹا یا باپ کے چچا کا بیٹا ہے۔اسی طرح دودھ کے رشتہ سے جو محرم ہیں۔ان کو بھی لڑکی کی پرورش کا حق نہیں ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ حق حضانت (بچوں کی پرورش) کے لئے ضروری ہے کہ ان شرائط کو ملحوظ رکھا جائے۔

اول یہ کہ حاضن (پرورش کنندہ) مرتد (اسلام سے برگشتہ) نہ ہو۔اگر مرتد ہو جائے تو پرورش کا حق جاتا رہے گا۔ خواہ وہ مرتد ہو کر دار الحرب (کافر کے ملک میں چلا جائے یا نہ جائے۔ہاں اگر توبہ کر لے تو اسے پھر حق حضانت حاصل ہو جائے گا دوسرے یہ کہ بدکار نہ ہو جس پر بھروسا نہ کیا جا سکے اگر اس کا چوری یا بدکاری میں مبتلا ہونا ثابت ہو۔یا وہ عورت کوئی ذلیل قسم کا پیشہ کرتی ہو مثلاً نوحہ کرنے والی یا رقاصہ ہو تو اسے حق حضانت نہیں ہے۔تیسرے یہ کہ اس عورت (حاضنہ) نے بچہ کو باپ کے سوا کسی اور سے شادی نہ کر لی ہو۔شادی کے بعد بچے کی پرورش کا حق جاتا رہے گا۔ہاں اگر اس کا خاوند بچے کا پدری رشتہ دار مثلاً اس کا چچا ہے تو مضائقہ نہیں ہے۔اجنبی شخص سے شادی کے بعد حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔لیکن اگر دوسرا خاوند طلاق دے دے تو اسے پھر حق حضانت حاصل ہو جائے گا۔چوتھے یہ کہ وہ بچے کی نگہداشت میں غفلت نہ کرے خاص کر اس حالت میں جب کہ اس کی زیر تربیت کوئی لڑکی ہو جسے دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔اگر بچہ کی ماں ان عورتوں میں سے ہو جو تمام وقت گھر سے باہر رہتی ہیں اور بچے کی دیکھ بھال نہیں کرتیں تو انہیں حضانت کا حق نہیں ہے۔ پانچویں یہ کہ باپ خوش حال ہو اور بیوی بلا اجرت بچے کی پروش سے انکار کر دے۔لیکن پھوپھی کہے کہ میں بلا معاوضہ اس کی پرورش کروں گی تو وہ ایسا کر سکتی ہے اور ماں کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔چھٹے یہ کہ بچے کی ماں 'ام ولد' نہ ہو (یعنی وہ کنیز جس سے بچہ پیدا نہ ہو ہوا) ام ولد کو بچہ کی پرورش کنندہ نہیں بنایا جا سکتا۔

حق پرورش کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔اگر ایک شخص نے کسی ذمیہ عورت (اسلامی ملک کی غیر مسلم رعایا) سے شادی کر لی تو اسے اپنے بچے کی جو اس کے (مسلمان) خاوند سے ہے پرورش کا حق ہے بشرطیکہ کفر اور دوسری خرابی کا اندیشہ نہ ہو۔اگر ایسا کوئی اندیشہ ہو مثلاً یہ دیکھا جائے کہ وہ بچہ کو لے کر گرجا جاتی ہے یا یہ کہ وہ بچے کو سور کا گوشت کھلاتی ہے یا شراب پلاتی ہے تو باپ کو حق ہے کہ وہ بچہ اس سے چھین لے۔

اگر پرورش کرنے والی عورت وفات پا جائے یا اس میں ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس بچہ کا حق حضانت بموجب اس ترتیب کے جو پہلے بتائی گئی اس کے قریب ترین رشتہ دار کو منتقل ہو جائے گا اور (پرورکنندہ کا) عاقل ہونا بہر حال لازمی ہے۔

Marfat.com

شافعیہ کہتے ہیں کہ حق حضانت کے لئے سات شرطیں ہیں:
ایک شرط یہ ہے کہ وہ عاقل ہو لہٰذا جنون زدہ کو بچہ کی پرورش کا حق نہیں ہے۔ البتہ اگر جنون بہت معمولی قسم کا ہو اور شاذ و نادر ہی لاحق ہوتا ہو مثلاً سال بھر میں ایک آدھ دن کے لئے تو مضائقہ نہیں۔
دوسری شرط آزاد ہونا ہے لہٰذا مملوک (یعنی غلام یا لونڈی) کو پرورش کا حق نہیں ہے۔
تیسری شرط مسلمان ہونا ہے کہ مسلمان کے بچہ کا پرورش کنندہ کافر نہیں ہو سکتا۔ لیکن کافر شخص کو غیر مسلم بچہ کا پالنا یا مسلمان کا غیر مسلم بچہ کی پرورش کرنا شرعاً ثابت ہے۔
چوتھی شرط گناہ سے بچنا ہے۔ پس بدکار شخص حضانت کا مستحق نہیں ہے۔ خواہ ترک نماز کا گنہگار مرد ہو یا عورت ہو۔
پانچویں شرط دیانتدار ہونا ہے پس جو شخص کسی معاملہ میں بھی خیانت (بددیانتی) کا مرتکب ہو وہ 'حضانت' کا حق دار نہیں ہے۔
چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ زیر تربیت بچے کے شہر میں رہتا ہو بشرطیکہ بچہ میں شعور ہو۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔
ساتویں شرط یہ ہے کہ بچہ کی ماں نے بچہ کے نامحرم شخص سے شادی نہ کر لی ہو۔ ہاں اگر اس نے بچی کے محرم مثلاً چچا سے شادی کر لی تو اس کا حق حضانت ساقط نہ ہوگا۔ بشرطیکہ اس کا خاوند بچہ کو ساتھ رکھنے پر راضی ہو۔
حنابلہ کہتے ہیں کہ بچہ کی حضانت کے لئے اول شرط یہ ہے کہ پرورش کنندہ عاقل ہو۔ دیوانہ کا حاضن بننا درست نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ مملوک (غلام یا لونڈی) نہ ہو تیسرے یہ کہ وہ معذور الحال مثلاً نابینا نہ ہو۔ کیوں کہ اس سے مقصد (تربیت) حاصل نہیں ہوتا۔ نابینا ہی کی طرح وہ شخص بھی ہے جس کی بینائی کمزور ہو۔ چوتھے یہ کہ مرض برص (پھل بہری) کا مریض یا کوڑھی نہ ہو۔ ایسا ہو تو حق حضانت جاتا رہے گا۔ پانچویں یہ کہ پرورش کنندہ عورت نے ایسے شخص سے شادی کر لی ہو جو بچے کے لئے اجنبی ہو۔ اگر وہ شخص اجنبی نہ ہو مثلاً بچہ کا دادا ہو یا کوئی اور قرابت دار تو حق حضانت باقی رہے گا۔
مالکیہ کہتے ہیں کہ پرورش کنندہ مرد ہو یا عورت اس کے لئے چند شرائط ہیں:
ایک شرط 'عقل' ہے کہ جنون زدہ شخص پرورش نہیں کر سکتا گو کبھی کبھی اسے جنون سے افاقہ ہو جاتا ہو۔ اور وہ شخص بھی بچہ کی پرورش کے ناقابل ہے جو خفیف العقل یا مغلوب الغضب ہو۔
دوسری شرط یہ ہے کہ زیر تربیت بچے کی طرف توجہ دے سکتا ہو۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اسے حضانت کا حق نہیں ہے۔ اسی طرح وہ عورت بھی ہے جو سن شیخوخت (بالکل بڑھاپے) کو پہنچ گئی ہو یا وہ مرد پیر ناتواں ہو۔ البتہ اگر ان عمر رسیدہ بزرگوں کی بزرگی کے طفیل بچہ کی پرورش خاطر خواہ طریقہ سے ہو سکے تو مضائقہ نہیں۔ یہی حکم نابینا' بہرے' گونگے' مریض اور اپاہج کا ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ پرورش کنندہ کا گھر ایسا ہو جہاں وہ لڑکی جو جوانی کی عمر کو پہنچ جائے برائی سے بچی رہ سکے اگر اس کا گھر غیر محفوظ ہو تو اسے پرورش کا حق نہ ہوگا۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ مذہباً' دیندار ہو۔ لہٰذا گنہگار' شرابی' بدکاری وغیرہ میں بدنام شخص کو بچوں کی تربیت سپرد نہیں کی جائے گی۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ پرورش کنندہ' متعدی مرض میں مبتلا نہ ہو جس سے بچہ کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو' مثلاً جذام (کوڑھ) وغیرہ۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ پرورش کنندہ خوش اطوار ہو لہٰذا

Marfat.com

حضانت (پرورش اولاد) کی میعاد مدت کا بیان

حضانت (پرورش اولاد) کی میعاد مدت کے بارے میں مسالکِ مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

فضول خرچ اور بے عقل شخص پرورش کنندہ نہیں ہوسکتا۔ تاکہ اس کے زیر تربیت بچہ اگر مالدار ہو تو اس کا مال تلف نہ کردے۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ پرورش کنندہ عورت کا کوئی خاوند نہ ہو جس کی زوجیت کے فرائض وہ ادا کرتی ہو۔ ہاں اگر ایسے شخص سے اس نے شادی کی جو بچہ کا محرم ہو اور جانتا ہو کہ اس عورت کے بعد اسے حق پرورش حاصل ہے ایسا شخص اس عورت سے شادی کرے اور بیوی کے بعد سال بھر تک بلا عذر خاموش رہے تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔

پرورش کنندہ کے لئے خواہ مرد ہو یا عورت ہو۔ یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہو۔ اگر یہ اندیشہ ہو کہ بچہ کو پالنے والی اسے شراب پلائے گی یا سور کا گوشت کھلائے گی تو ایسی عورت حاضنہ (پرورش کنندہ) کو مسلمانوں میں رکھا جائے گا تاکہ وہ لوگ اس کی نگرانی کرتے رہیں۔ بچہ کو اس سے چھین لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ عورت ذمیہ (غیر مسلم رعایا) ہو یا مجوسیہ (آتش پرست) ہو اگر پرورش کنندہ کوئی مرد ہو تو ضروری ہے کہ حضانت (پرورش) کے لئے اس کے پاس کوئی عورت مثلاً بیوی' کنیز یا خدمت گار ہو جو بچے کی پرورش کر سکے۔ لیکن یہ درست نہیں ہے کہ غیر محرم مثلاً چچا زاد بھائی ایسی لڑکی کی پرورش کرے جو قابل مباشرت ہو۔ اگرچہ اس کی طرف سے اطمینان ہو۔ سوا اس صورت کے جب کہ چچا نے اس کی ماں سے شادی کر لی ہو۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ لڑکے کی پرورش کے لئے میعاد مدت بعض اصحاب نے سات سال اور بعض نے نو سال مقرر کی ہے اور پہلا قول مفتیٰ بہ ہے (جس پر عملدرآمد ہوتا ہے) اور لڑکی کے بارے میں دو رائیں ہیں ایک رائے یہ ہے کہ (میعاد حضانت) اس کے ایام ماہواری آنے تک ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ جنسی تقاضے کی تحریک ظاہر ہونے تک ہے اس کا وقت نو سال کی عمر مقرر کیا گیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ یہی قول مفتیٰ بہ ہے (قابل عمل درآمد) ہے۔ اگر لڑکا اپنی ماں کے زیر تربیت ہے تو باپ کو حق ہے کہ وہ اس عمر کو پہنچنے کے بعد ماں سے واپس لے لے اور جب لڑکا صاحب عقل و شعور ہو جائے تو اسے حق ہے کہ وہ باپ سے علیحدہ ہو جائے اور اس کی پرورش میں نہ رہے۔ ہاں اگر اس میں بداخلاقی پائے تو باپ کو چاہئے کہ اسے اپنے ساتھ رکھے اور اس کی تربیت کرے۔ اگر باپ نہ ہو تو اس کی قرابت داروں میں سے کوئی اسے اپنے ساتھ شامل کر لے بشرطیکہ بے ضرر ہونے کی طرف سے اطمینان خاطر ہو۔

بالغ اولاد کا خرچ برچ باپ پر عائد نہیں ہوتا۔ ہاں حسن سلوک کے طور پر اس کا خرچ برداشت کر سکتا ہے۔ سوا اس کے کہ وہ لڑکا طالب علم ہو (تو اس کا خرچ دینا ہوگا) جیسا کہ نفقہ کے بیان میں بتایا گیا۔ اگر زیر تربیت اولاد لڑکی اور کنواری ہو تو باپ کے ساتھ رہے گی اسی طرح دادا کے پاس بھی رہ سکتی ہے۔ اگر باپ یا دادا نہ ہو اور بھائی ہو تو وہ اسے اپنے پاس رکھے بشرطیکہ اس میں کوئی خرابی نہ ہو یا پھر چچا کے پاس رہے بشرطیکہ کوئی خرابی نہ ہو ورنہ پھر کوئی پدری رشتہ دار جو اس کا محرم ہو اس کے ساتھ رہے۔ اگر ایسا کوئی رشتہ دار نہ ہو تو قاضی اسے قابل اعتبار عورت کے حوالہ کرے گا۔

Marfat.com

اگر (زیر تربیت) لڑکی عمر رسیدہ اور سال خوردہ ہو تو وہ آزاد ہے جہاں چاہے رہ سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ کنواری نہ ہو تو باپ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اسے ساتھ رکھے۔ تاہم اگر اس کی طرف سے اطمینان خاطر نہ ہو تو اس حالت میں باپ یا دادا کو چاہئے کہ اپنے ساتھ رکھنے پر اسے مجبور کرے۔ باپ یا دادا نہ ہوں اور بھائی یا چچا ہو تو وہ اسے اپنے پاس رکھے بشرطیکہ اس میں کوئی خرابی نہ ہو۔ اگر اس میں کوئی برائی ہو تو قاضی کو چاہئے کہ اسے کسی قابل اعتبار عورت کی تحویل میں دے دے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ لڑکے کی پرورش کی مدت پیدائش کے وقت سے لے کر اس کے بالغ ہونے تک ہے۔ اگر اس کی ماں ہے تو بچے کے جوان ہو جانے تک اس کی پرورش ماں پر واجب ہے اگرچہ بالغ ہونے پر حالت جنون میں ہو اس کے بعد حق حضانت ساقط ہو جائے گا اور جسے جنون لاحق ہو اس کا نفقہ باپ پر بدستور لازم رہے گا۔

لڑکی کی مدت حضانت اس وقت تک ہے کہ شادی ہو جائے اور خاوند عملاً اس کے ساتھ حق زوجیت ادا کرے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بچے کی پرورش کے لئے کوئی مقررہ میعاد نہیں ہے پس بچہ جب اپنے ماں باپ کو پہچاننے لگے اور ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ رہنا پسند کرے تو وہی پرورش کا حق دار ہوگا۔ اسی طرح ماں اور دادا میں سے یا باپ اور ماں شریک بہن یا خالہ میں سے کسی کو اختیار کرنے کا حق اسے حاصل ہوگا۔ پھر ان میں سے کسی کو اختیار کرنے کے بعد بھی بچہ کو اختیار ہے کہ اس سے ہٹ کر دوسرے کو پسند کر لے۔ اور ایسا بار بار بھی وہ کر سکتا ہے۔ اور بیٹی جب باپ کے زیر تربیت رہنا پسند کرے تو باپ کو اختیار ہوگا کہ اسے ماں کے پاس جانے سے روک دے۔ لیکن باپ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ دستور کے مطابق ماں کو بچے سے نہ ملنے دے۔ لیکن اگر ماں بچہ سے ملنے آئے تو زیادہ عرصہ تک اس کے پاس نہ ٹھہرے۔ ہاں اگر لڑکی بیمار ہو جائے تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ ماں باپ کے گھر پر اس کی تیمارداری کرے بشرطیکہ باپ راضی ہو ورنہ وہ اس کی تیمارداری اپنے گھر پر کر سکتی ہے اور باپ ان کی عیادت کر سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ بہرحال دونوں تنہائی میں نہ ہوں۔ اگر لڑکا ماں کے پاس رہنا پسند کرے تو وہ رات کو ماں کے پاس رہ سکتا ہے اور دن کو باپ کے پاس رہا کرے تا کہ باپ اس کو تعلیم دے سکے۔ اگر لڑکی ماں کے ساتھ رہنا اختیار کرے تو وہ ہمہ وقت ماں کے پاس رہے۔ اگر بچہ ماں باپ دونوں کو یکساں پسند کرے تو قرعہ اندازی کر لی جائے۔ اگر بچہ خاموش رہے اور دونوں میں سے کسی کو اختیار نہ کرے تو حق حضانت ماں کو حاصل ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کی میعاد حضانت سات سال ہے۔ لیکن جب بچہ سات سال کا ہو جائے اور اس کے ماں باپ اس امر پر متفق ہو جائیں کہ بچہ ان میں سے کس کے پاس رہے گا تو یہ درست ہے اگر دونوں میں اس امر پر نزاع ہو تو خود بچے کو اختیار دیا جائے کہ جس کی تحویل میں چاہے رہنا اختیار کر لے۔ بشرطیکہ وہ اس میں اپنی سہولت نہ جانے کہ فلاں کے پاس رہنے میں موج ہوگی اس کی اصلاح کے لئے اس پر سختی نہ ہوگی اور وہ آزاد ہوگا کہ بڑا ہو کر جو بری راہ چاہے اختیار کرے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ لڑکا اس خیال میں ہے تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ دونوں میں جو زیادہ صالح ہو اس کے پاس رہے۔ اگر باپ کے پاس رہنا اختیار کرے تو رات دن اس کے پاس رہا کرے۔ تاہم اسے اپنی ماں سے ملنے کی ممانعت نہ ہوگی۔ اگر وہ لڑکا بیمار ہو جائے تو ماں کو حق ہے کہ اپنے گھر پر اس کی تیمارداری کرے لیکن اگر ماں کے پاس

Marfat.com

زیر پرورش بچے کے ساتھ سفر کرنے کا بیان

حاضن (پرورش کنندہ) کا زیر پرورش بچے کے ساتھ سفر کر کے جانے کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

رہے تو رات کو ماں کے ساتھ اور دن کو اپنے باپ کے پاس رہے تا کہ باپ اسے کوئی ہنر یا لکھنا پڑھنا سکھائے اور مودب بنائے۔ پھر (یہ بھی ہے) کہ اگر لڑکا ایک کو اختیار کرنے کے بعد مڑ کر دوسرے کی طرف آنا چاہے تو آ سکتا ہے اور یہ اختیار اسے ہمیشہ رہے گا۔ اگر لڑکے نے ان دونوں سے کسی ایک کو اختیار نہ کیا یا دونوں ہی کو پسند کیا تو قرعہ ڈال کر فیصلہ کر لیا جائے اور اگر قرعہ نکلنے کے بعد بھی وہ قرعہ کے خلاف دوسرے کو اختیار کرے تو اس کے پاس لوٹا دیا جائے۔ اور لڑکے کو یہ اختیار صرف اسی حالت میں ہے جب کہ ماں باپ کے حق حضانت کا معاملہ ہو اور دونوں اس کی پرورش کے اہل خاندان پر واجب ہے کہ کوئی اس کی پرورش کرے۔

کہا جاتا ہے کہ حضانت کے حق دار کے پاس اولاد سات سال تک زیر پرورش رہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا اگر بچے کی عقل زائل ہو جائے تو ماں اس کی (پرورش کی) حق دار ہوگی اگر زیر تربیت اولاد لڑکی ہو تو جب وہ سات سال یا زیادہ کی ہو جائے تو بالغ ہونے اور شب زفاف ہو جانے تک باپ کا حق حضانت رہے گا۔ اگر چہ ماں رضا کارانہ طور پر اس کی پرورش کی پیش کش کرے۔ کیوں کہ حضانت کا مقصد (اولاد) کا تحفظ ہے اور بچے کا بہتر محافظ باپ ہی ہو سکتا ہے۔ اگر بچہ باپ کے پاس رہے تو اسے دن رات ہمہ وقت اس کے پاس رہنا ہوگا۔ لیکن ماں کو اس سے ملنے جلنے کی ممانعت نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ ماں کے پاس رہے تب بھی رات دن اس کے پاس رہے۔ باپ کو اس کے دیکھنے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ بیمار ہو جائے تو ماں باپ کے گھر میں اس کی تیمارداری کی زیادہ حق دار ہے بشرطیکہ باپ اس کی ماں کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ حاضنہ (پرورش کرنے والی) طلاق یافتہ عورت ہو اور بچے کا باپ موجود ہو اور اس کی ماں کا ارادہ یہ ہو کہ وہ اپنے بیٹے کو لے کر دوسرے شہر میں چلی جائے ایسی صورت میں اس کا منتقل ہونا ان دو شرطوں سے جائز ہوگا۔

پہلی شرط یہ ہے کہ اس عورت کو طلاق بائنہ ہوئی ہو۔ یا طلاق رجعی ہوئی ہو تو اس کی عدت پوری ہو گئی ہو۔ اگر عدت پوری نہیں ہوئی تو جب تک کہ عدت کے دن ختم نہیں ہو جائیں اس عورت کو وہاں سے منتقل ہونا بلکہ گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس شہر میں جا کر رہنا ہے وہ شہر بہت دور نہ ہو۔ بلکہ ایسا ہو کہ باپ کا دن کے دن اس بچہ کو دیکھ کر واپس آ جانا ممکن ہو اس میں ذرائع مواصلات کی تیز رفتاری کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ اگر وہ عورت کہیں دور شہر میں منتقل ہونا چاہے تو یہ بھی جائز ہے۔ اس کے لئے بھی دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ اس شہر میں اس عورت کا عقد نکاح ہوا ہو دوسرے یہ کہ وہ اس کا وطن ہو۔

Marfat.com

دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا باپ ہو لیکن پرورش کنندہ ماں کے علاوہ کوئی اور عورت ہو۔ یہ عورت اگر دادی یا خالہ وغیرہ ہے تو اسے زیر تربیت بچے کو باپ کی اجازت کے بغیر لے کر دوسرے شہر میں چلا جانا قطعاً جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ بات معلوم ہے کہ بچے کی ماں کو خاوند کے ہاں سے اپنے وطن لے جانے کے لئے وجہ جواز یہ ہے کہ وہاں پر اس کی شادی ہوئی۔ خاوند کا وہاں شادی کرنے پر راضی ہونا۔ بیوی کے وہاں ٹھہرنے پر رضا مند ہونا ہے۔ اسی طرح باپ کو بھی یہ دوران حضانت یہ جائز نہیں ہے کہ بچے کو اس کی ماں کے شہر سے منتقل کرے۔ البتہ اگر ماں نے باپ کے علاوہ کسی اور سے شادی کر لی تو جب تک وہ عورت اس کی زوجیت میں ہے باپ اپنے بیٹے کو باہر لے جا سکتا ہے۔ اگر اس عورت کو دوبارہ حق حضانت حاصل ہو جائے تو بچہ پھر اس کے پاس جا سکتا ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ جب تک مدت حضانت باقی ہے باپ اپنے بیٹے کو کہیں اور لے کر نہیں جا سکتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ بچہ کا باپ وفات پا جائے اور بیوی وفات کی عدت میں ہو ایسی حالت میں اس بچے کے ولی سے، جو باپ کی بجائے ہے، اجازت لئے بغیر اس عورت کا (بچہ کو لے کر) وہاں سے نکلنا جائز نہیں ہے لیکن عدت گزر جانے پر اس مسئلہ میں توقف کرنا پڑے گا بعض اصحاب کہتے ہیں کہ بچے کے ولی کو حق ہے کہ بچے کو لے جانے سے روک دے۔ لیکن گمان غالب یہ ہے کہ اس معاملہ میں قاضی کو اجتہاد کا موقع دیا جائے یعنی اسے اپنی رائے پر عمل کرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے کہ وہ جس بات میں بچے کی بہتری دیکھے اس پر عمل کرے۔ اگر منتقل نہ ہونے میں بہتری ہو تو پرورش کنندہ کو جانے سے روک دے ورنہ نہ روکے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر پرورش کنندہ عورت زیر تربیت بچے کو لے کر اس کے باپ یا اس کے ولی کے شہر سے کسی اور شہر میں جانا چاہے تو ان چند شرائط کو ملحوظ رکھنا ہوگا:

پہلی شرط یہ ہے کہ وہاں سے اس شہر کا فاصلہ چھ بُرد، سے کم ہو اگر چھ بریدوں سے کم فاصلہ ہو تو پرورش کنندہ عورت کا اس شہر میں جا کر قیام کر لینا درست ہے ایسا کرنے سے اس عورت کا حق حضانت ساقط نہ ہوگا۔۔ واضح ہو کہ ایک برید چار فرسخ کا ہوتا ہے اور فرسخ کوئی تین میل کا (پس ایک برید بارہ میل کا ہوا اور چھ برد کا) مجموعی فاصلہ بہتر میل ہوا۔ ایک میل کی پیائش چار ہزار اوسط درجہ کے انسانی ہاتھ (یعنی کہنی سے ہاتھ کی درمیانی انگلی کے سرے تک) کے برابر ہوتی ہے۔ غرض پرورش کنندہ اتنی مسافت کے اندر کسی شہر میں منتقل ہو سکتی ہے۔ باپ کو اس سے بچے کو چھین لینے کا حق نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ یہ سفر دوسرے شہر میں رہائش رکھنے اور وطن بنانے کے لئے ہو جیسا کہ بتایا گیا۔ اگر تجارت کے لئے یا کسی اور غرض سے وہ سفر کیا ہو تو (حاضنہ) بچے کے ساتھ سفر کر سکتی ہے اور اس کا حق حضانت باقی رہے گا بلکہ وہ بچے کو ساتھ لے جا سکے گی اور بچہ کا ولی اس سے قسم لے سکتا ہے کہ اس سفر سے اس کا ارادہ یہاں سے منتقل ہونا اور وہاں جا کر اس جگہ کو وطن بنانا نہیں ہے بلکہ مقصد محض تجارت ہے اور صحیح طریقہ کار تو یہ ہے کہ زیر پرورش بچے کے ساتھ سفر کم (اور وہ بھی) جب کہ راستہ بے خطر ہو اور جہاں جانا ہے وہ جگہ بھی محفوظ ہو۔

اگر بچہ کا ولی اس شہر سے دوسرے شہر میں رہائش پذیر ہونے یا وطن بنانے کے لئے سفر کا ارادہ کرے تو اسے حق ہے کہ اپنے تحت ولدیت بچے کو پرورش کنندہ کی پرورش سے ہٹا لے، خواہ وہ بچہ شیر خوار ہو بشرطیکہ وہ اس بچہ پالنے والی کے

Marfat.com

علاوہ کسی اور عورت کی چھاتی سے دودھ پی لے۔ ایسی صورت میں اس عورت کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔ تاہم اگر وہ عورت (بچہ کو لے کر) ولی کے ساتھ جانے کو تیار ہو جائے تو ولی کے منتقل ہو جانے سے (اس حاضنہ کا) حق حضانت ساقط نہ ہوگا اور زیر تربیت بچی کو واپس لینے اور اس حضانہ کا حق حضانت ساقط ہونے کی دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ بچہ کے ولی نے جہاں جانے کا ارادہ کیا ہے وہ چھ برد سے زیادہ فاصلہ پر ہو۔ اگر اس سے کم فاصلہ پر ہو تو اسے بچہ کی واپسی کا حق نہیں ہے۔ کیوں کہ ممکن ہے کہ ولی نے پرورش کنندہ پر اپنا حق فائق کرنے کے لئے یہ بات اٹھائی ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ولی کا سفر اسی ارادہ سے ہو کہ وہ وہاں جا کر اس جگہ رہائش پذیر ہو اور اسے اپنا وطن بنانا چاہتا ہے۔ اگر سفر کا مقصد تجارت وغیرہ ہے تو نہ وہ بچہ کو واپس لے سکتا ہے اور نہ پرورش کنندہ کا حق حضانت ساقط ہوگا اور حاضن کو یہ حق ہے کہ وہ ولی سے اس بات پر قسم لے کہ فی الواقع وہ وہاں منتقل ہو جانا چاہتا ہے۔ اور وہ سفر تجارت وغیرہ کے لئے نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر 'حاضن' یا ولی نے تجارت یا کسی اور ضرورت سے سفر کا ارادہ کیا ہو تو اس کے واپس آنے تک بچہ اس کی تحویل میں رہے گا جو وہاں مقیم ہو۔ پھر اگر بچہ باشعور ہو تو اسے اختیار ہوگا کہ دونوں میں سے کسی جس کے ساتھ چاہے رہنا اختیار کرے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اگر ولی نے منتقل ہو جانے اور دوسری جگہ وطن بنا لینے کے ارادہ سے سفر کیا تو لڑکا باپ وغیرہ پدری رشتہ دار کی تحویل میں رہے گا۔ خواہ وہ رشتہ دار مسافر ہو یا مقیم ہو۔ بشرطیکہ حاضن (پرورش کنندہ) کے شہر میں کوئی پدری رشتہ دار نہ ہو ایسا ہو تو بچہ کو درآنحالیکہ وہ صاحب شعور ہو اختیار ہے کہ دونوں میں سے جس کے پاس چاہے رہائش رکھے۔ سفر کرنے والے عصبی رشتہ دار کو اسے واپس لینے کا حق نہیں ہے مثلاً اگر بچہ کا باپ اس کی پرورش کنندہ ماں کے شہر سے جا کر کسی اور شہر میں رہائش کے لئے منتقل ہو جائے لیکن دادا اس کی حاضنہ کے پاس رہتا ہو تو باپ کو بچہ کے واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ اسی طرح اگر بچہ کے دادا اور بھائی دونوں ہوں اور دادا چلا جائے لیکن بھائی رہ جائے یا بھائی چلا جائے اور چچا رہ جائے تو بچہ اس کے پاس رہے گا جو مقیم ہو۔

بچہ کو لے کر سفر کرنے کی شرط یہ ہے کہ راستہ بے خطر ہو اور جہاں جا کر رہنا ہے وہ جگہ بھی محفوظ ہو۔ ورنہ پھر ماں ہی بچے کو رکھنے کی زیادہ حق دار ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ماں باپ میں سے کوئی کسی اور شہر میں چلے جانے کا ارادہ کرے تو بیٹا باپ کے پاس رہے گا خواہ وہ مسافر ہو یا مقیم ہو۔ اس کے لئے چند شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ دونوں شہروں کے درمیان 'مسافت قصر' یا اس سے زیادہ' فاصلہ ہو۔ دوسرے یہ کہ راستہ اور جہاں جا کر بسنا ہے وہ بھی محفوظ ہو تیسرے یہ کہ وہ سفر مستقل ہو جانے اور وہاں جا کر بس جانے کی غرض سے ہو۔ اگر تجارت یا حج کے لئے ہو تو بچہ کی پرورش اس کا حق ہے جو مقیم ہو۔ چوتھے یہ کہ وہ سفر اس لئے اختیار نہ کیا گیا ہو کہ حضانت کے دوسرے حق دار حضانت کو اذیت دی جائے اور بچہ کو اس سے چھین لیا جائے اگر اس ارادے سے سفر کیا تو اس شخص کا مطالبہ نہیں مانا جائے گا۔ اگر ماں باپ دونوں ایک ہی شہر میں منتقل ہو جائیں تو ماں کا حق حضانت باقی رہے گا۔

اگر باپ شہروں میں تفاوت ہونے کی بناء پر بچہ کو لے بھی لے اور ماں پھر بھی واپس آ جائے تو اسے دوبارہ حق

Marfat.com

حضانت (پرورشِ اولاد) کی اُجرت کا بیان

پرورش اولاد کی اجرت کے بارے میں مسالکِ مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

حضانت حاصل ہو جائے گا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ حاضنہ (پرورش کرنے والی) کا پرورش کا معاوضہ لینا ثابت ہے خواہ وہ ماں ہو یا کوئی اور ہو۔ یہ اجرت دودھ پلانے اور بچہ کے نفقہ کے علاوہ ہے۔ پس باپ پر یا جس کے ذمہ اولاد کا نفقہ سہ گانہ ہے' اس پر دودھ پلانے' پرورش کرنے اور نفقہ کا معاوضہ بھی واجب الاداء ہے۔ اگر زیر تربیت بچہ مال کا مالک ہے تو اس کے مال میں سے خرچ کیا جائے ورنہ پھر وہ ادا کرے جس پر نفقہ واجب ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔ رہا یہ کہ آیا اجرت حضانت میں نفقہ کی تمام اقسام بشمول مکان آتی ہیں یا مکان اس میں شامل نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حاضنہ کا کوئی مکان ہے اور بچہ اس کے ساتھ وہاں رہتا ہے تو اس کے لئے مکان واجب نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے تو اس کو مکان کا معاوضہ بھی مقرر کیا جائے گا کیوں کہ پرورش کرنے والی کے لئے کوئی مکان ناگزیر ہے اور اس پر عمل کمزوری ہے۔ اگر بچہ کو خدمت گار کی ضرورت ہو تو صاحب حیثیت باپ کو اس کے لئے بھی حکم دیا جائے گا۔

اگر ماں زوجیت میں نہ رہی ہو یا عدت پوری ہو گئی ہو تو حضانت کی اجرت ماں کے حق میں ثابت ہو گی۔ اگر وہ دائرہ زوجیت میں ہو یا بچے کے باپ (سے علیحدگی) کی عدت ختم نہ ہوئی ہو تو اسے دودھ پلانے کی اجرت کا حق نہیں ہے اور نہ پرورش کی اجرت کا۔ زوجیت کے بحال ہونے کی حالت میں تو بظاہر ہے کہ بیوی کا نفقہ اس کی موجودہ حالت کے مطابق خاوند پر واجب ہے۔ عدت کی حالت میں بھی یہی صورت ہے۔ کیوں کہ عدت کے دوران بیوی کی طرح وہ بھی نفقہ کی حق دار ہوتی ہے۔ ہاں عدت پوری ہو جائے تو اسے حق ہے کہ پرورش اولاد کا معاوضہ طلب کرے۔ اگر لڑکا محتاج ہو اور مال کا مالک نہ ہو تو اس کے باپ پر کوئی اجرت واجب نہیں ہے۔ ورنہ بچے کے حال سے اجرت (پرورش) ادا کی جائے گی۔

یہ مسائل اس صورت کے ہیں جب کہ ایسا شخص موجود نہ ہو جو حسن سلوک کے طور پر بچے کی پرورش بلا معاوضہ انجام دے۔ اگر کوئی شخص جو بچے کے لئے اجنبی ہو اور رضا کارانہ بچے کی پرورش کرنا چاہے اور بچہ مالدار ہو تو اسے اجنبی کی سپردگی میں نہیں دیا جائے گا بلکہ بچے کے مناسب حال اس کی تحویل میں دیا جائے گا جو معاوضہ پر اس کی پرورش کر سکے۔ اگر بچہ کے قرابت داروں میں سے کوئی رضا کارانہ طور پر بچے کی پرورش کے لئے (بلا معاوضہ) تیار ہو۔ مثلاً اس کی پھوپھی ہے تو ایسی حالت میں ماں کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو بلا معاوضہ خود اسے اپنے پاس رکھے یا اسے لے کر اس کی پھوپھی کے سپرد کر دے تاکہ وہ بلا معاوضہ اس کی پرورش کرے۔ اگر بچے کا باپ صاحب حیثیت ہو اور بچہ مال کا مالک نہ ہو تو اس کی ماں کا معاوضہ لے کر اس بچہ کی پرورش کرنا سب سے بہتر ہے۔ اگر باپ تنگ دست ہے اور بچہ مالدار ہے یا باپ بیٹے دونوں حیثیت والے ہیں تو بلا معاوضہ پرورش کے لئے اس کی پھوپھی کے سپرد کر سکتے ہیں کیوں کہ (ماں کو معاوضہ دینے کی صورت میں) وہ نفقہ بچے کے مال میں ادا ہوگا۔ جس سے ظاہر ہے کہ بچہ کا نقصان ہوگا۔ رہا یہ سوال کہ اگر ماں بچے کی پرورش سے انکار کرے تو آیا اسے اس پر مجبور کیا جائے گا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے اگر کسی اور صالح پدری رشتہ دار کو اس کی

Marfat.com

پرورش پر آمادہ کیا جا سکے تو بقول صحیح ماں کو (پرورش کرنے کے لئے) مجبور نہیں کیا جائے گا۔ بصورت دیگر اسے مجبور کیا جائے گا تاکہ بچہ ضائع نہ ہو۔ میعاد حضانت ختم ہو جانے پر باپ کو کہا جائے گا کہ وہ بچے کو اپنے ساتھ رکھے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ حاضن (پرورش کنندہ) کو پرورش اولاد کا معاوضہ لینے کا حق نہیں ہے خواہ وہ ماں ہو یا کوئی اور ہو۔ قطع نظر اس کے کہ حاضنہ (پرورش کنندہ عورت) محتاج ہے اور اس کا زیر پرورش بچہ مال دار ہے تو اس کے مال میں سے بچے کا خرچ لیا جائے گا۔ لیکن اس لحاظ سے وہ عورت محتاج ہے (بچہ پر خرچ نہیں کر سکتی) نہ کہ اس لئے کہ وہ پرورش کرتی ہے (اور اس کے معاوضہ کی حق دار ہے)۔ زیر پرورش بچہ کے باپ پر اس کا نفقہ لباس' چادر اور فرش لازم ہے جسے حاضنہ باپ سے لے کر اس بچہ کے کام میں لائے گی۔ باپ حاضنہ سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ بچے کو میرے پاس بھیج دیا کرو تاکہ وہ کھا کر چلا جایا کرے۔ نفقہ کی مقدار جو باپ پر ڈالی جائے گی وہ حاکم کی رائے پر موقوف ہے کہ بچے کے حال کے مطابق جس طرح چاہے مقرر کر دے یعنی ماہانہ یا ہر جمعہ کو (یعنی ہفتہ وار) وغیرہ۔ جیسا کہ نفقہ (زوجہ) کے بیان میں بتایا گیا۔ رہا یہ کہ آیا حاضنہ (پرورش کنندہ عورت) کے لئے گھر (کا بندوبست بھی) لازم ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ گھر کا فیصلہ کرنا بھی حاکم کی رائے پر موقوف ہے کہ وہ زوجین (یعنی بچے کے ماں باپ) کی حالت دیکھے۔ اگر بیوی صاحب توفیق ہے تو باپ پر مکان کا مہیا کرنا لازم نہیں ہے اور اگر وہ تنگدست ہے تو باپ پر لازم ہے کہ مکان بھی دے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ حاضن (پرورش کنندہ) کا اجرت حضانت یعنی (پرورش اولاد کی اجرت) لینا ثابت ہے اور یہ اجرت دودھ پلانے کی اجرت کے علاوہ ہے۔ پس اگر ماں دودھ پلاتی ہے اور دودھ پلانے اور بچہ کی پرورش کرنے کی اجرت طلب کرے تو دونوں کا ادا کرنا (باپ پر) واجب ہے۔ پھر اگر بچہ مالدار ہے تو یہ اجرت اس کے مال سے ادا کی جائے گی۔ بصورت دیگر باپ یا اس پر جو ادائے نفقہ کا ذمہ دار ہے واجب ہوگی۔ اور اس اجرت کی مقدار اتنی ہوگی جو بچے کی حالت کے مطابق اس کے لئے کافی ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ حاضنہ کو یہ حق ہے کہ پرورش اولاد کا معاوضہ طلب کرے۔ پرورش کی سب سے زیادہ حق دار ماں ہے۔ اگر کوئی اور عورت رضا کارانہ طور پر پرورش کرنے کے لئے مل جائے کہ وہ بلا معاوضہ اس کی پرورش کرے تو ماں کو اپنے بچے کی پرورش کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اگر کسی عورت کو دودھ پلانے اور بچے کی پرورش کرنے کے لئے اجرت پر رکھا جائے تو جس طرح طے ہوا ہے اسی کے مطابق دونوں کام لازم ہوں گے۔ اگر باہمی فیصلہ کے وقت صرف دودھ پلانے کا ذکر ہوا ہے تو پرورش بھی اس کے ساتھ لازم ہو جائے گی۔ لیکن اگر پرورش کے لئے اجرت پر رکھا تو دودھ پلانا لازم نہ ہوگا۔

ماں اگر بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر دے تو اس کا حق حضانت بھی ساقط ہو جائے گا اور بچہ کی پرورش کسی اور کے سپرد کر دی جائے گی۔ جیسا کہ پہلے بیان میں کیا گیا۔

بحمد اللہ۔ تمام شد ترجمہ اردو کتاب الفقہ جلد چہارم

بمقام کراچی۔ بروز دوشنبہ تاریخ ۷ جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ

۲۰ مئی ۱۹۷۵ء منظور احسن (عباسی)

Marfat.com